جدید سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم



مقدمہ

فقیہ العصر حضرۃ مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ

سیرت نگار شخصیات

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ

حکیم الامت حضرۃ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرۃ مولانا سید میاں اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ

حضرت مولانا حبیب الرحمن رحمہ اللہ

حضرۃ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ

مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ

حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ

فقیہ العصر حضرۃ مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان Mob: 0322-6180738

www.ahlehaq.org

جدید سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مقدمہ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب مدظلہ العالی

انتخاب و کاوش

محمد اسحاق ملتانی

مدیر: ماہنامہ محاسن اسلام ملتان

ترتیب و تحسین

مولانا زاہد محمود قاسمی

فاضل جامعہ قاسم العلوم ملتان

ادارۂ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 540513-519240

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

۱۳۷۰

نام کتاب

جدید سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تاریخ اشاعت.......................محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

ناشر.......................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت.......................سلامت اقبال پریس ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان - ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور - مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور ------ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ --- کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور -- دارالاشاعت اردو بازار کراچی

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K (ISLAMIC BOOKS CENTERE

119-121- HALLIWELL ROAD BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

وضاحت ایک مسلمان دینی کتابوں میں دانستہ غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہوسکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون یقیناً صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

کلمات ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مبارک علم کو جو ذخیرہ احادیث میں محفوظ تھا برصغیر کے اردو داں حضرات تک منتقل کرنے میں ہمارے اکابر رحمہم اللہ کا بڑا احسان ہے۔ اس مبارک موضوع پر اکابر نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق سیرت طیبہ کے ہر ہر گوشہ کو اردو کا جامہ پہنا کر عامۃ المسلمین پر جو احسان عظیم فرمایا ہے یقیناً یہ ان کیلئے روز محشر شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قوی ذریعہ ہے۔

ہمارے اکابر علماء نے سیرت مقدسہ پر چھوٹے رسائل سے لیکر بڑی بڑی ضخیم کتب تالیف فرمائی ہیں جن کا حرف حرف ہمارے لیے سند ہے۔ ان اکابر کو اللہ پاک نے اپنے فضل وکرم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی عقیدت ومحبت نصیب فرمائی تھی کہ ان کے حالات جاننے والے بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں کہ اکابر دیوبند نے اس دور میں خیر القرون کی مبارک یادیں تازہ کردی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچا عشق، اتباع سنت سے آراستہ زندگی، عقیدت وعظمت سے سرشار دل و دماغ، علم وعرفان سے معطر قلم، ایسی حالت وکیفیت میں ان اکابر حضرات نے جس موضوع پر تحریر یا تقریر کی اللہ پاک نے رشد وہدایت کیلئے عوام الناس کے سینوں کو کشادہ فرمادیا۔ خیر وبرکات کی عظیم کرامتیں اس پر مستزاد ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب'' کو دیکھ لیجئے کہ کس عشق ومحبت، خلوص واللہیت سے لکھی گئی کہ حضرت خود فرماتے ہیں کہ اس کی تالیف اس زمانہ میں ہوئی جبکہ طاعون نے پورے علاقہ کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا لیکن جس دن اس مبارک کتاب کی تالیف کا کام کیا جاتا اس دن طاعون کی شدت میں کمی ہوجاتی۔

عرصہ دراز سے راقم الحروف کے دل میں یہ داعیہ تھا کہ جس طرح والد بزرگوار حضرت الحاج عبدالقیوم مہاجر مدنی مدظلہم نے ''گلدستہ تفاسیر'' (جو بحمد اللہ عوام وخواص میں بے حد مقبول ہوئی) مرتب کی ہے اسی طرح اپنے اکابر کی سیرت طیبہ سے متعلق مستند وجامع کتب سے ایک ایسا ''گلدستہ سیرت'' مرتب کیا جائے جس کی سدابہار عام فہم عبارات سے صرف اہل علم ہی نہیں بلکہ عوام الناس بھی بآسانی مستفید ہوسکیں۔

موجودہ اکابر علماء سے مشاورت، حضرت والد صاحب وبزرگان دین کی دعا وتوجہ کی برکت سے اپنے اکابر ہی کی کتب سے مضامین سیرت کو منتخب کرنا شروع کردیا۔

احقر خودتو رموزِ عشق اور حروف علم سے نا آشنا ہے اس لیے کتاب ہذا میں اپنی طرف سے کچھ لکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لیے اس کے تمام مضامین اکابر علماء ہی کی تحریرات کا عام فہم جامع انتخاب ہے۔

احقر نے مضامین کے انتخاب کے بعد اسکی ترتیب کا کام اپنے محترم مولانا زاہد محمود قاسمی (استاد جامعہ قاسم العلوم) کے سپرد کیا جنہوں نے نہایت محنت اور خوش اسلوبی سے یہ کام سرانجام دیا۔

شروع میں خیال تھا کہ مضامین کی کثرت کے پیش نظر اسے چند جلدوں میں تقسیم کر دیا جائے لیکن قارئین کی سہولت و فرمائش پر ایک جلد میں تمام مضامین مرتب کر دیئے گئے ہیں تا کہ اس مبارک کتاب کو سفر وحضر کا بہترین رفیق بنایا جا سکے۔

کتاب ہذا میں جلی عنوانات کی کتابت کا کام ملتان کے نامور خطاط محترم راشد سیال صاحب نے کیا ہے اور کمپیوٹر ڈیزائنگ میں عزیزم عمران اعوان نے محنت شاقہ سے تعاون کیا ہے۔ بہرحال اپنی بساط کی حد تک کوشش کی ہے کہ مضامین کی معنوی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ کتاب کی ظاہری زیب وزینت بھی قارئین کے حسب ذوق ہو۔

سیرت سے متعلق اکثر کتب آجکل مقامات مقدسہ کی رنگین یا سادہ تصاویر سے آراستہ آرہی ہیں اس مقدس روش کو برقرار رکھتے ہوئے کتاب ہذا میں بھی ایسے سینکڑوں رنگین وسادہ تصاویر اور غزوات کے نقشہ جات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ان نادر تصاویر کے حصول میں جن احباب نے جس قسم کا بھی تعاون کیا ہے اللہ پاک انہیں اپنی شایان شان جزائے خیر سے نوازیں آمین۔

امید ہے کہ باذوق قارئین کے ذوق لطیف عوام وخواص اس جدید سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت وعقیدت سے مطالعہ فرمائیں گے۔ اور اپنی زندگیوں کو اسوہ حسنہ میں ڈھالنے کی مبارک فکر فرمائیں گے۔ اور اپنے دوست احباب تک اس مبارک کتاب کو پہنچائیں گے۔

بارگاہ رب العزت میں دست بستہ التجا ہے کہ اے اللہ! سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انتخاب پر روز محشر احقر ناشر ومرتب اور والدین ماجدین اور مشائخ کرام رحمہم اللہ جن کی بدولت یہ نعمت مل رہی ہے ان سب کو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگاروں میں شامل فرما اور اس کتاب کی برکت سے ادارہ کے تمام احباب وقارئین کو اسوہ حسنہ پر چلنے کی مبارک توفیق سے نواز کہ دنیا وآخرت کے تمام مراحل میں کامیابی وکامرانی کا یہی واحد زینہ ہے۔

آخر میں تمام قارئین سے گذارش ہے کہ کتاب ہذا کو اتباع سنت کی نیت سے یومیہ مطالعہ فرمائیں تو کم سے کم وقت میں یہ عظیم الشان کتاب بفضلہ تعالیٰ آپ کو بہت کچھ دے سکتی ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو عمل کی توفیق دیں آمین۔

احقر: محمد اسحٰق عفی عنہ

صفر المظفر ۱۴۲۶ھ بمطابق مارچ 2005ء

اجمالی تعارف

یہ جدید "سیرت النبی" تین حصوں پر مشتمل ہے۔

پہلے حصہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے لے کر نزول وحی سے قبل تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس حصہ میں بنیادی طور پر تو "سیرۃ المصطفیٰ" (حضرت کاندھلوی) کو ماخذ بنایا گیا ہے اور ترتیب بھی وہی رکھی گئی ہے البتہ ساتھ ساتھ "سیرۃ محمد رسول اللہ" (مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ) "سیرت رحمت عالم" (علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ) "النبی الخاتم" (مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ) "سیرت رحمت عالم" (مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ) "لامیۃ المعجزات" اور "نشر الطیب" سے بھی موقع بہ موقع اقتباس کیا گیا ہے۔

دوسرے حصہ میں جو کہ ۲ ھ سے وفات حسرت آیات تک کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے اس کا تقریباً سارا ماخذ "سیرۃ المصطفیٰ" ہے۔ اخذ کرنے میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ وہ علمی مباحث وموضوعات جن کا تعلق اہل علم سے ہے یا وہ مضامین جو حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات سے مستنبط کئے ہیں انہیں چھوڑ دیا گیا ہے صرف سیرۃ مبارکہ کے مسلسل واقعات وحالات لئے گئے ہیں تاکہ عوام الناس کو استفادہ میں آسانی رہے۔

تیسرے حصہ میں جو کہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے اس میں پہلا باب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ ولباس مبارک وغیرہ سے متعلق ہے جو کہ مفتی محمد سلمان منصور پوری کی کتاب "خصائل مصطفیٰ" سے ماخوذ ہے، دوسرا باب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا محترم، والدین کرام اور چچا، پھوپھیوں، ازواج مطہرات واولاد کے حالات پر مشتمل ہے اس کا مواد "سیرت رحمۃ للعالمین" (محمد سلمان منصور پوری) سے لیا گیا ہے البتہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام باندیوں، مخصوص صحابہ کرام اور سامان وترکہ کے متعلق بھی مختصر تذکرہ ہے یہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی کتاب "سیرۃ الرسول" سے ماخوذ ہے۔

اسی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازدواج اور اس پر غیر مسلمین کے شبہات کے جواب پر بھی مفصل مقالے شامل ہیں جو کہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا حافظ محمد ثانی صاحب کی کتب سے لئے گئے ہیں۔ تیسرا باب "گلزار سنت" کے عنوان سے ہے جس میں شب وروز کے مسنون اعمال اور دعائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منتخب ارشادات پر مشتمل ہے جو کہ ولی کامل حضرت مولانا میاں سید محمد اصغر حسین شاہ صاحب کی کتاب "گلزار سنت" سے لئے گئے ہیں۔ چوتھا باب معجزات سے متعلق ہے جو "ترجمان السنۃ" سے ماخوذ ہے۔ پانچویں باب میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ کا خطاب ہے جو کہ ختم نبوت کے موضوع پر بے حد نافع ہے اس کے علاوہ فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ کا مقالہ لیا گیا ہے جو کہ "حیات النبی" صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر ایک جامع ومحکم مضمون ہے۔ آخر میں علامہ سمہودی رحمہ اللہ کی کتاب "وفاء الوفا" سے رسالہ "توسل بافضل الرسل" دیا گیا ہے جو کہ ختامہ مسک کے مصداق فال نیک ہے۔

مُقدّمہ

فقیہ العصر حضرۃ مولانا مفتی عبدالستار مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد

ایک مومن کا دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے لیے بے تاب، مومن کی آنکھیں دیار حبیب کے لیے اشکبار، اس کا ذوق نظر، ان ہی کے تصور سے گہربار اور اس کے لبوں کو ان ہی کے اسم بوسی کا انتظار رہتا ہے، یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے کہ عشق رسول کی اس دولتِ بے بہا سے کسے کتنا حصہ ملتا ہے، آیئے برصغیر کے چند ایسے ہی نصیب والے علماء کے چند مبارک واقعات کا ذکر کرتے ہیں:

مفتیٔ اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے ہاں ایک سال دورۂ حدیث میں سوات کے مولوی عبدالحق بھی شریک تھے، انہوں نے رات کو خواب میں سرورِ دو عالم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ درس حدیث کی مسند پر حضرت مفتی صاحب کی جگہ تشریف فرما ہیں، اور صحیح مسلم کی ایک حدیث پڑھا کر اس پر محدثانہ تقریر فرما رہے ہیں، عجیب بات یہ تھی کہ مولوی صاحب کو وہ تقریر جاگنے کے بعد بھی ٹھیک اسی طرح یاد رہی جیسے سنی تھی، صبح حضرت مفتی صاحب درس کے لیے تشریف لائے، اپنی مسند پر بیٹھ کر کتاب کھولی تو مولوی عبدالحق نے کہا ''حضرت! میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں'' اجازت مل گئی تو انہوں نے اپنا رات والا خواب سنایا، وہ سنتے ہی حضرت مفتی صاحب اپنی مسند سے کھڑے ہو گئے، فرمانے لگے ''عبدالحق! قبلہ رخ کھڑے ہو کر خدا کو گواہ بنا کر کہو کہ واقعی تم نے خواب میں اسی طرح دیکھا'' مولوی صاحب حکم بجالائے تو حضرت مفتی صاحب مسند سے ہٹ کر سامنے بیٹھ گئے اور فرمایا ''عبدالحق! تمہارا خواب سچا ہے، ......بس اس کے بعد حضرت مفتیٔ اعظم چالیس روز تک احتراماً اس مسند پر نہیں بیٹھے۔

معاملہ اگرچہ خواب کا تھا.....لیکن بات ادب کے اعلیٰ مقام کی تھی!!

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ جب حج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے تشریف لے گئے فراغت کے بعد جب مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانگی ہوئی تو دربار حبیب سے کئی میل دور ہی گنبد خضراء پر نظر پڑتے ہی اپنا جوتا اتار لیا حالانکہ وہاں سے راستہ

نوکدار پتھر کے ٹکڑوں سے بھرا تھا مگر آپ کے ضمیر نے گوارا نہ کیا کہ دیار حبیب میں جوتا پہن کر چلا جائے نامعلوم کس مقام پر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام مبارک پڑے ہوں اور میری کیا مجال کہ میں جوتا پہن کر اس مقام پر چلوں۔

قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اپنے دور میں علمائے حق کے سرخیل تھے، ان سے کسی نے پوچھا "حضرت! اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کی ایک دعا قبول ہوگئی تو آپ کیا دعا کریں گے؟" فرمانے لگے "میں دعا کروں گا کہ اے اللہ! حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق و محبت تھا، مجھے بھی اس میں سے کچھ حصہ مل جائے۔"

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی تصانیف سے آج ایک دنیا فیض یاب ہو رہی ہے، ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ ایک دن مجھے خیال آیا کہ ہم اتباع سنت کا بہت ذکر کرتے ہیں، مگر اس کا کچھ حصہ ہمارے اعمال میں ہے بھی کہ نہیں؟...... چنانچہ میں تین دن تک صبح سے رات تک اپنے تمام اعمال کا بغور جائزہ لیتا رہا، دیکھنا یہ تھا کہ کتنی اتباع سنت ہم لوگ عادتاً کرتے ہیں، کتنی اتباع کی توفیق علم حاصل کرنے کے بعد ہوئی اور کتنی باتوں میں اب تک محرومی ہے؟ تین دن تک تمام امور زندگی اور معمولات روز و شب کا جائزہ لینے کے بعد اطمینان ہو گیا کہ الحمدللہ معمولات میں کوئی عمل خلاف سنت نہیں۔

اسی اتباع سنت و عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا ثمر تھا کہ ایک صاحب نے خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ کسی آیت کا مطلب اس (خواب دیکھنے والے) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بیان القرآن" میں دیکھو۔ بیان القرآن تفسیر ہے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی لکھی ہوئی۔

انہوں نے یہ خواب حضرت مولانا تھانویؒ کو لکھا۔ تو حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا:

بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

کہ اس خوشخبری پر اگر میری جاں بھی قربان ہو تو ٹھیک ہے

پھر ساری رات نہیں لیٹے۔ برابر درود شریف پڑھتے رہے۔ (اکابر دیوبند اور عشق رسول)

حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ کا واقعہ:

تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ دیوبند کے جلسہ دستار بندی میں جب آپ تشریف لائے تو غالباً عصر کی نماز میں ایک دن ایسا اتفاق پیش آیا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نماز پڑھانے کو مصلے پر جا کھڑے ہوئے۔ مخلوق کے ازدحام اور مصافحہ کی کثرت کے باعث باوجود عجلت کے جس وقت آپ جماعت میں شریک ہوئے ہیں تو قرأت شروع ہو گئی تھی۔ سلام پھیرنے کے بعد دیکھا گیا تو آپ اداس، اور چہرہ پر اضمحلال برس رہا تھا اور آپ رنج کے ساتھ یہ الفاظ فرمارہے تھے کہ افسوس بائیس برس کے بعد آج تکبیر اُولیٰ فوت ہو گئی۔

برصغیر کے علمائے حق کی یہ وہ جماعت ہے جس کے شب و روز کا ایک ایک عمل، جس کی زبان کا ایک ایک قول اور جس کی زندگی کا ایک ایک معمول......سنت رسول کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، معاملات سے لے کر عبادات تک اور اخلاق وعادات سے لے کر معاشرت تک ہر ہر شعبے میں ان کی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نمونہ تھی، اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، آتے جاتے، ملتے جلتے ......اس طرح کے بے شمار طبعی امور میں بھی سنتوں کا نہ صرف خیال رکھتے بلکہ پابندی کے ساتھ ان پر عمل پیرا بھی ہوتے کہ عشق رسول نام ہی اتباع رسول کا ہے، اتباع رسول کے بغیر عشق رسول کا دم بھرنا "عشق ومحبت" کی نزاکتوں کی توہین نہیں تو اور کیا ہے!۔

مدینہ منورہ کے ایک بزرگ نے فرمایا: کہ حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ کے سامنے کسی نے انگریزی میں ٹیلی فون نمبر بتائے حضرت کو یہ بہت ناگوار گزرا اور فرمایا کہ اللہ کے نبی کے گھر اللہ کے دشمن کی زبان۔ اللہ اللہ کیسا عشق وادب تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ایسے ہی اللہ والے متبع سنت اکابر کی تحریرات سے منتخب "جدید سیرۃ النبی" کو جستہ جستہ دیکھنے کا موقع ملا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گلدستہ سیرت مبارکہ کو نافعیت اور قبولیت عامہ سے نوازیں۔

اور مؤلف اور ناشر مخدوم ومکرم مولانا محمد اسحاق صاحب زید فضلہم کو اور ہم سب کو اللہ پاک اپنی رضائے عالی سے سرفراز فرمادیں۔ آمین فقط

بندہ عبدالستار عفی عنہ
۲۰/ شوال المکرم ۱۴۲۵ھ

فہرست مضامین

حصہ اوّل
ولادت تا شروعاتِ وحی

بعثت دعوت
سابقین اوّلین

اعلانیہ دعوت

ہجرت حبشہ تا معراج

اسلام مدینہ والوں کو فتح کرنا

مدینہ میں
ورود مسعود تا معاہدہ یہود

حصہ دوم

۲ھ کے غزوات و واقعات

۳ھ کے غزوات و واقعات

غزوات ۶ھ کے واقعات

غزوات ۸۰۷ واقعات

غزوات و واقعات ۹-۱۰ھ کے

سنہ ۱۱ کے غزوات وواقعات

حصہ سوم

حلیہ مبارک لباس اور دیگر متعلقات

جدِ امجد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، چچا، پھوپھیاں، ازواجِ مطہرات و دیگر متعلقین و خدام

گلزارِ سنت

مُعجزات

ختم نبوت کا معنیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن العزیز الحکیم

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ

رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب)

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَللّٰھُمَّ

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ

بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

کتبہ الفقیر نفیس الحسینی اللاھوری غفر اللہ ذنوبہ و ستر عیوبہ فی رمضان المبارک سنۃ ١٤١٣

جدید سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حصہ اوّل

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

نَحمدُہٗ ونستعینُہٗ ونستغفِرُہٗ ونُؤمن بہٖ ونتوکّلُ علیہِ
ونعوذُ باللہ مِن شُرورِ انفُسِنا ومِن سیّأٰتِ أعمالِنا
من یّھدِہِ اللہ فلا مُضِلّ لہٗ ومن یُّضلِلہ فلا ھادِیَ لہٗ
ونشھد أن لّآ اِلٰہ اِلّا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ
ونشھد أنّ سیّدنا ومولانا محمّدًا عبدہٗ ورسُولہٗ
صلّی اللہ تعالیٰ علیہِ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعینؕ

باب ا

ولادت تا شروعاتِ وحی

پیشگوئیاں

ولادت باسعادت

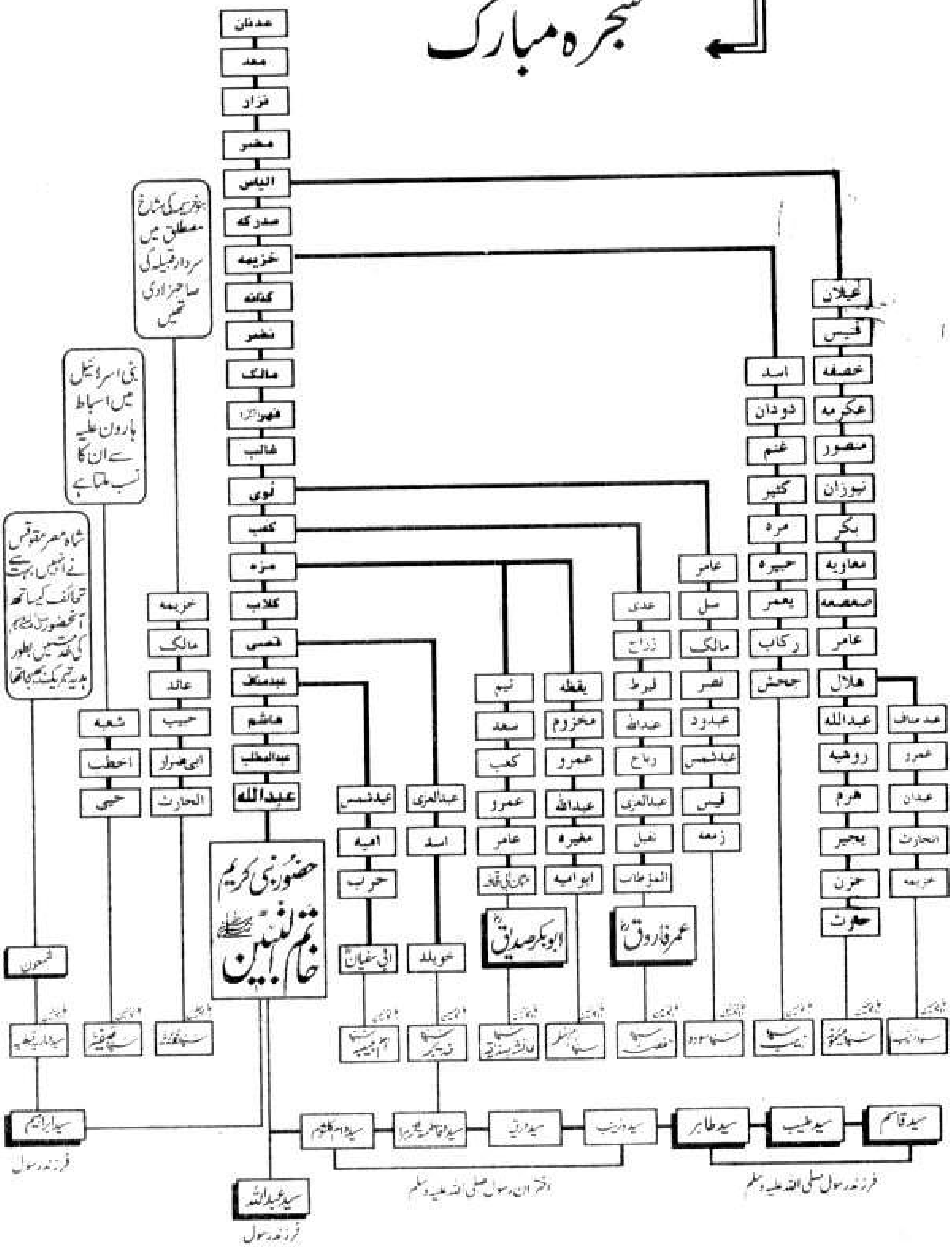
انقلاب عظیم کے آثار

نرالا بچپن اور جوانی میں مثالی کردار کی تخلیق

یاد خدا کا شوق

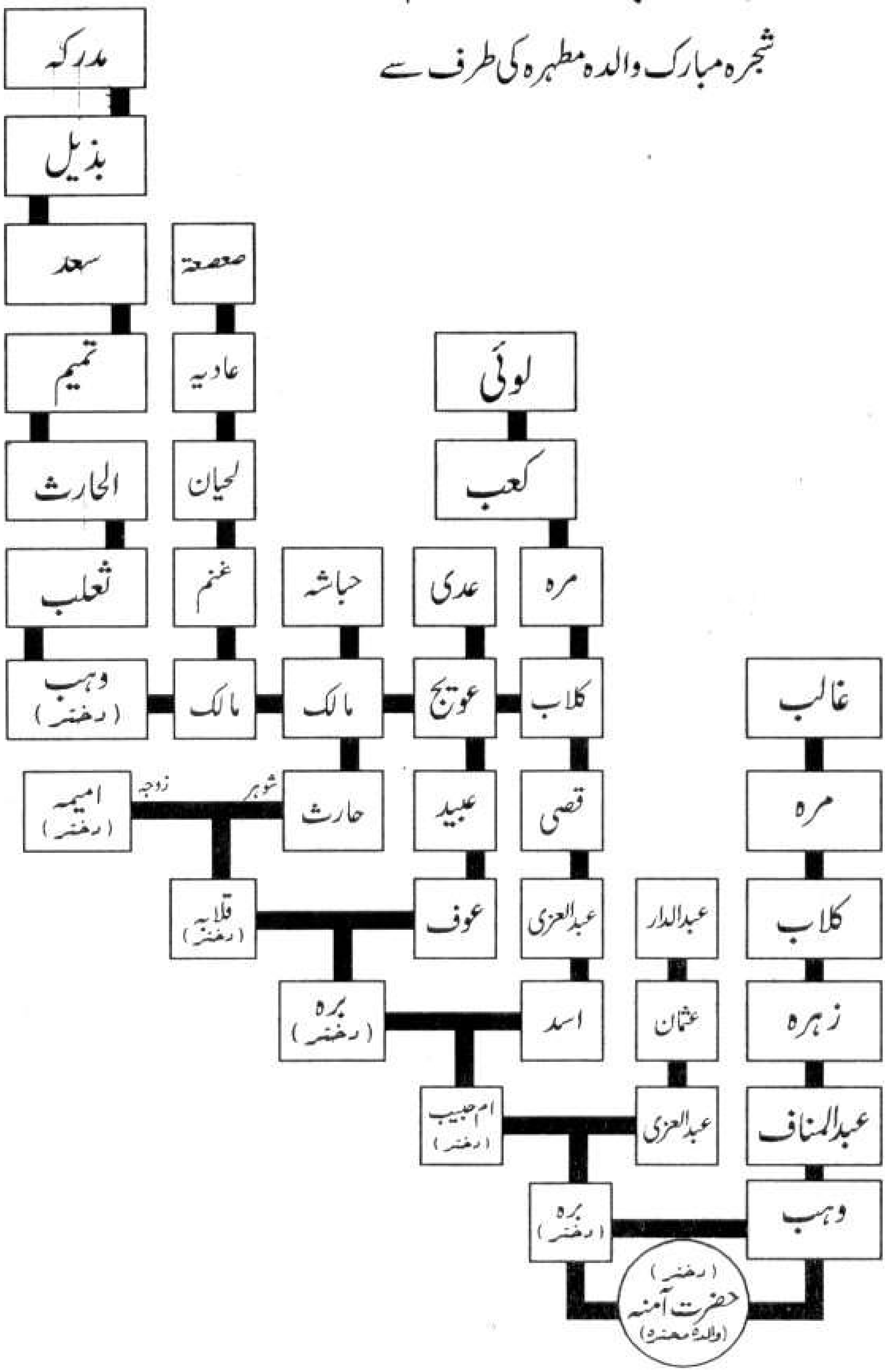
نکاح

سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ مبارک



حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا

شجرہ مبارک والدہ مطہرہ کی طرف سے



گھر گھر اُجالا

حضورِ محمد ﷺ سے گھر گھر اُجالا
ظہورِ محمد سے گھر گھر اُجالا
بنایا خدا نے سراجاً مُنیرًا
ہے نورِ محمد سے گھر گھر اُجالا

○

ہے ذاتِ محمد ﷺ سے گھر گھر اُجالا
صفاتِ محمد سے گھر گھر اُجالا
یہ انوارِ ذات و صفات ، اَللہ اَللہ!
حیاتِ محمد سے گھر گھر اُجالا

(۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء)

پہلوں کی پیش گوئیاں اور بشارتیں

بودھ کی آخری نصیحت

جس طرح مغربی زمینوں کو درست کرنیوالے (حضرت عیسیٰؑ) نے اپنا فرض اس طرح ادا کیا، دیکھو کہ اس سے پانچ سو برس پہلے مشرقی ممالک کو ایک مشرق بنانے والے نے بھی جس نے دھرم کا نرسنگھا ایران سے چین کی دیواروں تک پھونکا، سنو! چلتے ہوئے اس نے دنیا کو کیا وصیت کی اگرچہ بہت کچھ مٹ چکا ہے لیکن مٹنے سے جو چیزیں بچ گئی ہیں اس میں مہاتمہ بدھ کا یہ آخری فقرہ اب تک زندہ ہے جس کو اپنی زندگی ختم کرتے ہوئے خدا کے اس بندے نے اپنے شاگرد نندا کے کان میں اس وقت ڈالا جب اس کی سانس اکھڑ رہی تھی۔ اور اس کا یہ مخلص خادم اس کے قدموں کو اپنے آنسوؤں سے یہ کہتے ہوئے دھو رہا تھا ''آقا آپ کے جانے کے بعد دنیا کو کون تعلیم دیگا۔''

بدھ نے اس کے جواب میں کہا ''نند! میں پہلا بودھ نہیں ہوں جو زمین پر آیا، نہ میں آخری بودھ ہوں۔ اپنے وقت پر دنیا میں ایک اور بودھ آئے گا۔

مقدس، منور القلب، عمل میں دانائی سے لبریز، مبارک، عالم کائنات کے انسانوں کا عدیم النظیر سردار جو غیر فانی حقائق میں ظاہر کرتا رہا ہوں، وہ بھی وہی ظاہر کرے گا، وہ ایک مکمل اور خالص مذہبی نظام زندگی کی میری طرح تبلیغ کرے گا''

نند نے کہا ''ہم اس کو کس طرح پہچانیں گے''۔

آ قا نے فرمایا ''وہ متیریا کے نام سے موسوم ہوگا''۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۳۰ء کی اشاعت میں الہ آباد کے مشہور ہندو انگریزی اخبار لیڈر میں ایک بڈھشت کا یہ مضمون صفحہ سات کالم تین میں شائع ہوا تھا اس میں اسی ''متیریا'' لفظ کا ترجمہ نامہ نگار مذکور نے لکھا تھا۔ ''وہ جس کا نام رحمت ہے'' (النبی الخاتم)

حضرت داؤد علیہ السلام کی بشارت

داؤد علیہ السلام اس کے گھر کی تمنا میں بے چین ہو ہو کر اپنی بانسری سے یہ پر سوز لے پیدا فرماتے تھے۔

''مبارک ہیں وہ تیرے گھر میں بستے ہیں، وہ سدا تیری حمد کرتے ہیں، وہ بکہ سے گزرتے ہوئے ایک کنواں بناتے ہوئے''۔ (زبور باب ۱۸)

حضرت سلمانؑ کی آرزو

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے شاہی تخت پر اس کے آگے سر بھی جھکایا تھا، اشاروں کنایوں میں نہیں اعلانیہ نام لے کر اپنے دل کی اس لگن کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا۔

''وہ خلو محمد یم زہ ودی زہ رعی'' (تسبیحات سلیمان پ ۵۔۱۲) (النبی الخاتم)

حضرت یسعیاہ کا اعلان

وہ ٹھیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ میرے محبوب ہیں میری جان یسعیاہ نبی اپنے جوش بیان میں اس کا غلغلہ اسی طرح بلند کر رہے تھے۔ عرب کے صحرا میں رات کاٹو گے اے ودائیو کے قافلو! پانی لے کر پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے تیماء کی سرزمین کے باشندو! اے روٹی لے کر بھاگنے والوں کو ملنے آؤ۔ کیونکہ وے تلواروں کے سامنے سے، ننگی تلواروں، کھچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں''۔ (یسعیاہ باب ۲۱) (النبی الخاتم)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشارت

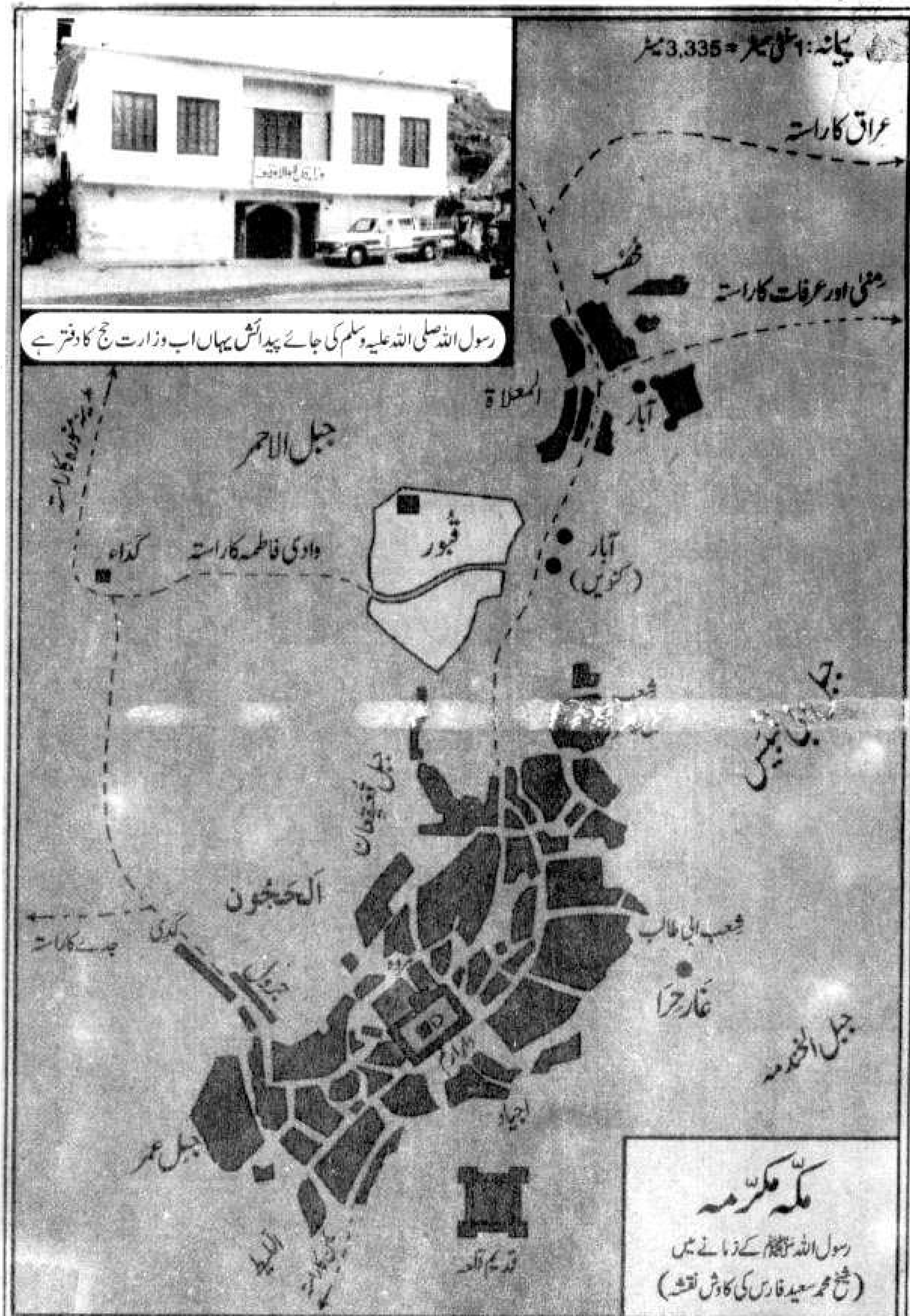
سینا کی روشنی میں حضرت کلیم کو دکھایا گیا دیکھ کر وہ چلائے:

''خدا سینا سے نکلا' سعیر سے چمکا اور فاران ہی کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ'' (پیدائش باب ۷، ۲:۱۷)

دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو بھی دیکھ رہے ہیں اور صدا اس صدقہ میں ہزار ہا برس پہلے ان کو بھی دیکھ رہے تھے جنہوں نے صرف اس کو دیکھ کر ملائکہ کا رتبہ حاصل کیا۔ ایک دو کو نہیں بلکہ ان کی دس ہزار کی تعداد کو دیکھا' ان کی قدوسیت کی شہادت ادا کی۔

حضرت عیسیٰؑ کی بشارت

حضرت مسیح علیہ السلام نے آنے والے کے آنے کا دنیا کو منتظر بنایا تھا جو مسیحؑ کے جانے کے ساتھ ہی آ گیا۔ اس پر کیا تعجب ہے کہ انہوں نے اتنا قریب سے اس کو دیکھ لیا اور سچ تو یہ ہے کہ ڈھائی سال کی اس نبوت کا مقصد اگر بجائے تعمیر کے عیسائی بھی اسی طرح آنے والے کی تبشیر اور ''مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد'' قرار دیتے جیسا کہ قرآن نے قرار دیا ہے تو حضرت مسیح علیہ السلام کی جگہ وہ اسی کو ڈھونڈتے جس کے بتانے کے لئے مسیح علیہ السلام تشریف لائے تھے۔ (النبی الخاتم)



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش یہاں اب وزارت حج کا دفتر ہے

اللّٰھم صل علیٰ محمد
وعلیٰ اٰل محمد

حضور اکرم ﷺ نے صحابہؓ سے ایک مرتبہ فرمایا آئندہ نامکمل درود شریف نہ پڑھا کرو پھر صحابہ کرامؓ کے دریافت کرنے پر آپ نے مذکورہ درود شریف تعلیم فرمایا۔ (از مجمع الاصول)

والدہ ماجدہ کے بطن میں قرار پانے کی برکات

خواب میں بشارت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حمل میں آئے تو ان کو خواب میں بشارت دی گئی ''تم اس امت کے سردار کے ساتھ حاملہ ہوئی ہو جب وہ پیدا ہوں تو یوں کہنا۔ اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد اور ان کا نام محمد رکھنا''۔ (سیرۃ ابن ہشام)

نور کا دیکھنا

حمل کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے ایک نور دیکھا جس میں شام کے شہر بصریٰ کے محل ان کو نظر آئے۔ (کذافی سیرۃ ابن ہشام)

فائدہ:۔ یہ نور کا دیکھنا اس قصہ کے علاوہ ہے جو عین ولادت کے وقت اسی طرح کا واقع ہوا۔

آسانی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ روایت کرتی ہیں کہ میں نے (کسی عورت کا) کوئی حمل جو آپ سے زیادہ تیز اور آسان ہو نہیں کیا۔ (سیرۃ ابن ہشام)

فائدہ:۔ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر بھی نہ تھا۔ اس عبارت میں برابر ہونے کی بھی نفی ہے۔ تیز کا مطلب یہ ہے کہ مشکل نہ تھا اور آسان تھا کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کی تکلیف متلی، سستی یا بھوک نہ لگنا وغیرہ نہ تھا۔

ولادت شریفہ

سرورعالم سید ولد آدم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ الہ وصحبہ وبارک وسلم وشرف وکرم واقعہ فیل کے پچاس یا پچپن روز کے بعد بتاریخ ۸ ربیع الاول یوم دوشنبہ مطابق ماہ اپریل ۵۷۰ عیسوی مکہ مکرمہ میں صبح صادق کے وقت ابوطالب کے مکان میں پیدا ہوئے۔ ولادت باسعادت کی تاریخ میں مشہور قول تو یہ ہے کہ حضور پرنور ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے لیکن جمہور محدثین اور مورخین کے نزدیک راجح اور مختار قول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۸ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ عبداللہ بن عباس اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے اور اسی قول کو علامہ قطب الدین قسطلانی نے اختیار کیا ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت مولانا سید سلمان ندویؒ لکھتے ہیں:۔

عبداللہ کے مرنے کے چند مہینوں کے بعد بی بی آمنہ کے بچہ پیدا ہوا جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا گیا۔ یہی وہ بچہ ہے جو ہمارا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کے پیدا ہونے کی دعا حضرت ابراہیمؑ نے خدا سے مانگی تھی اور جو ساری دنیا کی قوموں کا رسول بننے والا تھا۔

پیدائش ربیع الاول کے مہینہ میں پیر کے دن حضرت عیسیٰؑ سے پانچ سو اکہتر برس بعد ہوئی۔ سب گھر والوں کو اس بچہ کے پیدا ہونے سے بڑی خوشی ہوئی۔

حضرت مولانا محمد میاںؒ رقم طراز ہیں:۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو بشارت دی تھی۔ ''یاتی من بعدی اسمہ' احمد'' میرے بعد ایک رسول آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔

۱۲۵ اپریل ۵۷۱ء کو اس جان آفرین بشارت کا ظہور ہوا۔

صبح کا سہانا وقت تھا۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا کہ ہدایت ورحمت کا یہ آفتاب افق مکہ پر طلوع ہوا۔ شرافت اور انسانیت کے چمن میں آپ کی تشریف آوری فصل گل کی آمد تھی تو آپ کی پیدائش بھی موسم بہار میں ہوئی (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ لکھتے ہیں:۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم موسم بہار میں دوشنبہ کے دن بعد از صبح صادق وقبل از طلوع آفتاب پیدا ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والدین کے اکلوتے فرزند تھے۔ والد بزرگوار کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے انتقال ہو گیا تھا۔

عبدالمطلب آنحضرتؐ کے دادا نے خود بھی یتیمی کا زمانہ دیکھا تھا' اپنے ۲۴ سالہ نوجوان پیارے فرزند عبداللہ کی اس یادگار کے پیدا ہونے کی خبر سنتے ہی گھر میں آئے اور بچہ کو خانہ کعبہ میں لے گئے اور دعا مانگ کر واپس لائے۔

پیدائش مبارک کا دن' جگہ اور تاریخ

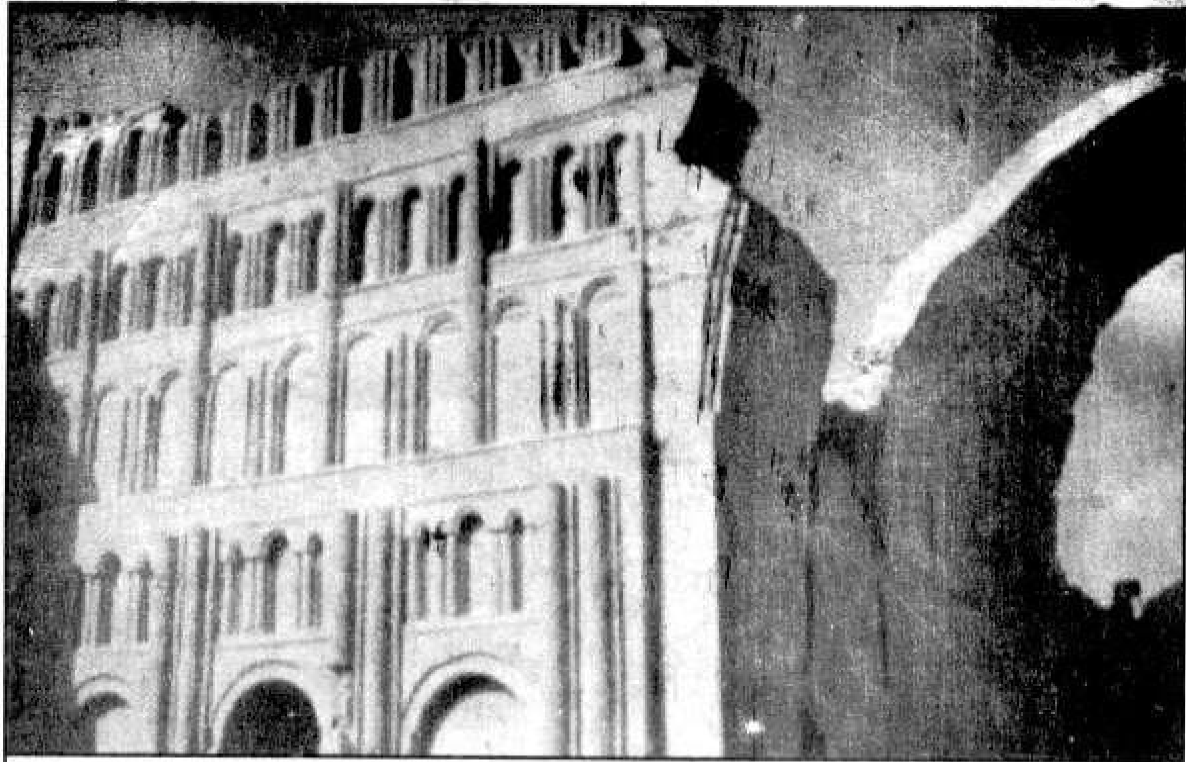
دن وتاریخ:۔ سب کا اتفاق ہے کہ پیر کا دن تھا۔ تاریخ میں اختلاف ہے کہ آٹھویں یا بارھویں ہے۔ (کذافی الشمامہ)

مہینہ:۔ سب کا اتفاق ہے کہ ربیع الاول تھا۔

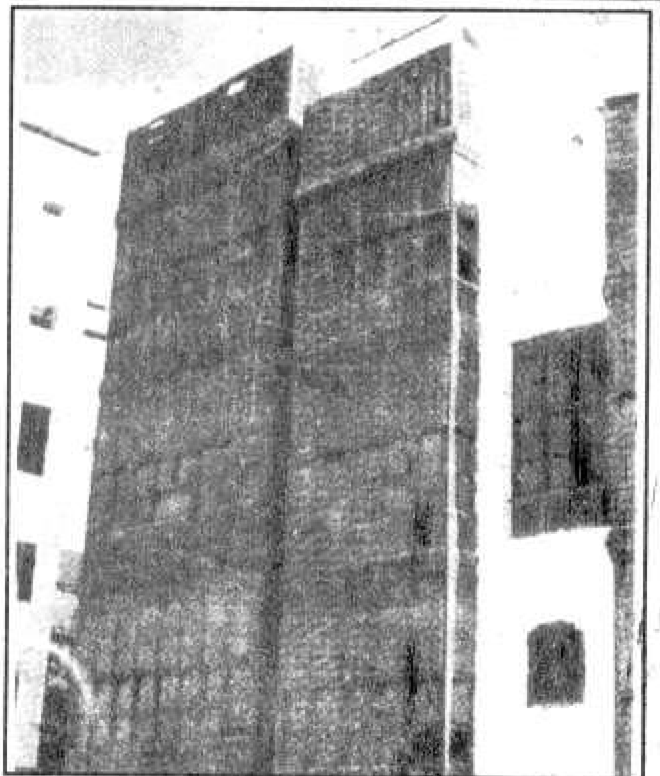
سال:۔ سب کا اتفاق ہے کہ عام الفیل تھا (جس سال اصحاب الفیل ہلاک کئے گئے) **بقول** سہیلی اس قصہ سے پچاس دن بعد اور بعض نے پچپن دن بعد کہا ہے۔ (قالہ الدمیاطی کذافی الشمامۃ)

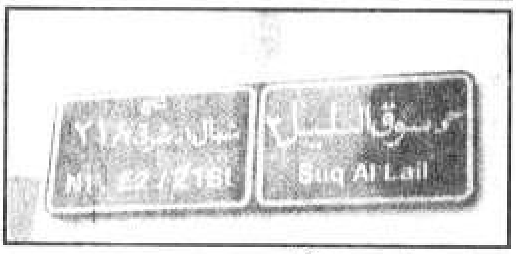
وقت پیدائش:۔ **بعض** نے رات اور **بعض** نے دن کا وقت کہا ہے (قال الزرکشی) **بعض** نے بوقت طلوع فجر کہا ہے۔ (کذافی الشمامۃ)

مقام پیدائش:۔ **بعض** کے نزدیک مکہ میں پیدا ہوئے۔ **بعض** کے نزدیک شعب (گھاٹی) میں پیدا ہوئے **بعض** کے نزدیک روم میں پیدا ہوئے اور **بعض** کے نزدیک عسفان میں پیدا ہوئے۔ (کذافی الشمامہ لمن المواہب)



ایران کے شہنشاہ کسریٰ کا وہ محل جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے موقع پر دراڑیں پڑ گئیں

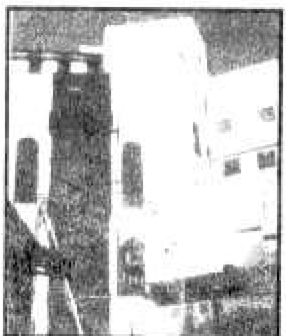


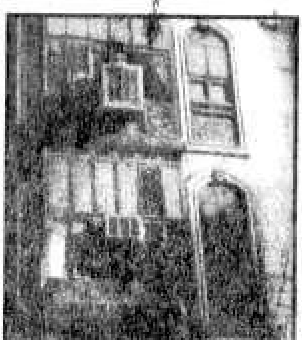


محلہ سوق اللیل جس کی گلی میں حضرت عبداللہ رہتے تھے

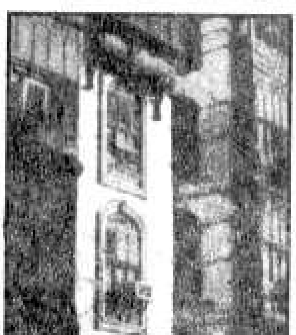


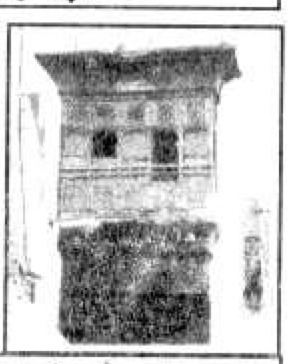
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کے آباؤ اجداد کا محلّہ





شعب بنی ہاشم کے قدیم مکانات





بنی ہاشم کے محلے میں پرانے طرز کے مکانات

ولادت شریفہ کے وقت پیش آنیوالے واقعات

مشرق ومغرب روشن ہو گئے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: آمنہ بنت وہب (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ) فرماتی ہیں: جب آپ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پیٹ سے جدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک نور نکلا جس سے مشرق ومغرب کے درمیان سب روشن ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر آئے اور دونوں ہاتھوں پر سہارا دیئے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک کی مٹھی بھری اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔

فائدہ: اسی نور کا ذکر ایک دوسری حدیث میں اس طرح ہے: ''اس نور سے آپ کی والدہ نے شام کے محل دیکھے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی واقعہ کے بارے میں خود ارشاد فرمایا **رویاء امی التی رات** اور اس میں یہ بھی آپ کا ارشاد ہے **وکذا امہات الانبیاء یرین** یعنی انبیاء علیہم السلام کی مائیں ایسا ہی نور دیکھا کرتی ہیں۔

خانہ کعبہ نور سے معمور ہوا

عثمان ثقفیہ جن کا نام فاطمہ بنت عبداللہ ہے روایت کرتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کے وقت میں نے خانہ کعبہ کو دیکھا کہ نور سے معمور ہو گیا اور ستاروں کو دیکھا کہ زمین سے اس قدر قریب آ گئے کہ مجھ کو گمان ہوا کہ مجھ پر گر پڑیں گے۔

غیبی آواز

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ شفا سے روایت کرتے ہیں کہ

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔ بچوں کے معمول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نکلی تو میں نے ایک کہنے والے کو سنا۔ رحمک الله (یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو) شفا کہتی ہیں تمام مشرق و مغرب کے درمیان روشنی ہوگئی یہاں تک، میں نے روم کے بعض محل دیکھے پھر میں نے آپ کو دودھ دیا (یعنی اپنا نہیں بلکہ آپ کی والدہ کا کیوں کہ شفا کو کسی نے دودھ پلانے والیوں میں ذکر نہیں کیا) اور لٹا دیا تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی: مجھ پر تاریکی، رعب اور لرزہ چھا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری نظر سے غائب ہو گئے۔ میں نے ایک کہنے والے کو سنا: ان کو کہاں لے گئے تھے جواب دینے والے نے کہا: مشرق کی طرف۔ وہ کہتی ہیں: اس واقعہ کی عظمت مستقل میرے دل میں رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا میں اول اسلام لانے والوں میں سے ہوئی (کذافی المواہب)

فائدہ: مشرق کے ذکر سے مغرب کی نفی نہیں ہوئی۔ دوسری روایت میں مغارب بھی آیا ہے۔ کمافی الشمامۃ شاید اس روایت میں مشرق کی فضیلت کی وجہ سے اس کو ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ ہے جیسا کہ والصافات کے شروع میں رب المشارق فرمایا گیا ہے۔

پیدائش کے بعد کلام کرنا

فتح الباری میں سیرۃ الواقدی سے نقل کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولادت کے ابتدائی زمانے میں کلام فرمایا۔

یہودی کی چیخ و پکار

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں سات آٹھ سال کا تھا اور سمجھ بوجھ رکھتا تھا۔ ایک دن صبح کے وقت ایک یہودی نے اچانک چلانا شروع کیا اے یہود کی جماعت! وہ سب جمع ہو گئے۔ میں ان کی باتیں سن رہا تھا۔ لوگوں نے کہا: تجھ کو کیا ہوا؟ کہنے لگا: آج شب احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وہ ستارہ جس کی ساعت میں آپ پیدا ہونے والے تھے طلوع ہو گیا ہے۔ (رواہ البیہقی وابونعیم کذافی المواہب)

محمد بن اسحاق صاحب السیر کہتے ہیں: میں نے حسان بن ثابت کے پوتے سعید سے

پوچھا: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عمر کیا تھی انہوں نے فرمایا: ساٹھ سال تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ترپن سال کی عمر میں تشریف لائے ہیں تو اس حساب سے حسان بن ثابت (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سات سال عمر میں زیادہ ہوئے تو انہوں) نے یہودی کا یہ مقولہ سات سال کی عمر میں سنا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا گیا ہے: ایک یہودی مکہ میں آیا تھا۔ جس شب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اس نے کہا: اے قریش کی جماعت! کیا آج شب تم میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: ہمیں تو معلوم نہیں۔ کہنے لگا! دیکھو کیونکہ آج کی شب اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے جس کے دونوں شانوں کے درمیان میں ایک نشانی ہے۔ (جس کا لقب مہر نبوت ہے) چنانچہ قریش نے اس کے پاس سے جا کر تحقیق کی تو خبر ملی: عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ وہ یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے پاس آیا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے سامنے کر دیا۔ جب اس یہودی نے وہ نشانی دیکھی تو بے ہوش ہو کر گر پڑا اور کہنے لگا: بنی اسرائیل سے نبوۃ رخصت ہوئی، اے قریش کی جماعت! سن لو واللہ! یہ تم پر ایسے غالب ہوں گے کہ مشرق اور مغرب میں ان کی (شہرت) کی خبر پھیل جائے گی۔

ستاروں کا جھک آنا

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ، فاطمہ بنت عبداللہ فرماتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت آمنہ کے پاس موجود تھی تو اس وقت یہ دیکھا کہ تمام گھر نور سے بھر گیا اور دیکھا کہ آسمان کے ستارے جھکے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ مجھ کو یہ گمان ہوا کہ یہ ستارے مجھ پر آ گریں گے۔

ستاروں کے زمین کی طرف جھک آنے میں اس طرف اشارہ تھا کہ اب عنقریب زمین سے کفر اور شرک کی ظلمت اور تاریکی دور ہوگی اور انوار وہدایت سے تمام زمین روشن اور منور ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

قدجآء کم من اللہ نور و کتاب مبین یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام و یخرجھم من الظلمات الی النور باذنہ. الآیہ

تحقیق تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک نور ہدایت اور ایک روشن کتاب آئی ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو ہدایت فرماتا ہے جو رضا حق کے طلبگار ہوں اور اپنی توفیق سے ان کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

شام کے محلات کا روشن ہونا

حضرت عرباض بن ساریہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے ولادت باسعادت کے وقت ایک نور دیکھا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے یہ روایت مسند احمد اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ روایت صحیح ہے اور اسی کے ہم معنی مسند احمد میں ابوامامہؓ سے بھی مروی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ بصری کے محل روشن ہو گئے۔

کعب احبار سے منقول ہے کہ کتب سابقہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی یہ شان ذکر کی گئی ہے۔

محمد رسول الله مولده' بمكة و مهاجره' بيثرب و ملكه' بالشام

محمد اللہ کے رسول کی ولادت مکہ میں ہو گی اور ہجرت مدینہ میں ہو گی اور ان کی حکومت اور سلطنت شام میں ہو گی۔

یعنی مکہ سے لے کر شام تک تمام علاقہ آپ ہی کی زندگی میں اسلام کے زیر نگین آ جائے گا۔ چنانچہ شام آپؐ ہی کی زندگی میں فتح ہوا۔ عجب نہیں اسی وجہ سے ولادت باسعادت کے وقت شام کے محل دکھلائے گئے ہوں اور بصریٰ جو ملک شام کا ایک شہر ہے کہ وہ خاص طور پر اس لئے دکھلایا گیا ہے کہ علاقہ شام میں سے سب سے پہلے بصریٰ ہی میں نور نبوت اور نور ہدایت پہنچا ہے اور ممالک شام میں سب سے پہلے بصریٰ ہی فتح ہوا۔

اور عجب نہیں کہ شام کے محل اس لئے بھی دکھلائے گئے ہوں کہ منجملہ چالیس کے تیس ابدال کو جو تیس کے تیس قدم ابراہیمی پر ہیں ان کا مرکز اور مستقر شام ہی ہے۔ اس لئے بہ نسبت دوسرے ممالک کے ملک شام خاص طور پر انوار و برکات کا معدن اور منبع ہے۔ اس لئے ولادت باسعادت کے وقت شام کے محل دکھلانے میں اس طرف اشارہ تھا کہ یہ ملک نور نبوت کا خاص طور پر تجلی گاہ ہو گا اور اسی وجہ سے آپ کو اولاً مکہ مکرمہ سے شام یعنی مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے

سبحٰن الذی اسرٰی بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی کہ جس کے گرد ہم نے برکتیں بچھادی ہیں۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ ملک شام میں جو مسجد اقصیٰ کے اردگرد واقع ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص برکتوں کو وہاں بچھادیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جب عراق سے ہجرت فرمائی تو شام ہی کی طرف فرمائی اور قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا آسمان سے نزول بھی شام ہی میں جامع دمشق کے منارۂ شرقیہ پر ہوگا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قیامت کے قریب شام کی ہجرت کی ترغیب دی ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

نبوت بنی اسرائیل سے چلی گئی

یعقوب بن سفیان باسناد حسن حضرت عائشہؓ سے راوی ہیں کہ ایک یہودی مکہ میں بغرض تجارت رہتا تھا جس شب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو مجلس میں قریش سے یہ دریافت کیا کہ اس شب میں کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے۔ قریش نے کہا ہم کو معلوم نہیں۔ یہودی نے کہا کہ اچھا ذرا تحقیق تو کرکے آؤ آج کی شب میں اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک علامت ہے (یعنی مہر نبوت) وہ دورات تک دودھ نہ پئے گا۔ اس لئے کہ ایک جنی نے اس کے منہ پر انگلی رکھ دی ہے۔ لوگ فوراً اس مجلس سے اٹھے اور اس کی تحقیق کی۔ معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے لڑکا پیدا ہوا ہے۔ یہودی نے کہا کہ مجھ کو بھی چل کر دکھلاؤ۔ یہودی نے جب دونوں شانوں کے درمیان کی علامت (مہر نبوت) کو دیکھا تو بیہوش ہوکر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو یہ کہا کہ نبوت بنی اسرائیل سے چلی گئی۔ اے قریش واللہ یہ مولود تم پر ایک ایسا حملہ کرے گا کہ جس کی خبر مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جائے گی۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند حسن ہے اور اس واقعہ کے نظائر اور شواہد بھی ہیں جن کی شرح اور تفصیل طویل ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

کسریٰ کے محلات میں زلزلہ

ولادت باسعادت کی شب میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ ایوان کسریٰ میں زلزلہ آیا۔ جس

سے محل کے چودہ کنگرے گر گئے۔ اور فارس کا آتش کدہ جو ہزار سال سے مسلسل روشن تھا وہ بجھ گیا اور دریائے ساوہ خشک ہو گیا۔ جب صبح ہوئی تو کسریٰ نہایت پریشان تھا۔ شاہانہ وقار اس کے اظہار سے مانع ہو رہا تھا۔ بالآخر وزراء اور ارکان دولت کو جمع کر کے دربار منعقد کیا۔ اثناء دربار ہی میں یہ خبر پہنچی کہ فارس کا آتش کدہ بجھ گیا ہے۔ کسریٰ کی پریشانی میں اور اضافہ ہو گیا۔ ادھر سے موبذان نے کھڑے ہو کر کہا کہ اس رات میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ سخت اونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچے لے جا رہے ہیں اور دریائے دجلہ سے پار ہو کر تمام ممالک میں پھیل گئے۔ کسریٰ نے موبذان سے پوچھا کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہے۔ موبذان نے کہا کہ شاید عرب کی طرف کوئی عظیم الشان حادثہ پیش آئے گا۔ کسریٰ نے توثیق اور اطمینان کی غرض سے نعمان بن منذر کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ کسی بڑے عالم کو میرے پاس بھیجو جو میرے سوالات کا جواب دے سکے۔

نعمان بن المنذر نے ایک جہاندیدہ عالم۔ عبدالمسیح غسانی کو روانہ کر دیا۔ عبدالمسیح جب حاضر دربار ہوا تو بادشاہ نے کہا کہ میں جس چیز کو تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کیا تم کو اس کا علم ہے۔ عبدالمسیح نے کہا کہ آپ بیان فرمائیں اگر مجھ کو علم ہو گا تو میں بتلا دوں گا ورنہ کسی جاننے والے کی طرف رہنمائی کروں گا۔ بادشاہ نے تمام واقعہ بیان کیا۔ عبدالمسیح نے کہا کہ غالباً اس کی تحقیق میرے ماموں سطیح سے ہو سکے گی جو آج کل شام میں رہتے ہیں۔

کسریٰ نے عبدالمسیح کو حکم دیا کہ تم خود اپنے ماموں سے اس کی تحقیق کر کے آؤ۔ عبدالمسیح اپنے ماموں سطیح کے پاس پہنچا تو سطیح اس وقت نزع کی حالت میں تھا۔ مگر ہوش ابھی باقی تھے۔ عبدالمسیح نے جا کر سلام کیا اور کچھ اشعار پڑھے۔ سطیح نے جب عبدالمسیح کو اشعار پڑھتے سنا تو عبدالمسیح کی طرف متوجہ ہوا اور یہ کہا کہ یہ عبدالمسیح تیز اونٹ پر سوار ہو کر سطیح کے پاس پہنچا جبکہ وہ مرنے کے قریب ہے۔ تجھ کو بنی ساسان کے بادشاہ نے محل کے زلزلہ اور آتش کدہ کے بجھ جانے اور موبذان کے خواب کی وجہ سے بھیجا ہے سخت اور قوی اونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچے لے جا رہے ہیں اور دجلہ سے پار ہو کر تمام بلاد میں پھیل گئے ہیں۔ اے عبدالمسیح خوب سن لے جب کلام الٰہی کی تلاوت کثرت سے ہونے لگے اور صاحب عصا ظاہر ہو اور وادی سماوہ رواں ہو جائے اور دریائے ساوہ خشک ہو جائے اور فارس کی آگ بجھ جائے

تو سطیح کے لئے شام شام نہ رہے گا۔ بنی ساساں کے چند مرد اور عورتیں بقدر کنگروں کے بادشاہت کریں گے اور جو شے آنے والی ہے وہ گویا کہ آ ہی گئی۔ یہ کہتے ہی۔ سطیح مر گیا۔ عبدالمسیح واپس آیا اور کسریٰ سے یہ تمام ماجرا بیان کیا۔ کسریٰ نے سن کر یہ کہا کہ چودہ سلطنتوں کے گزرنے کے لئے ایک زمانہ چاہئے مگر زمانے کو گزرتے کیا دیر لگتی ہے دس سلطنتیں تو چار ہی سال میں ختم ہو گئیں۔ اور باقی چار سلطنتیں حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت تک ختم ہوئیں۔ حافظ ابن سید الناسؒ نے اس واقعہ کو عیون الاثر میں اپنی طویل سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

اور یہ روایت تاریخ ابن جریر طبری میں بھی اسی سند کے ساتھ مذکور ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے

حضرت عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے عبدالمطلب کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور یہ کہا کہ البتہ میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہوگی چنانچہ ہوئی یہ روایت طبقات ابن سعد ص ۶۴ ج ۱ قسم اول میں مذکور ہے۔ سند اس کی نہایت قوی ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

لیکن چونکہ اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ اس لئے ختنہ کے بارے میں تین قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ حضور مختون پیدا ہوئے حاکم کہتے ہیں کہ آپ کے مختون پیدا ہونے میں احادیث متواتر ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کے جد امجد عبدالمطلب نے ولادت کے ساتویں روز آپ کی ختنہ کرائی جیسا کہ عرب میں دستور تھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سنت کے مطابق مولود کے ساتویں روز ختنہ کراتے تھے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے یہاں آپ کی ختنہ ہوئی اور یہ قول ضعیف ہے۔ مشہور اور معتبر اول ہی کے دو قول ہیں اور ان دونوں قولوں میں تطبیق بھی ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختون ہی پیدا ہوئے۔ لیکن ختنہ کی تتمیم اور تکمیل عبدالمطلب نے کی۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

انتہائی طہارت ونظافت کے ساتھ پیدا ہوئے

اسحاق بن عبداللہ حضرت آمنہ سے راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے تو نہایت نظیف تھے اور پاک صاف تھے جسم اطہر پر کسی قسم کی آلائش اور گندگی نہ تھی۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

عقیقہ اور تسمیہ

ولادت کے ساتویں روز عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ کیا اور اس تقریب میں تمام قریش کو دعوت دی اور محمد آپ کا نام تجویز کیا۔ قریش نے کہا کہ اے ابوالحارث ''ابوالحارث عبدالمطلب کی کنیت ہے'' آپ نے ایسا نام کیوں تجویز کیا جو آپ کے آباؤ اجداد اور آپ کی قوم میں سے اب تک کسی نے نہیں رکھا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ میں نے یہ نام اس لئے رکھا کہ اللہ آسمان میں اور اللہ کی مخلوق زمین میں اس مولود کی حمد اور ثنا کرے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

حضرت عبدالمطلب نے ساتویں دن قربانی کی اور تمام قریش کی دعوت کی۔ دعوت کھا کر لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے بچے کا نام کیا رکھا۔ عبدالمطلب نے کہا ''محمدؐ'' لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ نے اپنے خاندان کے سب مروجہ ناموں کو چھوڑ کر یہ نام کیوں رکھا؟ کہا میں چاہتا ہوں کہ میرا بچہ دنیا بھر کی ستائش اور تعریف کا شایان قرار پائے۔

حضرت مولانا محمد میاںؒ نے یوں لکھا ہے کہ اس چہیتے بچہ کا نام دادا نے ''محمد'' والدہ نے ''احمد'' رکھا۔

اسم گرامی ''محمد'' اور ''احمد'' کا انتخاب

حضرت عبدالمطلب نے آپ کی ولادت سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ جو اس نام رکھنے کا باعث ہوا وہ یہ کہ عبدالمطلب کی پشت سے ایک زنجیر ظاہر ہوئی کہ جس کی ایک جانب آسمان میں اور ایک جانب زمین میں اور ایک جانب مشرق میں اور ایک جانب مغرب میں ہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ زنجیر درخت بن گئی جس کے ہر پتہ پر ایسا نور ہے کہ جو آفتاب کے نور سے ستر درجہ زائد ہے۔ مشرق اور مغرب کے لوگ اس کی شاخوں سے لپٹے ہوئے ہیں۔ قریش

میں سے بھی کچھ لوگ اس کی شاخوں کو پکڑے ہوئے ہیں اور قریش میں سے کچھ لوگ اس کے کاٹنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ جب اس ارادے سے اس درخت کے قریب آنا چاہتے ہیں تو ایک نہایت حسین وجمیل جوان ان کو آ کر ہٹا دیتا ہے۔ معبرین نے عبدالمطلب کے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ تمہاری نسل سے ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا کہ مشرق سے لے کر مغرب تک لوگ اس کی اتباع کریں گے اور آسمان اور زمین والے اس کی حمد اور ثنا کریں گے اس وجہ سے عبدالمطلب نے آپ کا نام محمد رکھا (۱) عبدالمطلب کو اس خواب سے محمد نام رکھنے کا خیال پیدا ہوا اور ادھر آپ کی والدہ ماجدہ کو رؤیا صالحہ کے ذریعہ سے یہ بتلایا گیا کہ تم برگزیدۂ خلائق اور سید الامم کی حاملہ ہو۔ اس کا نام محمد رکھنا اور ایک روایت میں ہے کہ احمد نام رکھنا کذافی عیون الاثر (۲) بریدہؓ اور ابن عباسؓ کی روایت میں یہ ہے کہ محمد اور احمد نام رکھنا خصائص کبریٰ۔

غرض یہ کہ سحائب الہام کی تقاطر اور رؤیائے صالحہ کے تواتر نے ماں اور دادا۔ احباب اور اقارب یگانہ اور بیگانہ سب ہی کی زبان سے وہ نام تجویز کرادیئے کہ جس نام سے انبیاء و مرسلین اس نبی امی فداہ نفسی وابی وامی کی بشارت دیتے چلے آ رہے تھے۔ جس طرح حضرت عبدالمطلب کا تمام بیٹوں میں سے صرف آپ کے والد ماجد کا ایسا نام تجویز کرنا کہ جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو یعنی عبداللہ نام رکھنا یہ القاء ربانی تھا اسی طرح آپ کا نام مبارک محمد اور احمد رکھنا یہ بھی بلاشبہ الہام رحمانی تھا جیسا کہ علامہ نووی نے شرح مسلم میں ابن فارس وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کے گھر والوں کو الہام فرمایا اس لئے یہ نام رکھا (شرح مسلم باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

اور یہی دو نام حق تعالیٰ جل شانہٗ نے قرآن کریم میں ذکر فرمائے ہیں۔

اسم گرامی ''محمد'' کا معنی

محمد کا اصل مادہ حمد ہے حمد اصل میں کسی کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ اور کمالات اصلیہ اور فضائل حقیقیہ اور محاسن واقعیہ کو محبت اور عظمت کے ساتھ بیان کرنے کو کہتے ہیں اور تحمید جس سے محمد مشتق ہے وہ باب تفعیل کا مصدر ہے جس کی وضع ہی مبالغہ اور تکرار کے

لئے ہوئی ہے۔ لہذا لفظ محمد جو تحمید کا اسم مفعول ہے اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ ذات ستودہ صفات کہ جن کے واقعی اور اصلی کمالات اور محاسن کو محبت اور عظمت کے ساتھ کثرت سے بار بار بیان کیا جائے۔

اسم گرامی ''احمد'' کا معنی

یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے بعض کے نزدیک اسم مفعول کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک اسم فاعل کے معنی میں ہے۔

اگر اسم مفعول کے معنی لئے جائیں تو احمد کے یہ معنی ہوں گے۔ سب سے زائد ستودہ تو بیشک مخلوق میں آپ سے زائد کوئی ستودہ نہیں اور نہ آپ سے بڑھ کر کوئی سراہا گیا۔

اور اگر اسم فاعل کے معنی میں لیا جائے تو احمد کے یہ معنی ہوں گے کہ مخلوق میں سب سے زیادہ خدا کی حمد اور ستائش کرنے والے یہ بھی نہایت صحیح اور درست ہے دنیا میں آپ نے اور آپ کی امت نے خدا کی وہ حمد وثناء کی جو کسی نے نہیں کی۔ اسی وجہ سے انبیاء سابقین نے آپ کے وجود باجود کی بشارت لفظ احمد کے ساتھ اور آپ کی امت کی بشارت حمادین کے لقب سے دی ہے جو نہایت درست ہے اور اللہ نے آپ کو سورۃ الحمد عطاء کی اور کھانے اور پینے اور سفر سے واپس آنے کے بعد اور ہر دعا کے بعد آپ اور آپ کی امت کو حمد اور ثناء پڑھنے کا حکم دیا۔ اور آخرت میں بوقت شفاعت آپ پر من جانب اللہ وہ محامد اور خدا کی وہ تعریفیں منکشف ہوں گی کہ جو نہ کسی نبی مرسل پر اور نہ کسی ملک منزل پر منکشف ہوئیں اسی وجہ سے قیامت کے دن آپ کو مقام محمود اور لواء حمد عطا ہوگا۔ اس وقت تمام اولین وآخرین جو میدان حشر میں جمع ہوں گے وہ آپ کی حمد اور ثناء کریں گے خلاصہ یہ کہ حمد کے تمام معانی اور انواع واقسام آپ کے لئے خاص کر دیئے گئے۔ کلمات الٰہیہ اور ارشادات نبویہ میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی حمد وثنا ہر کام کے ختم کے بعد پسندیدہ اور مستحسن ہے۔ آیات قرآنیہ اور کلمات

قدسیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حمد کسی شے کے اختتام ہی کے بعد ہوتی ہے اس لئے حق جل شانہ نے آپ کا نام محمد اور احمد رکھا۔ تاکہ وحی کے بند ہو جانے اور اختتام نبوت و رسالت کی جانب مشیر ہو۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

پانچ مخصوص اسمائے گرامی

بخاری اور مسلم میں جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں' میں احمد ہوں' میں ماحی ہوں یعنی کفر کا مٹانے والا ہوں میں حاشر ہوں یعنی لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا۔ یعنی سب سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا یا یہ معنی ہیں کہ آپ اس روز سب کے امام اور پیشوا ہوں گے اور سب آپ کے محتاج ہوں گے۔ اور میں عاقب ہوں یعنی تمام انبیاء کے بعد آنے والا۔ بخاری ترمذی وغیرہ میں یہ لفظ ہیں **انا العاقب الذی لیس بعدی نبی** میں عاقب ہوں یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عاقب کے معنی یہ ہیں۔ **الذی ختم اللہ بہ الانبیاء** جس پر اللہ نے انبیاء کا سلسلہ ختم فرمایا۔

سفیان فرماتے ہیں کہ عاقب کے معنی آخر الانبیاء ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بھی بہت نام ہیں مگر اس حدیث میں پانچ کی تخصیص غالباً اس لئے فرمائی کہ آپ کے مخصوص نام انبیاء سابقین کے صحیفوں میں زیادہ مشہور یہی پانچ نام ہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

رضاعت

سب سے پہلی شیر خوارگی

ولادت باسعادت کے بعد تین چار روز تک آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو دودھ پلایا۔
(سیرۃ المصطفیٰ)

زعم برتری اور خوش حالی کا ایک تکلف یہ تھا کہ بیگمات اپنے بچوں کو خود دودھ نہیں پلاتی تھیں کچھ عرصہ بچہ ماں کے پاس رہتا تو دودھ پلانے میں خاندان کی عورتیں یا باندیاں مدد کیا کرتی تھیں۔ پھر بچہ کو مستقل طور پر کسی ماما کے سپرد کردیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ کی والدہ نے تو صرف سات یا نو روز دودھ پلایا۔ پھر ابولہب کی آزاد کردہ باندی ثوبیہ نے سات ماہ دودھ پلایا۔ ان کے علاوہ کچھ اور خواتین نے۔ (محمد رسول اللہ از مولانا محمد میاںؒ)

سب سے پہلے آنحضرت کو آپ کی والدہ نے اور دو تین روز کے بعد ثوبیہ نے دودھ پلایا۔ جو ابولہب کی لونڈی تھی۔

سب سے پہلے ہمارے رسول کو ان کی ماں آمنہ نے دودھ پلایا دو تین دن کے بعد ان کے چچا ابولہب کی ایک لونڈی ثوبیہ نے آپ کو دودھ پلایا۔

سب سے پہلی رضاعی والدہ

ولادت باسعادت کے بعد تین چار روز تک آپ کی والدہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ پھر آپ کے چچا ابولہب کی آزاد کردہ کنیز ثوبیہ نے آپ کو دودھ پلایا۔

آپ کے چچا ابولہب کو جب ثوبیہ نے آپ کی ولادت باسعادت کی خوشخبری سنائی تو ابولہب نے اس خوشی میں اسی وقت ثوبیہ کو آزاد کردیا اور ثوبیہ ہی نے آپ سے پیشتر آپ

کے سگے چچا حضرت حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا۔ اس لئے حمزہؓ آپؐ کے رضاعی بھائی ہیں۔ اور آپ کے بعد ثوبیہ نے ابوسلمہ کو دودھ پلایا۔ زرقانی ص ۱۳۷ ج ۱۔ مرنے کے بعد ابولہب کو حضرت عباسؓ نے خواب میں دیکھا کہ نہایت بری حالت میں ہے پوچھا کہ کیا حال ہے ابولہب نے کہا میں نے تمہارے بعد کوئی راحت نہیں دیکھی۔ مگر صرف اتنی کہ ثوبیہ کے آزاد کرنے کی وجہ سے سرانگشت کی مقدار پانی پلا دیا جاتا ہے۔ (بخاری شریف) یعنی جس انگشت کے اشارے سے آزاد کیا تھا اسی قدر مجھ کو پانی مل جاتا ہے۔

ثوبیہ کے اسلام میں علماء کا اختلاف ہے۔ حافظ ابومندہ نے ثوبیہ کو صحابیات میں ذکر کیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

حضرت حلیمہ کی گود میں

قریش کو اپنی زبان سے عشق تھا۔ وہ شخص قوم کا سردار نہیں مانا جاسکتا تھا جو فصیح نہ ہو۔ بچپن ہی سے زبان کی حفاظت کی جاتی تھی اور بچوں کو فصیح عربی کا عادی بنایا جاتا تھا۔ مکہ شہر میں یہ ممکن نہیں تھا کہ بچے ٹکسالی فصیح عربی کے عادی ہوں کیونکہ یہ ایک تیر تھا جہاں غیر قریشی عرب جو فصاحت سے ناآشنا ہوتے تھے ہمیشہ آتے رہتے تھے۔ یہاں قیام کرتے تھے تجارت کے سلسلہ میں بھی آمد و رفت رہتی تھی اور زبان کے لحاظ سے سب سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ یہاں عجمی (شام اور افریقہ وغیرہ کے غلام) بکثرت رہتے تھے ایک ایک گھرانے میں کئی کئی غلام ہوتے تھے۔ ان کی مخلوط عربی مضحکہ خیز ہوتی تھی اور بچوں کا واسطہ زیادہ تر انہیں غلاموں سے پڑتا تھا اس لئے قریش نے کچھ ایسے دیہاتی قبائل منتخب کر رکھے تھے جن کی زبان فصیح مانی جاتی تھی۔ انہیں قبائل کی عورتوں کو وہ اپنے بچوں کی ''ماما'' بناتے تھے۔ ان قبائل کی عورتیں مکہ میں آتیں اور بچوں کو لے جاتیں وہی دودھ پلاتیں اور وہی پرورش کرتیں۔ انہیں ٹکسالی عربی کے الفاظ بچوں کے کانوں میں پڑتے انہیں الفاظ کی ادائیگی کے لئے بچوں کی زبان پہلی مرتبہ پلٹتی اور فصاحت گویا ان کی گھٹی میں پڑ جاتی۔

زبان کی حفاظت کے علاوہ صحت کے لحاظ سے بھی دیہات کی کھلی ہوا بچوں کے لئے مفید ہوتی تھی۔ اسی سماجی رسم کا ایک محرک یہ بھی تھا کہ بچوں کا نشو ونما صحت مندانہ ہو' اخلاق

وخصائل کے لحاظ سے بھی یہ قبیلے پست نہ تھے ۔ یتیم عبداللہ کے دور رضاعت کو خاندانی آداب کے اسی سانچہ میں ڈھلنا پڑا ۔ (محمد رسول اللہ ؐ)

عرب میں یہ دستور تھا کہ شرفاء اپنے شیر خوار بچوں کو ابتداء ہی سے دیہات میں بھیج دیتے تھے تاکہ دیہات کی صاف وشفاف آب وہوا میں ان کا نشو ونما ہو ۔ زبان ان کی فصیح ہو اور عرب کا اصلی تمدن اور عربی خصوصیات ان سے علیحدہ نہ ہوں ۔ (سیرۃ المصطفیٰ ؐ)

جیسا کہ رواج تھا دیہات کی عورتیں دودھ پینے والے بچوں کو لینے کے لئے مکہ میں آئیں مگر یتیم عبداللہ کو کسی نے قبول نہیں کیا کہ "بیوہ ماں" سے کچھ زیادہ انعام کی امید نہیں تھی ۔ دادا اگرچہ سردار مکہ تھے مگر چراغ سحر تھے ۔ قبیلہ سعد کی ایک عورت حلیمہ تھی وہ بھی "ماما" بننے کے لئے آئی تھی مگر اس کو عورتوں نے اس لئے منظور نہ کیا کہ وہ فاقہ زدہ کمزور تھی ۔ وہ خیال کرتی تھیں کہ یہ سوکھی عورت خود دودھ کی محتاج ہے بچہ کو دودھ کیا پلائے گی ۔ مگر نامرادی مراد بن گئی ۔ جب حلیمہ سعدیہ سیدہ آمنہ کے پاس پہنچیں اور آمنہ کا لال اسے دودھ پلانے کے لئے مل گیا حلیمہ کو شغل ہاتھ لگا اور آمنہ کی اپنی پڑوسنوں اور سہیلیوں میں آنکھ نیچی نہ ہوئی ورنہ انہیں صدمہ تھا کہ عورتیں کہیں گی کہ اس یتیم کو کوئی "ماما" بھی نصیب نہ ہوئی ۔ (محمد رسول اللہ ؐ)

حلیمہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور بنی سعد کی عورتیں شیر خوار بچوں کی تلاش میں مکہ آئے میرے ساتھ میرا شوہر اور ایک میرا شیر خوار بچہ تھا ۔ سواری کے لئے ایک لاغر اور دبلی گدھی اور ایک اونٹنی جس کا یہ حال تھا کہ ایک قطرہ دودھ کا اس سے نہ نکلتا تھا کہ ہم بھوک کی وجہ سے رات بھر نہ سوتے ۔ بچہ کا یہ حال کہ تمام شب بھوک کی وجہ سے روتا اور بلبلاتا میرے پستانوں میں اتنا دودھ نہ تھا کہ جس سے بچہ سیر ہو سکے ۔ کوئی عورت ایسی نہ رہی کہ جس پر آپ پیش نہ کئے گئے ہوں مگر جب یہ معلوم ہوتا کہ آپ یتیم ہیں تو فوراً انکار کر دیتی کہ جس کے باپ ہی نہیں اس سے حق الخدمت ملنے کی کیا توقع کی جائے مگر یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ یتیم نہیں ہے بلکہ در یتیم ہے اور یہ وہ مبارک مولود ہے کہ جس کے ہاتھوں میں قیصر وکسریٰ کے خزائن کی کنجیاں رکھی جانے والی ہیں ۔ دنیا میں اگرچہ اس کا کوئی والی اور مربی اور حق الخدمت دینے والا نہیں مگر وہ رب العالمین جس کے ہاتھ میں تمام زمین اور آسمان کے بے شمار خزائن ہیں وہ اس یتیم کا والی اور متولی ہے اور اس

کی پرورش اور تربیت کرنے والوں کو وہم وگمان سے زائد حق الخدمت دینے والا ہے۔

سب عورتوں نے شیر خوار بچے لے لئے صرف حلیمہ خالی رہ گئیں۔ جب روانگی کا وقت آیا تو حلیمہ کو خالی ہاتھ جانا شاق معلوم ہوا۔ یکا یک غیب سے حلیمہ کے دل میں اس یتیم کے لینے کا نہایت قوی داعیہ اور شدید تقاضہ پیدا ہو گیا۔ حلیمہ نے اپنے شوہر سے جا کر کہا۔ خدا کی قسم میں ضرور اس یتیم کے پاس جاؤں گی اور ضرور اس کو لے کر آؤں گی۔ شوہر نے کہا اگر تو ایسا کرے تو کوئی حرج نہیں امید ہے کہ حق جل شانہ اس کو ہمارے لئے خیر و برکت کا سبب بنائے گا۔

حلیمہ اسی برکت کی امید پر آپ کو لے آئیں۔ اللہ نے اسی امید کے مطابق ان پر برکتوں کا دروازہ کھول دیا۔ بنی سعد کی اور عورتوں نے مخلوق سے طمع باندھی اور حلیمہ نے خالق سے امید باندھی۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ اس مولود مسعود کا گود میں لینا تھا کہ پستان بالکل خشک تھے وہ دودھ سے بھر آئے اتنا دودھ ہوا کہ آپ بھی سیراب ہو گئے اور آپ کا رضاعی بھائی بھی سیر ہو گیا۔ اونٹنی کا دودھ دوہنے کے لئے اٹھے تو دیکھتے کیا ہیں کہ تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں۔ میں نے اور میرے شوہر نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔ رات نہایت آرام سے گزری صبح ہوئی تو شوہر نے حلیمہ سے کہا:

اے حلیمہ خوب سمجھ لے کہ خدا کی قسم تو نے بہت ہی مبارک بچہ لیا ہے (سیرۃ المصطفیٰ)

فہموں کی قلابازیاں اس مسئلہ میں بھی تقریباً اسی قسم کی ہیں جو حلیمہ سعدیہ (رضی اللہ عنہا) کے متعلق سمجھ کے پھیر سے بلا وجہ پیدا ہوئیں۔

آپ کو حلیمہ سعدیہ سے دودھ ملا' یا حلیمہؓ کی اونٹنی' حلیمہ کی بکریوں' حلیمہؓ کے شوہر' حلیمہؓ کے بچوں بلکہ آخر میں قبیلہ والوں تک کو' ان سب کو دودھ آپ ہی کے ذریعہ سے ملا؟ اس میں واقعہ کیا ہے' اس کو سب جانتے ہیں' لیکن نہیں جانتے یا نہیں جاننا چاہتے۔ (النبی الخاتمؐ)

قدرت کا حیرت انگیز کرشمہ

قدرت کا یہ حیرت انگیز کرشمہ تھا کہ جیسے ہی حلیمہ کی گود اس یتیم موتی سے آراستہ ہوئی اس پر برکتوں کا مینہ برسنے لگا۔ پہلے اس سوکھی فاقہ زدہ عورت کے دودھ سے اس کے بچے کا پیٹ بھی نہیں بھرتا تھا اب دونوں شکم سیر ہونے لگے۔ گھر کی بکریوں کے تھنوں میں بھی دودھ

بڑھ گیا۔ اور وہ گدھی جس پر حلیمہ سوار ہو کر آئی تھیں پہلے مٹھی اور مریل تھی اور جب واپس ہوئی تو سب سے آگے آگے چل رہی تھی جیسے کسی پیاسے نے پانی دیکھ لیا ہو۔ بارش نہیں ہوئی تھی جنگل سوکھ رہے تھے۔ گاؤں کی بکریاں بھوکی آتی تھیں مگر حلیمہ کی بکریاں شام کو گھر آتیں تو کوکھیں تنی ہوئی ہوتی تھیں اور تھن لٹکے ہوئے۔ (محمد رسول اللہ)

فرشتوں کا جھولا ہلانا

ابن شیخ نے خصائص میں ذکر کیا ہے کہ آپ کا گہوارہ (یعنی جھولا) فرشتوں کے ہلانے سے ہلا کرتا تھا۔

سب سے پہلا کلام

حضرت حلیمہ کہتی ہیں: انہوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ چھڑایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ چھوڑتے ہی سب سے پہلے جو بات فرمائی وہ یہ تھی۔ **الله اکبر کبیرا والحمدلله کثیرا و سبحان الله بکرة و اصیلا**۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذرا سمجھدار ہوئے تو باہر تشریف لے جاتے اور لڑکوں کو کھیلتا دیکھتے مگر ان سے علیحدہ رہتے (یعنی کھیل میں شریک نہ ہوتے) (رواہ بیہقی و ابن عساکر عن ابن عباس کذا فی المواہب)

بادلوں کا سایہ کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دور نہ جانے دیا کرتی تھیں۔ ایک بار ان کو معلوم نہ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی (رضاعی) بہن شیماء کے ساتھ عین دوپہر کے وقت مویشی کی طرف چلے گئے۔ حضرت حلیمہ آپ کی تلاش میں نکلیں یہاں تک کہ آپ کو بہن کے ساتھ پایا۔ کہنے لگیں: اس گرمی میں (ان کو لائی ہو) بہن نے کہا: اماں جان میرے بھائی کو گرمی نہیں لگی۔ میں نے ایک بادل کا ٹکڑا دیکھا جو ان پر سایہ کئے ہوئے تھا۔ جب یہ ٹھہر جاتے تھے وہ بھی ٹھہر جاتا تھا اور جب یہ چلنے لگتے وہ بھی چلنے لگتا تھا۔ اس جگہ تک ہم اسی طرح پہنچے ہیں۔

(رواہ ابن سعد و ابو نعیم و ابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کذا فی المواہب)

بچپن ہی سے عدل ومساوات کی علمبرداری

حلیمہ کا اپنا بچہ بچوں کی طرح دودھ پیتا تھا مگر یہ یتیم بچہ صرف داہنا دودھ پیتا تھا۔ بائیں کو سب بھی نہ لگاتا تھا۔ حلیمہ بایاں دودھ دیتیں تو اپنا منہ ہٹا لیتا تھا۔ حلیمہ کو اس پر حیرت ہوتی، مگر اس کو کیا خبر تھی کہ یہ بچہ بڑا ہوگا تو قناعت کا معلم عدل وانصاف کا پیکر اور مساوات کا سب سے بڑا علمبردار ہوگا۔

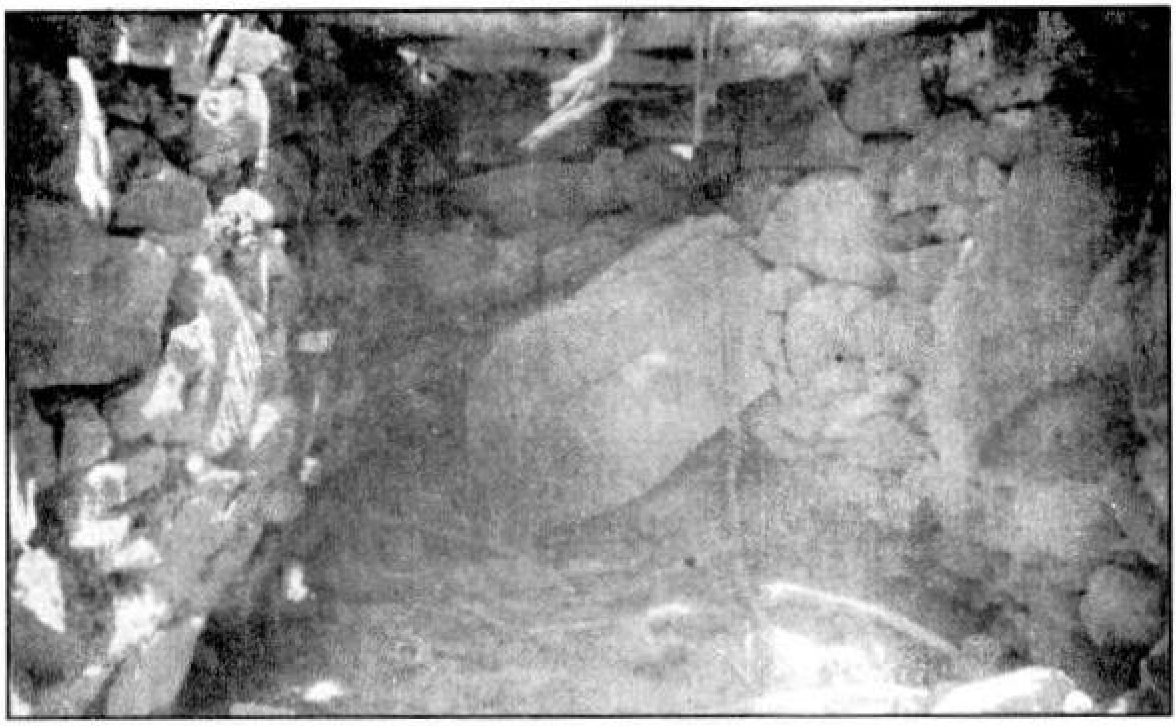
یہ بچہ کچھ اور بڑا ہوا۔ نوالہ لینے لگا تو اس کی مرضی ہوتی تھی کہ جو اس کو ملے وہ اس کے دودھ شریک کو بھی ملے۔ بچے روتے ہیں کہ کوئی چیز دوسرے بچے کو کیوں دی اور یہ بچہ اس پر روتا تھا کہ جو اس کو ملی وہ اس کی بہن کو کیوں نہیں ملی۔ اسی لئے آپ کے رضاعی چچا ابوثروان نے کہا تھا:

''میں نے آپ کا ہر دور دیکھا ہے اور ہر دور میں آپ کو سب سے بہتر پایا' زمانہ شیر خوارگی میں سب سے بہتر شیر خوار' دودھ چھوٹا تو سب سے بہتر فطیم' جوان ہوئے تو سب سے زیادہ صالح نوجوان۔ آپؐ کے اندر خیر کی خصلتیں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہیں۔

حلیمہ کی دوگنی خوشی

چار سال ہو گئے یہ معصوم بچہ حلیمہ کے کلیجہ کو ٹھنڈک اور گھر کو رونق بخش رہا ہے۔ لیکن اب ماں کی مامتا چاہتی ہے کہ اپنے جگر کے ٹکڑے کو اپنے پاس رکھے۔ یہی بیوہ کی زندگی کا آسرا تھا اور اسی کی خاطر وہ اپنی جوانی تج رہی تھی۔ اس گھر کو چھوڑ کر کسی دوسرے کا گھر آباد کرنے کا خیال بھی نہیں کیا تھا۔ حالانکہ عرب کے دستور کے مطابق یہ عیب کی بات نہیں تھی۔

مگر حلیمہ اور اس کے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ کو اس بچہ سے اتنی محبت ہو گئی تھی کہ جدا کرنا ان کو گوارا نہیں تھا۔ لیکن جب ماں اور دادا کا تقاضا زیادہ ہوا تو چار و ناچار یہ دونوں اپنے گھر کے اس چراغ کو لے کر عبدالمطلب کے یہاں پہنچے۔ لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ انہیں دنوں میں مکہ میں وبا پھوٹ پڑی۔ بس حلیمہ کو بہانہ مل گیا۔ وہ بچہ کو واپس لے آئیں کہ جب مکہ کی آب وہوا ٹھیک ہو جائے گی تب پہنچا دیں گی۔ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)



حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے حجرے کا موجودہ منظر



بنی سعد کی بستی میں حضرت حلیمہؓ کے گھر کے نیچے کنواں

واقعۂ شقِّ صدر

دلارا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر اسی طرح حلیمہ کے یہاں رہنے لگا۔ حلیمہ کے سب بچے اس کا خیال رکھتے تھے۔ اس سے محبت کرتے تھے اور کہیں اکیلا نہیں چھوڑتے تھے۔

ایک روز گھر سے باہر یہ سب بچے کھیل رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ دو آدمی آئے یہ بڑے حسین وجمیل خوبصورت اور شاندار آدمی تھے۔ نہایت عمدہ صاف لباس پہنے ہوئے انہوں نے بچہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو اٹھایا اور اس کو الگ لے گئے۔ بچے دوڑتے ہوئے گھر پہنچے وہاں سے حلیمہ اور ان کے شوہر دوڑے ہوئے آئے۔ دیکھا "محمد" اپنی جگہ موجود ہیں اور کوئی آدمی وہاں موجود نہیں۔ "محمد" خوش وخرم ہیں۔ مسکرا رہے ہیں۔ البتہ چہرے پر کچھ اثر ہے۔ ان سے پوچھا بیٹا کیا ہوا۔ کون آدمی تھے۔ وہ تمہیں کیوں اٹھالائے تھے وہ کہاں چلے گئے۔

معصوم بچہ نے پھوکی پھوکی زبان سے سارا قصہ سنا دیا۔ کہ ان دونوں نے مجھے لٹا کر یہاں سے یہاں تک (سینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) چاک کیا۔ پھر گوشت کا ایک لوتھڑا (دل) نکالا اس کو چیر کر سیاہ دانہ اس میں سے نکالا۔ برف ان کے پاس تھا اس سے دھویا۔ پھر اس کو اپنی جگہ رکھ دیا اور ٹھیک کر کے چلے گئے۔ مجھے تکلیف کچھ نہیں ہوئی۔ بلکہ ٹھنڈک سی معلوم ہوئی اور اب تک معلوم ہو رہی ہے۔

حلیمہ اور حارث نے بچہ کو چمکارا۔ پیار کیا۔ سینہ سے لگا کر گھر لے آئے۔ (محمد رسول اللہؐ)

شق صدر چار مرتبہ ہوا

شق صدر کا واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی عمر میں چار مرتبہ پیش آیا۔

اول بار زمانہ طفولیت میں پیش آیا جب آپ حلیمہ سعدیہ کی پرورش میں تھے اور اس وقت آپ کی عمر مبارک چار سال کی تھی۔ ایک روز آپ جنگل میں تھے کہ دو فرشتے جبرئیل اور میکائیل سفید پوش انسانوں کی شکل میں ایک سونے کا طشت برف سے بھرا ہوا لے کر

نمودار ہوئے۔ اور آپ کا شکم مبارک چاک کر کے قلب مطہر کو نکالا پھر قلب کو چاک کیا اور اس میں سے ایک یا دو ٹکڑے خون کے جمے ہوئے نکالے اور کہا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے۔ پھر شکم اور قلب کو اس طشت میں رکھ کر برف سے دھویا بعد ازاں قلب کو اپنی جگہ پر رکھ کر سینہ پر ٹانکے لگائے اور دونوں شانوں کے درمیان ایک مہر لگا دی۔

دوسری بار شق صدر کا واقعہ آپ کو دس سال کی عمر میں پیش آیا۔ یہ حضرت ابو ہریرہؓ سے صحیح ابن حبان اور دلائل ابی نعیم وغیرہ میں مذکور ہے۔

تیسری بار یہ واقعہ بعثت کے وقت پیش آیا جیسا کہ مسند ابی داؤد طیالسی ص ۲۱۵ اور دلائل ابی نعیم ص ۶۹ ج ۱ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔

چوتھی بار یہ واقعہ معراج کے وقت پیش آیا جیسا کہ بخاری اور مسلم اور ترمذی اور نسائی وغیرہ میں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور اس بارے میں روایتیں متواتر اور مشہور ہیں۔

یہ چار مرتبہ کا شق صدر تو روایات صحیحہ اور احادیث معتبر سے ثابت ہے اور بعض روایات میں پانچویں مرتبہ بھی شق صدر کا ذکر آیا ہے کہ بیس سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر ہوا مگر یہ روایت باجماع محدثین ثابت اور معتبر نہیں۔

شق صدر کے اسرار

پہلی مرتبہ حلیمہ سعدیہ کے یہاں زمانہ قیام میں قلب پاک کر کے جو ایک سیاہ نقطہ نکالا گیا وہ حقیقت میں گناہ اور معصیت کا مادہ تھا جس سے آپ کا قلب مطہر پاک کر دیا گیا اور نکالنے کے بعد قلب مبارک غالباً اس لئے دھویا گیا کہ مادۂ معصیت کا کوئی نشان اور اثر بھی باقی نہ رہے اور برف سے اس لئے دھویا کہ گناہوں کا مزاج گرم ہے جیسا کہ شیخ اکبر نے فتوحات میں لکھا ہے۔ اس لئے مادۂ معصیت کے بجھانے کے لئے برف کا استعمال کیا گیا کہ حرارت عصیاں کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے۔ اور دوسری بار دس سال کی عمر میں جو سینہ چاک کیا گیا وہ اس لئے کیا گیا تا کہ قلب مبارک مادۂ لہو ولعب سے پاک ہو جائے۔ اس لئے کہ لہو ولعب خدا سے غافل بنا دیتا ہے اور تیسری بار بعثت کے وقت جو قلب مبارک چاک کیا گیا وہ اس لئے کہ قلب مبارک اسرار وحی اور علوم الٰہیہ کا تحمل کر سکے۔

۱۰۲

اور چوتھی بار معراج کے وقت اس لئے سینہ چاک کیا گیا تا کہ قلب مبارک عالم ملکوت کی سیر اور تجلیات الٰہیہ اور آیات ربانیہ کے مشاہدہ اور خداوند ذوالجلال کی مناجات اور اس کی بے چون و چگون کلام کا تحمل کر سکے غرض یہ کہ بار بار شق صدر ہوا اور ہر مرتبہ کے شق صدر میں جداگانہ حکمت ہے۔ بار بار شق صدر سے مقصود یہ تھا کہ قلب مطہر و منور کی طہارت و نورانیت انتہا کو پہنچ جائے۔ حضرات اہل علم فتح الباری باب المعراج کی مراجعت کریں۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

شق صدر اور شرح صدر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شق صدر سے حقیقۃً سینہ کا چاک کرنا مراد ہے۔ شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد لینا جو ایک خاص قسم کا علم ہے۔ صریح غلطی ہے شق صدر حضورؐ کے خاص الخاص معجزات میں سے ہے اور شرح صدر حضورؐ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ حضرت ابو بکر و عمر کے زمانے سے لے کر اب تک بھی علماء صالحین کو شرح صدر ہوتا رہا ہے۔ نیز اگر شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد ہوں جو کہ ایک امر معنوی ہے تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہو گا کہ سیون کا نشان جو آپ کے سینۂ مبارک پر تھا صحابہ کرام اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے کیا شرح صدر سے سینہ پر سلائی کے نشان نمودار ہو جاتے ہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ)



مقامی بدوؤں کا بیان ہے کہ بنی سعد کی بستی کا یہ وہ مقام ہے جہاں شق صدر کا واقعہ پیش آیا

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی پریشانی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ واپسی

حلیمہ اوران کے شوہر کو جب پتہ چلا تو فوراً وہاں پہنچے اور انہوں نے دیکھا وہاں کچھ نہیں تھا۔ البتہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دوسرے بچوں سے جو سنا تھا اس پر ان کا خیال یہ ہوا کہ ہو نہ ہو یہ جنات کا اثر ہے۔ اور یہ دونوں آنے والے جن تھے۔ عرب جنات کو مانتے تھے اور ایسی باتوں کو جنات کی حرکت سمجھا کرتے تھے۔ لیکن ان دونوں کو خیال رہنے لگا کہ آج یہ ہوا ہے کل کو خدا جانے کیا ہو جائے۔ کچھ دن اسی سوچ وچار میں گزرے۔ اس واقعہ کا چرچا ہوا تو کچھ پڑوسیوں نے حلیمہ اور حارث کو مشورہ دیا کہ کسی کاہن یا کسی یہودی یا عیسائی عالم کے پاس لے جا کر بچہ کو دکھائیں اور پوچھیں یہ کیا بات ہے۔ چنانچہ ایک یہودی عالم کے پاس لے گئے مگر وہاں پہنچ کر جو واقعہ ہوا اس سے ان کی پریشانی اور بڑھ گئی۔

جس یہودی کے پاس لے گئی تھیں اس نے بچہ کو دیکھنے کے بعد شور مچانا شروع کر دیا "یہی بچہ ہے جو عرب میں انقلاب برپا کرے گا اس وقت کے مذہبوں کو ختم کر دے گا۔ پوجا پاٹ بند اور مورتیوں کا کھنڈن کرے گا۔ اے لوگو! اپنا مذہب بچانا چاہتے ہو تو اس بچہ کو ختم کر دو"۔

یہودی عالم کی یہ حرکت دیکھ کر حارث اور حلیمہ اور بھی گھبرا گئے۔ فوراً بچہ کو اٹھایا۔ نظروں سے بچا کر گھر لائے اور طے کر لیا کہ بچہ کو خیریت کے ساتھ اس کی ماں اور دادے کے پاس

پہنچا دیں۔ آمنہ سمجھے ہوئے تھیں کہ "حلیمہ" بچہ کو اپنے شوق سے لے گئی ہیں تو جب تک میں اصرار اور تقاضا نہیں کروں گی وہ واپس نہیں لائیں گی۔ لیکن اچانک ایک روز دیکھا کہ حلیمہ بچہ کو لئے آ رہی ہیں۔

آمنہ کو حیرت ہوئی۔ حلیمہ سے اس طرح اچانک لے آنے کی وجہ دریافت کی۔ حلیمہ نے سارا قصہ سنایا اور جوان کا خیال تھا وہ بھی بتا دیا کہ شاید بچہ پر کسی جن کی نظر ہے۔ مگر حلیمہ کو حیرت ہوئی کہ آمنہ اس قصہ کو سن کر پریشان نہیں ہوئیں انہوں نے بچہ کو گلے لگایا اور حلیمہ کو جواب دیا کہ تمہارا خیال غلط ہے میرا یہ پھول جس کے چہرے پر نور کھل رہا ہے اس پر جنات کا اثر نہیں ہو سکتا۔ یہ برکتوں والا بچہ ہے اس پر رحمت خدا کا سایہ ہے۔ میں رحمت کے آثار شروع سے دیکھتی آ رہی ہوں مجھے طرح طرح کے انوار نظر آتے رہے ہیں۔ جنات کے اثر سے دل پر دہشت اور دماغ میں وحشت ہوتی ہے مگر مجھے جو آثار نظر آئے ان سے ہمیشہ دل کو سکون اور طبیعت کو بشاشت اور فرحت ہوئی ہے۔ بچہ کے چہرے پر بھی رونق ہے نور چمک رہا ہے۔ جنات کے اثر سے چہرہ مرجھا جاتا ہے اور بیماروں جیسی صورت ہو جاتی ہے۔ یہ تمہاری مہربانی ہے کہ بچہ کو لے آئیں۔ میرے دل کی مراد پوری ہوئی۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ آمنہ نے حلیمہ کو رخصت کیا اور دادا عبدالمطلب نے اس کو خوش کر کے واپس کیا۔ (محمد رسول اللہؐ)



مُہرِ نبوّت

بعض کہتے ہیں کہ مہر نبوت ابتدائے ولادت سے تھی اور علمائے بنی اسرائیل آپ کو اسی علامت سے جانتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ شق صدر کے بعد مہر لگائی گئی۔ پہلا قول زیادہ صحیح اور راجح ہے جیسا کہ بعض روایات سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پیدائش ہی مہر نبوت کے ساتھ ہوئی ہے اور عجب نہیں کہ جن روایات میں شق صدر کے بعد مہر نبوت کا لگانا مذکور ہے وہ سابق مہر نبوت کی تجدید اور اعادہ ہو اس طرح سے تمام روایات میں تطبیق اور توفیق ہو جاتی ہے۔

اگر مہر شق صدر کے بعد لگائی گئی تو اس کی حکمت یہ ہے کہ جب کسی شے کی حفاظت مقصود ہوتی ہے تو مہر لگا دیتے ہیں تا کہ جو شے اس میں رکھ دی گئی ہے وہ اس میں سے نکلنے نہ پائے۔ جواہرات بھر کر تھیلی پر مہر لگا دیتے ہیں کہ کوئی موتی نکلنے نہ پائے۔ اسی طرح آپ کے قلب مبارک کو علم و حکمت سے بھر کر دو شانوں کے درمیان مہر لگا دی گئی تا کہ اس خزینہ سے کوئی شے ضائع نہ ہونے پائے۔

نیز جس طرح شق صدر سے قلب کا اندرونی حصہ حظِّ شیطان سے پاک کر دیا گیا اسی طرح دو شانوں کے درمیان قلب کے مقابل بائیں جانب ایک مہر لگا دی گئی تا کہ قلب شیطان کے وسوسوں اور بیرونی حملوں سے محفوظ ہو جائے اس لئے کہ شیطان اسی جگہ سے وسوسہ ڈالتا ہے عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ کسی شخص نے حق جل شانہ سے درخواست کی اے رب العالمین مجھ کو شیطان کے وسوسے کا راستہ دکھلا کہ وہ کس راہ سے آ کر آدمی کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے۔ تو من جانب اللہ دو شانوں کے درمیانی جگہ جو قلب کے مقابل بائیں جانب ہے وہ دکھلائی گئی کہ شیطان اس راہ سے آتا ہے اور جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو فوراً پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

گمشدگی اور واپسی

حلیمہ ابھی پہنچا کر واپس نہیں ہوئی تھیں کہ آپ باہر نکلے اور راستہ بھول کر کہیں چلے گئے۔ تلاش کیا گیا آپ نہیں ملے تو سب پریشان ہو گئے۔ اس وقت بوڑھے اور غمزدہ دادا کی بے تابی عجیب تھی۔ اسی بے تابی میں وہ حرم میں پہنچے اور خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر دعا کرنے لگے۔ ابن سعد نے اس دعاء (مناجات) کے چند شعر نقل کئے ہیں۔

لاهم ردراكبی محمداً ردہ الی واصطنع عندی سیداً

خدا وندا میرے سوار محمد کو پہنچا دے اسکو میرے پاس پہنچا دے اور مجھ پر احسان فرما

انت الذی جعلته لی عضداً لا یبعد الدهر فیبعداً

تو ہی ہے جس نے اسے میرا بازو بنایا ہے اس کو کبھی بھی گردش زمانہ تباہی میں نہ ڈالے

انت الذی سمیته محمداً

تو ہی ہے جس نے اس کا نام محمد رکھا ہے

بہر حال یہ بے تابی بتقاضاء محبت تھی۔ تھوڑی دیر میں کسی نے آپ کو پہنچا دیا یا خود آپ پہنچ گئے۔ تو عبد المطلب نے گلے لگایا، پیشانی کو بوسہ دیا (محمد رسول اللہ ؐ)

ووجدک ضالاً فهدیٰ (سورۂ ضحیٰ)

آپ کو پایا راستہ بھولا ہوا۔ پس راستہ بتادیا آپ کو۔

والدہ کیساتھ مدینہ کا سفر

مدینہ منورہ جس کا نام اس وقت یثرب تھا۔ سیدہ آمنہ کا وہاں ننہیالی رشتہ تھا۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حلیمہ سعدیہ کے یہاں سے آ گئے تو تقریباً تیرہ ماہ بعد سیدہ آمنہ مدینہ گئیں۔ اپنے نور چشم لخت جگر کو بھی لے گئیں اور خدمت کے لئے متوفی عبداللہ کی باندی ''ام ایمن'' بھی ساتھ گئیں۔ وہاں دار النابغہ میں قیام کیا۔ یتیم عبداللہ آمنہ کا لال جس طرح حسن و جمال میں موتی تھا۔ اس کی خصلتیں بھی سب بچوں سے نرالی تھیں۔ ذہین بچے شریر ہوتے ہیں مگر آمنہ کے اس جگر گوشہ میں ذہانت تو کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی شرارت کا نام نہ تھا۔ ہر بات میں ادب اد تہذیب' ہر ایک کام کا سلیقہ۔ بھولی بھالی بات چیت بہت شیریں سمجھداری اور شرافت ایسی کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے۔ دوسروں سے تذکرہ کرتے وہ اس بچہ کو دیکھنے آتے تھے۔ مدینہ سے دو دو تین تین میل کے فاصلہ پر یہودیوں کی بڑی بڑی بستیاں تھیں وہاں بڑے بڑے عالم رہتے تھے۔ وہ آنے والے نبی کی پیشین گوئیاں کیا کرتے تھے اور اس کی آمد کے منتظر تھے۔ نجومیوں اور جوتشیوں (کاہنوں) کی باتیں بھی مشہور تھیں۔ اس بچہ کی خبر رفتہ رفتہ ان یہودیوں کو پہنچی تو وہ دیکھنے آنے لگے۔ کوئی دیکھ کر بچہ کی تعظیم کرتا اور کوئی ہکا بکا دم بخود رہ جاتا کہ جو باتیں آنے والے نبی کی ہیں وہ اس بچہ میں پائی جاتی ہیں۔ پھر اپنی تنگ نظری سے جز بز ہونے لگتے کہ نبوت تو ہمارے خاندانوں کا حصہ ہے۔ قریش میں یہ بچہ کیوں پیدا ہو گیا۔

مدینہ سے واپسی' والدہ صاحبہ کا انتقال

اس طرح کی باتیں ہونے لگیں۔ سیدہ آمنہ کو حلیمہ کی بات یاد آ گئی کہ وہ ایک یہودی کے پاس اس نونہال کو لے گئی تھیں تو اس نے شور مچا دیا تھا کہ اس بچہ کو ختم کر دو ورنہ انقلاب برپا کر دے گا۔ تمہارے مذہب بدل دے گا۔ سیدہ آمنہ کو فکر ہوئی۔ انہوں نے مدینہ کا قیام مختصر کیا۔ صرف ایک مہینہ ٹھہریں۔ پھر اپنی آنکھوں کے نور دل کے سرور کو لے کر مکہ روانہ ہو

گئیں۔لیکن اس یتیم بچہ کی انوکھی بات یہ بھی تھی کہ قدرت نے ابھی سے اس کو آزمانا شروع کر دیا تھا۔ سیدہ آمنہ مدینہ سے چلیں تو طبیعت خراب ہوگئی۔اب جیسے جیسے قافلہ چل رہا تھا ان کا مرض بڑھ رہا تھا۔ایک مقام کا نام ابواء تھا۔ وہاں قافلے پڑاؤ کیا کرتے تھے۔ جب سیدہ آمنہ یہاں پہنچیں تو مرض اور بڑھ گیا۔ آگے چلنے کی ہمت نہیں رہی' مکہ کے بجائے آخرت کے لئے رخت سفر باندھ لیا اور دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ یہیں ان کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ ''ام ایمن'' ساتھ تھیں۔ وہ اس یتیم کو جواب یسیر بھی ہوگیا تھا۔ لے کر مکہ معظمہ آ ئیں۔ دادا کو خبر ہوئی تو بہت صدمہ ہوا۔

اس واقعہ سے تقریباً پچاس سال بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آپ کو بچپن کی باتیں یاد تھیں۔ آپ بتایا کرتے تھے کہ یہاں ہم ٹھہرے تھے۔ یہاں والدہ کا قیام ہوا تھا۔ یہودی مجھے آ آ کر دیکھا کرتے تھے۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ ''بنی عدی بن نجار'' کے محلّہ میں ایک باولی تھی۔ میں اس میں تیراکی کی مشق کیا کرتا تھا۔ ام ایمن بیان کیا کرتی تھیں کہ مجھے خوب یاد ہے۔ یہودی کہا کرتے تھے کہ یہ بچہ اس امت کا نبی ہوگا۔ مکہ سے ہجرت کر کے آئے گا۔ یہ اس کا دار الہجر ت ہے۔

اس ننھے معصوم کو غریب الوطنی اور سفر میں ماں کی جدائی کا صدمہ اٹھانا پڑا۔ صدمہ بہت سخت تھا۔ مگر قدرت چپکے چپکے تسلی دے رہی تھی کہ

ے جن کے رتبے ہیں ان کی سوا مشکل ہے (محمد رسول اللہ)

پھر دیکھو! جس کا باپ مرجاتا ہے تو جھوٹی قوتوں کے ماننے والے گھبرا گھبرا کر چلاتے ہیں' واویلا مچاتے ہیں کہ اس بچے کو کون پالے گا' بے زوری کو زور کہنے والوں کا زور توڑنے کے لئے خود اس کے ساتھ یہ دکھایا گیا کہ پیدا ہونے کے بعد نہیں بلکہ اس سے پہلے کہ وہ آئے اس میدان میں آئے جہاں جھوٹی قوتوں سے آزادی کا پرچم کھولا جائے گا وہ دھوکے کی اس قوت سے آزاد ہوگیا جس کا نام دنیا نے باپ رکھا ہے اور ٹھیک جس طرح ظہور سے پہلے اس کی ہستی نے اس آزادی کی شہادت ادا کی' نمود کے ساتھ ہی چند ہی دنوں کے بعد اس غلط بھروسے کا تکیہ بھی اس کے سر کے نیچے سے کھینچ لیا گیا۔ جس کو ہم سب ماں کہتے ہیں۔ (النبی الخاتم)

اپنے دادا عبدالمطلبؓ کی کفالت میں

یہ غم زدہ معصوم مکہ معظّمہ پہنچا تو عبدالمطلب نے اپنے یتیم و یسیر پوتے کو چھاتی سے لگایا اور اپنے ساتھ رکھنے لگے۔ یہ معصوم بھی دادا سے لگ گیا اور اتنا کھل گیا کہ ان کے پاس جاتا تو بلاتکلف ان کی گدی پر بیٹھ جاتا تھا۔ خانہ کعبہ کی دیوار کے نیچے ان کے لئے فرش بچھایا جاتا تھا۔ فرش پر عبدالمطلب بیٹھتے اور کنارے پر لڑکے بیٹھا کرتے تھے۔ مگر یہ معصوم ''محمد'' آگے پہنچ جاتے تھے۔ چچا تائے منع کرتے تھے لیکن عبدالمطلب خوش ہوتے اپنے پاس بٹھا لیتے۔ کمر پر ہاتھ پھیرتے اور فرمایا کرتے تھے۔ یہ میرا بیٹا بہت بڑا آدمی ہوگا۔ اس کی خاص شان ہوگی۔ یہودی کہتے ہیں کہ یہ نبی ہوگا۔ ام ایمن جن کو برکت کہتے تھے ان کو تاکید کیا کرتے کہ دیکھو برکت میرے محمد کا ہر وقت خیال رکھا کرو۔ کہیں باہر نہ جانے دیا کرو۔ (محمد رسول اللہؐ)

ایک عجیب واقعہ

سیرۃ ابن ہشام و عیون الاثر مستدرک حاکم میں کندیر بن سعید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت میں اسلام سے قبل حج کے لئے مکہ مکرمہ حاضر ہوا دیکھا کہ ایک شخص طواف میں مصروف ہے۔ اور یہ شعر اس کی زبان پر ہے۔

رد الی راکبی محمداً یارب رده واصطنع عندی یداً

اے اللہ میرے سوار محمدؐ کو واپس بھیج دے اور مجھ پر عظیم الشان احسان فرما

میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے لوگوں نے کہا کہ یہ عبدالمطلب ہیں۔ اپنے پوتے کو گمشدہ اونٹ کی تلاش میں بھیجا ہے۔ کیونکہ ان کو جس کام کے لئے بھیجتے ہیں اس میں ضرور کامیابی ہوتی ہے۔ آپ کو گئے ہوئے دیر ہوگئی اس لئے عبدالمطلب بے چین

ہو کر یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔ کچھ دیر نہ گزری کہ آپ بھی واپس آ گئے اور اونٹ آپ کے ہمراہ تھا۔ دیکھتے ہی عبدالمطلب نے آپ کو گلے لگا لیا اور یہ کہا کہ بیٹا میں تمہاری وجہ سے بے حد پریشان تھا اب کبھی تم کو اپنے سے جدا نہ ہونے دوں گا۔ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ روایت شرط مسلم پر ہے اور حافظ ذہبی نے بھی اس کا شرط مسلم پر ہونا تسلیم کیا ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰؐ)

عبدالمطلب کی وفات

عبدالمطلب چراغ سحری تھے۔ سو سال سے بھی زیادہ عمر ہو چکی تھی۔ صرف دو سال پوتے کی دیکھ بھال کر سکے۔ پھر ان کی وفات ہو گئی۔ ام ایمن کہا کرتی تھیں کہ اس روز میں نے دیکھا کہ جنازے کے پیچھے ''محمد'' روتے جا رہے تھے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا آپ کو دادا کی وفات یاد ہے؟ فرمایا خوب یاد ہے میری عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی (محمد رسول اللہؐ)

علیٰ اختلاف الاقوال بیاسی یا پچاسی یا پچانوے یا ایک سو دس یا ایک سو بیس سال کی عمر میں انتقال کیا اور حجون میں مدفون ہوئے۔ ابوطالب چونکہ حضرت عبداللہ کے حقیقی اور عینی بھائی تھے۔ اس لئے عبدالمطلب نے مرتے وقت آپ کو ابوطالب کے سپرد کیا اور یہ وصیت کی کہ کمال شفقت اور غایت محبت سے ان کی کفالت اور تربیت کرنا (سیرۃ المصطفیٰؐ)

جو اپنی جوانی کی قوتوں کو کھو کر بڑھاپے کی ہلی ہوئی دیوار کے سہارے زندگی کی نمائش ختم کر رہا تھا۔ اس پیرانہ سری کے ساتھ آپ کے جد امجد نے چاہا تھا کہ سچی آزادی کی واشگاف ہونے والی حقیقت میں کچھ اپنی شرکت سے اشتباہ ڈال دیں' لیکن جو اپنے دعویٰ کی خود دلیل تھا' اس کی دلیل کمزور ہو جاتی' اگر عین وقت پر عبدالمطلب کی سرپرستی کے فریب کا پردہ چاک نہ کر دیا جاتا' آخر وہ بھی چاک کر دیا گیا۔ (النبی الخاتم)

ابو طالبؓ کی کفالت

عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ اپنے چچا ابو طالب کی آغوش تربیت میں آ گئے۔ ابو طالب نے آپ کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھا اور اس شفقت اور محبت سے مرتے دم تک آپ کی تربیت کی کہ حق یہ ہے کہ تربیت اور کفالت کا حق پورا پورا ادا کر دیا۔ افسوس کہ ابو طالب باوجود اس والہانہ اور عاشقانہ تربیت اور کفالت کے دولت ایمان اور نعمت اسلام سے محروم رہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

انتقال کے وقت عبدالمطلب کے نو لڑکے تھے اور چھ لڑکیاں۔ پانچ لڑکیاں اور تین بھائی' ابو طالب' عبداللہ اور زبیر ایک ماں سے تھے۔ عبدالمطلب نے یتیم عبداللہ کو "ابو طالب" کے سپرد کیا۔ ابو طالب کو پہلے سے بھی اس بھتیجے سے محبت تھی۔ (محمد رسول اللہؐ)

حقیقت جتنے مبین اور شاندار چہرے کیسا تھا اب اس بے مادر و پدر لاوارث یتیم کی پیشانی سے چمک رہی تھی نہ چمکتی' اگر کہیں بجائے بے مایہ و بے بضاعت عم محترم ابو طالب کے خدانخواستہ آپ کی نگرانی مکہ کے ساہوکار عبدالعزیٰ المشہور بہ ابی لہب کے سپرد ہوتی۔ لیکن شیر کے بچے لومڑی کے بھٹوں میں نہیں پالے جاتے' جس قطرہ کی قسمت میں موتی ہونا ہے وہ گھونگھوں اور مینڈکوں کے منہ میں نہیں گرتا۔

غریب ابو طالب کی کفالت سے اس کے برہانی وجود میں کیا ضعف پیدا ہوتا جس کے متعلق شاید بہتوں کو علم نہیں ہے کہ مدتوں ان کی یعنی ابو طالب کی گزران ان قراریط پر ہی تھی۔ جو بکریاں اور اونٹوں کے چرانے کے صلہ میں ان کا بھتیجا مکہ والوں سے مزدوری میں پاتا تھا۔ کیسی عجیب بات ہے جو اپنے حقیقی بچوں کی پرورش کا بوجھ بھی اپنے سر پر نہیں اٹھا سکتے۔ اور جعفر عباس کی اور علی (رضی اللہ عنہم) اس کی گود میں کیوں ڈال دیے گئے۔ جن کی گود میں پلنے کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ تو پھر یہ کیسا بے بنیاد وہم ہے کہ جس کو خود قدرت کا ہاتھ براہ راست پال رہا تھا اس کی پرورش کی تہمت اس کے سر جوڑی جاتی ہے جس کی' اگر سمجھا جائے تو شاید عمر کا ایک پیشتر حصہ اسی کے بل بوتے پر گزرا جوان کا پروردہ سمجھا جاتا ہے (النبی الخاتم)

ابو طالب کو حضورؐ سے محبت اور آپؐ کی انوکھی شان

بقول ابن عباس (رضی اللہ عنہما) اپنی اولاد سے زیادہ اس بھتیجے سے محبت کرتے تھے ابو طالب

کو ایسی محبت کبھی کسی سے نہیں ہوئی تھی۔ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے۔ کہیں جاتے تو ساتھ لے جاتے۔ رات کو اپنے پاس لٹاتے تھے۔ دستر خوان بچھ جاتا سب بچے بیٹھ جاتے مگر ابوطالب اس وقت تک نوالہ نہ توڑتے جب تک ان کا چہیتا "محمد" نہ آ جاتا تھا۔ محمد کی باتیں بھی ایسی تھیں کہ ابو طالب کے دل کو لبھاتی رہتیں۔ دستر خوان پر جب بچے اکٹھے ہوتے تو چیخ و پکار اور چھین جھپٹ کرتے، مگر یہ بھولے صاحبزادے "محمد" خاموش بیٹھے رہتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ انہیں کچھ بھی نہ ملتا۔ دوسرے بچے ہی جھپٹ لیتے تھے۔ ابوطالب نے "محمد" کا کھانا الگ کر دیا مگر یہ بات محمد کی فطرت کے خلاف تھی کہ الگ کھائیں یا کوئی چیز ان کو مل جائے اور دوسروں کو نہ ملے اس لئے الگ کھانے پر "محمد" راضی نہ ہوئے۔ سب کے ساتھ ہی کھاتے اور اپنے کھانے سے زیادہ دوسروں کے کھانے سے خوش ہوتے۔ کبھی خود اپنے پاس سے اٹھا کر دے دیتے تھے۔

ابوطالب کو ایک اور تجربہ بھی ہوا تھا کہ جب "محمد" ساتھ کھاتے تو کھانے میں برکت ہوتی۔ تھوڑے سے کھانے سے سب کے پیٹ بھر جاتے اور اگر کبھی کسی وجہ سے "محمد" شریک نہ ہو سکے تو زیادہ کھا کر بھی نیت نہیں بھرتی تھی۔

ایک عجیب بات یہ بھی تھی کہ محمد ہر وقت صاف ستھرے رہتے۔ ابوطالب کے بچے صبح کو اٹھتے تو کسی کی آنکھ چپکی ہوئی چیپڑے جمے ہوئے۔ کسی کی ناک گندی مگر محمد کا منہ صاف جیسے کسی نے ابھی دھویا ہو۔ دانت موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے، چہرہ روشن، آنکھیں سرمگیں، ناک پچھی ہوئی صاف، ناک کے بانسے پر نور چمکتا ہوا۔ (محمد رسول اللہؐ)

ایک بار مکہ میں قحط پڑا لوگوں نے ابوطالب سے درخواست کی کہ آپ بارش کے لئے دعا کیجئے۔ ابوطالب ایک مجمع کے ساتھ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لے کر حرم میں حاضر ہوئے اور آپ کی پشت کو خانہ کعبہ سے لگا دیا۔ آپ نے بطور تضرع اور التجا انگشت شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ فرمایا بادل کا کہیں نام ونشان نہ تھا اشارہ کرتے ہی ہر طرف سے بادل امڈ آئے اور اس قدر بارش ہوئی کہ تمام ندی نالے بہنے لگے اسی بارہ میں ابوطالب نے کہا ہے

و ابیض یستسقیٰ الغمام بوجھہ　　ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

ایسے روشن اور منور کہ ان کے چہرے کی برکت سے خدا سے بارش مانگی جاتی ہے جو یتیموں کی پناہ اور بیواؤں کا ماویٰ اور ملجا ہے (سیرۃ المصطفیٰ)

اعلیٰ صفات و اخلاق کی جلوہ افروزی

اپنی ضروریات کا انتظام خود کرنا

عبدالمطلب کی وفات کے بعد ابوطالب ان کے جانشین بنائے گئے۔ قبیلہ کے شیخ اور مکہ کے ایک سردار مانے گئے۔ اس لحاظ سے عزت تو کافی تھی مگر دولت ناکافی۔ بڑا کنبہ، عیال کثیر، آمدنی کا ذریعہ محدود، یتیم عبداللہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے سپرد ہوئے تو اگرچہ یہ یتیم عمر عزیز کی ابھی آٹھویں منزل ہی طے کر رہا تھا مگر چچا کی پریشان حالی کے احساس نے ان کو اس ننھی سی عمر میں ہی فکرمند بنا دیا۔ وہ سوچنے لگا کہ اپنے مربی چچا کی مدد وہ کس طرح کر سکتا ہے۔ مگر مکہ میں نہ کوئی دستکاری تھی نہ کوئی سرکار جس کی نوکری کی جا سکے، اس زمانہ کی دنیا کارخانوں سے بھی آشنا نہ تھی۔ اور مکہ کی پتھریلی اور ریتلی زمین اور آس پاس کے جھلسے ہوئے کالے اور بھوسلے پہاڑوں کو کسی چشمہ یا دریا کی سیرابی بھی میسر نہ تھی کہ وہاں کھیتی باڑی ہو سکے۔ البتہ بھیڑ بکری اور اونٹ یہاں بکثرت تھے اور قدرت نے ان کا چارہ یعنی ببول کے درخت اور اذخر جیسی گھاس بھی وہاں پیدا کی تھی انہیں مویشی کے گلے اس زمانہ کی قیمتی دولت تھے اور جن کے پاس یہ دولت ہوتی تھی وہ ان کے چرانے اور دیکھ بھال کے لئے مزدور اور اجیر بھی رکھا کرتے تھے۔ یہ گلہ بانی سوسائٹی کی نظر میں کچھ بھی حیثیت رکھتی ہو مگر آمدنی اور گزر کا ایک جائز ذریعہ تھی۔ سردار قریش عبدالمطلب کے یتیم پوتے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسی ذریعہ کو اختیار کیا اور اس کے ننھے سے وجود کے لئے اونٹوں کی گلہ بانی مشکل تھی تو بکریاں چرانے کی مزدوری کرنے لگے۔ اس طرح اپنی زندگی خود بنالی اور نہ صرف یہ کہ اپنا بوجھ خود سنبھالا بلکہ پریشان حال چچا کی مدد بھی کرنے لگے۔ (محمد رسول اللہؐ)

جس طرح آپ نے حضرت حلیمہ کے یہاں بچپن میں اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرائیں اسی طرح جوان ہونے کے بعد بھی بکریاں چرائیں۔ جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ مقام الظہر ان میں ہم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ تھے کہ وہاں پیلو کے پھل چننے لگے آپ نے فرمایا کہ سیاہ دیکھ کر چنو وہ زیادہ خوش ذائقہ اور لذیذ ہوتے ہیں ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا آپ بکریاں چرایا کرتے تھے (کہ جس سے آپ کو یہ معلوم ہوا) آپ نے فرمایا ہاں کوئی ایسا نبی نہیں ہوا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایسا نبی نہیں ہوا کہ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ نے بھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط پر چرایا کرتا تھا۔ بخاری شریف کتاب الاجارہ ص ۳۰۱ ج ا حافظ تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مصابیح میں فرماتے کہ بعض متکلفین نے یہ سمجھ کر کہ بکریاں چرا کر اجرت لینا شان نبوت کے شایان نہیں یہ کہہ دیا کہ اس حدیث میں جو لفظ قراریط واقع ہے۔ قیراط کی جمع نہیں بلکہ ایک مقام کا نام ہے۔ جہاں آپ بکریاں چرایا کرتے یہ قول ان متکلفین کا سراسر تکلف اور تعمق ہے۔ امور تبلیغیہ اور امور دینیہ جو اللہ کے لئے کئے جاتے ہیں ان پر نبی کا اجرت اور مالی معاوضہ لینا بے شک منصب نبوت کے شایان شان نہیں لیکن کسب معاش کے لئے اجرت اور معاوضہ پر کام کرنا یہ ہرگز شان نبوت کیخلاف نہیں بلکہ کسب واکتساب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور عمل ہے اور توکل انکا حال ہے نیز یہ فعل نبوت اور بعثت سے پیشتر تھا۔ علاوہ ازیں قراریط کو ایک مقام کا نام بتلانا بالکل غریب اور شاذ قول ہے اس قائل سے پہلے کوئی اس کا قائل ہی نہیں ہوا کہ قراریط کسی مقام کا نام ہے"۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ راجح یہی ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے مقام کا نام نہیں۔ اہل مکہ قراریط کے نام سے واقف ہی نہیں۔

نسائی نے نصر بن حزن سے روایت کیا ہے کہ ایک بار اونٹ والے اور بکریوں والے آپس میں فخر کرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ نبی بنا کر بھیجے گئے اور بکریوں کے

چرانے والے تھے اور داؤد نبی بنا کر بھیجے گئے اور وہ بھی بکریاں چرانے والے تھے اور میں نبی بنا کر بھیجا گیا اور میں بھی اپنے گھر والوں کی بکریاں مقام اجیاد میں چرایا کرتا تھا (سیرۃ المصطفیٰ)

بکریاں چرانے کی حکمت

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا بکریاں چرانا امت کی گلہ بانی کا دیباچہ اور پیش خیمہ تھا۔ اونٹ اور گائے کا چرانا اتنا دشوار نہیں جتنا کہ بکریوں کا چرانا دشوار ہے۔ بکریاں کبھی اس چراگاہ میں جاتی ہیں اور کبھی دوسری چراگاہ میں اس لحظہ میں اگر اس جانب ہیں تو دوسرے لحظہ میں دوسری جانب دوڑتی نظر آتی ہیں۔ گلہ کی کچھ بکریاں اس طرف دوڑتی ہیں اور کچھ دوسری طرف اور راعی ہے کہ ہر طرف دیکھتا ہے کہ کوئی بھیڑیا یا درندہ تو ان کی فکر میں نہیں۔ چاہتا ہے کہ سب بھیڑیں اور بکریاں یکجا مجتمع رہیں۔ مبادہ ایسا نہ ہو کہ کوئی بکری گلہ سے علیحدہ رہ جائے اور بھیڑیا اس کو پکڑ لے جائے صبح سے شام تک راعی اسی فکر میں ان کے پیچھے پیچھے سرگرداں اور پریشان رہتا ہے یہی حال حضرات انبیاء علیہم السلام الف الف صلوٰۃ اللہ کا امت کے ساتھ ہوتا ہے کہ ان کی اصلاح وفلاح کی فکر میں لیل ونہار سرگرداں رہتے ہیں۔ امت کے افراد تو بھیڑوں اور بکریوں کی طرح ادھر ادھر بھاگتے پھرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کمال شفقت ورافت سے ان کو للکار کر اپنی طرف بلاتے رہتے ہیں۔ اور امت کی اس بے اعتنائی سے ان حضرات کو جو تکلیف اور مشقت پہنچتی ہے اس پر صبر اور تحمل فرماتے ہیں اور بایں ہمہ پھر کسی وقت دعوت اور تبلیغ اور ارشاد وتعلیم سے اکتاتے اور گھبراتے نہیں اور جس طرح بھیڑیں، بھیڑیوں اور درندوں کے خونخوار حملوں سے بے خبر ہوتی ہیں۔ اسی طرح امت نفس اور شیطان کے مہلکانہ حملوں سے بے خبر ہوتی ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہر وقت اس تاک میں رہتے ہیں کہ کہیں نفس اور شیطان ان کو اچک نہ لے جائیں جس درجہ نبی کو امت کی صلاح اور فلاح کی فکر ہوتی امت کو اس کا عشر عشیر بھی فکر نہیں ہوتا۔ امت کو تو اپنی ہلاکت اور بربادی کا خیال بھی نہیں ہوتا اور حضرات انبیاء ہیں کہ ان کی زبوں حالی کو دیکھ کر اندر ہی اندر گھلتے رہتے ہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

قوم سے کچھ نہ لیا اور سب کو ہدایت بانٹی

شک کی اس ٹٹی کو بھی توڑنے کے لئے غالباً یہ غیبی سامان تھا کہ جب تک ان سے آپ کچھ لے سکتے تھے' اس عمر تک خانگی حالات کی مجبوریوں نے شہر اور شہریت سے جدا کر کے آپ کو جنگل پہنچا دیا' بجائے آدمیوں کے چراگاہ کے چرندے آپ کے ساتھی ٹھہرائے گئے مشغلہ تجارت میں مشغول ہونے سے پہلے تقریباً بائیس تیئس سال کی عمر تک آپ کے اوقات کا یہی نظام تھا کہ صبح ہوئی گھر گھر سے بکریوں کے مندوں' اونٹوں کے گلوں کو ساتھ لئے بہت دور صحرا میں چلے جاتے' شام ہوئی' سب کے گھروں کے مویشی پہنچا دیئے گئے گھر پہنچے جو کچھ دیا گیا' کھالیا اور تھکے ہوئے گلہ بانوں کی طرح بنی نوع انسان کا یہ سب سے بڑا گلہ بان سو جاتا تھا' شہر میں کیا ہوتا ہے کون آتا ہے' کون جاتا ہے' شاید ہی اس کی خبر کبھی ملتی ہو اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ گلہ بانی کی اس پوری زندگی میں صرف ایک دفعہ جیسا کہ عمر کا تقاضا ہے' کسی بارات کے تماشا دیکھنے کا خیال پیدا ہوا' شاید اس شوق میں چراگاہ سے سویرے واپس آ گئے شام ہوئی' ضروریات سے فارغ ہو کر صاحب تقریب کے مکان پر پہنچے' برات کی دھوم دھام ابھی شروع بھی نہیں ہوئی تھی کہ چراگاہ کی تگ و دو کی تھکاوٹ نے تھپکیاں دے کر سلایا آنکھ کھلی تو تماشے ختم ہو چکے تھے۔ اور مشرق کا رقاص افق عالم پر ناچتا ہوا اپنا تماشا پیش کر رہا تھا۔ دھوپ نکل چکی تھی۔

یہ حال تو اس وقت کا ہے جب اپنی قوم سے آپ کچھ لے سکتے تھے لیکن جب قدرت نے اس کو جس کے دماغ نے' جس کے قلب نے' جس کی عقل نے' جس کی طبیعت نے محسوس قوتوں میں سے کسی سے قطعاً کچھ نہیں لیا تھا اسی کو ساری دنیا میں ان سب چیزوں کو بانٹنے پر مامور کیا جو آج تک کسی کو کسی سے نہ ملا تھا اور نہ آئندہ مل سکتا ہے جیسا کہ مسیح علیہ السلام نے کہا تھا:

''میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں پر تم برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ فارقلیط (احمد) آئے گا تو سچائی کی ساری راہیں بتا دے گا (یوحنا باب ۱۶۔۱۳) (النبی الخاتم)

قومی خدمت...... تعمیر کعبہ میں حصہ

کعبہ عربوں کا قومی اور مذہبی نشان تھا۔ چونکہ وہ پہاڑوں کے نشیب میں واقع ہے تو

جب بھی زوردار بارش ہوتی تھی۔ سیلاب کی دھاریں اس کو چھوتی رہتی تھیں اور کبھی کبھی اس کو نقصان پہنچا دیا کرتی تھیں۔

مکہ اگرچہ ساحل سمندر سے صرف چالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ مگر مون سون اُس طرف نہیں جاتا۔ برسات تو وہاں ہوتی ہی نہیں۔ بارش بھی کبھی بھی ہوتی ہے۔ بسا اوقات کئی کئی سال گزر جاتے ہیں۔ بارش کی ایک بوند نہیں برستی۔ اور کبھی ایسی زوردار برستی ہے کہ مکہ میں طوفان آ جاتا ہے۔ اس وقت کا ایک واقعہ ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً دس سال ہو گی کہ مکہ کی پہاڑیوں پر زوردار بارش ہوئی۔ پھر سیلاب بھی ایسے زور کا آیا کہ کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچ گیا۔ سیلاب اترا تو کعبہ کی مرمت شروع کی گئی۔ سن رسیدہ اور نوجوان رضا کار اپنے اس قومی نشان کی مرمت کر رہے تھے تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک بچہ بھی نوجوانوں کی طرح سرگرم ہے اور اگرچہ بساط کچھ بھی نہیں مگر جذبہ اور شوق کا یہ عالم ہے کہ بھاری بھاری پتھر مونڈھے پر اٹھا رہا ہے۔ اور کعبہ کی دیوار تک پہنچا رہا ہے۔ مونڈھے پتھروں سے چھلے جا رہے ہیں، بوجھ اٹھانے سے سانس چڑھ رہا ہے مگر اس کے ولولہ میں کوئی فرق نہیں آ رہا۔

یہ بہادر بچہ وہی ہے جسے "محمد" کہا جاتا ہے، صلی اللہ علیہ وسلم (محمد رسول اللہؐ)

شرم وحیا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ کو جاہلیت کی کسی بات کا کبھی خیال ہی نہیں آیا۔ صرف دو مرتبہ ایسا خیال آیا مگر اللہ نے بچایا اور مجھ کو اس سے محفوظ رکھا۔ ایک شب میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا کہ تم بکریوں کی خبر رکھنا اور میں مکہ میں جا کر کچھ قصے کہانیاں سن کر آتا ہوں۔ میں مکہ میں داخل ہوا ایک مکان سے گانے بجانے کی آواز سنائی دی۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ فلاں کی شادی ہے میں بیٹھا ہی تھا کہ فوراً نیند آ گئی اور خدا نے میرے کانوں پر مہر لگا دی پھر سویا تو خدا کی قسم آفتاب کی تمازت ہی نے مجھ کو بیدار کیا اٹھ کر اپنے ساتھی کے پاس آیا ساتھی نے دریافت کیا کہ بتلاؤ کیا دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ بھی نہیں اور اپنے سونے کا واقعہ بیان فرمایا۔ دوسری شب آپ نے پھر

یہی ارادہ فرمایا خدا کی طرف سے پھر یہی صورت پیش آئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس کے بعد پھر میرے دل میں اس قسم کا کوئی خیال ہی نہیں آیا۔ یہاں تک اللہ نے مجھ کو اپنی پیغمبری سے سرفراز فرمایا۔ (سیرۃ المصطفیٰؐ)

سیدنا ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فطرت کو جو شرم و حیا کی جنس گرانمایہ عطا ہوئی تھی۔ اس کا ایک نمونہ اس موقع پر دیکھنے میں آیا۔

کعبہ کی مرمت کے سلسلہ میں جب آپ پتھر اٹھا رہے تھے تو آپ کے چھوٹے چچا ''عباس'' جو آپ سے دو سال بڑے تھے وہاں موجود تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ بے ڈول اور نوکیلے پتھروں سے ان کے معصوم بھتیجے ''محمدؐ'' کے مونڈھے چھلے جا رہے ہیں۔ (محمد رسول اللہؐ)

آپ کے چچا حضرت عباس نے کہا کہ بیٹا تہبند' کھول کر مونڈھے پر رکھ لو تا کہ پتھروں کی رگڑ سے محفوظ رہو۔ آپ نے چچا کے کہنے سے تہبند کھولا' کھولتے ہی آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس کے بعد آپ کبھی برہنہ نہیں دیکھے گئے۔

ابوالطفیلؓ سے مروی ہے کہ اس وقت آپ کو غیب سے یہ آواز آئی۔ اے محمد اپنے ستر کی خبر لو۔ یہ غیبی آواز سب سے پہلی آواز تھی جو آپ کو سنائی دی۔

ابن عباس کی روایت میں ہے کہ ابوطالب نے آپ سے پوچھا کہ کیا ماجرا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایک سفید پوش آدمی دکھلائی دیا جس نے یہ کہا اے محمد اپنے ستر کو چھپاؤ۔ (سیرۃ المصطفیٰؐ)

بتوں سے نفرت و پرہیز

یہ عجیب بات ہے کہ مکہ کے باشندے بے دینی اور مذہب سے آوارہ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مذہبی سمجھتے تھے۔ مگر ان کی یہ مذہبیت شرک اور اوہام پرستی کا جال بن کر رہ گئی تھی۔ ایک طرف حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا نام زبان پر تھا' جنہوں نے شرک کے خلاف توحید کا جھنڈا بلند کیا تھا اور دوسری طرف حالت یہ تھی کہ حرم کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے اور ان کے علاوہ ہر ایک قبیلہ کا دیوتا اور اس کا بت الگ الگ تھا۔

شرک کی اس گرم بازاری میں کسی بچہ کا غیر اللہ کی پرستش سے بچنا ناممکن تھا۔ مگر جس کو قدرت نے وہ سنجیدگی عطا فرمائی تھی جس نے اس کو کھیل' تماشے اور قصہ گوئی کی محفلوں سے

الگ رکھا جو برہنگی کے تصور سے بھی لرز جاتا تھا وہ عبادت کے معاملہ میں یہ بے جوڑ بات اور یہ مذاق گوارا نہیں کرسکتا تھا کہ ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید پرستی کے قصے سنے اور دوسری طرف اپنی پیشانی غیر اللہ کے سامنے جھکا دے۔ (محمد رسول اللہؐ)

حضرت علی سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کیا گیا کہ آپ نے کبھی کسی بت کو پوجا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں پھر پوچھا گیا کہ کبھی آپ نے شراب پی ہے آپ نے فرمایا نہیں اور یہ بھی فرمایا کہ میں ہمیشہ سے ان چیزوں کو کفر سمجھتا تھا اگرچہ مجھ کو کتاب اور ایمان کا علم نہ تھا۔ (سیرۃ المصطفی ۲)

جس فطرت سلیم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سمجھا دیا تھا کہ چاند سورج اور آسمان کے چمکدار تارے جن کو ان کی قوم معبود مانتی ہے، ہرگز قابل پرستش نہیں ہیں کیونکہ انسان کی طرح رات دن کی تبدیلیوں کا ان پر بھی اثر ہوتا ہے بلکہ وہ انسان سے زیادہ پابند اور بے بس نظر آتے ہیں جو پابند ہو جس پر رات دن کی تبدیلیوں کا اثر ہوتا رہتا ہو۔ وہ معبود نہیں ہوسکتا۔

اسی فطرت سلیم نے پاک طینت ''محمد'' صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوش سنبھالتے ہی بتا دیا تھا کہ جس کو انسان خود بنائے وہ معبود نہیں ہوسکتا، نہ اس قابل ہوسکتا ہے کہ انسان اس کے سامنے گردن جھکائے یا ماتھا رگڑے۔

لوگ خانہ کعبہ کا طواف جب بھی کیا کرتے تھے۔ وہاں پیتل کے دو بت اساف اور نائلہ تھے۔ طواف کرنے والے ان کو بوسہ دیا کرتے تھے اور ان پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے غلام زید بن حارثہ نے اپنے بیٹے (حضرت اسامہ) کو واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ بچپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف کررہا تھا چکر لگاتے ہوئے جب ہم اساف اور نائلہ کے پاس پہنچے تو میں نے چاہا کہ میں بھی انہیں چھولوں۔ حضرت ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) نے منع فرمادیا۔ اگلے چکر میں میں نے نظر بچا کر چھولینا چاہا اور چھو بھی لیا۔ مگر آپ کی جیسے ہی نظر پڑی آپ نے سختی سے ڈانٹا' میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا۔ (محمد رسول اللہؐ)

آسمانی تربیت

آپؐ بچپن اور شباب میں بھی جبکہ منصب پیغمبری سے ممتاز نہیں ہوئے تھے۔ مراسم

شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے۔ ایک دفعہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا لا کر رکھا یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا۔ جانور جو ذبح کیا گیا تھا کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا۔ آپ نے کھانے سے انکار کیا۔ آپؐ نے نبوت سے پہلے بت پرستی کی برائی شروع کر دی تھی اور جن لوگوں پر آپ کو اعتماد تھا ان کو اس بات سے منع فرماتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں پیدا ہوئے مکہ بت پرستی کا مرکز اعظم تھا۔ خود کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا تمغائے امتیاز صرف اس قدر تھا کہ اس بتکدہ کے متولی اور کلید بردار تھے۔ بایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔ دیگر رسوم جاہلیت میں بھی کبھی شرکت نہیں کی۔ قریش نے اس بناء پر کہ ان کو عام لوگوں سے ہر بات میں ممتاز رہنا چاہئے یہ قاعدہ قرار دیا تھا کہ ایام حج میں قریش کے لئے عرفات جانا ضروری نہیں اور یہ کہ جو لوگ باہر سے آئیں وہ قریش کا لباس اختیار کریں ورنہ ان کو برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کرنا ہوگا چنانچہ اسی بناء پر طواف برہنہ کا عام رواج ہو گیا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں میں کبھی اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا۔ (حضرت علی میاں ندویؒ)

شام کا سفر اور راہب رضی اللہ عنہ کی شہادت

آپ کا سن بارہ سال کو پہنچ چکا تھا کہ ابوطالب نے قریش کے قافلہ تجارت کے ساتھ شام کا ارادہ کیا۔ مصائب سفر کے خیال سے ابوطالب کا ارادہ آپ کو ہمراہ لے جانے کا نہ تھا۔ عین روانگی کے وقت آپ کے چہرے پر حزن و ملال کے آثار دیکھے اس لئے آپ کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ (سیرۃ ابن ہشام ص ۶۱ جلد ۱) اور روانہ ہوئے۔ جب شہر بصریٰ کے قریب پہنچے تو وہاں ایک نصرانی راہب رہتا تھا جس کا نام جرجیس تھا اور بحیرا راہب کے نام سے مشہور تھا اور نبی آخر الزماں کی جو علامتیں آسمانی کتابوں میں مذکور تھیں ان سے بخوبی واقف اور باخبر تھا۔ چنانچہ مکہ کا یہ قافلہ جب بحیرا راہب کے صومعہ کے پاس جا کر اترا تو اس نے حضور پرنور کی صورت دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں کہ جن کی کتب سابقہ میں خبر دی گئی ہے اور آپ کا ہاتھ پکڑ لیا دیکھو زرقانی ص ۱۹۴ ج ۱۔ جامع ترمذی میں ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ ایک بار ابوطالب مشائخ قریش کے ساتھ شام کی طرف گئے شام میں جس جگہ جا کر اترے وہاں ایک راہب رہتا تھا اس سے پہلے بھی بارہا اس راہب پر گزر ہوتا تھا مگر وہ کبھی ملتفت نہ ہوتا تھا۔ اس مرتبہ قریش کا کاروان تجارت جب وہاں جا کر اترا تو راہب خلاف معمول اپنے صومعہ سے نکل کر ان میں آیا اور متجسسانہ نظروں سے ایک ایک کو دیکھنے لگا۔ یہاں تک کہ حضور کا ہاتھ پکڑ لیا اور یہ کہا۔

یہی ہے سردار جہانوں کا یہی ہے رسول پروردگار عالم کا جس کو اللہ جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گا۔

سرداران قریش نے اس راہب سے کہا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا۔ راہب نے کہا جس وقت آپ سب گھاٹی سے نکلے تو کوئی شجر اور حجر ایسا باقی نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو اور شجر اور

حجر نبی ہی کے لئے سجدہ کر سکتے ہیں۔ اور علاوہ ازیں میں آپ کو مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں۔ جو سیب کے مشابہ آپ کے شانہ کے نیچے واقع ہے۔ راہب یہ کہہ کر واپس ہو گیا اور فقط ایک آپ کی وجہ سے تمام قافلہ کے لئے کھانا تیار کرایا۔ کھانے کے لئے سب حاضر ہوئے تو آپ موجود نہ تھے۔ راہب نے دریافت کیا کہ آپ کہاں ہیں۔ معلوم ہوا کہ اونٹ چرانے گئے ہوئے ہیں۔ آدمی بھیج کر آپ کو بلایا۔ جس وقت آپ تشریف لائے تو ایک ابر آپ پر سایہ کئے ہوئے تھا جب آپ اپنی قوم کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ لوگ آپ سے پہلے درخت کے سایہ میں جگہ لے چکے ہیں۔ اب کوئی جگہ سایہ کی باقی نہ رہی آپ ایک جانب کو بیٹھ گئے۔ بیٹھتے ہی درخت کا سایہ آپ کی طرف جھک گیا۔ راہب نے کہا کہ درخت کے سایہ کو دیکھو کہ کس طرح آپ کی طرف مائل ہے اور کھڑے ہو کر لوگوں کو قسمیں دینے لگا اور یہ کہا کہ آپ لوگ ان کو روم کی طرف نہ لے جائیں۔ رومی اگر ان کو دیکھ لیں گے تو آپ کی صفات اور علامات سے آپ کو پہچان کر قتل کر ڈالیں گے اثناء کلام میں اچانک اور یکا یک جو راہب کی نظر پڑی تو دیکھا کہ روم کے سات آدمی کسی تلاش میں اسی طرف آ رہے ہیں۔ راہب نے پوچھا تم کس لئے نکلے ہو۔ رومیوں کے کہا کہ ہم اس نبی کی تلاش میں نکلے ہیں (جس کی توریت اور انجیل میں بشارت مذکور ہے کہ وہ اس مہینہ میں سفر کے لئے نکلنے والا ہے۔ ہر طرف ہم نے اپنے آدمی بھیجے ہیں۔ راہب نے کہا اچھا یہ تو بتاؤ کہ جس شے کا خداوند ذوالجلال نے ارادہ فرمالیا ہو کیا اس کو کوئی روک سکتا ہے۔ رومیوں نے کہا نہیں۔ اس کے بعد رومیوں نے بحیرا راہب سے عہد کیا کہ ہم اب اس نبی کے درپے نہ ہوں گے اور یہ سات رومی وہیں بحیرا راہب کے پاس رہ پڑے کیونکہ جس مقصد کے لئے نکلے تھے وہ خیال ہی بدل گیا۔ اس لئے اب واپسی کو خلاف مصلحت سمجھ کر بحیرا راہب کے پاس ٹھہر گئے۔ راہب نے پھر قریش کے قافلہ کو قسم دے کر یہ دریافت کیا کہ تم میں سے اس کا ولی کون ہے۔ لوگوں نے ابوطالب کی طرف اشارہ کیا۔ راہب نے ابوطالب سے کہا کہ آپ ان کو ضرور واپس بھیج دیں۔ ابوطالب نے آپ کو ابوبکر اور بلال کے ہمراہ مکہ واپس بھیج دیا۔ راہب نے ناشتہ کے لئے روٹی اور زیتون کا تیل ساتھ کر دیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

حرب الفجار

عرب میں عرصہ سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری تھا۔ واقعہ فیل کے بعد جو مشہور معرکہ پیش آیا وہ معرکہ حرب الفجار کے نام سے مشہور ہے یہ معرکہ قریش اور قبیلہ قیس کے درمیان پیش آیا۔ اول قیس قریش پر غالب آئے۔ بعد میں قریش قیس پر غالب آئے۔ بالآخر صلح پر جنگ کا خاتمہ ہوا۔ بعض دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس لڑائی میں اپنے بعض چچاؤں کے اصرار سے شریک ہوئے مگر قتال نہیں فرمایا۔

ابن ہشام فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمرہ چودہ یا پندرہ سال کی تھی اور محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر شریف بیس سال کی تھی۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

عرب کے لوگ بڑے لڑاکے تھے۔ بات بات میں آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ اگر کہیں کسی طرف سے کوئی آدمی مارا گیا تو جب تک اس کا بدلہ نہیں لیتے تھے، چین سے نہیں بیٹھتے تھے۔ ایک دفعہ "بکر" اور "تغلب" عرب کے دو قبیلوں میں ایک گھوڑ دوڑ کے موقع پر لڑائی ہوئی تو وہ لڑائی پورے چالیس برس ہوتی رہی۔

اسی قسم کی ایک لڑائی کا نام فجار ہے۔ یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلوں میں ہوئی تھی۔ قریش کے سب خاندانوں نے اپنی اس قومی لڑائی میں شرکت کی تھی ہر خاندان کا دستہ الگ الگ تھا۔ ہاشم کے خاندان کا جھنڈا عبدالمطلب کے ایک بیٹے زبیر کے ہاتھ میں تھا۔ اسی صف میں ہمارے پیغمبر بھی تھے۔ آپ بڑے رحم دل تھے۔ لڑائی جھگڑے کو پسند نہیں فرماتے تھے، اسی لئے آپ نے کبھی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ (رحمت عالم)

حلف الفضول میں شرکت

لڑائی کا سلسلہ تو عرب میں مدت سے جاری تھا مگر کہاں تک؟ حرب فجار کے بعد بعض طبیعتوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس طرح زمانہ سابق میں قتل اور غارت گری کے انسداد کے لئے فضل بن فضالہ اور فضل بن وداعہ اور فضیل بن حارث نے ایک معاہدہ مرتب کیا تھا جو انہیں کے نام پر حلف الفضول کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی طرح اب دوبارہ اس کی تجدید کی جائے۔

جب شوال میں حرب فجار کا سلسلہ ختم ہوا تو ذیقعدۃ الحرام میں حلف الفضول کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی اور سب سے پہلے زبیر بن عبدالمطلب اس معاہدہ اور حلف کے محرک ہوئے اور بنو ہاشم اور بنی تمیم عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے۔ عبداللہ بن جدعان نے سب کے لئے کھانا تیار کرایا۔ اس وقت سب نے مظلوم کی حمایت ونصرت کا عہد کیا کہ مظلوم خواہ اپنا ہو یا پرایا دیسی یا پردیسی حتی الوسع اس کی اعانت اور امداد سے دریغ نہ کریں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس معاہدہ کے وقت میں بھی عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حاضر تھا اس معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو ہرگز پسند نہ کرتا اور اگر اب زمانہ اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدے کی طرف بلایا جاؤں تو بھی اس کی شرکت کو ضرور قبول کروں گا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

معاہدہ کے اسباب ومقاصد

واقعہ یہ تھا کہ یمن کا ایک سوداگر کچھ مال مکہ معظمہ میں لایا۔ مکہ کے ایک بیوپاری ”عاص بن وائل سہمی“ نے اس کا مال خرید لیا۔ اور جب قیمت ادا کرنے کا وقت آیا تو اس کو مار پیٹ کر بھگا دیا۔ وہ مکہ والوں کے سامنے رویا دھویا۔ مگر کسی نے پرواہ نہیں کی۔ مجبور ہو کر واپس ہوا مگر اب اس نے مکہ والوں کی ہجو میں اشعار کہنے شروع کئے اور اس طرح پورے عرب میں قریش کی بدنامی ہونے لگی۔ ظاہر ہے مکہ جیسے تجارتی شہر کے لئے یہ بدنامی بہت خطرناک

تھی۔اس نے قریش کے سرداروں کو چونکا دیا اور اب وہ صورتحال پر غور کرنے کے لئے مکہ کے ایک رئیس ''عبداللہ بن جدعان'' کے یہاں جمع ہوئے۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ابھی بیس سالہ نوجوان تھے۔مگر امن وآشتی اور صلح ومصالحت جو آپ کا فطری جذبہ تھا۔اس کا یہ اثر تھا کہ جیسے ہی آپ کو خبر ہوئی آپ بھی مجمع میں پہنچ گئے۔آپ کی شرکت کی یہ برکت تھی کہ واقعہ کا تعلق اگرچہ تجارت اور کاروباری سلسلہ سے تھا۔مگر غور وفکر کے دائرہ کو وسیع کیا گیا اور ایک باقاعدہ سوسائٹی (انجمن) بنائی گئی۔(محمد رسول اللہؐ)

منشور

اس انجمن کے ارکان کا یہ عہد ہوتا تھا (۱) ہم اپنے وطن سے بے امنی دور کریں گے (۲) مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے۔(۳) غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔(۴) طاقتور کو کمزور پر، بڑوں کو چھوٹوں پر ظلم کرنے اور ناانصافی سے روکا کریں گے۔(محمد رسول اللہؐ)

جدید معاہدہ کی اہمیت

مگر جب تک دلوں کی سطح ہموار نہ ہو اس طرح کے معاہدے پائیدار نہیں ہوتے۔کیونکہ ان کا منشاء علاج نہیں ہوتا۔بلکہ دفع الوقتی ہوتا ہے۔وقت گزر جاتا ہے تو یہ معاہدے بھی فراموش ہو جاتے ہیں۔چنانچہ اسی طرح کا ایک معاہدہ پہلے بھی ہو چکا تھا۔جب مکہ پر قبیلہ جرہم کا قبضہ تھا مگر اب اس معاہدہ کا صرف نام یاد رہ گیا تھا۔یعنی'' حلف الفضول'' وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ قبیلہ جرہم کے یہ تین سردار جنہوں نے یہ معاہدہ ایجاد کیا تھا۔تینوں کے نام ''فضل'' تھے۔ اس وقت جو معاہدہ ہوا وہ ایک طرح سابق انجمن کا احیاء تھا۔لہذا اس کو بھی وہی نام دیا گیا۔

بہرحال وقتی طور پر امن اور حفاظت جان و مال کے لئے ایک اچھا اقدام تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ اس میں حصہ لیا کہ نبوت کے بعد جب ایک مضبوط نظام مسلمانوں کا قائم ہو گیا تھا۔تب بھی آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ قریش اگر حلف الفضول کو زندہ کریں تو میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو اس میں حصہ لوں گا۔(محمد رسول اللہؐ)

تجارت

مکہ کی زمین اگرچہ پیداوار کے قابل نہیں تھی۔ مگر تجارتی کاروبار کے لئے نہایت موزوں تھی۔ یہاں مشرق ومغرب کے ڈانڈے ملتے تھے۔ ایران وعراق، یمن، شام اور افریقہ کے تجارتی تعلقات کی درمیانی کڑی یہی شہر تھا۔ قریش اس قدرتی نعمت کو پہچانتے تھے اور جہاں تک ان کی گنجائش ہوتی تھی وہ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

بعثت نبوی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی بنائے جانے) سے تقریباً دوسو برس پہلے قریش کے مشہور اور ممتاز سردار ہاشم نے رحلت الشتاء والصیف (سردی اور گرمی کے موسم کے دو کوچ) کا دستور ڈال دیا تھا۔ گرمیوں میں مکہ والوں کے تجارتی قافلے شام اور انقرہ جاتے تھے جہاں اس زمانہ میں ٹھنڈ ہوتی تھی۔ خوشگوار موسم، صحت بخش آب وہوا کا لطف بھی اٹھاتے اور تجارت بھی کرتے اور سردیوں میں یہ قافلے حبشہ اور یمن جاتے تھے۔ ہاشم اور اس کے بھائیوں نے مختلف ممالک سے عربوں کے لئے آزاد تجارت کے سرٹیفکیٹ (پروانے) بھی حاصل کر لئے تھے۔ عرب میں قریش کی عظمت کا ایک بڑا سبب یہ تجارتی اقتدار بھی تھا۔

(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عمر نے ترقی کی اور اس قابل ہوئے کہ تجارتی قافلہ کے ساتھ سفر کر سکیں تو آپ نے اس شریف پیشہ کو اپنانا چاہا لیکن روپیہ آپ کے پاس نہیں تھا تو آپ نے دوسروں کے سرمایہ سے تجارت شروع کر دی۔ بیرونی تجارت میں بھی حصہ لیا اور جیسا کہ (عبداللہ بن ابی الحمسا) کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے آپ مکہ میں گھوم پھر کر بھی کاروبار کیا کرتے تھے۔ (محمد رسول اللہؐ)

قریش کے شریفوں کا سب سے باعزت پیشہ سوداگری اور تجارت تھا۔ جب ہمارے رسول کاروبار سنبھالنے کے لائق ہوئے تو اسی پیشہ کو اختیار فرمایا۔ آپؐ کی نیکی، سچائی اور اچھے برتاؤ کی شہرت تھی۔ اس لئے اس پیشہ میں کامیابی کی راہ آپؐ کے لئے بہت جلد کھل گئی۔ ہر معاملہ میں سچا وعدہ فرماتے اور جو وعدہ فرماتے اس کو پورا ہی کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجارت کے ساتھی عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے

اس زمانہ میں خرید و فروخت کا ایک معاملہ طے کیا' بات کچھ طے ہو چکی تھی کچھ ادھوری رہ گئی تھی میں نے وعدہ کیا کہ پھر آ کر بات پوری کر لیتا ہوں۔ یہ کہہ کر چلا گیا۔ تین دن کے بعد مجھے اپنا وعدہ یاد آیا۔ دوڑ کر آیا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ بیٹھے میرے آنے کا انتظار کر رہے ہیں اور جب آیا تو آپؐ کی پیشانی پر میری اس حرکت سے بل تک نہ آیا۔ نرمی کے ساتھ اتنا ہی فرمایا کہ تم نے مجھے بڑی زحمت دی' تین دن سے یہیں بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

تجارت کے کاروبار میں آپؐ اپنا معاملہ ہمیشہ صاف رکھتے تھے۔ سائبؓ نامی آپؐ کے ایک ساتھی کہتے ہیں کہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان' آپؐ میری تجارت میں شریک تھے' مگر ہمیشہ معاملہ صاف رکھا' نہ کبھی جھگڑا کرتے' نہ لیپ پوت کرتے تھے۔ آپؐ کے کاروبار کے ایک اور ساتھی کا نام ابوبکرؓ تھا وہ بھی مکہ ہی میں قریش کے ایک سوداگر تھے۔ وہ کبھی کبھی سفر میں آپؐ کے ساتھ رہتے تھے۔

قریش کے لوگ حضرتؐ کی خوش معاملگی' دیانتداری اور ایمان داری پر اتنا بھروسہ کرتے تھے کہ بے تامل اپنا سرمایہ آپؐ کے سپرد کر دیتے تھے۔ بہت سے لوگ اپنا روپیہ آپؐ کے پاس امانت رکھواتے تھے اور آپ کو امین یعنی امانت والا کہتے تھے۔

مکہ کی معزز تاجر خاتون

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عرب کے شریف خاندان کی بڑی مالدار عورت تھیں۔ ان کی شرافت نسبی اور عفت و پاک دامنی کی وجہ سے جاہلیت اور اسلام میں لوگ ان کو طاہرہ کے نام سے پکارتے تھے قریش جب اپنا قافلہ تجارت کے لئے روانہ کرتے تو حضرت خدیجہ بھی اپنا مال کسی کو بطور مضاربت دیکر روانہ کرتیں۔ ایک حضرت خدیجہؓ کا سامان قریش کے کل سامان کے برابر ہوتا تھا۔

خدیجہ سے شرکت اور شام کا دوسرا سفر

خدیجہ رضی اللہ عنہا جب دوسری مرتبہ بیوہ ہو چکی تو اپنی تجارت کو باقی رکھنے کے لئے انہیں کسی ایسے امانتدار شخص کی ضرورت تھی' جو کاروباری سلیقہ اور تجارتی تجربہ بھی رکھتا ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اگرچہ تقریباً ۲۳ سال تھی مگر آپ کے اوصاف حمیدہ کے چرچے شروع ہو گئے تھے۔ کاروباری سلیقہ کی بھی شہرت ہو چکی تھی اور تجارتی قافلہ کے ساتھ شام جا کر بیرونی تجارت کا بھی آپ کو تجربہ ہو چکا تھا۔ حضرت خدیجہ نے آپ کی یہ شہرتیں

سنیں پھر ذاتی طور پر بھی واقفیت حاصل کی تو اپنے وسیع کاروبار کے لئے آپ کو زیادہ سے زیادہ موزوں پایا۔ چنانچہ آپ نے جوان صالح حضرت محمد بن عبداللہ القریشی المکی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیش کش کی کہ وہ کاروبار کی ذمہ داری سنبھال لیں۔ نفع میں ایک حصہ ان کا ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشکش منظور فرمائی اور مال لے کر شام تشریف لے گئے۔ واپسی کے وقت آپ نے ایسا مال تلاش کیا جس کا مکہ میں فوراً نکاس ہو جائے۔ آپ نے شام سے یہ مال لاکر ''مکہ معظمہ'' میں فروخت کیا تو نفع بدرجہا زائد ہوا۔ (محمد رسول اللہ ﷺ)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے پاس پیام بھیجا کہ اگر آپ یہ مال تجارت کے لئے لے کر شام جائیں تو آپ کو بہ نسبت دوسروں کے المضاعف معاوضہ دوں گی۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کی مالی مشکلات کی وجہ سے اس پیغام کو قبول فرمایا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ﷺ)

نسطورا راہب سے ملاقات

جب آپ ﷺ حضرت خدیجہ ؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے جب بصریٰ پہنچے تو ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھے وہاں ایک راہب رہتا تھا۔ جس کا نام نسطورا تھا۔ وہ دیکھ کر آپ کی طرف آیا اور آپ کو دیکھ کر یہ کہا کہ عیسیٰ ؑ بن مریم کے بعد سے لے کر اب تک یہاں آپ کے سوا اور کوئی نبی نہیں اترا پھر میسرہ سے کہا کہ ان کی آنکھوں میں یہ سرخی ہے۔ میسرہ نے کہا یہ سرخی آپ ﷺ سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ راہب بولا۔

ھو ھو وھو نبی وھو اٰخر الانبیاء یہ وہی نبی ہے اور یہ آخری نبی ہے۔

پھر آپ خرید و فروخت میں مشغول ہوئے۔ اسی اثناء میں ایک شخص آپ ﷺ سے جھگڑنے لگا اور اس نے آپ ﷺ سے یہ کہا کہ لات وعزیٰ کی قسم کھایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے کبھی لات عزیٰ کی قسم نہیں کھائی اور اتفاقاً جب کبھی میرا لات اور عزیٰ پر گزر بھی ہوتا ہے تو میں اعراض اور کنارہ کشی کے ساتھ وہاں سے گزر جاتا ہوں۔ یہ سن کر اس شخص نے کہا کہ بے شک بات تو آپ ہی کی ہے یعنی صادق اور سچے ہیں۔ اور پھر اس شخص نے کہا کہ واللہ یہ شخص ہے جس کی شان اور صفت کو ہمارے علماء اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ ﷺ)

برکات وبشارات کا ظہور

میسرہ کا بیان ہے کہ جب دوپہر ہوتا اور گرمی کی شدت ہوتی تو میں دو فرشتوں کو دیکھتا کہ وہ آ

کر آپ پر سایہ کر لیتے ہیں۔ جب آپ شام سے واپس ہوئے تو دوپہر کا وقت تھا اور دو فرشتے آپ پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے جب بالا خانے سے آپ کو اس شان سے آتے دیکھا تو پاس کی تمام عورتوں کو بھی دکھلایا۔ تمام عورتیں تعجب کرنے لگیں۔ بعدازاں میسرہ نے سفر کے تمام حالات وواقعات سنائے اور آپ نے مال تجارت حضرت خدیجہؓ کے سپرد کیا۔ اس مرتبہ آپ کی برکت سے حضرت خدیجہ کو اس قدر منافع ہوا کہ اس سے پیشتر کبھی اتنا نفع نہ ہوا تھا۔ حضرت خدیجہ نے جتنا معاوضہ آپ سے مقرر کیا تھا اس سے زیادہ دیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

صداقت وامانت کا مثالی کردار

ابوطالب کے ساتھ آپ بچپن میں بھی بعض تجارتی سفر کر چکے تھے۔ ہر قسم کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا اور آپ کے حسن معاملہ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی، نوخیز ونوجوان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گلہ بانی سے آگے بڑھ کر میدان تجارت میں آئے تو آپ کے تعلقات وسیع ہوئے۔ لوگوں کو آپ کے آزمانے اور پرکھنے کا موقع ملا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے آپ کو زیادہ قریب سے دیکھا وہی آپ کے سب سے زیادہ گرویدہ ہو گئے اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ صرف دس بارہ سال کے عرصہ میں آپ کی غیر معمولی امانت داری۔ راستبازی اور سچائی نے سب ہی مکہ والوں کو یہاں تک موہ لیا کہ وہ آپ کا نام لینا بے ادبی سمجھنے لگے یہی مکہ کے بڑے بڑے تاجر اور سیٹھ جن کو اپنی دولت پر ناز تھا۔ جن کو اپنے بین الاقوامی تعلقات پر فخر تھا کہ ان کے تجارتی قافلے شام، یمن، فارس وغیرہ جاتے رہتے ہیں۔ افریقہ کے بازاروں میں ان کا لین دین رہتا ہے۔ ان ملکوں کے امیروں اور بادشاہوں سے ان کی راہ ورسم ہے، ان سے اپنی بات منوا سکتے ہیں۔ یہی رؤسائے قریش جو اپنے سوا کسی کو نظر میں نہیں لاتے تھے جو دوسروں کی گردنیں اپنے سامنے جھکوانا چاہتے تھے جن کے مشاعروں کی جان ان کے وہ فخریہ قصیدے ہوا کرتے تھے، جن میں وہ اپنی عظمت اور بڑائی کے ترانے گاتے اور کوئی ان کا توڑ کرتا تھا تو لڑ پڑتے تھے۔ یہاں تک کہ خونریز جنگ کی نوبت آ جاتی تھی۔ دنیا جانتی ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ ''یتیم عبداللہ'' کی غیر معمولی سچائی اور امانتداری نے ان سیٹھوں اور رئیسوں کو یہاں تک متاثر اور گرویدہ بنا دیا تھا کہ وہ آپ کو ''الصادق'' یا ''الامین'' ہی کہتے تھے۔ نام لینا بے ادبی سمجھتے تھے۔ یہ دو لفظ یہاں تک زبانوں پر چڑھ گئے

کہ انہوں نے قومی لقب کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ (محمد رسول اللہ)

ایفائے عہد کا بے مثال کردار

عبداللہ بن ابی الحمساء عامری ایک معمولی آدمی تھا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کا یہ معاملہ نہ ہوا ہوتا جو یہاں ذکر کیا جارہا ہے تو دنیا نہ اس کو پہچانتی اور نہ پہچاننے کی ضرورت محسوس کرتی۔

یہ عبداللہ حضرت محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کوئی سودا کر رہا تھا۔ بات چیت کرتے ہوئے اسے کوئی کام یاد آ گیا۔ اس نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا۔ آپ ٹھہریئے میں ابھی آتا ہوں۔ تب بات کروں گا۔ آپ کی زبان سے نکل گیا۔ ''اچھا''۔

اب بات کی پختگی اور زبان کی پابندی ملاحظہ فرمایئے۔

عبداللہ بن ابی الحمساء یہاں سے چلا تو اس کو کوئی اور ضرورت پیش آ گئی وہ اس میں ایسا لگا کہ اس کو اپنے وعدہ کا خیال بھی نہیں رہا۔ یہ دن یونہی گزر گیا۔ پھر اگلا دن بھی گزر گیا۔ تیسرے دن اسے خیال آیا کہ میں ''محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاملہ کر رہا تھا۔ بات یہاں تک پہنچ چکی تھی۔ میں ان کو ٹھہرا کر آیا تھا۔ اب چل کر بات پوری کر لینی چاہئے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی الحمساء آپ کے مکان پر پہنچا۔ معلوم ہوا کہ دو روز گزر گئے۔ آج تیسرا دن ہے وہ مکان پر نہیں آئے۔ گھر والے خود پریشان ہیں ''عبداللہ بن ابی الحمساء یہاں سے روانہ ہوا جہاں جہاں خیال تھا سب جگہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تلاش کیا۔ کہیں نہ ملے تو احتیاطاً اس جگہ بھی پہنچا جہاں بات چیت ہو رہی تھی اور وہ آپ کو وہاں ٹھہرا کر آیا تھا۔

عبداللہ بن ابی الحمساء اس مقام پر پہنچا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ''محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہیں موجود ہیں اور عبداللہ بن ابی الحمساء کا انتظار کر رہے ہیں اور زیادہ حیرت اس کو اس بات پر ہوئی کہ مسلسل تین دن انتظار کی زحمت اٹھانے کے بعد بھی جب عبداللہ بن ابی الحمساء سامنے آئے تو نہ لڑائی جھگڑا تھا نہ ڈانٹ ڈپٹ۔ کہا تو صرف اتنا کہا اور وہ بھی دھیمی آواز سے یافتی لقد شققت علی. اناھھنا منذثلاث انتظرک (اے صاحب! آپ نے پریشان کر دیا۔ تین دن ہو گئے۔ یہاں آپ کا انتظار کر رہا ہوں)۔ (محمد رسول اللہ)

نِکاح

نکاح کیلئے حضرت خدیجہؓ کا ارادہ و پیغام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کاروباری دانشمندی، ہوشیاری اور مستعدی نے حضرت خدیجہ کی اس رائے کی تصدیق کردی جو وہ اس ''ترقی پسند'' نوجوان کے متعلق پہلے قائم کرچکی تھیں۔

حضرت خدیجہ نے شام جاتے وقت جب مال سپرد کیا تو خاص اپنے بھروسے کے غلام ''میسرہ'' کو بھی ساتھ کردیا تھا، بہانہ یہ تھا کہ وہ خدمت کرتے رہیں گے اور مقصد یہ تھا کہ مال کی نگرانی بھی رکھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طور واطوار کا بھی گہرا مطالعہ کرتے رہیں۔

سفر شام سے واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافع کا مال حضرت خدیجہ کے سپرد کیا۔ اور ''میسرہ'' نے نہ صرف امانتداری بلکہ آپ کے عام اخلاق کی بھی ایسی تعریف کی کہ خدیجہ جو اپنی زندگی کا یہ آخری دور کسی راست باز کے حوالہ کرنا چاہتی تھیں ''دامان محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ان کو گوہر مراد نظر آنے لگا۔ (محمد رسول اللہؐ)

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ نے آپ کے تمام حالات سفر اور راہب کا مقولہ اور فرشتوں کا آپؐ پر سایہ کرنا ورقہ بن نوفل سے جا کر بیان کیا۔ ورقہ نے کہا کہ خدیجہ اگر یہ واقعات سچے ہیں تو پھر یقیناً محمدؐ اس امت کے نبی ہیں۔ اور میں خوب جانتا ہوں کہ امت میں ایک نبی ہونے والے ہیں۔ جن کا ہم کو انتظار ہے اور ان کا زمانہ قریب آ گیا ہے ان واقعات کو سن کر حضرت خدیجہ کے دل میں آپ سے نکاح کا شوق پیدا ہوا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

پیغام کی قبولیت اور نکاح

چنانچہ سفر شام سے واپسی کے دو مہینہ اور پچیس روز بعد خود حضرت خدیجہؓ نے آپ سے نکاح کا پیام دیا۔ آپ نے اپنے چچا کے مشورہ سے اس کو قبول فرمایا۔ تاریخ معین پر آپؐ اپنے چچا ابوطالب اور حضرت حمزہ اور دیگر روسائے خاندان کی معیت میں حضرت خدیجہ

کے یہاں تشریف لائے۔ مبرد سے منقول ہے کہ حضرت خدیجہ کے والد کا تو حرب فجار سے پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد موجود تھے۔ کسی کا قول ہے کہ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کے والد خویلد بھی موجود تھے۔

ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا۔

نکاح کے وقت آپ کی عمر شریف پچیس سال کی اور حضرت خدیجہ کی عمر شریف چالیس سال کی تھی۔ بیس اونٹ مہر مقرر ہوا (سیرۃ ابن ہشام) اور حافظ ابو بشر دولابی فرماتے ہیں کہ مہر کی مقدار ساڑھے بارہ اوقیہ تھی۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ لہذا کل مہر پانچ سو درہم شرعی ہوا۔

آپ کا یہ پہلا نکاح تھا اور حضرت خدیجہ کا تیسرا (سیرۃ المصطفیٰ)

کردار کی امیری نے دولت کی امیری کو شکست دیدی

تم دیکھ چکے ہو کہ اتنی عمر میں دنیا کے نوجوان جو کچھ حاصل کر لیتے ہیں اس نے کچھ حاصل نہیں کیا تھا' اور جس کو انسان سے زیادہ حیوانوں میں رہنا پڑا ہو محسوس و مرئی قوتوں کے اسیروں کی نگاہیں آخر اس میں کیا پا سکتی تھیں' جس کی وہ قیمت لگاتے!

یہ سچ ہے کہ اس کا خاندان عالی اور بلا مبالغہ اتنا عالی تھا ایسی بزرگی و شرافت بنی آدم کے کسی گھرانے کو میسر نہ آئی۔ اس وقت ہی نہیں بلکہ اس وقت بھی زمین کی آبادی کا تقریباً دو ثلث حصہ اسی دودمان عالی کے نفوس قدسیہ کی حلقہ بگوشی پر ناز کر رہا ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ کون نہیں جانتا کہ دنیا کے سارے یہودی و نصرانی اپنی ساری بزرگیوں اور شرافتوں کو اسی کے جدا کبر ابراہیم علیہ السلام پر ختم کرتے ہیں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کے بچوں میں بھی جو بچہ کسی معمولی عراقی عورت کے بطن سے نہیں بلکہ شہنشاہ مصر کی صاحبزادی سے پیدا ہوا تھا اور جو ابراہیم و ہاجرہ دونوں کے دکھ کی آواز کا لاہوتی جواب تھا۔ جس کا نام بنی اسماعیل (اللہ کا سنا ہوا) تھا وہی جس کو کعبہ کے رب نے قبول کیا اور جس کی بنیاد پر ابراہیم کو دنیا کی امامت کا منصب جلیل عطا ہوا۔ وہ اس آنے والے کا دادا تھا جو دنیا میں بڑی شان سے آ رہا تھا۔

خاندان کی اس عالمگیر برتری کے سوا' خود عرب کے جزیرہ نما میں قریش والوں سے نسباً

اونچا تھا اور قریشیوں میں بھی قصی و ہاشم کے گھرانے کو سب کے سامنے اپنی بے نظیر خدمت کے صلہ میں عزت و کرامت کا جو مقام حاصل ہوا تھا۔ عرب میں کون تھا جو اس کی برابری کر سکتا تھا۔ کندھا ملانے کی کوششیں ضرور جاری تھیں لیکن ان کے دوش کی بلندیوں تک اس وقت تک کس کا دوش پہنچا تھا؟

یہ سب کچھ تھا لیکن نقد پرستوں کے جس گروہ سے اس وقت سابقہ تھا ان کی کوتاہ نگاہوں اور تنگ ظرفوں کے آگے ماضی کی اس ادھار عظمت کی کیا قیمت تھی! جس بچے کا باپ بھی نہیں ہے، ماں بھی نہیں ہے، دادا بھی نہیں ہے، سرپرستوں میں اگر کسی ایک آدھ چچا کا نام لیا جاتا ہے تو وہ بھی اپنی معاشی بدحالیوں میں الجھا ہوا ہے۔ ڈگریوں کا تو خیر وہ زمانہ نہ تھا لیکن سرمایہ اور صلاحیتوں کا سوال تو ہر زمانہ میں رہا ہے اس وقت بھی تھا۔

ظاہر ہے کہ جس نے اپنی پوری زندگی بیابان میں بکریوں کی رکھوالی اور اونٹوں کی شبانی میں صرف چند قراریط پر گزاری تھی۔ اس کی طرف وہ نگاہیں کس طرح اٹھتیں جن میں مادیات و محسوسات کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہ تھی۔ وہی جو کسی نادیدہ حسن ظن یا گمان ''پردیدہ'' کے یقین کو کسی طرح قربان کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ انہوں نے اگر اس میں صداقت و امانت کی کرنیں پائی بھی تھیں تو کیا وہ اس ''صداقت'' اور ''امانت'' پر دولت و ثروت کی خواہش کو ذبح کرنے کی سکت رکھتے تھے۔

جاہل غریب بت پرست سے امید کی جا سکتی ہے، جب خدا پرستی صداقت شعاری کے تعلیم یافتہ مدعیوں کو بھی ہم اپنے سامنے اس حال میں پا رہے ہیں جس میں شاید عرب کے یہ اجڈ گنوار بھی غالباً مبتلا نہ تھے۔

مگر وہی بات جس کی دلیل ہمیشہ دعویٰ کے آگے آگے چلی آ رہی تھی، یہاں بھی اچانک وہی دلیل ایک عجیب شان میں دفعۃً چہرہ پرواز ہوئی۔

غریب حجاز کا سب سے بڑا امیر شہر مکہ تھا اور مکہ کے تمام امیروں کے پاس مجموعی طور پر جو کچھ تھا انفرادی طور پر اسی قدر دولت کی مالکہ اس شہر کی وہ بزرگ بی بی تھیں جن کا اسم گرامی

طاہرہ اور خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تھا، گویا اس حساب سے صرف مکہ کی نہیں بلکہ سارے حجاز کی سب سے بڑی دولت مند خاتون آپ تھیں۔ قدرت کی یہ عجیب کارفرمائی تھی کہ چند پیسوں کے لئے جس کو دن دن بھر ببولوں کے کانٹوں اور اذخر کے گھانسوں کی تلاش میں جنگل جنگل پھرنا پڑتا تھا۔ اسی کو خدیجہؓ اور خدیجہؓ کے پاس جو کچھ تھا سب دلا کر جسے لوگوں نے سب سے نیچا خیال کیا تھا سبھوں سے اونچا کر دیا، تاکہ پھر ثابت ہو کہ امیری کے چاہنے والے اور اس کے لئے زمین کے قلابے آسمانوں سے ملانے والے امیر نہیں بنتے، بلکہ امیر وہی ہوتا ہے، جس کے ہاتھ میں لوگوں کی امیری بھی ہے اور غریبی بھی۔ جس دعویٰ کو وہ لے کر حراء سے بعد کو آیا، دیکھتے جاؤ کہ کن پیکروں میں اس کی دلیلیں کہاں سے کہاں ابل ابل کر جریدہ عالم پر ثبت ہو رہی ہیں۔

ایسا دعویٰ کس نے سنا اور ایسی دلیل کس نے دیکھی، دعویٰ سنایا گیا اور دلیل دکھائی گئی عالم استدلال و برہان کی قطعاً یہ انوکھی چیز ہے (صلواۃ اللہ علیہ وسلامہ) اور دیکھو کہ اسی کے ساتھ ایک روشنی ہے جس میں پڑھنے والے چاہیں تو پڑھ سکتے ہیں کہ آئندہ جو جنبش ہوئی وہ اس سے نہیں ہوئی کہ افلاس نے کسی کو مضطرب کیا ہے، ناداری سے کوئی تڑپتا ہے۔ (النبی الخاتمؐ)

حضرت خدیجہ کی جاں نثاری

نکاح کے بعد، تجارت اور کاروبار کی طرف خاص توجہ کا تذکرہ تو نہیں آتا۔ البتہ خدمت قوم، ہمدردیٔ خلق، خدا پرستی اور خدا ترسی کے اوصاف روز افزوں نظر آتے ہیں۔ ادھر خدیجہ جن کے لئے یہی اوصاف باعث کشش تھے ان کی گرویدگی دن بدن بڑھ رہی ہے، یہاں تک کہ حضرت خدیجہ محض خانگی زندگی ہی میں رفیقہ حیات نہیں رہیں بلکہ قومی اور ملی خدمات میں بھی داہنا ہاتھ بنی رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر تو ان کا ایک حبہ بھی کبھی صرف نہیں ہوا۔ البتہ قومی اور ملی کاموں میں ان کی پوری دولت صرف ہوگئی۔ حتیٰ کہ وفات کے وقت وہ اس گھرانہ کی صاحب خانہ تھیں جس کا فخر اور امتیازی نشان فقر و فاقہ تھا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ لوگوں نے مجھے امداد سے محروم رکھا۔ خدیجہ نے میری مدد کی۔

لوگوں نے مجھے جھٹلایا۔ مگر خدیجہ نے ہر موقعہ پر میری تصدیق کی اور ہمت بڑھائی۔

باعظمت میاں اور باعصمت اہلیہ

امیری جب آتی ہے تو اپنی شانوں کے ساتھ آتی ہے۔ ٹھاٹھ کے ساتھ آتی ہے' باٹھ کے ساتھ آتی ہے' لیکن جس کو قصر میں براجنے کا موقع دیا گیا' تلاش کرو! وہ ویرانوں میں ملے گا' مکہ کے رئیس اپنی کوٹھیوں میں ہیں اور طائف کے امراء پھلوں اور پھولوں سے لدے باغوں اور ان کے بنگلوں میں ہیں۔ لیکن جو سب سے بڑی امارت کا مختار کل اور متصرف مجاز ہے وہ پہاڑوں کے اندھیرے غاروں میں ہے' پھر جو سرمایہ اس کو ملا کیا وہ مہاجنی کے بازاروں میں ہے؟ رشتوں کو جوڑا گیا' مہمانوں کو کھلایا گیا' بے کاروں کو کموایا گیا' بار والوں کا بوجھ ہلکا کیا گیا' نادانوں کو سکھایا گیا۔ بیت کی گھڑیو میں لٹایا گیا۔ یہ حضرت خدیجہ ہی کی رپورٹ ہے جس میں ان کی دولت کام آئی۔

پھر جوان میں چھوٹا تھا' وہ بڑا ہو چکا تھا' مال میں بڑا ہو چکا تھا' جاہ میں بڑا ہو چکا تھا' اور اپنے ہم چشموں' ہم عصروں' ہم زادوں سب میں سب سے بڑا ہو چکا تھا' آخر اس سے زیادہ بڑائی کس کو حاصل تھی۔ کالے پتھر کے لئے سرخ خون کی جوندی بہنے والی تھی۔ جس کے اکیلے ہاتھ نے اس طوفان کا رخ پلٹ دیا تھا۔ جس کے گھر کا مہمان ہمیشہ اکرام کے ساتھ واپس ہوا۔ جس کے دامن دولت کے نیچے یتیموں کو پناہ ملی' جو بیروزگاروں کو روزگار دلانے کا روزگار کرتا ہے' جو بے ہنروں کو ہنر سکھاتا تھا۔ بھاری بوجھ والوں کا بار اٹھاتا تھا۔ وہ آڑے وقتوں میں آڑ بنتا تھا۔ جو کچھ قدرت نے اس تک پہنچایا تھا وہ ان کو ان ہی راہوں میں بہاتا رہا۔

جس نے نیکی کی اتنی پیچ در پیچ شاخوں میں اپنا سارا سرمایہ ساری توانائی لگادی' اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد شہرت وصیت' جاہ وجلال کی جو بلندیاں اسے میسر آئیں ایسی برتری ان میں کس کو نصیب ہوئی تھی۔ مال وثروت کے دیویوں یا مندروں میں ''صدق'' و ''امانت'' جیسی صفات کہ' مانا کہ پرستش نہ ہوتی ہو' لیکن کیا جاہ کے اکھاڑوں میں کردار کی ان قوتوں سے بازی نہیں جیتی جاتی؟ اور بلاشبہ وہ صرف اپنے شہر میں نہیں بلکہ اس شہر میں

جہاں جہاں کے لوگ آتے تھے اور کون بتا سکتا ہے کہ کہاں کہاں کے لوگ آتے تھے۔ زیارت کے لئے بھی آتے تھے تجارت کے لئے بھی آتے جاتے تھے۔ ان سب علاقوں میں خطوں میں بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ ملکوں میں بھی' ان ہی راہوں سے اس کا نام اونچا ہو چکا تھا' جاہ کے لئے اس وقت جو کچھ سوچا جا سکتا تھا' یقیناً وہ سب اس کو حاصل ہو چکا تھا اور مالی بڑائی میں جس کنگرہ پر اس کی برتری کا پھریرہ اڑ رہا تھا اس کا تماشا تم کر چکے ہو۔

پس جو چیز اسے محلوں میں مل چکی تھی کتنی بڑی بے ایمانی' اور کیسی گندی اور سیاہ کور باطنی' بے بنیاد بد اندیشی ہوگی۔ کہ اس کا بہتان اس پر لگایا جائے۔ جب وہ ہفتوں' عشروں' نمازوں میں دن ہی نہیں بلکہ ڈراؤنی اور بھیانک راتیں گزارتا تھا۔ سانپوں اور بچھوؤں' درندوں اور موذیوں سے بھرے ہوئے پہاڑوں اور ٹاپوں میں اس کو ان ہی چیزوں کے لئے جانے کی کیا ضرورت تھی جو مخملی طنفسوں' ریشمی قالینوں' عبقری گدوں مرزکش چھپر کھٹوں پر بےفکر و تردد' اگر وہ چاہتا تو بہ آسانی یوں بھی مل سکتی تھی اور وہ تو ملی ہوئی تھی۔ لیکن اس نے بجائے ایرانی' زرابی' روسی نمارق کے زمین اور کھلی زمین کے پتھریلے فرش کو اپنا بچھونا اور خارا پتھروں کو اپنا تکیہ بنایا۔

بی بی کی عصمت کا پتہ بیچارگی میں نہیں چلتا' چارہ ہو اور عصمت ہو عصمت اسی کا نام ہے۔ خاک کے فرش کے سوا جس کے پاس کوئی فرش نہیں' وہ اگر خاک پر سویا تو کیا خاک سویا' جو تخت پر سو سکتا ہے' وہ مٹی پر سویا اسی کا سونا ایسا خالص سونا ہے جس میں کھوٹ نہیں ہے۔ اور یہ تو اس امتحان گاہ کی جس میں اب وہ اتارا جاتا ہے پہلی منزل ہے' جانچنے والے جانچ لیں پرکھنے والے پرکھ لیں اور جس طرح سے جن جن امکانی شکلوں سے چاہیں جو کچھ اس کے اندر ہے اس کو باہر لانے کی کوشش کریں۔

اپنے معیاروں کو لے کر آؤ! اپنی اپنی کسوٹیوں کو لے کر دوڑو! کسو! کس کر دیکھو! کہ جس کو قدرت کے ہاتھوں نے خالص اور آلائشوں سے قطعاً پاک بالکل صاف پیدا کیا ہے۔ صداقت و راستی' امانت و اخلاص کے سوا اس میں کوئی اور چیز بھی ہے۔ خوب کف گیریں مار مار کر دیکھو' کیا اس دیگ کا کوئی چاول کچا ہے' روشنی کی جو کرنیں اس کے اندر سے پھوٹ

پھوٹ کر دنیا کو جگمگا رہی ہیں، گھورو! آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورو! خورد بینوں کو آنکھوں پر چڑھا چڑھا کر گھورو! تاریکی کا اس میں کوئی ریشہ ہے۔

نبی مان لینے کے بعد کس کی ہمت تھی کہ اس قدوسی سرشت کے امتحان کا اندیشہ بھی کرتا یہی مصلحت تھی کہ ایک مہینہ نہیں، دو مہینے نہیں، سال دو سال بھی نہیں، بلکہ تم میں کون جانتا ہے کہ مکی زندگی کے پورے تیرہ سال اس حال میں اس کو گزارنے پڑے کہ گویا اس کو کوئی نہیں جانے گا۔ گویا اس کو کوئی نہیں مانے گا۔ حالانکہ پھر اسی کو نہیں بلکہ اس کے ان کفش برداروں نے تقریباً اسی بارہ تیرہ سال کی مدت میں صرف جزیرۃ العرب ہی نہیں بلکہ مشرق و مغرب، ایشیاء وافریقہ کے لاکھوں میل کے رقبوں کو ایسے کروڑہا کروڑ انسانوں سے بھر دیا کہ گویا ان میں کوئی انکار کرنے والا تھا ہی نہیں۔

فاروق (رضی اللہ عنہ) ہی کے پندرہ سالہ عہد حکومت تک پہنچتے پہنچتے ایسا ہو گیا جیسا کہ حبقوق نبی نے صدیوں پہلے کہا تھا۔

آسمان اس کی شوکت سے چھپ گیا اور زمین احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حمد سے بھر گئی۔ وہ کھڑا ہوا اس نے زمین کو لرزا دیا، اس نے نگاہ کی، اور قوموں کو پراگندہ کر دیا، قدیم پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گئے۔ پرانی پہاڑیاں اس کے آگے ریزہ ریزہ ہو گئیں۔ زمین مدیاں کے پردے کانپ جاتے تھے۔'' (النبی الخاتم)



حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی اقامت گاہ

تعمیرِ کعبہ

بعثت نبوی سے پانچ سال قبل جب آپ کی عمر شریف پینتیس سال کی تھی قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ بناء ابراہیمی میں خانہ کعبہ غیر مسقّف تھا دیواروں کی بلندی کچھ زیادہ نہ تھی قدم آدم سے کچھ زائد نو ہاتھ کی مقدار میں تھی۔ مرور زمانہ کی وجہ سے بہت بوسیدہ ہو چکا تھا۔ نشیب میں ہونے کی وجہ سے بارش کا تمام پانی اندر بھر جاتا تھا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

ایک واقعہ یہ پیش آ گیا کہ کوئی عورت دھونی سلگا رہی تھی کہ اس کی چلمچی میں سے آگ کا پتنگا خانہ کعبہ کے پردہ پر پڑ گیا۔ جس سے تمام پردے جل گئے اور دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں۔

ان کمزور دیواروں پر تازہ حادثہ یہ پیش آیا کہ زور کا سیلاب ان سے ٹکرایا جس نے ان کی جڑیں ہلا دیں۔ اب لامحالا طے کیا گیا کہ اس چاردیواری کو توڑ کر از سر نو تعمیر کر دیں۔ اس منصوبہ کو پورا کرنے کے لئے رقم کی ضرورت تھی۔ سامان عمارت درکار تھا اور کوئی انجینئر بھی ہونا چاہیئے تھا۔ (محمد رسول اللہ)

جب تمام رؤسا قریش اس پر متفق ہو گئے کہ بیت اللہ کو منہدم کر کے از سر نو بنایا جائے تو ابووہب بن عمرو مخزومی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے ماموں) کھڑے ہوئے اور قریش سے مخاطب ہو کر یہ کہا کہ دیکھو بیت اللہ کی تعمیر میں جو کچھ بھی خرچ کیا جائے وہ کسب حلال ہو اور زنا اور چوری اور سود وغیرہ کا کوئی پیسہ اس میں شامل نہ ہو صرف حلال مال اس کی تعمیر میں لگایا جائے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی کو پسند کرتا ہے۔ اس کے گھر میں پاک ہی پیسہ لگاؤ اور اس خیال سے کہ تعمیر بیت اللہ کے شرف سے کوئی محروم نہ رہ جائے۔ اس لئے تعمیر بیت اللہ کو مختلف قبائل پر تقسیم کر دیا کہ فلاں قبیلہ بیت اللہ کا فلاں حصہ تعمیر کرے اور فلاں قبیلہ فلاں حصہ تعمیر کرے۔

دروازے کی جانب بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کے حصہ میں آئی اور حجر اسود اور رکن یمانی کا

درمیانی حصہ بنی مخزوم اور دیگر قبائل قریش کے حصہ میں آیا اور بیت اللہ کی پشت بنی جمح اور بنی سہم کے حصہ میں آئی اور حطیم بنی عبدالدار بن قصی اور ابن اسد اور بنی عدی کے حصہ میں آیا۔ اسی اثناء میں قریش کو یہ خبر لگی کہ ایک تجارتی جہاز جدہ کی بندرگاہ سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا ہے۔ ولید بن مغیرہ سنتے ہی جدہ پہنچا اور اس کے تختے خانہ کعبہ کی چھت کے لئے حاصل کر لئے اس جہاز میں ایک رومی معمار بھی تھا جس کا نام باقوم تھا۔ ولید نے تعمیر بیت اللہ کے لئے اس کو بھی ساتھ لے لیا۔ ان مراحل کے بعد جب قدیم عمارت کے منہدم کرنے کا وقت آیا تو کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ وہ بیت اللہ کے ڈھانے کے لئے کھڑا ہو۔ بالآخر ولید بن مغیرہ پھاؤلا لے کر کھڑا ہوا اور یہ کہا کہ

اللھم لانرید الاالخیر اے اللہ ہم صرف خیر اور بھلائی کی نیت رکھتے ہیں۔

معاذ اللہ ہماری نیت بری نہیں اور یہ کہہ کر حجر اسود اور رکن یمانی کی طرف سے ڈھانا شروع کیا۔ اہل مکہ نے کہا کہ رات انتظار کرو کہ ولید پر کوئی آسمانی بلا تو نازل نہیں ہوتی۔ اگر اس پر کوئی بلائے آسمانی اور آفت ناگہانی نازل ہوئی تو ہم بیت اللہ کو پھر اصلی حالت پر بنا دیں گے۔ ورنہ ہم بھی ولید کے معین و مددگار ہوں گے۔ صبح ہوئی کہ ولید صحیح و سالم پھر پھاؤلا لے کر حرم محترم میں آ پہنچا۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ ہمارے اس فعل سے اللہ راضی ہے۔ اور سب کی ہمتیں بڑھ گئیں اور سب مل کر دل و جان سے اس کام میں شریک ہو گئے اور یہاں تک کھودا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادیں نمودار ہو گئیں۔ ایک قریشی نے جب بنیاد ابراہیمی پر پھاؤلا چلایا تو دفعۃً تمام مکہ میں ایک سخت دھماکہ ظاہر ہوا جس کی وجہ سے آگے کھودنے سے رک گئے اور انہیں بنیادوں پر تعمیر شروع کر دی۔ (سیرۃ المصطفیٰ)


مقام ابراہیم، یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی اس میں آپ کے پاؤں مبارک کے نشانات نظر آرہے ہیں



ایک فتنہ کا سدِ باب

تقسیم سابق کے مطابق ہر قبیلہ نے علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کر کے تعمیر شروع کی۔ جب تعمیر مکمل ہوگئی اور حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے کا وقت آیا تو سخت اختلاف ہوا تلوار کھنچ گئیں اور لوگ جنگ و جدال اور قتل و قتال پر آمادہ ہوگئے۔ جب چار پانچ روز اسی طرح گزر گئے اور کوئی بات طے نہ ہوئی تو ابوامیہ بن مغیرہ مخزومی نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر اور سن رسیدہ تھا۔ یہ رائے دی کہ کل صبح کو جو شخص سب سے پہلے مسجد حرام کے دروازے سے داخل ہو اسی کو اپنا حکم بنا کر فیصلہ کرالو۔ سب نے رائے کو پسند کیا۔ صبح ہوئی اور تمام لوگ حرم میں پہنچے دیکھتے کیا ہیں کہ سب سے پہلے آنے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کو دیکھتے ہی سب کی زبانوں سے بے ساختہ یہ لفظ نکلے۔

هذا محمد الامين رضينا هذا محمد الامين

یہ تو محمد امین ہیں، ہم ان کے حکم بنانے پر راضی ہیں۔ یہ تو محمد امین ہیں۔

آپ نے ایک چادر منگائی اور حجر اسود کو اس میں رکھ کر یہ فرمایا کہ ہر قبیلہ کا سردار اس چادر کو تھام لے۔ تاکہ اس شرف سے کوئی قبیلہ محروم نہ رہے۔ اس فیصلہ کو سب نے پسند کیا اور سب نے مل کر چادر اٹھائی۔ جب سب کے سب اسی چادر کو اٹھائے اس جگہ پہنچے جہاں اس کو رکھنا تھا تو آپ بہ نفس نفیس آگے بڑھے اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پینتیس سال کے ہوئے۔ قریش نے خانہ کعبہ کو دوبارہ نیا تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ جب حجر اسود کی جگہ تک تعمیر پہنچی تو ہر قبیلہ اور ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر میں رکھوں۔ قریب تھا کہ ان میں لڑائی جھگڑا ہوا اور ہتھیار چلنے لگیں۔ آخر قوم کے عقلمندوں نے مشورہ دیا کہ جو مسجد حرام کے دروازے سے سب سے پہلے آئے سب اس کے فیصلہ پر عمل کریں۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ سب دیکھ کر کہنے لگے: یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں امین ہیں۔ قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت

سے پہلے امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ آپ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بڑا کپڑا لاؤ۔ چنانچہ لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود اپنے دست مبارک سے اس کپڑے میں رکھا اور فرمایا: ہر قبیلہ کا آدمی اس چادر کا ایک ایک کنارہ پکڑ لے اور خانہ کعبہ تک لائے۔ جب حجر اسود کی جگہ تک پہنچ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ (کذافی سیرۃ ابن ہشام)

اس فیصلہ سے سب راضی ہو گئے اٹھانے کا شرف تو سب کو حاصل ہو گیا اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ سب آدمی مجھ کو اس کی جگہ پر رکھنے کے لئے اپنا وکیل بنا دیں جب کہ وکیل کا فعل موکل کے فعل کی طرح ہوتا ہے۔ اس طرح سب رکھنے میں بھی شریک ہو گئے۔ (کذافی تواریخ۔ بتغیر الالفاظ) (نشر الطیب)

محسن قوم

قوم سے اسی وقت تک جدا رہتا تھا جب تک ان کے احسان کا موقع ہوتا لیکن اسی کے ساتھ یہ عجیب بات ہے جوں ہی قوم پر احسان کرنے کی کوئی گھڑی آئی۔ لوگوں نے اس کو اس کی قوم میں ملا ہوا' اور کھڑا ہوا پایا' حجر اسود کے فتنہ کے قریب تھا کہ قریش اپنے امن وعافیت کے آبگینہ کو چکنا چور کریں' لیکن دیکھو! بیابان میں انسانوں سے جدا ہو کر چوپایوں کے ساتھ رہنے والا آتا ہے اور جو درندوں کے مانند' ٹھیک درندوں کے مانند ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچنے والے تھے۔ ان پھٹنے والوں کو کتنی آسانی سے جوڑ دیا' آڑے وقت کے یہی تجربات تھے۔ جس نے باوجود الگ تھلگ رہنے کے اس قوم جیسے سنگین دلوں پر اس کے امین وصادق ہونے کا نقش کندہ کر دیا تھا۔ تاکہ کہنے والے کی وہ بات پوری ہو جو صدیوں پہلے کہی گئی تھی۔

وہ امین صادق کہلاتا ہے اور اس کا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اس کے ماسوا کوئی نہیں جانتا
(مکاشفہ یوحنا باب ۱۹-۱۱)

یوں ہی وہ اپنی زندگی کی مختلف منزلوں میں پدری قوت' مادری قوت' خاندانی قوت' وطنی قوت' ہر ایک کو بڑے زور سے توڑتا پھوڑتا' جھٹلاتا ہوا مسلسل چلا آیا۔

مگر اب جو دعویٰ سے پہلے اس کی دلیلوں کی تعمیر میں ردوں پر ردے جماتا چلا آرہا تھا ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں سب کو حیرت تھی کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔ (النبی الخاتم)

شروعات

عقل سلیم کا تقاضا

خدا کو ایک ماننا اور اس کی عبادت کرنا' عقل سلیم کا تقاضا ہے مگر خدا پرستی کے وہ طریقے جن سے انسان روحانی ترقی اور ابدی سکون حاصل کر سکے' انسان اپنی عقل سے نہیں معلوم کر سکتا۔

عقل ان فیصلوں میں بھی بسا اوقات غلطی کر جاتی ہے جن کا تعلق مشاہدہ سے ہے۔ انتہا یہ کہ وہ طاقتیں جو انسان کے اندر موجود ہیں اور تندرستی یا بیماری کی وہ کیفیتیں جو جسم انسان میں پائی جاتی ہیں چونکہ ان کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا تو عقل ان کو پوری طرح پہچاننے سے بھی قاصر رہتی ہے اور پہچانتی ہے تو بسا اوقات غلطی کر جاتی ہے۔ انتہا یہ کہ ایکسرے جیسی نظر آنے والی چیز کے بعد بھی ڈاکٹروں کی تشخیص مختلف رہتی ہے۔ جن میں کوئی ایک صحیح ہوتی ہے اور کبھی ایک بھی صحیح نہیں ہوتی۔ پس وہ معاملات جن کا تعلق ان حقیقتوں سے ہے جن تک مشاہدہ کی رسائی نہیں ہو سکتی نہ ان کے تجربہ کی کوئی صورت ممکن ہے۔ ان کے بارہ میں عقل کے فیصلوں پر وہی شخص اعتماد کر سکتا ہے جو انصاف جیسی نعمت سے محروم ہو یا موجودہ زندگی کے فلسفہ اور فکر مستقبل سے غافل اور لاپرواہ ہو۔ مگر وہ صاحب فہم و فراست جو دیکھتا ہے کہ ہر ایک فعل کی ایک تاثیر ہے اور یہ بھی یقین رکھتا ہے کہ معمولی کمی بیشی سے تاثیروں میں بے انتہا فرق آ جاتا ہے اگر صحیح توازن قائم رہے تو انسان ایٹم بم اور راکٹ تک بنا سکتا ہے اور چاند تاروں تک پہنچ سکتا ہے۔ لیکن توازن میں کچھ بھی فرق آ جائے تو ساری محنت رائیگاں اور دولت برباد ہوتی ہے وہ ہرگز جرأت نہیں کر سکتا کہ مشاہدہ سے بالا چیزوں کے بارہ میں عقلی فیصلوں پر اعتماد کر لے۔ وہ لامحالہ کسی ایسے مخبر اور ایسے رہنما کی تلاش کرے گا اور اس کی جستجو میں بے چین اور مضطرب رہے گا جو انسانی زندگی کے منتہا اور انجام کی صحیح خبر دے سکے اور وہ متوازن چیزیں بتا سکے جن سے روحانی صحت اور ترقی حاصل ہو اور ابدی سکون میسر آئے۔ (محمد رسول اللہ ﷺ)

انبیاء علیہم السلام کی پاک طبیعتیں

روایاتِ مذکورۂ بالا سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ حضرات انبیاء نبی ہونے سے پیشتر ہی کفر اور شرک اور ہر قسم کے فحشاء اور منکر سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں۔ ابتداء ہی سے ان حضرات کے قلوب مطہرہ توحید و تفرید خشیت و معرفت سے لبریز ہوتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جو حضرات عنقریب کفر اور شرک کے مٹانے کے لئے اور ہر فحشاء اور منکر سے بچانے کے لئے اور خیر کی طرف دعوت دینے کے لئے من جانب اللہ مبعوث ہونے والے ہیں اور خدا کے مجتبیٰ اور مصطفیٰ برگزیدہ اور پسندیدہ بندے بننے والے ہیں معاذ اللہ وہ خود ہی منصب نبوت و رسالت اور خلعت اجتباء اصطفاء کی سرفرازی سے پیشتر کفر و شرک کی نجاست میں ملوث اور فواحش و منکرات کی گندگی سے آلودہ ہوں۔ حاشا ثم حاشا قطعاً ناممکن اور محال ہے۔ حضرات انبیاء نبوت اور بعثت سے پیشتر اگرچہ نبی اور رسول نہیں ہوتے مگر اعلیٰ درجہ کے اولیاء اور عرفاء ضرور ہوتے ہیں۔ صفات' خداوندی سے جاہل نہیں ہوتے اور نہ ان کو کسی وقت صفات خداوندی میں کسی قسم کا دھوکہ اور مغالطہ ہوتا ہے اور نہ کسی قسم کا شک اور اشتباہ آتا ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

یادِ خدا کے شوق کا غلبہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت سلیم نے آپ کو ایک خدا کی یاد پر آمادہ کیا۔ اس کا شوق پیدا ہوا۔ ایک طرف قومی زندگی میں آپ وہ اعتماد حاصل کرتے رہے کہ آپ کو ''الصادق الامین'' کا خطاب دیا گیا۔ دوسری جانب یاد خدا کا شوق اتنا ہی بڑھتا رہا۔ یاد خدا کے شوق کے ساتھ لامحالہ نوع انسان کی اصلاح و ترقی کے سوالات بھی آپ کے سامنے آتے رہے۔

☆ یہ اصلاح و ترقی صرف مادیات تک ہو یا اس کا تعلق روحانیت سے بھی ہو؟

☆ انسانی زندگی صرف اسی ظاہری زندگی تک ہے یا اس کے بعد بھی اس کا تعلق ہے؟

☆ اگر انسان مرنے کے بعد بھی ایک وجود رکھتا ہے تو اس کی فلاح و بہبود کس طرح ہو سکتی ہے؟

☆ اصلاح کا وہ طریقہ کیا ہو کہ انسان اس زندگی میں بھی امن و سکون اور ترقی سے ہمکنار ہو اور اس کے بعد کی زندگی بھی ایک خوشگوار زندگی ہو اور اس طرح یہ اصلاح مکمل اصلاح ہو۔ یہ وہ سوالات تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب حساس میں خلش پیدا

کرنے لگے۔ اور ان کی خلش یہاں تک بڑھی کہ آپ کو اس غور و فکر میں لطف آنے لگا۔ گویا یہی غور و خوض فکر و مراقبہ، آپ کی حیات مقدسہ کا جو ہر بن گیا اور چونکہ شہری زندگی اس میں حارج تھی تو آپ کو تنہائی پسند آنے لگی۔ رفتہ رفتہ یہ دل بستگی یہاں تک بڑھی کہ آپ شہر سے باہر پہاڑ کی ایک کھو میں رہنے لگے۔ (محمد رسول اللہ)

غار حرا میں ذکر و فکر

حرا پہاڑ کا چار گز لانبا اور پونے دو گز چوڑا غار جہاں سے ''کعبہ مکرمہ'' بھی نظر آتا رہتا ہے۔ اب بھی موجود ہے یہ مکہ شہر سے تقریباً تین میل ہے۔ راستہ اتنا دشوار کہ یہ تین میل تیس میل سے بھی زیادہ کٹھن پڑتے ہیں۔ طاقتور نوجوان بھی وہاں پہنچتے پہنچتے تھک جاتے ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عادت بنالی تھی کہ پانی اور ستو ساتھ لیتے اور اس غار میں پہنچ جاتے اور جب تک پھر ضرورت نہ ہوتی آپ وہیں یاد خدا، غور و فکر اور مراقبہ میں مشغول رہتے۔

رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) بھی پوری وفاداری اور دل سوزی سے حق رفاقت ادا کرتی رہیں وہ پانی اور ستو کا ایک اندازہ رکھتیں اور جب ان کے اندازہ سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی واپسی میں تاخیر ہوتی تو وہ خود پانی اور ستو لے کر اس غار پر پہنچ جاتیں (محمد رسول اللہ)

غار حرا کی خلوت و عزلت میں آپ کا یہ معمول رہا کہ کبھی کبھی آپ گھر تشریف لاتے اور چند روز کا توشہ لے کر گھر واپس ہوجاتے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اصحاب خلوت و عزلت کے لئے انقطاع کلی مناسب نہیں اہل و عیال کے حقوق کی رعایت بھی ضروری ہے۔ اسی وجہ سے ارشاد فرمایا۔ لا رہبانیة فی الاسلام۔ اسلام میں رہبانیت نہیں۔ باطنی امراض کے معالجہ کے لئے اور عبادت میں پختگی اور رسوخ پیدا کرنے کے لئے اگر کسی غار یا پہاڑ میں مدت معینہ کے لئے خلوت کی جائے (جیسا کہ حضرات صوفیہ کا طریقہ ہے) تو یہ عین سنت ہے۔ بدعت نہیں ہے۔

نیز اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص کسی غار یا پہاڑ میں خلوت اور عزلت کا ارادہ کرے اس کو چاہئے کہ اہل خانہ کو مقام خلوت سے ضرور مطلع کردے تاکہ ان کو کسی قسم کی تشویش نہ ہو اس کی طرف سے قلب میں کوئی بدگمانی نہ ہو۔ عند الضرورت اس کی خبر گیری کرسکیں۔ بیمار ہو تو تیمارداری کرسکیں۔ وغیرہ ذالک۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

بشارتیں

آخر میں چھ ماہ ایسے گزرے کہ آپ کو عجیب وغریب خوابیں آتی تھیں اور وہ اپنی تعبیر میں ایسی ہی سچی ہوتی تھیں جیسے سپیدۂ صبح طلوع آفتاب کی پیشین گوئی میں صادق ہوتا ہے۔ پھر آفتاب طلوع ہوتا ہے تو آفتاب آمد دلیل آفتاب بقول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب بھی گویا سپیدۂ صبح ہوتا تھا۔ جس کے بعد آفتاب تعبیر کی درخشانی لازمی ہوتی تھی۔ (محمد رسول اللہؐ)

بعثت کا زمانہ جس قدر قریب ہوتا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں خلوت گزینی کی عادت بڑھتی جاتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر پانی اور ستو لے کر شہر سے کئی کوس پرے سنسان جگہ کوہ حراء کے ایک غار میں جا بیٹھتے' عبادت کیا کرتے' اس عبادت میں اللہ کا ذکر بھی شامل تھا' اور قدرت الٰہیہ پر غور وفکر بھی' جب تک پانی اور ستو ختم نہ ہو جاتے شہر نہ آیا کرتے' اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب نظر آنے لگے' خواب ایسے سچے ہوتے تھے کہ جو کچھ رات کو خواب میں دیکھ لیا کرتے' دن میں ویسا ہی ظہور میں آ جاتا۔ (سیرۃ رسول اکرمؐ)

وحی نبوت کا نمونہ

حس ظاہر سے فقط محسوسات کا اور عقل سے فقط معقولات کا ادراک ہو سکتا ہے لیکن وہ غیبی امور کہ جو حس اور عقل کے ادراک سے بالا اور برتر ہیں۔ نہ وہاں حس کی رسائی ہے اور نہ عقل کی۔ وہ غیبی امور بذریعہ وحی اور نبوت کے منکشف ہوتے ہیں۔ امور غیبیہ کے' ادراک کا ذریعہ اور وسیلہ صرف وحی نبوت ہے۔ وحی نبوت کی حقیقت تو حضرات انبیاء ہی سمجھ سکتے ہیں مگر حق تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے ہم جیسے نادانوں کے سمجھانے کے لئے وحی نبوت کا ایک نمونہ عطا فرمایا ہے کہ جس کو دیکھ کر کچھ نبوت کی حقیقت کو سمجھ سکیں۔ وحی نبوت کا وہ نمونہ رویائے صالحہ ہے (سچا خواب) کہ جو حس اور عقل کے علاوہ غیبی امور کے انکشاف کا ایک ادنیٰ ذریعہ ہے۔

جس وقت انسان سو جاتا ہے اور اس کے تمام ظاہری اور باطنی قوائے ادراکیہ بالکل معطل اور بے کار ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اس کو من جانب اللہ بہت سے امور منکشف ہوتے ہیں۔ جس طرح غیبی امور کے انکشاف کا اعلیٰ ترین ذریعہ وحی نبوت ہے اسی طرح غیبی امور

کے انکشاف کا ادنیٰ ترین ذریعہ رؤیائے صادقہ ہے اور رؤیائے صالحہ وحی نبوت کا ایک نمونہ ہے جس سے انبیاء کرام کی نبوت کا آغاز ہوتا ہے۔ چنانچہ دلائل ابی نعیم میں باسناد حسن عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد علقمۃ بن قیس سے مرسلاً مروی ہے کہ اول انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو خواب دکھلائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب سچے خوابوں سے ان کے قلوب مطمئن ہو جاتے ہیں تب بحالت بیداری ان پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ جیسے یوسف علیہ السلام کو نبوت سے قبل ایک عجیب وغریب خواب دکھلایا گیا اسی وجہ سے کہ رؤیائے صالحہ وحی نبوت کا ایک نمونہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ رؤیائے صالحہ نبوت کا ایک جزو ہے۔ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خواب تو ہمیشہ سچا ہی ہوتا ہے حضرات انبیاء کے خواب میں کذب کا امکان بھی نہیں۔ البتہ صالحین کے خواب میں صدق غالب رہتا ہے۔ شاذ و نادر ان کا خواب از قبیل اضغاث احلام ہوتا ہے۔ فساق و فجار کے خواب اکثر اضغاث احلام ہوتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''جو شخص اپنی بات میں سب سے زیادہ سچا ہے وہی خواب میں بھی سب سے زائد سچا ہے''۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ خواب کے صادق ہونے میں بیداری کے صدق کو خاص دخل ہے اور جو شخص جتنا زائد صادق الکلام ہے اسی قدر نبوت سے قریب ہے اور جس درجہ صدق سے دور ہے اتنا ہی نبوت سے دور ہے۔ اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ ارشاد فرمایا کہ رؤیائے صالحہ نبوت کا چھبیسواں جزو ہے اور کبھی یہ فرمایا کہ چالیسواں جزو ہے ایک حدیث میں ہے کہ پینتالیسواں جزو ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ پچاسواں جزو ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ سترواں جزو ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ چھہترواں جزو ہے۔ امام غزالی قدس اللہ سرہٗ احیاء العلوم کی کتاب الفقر والزہد میں فرماتے ہیں کہ حاشا ان مختلف کلمات کو یہ نہ سمجھو کہ باہم متعارض اور مضطرب ہیں بلکہ ان مختلف کلمات سے اختلاف مراتب کی طرف اشارہ سمجھو کہ خواب دیکھنے والے مختلف المراتب ہیں۔ صدیقین کے خواب کو نبوت سے وہی نسبت ہوگی جو ایک کو چھبیس سے ہے اور کسی کے خواب کو نبوت سے وہی نسبت ہوگی جو ایک کو چالیس یا پچاس یا ستر یا چھہتر سے ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

باب ۳

بعثت دعوت

سابقین اوّلین

بعثت و دعوت

دعوتِ اوّل پر لبیک کہنے والے

تربیت و نصابِ تربیت

قبل از نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر ایک نظر

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خلیل اللہ کی نسل میں اشرف خاندان یعنی بنی ہاشم میں پیدا ہوئے اور مکہ کے سردار عبدالمطلب کے پوتے بن کر قومی وملکی اصلاح کے لئے دنیا میں تشریف لائے' آپ تنہا تھے اور بچپن ہی میں والدین کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا تھا' چالیس سال کی عمر آپ نے نہایت وقار اور متانت کے ساتھ گزاری' امانت داری میں ضرب المثل ہوئے' سچائی اور صاف گوئی میں شہرت پائی' اپنے اخلاق اور عادات کی وجہ سے ہر دلعزیز بنے اور باوجودیکہ اپنی وہم پرست قوم کی رسومات سے ہمیشہ علیحدہ رہے کسی کو آپ سے نفرت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس مدت میں آپ نے کسی کے سامنے کتاب نہیں رکھی' کچھ پڑھا نہیں' لکھنا سیکھا نہیں' دوسرے مذہب والوں سے ملے نہیں' ان کی صحبت اور میل جول سے مذہبی معلومات حاصل نہیں کیں' قانون بنانا جانا نہیں' سیاست وملکی انتظام کی طرف توجہ نہیں کی' ریاست وحکومت کا وسوسہ بھی دل پر نہیں آیا' بڑا بننے یا بہ تکلف اپنے کو بنانے کی خواہش بھی نہ ہوئی۔ دفعۃً چالیس سال پورے ہونے پر حق تعالیٰ شانہٗ کا فرمان آپ پر نازل ہوا۔ اور علم لدنی پڑھا کر آپ کو متنبہ کیا گیا کہ:۔

"ہاں کھڑے ہو اور اپنا کام شروع کرو' مفسدوں کو شاہی عذاب سے ڈراؤ' اپنے مربی شاہنشاہ کی عظمت و کبریائی قائم کرو' شرک کی گندگی کو دور کرو' اور اصلاح خلائق کے قابل قدر کارنامہ کا کسی پر احسان مت جتاؤ' غرض اپنی مفوضہ خدمت کے انجام دینے میں جو کچھ بھی سر پڑے اسے اٹھاؤ' مصیبتیں جھیلو' ایذائیں سہو' تکلیفیں برداشت کرو' اور اٹل پہاڑ بن کر جمے رہو۔ نہ از جار فتہ ہو اور نہ شکوہ بے صبری کرو۔ (سیرت ماہتاب عرب)

بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا تمدّن

عرب ایک وسیع ملک ہے جس میں مختلف صوبے اور متعدد شہر اور بستیاں آباد ہیں۔ مگر اس کی شہرت اور زیادہ تر آبادی کا سبب مکہ مکرمہ ہے جس میں دنیا بھر کی مخلوق کا معبد یعنی ''بیت اللہ'' واقع اور ابتداءِ آفرینش عالم سے مرجع خلائق بنا رہا ہے۔ ایسے مقام کے باشندوں کا جہاں سلاطین جہان وشاہان ملک بھی سر جکاتے آئیں اور ہر قسم کی نذر اور نیازیں چڑھائیں جو کچھ بھی رنگ ہونا چاہیئے اس کو ہر قوم وملت اپنے معبد کے مجاوروں کی حالت دیکھ کر سمجھ سکتی ہے۔

یہاں کے مجاور ومتولی قریش تھے۔ جنہوں نے عام باشندوں پر فوقیت کی غرض سے اپنے لئے امتیازی خصوصیتیں قائم کر رکھی تھیں۔ یہی لوگ بیت اللہ کے خادم اور عرب کے حاکم سمجھے جاتے تھے' اور اس وجہ سے گویا تمام دنیا پر اپنی عظمت واقتدار کا سکہ جمائے ہوئے تھے۔ مذہبی رنگ سے بالکل جدا ہو کر ان کی آزادانہ زندگی اور خود مختارانہ گزران کا خلاصہ یہ تھا کہ:۔

''آبائی رسومات کے پابند تھے' نو تراشیدہ رواج کو مذہب سمجھتے تھے' خیالات کی پرستش کرتے تھے' مورتوں کو پوجتے تھے' جماد محض کو نفع نقصان کا مختار جانتے تھے اور اس میں اس درجہ منہمک ہو گئے تھے کہ انکو سجدہ نہ کرنا ان کی بے توقیری سمجھتے اور ڈرا کرتے کہ ان کی ناراضی سے ہم یا لا ولد بے زر مخبوط الحواس ہو جائیں گے یا اور کسی سخت مصیبت میں گرفتار ہو کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

اس توہم پرستی کے علاوہ عظمت مسجد الحرام کا یہ حال تھا کہ اس کو گویا ایک چوپال بنا رکھا تھا کہ یہیں مشورے لئے جاتے' یہیں مقدمات فیصل ہوتے۔ اور یہیں قومی مفاخر پر مشاعرہ اور مناظرہ کے جلسے منعقد ہوتے تھے۔ عبادت کے قصد سے آتے تو تالیاں پیٹتے اور سیٹیاں بجاتے تھے۔ یہ قریش ہی کی خصوصیت تھی کہ کپڑے پہن کر بیت اللہ کا طواف کر سکیں۔ باقی تمام قبائل جب آتے تو بالکل برہنہ طواف کرتے اور عورت ہو یا مرد ننگے ہو کر بے حیائی کے ساتھ اس کے چکر لگایا کرتے تھے۔ ایام گزاری کا رنگ یہ تھا کہ مردار کھاتے' شرابیں پیتے' جوا کھیلتے' ڈاکہ ڈالتے اور یتیموں رانڈوں کے مال کو اپنا ذاتی سمجھ کر ہضم کر جاتے تھے۔ ایک

عورت کئی کئی مردوں سے نکاح کر لیتی اور نمبروار ہر ایک کی زوجیت کا حظ حاصل کرتی تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد ماں کو منجملہ دیگر مال منقولہ کے ترکہ پدری سمجھتے اور اس پر قابض ہو کر جی چاہتا تو اس سے خود نکاح کرتے' ورنہ معاوضہ لے کر دوسرے کے حوالہ کر دیتے تھے۔ نابالغ بچوں اور عورت ذات لڑکیوں کو یہ کہہ کر ترکہ پدری سے محروم کر دیتے تھے کہ مرنے والے کی میراث وہ لے جو اس کا طرف دار بن کر دشمن سے جنگ کر سکے''۔

چونکہ کسی کو داماد بنانا عار سمجھتے اور یوں بھی جنگ کے خوگر ہونے کی وجہ سے بصورت مغلوبیت اندیشہ رہتا تھا کہ بے کس و لاوارث لڑکیاں دشمن کے قبضہ و تصرف میں چلی جائیں گی' اس لئے پیدا ہوتے ہی ان کو قتل کر دیتے یا معصوم و بے زبان بچی کو اپنے ہاتھوں زندہ اور جیتے جی مٹی میں دبا آتے تھے۔ روزمرہ کے کاروبار میں خاص دنون اور مہینوں کو مانتے تھے جانوروں کی آواز اور اس کے داہنے بائیں اڑنے سے شگون لیتے۔ جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے مورتوں کی نیازیں چڑھاتے اور اس کو عین دین سمجھے ہوئے تھے۔ سچے بادشاہ اور پیدا کرنے والے خدا کی شکر گزاری کا تو کیا پوچھنا ان کو خدا کے خالق اور مالک ہونے کا بھی اقرار نہ تھا۔ دنیا کا اتنا بڑا کارخانہ جو حیرت خیز انتظام سے چل رہا ہے ان کے نزدیک اتفاقی تھا اور گویا بلا کسی موجد کے یوں ہی ہوتا چلا آتا تھا' دنیوی اعمال و افعال پر جزا و سزا کا ہونا ان کو مستبعد معلوم ہوتا اور حشر و نشر کے تذکرے ان کے قصے کہانیوں کا بھی جزو نہ رہے تھے۔ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے۔ جنات اور کاہنوں کو غیب دان جانتے اور حوادث و واقعات عالم کو ستاروں کی رفتار اور بروج میں آمد و رفت کا اثر سمجھتے تھے۔ حسن پرستی اور رقص و سرود سے دلچسپی تھی لہو و لعب میں مزہ آتا اور فحش و بدکاری سے لذت حاصل ہوتی تھی۔ سفر کرتے تو جھوٹی کہانیاں سنانے والوں اور قصہ گویوں کو ساتھ رکھتے تھے' شعر گوئی کا لغو مشغلہ ان کا علمی مایہ ناز تھا۔ جن میں اپنی تعریف بڑائی' شرافت اور دوسروں پر بہر نوع فوقیت نظم کی جاتی اور بھرے مجمعوں میں سنا کر داد چاہی جاتی تھی' خانہ جنگی اور خونریزی ان کا بہادرانہ کرتب اور نسل کی شرافت کا پروانہ تھا جس کی بدولت بچہ بچہ کی جان ہر وقت خطرہ میں اور گویا ہتھیلی پر رکھی ہوئی تھی' کینہ اور عزم انتقام کو شریفانہ جوہر اور قومی عظمت کی

دستاویز سمجھے ہوئے تھے جس سے کوئی خاندان اور کوئی قبیلہ بھی خالی نہ تھا' باہمی مخالفت اور آپس کی نزاع سے ہزاروں عورتیں رانڈ بن ہو چکی تھیں اور لاکھوں بچے یتیم' دوسرے کا محکوم ہونا موت سے زیادہ شاق تھا' اور اپنے سے بالا کسی کو دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ غرض ان کے تمدن و معاشرت کا ہر پہلو خراب تھا' اور جب عرب ہی اس اندھیری حالت میں پڑا ہوا تھا تو دوسروں کا کیا پوچھنا کہ مثل مشہور ہے:۔ ''چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی''

جب کعبہ سے ہی کفر اٹھ کھڑا ہو تو پھر اور کہاں مسلمانی ہو سکتی ہے۔ (سیرت ماہتاب عربؐ)

قریش اور قریش کی حالت

اور جس طرح اس نے خاک اور دھول کے بوجھ سے انسانیت کے سر کو ہلکا کیا' کیا دعویٰ پیش کرنے سے پہلے قدرت نے خود اس کو اس کے مبارک وجود کو اس کی دلیل نہیں بنایا کہ قوم اور نیشن کے دیوتاؤں کے آگے بھجن گانے والے اس کے قدموں پر اس لئے اپنی اور اپنے بچوں کے خون کی یہ سمجھ کر بھینٹ چڑھانے والے کہ قوم کے وجود میں افراد کی ضمانت مستور ہے۔ یہ لوگ قومی اور انفرادی بقاء ہی نہیں بلکہ سرے سے بقا ہی کے راز سے جاہل ہیں۔

دیکھو! جس طرح وہ ایسے ملک میں پیدا ہوا تھا جس میں کچھ نہیں تھا۔ اسی طرح یہ قدرت ہی کی طرف کی بات تھی کہ جس قوم میں وہ پیدا ہوا اس کے پاس بھی کچھ نہیں تھا وہ اس کا دماغ' اس کا دل اس کی طبیعت' اپنی قوم سے کیا لیتی جبکہ خود ان ہی کے پاس کچھ نہ تھا اور اگر کچھ تھا بھی تو جو باہر کا حال تھا وہی ان کے اندر کی بھی کیفیت تھی' بلکہ ان کے دل ان پہاڑوں سے زیادہ سخت ان کے دماغ ان کے میدانوں سے زیادہ چٹیل تھے ان میں ان کی صحبتوں میں رہنے والوں کے اندر سنوار سے زیادہ بگاڑ پیدا ہوتا تھا۔ ابھرنے سے زیادہ ان میں پلنے والے ٹھٹھرتے تھے۔

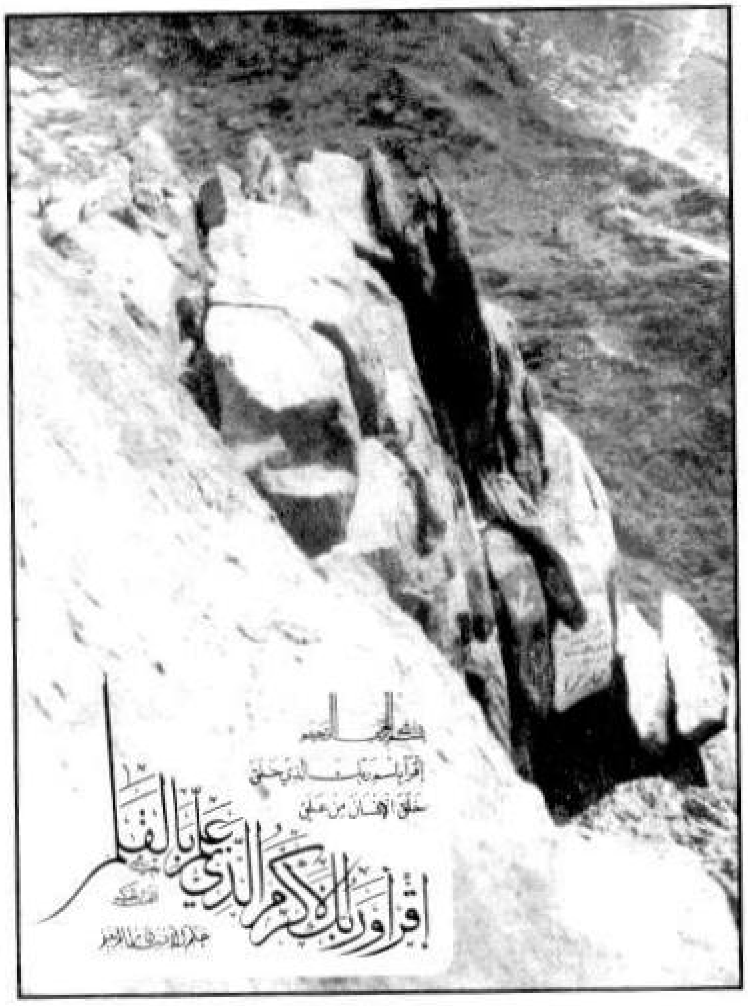
تاہم وہ آدمی ہی تھے اور مکہ بادیہ نہیں ایک شہر تھا' مانا کہ اس میں مدرسہ نہ تھا۔ کالج نہ تھا۔ یونیورسٹی نہ تھی' سوسائٹی نہ تھی کلب نہ تھا' لان نہ تھا' صنعتی کارخانے نہ تھے۔ علمی معبد' کوئی باضابطہ سیاسی ادارہ نہ تھا۔ لیکن پھر بھی وہ شہر تھا اس میں شہریت کے کچھ لوازم تھے' ایک معبد تھا جس کی زیارت کے لئے اطراف و اکناف کے مسافر وہاں آتے تھے۔ شمالی و جنوبی کاروانی راستوں کی شاہراہ پر وہ واقع تھا۔ (النبی الخاتمؐ)

آفتابِ رسالت کا طلوع

رؤیائے صادقہ کی صبح صادق خبر دے رہی تھی کہ عنقریب آفتاب نبوت طلوع کرنے والا ہے اور جس طرح صبح کی روشنی آناً فاناً بڑھتی رہتی ہے اسی طرح رؤیائے صالحہ اور صادقہ کی روشنی بھی آناً فاناً بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ آفتاب نبوت و رسالت فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا جو قلب کے بصیر اور بیناء تھے۔ مثلاً ابوبکرؓ وہ سامنے آئے اور آفتاب نبوت کے انوار و تجلیات سے مستفید ہوئے اور جو کور باطن اور خفاش دل تھے جیسے ابوجہل آفتاب کے طلوع ہوتے ہی خفاش کی طرح ان کی آنکھیں بند ہو گئیں اور نبوت و رسالت کے آفتاب عالم تاب کی تمازت کی تاب نہ لا سکے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

چہل سالہ عمر کی خصوصیات

منصب نبوت و رسالت کی سرفرازی کے لئے چالیس سال کا سن اس لئے تجویز کیا گیا کہ انسان کی قوائے جسمانیہ اور روحانیہ چالیس ہی سال کی عمر میں حد کمال کو پہنچتے ہیں۔ **کماقال تعالیٰ حتیٰ اذا بلغ اشدہ و بلغ اربعین سنۃً** اصل عمر تو انسان کی چالیس ہی سال ہے۔ اس کے بعد تو انحطاط اور زوال ہے۔ اسی طرح جب آپ کے قوائے جسمانیہ و روحانیہ حد کمال کو پہنچ گئے اور تجلیات الٰہیہ اور نفحات قدسیہ کے قبول کرنے کی استعداد مکمل ہو گئی تب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے آپ کو نبوت و رسالت کا خلعت عطا فرمایا۔ **واللہ یختص برحمتہ من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم** (سیرۃ المصطفیٰ)



پہلی وحی

جب عمر شریف چالیس سال کو پہنچی تو حسب معمول آپ ایک روز غار حرا میں تشریف فرما تھے کہ دفعۃً ایک فرشتہ غار کے اندر آیا اور آپ کو سلام کیا اور پھر یہ کہا اقراء پڑھیے آپ نے فرمایا۔ ماانا بقاری میں پڑھ نہیں سکتا۔ اس پر فرشتہ نے پکڑ کر مجھ کو اس شدت سے دبایا کہ میری مشقت کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس کے بعد چھوڑ دیا اور کہا اقراء میں نے پھر وہی جواب دیا۔ ما انا بقاری فرشتہ نے پھر تیسری بار مجھ کو پکڑا اور اسی شدت کے ساتھ دبایا اور چھوڑ دیا اور یہ کہا کہ پڑھو

اقرأ باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق. اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم

آپ اپنے پروردگار کے نام کی مدد سے پڑھئے جو خالق ہے تمام کائنات کا خصوصاً انسان

کا کہ جس کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ آپ پڑھیے کہ آپ کا رب بہت ہی کریم ہے جس نے قلم سے علم سکھلایا اور انسان کو وہ چیزیں بتلائیں جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

آپ اسی غار میں تھے کہ ایک وجود نمودار ہوا۔ اس سے گھبراہٹ نہیں ہوئی' بلکہ دل کو سکون ہوا' جیسے سوکھے ہونٹوں کو ٹھنڈا پانی مل گیا (محمد رسول اللہ)

ملکی و روحانی فیض کا انتقال

جبرئیل امین کا آپ کو تین بار دبانا ملکی اور روحانی فیض پہنچانے کے لئے تھا۔ تا کہ جبرئیل کی روحانیت اور ملکیت آپ کی بشریت پر غالب آ جائے اور قلب مبارک آیات الٰہیہ اور اسرار غیبیہ اور علوم ربانیہ کا تحمل کر سکے اور آپ کی ذات بابرکات خالق اور مخلوق کے مابین واسطہ اور عالم شہادت کا منتہیٰ اور عالم غیب کا مبدا بن سکے۔ حضرات عارفین کا اس طرح سے کسی کو فیض پہنچانا بطریق تواتر ثابت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بار نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ کو اپنے سینہ مبارک سے لگایا اور یہ دعا فرمائی۔

اللھم علمه الكتاب (بخاری شریف)

اے اللہ اس کو اپنی کتاب کا علم فرما۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

مومن کا پہلا فرض

تخلیق نواز اور انقلاب انگیز تعلیمات کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ مشہور مثل کلام الملوک ملوک الکلام'' کی وجد آفرین مثال بھی آپ کے سامنے آ جائے گی۔

وحی کا آغاز لفظ ''اقرأ'' سے ہوا اور اس اہمیت کے ساتھ کہ نام رب بھی بعد میں لایا گیا۔ **اقرأ باسم ربک** پڑھ اپنے رب کے نام سے'' پھر پروردگار (رب) کی تین صفتیں بیان کی گئیں۔ **خلق. الاکرم علم** زیادہ زور علم پر دیا گیا (**علم بالقلم . علم الانسان مالم یعلم**) تعلیم دی قلم کے ذریعہ۔ سکھایا انسان کو وہ جو نہیں جانتا تھا۔

کیا اس اسلوب کلام سے ہمیں یہ سبق نہیں ملتا کہ جو شخص اس وحی پر ایمان لائے اس کا پہلا فرض قرأت اور تعلیم ہے۔ اور تعلیم بھی وہ نہیں جو ماں باپ بچوں کو زبانی دے دیتے ہیں بلکہ تعلیم ایسی جس میں پڑھنا بھی ہو اور قلم سے لکھنا بھی۔ (محمد رسول اللہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام

اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ معلم حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ انسان کو وہ باتیں سکھاتا ہے جو وہ نہیں جانتا وہ جس طرح قلم کے ذریعہ سکھاتا ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ ''امی محض'' محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلا کسی واسطہ کے علم الاولین والآخرین سے نواز دے۔ علق (خون بستہ) یعنی لہو کی پھٹکی۔ اس کو علم سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ خون کی پھٹکی کے لئے علم کا تصور بھی بے محل ہے۔ لیکن خدا قادر پروردگار عالم اس علق سے انسان کو پیدا کرتا ہے اور علم بے پایاں کی دولت سے نوازتا ہے۔ وہی رب ذوالجلال۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے امی کو جوہر علم سے آراستہ کر رہا ہے۔ بلاشبہ کسی امی کو نہیں کہا جا سکتا کہ پڑھ۔ پڑھنے کا حکم امی کے حق میں تکلیف مالایطاق ہے۔ مگر رب محمد کا حکم محمدؐ کے لئے تکلیف مالایطاق نہیں ہے۔ کیونکہ جو حکم کر رہا ہے وہ پہلے ہی محمد کو (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ جوہر عطا کر چکا ہے۔ جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب اقراء کا اہل اور محل بنا دیا واللہ اعلم بالصواب۔ (محمد رسول اللہؐ)

اقوام عالم کی علمی حالت

تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے کے لئے یہ موضوع بہت دلچسپ ہے کہ وہ تحقیق کرے کہ اس وقت تعلیم کے بارے میں اقوام عالم کی حالت کیا تھی اور ان کا ذوق تعلیم کہاں تک سرد پڑ چکا تھا۔ مغربی یورپ' انگلینڈ جرمنی وغیرہ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ وہاں تو انسان ابھی پہاڑ کی گھاٹی اور پھونس کی جھونپڑی سے بھی نہیں نکلا تھا۔ رات کو ایک ہی جھونپڑی میں اپنے مویشی کے ساتھ بند ہوتا تھا۔ مشرقی یورپ جہاں ''رومن لا'' کا اقبال چمک رہا تھا' وہاں بھی علم اور تعلیم کی کچھ دولت تھی تو صرف کلیسا کے تاریک کناروں میں چھپی ہوئی۔ کلیسا سے باہر یا دولت علم سے آشنا ہی نہ تھے یا تعلیم ان کے لئے ممنوع تھی اور کلیسا کے علماء بھی صرف نفع اندوزی کی حد تک علم کے قدردان تھے۔ اگر نفع کسی کتاب کی فروخت سے ہوتا یا چمڑے پر لکھی ہوئی کتاب کے حروف مٹا کر چمڑہ فروخت کر دینے میں نفع ہوتا تو وہ اس سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ (موسیو لیبان)

ہندوستان کا حال معلوم ہے کہ یہاں صرف براہمہ ہند علم کے مالک سمجھے جاتے تھے اور

غیر برہمن میں سے آدھی سے زیادہ مخلوق شودر تھی، وہ علم حاصل تو کیا کر سکتی اگر علم کی بھنک بھی کان میں پڑ جاتی تو کان میں سیسہ پگھلا دیا جاتا (منوسمرتی)

ایران اور فارس میں عیش پرستی علم پر غالب تھی اور چین وافریقہ کا ماضی ان کے موجودہ حال سے معلوم ہو رہا ہے۔ امریکہ وکینیڈا، آسٹریلیا، ربع مسکون سے خارج تھا تو انسانی دنیا سے بھی خارج تھا۔ (محمد رسول اللہؐ)

مَا اَنَا بِقَارِئٍ کی وضاحت

مَا اَنَا بِقَارِئٍ کے بظاہر معنی یہ ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں امی ہوں لیکن اس معنی میں اشکال یہ ہے کہ قرأت یعنی زبان سے پڑھنا امیت کے منافی نہیں۔ امی شخص بھی کسی کے تعلیم وتلقین سے قرأت اور تلفظ کر سکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ فصاحت وبلاغت اس کی غلام ہو۔ امیت، کتابت کے منافی ہے۔ امی شخص لکھی ہوئی تحریر کو نہیں پڑھ سکتا، لیکن زبانی تعلیم وتلقین کردہ الفاظ کی قرأت کر سکتا ہے۔ پس اگر جبرئیل امین کوئی لکھی ہوئی تحریر لے کر آئے تھے کہ جس میں یہ آیتیں لکھی ہوئی تھیں اور اسکی نسبت یہ کہتے تھے کہ اقرأ یعنی اس تحریر کو پڑھو تو پھر اس کے جواب میں ما انا بقاری کہنا ظاہر اور مناسب ہے جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ جبرئیل ایک حریری صحیفہ لے کر آئے جو جواہرات سے مرصع تھا اور وہ صحیفہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ اقرأ یعنی اس حریری صحیفہ کو پڑھیے۔ آپ نے فرمایا ما انا بقاری یعنی میں امی ہوں لکھی ہوئی تحریر کو پڑھ نہیں سکتا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

ایک شبہ کا جواب

علامہ طیبی طیب اللہ ثراہ، شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ سورۂ اقرأ کی نازل شدہ آیتوں میں آپ کے اس کے شبہ کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ ما انا بقاری میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ وہ یہ کہ بے شک تم پڑھے ہوئے نہیں مگر اپنے رب کے نام پاک کی اعانت اور امداد سے پڑھو سب آسان ہو جائے گا اور سمجھ لو کہ حق جل شانہ، کسی کو علم کتاب اور قلم کے واسطہ سے عطا فرماتے ہیں جس کو اصطلاح میں علم کتابی کہتے ہیں علم بالقلم میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اور کسی کو براہ راست بغیر اسباب ظاہری کے وساطت کے علم عطا فرماتے ہیں

جس کو اصطلاح میں علم لدنی کہتی ہیں اور **علم الانسان مالم یعلم** میں اسی طرف اشارہ ہے خلاصۂ جواب یہ ہے کہ اگر چہ آپ پڑھے ہوئے نہیں مگر حق جل وعلا کی قدرت بہت وسیع ہے بغیر اسباب ظاہری کی وساطت کے بھی جس کو چاہتا ہے علوم ومعارف سے سرفراز فرماتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو بھی علم ومعرفت عطا فرمائے گا۔ (سیرۃ المصطفیؐ)

احساس ذمہ داری

بعدازاں آپ گھر تشریف لائے اور بدن مبارک پر لرزہ اور کپکپی تھی آتے ہی حضرت خدیجہ سے فرمایا۔ زملونی مجھ کو کچھ اڑھاؤ جب کچھ دیر کے بعد وہ گھبراہٹ اور پریشانی دور ہوئی تو تمام واقعہ حضرت خدیجہ سے بیان کیا اور یہ کہا کہ مجھ کو اندیشہ ہوا کہ میری جان نہ نکل جائے۔ چونکہ وحی اور فرشتہ کے انوار وتجلیات کا حضورؐ کی بشریت پر دفعۃً نزول اور ورود ہوا اس لئے وحی کی عظمت اور جلال سے آپ کو یہ خیال ہوا کہ اگر وحی کی یہی شدت رہی تو عجب نہیں کہ میری بشریت وحی کے اس ثقل اور بوجھ کو نہ برداشت کر سکے یا بار نبوت سے مغلوب ہو کر فنا ہو جائے۔ (سیرۃ المصطفیؐ)

آپ نے یہ آیتیں پڑھیں۔ آیتیں ذہن نشین ہوگئیں۔ مگر ساتھ ساتھ ذمہ داری کا احساس بھی ہوا۔ ایک طرف اپنی عاجزی کا غیر معمولی احساس تھا۔ آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ ہیچ در ہیچ سمجھتے تھے۔ دوسری طرف اتنی بڑی ذمہ داری' اور ایسی ذمہ داری جس کا کوئی تجربہ اب تک نہیں تھا۔ یعنی بھٹکی ہوئی مخلوق کو پڑھنے پڑھانے' تعلیم دینے اور سدھارنے کی ذمہ داری۔ اور ایسی صورت سے جو بالکل اجنبی صورت تھی جس کا کبھی وہم وگمان بھی نہیں آیا تھا۔ نہ کسی سے ایسی باتیں سنی تھیں۔ اس طرح کے خیالات اور غیر معمولی احساس کا اثر یہ ہوا کہ دل کانپنے لگا۔ (محمد رسول اللہؐ)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اطمینان دلانا

غرض یہ کہ آپ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے تمام واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ مجھ کو اپنی جان کا خطرہ ہے تو حضرت خدیجہؓ نے یہ فرمایا۔ آپ کو بشارت ہو آپ ہرگز نہ ڈریئے۔ خدا

کی قسم اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں۔ آپ کی صلہ رحمی بالکل محقق ہے۔ ہمیشہ آپ سچ بولتے ہیں لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں یعنی دوسروں کے قرضے اپنے سر رکھتے ہیں اور ناداروں کی خبر گیری فرماتے ہیں' امین ہیں لوگوں کی امانتیں ادا کرتے ہیں۔ مہمانوں کی ضیافت کا حق ادا کرتے ہیں۔ حق بجانب امور میں آپ ہمیشہ معین اور مددگار رہتے ہیں۔ یہ روایت بخاری اور مسلم کی ہے۔ ابن جریر کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے یہ بھی فرمایا۔ ما اتیت فاحشةً قط آپ کبھی کسی فاحشہ کے پاس بھی نہیں پھٹکے۔ خلاصہ یہ کہ جو شخص ایسے محاسن اور کمالات اور ایسے محامد اور پاکیزہ صفات اور ایسے اخلاق وشمائل اور ایسے معالی اور فضائل کا مخزن اور معدن ہو اس کی رسوائی ناممکن ہے وہ نہ دنیا میں رسوا ہو سکتا ہے نہ آخرت میں حق تعالیٰ شانہ' جس کو اپنی رحمت سے یہ محاسن اور کمالات عطا فرماتے ہیں اس کو ہر بلا اور ہر آفت سے بھی محفوظ رکھتے ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی اور یہ کہا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں خدیجہ کی جان ہے میں قوی امید رکھتی ہوں کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے۔

حافظ عسقلانی اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ روایت صراحۃً اس پر دلالت کرتی ہے کہ علی الاطلاق سب سے پہلے حضرت خدیجہ ایمان لائیں۔ (سیرۃ المصطفیٰؐ)

آپ مکان پر پہنچے تو لرزہ جیسی کیفیت تھی۔ آپ نے رفیقۂ حیات (حضرت خدیجہؓ) سے کہا: میرے اوپر کپڑا ڈال دو۔

حضرت خدیجہؓ نے بلائیں لیں' پوچھا کیا بات ہے؟ طبیعت کو سکون ہوا تو آپؐ نے پورا قصہ سنایا۔ اور یہ بھی فرمایا۔ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے (ایسی بڑی ذمہ داری کس طرح اٹھا سکوں گا)

حضرت خدیجہؓ سمجھدار خاتون تھیں۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جس طرح پندرہ سال سے دیکھ رہی تھیں ان کو یقین تھا کہ اس غیر معمولی شخص کے لئے کوئی غیر معمولی صورت نمودار ہو گی جس کی شان نرالی ہو گی۔

حضرت خدیجہؓ نے پورا واقعہ سنا۔ پھر وہ آیتیں سنیں جن میں اس طرف اشارہ تھا کہ خداء قادر جو خون کے لوتھڑے سے جیتا جاگتا انسان بناتا ہے۔ قلم کے ذریعہ لکھنا پڑھنا سکھاتا

ہے انسان کو وہ باتیں بتاتا ہے جن کو وہ خود اپنے ذہن سے نہیں معلوم کر سکتا تھا' وہ خداء قادر کسی استاد یا قلم کی مدد کے بغیر محض اپنی قدرت سے علم کے دروازے آپ پر کھول دے گا۔

یہ آیتیں سن کر حضرت خدیجہؓ کو یقین ہو گیا کہ جس غیر معمولی صورت کی توقع تھی وہ سامنے آ گئی ہے۔

وہ اس واقعہ کے متعلق کوئی فیصلہ تو نہیں کر سکیں۔ البتہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطرہ ظاہر کیا تھا کہ ان ذمہ داریوں کے بوجھ سے میری جان جاتی رہے گی۔ حضرت خدیجہؓ نے اس کا اطمینان دلایا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کی زندگی کا مرقع پیش کر کے بہت لطیف پیرایہ میں اطمینان دلایا کہ آپ یہ بار اٹھا سکیں گے۔ کیونکہ اب تک کی زندگی میں جو بوجھ اٹھاتے رہے ہیں وہ کم نہیں ہیں' وہ بھی غیر معمولی ہیں۔ پس اگر کوئی اس سے بھی بڑی ذمہ داری آپ پر پڑے گی تو آپ اس کو بھی اٹھا سکیں گے۔

حضرت خدیجہؓ نے اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا۔

کلاواللہ لایخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم وتحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف وتعین علی نوائب الحق (بخاری شریف ص ۷۴۰)

ترجمہ: خدا شاہد ہے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ناکام کر دے۔ آپ کی مدد نہ کرے۔ آپ رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں ان کی مدد کرتے ہیں۔ ہارے' تھکے' درماندہ مسافروں کے لئے سواری کا انتظام کرتے ہیں' ان کو منزل تک پہنچاتے ہیں۔ آپ ایسے احسانات کرتے ہیں اور ایسی خدمات انجام دیتے ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی' جو دوسری جگہ قطعاً نایاب ہیں۔ باہر کے مسافر جو بے ٹھکانا ہوتے ہیں آپ ان کو اپنا مہمان بناتے ہیں۔ برپا ہونے والے گناہوں اور ناگہانی حوادث میں آپ حق کی حمایت کرتے ہیں۔'' (محمد رسول اللہؐ)

حضرت خدیجہ کے تسلی آمیز جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صلۂ رحمی اور مہمانداری اور سخاوت اور ہمدردی کی وجہ سے دنیا میں بھی انسان آفتوں سے مامون و مصئون رہتا ہے (۲)

حضرت خدیجہؓ کا آپ کی تسلی کے لئے آپ کے محاسن اور کمالات کا ذکر کرنا اس کی دلیل ہے کہ کسی کے واقعی اور نفس الامری محاسن اور کمالات اس کے منہ پر بیان کرنا بشرطیکہ ممدوح کا اعجاب اور خود پسندی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلے اس واقعہ کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ انسان پر اگر کوئی اہم واقعہ پیش آئے تو اگر اس کے اہل خانہ دیندار اور سمجھدار ہوں تو سب سے پہلے ان سے تذکرہ کرے اور بعد میں جو اہل علم اور اہل فہم ہوں ان سے ذکر کرے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

ورقہ بن نوفل کے پاس

بعد ازاں خدیجہ تنہا اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو توریت اور انجیل کے بڑے عالم تھے اور سریانی زبان سے عربی زبان میں انجیل کا ترجمہ کرتے تھے اور زمانۂ جاہلیت میں بت پرستی سے بیزار ہو کر نصرانی بن گئے تھے اور اس وقت بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ ان سے یہ تمام واقعہ بیان کیا۔ ورقہ نے سن کر یہ کہا۔

لئن کنت صدقتنی انہ لیاتیہ ناموس عیسیٰ

اگر تو سچ کہتی ہے تو تحقیق ان کے پاس وہی فرشتہ آتا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا۔

یہ روایت دلائل ابی نعیم میں باسناد حسن مذکور ہے اس کے بعد حضرت خدیجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہمراہ لے کر ورقہ کے پاس گئیں اور کہا اے میرے چچا زاد بھائی ذرا اپنے بھتیجے کا حال (یعنی خود ان کی زبان سے) سنئے۔ ورقہ نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا اے بھتیجے بتلاؤ کیا دیکھا آپ نے تمام واقعہ بیان فرمایا۔

ورقہ نے آپ کا تمام حال سن کر یہ کہا کہ یہ وہی ناموس ''فرشتہ ہے'' جو موسیٰ علیہ السلام پر اترتا تھا۔ کاش میں تمہارے زمانۂ پیغمبری میں قوی اور توانا ہوتا جبکہ تمہاری قوم تم کو وطن سے نکالے گی یا کم از کم زندہ ہی ہوتا۔ آپ نے بہت تعجب سے فرمایا کیا وہ مجھ کو نکالیں گے۔ ورقہ نے کہا ایک تم ہی پر موقوف نہیں جو شخص بھی پیغمبر ہو کر اللہ کا کلام اور اس کا پیام لے کر آیا

لوگ اسی کے دشمن ہوئے اگر میں نے آپ کا وہ زمانہ پایا تو میں نہایت زور سے آپ کی مدد کروں گا مگر کچھ زیادہ دن گزرنے نہ پائے کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے اور ابو میسرہ کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ ورقہ نے کہا۔

آپ کو بشارت ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام نے بشارت دی ہے اور آپ مثل موسیٰ علیہ السلام کے نبی مرسل ہیں۔ اور آپ کو عنقریب اللہ کی طرف سے جہاد کا حکم کیا جائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ چلتے وقت ورقہ نے آپ کے سر کو بوسہ دیا۔ (سیرت مصطفیٰ)

حضرت خدیجہؓ کا اس واقعہ کو سن کر آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جانا۔ جو اس زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے اس امر کی دلیل ہے کہ جب کوئی نادر واقعہ پیش آئے تو علمائے ربانیین پر پیش کرنا چاہیے۔

نیز اہل علم کی خدمت میں کسی کے توسط سے حاضر ہونا زیادہ بہتر ہے جیسے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت خدیجہؓ کی وساطت سے ورقہ بن نوفل سے ملاقات فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا ورقہ کے پاس تشریف نہیں لے گئے۔ بلکہ خدیجہ کو ساتھ لیا جن کی ورقہ سے قرابت تھی۔ معلوم ہوا کہ علماء اور صلحاء کی ملاقات کے لئے اگر کسی رہنما کو ساتھ لے لیا جائے تو مناسب ہے تا کہ گفتگو میں سہولت رہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تسلی دی لیکن یہ ان کی رائے اور ان کا اپنا اعتقاد تھا کہ جو اس طرح صاحب خیر ہو خدا کی طرف سے اس کی مدد ہو گی۔ اس کو ذلیل و رسوا اور ناکام نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اس طرح کے معاملہ کی حقیقت وہ بھی نہیں جانتی تھیں۔ کیونکہ نبوت اور الہام کی باتوں سے وہ بھی واقف نہیں تھیں۔ ان کو ایک شخص کا خیال آیا۔ یہ حضرت خدیجہؓ کے ہمجد تھے۔ رشتہ کے بھائی ہوتے تھے۔ عیسائی مذہب اختیار کئے ہوئے تھے۔ عالم فاضل تھے۔ نبوت اور الہام کی باتیں جانتے تھے۔ عبرانی زبان پر ان کو عبور تھا۔ عبرانی کی اصل انجیل کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ عربی میں اس کا ترجمہ بھی کیا کرتے تھے۔ اب بہت بوڑھے تھے۔ بصارت سے بھی معذور ہو چکے تھے۔ مگر لوگ ان کی قدر کرتے تھے۔ ان کا نام ورقہ تھا ولدیت نوفل۔

حضرت خدیجہؓ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ساتھ لے کر ان کے یہاں پہنچیں اور کہا آپ کے برادرزادے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو عجیب صورت پیش آئی ہے۔ یہ خود ہی بیان کریں گے، آپ غور سے سنئے اور رائے دیجئے۔

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پورا واقعہ بیان کیا۔

ورقہ نے جیسے ہی سنا برجستہ جواب دیا۔

یہ تو وہی ناموس (فرشتہ) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔

ورقہ نے کہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ کاش میں جوان ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سنا کہ قوم ان کو نکالے گی تو بہت تعجب ہوا۔ یہ قوم جو یہاں تک گرویدہ ہے کہ عقیدت اور احترام میں نام لینا بے ادبی سمجھتی ہے، مجھ سے دعائیں کراتی ہے اور بڑے معاملات کا فیصلہ کرنا میرے حوالے کر دیتی ہے، کیا وہ ایسی آنکھیں پھیر لے گی کہ مجھے مکہ سے نکال دے گی۔

جیسے محبوب رہنما کے لئے یہ بہت ہی عجیب بات تھی آپؐ نے تعجب سے دریافت کیا۔ کیا میری قوم مجھے نکالے گی؟

ورقہ! بیشک آپ کو نکالے گی اور یہ انوکھی بات نہیں ہے جو شخص بھی ایسی بات پیش کرتا ہے جو آپ پیش کرنے والے ہیں، اس کے ساتھ قوم کا برتاؤ یہی ہوا کرتا ہے۔ کاش میرے سامنے وہ دن آئے تو میں آپ کی پوری پوری مدد کروں۔

ورقہ تو زندہ نہیں رہے کچھ دنوں بعد ان کی وفات ہو گئی۔ مگر جو بات انہوں نے کہی تھی، وہ پوری ہوئی۔

یہ تھا نبوت کا آغاز۔ اور یہ تھی وحی کی ابتداء جس میں پڑھنے پڑھانے۔ علم اور قلم کا تذکرہ اور عالمانہ زندگی کی ترغیب ہے۔ (واللہ اعلم) ابتدائی ظہور کے بعد یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے لئے بند ہو گیا۔

حق کی نمود

اب دیکھو! خلوت کی اسی زندگی سے وہ ایک بڑے دعویٰ کو لے کر آتا ہے ٹھیک اسی

طرح آتا ہے جیسا کہ سلیمان نبی نے کہا تھا۔

''وہ میرے محبوب کی آواز دیکھ! وہ پہاڑوں پر سے کودتے ٹیلوں پر سے پھاندتے آتا ہے''۔

(غزل الغزلات باب ۱)

اور پہاڑ سے اتر کر دنیا کے آگے اس نے حیرت سے بھرے ہوئے اس تجربہ کا اعلان کیا کہ جیسا کہ یسعیاہ نبی نے کہا تھا:

''ان پڑھ کو کتاب دی گئی کہ اسے پڑھ اور وہ کہتا ہے کہ میں ان پڑھ ہوں پڑھ نہیں سکتا''

(یسعیاہ باب ۲۹)

سمجھنے والوں نے سمجھا یا نہیں سمجھا' مجھے اس سے کیا بحث' لیکن بخاری میں ہے حراء کی کھوہ میں اس کے سامنے سب سے پہلے **فجبه الحق** کا نظارہ اسی طرح بے نقاب ہوا جس طرح پہاڑی کے ہرے بھرے جھاڑ کی شاداب آگ ہے۔

اننی انا الله لا اله انا میں ہی اللہ ہوں' کوئی معبود نہیں ہے' لیکن میں ہی کی سرمدی گونج اس طرح گونجی کہ سننے والا نہیں بتا سکتا کہ کدھر سے گونجی' لیکن گونجی اور اسی آگ سے گونجی' حضرت موسیٰ کو یوں ہی محسوس ہوا اور یہ قرآن میں ہے۔ غیر قرآنی یاداشتوں میں آیا ہے کہ پیپل کے سایہ میں جو مایوس بیٹھا تھا' گیا کا وہی شاکیہ منی یہ کہتا ہوا اچھلا۔

پا گیا' پا گیا' اب تجھے نہیں کھوؤں گا' جی گیا' جی گیا' اب کبھی نہیں مروں گا'' (اوکمال قال)

خدا ہی جانتا ہے کہ بدھ کیا تھا' کون تھا' اور اس نے کیا کہا تھا۔

لوگوں نے کیا سنا لیکن بھولے بسرے افسانوں میں ذکر چلا آتا ہے کہ کچھ اسی قسم کے الفاظ بولا۔

بہر حال حق کے اس فجائی اور اچانک نمود کے بعد بخاری ہی میں ہے کہ **فجاء ه الملک** تب فرشتہ آیا۔

ملک ہی حق تھا' اور حق ہی ملک تھا' جو یہ کہتے ہیں' اب ان سے میں یہ کہوں گا جس نے چکھا اسی نے جانا ہم نے نہ چکھا اور نہ ہم جان سکتے ہیں' ہمارے سامنے تو دعویٰ پیش ہوا' بڑا عجیب وغریب دعویٰ' دل ہلا دینے والا دعویٰ' جو دیکھ نہیں سکتے' انہیں کیسے دکھایا جا سکتا تھا۔

نابیناؤں کے لئے اس کے سوا اور کیا چارہ ہے کہ بیناؤں کی سنیں۔ بخت کا چھوٹا وہ ہے جو خود بھی نہیں دیکھ سکتا اور دیکھنے والوں نے جو دیکھا ہے یہ بدنصیب اس کے سننے سے بھی پیٹھ پھیرتا ہے، گردن موڑتا ہے۔ (النبی الخاتمؐ)

تاریخ بعثت

اس پر تمام محدثین ومؤرخین کا اتفاق ہے کہ بروز دوشنبہ آپؐ کو نبوت ورسالت کا خلعت عطا ہوا۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آپ کس مہینہ میں مبعوث ہوئے حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ماہ ربیع الاول کی آٹھ تاریخ کو خلعت نبوت عطا ہوا۔ اس بنا پر بعثت کے وقت آپ کی عمر شریف ٹھیک چالیس سال تھی اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ سترہ رمضان المبارک کو آپ منصب نبوت پر فائز ہوئے۔

اس اعتبار سے بعثت کے وقت آپ کی عمر شریف چالیس سال اور چھ ماہ کی تھی۔ حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں اسی قول کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ غار حراء کا اعتکاف آپ رمضان ہی میں فرماتے تھے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

سلسلۂ وحی کے تسلسل کا انتظار

آپ گھر واپس آ گئے اور وحی کا آنا چند روز کے لئے رک گیا تا آنکہ دل سے گذشتہ دہشت اور خوف دور ہو جائے اور آئندہ وحی کا شوق اور انتظار قلب میں پیدا ہو جائے۔

وحی کے رک جانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر حزن وملال ہوا کہ بار بار پہاڑ پر جاتے کہ اپنے کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیں۔

بر دل سالک ہزاراں غم بود　　گرز باغ دل خلالے کم بود
ہجر سے بڑھ کر مصیبت کچھ نہیں　　اس سے بہتر ہے کہ مر جاؤں کہیں

مگر آپ جب ایسا ارادہ فرماتے تو فوراً جبرئیل امین ظاہر ہوتے اور یہ فرماتے۔

یا محمد انک رسول اللہ حقا

اے محمدؐ آپ یقیناً بلاشبہ اللہ کے رسول برحق ہیں۔ یہ سنکر آپ کے قلب کو سکون ہو جاتا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

تقاضائے عشق

عشق برق خرمن سوز ہوتا ہے جو اپنے سواء متاع ہستی کی ہر ایک نمود کو ختم کر دیتا ہے رہتا ہے تو صرف عشق مگر محبوب کی طرح محبوب درد ہے مگر رگ جاں سے زیادہ عزیز۔ عاشق کی تمنا یہی رہتی ہے کہ یہ درد بڑھے وہ اپنے خاتمہ کی تمنا کر سکتا ہے مگر خاتمہ عشق کا نام بھی زبان پر نہیں لا سکتا۔ کچھ ایسی ہی صورت یہاں بھی ہوئی جس کیفیت کا ایک اثر یہ تھا کہ قلب مبارک لرزنے لگا۔ اسی کا دوسرا اثر یہ تھا کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمنا یہ ہوگئی کہ وہ کیفیت پھر میسر آئے۔ اس کا شوق یہاں تک بڑھا کہ آپ اس کے بغیر اپنی زندگی بیکار سمجھنے لگے۔ جب اس شوق کا غلبہ ہوتا تو آپ چاہتے کہ کسی پہاڑ کی چوٹی سے اپنے آپ کو گرا کر ختم کر دیں۔ لیکن رحمت حق دستگیری کرتی بہر حال جس قدرت نے آپ کو خاص مقصد کے لئے پیدا کیا تھا وہی رہنما بنی۔ اور کچھ عرصہ توقف کے بعد سلسلہ وحی شروع ہوگیا۔ یعنی ذوق و شوق، ذکر و فکر اور مراقبہ کا ضروری کورس پورا ہوگیا تو وحی الٰہی کی بارش ہونے لگی جو مسلسل اکیس برس تک ہوتی رہی۔ (محمد رسول اللہؐ)

حضرت خدیجہؓ کی فراست

ایک بار حضرت خدیجہ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کیا کہ اگر ممکن ہو تو جس وقت وہ ناموس آپ کے پاس آئے تو مجھ کو ضرور مطلع فرمائیں۔ چنانچہ جبرئیل امین جب آپ کے پاس آئے حسب وعدہ آپ نے حضرت خدیجہ کو اطلاع دی۔ حضرت خدیجہ نے عرض کیا کہ آپؐ میری آغوش میں آجائیں۔ جب آپؐ حضرت خدیجہ کی آغوش میں آگئے تو حضرت خدیجہ نے اپنا سر کھول دیا اور آپؐ سے دریافت کیا کہ کیا آپؐ اس وقت بھی جبرئیل کو دیکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں حضرت خدیجہ نے فرمایا آپ کو بشارت ہو۔ خدا کی قسم یہ فرشتہ ہے۔ شیطان نہیں۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت خدیجہ نے یہ فرمایا کہ آپ کو مبارک۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

اعمال میں سب سے پہلا فرض

توحید و رسالت کے بعد سب سے پہلے جس چیز کی آپ کو تعلیم دی گئی وہ وضو اور نماز تھی۔ اول جبرئیل نے زمین پر اپنی ایڑی سے ایک ٹھوکر ماری جس سے پانی کا ایک چشمہ

جاری ہوگیا۔ جبرئیل نے اس سے وضوء کی اور آپ دیکھتے رہے بعدازاں آپ نے بھی اسی طرح وضوء کی پھر جبرئیل نے دو رکعت نماز پڑھائی اور آپ نے اقتداء کی اور وضواور نماز سے فارغ ہوکر گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ کو وضواور نماز کی تعلیم دی۔

اسامہ بن زید اپنے باپ زید بن حارثہؓ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابتداء بعثت ونزول وحی کے وقت جبرئیل میرے پاس آئے اور وضواور نماز کی مجھ کو تعلیم دی۔

علامہ سہیلی اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔ پس وضو باعتبار فرضیت کے مکی ہے اور باعتبار تلاوت کے مدنی ہے اس لئے کہ آیت وضو کا نزول ہجرت کے بعد مدینہ میں ہوا۔ ابتدا بعثت ہی سے آپ کا نماز پڑھنا تو قطعاً ثابت ہے اختلاف اس میں ہے کہ پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے (کہ جو شب معراج میں فرض ہوئیں) ان سے پہلے آپ پر کوئی نماز فرض تھی یا نہیں۔ بعض علماء کے نزدیک معراج سے پہلے کوئی نماز فرض نہ تھی آپ جس قدر چاہتے نماز پڑھتے۔ صرف صلوٰۃ اللیل کا حکم نازل ہوا تھا اور بعض علماء کے نزدیک ابتداء بعثت سے دو نمازیں فرض تھیں دو رکعتیں صبح کی اور دو رکعتیں عصر کی۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

دعوت عام سے پہلے

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی چالیس سالہ مثالی زندگی نے آپ کو الصادق اور الامین اور ایسا محبوب رہنما بنا دیا تھا جس کے اعلیٰ اخلاق اور بہترین کردار پر مکہ کے ہر ایک چھوٹے بڑے کو پورا اعتماد تھا۔ مگر ان اعلیٰ اخلاق کے باوجود منصب نبوت کے فرائض اور اداء فرائض کے طریقوں سے آپ قطعاً ناواقف تھے۔ قرآن مجید نے آپ کی شان یہ بیان کی ہے۔

(الف) نہ آپ لکھ سکتے تھے، نہ لکھا ہوا پڑھ سکتے تھے۔ نہ آپ نے کہیں تعلیم پائی تھی۔

نہ آپ شاعر تھے نہ ادیب کی حیثیت سے آپ کی شہرت تھی۔ نہ آپ کاہن یا نجوم داں تھے۔ نہ سابق مذہبوں سے آپ کو واقفیت تھی۔ نہ آپ یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہوتا ہے۔ آسمانی کتاب کیا ہوتی ہے۔ نہ آپ کو کبھی یہ خیال آیا تھا کہ آپ پر کوئی کتاب نازل ہوگی۔ نہ اس شہر میں جہاں آپ پلے تھے۔ بڑھے تھے نبوت یا رسالت کا چرچا تھا۔ انتہا یہ کہ وہ قوم جس کے آپ فرد تھے امی تھی۔ یعنی نبوت سے ناآشنا، کیونکہ اس میں کوئی نبی نہیں ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام سنا تھا۔ مگر ان کی تعلیمات فراموش ہو چکی تھیں صرف

دھندلے سے نشان باقی تھے۔ لیکن اب آپ پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی تھی کہ ایسی قوم میں مکمل انقلاب برپا کریں جو اگرچہ گمراہ ہے۔ مگر اپنے آپ کو تمام دنیا کی قوموں میں سب سے بہتر اور برتر سمجھتی ہے اور یقین رکھتی ہے کہ حق وہی ہے جس پر وہ قائم ہے۔ اور اس انقلاب کا آغاز خاص اس گروہ سے کریں جس کو نہ صرف اس کا یقین ہے کہ وہ حق پر ہے بلکہ یہ فخر بھی ہے کہ وہ اپنے مذہب میں نہایت پختہ اور کٹر ہیں۔

پچھڑے ہوئے اور پسماندہ عرب کا ایک ''امی'' ان تمام علاقوں اور ان میں بسنے والے انسانوں یعنی پورے نوع بشر کے لئے ہادی اور رہنما بنایا جا رہا ہے۔ منصب رسالت اس کے سپرد ہونے والا ہے تو اس سے پہلے کہ وہ دوسروں کو دعوت دے ضروری ہے کہ جن باتوں کی وہ دعوت دے ان کا نمونہ وہ خود بن جائے۔ چنانچہ نبوت کے بعد کم و بیش تین سال ایسے گزرے جن میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عام دعوت و تبلیغ کا حکم نہیں تھا۔ ہاں کچھ سعادت مند وہ تھے جنہوں نے مشک کی خوشبو خود سونگھ لی اور وہ خود ہی اس شمع کے پروانے بن گئے۔

ان حضرات نے بھی ابھی تبلیغ شروع نہیں کی لیکن اچھا خربوزہ اگر اس کی پود ٹھیک ہو تو وہ دوسرے خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑ لیتا ہے۔ پس کچھ اور افراد جن کے کردار نے مستقبل میں ثابت کر دیا کہ وہ بہترین انسان اور پورے سماج کے قیمتی جواہر تھے۔ وہ خود متاثر ہوئے اور دعوت عام سے پہلے آغوش اسلام میں داخل ہو گئے۔ (ان کے پر تقدس کارنامے تاریخ عالم کے سینے پر نقش ہیں، جو شہادت دے رہے ہیں کہ یہ حضرات کس درجہ صداقت پسند حق گو دلیر اور بہادر تھے اور اسی لئے وہ سب سے پہلے الصادق الامین اور اس کے پیغام کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ (محمد رسول اللہؐ)

سابقین اوّلین رضی اللہ عنہم

حضرت خدیجہؓ حضرت علیؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ

سب سے پہلے آپ کی حرم محترم صدیقۃ النساء خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسلام قبول کیا اور بروز دوشنبہ شام کے وقت سب سے پہلے آپ کے ہمراہ نماز پڑھی۔ لہٰذا اول اہل قبلہ آپ ہی ہیں۔ (اصابہ وعیون الاثر) اور پھر ورقہ بن نوفل مشرف باسلام ہوئے بعدازاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو مدت سے آپ کی آغوش تربیت میں تھے دس سال کی عمر میں اسلام لائے اور بعثت سے اگلے روز بروز سہ شنبہ آپ کے ہمراہ نماز پڑھی۔

حضرت علی نے اسلام قبول کیا۔ اور عرصہ تک (یعنی ایک سال تک جیسا کہ بعض روایات میں ہے) اپنے اسلام کو ابوطالب سے مخفی رکھا۔ بعدازاں آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ اسلام لائے اور آپ کے ہمراہ نماز ادا کی۔ (سیرۃ المصطفیٰؐ)

حضرت ابی بکرؓ صدیق رضی اللہ عنہ

جب تمام اہل بیت اسلام میں داخل ہوگئے۔ تب آپ نے احباب ومخلصین کو اس رحمت کبریٰ اور نعمت عظمیٰ میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے ابوبکر صدیق کو ایمان واسلام کی دعوت دی۔ ابوبکر نے بلاکسی تامل اور تفکر کے اور بغیر کسی غور اور تدبیر کے اول وہلہ میں آپ کی دعوت کو قبول کیا۔

آپؐ نے صدق کو پیش کیا اور ابوبکر نے تصدیق کی ایک ہی تصدیق نے صدیق بنا دیا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ میں نے جس کسی پر بھی اسلام پیش کیا وہ اسلام سے کچھ نہ کچھ ضرور جھجکا مگر ابوبکر کہ اس نے اسلام کے قبول کرنے میں ذرہ برابر کوئی توقف نہیں کیا۔ (سیرۃ المصطفیٰؐ)

حضرت ابوبکرؓ کی عظمت

حضرت ابوبکر کہ وہ بڑے عاقل اور ہوشمند زیرک تھے اور نفع اور ضرر اور حسن وقبح میں تمیز

کی پوری صلاحیت رکھتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تھے اور مکہ کے ذی ثروت اور ذی شوکت اور ذی اثر لوگوں میں تھے۔ ابوبکر نے ایسی حالت میں بلا کسی دباؤ کے اول وہلہ میں اسلام کی دعوت کو قبول کیا اور لوگوں پر اپنے اسلام کو ظاہر کیا۔ کسی باپ اور بھائی سے اپنے اسلام کو مخفی نہیں رکھا اور اپنے احباب خاص پر خاص طور پر اپنے اسلام کو ظاہر کیا اور اس دین میں داخل ہونے کی دعوت دی ایسا اسلام موجب صد فضیلت ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ابوبکر ایسے شخص تھے کہ جو آزاد اور مستقل تھے اور ہوشمند اور صاحب شوکت و مرتبت تھے وہ اول وہلہ میں اسلام لائے اور ابتداء ہی سے دعوت اسلام میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو بنے اور مال و متاع اور زندگی کا کل سرمایہ اسلام کے لئے وقف کر دیا اور کامل تیرہ سال تک ہر طرح کی تکلیف اور مصیبت میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور دشمنوں کی مدافعت کی۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام میں داخل ہوتے ہی اسلام کی تبلیغ شروع کر دی آپ کے احباب و مخلصین میں سے جو آپ کے پاس آتا یا آپ جس کے پاس جاتے اس کو اسلام کی دعوت دیتے چنانچہ آپ کے رفقاء اور مصاحبین میں سے آپ کی تبلیغ سے یہ حضرات اسلام میں داخل ہوئے۔ (۱) عثمان بن عفانؓ اور زبیر بن عوام اور عبدالرحمٰن بن عوف اور طلحہ بن عبیداللہ اور سعد بن ابی وقاصؓ یہ اعیان قریش اور شرفاء خاندان آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ ابوبکرؓ ان سب کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے سب نے اسلام قبول کیا اور آپ کے ہمراہ نماز پڑھی۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

جناب ابی طالب کی طرف سے حمایت کا وعدہ

جب نماز کا وقت آتا تو آپ کسی گھاٹی یا درہ میں جا کر پوشیدہ نماز پڑھتے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ اور حضرت علی کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ یکا یک ابوطالب اس طرف آ نکلے۔ حضرت علی نے اس وقت تک اپنے اسلام کو اپنے ماں باپ اور اعمام اور دیگر اقارب پر ظاہر نہیں ہونے دیا تھا ابوطالب نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر دریافت کیا کہ اے بھتیجے یہ کیا دین ہے اور یہ کیسی عبادت ہے آپ نے فرمایا اے چچا یہی

دین ہے اللہ کا اور اس کے تمام فرشتوں کا اور پیغمبروں کا اور خاص کر ہمارے جد امجد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا دین ہے اور اللہ نے مجھ کو اپنے تمام بندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ سب سے زیادہ آپ میری نصیحت کے مستحق ہیں کہ آپ کو خیر اور ہدایت کی طرف بلاؤں اور آپ کو چاہیے کہ آپ سب سے پہلے اس ہدایت اور دین برحق کو قبول کریں اور اس بارہ میں میرے معین اور مددگار ثابت ہوں۔

ابو طالب نے کہا اے بھتیجے میں اپنا آبائی مذہب تو نہیں چھوڑ سکتا لیکن اتنا ضرور ہے کہ تم کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا۔ بعد ازاں حضرت علی کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے بیٹے یہ کیا دین ہے جس کو تم نے اختیار کیا ہے۔ حضرت علی نے کہا باپ میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کچھ وہ من جانب اللہ لے کر آئے اس کی تصدیق کی اور ان کے ساتھ اللہ کی عبادت اور بندگی کرتا ہوں اور ان کا متبع اور پیرو ہوں۔ ابو طالب نے کہا بہتر ہے تم کو بھلائی اور خیر ہی کی طرف بلایا ہے۔ ان کا ساتھ نہ چھوڑنا۔

حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک روز حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشغول عبادت تھے۔ حضرت علی آپ کے دائیں جانب تھے اتفاق سے ابو طالب ادھر سے گزرے جعفر بھی آپ کے ہمراہ تھے آپ کو جب نماز پڑھتے دیکھا تو جعفر سے مخاطب ہو کر کہا اے بیٹا تم بھی علی کی طرح اپنے چچا زاد بھائی کے قوت بازو ہو جاؤ اور بائیں جانب کھڑے ہو کر ان کے ساتھ نماز میں شامل ہو جاؤ۔ جعفرؓ سابقین اسلام میں سے ہیں۔ اکتیس یا پچیس صحابہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

حضرت عفیف کندی رضی اللہ عنہ

عفیف کندی حضرت عباس کے دوست تھے عطر کی تجارت کرتے تھے۔ اسی سلسلۂ تجارت میں یمن بھی آمد و رفت رہتی تھی۔ عفیف کندی فرماتے ہیں کہ ایک بار میں منیٰ میں حضرت عباس کے ساتھ تھا کہ ایک شخص آیا اور اول نہایت عمدہ طریقہ سے وضو کیا اور پھر نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ایک عورت آئی اس نے بھی اسی طرح وضو کیا اور پھر نماز کے لئے

کھڑی ہوگئی۔ پھر ایک گیارہ سالہ لڑکا آیا اس نے بھی وضو کی اور آپ کے برابر نماز کے لئے کھڑا ہوگیا میں نے عباس سے پوچھا یہ کیا دین ہے۔ حضرت عباس نے کہا یہ میرے بھتیجے محمد رسول اللہ کا دین ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور یہ لڑکا علی بن ابی طالب بھی میرا بھتیجا ہے جو اس دین کا پیرو ہے اور یہ عورت محمد بن عبداللہ کی بیوی ہیں۔ عفیف بعد میں مشرف باسلام ہوئے اور یہ کہا کرتے تھے کہ کاش میں چوتھا مسلمان ہوتا۔ (سیرۃ المصطفیٰؐ)

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت طلحہ فرماتے ہیں کہ میں بغرض تجارت بصریٰ گیا ہوا تھا ایک روز بصریٰ کے بازار میں تھا کہ ایک راہب اپنی صومعہ میں سے یہ پکار رہا تھا کہ دریافت کرو کہ ان لوگوں میں کوئی حرم مکہ کا رہنے والا تو نہیں۔ طلحہ نے کہا کہ میں حرم مکہ کا رہنے والا ہوں۔ راہب نے کہا کہ کیا احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور ہوگیا۔ میں نے کہا کون احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) راہب نے کہا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے بیٹے۔ یہ مہینہ ان کے ظہور کا ہے حرم مکہ میں ظاہر ہوں گے ایک پتھریلی اور نخلستانی زمین کی طرف ہجرت کریں گے اور وہ آخری نبی ہیں۔ دیکھو تم پیچھے نہ رہنا راہب کی اس گفتگو سے میرے دل پر خاص اثر ہوا۔ فوراً مکہ واپس آیا اور لوگوں سے دریافت کیا کیا کوئی نئی بات پیش آئی۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ محمد امین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ابن ابی قحافہ یعنی ابوبکر ان کے ساتھ گئے ہیں۔ میں فوراً ابوبکرؓ کے پاس پہنچا۔ ابوبکر مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ حاضر ہو کر میں مشرف باسلام ہوا اور آپ سے راہب کا تمام واقعہ بیان کیا۔ (سیرۃ المصطفیٰؐ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں نے اسلام لانے سے تین شب قبل یہ خواب دیکھا کہ میں ایک شدید ظلمت اور سخت تاریکی میں ہوں تاریکی کی وجہ سے کوئی شئی مجھ کو نظر نہیں آتی اچانک ایک ماہتاب طلوع ہوا اور میں اس کے پیچھے ہولیا دیکھا تو زید بن حارثہ اور علی اور ابوبکرؓ مجھ سے پہلے اس نور کی طرف سبقت کر چکے ہیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی وحدانیت اور اپنے

رسول اللہ ہونے کی شہادت کی طرف تم کو بلاتا ہوں میں نے کہا اشھد ان لاالٰہ اللہ و اشھد محمد رسول اللہ (سیرۃ المصطفیٰ)

حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

سابقین اولین میں سے ہیں چوتھے یا پانچویں مسلمان میں اسلام لانے سے پیشتر یہ خواب دیکھا کہ ایک نہایت وسیع اور گہری آگ کی خندق کے کنارے پر کھڑا ہوں۔ میرا باپ سعید مجھ کو اس کی طرف دھکیلنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ ناگہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور میری کمر پکڑ کر کھینچ لیا۔ خواب سے بیدار ہوا اور قسم کھا کر میں نے یہ کہا واللہ یہ خواب حق ہے۔ ابوبکرؓ کے پاس آیا اور خواب ذکر کیا۔ ابوبکرؓ نے یہ کہا کہ اللہ نے تیرے ساتھ کچھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے یہ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کا اتباع کر اور اسلام کو قبول کر اور انشاء اللہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے گا اور اسلام میں داخل ہوگا اور اسلام ہی تجھ کو آگ میں گرنے سے بچائے گا مگر تیرا باپ آگ میں گرتا نظر آتا ہے۔ پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہم کو کس چیز کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تجھ کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ بتوں کی پرستش کو چھوڑ دو کہ جو نہ نفع اور ضرر کے مالک ہیں اور نہ ان کو یہ علم ہے کہ کس نے ان کی پرستش کی اور کس نے نہیں کی۔

خالد کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور آپ اس کے رسول برحق ہیں اور اسلام میں داخل ہو گیا۔ باپ کو جب میرے اسلام کا علم ہوا تو مجھ کو اس قدر مارا کہ سر زخمی ہو گیا اور ایک چھڑی کو میرے سر پر توڑ ڈالا اور پھر یہ کہا کہ تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع کیا جس نے ساری قوم کے خلاف کیا اور ہمارے معبودوں کو برا اور ہمارے آباؤ اجداد کو احمق اور جاہل بتلاتا ہے۔ خالد کہتے ہیں میں نے اپنے باپ سے کہا۔ واللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالکل سچ فرماتے ہیں۔ باپ کو اور بھی غصہ آ گیا اور مجھ کو سخت سست کہا اور گالیاں دیں اور یہ کہا اے کمینہ تو میرے سامنے سے دور ہو جا۔ واللہ میں تیرا کھانا پینا بند کر دوں گا۔ میں نے کہا اگر تم کھانا بند کرلو گے تو اللہ عزوجل مجھ کو رزق عطا فرمائیں گے۔ اس پر

باپ نے مجھ کو اپنے گھر سے نکال دیا اور اپنے بیٹوں سے کہا کہ کوئی اس سے کلام نہ کرے اور جو اس سے کلام کرے گا اس کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جائے گا۔ خالد اپنے باپ کا در چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر آ پڑے۔ آپ خالد کا بہت اکرام فرماتے تھے۔

خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا باپ ایک بار بیمار ہوا تو یہ کہا کہ اگر اللہ نے مجھ کو اس مرض سے عافیت بخشی تو مکہ میں اس خدا کی عبادت نہ ہونے دوں گا جس کی عبادت کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حکم کرتے ہیں۔ خالد کہتے ہیں کہ میں نے اللہ سے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ میرے باپ کو اس مرض سے اٹھنے کے قابل نہ بنا۔ چنانچہ اسی مرض میں میرا باپ مر گیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ میں ایک بار گھر میں گیا تو اپنی خالہ سعدی کو گھر والوں کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ میری خالہ کہانت بھی کیا کرتی تھیں۔ مجھ کو دیکھتے ہی اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

اے عثمان تجھ کو بشارت ہو اور سلامتی ہو۔ تین بار اور پھر تین بار اور پھر تین بار۔ اور ایک بار تاکہ دس پورے ہو جائیں۔ تو خیر سے ملا اور شر سے محفوظ ہوا۔ خدا کی قسم تو نے ایک نہایت پاکدامن اور حسین عورت سے' نکاح کیا تو خود بھی ناکتخدا ہے اور ناکتخدا سے تیری شادی ہوئی ہے۔ یہ سن کر مجھ کو بہت تعجب ہوا اور میں نے کہا اے خالہ کیا کہتی ہو اس پر سعدی نے اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

اے عثمان اے عثمان تیرے لئے جمال بھی ہے اور تیرے لئے شان بھی ہے۔ یہ نبی ہیں جن کے ساتھ نبوت و رسالت کے براہین اور دلائل بھی ہیں رب الجزاء نے ان کو حق دیکر بھیجا ہے۔ ان پر اللہ کا کلام اترتا ہے جو حق اور باطل میں تمیز کرتا ہے۔ پس تو ان کا اتباع کر کہیں بت تجھ کو گمراہ نہ کر دیں۔

میں نے کہا اے خالہ آپ تو ایسی شئے کا ذکر کرتی ہیں کہ جس کا شہر میں کبھی نام بھی نہیں سنا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس پر سعدی نے یہ کہا:۔

محمد بیٹے عبداللہ کے رسول ہیں اللہ کی طرف سے اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ قول ان کا

سراسر فلاح اور بہبود ہے اور ان کا حال کامیاب ہے ان کے مقابلہ میں کسی کی چیخ وپکار نفع نہ دے گی۔ اگرچہ کتنی ہی تلواریں اور نیزے ان کے مقابلے میں چلائی جائیں۔

یہ کہہ کر اٹھ گئیں مگر ان کا کلام میرے دل پر اثر کر گیا۔ اسی وقت سے غور اور فکر میں پڑ گیا۔ ابوبکرؓ سے میرے تعلقات اور روابط تھے ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ابوبکر نے مجھ کو متفکر دیکھ کر دریافت فرمایا۔ متفکر کیوں ہو میں نے اپنی خالہ سے جو سنا تھا من وعن ابوبکرؓ سے بیان کر دیا۔ اس پر ابوبکرؓ نے کہا اے عثمان ماشاء اللہ تم ہوشیار اور سمجھ دار ہو۔ حق اور باطل کے فرق کو خوب سمجھ سکتے ہو۔ تم جیسے کو حق اور باطل میں اشتباہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بت کیا چیز ہیں جن کی پرستش میں ہماری قوم مبتلا ہے کیا یہ بت اندھے اور بہرے نہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ کسی کو ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں میں نے کہا خدا کی قسم بے شک ایسے ہی ہیں جیسے تم کہتے ہو اس پر ابوبکرؓ نے کہا واللہ تمہاری خالہ نے بالکل سچ کہا یہ محمد بن عبداللہ کے رسول ہیں۔ اللہ نے آپ کو اپنا پیام دے کر تمام مخلوق کی طرف بھیجا ہے تم اگر مناسب سمجھو تو آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر آپ کا کلام سنو یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ حسن اتفاق دیکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گزرتے ہوئے دکھلائی دیئے اور حضرت علیؓ آپؐ کے ہمراہ تھے اور کوئی کپڑا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ ابوبکرؓ آپ کو دیکھ کر اٹھے اور آہستہ سے گوش مبارک میں کچھ عرض کیا آپ تشریف لائے اور بیٹھ گئے اور حضرت عثمانؓ کی طرف متوجہ ہو کر یہ فرمایا کہ اے عثمان اللہ جنت کی دعوت دیتا ہے تو تم اللہ کی دعوت کو قبول کرو اور میں اللہ کا رسول ہوں جو تیری طرف اور تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

خدا کی قسم آپ کا کلام سنتے ہی بے خود اور بے اختیار ہو کر فوراً اسلام لے آیا اور یہ کلمات زبان پر جاری ہو گئے۔ **اشهد ان لا اله الا الله وحده' لاشريک له وان محمداً عبدهٗ ورسوله**

کچھ روز نہ گزرے کہ آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا میرے نکاح میں آئیں اور سب نے اس ازدواج واقتران کو بنظر استحسان دیکھا اور میری خالہ سعدی نے اس بارہ میں اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

اللہ نے اپنے بندے عثمان کو ہدایت دی۔ اور اللہ ہی حق کی ہدایت دیتا ہے۔ پس عثمان نے اپنی صحیح رائے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا اور آخراروی کا بیٹا تھا فکر اور سمجھ سے کام لیا اور حق سے اعراض نہ کیا۔ اروی بنت کریز حضرت عثمان کی والدہ کا نام ہے۔

اور اس پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک صاحبزادی اس کے نکاح میں دی پس یہ التقاء ایسا ہوا جیسے شمس بدر کا افق میں اجتماع ہوا۔ اے ہاشم کے بیٹے محمدؐ بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری جان آپ پر قربان ہو آپ تو اللہ کے امین ہیں۔ مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے ہیں"۔

حضرت عثمان بن مظعون' ابوعبیدہ' عبدالرحمٰن بن عوف ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہم

حضرت عثمان بن عفان کے اسلام لانے کے دوسرے روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان حضرات کو آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔

عثمان بن مظعون' ابوعبیدہ بن الجراح عبدالرحمٰن بن عوف' ابوسلمہ بن عبدالاسد ارقم بن الارقم یہ سب کے سب ایک ہی مجلس میں مشرف باسلام ہوئے۔ یزید بن رومان سے مروی ہے کہ عثمان بن مظعون اور عبیدۃ بن الحارث اور ابوعبیدۃ بن الجراح اور عبدالرحمٰن بن عوف اور ابوسلمہ بن عبدالاسد یہ سب مل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اسلام پیش کیا اور احکام اسلام سے آگاہ اور خبردار کیا۔ بیک وقت سب نے اسلام قبول کیا اور یہ سب حضرات دارارقم میں پناہ گزیں ہونے سے قبل اسلام لائے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

حضرات عمار وصہیب رضی اللہ عنہما

عمار بن یاسر فرماتے ہیں کہ دارارقم کے دروازہ پر صہیب بن سنان سے میری ملاقات ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف فرما تھے میں نے صہیب سے پوچھا کیا ارادہ ہے صہیب نے بھی مجھ سے یہی سوال کیا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے میں نے کہا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ آپ کے پاس حاضر ہوں اور آپ کا کلام سنوں ہم دونوں دارارقم میں داخل ہوئے۔ آپ نے ہم پر اسلام کو پیش کیا ہم اسی وقت مشرف بہ سلام ہو گئے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ

عمرو بن عبسہؓ فرماتے ہیں کہ میں ابتداء ہی سے بت پرستی سے بیزار اور متنفر تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ یہ بت کسی نفع اور ضرر کے اصلاً مالک نہیں محض پتھر ہیں۔ علماء اہل کتاب میں سے ایک عالم سے مل کر یہ دریافت کیا کہ سب سے پہلے افضل اور بہتر کونسا دین ہے اس عالم نے یہ کہا کہ ایک شخص مکہ میں ظاہر ہوگا بت پرستی سے اللہ کی توحید کی طرف بلائے گا سب سے بہتر اور افضل دین لائے گا۔ تم اگر ان کو پاؤ تو ضرور ان کا اتباع کرنا۔ عمرو بن عبسہ فرماتے ہیں اس وقت سے ہر وقت مجھ کو مکہ ہی کا خیال رہتا تھا۔ ہر وارد و صادر سے مکہ کی خبریں دریافت کرتا تھا۔ یہاں تک کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر ملی۔

آپ کی خبر ملنے پر میں مکہ مکرمہ حاضر ہوا اور مخفی طور پر آپ سے ملا اور عرض کیا کہ آپ کون ہیں آپ نے فرمایا میں اللہ کا نبی ہوں۔ میں نے کہا اللہ نے آپ کو بھیجا ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ میں نے کہا اللہ نے آپ کو کیا پیغام دیکر بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ کو ایک مانا جائے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانا جائے بتوں کو توڑا جائے اور صلہ رحمی کی جائے۔ میں نے عرض کیا کہ اس بارہ میں کون آپ کے ساتھ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک آزاد اور ایک غلام یعنی ابوبکرؓ اور بلالؓ میں نے عرض کیا میں بھی آپ کا پیرو اور متبع ہوں آپ کے ہمراہ ہوں گا آپ نے فرمایا اس وقت تو اپنے وطن لوٹ جاؤ جب میرے غلبہ کا علم ہو اس وقت آ جانا عمرو بن عبسہؓ فرماتے ہیں میں مسلمان ہو کر وطن واپس ہو گیا اور آپ کی خبریں دریافت کرتا رہا۔ جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے مجھ کو پہچانا بھی۔ آپ نے فرمایا ہاں تم وہی ہو جو مکہ میں میرے پاس آئے تھے میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہی ہوں مجھ کو کچھ تعلیم دیجئے۔ الیٰ آخر الحدیث' پوری حدیث مسند احمد میں مذکور ہے اور یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی مذکور ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوذر غفاری کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی بعثت کی خبر پہنچی تو اپنے بھائی انیس سے کہا کہ مکہ جاؤ اس شخص کی خبر لے کر آ ؤ جو دعویٰ کرتا ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں۔ اور آسمان سے مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے اس کا کلام بھی سنو۔ ابوذر کی ہدایت کے مطابق انیس مکہ آئے اور آپ سے مل کر واپس ہوئے۔ ابوذر نے دریافت کیا کیا خبر لائے انیس نے کہا کہ جب میں مکہ پہنچا تو کوئی آپ کو کاذب وساحر کہتا تھا کوئی کاہن وشاعر۔ واللہ وہ نہ شاعر ہے نہ کاہن۔ انیس خود بھی بہت بڑے شاعر تھے۔ اس لئے فرماتے ہیں میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے۔ ان کا کلام کاہنوں کے کلام سے مشابہ نہیں ان کے کلام کو اوزان شعر پر رکھ کر دیکھا شعر بھی نہیں۔ **واللہ انہ لصادق** خدا کی قسم وہ بالکل صادق ہے اور یہ بھی کہا۔

اس شخص کو میں نے صرف خیر اور بھلائی کا حکم کرتے ہوئے اور شر اور برائی سے منع کرتے ہوئے دیکھا اور عمدہ اور پاکیزہ اخلاق کا حکم کرتے دیکھا۔ اور ان سے ایک کلام سنا جس کو شعر سے کوئی تعلق نہیں۔

ابوذر نے سن کر یہ کہا کہ دل کو پوری شفا نہیں ہوئی۔ غالبًا ابوذر آپ کے حالات اور واقعات تفصیل کے ساتھ سننا چاہتے تھے۔ اتنا اجمال ان کے لئے کافی اور شافی نہ ہوا۔ اس لئے ابوذر خود کچھ توشہ اور مشکیزہ لے کر مکہ روانہ ہوئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے توسط سے بارگاہ رسالت میں پہنچے اور آپ کا کلام سنا اسی وقت اسلام لائے اور حرم میں پہنچ کر اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ کفار نے اتنا مارا کہ زمین پر لٹا دیا۔ حضرت عباس نے آ کر بچایا۔ آپ نے فرمایا اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کو بھی اس سے آگاہ کرو۔ جب ہمارے ظہور اور غلبہ کی خبر سنو تب آنا۔ ابوذرؓ واپس ہوئے دونوں بھائیوں نے مل کر والدہ کو اسلام کی دعوت دی والدہ نے نہایت خوشی سے اس دعوت کو قبول کیا۔ بعد ازاں قبیلہ غفار کو دعوت دی نصف قبیلہ اسی وقت مشرف باسلام ہوا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

دعوت وارشاد کا پہلا دفتر اور نصابؐ

جب اسی طرح رفتہ رفتہ لوگ اسلام میں داخل ہوتے رہے مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت ہوگئی تو حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان جمع ہونے کے لئے تجویز ہوا کہ وہاں سب جمع ہوا کریں۔ حضرت ارقمؓ سابقین اولین میں سے ہیں۔ ساتویں یا دسویں مسلمان ہیں کوہ صفا پر آپ کا مکان تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام وہیں جمع ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لے آنے کے بعد جہاں چاہتے جمع ہوتے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

رشد و ہدایت کا نصاب

قرآن پاک کی وہ سورتیں جو ابتداء میں نازل ہوئیں انہیں کو نصاب کہا جاسکتا ہے۔ ان سورتوں میں عقائد و نظریات کی بھی تعلیم دی گئی ہے اور طریقہ تربیت بھی بتلایا گیا ہے۔
باقی ۲۳ سالہ زندگی میں ان کی ہی تشریح اور توضیح ہوتی رہی۔ ترمیم کسی ایک میں بھی نہیں ہوئی بنیادی تعلیمات درج ہیں۔

❑ پوری کائنات کا ایک خالق ہے جس کی سب سے نمایاں صفت یہ ہے کہ وہ رب العالمین اور ارحم الراحمین ہے۔ (یعنی مخلوقات کے جس قدر طبقات اور درجات کائنات عالم میں ہیں وہ ان کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے۔ اس نے ہر مخلوق کی ایک فطرت بنائی اور اس فطرت کے بموجب نشو ونما' بقاء و تحفظ' تدریجی ترقی اور درجہ کمال تک پہنچنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت تھی اس کی رحمت نے ان کو مہیا کیا اور برابر مہیا کرتی رہتی ہے) تمام جہانوں کا رب اور سب پر رحم کرنے والا وہی ہے۔ تمام کمالات اسی کو حاصل ہیں۔ تمام تعریفوں کا وہی مستحق ہے۔

❑ مشرق ومغرب کا رب وہی ہے وہی معبود ہے۔ اس کے سواء اور کوئی پرستش کے قابل نہیں ہے۔

❑ اس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ اس کو دولت علم سے نوازا اور ترقی کے راستہ پر لگایا۔

❑ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ قلم اور لکھنے پڑھنے کے ذریعہ تعلیم کا طریقہ اسی نے بتایا۔ وہ اس ذریعہ کے بغیر بھی جس کو چاہے عالم وفاضل اور سرتاج فضلاء بنا سکتا ہے۔

❑ وہ ایک ہے، یکتا ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں، سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس کے اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

❑ انسان کا ہر ایک عمل اچھا ہو یا برا ایک حقیقت ہے۔ ہر ایک عمل اپنا اثر رکھتا ہے انسان اپنے اعمال کے جال میں اس طرح پھنس جاتا ہے جیسے کوئی قیدی۔

❑ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا۔ کسی پر دوسرے کا گناہ نہیں ڈالا جا سکتا ہر شخص اپنا اور اپنے فعل کا ذمہ دار ہے انسان کو صرف وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا انسان جو کچھ کماتا ہے وہ اس کے سامنے آئے گا۔

❑ ایک خاص دن ہو گا جس میں انسان کے تمام اعمال کا حساب اور ہر معاملہ کا انصاف ہو گا۔

❑ خدا کی مخلوق صرف وہی نہیں ہے جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مخلوق ہے ایک خاص مخلوق وہ ہے جس کو فرشتہ کہا جاتا ہے ان کی تعداد کا علم صرف ان کے خالق ''اللہ رب العالمین ہی کو ہے''۔ وہ خدا کے حکم کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ ان کی زندگی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور خدا کی حمد وثنا کرتے رہتے ہیں۔ وہ خدا کے حکم سے انسانوں پر خدا کی نعمتیں بھی نازل کرتے ہیں اور خدا کے حکم سے خدا کا قہر بھی بندوں پر اتارتے ہیں۔

❑ اللہ تعالیٰ انسانوں کی صحیح رہنمائی کے لئے نبی اور رسول بھیجتا ہے۔ نبی اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا، صرف وہ کہتا ہے جو خدا اس کو بتاتا ہے۔

❑ علم اور یقینی بات وہی ہے جو اللہ کے بتانے سے رسول بتاتا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ انسان کے پاس ہے وہ ظن ہے (تخمینی اور اٹکل کی باتیں ہیں جو علم و یقین کا مقابلہ نہیں کر سکتیں)

❑ تزکیۂ نفس اور دل کو پاک کرنے اور روحانیت کو ترقی دینے کی صورتیں یہ ہیں۔

اللہ کو یاد کرو، دن کو یاد کرو، رات کو جاگ کر خدا کی یاد کرو، نمازیں پڑھو، زکوٰۃ ادا کرو (جو ایک لازمی فریضہ ہے اور زکوٰۃ کے علاوہ) اللہ کو قرض دو (ملی اور قومی کاموں میں خرچ کرو وہ اللہ تعالیٰ پر قرض ہوگا، کوئی نیک عمل ضائع نہیں کیا جائیگا۔ جو نیکی کرو گے خدا کے یہاں اس سے بہتر اور بہت بڑھا ہوا پاؤ گے۔ جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہوتی رہیں اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی اور مغفرت چاہتے رہو۔

❑ دولت کو اللہ کا انعام سمجھو۔ ہر ایک غرض سے بلند ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تعمیل اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہر ایک ضرورت مند کی مدد کرو اور اس سے کہہ دو کہ ہم کوئی بدلہ نہیں چاہتے۔ صرف اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔

❑ روحانیت کی پاکی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جسم کو پاک رکھو، لباس پاک رکھو ہر ایک پلیدی کو (ظاہری ہو یا باطنی) دور کرو۔

❑ عذاب کے کام ق (جن سے انسان کی ابدی زندگی برباد ہوتی ہے اور دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے) یہ ہیں۔

نماز نہ پڑھنا، غریبوں کی امداد نہ کرنا، بیکار باتوں (اور خدا سے غافل کرنے والے کاموں) میں منہمک رہنا۔ عذاب و ثواب یعنی پاداش عمل پر یقین نہ رکھنا؎ کسی کے ساتھ اچھا سلوک کر کے اس پر احسان جتانا۔

ایسی صورتیں اختیار کرنا کہ دولت اپنے پاس جمع رہے اور غریبوں اور ضرورتمندوں کی امداد نہ ہو۔

اچھے آدمی جن کے نقش قدم پر چلنا چاہئے وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام سے نوازا یعنی (الف) خدا کے برگزیدہ نبی۔

جو ایسے پاک فطرت ہوتے ہیں کہ ہمیشہ گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

(ب) صدیق:۔ جو اپنے قول و فعل میں نہایت سچے، جن کا ضمیر سچا، جن کے ہر فعل میں

سچائی اور صداقت۔ یہاں تک کہ وہ سچائی کا پیکر اور صداقت کی تصویر ہوتے ہیں۔

(ج) شہید:۔ جو حق و صداقت کے راستہ میں ہر ایک قربانی کے لئے تیار رہتے ہیں جن کا جذبہ یہی ہوتا ہے کہ راہ حق میں قربان ہوں اس کے علاوہ اور اپنے تمام جذبات قربان کر دیتے ہیں یہاں تک کہ اپنے آپ کو بھی قربان کر دیتے ہیں۔

(د) صالح:۔ نیک کردار' پاکباز' پاک طینت' جو اچھے کاموں کی بہترین صلاحیت رکھتے ہیں اور اس صلاحیت کو عمل میں لاتے رہتے ہیں۔

❑ مومن صالح اور سچا مسلمان وہ ہے جو راتوں کو جاگ جاگ کر خدا کو یاد کرے۔ دن کے کاموں کو خوبی سے انجام دے اور دل میں یاد خدا رکھے۔ اسی سے اس کا دل لگا رہے۔ اسی پر بھروسہ رکھے۔ نمازیں پڑھے۔ زکوٰۃ ادا کرے قومی اور ملی کاموں کے لئے دولت خرچ کرتا رہے۔ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگتا رہے۔ مخالفین کی باتوں کو ضبط و تحمل سے برداشت کرے۔ برداشت سے باہر ہو جائیں تو خوش اسلوبی سنجیدگی اور نرمی کے ساتھ ان سے الگ ہو جائے۔ جو قول و قرار کے پکے ہوں' جو منت مان لیں یا عہد کر لیں اس کو پورا کریں۔ جو بلالحاظ مذہب و فرقہ مسکینوں' یتیموں اور قیدیوں کی امداد کو اپنا فرض سمجھیں۔ اپنی ضرورتیں پیچھے ڈالیں ان کی ضرورتیں پوری کریں۔ خدا کی خوشنودی ان کا نصب العین ہو۔ جو کچھ کریں خدا کے لئے ہی کریں۔ کسی انسان سے کوئی معاوضہ گوارا نہ کریں۔ یہاں تک کہ یہ بھی نہ چاہیں کہ کوئی انسان ان کا کسی طرح شکریہ ادا کرے۔ خوف خدا' خدا کی عظمت اور اپنے انجام کی فکر ان کے دل و دماغ پر چھائی رہے۔ جو کچھ کریں اسی لئے کریں۔

بدترین انسان وہ ہیں

جو حکومت اور اپنے اقتدار پر گھمنڈ کریں جن کو اپنی شاہنشاہیت پر ناز ہو (جیسے فرعون)
جو اپنی دولت کے نشہ میں صداقت سے منہ موڑیں۔ حقائق کو جھٹلائیں۔

جن کو اپنی دولت پر اپنی اولاد پر اپنے مادی ذرائع و وسائل پر ناز ہو۔ انہیں کی بڑھوتی کی ادھیڑ بن میں رات دن لگے رہیں۔ ذخیرہ اندوزی کے حریص ہوں۔ حق کے مقابلہ میں اکڑ جائیں سچائی کی توہین کریں۔ عبرت کی آنکھیں بند رکھیں۔

جو خدا کو بھول جائیں ۔ خدا کی مخلوق کو بھول جائیں۔ جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسمیں کھانے سے نہ شرمائیں، بلکہ اس کو ہوشیاری اور فن کاری سمجھیں۔ کسی کو چڑھائیں کسی کو اتاریں لگی بجھی کرتے رہیں۔ چغلیاں کریں۔ نہ ان کی نظر میں شرافت اور اخلاق کی قدر ہو نہ عصمت اور پاکدامنی کی جن کی کوشش یہ ہو کہ غریبوں کا حق دبائیں اور اپنا سرمایہ بڑھائیں۔

آپ کسی بہترین شاعر کا تصور کیجئے جس کے اشعار میں فصاحت و بلاغت کی تمام خوبیوں کے ساتھ ایسا درد بھی ہو جو سننے والوں کو خواہ مخواہ متاثر کر دے۔ مذکورہ بالا مضامین اگر ایسے شیریں اور رقت انگیز کلام میں سمو دیئے جائیں اور وہ لوگ جو اپنی زندگی خاص سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں دن رات اس کلام کا ورد رکھیں تو ان کی زندگی کیسی ہو جائے گی اور اس کا ردعمل ان پر کیا ہوگا۔ جن پر اس کلام کی زد پڑتی ہے یعنی جن کے مفادات کو ٹھیس پہنچتی ہے یا اندیشہ ہے کہ ٹھیس پہنچے گی۔

قرآن حکیم منظوم نہیں ہے۔ نہ اس میں اول سے آخر تک کوئی شعر ہے۔ مگر یہ اس کا تسلیم شدہ معجزہ ہے کہ اس کی شیرینی، لطافت، فصاحت و بلاغت، شعر سے کہیں زیادہ رقت انگیز اور انقلاب آفرین ہے۔ عرب خصوصاً قریش اپنی زبان کے عاشق تھے۔ جتنا بڑا ادیب ہوتا تھا اتنا ہی زیادہ ادیبانہ کلام سے متاثر ہوا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض شعراء کے منتخب اشعار کو دیوتا کا درجہ دیا جاتا تھا۔ اور ان کے سامنے سجدہ کیا جاتا تھا۔ یہ ادیب قرآن پاک سے بھی اتنے ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ متاثر ہوا کرتے تھے۔ یہاں تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ جو سورتیں نبوت کے آغاز میں نازل ہوئیں ان میں ان مضامین کو ایسے انداز سے مرصع کیا گیا ہے کہ سننے والے اگر اپنی ضمیر کی آواز پر عمل کرتے تو ان مقاصد کے لئے اپنی زندگی تج دینے کے لئے بے تاب ہو جاتے تھے۔ یہ سورتیں اس دور کا تعلیمی نصاب تھیں۔ نمازوں میں پڑھی جاتی تھیں۔ ان کے ایک ایک اشارہ پر عمل کیا جاتا اور ایک ایک لفظ کو بحث اور غور و فکر کا موضوع بنایا جاتا تھا۔ (محمد رسول اللہ)

تربیت کا طریقہ

- رات کو اٹھو، جاگو آدھی رات یا آدھی رات کے قریب یاد خدا میں کھڑے ہو کر گزارو۔

- قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر اطمینان سے پڑھو۔

تبلیغ خصوصاً فرائض نبوت کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ ریاضت ومجاہدہ یعنی محنت کرنے اور مشکلات کو برداشت کرنے کی عادت ہو۔ ضمیر پاک ہواس کی تمام صلاحیتیں بیدار ہوں۔ جو بات نکلے دل سے نکلے۔ ہر ایک بات نہایت ٹھیک اور سنجیدہ ہو۔ شب بیداری سے یہ خصلتیں پیدا ہوتی ہیں اور ترقی کرتی ہیں کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ رات کو اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور ہر بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔ (لہذا شب بیداری کرو تا کہ یہ خصلتیں پیدا ہوں کیونکہ) ہم عنقریب ڈالیں گے تم پر بھاری کلام

- پورے دن کو زیادہ سے زیادہ مصروف رکھو۔
- اپنے رب کے نام کا ذکر جاری رکھو۔
- اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو جاؤ۔
- خدا کو اپنا وکیل اور ذمہ دار بنالو اسی پر بھروسہ رکھو۔
- اس عقیدہ کو اپنے اوپر حاوی کرلو کہ مشرق ومغرب (اور تمام عالم) کا رب وہی ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں جو معبود اور الٰہ ہو۔
- جو کچھ وہ (مخالفین) کہتے ہیں اس پر ضبط وتحمل سے کام لو۔ زیادہ سے زیادہ برداشت کی عادت ڈال لو۔
- دنیاداروں سے کنارہ کرو (مگر خوبصورتی کے ساتھ۔ (یہ کنارہ کشی ایسی ہو کہ اپنے اندر جمال رکھتی ہو۔ نفرت نہ ہو بلکہ ایسی ہو جیسے طبیب، بیمار کی بیماری سے اپنا بچاؤ کرتا ہے مگر اس طرح کہ اس بچاؤ میں بھی دلداری ہوتی ہے) مرض کا علاج کرتا ہے، مریض کا دل نہیں توڑتا۔ (محمد رسول اللہ ؐ)

باب ۳

اعلانیہ دعوت

سرداروں کا ردِ عمل

پروپیگنڈہ .... ایذا رسانی

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تحمل واستقلال

اِعلانیہ دعوت

تین سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخفی طور پر اسلام کی دعوت دیتے رہے اور اسی طرح لوگ آہستہ آہستہ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ تین سال کے بعد یہ حکم نازل ہوا کہ علی الاعلان اسلام کی طرف بلائیں۔

فاصدع بماتؤمروا عرض عن المشرکین

جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کا صاف صاف اعلان کر دیجئے اور مشرکین کی پروانہ کیجئے۔

وانذرعشیرتک الاقربین واخفض جناحک

اور سب سے پہلے اپنے قریشی رشتہ داروں کو کفر اور شرک سے ڈرایئے۔

لمن اتبعک من المؤمنین

اور جو ایمان لاکر آپ کا اتباع کرے اس کے ساتھ نرمی اور شفقت کا معاملہ فرمایئے۔

وقل انی انا النذیر المبین

اور آپ یہ اعلان کر دیجئے کہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

سب سے پہلے اپنا خاندان

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جب حکم ہوا "قم فانذر" اٹھو اور لوگوں کو آگاہ کرو (کہ ان کے موجودہ عمل اور کردار کا مستقبل کیا ہوگا) تو آپ نے انذار اور تبلیغ کا سلسلہ اپنے خاندان سے شروع کیا۔ خدا کا حکم بھی یہی تھا۔

آپ نے کھانے کا انتظام کیا اور ان رشتہ داروں کو دعوت دی جو آپ کے پڑدادا (دوسری پشت کے دادا) ہاشم کی اولاد تھے۔ ان میں وہ بھی تھا جس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ اور

ابولہب کی کنیت سے مشہور تھا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کا سب سے بڑا بھائی تھا۔ عمر' سرمایہ اور دولت کے لحاظ سے خاندان میں سب سے اونچا تھا۔ عبدالعزیٰ سمیت تقریباً چالیس آدمی اس دعوت میں آئے۔ کھانا کھایا۔ پھر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کچھ فرمانا شروع کیا۔ ابھی آپ نے بات پوری بھی نہیں کی تھی کہ عبدالعزیٰ نے پکار کر کہا۔ یہ جادو بہت ہی عجیب ہے جو تمہارے دوست نے تم پر کیا ہے۔ جادو کا نام سن کر کون ٹھہر سکتا تھا۔ مجمع منتشر ہو گیا۔

ابولہب کی یہ حرکت بہت ہی ہمت شکن تھی مگر اس کے مقابلہ پر تھی جس کی ہمت نے ٹوٹنا نہیں سیکھا تھا۔ وہ نئے حوصلہ سے اٹھا۔ کچھ وقفہ کے بعد دوبارہ دعوت کی اور اس مرتبہ حلقہ وسیع کر دیا۔ پہلے ہاشم کی اولاد کو دعوت دی تھی اس مرتبہ ہاشم کے والد' عبدمناف کی اولاد کو دعوت دی اور ابولہب کی پہلی حرکت کا ردعمل یہ ہوا کہ سب ہی آ گئے اور آخر تک جمے رہے۔

آپ نے بھی اپنی بات پوری فرما دی۔ آپ نے فرمایا

میں وہ پیغام پہنچا رہا ہوں کہ عرب کے کسی جواں ہمت نے یہ پیغام نہیں پہنچایا تھا۔ یہ دنیا اور آخرت کی کامیابی کا پیغام ہے۔ اُمت عرب اس پیغام سے دنیا میں بھی سر بلند ہو گی اور آخرت کی کامیابیاں بھی اس کو نصیب ہوں گی۔ یہ پیغام عمل کا پیغام ہے انسان کا عمل ہی اس کو کامیاب کر سکتا ہے۔ ایک کا عمل دوسرے کو کامیاب نہیں کر سکتا۔

اے معشر قریش۔ اپنے آپ کو جس درجہ پر رکھنا چاہتے ہو تو اس کی قیمت خود ادا کرو۔ عذاب الٰہی سے بچنا چاہتے ہو تو نجات کا سودا تم خود کرو۔

اے آل عبدمناف خدا کے مقابلہ پر میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ جب تک تم خود عمل نہ کرو میں تمہیں قانون قدرت کی گرفت سے نجات نہیں دلا سکتا۔

اے عباس بن عبدالمطلب۔ خدا کے مقابلہ پر میں تمہارے کام نہیں آ سکتا۔ اے رسول خدا کی پھوپھی "صفیہ" میں اللہ کی گرفت سے تمہیں نہیں بچا سکتا۔ اے رسول کی بیٹی فاطمہ۔ میرے مال میں سے جو کچھ مانگنا چاہو مانگو میں دوں گا مگر خدا سے بے نیاز ہو کر میں تمہارے

کچھ کام نہیں آ سکتا۔ اللہ کے مقابلہ پر میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

تقریر بے حد موثر اور بلیغ تھی۔ سننے والوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ مگر دلوں کا پرانا مرض آسانی سے نکلنے والا نہیں تھا۔ یہاں بھی۔ عبدالعزیٰ ابولہب نے اپنی عمر کی بڑائی اور رشتہ کی برتری سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔

عجیب بات یہ تھی کہ اس مجمع میں سب سے زیادہ سن رسیدہ ابولہب تھا اور سب سے چھوٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ جن کی عمر تقریباً بارہ سال تھی۔ بیمار اور کمزور بھی تھے۔ پیٹ بڑھا ہوا آنکھیں آئی ہوئیں۔ پنڈلیاں پتلی پتلی۔ کھڑا ہونا مشکل تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر کے بعد مجمع کی طرف سے جواب کا انتظار کیا تو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ (طفل بیمار) نے آپ کی تصدیق کی اور حمایت کا وعدہ کیا۔ آپ نے ان کی حوصلہ افزائی کے الفاظ کہے۔ ابولہب کو موقع مل گیا۔ اس نے طنز کرتے ہوئے قہقہہ لگایا۔ مجمع کا رخ بدل گیا۔ پھر منتشر ہو گیا۔ (محمد رسول اللہؐ)

فاران کی ایک پہاڑی کا نام ''صفا'' ہے۔ اس پہاڑی کا وجود اب بھی باقی ہے۔ کعبہ شریف سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلہ پر ہے۔ اب یہ پہاڑی شہر مکہ کی سطح کے برابر ہو گئی ہے مگر اس زمانہ میں یہ بلند تھی۔ خانہ کعبہ کا حرم (میدان) اس کے دامن میں تھا۔ عام طور پر قریش کی یہاں نشست رہتی تھی۔ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس پہاڑی پر چڑھے اور قبائل قریش کو نام بنام پکارا۔ یا بنی فہر، یا بنی عدی وغیرہ وغیرہ۔

محمد:۔ وہی محمد جن کا اثر واحترام یہ تھا اور قریش کے عوام وخواص اس درجہ گرویدہ تھے کہ آپ کو ''الصادق'' اور ''الامین'' کہہ کر خوش ہوا کرتے تھے انہیں الصادق اور الامین کی آواز کانوں میں پڑی تو لوگ پہاڑی کے دامن میں آ کر جمع ہو گئے اور جو نہیں آ سکتے تھے انہوں نے اپنا کوئی آدمی بھیج دیا۔

سب پہنچ گئے تو آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

اگر میں یہ بتاؤں کہ یہ وادی جو اس پہاڑ کی آڑ میں ہے یہاں دشمن کی فوج پہنچ گئی ہے

اور وہ عنقریب تم پر حملہ کرنے والی ہے تو کیا آپ صاحبان میری بات سچ مانیں گے۔

سب نے جواب دیا بیشک آپ کے متعلق ہمارا تجربہ یہی ہے کہ آپ سچ ہی بولتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عذاب خداوندی کا لشکر آنے والا ہے۔ اس سے پہلے کہ عذاب کا یہ لشکر آئے میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں۔

آپؐ نے اسی موضوع پر تقریر فرمائی۔ بہت ممکن تھا کہ لوگ اثر لیتے مگر خاندان ہاشم کا وہی عمر رسیدہ (عبدالعزیٰ ابولہب) بھڑکتا ہوا اٹھا اور یہ کہتا ہوا چل دیا۔

''محمد تیرے ہاتھ ٹوٹیں۔ کیا اس لئے ہمیں یہاں جمع کیا ہے''

خاندان کا بڑا پورے خاندان کا سرپرست اور مربی مانا جاتا ہے اور قاعدہ عرب کے مطابق وہ ولی یعنی جواب دہ اور ذمہ دار بھی ہوا کرتا تھا چھوٹوں کے حق میں اس کی بات مانی جاتی تھی۔ ابولہب کو یہ ولایت اور سرپرستی حاصل تھی کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کا بڑا بھائی تھا۔ اس کے علاوہ مکہ کا بااثر دولت مند تھا۔ مجمع نے جب اتنے بڑے آدمی کو خفا ہو کر جاتے ہوئے (واک آؤٹ کرتے ہوئے) دیکھا تو مجمع بھی چل دیا۔ لیکن ذہنوں میں ایک سوال گھر کر چکا تھا (داعی حق کی یہی کامیابی تھی) (محمد رسول اللہؐ)

سردارانِ قریش کی برہمی کے اسباب

کوہ صفا سے جس نے پکارا وہ وہی ''محمد'' تھا۔ جس کا نام لینا لوگ بے ادبی سمجھتے تھے۔ جس کو ''الصادق''..... ''الامین'' کہا کرتے تھے۔ جس سے دعائیں کرایا کرتے تھے۔ برکتیں حاصل کیا کرتے تھے۔ جس نے کچھ عرصہ پہلے اس خوفناک ہنگامہ کو نہایت خوبصورتی سے ختم کیا تھا جو تعمیر کعبہ کے وقت حجر اسود کے سلسلہ میں سر اٹھا چکا تھا۔

کوہ صفا کی مختصر تقریر میں جن خرابیوں کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ان کا احساس خود قریش کو بھی تھا۔ انہی کمزوریوں اور خرابیوں کی اصلاح کے لئے چند سال پہلے وہ انجمن بنائی تھی اور وہ عہد نامہ طے کیا تھا جو حلف الفضول کے نام سے مشہور تھا۔

یہ ''ابولہب'' جو اس وقت سب سے پہلے مشتعل ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی عم بزرگ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر اتنا خوش ہوا تھا کہ اپنی باندی ثویبہ کو فوراً آزاد کر دیا۔ اسی ثویبہ نے سب سے پہلے اس نونہال محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دودھ پلایا تھا۔ پھر یہ خفگی اتنی برافروختگی اور بوکھلاہٹ کیوں؟

اس کا سبب وہ انقلاب تھا جس کی تصویر اس مختصر جماعت کے آئینہ کردار میں ان کو نظر آ رہی تھی جو اس چند سال کے عرصہ میں (جو تربیت کیلئے مخصوص تھا) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں تربیت پا کر تاریخ عالم کے پلیٹ فارم پر جلوہ گر ہو چکی تھی جو ایک طرف شرک و الحاد کے مقابلہ میں توحید، فسق و فجور کے مقابلہ میں مکارم اخلاق، حیوانیت اور بہیمیت کے مقابلہ میں انسانیت اور شرافت کی علمبردار تھی۔ تو دوسری جانب راتوں کو اٹھ اٹھ کر کلام الٰہی کی وہ آیتیں بھی گنگنایا کرتی تھی جو مفاد پرست، دولت و ثروت اور ظالمانہ سرمایہ داری کے خلاف گرج رہی تھیں۔ جس کا کردار یہ تھا کہ اپنی دولت کو راہ خدا میں لٹا کر ان

آیتوں کے مفہوم و مقصود کا وہ نقشہ پیش کر رہی تھی جو ان دولت پرستوں کے لئے بہت ہی وحشت ناک تھا۔ جھنجھلاہٹ اور اشتعال کا باعث یہ بھی تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو سمجھانے کی جتنی کوششیں کیں وہ ناکام ہو چکی تھیں۔

ابولہب جیسا سرمایہ پرست جو خزانہ کعبہ کے غزالہ زریں پر بھی ہاتھ مار دے عاص بن وائل جیسا ذخیرہ اندوز جو مزدور کی مزدوری برسوں تک ٹلاتا رہے۔ ولید بن مغیرہ جیسا حریص جو سب سے بڑا دولتمند ہونے پر بھی صبر نہ کرے اور اس کی طمع اور لالچ کا جہنم ''ھل من مزید'' پکارتا رہے عتبہ بن ربیعہ اور مسعود ثقفی جیسے جاگیردار جن کی زندگی کا نصب العین ہی جاگیرداری اور زراندوزی ہو۔ ابوجہل اور عقبہ بن ابی معیط جیسے باغی اور طاغی بڑے بڑے کاروبار کے مالک جو مکہ اور مکہ سے گزر کر پورے عرب پر چھائے ہوئے ہوں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ابتدائی دور میں اسلام سے مشرف ہو گئے تھے۔ آپ کی مشہور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیوار کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ میں سامنے پہنچا تو آپ فرما رہے تھے۔ **ھم الاخسرون و رب الکعبۃ یوم القیامۃ**' رب کعبہ کی قسم قیامت کے روز یہی لوگ خسارہ میں ہوں گے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے یہ الفاظ سنے تو میں چونک گیا۔ مجھے خیال ہوا کہ کہیں میرے بارہ میں بھی کوئی آیت نازل ہوئی ہے؟ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان۔ یہ بدنصیب کون ہیں؟

فرمایا جو سب سے زیادہ دولت مند ہیں۔ صرف وہ مستثنیٰ ہیں جو آگے پیچھے دائیں بائیں سب طرف خرچ کرتے رہیں۔

سورۂ ھمزہ میں انہی جیسوں کے لئے فرمایا گیا ہے۔

''جہنم کی ہلاکت اور بربادی ہر ایسے شخص کے لئے جو دوسروں کے عیب نکالے اور ان کو نظر حقارت سے دیکھتے ہوئے طعنے دے۔ جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے مال بٹور رکھا ہے اور اس کو بار بار گنتا رہتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا (اس کی سرمایہ داری پائیدار ہوگی) ہرگز نہیں' بلا شبہ ایسا ہوگا کہ اس کو حطمہ میں ڈال دیا جائے گا۔ تم

جانتے ہو حطمہ کیا ہے۔ وہ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں کو جھانک لیتی ہے۔ بلند اور دراز ستونوں کی طرح اس آگ کے شعلے ہوں گے ان لوگوں کو ان آتشیں ستونوں میں گھیر کر بند کر دیا جائے گا۔ (سورۂ ھمزہ ۱۰۴)

سورۂ ھمزہ کو بار بار پڑھئے آپ کو سرمایہ داروں کے اس غیر معمولی اشتعال کا سبب معلوم ہو جائے گا۔ (محمد رسول اللہؐ)

دعوت حق کے دو بنیادی رکن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علی الاعلان کفر و شرک کی ممانعت اور بتوں اور بت پرستوں کی مذمت اور اعداء اللہ کی باوجود شدید عداوت اور مخالفت کے آپ کی اور آپ کے صحابہ کرام کی استقامت اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام کے لئے فقط تصدیق قلبی یا لسانی کافی نہیں بلکہ کفر اور کافری اور خصائص شرک اور لوازم سے تبری اور بیزاری بھی لازمی اور ضروری ہے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح اہل ایمان کے لئے حق وجل علا اور اس کے رسول مصطفیٰ اور نبی مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اطاعت کا اعلان ضروری ہے اسی طرح خدا کے دشمنوں سے بغض اور عداوت کا اعلان بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ آپ نے ۹ ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خاص اس لئے روانہ فرمایا کہ موسم حج میں براءت کا اعلان فرمائیں جس کے لئے سورۂ براءت کی آیتیں نازل ہوئی تھیں اور حدیث میں ہے۔ **من احب للہ و ابغض للہ فقد استکمل الایمان** جس نے اللہ کے لئے محبت کی اور اللہ کے لئے بغض رکھا اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔ اللہ کی محبت اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتی ہے جب تک اللہ کے دشمنوں سے بغض اور عداوت کامل نہ ہو۔ قلب میں جس قدر خدا کے دشمنوں کے لئے گنجائش ہے اسی قدر قلب اللہ کی محبت سے خالی ہے۔ **ماجعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ** اللہ نے کسی کیلئے دو دل نہیں بنائے۔ لہٰذا ایک قلب میں تو متضاد چیزیں کیسے سما سکتی ہیں۔ مؤمن کامل تو وہی ہے کہ ایک خدا کی رضا اور خوشنودی کے مقابلہ میں سارے عالم کی ناراضگی کی ذرہ برابر پرواہ نہ رکھتا ہو۔

حضرات انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوٰت اللہ کی یہ سنت ہے کہ جس طرح وہ خداوند

ذوالملک والملکوت کے ایمان و تصدیق کی دعوت دیتے ہیں اسی طرح کفر اور شرک اور طاغوت کی تکذیب اور انکار کا بھی حکم دیتے ہیں۔ (سیرت المصطفیٰ)

ابولہب کی عداوت اور ابوطالب کی حمایت

ابولہب اگرچہ رشتہ میں آپ کا چچا تھا لیکن جس طرح تصدیق اور جاں نثاری اور صداقت و محبت میں ابوبکر صدیقؓ سب سے اول رہے اسی طرح تکذیب اور ایذاء اور استہزاء بغض اور عداوت میں ابولہب سب سے اول رہا۔ سخط اللہ علیہ۔ اسی عداوت میں آپ کی صاحبزادیوں کو یعنی حضرت رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو قبل از بعثت عتبہ اور عتیبہ سے منسوب تھیں اپنے بیٹوں سے طلاق دلائی تا کہ آپ کو ان کے طلاق دیئے جانے سے صدمہ ہو۔ مگر حقیقت میں یہ اللہ کی عظیم الشان رحمت تھی بعد میں دونوں صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں اور حضرت عثمان ذی النورین کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار حضرات انبیاء و مرسلین صلوٰت اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کے صحابہؓ کرام میں سے صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ایسے صحابی ہیں کہ جن کی زوجیت میں یکے بعد دیگرے پیغمبر کی دو صاحبزادیاں آئیں اور ذی النورین کہلائے۔

جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو صرف اسلام کی دعوت دیتے رہے اس وقت تک قریش نے آپ سے کوئی تعرض نہیں کیا لیکن جب علی الاعلان اور بت پرستوں کی برائیاں بیان کرنا شروع کیں اور کفر اور شرک سے روکنا شروع کیا۔ تب قریش عداوت اور مخالفت پر آمادہ ہوئے مگر ابوطالب آپ کے حامی اور مددگار رہے۔ ایک مرتبہ قریش کے چند آدمی جمع ہو کر ابوطالب کے پاس آئے کہ تمہارا بھتیجا ہمارے بتوں کی برائیاں کرتا ہے اور ہمارے دین کو برا اور ہم کو احمق اور نادان اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ بتلاتا ہے آپ یا تو ان کو منع کر دیں یا ہمارے اور ان کے درمیان میں نہ پڑیں۔ ہم خود سمجھ لیں گے۔ ابوطالب نے ان کو خوش اسلوبی اور نرمی سے ٹلا دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح توحید کی دعوت اور کفر اور شرک کی مذمت میں مشغول رہے۔ ابولہب اور اس کے ہم خیالوں کی بغض و عداوت کی آگ میں اشتعال پیدا ہوا اور ان لوگوں کا ایک جھنڈ دوبارہ ابوطالب کے پاس

آیا اور کہا آپ کا شرف اور آپ کی بزرگی ہم کو مسلم ہے لیکن ہم اپنے معبودوں کی مذمت اور آباؤ اجداد کی تجہیل و تحمیق پر کسی طرح صبر نہیں کر سکتے تھے۔ آپ یا تو اپنے بھتیجے کو منع کر دیں ورنہ لڑ کر ہم سے ایک نہ ایک فریق ہلاک ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر چلے گئے۔

ابو طالب پر خاندان اور پوری قوم کی مخالفت اور عداوت کا ایک اثر پڑا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو یہ کہا کہ اے جان عم تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور یہ کہہ کر گئے ہیں۔ لہذا تم مجھ پر بھی رحم کرو اور اپنے پر بھی رحم کھاؤ اور مجھ پر ناقابل تحمل بار نہ ڈالو۔ ابو طالب کی اس گفتگو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید ابو طالب میری نصرت و حمایت سے کنارہ کش ہو جانا چاہتے ہیں تو آپ نے اس وقت چشم پرنم اور دل پرغم سے یہ فرمایا اے چچا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب بھی لا کر رکھ دیں اور یہ کہیں کہ اس کام کو چھوڑ دو تو میں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ میرے دین کو غالب کرے یا میں ہلاک ہو جاؤں۔ اور یہ کہہ کر رو پڑے اور اٹھ کر جانے لگے۔ ابو طالب نے آواز دی اور یہ کہا اے جان عم تم جو چاہو کرو میں تمہیں کبھی دشمنوں کے حوالے نہ کروں گا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

قتل کیلئے ناکام کوشش

قریش نے جب یہ دیکھا کہ ابو طالب آپ کی امداد اور حمایت پر تلے ہوئے ہیں۔ تو پھر تیسری بار مشورہ کر کے ابو طالب کے پاس آئے اور یہ کہا کہ ابو طالب یہ عمارۃ بن الولید قریش کا نہایت حسین و جمیل اور خوبصورت ہوشیار اور سمجھدار نوجوان ہے آپ اس کو لے لیں اور پھر اپنے بھتیجے کو جس نے ہماری تمام قوم میں تفریق ڈال دی ہے اس کو ہمارے حوالے کریں تا کہ ہم ان کو قتل کر کے قوم کو اس مصیبت سے نجات دلائیں۔ ابو طالب نے کہا واہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اپنے پالے ہوئے بیٹے کو قتل کے لئے تمہارے حوالے کر دوں اور تمہارے بیٹے کو لے کر پالوں اور پرورش کروں۔ خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ مطعم بن عدی نے کہا اے ابو طالب خدا کی قسم آپ کی قوم نے ایک عادلانہ اور منصفانہ رائے اور اس مصیبت سے رہائی کی بہترین صورت آپ کے سامنے پیش کی تھی مگر آپ نے اس کو قبول

نہیں کیا۔ ابو طالب نے کہا خدا کی قسم میری قوم نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا تم سے جو ہوسکتا ہے وہ کر گزرو' قریش جب ابو طالب سے بالکل ناامید ہوئے تو کھلم کھلا مخالفت پر آمادہ ہوگئے اور جس قبیلہ میں کوئی بے کس اور بے سہارا مسلمان تھا اس کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے۔ ابو طالب نے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت کی دعوت دی۔ ابو طالب کی اس آواز پر تمام بنی ہاشم اور بنی المطلب نے لبیک کہا۔ بنی ہاشم میں سے ابولہب آپ کے دشمنوں کا شریک حال ہوا۔ (عیون الاثر)
ربیعہ بن عبادؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بازار عکاظ اور بازار ذی المجاز میں دیکھا لوگوں سے یہ فرماتے تھے کہ

اے لوگو لا الٰہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ گے۔ اور ایک بھینگا شخص آپ کے پیچھے پیچھے پھرتا ہے کہ یہ شخص صابی (بے دین) اور جھوٹا ہے۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا یہ کون شخص ہے معلوم ہوا کہ یہ آپ کا چچا ابولہب ہے۔ (سیرت المصطفیٰ)

مخالفانہ پروپیگنڈہ کے لئے سرداروں کا مشورہ

قریش نے جب یہ دیکھا کہ روز بروز اسلام کی رفتار بڑھ رہی ہے تو ایک روز ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے جوان میں معمر اور سن رسیدہ تھا اور یہ کہا کہ موسم حج کا قریب آ گیا ہے اور آپ کا ذکر اور چرچا سب جگہ پھیل چکا ہے۔ اب اطراف واکناف سے آنے والے تمہارے اس صاحب (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق تم سے دریافت کریں گے۔ لہٰذا مل کر آپ کے متعلق یہ رائے قائم کر لینی چاہئے اور سب کے سب متفق الرائے ہوجائیں۔ اختلاف نہ رہنا چاہئے۔ ورنہ خود ہم میں ہی سے بعض بعض کی تکذیب اور تردید کرے گا اور یہ اچھا نہ ہوگا۔ اے ابو عبد شمس (ولید کی کنیت) آپ ہمارے لئے کوئی رائے قائم کر دیجئے۔ ہم سب ان پر کاربند رہیں گے۔ ولیدؔ نے کہا تم لوگ کہو میں سنوں گا اور اس کے بعد کوئی رائے قائم کروں گا۔ لوگوں نے کہا معاذ اللہ آپ کاہن ہیں۔ ولید نے کہا غلط کہتے ہو۔ خدا کی قسم آپ کاہن نہیں میں نے کاہنوں کو خوب دیکھا ہے نہ آپ میں کاہنوں کی کوئی علامت ہے اور نہ آپ کا کلام کاہنوں کے (زمزمہ) گنگناہٹ اور آواز سے لگا کھاتا ہے۔

لوگوں نے کہا آپ مجنون ہیں۔ ولید نے کہا آپ مجنون بھی نہیں میں جنون اور دیوانگی کی حقیقت سے بھی واقف ہوں آپ میں کوئی علامت جنون کی نہیں پاتا۔ لوگوں نے کہا آپ شاعر ہیں۔ ولید نے کہا میں خود شاعر ہوں شعر اور اس کے تمام انواع واقسام سے بخوبی واقف ہوں آپ کے کلام کو شعر سے کوئی نسبت نہیں۔

لوگوں نے کہا آپ جادوگر ہیں۔۔ ولید نے کہا آپ ساحر بھی نہیں نہ ساحروں کا سا پھونکنا اور دم کرنا ہے۔ اور نہ ساحروں جیسا گرہ لگانا ہے۔ لوگوں نے کہا اے ابوعبد شمس آخر پھر کیا ہے ولید نے کہا واللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام میں ایک عجیب حلاوت اور شیرینی ہے اور اس پر عجیب قسم کی رونق ہے اور اس قول کی جڑ نہایت تروتازہ اور اس کی شاخیں ثمردار ہیں۔ (یعنی یہ اسلام بمنزلہ شجرۂ طیبہ کے ہے کہ جڑیں اس کی محکم اور مضبوط اور زمین راسخ ہیں اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچتی ہیں۔ فواکہ اور ثمرات سے لدا ہوا ہے) اور جو کچھ تم نے کہا ہے میں خوب جانتا ہوں کہ وہ سب باطل اور لغو ہے میرے خیال میں سب سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ کہو کہ یہ شخص ساحر ہے اور اس کا کلام بھی سحر ہے جو میاں بیوی اور ماں باپ بیٹے بھائی بھائی اور قبیلہ اور کنبہ میں تفریق ڈالتا ہے جو خاصہ سحر کا ہے۔ مجلس برخواست ہوگئی۔

حق تعالیٰ شانہ نے اسی ولید بن مغیرہ کے بارہ میں سورۂ مدثر کی یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

ذرني ومن خلقت و حيداً وجعلت له' مالاممدوداً و بنين شهوداً ومهدت له' تمهيداً ثم يطمع ان ازيد كلا. انه' كان لأيٰتنا عنيداً سارهقه' صعوداً انه فكر وقدر فقتل كيف قدر ثم قتل كيف قدرثم نظر ثم عبس و بسرثم ادبرواستكبر فقال ان هٰذا الا سحر يؤثر. ان هذا الاقول البشر سأصليه سقر. آخر تک

آپ چھوڑ دیجئے مجھ کو اور اس شخص کو جس کو میں نے تنہا پیدا کیا یعنی خود اس سے نمٹ لوں گا آپ فکر نہ کریں اور میں نے ہی اس کو مال فراواں دیا اور ایسے بیٹے دیئے کہ جو مجلس میں حاضر ہوں اور دنیاوی عزت اور سرداری کے سامان اس کے لئے مہیا کئے۔ پھر طمع رکھتا ہے کہ اور زیادہ دوں ہرگز نہیں وہ اس قابل نہیں وہ ہماری آیتوں کا معاند اور مخالف ہے میں

ضرور اس کو دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا۔ اور پھر اوپر سے نیچے گراؤں گا۔ اس نے کچھ فکر کیا اور دل میں کچھ اندازہ ٹھہرایا پس مارا ہو اس پر اللہ کی۔ کیا اندازہ کیا پھر مارا ہو کیسا اندازہ ٹھہرایا پھر ادھر ادھر دیکھا اور تیوری چڑھائی اور منہ بنایا اور پھر پشت پھیری اور غرور کیا اور پھر بولا یہ قرآن کچھ نہیں مگر ایک جادو ہے جو چلا آتا ہے نہیں ہے یہ قرآن مگر ایک آدمی کا کلام ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کو ضرور آگ میں ڈالوں گا۔ الیٰ آخر الآیات

ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت عام نہیں دی تھی۔ آپؐ خاموشی سے ذکر وفکر اور اپنی اور اپنے ساتھیوں کی تربیت میں مصروف تھے۔ اس وقت بھی قریش کے تاڑنے والوں نے یہ کوشش کی تھی کہ یہ سلسلہ آگے نہ بڑھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی طرح کی مفاہمت ہو جائے۔ مگر ان کی یہ کوششیں ناکام رہی تھیں۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے قریش بلکہ پورے عرب کو مخاطب کر کے تبلیغ شروع کی تو مخالفانہ کوششوں کا بھی نیا دور شرع ہوا۔

قریش کے لئے یہ سوال بہت اہم اور بہت پیچیدہ تھا کہ جس کا وہ احترام کرتے رہے تھے اور جس کو الصادق اور الامین کہا کرتے تھے اب اس کی تردید کس طرح کریں اور عوام کو کس طرح مطمئن کر کے الصادق الامین کے خلاف مشتعل کریں۔ حج کا زمانہ قریب آیا تو یہ سوال بہت اہم ہو گیا کیونکہ یہ یقین تھا کہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس اجتماع عظیم سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے قبائل مکہ کے ذمہ داروں کا اجتماع کیا گیا۔ (محمد رسول اللہؐ)

پروپیگنڈہ پالیسی پر اتفاق اور اس پر عمل

ولید کی رائے سے سب نے اتفاق کیا اور صرف طے ہی نہیں کیا بلکہ اس شدومد سے عمل بھی شروع کر دیا کہ ابھی قبائل کے لوگ حج کے لئے روانہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بے دینی کا چرچا ان کی گلی کوچوں تک پہنچ گیا اور نہ صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلکہ آپ کے خاندان "آل ہاشم" کے متعلق بھی نفرت کی لہر ان تمام قبائل میں دوڑ گئی جو حج کے لئے آنے والے تھے۔ ابولہب کے متعلق طے کیا گیا کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نگرانی رکھیں گے اور جہاں وہ تقریر کرنا چاہیں یا لوگوں سے گفتگو کریں وہ ان کو منتشر کر دیں۔

''ابولہب'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا چچا (تایا) تھا۔ مالدار اور باوجاہت بھی تھا۔ عرب کے قاعدے کے مطابق خاندان کا بڑا شخص خاندان کے ہر فرد کا ولی مانا جاتا تھا۔ اور اس کو حق ہوتا تھا کہ وہ اپنے چھوٹے کے متعلق کوئی اعلان کر دے۔ قصاص وغیرہ کے قضیوں میں ایسے ولی کے قول کی خاص اہمیت ہوتی تھی۔ اسی غرض سے اس خدمت کے لئے مقرر کیا گیا تھا کہ خاندان کے سب سے بڑے شخص کی حیثیت سے لوگوں کو بتائے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ وہ اپنے خاندانی بزرگوں کو جہنمی بتاتا ہے اور دیوتاؤں کی توہین کرتا ہے۔ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ خاندان کے سب سے بڑے شخص کے قول سے زیادہ کس کی بات معتبر ہو سکتی ہے۔ (محمد رسول اللہؐ)

پروپیگنڈہ مہم کی ناکامی

جب حج کا موسم آیا اور باہر سے لوگ آنے شروع ہوئے تو قریش نے آدمی راستوں اور گزرگاہوں پر بٹھلا دیئے جو شخص ادھر سے گزرتا اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہتے کہ یہ ساحر ہے اس سے بچتے رہنا مگر قریش کی اس تدبیر سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ اطراف واکناف سے آنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بخوبی واقف ہو گئے۔

حج کے موقع پر انتظام کے متعدد شعبے خصوصاً سقایہ یعنی حاجیوں کے لئے پانی کا انتظام (جو سرزمین حجاز خصوصاً مکہ میں سب سے سخت کام تھا) آل ہاشم کے سپرد ہوتا تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ابولہب کے علاوہ آپ کا پورا خاندان اگرچہ مسلمان نہیں ہوا تھا مگر آپ کا حامی تھا۔ خواجہ ابوطالب ان میں پیش پیش تھے۔ سرداران قریش کے پروپیگنڈے کے باعث جو نفرت خاندان ہاشم سے عرب میں پھیل گئی تھی، خواجہ ابوطالب کو اس کا اندازہ تھا۔ انہیں خطرہ ہوا کہ حج کے موقع پر یہ نفرت بغاوت کی شکل اختیار کر لے گی اور وہ ان خدمات سے محروم ہو جائیں گے جو حج کے موقع پر انکے سپرد ہوتی تھیں۔ قبائلی رقابت اس فتنہ کو اور ہوا دے سکتی تھی۔

لہذا خواجہ ابوطالب نے تقریباً سو شعر کا طویل قصیدہ لکھا۔ جس میں خانہ کعبہ، حرم شریف کی عظمت وحرمت، اس کے واجب الاحترام ہونے کے متعلق مسلمہ روایات، پھر خاندان ہاشم کی عظیم الشان خدمات کا تذکرہ کیا۔ اس قصیدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر بھی

روشنی ڈالی کہ ان کے اخلاق و اوصاف کیا ہیں اور قریش کس طرح ان کی تعظیم کرتے رہے ہیں۔ اسی قصیدہ کا وہ مشہور شعر ہے جو نعت شریف کے موقع پر عام طور سے پڑھا جاتا ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجهه		ثمال الیتامیٰ عصمة للارامل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد بیان کرنے کے بعد یہ بھی واضح کیا کہ اگرچہ وہ ایک نئے مذہب کی دعوت دے رہے ہیں مگر ابناء ہاشم جو حجاج کی خدمت کرتے ہیں وہ ان کے مذہب کے حامی نہیں ہیں وہ بدستور اپنے قدیم مذہب پر قائم ہیں۔ اور ان کے عقائد وہی ہیں جو سرداران قریش اور عام عرب کے عقائد ہیں۔ وہ اسی طرح دیوتاؤں کو مانتے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہیں بااین ہمہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ "محمد" کو مخالفین کے حوالے کردیں۔ خاندان ابوطالب اپنی جانیں قربان کردے گا مگر اپنی موجودگی میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بال بیکا نہیں ہونے دے گا۔

عرب شعر کے دلدادہ ہوتے تھے۔ شاعروں کے قصیدے جیسے ہی پڑھے جاتے تھے' بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتے تھے اور پھر جگہ جگہ وہ نقل کئے جاتے تھے۔ اس وقت شعراء کے قصائد کو وہی طاقت حاصل تھی جو دور حاضر میں کسی مضبوط میڈیا کو حاصل ہے۔ چنانچہ خواجہ ابوطالب کا یہ قصیدہ تمام قبائل میں پھیل گیا اور اس طرح وہ فتنہ فرو ہوا جو بنو ہاشم کے خلاف کھڑا کیا جا رہا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے متعلق اس کی وہی قوت باقی رہی بلکہ خواجہ ابوطالب کے قصیدے نے اور تائید کر دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نئے مذہب کے داعی ہیں چنانچہ خواجہ ابوطالب اور ان کے ساتھیوں کو تو اپنی خدمات کی انجام دہی میں کوئی نئی دشواری پیش نہیں آئی مگر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تعاقب پوری طرح کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تشریف لے جاتے عرب کا گورا چٹا ایک باوجاہت سردار (ابولہب) ان کے پیچھے ہوتا' جو لوگوں کو ڈانٹتا رہتا کہ ان کی بات نہ سنو' یہ پاگل ہوگئے ہیں۔ (معاذ اللہ) (محمد رسول اللہؐ)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

سرداروں کی نیندیں حرام

ایک روز رسول اللہ صلی علیہ وسلم کوہ صفا کی طرف سے گزر رہے تھے۔ اتفاق سے ابوجہل بھی اسی طرف سے آ نکلا۔ آپ کو دیکھ کر بہت کچھ سخت وسست کہا مگر آپ نے ابوجہل کے ناشائستہ کلمات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور تشریف لے گئے۔ عبداللہ بن جدعان کی باندی یہ تمام واقعہ دیکھ رہی تھی۔ اتنے ہی میں حضرت حمزہ شکار سے اپنا تیر کمان لئے ہوئے واپس آئے عبداللہ بن جدعان کی باندی نے حضرت حمزہ کو دیکھ کر کہا اے ابوعمارہ کاش تم اس وقت موجود ہوتے جب ابوجہل تمہارے بھتیجے کو نہایت سخت اور سست اور ناز یبا کلمات کہہ رہا تھا۔

سنتے ہی حضرت حمزہ کی حمیت اور غیرت جوش میں آ گئی۔ وہیں سے ابوجہل کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ حضرت حمزہ کا یہ معمول تھا کہ جب شکار سے واپس آتے تو سب سے پہلے حرم میں حاضر ہوتے اسی معمول کے مطابق حرم میں پہنچے دیکھتے کیا ہیں کہ ابوجہل قریش کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا ہے۔ پہنچتے ہی اس کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ سر زخمی ہو گیا اور کہا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے میں خود ان کے دین پر ہوں۔ بعض حاضرین مجلس نے چاہا کہ ابوجہل کی حمایت کیلئے کھڑے ہوں لیکن ابوجہل نے خود ہی سب کو روک دیا اور کہا آج میں نے ان کے بھتیجے کو بہت سخت سست کہا ہے۔ حمزہ کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ بعض حاضرین مجلس نے حضرت حمزہؓ سے مخاطب ہو کر یہ کہا اے حمزہ کیا تم صابی (بے دین) ہو گئے ہو۔ حضرت حمزہؓ نے فرمایا مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور صداقت خوب منکشف ہو گئی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو آپ فرماتے ہیں وہ سراسر حق ہے میں کبھی اس سے باز نہ آؤں گا۔ تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔ حضرت حمزہ یہ کہہ کر گھر واپس آئے۔ شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ اے حمزہ تم قریش کے سردار ہو تم نے اس صابی کا کیسے اتباع

کیا اور اپنے آباؤ اجداد کا دین کیوں چھوڑ دیا۔ اس سے مر جانا بہتر ہے۔ جس سے حمزہ کچھ تردد اور اشتباہ میں پڑ گئے۔ حضرت حمزہؓ فرماتے ہیں کہ تمام شب اسی بے چینی اور اضطراب میں گزری ایک لمحہ کے لئے بھی آنکھ نہ لگی۔ جب کسی طرح یہ اضطراب اور بے چینی رفع نہ ہوئی تو حرم میں حاضر ہوا اور نہایت تضرع اور زاری سے دعا مانگی اے اللہ میرا سینہ حق کے لئے کھول دے۔ اس شک اور تردد کو دور فرما۔ دعا ابھی ختم نہ کرنے پایا تھا یک لخت تمام خیالات باطلہ میرے قلب سے صاف ہو گئے اور دل اذعان اور ایقان سے لبریز ہو گیا۔ صبح ہوتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور تمام واقعہ عرض کیا۔ آپ نے میری استقامت اور اسلام پر قائم اور ثابت رہنے کی دعا فرمائی مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت حمزہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ کہا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ تحقیق آپ یقیناً سچے نبی ہیں تصدیق کرنے والے اور پہچاننے والے کی ہی گواہی دیتا ہوں۔

اے میرے بھتیجے آپ اپنے دین کو علی الاعلان ظاہر فرمایئے خدا کی قسم مجھ کو دنیا و مافیہا بھی ملے تب بھی آپ کا دین چھوڑ کر آبائی دین اختیار نہ کروں گا۔ اور شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

اور میں نے خدا کی حمد و ثنا کی جبکہ اس نے میرے دل کو اسلام اور دین ابراہیمی کے قبول کرنے کی توفیق دی۔ اس دین کی توفیق دی جو ایسے پروردگار کی طرف سے آیا ہے جو کہ بندوں کے حال سے باخبر اور ان پر مہربان ہے۔ جب اس کے پیام ہم پر پڑھے جاتے ہیں تو کامل العقل انسان کے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ وہ خدا کے پیام جن کو احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ہدایت کے لئے لے کر آئے ہیں جو صاف صاف اور واضح آیتیں ہیں۔ اور احمد مجتبیٰ خدا کے برگزیدہ ہم میں واجب الاطاعت ہیں جو حق وہ لے کر آئے ہیں اس کو درشت کلامی سے نہ چھپاؤ۔ خدا کی قسم جب تک ہم تلوار سے فیصلہ نہ کر لیں اس وقت تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز لوگوں کے حوالے نہ کریں گے۔

حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے قریش یہ سمجھ گئے کہ آپ کو ایذاء اور تکلیف دینا کوئی آسان نہیں۔ (سیرت المصطفیٰ)

لالچ ومفاد کے حربے جو ناکام ہوئے

قریش نے جب یہ دیکھا کہ حضرت حمزہ بھی اسلام لے آئے اور دن بدن مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے تو ابوجہل اور عتبہ اور شیبہ اور ولید بن مغیرہ اور امیہ بن خلف اور اسود بن المطلب اور دیگر روسائے قریش نے مشورہ کر کے آپ سے گفتگو کرنے کے لئے عتبہ بن ربیعہ کو منتخب کیا جو سحر اور کہانت اور شعر گوئی میں اپنے زمانہ کا یکتا تھا۔

عتبہ آپ کے پاس آیا اور کہا اے محمد آپ کے حسیب ونسیب لائق وفائق ہونے میں کوئی تردد نہیں مگر افسوس کہ آپ نے تمام قوم میں تفریق ڈال دی۔ ہمارے بتوں کو برا کہتے ہیں آباؤ اجداد کو احمق اور نادان بتلاتے ہیں اس لئے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اے ابوالولید کہو میں سنتا ہوں۔

عتبہ نے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے تمہارا ان باتوں سے کیا مقصد ہے اگر تم مال و دولت کے خواہاں ہو تو ہم سب تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیں کہ بڑے سے بڑا امیر بھی تمہاری ہمسری نہ کر سکے گا اور اگر تم شادی کرنا چاہتے ہو تو جس عورت سے اور جتنی عورتوں سے چاہو تو ہم شادی کر دیں اور اگر عزت اور سرداری مطلوب ہے تو ہم سب آپ کو اپنا سردار بنالیں اور اگر حکومت اور ریاست چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا بادشاہ بنالیں اور اگر تم کو آسیب ہے تو ہم علاج کرائیں۔

آپ نے فرمایا اے ابوالولید کیا تم کو جو کہنا تھا وہ کہہ چکے۔ عتبہ نے کہا ہاں آپ نے فرمایا اچھا اب جو میں کہتا ہوں وہ سنو۔ مجھ کو نہ تمہارا مال و دولت درکار ہے۔ اور نہ تمہاری حکومت اور سرداری مطلوب ہے میں تو اللہ کا رسول ہوں اللہ نے مجھ کو تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر ایک کتاب اتاری اور مجھ کو یہ حکم دیا کہ میں تم کو اللہ کے ثواب کی بشارت سناؤں اور اس کے عذاب سے ڈراؤں میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور بطور نصیحت و خیر خواہی اس سے تمہیں آگاہ کر دیا اگر تم اس کو قبول کرو تو تمہارے لئے سعادت

دارین اور فلاح کونین کا باعث ہے اور اگر نہ مانو تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان میں فیصلہ فرمائے اور سورۂ حم السجدہ کی پہلی تیرہ آیتیں تلاوت فرمائیں آپ تلاوت فرماتے رہے اور عتبہ دونوں ہاتھ پیچھے کی جانب زمین پر ٹیکے ہوئے مبہوت سنتا رہا لیکن آپ جب اس آخری آیت **فان اعرضوا الآیۃ** پر پہنچے تو عتبہ نے اپنا ہاتھ آپ کے منہ پر رکھ دیا آپ کو قسم دے کر کہا اللہ آپ ہم پر رحم فرمائیں عتبہ کو ڈر ہوا کہ کہیں قوم عاد اور قوم ثمود کی طرح اسی وقت مجھ پر کوئی عذاب نازل نہ ہو جائے۔ اس کے بعد آپ نے پھر سجدہ تک آیتیں تلاوت فرمائیں اور سجدہ تلاوت فرمایا جب تلاوت ختم فرما چکے تو عتبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا اے ابوالولید جو کچھ سننا تھا وہ تم سن چکے اب تم کو اختیار ہے۔

عتبہ آپ سے رخصت ہو کر اپنے رفقاء کے پاس آیا لیکن عتبہ وہ عتبہ ہی نہ تھا۔ چنانچہ ابوجہل بول اٹھا کہ عتبہ وہ عتبہ نظر نہیں آتا۔ عتبہ تو صابی ہو گیا۔ عتبہ نے کہا میں نے ان کا کلام سنا۔ واللہ میں نے کبھی ایسا نہیں سنا نہ وہ شعر ہے نہ وہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے۔ وہ تو کوئی اور ہی چیز ہے۔ اے قوم اگر تم میرا کہنا مانو تو محمد کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ خدا کی قسم جو کلام میں ان سے سن کر آیا ہوں عنقریب اس کی ایک شان ہوگی۔ اگر عرب نے ان کو ہلاک کر دیا تو پھر تمہیں کسی فکر کی ضرورت ہی نہیں اور اگر محمد عرب پر غالب آئے تو ان کی عزت تمہاری عزت ہے اور ان کی حکومت تمہاری حکومت ہے اس لئے کہ وہ تمہاری ہی قوم کے ہیں۔ قریش نے کہا اے ابوالولید محمد نے تم پر سحر کر دیا ہے عتبہ نے کہا میری رائے تو یہی ہے تم جو چاہو کرو۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

ابن عباس سے مروی ہے کہ قریش نے آپ سے یہ درخواست کی کہ یا تو آپ ہمارے بتوں کی مذمت سے باز آ جائیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ہمارے اور آپ کے درمیان فیصلہ کی ایک یہ صورت ہے کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی پرستش کیجئے اور ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت اور بندگی کریں گے۔ معجم طبرانی میں ہے کہ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔

قل یآیها الکفرون لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عٰبدون ما اعبد ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عٰبدون ما اعبد لکم دینکم ولی دین

آپ کہہ دیجئے اے منکرو نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

مشرکینِ مکہ کے چند مہمل اور بیہودہ سوالات

اس کے بعد قریش نے آپ سے یہ کہا خیر اگر آپ کو یہ منظور نہیں تو ہم ایک اور شے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں اس کو منظور کیجئے وہ یہ کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی قوم نہایت تنگ دست ہے اور یہ شہر مکہ بھی بہت تنگ ہے ہر طرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں سبزی اور شادابی کا کہیں نام نہیں۔ لہذا آپ اپنے رب سے جس نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس سے آپ یہ درخواست کیجئے کہ اس شہر کے پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دے تا کہ شہر میں وسعت ہو اور شام وعراق کی طرح اس شہر میں نہریں جاری کر دے اور ہمارے آباؤ اجداد اور خصوصاً قصی بن کلاب کو زندہ فرمائے تا کہ ہم ان سے تمہاری بابت دریافت کر لیں کہ جو تم کہتے ہو وہ حق ہے یا باطل اگر ہمارے آباؤ اجداد نے زندہ ہونے کے بعد تمہاری تصدیق کی تو ہم سمجھ لیں گے کہ تم اللہ کے رسول ہو اور ہم بھی تمہاری تصدیق کریں گے۔

آپ نے فرمایا میں اس لئے نہیں بھیجا گیا۔ خدا نے جو پیام دے کر بھیجا تھا وہ تم تک پہنچا دیا۔ اگر تم اس کو قبول کرو تو تمہاری خوش نصیبی ہے اور اگر تم نہ مانو تو میں صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے۔

قریش نے کہا اچھا اگر آپ ہمارے لئے ایسا نہیں کر سکتے تو آپ خدا سے اپنے ہی لئے دعا کیجئے کہ اللہ آسمان سے ایک فرشتہ نازل فرمائے اور آپ کی تصدیق کے لئے ہر جگہ آپ کے ساتھ رہے۔ نیز اللہ تعالیٰ سے درخواست کیجئے کہ وہ آپ کو باغات اور محلات اور سونے

چاندی کے خزانے عطا فرمائے جس سے آپ کا شرف اور آپ کی بزرگی معلوم ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری طرح آپ بھی طلب معاش کے لئے بازاروں میں جاتے ہیں۔

آپ نے فرمایا میں خداوند ذوالجلال سے کبھی اس قسم کا سوال نہ کروں گا۔ میں اس لئے نہیں بھیجا گیا۔ میں تو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا گیا ہوں تم اگر مانو تو تمہارے لئے دنیا اور آخرت کی سعادت و بہبودی ہے اور اگر نہ مانو تو میں صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے۔

قریش نے کہا کہ اچھا تم اللہ سے دعا مانگو کہ ہم پر کوئی عذاب نازل فرمائے۔ آپ نے فرمایا اللہ کو اختیار ہے کہ تم پر عذاب نازل فرمائے یا مہلت دے۔ اس پر عبداللہ بن ابی امیہ کھڑا ہو گیا اور کہا اے محمدؐ آپ کی قوم نے اتنی باتیں آپ کے سامنے پیش کیں مگر آپ نے ایک بات کو بھی منظور نہ کیا کہ قریش نے آپ سے یہ درخواست کی کہ کوہ صفا کو آپ سونا بنا دیں آپ نے ارادہ فرمایا کہ اس بار اللہ سے دعا مانگیں۔ جبرئیل امین تشریف لے آئے اور یہ فرمایا کہ اے نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم آپ ان سے فرما دیجئے کہ جو چاہتے ہو وہی ہو جائے گا لیکن یہ سمجھ لو کہ ان نشانیوں کے ظاہر ہونے کے بعد اگر ایمان نہ لائے تو پھر خیر نہیں اسی وقت ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ قریش نے کہا کہ ہم کو ضرورت نہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

علمائے یہود کے بتائے ہوئے سوالات کا جواب

قریش کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہمارے یہ سوالات جاہلانہ اور معاندانہ سوالات تھے تو مشورہ کر کے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ منورہ روانہ کیا تاکہ وہاں پہنچ کر علمائے یہود سے آپ کے بارہ میں استفسار کریں۔ وہ لوگ انبیاء کے علوم سے واقف اور پیغمبروں کی علامتوں سے آگاہ اور باخبر ہیں۔ یہ دونوں آدمی مدینہ منورہ پہنچے اور علمائے یہود سے تمام واقعہ ذکر کیا۔

علمائے یہود نے کہا کہ تم تین چیزوں کے متعلق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کرنا (اول) وہ لوگ کون ہیں جو غار میں جا چھپے تھے اور ان کا کیا واقعہ ہے یعنی ان سے اصحاب کہف کا قصہ دریافت کرو (دوم) وہ کون شخص ہے جس نے مشرق سے لے کر مغرب تک

تمام روئے زمین کو چھان مارا یعنی ذوالقرنین کا قصہ دریافت کرو (سوم) روح کیا شے ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر ان تینوں سوالوں میں سے اول اور دوم کا جواب دے دیں اور تیسرے سے سکوت فرمائیں تو سمجھ لینا کہ وہ نبی مرسل ہیں ورنہ کاذب اور مفتری ہیں۔

نضر اور عقبہ فرحاں و شاداں مکہ واپس آئے اور قریش سے کہا کہ ہم ایک فیصلہ کن بات لے کر آئے ہیں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سوالات پیش کئے آپ نے اس امید پر کہ کل تک اس بارے میں کوئی وحی ربانی نازل ہو جائے گی۔ یہ فرمادیا کہ کل جواب دوں گا۔ بمقتضائے بشریت آپ انشاءاللہ (اگر خدا نے چاہا) کہنا بھول گئے۔ چند روز کے انتظار کے بعد سورۂ کہف کی آیتیں نازل ہوئیں جس میں اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ بالتفصیل بتلایا گیا اور تیسرے سوال کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی **قل الروح من امر ربی** یعنی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ روح کی حقیقت تو تم سمجھ نہیں سکتے اتنا جاننا کافی ہے روح ایک چیز ہے اللہ کے حکم سے جب بدن میں آ پڑے تو وہی جی اٹھا۔ جب نکل گئی تو مر گیا (موضح القرآن) اور بمقتضائے بشریت جو انشاءاللہ کہنا بھول گئے تھے اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

ولاتقولن لشیءٍ انی فاعل ذٰلک غداً الا ان یشآء الله و اذکر ربک اذانسیت

کسی شئ کے متعلق یہ ہرگز نہ کہو کہ میں کل یہ کروں گا مگر انشاءاللہ اسکے ساتھ ضرور ملا لو اور اگر بھول جاؤ تو جب یاد آئے تو اسی وقت انشاءاللہ کہہ لو تا کہ اس بھول کی تلافی ہو جائے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

ایذا رسانی کی باقاعدہ مہم

قریش نے جب یہ دیکھا کہ اسلام کی علی الاعلان دعوت دی جارہی ہے اور کھلم کھلا بت پرستی کی برائیاں بیان کی جارہی ہیں تو قریش اس کو برداشت نہ کر سکے اور جو ایک خدا کی طرف بلا رہا تھا اس کی دشمنی اور عداوت پر کمر بستہ اور توحید کے مقابلہ کیلئے تیار ہوگئے اور یہ تہیہ کرلیا کہ آپ کو اس قدر تکلیف اور ایذاء پہنچائی جائے کہ آپ دعوت اسلام سے باز آجائیں۔ (سیرۃ المصطفیٰؐ)

وہی ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) سرداران قریش جس کو ''الصادق'' اور ''الامین'' کہا کرتے تھے اس کی مقدس تعلیم کو جب انہوں نے اپنے مفادات کے لئے خطرۂ عظیم اور برق خرمن سوز سمجھا تو اب رات دن ان کی کوشش یہ تھی کہ اس آواز کو دبائیں اور اس شمع کو گل کردیں چنانچہ باپ دادا کے مذہب قدیم کے نام پر عوام میں اشتعال پیدا کردیا۔ جس پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور گنے چنے مٹھی بھر مسلمانوں کے درپے ہو گئے۔ اس کے علاوہ خود ان کی سرگرمیاں نئے نئے ستم ایجاد کرنے میں مصروف رہنے لگیں۔ خانہ کعبہ کا حرم محترم جہاں خود ان کے عقیدے کے بموجب کسی بھی جاندار کو ستانا گناہ تھا۔ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) وہاں اپنے رب کی عبادت کرتے تو ستائے جاتے اور طرح طرح ستائے جاتے تھے۔ ایک دفعہ ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اگر میں نے دیکھ لیا کہ حرم کعبہ میں ''محمد'' اپنا چہرہ زمین پر رکھے ہوئے ہیں۔ تو میں اس کی گردن اپنے پیر سے روند دوں گا۔ (محمد رسول اللہؐ)

جاننے سے پہلے کون مان سکتا ہے' جانو تب مانو' پہچانو تب جھکو۔ یقین کی فطری راہ یہی ہے' تم آفتاب ہی کو نہ دیکھو' یہ تمہارے بس میں ہے لیکن جو سورج کے سامنے کھڑا تھا اس نے اپنی ایک پلک کو دوسری پلک سے اگر جدا کرلیا تو اب اس کے قابو میں ہے کہ وہ آفتاب اور اس چمک کو جھٹلائے؟ آگ کے چھونے پر کوئی مجبوری نہیں ہے لیکن چھونے کے بعد گرمی کے ماننے سے کون گریز کرسکتا ہے؟

بجنسہ کچھ اسی طرح دیکھو کہ حراء کے دامن سے صدق و امانت کا آفتاب چڑھا چڑھ کر انسانیت کے اس حاسہ کے سامنے آکر ٹھہر گیا۔ جس سے جانا جاتا ہے' ممکن ہے کہ جس طرح

لاکھوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو بینائی کی فطری قوت سے محروم ہو یا شنوائی کا حاسہ اس سے مسلوب ہو۔لیکن سب اندھے ہوں' سب بہرے ہوں جس طرح یہ ناممکن ہے اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ آدمی ہو اور اس میں ''سچ اور سچائی کے یافت کا حاسہ نہ ہو' یہ ڈاکٹر ہے اور وہ ڈاکٹر نہیں ہے''اسی فیصلہ پر جانیں سپرد کی جاتی ہیں' آنکھوں میں نشتر چبھوائے جاتے ہیں۔

اس ٹرین کو سب نہیں ہنکاتے ہیں جو بیابانوں میں چلتی ہے۔ چڑھائیوں پر چڑھتی ہے۔ذخار اور خونی دریاؤں کے پلوں سے گزرتی ہے۔فیصلہ کی وہی قوت جو ڈرائیور کو غیر ڈرائیور سے' شوفر کو غیر شوفر سے جدا کرے ہم میں یہ اطمینان پیدا کرتی ہے کہ اپنا سب کچھ سونپ کر ہم اپنے کو اپنے بال بچوں کو اپنے مال واسباب کو ریل کے ڈبوں میں ڈال دیتے ہیں۔سچ کو جھوٹ سے اگر جدا کرنے کا حاسہ ہم میں نہ ہوتا تو ڈاکٹر اور ڈرائیور کیا؟ زندگی کے کسی شعبہ کی گاڑی ایک سیکنڈ کے لئے بھی چل سکتی ہے؟

اور یہی وجہ ہے کہ سلبی اور ایجابی کون سی شکل باقی رہی جس معیار پر سچائی کی یہ لاہوتی حقیقت نہ پرکھی گئی زر لے کر دوڑے زن لے کر دوڑے الغرض جو کچھ سوچا جا سکتا ہے ہر ایک سے رگڑ رگڑ کر گھس گھس کر انہوں نے جانچا۔لیکن صدق وامانت کے احساس کی وہی گرفت جو دعویٰ سے پہلے ان کے دلوں پر مسلط تھی۔کسی تدبیر سے ڈھیلی نہیں پڑتی۔اس میں کیا ہے اس کے اندر کیا ہے؟ مال ہے؟ جاہ ہے' یا کچھ اور ہے' ہر سوال کی سلائیاں' لمبی لمبی سلائیاں ڈال ڈال کر ہر ایک نے دیکھا بار بار دیکھا' لیکن سچ کے سوا اس میں کچھ نہیں ہے اخلاص کے سوا اس میں کچھ نہیں ہے' ہر آزمائش' ہر جانچ کا آخری نتیجہ یہی برآمد ہوا' جانچ کی یہ ایجابی شکلیں تھیں اس راہ سے انہیں کچھ نہیں ملا۔

اب وہ منفی وسلبی تدبیروں کے متعلق باہم ایک دوسرے سے مشورہ کرنے لگے دارالندوہ کی مجلسی سرگرمیاں جتنی اس وقت تیز ہوئیں اس کی تاریخ میں ایسی گرم بازاری اسے کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔

مسلو! اس کے باطن سے مسلو! متھو! اس کے اندر جو کچھ ہے سب کو متھو ملو! دلو! اور جس جس جتن سے جو کچھ ہے سب کچھ کر گزرو! قدرت نے اس کا بھی ان کو وسیع موقع بغیر کسی مزاحمت کے بڑی فیاضی کے ساتھ اتنی فیاضی کے ساتھ جس کی نظیر حق وراستی کے تجربہ کی تاریخ میں قطعاً مفقود ہے۔عطا فرمایا۔

جو کیا کچھ نہیں کر سکتا تھا اور جب اجازت ہوگئی تو کیا کر کے اسی نے نہیں دکھا دیا وہی اس وقت سکون تام، صبر مطلق کا ایک کامل مجسمہ بن کر اپنے کو اپنے ظاہر و باطن کو ان میں ہر ایک کے آگے ڈالے ہوئے تھا۔

جانچ کی اس راہ میں پھر کیا کیا پیش ہوا بجز اس کے جس میں اسی درجہ کا صدق ہو جو اس میں تھا، اسی درجہ کی امانت ہو جو اس میں تھی اور یہ مقام نسل آدم میں کسی کو میسر آ سکتا ہے ان کو کون جھیل سکتا تھا۔ (النبی الخاتمؐ)

گالیاں دینا اور تھوکنا

معجم طبرانی میں منیب غامدیؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا لوگوں کو یہ فرماتے تھے اے لوگو لا الہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ گے مگر بعض بدنصیب تو آپؐ کو گالیاں دیتے تھے اور آپ پر تھوکتے اور بعض آپؐ پر خاک ڈالتے۔ اس وقت ایک لڑکی پانی لے کر آئی اور آپ کے چہرۂ انور اور دست مبارک کو دھویا۔ میں نے دریافت کیا یہ کون ہے لوگوں نے کہا یہ آپ کی صاحبزادی زینبؓ ہیں۔

یہ حدیث حارث بن حارث غامدیؓ سے بھی مروی ہے اس میں اس قدر اور زیادہ ہے کہ آپ نے حضرت زینبؓ سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا اے بیٹی تو اپنے باپ کے مغلوب اور ذلیل ہونے کا خوف مت کر۔ (سیرۃ المصطفیؐ)

پتھر مارنا

طارق بن عبداللہ المحاربی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بازار ذی المجاز میں دیکھا کہ یہ فرماتے جاتے تھے کہ اے لوگو لآ الہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ گے اور ایک شخص آپ کے پیچھے پیچھے پتھر مارتا جاتا تھا۔ جس سے جسم مبارک خون آلود ہو گیا اور ساتھ ساتھ کہتا جاتا تھا۔ اے لوگو اس کی بات نہ سننا یہ جھوٹا ہے۔ (سیرۃ المصطفیؐ)

مٹی پھینکنا

بنی کنانہ کے ایک شیخ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بازار ذی المجاز میں دیکھا کہ یہ فرماتے تھے اے لوگو لآ الہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ گے اور ابوجہل آپ پر مٹی پھینکتا تھا اور یہ کہتا تھا اے لوگو تم اس کے دھوکہ میں نہ آنا یہ تم کو لات اور عزیٰ سے چھڑانا چاہتا ہے اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف ذرہ برابر بھی التفات نہ فرماتے تھے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

گلا گھوٹنا

عروۃ بن الزبیر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار عبداللہ بن عمرو بن العاص سے کہا کہ مشرکین نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تکلیف پہنچائی ہو اس کا ذکر کرو تو عبداللہ بن عمرو بن العاص نے فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم میں نماز ادا فرما رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن میں کپڑا ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ گلا گھٹنے لگا۔ سامنے سے ابوبکر آ گئے اور عقبہ کو ایک دھکا دیا اور یہ آیت پڑھی۔

اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ وقد جآء کم بالبینات من ربکم (بخاری شریف)

کیا تم ایک مرد کو اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار صرف اللہ ہے اور اپنی نبوت و رسالت کے واضح اور روشن دلائل تمہارے پاس رب کی طرف سے لے کر آیا ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

فائدہ: حضرت ابوبکرؓ کی شجاعت

ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اثناء خطبہ میں یہ فرمایا بتلاؤ سب سے زیادہ شجاع اور بہادر کون ہے لوگوں نے کہا ''آپ'' حضرت علیؓ نے فرمایا میرا حال تو یہ ہے کہ جس کسی نے میرا مقابلہ کیا میں نے اس سے انتقام لیا۔ سب سے زیادہ شجاع ابوبکرؓ تھے میں نے ایک بار دیکھا کہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں۔

انت جعلت الالھۃ الھا واحدا

تو نے ہی تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا۔

ہم میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے قریب جائے اور آپ کو دشمنوں سے چھڑائے حسن اتفاق سے ابوبکر آ گئے اور دشمنوں کے غول میں گھس پڑے۔ ایک مکہ اس کے اور ایک گھونسہ اس کے رسید کیا اور جس طرح اس مرد مومن نے فرعون اور ہامان کو کہا تھا **اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ الایۃ** اسی طرح ابوبکرؓ نے اس وقت کفار سے مخاطب ہو کر کہا۔

ویلکم اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ

افسوس کیا تم ایسے مرد کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ کہہ کر رو پڑے اور یہ فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ آل فرعون کا رجل مومن افضل تھا یا ابو بکر۔ لوگ خاموش رہے پھر فرمایا خدا کی قسم ابو بکرؓ کی ایک گھڑی آل فرعون کے مرد مومن کی تمام زندگی سے بدرجہا بہتر ہے اس نے اپنے ایمان کو چھپایا اور ابو بکرؓ نے اپنے ایمان کا اظہار فرمایا۔ (فتح الباری)

نیز اس شخص نے فقط زبانی نصیحت پر کفایت کی اور ابو بکر نے زبانی نصیحت کے علاوہ ہاتھ سے آنحضرت کی نصرت وحمایت کی۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص کی ایک روایت میں ہے جس کو امام بخاریؒ نے خلق افعال العباد میں اور ابو یعلی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے کہ جب دشمن علیحدہ ہو گئے تو آپ نے یہ فرمایا۔

والذی نفسی بیدہ ما ارسلت الیکم الا بالذبح

قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جیسوں کے ذبح کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔

اور دلائل ابی نعیم اور دلائل بیہقی اور سیرۃ ابن اسحاق کی روایت میں یہ ہے کہ آپ کے یہ فرماتے ہی کفار پر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا۔ ہر شخص اپنی جگہ پر سرنگوں تھا (۲) اس لئے کہ جانتے تھے کہ آپ جو فرماتے ہیں وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

مار پیٹ کرنا

مسند ابی یعلی اور مسند بزار میں حضرت انس سے سند صحیح کے ساتھ مروی ہے کہ ایک دفعہ قریش نے آپ کو اس قدر مارا کہ آپ بیہوش ہو گئے۔ ابو بکرؓ حمایت کے لئے آئے تو آپ کو چھوڑ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ کو لپٹ گئے۔ مسند ابی یعلی میں باسناد حسن حضرت اسماء بنت ابی بکر سے مروی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس قدر مارا کہ تمام سر زخمی ہو گیا۔ ابو بکرؓ زخموں کی شدت کی وجہ سے سر کو ہاتھ نہ لگا سکتے تھے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

بیہودہ کلمات کہنا

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا۔ آپ طواف فرما رہے تھے اور عقبہ بن ابی معیط اور ابو جہل اور امیۃ بن خلف حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب آپ کے سامنے سے

گزرے تو کچھ نازیبا کلمات آپ کو سنا کر کہے۔ آپ دوسری بار ادھر سے گزرے تب بھی ایسا ہی کیا جب آپ تیسری بار گزرے پھر اسی قسم کے بیہودہ کلمات کہے تو آپ کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا اور ٹھہر گئے۔ اور یہ فرمایا کہ خدا کی قسم تم باز نہ آؤ گے۔ یہاں تک کہ تم پر اللہ کا عذاب جلد نازل ہو۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ اس وقت کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو کانپ نہ رہا ہو آپ یہ فرما کر گھر کی طرف روانہ ہوئے اور ہم آپ کے پیچھے ہو لئے اس وقت آپ نے ہم سے یہ فرمایا۔

بشارت ہو تم کو اللہ اپنے دین کو یقیناً غالب کرے گا اور اپنے کلمہ کو پورا کریگا اور اپنے دین کی مدد کرے گا اور ان لوگوں کو جن کو تم دیکھتے ہو عنقریب اللہ تمہارے ہاتھ سے ذبح کرائے گا۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں خدا کی قسم ہم نے دیکھ لیا کہ اللہ نے ان کو ہمارے ہاتھوں سے ذبح کرایا یہ روایت دلائل ابی نعیم میں بھی مذکور ہے اور مختصر فتح الباری ص ۱۲۸ ج ۷ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

اونٹ کی اوجھ کمر پر رکھ دینا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے احباب بھی وہاں موجود تھے۔ ابوجہل نے کہا کوئی ایسا نہیں جو فلاں اونٹ کی اوجھ اٹھا لائے تا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ میں جائیں تو وہ اوجھ آپ کی پشت پر رکھ دے اس وقت قوم میں جو سب سے زیادہ شقی تھا یعنی عقبۃ بن ابی معیط وہ اٹھا اور ایک اوجھ اٹھا کر آپ کی پشت پر ڈال دی۔ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں اس منظر کو دیکھ رہا ہوں اور کچھ نہیں کر سکتا اور مشرکین ہیں کہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس رہے ہیں اور ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرے جاتے ہیں۔ اتنے میں حضرت فاطمۃ الزہراء جو اس وقت چار پانچ سال کی تھیں دوڑی ہوئی آئیں اور آپ سے اوجھ کو ہٹایا۔ آپؐ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور قریش کے لئے تین بار بددعا کی قریش کو آپ کی بددعا بہت شاق گزری۔ اس لئے کہ قریش کا یہ عقیدہ تھا کہ اس شہر میں دعا قبول ہوتی ہے اس کے بعد آپ نے خاص طور پر ابوجہل اور عقبۃ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ اور امیہ بن خلف اور عقبۃ بن ابی معیط اور عمارۃ بن

الولید کے لئے نام بنام بدعا کی جن میں سے اکثر جنگ بدر میں مقتول ہوئے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تکلیف پہنچائی جاتی تھی آپ اس کا انتقام تو کیا لیتے کبھی بددعا بھی نہیں کرتے تھے۔ البتہ حقوق اللہ کی توہین کی جاتی تھی تو آپ بے چین ہو جاتے تھے اور اس وقت بددعا کے الفاظ بھی زبان مبارک پر آ جاتے تھے۔ یہاں اس وقت جو کچھ کیا گیا اُس میں اول حرم کعبہ کی توہین تھی جو خود عقیدہ قریش کے بموجب بھی حق اللہ کی توہین تھی۔ دوم یہ کہ بارگاہ خدا میں سجدہ ریزی کی توہین تھی جس کو ہر ایک سلیم الفطرت انسان کی فطرت حق اللہ کی توہین سمجھتی ہے۔ چنانچہ اس موقع پر ان سرداران قریش کے حق میں آپ کی زبان سے بددعائیہ کلمات نکلے اور وہ اس طرح پورے ہوئے کہ یہ سب سردار جنگ بدر میں مارے گئے۔ بخاری شریف ص ۳۷ وغیرہ (سیرۃ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

دروازہ پر نجاست ڈال دینا

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دو بدترین پڑوسیوں کے مابین رہتا تھا۔ ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط یہ دونوں میرے دروازے پر نجاستیں لا کر ڈالا کرتے تھے۔

عوام الناس کی کارستانیاں

جب حرم پاک میں رہنماؤں اور سرداروں کی یہ حرکتیں تھیں تو مکہ کے عوام مکہ کی گلیوں کوچوں میں جو کچھ کر گزرتے کم تھا چنانچہ ایسا بھی ہوا کہ اوپر سے کوڑا کرکٹ ''جسد اطہر'' پہ ڈالا گیا۔ اور ایک پڑوسی عورت کا محبوب مشغلہ یہ تھا کہ وہ آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھا دیا کرتی تھی۔

اس قسم کی حرکتیں خدا جانے کتنی ہوئیں اور لطف یہ ہے کہ یہ حرکتیں اصل پروگرام سے زائد تھیں۔ (سیرۃ محمد رسول اللہؐ)

ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلمان ہونا

ضماد بن ثعلبہ ازدی زمانہ جاہلیت ہی سے آپ کے احباب میں سے تھے۔ منتر اور جھاڑ پھونک سے لوگوں کا علاج کیا کرتے تھے۔ بعثت کے بعد مکہ آئے دیکھا کہ لڑکوں کا ایک غول آپ کے پیچھے ہے کوئی ساحر اور کاہن کہتا ہے اور کوئی دیوانہ اور مجنوں بتلاتا ہے۔ ضماد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں جنون کا علاج جانتا ہوں۔ آپ مجھ کو علاج کی اجازت دیجئے۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو میرے ہاتھ سے شفا بخشے آپ نے فرمایا۔

الحمد لله نحمده' و نستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور انفسنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله' فلاهادى له و انى اشهد ان لااله الا الله وحده لاشريک له واشهد ان محمدا عبده و رسوله

ضماد کہتے ہیں میں نے عرض کیا ان کلمات کا پھر اعادہ فرمایئے۔ خدا کی قسم میں نے بہت سے شعر سنے اور کاہنوں کے بہت کچھ منتر سنے لیکن واللہ اس جیسا کلام تو کبھی سنا ہی نہیں یہ کلمات تو دریائے فصاحت کے انتہائی گہرائی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور میں بھی یہی کہتا ہوں۔

وانى اشهد ان لا اله الا الله وحده' لاشريک له و اشهد ان محمداً عبده و رسوله

اس طرح ضماد مشرف باسلام ہوئے اور اپنی قوم کی طرف سے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ (سیرت المصطفیٰ)

اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص دشمن

اعلان توحید اور اعلان دعوت کے بعد عام طور پر سارے ہی اہل مکہ آپ کے دشمن ہو چکے تھے مگر جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور عداوت میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے ان میں سے اکثر و بیشتر آپ کے ہمسایہ تھے اور صاحب عزت و وجاہت تھے۔ آپ کی دشمنی میں سرگرم تھے۔ لیل ونہار یہی مشغلہ اور یہی دھن تھی۔ ابو جہل اور ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط یہ تین شخص سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض کے مفصل حالات آئندہ کے صفحات میں مذکور ہیں۔

ابو جہل بن ہشام

یہ آپ کی امت کا فرعون تھا جس نے آپ کی دشمنی اور عداوت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ ابو جہل کی دشمنی کے کچھ واقعات گزر چکے اور کچھ آئندہ آئیں گے۔ مرتے وقت جو اس نے پیام دیا ہے (جس کا مفصل بیان انشاءاللہ غزوہ بدر کے بیان میں آئے گا) اس سے ناظرین کرام کو ابو جہل کی عداوت اور دشمنی کا پورا پورا اندازہ ہو جائے گا۔ ابو جہل کا اصل نام ابوالحکم تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کا لقب عطا فرمایا کما فی فتح الباری۔ ابو جہل کہا کرتا تھا میرا نام عزیز کریم ہے یعنی عزت والا اور سردار اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ان شجرة الزقوم طعام الاثیم. کالمھل یغلی فی البطون کغلی الحمیم خذوہ فاعتلوہ الیٰ سواء الجحیم ثم صبوا فوق رأسه من عذاب الحمیم ذق انک انت العزیز الکریم ان ھٰذا ما کنتم به تمترون

تحقیق زقوم کا درخت بڑے مجرم کا کھانا ہوگا۔ گرم پانی کی طرح پیٹ میں کھولے اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کو پکڑو۔ پھر گھسیٹتے ہوئے ٹھیک بیچ جہنم کے لے جا کر اس کو ڈال دو پھر اس کے سر پر گرم پانی چھوڑ و اور اس سے کہو کہ چکھ اس عذاب کو تو بڑا معزز و مکرم ہے۔ (سیرت المصطفیٰ)

خانہ کعبہ کے قریب اکثر سرداران قریش کی نشست رہتی تھی ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مصروف تھے۔ ابو جہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ فلاں محلّہ میں اونٹنی ذبح ہوئی ہے۔ ایسا کرو کہ اس کا بچہ دان اٹھالاؤ اور ''محمد'' کے سر پر رکھ دو۔ یہی بد بخت عقبہ بن ابی معیط۔ کھڑا ہو گیا اس محلّہ میں گیا۔ بچہ دان اٹھوا کر لایا اور جب آپ سر بسجود تھے' پورا ملغوب با سر مبارک پر ڈال دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حرکت کرنی مشکل ہوگئی۔ (یا بارگاہ خداوندی میں مظلومانہ شکایت کے لئے قصداً حرکت نہیں کی) مگر یہ بد بخت اپنی اس بدمستی پر خوش تھے اور قہقہے مارتے ہوئے ایک دوسرے پر ڈھلک رہے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی صاحبزادی سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو خبر ہوئی وہ دوڑی ہوئی آئیں اور گندگی کے اس بوجھ کو سر مبارک سے ہٹایا۔ (محمد رسول اللہؐ)

ابولہب:

ابولہب کنیت تھی نام عبد العزیٰ بن عبد المطلب تھا رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا۔ سب سے پہلے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو جمع کر کے اللہ کا پیام پہنچایا تو سب سے پہلے ابولہب نے ہی تکذیب کی اور یہ کہا۔

تبالک سائر الیوم الھٰذا جمعتنا

اللہ تجھ کو ہلاک کرے کیا ہم کو اسی لئے جمع کیا تھا۔ اس پر سورت تبت نازل ہوئی۔ ابولہب چونکہ بہت مال دار تھا۔ اس لئے جب اس کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو یہ کہتا اگر میرے بھتیجے کی بات حق ہے تو قیامت کے دن مال اور اولاد کا فدیہ دے کر عذاب سے چھوٹ جاؤں گا۔ **مآ اغنیٰ عنه ماله و ما کسب** میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ام جمیل

اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب یعنی ابوسفیان بن حرب کی بہن کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے خاص ضد اور دشمنی تھی۔ شب کے وقت آپ کے راستے میں کانٹے ڈال دیا کرتی تھی
(تفسیر ابن کثیر و روح المعانی)

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جب ام جمیل کو خبر ہوئی کہ میرے اور میرے شوہر کے بارے میں یہ سورت نازل ہوئی تو ایک پتھر لے کر آپ کے مارنے کے لئے دوڑی آپ اور ابوبکر صدیق اس وقت مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ ام جمیل جس وقت وہاں پہنچی تو حق تعالیٰ شانہ نے اس کی آنکھ پر ایسا پردہ ڈالا کہ صرف ابوبکر نظر آتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دکھائی نہ دیتے تھے۔ ام جمیل نے ابوبکر سے پوچھا کہ تمہارے ساتھی کہاں ہیں مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ میری مذمت اور ہجو کرتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر اس وقت ان کو پاتی تو اس پتھر سے مارتی خدا کی قسم میں بڑی شاعرہ ہوں اور اس کے بعد یہ کہا۔

مذمماً عصینا و امرہ ابینا و دینہ قلینا

مذمم کی ہم نے نافرمانی کی اور اسکا حکم ماننے سے انکار کیا اور اسکے دین کو مبغوض رکھا

دشمنی اور عداوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بجائے محمدؐ کے مذمم کہتے تھے۔ محمدؐ کے معنی ستودہ کے ہیں اور مذمم کے معنے مذموم اور برے کے ہیں۔ اور یہ کہہ کر واپس ہوگئی۔

قریش جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مذمم کہہ کر برا کہتے تو آپ فرماتے کہ اے لوگو تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کے سب وشتم کو مجھ سے پھیر دیا وہ مذمم کو برا کہتے ہیں۔ اور میں محمد ہوں۔ (ابن ہشام ص ۱۲۴ ج ۱)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے جب ام جمیل کو آپؐ کی طرف آتے دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ ام جمیل سامنے سے آرہی ہے مجھے آپؐ کا ڈر ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔

انھا لن ترانی وہ مجھ کو ہرگز نہیں دیکھے گی۔

اور کچھ آیتیں قرآن کی آپ نے تلاوت فرمائیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۂ تبت) مسند بزار میں عبداللہ بن عباس سے باسناد حسن مروی ہے کہ جب ام جمیل نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ کہا تو ان کی تصدیق ہی کرنے والا ہے۔ جب ام جمیل چلی گئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام جمیل نے آپ کو دیکھا نہیں۔ آپ نے فرمایا اس کے جانے تک ایک فرشتہ مجھ کو چھپائے رہا۔

ابولہب کی ہلاکت

واقعہ بدر کے سات روز بعد ابولہب کے ایک زہریلا دانہ نمودار ہوا اسی میں ہلاک ہوا۔ گھر والوں نے اندیشہ سے کہ اس کی بیماری ہم کو نہ لگ جائے اس کو ہاتھ تک نہ لگایا اسی طرح تین دن لاش پڑے پڑے سڑ گئی عار اور بدنامی کے خیال سے چند حبشی مزدوروں کو بلا کر لاشہ اٹھوایا۔ مزدوروں نے ایک گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے دھکیل کر لاشہ کو اس گڑھے میں ڈال دیا اور مٹی اور پتھروں سے اس کو بھر دیا یہ تو دنیا کی ذلت اور رسوائی ہوئی اور آخرت کی رسوائی کا پوچھنا ہی کیا ہے۔ اجارنا اللہ تعالیٰ من ذلک (سیرت المصطفیٰ)

ابولہب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا بھی تھا اور ہمیشہ مخالفت میں پیش پیش رہا اس کا سودی لین دین وسیع پیمانے پر تھا اور اسکے حرص وطمع کی یہ حالت تھی کہ اس نے خانہ کعبہ کے خزانہ سے سونے کا ہرن چوری کر کے بیچ ڈالا تھا۔ یہ ہرن بہت عرصہ سے محفوظ چلا آتا تھا۔ (محمد رسول اللہؐ)

عتیبہ کی ہلاکت

ابولہب کے تین بیٹے تھے عتبہ، معتب اور عتیبہ دونوں اول الذکر فتح مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور عتبہ جس نے ابولہب کے کہنے سے آپ کی صاحبزادی کو طلاق دی اور مزید برآں اس پر گستاخی بھی کی وہ آپ کی بدعا سے ہلاک ہوا۔ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے کہا تمہارے بھتیجے عتبہ اور معتب کہاں ہیں کہیں نظر نہیں پڑے۔ حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ بظاہر کہیں روپوش ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کو ڈھونڈ کر لاؤ تلاش سے عرفات کے میدان میں ملے۔ حضرت عباس دونوں کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اسلام پیش کیا فوراً اسلام قبول کیا اور آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنے چچا کے ان دونوں بیٹوں کو اپنے پروردگار سے مانگا تھا۔ اللہ نے مجھ کو یہ دونوں عطا فرمائے۔ (سیرت المصطفیٰ)

امیہ بن خلف جمحی

امیہ آپؐ کو علی الاعلان گالیاں دیتا اور جب آپ کے پاس سے گزرتا تو آنکھیں

مٹکا تا۔اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

ویل لکل ھمزة لمزة ۙالذی جمع مالاً و عددہ' یحسب ان مالہ ' اخلدہ کلا لینبذن فی الحطمة و مادرٰک ما الحطمة نار اللہ الموقدة التی تطلع علی الافئدہ انھا علیھم مؤصدة فی عمد ممددة

بڑی خرابی ہے ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالے اور رو در رو طعن کرے مال کو جمع کرتا ہو اور بار بار اس کو شمار کرتا ہو (جیسا کہ ہندو لذت اور مسرت کے ساتھ روپوں کو شمار کرتا ہے) کیا اس کو یہ گمان ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا ہر گز نہیں' البتہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا اور تجھے معلوم بھی ہے کہ وہ حطمہ کیا چیز ہے وہ حطمہ اللہ کی ایک دہکتی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھ جائے گی تحقیق وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی اور آگ کے لمبے لمبے ستونوں میں جکڑ دیے جائیں گے۔

امیہ بن خلف جنگ بدر میں حضرت خبیب یا حضرت بلال کے ہاتھ سے مارا گیا۔(سیرت المصطفیٰ)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے غلام تھے جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو ان کو تپتی ریت پر لٹایا جاتا اور ایک بڑا پتھر ان کے سینہ پر رکھ دیا جاتا کہ حرکت نہ کرنے پائیں اور ان سے کہا جاتا کہ اسلام سے باز آئیں مگر ان کی زبان سے "احد" ہی نکلتا یعنی معبود ایک ہی ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

جب دھوپ میں تیزی نہ رہتی تو گلے میں رسی بندھوا کر لڑکوں کے حوالے کر دیا جاتا کہ مکہ کے اس سرے سے اس سرے تک گھسیٹتے پھریں۔(محمد رسول اللہؐ)

ابی بن خلف

ابی بن خلف بھی اپنے بھائی امیہ بن خلف کے قدم بقدم تھا ایک روز ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آپ کے پاس آیا اور اس کو ہاتھ میں مل کر اور اس کی خاک کو ہوا میں اڑا کر کہنے لگا کیا خدا اس کو پھر دوبارہ زندہ کرے گا۔آپ نے فرمایا ہاں اس کو اور تیری ہڈیوں کو ایسا ہی ہو جانے کے بعد خدا پھر زندہ کرے گا اور تجھ کو آگ میں ڈالے گا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وضرب لنا مثلاً و نسی خلقه' قال من یحی العظام و هی رمیم قل یحیها الذی انشاهآ اول مرة و هو بکل خلق علیم الذی جعل لکم من الشجر الاخضر ناراً فاذا انتم منه توقدون اولیس الذی خلق السمٰوات والارض بقدر علیٓ ان یخلق مثلهم بلیٰ وهو الخلق العلیم انمآ امرهٓ اذا ارادشیئاً ان یقول له' کن فیکون فسبحٰن الذی بیده ملکوت کل شی والیه ترجعون

اور ہمارے لئے ایک مثال پیش کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول گیا اور کہنے لگا کہ ان پرانی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا وہی ان کو دوبارہ زندہ کرے گا اور وہ ہر مخلوق کو جاننے والا ہے۔ جس خدا نے سبز درخت سے آگ پیدا کی پھر تم اس درخت سے آگ سلگاتے ہو۔ کیا جس خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے لوگوں کو دوبارہ پیدا کر سکے کیوں نہیں وہ تو بڑا خلاق اور علیم ہے اس کی شان تو یہ ہے کہ جس چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کو کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (سیرت المصطفیٰ)

ابی بن خلف کی موت

ابی بن خلف مکہ کے مشرکین میں سے بڑا سخت دشمن اسلام تھا۔ ہجرت سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتا تھا کہ میں نے ایک گھوڑا پالا ہے اس کو بہت کچھ کھلاتا ہوں اس پر سوار ہو کر (نعوذ باللہ) تم کو قتل کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اس سے فرمایا تھا کہ انشاء اللہ میں ہی تجھ کو قتل کروں گا۔ احد کی لڑائی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرتا پھرتا رہا اور کہتا تھا کہ اگر وہ آج بچ گئے تو میری خیر نہیں۔ چنانچہ حملہ کے ارادہ سے وہ حضورؐ کے قریب پہنچ گیا۔ صحابہؓ نے ارادہ بھی فرمایا کہ دور ہی سے اس کو نمٹا دیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ آنے دو۔ جب وہ قریب ہوا تو حضورؐ نے ایک صحابیؓ کے ہاتھ میں سے برچھا لے کر اس کے مارا جو اس کی گردن پر لگا اور ہلکا سا خراش اس کی گردن پر آ گیا مگر اس کی وجہ

سے گھوڑے سے لڑھکتا ہوا گرا اور کئی مرتبہ گرا اور بھاگتا ہوا اپنے لشکر میں پہنچ گیا اور چلاتا تھا کہ خدا کی قسم مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قتل کر دیا۔ کفار نے اس کو اطمینان دلایا کہ معمولی خراش ہے کوئی فکر کی بات نہیں۔ مگر وہ کہتا تھا کہ محمدؐ نے مکہ میں کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ خدا کی قسم اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں مرجاتا۔ لکھتے ہیں کہ اس کے چلانے کی آواز ایسی ہو گئی تھی جیسا کہ بیل کی ہوتی ہے۔ ابوسفیان جو اس لڑائی میں بڑے زوروں پر تھا اس کو شرم دلائی کہ اس ذرا سی خراش سے اتنا چلاتا ہے۔ اس نے کہا تجھے خبر بھی ہے کہ یہ کس نے ماری ہے۔ یہ محمدؐ کی مار ہے۔ مجھے اس سے جس قدر تکلیف ہو رہی ہے لات اور عزیٰ (دو مشہور بتوں کے نام ہیں) کی قسم اگر یہ تکلیف سارے حجاز والوں کو تقسیم کر دی جائے تو سب ہلاک ہو جائیں۔ محمدؐ نے مجھ سے مکہ میں کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ میں نے اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ میں ان کے ہاتھ سے ضرور مارا جاؤں گا۔ میں ان سے چھوٹ نہیں سکتا۔ اگر وہ اس کہنے کے بعد مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں اس سے بھی مرجاتا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ پہنچنے سے ایک دن پہلے وہ راستہ ہی میں مر گیا۔ (شیخ الحدیثؒ)

عقبہ ابن ابی معیط

عقبہ ابی بن خلف کا گہرا دوست تھا۔ ایک روز عقبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کچھ دیر بیٹھا اور آپ کا کلام سنا۔ ابی کو جب خبر ہوئی تو فوراً عقبہ کے پاس آیا اور کہا مجھ کو یہ خبر ملی ہے کہ تو محمد کے پاس جا کر بیٹھا ہے اور ان کا کلام سنا ہے خدا کی قسم جب تک محمد کے منہ پر جا کر نہ تھوک آئے اس وقت تک تجھ سے بات کرنا اور تیری صورت دیکھنا مجھ پر حرام ہے۔ چنانچہ بدنصیب عقبہ اٹھا اور چہرۂ انور پر تھوکا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ویوم یعض الظالم علیٰ یدیه یقول یلیتنی اتخذت مع الرسول سبیلاً یاویلتیٰ لیتنی لم اتخذفلاناً خلیلاً لقد اضلنی عن الذکر بعد اذجآء نی و کان الشیطان للانسان خذولاً وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا هذا القرآن مهجوراً و کذٰلک جعلنا لکل نبی عدواً من المجرمین و کفیٰ بربک هادیاً و نصیراً

اور اس دن کو یاد کرو کہ جس دن حسرت اور ندامت سے اپنے ہاتھ منہ میں کاٹے گا اور یہ کہے گا کہ کاش میں رسول کے ساتھ اپنی راہ بناتا اور کاش فلانے کو اپنا دوست نہ بناتا اس کمبخت نے مجھ کو اللہ کی نصیحت سے گمراہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہیں گے کہ اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اے ہمارے نبی آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ ہر نبی کے لئے اسی طرح مجرمین میں سے دشمن پیدا کئے ہیں اور تیرا رب ہدایت و نصرت کے لئے کافی ہے۔

عقبہ جنگ بدر میں اسیر ہوا اور مقام صفراء میں پہنچ کر اس کی گردن ماری گئی۔ (سیرت المصطفیٰ)

گستاخی و بدبختی

ایک دفعہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے چادر گردن میں ڈال دی اور اتنی زور سے اس کو اینٹھا کہ محبوب خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سانس گھٹ گیا۔ آنکھیں باہر کو آنے لگیں۔ اتفاق سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے۔ عقبہ کو دھکیل کر پیچھے کیا۔ چادر گردن مبارک سے ڈھیلی کی اور ان دشمنان حق سے کہا۔

اتقتلون رجلاً ان يقول ربى الله و قدجاء كم بالبينات من ربكم

کیا تم ایک آدمی کو اس پر قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے وہ روشن دلیلیں لایا ہے (جن کا تم انکار نہیں کر سکتے۔) (محمد رسول اللہؐ)

ولید بن مغیرہ

ولید بن مغیرہ یہ کہا کرتا تھا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ محمد پر تو وحی نازل ہو اور میں اور ابومسعود ثقفی چھوڑ دیئے جائیں حالانکہ ہم دونوں اپنے اپنے شہر کے بڑے معزز ہیں۔ میں قریش کا سردار ہوں اور ابومسعود قبیلہ ثقیف کا سردار ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وقالوا لولا نزل هٰذا القراٰن علىٰ رجل من القريتين عظيم اهم يقسمون رحمة ربك نحن قسمنا بينهم معيشتهم فى الحيٰوة الدنيا و رفعنا بعضهم فوق بعض درجات ليتخذ بعضهم بعضاً سخرياً ورحمة ربك خير مما يجمعون

یہ کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا۔ کیا یہ لوگ اللہ کی خاص رحمت نبوت کو اپنی منشاء کے مطابق تقسیم کرنا چاہتے ہیں ہم نے تو ان کی دنیوی معیشت کو بھی اپنی ہی منشا سے تقسیم کیا ہے اور اپنی ہی منشا سے ایک کو دوسرے پر رفعت دی ہے تا کہ ایک دوسرے کو اپنا مسخر اور تابع بنائے اور اخروی نعمت تو دنیاوی نعمت سے بدرجہ بہتر ہے پس جب دنیوی معیشت کی تقسیم ان کی رائے پر نہیں تو اخروی نعمت کی تقسیم ان کی رائے پر کیسے ہو سکتی ہے۔

یعنی نبوت و رسالت کا مدار مال و دولت اور دنیاوی عزت و وجاہت پر نہیں چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ولید بن مغیرہ اور امیہ بن خلف اور ابوجہل اور عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ اور دیگر سرداران قریش اسلام کے متعلق کچھ دریافت کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ ان کے سمجھانے میں مشغول تھے کہ عبداللہ بن ام مکتوم آپ کی مسجد کے نابینا مؤذن کچھ دریافت کرنے کے لئے آ پہنچے۔ آپ نے یہ سمجھ کر کہ ابن ام مکتوم تو مسلمان ہیں ہی پھر کسی وقت دریافت کر لیں گے لیکن یہ لوگ ذی اثر ہیں اگر اسلام لے آئیں تو ان کی وجہ سے ہزاروں آدمی مسلمان ہو جائیں گے۔ اس لئے آپ نے ابن ام مکتوم کی طرف التفات نہ فرمایا۔ اور ان کے اس بے محل سوال سے چہرۂ انور پر کچھ انقباض کے آثار نمودار ہوئے۔ اس لئے کہ ان کو چاہیے کہ سابق گفتگو کے ختم ہونے کا انتظار کرتے مگر خداوند ذوالجلال کی رحمت جوش میں آ گئی اور یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

عبس وتولٰی ان جآءہ الاعمٰی ومایدریک لعلہ یزکٰی اویذکر فتنفعہ الذکرٰی اما من استغنٰی فانت لہ تصدٰی وما علیک الایزکٰی واما من جآءک یسعٰی و ھو یخشٰی فانت عنہ تلھٰی کلاانھا تذکرۃ فمن شآء ذکرہ (الیٰ آخر السورۃ)

آپ ایک نابینا کے آنے سے چین بجبیں ہوئے اور بے التفاتی برتی آپ کو کیا معلوم شاید یہی نابینا آپ کی تعلیم سے پاک وصاف ہو جائے یا آپ کی نصیحت اسکو کچھ نفع پہنچائے اور جس شخص نے بے پرواہی کی اس کی طرف متوجہ ہوئے حالانکہ وہ اگر پاک و

صاف نہ ہو تو آپ پر کوئی الزام نہیں اور جو شخص دین کے شوق میں آپ کے پاس دوڑتا ہوا اور خدا سے ڈرتا ہوا آتا ہے اس سے آپ بے اعتنائی کرتے ہیں۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ جب کبھی عبداللہ ابن ام مکتوم حاضر ہوتے تو آپ ان کے لئے اپنی چادر بچھا دیتے اور یہ فرماتے **مرحبا بمن فیه عاتبنی ربی** مرحبا ہو اس شخص کو جس کے بارے میں میرے پروردگار نے مجھ کو عتاب فرمایا۔ (سیرت المصطفیٰ)

پروپیگنڈہ مہم کا سربراہ

ایک دفعہ سرداران قریش نے عوام الناس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رکھنے خصوصاً حج کے موسم میں آپ کے خلاف پروپیگنڈہ پھیلانے کے لئے میٹنگ کی تو بحث و مباحثہ کے بعد طے کیا گیا کہ پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ گفتگو کر لی جائے۔ ولید بن مغیرہ کو گفتگو کے لئے منتخب کیا گیا ولید بن مغیرہ مکہ کا سب سے بڑا دولت مند تھا۔ بہترین خطیب، بلند پایہ شاعر، جہاندیدہ، عمر رسیدہ، تجربہ کار اور ایسا سلیقہ مند کہ شاہان ایران، افریقہ اور شام کے درباروں میں جاتا رہتا تھا اور وہاں اس کی عزت کی جاتی تھی۔

(ولید بن مغیرہ کا آسان تعارف اب یہ ہے کہ اسلام کے مشہور اور کامیاب ترین جرنیل حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس کے نامور فرزند تھے جو اس واقعہ سے تقریباً پندرہ سال بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے)

ولید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا گفتگو کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقصد کی وضاحت کی اور چند آیتیں قرآن پاک کی پڑھ کر سنائیں۔ ولید آیتیں سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ سے منع تو کیا کرتا خود گم ہو گیا۔ خاموشی سے مجلس سے اٹھا اور جب مجلس قریش میں واپس پہنچا تو حالت عجیب تھی۔ لوگوں کو خیال ہوا ولید بہک گیا۔ محمد کا ہو گیا (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر ولید باہمہ عقل و دانش حیران تھا کہ جو کلام سنا ہے اس کے بارہ میں اور خود محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارہ میں کیا فیصلہ کرے۔ پورے غور و فکر اور موازنہ کے بعد ولید نے ارکان مجلس سے کہا۔

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کاذب نہیں کہہ سکتے، اس کو کاہن بھی نہیں کہہ سکتے۔ شعر و سخن کا

میں ماہر ہوں، اس کا کلام شعر بھی نہیں ہے۔ کاہنوں کی تک بندیوں کو بھی میں جانتا ہوں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کلام پیش کرتے ہیں وہ ان سب سے بہت بلند ہے۔ اس کا کوئی جواب نہیں۔ اس کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ مجھ جیسا پختہ اور ٹھوس آدمی بھی چکرا گیا۔

اصل سوال کے متعلق ولید نے رائے دی کہ محمد، صلی اللہ علیہ وسلم کی شائستہ اور شیریں گفتگو اور اس کلام کی غیر معمولی تاثیر کا توڑ یہی ہو سکتا ہے کہ پوری قوت سے پروپیگنڈہ کرو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جادوگر ہے۔ وہ ایسے منتر پڑھتا ہے کہ گھر گھر میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔ لہٰذا اس کی بات نہ سنو۔ وہ دین سے پھر گیا ہے، وہ کہتا ہے کہ تم سب، تمہارے باپ دادا، اور تمہارے وہ دیوتا جن کی پوجا کرتے ہو، یہ سب دوزخ کا ایندھن ہیں۔ تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ (محمد رسول اللہؐ)

ابو قیس بن الفاکہ

یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید ایذاء پہنچاتا تھا۔ ابو جہل کا خاص معین اور مددگار تھا۔ ابو قیس جنگ بدر میں حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (سیرت المصطفیٰ)

نضر بن حارث

نضر بن حارث سرداران قریش سے تھا۔ تجارت کے لئے فارس جاتا اور وہاں شاہان عجم کے قصص اور تواریخ خرید کر لاتا اور قریش کو سناتا اور یہ کہتا کہ محمد تو تم کو عاد اور ثمود کے قصے سناتے ہیں اور میں تم کو رستم اور اسفندیار اور شاہان فارس کے قصے سناتا ہوں لوگوں کو یہ افسانے دلچسپ معلوم ہوتے تھے (جیسے آج کل کے ناول ہیں) لوگ ان قصوں کو سنتے اور قرآن کو نہ سنتے۔

ایک گانے والی لونڈی بھی خرید رکھی تھی لوگوں کو اس کا گانا سنواتا جس کسی کے متعلق یہ معلوم ہوتا کہ یہ اسلام کی طرف راغب ہے اس کے پاس اس لونڈی کو لے جاتا اور کہتا کہ اس کو کھلا اور پلا اور گانا سنا پھر اس سے کہتا کہ بتلا یہ بہتر ہے یا وہ شے بہتر ہے کہ جس کی طرف محمد بلاتے ہیں کہ نماز پڑھو اور روزہ رکھو اور خدا کے دشمنوں سے جہاد کرو اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

و من الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر

علم و یتخذھا ھزواً اولٰئک لھم عذاب مھین واذاتتلیٰ علیه اٰیاتناولی مستکبراً کان لم یسمعھا کان فی اذنیه و قراً فبشره بعذاب الیم (روح المعانی ص ۶۹ ج ۲۱)

بعضا آدمی خدا سے غافل کرنے والی باتوں کوخریدتا ہے تاکہ لوگوں کو خدا کی راہ سے گمراہ کرے اور خدا کی آیتوں کی ہنسی اڑائے ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے اور اس کے سامنے جب ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ازراہ تکبران سے منہ موڑ لیتا ہے جیسا کہ سنا ہی نہیں گویا کہ کانوں میں ثقل ہے۔اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔

نضر بن حارث جنگ بدر میں گرفتار ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت علی نے اس کی گردن ماری (سیرت المصطفیٰ)

گمراہی کے آلات

کھلانا پلانا اور لڑکیوں کا گانا سنوانا اور اس طرح اپنے مذہب کی طرف لوگوں کو مائل کرنا یہ اہل باطل کا قدیم طریقہ ہے جس پر نصاریٰ خاص طور پر کاربند ہیں اور ان کے دیکھا دیکھی ہندوستان کے آریوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے جن کو خداتعالیٰ نے کچھ بھی عقل دی ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ طریقہ خداپرستوں کا نہیں بلکہ شہوت پرستوں کا ہے۔نعوذ باللہ من ذٰلک (سیرت المصطفیٰ)

مکہ کے سرمایہ داران

حرب بن امیہ ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل' عتبہ بن ربیعہ' ابولہب' ابوجہل' امیہ' بن خلف' ابی بن خلف' عقبہ بن ابی معیط' نضر بن حارث' اسود بن عبدیغوث بڑے بڑے دولتمند تھے۔ یہ تاجر بھی تھے' صاحب جائیداد بھی' سودی کاروبار بھی بڑے پیمانہ پر کرتے تھے اور ان تمام خصوصیتوں کے مالک تھے جو سرمایہ داروں میں ہوا کرتی ہیں (محمد رسول اللہؐ)

عاص بن وائل سہمی

عاص بن وائل بہت بڑا دولت مند قبیلہ کا مشہور سردار تھا (محمد رسول اللہ)

عاص بن وائل سہمی حضرت عمرو بن العاص کے والد ہیں یہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو آپ کی ذات بابرکات کے ساتھ استہزا اور تمسخر کیا کرتے تھے۔ حضورؐ کے جتنے بیٹے ہوئے وہ سب آپ ہی کی زندگی میں وفات پا گئے تو عاص بن وائل نے کہا۔

ان محمدا ابتر لا یعیش له ولد محمد تو ابتر ہیں ان کا کوئی لڑکا زندہ ہی نہیں رہتا۔

ابتر دم کٹے جانور کو کہتے ہیں۔ جس شخص کا آگے پیچھے کوئی نام لیوا نہ رہے گویا وہ شخص دم کٹا ہوا جانور ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ان شانئک هو الابتر آپ کا دشمن ہی ابتر ہے

آپ کے نام لیوا تو لاکھوں اور کروڑوں ہیں ہجرت کے ایک ماہ بعد کسی جانور نے عاص کے پیر میں کاٹا جس سے پیر اس قدر پھولا کہ اونٹ کی گردن کے برابر ہو گیا۔ اس میں عاص کا خاتمہ ہو گیا (سیرت المصطفیٰ)

نبیہ و منبہ پسران حجاج

نبیہ اور منبہ بھی آپ کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھے جب کبھی آپ کو دیکھتے تو یہ کہتے کہ کیا خدا کو ان کے سوا اور کوئی پیغمبر بنانے کے لئے نہیں ملا تھا۔ دونوں جنگ بدر میں مارے گئے (سیرت المصطفیٰ)

اسود بن مطلب

اسود بن مطلب اور اس کے ساتھی جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو دیکھتے تو آنکھیں مٹکاتے اور یہ کہتے کہ یہی ہیں وہ لوگ جو روئے زمین کے بادشاہ ہوں گے اور قیصر و کسریٰ کے خزانوں پر قبضہ کریں گے یہ کہہ کر سیٹیاں اور تالیاں بجاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی کہ اے اللہ اس کو نابینا فرما (تا کہ آنکھ مارنے کے قابل ہی نہ رہے) اور اس کے بیٹے کو ہلاک فرما۔ چنانچہ اسود تو اسی وقت نابینا ہو گیا اور بیٹا جنگ بدر میں مارا گیا۔ قریش جس وقت جنگ احد کی تیاری کر رہے تھے اسود اس وقت مریض تھا۔ لوگوں کو آپ کے مقابلہ کے لئے آمادہ کر رہا تھا۔ جنگ احد سے پہلے ہی انتقال کر گیا۔ (سیرت المصطفیٰ)

اسود بن عبد یغوث

اسود بن عبد یغوث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں کا بیٹا تھا جس کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ اسود بن عبد یغوث بن وہب بن مناف بن زہرہ یہ بھی آپ کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا۔ جب فقراء مسلمین کو دیکھتا تو یہ کہتا یہی روئے زمین کے بادشاہ بننے والے ہیں۔ جو کسریٰ کی سلطنت کے وارث ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تو یہ کہتا آج آسمان سے کوئی بات نہیں ہوئی اور اس قسم کے بیہودہ کلمات کہتا۔ (سیرت المصطفیٰ)

حارث بن قیس سہمی

جس کو حارث بن عیطلہ بھی کہا جاتا ہے۔ عیطلہ ماں کا نام ہے۔ قیس باپ کا نام تھا۔ یہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھا کہ جو آپ کے اصحاب کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کیا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ محمدؐ نے اپنے اصحاب کو یہ سمجھا کر دھوکہ دے رکھا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہوں گے۔

واللہ مایھلکنا الا الدھر خدا کی قسم ہم کو زمانہ ہی ہلاک اور برباد کرتا ہے۔

جب ان لوگوں کا استہزاء اور تمسخر حد سے گزر گیا تب اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

فاصدع بما تؤمر و اعرض عن المشرکین انا کفیناک المستھزئین (الحجر، ۹۴)

جس چیز کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کو علی الاعلان بیان کریں اور مشرکین اگر نہ مانیں تو ان سے اعراض فرمائیں اور جو لوگ آپ کی ہنسی اور مذاق اڑاتے ہیں ان کے لئے ہم کافی ہیں۔

زیادہ ہنسی اور مذاق اڑانے والے یہ پانچ شخص تھے۔

(۱) اسود بن عبد یغوث (۲) ولید بن مغیرہ (۳) اسود بن عبد المطلب (۴) عاص بن وائل (۵) حارث بن قیس۔

ایک بار آپؐ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ جبرئیل امین آگئے۔ آپ نے جبرئیل

امین سے ان لوگوں کے استہزاء اور تمسخر کی شکایت کی اتنے میں ولید سامنے سے گزرا آپ نے بتلایا کہ یہ ولید ہے۔ جبرئیل نے ولید کی شہ رگ کی طرف اشارہ کیا آپؐ نے دریافت کیا یہ کیا کیا؟ جبرئیل نے کہا آپ ولید سے کفایت کئے گئے۔ اس کے بعد اسود بن مطلب گزرا آپ نے بتلایا کہ یہ اسود بن مطلب ہے۔ جبرئیل نے آنکھوں کی طرف اشارہ کیا آپ نے دریافت کیا کہ اے جبرئیل یہ کیا کیا جبرئیل نے کہا تم اسود بن مطلب سے کفایت کئے گئے۔ اس کے بعد اسود بن عبد یغوث ادھر سے گزرا جبرئیل نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا۔ اور حسب سابق آپ کے سوال پر جواب دیا کہ آپ کفایت کئے گئے اس کے بعد حارث گزرا جبرئیل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ آپ اس سے کفایت کئے گئے اس کے بعد عاص بن وائل ادھر سے گزرا۔ جبرئیل نے اس کے پیر کے تلوے کی طرف اشاہ کیا اور کہا کہ آپ اس سے کفایت کئے گئے۔ چنانچہ ولید کا قصہ یہ ہوا کہ ولید ایک مرتبہ قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص پر گزرا جو تیر بنا رہا تھا۔ اتفاق سے اس کے کسی تیر پر ولید کا پیر پڑ گیا جس سے خفیف سا زخم پڑ گیا۔ اس زخم کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ زخم جاری ہو گیا اور اسی میں مر گیا۔ اسود بن عبد المطلب کا یہ قصہ ہوا کہ ایک کیکر کے درخت کے نیچے جا کر بیٹھا ہی تھا کہ اپنے لڑکوں کو آواز دی مجھ کو بچاؤ مجھ کو بچاؤ میری آنکھوں میں کوئی شخص کانٹے چبھا رہا ہے۔ لڑکوں نے کہا ہمیں کوئی نظر نہیں آتا۔ اسی طرح کہتے کہتے اندھا ہو گیا۔ اسود بن عبد یغوث کا قصہ یہ ہوا کہ جبرئیل امین کا اس کے سر کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ تمام سر میں پھوڑے اور پھنسیاں نکل پڑیں اور اسی تکلیف میں مر گیا۔ حارث کے پیٹ میں دفعۃً ایسی بیماری پیدا ہوئی کہ منہ سے پاخانہ آنے لگا اور اسی میں مر گیا۔ عاص بن وائل کا یہ حشر ہوا کہ گدھے پر سوار ہو کر طائف جا رہا تھا راستہ میں گدھے سے گرا اور کسی خاردار گھانس پر جا گرا جس سے پیر میں ایک معمولی سا کانٹا لگا مگر اس معمولی کانٹے کا زخم اس قدر شدید ہوا کہ جانبر نہ ہو سکا اور اسی میں مر گیا۔ (سیرت المصطفیٰ)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر ظلم وستم کی مشق

جس قدر اسلام پھیلتا جاتا تھا اور مسلمان زیادہ ہوتے جاتے اسی قدر مشرکین مکہ کا غیظ و غضب زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ جن مسلمانوں کا کوئی حامی اور مددگار تھا ان پر تو کفار مکہ کا کچھ زیادہ بس نہ چلتا تھا۔ ہاں جو بیچارے بے سہارا مسلمان تھے جن کی کوئی پشت پناہ نہ تھی وہ قریش مکہ کے جور وستم کے تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔ کسی کو مارتے اور کسی کو تنگ وتاریک کوٹھڑی میں بند رکھتے۔

الغرض قریش نے مسلمانوں کی ایذاء رسانی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ درختوں پر بھی لٹکایا پیروں میں رسیاں باندھ کر بھی گھسیٹا پیٹ اور پیٹھ پر تپتی ہوئی سلیں بھی رکھیں سب ہی کچھ کیا مگر دین حق سے کسی ایک کا بھی قدم نہ ڈگمگایا۔ سختیاں اور صعوبتیں جھیلتے ہوئے مر گئے مگر اسلام سے منحرف نہ ہوئے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

ظلم وستم کی مشقیں اور ان کا مقصد

لاوارث بے کس ساتھیوں پر پہلے انہوں نے ہاتھ چھوڑا اور اس طرح چھوڑا کہ چیرہ دستیوں کا کوئی ایسا دقیقہ نہ تھا جسے انہوں نے رکھ چھوڑا دہکتے ہوئے کوئلوں پر زندہ کھال والی پیٹھیں، ننگی پیٹھیں لٹائی گئیں جلتی ہوئی ریت پر جانداروں کو سلایا گیا۔

کتے جب مر جاتے ہیں تب ان کی ٹانگوں میں رسی باندھ کر مہتر گھسیٹتے ہیں لیکن قریش کے مہتروں میں ایسے مہتر بھی تھے جنہوں نے جیتے جاگتے آدمیوں کے گلے میں رسیاں باندھیں اور مکہ کی گلیوں میں ان ہی رسیوں کے ساتھ وہ گھسیٹے گئے، گرم پتھروں پر کھلے بدن کے ساتھ کوڑے مار مار کر سچ کو چھوڑ کر جھوٹ بولنے کے لئے تڑپائے گئے۔ تلملائے گئے۔ چٹائیوں میں باندھ کر ناک کی راہ سے تیز وتند ایندھنوں کا دھواں پہنچایا گیا۔ (النبی الخاتم)

شاہی سفیر کی پکار کا پہلا جزو چونکہ یہی تھا کہ شہنشاہی بغاوت چھوڑ دو اور ضد وعناد سے یکسو

ہو کر حق و باطل کو پرکھو اس لئے اس میں کامیابی شروع ہوئی۔ اور جن لوگوں نے ریاست و حکومت کے زعم میں بات کا پرکھنا پسند نہ کیا تھا آخر وہ بھی متاثر ہوئے اور اپنے منہ سے نکلی ہوئی بات اور پرانی پڑی ہوئی رسم کی پچ کو علیحدہ رکھا' چنانچہ پھر ان کے لئے بغاوت کے چھوڑنے اور آپ کا ہو کر رہنے میں کوئی خیال بھی مانع نہیں ہوا۔ البتہ جن کو کبر و نخوت نے گھیر رکھا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ کسی سے دب کر رہنا دنیا میں مر رہنے سے بدتر ہے۔ انہوں نے غیرت اور غصہ کے مارے حق سے آنکھیں بند کر لیں' اور اپنی بغاوت کی حمایت کے ایسے پیچھے پڑے کہ سفیر کے لائے ہوئے قوانین کا سننا بھی ان کو گوارا نہ ہوا بلکہ جن کو سفیر کا معتقد دیکھا ان کی جان و مال کے دشمن بن گئے۔ اور جس پر جتنی بھی قدرت پائی ایذائیں دیکر اس کو اپنے مظالم کا تختہ مشق بنایا' غرباء کو ذلیل سمجھا' فقراء کو حقیر جانا' گالیاں دیں' فحش کلمات سنائے' مارا پیٹا' بالو کی ریت پر بٹھایا اور سخت گرمی میں عین دوپہر کے وقت بدن ننگا کر کے پتھروں پر لٹایا' پھر تیل چھڑکا اور درے مارے' خون بہایا' گلے میں رسیاں ڈال ڈال کر کنکریوں پر گھسیٹا' غرض جو جو کچھ کرنا تھا کر گزرے' اور پوری ہمت صرف کر دی کہ کسی طرح سفیر کو آئندہ بھی ترقی نصیب نہ ہو اور پچھلی کامیابی بھی منقلب ہو جائے۔ (ماہتاب عرب)

حق کی قوت اور صحابہؓ کی ثابت قدمی

مگر وہ آواز جس نے باغیوں کے دلوں کو دہلا دیا تھا اور وسط قلب میں پہنچ کر ان کو اس طرف متوجہ کیا تھا کہ صلاح و فلاح کو اختیار کریں ایسی کمزور نہ تھی کہ بغاوت سے توبہ کرنے والوں کو ناتمام یا خام چھوڑ دیتی۔ چنانچہ جنہوں نے بھی سفیر کا دامن پکڑا چونکہ وہ ہر طرح سے ہر قسم کی محنت و مصیبت اٹھانے کے لئے تیار ہو کر آئے تھے اس لئے جتنی بھی ان کو ایذاء پہنچی اسی قدر ان کی پختگی بڑھی' انہوں نے عزت و جاہ کو خیر باد کہا' مال و متاع کو چھوڑا' بیوی بچوں سے منہ موڑا' عزیز اور رشتہ داروں سے علیحدہ ہوئے' مار سہی' آزار اٹھائے' سب کچھ برداشت کیا مگر وہ حلاوت جو دلوں میں پیدا ہوگئی تھی نہ گئی۔ پر نہ گئی۔

یہ وہ وقت تھا جس کے تصور سے بھی سننے والے کو وحشت ہوتی ہے انسان کا دل گھبرا جاتا ہے' سمجھ کام نہیں دیتی اور عقل دنگ ہوئی جاتی ہے' آخر وہ کون سی لذت تھی جس کے مزہ نے

نوگرفتاران مصیبت کے لئے دنیوی ذلت ورسوائی اور ہر قسم کے جور و جفا کی برداشت کو سہل بنادیا کہ لاڈوں کے پلے ہوئے ناز میں پرورش پائے ہوئے آزاد خیال جنگجو اور بہادر اور شریف زادے اپنے عقیدوں اور شیر میں ملے ہوئے خیالات کو چھوڑ چھوڑ کے خدائی سفیر کے ہم سفیر ہوئے۔ بیوی بچوں تک کو جدا کر کے نشانہ ملامت بنے۔ جن باعزت نوجوانوں نے مجلسوں میں صدر مقام چھوڑنا نہیں جانا تھا۔ انہوں نے غلاموں اور باندیوں کے نازیبا الفاظ سنے اور زبان سے اف نہیں کی، پیشانی پر بل نہیں آیا، کون کہہ سکتا ہے کہ ان کو کوئی موہوم طمع یا حکومت کی خیالی حرص اس طرف کھینچ لائی تھی جبکہ وہ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ جو بھی ادھر آتا ہے وہ صابی اور لامذہب کے نام سے پکارا جاتا ہے، قوم کی نظروں سے گر جاتا ہے، ملک میں بدنام اور طرح طرح کی کلفتوں میں مبتلا ہوتا ہے، الغرض سفیر نے اپنی صدا نہ چھوڑی اور برابر اسی ہمت و جانبازی کے ساتھ بھرے مجمعوں میں اعلان جاری رکھا کہ بغاوت سے باز آؤ اور ہر چند کہ اس وقت تم کو تکلیف کا سامنا ہوگا مگر انجام اسی کا بہتر ہے اور فلاح دنیا و دین اسی میں منحصر ہے (ماہتاب عرب)

مقصد و مطمح نظر

حضرت عماران کے والد اور والدہ تینوں کو طرح طرح ستایا جارہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گزرے۔ ان کو مبتلاء عذاب دیکھ کر فرمایا۔ **صبراً یاآل یاسر ان موعدکم الجنة** آل یاسر! صبر کرو۔ تم سے جنت کا وعدہ ہے۔ یعنی اس انقلابی پارٹی کی پہلی شرط یہ تھی کہ اس کے مجاہدین کی نظر صرف آخرت پر ہوگی۔ ان کی ہر قربانی اللہ کے لئے ہوگی۔ غلبہ اور اقتدار حاصل ہونے کے بعد یقیناً دنیاوی مفادات بھی حاصل ہوں گے۔ مگر وہ اللہ تعالیٰ کا فضل وانعام مانا جائے گا۔ مجاہد کا نصب العین نہیں ہوگا۔ قرآن حکیم نے اعلان فرمادیا ہے۔

تلک الدار الآخرة نجعلها للذین لایریدون علواً فی الارض ولا فساداً والعاقبة للمتقین

یہ عالم آخرت ہم انہیں لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا، اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کے لئے ہوتا ہے۔ (محمد رسول اللہ)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیمثال صبر

جن پر یہ گزر رہی تھی ان کا جو کچھ امتحان تھا ظاہر ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس رؤف ورحیم فطرۃ طیبہ میں جنبش پیدا کرنے کے لئے یہ طوفان اٹھایا گیا' اس کے صبر مطلق اور سکون تام کے لئے یہ بڑا سخت اور کڑا امتحان تھا' اس کے سوا جو ہوا اپنے اندر بتا تا تھا اگر کسی چیز کا ادنیٰ شائبہ بھی ہوتا تھا تو اس کے لئے اس کے رقیق قلب' گداز دل کے لئے یہ منظر قطعاً نا قابل برداشت تھا لیکن سب کچھ ہلا دیا تھا اور پوری طاقت کے ساتھ ہلا دیا گیا مگر جو سچائی'' کی چٹان پر بٹھایا گیا تھا' بجز آنکھوں میں آنسو بھر لانے کے اس میں کوئی جنبش نہ ہوئی بوڑھی غریب بے کس عورت کے سر پر انگارے رکھے گئے اس کے سامنے اس کے شوہر کے سینہ میں برچھا جھونکا گیا۔ حضرت عمار کی والدہ اور والد کی اس جگر شگاف حالت کو دیکھ کر زبان میں اضطراراً حرکت پیدا ہوئی لیکن اس حرکت میں جو آواز آئی وہ صرف یہ تھی۔

عمار کے گھر والو! اللہ تم پر رحم فرمائے، تنگی کے بعد کچھ دور نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ فراخی پیدا کرے۔ (النبی الخاتم)

نہایت عجیب بات یہ ہے کہ ان تمام مظالم کے مقابلہ میں رحمۃ للعالمین کی زبان مبارک اگر متحرک ہوتی تو صرف دعائے خیر کیلئے۔ یہی حضرت خباب جن کو انگاروں پر لٹایا گیا تھا۔ انہوں نے ایک روز درخواست کی کہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) ان ظالموں کے لئے بددعا فرما دیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیوار کعبہ کے سایہ میں چادر کا تکیہ بنائے ہوئے اس کے سہارے تشریف فرما تھے۔ جیسے ہی حضرت خباب کے الفاظ سنے سیدھے بیٹھ گئے۔ روئے انور سرخ ہو گیا فرمایا پہلی امتوں میں یہاں تک ظلم ہوئے ہیں کہ لوہے کے کنگھے سے ہڈیوں اور پٹھوں تک گوشت کھرچ دیا جاتا تھا۔ کسی داعی حق کے سر پر آرا رکھ کر بیچ سے چیر دیا گیا مگر ان حضرات کے پائے استقلال میں جنبش نہیں آئی۔ پھر فرمایا۔ یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو مکمل فرمائے گا یہاں تک کہ ایک مسافر تنہا صنعاء یمن سے حضر موت تک پہنچ جایا کرے گا۔ راستہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہیں ہو گا۔ بہت سے بہت

بھیڑیئے کا خطرہ ہوگا جو اس کے گلہ پر حملہ کر سکے گا۔ (محمد رسول اللہؐ)

دشمن آپؐ کے حلم واستقلال سے شکست کھا گئے

جب آپؐ کے دشمن آپؐ کی دلیل سے عاجز ہوئے اور شاہی فرمان کی نقل اتارنے کی اپنے اندر طاقت نہ دیکھ کر آپؐ کے دعوے کا جواب نہ دے سکے تو اپنی ندامت وخفت اتارنے یا خجالت رفع کرنے کو ایذا دہی پر تل گئے اور جی توڑ کر کوشش کی کہ جس طرح ہو سکے آپؐ کے لائے ہوئے عقائد اور قائم کی ہوئی شریعت کا گویا گلا گھونٹ دیں' آپؐ کو مسجد الحرام میں باوجود اس کے وقف اور تساوی حقوق عامہ کے عبادت کرنے سے روک دیا۔ گلی کوچوں میں چلنا پھرنا مشکل کر دیا' گھر میں رہنا اور کھانا پینا دشوار بنا دیا' چولھے پر چڑھی ہوئی ہانڈیوں میں گرد اور خاک ڈالی۔ خود آپؐ کے جسم اطہر پر نجاستیں پھینکیں' ڈرایا دھمکایا' انگوٹھے مٹکائے' تلواریں دکھائیں' سخت الفاظ کہے اور ہر قسم کی دشمنی اور عداوت کے برتاؤ برتے' مگر آپ مایوس ومتوحش نہ ہوئے اور نہ اپنے ارادے کی تکمیل میں جھجکے' آپ کا باعظمت دعویٰ اس فتنہ ہائلہ میں بھی اسی زور وشور کے ساتھ قائم رہا اور آپؐ کی عالی ہمت اس مخاصمت کے وقت بھی اسی پیمانہ پر رہی جس پر شروع زمانہ سے قائم ہوئی تھی۔ آپ نے اپنی خاندانی آبرو اور قومی عزت کو اپنی خدمت پر قربان کر دیا۔ اپنی نزاکت طبعی و سیادت نسبی کو مخلوق کی اصلاح کے نام وقف بنا دیا' اور حیران کن استقلال کے ساتھ سخت سے سخت مزاحمت کا مقابلہ فرماتے رہے' یہاں تک کہ اہل عرب نے باہمی اتفاق سے آپؐ کو اور آپؐ کے خاندان کو گویا برادری سے گرا دیا' اور باہم عہد و پیمان کر لیا کہ ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچو نہیں' ان سے کوئی شے خریدو نہیں' ان کو اپنے خاندان کی بیٹی نہ دو' ان کی بیٹی اپنے خاندان میں نہ لو۔

غرض معاشرت اور تمدن میں اس درجہ ضیق اور تنگی میں مبتلا کرو کہ پناہ مانگنے لگیں۔ اپنے دعوے اور خیال سے باز آویں یا زندگی کو خیر باد کہیں' کامل تین سال تک آپؐ اس تکلیف میں مبتلا رہے کہ شیر خوار بچے ماں کی پستان میں دودھ کو ترس گئے' اطفال بھوک کے مارے ایڑیاں رگڑنے لگے اور عام طور پر آپؐ کے ساتھ آپ کا خاندان فاقہ اور قید کی تکلیف سے بلبلا اٹھا' مگر آپؐ اس سے بھی متاثر نہ ہوئے' بے زبان اور معصوم بچوں کی آہ وزاری سنتے تھے اور فرماتے تھے کہ صبر کرو' صبر کا انجام بہتر ہے۔

آپؐ کی دو صاحبزادیوں کو محض اسی جرم میں طلاق دے کر آپ کے گھر پہنچا دیا گیا کہ

آپ اصلاح و رفع بغاوت کے دعویدار کیوں بنے؟ اس پر بھی آپ از جا رفتہ نہیں ہوئے اور بیٹیوں کو چھاتی سے لگا کر خدا کا شکر ادا کیا کہ خاوندوں نے چھوڑ کر راحت پہنچائی، تیسری صاحبزادی کو طلاق کی بدنامی سے دشمنوں نے بچایا مگر اس کے ساتھ ہی باپ سے ملنے کی بندش کر دی گئی اور گویا زندگی میں بیٹی کی مفارقت کا صدمہ آپ کو برداشت کرنا پڑا جو کامل بارہ سال تک قائم رہا مگر اس کو بھی آپؐ نے برداشت کیا اور ایسی عالی ظرفی کے ساتھ برداشت کیا کہ کبھی رنج یا افسوس کے ساتھ اس کا تذکرہ بھی نہیں فرمایا۔ قوم آپؐ کی صورت دیکھ کر بھڑکتی، گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی اور ایذاؤں کے نئے نئے پہلو اختیار کرتی تھی۔ مگر آپؐ اسی شوق و رغبت کے ساتھ ان کی طرف بڑھتے، اصلاح کی امید پر ناصحانہ گفتگو میں پیش قدمی فرماتے، محبت کے ساتھ نرم الفاظ میں باغیانہ حرکات پر متنبہ کرتے اور شاہی فرمانبرداری کے صلہ میں صلاح و فلاح کامل کا متوقع بنایا کرتے تھے۔ قوم آپ سے بھاگتی اور آپؐ اس کا پیچھا کرتے، لوگ آپ کو ستاتے اور آپ حسن مدارات کے ساتھ ان کی مکافات فرماتے تھے۔

اسی حالت میں پورے بارہ برس گزر گئے کہ نہ آپؐ نے قومی و ملکی بہبودی میں کوئی دقیقہ اٹھا رکھا اور نہ قوم نے آپؐ کی مخالفت و دشمنی کا کوئی پہلو ہاتھ سے جانے دیا۔ آپ کی اولاد ہوئی اور بحالت طفولیت انتقال کر گئی تو آپ کی قوم نے لاولدی کا طعن دیا اور اس نازک دل پر جو قوم کی جفا سے مصدوم ہونے کے بعد لخت جگر کی موت سے غمگین بنا تھا یوں کہہ کہہ کر صدمہ دوبالا کیا کہ ہمارے دیوی دیوتاؤں کی مخالفت اور آبائی مذہب کی توہین و بے ادبی کی سزا میں بچے مر رہے ہیں اور مدعی سفارت کو بے نام و نشان بنا رہے ہیں۔ آپؐ اپنی قوم کے تمام خطابات سنتے اور بلا خیال انتقام صرف محزون ہو کر رہ جاتے تھے۔

قوم چاہتی تھی کہ آپ شب و روز غم میں مبتلا رہیں اور آپ چاہتے تھے کہ قوم کے غلام اور باندیاں بھی امن و راحت کی زندگی گزاریں۔ دن کو آفتاب نکلتا اور شام کو غروب ہو جاتا تھا، کبھی گرمی ہوتی تھی کبھی سردی، کہیں غم لاحق ہوتا تھا اور کہیں خوشی، عالم میں سب کچھ انقلاب جاری تھا زمانہ پلٹ رہا تھا مگر ایک آپ کا دم تھا کہ اسی یکساں حالت پر گویا پہاڑ میں پاؤں جمائے ہوئے اپنی قوم کو پکار رہا تھا کہ جس خدمت کو انجام دینے کے لئے آیا ہوں اس کو پورا کرنے کی کوشش میں جان دے دوں گا مگر ٹلوں گا نہیں۔ سب کچھ سہوں گا مگر اپنی پکار سے باز نہ آؤں گا نہ تھکوں گا، یہاں تک کہ یا تمہاری فلاح آنکھوں سے دیکھ لوں اور یا اسی سعی میں شہید ہو جاؤں۔ (ماہتاب عرب)

امام المؤذنین سیدنا حضرۃ بلال رضی اللہ عنہ

تپتی ریت پر لٹانا

آپ حبشی النسل تھے۔ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ ٹھیک دو پہر کے وقت جبکہ دھوپ تیز ہو جاتی اور پتھر آگ کی طرح تپنے لگتے تو غلاموں کو حکم دیتا کہ بلال کو تپتے ہوئے پتھروں پر لٹا کر سینہ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیا جائے تا کہ جنبش نہ کر سکیں اور پھر کہتا تو اسی طرح مر جائے گا۔ اگر نجات چاہتا ہے تو محمد کا انکار کر اور لات وعزیٰ کی پرستش کر لیکن بلال رضی اللہ عنہ کی زبان سے اس وقت بھی احد احد ہی نکلتا۔

اور کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا اور کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر تیز دھوپ میں بٹھلاتا۔ اس تکلیف کی شدت میں بھی زبان مبارک سے احد احد نکلتا۔ (سیرت المصطفیٰ)

گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹنا

امیہ نے جب یہ دیکھا کہ بلال کے عزم استقلال میں کوئی تزلزل ہی نہیں آتا گلے میں رسی ڈال کر لڑکوں کے حوالے کیا کہ تمام شہر میں گھسیٹتے پھریں مگر بلال کی زبان سے احد احد ہی نکلتا تھا۔ (سیرت المصطفیٰ)

حضرت ابوبکرؓ کا آزاد کرا دینا

حسب معمول حضرت بلالؓ اسی جور وستم کے تختہ مشق بنائے جا رہے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ اس طرف سے گزرے یہ منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور امیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

الاتتقی اللہ فی ھذاالمسکین حتی متی انت

تو اس مسکین کے بارے میں خدا سے نہیں ڈرتا آخر یہ ظلم وستم کب تک۔

امیہ نے کہا کہ تم ہی نے تو اس کو خراب کیا ہے اب تم ہی اس کو چھڑاؤ۔ ابوبکرؓ نے کہا بہتر ہے۔ میرے پاس ایک غلام ہے جو نہایت قوی ہے اور تیرے دین پر نہایت قوۃ اور مضبوطی کے ساتھ قائم ہے اس کو لے لو اور اس کے معاوضہ میں بلال کو میرے حوالے کر دو۔ امیہ نے کہا میں نے قبول کیا ابوبکرؓ نے امیہ سے بلال رضی اللہ عنہ کو لے کر آزاد فرما دیا۔ (سیرت المصطفیٰ)

پیٹھ پر نشانات

سیدنا ومولانا بلال رضی اللہ عنہ کی پشت مبارک پر مشرکین کے جور وستم نے نشان اور داغ ڈال دیئے تھے چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب کبھی برہنہ پشت ہوتے تو داغ اور نشان نظر آتے۔ (سیرت المصطفیٰ)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

وطن و پیدائش

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اصل میں قحطانی الاصل ہیں آپ کے والد یاسرؓ اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں مکہ مکرمہ آئے اور دو بھائی حارث اور مالک آپ کے ہمراہ تھے۔ حارث اور مالک تو یمن واپس ہو گئے اور یاسر مکہ ہی میں رہ پڑے۔ اور ابو حذیفہؓ مخزومی سے حلیفانہ تعلقات پیدا کر لئے ابو حذیفہ نے اپنی کنیز سمیہ بنت خیاط سے آپ کی شادی کر دی جس سے حضرت عمار پیدا ہوئے۔ (سیرت المصطفیٰ)

اسلام لانا اور مشقتیں اٹھانا

یاسر اور عمار ابو حذیفہ کے مرنے تک ابو حذیفہ ہی کے ساتھ رہے اس کے بعد اللہ نے اسلام ظاہر فرمایا یاسر اور سمیہ اور عمار اور ان کے بھائی عبداللہ بن یاسر سب کے سب مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت عمار کے ایک بھائی اور بھی تھے جو عمر میں حضرت عمار سے بڑے تھے۔ حریث بن یاسر ان کا نام تھا زمانہ جاہلیت میں بنو الدیل کے ہاتھوں مقتول ہوئے۔ مکہ میں عمار بن یاسر کا چونکہ کوئی قبیلہ اور کنبہ نہ تھا جو ان کا حامی اور مددگار ہوتا۔ اس لئے قریش نے ان کو بہت سخت سخت تکلیفیں دیں عین دوپہر کے وقت تپتی ہوئی زمین پر ان کو لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بے ہوش ہو جاتے کبھی پانی میں غوطے دیتے اور کبھی انگاروں پر لٹاتے۔ (سیرت المصطفیٰ)

بشارتیں

اس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت عمار پر گزرتے تو سر پر ہاتھ پھیرتے اور یہ فرماتے۔

یانار کونی برداً و سلاماً علی عمار کما کنت علیٰ ابراھیم

اے آگ تو عمار کے حق میں برد و سلام بن جا جس طرح ابراہیم علیہ السلام پر برد و سلام ہو گئی تھی۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمار اور ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سمیہ کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو یہ فرماتے۔ اے آل یاسر صبر کرو۔ کبھی یہ فرماتے اے اللہ تو آل یاسر کی مغفرت فرما اور کبھی یہ فرماتے تم کو بشارت ہو جنت تمہاری مشتاق ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ عمار سر سے پیر تک ایمان سے بھرا ہوا ہے۔ (سیرت المصطفیٰ)

پشت پر سیاہ داغ

حضرت عمار نے ایک بار قمیص مبارک اتارا تو پشت مبارک پر لوگوں کو سیاہ داغ نظر آئے سبب دریافت کیا تو یہ فرمایا کہ قریش مکہ مجھ کو تپتے ہوئے سنگریزوں پر لٹایا کرتے تھے۔ یہ داغ اس کے ہیں۔ آپ کے والد حضرت یاسر اور والدہ سمیہ کے ساتھ بھی یہی کیا جاتا تھا۔ (سیرت المصطفیٰ)

اسلام کی پہلی شہیدہ

مجاہد فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ساتھ شخصوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیقؓ بلالؓ خبابؓ صہیبؓ، عمارؓ سمیہ رضی اللہ عنہا خاندانی وجاہت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ پر تو مشرکین مکہ کا پورا بس نہ چل سکا۔ بلالؓ اور خبابؓ اور صہیبؓ اور عمار اور سمیہ کو اپنے جور و ستم کا تختہ مشق بنایا۔ عین دوپہر کے وقت ان حضرات کو لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے۔ ایک روز سامنے سے ابوجہل آ گیا اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی شرمگاہ میں ایک برچھی ماری جس سے وہ شہید ہو گئیں۔ طبقات ابن سعد میں مجاہد سے منقول ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی شہید حضرت سمیہؓ ہیں جو بہت بوڑھی اور ضعیف تھیں۔

اور حضرت یاسرؓ نے انہی مصائب اور شدائد میں حضرت سمیہؓ سے پہلے انتقال فرمایا۔ (سیرت المصطفیٰ)

ظالم کا انجام

ابوجہل جب جنگ بدر میں مارا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا۔

قتل الله قاتل امک   اللہ نے تیری ماں کے قاتل کو ہلاک کیا (سیرت المصطفیٰ)

حضرت صُہیبؓ بن سَنان رضی اللہ عنہ

مکہ میں آمد و غلامی

صہیبؓ اصل میں اطراف موصل کے رہنے والے تھے آپ کے والد اور چچا کسریٰ کی طرف سے ابلہ کے حاکم تھے ایک بار رومیوں نے اس نواح پر حملہ کیا۔ صہیب اس وقت کم سن بچے تھے لوٹ مار میں رومی ان کو پکڑ کر لے گئے۔ وہیں جوان ہوئے اس وجہ سے صہیب رومی کے نام سے مشہور ہو گئے۔ بنی کلب میں ایک شخص صہیب کو رومیوں سے خرید کر مکہ میں لایا۔ مکہ میں عبداللہ بن جدعان نے خرید کر آزاد کر دیا۔ (سیرت المصطفیٰ)

ایمان لانا اور اذیت سہنا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام شروع فرمائی تو حضرت صہیب اور حضرت عمار ایک ہی وقت میں دارارقم میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت عمار کی طرح مشرکین مکہ نے حضرت صہیب کو بھی طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ (سیرت المصطفیٰ)

بے تحاشا ظلم

عمر بن حکم سے مروی ہے کہ مشرکین مکہ حضرت صہیبؓ اور عمار اور ابو فائدہ اور عامر بن فہیرہؓ وغیرہ کو اس قدر تکلیفیں دیتے کہ بیخود اور بیہوش ہو جاتے تھے اور بیخودی کا یہ عالم تھا کہ یہ بھی خبر نہ رہتی تھی کہ ہماری زبانوں سے کیا نکل رہا ہے۔ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔

ثم ان ربک للذین ھاجروا من بعد مافتنوا ثم جاھدوا و صبروا

ان ربک من بعدها لغفور رحیم

تحقیق تیرا پروردگار ان لوگوں کے لئے کہ جنہوں نے طرح طرح کے مصائب اور فتنوں کے بعد ہجرت کی اور پھر جہاد کیا اور صبر کیا۔ ان باتوں کے بعد تیرا رب ان کی مغفرت کرنے والا اور ان پر رحمت کرنے والا ہے۔ یہ آیت انہیں حضرات کے بارے میں نازل فرمائی۔ (سیرت المصطفیٰ)

خوب نفع مند بیع

جب ہجرت کا ارادہ فرمایا تو قریش مکہ نے یہ کہا کہ اگر تم اپنا سارا مال ومتاع یہاں چھوڑ جاؤ تو ہجرت کر سکتے ہو ورنہ نہیں۔ حضرت صہیبؓ نے منظور کیا اور دنیا کے ساز وسامان پر لات مار کر ہجرت فرمائی۔ مدینہ منورہ پہنچے اور آپ کی خدمت میں یہ تمام واقعہ بیان کیا تو آپ نے یہ فرمایا۔

ربح البیع صہیب نے اس بیع میں خوب نفع کمایا کہ فانی کو چھوڑ کر باقی کو اختیار کیا اور حق جل شانہ نے اس بارہ میں یہ آیت نازل فرمائی۔

ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله و الله رؤف بالعباد

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ اپنی جان کو فروخت کر دیتے ہیں محض اللہ کی رضامندی کی طلب میں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے بار بار یہ فرمایا۔

ربح صهیب ربح صهیب

صہیب نے خوب نفع کمایا۔ صہیب نے خوب نفع کمایا۔ (سیرت المصطفیٰ)

حضرت خبابؓ بن الارت رضی اللہ عنہ

اسلام کے لئے تکالیف

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں کہا جاتا ہے کہ چھٹے مسلمان ہیں دارارقم میں داخل ہونے سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ ام انمار کے غلام تھے۔ جب آپ اسلام لائے تو ام انمار نے آپ کو سخت ایذائیں پہنچائیں۔ (سیرت المصطفیٰ)

حضرت بلالؓ سے بھی زیادہ تکلیفیں اٹھائیں

ایک مرتبہ حضرت خباب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے تو حضرت عمرؓ نے آپ کو اپنی مسند پر بٹھایا یہ فرمایا کہ اس مسند کا تم سے زائد کوئی مستحق نہیں مگر بلالؓ.... اس پر خباب نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین بلال بھی مجھ سے زیادہ مستحق نہیں اس لئے کہ ان شدائد و مصائب میں بعض مشرکین مکہ بلال کے تو حامی اور ہمدرد تھے مگر میرا کوئی بھی حامی نہ تھا۔ ایک روز مشرکین مکہ نے مجھ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر چت لٹایا اور ایک شخص نے میرے سینہ پر اپنا پیر رکھ دیا تا کہ جنبش نہ کرسکوں اور پھر کرتا اٹھا کر پشت پر برص کے داغ دکھلائے۔ (سیرت المصطفیٰ)

حضرت خباب بن الارت مسلمان ہوئے تو ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں ایک روز دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹا دیا گیا۔ ایک شخص چھاتی پر پیر رکھ کر کھڑا ہو گیا کہ کروٹ نہ لے سکیں۔ یہاں تک کہ کوئلے خون اور چربی سے تر ہو کر ٹھنڈے ہو گئے۔ مدتوں کے بعد

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا اور پیٹھ کھول کر دکھائی جو برص کے داغ کی طرح بالکل سفید تھی۔ (محمد رسول اللہؐ)

اسلام کے لئے کاروبار کو قربان کرنا

خباب بن الارت فرماتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت میں لوہار تھا۔ تلواریں بنایا کرتا تھا ایک بار عاص بن وائل کے لئے تلوار بنائی جب قیمت کے تقاضے کے لئے آیا تو عاص بن وائل نے یہ کہا میں تم کو ایک کوڑی نہ دوں گا۔ جب تک تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ کرو۔ خباب نے کہا اگر تو مر بھی جائے اور پھر زندہ ہو تب بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ کروں گا۔ عاص نے کہا کہ کیا میں مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جاؤں گا۔ خبابؓ نے فرمایا۔ ہاں عاص نے کہا جب خدا مجھ کو موت دے گا اور پھر دوبارہ زندہ کرے گا اور اسی طرح مال اور اولاد میرے ساتھ ہو گا تو اس وقت تمہارا قرض ادا کر دوں گا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

افرأیت الذی کفر بایتنا وقال لاوتین مالاً وولداً اطلع الغیب ام اتخذعند الرحمٰن عهداً کلا سنکتب مایقول ونمدله من العذاب مداً و نرثه ما یقول و یاتینا فرداً

بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا کہ جو ہماری آیتوں کا انکار کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ آخرت میں مجھ کو مال اور اولاد دیئے جائیں گے کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا یا خدا تعالیٰ سے کوئی عہد کیا ہے۔ ہرگز نہیں بالکل غلط کہتا ہے جو بھی زبان سے کہتا ہے، ہم اس کو لکھ لیتے ہیں تا کہ قیامت کے دن اس پر حجت قائم ہو اور اس پر عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے اور جس مال و اولاد کو وہ کہتا ہے اس سب کے ہم وارث ہوں گے اور وہ ہمارے پاس مال اور اولاد سے خالی ہاتھ آئے گا۔ (سیرت المصطفیٰ)

حضرت ابو فکیہہ جہنی رضی اللہ عنہ

ابو فکیہہ کنیت ہے یسار نام ہے۔ کنیت ہی زیادہ مشہور ہیں۔ صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ امیہ بن خلف کبھی آپ کے پیر میں رسی باندھوا کر گھسٹواتا اور کبھی لوہے کی بیڑیاں ڈال کر جلتی ہوئی زمین پر الٹا لٹاتا اور پشت پر ایک بڑا بھاری پتھر رکھوا دیتا۔ حتیٰ کہ آپ بیہوش ہو جاتے اور کبھی آپ کا گلا گھونٹتا۔ (سیرت المصطفیٰ)

ایذا رسانی کی انتہا اور آزادی

ایک روز امیہ بن خلف جلتی ہوئی زمین پر لٹا کر آپ کا گلا گھونٹ رہا تھا کہ سامنے سے امیہ بن خلف کا بھائی ابی بن خلف آ گیا۔ بجائے اس کے وہ سنگدل کچھ رحم کھاتا کہنے لگا۔ اس کا گلا اور زور سے گھونٹو۔ چنانچہ اس زور سے گلا گھونٹا کہ لوگ یہ سمجھے کہ دم نکل گیا۔ حسن اتفاق سے ابوبکر رضی اللہ عنہ ادھر آ نکلے اور ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد فرمایا۔ (سیرت المصطفیٰ)

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا

مار کھانا

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا سابقات اسلام میں سے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی کنیز تھیں۔ عمرؓ ان کو اس قدر مارتے کہ تھک جاتے۔ ابوجہل بھی ان کو ستایا کرتا تھا۔

سرداروں کی پھبتیاں

ابوجہل اور دیگر سرداران مکہ حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر اسلام کوئی عمدہ اور بھلی شے ہوتی تو زنیرہ ہم سے سبقت نہ کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں یہ آیت نازل فرمائی۔

وقال الذین کفروا للذین اٰمنوا لو کان خیراً ماسبقونا الیه

کافروں نے اہل ایمان سے یہ کہا کہ اگر یہ دین کوئی اچھی چیز ہوتی تو یہ لوگ ہم سے سبقت نہ کرتے اور یہ نہ سمجھے کہ اگر ان میں کوئی خیر کا مادہ ہوتا تو یہ خیر اور دین حق کی طرف سبقت کرتے اور حق سے پیچھے نہ رہتے اور یہ نہ سمجھے۔ کہ امراء اور رؤسا کا انبیاء اللہ کی ہدایت اور نصیحت سے روگرداں ہونا اور ان درویشوں کا کہ جن کے قلوب حب جاہ اور حب مال سے پاک اور منزہ ہیں۔ انبیاء اللہ کی تعلیم وتلقین کو قبول کرنا حاشا یہ حق کے باطل ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اعراض کرنے والوں کی نخوت اور غرور اعجاب اور استکبار کی واضح دلیل ہے۔ ضعفاء اور غرباء کے حق قبول کر لینے سے حق کی توہین نہیں بلکہ ضعفاء اور غربا حق قبول کر لینے کی وجہ سے پستی سے نکل کر اوج رفعت پر پہنچ جاتے ہیں اور امراء اور روسا حق سے

اعراض کرنے کی وجہ سے اہل بصیرت کی نظر میں ذلیل اور رسوا ہو جاتے ہیں۔ ہاں اگر امیر ہو کر حق کے قبول کرنے میں پس و پیش نہ کرے جیسے ابوبکر صدیق اور عثمان غنی اور عبدالرحمٰن بن عوف تو اس کی عزت اور سربلندی میں اور چار چاند لگ جاتے ہیں۔ (سیرت المصطفیٰ)

قدرت الٰہی کا کرشمہ

انہیں شدائد اور مصائب میں حضرت زنیرہ کی بینائی جاتی رہی۔ مشرکین مکہ نے کہا لات اور عزیٰ نے اس کو اندھا کر دیا۔ زنیرہؓ نے مشرکین مکہ کے جواب میں یہ فرمایا کہ لات وعزیٰ کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ کون ان کی پرستش کرتا ہے یہ تو محض اللہ کی طرف سے ہے خدا اگر چاہے تو پھر میری بینائی کو واپس فرما سکتا ہے۔ خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ اسی شب کی صبح کو بینا اٹھیں۔ مشرکین مکہ نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سحر کر دیا ہے) (سیرت المصطفیٰ)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے آزاد کردہ غلام وباندیاں

آپؓ کو بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد فرمایا۔ اسی طرح ابوبکر صدیقؓ نے اور بہت سے غلاموں اور کنیزوں کو خرید کر آزاد فرمایا اور مظلوموں کی جان بچائی۔ بلال، ابوفکیہہ، عامر بن فہیرہ، زنیرہ، نہدیہ اور نہدیہ کی بیٹی اور لبینہ اور موملیۃ اور ام عبیس ان سب کو ابوبکر ہی نے خرید کر آزاد کیا۔ (سیرت المصطفیٰ)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضیلت

حضرت صدیق اکبر کے والد ابوقحافہ ہنوز مشرف باسلام نہ ہوئے تھے ایک روز ابوبکر سے کہنے لگے کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم چن چن کر ضعیفوں اور ناتوانوں کو خرید کر آزاد کرتے ہو اگر قوی اور جوانوں کو خرید کر آزاد کرو تو تمہارے کام آئیں۔ ابوبکر نے کہا جس لئے میں ان کو آزاد کرتا ہوں وہ غرض میرے دل میں ہے۔ اس پر اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

فامامن اعطیٰ و اتقیٰ وصدق بالحسنیٰ فسنیسرہ للیسریٰ واما من بخل واستغنےٰ وکذب بالحسنیٰ فسنیسرہ للعسریٰ ومایغنی عنہ مالہٗ اذا تردیٰ ان علینا للھدیٰ و ان لنا للاٰخرۃ والاولےٰ

فانذرتکم ناراً تلظیٰ لایصلٰها الا الاشقی الذی کذب و تولی و سیجنبها الاتقی الذی یؤتی ماله' یتزکیٰ وما لاحد عنده' من نعمة تجزیٰ الا ابتغآء وجه ربه الاعلیٰ ولسوف یرضیٰ

پس جس نے خدا کی راہ میں دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات یعنی ملت اسلام کی تصدیق کی پس توفیق دیں گے ہم اس کو اعمال جنت کی اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا اور ملت نیک کی تکذیب کی اس کے لئے اعمال بد کو آسان کر دیں گے اور بربادی کے وقت اس کو مال و دولت کوئی نفع نہ دے گا اور ہمارے ہی قبضہ میں ہدایت ہے اور ہم ہی دنیا اور آخرت کے مالک ہیں۔ پس میں تم کو دہکتی ہوئی آگ سے ڈراتا ہوں اس میں ہمیشہ کے لئے وہی شخص داخل ہوگا جو سب سے زیادہ بدبخت ہوگا کہ جس نے دین حق کی تکذیب کی اور اس سے روگردانی کی اور اس آگ سے وہ شخص بالکل محفوظ رہے گا جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے اور اپنا مال پاک ہونے کے لئے خدا کی راہ میں دیتا ہے اس کے ذمہ کسی کا احسان نہیں کہ اس کا بدلہ دیتا ہو محض خداوند تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی مقصود ہے اس شخص کو آخرت میں ہم ایسی نعمتیں عطا فرمائیں گے جن کو دیکھ کر یہ ضرور راضی اور خوش ہوگا۔

یہ آیات بالاجماع ابوبکر صدیق کے بارہ میں اتری ہیں جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اتقیٰ کہا گیا۔ یعنی سب سے بڑا پرہیزگار اور سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور سورۂ حجرات میں ہے۔

ان اکرمکم عندالله اتقکم تحقیق تم میں سے سب سے زیادہ خدا کے نزدیک مکرم اور بزرگ ترین وہ شخص ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار اور خدا سے ڈرنے والا ہو۔

معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں بزرگ ترین ہستی ابوبکر صدیق کی تھی اور حضور پرنور کے بعد وہی سب سے افضل تھے جنہوں نے ابتدا ہی سے اسلام کی جان و مال سے مدد کی اور غلاموں کو خرید خرید کر آزاد کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے چالیس ہزار درہم کا سرمایہ تیرہ سال میں اسلام اور مسلمانوں پر خرچ کر ڈالا اور جو بچا وہ سفر ہجرت اور مسجد نبوی کی زمین کی خریداری پر صرف ہوگیا۔ جب کپڑا نہ رہا تو ابوبکر کمبل اوڑھ کر دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں اپنے پروردگار سے بے حد راضی ہوں۔ (سیرت المصطفیٰ)

بعض متعصبوں کا غلط استدلال

بعض شیعہ کہتے ہیں کہ یہ سورت حضرت علی کے بارے میں نازل ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ اس سورت کے تمام الفاظ اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ سورت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس نے اپنا مال و دولت محض خدا کی خوشنودی اور رضا مندی کے لئے خدا کی راہ میں لٹا دیا اور ساری دنیا کو معلوم ہے کہ حضرت علی اس وقت صغیر السن تھے۔ ابوطالب کی ناداری کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور کفالت میں تھے۔ ان میں نہ مالی طاقت تھی اور نہ بدنی جو اسلام کو مدد پہنچا سکتے تھے وہ کیسے ان آیات کا مصداق بن سکتے ہیں۔ نیز حضرت ابوبکر صدیق نے اسلام کی جان و مال سے اس وقت مدد کی کہ جب اسلام بے کس و بے یار و مددگار تھا ایسے وقت میں مدد موجب صد فضیلت ہے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔

لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولٓئک اعظم درجةً من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلاً وعدالله الحسنیٰ

برابر نہیں ہیں تم میں سے وہ لوگ کہ جنہوں نے خرچ کیا اور جہاد کیا فتح مکہ سے پہلے بلکہ یہ لوگ درجہ اور مرتبہ میں ان لوگوں سے بہت بڑھ کر ہیں جنہوں نے مکہ فتح ہونے کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا اور وعدہ نیکی کا اللہ نے ہر ایک سے کیا ہے۔

فتح مکہ کے بعد اسلام غنی ہو گیا اس وقت نصرت و اعانت کی ضرورت نہ رہی اس وجہ سے نبی کریم کے بعد تمام امت میں ابوبکر صدیق سب سے افضل ہیں اس لئے کہ گذشتہ آیات کی بنیاد پر ان کا اتقیٰ ہونا معلوم ہوا جو ان کے اکرم عند اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

اور دوسری آیت سے ان کا اعظم درجۃً ہونا معلوم ہوا اس لئے کہ انہوں نے فتح مکہ سے پہلے اسلام کی مدد کی اور خدا کی راہ میں جان و مال سے اسلام کی مدد کی۔

اور ابوبکر صدیق کی اسلام میں سبقت پہلے گزر چکی اور سفر ہجرت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرافقت اور غار میں آپ کی معیت اور مرض الوفات میں امامت کا بیان انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ آئے گا۔ یہ تمام امور حضرت ابوبکر صدیق کے افضلیت کے دلائل ہیں۔ (سیرت المصطفیٰ)

وہ حضرات جو خاندانی وجاہت کے باوجود ستائے گئے

سابقہ صفحات میں تو ان لوگوں کا ذکر تھا کہ جو کسی کے غلام یا غریب الوطن تھے۔ مشرکین کے دست ستم سے وہ لوگ بھی محفوظ نہ رہے کہ جن کو خاندانی عزت اور وجاہت بھی حاصل تھی۔

حضرت عثمان غنیؓ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو ان کے چچا حاکم بن ابی العاص نے ان کو رسی میں باندھ دیا اور یہ کہا کہ کیا تو نے آباؤ اجداد کا مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا خدا کی قسم میں اس دین کو کبھی نہیں چھوڑوں گا اور نہ کبھی اس سے علیحدہ ہوں گا حکم نے جب یہ دیکھا کہ یہ اس دین پر اس قدر محکم اور پختہ ہیں تو چھوڑ دیا۔ (سیرت المصطفیٰ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو تیسرے خلیفہ ہوئے بہت اونچے خاندان کے باحیثیت رئیس تھے جب مسلمان ہوئے تو دوسروں نے نہیں خود ان کے چچا نے ان کو رسی سے باندھ کر مارا۔ (محمد رسول اللہ ﷺ)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

حضرت زبیر بن عوام جب اسلام لائے تو ان کے چچا ان کو ایک بوریئے میں لپیٹ کر دھواں دیتے تا کہ وہ پھر کفر کی طرف لوٹ آئیں مگر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرماتے۔

لا اکفر ابداً میں کبھی بھی کفر نہ کروں گا۔ (سیرت المصطفیٰ)

حضرت سعید رضی اللہ عنہ

حضرت عمر کے بہنوئی اور چچازاد بھائی سعید بن زید جب اسلام لائے تو حضرت عمر نے ان کو رسیوں سے باندھا (سیرت المصطفیٰ)

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ

خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو باپ نے اس قدر مارا کہ سر زخمی ہو گیا اور کھانا پینا بند کر دیا۔ (سیرت المصطفیٰ)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت طلحہ جب اسلام لائے تو نوفل بن خویلد نے جو قریش کے شیر کہلاتے تھے۔ دونوں کو پکڑ کر ایک رسی میں باندھ دیا۔ اسی وجہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ قرنین (یعنی دونوں ایک قرن یعنی ایک رسی میں بندھے ہوئے) کہلاتے ہیں۔ (سیرت المصطفیٰ)

حضرت ولید رضی اللہ عنہ حضرت عیاش رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ

ولید بن ولید اور عیاش بن ابی ربیعۃ اور سلمۃ بن ہشام جب اسلام لائے تو کفار مکہ نے اس قدر اذیتیں پہنچائیں کہ ہجرت بھی نہ کرنے دی کہ ہجرت ہی سے ان مصائب کا خاتمہ ہو جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ان لوگوں کی مشرکین مکہ سے خلاصی اور رہائی کے لئے نام بنام صبح کی نماز میں دعا فرمایا کرتے تھے۔ اے اللہ تو ولید بن ولید اور عیاش بن ابی ربیعہ اور سلمۃ بن ہشام کو مشرکین کے پنجہ ظلم سے نجات دے۔ (سیرت المصطفیٰ)

حضرت حارث بن ابی ہالہ

جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لڑکے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردہ تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھڑانے آئے۔ لوگوں نے آپ کو تو چھوڑ دیا مگر ان کو اتنا مارا کہ شہید ہو گئے۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون تھا جس سے حرم مکہ کی وہ زمین رنگین

ہوئی جہاں اللہ کے بندے طواف کیا کرتے ہیں۔ (محمد رسول اللہؐ)

حضرت ابوذر غفاریؓ

حضرت ابوذر قبیلہ غفار کے نمایاں شخص تھے۔ دل میں صداقت کی تڑپ رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کا چرچا آپ تک پہنچا۔ حقیقت معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ چھوٹے بھائی (انیس) سے کہا۔ مکہ معظّمہ جاؤ اور تحقیق کر کے آؤ۔ انیس مکہ آئے ملے جلے اور واپس جا کر رپورٹ دی' 'ایک صاحب ہیں اچھی باتیں بتاتے ہیں۔ بری باتوں سے روکتے ہیں۔''

حضرت ابوذر مکہ میں آئے لیکن تحقیق کس سے کریں؟ جہاں نام لینا بھی مصیبت کا سر لینا تھا' لوگ مارنے اور پیٹنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ وہاں راستہ کون بتاتا اور تعارف کون کراتا۔ کئی دن اسی شش و پنج میں گزر گئے۔ حضرت علی ان کو دیکھا کرتے تھے ایک روز ان کو دیکھ کر ٹھٹکے اتہ پتہ اور مکہ آنے کا سبب معلوم کیا اور جب مقصد معلوم ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ چلو۔ مگر اس طرح چلو کہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ میرے ساتھ چل رہے ہو میں کوئی اندیشہ محسوس کروں گا تو چپل ٹھیک کرنے کے بہانے دیوار سے لگ کر کھڑا ہو جاؤں گا۔ تم آگے چلتے رہنا غرض حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑی رازداری سے کام لیا تب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ منزل مقصود تک پہنچ سکے۔

حضرت ابوذر کی نظر روئے انور پر پڑی۔ دل نے تصدیق کی کہ گوہر مراد حاصل ہو گیا۔ آپ نے اسلام کا پیغام معلوم کیا اور بقول ابوذر وہیں کے وہیں (فوراً) مسلمان ہو گئے۔

ایمان کا نور تھا یا جرأت و ہمت کا فولاد' جو ابوذر کو حاصل ہوا۔ واپس ہو کر حرم کعبہ میں پہنچے۔ قریش کے کئی سردار حرم میں موجود تھے۔ حضرت ابوذر کی نظر ان فرعون منش سرداروں پر پڑی تو جوش آ گیا۔ ایسی سیدھی راہ اور ایسی سچی بات اور ان لوگوں نے اس کے ناکے بند کر رکھے ہیں۔ اور یہ ''محمد'' مجسم صداقت و ہدایت ان کا کوئی نام تک زبان پر نہیں لا سکتا۔ اس تصور نے جذبہ کی قوت حاصل کی۔ چنانچہ آپ نے ان روسا کو خطاب کر کے فرمایا۔

یامعشر قریش . انی اشھد ان لاالٰہ الا اللہ

قریش کے سردار اس جرأت کو کب نظرانداز کر سکتے تھے۔ آواز دی۔ **قوموا الی ھذا الصابی** . اٹھ کھڑے ہو اس بے دین کی طرف (مارو اس بے دین کو) سب طرف سے لوگ حضرت ابوذر پر ٹوٹ پڑے اور جاں بلب کر دیا۔ حضرت عباس جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہاں موجود تھے۔ انہیں خطرہ ہوا کہ ابوذر کی جان جاتی رہے گی وہ ان کے اوپر اوندھے پڑ گئے اور پکار کر کہا:۔

"یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے۔ اس کے قبیلہ والوں نے اگر تمہارا راستہ بند کر دیا تو بھوکے مر جاؤ گے۔ غلہ کا ایک دانہ تم تک نہ پہنچ سکے گا۔"

غلہ کا نام سن کر لوگوں نے ان کو چھوڑا۔

اگلے روز پھر یہی ہوا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اسلام کا نعرہ بلند کیا اور قریش کے نوجوانوں نے ان کو پیٹنا شروع کیا۔ تب بھی حضرت عباس ہی کسی طرح وہاں پہنچ گئے اور یہی کہہ کر ان کو بچایا۔ (محمد رسول اللہؐ)

الغرض اس طرح کے مظلوموں کی فہرست بہت طویل ہے اور مظالم کی داستان اس سے بھی زیادہ طویل مقصد یہ ہے کہ اس طرح کے مظالم جو سوچے سمجھے منصوبے کے بموجب قریش کی طرف سے کئے جا رہے تھے۔ انہوں نے مکہ کی پوری فضا کو اس درجہ دہشت زدہ اور مرعوب کر دیا تھا کہ کھلے بندوں اعلان حق تو درکنار لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی زبان پر لانے کی ہی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ حضرت ابوذر غفاری بعض روایتوں کے بموجب ایک ماہ تک حرم شریف میں پڑے رہے۔ صرف زمزم پر گزر رہا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچ سکے۔ کسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اندازہ ہوا تو بڑی رازداری کے ساتھ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے (جس کی تفصیل اوپر گزری) (محمد رسول اللہؐ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین معجزات

۱- چاند کا دو ٹکڑے ہونا

مشرک سرداروں کا مطالبہ

ہجرت مدینہ سے تقریباً پانچ سال پہلے ایک مرتبہ مشرکین مکہ حضور کے پاس جمع ہو کر آئے جن میں ولید بن مغیرہ' ابو جہل' عاص بن وائل' عاص بن ہشام' اسود بن عبد یغوث' اسود بن مطلب' زمعۃ بن الاسود' نضر بن حارث وغیرہ وغیرہ بھی تھے۔ آپ سے یہ درخواست کی کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو اپنی نبوت کا کوئی خاص نشان دکھلائیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ کہا کہ چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلاؤ۔ رات کا وقت تھا اور چودھویں رات کا چاند طلوع کئے ہوئے تھا۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر یہ معجزہ دکھلا دوں تو ایمان بھی لے آؤ گے۔ لوگوں نے کہا ہاں ہم ایمان لے آئیں گے۔

اشارہ مبارک سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق جل شانہٗ سے دعا کی اور انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا' اسی وقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس پر تھا اور دوسرا ٹکڑا جبل

قیقعان پر تھا۔ دیر تک لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ حیرت کا یہ عالم تھا کہ اپنی آنکھوں کو کپڑے سے پونچھتے تھے اور چاند کی طرف دیکھتے تھے تو صاف دو ٹکڑے نظر آتے تھے۔ اور حضور اس وقت یہ فرمارہے تھے۔ اشھدوا۔ اشھدوا۔ اے لوگو گواہ رہو۔ اے لوگو گواہ رہو۔ عصر اور مغرب کے درمیان جتنا وقت ہوتا ہے اتنی دیر چاند اسی طرح رہا اور اس کے بعد پھر ویسا ہی ہو گیا۔

مسافروں کی گواہی

مشرکین مکہ نے کہا کہ محمدؐ تو نے جادو کر دیا ہے کہ تم باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرو اور ان سے دریافت کرو کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ محمدؐ تمام لوگوں پر جادو کر دیں اگر وہ بھی اسی طرح اپنا مشاہدہ بیان کریں تو سچ ہے اور اگر یہ کہیں کہ ہم نے نہیں دیکھا تو سمجھنا کہ محمدؐ نے تم پر سحر کیا ہے۔ چنانچہ مسافروں سے دریافت کیا گیا۔ ہر طرف سے آنے والے مسافروں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ ہم نے شق قمر دیکھا ہے۔

مشرکین کے بہتان کا رد

مگر ان شہادتوں کے باوجود بھی معاندین ایمان نہ لائے اور یہ کہا کہ یہ سحر مستمر ہے۔ یعنی عنقریب اس کا اثر زائل ہو جائے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اقتربت الساعة وانشق القمر و ان یروا اٰیةً یعرضوا ویقولوا سحر مستمر

وعلیٰ ایمائه انشق القمر شاهدو مٰا بین فرقیه الجبل

ترجمہ:۔ آپ کے اشارہ کی وجہ سے چاند پھٹ گیا اور حاضرین نے اس کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان میں پہاڑ کو دیکھ لیا۔

تشریح: یہ ماخوذ ہے اس حدیث مبارک سے جس کو شیخین نے بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ ہم لوگ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے تو دیکھا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا پہاڑ کے اس طرف اور ایک اس طرف اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس معجزے کے گواہ رہو۔ اسی قسم کی حدیث ابونعیم نے بروایت جبیر بن مطعم بسند عطا اور ضحاک نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہم بیان کی ہے کہ عہد نبوی میں مشرکین جمع ہو کر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آپ فی الواقع خدا کے سچے رسول ہیں تو چاند کے دو

ٹکڑے کر کے دکھایئے۔ اس کا ایک ٹکڑا کوہ ابی قبیس پر ہو اور دوسرا ٹکڑا کوہ قیقعان پر۔ اور یہ رات چودھویں کی تھی۔ حضورؐ نے دعا کی کہ یہ معجزہ ظاہر ہوا اسی وقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ آدھا کوہ ابی قبیس پر اور آدھا قیقعان پر اس وقت آپ نے فرمایا کہ تم سب گواہ رہو۔

علماء نے فرمایا ہے کہ شق قمر ایسا معجزہ ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزات میں سے کوئی معجزہ اس کی برابری نہیں کر سکتا ہے کیونکہ اس کا تعلق عالم سماوی سے ہے جو کہ اس عالم ارضی سے بالکل خارج ہے۔

مخالفین اسلام کا اعتراض

مخالفین اس معجزہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اول تو یہ بات محال اور ناممکن الوقوع ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں دوسرے یہ کہ اس واقعہ کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں۔

جواب

جواب یہ ہے کہ آج تک کسی دلیل عقلی سے اس قسم کے واقعہ کا محال اور ناممکن ہونا ثابت نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

جس طرح اجسام سفلیہ میں کون و فساد عقلاً محال اور ناممکن نہیں اسی طرح اللہ کی قدرت اور مشیت سے اجسام علویہ میں بھی کون و فساد محال نہیں۔ خداوند ذوالجلال کی قدرت کے اعتبار سے آسمان اور زمین شمس اور قمر شجر اور حجر سب برابر ہیں جس خدا نے شمس و قمر کو بنایا ہے وہ خدا ان کو توڑ بھی سکتا ہے اور جوڑ بھی سکتا ہے۔

رہا یہ امر کہ اس واقعہ کا ذکر تاریخوں میں نہیں تو صدہا اور ہزارہا ایسے عجیب و غریب واقعات ہیں کہ جو وقوع میں آئے مگر تاریخوں میں ان کا ذکر نہیں۔ توریت اور انجیل میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جن کا کسی تاریخ میں کہیں نام و نشان نہیں۔ نیز شق قمر کا واقعہ رات کا واقعہ ہے جو عموماً لوگوں کے آرام کا وقت ہے جو صرف تھوڑی دیر کے لئے رہا۔ اس لئے اگر عام طور پر لوگوں کو اس کا علم نہ ہو تو تعجب نہیں۔ بسا اوقات چاند اور سورج گہن ہوتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو علم ہی نہیں ہوتا۔ نیز اختلاف مطالع کی وجہ سے بہت سے مقامات پر اس وقت دن ہو گا اور کسی جگہ آدھی رات ہو گی عموماً لوگ سوتے ہوں گے نیز اس معجزہ سے مقصود

فقط اہل مکہ کو دکھلانا اور ان پر حجت تمام کرنا تھا وہ مقصود حاصل ہو گیا۔ تمام عالم کو دکھلانا مقصود بھی نہ تھا۔ نیز کسی شے کا دیکھنا اللہ کے دکھلانے پر موقوف ہے۔ اگر کوئی شے نظروں کے سامنے بھی ہو اور اللہ تعالیٰ نہ دکھلانا چاہیں تب بھی وہ شے نظر نہیں آتی۔ (سیرت المصطفیٰ)

۲- سورج کا لوٹ آنا

حضور کے مشہور معجزات میں سے معجزۂ ردشمس بھی ہے یعنی آفتاب کا غروب ہو کر پھر نکل آنا اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور خیبر کے قریب مقام صہباً میں تھے اور سر مبارک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گود میں تھا اور ہنوز حضرت علی نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ اسی حالت میں وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ حضور نے پوچھا کہ تم نے عصر کی نماز پڑھی۔ عرض کیا نہیں حضور اسی وقت دست بدعا ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ علی تیرے رسول کی اطاعت میں تھا۔ آفتاب کو واپس بھیج دے تا کہ نماز عصر اپنے وقت پر ادا کر سکے۔ اسماء بنت عمیس کہتی ہیں کہ آفتاب غروب کے بعد لوٹ آیا اور اس کی شعاعیں زمین اور پہاڑوں پر پڑیں۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ ابن جوزی اور ابن تیمیہ نے اس حدیث کو موضوع اور بے اصل بتلایا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس حدیث کے بارے میں ایک مستقل رسالہ لکھا اور اس کا نام **کشف الملبس عن حدیث ردشمس** رکھا جس میں اس حدیث کے طرق اور اسانید پر کلام فرمایا اور اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت کیا اور علامہ زرقانی نے بھی شرح مواہب میں اس حدیث کا صحیح اور مستند ہونا ثابت کیا۔ (سیرت المصطفیٰ)

ردت الشمس وکانت قد هوت   فاجابت اذ دعا هاتقتبل

ترجمہ: آفتاب لوٹا دیا گیا حالانکہ وہ غروب ہو چکا تھا اور جب آپ نے اس کو بلایا تو وہ لبیک کہتا ہوا سامنے آ گیا۔

تشریح: یہ واقعہ اس حدیث مبارک سے ماخوذ ہے جس کو ابن مندہ اور ابن شاہین اور طبرانی (اس میں ایسی سندیں بھی ہیں جن میں سے بعض صحیح کی شرط کے موافق ہیں) نے بروایت اسماء بنت عمیس بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی ہو رہا تھا اور آپ کا سر مبارک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ اس مشغولی کی وجہ

سے حضرت علی عصر کی نماز نہ پڑھ سکے کہ آفتاب غروب ہوگیا۔ تو آپ نے دعا کی کہ بار الٰہا! علی تیرے اور تیرے رسول کی اطاعت میں مصروف تھے۔ اب تو آفتاب کو حکم دے کہ وہ پھر واپس ہو۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میں دیکھ چکی تھی کہ آفتاب غروب ہوگیا ہے لیکن پھر میں نے دیکھا کہ غروب کے بعد ہی اس نے پھر طلوع کیا' طبرانی کے الفاظ میں اس طرح ہے کہ آفتاب نے طلوع کیا اور پہاڑوں پر اور زمین پر اس کی دھوپ پڑنے لگی۔ حضرت علی نے اٹھ کر وضو کیا اور نماز عصر پڑھی۔ اس کے بعد ہی آفتاب پھر غائب ہوگیا۔ یہ واقعہ مقام صہبا کا ہے جو مدینہ اور خیبر کے درمیان میں ایک پڑاؤ ہے۔ اسی قسم کا مضمون ابن مردویہ نے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی بیان کیا ہے۔ (لامیۃ المعجزات)

۳-سورج کا رک جانا

یہ معجزہ مکہ مکرمہ میں واقع ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج سے واپس آئے اور قریش کے سامنے اسراء و معراج کی کیفیت بیان کی قریش نے بیت المقدس کی علامتیں دریافت کیں اور آپ نے ایک قافلہ کا حال پوچھا کہ جو بغرض تجارت شام کی طرف گیا ہوا تھا کہ وہ قافلہ کب واپس آئے گا آپ نے فرمایا کہ وہ قافلہ بدھ کے روز مکہ میں داخل ہوگا جب بدھ کا دن اخیر ہونے لگا اور شام ہونے لگی تو کفار نے شور مچایا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے آفتاب کو اسی جگہ ٹھہرا دیا جہاں تھا یہاں تک کہ قافلہ آ گیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصدیق ظاہر کی۔ (سیرت المصطفیٰ)

مدفی طول النهار اذ رست　　تبتغی الاذن لها شمس الطفل

ترجمہ: دن کو دراز کیا جبکہ شام کی تاریکی (کے وقت) کا آفتاب اپنے غروب ہونے کی اجازت مانگنے لگا تھا۔

(ف) یہ واقعہ اس حدیث شریف سے ماخوذ ہے جس کو طبرانی نے بسند حسن بروایت جابر رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آفتاب کو حکم دیا تو وہ دن میں کچھ دیر کے بعد ڈوبا۔ (لامیۃ المعجزات)

باب ۴

ہجرتِ حبشہ تا معراج

ہجرت حبشہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

سماجی بائیکاٹ

غم کا سال حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کی وفات

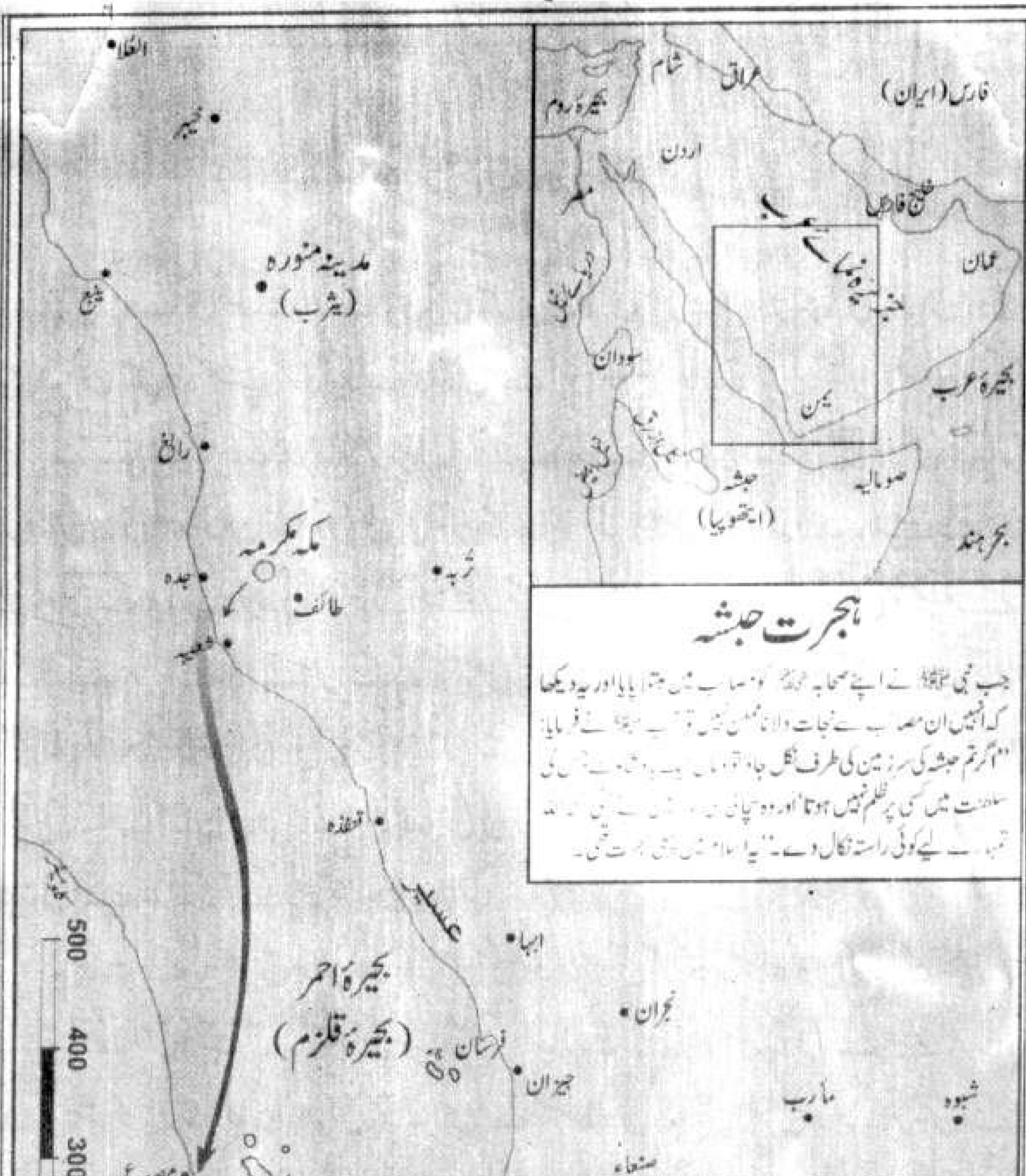
طائف کا دعوتی سفر

واقعہ معراج

ہجرت حبشہ

چڑیوں کے بھی گھونسلے ہوتے ہیں جن میں وہ پناہ لیتی ہیں۔ سانپوں کی بھی بانبیاں ہوتی ہیں۔ جن میں وہ چھپ کر رگیدنے والوں سے اپنی جان بچاتے ہیں۔ لیکن دعویٰ زور کو توڑنے کے لئے ستم کے جو پہاڑ غریبوں پر توڑے جارہے ہیں ان کے پاس تو وہ بھی نہ تھا۔ ان میں بڑی تعداد ان غلاموں کی تھی جن کا نہ اپنا گھر ہوتا ہے اور نہ در۔ یا ایسے تھے جو دوسروں کے سہارے زندگی بسر کررہے تھے۔ جس پر سہارا ہو جب وہی سہاروں کو ختم کرنے کے درپے ہو جائے تو اب اس کے لئے کہاں پناہ ہے؟ اتنا سرمایہ بھی نہیں تھا کہ عرب کے اس ٹاپو کو چھوڑ کر خدا کی لمبی چوڑی زمین میں کسی اور جگہ اپنے سجدوں کے لئے جگہ پیدا کریں۔ اف کہ ان کی پیشانیوں کو خدا ہی کی زمین کا اتنا ٹکڑا بھی میسر نہ تھا جس پر وہ اپنی پیشانی اپنے خدا کے آگے رکھ سکیں (النبی الخاتم)

یہ نبوت کے پانچویں سال ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ کفار مسلمانوں کو بہت تکلیف دیتے تھے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے کچھ مسلمانوں نے حبشہ ہجرت کی۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی نصرانی تھا۔ اس نے مسلمانوں کو اچھی طرح رکھا۔ قریش کے کافروں کو اس سے بہت غصہ آیا۔ انہوں نے بہت سے لوگوں کو تحفے اور ہدایا دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کو اپنے پاس نہ رکھے۔ ان لوگوں نے آکر جب اپنی غرض بیان کی۔ نجاشی نے مسلمانوں کو ان لوگوں کے سامنے دربار میں بلا کر ان سے باتیں پوچھیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا:۔ ہم لوگ گمراہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغمبر بھیجا اور اپنا کلام ان پر نازل فرمایا تو ہم راہ راست پر آئے۔ وہ بھلے کاموں کا حکم کرتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں۔ نجاشی نے کہا: جو کلام ان پر نازل ہوا ہے کچھ پڑھ کر سناؤ۔ انہوں نے سورۃ مریم شروع کی تو وہ بہت متاثر ہوا۔ مسلمانوں کو تسلی دی اور قریش کے بھیجے ہوئے لوگوں کو لوٹا دیا۔ حدیثوں میں ہے کہ یہ بادشاہ مسلمان ہو گئے تھے۔ (نشر الطیب)



ہجرت حبشہ

جب نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو مصائب میں مبتلا پایا اور یہ دیکھا کہ انہیں ان مصائب سے نجات دلانا ممکن نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم حبشہ کی سرزمین کی طرف نکل جاؤ تو وہاں ایک بادشاہ ہے جس کی سلطنت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا" اور وہ سچائی کی سرزمین ہے یہاں تک کہ اللہ تمہارے لیے کوئی راستہ نکال دے۔" یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی۔

اللّٰھم صل علی روح محمد
فی الارواح وصل علی جسد محمد فی الاجساد
وصل علی قبر محمد فی القبور

جو شخص یہ درود شریف پڑھے گا اس کو خواب میں حضور کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت ہوگی۔ (ذریعۃ الوصول)

حبشہ کی طرف پہلی ہجرت

اسباب ہجرت

مشرکین مکہ نے جب یہ دیکھا کہ دن بدن لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے جاتے ہیں اور روز بروز اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے تو متفقہ طور پر مسلمانوں کی ایذا رسانی پر آمادہ ہو گئے اور طرح طرح سے مسلمانوں کو ستانا شروع کیا تاکہ کسی طرح دین اسلام سے برگشتہ ہو جائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

تم اللہ کی زمین پر کہیں چلے جاؤ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تم سب کو عنقریب جمع کریگا صحابہ نے عرض کیا کہاں جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک حبش کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ وہاں ایک بادشاہ ہے کہ جس کی قلمرو میں کوئی کسی پر ظلم نہیں کرسکتا اس وقت حضرات صحابہ ظاہری اور جسمانی شدائد اور مصائب سے اکتا کر نہیں بلکہ کفر اور شرک کے فتنہ سے گھبرا کر اپنے دین کو ایمان کے رہزنوں کی دست برد سے بچانے کے لئے اللہ کی طرف بھاگے تاکہ اطمینان کے ساتھ اپنے اللہ کا نام لے سکیں (سیرۃ المصطفیٰ)

قریش اور ترقی پذیر قبائل عرب کے پاس نہ فوج تھی نہ پولیس۔ البتہ معاہدات کا سلسلہ ایسا تھا جو فوج اور پولیس کا کام دیتا تھا۔

معاہدہ ایک حصار ہوتا تھا جو جان کا بھی محافظ ہوتا تھا اور مال کا بھی اور ان معاہدات کے ذریعہ طاقت کا بھی توازن قائم رہتا تھا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اسی چیز نے بچایا تھا کہ قبیلہ غفار (جس سے قریش کا معاہدہ تھا) اگر بگڑ گیا تو قریش کا اس طرف سے گزرنا اور غلہ برآمد کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہم) خود اپنے طور پر مختلف قبائل سے معاہدے کئے ہوئے تھے۔ ابتداء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست کسی قبیلہ سے معاہدہ کئے ہوئے نہیں تھے مگر ان کی

حفاظت کی ذمہ داری خواجہ ابو طالب نے لے رکھی تھی۔ خواجہ ابو طالب دوسرے قبائل سے معاہدے کئے ہوئے تھے اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح خواجہ ابی طالب کی پناہ میں تھے اور خواجہ ابوطالب آپ کی پناہ کے ذمہ دار تھے اسی طرح وہ تمام قبائل بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے ذمہ دار تھے جو ابوطالب سے معاہدہ کئے ہوئے تھے۔ مگر اسلام سے مشرف ہونے والوں میں بڑی تعداد تھی جن کے کسی سے خود اپنے معاہدے نہیں تھے کیونکہ وہ اپنے قبیلوں کے شیوخ اور سربراہ نہیں تھے۔ سربراہ دوسرے تھے۔ یہ ان کے تابع تھے۔ شیوخ اور سربراہوں کے معاہدات کے باعث یہ فائدہ تو تھا کہ غیر قبیلہ کے لوگ ان کو مظالم کا نشانہ نہیں بنا سکتے تھے مگر خود قبیلہ کے لوگوں کی مخالفت سوہان روح تھی۔ یہ مسلمان ہو گئے تھے مگر جس مقصد سے مسلمان ہوئے تھے وہ حاصل نہیں تھا۔ یعنی یہ لوگ خداء واحد کی عبادت نہیں کر سکتے تھے چھپ کر قرآن شریف پڑھتے۔ اگر راز فاش ہو جاتا تو طرح طرح کے ظلم سہنے پڑتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اذیتیں اور تکلیفیں سہہ رہے تھے۔ مگر آپ کو اپنی تکلیف کا احساس نہیں تھا۔ البتہ ان ساتھیوں کی اذیت کا احساس آپ کو بے چین رکھتا تھا۔ آپ کو معلوم ہوا کہ حبش کا بادشاہ نیک عیسائی ہے اس کی مملکت میں لوگوں کو مذہب کی آزادی ہے لہٰذا آپؐ نے مشورہ دیا کہ جو چاہتے ہوں وہ حبش چلے جائیں (سیرت مبارکہ)

چونکہ اب تک آپ کی پکار کا خیر مقدم کرنے والے وہی لوگ تھے جن میں دنیوی جاہ و حکومت کا غزوہ نہ تھا۔ معمولی پیشہ ور یا کسی کے غلام یا باندی یا دوسری طرح زیر دست ہونے کے سبب ان کے دماغ بڑائی اور کبر و تعالیٰ سے خالی تھے یا آپ کی قوت قدسیہ کے کیمیاوی اثر سے متاثر ہو کر اپنے آپ کو ادنیٰ و محقر اور صلاح و فلاح کی تجویز میں دوسرے کے ماتحت ہونے کا محتاج سمجھ گئے تھے اس لئے یہ لوگ اپنے دشمنوں کا کھلم کھلا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ نہ اپنی محافظت جان و آبرو پر کما حقہ قادر تھے اور نہ دوسروں کو اپنی پناہ یا ذمہ داری میں لے سکتے تھے......اور یہی بات کہ ایسی خطرناک اور کسمپرسی کی حالت میں انہوں نے خداوندی سفیر کی سفارت کا اقرار کیا اور ان کے کمال ہمت و اخلاص پر دلالت کرنے کے علاوہ سفیر کی سچائی کی بھی روشن علامت ہے کہ جس کے پاس ترغیب و ترھیب کا کوئی ظاہری سامان مطلق نہ تھا اس نے اپنے اس قدر اور ایسے پختہ معتقدین کس طرح بنائے کہ جنہوں نے اپنی جانوں کو

خطرہ میں ڈالنے کا خوف نہ کیا اور جابر و تند خو آقاؤں اور حکام شہر کے مظالم کا تختہ مشق بننا برابر پسند کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب انہیں تکالیف اور ناقابل برداشت مصیبتوں میں مہینے اور سال گزر گئے تو وطن چھوڑنا گوارا کیا مگر ایمان چھوڑنا گوارا نہ کیا

الغرض خداوندی سفیر نے جب دیکھا کہ میرے ساتھ مجھ کو سچا ماننے والے مسلمان بھی ایذاؤں کا نشانہ بن گئے اور تکلیفیں سہتے ہوئے ان کو برسہا برس گزر گئے تو آپ نے ان کو اجازت دے دی کہ دین کے ساتھ جان اور آبرو بھی بچاؤ اور وطن میں رہ کر اہل وطن کی مار کی سہار نہیں کر سکتے تو ملک حبش میں چلے جاؤ وہاں کا نصرانی المذہب بادشاہ عادل و رحیم ہونے کے علاوہ رعایا پرور اور مذہبی آزادی دینے میں غیر متعصب ہے۔

چنانچہ اسی بیاسی گھر کشتیوں میں بیٹھ کر حبشہ چلے آئے اور اس وطن کو خیر باد کہہ کر جس میں مدتوں رہے سہے تھے محض دین و مذہب کی خاطر بے وطن بنے۔ (ماہتاب عرب)

پہلی ہجرت کے مہاجرین

ماہ رجب ۵ نبوی میں حضرات ذیل نے حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی۔

مرد

۱- حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
۲- حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ
۳- حضرت زبیر بن عوامؓ
۴- حضرت ابوحذیفۃ بن عتبہؓ
۵- حضرت مصعب بن عمیرؓ
۶- حضرت ابوسلمۃ بن عبدالاسدؓ
۷- حضرت عثمان بن مظعونؓ
۸- عامر بن ربیعہؓ
۹- حضرت سہیل بن بیضاؓ
۱۰- حضرت ابوسبرۃ بن ابی رہم عامری
۱۱- حضرت حاطب بن عمروؓ

عورتیں

۱- حضرت رقیہؓ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اور حضرت عثمانؓ کی زوجہ محترمہ
۲- سہلہ بنت سہیل ابوحذیفہؓ کی بیوی

۳- ام سلمہ بنت ابی امیہ ابو سلمہؓ کی بیوی جو ابو سلمہؓ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے مشرف ہو کر ام المومنین کے لقب سے ملقب ہوئیں۔

۴- لیلیٰ بنت ابی حثمہ عامر بن ربیعہ کی بیوی۔

۵- ام کلثوم بنت سہیل بن عمرؓ۔ ابو سبرۃ کی بیوی (عیون الاثر)

یہ قافلہ ساحل سمندر پر پہنچا۔ ایک جہاز روانہ ہونے والا تھا۔ اس میں نہایت سستے محصول پر جگہ مل گئی قریش کو اس قافلہ کی روانگی کا علم ہوا تو ایک جماعت ان کو پکڑنے کے لئے دوڑا دی۔ مگر جب وہ ساحل سمندر پر پہنچی تو جہاز روانہ ہو چکا تھا۔ (محمد میاںؒ)

ہجرت ثانیہ بجانب حبشہ

اب مشرکین مکہ نے پہلے سے زیادہ ستانا شروع کیا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔ اس وقت حضرات ذیل نے ہجرت فرمائی۔

مرد

۱- عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
۲- جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
۳- عمرو بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ
۴- خالد بن سعید بن العاصؓ۔ عمرو بن سعید کے بھائی
۵- عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ
۶- عبیداللہ بن جحش جو حبشہ جا کر نصرانی ہو گئے اور نصرانیت ہی پر مرے
۷- قیس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
۸- معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی
۹- عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ
۱۰- زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ
۱۱- ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ
۱۲- اسود بن نوفل رضی اللہ عنہ
۱۳- یزید بن زمعہ رضی اللہ عنہ
۱۴- عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ
۱۵- طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ
۱۶- مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ
۱۷- سویبط بن سعد رضی اللہ عنہ
۱۸- جہم بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۹- عمرو بن جہمؓ۔ یعنی جہم بن قیس کے بیٹے
۲۰- خزیمہ بن جہم۔ یعنی جہم کے دوسرے بیٹے
۲۱- ابو الروم بن عمیرؓ یعنی مصعب بن عمیرؓ کے بھائی
۲۲- فراس بن النضر رضی اللہ عنہ

۲۳-عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ۲۴-عامر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
۲۵-مطلب بن ازہر ۲۶-عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
۲۷-عتبۃ بن مسعودؓ یعنی عبداللہ بن مسعود کے بھائی ۲۸-مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ
۲۹-حارث بن خالد رضی اللہ عنہ ۳۰-عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ
۳۱-ابوسلمۃ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ ۳۲-شماسؓ جن کو عثمان بن عبدالشرید کہتے ہیں
۳۳-ھبار بن سفیان بن عبدالاسدؓ ۳۴-عبداللہ بن سفیان رضی اللہ عنہ ھبار کے بھائی
۳۵-ہشام بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ ۳۶-سلمۃ بن ہشام رضی اللہ عنہ
۳۷-عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ ۳۸-معتب بن عوف رضی اللہ عنہ
۳۹-عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ۴۰-سائب بن عثمانؓ
۴۱-قدامۃ بن مظعون رضی اللہ عنہ ۴۲-عبداللہ بن مظعونؓ۔ قدامۃ اور عبداللہ یہ دونوں سائب کے چچا ہیں
۴۳-حاطب بن الحارث رضی اللہ عنہ ۴۴-محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ
۴۵-حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ یعنی حاطب کے دونوں بیٹے
۴۶-خطاب بن الحارث رضی اللہ عنہ یعنی حاطب بن الحارث کے بھائی
۴۷-سفیان بن معمر رضی اللہ عنہ ۴۸-جابر بن سفیان رضی اللہ عنہ
۴۹-جنادۂ بن سفیان رضی اللہ عنہ یعنی سفیان کے بیٹے حسنہ کے بطن سے
۵۰-شرجیل بن حسنۃ رضی اللہ عنہ یعنی جابر اور سفیان کے اخیافی بھائی۔
۵۱-عثمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ۵۲-خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ
۵۳-قیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ ۵۴-عبداللہ بن حذافہ سہمی یہ تینوں بھائی ہیں
۵۵-عبداللہ بن الحارث سہمی رضی اللہ عنہ ۵۶-ہشام بن العاص سہمی رضی اللہ عنہ
۵۷-ابوقیس بن الحارث سہمی رضی اللہ عنہ ۵۸-حارث بن الحارث بن قیس سہمی رضی اللہ عنہ
۵۹-معمر بن الحارث سہمی رضی اللہ عنہ ۶۰-بشر بن الحارث سہمی رضی اللہ عنہ
۶۱-سعید بن عمرو سہمیؓ بشر بن الحارث کے اخیافی بھائی ۶۲-سعید بن الحارث سہمی رضی اللہ عنہ
۶۳-بشر بن الحارث سہمی رضی اللہ عنہ ۶۴-عمیر بن رئاب سہمی رضی اللہ عنہ
۶۵-محمیۃ بن جزء رضی اللہ عنہ ۶۶-معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

۶۷-عروۃ بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ
۶۸-عدی بن نضلہ رضی اللہ عنہ
۶۹-نعمان بن عدیؓ یعنی عدی بن نضلہ کے بیٹے
۷۰-عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
۷۱-ابوسبرۃ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ
۷۲-عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ
۷۳-عبداللہ بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ
۷۴-سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ
۷۵-سکران بن عمروؓ یعنی سلیط کے بھائی
۷۶-مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
۷۷-ابوحاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ
۷۸-سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ
۷۹-ابوعبیدۃ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ
۸۰-سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ
۸۱-عمرو بن ابی سرح رضی اللہ عنہ
۸۲-عیاض بن زہیر رضی اللہ عنہ
۸۳-عمرو بن الحارث بن زہیر رضی اللہ عنہ
۸۴-عثمان بن عبدغنم رضی اللہ عنہ
۸۵-سعد بن عبدقیس رضی اللہ عنہ
۸۶-حارث بن عبدقیس رضی اللہ عنہ

عورتیں

۱-رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۲-اسماء بنت عمیسؓ حضرت جعفرؓ کی بیوی جن کے بطن سے عبداللہ بن جعفرؓ حبشہ میں جاکر پیدا ہوئے۔
۳-فاطمہ بنت صفوانؓ زوجہ عمرو بن سعیدؓ
۴-امینہ بنت خلف زوجۂ خالد
۵-ام حبیبہ بنت ابن سفیانؓ زوجہ عبیداللہ بعد وفات عبیداللہ بن جحش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔
۶-برکۃ بنت یسارؓ زوجۂ قیس
۷-زوجہ ام حرملہ بنت عبدالاسودؓ
۸-رملہ بنت عوفؓ
۹-ریطہ بنت حارث بن حبلہ جن سے ارض حبشہ میں موسیٰ اور عایشہ اور زینب اور فاطمہ پیدا ہوئے۔
۱۰-ام سلمہ جن سے حبشہ میں زینب پیدا ہوئیں جو ابوسلمہ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ کہلائیں۔
۱۲-بیوی فکیہ بنت یسارؓ
۱۳-حسنہؓ زوجہ سفیان بن معمرؓ
۱۴-ام کلثوم بنت سہیلؓ
۱۵-سودہ بنت زمعہؓ
۱۶-عمرہ بنت سعدیؓ

سرداروں کی حیلہ جوئیاں اور ناکامیاں

سرداران قریش کا تعاقب

دشمنوں نے یہاں بھی ان کو چین نہ لینے دیا اور مخالفت مذہب کی آگ جنہوں نے خون کا پیاسا بنا دیا تھا ان کو حبش میں بھی لے آئی۔ چنانچہ چند روسائے قریش نے ان کے پیچھے ہی پیچھے حبش میں آ کر تحائف و ہدایا کی بدولت شاہ حبش تک رسائی پائی اور نو مسلم بے وطنوں کو اپنا بھاگا ہوا غلام اور قومی و ملکی مجرم بتا کر چاہا کہ بادشاہ ان کو اپنے ملک سے اخراج کا حکم دے کر ان کے حوالے کر دے، اور پھر ان کو اس بے پناہ جماعت کے ساتھ بدسلوکی کا پورا موقع مل جائے۔ شاہ حبش چونکہ ایک فہیم اور ذکی شخص تھا اس لئے اس نے سفراء عرب کی درخواست میں ایذاء و فریب کی جھلک محسوس کی اور مال کی رشوت لے کر اس قوم کو جس نے اس کے رحم و شفقت پر نظر کر کے وطن چھوڑ کر حبشہ میں پناہ لی تھی اپنے ملک سے نکالنا اور ان کی امیدوں پر پانی پھیرنا گوارا نہ کیا۔ لہٰذا درخواست کنندگان قریش کو ترش روئی و غصہ کے ساتھ نامنظوری کا ایسا صاف جواب دے دیا کہ ان کی امید قطع ہو گئی اور بے نیل مرام مکہ واپس ہوئے۔ (ماہتاب عرب)

نجاشی کے ہاں قریش کی سفارت

قریش نے جب یہ دیکھا کہ صحابہ کرام حبشہ میں جا کر مطمئن ہو گئے اور اطمینان کے ساتھ ارکان اسلام بجالانے لگے۔ تو مشورہ کر کے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو نجاشی اور اس کے تمام ندماء اور مقربین کے لئے تحائف اور ہدایا دیکر اپنا ہم خیال بنالیا۔ چنانچہ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ یہ دونوں حبشہ پہنچے اول تمام ندماء اور مصاحبین کو نذریں پیش کیں اور یہ بیان کیا کہ ہمارے شہر کے چند سفیہ اور نادان اپنا آبائی دین چھوڑ کر تمہارے شہر میں پناہ گزیں ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنا آبائی دین چھوڑ کر تمہارا دین بھی

اختیار نہیں کیا یعنی عیسائی بھی نہیں ہو گئے بلکہ ایک نیا دین اختیار کیا ہے جس سے نہ ہم اور نہ آپ کوئی بھی واقف نہیں۔ ہماری قوم کے اشراف اور سربرآوردہ لوگوں نے ہم کو بادشاہ کی خدمت میں اس لئے بھیجا ہے کہ یہ لوگ ہمارے حوالے کر دیئے جائیں۔ آپ حضرات بادشاہ سے سفارش کیجئے کہ ان لوگوں کو بغیر کسی مکالمہ اور گفتگو کے ہمارے سپرد کر دے۔ چنانچہ جب یہ لوگ باریاب ہوئے اور تحائف اور ہدایا کی نذر پیش کر کے اپنے مدعا کو پیش کیا تو مقربین اور مصاحبین نے پوری تائید کی کہ یہ لوگ اس وفد کے حوالے کر دیئے جائیں جس چیز کا اندیشہ تھا وہی سامنے آئی نجاشی کو غصہ آ گیا اور صاف کہہ دیا کہ میں بغیر دریافت حال اور بدوں گفتگو کے تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جو لوگ اپنا وطن چھوڑ کر میرے قلمرو میں آ ٹھہرے ہیں ان کو بغیر کسی تحقیق اور تفتیش کے ان کے مخالفوں کے حوالے کر دوں اور ایک آدمی صحابہ کے بلانے کے لئے روانہ کیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

دربار نجاشی میں صحابہؓ کی آمد

قاصد صحابہ کے پاس پہنچا اور بادشاہ کا پیام پہنچایا۔ اس وقت صحابہؓ میں سے کسی نے یہ کہا کہ دربار میں پہنچ کر کیا کہو گے (یعنی بادشاہ تو عیسائی ہے اور ہم مسلمان ہیں بہت سے عقائد میں اس کے خلاف ہیں) صحابہ نے کہا کہ ہم دربار میں وہی کہیں گے جو ہمارے نبی نے ہم کو سکھایا اور بتایا ہے جو کچھ بھی ہو اس سے سرمو تجاوز نہ کریں گے۔ صحابہ دربار میں پہنچے اور صرف سلام پر اکتفا کیا۔ بادشاہ کو سجدہ کسی نے نہ کیا۔ شاہی مقربین کو مسلمانوں کا یہ طرز عمل بہت گراں گزرا چنانچہ اسی وقت ندماء اور مصاحبین مسلمانوں سے سوال کر بیٹھے کہ آپ لوگوں نے شاہ ذی جاہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا اور ایک روایت میں ہے بادشاہ نے خود بھی سوال کیا کہ تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا۔ جعفرؓ نے کہا کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا اس نے ہم کو یہی حکم دیا ہے کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی کو سجدہ نہ کریں۔ مسلمانوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی طرح سلام کرتے ہیں اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو اسی طرح سلام کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی ہے کہ اہل جنت بھی اسی طرح ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ رہا سجدہ تو اللہ کی

پناہ کہ ہم سوائے خدا کے کسی کو سجدہ کریں اور تم کو اللہ کے برابر گردانیں۔

کیا ہم کسی کے غلام ہیں؟

حضرت جعفرؓ نے نجاشی سے کہا۔ کہ میں ان لوگوں سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں آپ ان سے جواب طلب فرمائیں۔

کیا ہم کسی کے غلام ہیں جو اپنے آقاؤں سے بھاگ کر آئے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو بیشک ہم لائق واپسی ہیں۔

نجاشی نے عمرو بن العاص سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیا یہ لوگ کسی کے غلام ہیں۔ عمرو بن العاص نے کہا کہ بل احرار کرام۔ غلام نہیں بلکہ آزاد اور شریف ہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

کیا ہم نے کسی کا خون کیا ہے؟

حضرت جعفر نے نجاشی سے کہا کہ آپ ان سے یہ بھی دریافت کریں کہ کیا ہم کسی کا خون کر کے آئے ہیں۔ اگر ہم کسی کا ناحق خون کر کے آئے ہیں تو آپ بلا تامل ہم کو اولیاء مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیجئے۔

نجاشی نے عمرو بن العاص سے مخاطب ہو کر کہا۔

هل اهرقوا دما بغير حقه کیا یہ لوگ کوئی ناحق خون کر کے آئے ہیں۔

عمرو بن العاص نے کہا **لا قطرة من دم**:۔ خون کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

کیا ہم کسی کا مال لے کر بھاگے ہیں؟

حضرت جعفر نے نجاشی سے کہا آپ ان سے یہ بھی دریافت کریں۔ کیا ہم کسی کا کچھ مال لیکر بھاگے ہیں اگر بالفرض ہم کسی کا مال لیکر آئے ہیں تو ہم اسکو ادا کرنے کیلئے تیار ہیں۔

نجاشی نے عمرو بن العاص سے مخاطب ہو کر کہا۔ اگر یہ لوگ کسی کا مال لے کر آئے ہیں تو میں اس کا کفیل اور ضامن اور اس کے تاوان کا ذمہ دار ہوں۔

عمرو بن العاص نے کہا:۔

ولا قيراط یہ لوگ تو کسی کا ایک قیراط یعنی ایک پیسہ بھی لیکر نہیں آئے۔

نجاشی نے وفد قریش سے مخاطب ہو کر کہا پھر کس چیز کا مطالبہ ہے (سیرۃ المصطفیٰ)

فردجرم:

عمرو بن العاص نے کہا کہ ہم اور یہ ایک دین پر تھے ہم اسی دین پر قائم رہے اور ان لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا اور ایک نیا دین اختیار کرلیا۔

نجاشی نے صحابہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ جس دین کو تم نے چھوڑا اور جس دین کو تم نے اختیار کیا وہ کیا دین ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

نجاشی کے دربار میں دین اسلام کا تعارف حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی زبانی

حضرت جعفر بن ابی طالب نے مسلمانوں کی ترجمانی کرتے ہوئے جو تقریر فرمائی وہ تمام مورخین نے نقل کی ہے اس کا اردو پیرہن یہ ہے۔

بادشاہ عالیجاہ: یہ درست ہے۔ ہماری قوم بت پرست ہے۔ جاہل ہے۔ اس کو حلال حرام کی تمیز نہیں۔ مردار کھا جاتی ہے۔ بدکاریاں کرتی ہے۔ ہمسایوں کو ستاتی ہے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا ہے۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کردیا جاتا ہے۔ جو برائی ہوسکتی ہے وہ سب ہمارے معاشرہ (سماج) میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا فضل فرمایا ہم میں ایک شخص پیدا ہوا۔ عمر کے چالیس سال اس نے ہمارے بیچ میں رہ کر اس طرح گزارے کہ پوری قوم اس کی شرافت کی قائل ہوگئی۔ اس کی صداقت اور سچائی سے یہاں تک متاثر ہوئی کہ اس کو الصادق اور الامین کہنے لگی۔ اس نے بتایا کہ خدا نے اس کو نبی بنا کر بھیجا ہے اور خدا کا حکم یہ ہے کہ صرف خداء واحد کی عبادت کرو۔ بت پرستی چھوڑ دو۔ خدا کے سوا کسی کے سامنے ماتھا مت ٹیکو۔ کسی کو ناحق نہ ستاؤ۔ کمزوروں کی مدد کرو۔ غریبوں پر رحم کرو۔ خلق خدا کی خدمت کرو۔ رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرو۔ ایک دوسرے سے محبت کرو۔ آپس میں شفقت اور مہربانی سے کام لو۔ سچائی اختیار کرو۔ بری باتیں چھوڑ دو۔ نیک اور دیانتدار بن جاؤ۔

اے بادشاہ ہمیں یہ باتیں اچھی معلوم ہوئیں ہم نے اس کا دامن سنبھال لیا ہے اور اس کے کہنے پر عمل شروع کر دیا ہے۔(محمد میاںؒ)

حضرت جعفر نے اس کے علاوہ اور بھی تعلیمات اسلام کا ذکر کر کے فرمایا پس ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے اور جو کچھ وہ منجانب اللہ لیکر آئے اس کا اتباع اور پیروی کی۔ چنانچہ ہم صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ حلال چیزوں کو کرتے ہیں اور حرام چیزوں سے بچتے ہیں محض اس پر ہماری قوم نے ہم کو طرح طرح سے ستایا اور قسم قسم کی اذیتیں پہنچائیں تا کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر گذشتہ بے حیائیوں میں پھر مبتلا ہو جائیں۔ جب ہم ان کے مظالم سے تنگ آ گئے اور اپنے دین پر چلنا اور ایک خدا کی عبادت اور بندگی کرنا دشوار ہو گیا تب ہم نے اپنا وطن چھوڑا اور اس امید پر کہ آپ ظلم نہ کریں گے۔آپ کی ہمسائیگی کو سب پر ترجیح دی۔نجاشی نے کہا کیا تم کو اس کلام میں سے کچھ یاد ہے جو تمہارے پیغمبر اللہ کی طرف سے لائے ہیں۔ حضرت جعفر نے فرمایا ہاں نجاشی نے کہا کہ اچھا اس میں سے کچھ پڑھ کر مجھ کو سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورۃ مریم کا ابتدائی حصہ پڑھ کر سنایا۔ بادشاہ اور تمام درباریوں کے آنسو نکل آئے اور روتے روتے بادشاہ کی داڑھی تر ہو گئی۔(سیرۃ المصطفیٰ)

قریش کے سفیروں کی شرارت

سفارت قریش کے ارکان نے دیکھا کہ بادشاہ حضرت جعفر کی تقریر سے متاثر ہو رہا ہے تو انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کے متعلق ان کا عقیدہ معلوم کیجئے۔ یہ کچھ اور کہتے ہیں اور عیسائیوں کی تردید کرتے ہیں۔(سیرۃ المصطفیٰ)

حضرت عیسیٰ کا قرآنی تعارف اور نجاشی کا اطمینان

بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کے متعلق ان کا عقیدہ معلوم کیا تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃ مریم کا پورا رکوع پڑھ کر سنا دیا۔جس میں حضرت مریم کی پاکدامنی بیان کر کے بتایا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ خدا کے

بندے اور اس کے رسول ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے معجزے عطا فرمائے تھے۔ اور پہلا معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے گہوارے ہی میں بولنا شروع کر دیا تھا۔ (سیرت مبارکہ)

بادشاہ نے پادریوں کو خطاب کر کے کہا کہ میرا یقین ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حیثیت اس سے ایک تنکہ کے برابر بھی زیادہ نہیں ہے جو انہوں نے قرآن شریف کے حوالہ سے بیان کی ہے۔ (محمد میاںؒ)

اس پر درباریوں نے بہت ناک بھوں چڑھائے مگر نجاشی نے ذرہ برابر پرواہ نہ کی اور صاف کہہ دیا کہ تم کتنا ہی ناک بھوں چڑھاؤ مگر حقیقت یہی ہے۔

جب حضرت جعفرؓ تلاوت ختم فرما چکے تو نجاشی نے کہا یہ کلام اور وہ کلام جو عیسٰی علیہ السلام لیکر آئے دونوں ایک ہی شمع دان سے نکلے ہوئے ہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

بادشاہ کا فیصلہ اور قریش کی سفارت کی ناکامی

پھر قریش کے سفیروں سے کہہ دیا کہ یہ لوگ آپ کے غلام نہیں ہیں۔ آپ کے مقروض نہیں ہیں۔ پھر ان کو آپ کے حوالے کیوں کیا جائے۔ مسلمانوں سے کہا کہ وہ اس کی مملکت میں اطمینان سے رہیں۔ (سیرت مبارکہ)

ایک سونے کا پہاڑ لے کر بھی تم کو ستانا پسند نہیں کرتا۔ اور حکم دیا کہ قریش کے تمام تحائف اور ہدایا واپس کر دیئے جائیں۔ مجھ کو ان کے نذرانوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ واللہ خدا نے میرا ملک اور میری سلطنت بغیر رشوت کے مجھ کو دلائی۔ لہٰذا میں تم سے رشوت لے کر ان لوگوں کو ہرگز تمہارے سپرد نہ کروں گا۔ دربار ختم ہوا اور مسلمان نہایت شاداں وفرحاں اور قریش کا وفد نہایت ذلت وندامت کے ساتھ باہر نکلا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

مسلمانوں کا تا واپسی اطمینان سے رہنا

نجاشی کے اس اعلان کے بعد مہاجرین اطمینان کے ساتھ حبش میں مقیم رہے۔ جب رسول اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو اکثر لوگ تو خبر سنتے ہی حبشہ سے مدینہ واپس آ گئے جن میں چوبیس آدمی غزوہ بدر میں شریک ہوئے باقی ماندہ لوگ حضرت جعفرؓ کی

معیت میں ۷ھ میں فتح خیبر کے وقت حبشہ سے مدینہ منورہ پہنچے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

واپسی کے وقت نجاشی کی درخواست دعا

حضرت جعفر اور ان کے رفقاء نے جب حبشہ سے مدینہ منورہ کا قصد کیا تو نجاشی نے سب کا سفر خرچ اور زادراہ دیا اور مزید برآں کچھ ہدایا اور تحائف بھی دیئے اور ایک قاصد ہمراہ کیا اور یہ کہا کہ میں نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا ہے اس کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دینا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں اور آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے لئے استغفار یعنی دعا مغفرت فرمائیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

حضرت جعفرؓ کی واپسی اور حضورؐ کی نجاشی کے لئے دعا

حضرت جعفرؓ فرماتے ہیں کہ ہم حبشہ سے روانہ ہوئے اور آپؐ کی خدمت میں پہنچے آپ نے مجھ کو گلے لگا لیا اور فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ میں فتح خیبر سے زیادہ مسرور ہوں یا جعفرؓ کے آنے سے پھر آپ بیٹھ گئے نجاشی کے قاصد نے کھڑے ہو کر عرض کیا (یارسول اللہؐ) یہ جعفر آپ کے سامنے موجود ہیں آپ ان سے دریافت فرمالیں کہ ہمارے بادشاہ نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے۔ حضرت جعفرؓ نے کہا بے شک نجاشی نے ہمارے ساتھ ایسا اور ایسا معاملہ کیا۔ یہاں تک کہ چلتے وقت ہم کو سواری دی اور توشہ دیا اور ہماری امداد کی اور گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کی بھی گواہی دی کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور آپ سے یہ درخواست کی ہے کہ آپ میرے لئے دعائے مغفرت فرمائیں آپؐ اسی وقت اٹھے اور وضو کیا اور تین بار یہ دعا فرمائی۔

اللھم اغفر للنجاشی ۔۔۔۔ اے اللہ تو نجاشی کی مغفرت فرما۔

اور سب مسلمانوں نے آمین کہا۔ حضرت جعفر کہتے ہیں میں نے قاصد سے کہہ دیا کہ جب تم واپس جاؤ تو جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تم نے دیکھا ہے وہ جا کر بادشاہ سے بیان کر دینا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

زاد المعاد میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت فرمانے کی خبر ان لوگوں کو پہنچی تو ۳۳ آدمی حبشہ سے لوٹ آئے۔ سات تو مکہ میں روک لئے گئے اور باقی مدینہ پہنچ گئے اور بقیہ نے کشتی کے راستہ غزوہ خیبر کے سال مدینہ میں ہجرت کی۔ ان لوگوں کو دو ہجرتوں کی وجہ سے اصحاب الہجرتین کہتے ہیں۔ (نشر الطیب)

نجاشی اور اس کی حکومت کا پس منظر

زہری فرماتے ہیں کہ میں نے ام سلمہ کی یہ مفصل حدیث عروۃ بن الزبیر سے ذکر کی تو عروہؓ نے مجھ سے یہ کہا کہ تم کو معلوم بھی ہے کہ نجاشی کے اس قول کا کہ اللہ نے بغیر رشوت کے میرا ملک مجھے واپس فرمایا کیا مطلب ہے میں نے کہا نہیں۔ عروہؓ نے کہا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا کہ نجاشی کا باپ حبشہ کا بادشاہ تھا۔ نجاشی کے سوا اس کا کوئی اور بیٹا نہ تھا۔ بادشاہ کے بھائی یعنی نجاشی کے چچا کے بارہ لڑکے تھے۔ ایک مرتبہ اہل حبشہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ نجاشی تو اپنے باپ کا ایک ہی بیٹا ہے اور بادشاہ کا بھائی کثیر الاولاد ہے اس لئے بادشاہ کو قتل کر کے بادشاہ کے بھائی یعنی نجاشی کے چچا کو بادشاہ بنا لینا چاہئے تاکہ زمانہ دراز تک اسی خاندان میں بادشاہت کا سلسلہ قائم رہے۔ چنانچہ بادشاہ کو قتل کر کے بادشاہ کے بھائی کو بادشاہ بنالیا اور نجاشی اپنے چچا کی تربیت میں آ گیا۔ نجاشی نہایت ہوشیار اور سمجھدار تھا۔ اسی وجہ سے چچا کی نظر میں جو نجاشی کی وقعت تھی وہ کسی کی نہ تھی نوبت یہاں تک پہنچی کہ بادشاہ کے ہر کام میں نجاشی ہی دخیل نظر آنے لگا۔ اہل حبشہ کو اس کی ہوشیاری سے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں اپنے باپ کا انتقام نہ لے اس لئے بادشاہ سے درخواست کی کہ اس کو قتل کرادے۔ بادشاہ نے کہا کہ کل تم نے اس کے باپ کو قتل کیا اور آج اس کے بیٹے کو قتل کرنا چاہتے ہو مجھ سے یہ ناممکن ہے بہت سے بہت یہ ہوسکتا ہے کہ میں اس کو یہاں سے علیحدہ کر دوں لوگوں نے اس کو منظور کیا اور نجاشی کو بادشاہ سے لیکر ایک تاجر کے ہاتھ چھ سو درہم میں فروخت کر ڈالا۔ تاجر نجاشی کو لے کر روانہ ہوا۔ شام ہی کو یہ واقعہ پیش آیا کہ بادشاہ پر بجلی گری۔ بادشاہ تو بجلی گرتے ہی مر گیا۔ اب لوگوں میں ہلچل پڑی کہ کس کو بادشاہ بنائیں۔ بارہ بیٹوں میں سے کوئی بھی تخت نشینی کے قابل نظر نہ آیا۔ بارہ کے بارہ اول

سے آخر تک سب احمق اور نادان تھے۔ اس وقت لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ اگر اپنے ملک کی فلاح و بہبود چاہتے ہو تو نجاشی کو واپس لا کر تخت نشین کرو۔ لوگ نجاشی کی خاطر اس تاجر کی تلاش میں ہر طرف دوڑائے۔ اس تاجر سے نجاشی کو واپس لا کر تخت نشین کیا۔ تخت نشینی کے بعد وہ تاجر آیا اور زرِ ثمن کا مطالبہ کیا۔ نجاشی نے اسکے چھ سو درہم واپس دیئے۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نجاشی کا قریش کے وفد کو مخاطب بنا کر یہ کہنا کہ اللہ نے بغیر رشوت کے میرا ملک واپس کیا۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

قریش کا ابوطالب پر دباؤ ڈالنا

قریش کو اس سفارت کی ناکامی کا علم ہوا تو مسلمانوں کے خلاف ان کا غیظ و غضب اور بڑھ گیا اور خواجہ ابوطالب اور آل ہاشم پر پورا زور ڈالنا شروع کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذمہ داری سے دست کش ہو جائیں۔ چنانچہ روساء قریش کا ایک وفد خواجہ ابوطالب کے پاس پہنچا اور بہت زور ڈالا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کر دیں ورنہ ان کو ہمارے حوالہ کر دیں۔ مجبور ہو کر ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا۔

چچا جان :۔ آپ کی شفقت و محبت کا شکریہ۔ آپ یقیناً معذور ہیں۔ آپ میری امداد سے دست کش ہو جایئے۔ مگر مجھے میرے رب نے جس مقام پر کھڑا کر دیا ہے میں اس سے ذرہ برابر بھی نہیں ہٹ سکتا۔

خواجہ ابوطالب نے یہ پختگی دیکھی تو قریش کو جواب دیدیا کہ وہ محمدؐ کی حمایت نہیں چھوڑ سکتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی کہ وہ اپنا کام کرتے رہیں۔

مسلمانوں کی کمزوری

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لئے یہ نئی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ ایک سو کے قریب مسلمان حبشہ چلے گئے تو اب صرف تیس چالیس مسلمان رہ گئے جن کے لئے مکہ کی غضبناک فضا میں زندگی اور بھی دوبھر ہو گئی تھی۔ ان میں کافی تعداد غلاموں کی تھی۔ اگرچہ ان میں سے زیادہ تر کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ لیکن آزادی کے بعد بھی

وہ بے پناہ تھے۔ مسلمان ان کی پناہ ہو سکتے تھے مگر وہ خود چھپ چھپ کر زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔

قریشیوں کے مظالم کے مختلف روپ

جسمانی راحت و آرام کو لے کر ان سے جینے کے حق کو چھین کر انہوں نے آزمایا تھا۔ ''صدق'' و ''امانت'' کے اس حقیقی سرچشمہ کے ساتھ آزمانے کی اس راہ کو اختیار کرنے سے کچھ جھجک رہے تھے جس کا امتحان تھا اگرچہ خود اس کو دیدہ اور مرئی قوتوں سے انکار تھا لیکن ان آزمانے والوں کی نگاہوں' تنگ نگاہوں میں تو بھروسہ صرف وہی تھا جو سامنے ہو۔ بہرحال اس بھروسہ کی تعداد ہی کتنی سی تھی لیکن جتنی بھی تھی جب اس میں سے اسی پچاسی آدمی نکل گئے تو ظاہر ہے کہ آزمانے والوں کیلئے راستہ بہت کچھ صاف ہو چکا تھا۔ یہ سچ ہے کہ جمہوریہ قریش کے بین القرتی بین القبائلی قوانین کی رو سے بھی اس پر ہاتھ دراز کرنا آسان نہ تھا جو غلاموں' پردیسیوں' بیکسوں کی طرح لاوارث نہ تھا جن کے ساتھ ان ظالموں نے جو روستم کی چاندماری' ٹھنڈے سانسوں کے ساتھ کھیلی تھی وہ بنی ہاشم سے بھی دبتے تھے اور ان کے حلیفوں سے بھی شرماتے تھے جن کے اور اب سلبی آزمائشوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ قریش کے گھاگھوں نے طے کیا کہ اس کے لئے زیادہ لمبی چوڑی کوششوں کی حاجت نہیں بلکہ ان کی ظاہری آنکھوں کے سامنے اس کی سب سے بڑی چٹان تھی۔ جس پر اگرچہ خود ٹیک لگائے ہوئے نہیں تھا۔ لیکن وہ یہی باور کرتے تھے کہ اس کی سب سے بڑی ٹیک اس کا چچا ابوطالب ہے طے کیا گیا کہ بس اسی چٹان کو جس طرح بن پڑے کسی طرح اس کے قدموں کے نیچے سے سرکا لو۔ یقین تھا کہ اسی کے ساتھ وہ اور اس کا دعویٰ دونوں ہی سربسجود ہو جائیں گے جو کچھ ممکن تھا اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے کیا۔

ابتداء میں انہیں کچھ مایوسیاں ہوئیں اور اچھی خاصی مایوسیاں ہوئیں لیکن واقع میں وہ کس طرح پر کھڑا ہے اس کے عینی شاہد کس طرح پیدا ہوتے اگر ابوطالب اپنی چالیس سال کی محنت و محبت کو برباد کرنے پر آمادہ نہ ہو جاتے' تاریخ نے اس دردناک موقع کی تصویر محفوظ رکھی ہے۔ جس وقت اپنے گودوں کے پالے ہوئے یتیم بھتیجے کو لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں آبدیدہ ہو کر ابوطالب کہہ رہے تھے۔ لا تحملنی مالا اطیق ''مجھ پر اتنا نہ لادو جسے میں اٹھا نہ سکوں''۔

قریش کامیاب ہو گئے۔ چٹان لڑھک گئی۔ لیکن قریش ہی نے نہیں بلکہ دنیا نے دیکھا کہ جس کو گرانے کیلئے یہ کیا گیا تھا وہ جہاں تھا وہاں سے ہلا بھی نہیں صرف آواز آرہی تھی کہ کہنے والا کہہ رہا ہے۔

''خدا کی قسم میرے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں میں ماہتاب اگر اس لئے رکھ دیا جائے کہ میں اس امر کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دوں۔ تو یہ نہیں ہوسکتا''۔

یہ تو ان کی ایجابی کوششوں کی امید' دبی چھپی چنگاریوں کو آخری طور پر بجھانے کے لئے فرمایا گیا اور اس کو تو وہ دیکھ بھی چکے تھے۔ آفتاب و ماہتاب تو ان کے پاس تھے نہیں لیکن جو کچھ بھی تھا سب کو دیکر مایوس ہو چکے تھے۔ باقی اب جن سلبی اور ایذائی مہموں کا انہوں نے آغاز کیا تھا اس کے متعلق بھی قطعی لفظوں میں اعلان کر دیا گیا۔

''یہ کام پورا ہوگا۔ یا میں اس میں مر جاؤں گا''۔

کام تو پورا ہونے والا تھا اور اس میں شک کی گنجائش ہی کیا تھی لیکن دے کر تو تم دیکھ چکے ہو اب لے کر دیکھو! اچھی طرح دیکھو! اس سلبی امتحان کی راہ میں جان تک کی بازی لگا دی گئی اور یہی مطلب تھا۔

''او اھلک فیہ'' یا میں اس میں مر جاؤں گا یا مارا جاؤں گا۔

سنگ دل' سیاہ سینہ جانچنے والوں نے پھر کیا اس سلسلہ میں کہیں رحم کھایا جو کچھ کر سکتے تھے سب کچھ کر رہے تھے لیکن ان کا کہیں دل دکھا؟ عزت پر آبرو پر' جسم پر' جان پر' حملوں کی کوئی قسم تھی۔ جس کو انہوں نے باقی چھوڑا۔ یقیناً ان کے ترکش میں کوئی تیر ایسا نہ تھا جو چلنے سے رہ گیا۔ نکاحی بیٹیوں کو طلاق دلوائی گئی۔ سر پر خاک ڈالی گئی۔ راہ میں کانٹے بچھائے گئے۔ پشت پر لید سے بھری ہوئی اوجھ نماز کی حالت میں رکھی گئی۔ چہرہ مبارک پر بلغم تھوکا گیا گردن مبارک میں پھندا لگایا گیا۔ (النبی الخاتم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا اور قریش کی طاقت کا ٹوٹنا

قریش کی طاقت کے دو مرکزی آدمی

مسلمانوں کی تعداد سو سے زیادہ ہوگئی تھی۔ ان میں طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہم جیسے جنگجو بہادر بھی تھے۔ جنہوں نے مستقبل میں عظیم الشان کارنامے انجام دیئے اور غزوات میں بہادری کے بےنظیر جوہر دکھائے۔ مگر یہ حضرات اس وقت ایسے نہیں تھے جن کی مکہ میں دھاک ہو اور جن سے پورا شہر مرعوب رہتا ہو۔ یہ بات صرف دو کو حاصل تھی۔ عمر بن الخطاب اور ان کے ماموں ابوجہل بن ہشام کو۔ مگر یہ دونوں اسلام کے مقابلہ میں بہت سخت تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے کہ خداوندا ان دونوں میں جو تجھے زیادہ محبوب ہو اس سے اسلام کو تقویت فرما۔ (محمد میاںؒ)

حضرت عمر کے اسلام لانے کا حقیقی سبب

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا اصلی اور حقیقی سبب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے۔ اول آپ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ یعنی در پردہ ابوجہل اور عمر بن الخطاب میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو اسی سے اسلام کو عزت دے (رواہ احمد والترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

ابن عساکرؒ فرماتے ہیں بعد ازاں بذریعہ وحی آپؐ پر منکشف ہوا کہ ابوجہل اسلام نہ لائے گا تو اس وقت آپ نے خاص حضرت عمرؓ کے لئے یہ دعا فرمائی۔

اللھم ایدالاسلام بعمر بن الخطاب خاصۃ

اے اللہ خاص عمر بن الخطاب سے اسلام کو قوت دے۔

غرض یہ کہ حضرت عمر کے اسلام لانے کا اصلی اور حقیقی سبب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے جاذبانہ ہے۔ باقی سبب ظاہری یہ ہے کہ جو حضرت عمرؓ سے منقول ہے (سیرۃ المصطفیٰ)

حضورؐ کے قتل کیلئے جانا (نعوذ باللہ)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت مخالف اور دین اسلام سے سخت متنفر اور بیزار تھا۔

ابو جہل نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر ڈالے اس کے لئے میں سو اونٹ کا کفیل اور ضامن ہوں۔ عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے بالمشافہ ابو جہل سے دریافت کیا کہ تمہاری جانب سے کیا یہ کفالت اور ضمانت صحیح ہے۔ ابو جہل نے کہا ہاں۔

بچھڑے کے پیٹ سے آواز

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں آپ کے قتل کے ارادہ سے تلوار لے کر روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک بچھڑا نظر پڑا جسے لوگ ذبح کرنے کا ارادہ کر رہے تھے میں بھی دیکھنے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ یکا یک دیکھتا کیا ہوں کہ کوئی پکارنے والا بچھڑے کے پیٹ میں سے پکار کر یہ کہہ رہا ہے۔ اے آل ذریح ایک کامیاب امر ہے ایک مرد ہے جو فصیح زبان کے ساتھ چیخ رہا ہے۔

لوگوں کو شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ کی طرف بلا رہا ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ آواز سنتے ہی معاً میرے دل میں یہ خیال آیا کہ مجھ کو ہی یہ آواز دی جا رہی ہے اور میں ہی اس آواز کا مخاطب ہوں۔

بہن اور بہنوئی کے اسلام کی اطلاع

لیکن عمر رضی اللہ عنہ پھر بھی اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور آگے بڑھے۔ کچھ قدم چل کر نعیم بن عبداللہ نحام ملے اور پوچھا کہ اے عمر اس دوپہر میں کس ارادہ سے جا رہے ہو عمر نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ ہے۔ نعیم نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر کے بنی ہاشم اور بنی زہرہ سے کس طرح بچ سکو گے۔ عمر نے کہا کہ میں گمان کرتا ہوں کہ تو بھی صابی (بددین) ہو گیا ہے اور اپنا آبائی مذہب چھوڑ بیٹھا ہے نعیم نے کہا آپ مجھ سے کیا کہتے ہیں آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کی بہن فاطمہ بنت خطاب اور آپ کے بہنوئی سعید بن

زید دونوں صابی ہو چکے ہیں اور تمہارا دین چھوڑ کر اسلام قبول کر چکے ہیں۔

بہن اور بہنوئی کی مار پیٹ کرنا

عمر رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی غصہ میں بھرے ہوئے بہن کے گھر پہنچے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ جوان کی بہن اور بہنوئی کو تعلیم دے رہے تھے وہ حضرت عمر کی آہٹ سنتے ہی چھپ گئے۔ عمر گھر میں داخل ہوئے اور بہن اور بہنوئی سے کہا شاید تم دونوں صابی ہو گئے ہو۔ بہنوئی نے کہا اے عمر اگر تمہارا دین حق نہ ہو بلکہ اس کے سوا کوئی دوسرا دین حق ہو تو بتلاؤ کیا کرنا چاہئے۔ بہنوئی کا یہ جواب دینا تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ ان پر پل پڑے بہن شوہر کے چھڑانے کیلئے آئیں تو ان کو اس قدر مارا کہ چہرہ خون آلود ہو گیا۔ اس وقت بہن نے یہ کہا اے خطاب کے بیٹے تجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ کر لے ہم تو مسلمان ہو چکے ہیں۔ اے اللہ کے دشمن تو ہم کو محض اس لئے مارتا ہے کہ ہم اللہ کو ایک مانتے ہیں خوب سمجھ لے کہ ہم اسلام لا چکے ہیں اگرچہ تیری ناک خون آلود ہو۔

دل کی دنیا میں تبدیلی

حضرت عمرؓ یہ سن کر کچھ شرمائے اور کہا کہ اچھا وہ کتاب جو تم پڑھ رہے تھے مجھ کو بتلاؤ۔ یہ سنتے ہی حضرت خباب جو مکان کے کسی گوشہ میں چھپے ہوئے تھے فوراً باہر نکل آئے۔ بہن نے کہا۔

تو ناپاک ہے اور قرآن پاک کو پاک ہی لوگ چھو سکتے ہیں جاؤ وضو کر کے آؤ۔ عمر اٹھے اور وضو یا غسل کیا اور صحیفہ مطہرہ کو ہاتھ میں لیا جس میں سورۃ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی پڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچے۔

اننی انا اللہ لا الہ الا انا فاعبدنی واقم الصلوٰۃ لذکری

میں ہی معبود برحق ہوں میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ پس میری ہی عبادت کرو اور نماز کو میری یاد کے لئے قائم کر۔

بے ساختہ بول اٹھے **مااحسن ھذا الکلام واکرمہ** کیا ہی اچھا اور بزرگ کلام ہے۔

اوپر کی آیتوں میں اللہ کی ذات اور صفات کا ذکر ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ میں یہ آیتیں پڑھ رہا تھا اور جب اللہ کا نام آتا تھا دل کانپ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب ساتویں آیت پر پہنچا ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر تو بے اختیار زبان سے نکلا۔ **اشھدان لاالہ الا اللہ واشھدان محمدًا رسول اللہ**۔ (محمد میاںؒ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری

حضرت خباب نے عمر رضی اللہ عنہ سے یہ سن کر کہا کہ اے عمر تم کو بشارت ہو۔ میں امید کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوئی۔ عمر نے کہا کہ اے خباب مجھے آپؐ کے پاس لے چلو۔

حضرت خباب عمر کو ساتھ لے کر دار ارقم کی طرف چلے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہوا کرتے تھے۔ دروازہ بند تھا۔ دستک دی اور اندر آنے کی اجازت چاہی یہ معلوم کر کے کہ عمر اندر آنا چاہتے ہیں کوئی شخص دروازہ کھولنے کی جرات نہ کرتا تھا۔ حضرت حمزہؓ نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو اور آنے دو اگر اللہ نے عمر کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے تو اللہ اس کو ہدایت دے گا اور اسلام لے آئے گا اور اللہ کے رسول کا اتباع کرے گا۔ ورنہ تم اللہ کے حکم سے اس کے شر سے محفوظ اور مامون رہو گے اور بحمد اللہ عمر کا قتل کر دینا ہم پر کچھ دشوار نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت حمزہؓ نے فرمایا کہ اگر عمر خیر کے ارادہ سے آ رہا ہے تو ہم بھی اس کے ساتھ خیر کا معاملہ کریں گے اور اگر شر کے ارادہ سے آ رہا ہے تو اسی کی تلوار سے اسے قتل کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دروازہ کھولنے کی اجازت دی۔ دروازہ کھول دیا گیا اور دو شخصوں نے میرے دونوں بازو پکڑے اور آپ کے سامنے لا کر مجھ کو کھڑا کیا آپ نے ان سے فرمایا کہ چھوڑ اور میرا کرتہ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا اے خطاب کے بیٹے اسلام لا اور یہ دعا فرمائی۔

اللھم اھدہ (اے اللہ اس کو ہدایت دے)

اور عمر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے عمر کیا تو اس وقت تک باز نہ آئے گا جب تک خدائے عزوجل تجھ پر کوئی رسوا کن عذاب نازل نہ فرمائے۔

قبول اسلام

عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ اسی لئے حاضر ہوں کہ ایمان لاؤں اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کچھ اللہ کے پاس سے نازل ہوا۔ **اشھدان لاالہ الااللہ وانک رسول اللہ**

عرش وفرش پر جشن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرط مسرت سے باآواز بلند تکبیر کہی جس سے تمام اہل

دار نے پہچان لیا کہ مسلمان ہو گئے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب عمر مسلمان ہوئے تو جبریل امین نازل ہوئے اور یہ فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام اہل آسمان حضرت عمر کے اسلام سے مسرور اور خوش ہوئے۔

حرم میں اعلانیہ نماز کا آغاز

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور اسی وقت سے دین کی عزت اور اسلام کا ظہور اور غلبہ شروع ہو گیا۔ علی الاعلان حرم میں نماز پڑھنے لگے۔ اعلانیہ طور پر اسلام کی دعوت و تبلیغ شروع ہو گئی۔ اسی روز سے حق اور باطل کا فرق واضح اور ظاہر ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکا نام فاروق رکھا۔

قریشیوں میں اعلان اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مارنا

حضرت عمر جب اسلام لے آئے تو یہ خیال پیدا ہوا کہ اپنے اسلام کی ایسے شخص کو اطلاع دوں کہ جو بات کے مشہور کرنے میں خوب ماہر ہوتا کہ سب کو میرے اسلام کی اطلاع ہو جائے چنانچہ میں جمیل بن معمر کے پاس گیا جو اس بات میں مشہور تھا اور کہا اے جمیل تجھ کو معلوم بھی ہے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہو گیا ہوں۔ جمیل یہ بات سنتے ہی اسی حالت میں اپنی چادر کھینچتا ہوا مسجد حرام کی طرف بھاگا۔ جہاں سرداران قریش جمع تھے وہاں پہنچ کر با آواز بلند یہ کہا۔ اے لوگو عمر صابی ہو گیا ہے۔ عمر فرماتے ہیں میں بھی پیچھے پیچھے پہنچا اور کہا کہ یہ غلط کہتا ہے میں صابی نہیں ہوا میں تو اسلام لایا ہوں اور یہ گواہی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہ سننا تھا کہ لوگ عمر پر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کیا اسی میں دن چڑھ گیا۔ اتفاق سے عاص بن وائل سہمی ادھر آ نکلے۔ عاص نے دریافت کیا کہ کیا واقعہ ہے لوگوں نے کہا عمر صابی ہو گیا ہے۔ عاص نے کہا تو پھر کیا ہوا۔ ایک شخص نے اپنے لئے ایک امر (دین) کو اختیار کر لیا ہے یعنی پھر تم کیوں مزاحم ہوتے ہو کیا تمہارا گمان ہے کہ بنی عدی اپنے آدمی (یعنی حضرت عمر) کو یوں ہی چھوڑ دیں گے جاؤ میں نے عمر کو پناہ دی ہے۔ عاص کا پناہ دینا تھا کہ تمام مجمع منتشر ہو گیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اب تک یہ موقع نہیں ملتا تھا کہ مسلمان حرم کعبہ میں نماز پڑھ سکیں۔ مگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو پہلے سرداران قریش میں سے ہر ایک کی ڈیوڑھی پر پہنچ کر ہر ایک کو آگاہ کیا

کہ عمر مسلمان ہوگیا ہے اس کے بعد تمام مسلمانوں کو ساتھ لے کر حرم شریف میں داخل ہوئے اور کھلے بندوں نماز پڑھی۔ لیکن قریش نے سب کی پوری طرح تواضع کی۔ خصوصاً حضرت فاروق ہر ایک کا نشانہ بنے۔ کافی مار پیٹ کے بعد کسی طرح یہ ہنگامہ ختم ہوا مگر عمر بن الخطاب کا مسلمان ہو جانا ایسا حادثہ نہیں تھا جس پر قریش آسانی سے صبر کر لیتے۔ انہوں نے حضرت عمر کی زندگی دوبھر کر دی۔ حتیٰ کہ وہ بھی مکان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ لیکن عرب کے مشہور اور باہیبت قبیلہ بنی سہم سے ان کا معاہدہ تھا یہ معاہدہ اس وقت کام آیا۔ (سیرت مبارکہ)

قتل کے درپے ہونا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کی روایت ہے۔ ''عمر فاروق رضی اللہ عنہ مکان میں چھپے ہوئے تھے۔ باہر میدان میں اتنا ہجوم تھا کہ پوری وادی آدمیوں سے پٹی ہوئی تھی اور یہ شور تھا کہ عمر بے دین ہو گیا ہے۔ میں مکان کی چھت پر کھڑا ہوا یہ ہنگامہ دیکھ رہا تھا میں پریشان تھا کہ کیا ہوگا۔ دفعتہً ایک صاحب نمودار ہوئے۔ ریشمی کفوں دار قمیض پہنے ہوئے۔ اس کے اوپر ریشمی قبا اور شیوخ عرب کے قاعدے کے بموجب ایک بڑھیا چادر اوڑھے ہوئے وہ مکان میں پہنچے۔ والد صاحب سے دریافت کیا۔ کیا واقعہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ جرم یہ ہے کہ مسلمان ہو گیا ہوں۔ اس سردار نے کہا۔ ہرگز نہیں یہ کچھ نہیں کر سکتے۔ میں آپ کو پناہ دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر یہ سردار باہر آیا اور اعلان کر دیا کہ عمر کو میں نے پناہ دیدی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جیسے ہی اس سردار نے یہ اعلان کیا وہ تمام مجمع کائی کی طرح چھٹ گیا۔ میں نے کسی سے پوچھا۔ یہ صاحب کون ہیں۔ جواب دیا قبیلہ بنی سہم کا شیخ و رئیس عاص بن وائل سہمی۔ (محمد میاںؒ)

اسلام کی فتح

بایں ہمہ حضرت عمر کے اسلام لانے سے مسلمانوں کی ڈھارس بندھی اور بقول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہ قوت حاصل ہوئی جو پہلے نہیں تھی۔ ہم کھلے بندوں حرم کعبہ میں پہنچے۔ طواف کیا۔ نماز پڑھی۔ حضرت ابن مسعود فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا۔ اسلام کی فتح تھی۔ ان کی ہجرت نصرت اور ان کی حکومت رحمت۔ (محمد میاںؒ)

سماجی بائیکاٹ

☆ نبوت کے ساتویں سال محرم کی پہلی تاریخ سے یہ مقاطعہ شروع ہوا تھا جو تقریباً تین سال تک رہا۔

☆ ہر چند کہ آپؐ نے سب کچھ سمجھایا مگر ضدی طبیعتیں جن کو اپنی پرانی لکیر کا فقیر بنا رہنا ہی پسند تھا۔ آپؐ کے اقوال اور احوال میں غور کرنے کی طرف متوجہ نہ ہوئیں۔ اور اب پوری طرح دلوں میں ٹھان لیا کہ جس تدبیر سے ہو سکے ان کی زبان بند اور کام تمام کر دیا جائے۔

عرب کے باشندے جن کی آزاد منشی کا کچھ نمونہ اب بھی بدوؤں میں موجود ہے، گرم و خشک ملک میں پیدا ہونے کی وجہ سے جیسے بھی ہونے چاہئیں ظاہر ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ جہالت کی گھنگھور گھٹائیں ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھیں اور ہر شخص گویا اپنے گھر کا بادشاہ اور اپنے خیالات و ارادوں کا مالک بنا ہوا تھا۔ پس جو کچھ بھی کر گزرتے وہ تھوڑا تھا اور خاص کر جبکہ بچہ بچہ پستان شجاعت کا شیر خوار اور خانہ جنگی و قتل و خون کے بازار کا نام آور سوداگر کہلاتا تھا۔ اور اس پر طرہ مذہبی مخالفت اور آبائی مذہب کی توہین جس کو ضعیف سے ضعیف شخص بھی گوارا نہیں کر سکتا۔ ایسی ظلمت خیز حالت میں ایک نفس کا قصہ طے کرنا کوئی بات نہیں تھی۔ مگر یہ آپؐ کے شہنشاہی سفیر ہونے کی مستقل دلیل تھی کہ چار طرف مخالفت کی شعلہ زن آگ میں آپ اسی طرح محفوظ رہے جس طرح آپؐ کے جدامجد حضرت خلیل اللہ نار نمرودی میں محفوظ رہے تھے اور باوجود آپ کے تنہا بے یار و مددگار اور بلا نقیب و چوکیدار یا کسی قسم کے ظاہری محافظ ہونے کے بھی کوئی چھوٹا یا بڑا شخص آپ کا بال بیکا نہ کر سکا۔ (ماہتاب عرب)

☆ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہجرت حبشہ کا ارادہ۔

تمام قریش کا آخری فیصلہ ومعاہدہ قطع تعلق

جب قریش کی سفارت حبشہ سے ناکام واپسی ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ نجاشی نے حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کا بہت اکرام کیا۔ ادھر حضرت حمزہ اور حضرت عمر اسلام لے آئے جس سے کافروں کا زور ٹوٹ گیا اور پھر یہ کہ روز بروز مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور کوئی حربہ دین حق کے دبانے میں کارگر نہیں ہوتا تب تمام قبائل قریش نے متفقہ طور پر ایک تحریری معاہدہ لکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی ہاشم اور ان کے تمام حامیوں سے یک لخت تمام تعلقات قطع کر دیئے جائیں کہ نہ کوئی شخص بنی ہاشم سے نکاح کرے اور نہ ان سے میل جول رکھے جب تک کہ بنو ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے ہمارے حوالے نہ کر دیں۔ بنی کنانہ بھی اس معاہدہ میں شریک ہوا۔

دستاویز کو کعبہ میں لٹکانا

اسی مضمون کی ایک تحریر لکھ کر اندرون کعبہ آویزاں کر دی گئی۔ منصور بن عکرمہ جس نے اس ظالمانہ اور سفاکانہ معاہدہ کو لکھا اس کو تو اسی وقت من جانب اللہ اس کی سزا مل گئی اس کی انگلیاں شل ہو گئیں اور ہمیشہ کے لئے ہاتھ کتابت سے بیکار ہو گیا۔

(نعوذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی اجتماعی کوششیں

پے درپے ناکامیوں نے قریش کو اور زیادہ مشتعل کر دیا۔ کھلم کھلا قتل کرنے میں قبائلی جنگ چھڑ جانے کا خطرہ تھا۔ لیکن خفیہ طور پر قتل کرنے میں پہلے ثبوت کی ضرورت تھی۔ جس کا مہیا کرنا بنو ہاشم کے لئے تقریباً ناممکن تھا۔ چنانچہ خفیہ طور پر جان جہاں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان لینے کی سازش ہونے لگی۔ خواجہ ابو طالب کے چوکنے دماغ نے اس کو بھانپا۔ انہیں صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق ہی نہیں بلکہ خاندان ہاشم کے اور لوگوں کے متعلق بھی خطرہ ہوا مثلاً خواجہ ابو طالب کے بڑے صاحبزادے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اگرچہ ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے لیکن چھوٹے صاحبزادے حضرت ''علی'' یہیں تھے جو ہر دم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ خواجہ ابوطالب نے خاندان کے لوگوں سے مشورہ کیا اور طے یہ کیا کہ شہر کے خطرناک ماحول سے نکل کر کسی محفوظ مقام پر پناہ لی جائے۔

تمام بنو ہاشم کا وادی میں جا بسنا

پہاڑیوں کے بیچ میں ایک مقام ''خیف بنی کنانہ'' تھا۔ یہ بنو ہاشم کا موروثی رقبہ تھا۔ طے یہ ہوا کہ وہاں جا کر قیام کیا جائے۔ چنانچہ پورا خاندان (جس کے بہت سے افراد ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے) اس مقام پر چلا گیا جس کا دوسرا نام شعب ابی طالب تھا۔

بنو ہاشم اور بنو المطلب مومن اور کافر سب نے آپ کا ساتھ دیا۔ مسلمانوں نے دین کی وجہ سے دیا اور کافروں نے خاندانی اور نسبی تعلق کی وجہ سے۔ بنو ہاشم میں سے صرف ابولہب قریش کا شریک رہا۔

جناب ابوطالب کی جاں نثاریاں

ابوطالب یہاں پہنچ کر بھی اپنے بھتیجے کی نگرانی راتوں کو کیا کرتے تھے۔ ان کے سونے کی جگہ بھی بدلتے رہتے تھے۔

وادی میں بنی ہاشم پر بھوک وفاقہ کشی کی تکالیف

اس حصار میں مسلمانوں نے کیکر کے پتے کھا کر زندگی بسر کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں بھوکا تھا۔ اتفاق سے شب میں میرا پیر کسی تر چیز پر پڑا فوراً زبان پر رکھ کر نگل گیا اب تک معلوم نہیں کہ وہ کیا شے تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اپنا ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شب کو پیشاب کے لئے نکلا راستہ میں ایک اونٹ کی کھال کا سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ لگا۔ پانی سے دھو کر اس کو جلایا اور کوٹ چھان کر اس کا سفوف بنایا اور پانی سے اس کو پی لیا تین راتیں اسی سہارے پر بسر کیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما جیسے رفقا اگرچہ بنو ہاشم نہیں تھے مگر وہ ان کے ساتھ تھے تو مقاطعہ ان سے بھی اتنا ہی سخت تھا۔ (محمد میاںؒ)

نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب کوئی تجارتی قافلہ مکہ آتا تو ابولہب اٹھتا اور یہ اعلان کرتا پھر جاتا تا کہ کوئی تاجر اصحاب محمد کو کوئی چیز عام نرخوں پر نہ فروخت کرے بلکہ ان سے اضعافا مضاعفہ قیمت لے اور اگر کوئی نقصان یا خسارہ ہو تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ صحابہ خریدنے کے لئے آتے مگر نرخ کی گرانی کا یہ عالم دیکھ کر خالی ہاتھ واپس ہو جاتے۔ الغرض ایک طرف اپنی تہیدستی اور دشمنوں کی یہ چیرہ دستی تھی اور دوسری طرف بچوں کا بھوک سے تڑپنا اور بلبلانا تھا۔

رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر

وہی فطرت رحیمہ ورؤفہ جو انسان تو انسان کسی جانور کے دکھ کو بھی دیکھ کر تڑپ جاتی تھی۔ اس کے لئے آزمائش کی کیسی کڑی گھڑی تھی کہ ننھے ننھے بچے اس لئے بلبلاتے تھے کہ ان کی ماؤں کی چھاتی میں دودھ نہیں ہے (النبی الخاتم)

مخالفوں میں مختلف تبصرے

تین سال مسلسل اسی حصار میں سخت تکلیف کے ساتھ گزارے یہاں تک کہ بھوک سے بچوں کے بلبلانے کی آواز باہر سے سنائی دینے لگی۔ سنگدل سن سن کر خوش ہوتے لیکن جوان میں سے رحم دل تھا ان کو ناگوار گزرا اور صاف کہا کہ تم کو نظر نہیں آتا کہ منصور بن عکرمہ پر کیا آفت آئی۔

بعض کی خفیہ ہمدردیاں اور ابوجہل کی سنگدلی

بعض لوگوں کا اپنے عزیزوں کی اس تکلیف کو دیکھ کر دل دکھتا تھا پوشیدہ طور پر انکے کچھ کھانے پینے کا سامان بھیجتے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ حکیم بن حزام اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کیلئے غلام کو ہمراہ لیکر کچھ غلہ لے جارہے تھے۔ جاتے ہوئے ابوجہل نے دیکھ لیا اور کہا کیا تم بنو ہاشم کیلئے غلہ لئے جاتے ہو۔ میں تم کو ہرگز غلہ نہ لے جانے دونگا اور سب میں تم کو رسوا کروں گا۔

اتفاق سے ابوالبختری سامنے سے آ گیا۔ واقعہ معلوم کر کے ابوجہل سے کہنے لگا ایک شخص اپنی پھوپھی کے لئے غلہ بھیجتا ہے تم اس میں کیوں مزاحمت کرتے ہو۔ ابوجہل کو غصہ آ گیا اور سخت سست کہنے لگا۔ ابوالبختری نے اونٹ کی ہڈی اٹھا کر ابوجہل کے سر پر اس زور سے

ماری کہ سر زخمی ہو گیا۔ مار کھانے سے زیادہ ابو جہل کو اس کی تکلیف پہنچی کہ حضرت حمزہؓ کھڑے ہوئے شعب ابی طالب میں یہ واقعہ دیکھ رہے تھے۔

انہیں تکالیف اور مصائب کی بناء پر بعض رحم دلوں کو اس عہد کو توڑنے کا خیال پیدا ہوا۔ سب سے پہلے ہشام بن عمرو کو خیال آیا کہ افسوس ہم تو کھائیں پئیں۔ اور ہمارے خویش و اقارب دانہ دانہ سے ترسیں اور فاقے پر فاقے کھینچیں۔ جب رات ہوئی تو ایک اونٹ غلہ کا شعب ابی طالب میں لے جا کر چھوڑ دیتے۔

سرداروں میں مہم

ایک روز ہشام بن عمرو یہی خیال لے کر زھیر بن امیہ کے پاس گئے۔ جو عبدالمطلب کے نواسے اور عاتکہ بنت عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے تھے جا کر یہ کہا اے زھیر کیا تم کو یہ پسند ہے کہ تم جو چاہو کھاؤ اور پہنو اور نکاح کرو اور تمہارے ماموں ایک ایک دانہ کو ترسیں۔ خدا کی قسم اگر ابو جہل کے ماموں اور ننھیال کے لوگ اس حال میں ہوتے تو ابو جہل ہرگز ہرگز ایسے عہد نامہ کی پروا نہ کرتا۔ زھیر نے کہا کہ افسوس میں تنہا ہوں۔ تنہا کیا کر سکتا ہوں۔ کاش ایک ہم خیال اور مل جائے تو پھر میں اس کام کیلئے کھڑا ہوں۔ ہشام بن عمرو وہاں سے اٹھے اور مطعم بن عدی کے پاس گئے اور ان کو ہم خیال بنایا مطعم نے بھی یہی کہا کہ ایک آدمی اور اپنا ہم خیال بنا لینا چاہئے۔

ہشام وہاں سے روانہ ہوئے اور ابوالبختری اور بعد ازاں زمعۃ بن الاسود کو اپنا ہم خیال بنایا جب یہ پانچ آدمی اس عہد کے توڑنے پر آمادہ ہو گئے تو سب نے ایک زبان ہو کر یہ کہا کہ کل جب سب جمع ہوں اس وقت اس کا ذکر اٹھایا جائے۔ زھیر نے کہا کہ ابتداء میں کروں گا۔

مسجد حرام میں سرداروں کا اکٹھ

صبح ہوئی اور لوگ مسجد میں جمع ہوئے۔ زھیر اٹھے اور کہا اے اہل مکہ بڑے افسوس اور غیرت کی بات ہے کہ ہم تو کھائیں اور پئیں اور پہنیں اور نکاح اور بیاہ کریں اور بنو ہاشم فاقہ سے مریں۔ خدا کی قسم جب تک یہ صحیفہ قاطعہ اور ظالمانہ چاک نہ کیا جائے گا میں اس وقت

نہ بیٹھوں گا۔ ابوجہل نے کہا کہ خدا کا یہ عہد نامہ کبھی نہیں پھاڑا جا سکتا۔

زمعہ بن الاسود نے کہا خدا کی قسم ضرور پھاڑا جائے گا جس وقت یہ عہد نامہ لکھا گیا تھا ہم اسی وقت راضی نہ تھے۔ ابوالبختری نے کہا کہ زمعہ سچ کہتا ہے ہم بھی راضی نہ تھے۔ معطم نے کہا بے شک یہ دونوں سچ کہتے ہیں۔ ہشام بن عمرو نے پھر اس کی تائید کی ابوجہل مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر حیران رہ گیا اور یہ کہا کہ یہ تو رات کا طے کیا ہوا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

تین سال پورے ہونے لگے تو یک طرفہ متواتر ظلم وستم نے کچھ اہل قرابت کے دلوں میں نرمی پیدا کی اور یہ بحث شروع ہوئی کہ معاہدہ کی پابندی کب تک کی جائے۔ لیکن پلہ ان کا بھاری تھا۔ جن کے سینوں میں دلوں کی جگہ پتھر بھرے ہوئے تھے۔ دفعتہً ایک قدرتی حل سامنے آ گیا۔ (محمد میاںؒ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کہ دستاویز کو کیڑوں نے چاٹ لیا ہے

اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کو یہ خبر دی کہ اس عہد نامہ کو باستثناء اسماء الٰہی کیڑوں نے کھالیا ہے اور **باسمک اللھم** کے علاوہ جو بطور عنوان ہر تحریر کے شروع میں لکھا جاتا تھا تمام حروف کو کیڑے چاٹ گئے ہیں۔

ابوطالب نے یہ واقعہ قریش کے سامنے بیان کیا اور کہا کہ میرے بھتیجے نے آج ایسی خبر دی ہے اور میرے بھتیجے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ ان کی کوئی بات آج تک غلط ثابت ہوئی۔ آؤ بس اسی پر فیصلہ ہے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر صحیح اور سچ نکلے تو تم ان پر ظلم وستم سے باز آؤ اور اگر غلط نکلے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمہارے حوالے کرنے کے لئے بالکل تیار ہوں چاہے تو ان کو قتل کرنا اور چاہے زندہ چھوڑنا۔ لوگوں نے کہا کہ اے ابوطالب آپ نے بیشک انصاف کی بات کہی اور اسی وقت عہد نامہ منگوایا گیا۔ دیکھا تو واقعی سوائے خدا کے نام کے تمام حروف کو کیڑوں نے کھالیا تھا سرداروں کی رسوائی اور بائیکاٹ کا خاتمہ دیکھتے ہی ندامت اور شرمندگی سے سب کی گردنیں جھک گئیں۔ اس طرح اس ظالمانہ عہد

نامہ کا خاتمہ ہوا 10 نبوی میں ابو طالب اور آپکے تمام رفقاء اس درہ سے باہر آئے۔ بعدازاں ابوطالب حرم میں پہنچے۔ در بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر ابوطالب اوران کے رفقاء نے یہ دعامانگی اے اللہ جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیااور ہماری قرابتوں کوقطع کیااور ہماری آبروؤں کو حلال سمجھاان سے ہمارابدلہ اورانتقام لے۔(سیرۃ المصطفیٰ)

سرداروں کی ایک نہ چلی سرداران قریش کو یقین تھا کہ جیت ہماری ہوگی۔مگر جب خزانہ کھول کر دستاویز نکالی گئی تو دیکھا ''الصادق الامین'' کی خبر حرف بحرف صحیح ہے سنگدلوں کے پیشواؤں نے پھر بھی یہ کہہ کر ٹالنا چاہا کہ یہ محمد کا جادو ہے(صلی اللہ علیہ وسلم) مگراب وہ اپنے اصرار میں کامیاب نہ ہو سکے اور مجبوراً تسلیم کرنا پڑا کہ معاہدہ ختم ہوگیا۔اس قدرتی کرشمہ کے بعدایسی فضا ہوگئی کہ بنو ہاشم شعب سے نکل کر مکہ میں آ گئے۔(سیرت مبارکہ)

جناب ابوطالب کا قصیدہ

ابوطالب نے اس بارے میں ایک قصیدہ بھی پڑھا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

الم یاتکم ان الصحیفة مزقت وان کل مالم یرضه الله یفسد

کیاتم کوخبرنہیں کہ وہ عہدنامہ چاک کیا گیااور جو چیز خدا کے نزدیک ناپسند ہوتی ہے وہ اسی طرح سے خراب اور برباد ہوتی ہے۔

حضرۃ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہجرت

حبشہ کی طرف ہجرت کیلئے روانگی

اسی عرصہ میں کہ جب بنو ہاشم شعب ابی طالب میں محصور تھے ابوبکرؓ حبشہ کی ہجرت کی نیت سے نکلے (تا کہ مہاجرین حبشہ سے جاملیں) جب مقام برک الغماد پر پہنچے تو قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی۔

ابن الدغنہ نے پوچھا اے ابوبکر کہاں کا قصد ہے۔ ابوبکر نے کہا کہ میری قوم نے مجھ کو نکال دیا ہے یہ چاہتا ہوں کہ خدا کی زمین میں سیاحت کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔

عرب سردار کا آپ کو خراج تحسین اور پناہ دینا

ابن الدغنہ نے کہا کہ اے ابوبکر تم جیسا آدمی نہ نکلتا ہے اور نہ نکالا جاتا ہے تم ناداروں کے لئے سامان مہیا کرتے ہو۔ صلہ رحمی کرتے ہو لوگوں کے بوجھ (قرضہ وتاوان) اٹھاتے ہو مہمان نواز ہو۔ حق کے معین اور مددگار ہو۔ میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ تم لوٹ جاؤ۔
ابن الدغنہ نے سرداران قریش کی موجودگی میں بیت اللہ کا طواف کیا اور سرداران قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ ابوبکر جیسا آدمی نہیں نکلتا اور نہیں نکالا جاتا کیا ایسے شخص کو نکالتے ہو جو ناداروں کے لئے سامان مہیا کرتا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے۔ لوگوں کے بوجھ اٹھاتا ہے۔ مہمان نواز ہے۔ حق کا معین اور مددگار ہے۔ میں نے ان کو پناہ دی ہے۔

پناہ تسلیم کرنے کے لئے قریش کی شرطیں

قریش نے ابن الدغنہ کی پناہ کو تسلیم کیا اور یہ کہا کہ آپ ابوبکر سے یہ کہہ دیں کہ اپنے گھر میں خدا کی عبادت کریں نمازیں پڑھیں قرآن کی تلاوت کریں لیکن اعلان نہ کریں۔ اعلانیہ طور پر نماز نہ پڑھیں۔ با آواز بلند قرآن کی تلاوت نہ کریں اس سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے کہیں اسلام پر مفتون نہ

ہو جائیں۔ ابن الدغنہ حضرت ابوبکر کو یہ کہہ کر لوٹ گئے۔ حضرت ابوبکر صرف اپنے گھر میں خدا کی عبادت کرنے لگے۔ بعد چندے ابوبکر نے اپنے مکان کے صحن میں ایک مسجد بنالی کہ اس میں نماز پڑھتے اور قرآن تلاوت کرتے۔

حضرت ابوبکر کی تلاوت کا قریش کے بچوں اور عورتوں پر اثر

قریش کے بچے اور عورتیں ٹوٹ پڑتے اور تعجب سے لگا تار ٹکٹکی باندھے ہوئے ابوبکر کو دیکھتے رہتے۔ جس کو دیکھتے اس کی نظر کا منتہی اور غایت ابوبکر تھے ابوبکر خدا کے خوف سے بہت رونے والے مرد تھے باوجود مرد ہونے کے تلاوت قرآن کے وقت اپنی آنکھوں کے مالک نہیں رہتے تھے۔ ہزار کوشش بھی کریں تو اپنی آنکھوں کو تھام نہیں سکتے تھے۔

سرداروں کی گھبراہٹ اور پناہ کی واپسی

سرداران قریش نے جب یہ حال دیکھا تو گھبرا گئے اور فوراً ہی ابن الدغنہ کو بلا بھیجا اور ابن الدغنہ سے یہ شکایت کی ہم نے ابوبکر کو آپ کے کہنے سے اس شرط پر پناہ دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں مخفی اور پوشیدہ طور پر خدا کی عبادت اور بندگی کریں۔ اعلانیہ طور پر خدا کی عبادت اور بندگی نہ کریں اور اعلانیہ طور پر نماز اور قرآن نہ پڑھیں۔ اب ابوبکر نے خلاف شرط علی الاعلان نماز اور قرآن پڑھنا شروع کر دیا ہے جس سے ہم کو اپنے بچوں اور عورتوں کے بگڑ جانے (یا سنور جانے) کا اندیشہ ہے آپ ابوبکر سے کہہ دیجئے کہ اپنی شرط پر قائم رہیں یا آپ کے امان اور پناہ کو واپس کر دیں ہم آپ کی پناہ کو توڑنا نہیں چاہتے۔ ابوبکر نے کہا کہ میں تمہارے امان اور پناہ کو واپس کرتا ہوں اور صرف اللہ عزوجل کے امان اور پناہ پر راضی ہوں۔

کردار کی خوبی

ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکرؓ کے جو اوصاف بیان کئے ہیں وہ بعینہ وہ اوصاف ہیں کہ جو حضرت خدیجہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شمار کئے تھے (جیسا کہ بعثت نبوی کے بیان میں گزر چکے ہیں) جس سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فضل وکمال اور مقام صدیقیت کا مقام نبوت سے قرب اور اتصال کا پتہ چلتا ہے۔

عارفین محققین کے نزدیک مقام صدیقیت اور مقام نبوت کے مابین کوئی اور مقام نہیں مقام صدیقیت کی نہایت مقام نبوت کی بدایت سے جا کر ملتی ہے۔

غم کا سال

حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کی وفات

وہ ادھر اپنے آخری منصوبے پکا رہے تھے کہ وقتوں کے ساتھ اس بندھی ہوئی دنیا میں ان دو آدمیوں کا وقت کم ہو گیا۔

جو جانچا جا رہا تھا اس کے لئے واقعہ کے اعتبار سے کچھ نہ ہوں لیکن عام بشری قانون کی رو سے ان کو بہت کچھ سمجھا جاتا ہے شکی شک کرتے تھے کہ ملنے کے وقت بھی دونوں تھام لیتے ہیں ٹوٹنے کے وقت بھی دونوں ڈھارس باندھ دیتے ہیں۔

الغرض ابوطالب بھی چل بسے اور سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون دنیا کی ایمان والیوں کی پیشوا رضی اللہ عنہا نے اپنا کام پورا کر کے چھوڑ دیا۔ امتحان کے میدان میں تنہا چھوڑ دیا۔ تاکہ تسلی کے الزام کا یہ شوشہ بھی کٹ جائے۔ مٹ جائے اور وہ کٹ گیا۔ مٹ گیا لیکن امتحان دینے والا امتحان کے میدان میں اسی طرح ڈٹا ہوا تھا اور ان تمام حالات کے ساتھ ڈٹا ہوا تھا۔ جو اس پر گزر رہے تھے گزارے جا رہے تھے۔

لیکن کب تک حبشہ والے حبشہ میں تھے۔ دنیا والے آخرت میں مکہ والوں کے پاس امتحانی مدت کے دس سال سے زیادہ گزر چکے تھے جانچ کی کونسی شکل تھی جو باقی رہ گئی تھی بجز اس ایک منصوبے کے جو آخری منصوبہ تھا۔ (النبی الخاتم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے دسویں سال گھاٹی سے باہر آئے تھے۔ اور اسی گھاٹی سے نکلنے کے آٹھ مہینے بعد ابوطالب کا انتقال ہو گیا اور ان کے تین دن بعد حضرت خدیجہ

رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی۔ (نشر الطیب)

حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کی خدمات

شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد ماہ رمضان یا شوال 10 نبوی میں ابو طالب نے انتقال کیا اور پھر تین یا پانچ دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انتقال کیا۔

سیدہ خدیجہ وہ خاتون تھیں جو سب سے پہلے ایمان لائیں اور ابو طالب وہ شیخ قبیلہ تھے جو آخر تک ایمان نہیں لائے اور یہ اعلان کرتے ہوئے مرے کہ میں نے اپنے باپ دادا کا مذہب نہیں چھوڑا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں جاں نثار تھے (محمد میاںؒ)

آخری وقت ابو طالب کو دعوت اسلام

مسند احمد اور بخاری اور مسلم اور نسائی میں ہے کہ جب ابو طالب مرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس آئے ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ وہاں موجود تھے آپ نے فرمایا اے چچا تم ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہہ لو تا کہ خدا کے سامنے تمہاری شفاعت اور سفارش کیلئے مجھ کو ایک حجت اور دلیل مل جائے۔

ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا کہ اے ابو طالب کیا تم عبدالمطلب کی ملت کو چھوڑتے ہو۔ ابو طالب نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا اور آخری کلمہ جو ان کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا علی ملۃ عبدالمطلب یعنی عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔

حضورؐ کو ابو طالب کیلئے استغفار سے ممانعت

ابو طالب تو یہ کہہ کر مر گئے رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں برابر ابو طالب کے لئے استغفار یعنی دعائے مغفرت کرتا رہوں گا۔ جب تک خدا کی طرف سے میں منع نہ کیا جاؤں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ما کان للنبی والذین آمنو اان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ من بعد ماتبین لھم انھم اصحاب الجحیم (توبہ ۱۱۴)

پیغمبر اور مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے دعا مغفرت کریں اگر چہ ان

کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ دوزخی ہیں یعنی کفر پر مرے ہیں۔
اور یہ آیت بھی نازل ہوئی۔
انک لا تهدی من احببت و لكن الله يهدى من يشاء (قصص ۵۶)
آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

ابوطالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کا اخروی فائدہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اپنے چچا کے کیا کام آئے وہ آپ کے حامی اور مددگار تھے۔ آپ نے فرمایا وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے۔ اگر میں شفاعت نہ کرتا تو جہنم کی تہہ میں ہوتے (بخاری شریف باب قصہ ابی طالب)

ٹخنوں تک آگ کا راز

علامہ سہیلیؒ فرماتے ہیں ابوطالب سر سے پیر تک رسول اللہ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت میں غرق تھے۔ صرف قدم بجائے اسلام کے ملۃ عبدالمطلب پر تھے اس لئے عذاب قدموں پر مسلط کیا گیا۔ ربنا افرغ علينا صبرا وثبت اقدامنا وانصرنا علے القوم الكافرين. (سیرۃ المصطفیٰ)

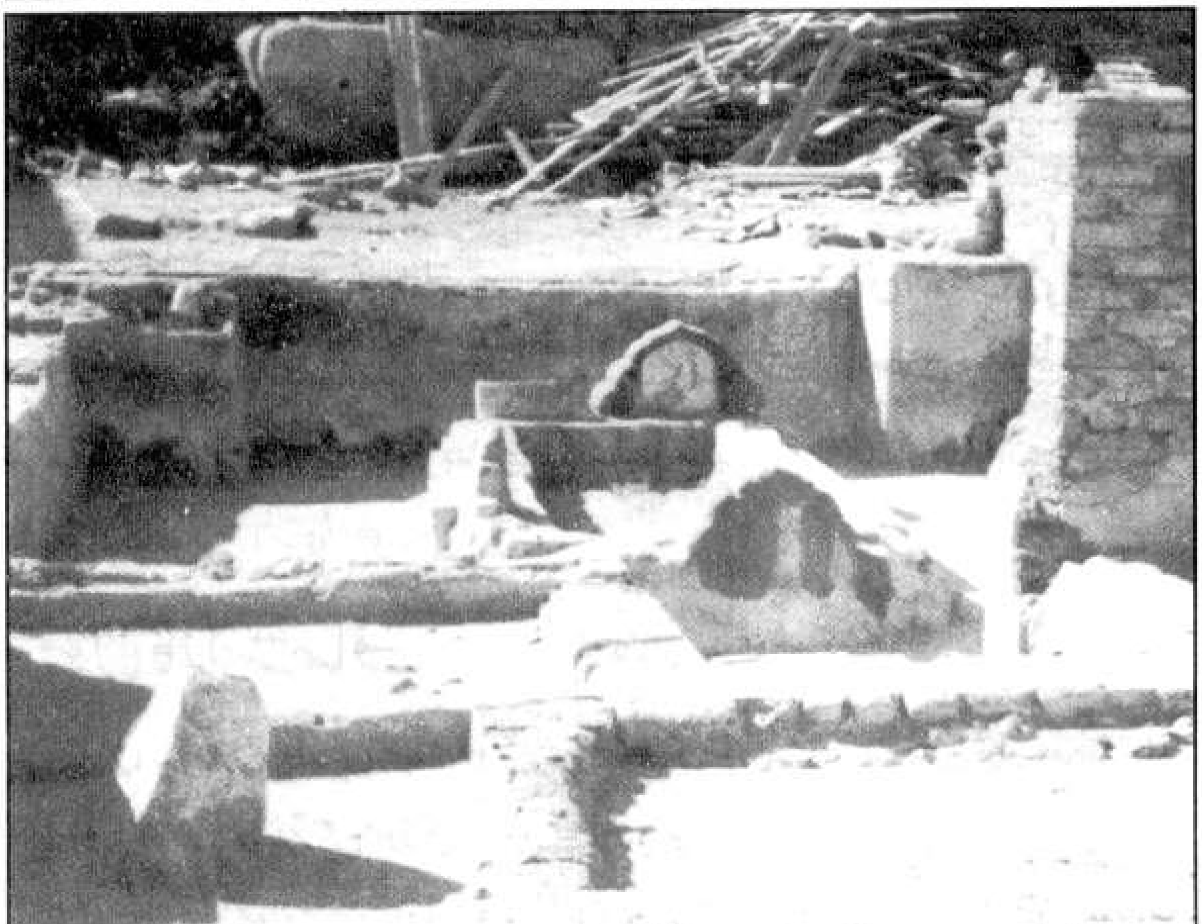
دشمنوں کا راستہ صاف

پناہ کی یہ دونوں یواریں منہدم ہو گئیں۔ تو اب دشمنوں کا راستہ صاف تھا۔ عقبہ بن ابی معیط اور ابولہب جو بدترین موذی دشمن تھے اور دونوں پڑوسی تھے۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ راستہ میں کانٹے بچھوا دیتے۔ دروازہ میں غلاظت کا بھرا ہوا ٹوکرا ڈلوا دیتے تھے۔ ان کے چھوٹے ان سے بھی آگے تھے وہ کاشانہ نبوی میں گھس کر برتنوں کو خراب کرتے۔ پکتی ہوئی ہنڈیا کو اوندھی کر دیتے یا اس میں پلیدی ڈال دیتے تھے۔

خدا جانے کتنی مرتبہ ایسا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے۔ سر مبارک اور کپڑے گرد و غبار اور پلیدی سے آلودہ۔ صاحبزادیاں یہ حالت دیکھ کر دلگیر ہو رہی ہیں۔ کپڑے دھو رہی ہیں۔ سر مبارک صاف کر رہی ہیں۔ زبان سے بددعا دیتی ہیں تو ارشاد ہوتا ہے (لاتبكی يا بنية فان الله مانع اباك) ۔ (بیٹی دلگیر نہ ہو اللہ تمہارے باپ کا محافظ ہے۔ (محمد میاںؒ)



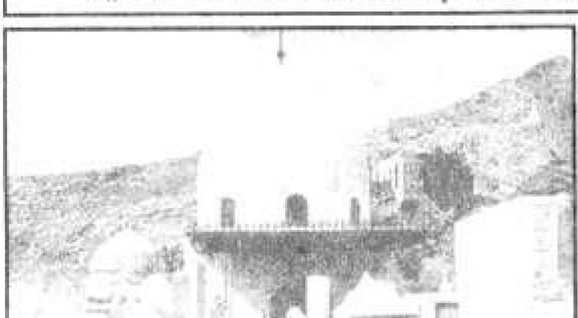
بنی ہاشم کا خاندانی قبرستان: یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کے علاوہ حضرت خدیجہ اور صاحبزادگان کے مزارات ہیں



ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی قبر دکھائی دے رہی ہے۔ پہلو میں صاحبزادوں کے مزار ہیں



سرداران قریش عبدالمطلب، ابوطالب وغیرہ کے مزار



ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے مزار کا گنبد

طائف کا دعوتی سفر

ابوطالب کے بعد آپ کا کوئی حامی اور مددگار نہ رہا اور حضرت خدیجہؓ کے رخصت ہوجانے سے کوئی تسلی دینے والا اور غمگسار نہ رہا اس لئے آپ نے قریش مکہ کی چیرہ دستیوں سے مجبور ہوکر اخیر شوال 10 نبوی میں طائف کا قصد فرمایا کہ شاید یہ لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول کریں اور اس کے دین کے حامی اور مددگار رہوں۔ زید بن حارثہؓ کو ہمراہ لیکر طائف تشریف لے گئے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

یہ نہیں سنتے شاید دوسرے سنیں یہاں جی نہیں لگتا۔ شاید وہاں لگے کچھ یہی سوچ کر زیادہ دور نہیں بلکہ امراء کے گرمائی اسٹیشن طائف کا خیال آیا۔ زیدؓ بن حارثہ آزاد غلام کے سوا ساتھ بھی کوئی نہ تھا۔ حجاز کی سب سے بڑی دولت مند عورت خود بھی جاچکی تھیں اور جو کچھ تھا ان ہی راہوں میں جن پر وہ صرف ہو رہا تھا۔ صرف ہو چکا تھا سب کچھ جاچکا تھا۔ اتنا بھی باقی نہ تھا کہ طائف تک کے لئے کوئی سواری ہی کرایہ پر کرلی جائے۔ معمولی دو چپلوں کے سوا پائے مبارک کے لئے راستہ کو آسان کرنے والی کوئی چیز نہ تھی۔ اسی حال میں پہنچتے پہنچتے ہی اونچی دکانوں والوں کے پاس آئے جس لئے آئے تھے اس کا اظہار کیا گیا۔ پھر تمام تجربوں میں یہ آخری تجربہ تھا کہ جس کسی کے پاس گئے اسی نے پلٹایا جس سے بولے اسی نے جھڑکا۔ (النبی الخاتم)

دعوت کے لئے نئے میدان کی تلاش

نبی کا بھروسہ خدا پر ہوتا ہے۔ مگر چونکہ نبی کی زندگی کا ہر ورق امت کے لئے سبق ہوتا ہے اس لئے وہ اللہ تعالیٰ پر مکمل اور کامل بھروسہ کے باوجود ظاہری ذرائع اور اسباب سے دامن نہیں جھٹکتا۔ کیونکہ اگر سلسلہ اسباب کو چھوڑ دیا جائے تو اس عالم اسباب کا نظام ہی درہم برہم ہو جائے۔ بہر حال جب خواجہ ابوطالب کی وفات کے بعد قریش کو موقع مل گیا کہ

جو کچھ وہ اب تک نہیں کر سکتے تھے اس کو کر گزریں تو آپ کو بھی ایسے ذریعہ کی تلاش ہوئی جو قانون عرب کے بموجب آپ کے لئے پناہ بن سکے۔

مگر مٹھی بھر مسلمانوں یا آل ہاشم کے علاوہ مکہ کا بچہ بچہ دشمن تھا اور کوئی ہمدرد بھی تھا تو کس کی ہمت تھی کہ قریش کے مقابلہ میں آپ کی ڈھال بن سکے۔ لہذا آپ نے مکہ سے باہر نظر دوڑائی۔ (محمد میاںؒ)

طائف

مکہ سے تقریباً چالیس میل کے فاصلہ پر ایک سرسبز پہاڑ ہے۔ نہایت زرخیز وہاں بڑے بڑے باغات اب بھی ہیں اور اس وقت بھی تھے۔ مکہ کے رئیسوں کی وہاں کوٹھیاں تھیں۔ قبیلہ ثقیف کا وہاں تسلط تھا۔ وہ عرب کا طاقتور قبیلہ مانا جاتا تھا۔ قریش بھی اس کا لوہا مانتے تھے۔ اس قبیلہ سے ان کی رشتہ داریاں بھی تھیں۔ (سیرت مبارکہ)

طائف کے لوگوں کو دعوت اسلام

تین بھائی عبد یالیل، مسعود اور حبیب یہاں کے رئیس اعظم اور قبیلہ ثقیف کے سردار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان پر پڑی کہ اگر وہ پناہ میں لے لیں تو آپ کو فریضہ تبلیغ کی ادائیگی میں آسانی ہو۔ چنانچہ آپ رمضان گزرنے کے بعد ماہ شوال میں طائف تشریف لے گئے۔ دس روز وہاں قیام فرمایا۔ عوام و خواص اور ہر ایک کے سامنے دعوت اسلام پیش کی۔ روسا اور معززین کے مکانوں پر پہنچ کر گفتگو کی۔ ان تینوں بھائیوں سے بھی ملاقات کی۔ اپنا مقصد واضح کیا۔ مگر کسی ایک نے انسانیت سے جواب نہ دیا۔ (محمد میاںؒ)

طائف کے سرداروں کا جواب

عبد یالیل، مسعود، حبیب ان تینوں بھائیوں پر جو وہاں کے سرداروں میں سے تھے اسلام پیش کیا۔ بجائے اس کے کہ کلمہ حق کو سنتے نہایت سختی سے آپ کو جواب دے دیا ایک نے کہا کیا خدا نے کعبہ کا پردہ چاک کرنے کیلئے تجھ کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔ ایک نے کہا کیا خدا کو اپنی پیغمبری کیلئے تمہارے سوا اور کوئی نہیں ملا۔ ایک نے کہا خدا کی قسم میں تم سے ہی کلام نہ

کروں گا۔ اگر واقع میں اللہ نے تجھ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے تو تیرے کلام کا رد کرنا سخت خطرناک ہے۔ اور اگر تم اللہ کے رسول نہیں تو پھر قابل خطاب اور لائق التفات نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھروں کی بارش کی اور بعدازاں اوباش اور بازاری لڑکوں کو اکسا دیا کہ وہ آپ پر پتھر برسائیں اور آپ کی ہنسی اڑائیں۔ ظالموں نے اس قدر پتھر برسائے کہ آپ زخمی ہو گئے۔ جب آپ زخموں کی تکلیف سے بیٹھ جاتے تو یہ بدنصیب آپ کے بازو پکڑ کر دوبارہ پتھر برسانے کیلئے کھڑا کر دیتے اور ہنستے۔

زید بن حارثہ جو اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے وہ آپ کو بچاتے اور یہ کوشش کرتے کہ جو پتھر بھی آئے وہ بجائے آپ کے مجھ پر گرے۔ اسی میں زید بن حارثہ کا تمام سر زخمی ہو گیا اور آپ کے پاؤں بھی اس قدر زخمی ہو گئے کہ ان سے خون بہنے لگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ الٰہی میں التجا

طائف سے واپسی میں عتبہ بن ربیعہ اور شیبتہ بن ربیعہ کا باغ پڑتا تھا وہاں ایک درخت کے سایہ میں دم لینے کے لئے آپ بیٹھ گئے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

اہل طائف کی وحشیانہ حرکتوں سے مجروح و مضروب ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) انگور کی ٹٹی کے سایہ میں نڈھال بیٹھے ہیں۔ دل میں درد ہے۔ زخموں میں ٹیس۔ مگر پیشانی بارگاہ رب العزت میں جھکی ہوئی ہے اور زبان مبارک مصروف دعا ہے۔ (سیرت مبارکہ)

اَللّٰھم اِلَیکَ اَشکُوْ ضُعفَ قوتی وقلة حیلتی وَھَوَ انی علے الناس یا ارحم الراحمین انت رب المستضعفین اِلیٰ مَنْ تکِلُنِیْ الیٰ عدوبعید یتجھّمنی ام الی صدیق قریب ملکته امری ان لم تکن غضباناعلی فلا ابالی غیر ان عافیتک اوسع لی اعوذبنور وجھک الذی اشرقت له الظلمات و صلح علیه امر الدنیا و الاٰخرة من تنزل بی غضبک اویحلَّ بی سخطک ولک العتبیٰ حتیٰ ترضی ولاحول ولا قوة الابک. (اخرجه ابن اسحاق والطبرانی)

اے اللہ میں تجھ سے اپنی کمزوری اور تدبیر کی کمی اور لوگوں کی بے توقیری کی شکایت کرتا

ہوں اے ارحم الراحمین تو کمزوروں کا خاص طور پر مربی اور مددگار ہے تو مجھے کس کے سپرد کرے گا کسی غضبناک اور ترش رو دشمن کی طرف یا کسی دوست کی طرف کہ جس کو تو میرے امور کا مالک بنائے۔ اگر آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں تو پھر مجھے کہیں کی بھی پروا نہیں مگر تیری عافیت اور سلامتی میرے لئے باعث صد سہولت ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں۔ تیری بزرگ ذات کے وسیلے سے جس سے تمام ظلمتیں منور ہوئیں اور اسی نور سے دنیا اور آخرت کا کارخانہ چل رہا ہے میں اس سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب اور ناراضی مجھ پر اترے اور اصل مقصود تجھ ہی کو سنانا اور راضی کرنا ہے بندہ میں کسی شر سے پھرنے اور خیر کے کرنے کی قدرت نہیں مگر جتنی تیری بارگاہ سے عطاء ہو جائے۔

دعا کا اثر......عداس کا ایمان لانا

اجابت دُعا کے لئے تو نبوت و رسالت ہی کا وصف کافی تھا۔ کیونکہ ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے لیکن اس وقت وصف نبوت کے علاوہ اضطرار و مظلومیت غربت اور مسافرت کا بھی اضافہ ہو گیا۔

ایسی دعا کا زبان سے نکلنا تھا کہ اجابت کے دروازے کھل گئے۔ وہی عتبہ اور شیبہ کہ جن کا دل اب تک پتھر سے زیادہ سخت تھا۔ آپ کی اس بے کسی اور مظلومیت کو باغ کے اندر بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ دیکھ کر کچھ نرمائے اور خون قرابت اور رگ حمیت جوش میں آئی۔ اپنے غلام عداس کو بلا کر کہا کہ ایک طبق میں انگور رکھ کر اس شخص کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہو کہ اس میں سے تھوڑا بہت کچھ ضرور کھائیں۔ عداس نے آپ کے سامنے وہ طبق لا کر رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا۔ عداس نے کہا کہ خدا کی قسم اس شہر میں تو کوئی شخص بھی اس کلام کا کہنے والا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عداس سے فرمایا کہ تم کس شہر کے باشندے ہو اور تمہارا دین اور مذہب کیا ہے عداس نے کہا میں شہر نینوی کا باشندہ ہوں اور مذہباً نصرانی ہوں آپ نے فرمایا اسی نینوی کے جہاں اللہ کے نیک بندے یونس بن متیٰ رہتے تھے۔ عداس نے کہا کہ آپ کو یونس بن متی کا کیا علم؟

آپ نے فرمایا وہ میرے بھائی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ عداس نے آپ کی پیشانی

اور ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور یہ کہا اشھد انک عبداللہ و رسولہ جب عداس آپ کے پاس واپس آیا تو عتبہ اور شیبہ نے کہا کہ تو اس شخص کے ہاتھ اور پیروں کو کیوں بوسہ دیتا تھا۔ یہ شخص کہیں تجھ کو تیرے دین سے نہ ہٹادے۔ تیرا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔

عداس کا سرداروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے روکنا

حکیم ابن حزامؓ سے مروی ہے کہ جب عتبہ اور شیبہ قریش مکہ کے ساتھ ہوکر جنگ بدر کے لئے تیار ہوئے تو عداس نے اس عتبہ اور شیبہ کے پیر پکڑ لئے اور یہ کہا کہ اللہ کی قسم وہ اللہ کے رسول ہیں یہ لوگ اپنی مقتل کی طرف کھنچے جارہے ہیں۔

عداسؓ بیٹھے رو رہے تھے کہ عاص بن شیبہ وہاں سے گزرا۔ عداسؓ سے پوچھا کیوں روتے ہو۔ عداس رضی اللہ عنہ نے کہا اپنے ان دونوں سرداروں کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ یہ اس وقت اللہ کے رسول کے مقابلہ میں جارہے ہیں۔ عاص بن شیبہ نے کہا واقع میں وہ اللہ کے رسول ہیں۔ عداسؓ نے کہا ہاں خدا کی قسم بلاشبہ تمام دنیا کی طرف اللہ کے رسول ہوکر آئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتوں کی پیشکش

یہاں سے اٹھے۔ دل غمگین تھا۔ حسرت و افسوس کے دھوئیں سے دم گھٹ رہا تھا۔ سر جھکائے ہوئے تشریف لے جارہے تھے۔ کچھ دھیان پلٹا تو دیکھا پہاڑی سامنے ہے جس کو قرن الثعالب یا قرن المنازل کہتے ہیں۔ آپ یہاں ٹھٹکے۔ اوپر نظر اٹھی تو دیکھا۔ ایک بادل آپ پر چھایا ہوا ہے۔ بادل پر نظر ڈالی تو دیکھا حضرت جبرئیل امین جلوہ افروز ہیں اور فرمارہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سن لیا۔ دیکھ لیا تم نے جو کچھ کہا۔ جو لوگوں نے جواب دیا جس طرح تم کو واپس کیا اور جو سلوک تمہارے ساتھ کیا وہ بھی دیکھ لیا۔ اب یہ پہاڑوں کے فرشتے (ملک الجبال) موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھیجا ہے۔ آپ حکم کیجئے۔ یہ تعمیل کریں گے۔

پھر ملک الجبال سامنے آیا۔ سلام عرض کیا۔ پھر کہا۔

یا محمد! تمہاری قوم کی تمام باتیں خدا نے سنیں۔ دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے۔

آپ جو چاہیں حکم کریں۔ میں تعمیل کروں گا۔ آپ حکم دیں مکہ کے دونوں طرف جو پہاڑ ہیں ان کو ملا کر ان تمام گستاخ ' بے ادب لوگوں کو پیس ڈالوں۔ ایک آزمائش وہ تھی کہ اہل طائف ہر طرف سے پتھر برسا رہے تھے۔ دوسری آزمائش یہ ہے کہ جبرئیل امین اور ملک الجبال ان سب کو پیس ڈالنے کی فرمائش کے منتظر ہیں۔ وہ امتحان تھا صبر و ضبط' تحمل اور استقلال کا۔ یہ امتحان ہے وسعت ظرف۔ فراخی حوصلہ اور دعویٰ رحم و کرم کا۔

جس خدا نے آپ کو اس امتحان میں ثابت قدم رکھا۔ اس نے آپ کو اس امتحان میں بھی کامیاب فرمایا۔

فرشتے کی درخواست سن کر دل مبارک بیتاب ہو گیا۔ یہ خدا کی مخلوق جو نبی کی کھیتی ہے۔ برباد کر دی جائے۔؟

آپ نے فرشتوں کو جواب دیا

ارجوان یُخرِجَ اللّٰہُ مِنْ اَصلابھم مَنْ یعبدُ اللّٰہَ ولا یشرکُ به شیئاً.

اگر یہ بدنصیب راہ راست پر نہ آئیں تو ان کی نسل سے میں ناامید نہیں ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ ان کی نسل میں وہ ہوں گے جو خدا واحد کی عبادت کریں گے اور شرک سے باز رہیں گے۔ (سیرت مبارکہ)

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و دور اندیشی

جس کو ذرائع و وسائل کی قلت کا گلہ تھا اس کے ساز و سامان کی فرواوانی کا اندازہ کرو! یہ تجاری میں کیا ہے؟ جس کے گھٹنے توڑے گئے۔ ٹخنے چور کیے گئے۔ اب اس کے قابو میں کیا نہیں ہے اور جو اختیار دیا گیا۔ کیا وہ چھینا گیا۔

کتنا جھوٹا غرور ہے۔ جن کو بم اور شل دیا گیا ہے جب کہتے ہیں کہ ایسا کسی کو نہیں ملا دیوانو! تم کو کیا ملا جو تم سے پہلوں کو مل چکا ہے اور جو چاہے اسے اب بھی ملتا ہے ہمیشہ ملتا رہے گا۔ لیکن تم نے جو کیا اور کر رہے ہو اسے دنیا دیکھ رہی ہے اب دیکھو جس کو جبال ملے ملک الجبال ملا وہ اپنی اس قوت سے کیا کام لیتا ہے جنہوں نے اس کو ہلکا کیا تھا۔ کیا ان پر

ان کی زندگی کو وہ بھاری کرے گا۔ چاہتا تو یہ کر سکتا تھا اور اس کو حق تھا کہ جنہوں نے اس پر پتھراؤ کیا تھا۔ ان کو سنگسار کرے۔ اس نے طائف سے نکل کر جو کچھ کہا تھا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا تھا۔ شاید تم نے غور نہیں کیا۔ اس میں جو کچھ ہے وہ اپنے لئے نہیں کہا تھا۔ لیکن جنہوں نے اس کے ساتھ وہ سب کچھ کیا تھا جو وہ کر سکتے تھے۔

پھر غور کرو! ان کے متعلق اس نے کچھ بھی کہا۔ جس قدر نزدیک تھا اتنی نزدیکی جنہیں حاصل نہ تھی جب ان کی آرزو نے نوح کا طوفان برپا کیا تو ان میں جو سب سے اونچا تھا سمجھ سکتے ہو کہ وہ کیا کچھ نہ برپا کر سکتا تھا اور اب کس بات کی کمی تھی جو چاہے اب وہ کر سکتا تھا لیکن اسی تاریخ نے جس نے نوح کے طوفان، عاد کی آندھی، ثمود کے صیحہ، شعیب کے ظلہ، موسیٰ کے دریا کے واقعات کو محفوظ رکھا ہے اس نے ریکارڈ کیا کہ پہاڑ کے فرشتے سے فرمایا جا رہا ہے۔

میں مایوس نہیں ہوں کہ ان کی پشت سے ایسی نسلیں نکلیں جو اللہ ہی کی پوجا کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک اور ساجھی نہ بنائیں۔

پہاڑ پانی ہو گیا۔ اس آواز نے آگ کو باغ بنا دیا جو مر رہے تھے جی گئے جو ختم ہو گئے تھے پھر سے شروع ہو گئے اور ردعمل کے سلسلہ میں جو پیش آنے والا تھا اس کا پہلا نقش یہ تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی اور جو عالمین کے لئے پیار لے کر آیا تھا اس کی زندگی میں اس واقعہ کی کوئی قدرت نہیں ہے۔

سب سے زیادہ سخت دن

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک بار عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر کیا اُحُدُ سے بھی زیادہ سخت دن گزرا ہے۔ آپ نے فرمایا تیری قوم سے جو تکلیفیں پہنچی سو پہنچی لیکن سب سے زیادہ سخت دن وہ گزرا کہ جس دن میں نے اپنے آپ کو عبد یا لیل کے بیٹے پر پیش کیا۔

نادیدہ مخلوق کی حاضری و تسخیر

طائف سے واپسی پر راستہ میں جن حاضر ہوئے اور انہوں نے آپؐ سے قرآن سنا اور اس سے متاثر ہوئے۔

طائف سے واپسی اور جنوں کی حاضری

واپسی میں آپ نے چندروز مقام نخلہ میں قیام کیا۔ ایک رات آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ نصیبین کے سات جن اس طرف سے گزرے اور کھڑے ہوکر آپ کا قرآن سنا اور چلے گئے آپ کو ان کی آمد کا بالکل علم نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاِذْصَرَفْنَآ اِلَیْکَ نَفَرًامِنَ الجِنِّ یَسْتَمِعُونَ القرآن ط فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قالوا انصتوا فلما قُضِی وَلَّوْا اِلیٰ قَوْمِهِمْ مُّنذرِیْنَ قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًااُنْزِلَ مِنْ بعدِ مُوْسیٰ مُصَدِّقاً لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْ اِلَی الْحَقِّ وَاِلیٰ طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ . یٰقَوْمَنَا اَجِیْبُوْادَاعِیَ اللهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْلَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ .وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَلَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِیَآءَ اولٰئک فی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ.

اور اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف بھیجا تا کہ آپ کا قرآن سنیں پس جب وہ حاضر ہوگئے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش رہو یعنی اس کلام کو سنو۔ پس جب قرآن پڑھا جاچکا یعنی آپ کی نماز ختم ہوگئی تو یہ لوگ اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے تا کہ ان کو آگاہ کریں۔ جا کر یہ بیان کیا ہم عجیب کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق راہ راست کی رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہمارے بھائیو! اللہ کے داعی کی دعوت قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کرے گا اور جو اللہ کے داعی کی دعوت کو قبول نہ کرے تو وہ روئے زمین میں چھوٹ کر کہیں نکل نہیں سکتا اور نہ اس کا کوئی حامی ہوگا ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

نادیدہ مخلوق کی تسخیر

میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ جس سے لیا گیا تھا۔ جب ردعمل میں اس کو دیا جانے لگا تو کس عجیب ترتیب سے دیا گیا۔ شہادت و محسوس سے پہلے غیب عطا ہوا غیب میں پہلے ملا اعلیٰ پر قابو دیا گیا۔ ملاء اعلیٰ کے بعد ملاء ادنیٰ پر قبضہ کرایا گیا۔ اس کے بعد کیا ہونا چاہئے عقل کے لئے یہ باور کرنا آسان ہے کہ غیب اور نا محسوس سے تڑپ کر یکا یک یہ ترتیب محسوس اور عالم شہادت میں آ جائے! اگر ایسا ہوگا تو بھی غیب کی اور بہت سی غیر مرئی ہستیاں، ایسی ہستیاں جنہیں گو سب نہیں دیکھتے لیکن سب میں ان کے دیکھنے والے موجود ہیں۔ کیا وہ اس کے قابو سے باہر رہ جائیں گی جس کو سب پر قبضہ عطا کیا گیا! مالکم کیف تحکمون نہ کہا جاتا تو سوچا جاتا سمجھا جاتا۔ لیکن جب کہا گیا اور صحیح روایتوں میں یقین کے ساتھ کہا گیا کہ تسخیر کا یہ سلسلہ اسی ترتیب کے ساتھ غیب سے شہادت کی طرف بڑھا اور شہادت تک تسخیری آثار اس عالم کی چیزوں سے گزر کر پہنچے۔ جن کو ان دونوں دنیاؤں کے درمیان برزخی واسطہ کی حیثیت حاصل ہے۔ تو کیا عقل بھی اسی ترتیب کو نہیں ڈھونڈتی ہے لوگوں نے بے پروائی کے ساتھ کیوں سنا۔ جب ان کو یہی سنایا گیا۔ صحیح حدیثوں میں تھا کہ ملک الجبال کے واقعہ کے بعد ہی نخلہ کے نخلستان میں اس برزخی تسخیر کا ظہور ہوا اور ٹھیک ایسے وقت میں ظہور ہوا جو رات کی تاریکی کو دن کی روشنی سے ملانے میں واسطہ اور برزخ کا کام دیتا ہے صحیح بخاری میں ہے کہ صبح کا وقت تھا کھجوروں کے جھنڈ میں فجر کی نماز کا قرآن گونج رہا تھا عین اس وقت

صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القرآن

ہم نے تیری طرف جنوں کی ایک ٹولی پھیری تا کہ وہ قرآن سنیں۔ وہ چیخنے لگے۔

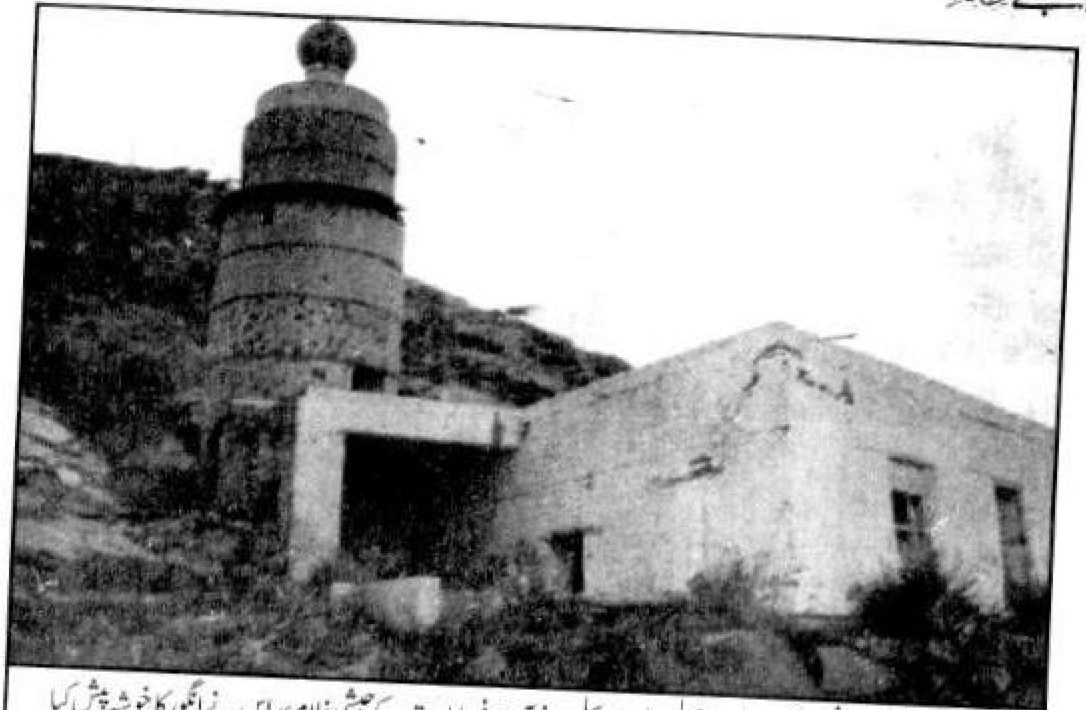
انا سمعنا قرآناً عجباً یھدی الی الرشد

ہم نے پڑھنے کی ایک عجیب چیز سنی جو سوجھ کی راہ بتاتی ہے۔

اور ٹھیک جس طرح کچھ نہیں ہوتا ہے لیکن شمع کے روشن ہونے کے ساتھ ہی بھانت بھانت کے کتنے کچھ پروانے جو نا محسوس تھے محسوس ہونے لگتے ہیں۔ یہ بھی قرآن کی روشنی پر گرے اور پروانوں ہی کی طرح قربان ہو گئے۔ جنوں میں آواز بلند ہوئی:۔

آمنا بہ (ہم نے اس کو مان لیا)

اور قبل اس کے کہ "دیدوں" کی طرف تبلیغی مہم روزانہ ہو "نادیدوں" کا یہ گروہ ان ہی نا محسوس علاقوں کی طرف تبلیغی مہم کے پہلے دستہ کی حیثیت سے روانہ ہو گیا۔ (النبی الخاتم)



عتبہ کا وہ باغ جہاں زخمی ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام فرمایا۔ عتبہ کے حبشی غلام عداس نے انگور کا خوشہ پیش کیا



طائف میں وہ غار جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زخمی ہونے کے بعد آرام فرمایا۔



مسجد جن جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جنوں کی ایک جماعت ایمان لے آئی

مکّہ میں باامن واپسی

طائف سے واپسی پر مطعم بن عدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پناہ میں مکہ لایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امن دینے کا اعلان کیا جسے سرداروں کو تسلیم کرنا پڑا۔

مکہ میں واپسی پر امن و پناہ کا انتظام

جب مکہ کے قریب پہنچے تو زید بن حارثہ نے عرض کیا کہ مکہ میں کس طرح داخل ہوں گے۔ مکہ ہی والوں نے تو آپ کو نکالا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے زید اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے رہائی کی کوئی صورت ضرور پیدا فرمائے گا اور اللہ ہی اپنے دین کا حامی اور مددگار ہے اور یقیناً وہ اپنے نبی کو سب پر غالب کرے گا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

طائف میں یہ سب کچھ ہوا۔ مگر وہ سوال پھر بھی رہ گیا جس کیلئے آپ نے یہ سفر اختیار کیا تھا۔ آپ نے مکہ پہنچنے سے پہلے یکے بعد دیگرے رؤسا مکہ اخنس بن شریق اور سہیل بن عمرو کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ حمایت کا وعدہ کرلیں۔ مگر دونوں نے انکار کردیا کہ وہ قریش کے حلیف ہیں۔ وہ قریش کیخلاف کسی کو پناہ نہیں دے سکتے۔ پھر آپ نے اس کے پاس پیغام بھیجا جس کے لئے یہ شرف مقدر تھا۔

یہ رئیس مکہ ''مطعم بن عدی'' تھا۔ اس نے حمایت کا وعدہ بھی کیا اور یہ فرمائش بھی کی کہ آپ اس کے یہاں تشریف لائیں۔ (سیرت مبارکہ)

مطعم بن عدی کی قدر دانی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مطعم کے یہاں تشریف لے گئے۔ رات ان کے یہاں گزاری صبح ہوئی تو مطعم نے خود ہتھیار سجائے۔ اس کے چھ سات لڑکے تھے سب کو مسلح کیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر چلا۔ حرم کعبہ میں پہنچا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ طواف کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کیا۔ مطعم اور بیٹے حفاظت کرتے رہے۔ جب طواف سے فارغ ہوئے تو ''مطعم'' نے اعلان کر دیا کہ ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میری پناہ میں ہیں''۔

ابوسفیان مطعم بن عدی کے پاس آیا دریافت کیا۔ تم نے محمد کو اپنی پناہ میں لیا ہے یا ان کا مذہب قبول کرلیا ہے۔ مطعم نے جواب دیا۔ میں نے مذہب نہیں بدلا صرف ''محمد'' کو پناہ دی ہے۔ ابوسفیان نے کہا۔ تب آپ کے اعلان کا احترام کیا جائے گا۔ (سیرت مبارکہ)

آپ حرم میں تشریف لائے اور حجر اسود کو بوسہ دیا اور طواف کر کے ایک دوگانہ ادا فرمایا اور مکان واپس تشریف لے گئے۔ مطعم اور اس کے بیٹے آپ کو حلقہ میں لئے ہوئے تھے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

مطعم کے احسان کی یاد

مطعم کے اسی احسان کی بناء پر بدر کے دن اسیران بدر کی بابت آپ نے یہ ارشاد فرمایا:۔

اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور پھر مجھ سے ان گندوں کے بارے میں کچھ کلام کرتا تو میں اس کی رعایت سے ان سب کو یک لخت چھوڑ دیتا۔

طفیل بن عمرو دوسی کا مسلمان ہونا

طفیل بن عمرو دوسی قریش کے حلیف، شاعر، ذکی اور باوقار سردار تھے۔ آپ مکہ آئے تو سرداروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خوب کان بھرے مگر انہوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کی آواز سنی تو خود ہی حقیقت کے اسیر ہو گئے۔

طفیل کی مکہ آمد

اسی عرصہ میں طفیل بن عمرو دوسی، مکہ آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصروف تبلیغ تھے طفیل شریف النسب ہونے کے علاوہ بہت بڑے شاعر اور بہت بڑے زیرک اور فہیم اور مہمان نواز تھے۔ قریش سے حلیفانہ تعلقات رکھتے تھے۔

قریشی سرداروں کا بھرپور مگر ناکام پروپیگنڈہ

جب آپ مکہ آئے تو قریش کے کچھ آدمی آپ کے پاس آئے اور یہ کہا کہ ہم میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جس نے تمام قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے اس کا کلام مثل سحر اور جادو کے ہے کہ باپ اور بیٹے اور بھائی بھائی اور میاں بیوی کے مابین جدائی ڈالتا ہے۔ آپ اس سے بچتے رہیں ہمیں اندیشہ ہے کہ آپ اور آپ کی قوم کہیں اس مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائے۔ جہاں تک ممکن ہو آپ اس کی کوئی بات نہ سنیں۔ قریش نے ان کو اس قدر ڈرایا کہ انہوں نے اپنے کانوں میں کپڑے ٹھونس لئے کہ کہیں اتفاقی طور پر اس شخص کا کلام کان میں نہ پڑ جائے۔ یہاں تک کہ لوگ مجھ کو ذوالقطنتین کہنے لگے۔ اتفاقاً ایک روز مسجد حرام کی طرف گیا دیکھتا کیا ہوں کہ آپ کھڑے ہوئے بیت اللہ کے سامنے نماز پڑھ رہے ہیں۔

طفیلؓ کہتے ہیں کہ میں آپ کے قریب جا کر کھڑا ہوا۔ میں اگرچہ یہ چاہتا تھا کہ آپ کا کلام نہ سنوں مگر خداوند ذوالجلال یہ چاہتا تھا کہ اپنا کچھ کلام مجھ کو سنائے۔ چنانچہ بلا اختیار یہ کلام میں نے سن پایا۔ نہایت اچھا اور بھلا معلوم ہوا۔ اس وقت میں نے اپنے دل میں یہ کہا

کہ میں تو مرد عاقل اور بڑا شاعر ہوں مجھ پر کسی کلام کا حسن اور قبح مخفی نہیں رہ سکتا۔

میں یہ کلام ضرور سنوں گا اگر عمدہ اور مستحسن ہے تو قبول کروں گا اور اگر قبیح اور نازیبا ہے تو چھوڑ دوں گا۔

قرآن اور اسلام کی کشش

چنانچہ جب آپ حرم سے واپس ہوئے تو میں آپ کے پیچھے ہولیا۔ جب آپ دولت کدہ پر پہنچے تو آپ سے عرض کیا کہ آپ کی قوم نے مجھے آپ کا کلام سننے سے اس قدر ڈرایا کہ کانوں میں کپڑے ٹھونس لئے تاکہ آپ کا کلام نہ سن سکوں۔ مگر خدا کی مشیت نے انکار کیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہ سنوں۔ آپ کا کلام جو کان میں پڑا تو بہت بھلا معلوم ہوا۔ آپ اپنا دین مجھ پر پیش کیجئے آپ نے اسلام پیش کیا اور میرے سامنے قرآن کی تلاوت فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ سورۂ اخلاص اور معوذتین کی تلاوت فرمائی۔ خدا کی قسم میں نے قرآن کریم سے بہتر کبھی کوئی کلام سنا ہی نہیں اور اسلام سے زیادہ معتدل اور متوسط کسی دین کو نہیں پایا اور اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

آپؓ کے لئے خصوصی نشانی

اور آپ سے عرض کیا اے اللہ کے نبی میں اپنی قوم کا سردار ہوں۔ یہ ارادہ ہے کہ واپسی کے بعد اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دوں آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی نشانی عطا فرمائے کہ جو اس بارے میں میری معین اور مددگار ہو۔ آپ نے دعا فرمائی۔ اے اللہ اس کے لئے کوئی نشانی پیدا فرما۔

چنانچہ جب میں اپنی بستی کے قریب پہنچا تو میری آنکھوں کے مابین چراغ کے مانند ایک نور پیدا ہو گیا میں نے اللہ سے دعا کی اے اللہ اس نور کو بجائے چہرہ کے کسی اور جگہ منتقل فرما۔ میری قوم کے لوگ کہیں اس کو مثلہ نہ سمجھیں اور یہ خیال نہ کریں کہ آبائی مذہب چھوڑنے کی وجہ سے اس کی صورت بدل گئی۔ وہ نور اسی وقت میرے کوڑے کی طرف منتقل ہو گیا اور وہ کوڑا مثل ایک قندیل اور لالٹین کے بن گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ طفیل جب اپنی قوم میں پہنچے تو اندھیری رات تھی اور پانی برس رہا تھا راستہ نظر نہ آیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ نور پیدا فرمایا۔ لوگ دیکھ کر بہت متعجب ہوئے

اور حضرت طفیل کو گھیر لیا اور کوڑے کو پکڑنے لگے۔ وہ نور لوگوں کی انگلیوں سے چھپنتا تھا۔
جب اندھیری رات ہوتی تو یہ کوڑا اسی طرح روشن ہو جاتا۔ اسی وجہ سے حضرت طفیل ذی النور (نور والے) کے لقب سے مشہور ہوئے۔

والد اور بیوی بچوں کا مسلمان ہونا

جب صبح ہوئی تو اول اپنے باپ کو اسلام کی دعوت دی اور پھر بیوی کو۔ دونوں نے کپڑے پاک کیئے اور غسل کیا اور مشرف باسلام ہوئے اور بیوی سے یہ کہا کہ اگر تجھ کو یہ خدشہ ہو کہ بتوں کے چھوڑنے سے کہیں بچوں کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

آپؓ کے قبیلہ کے آدھے لوگوں کا مسلمان ہونا

بعد ازاں قبیلہ دوس کو اسلام کی طرف بلایا۔ مگر دوس نے اسلام قبول کرنے میں تامل کیا۔ میں دوبارہ مکہ مکرمہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے نبی! دوس نے اسلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ آپ ان پر بددعا کیجئے آپ نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی۔
اے اللہ قبیلہ دوس کو ہدایت دے اور مسلمان بنا کر یہاں بھیج۔
اور طفیلؓ سے فرمایا جاؤ۔ نرمی سے اسلام کی طرف بلاؤ۔ آپ کی ہدایت کے مطابق لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتا رہا۔ ۷ ہجری تک ستر یا اسی گھرانے اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے ان سب کو ۷ھ میں اپنے ساتھ لے کر مدینہ منورہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

بت کا جلانا اور پورے قبیلہ کا مسلمان ہونا

فتح مکہ کے بعد حضرت طفیل نے آپؐ سے درخواست کی کہ عمرو بن حممہ کے بت ذوالکفین کے جلانے کی اجازت دیجئے۔ آپؐ نے اجازت دی طفیل روانہ ہوئے اور پہنچ کر بت کو جلایا بت جلاتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے۔
اے ذوالکفین میں تیری پرستش کرنے والوں میں سے نہیں۔ میری پیدائش تیری پیدائش سے مقدم ہے۔
میں نے تیرے اندر خوب آگ بھری ہے
نصف قبیلہ دوس تو پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا۔ باقی ماندہ نصف بھی اس بت کے جلانے سے شرک اور بت پرستی سے تائب ہو کر حلقہ اسلام میں آ گیا۔

واقعہ معراج

10 نبوی گزر گیا۔ ابتلاء اور آزمائش کی سب منزلیں طے ہو چکیں۔ ذلت اور رسوائی کی کوئی نوع ایسی باقی نہ رہی جو کہ خداوند ذوالجلال کی راہ میں نہ برداشت کی گئی ہو اور ظاہر ہے کہ خدائے رب العزت کی راہ میں ذلت اور رسوائی کا انجام سوائے عزت اور رفعت اور سوائے معراج اور ترقی کے کیا ہو سکتا ہے؟

چنانچہ جب شعب ابی طالب اور سفر طائف سے ذلت انتہا کو پہنچ گئی تو خداوند ذوالجلال نے اسراء ومعراج کی عزت سے سرفراز فرمایا اور آپ کو اس قدر اونچا کیا کہ افضل الملائکہ المقربین یعنی جبریل بھی پیچھے رہ گئے اور ایسے مقام تک سیر کرائی کہ جو کائنات کا منتہیٰ ہے یعنی عرش عظیم تک جس کے بعد اب اور کوئی مقام نہیں۔

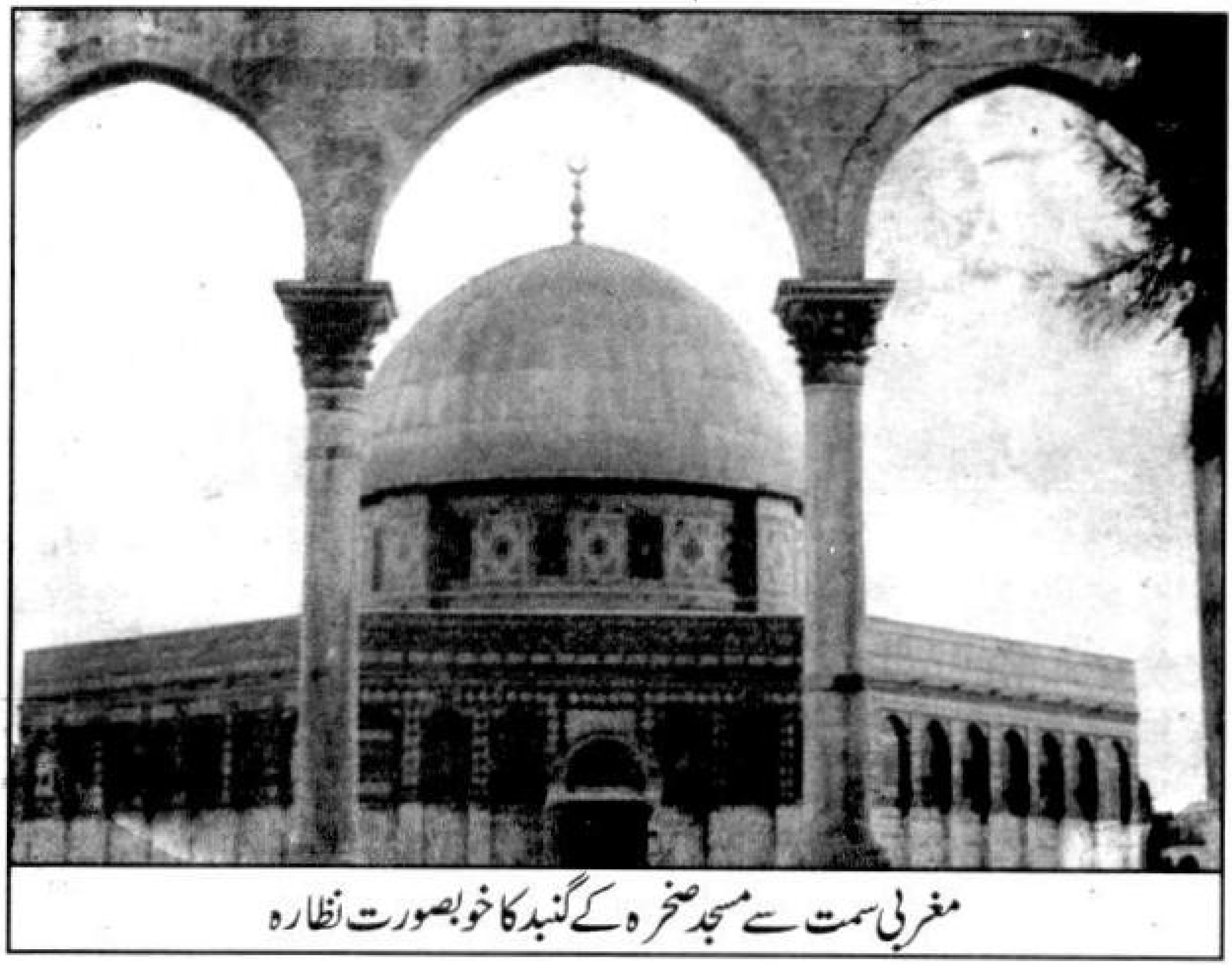
حق جل وعلا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور مسجد اقصیٰ سے سبع سمٰوٰت تک اسی جسم اور روح کے ساتھ بحالت بیداری ایک ہی شب میں سیر کرائی جس کو ''اسراء ومعراج'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اسی وجہ سے بعض عارفین کا قول ہے کہ عرش تک سیر کرانے میں ختم نبوت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ تمام کائنات عرش پر ختم ہو جاتی ہے۔ کتاب وسنت سے عرش کے بعد کسی مخلوق کا وجود ثابت نہیں۔ اسی طرح نبوت ورسالت کے تمام کمالات آپ پر ختم ہیں (سیرۃ المصطفیٰ)

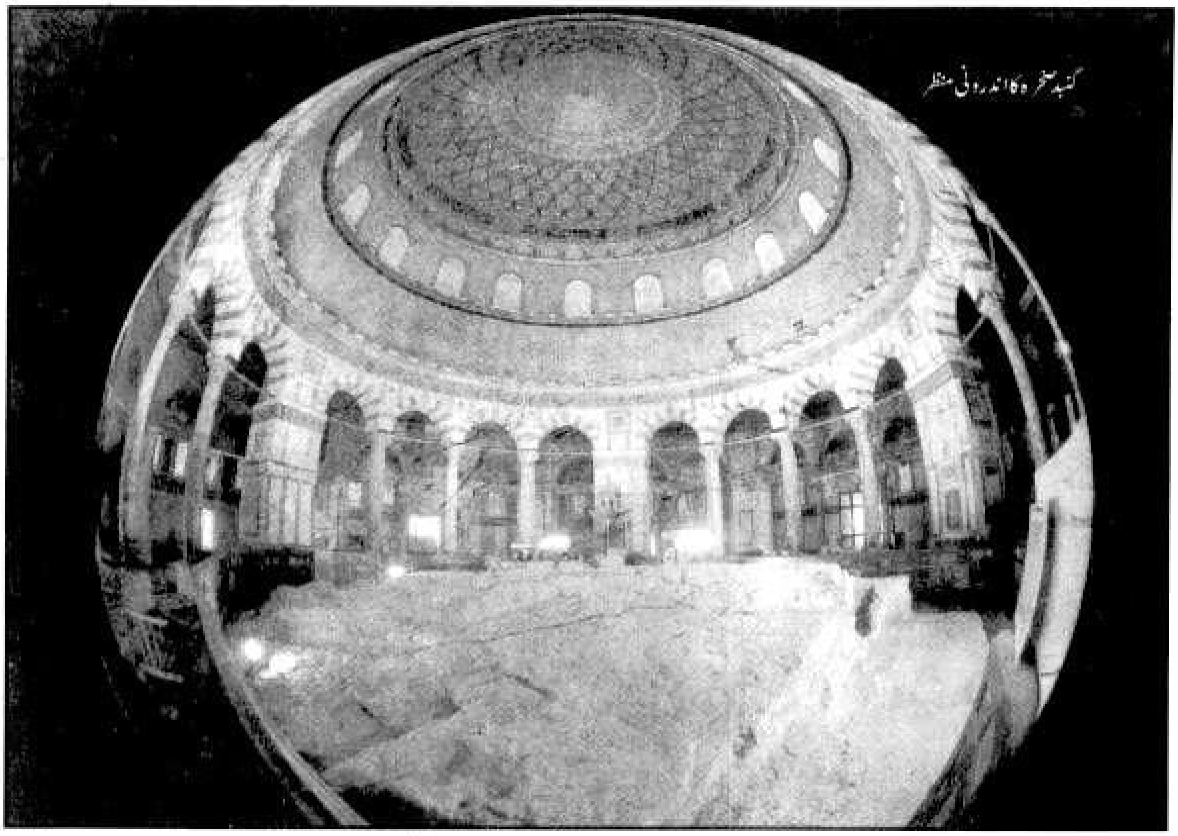
ایسے سخت امتحان میں روحانی ترقی کہاں تک ہو سکتی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ چنانچہ اسی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کا شرف عظیم حاصل ہوا۔ معراج میں پنج وقتہ نمازیں فرض ہوئیں۔ نماز کے آخر میں التحیات پڑھی جاتی ہے جس میں نہ صرف آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم اور ان بزرگوں پر جو اس امتحان میں کامیاب ہوئے تھے بلکہ ان کے طفیل میں تمام عباد صالحین پر سلام بھیجا جاتا ہے۔ **السلام علینا و علیٰ عباداللہ الصالحین.** (محمد میاںؒ)

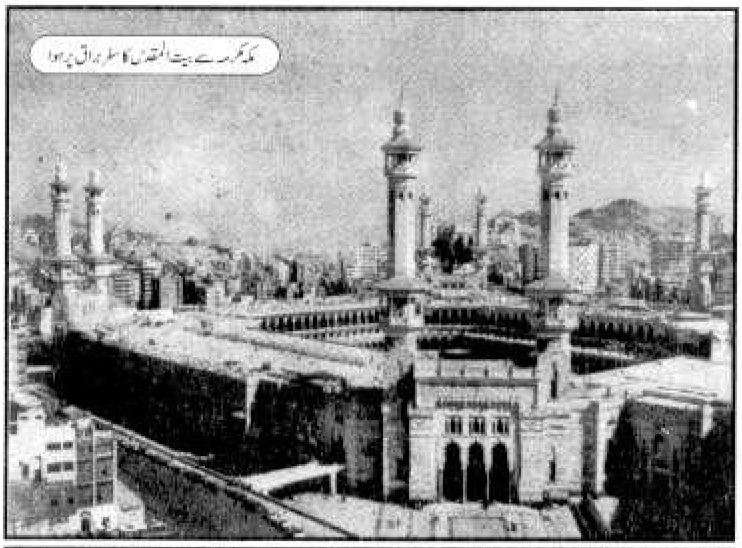
ان بھولے بھالوں سے کوئی کیا کہہ سکتا ہے' آخر جو نیچے سے دبایا گیا اور مسلسل اتنی بیدردیوں سے دبایا گیا اور وہ تنہا ہی چلا گیا کس قدر عجیب بات ہے کہ اسی کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اوپر کی طرف کس طرح چڑھا اور کیوں چڑھتا گیا جن کو یہی نہیں معلوم ہے کہ عالم کیا ہے؟ انسان کیا؟ اور دونوں کا بنانے والا کیا ہے؟ عالم انسان میں ہے یا انسان عالم میں ہے! جن پر یہی معمہ نہیں کھلا ہے تو پھر وہ اس گرہ کو کیا کھول سکتے ہیں۔ جس میں انسان اپنے خالق کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ خالق عرش پر بھی ہے اور جس کو خلیفہ اور آدمی کہتے ہیں وہی جس میں خالق کی روح پھونکی گئی ہے' اس کی گردن کی ورید کے پاس بھی عرش ہی والا خالق ہے جب تک ان متناقضات کے تناقض کو تم سلجھا نہیں سکتے اس قسم کے حقائق کے ادراک سے قاصر رہیں گے۔ (النبی الخاتم)



مغربی سمت سے مسجد صخرہ کے گنبد کا خوبصورت نظارہ


گنبد صخرہ کا اندرونی منظر

گنبد صخرہ (ایک بڑی چٹان) ہے جس پر حضرت داؤد علیہ السلام زبور کی تلاوت فرماتے تو چرند پرند درند سب لحن داؤدی سن کر مسحور ہو جاتے یہی وہ مقام ہے جہاں سے رسول اللہؐ نے سفر معراج کا آغاز کیا۔ یہیں آسمانوں سے فرشتے اتر کر بیت اللہ کے طواف کیلئے جاتے ہیں اور پھر یہیں سے واپس آ کر آسمانوں پر صعود کرتے ہیں


مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کا سفر براق پر ہوا


مسجد اقصیٰ کے سامنے کا منظر۔ وضو کا حوض بھی دیکھا جا سکتا ہے


مسجد اقصیٰ کا مینارہ اذاں


اس مقام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب آسمانوں کا سفر شروع کیا۔ یہی وہ محراب داؤدؑ ہے جہاں حضرت عمرؓ نے سجدہ داؤدی کی آیت پڑھ کر سجدہ کیا۔ پاس ہی صخرہ وہ چٹان تھی جہاں حضرت یعقوبؑ وحی الٰہی سنا کرتے تھے

واقعہ معراج قرآن کریم میں

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۝

(ترجمہ) پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے ایک قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گیا جس سے اصل مقصود یہ تھا کہ آپ کو آسمانوں کی سیر کرائیں اور وہاں کی خاص خاص نشانیاں آپ کو دکھلائیں، جن کا کچھ ذکر سورۂ نجم میں فرمایا ہے کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ تک تشریف لے گئے اور وہاں جنت وجہنم و دیگر عجائبات قدرت کا مشاہدہ فرمایا۔ تحقیق اصلی سننے والا اور اصلی دیکھنے والا حق تعالیٰ ہے وہی جس کو چاہتا ہے اپنی قدرت کے نشانات دکھلاتا ہے اور پھر وہ بندہ اللہ کی تبصیر سے دیکھتا ہے اور اللہ کے اسماع سے سنتا ہے۔

سبحان لانے کی حکمت

حق جل شانہ نے واقعہ اسرار کو لفظ سبحان الذی سے اس لئے شروع فرمایا کہ کوئی کوتاہ نظر اور تاریک خیال اس کو ناممکن اور محال نہ سمجھے۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے ضعف ، اور عجز سے پاک اور منزہ ہے ہماری ناقص عقلیں اگرچہ کسی شے کو کتنا ہی مستبعد اور عجیب سمجھیں مگر خدا کی لامحدود قدرت اور مشیت کے سامنے کوئی مشکل نہیں۔

نیز اس طرف اشارہ ہے کہ یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ ایک عظیم الشان معجزہ اور

کرامت ہے جو آپ کے سواء کسی کو حاصل نہیں ہوا۔

(آیت کو سبحان سے شروع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ) سبحان برائی سے پاک ہونے اور تعجب کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ اس طرح لے جانا بھی عجیب تھا اور انتہائی عجیب ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بڑی قدرت بتانے والا تھا۔ اس لئے سبحان سے شروع کرنا مناسب ہوا۔

عبد کیوں فرمایا

حق جل شانہ نے اس مقام پر حضور کی شان عبدیت کو ذکر فرمایا اور شان نبوت اور رسالت کو ذکر نہیں فرمایا۔ یعنی ''اسریٰ بعبدہٖ'' فرمایا اور ''اسری بنبیہ ورسولہ'' نہیں فرمایا اس لئے کہ سیر الی اللہ کے لئے وصف عبدیت ہی مناسب ہے کہ بندہ سب کو چھوڑ کر اپنے آقا کی طرف جارہا ہے اور نبوت اور رسالت کے معنی خدا کی طرف سے بندوں کی طرف آنے کے ہیں۔ اس لئے وصف نبوت و رسالت کا ذکر اس مقام پر مناسب ہے کہ جہاں انبیاء کرام کا منجانب اللہ بندوں کی طرف آنا بیان کیا گیا ہے۔ **کما قال تعالیٰ انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھدًا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً** حق تعالیٰ نے اس مقام پر **انا ارسلنا الیکم عبدنا** نہیں فرمایا اس لئے کہ اس جگہ انبیاء کرام کا دنیا کی طرف مبعوث ہونا بیان فرمایا ہے۔ دنیا کو چھوڑ کر اپنی طرف آنا یا بلانا بیان نہیں فرمایا خلاصہ یہ کہ یہ مقام سیر الی اللہ اور خدا کی طرف جانے کا تھا۔ اس لئے عبد کا لفظ استعمال فرمایا اور رسول اور نبی کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ نیز عبد کا لفظ اس لئے بھی اختیار فرمایا کہ کہیں ناقص العقل نصاریٰ کی طرح حضور پرنور کو معراج آسمانی کی وجہ سے خدا نہ خیال کر بیٹھیں۔

امام رازی اپنے والد ماجد سے ناقل ہیں کہ میں نے ابوالقاسم سلیمان انصاری کو یہ کہتے سنا کہ شب معراج میں حق تعالیٰ نے نبی کریم سے دریافت فرمایا کہ آپ کو کون سا لقب اور کونسی صفت سب سے زیادہ پسند ہے آپ نے فرمایا صفت عبدیت تیرا بندہ ہونا مجھ کو سب سے زائد محبوب ہے۔ اس لئے جب یہ سورت نازل ہوئی تو اسی پسند کردہ لقب کے ساتھ نازل ہوئی۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

آیت میں بعبدہٖ کہنے سے دو فائدے ہیں۔ ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت (اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے) اور قبولیت (اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہونے) کا اظہار ہے۔

دوسرے اس عجیب معجزہ کی وجہ سے کوئی آپ کو خدا نہ سمجھ بیٹھے۔ (نشر الطیب)

لیلاً کی تصریح

اسراء کے معنی اگرچہ رات ہی کو لیجانے کے ہیں لیکن لیلاً کی تصریح اس لئے کی گئی تاکہ نکرہ ہونے کی وجہ سے تبعیض اور تقلیل پر دلالت کرے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے رات کے بعض اور قلیل ہی حصہ میں زمین و آسمان کی سیر کروادی اور رات کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ رات عادۃً خلوت اور تنہائی کا وقت ہے ایسے وقت میں بلانا مزید تقرب اور اختصاص خاص کی دلیل ہے اور اسی وجہ سے قیام اللیل اور تہجد کی فضیلت قرآن کریم اور احادیث میں خاص طور سے آئی ہے۔

نیز قرآن کریم میں آپ کا لقب سراج منیر آیا ہے اور سراج منیر یعنی روشن چراغ کے لئے رات ہی مناسب ہے۔

مسجد اقصیٰ کیوں لے جایا گیا

مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جانے میں شاید یہ حکمت ہو کہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ دونوں قبلوں کے انوار و برکات اور حضرات انبیاء بنی اسرائیل کے فضائل و کمالات حضور پرنور میں جمع کر دیئے جائیں اور اس طرف بھی اشارہ ہو جائے کہ اب عنقریب ہی بنی اسرائیل کا قبلہ بنی اسماعیل کے قبضہ میں دے دیا جائے گا اور امت محمد یہ دونوں قبلوں یعنی کعبۃ اللہ اور مسجد اقصیٰ کے انوار و برکات کی حامل ہوگی اور حضرات انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مکرمین کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کرنا حضور پرنور کی سیادت اور امامت انبیاء کا حسی نمونہ دکھلانے کے لئے تھا کہ مقربین بارگاہ خداوندی اپنی آنکھوں سے آپ کی سیادت اور امامت کا مشاہدہ کرلیں۔

مسجد حرام سے اسراء کی ابتداء

مسجد حرام مکہ کو بھی کہتے ہیں اور یہاں دونوں معنی صحیح ہو سکتے ہیں (یعنی مسجد حرام اور مکہ دونوں مراد ہو سکتے ہیں) کیونکہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حطیم میں تشریف رکھتے تھے۔ (تو اس وقت مراد مسجد حرام ہوئی) اور بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام ہانی کے گھر میں تھے (تو اس وقت مراد مکہ ہوا)

مسجد اقصیٰ کیوں کہتے ہیں

مسجد اقصیٰ کا نام مسجد اقصیٰ اس لئے رکھا گیا ہے کہ اقصیٰ کے معنی عربی میں ''بہت دور'' ہیں کیونکہ مسجد اقصیٰ مکہ سے بہت دور ہے۔ اس لئے اس کا نام مسجد اقصیٰ رکھا گیا۔

عظمت واکرام

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیجائے بغیر بھی یہ تمام عجائبات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائے جاسکتے تھے لیکن آپکو لیجانے میں اور سواری کرانے میں زیادہ اکرام اور اظہار شان ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے گئے۔

مسجد اقصیٰ کے ارد گرد کی برکتیں

یہ جملہ ''الذی بارکنا'' کہ ''ہم نے اس کے آس پاس کو بابرکت بنایا ہے'' مسجد اقصیٰ کی تعریف میں بڑھایا ہے۔ جب آس پاس کا علاقہ باوجود مسجد نہ ہونے کے بابرکت تھا تو مسجد میں کتنی زیادہ برکت ہوگی۔ مسجد اقصیٰ کے آس پاس دو قسم کی برکتیں ہیں (دینوی و دنیوی) دینوی برکت دنیاوی برکت سے زیادہ ہے مزید دینی برکت یہ کہ اکثر انبیاء کرام کی عبادت کا بیت المقدس مرکز رہا ہے تو روحانی برکت مزید زیادہ ہوئی ہے۔ دوسری بات یہ کہ مسجد اقصیٰ میں انبیاء کرام نے عبادت کی ہے تو اس سے بھی وہاں دینی برکت خوب ہے۔

معراج کو جھٹلانے والوں کو دھمکی

''انه هو السميع البصير'' کہ ''اللہ تعالیٰ بہت سننے اور بڑے دیکھنے والے ہیں'' کے بڑھانے کا فائدہ ہوسکتا ہے کہ معراج کے جھٹلانے والوں کو ڈرانا مقصود ہے کہ ہم تمہارے جھٹلانے اور تمہاری مخالفت کو دیکھتے اور سنتے ہیں۔ اس لئے تم کو خوب سزا دیں گے

علم الٰہی

''لنريه من آياتنا'' کے بعد ''انه هو السميع البصير'' فرمایا گیا ہے یہ اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ تمام چیزیں دیکھ لی ہیں لیکن وہ ہم سے علم میں برابر نہیں ہوگئے۔

کیونکہ ہم نے ان کو یہ عجائبات دکھائے ہیں۔ دوسرے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کچھ نشانیاں دیکھی ہیں اور ہم (اللہ تعالیٰ) بغیر کسی کے دکھائے دیکھنے اور بغیر کسی کے سنائے سننے والے ہیں۔

ان آیات میں صرف مسجد اقصیٰ تک جانے کا ذکر ہے۔ مسجد اقصیٰ کے اندر جانے کا ذکر احادیث میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے اندر تشریف لے گئے اور انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اور نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے امام بنے۔

معراج کس سال ہوئی

علماء سیر کا اس میں اختلاف ہے کہ کس سال آپ کو معراج ہوئی؟ علماء کے اس بارے میں دس قول ہیں۔

۱- ہجرت سے چھ ماہ قبل معراج ہوئی
۲- ہجرت سے آٹھ مہینہ پیشتر
۳- ہجرت سے گیارہ مہینہ پیشتر
۴- ہجرت سے ایک سال پیشتر
۵- ہجرت سے ایک سال اور دو ماہ پیشتر
۶- ہجرت سے ایک سال اور تین ماہ پیشتر
۷- ہجرت سے ایک سال اور پانچ ماہ پیشتر
۸- ہجرت سے ایک سال اور چھ ماہ پیشتر
۹- ہجرت سے تین سال پیشتر
۱۰- ہجرت سے پانچ سال پیشتر

راجح قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد اور بیعت عقبہ سے پہلے معراج ہوئی جیسا کہ اول کے آٹھ قول اس پر متفق ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد معراج ہوئی اور یہ بھی مسلم ہے کہ حضرت خدیجہؓ شعب ابی طالب میں آپ کے ہمراہ تھیں۔ شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد ان کا انتقال ہوا اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ اور آپ کے رفقاء شعب ابی طالب سے 10ھ نبوی میں باہر نکلے۔ لہٰذا نتیجہ یہی نکلا کہ معراج 10ھ نبوی کے بعد 11ھ نبوی میں سفر طائف سے واپسی کے بعد کسی مہینہ میں ہوئی۔

کس مہینہ میں ہوئی

رہا یہ امر کہ کس مہینہ میں ہوئی اس میں اختلاف ہے۔ ربیع الاول یا ربیع الآخر۔ یا رجب یا رمضان یا شوال میں ہوئی پانچ قول ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ رجب کی ستائیسویں شب میں ہوئی

واقعہ معراج کے راوی

کمالات نبویہ کے عظیم واقعات میں سے ایک واقعہ معراج کا بھی ہے جس کے راوی (مردوں) میں یہ صحابی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ.... حضرت علی رضی اللہ عنہ.... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما.... حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ.... حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ.... حضرت انس رضی اللہ عنہ.... حضرت جابر رضی اللہ عنہ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ.... حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ.... حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ.... حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ.... حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ

حضرت ابوحبہ رضی اللہ عنہ.... حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ.... حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ

اور (عورتوں میں سے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا.... حضرت اسماء بنت بکر رضی اللہ عنہا حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اوران کے سوا اور بھی۔

اسراء ومعراج کا معنی

اصطلاح علماء میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کو اسراء کہتے ہیں اور مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کو معراج کہتے ہیں اور بسا اوقات اول سے آخر تک کی پوری سیر کو اسراء اور معراج کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ معراج کو معراج اس لئے کہتے ہیں کہ معراج کے معنی سیڑھی کے ہیں۔ مسجد اقصیٰ سے برآمد ہونے کے بعد حضور کے لئے جنت سے ایک سیڑھی لائی گئی جس کے ذریعہ حضور آسمان پر چڑھے جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس سیڑھی کا ذکر آیا ہے۔

احادیث میں واقعہ معراج کی تفصیل

ایک شب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے مکان میں بستر استراحت پر آرام فرما رہے تھے۔ نیم خوابی کی حالت تھی کہ یکا یک چھت پھٹی اور چھت سے جبریل امین اترے اور آپ کے ہمراہ اور بھی فرشتے تھے آپ کو جگایا اور مسجد حرام کی طرف لے گئے۔ وہاں جا کر آپ حطیم میں لیٹ گئے اور سو گئے۔ جبرئیل امین اور میکائل نے آ کر آپ کو جگایا اور آپ کو بیر زم زم پر لے گئے اور لٹا کر آپ کے سینہ مبارک کو چاک کیا اور قلب مبارک کو نکال کر زم زم کے پانی سے دھویا اور ایک سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا اس ایمان اور حکمت کو آپؐ کے دل میں بھر کر سینہ کو ٹھیک کر دیا اور دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت لگائی گئی (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبین ہونے کی حسی اور ظاہری علامت ہے) بعد ازاں براق لایا گیا۔ براق ایک بہشتی جانور کا نام ہے جو خچر سے کچھ چھوٹا اور حمار سے کچھ بڑا سفید رنگ برق رفتار تھا۔ جس کا ایک قدم منتہائے بصر پر پڑتا تھا جب اس پر سوار ہوئے تو شوخی کرنے لگا۔ جبریل امین نے کہا اے براق یہ کیسی شوخی ہے تیری پشت پر آج تک حضورؐ سے زیادہ کوئی اللہ کا مکرم اور محترم بندہ سوار نہیں ہوا۔ براق شرم کی وجہ سے پسینہ پسینہ ہو گیا اور حضور کو لے کر روانہ ہوا۔ جبریل و میکائل آپ کے ہمرکاب تھے۔ اس شان کے ساتھ حضورؐ روانہ ہوئے۔

اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جبریل امین نے حضور پر نور کو براق پر سوار کیا

اور خود نبی کریم کے ردیف بنے یعنی آپ کے پیچھے براق پر سوار ہوئے۔

شداد بن اوسؓ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راستہ میں ایسی زمین پر گزر ہوا کہ جس میں کھجور کے درخت بکثرت تھے جبریل امین نے کہا یہاں اتر کر (نماز نفل) پڑھ لیجئے۔ میں نے اتر کر نماز پڑھی۔ جبریل امین نے کہا آپ کو معلوم بھی ہے کہ آپ نے کس جگہ نماز پڑھی۔ میں نے کہا مجھ کو معلوم نہیں۔ جبریل امین نے کہا آپ نے یثرب یعنی مدینہ طیبہ میں نماز پڑھی جہاں آپؐ ہجرت کریں گے۔ بعدازاں روانہ ہوا اور ایک اور زمین پر پہنچے۔ جبریل امین نے کہا یہاں اتر کر نماز پڑھیے میں نے اتر کر نماز پڑھی۔ جبریل امین نے کہا آپ نے وادی سینا میں شجرۂ موسیٰ کے قریب نماز پڑھی جہاں حضرت حق جل شانہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا پھر ایک اور زمین پر گزر ہوا جبریل نے کہا اتر کر نماز پڑھیے۔ میں نے اتر کر نماز پڑھی جبریل امین نے کہا کہ آپ نے مدین میں نماز پڑھی (جو شعیب علیہ السلام کا مسکن تھا) وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک اور زمین پر پہنچے جبریل امین نے کہا اتر کر نماز پڑھیے میں نے اتر کر نماز پڑھی۔ جبریل امین نے کہا یہ مقام بیت اللحم ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

اِسرا کے دوران کے واقعات کی تفصیلات

بظاہر یہ تمام واقعات عروج سماء سے پہلے کے ہیں اس لئے کہ روایات میں ان واقعات کا ذکر براق پر سوار ہونے کے بعد متصلا اور مسجد اقصیٰ میں پہنچنے سے پہلے آیا ہے اس لئے معلوم ہوا کہ یہ واقعات عروج سماء سے پہلے کے ہیں (واللہ اعلم)

ملحوظ: مذکورہ بالا عنوان کے تحت کے تمام واقعات نشر الطیب سے لئے گئے ہیں جہاں کسی اور کتاب سے کوئی چیز لی گئی ہے اس کا حوالہ دیدیا گیا ہے۔

نقطۂ آغاز

آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں حطیم میں لیٹا تھا۔ (رواہ البخاری)

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعب ابی طالب میں تھے (رواہ الواقدی)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام ہانی کے گھر میں تھے۔ (رواہ الطبرانی)

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تھے اور چھت کھولی گئی۔ (رواہ البخاری)

ان تمام روایات میں جمع کی صورت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام ہانی کے گھر میں تھے جو شعب ابی طالب کے پاس تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تھے اس لئے اپنا گھر فرمایا وہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حطیم میں لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نیند کا اثر باقی تھا اس لئے وہاں پہنچ کر بھی لیٹ گئے

(ف) چھت کھولنے میں حکمت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء ہی سے معلوم ہو جائے کہ میرے ساتھ کوئی عادت کے خلاف معاملہ ہونے والا ہے۔

جب فرشتے آئے

جب سونے کچھ جاگنے کی حالت تھی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور ایک روایت میں ہے کہ تین شخص آئے۔ ایک نے کہا وہ (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) ان (حاضرین) میں سے کون ہیں؟ دوسرا بولا: وہ جو سب سے اچھے ہیں۔ تیسرا بولا تو پھر جو سب سے اچھا ہے اسی کو لے لو۔ اگلی رات کو پھر وہ تینوں آئے اور کچھ بولے نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا کر لے گئے۔ (رواہ البخاری)

طبرانی میں ہے کہ اول جبرئیل و میکائل آئے اور یہ گفتگو کر کے چلے گئے پھر تین شخص آئے۔ مسلم میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ میں نے ایک کہنے والے کو سنا کہ کہتا ہے ان تین میں سے ایک شخص ہیں جو دو شخصوں کے درمیان میں ہیں۔ مواہب میں ہے کہ مراد ان دو شخصوں سے حضرت حمزہ و حضرت جعفر ہیں۔ کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے درمیان سوئے ہوئے تھے۔

شق صدر

پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ اوپر سے نیچے پیٹ تک چاک کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل نکالا گیا اور سونے کے تھال میں زمزم شریف کا پانی تھا اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دھویا گیا پھر ایک تھال آیا جس میں ایمان اور حکمت تھا وہ دل میں بھر دیا گیا اور دل کو اسی جگہ رکھ کر درست کر دیا گیا۔

شق صدر کے اسرار

ملائکہ نے زمزم شریف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو دھویا حالانکہ حوض کوثر سے بھی پانی آ سکتا تھا بعض علماء کے نزدیک یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آب زمزم کوثر سے افضل ہے۔ (قالہ شیخ الاسلام البلقینی)

سونے کے منع ہونے کے باوجود سونے کے تھال کے استعمال میں کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ اول یہ کہ سونے کے حرام ہونے کا حکم بعد میں ہوا ہو تو اس وقت سونے کا استعمال حرام نہ تھا۔ (فتح الباری)

دوسرا یہ کہ معراج آخرت کے امور میں سے تھی اور آخرت میں سونے کا استعمال جائز ہوگا۔ تیسرا یہ کہ آپ نے خود استعمال نہیں کیا بلکہ ملائکہ نے کیا اور ملائکہ اس حکم کے مکلّف نہیں (عن ابن ابی حمزہ)

ایمان وحکمت کا تھال میں ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ جواہر غیبیہ میں قوت اور فرحت بڑھتی ہے چونکہ وہ حکمت وایمان کا سبب تھا اس لئے اس کا یہی نام رکھ دیا گیا۔

مسئلہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد کو مرد کے سینہ کی طرف دیکھنا درست ہے گو فرشتے مرد اور عورت ہونے سے پاک ہیں۔ مگر ان کا ذکر شریعت میں مذکر کے صیغہ سے آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مذکر ہیں۔

براق پر سواری

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سفید رنگ کا جانور لایا گیا جو براق کہلاتا ہے۔ دراز گوش سے ذرا اونچا اور خچر سے ذرا نیچا تھا۔ اس قدر برق رفتا ہے کہ اپنے منتہائے نظر پر قدم رکھتا ہے (کذا رواہ مسلم) اور اس پر زین ولگام تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہونے لگے تو وہ شوخی کرنے لگا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا تجھ کو کیا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مکرم عنداللہ کوئی شخص تجھ پر سوار نہیں ہوا بس وہ (شرمندگی سے) پسینہ پسینہ ہو گیا (اور ساری شوخی ختم ہوگی)۔ (رواہ الترمذی) اس پر سوار ہوئے جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب پکڑی اور میکائل علیہ السلام نے لگام تھامی۔

بعض روایات میں جو آیا ہے کہ جبرئیل نے میرا ہاتھ پکڑا اور دنیا کے آسمان پر پہنچے (رواہ البخاری) اور بعض میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل علیہ السلام نے براق پر اپنے پیچھے سوار کیا (رواہ ابن حبان فی صحیحہ والحارث فی سندہ) ان روایات کو روایت بالا سے تعارض نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اول تو جبرئیل علیہ السلام بھی اس مصلحت سے سوار ہوئے ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعی خوف معلوم نہ ہو پھر اتر کر رکاب تھام لی اور دونوں حالتوں

میں کبھی کبھی ضرورت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھامنے کے لئے ہاتھ پکڑ لیتے ہوں۔

براق کی خوشی

براق کی شوخی غصہ کی وجہ سے نہ تھی بلکہ خوشی کی وجہ سے تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کا خیال آنے اور تنبیہ ہونے پر شرمندہ ہوکر ہلنا بند کر دیا جیسے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ پر تشریف فرما تھے اس کو حرکت ہوئی تو آپ کے ارشاد اثبت **فانما علیک نبی و صدیق و شھیدان** سے ساکن ہوگیا۔

مدینہ مدین اور طور سیناء میں نماز

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منزل مقصود پر روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسی زمین پر ہوا جس میں کھجور کے درخت کثرت سے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اتر کر یہاں نماز (نفل) پڑھئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: آپ نے یثرب (مدینہ) میں نماز پڑھی ہے۔ پھر ایک سفید زمین پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا جبرئیل علیہ السلام نے کہا: (یہاں بھی) اتر کر نماز پڑھئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: آپ نے مدین میں نماز پڑھی ہے۔ پھر (آپ کا) گزر بیت اللحم پر ہوا۔ وہاں بھی نماز پڑھوائی گئی اور کہا: یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ (رواہ البزار والطبرانی وصححہ البیہقی فی الدلائل)

ایک روایت میں بجائے مدین کے طور سیناء ہے کہ آپ نے طور سیناء پر نماز پڑھی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ (کذا رواہ النسائی)

عالمِ برزخ اور عالمِ مثال کے نظارے

دوران سفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برزخ کے عجیب واقعات ملاحظہ فرمائے۔
عالم برزخ جگہ کے اعتبار سے کہیں بھی ہو۔ مگر اس کے نظر آنے کے لئے یہ شرط نہیں کہ دیکھنے والا اسی جگہ پر ہو۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک بڑھیا پر ہوا جو راستہ میں کھڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ جبرئیل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: چلئے چلئے۔ آپ چلتے رہے۔ ایک بوڑھا ملا جو الگ کھڑا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا رہا تھا کہ محمد ادھر آیئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا چلئے چلئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک جماعت پر ہوا انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ سے سلام کیا۔ السلام علیک یا اول السلام علیک یا آخر السلام علیک یا حاشر۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ان کو جواب دیجئے۔
اس حدیث کے آخر میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: وہ بڑھیا جو آپ نے دیکھی وہ دنیا تھی۔ دنیا کی اتنی عمر رہ گئی ہے جتنی بڑھیا کی عمر رہ گئی ہے۔ جس نے آپ کو پکارا تھا وہ ابلیس تھا۔ اگر آپ ابلیس کے اور دنیا کے پکارنے کا جواب دے دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی ہے۔ جنہوں نے آپ کو سلام کیا تھا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام تھے۔

مجاہدین کے اعمال کا نظارہ

اور طبرانی اور بزار میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسی قوم پر ہوا جو ایک ہی دن میں بو بھی لیتے تھے اور کاٹ بھی لیتے تھے اور جب کاٹتے ہیں پھر وہ ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کاٹنے سے پہلے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ: یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں کہ ان کی نیکیاں سات سو گنا تک بڑھتی ہیں۔ وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ

اس کا نعم البدل (بہترین بدلہ) عطا فرماتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

فرض نماز چھوڑنے والوں کے عذاب کا نظارہ

پھر ایک قوم پر گزر ہوا جن کے سر پتھر سے پھوڑے جا رہے ہیں اور جب وہ کچل جاتے ہیں تو پھر دوبارہ صحیح ہو جاتے ہیں اور اس کا سلسلہ ذرا بند نہیں ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: جبرئیل یہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نماز سے بے توجہی کرتے تھے۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں کے عذاب کا نظارہ

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک قوم پر ہوا کہ ان کی شرمگاہ پر آگے پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے۔ جانوروں کی طرح چر رہے تھے اور زقوم (جہنم کا درخت ہے) اور جہنم کے پتھر کھا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں: جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

بدکار مرد و عورت کی مثال کا نظارہ

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک قوم پر ہوا جن کے سامنے ایک ہانڈی میں گوشت پکا ہوا رکھا ہے اور ایک ہانڈی میں کچا سڑا ہوا گوشت رکھا ہے۔ وہ سڑے ہوئے گوشت کو کھا رہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ لوگ کون ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا وہ مرد ہے جس کے پاس حلال پاک بیوی تھی مگر وہ ناپاک عورت کے پاس آتا اور رات گزارتا یہاں تک کہ صبح ہو جاتی تھی اسی طرح وہ عورت ہے جو اپنے حلال پاک شوہر کے پاس سے اٹھ کر کسی ناپاک مرد کے پاس آتی اور رات اس کے پاس گزارتی یہاں تک کہ صبح ہو جاتی تھی۔

حقوق العباد سے بے پرواہ کی مثال کا نظارہ

پھر ایک شخص پر گزر ہوا جس نے لکڑیوں کا ایک گٹھا جمع کر رکھا تھا کہ وہ اس کو اٹھا نہیں

سکتا اور وہ اس میں لکڑیاں لاکر رکھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے ذمے لوگوں کے بہت حقوق اور امانت ہیں جن کے ادا پر قادر نہیں اور وہ زیادہ لدتا چلا جاتا ہے۔

گمراہ کن واعظوں کی سزا کا نظارہ

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جارہے ہیں اور جب وہ کٹ جاتے ہیں تو پہلی ہی کی طرح ہو جاتے ہیں اور سلسلہ بند نہیں ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ لوگوں کو گمراہ کرنے والے واعظ ہیں۔

زبان کی حفاظت نہ کرنے والے کی سزا کا نظارہ

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک چھوٹے پتھر پر ہوا جس سے ایک بڑا بیل پیدا ہوتا ہے پھر وہ بیل اس پتھر کے اندر جانا چاہتا ہے لیکن جا نہیں سکتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ اس شخص کا حال ہے جو ایک بڑی بات منہ سے نکالے پھر شرمندہ ہو مگر اس کو واپس نہ لے سکتا ہو۔

جنت کی آواز کا سننا

پھر ایک وادی پر گزر ہوا اور وہاں ایک ٹھنڈی پاکیزہ ہوا اور مشک کی خوشبو آئی وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آواز سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ جنت کی آواز ہے وہ کہتی ہے۔ اے رب: آپ نے جس چیز کا وعدہ کیا ہے مجھ کو دیجئے کیونکہ میرے بالاخانے' استبرق' ریشم' سندس' عقبری' موتی' مونگے' چاندی' سونا گلاس' طشتریاں' دستہ دار کوزے' مرکب' شہد' پانی' دودھ اور شراب بہت کثرت کو پہنچ گئے ہیں تو اب میرے وعدے کی چیز (یعنی جنتی لوگ) مجھ کو دیجئے (کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا: تیرے لئے ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت اور مومن مرد اور مومن عورت ہے اور (وہ) جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لائے۔ میرے ساتھ شرک نہ کرے میرے سوا کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور جو مجھ سے ڈرے گا وہ امن میں رہے گا جو مجھ

سے مانگے گا میں اس کو دوں گا جو مجھ کو قرض دے گا میں اس کو جزا دوں گا' جو مجھ پر توکل کرے گا میں اس کی کفایت کروں گا۔ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ بے شک مومنوں کو کامیابی حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ جو احسن الخالقین ہیں بابرکت ہیں۔ جنت نے کہا: میں راضی ہوگئی۔

جہنم کی آواز کا سننا

پھر ایک وادی پر گزر ہوا اور ایک وحشت ناک آواز سنی اور بدبو محسوس ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ جہنم کی آواز ہے کہتی ہے اے رب: مجھ سے آپ نے جس چیز کا وعدہ کیا ہے (دوزخیوں سے بھرنے کا) مجھ کو عطا فرمائیے۔ کیونکہ میری زنجیریں' طوق' شعلے' گرم پانی' پیپ' عذاب' بہت کثرت کو پہنچ گئے ہیں' میری گہرائی بہت لمبی اور گرمی بہت تیز ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا: تیرے لئے ہے ہر مشرک اور مشرکہ اور کافر اور کافرہ اور ہر متکبر دشمنی کرنیوالا جو یوم حساب پر یقین نہیں رکھتا۔ دوزخ نے کہا: میں راضی ہوگئی۔

عیسائیوں، یہودیوں کی پکار

ابو سعید سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے دائیں طرف سے ایک پکارنے والے نے پکارا میری طرف نظر کیجئے میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ پھر ایک اور (شخص) نے مجھ کو بائیں طرف سے اسی طرح پکارا میں نے اس کو بھی جواب نہیں دیا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک عورت نظر آئی جو اپنے ہاتھوں کو کھولے ہوئے تھی اور اس میں ہر قسم کی سجاوٹ تھی جو اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے۔ اس نے بھی کہا: اے محمد! میری طرف نظر کیجئے۔ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں میں نے اسکی طرف توجہ نہیں کی۔ اور اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: پہلا پکارنے والا یہود کا داعی تھا اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی اور دوسرا پکارنے والا عیسائیت کا داعی تھا اگر آپ اُس کو جواب دیتے تو آپ کی امت عیسائی ہو جاتی اور وہ عورت دنیا تھی (یعنی اس کی پکار پر جواب دینے کا اثر

یہ ہوتا کہ آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی جیسا اوپر آچکا ہے)

سود خور اور چغل خور وغیرہ کے عذاب کا نظارہ

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے پیٹ کوٹھڑیوں جیسے ہیں جب ان میں سے کوئی اٹھتا ہے فوراً گر پڑتا ہے جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا: یہ سود کھانے والے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسی قوم پر ہوا کہ ان کے ہونٹ اونٹ جیسے ہیں وہ قوم چنگاریاں نگلتی ہیں تو وہ ان کے نیچے سے نکل رہی ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلماً کھاتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے پہلو کا گوشت کاٹا جاتا تھا اور ان ہی کو کھلایا جاتا تھا وہ لوگ چغل خور اور عیب دیکھنے والے تھے۔

انبیاء علیہم السلام پر گزر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی تو بعض ایسے انبیاء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا جن کے ساتھ بڑا مجمع تھا اور بعض ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کے ساتھ چھوٹا مجمع تھا اور بعض کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا یہاں تک کہ آپ کا گزر بہت بڑے مجمع پر ہوا میں نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ کہا گیا: موسیٰ اور ان کی قوم ہیں لیکن اپنا سر اوپر اٹھایئے اور دیکھئے۔ (میں) دیکھتا کیا ہوں کہ اتنا عظیم الشان مجمع ہے کہ سارے آسمان پر گھیر رکھا ہے۔ کہا گیا: یہ آپ کی امت ہے اور آپ کی امت میں سے ستر ہزار اور ہیں جو بے حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگاتے اور جھاڑ پھونک نہیں کرتے اور شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

براق کو باندھنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد

فرماتے ہیں: میں نے براق اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء علیہم السلام (اپنی سواریوں کو) باندھتے تھے۔ اور بزار نے حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے بیت المقدس میں جو پتھر ہیں اس میں انگلی سے سوراخ کرکے اس سے براق کو باندھ دیا۔

دونوں روایتیں اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ وہ حلقہ تو پرانے زمانے سے ہو لیکن کسی وجہ سے بند ہو گیا ہو۔ جبرئیل علیہ السلام نے انگلی سے کھول دیا ہو اور دونوں حضرات باندھنے میں شریک ہوں۔ اور اس پر شبہ نہ کیا جائے کہ باندھنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ وہ تو مسخر کرکے بھیجا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس عالم آنے سے اس میں کچھ یہاں کے آثار پیدا ہو گئے ہوں اگر بھاگنے کا اندیشہ نہ بھی ہو تب بھی اس کی شوخی وغیرہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے پریشان ہونے کا احتمال ہو اور حکمتوں کا احاطہ کون کرسکتا ہے۔ (کہ اس کی حکمتوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

اسباب وتوکل

براق کو وہاں پہنچ کر حلقہ سے باندھ دیا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امور میں احتیاط کرنا اور اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے جب کہ بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہی ہو۔

حوروں کی حاضری

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس پہنچے اور اس مقام پر پہنچے جس کا نام باب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو براق کو باندھ کر دونوں صاحب مسجد کے صحن میں پہنچے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: اے محمد! کیا آپ نے اپنے رب سے درخواست کی تھی کہ آپ کو حور عین دکھائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ان عورتوں کے پاس جائیے اور ان کو سلام کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا تم کس کے لئے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم نیک ہیں حسین ہیں اور ایسے مردوں کی بیویاں ہیں جو پاک صاف ہیں میلے نہ ہوں گے اور ہمیشہ رہیں گے کبھی جنت سے جدا نہ ہوں گے اور ہمیشہ زندہ رہیں گے کبھی نہ مریں گے۔

تمام انبیاء کی امامت

وہاں سے ہٹ کر تھوڑی سی دیر گزری تھی کہ بہت سے آدمی جمع ہو گئے۔ پھر ایک موذن نے اذان کہی اور تکبیر کہی گئی۔ ہم صف باندھ کر منتظر کھڑے تھے کہ کون امام بنے گا۔ جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے کھڑا کر دیا۔ میں نے سب کو نماز پڑھائی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا: آپ کو معلوم ہے کن لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا نہیں: انہوں نے کہا: جتنے بھی نبی دنیا میں بھیجے گئے ہیں ان سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

بیہقی نے حضرت ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں اور جبرئیل بیت المقدس (کی مسجد) میں داخل ہوئے اور دونوں نے دو رکعت نماز پڑھی ابن مسعود کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ میں مسجد میں گیا تو انبیاء علیہم السلام کو میں نے پہچانا کوئی صاحب کھڑے ہیں کوئی رکوع میں ہیں اور کوئی سجدہ میں ہیں۔ پھر ایک اذان کہنے والے نے اذان کہی اور ہم صفوف درست کر کے اس انتظار میں کھڑے ہو گئے کہ کون امامت کریں گے۔ جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کے آگے بڑھا دیا اور میں نے سب کو نماز پڑھائی۔

جب نماز پوری ہو گئی تو فرشتوں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہیں۔ انہوں نے کہا: محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں۔ فرشتوں نے کہا: کیا ان کے پاس پیغام الٰہی (نبوت کے لئے یا آسمانوں پر بلانے کے لئے) بھیجا گیا؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ان پر سلام نازل فرمائے کہ بہت اچھے بھائی اور بہت اچھے خلیفہ ہیں (یعنی ہمارے بھائی اور اللہ تعالیٰ کے خلیفہ)

حمد خدا پر انبیاء علیہم السلام کی تقاریر

پھر انبیاء علیہم السلام کی ارواح سے ملاقات ہوئی اور ان سب نے اپنے رب پر تعریف بیان کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس طرح تقریر کی کہ تمام تر حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہے بس مجھ کو خلیل (اپنا دوست) بنایا۔ مجھ کو ملک عظیم عطا فرمایا۔ مجھ کو لوگوں کا مقتدا فرمانروا بنایا کہ میرا اقتداء کیا جاتا ہے، مجھ کو (نمرود کی) آگ سے نجات دی اور اس کو میرے حق میں

ٹھنڈک اور سلامتی کا ذریعہ بنا دیا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے رب کی تعریف بیان کر کے یہ تقریر کی کہ تمام تر حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے مجھ سے کلام (خاص) فرمایا اور مجھ کو چنا ہوا بنایا۔ مجھ پر توریت نازل فرمائی، فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات میرے ہاتھ پر ظاہر فرمائی اور میری امت کو ایسی قوم بنایا کہ حق کے موافق وہ ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق عدل کرتے ہیں۔

پھر داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف کر کے یہ تقریر کی کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھ کو ملک عظیم عطا فرمایا۔ مجھ کو زبور کا علم دیا۔ میرے لئے لوہے کو نرم کیا، میرے لئے پہاڑوں کو مسخر کیا کہ وہ میرے ساتھ تسبیح کرتے ہیں۔

پرندوں کو بھی (تسبیح کے لئے مسخر بنایا) مجھ کو حکمت اور صاف تقریر عنایت فرمائی۔

پھر سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کی ثناء کے بعد تقریر کی کہ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میرے لئے ہوا کو مسخر کیا۔ شیاطین کو مسخر کیا کہ جو چیز میں چاہتا تھا وہ بناتے تھے جیسے عالیشان عمارت، مجسم تصاویر (کہ اس وقت درست تھیں) مجھ کو پرندوں کی بولی کا علم دیا۔ اپنے فضل سے مجھ کو ہر قسم کی چیز دی۔ میرے لئے شیاطین، انسان، جن اور پرندوں کے لشکروں کو مسخر کیا مجھ کو ایسی سلطنت عطا کی کہ میرے بعد کسی کے لئے لائق نہ ہو گی اور میرے لئے ایسی پاکیزہ سلطنت تجویز کی کہ اس کے متعلق مجھ سے کچھ حساب نہ ہوگا۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف بیان کر کے یہ تقریر کی کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھ کو اپنا کلمہ بنایا اور مجھ کو آدم (علیہ السلام کے مشابہ بنایا ان کو مٹی سے بنا کر کہہ دیا کہ تو (ذی روح ہو جا اور وہ (ذی روح) ہو گئے۔ مجھ کو لکھنا سکھایا، تورات وانجیل کا علم دیا۔ مجھ کو ایسا بنایا کہ میں مٹی سے پرندے کی شکل کا ڈھانچا بنا کر اس میں پھونک مار دیتا تو وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا، مجھ کو ایسا بنایا کہ میں بحکم خدا پیدائشی اندھے اور جذامی کو اچھا کر دیتا تھا۔ مردوں کو زندہ کر دیتا تھا، مجھ کو پاک کیا مجھ کو اور میری والدہ کو شیطان مردود سے پناہ دی بس ہم پر شیطان کا کوئی قابو نہیں چلتا تھا۔ (نشر الطیب)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحمید

پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی تعریف بیان کی اور فرمایا: تم سب نے اپنے رب کی تعریف بیان کی اور میں بھی اپنے رب کی تعریف کرتا ہوں۔ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھ کو رحمۃ اللعالمین۔ اور تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا، مجھ پر فرقان یعنی قرآن مجید نازل کیا جس میں ہر (دینی ضروری) بات کا بیان ہے (خواہ صاف ہو یا اشارہ سے ہو) میری امت کو بہترین امت بنایا کہ لوگوں کے نفع (دین) کے لئے پیدا کی گئی ہے اور میری امت کو انصاف کرنے والی امت بنایا۔ میری امت کو ایسا بنایا کہ وہ اول بھی ہیں (یعنی رتبہ میں) اور آخر بھی ہیں (یعنی زمانہ میں) میرے سینہ کو کشادہ بنایا اور میرا بوجھ ہلکا کیا۔ میرے ذکر کو بلند فرمایا اور مجھ کو سب کا شروع کرنے والا اور سب کا ختم کرنے والا بنایا۔ (یعنی نور میں اول اور ظہور میں آخر) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (سب سے خطاب کر کے) فرمایا: بس ان کمالات کے سبب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سے بڑھ گئے۔ (نشر الطیب)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ تحمید سے فارغ ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام انبیاء کرام سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا۔ **بھذا فضلکم محمد صلی اللہ علیہ وسلم** یعنی انہی فضائل اور کمالات کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سب سے بڑھ گئے۔

داروغہ جہنم اور دجال کو دیکھنا

ایک روایت میں آپ نے بالخصوص تین پیغمبروں کا ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام کا نماز پڑھنا اور ہر ایک کا حلیہ بیان فرمایا: اس میں یہ بھی ہے کہ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا: اے محمد! یہ مالک دارغہ دوزخ ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے ہی مجھ کو سلام کیا (کذا رواہ مسلم) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لیلۃ الاسراء میں دجال کو بھی دیکھا اور خازن جہنم کو بھی دیکھا۔ (کذا رواہ مسلم)

فطرت کو اختیار کرنا

ایک روایت میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہو کر مسجد سے باہر تشریف

لائے تو جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو برتن لائے ایک میں شراب اور دوسرے میں دودھ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں نے دودھ کو اختیار کیا جبرئیل علیہ السلام نے کہا: آپ نے فطرت (یعنی طریق دین) کو اختیار فرمایا۔ پھر آسمان پر تشریف لے گئے۔ (کذا رواہ مسلم) اوراحمد کی روایت میں ہے کہ ایک دودھ کا اور ایک شہد کا برتن آیا ہے۔ بزار کی روایت میں تین برتن آئے ہیں دودھ' پینے کی چیز اور پانی کا برتن اور شداد بن اوس کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز کے بعد مجھ کو پیاس لگی اس وقت یہ برتن حاضر کئے گئے اور جب میں نے دودھ اختیار کیا تو ایک بزرگ نے جو میرے سامنے تھے جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ تمہارے دوست نے فطرت کو اختیار کیا ہے

مختلف پیالوں کے پیش ہونے کی حکمت

روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیالے چار تھے دودھ' شہد' شراب' پانی' کسی نے دو کہے اور کسی نے تین کے ذکر پر اکتفا کیا ہے یا یہ کہ تین ہوں ایک پیالے میں پانی ہو جو مٹھاس میں شہد جیسا ہو تو کبھی اس کو شہد کہہ دیا ہو کبھی پانی کہہ دیا ہو۔ (یہاں دو باتیں ہیں' ایک شراب حرام چیز ہے تو وہ کیوں پیش کی گئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ دودھ کو اختیار کرنے اور باقی چیزوں کے رد کرنے کی کیا حکمت تھی اس کا جواب یہ ہے ہر صورت میں شراب اس وقت تک حرام نہ تھی کیونکہ شراب مدینہ میں حرام ہوئی ہے مگر سامان فرحت ضرور ہے اس لئے دنیا کے مشابہ ہے۔ یہ وجہ ہوئی شراب کو اختیار نہ کرنے کی) شہد بھی اکثر لذت کے لئے پیا جاتا ہے غذا کے لئے نہیں پیا جاتا تو یہ بھی زائد چیز ہے اور اس میں دنیاوی لذت کی طرف اشارہ ہے اور پانی بھی غذا کا مددگار ہے غذا نہیں ہے جس طرح دنیا دین کی مددگار ہے مقصود نہیں (یہ وجہ ہوئی شہد اور پانی کو اختیار نہ کرنے کی) اور دین سے خود غذائے روحانی مقصود ہے جیسا کہ دودھ سے غذائے جسمانی مقصود ہے اور غذائیں اگرچہ اور بھی ہیں مگر دودھ کو اوروں پر ترجیح اس لئے ہے کہ کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتا ہے (یہ وجہ ہوئی دودھ کے اختیار کرنے کی)

بیت المقدس میں پیش آنیوالے واقعات کی ترتیب

براق کے باندھنے کے بعد جو واقعات مذکور ہیں ان میں ترتیب اس طرح سمجھ آتی ہے

مسجد کے صحن میں پہنچ کر حوروں سے ملنا اور بات کرنا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور جبرئیل علیہ السلام کا دو رکعت نماز پڑھنا غالباً یہ تحیۃ المسجد ہے۔ اس وقت غالباً چند دوسرے انبیاء علیہم السلام پہلے سے جمع تھے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حالتوں میں دیکھا کسی کو رکوع کی حالت اور کسی کو سجدہ کی حالت میں یہ سب تحیۃ المسجد پڑھ رہے تھے۔ ان میں سے بعض کو پہچانا بھی اور معلوم ہوتا ہے کہ یہی تمام حضرات اپنی نمازوں سے فارغ ہو کر اسی تحیۃ المسجد میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدی ہو گئے ہوں گے۔

پھر بقیہ انبیاء علیہم السلام کا جمع ہونا۔

پھر اذان و تکبیر ہونا اور جماعت ہونا جس میں آپ امام تھے اور تمام انبیاء علیہم السلام اور چند فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدی تھے۔ ان میں سے بعض کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہچانتے نہ تھے۔ اسی لئے جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ تمام انبیاء جو مبعوث ہوئے ہیں انہوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ یہ کون سی نماز تھی اس کی تحقیق تیسویں واقعہ کے ذیل میں آئے گی۔ اذان و اقامت یا تو ایسی ہی ہو گی جس طرح اب ہے اور اس کا حکم مدینہ پہنچنے کے بعد ہوا ہو یا اور طرح کی ہو گی۔

پھر فرشتوں سے تعارف ہونا شاید خازن جہنم سے ملاقات بھی اسی ضمن میں ہوئی ہو جس

میں انہوں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں اور نام سن کر فرشتوں کا پوچھنا کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا تھا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان فرشتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ علم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسا ہونے والا ہے۔ اس میں مزید دو احتمال ہیں یا تو ابھی تک نبوت کے ملنے کا علم نہ ہوا ہو کیونکہ فرشتوں کے کام مختلف ہیں دوسرے کاموں کا علم ہر وقت نہیں ہوتا یا نبوت کا علم پہلے سے ہو اور پوچھنے کا مقصود یہ ہو کہ معراج کے لئے ان کے پاس حکم پہنچ چکا ہے اور اسی طرح آگے جو آسمانوں میں سوال ہوا ہے وہاں بھی یہی بات ہے۔

پھر حضرات انبیا علیہم السلام سے ملاقات ہونا۔

پھر سب حضرات کا خطبہ پڑھنا۔

پھر پیالوں کا پیش ہونا۔

اس طرح برتنوں کا سدرہ المنتہیٰ کے بعد پیش ہونا آیا ہے جیسا آگے آئے گا تو یہ پیالوں کا پیش ہونا دوبارہ ہوا (صرح بہ الحافظ عماد الدین ابن کثیر)

شاید اس میں تقویت تنبیہ و تاکید تحذیر کی مصلحت ہو۔

پھر آسمان کا سفر ہوا اور شاید یہاں پر انبیاء اور فرشتوں کا جمع ہونا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے ہوا ہو واللہ اعلم۔

مسجد اقصیٰ سے آسمانوں کا سفر

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں پر جانا ہوا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ براق پر تشریف لے گئے۔ بخاری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دل دھونے اور اس میں ایمان وحکمت بھرنے کے بعد مجھ کو براق پر سوار کیا گیا جس کا ایک قدم اس کے منتہائے نظر پر پڑتا ہے۔ مجھ کو جبرئیل لے چلے یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر بھی براق ہی پر تشریف لے گئے گو درمیان میں بیت المقدس پر بھی اترے۔ بیہقی میں حضرت ابوسعید کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پھر (بیت المقدس میں اعمال سے فارغ ہونے کے بعد بیت المقدس کی جڑ (یعنی بنیاد کی جگہ) میں میرے سامنے ایک زینہ لایا گیا جس پر انسانوں کی ارواح (موت کے بعد) چڑھتی ہیں اس زینہ سے زیادہ خوبصورت مخلوق میری نظر سے نہیں گزری تم نے (بعض) مرنے والوں کو آنکھیں پھاڑ کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ وہ اس زینہ کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔

شرف مصطفیٰ میں ہے کہ یہ زینہ جنت الفردوس سے لایا گیا۔ اس کو دائیں بائیں اوپر تلے سے فرشتے گھیرے ہوئے تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی راویت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک چاندی اور ایک سونے کا زینہ رکھا گیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور جبرئیل اس پر چڑھے۔ ابن اسحاق کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جب میں بیت المقدس کے قصہ سے فارغ ہوا تو یہ زینہ لایا گیا اور میرے رفیق راہ (جبریل) نے مجھ کو اس پر چڑھایا یہاں تک کہ میں آسمان کے دروازے تک پہنچا۔

آسمان پر چڑھنا سفر براق پر ہوا یا سیڑھی سے

گذشتہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر براق پر ہوا۔ اب اس روایت سے معلوم ہوا کہ زینہ کے ذریعے آسمان پر گئے تو (اس کا جواب یہ ہے کہ) براق اور زینہ کی روایت میں جمع اس طرح ممکن ہے کہ تھوڑا سفر براق پر کیا ہو۔ تھوڑا سفر زینے پر کیا ہو جس طرح مکرم مہمان کے سامنے کئی سواریاں پیش کی جاتی ہیں اور اس کو اختیار رہتا ہے جس پر چاہے سفر کرے خواہ تھوڑی تھوڑی مسافت سب پر سوار ہو کر ہی کیوں نہ طے کرے۔

آسمان کا دروازہ کھلنا

حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ پہلے آسمان دنیا پر پہنچے جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کا دروازہ کھلوایا۔ دربان فرشتوں کی طرف سے پوچھا گیا کون ہیں؟ کہا؟ جبرئیل ہوں۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا کہ کیا ان کے پاس پیام الٰہی (نبوت کے لئے یا آسمانوں پر بلانے کے لئے) بھیجا گیا تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ (رواہ البخاری)

بیہقی میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آسمانوں کے دروزاوں میں سے ایک دروازے پر پہنچے۔ اس کا نام باب الحفظہ ہے اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔ اس کا نام اسمٰعیل ہے اس کی ماتحتی میں بارہ ہزار فرشتے ہیں۔

دستک کا ادب

جب جبرئیل علیہ السلام سے آسمان کے دروازے پر پوچھا گیا کہ کون ہے تو جبرئیل علیہ السلام نے جواب میں اپنا نام بتایا کہ جبرئیل ہوں یوں نہیں کہا کہ ''میں'' اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح پوچھنے والے کے جواب میں ادب یہی ہے کہ نام لے کیونکہ صرف میں کہنا اکثر اوقات پہچاننے کے لئے کافی نہیں ہوتا ایک حدیث میں اس کو منع بھی فرمایا ہے۔

کیا فرشتوں کو علم نہ تھا

(کیا فرشتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر نہیں تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ) بخاری

کی ایک روایت میں بھی ہے کہ آسمان والوں کو خبر نہیں ہوتی کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا کیا کرنے کا ارادہ ہے جب تک کہ ان کو کسی ذریعہ سے اطلاع نہ دے۔ جیسے یہاں جبرئیل کی زبانی معلوم ہوا۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ فرشتوں نے یہ سن کر کہا: مرحبا آپ کا آنا مبارک ہے اور دروازہ کھول دیا گیا۔

پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں وہاں پہنچا تو حضرت آدم علیہ السلام موجود تھے جبرئیل نے فرمایا: یہ آپ کے باپ آدم ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: اچھے بیٹے اور اچھے نبی کو خوش آمدید ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آسمان دنیا میں ایک شخص کو بیٹھا دیکھا۔ جن کے دائیں اور بائیں طرف کچھ صورتیں نظر آتی ہیں۔ جب وہ دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں دیکھیں تو روتے ہیں۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: یہ آدم علیہ السلام ہیں اور یہ صورتیں دائیں اور بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ دائیں والے جنتی اور بائیں والے جہنمی ہیں۔ اس لئے دائیں طرف دیکھ کر ہنستے اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔

بزار کی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں طرف ایک دروازہ ہے جس میں سے خوشبودار ہوا آتی ہے اور بائیں طرف ایک دروازہ ہے اس میں سے بدبودار ہوا آتی ہے۔ جب دائیں طرف دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو مغموم ہوتے ہیں۔ شریک کی روایت بالا میں ہے کہ آپ نے آسمان دنیا میں نیل وفرات کو دیکھا۔ اور اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ اسی آسمان دنیا میں ایک اور نہر بھی دیکھی جس پر موتی اور زبرجد کے محل بنے ہوئے ہیں اور وہ کوثر ہے۔

اولاد پر شفقت

آدم علیہ السلام دائیں طرف دیکھ کر ہنستے تھے اور بائیں طرف دیکھ کر روتے تھے اس سے اولاد پر والد کی شفقت ثابت ہوتی ہے کہ اولاد کی خوشحالی پر خوش ہو اور بدحالی پر غمگین ہو

متعدد مقامات پر انبیاء کی موجودگی کی توجیہ

حضرت آدم علیہ السلام سے تمام انبیاء کرام کے ساتھ پہلے بھی مل چکے تھے اس طرح باقی آسمانوں میں جو انبیاء علیہم السلام کو دیکھا سب جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے (کہ سب سے بیت المقدس میں ملے اور آسمان میں بھی ملے اور سب اپنی اپنی قبروں میں بھی ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انبیاء کرام تینوں جگہ موجود ہوں؟) اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں تو اصلی جسم کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی روح نے ان کے جسم کی شکل اختیار کر لی ہو۔ یعنی غیر عنصری جسم جسے صوفیاء مثالی جسم کہتے ہیں روح نے اس جسم کی شکل اختیار کر لی ہو اور یہ جسم کئی بھی ہو گئے ہوں اور ایک ہی وقت میں روح کا سب کے ساتھ تعلق بھی ہو گیا ہو۔ لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار سے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ارادے سے ہوا ہو اور ظاہراً یہ جسم مثالی جو دونوں جگہ نظر آیا اور الگ الگ شکل رکھتا تھا۔ اسی لئے باوجود بیت المقدس میں ملاقات ہونے کے آسمان میں نہیں پہچانا البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ آسمان پر جسم کے ساتھ ہیں اس لئے ان کو وہاں دیکھنا جسم کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ لیکن ان کو بیت المقدس میں جو دیکھا وہ جسم کے ساتھ نہیں تھا بلکہ بالمثال ہے کہ روح کا تعلق مثالی جسم کے ساتھ موت سے پہلے بھی عادت کے خلاف ممکن ہے اور اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ بیت المقدس میں جسم کے ساتھ ہوں اور آسمان سے آ گئے ہوں یا دونوں جگہ جسم کے ساتھ ہوں کہ پہلے آسمان سے بیت المقدس آئے ہوں پھر یہاں سے وہاں پہنچ گئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

حضرت آدم علیہ السلام کے اردگرد کی صورتیں

حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں، بائیں جو صورتیں نظر آئیں وہ بھی ارواح کی صورتیں مثالیہ تھیں، اور بزاز کی روایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارواح اس وقت آسمانوں پر موجود نہ تھیں۔ بلکہ اپنے اپنے ٹھکانہ پر تھیں۔ اور اس ٹھکانے اور حضرت آدم علیہ السلام کی جگہ پر پرتو پڑتا ہوگا وہ ہوا جو ان روحوں کی جگہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی جگہ تک آتی تھی وہ بھی جسم ہے۔ اس میں ان صورتوں کا عکس پیدا کرنے کی خاصیت ہوگی۔

جیسے ہوا شعاعوں سے بدل کر دیکھنے کے قابل ہو جاتی ہیں (یعنی جب ہوا میں شعاعیں پڑتی ہیں تو ہوا شعاعوں کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اور شعاعوں کی شکل میں نظر آتی ہے کیونکہ اس روایت میں دروازے کا ہونا آیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دروازہ ان صورتوں کے یہاں تک پہنچنے کا ذریعہ تھا۔ واللہ اعلم۔

اس ساری تقریر پر یہ اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے قرآن کریم کی آیت **ان الذین کذبوا بایا تنا و استکبرو اعنھا لاتفتح لھم ابواب السماء** (جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی ارواح آسمان پر نہیں جا سکتیں۔ تو پھر آسمان دنیا پر یہ کافروں کی روحیں جو بائیں طرف تھیں کیسے پائی گئیں؟ (کیونکہ وہ آسمان میں نہیں بلکہ ان کا عکس وہاں پڑ رہا تھا)

نیل وفرات اور حوض کوثر کو دیکھنا

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیل اور فرات کو سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں دیکھا ہے۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ نیل اور فرات تو زمین میں ہیں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھنے کا کیا مطلب ہے۔ اس کا جواب سدرۃ المنتہیٰ کے بیان میں دیا جائے گا۔ یہاں صرف روایات کو جمع کرنے کی وجہ سمجھ لی جائے وہ یہ ہے کہ نیل وفرات کا اصل سرچشمہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ ہے اور پانی وہاں سے نکل کر آسمان دنیا پر جمع ہوتا ہے اور وہاں سے زمین میں آتا جیسا کہ دوسری احادیث سے حوض کوثر کا جنت میں ہونا ظاہر ہے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ کوثر جب جنت میں ہے تو آسمان میں کیسے دیکھا اس کا جواب بھی یہی ہے کہ اصل حوض کوثر وہاں ہے اور یہاں اس کی شاخ ہے جیسا کہ ایک شاخ میدان قیامت میں ہوگی۔

دوسرے آسمان میں حضرت یحییٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات

بخاری کی حدیث میں ہے کہ پھر مجھ کو جبرئیل آگے لے کر چڑھے یہاں تک کہ دوسرے آسمان تک پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ کہا جبریل ہوں۔ پوچھا گیا

تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں: پوچھا گیا کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ جبرائیل نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا: خوش آمدید آپ نے بہت اچھا کیا جو تشریف لائے اور دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں (وہاں) پہنچا تو حضرت یحیٰ (علیہ السلام) اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) موجود تھے اور وہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ یحیٰ وعیسیٰ ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا۔ ان دونوں نے جواب دیا۔ پھر کہا: صالح بھائی اور صالح نبی کو خوش آمدید ہو۔

حضرت یحیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رشتہ داری

حضرت یحیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خالہ کے نواسے ہیں۔ چونکہ نانی بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے اس لئے عیسیٰ علیہ السلام کی نانی کو بمنزلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے فرمایا اور اگر یہ حقیقت میں عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہوتیں تو یحیٰ علیہ السلام وعیسیٰ علیہ السلام خالہ زاد بھائی ہوتے اس لئے مجازاً ان کو خالہ زاد فرمایا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یحیٰ علیہ السلام کی خالہ کی اولاد میں سے ہیں اگرچہ بیٹے نہیں مگر نواسے ہیں۔ اور ان دونوں نے بھائی اس لئے کہا کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ دادا میں سے نہیں ہیں۔

تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات

بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل علیہ السلام تیسرے آسمان کی طرف لے کر چڑھے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا: خوش آمدید آپ نے بہت اچھا کیا جو تشریف لائے۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں (وہاں) پہنچا تو حضرت یوسف (علیہ السلام وہاں) موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہ یوسف ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور کہا اچھے بھائی اور اچھے نبی کے لئے خوش آمدید ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے دیکھا کہ یوسف (علیہ السلام) کو حسن کا ایک بڑا حصہ عطا کیا گیا ہے۔ (کذا فی المشکوٰۃ عن مسلم)

ایک روایت میں یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے: (میں نے) ایک ایسے شخص کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ حسین ہے اور لوگوں پر حسن میں ایسی فضیلت رکھتا ہے جیسے چودھویں رات کا چاند تمام ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے۔

(بیہقی عن ابی سعید وطبرانی عن ابی ہریرہ)

حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن

ان روایات سے معلوم ہو رہا ہے کہ یوسف علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین تھے۔ اس کے دو جواب ہیں پہلا جواب: حضرت یوسف علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام انسانیت میں خوبصورت ہیں۔ روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ مراد ہے۔

جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خوبصورت اور خوش آواز بنا کر بھیجا لیکن تمہارے نبی سب سے زیادہ خوبصورت اور خوش آواز ہیں۔ (ترمذی عن انس)

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف صرف ایک چیز یعنی حسن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہوں لیکن باقی تمام چیزوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بڑھے ہوئے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں یا یوں کہا جائے کہ حسن کی مختلف قسمیں ہوں۔ ایک قسم میں حضرت یوسف علیہ السلام زیادہ حسین ہوں۔ اور ایک قسم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ حسین ہوں

ان دونوں قسموں میں افضیلت ایسی ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن ظاہری طور پر بہت زیادہ ہو۔ اور ایک حد تک ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن معنوی طور پر بہت لطیف اور نازک ہو اور اس حسن کی کوئی حد نہ ہو۔ پہلی قسم کا نام حسن صباحت (یعنی گورے پن کی وجہ سے حسن ہے) دوسری قسم کا نام حسن ملاحت (یعنی چہرے پر نمکینی ہونے کی وجہ سے بہت بہت کشش ہو) ہے۔

چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات

بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل آگے لے کر چلے یہاں تک کہ چوتھے آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں؟

انہوں نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ جبریل علیہ السلام نے کہا ہاں۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا: خوش آمدید آپ نے بہت اچھا کیا جو تشریف لائے۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت ادریس (علیہ السلام وہاں) موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ ادریس (علیہ السلام) ہیں ان کو سلام کیجئے' میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا پھر کہا: اچھے بھائی اور اچھے نبی کو خوش آمدید ہو۔

پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات

بخاری میں ہے کہ جبریل علیہ السلام پھر مجھ کو لے کر آگے چلے یہاں تک کہ پانچویں آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا کون ہے؟ کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا: کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ کہا: ہاں۔ وہاں سے کہا گیا خوش آمدید آپ نے بہت اچھا کیا جو تشریف لائے۔ جب میں وہاں پہنچا تو ہارون (علیہ السلام وہاں) موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ ہارون (علیہ السلام) ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا انہوں نے جواب دیا پھر کہا: اچھے بھائی اور اچھے نبی کو خوش آمدید ہو۔ اچھے بھائی اچھے نبی کو خوش آمدید ہو۔

چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات

آپؐ نے فرمایا پھر مجھ کو جبریل علیہ السلام آگے لے کر چلے یہاں تک کہ چھٹے آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: اور تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا: کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ کہا: ہاں کہا گیا: خوش آمدید آپ نے بہت اچھا کیا جو تشریف لائے۔ جب میں وہاں پہنچا تو موسیٰ (علیہ السلام وہاں) موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ موسیٰ (علیہ السلام) ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا پھر کہا: اچھے بھائی اور اچھے نبی کو خوش آمدید ہو۔ پھر جب میں آگے بڑھا تو وہ روئے۔ ان سے پوچھا گیا آپ کے رونے کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے فرمایا: میں اس لئے رو رہا ہوں کہ ایک نوجوان پیغمبر

میرے بعد بھیجے گئے جن کی امت کے جنت میں داخل ہونے والے میری امت کے جنت میں داخل ہونیوالوں سے بہت زیادہ ہوں گے۔ تو مجھ کو اپنی امت پر حسرت ہے کہ انہوں نے میری ایسی اطاعت نہ کی جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت آپکی اتباع کریگی اور اس لئے میری امت کے ایسے لوگ جنت سے محروم رہے تو انکے حال پر رونا آتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ کہہ کر روئے کہ ان کی امت کے لوگ جنت میں میری امت کے لوگوں سے زیادہ جائیں گے چونکہ یہ رونا اپنی امت پر غم وحسرت اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت تابعین پر غبطہ (رشک) کے طور پر تھا اس سے ثابت ہوا کہ آخرت کے امور میں غبطہ پسندیدہ ہے۔ غبطہ کہتے ہیں کہ دوسرے کی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ میرے پاس بھی یہ نعمت ہوتی اور دوسرے کے پاس سے یہ نعمت چلے جانے کی تمنا نہ کرے ورنہ یہ حسد ہے اور حرام ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نوجوان کہنا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نوجوان فرمانا اس اعتبار سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے تھوڑی ہی مدت میں اس وقت تک کہ آپ بڑھاپے تک بھی نہ پہنچیں گے اتنی کثرت سے ہو جائینگے کہ اوروں کے بڑھاپے تک بھی اتنے ماننے والے نہیں ہوئے دوسری وجہ یہ ہے کہ آپکی کل عمر ۶۳ سال کی ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام کی عمر ڈیڑھ سو سال کی ہوئی۔

ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات

بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل آگے لے کر ساتویں آسمان کی طرف چلے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا گیا کیا اُن کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا کہا ہاں کہا: خوش آمدید آپ نے بہت اچھا کیا جو تشریف لائے۔ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام (وہاں) موجود تھے جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ کے جد امجد ابراہیم (علیہ السلام)

ہیں۔ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا۔انہوں نے جواب دیا اور فرمایا اچھے بیٹے اور اچھے نبی کو خوش آمدید ہو۔ایک روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی کمر بیت المعمور سے لگائے بیٹھے تھے۔اور بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جن کی باری دوبارہ نہیں آتی۔(یعنی اگلے روز اور نئے ستر ہزار داخل ہوتے ہیں)

بیت المعمور میں داخلہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کیساتھ نماز

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب مجھ کو ساتویں آسمان پر چڑھایا گیا تو ابراہیم علیہ السلام موجود تھے۔ بہت حسین تھے اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ لوگ موجود تھے اور میری امت بھی وہاں موجود تھی اور وہ دو قسم کی ہے۔ایک قسم سفید کپڑے والی ہے اور دوسری میلے کپڑے والی ہے۔ میں بیت المعمور میں داخل ہوا۔تو سفید کپڑے والے بھی میرے ساتھ داخل ہو گئے اور میلے کپڑے والے روک دیئے گئے۔ میں نے اور میرے ساتھ والوں نے وہاں نماز پڑھی۔

فائدہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المعمور میں نماز پڑھی جو ساتویں آسمان سے اونچا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ساتویں آسمان پر پڑھی اس سے معلوم ہوا کہ دونوں الگ الگ جگہ میں تھے دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ نماز کس طرح پڑھی اس کی آسان صورت یہ ہے کہ نماز بیت المعمور کے نچلے حصے میں پڑھی ہوگی جو ساتویں آسمان پر ہے جس طرح اکثر مساجد میں نماز مسجد کے نچلے حصے میں ہوتی ہے اس کی تائید ایک حدیث میں جو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آسمان میں خانہ کعبہ کے بالکل اوپر ایک مسجد ہے کہ اگر وہ بالفرض گرے تو بالکل کعبہ کے اوپر گرے۔اس میں ستر ہزار فرشتے روزانہ داخل ہوتے ہیں اور جب وہ نکلتے ہیں تو دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔

بعض روایات میں انبیاء علیہم السلام کی منازل کی ترتیب دوسری طرح بھی آئی ہے۔مگر صحیح ترین یہی ہے جو مذکور ہوئی۔ واللہ اعلم۔

سدرۃ المنتہیٰ میں پہنچنا اور وہاں کی نہریں

بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیا گیا۔ اس کے بیر اتنے بڑے بڑے تھے جیسے ہجر کے مٹکے (ہجر ایک جگہ کا نام ہے) اور اس کے پتے ایسے تھے جیسے ہاتھی کے کان ہوں (یعنی اتنے بڑے تھے)۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ وہاں چار نہریں تھیں۔ دو اندر جا رہی ہیں اور دو باہر آ رہی ہیں۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے باہر آنے والی دو نہروں کے بارے میں پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: جو نہریں اندر جا رہی ہیں یہ جنت میں دو نہریں ہیں۔ جو باہر جا رہی ہیں یہ نیل وفرات ہیں۔

پھر میرے پاس ایک برتن شراب کا دوسرا دودھ کا اور تیسرا شہد کا لایا گیا۔ میں نے دودھ کو اختیار کیا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ فطرت (یعنی دین) ہے۔ جس پر آپ اور آپ کی امت قائم رہے گی۔

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں یہ چار نہریں ہیں اور مسلم میں ہے کہ اس کی جڑ سے یہ چار نہریں نکلتی ہیں اور ابن ابی حاتم نے حضرت انس رضی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے دیکھنے کے بعد مجھ کو ساتویں آسمان کے اوپر کی سطح پر لے گئے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نہر پر پہنچے جس پر یاقوت اور موتی اور زبرجد کے پیالے رکھے تھے اور اس پر سبز لطیف پرندے بھی تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو دی ہے۔ اس کے اندر سونے اور چاندی کے برتن تھے اور وہ یاقوت اور زمرد کے پتھروں پر چلتی ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے۔ میں نے ایک برتن لیکر اس میں سے کچھ پیا تو وہ شہد سے زیادہ شیریں اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔

سلسبیل کا چشمہ

بیہقی کی حدیث میں حضرت ابو سعید کی روایت سے ہے کہ وہاں ایک چشمہ تھا جس کا نام سلسبیل تھا اور اس سے دو نہریں نکلتی تھیں، ایک کوثر اور دوسری نہر رحمت۔

سدرۃ المنتہیٰ پر اعمال واحکام کا پہنچنا

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا وہ چھٹے آسمان میں ہے۔ زمین سے جو اعمال اوپر جاتے ہیں وہ اس تک پہنچتے ہیں اور وہاں سے اوپر اٹھا لئے جاتے ہیں اور جو احکام اوپر سے آتے ہیں وہ پہلے اسی پر اترتے ہیں اور وہاں سے نیچے (عالم دنیا) میں لائے جاتے ہیں۔ اور (اسی لئے اس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے)

سدرۃ المنتہیٰ پر فرشتے:

بخاری میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کو ایسی رنگتوں نے چھپالیا کہ معلوم نہیں وہ کیا چیز ہے اور مسلم میں ہے کہ وہ سونے کے پروانے تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ وہ سونے کی ٹڈیاں تھیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اس کو فرشتوں نے چھپالیا اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جب خدا کے حکم سے اس کو ایک عجیب چیز نے چھپالیا تو اس کی صورت بدل گئی، مخلوق میں کوئی شخص اس کی صفت بیان نہیں کرسکتا۔ ایک روایت میں سدرۃ المنتہیٰ کے دیکھنے اور برتنوں کے پیش کئے جانے کے درمیان میں یہ بھی ہے کہ پھر میرے سامنے بیت المعمور بلند کیا گیا۔ (کذارواہ مسلم) ایک روایت میں سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھنے کے بعد یہ بھی ہے کہ پھر میں جنت میں داخل کیا گیا تو اس میں موتیوں کے گنبد تھے اور اس کی مٹی مشک کی ہے۔

فائدہ: سدرۃ المنتہیٰ کے رنگوں کو پروانے اور ٹڈیاں کہنا تشبیہ کے لئے ہے ورنہ وہ فرشتے تھے (یعنی فرشتے پروانے اور ٹڈیاں لگتے تھے) حتیٰ کہ وہ اتنے حسین تھے کہ ان کے حسن کو کس طرح بیان کیا جائے معلوم نہیں۔ (یعنی اس کے لئے الفاظ سمجھ نہیں آتے)

سدرۃ المنتہیٰ کہاں ہے

احادیث سے سدرۃ المنتہیٰ کا ساتویں آسمان پر ہونا معلوم ہوتا ہے اور چھٹے آسمان میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ممکن ہو کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان میں ہو اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ چار نہریں چھٹے آسمان میں ہوں جیسا کہ روایت میں ہے کہ یہ نہریں سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ

سے نکلتی ہیں اصل یہ ہے کہ جب چھٹے آسمان سے گزر کر ساتویں میں سے گزرتا ہوا آگے پہنچا تو یہ ساتویں آسمان سے گزرنا سدرۃ المنتہیٰ کے لئے جڑ کی طرح ہے جو ساتویں آسمان میں ہے تو وہ نہریں اس دوسری جڑ (جو ساتویں آسمان میں ہے) سے نکلیں اور یہ نہریں جو اندر کو جارہی تھیں یہ کوثر اور نہر رحمت معلوم ہوتی ہیں کہ وہ دونوں سلسبیل کی شاخیں ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ سلسبیل اور اس کا وہ حصہ جہاں سے کوثر اور نہر رحمت اس سے نکلی ہو یہ سب سدرۃ کی دوسری جڑ میں ہوں۔ اور ابن ابی حاتم کی روایت بالا سے کوثر کا ظاہر میں جنت سے باہر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ غالباً جنت سے باہر وہ حصہ ہے جو سدرۃ کی جڑ میں ہے باقی اس کا زیادہ حصہ جنت میں ہے جیسا کہ دوسری حدیثوں میں اس کا جنت میں ہونا آیا ہے۔ نیل وفرات کا آسمان پر ہونا اس طرح ممکن ہے کہ ان کا پانی آسمان سے آتا ہو کیونکہ بارش ہونے کے بعد بارش کا پانی پتھر میں جذب ہو جاتا ہے پھر پتھر سے جاری ہو جاتا ہے تو نیل وفرات کا چلنا بھی ایسا ہی ہوتا ہے کیونکہ بارش تو آسمان سے ہوتی ہے تو جو حصہ نیل وفرات ہے وہ بارش کے ذریعہ آسمان سے آتا ہے اس طرح نیل وفرات کی اصل آسمان میں ہوئی۔

بیت المعمور کہاں ہے

مسلم کی جو روایت بیت المعمور کے متعلق ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المعمور سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ مقام ابراہیم علیہ السلام سے اونچا ہے ان دونوں باتوں سے معلوم ہوا کہ سب سے اوپر بیت المعمور پھر سدرۃ المنتہیٰ پھر مقام ابراہیم علیہ السلام تو جب مقام ابراہیم سب سے نیچے ہے تو ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے ٹیک لگا کر کیسے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی آسان صورت یہ ہے کہ بیت المعمور کی بنیاد تو ساتویں آسمان پر ہو اس کی اونچائی سدرۃ المنتہیٰ سے بھی اونچی ہو جو ساتویں آسمان سے بھی اونچی ہے اور ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور کے نچلے حصے سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے تو اب ترتیب یوں ہوئی کہ سب سے اونچا بیت المعمور اس کے بعد سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور کے نچلے حصے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں اب تمام صورتوں میں مناسبت ہوگی۔

جنت و جہنم کا مشاہدہ

جنت کیونکہ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہے جیسا کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔
عند سدرة المنتهىٰ عندها جنة الماوىٰ اس لئے ابوسعید خدری کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت معمور میں نماز پڑھنے کے بعد سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کئے گئے اور سدرۃ المنتہیٰ کے بعد جنت کی طرف بلند کئے گئے اور جنت کی سیر کے بعد آپؐ پر جہنم پیش کی گئی یعنی آپ کو دکھلائی گئی۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

بیہقی کی حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ جنت کی سیر کے بعد دوزخ کو میرے سامنے کیا گیا تو اس میں اللہ کا غضب و عذاب اور انتقام تھا۔ اگر اس میں پتھر اور لوہا بھی ڈال دیا جائے تو اس کو بھی کھالے پھر وہ بند کر دیا گیا۔ اس روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ تو اپنی جگہ پر رہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ رہے۔ درمیان سے حجاب اٹھا کر دوزخ آپ کو دکھا دیا گیا۔

پچاس نمازوں کا فرض ہونا

بخاری میں بیت المعمور اور دودھ وغیرہ کے برتنوں کے پیش کئے جانے کے بعد روایت ہے پھر مجھ پر دن میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ ایک روایت میں ابراہیم علیہ السلام سے ملنے کے بعد ہے کہ پھر مجھ کو اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ میں ایک ہموار میدان میں پہنچا جہاں میں نے قلموں کی آواز (جو لکھنے کے وقت آواز پیدا ہوتی ہے) سنی۔ مجھ پر اللہ نے پچاس نمازیں فرض کیں۔ (کذا فی المشکوٰۃ عن الشیخین بخاری و مسلم)

پہلی روایت سے بیت المعمور کی سیر کے کچھ دیر بعد نماز کا فرض ہونا معلوم ہوتا ہے اور دوسری روایت سے میدان میں پہنچنے کے فوراً بعد نماز کا فرض ہونا معلوم ہوتا ہے۔ دونوں روایتوں میں یہ ترتیب سمجھ میں آتی ہے کہ بیت المعمور کے پیش ہونے کے بعد میدان میں پہنچے ہوں گے پھر اس میدان میں پہنچنے کے بعد نمازیں فرض ہوئی ہوں گی۔ واللہ اعلم۔

صریف الاقلام کے مقام پر پہنچنا

بعد ازاں پھر آپ کو عروج ہوا اور ایسے بلند مقام پر پہنچے کہ جہاں صریف الاقلام کو سنتے

تھے۔ لکھنے کے وقت قلم کی جو آواز پیدا ہوتی ہے اس کو صریف الاقلام کہتے ہیں اس مقام پر قضاء وقدر کے قلم مشغول کتابت تھے۔ ملائکۃ اللہ امور الٰہیہ کی کتابت اور احکام خداوندی کو لوح محفوظ سے نقل کر رہے تھے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

صریف الاقلام کیا اور کہاں ہے

احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام صریف الاقلام سدرۃ المنتہیٰ کے بعد ہے اس لئے کہ احادیث میں مقام صریف الاقلام کا عروج سدرۃ المنتہیٰ کے بعد لفظ ثم سے ذکر کیا گیا ہے۔ نیز سدرۃ المنتہیٰ کو اس لئے سدرۃ المنتہیٰ کہتے ہیں کہ اوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں ان کا منتہی یہی مقام ہے معلوم ہوا کہ سدرۃ المنتہیٰ کے اوپر کوئی اور مقام ہے کہ جہاں سے تدابیر عالم کے متعلق احکام تکوینیہ کا نزول ہوتا ہے وہ یہی مقام صریف الاقلام ہے گویا کہ مقام صریف الاقلام تدابیر الٰہی وتقاریر خداوندی کا بلاتشبیہ وتمثیل مرکزی دفتر اور صدر مقام ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ اور جنت اور جہنم کے بعد حضورؐ کو اس مقام کا معائنہ کرایا گیا۔ نیز روایات حدیث میں نمازوں کی فرضیت اور مکالمہ خداوندی کا ذکر صریف الاقلام کے بعد آیا ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ مقام صریف الاقلام سدرۃ المنتہیٰ کے بعد ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

حجابات کا طے کرانا

مقام صریف الاقلام سے چل کر حجابات طے کرتے ہوئے بارگاہ قدس میں پہنچے کہا جاتا ہے کہ آپ کی سواری کے لئے ایک رفرف (یعنی ایک سبز مخملی مسند) آئی اس پر سوار ہوئے اور بارگاہ دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ میں پہنچے۔

جبریل کا رُک جانا

بخاری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معراج کے متعلق ایک حدیث ذکر کی ہے اس میں جبریل علیہ السلام کا براق پر چلنا ذکر کیا ہے۔ یہاں تک کہ حجاب تک پہنچے اور اس میں یہ

بھی ہے کہ ایک فرشتہ حجاب میں سے نکلا تو جبریل علیہ السلام نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دین دے کر بھیجا ہے "جب سے میں پیدا ہوا ہوں میں نے اس فرشتہ کو نہیں دیکھا۔ حالانکہ میں مخلوق میں رہنے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہوں۔" دوسری حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام مجھ سے جدا ہو گئے اور مجھے تمام آوازیں آنی بند ہو گئیں۔ (کذافی شرح النووی مسلم)

شفاء الصدور میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبریل آئے اور میرے رب کی طرف چلنے کے سفر میں میرے ساتھ رہے یہاں تک کہ ایک مقام تک پہنچ کر رک گئے۔ میں نے کہا: جبریل! کیا ایسے مقام میں کوئی دوست اپنے دوست کو چھوڑتا ہے۔ انہوں نے کہا: اگر میں اس مقام سے آگے بڑھوں گا تو نور سے جل جاؤں گا۔

ٹھہریئے آپ کا رب صلوٰۃ میں مشغول ہے

اور اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ پھر مجھ کو ستر ہزار حجاب طے کرائے گئے کہ ان میں ایک حجاب دوسرے حجاب جیسا نہ تھا۔ مجھے تمام انسانوں اور فرشتوں کی آہٹ آنی بند ہوگئی اس وقت مجھ کو وحشت ہوئی اسی وقت ایک پکارنے والے نے مجھ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لہجہ میں پکارا: رک جایئے' آپ کا رب صلوٰۃ میں مشغول ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ میں نے عرض کیا: مجھ کو ان دو باتوں سے تعجب ہوا ایک تو یہ کہ کیا ابوبکر مجھ سے آگے بڑھ آئے اور دوسرے یہ کہ میرا رب صلوٰۃ سے بے نیاز نہیں ہے۔ ارشاد ہوا: اے محمد! یہ آیت پڑھو **هو الذی یصلی علیکم وملئکته لیخرجکم من الظلمات الی النور وکان بالمؤمنین رحیما** "وہ ایسا (رحیم ہے کہ وہ (خود) اور اس کے فرشتے (بھی) تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ (اس رحمت کی برکت سے) تم کو (جہالت وگمراہی کی) تاریکیوں سے (علم اور ہدایت کے) نور کی طرف لے آئے۔" میری صلوٰۃ سے مراد آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے رحمت ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آواز کا قصہ یہ ہے کہ ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی

صورت کا ایک فرشتہ پیدا کیا جو آپ کو ان کے لہجے میں پکارے تا کہ آپ کی وحشت دور ہو اور آپ کو ایسی ہیبت نہ ہو جس سے آپ اصل بات نہ سمجھ سکیں۔

ٹھہرنے کے حکم کی حکمت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رحمت الٰہیہ کی توجہ کے لئے ٹھہرنے کا حکم ہوا اس کا مطلب یہ نہیں کہ نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آگے بڑھنا اللہ تعالیٰ کو توجہ رحمت سے روکنے والا ہو گا۔ جس طرح مخلوق کے لئے ایک کام میں مشغول ہونا دوسرے کام میں مشغول ہونے سے روکنے والا ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت خاص رحمت فرما رہے ہیں اس لئے کہ آپ چلنے کو روک دیجئے اور اس میں مشغول ہو جایئے کیونکہ چلنے میں مشغول ہونا اس رحمت کو مکمل یکسوئی سے حاصل کرنے سے روکنے والا ہو گا۔ واللہ اعلم۔

عرش الٰہی تک رسائی

حضورؐ پر نور۔ جب مقام دنا فتدلی اور حریم قرب میں پہنچے تو بارگاہ بے نیاز میں سجدۂ نیاز بجالائے اور نور السمٰوات و الارض کے جمال بے مثال کو حجاب کبریائی کے پیچھے سے دیکھا اور بلا واسطہ کلام خداوندی اور وحی ایزدی سے مشرف اور سرفراز ہوئے۔ فا وحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ

شفاء الصدور کی ایک روایت میں ہے کہ حجابات کے طے کرنے کے بعد ایک رفرف یعنی سبز مسند میرے لئے اتاری گئی اور مجھے اس پر بیٹھایا گیا پھر مجھ کو اوپر اٹھایا گیا یہاں تک کہ میں عرش تک پہنچا وہاں میں نے ایسی بڑی بات دیکھی کہ زبان تو بیان نہیں کرسکتی۔

بزار کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں پر چڑھنا بھی براق پر ہی ہوا ہے۔ واللہ اعلم

قرب تدلی اور دیدار الٰہی

ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا اور عبدالرزاق نے روایت کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا

ہے اور ابن خزیمہ نے عروہ بن زبیر سے دیکھنے کو ثابت کیا کعب احبارؒ اور زہریؒ اور معمرؒ سب اس کا یقین رکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے قول نقل کیا ہے کہ کیا تم تعجب کرتے ہو کہ خلت (دوستی) حضرت ابراہیم کے لئے ہو اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے۔ اور رویت (دیکھنا) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہو (نسائی عن ابن عباس صححہ الحاکم) طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے ایک مرتبہ نگاہ سے اور ایک مرتبہ دل سے دیکھا ہے۔

امام طبرانی اور حکیم ترمذی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے نور اعظم یعنی نور الٰہی کو دیکھا پھر اللہ نے میری طرف وحی بھیجی جو چاہی یعنی مجھ سے بلاواسطہ کلام فرمایا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے دنافتدلّٰی اور فاوحیٰ الیٰ عبده مااوحیٰ کی تفسیر بھی ہو جاتی ہے کہ آیت میں دنو اور تدلی سے حق جل شانہ کا ایسا قرب خاص اور تام مراد ہے کہ جس کے ساتھ دیدار پرانوار اور مسرت التیام بھی ہو اور فاوحیٰ الیٰ عبده مااوحیٰ سے بلاواسطہ مکالمہ خداوندی اور بلاواسطہ کلام اور وحی مراد ہے۔ اس لئے کہ دیدار کے بعد بالواسطہ کلام کے کیا معنی۔ دیدار بلاواسطہ کے بعد کلام بلاواسطہ ہی کا ذکر مناسب اور موزوں ہے۔

شرف ہمکلامی

صحاح میں کلام ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ سے یہ باتیں ہوئیں۔

۱:۔ پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔

۲:۔ خواتیم سورۃ بقرہ (یعنی سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں) عنایت ہوئیں۔

۳:۔ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اس کے گناہ معاف کئے گئے۔ (کذا رواہ مسلم)

۴:۔ یہ بھی وعدہ ہوا کہ جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اس کو نہ کرے تو ایک نیکی لکھی

جائے گی اور اگر اس کو کرلیا تو (کم از کم) دس گنا کر کے لکھی جائے گی اور جو شخص بدی کا ارادہ کرے اور پھر اس کو نہ کر سکے تو وہ بالکل نہ لکھی جائے گی اور اگر اس کو کر لے تو ایک ہی بدی لکھی جائے گی۔ (کذا رواہ مسلم)

خصوصی اعزازات

بیہقی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باری تعالیٰ کی خدمت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت (خاص دوستی) اور ملک عظیم' موسیٰ علیہ لسلام سے ہم کلامی' داؤد علیہ السلام کا ملک عظیم' لوہے کا نرم ہونا اور پہاڑوں کا مسخر ہونا' سلیمان علیہ السلام کا ملک عظیم' انس و جن و شیاطین و ہوا کا مسخر ہونا اور بے نظیر ملک دیا جانا اور عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل و توراۃ اور مردوں کو زندہ کرنا عطا ہونا' ان کا اور ان کی والدہ کا شیطان سے پناہ دیا جانا عرض کیا۔ (تو) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے تم کو حبیب بنایا' سب لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا شرح صدر کیا (آپ کے) بوجھ کو ہٹایا اور (آپ کے) ذکر کو بلند کیا کہ جب میرا ذکر ہوتا ہے تو تمہارا ذکر بھی ہوتا ہے۔ تمہاری امت کو خیر امت اور امت عادلہ بنایا۔ اول بھی بنایا اور آخر بھی بنایا۔ ان کا کوئی خطبہ جب تک درست نہیں جب تک کہ وہ آپ کے عبد (بندہ) اور رسول ہونے کی گواہی نہ دیں' تم کو پیدائش (عالم نور) میں سب سے اول اور نبی بنا کر بھیجنے میں سب سے آخر قیامت کے روز فیصلہ میں سب سے مقدم بنایا۔ میں نے تم کو سبع مثانی (سورۃ فاتحہ) اور خواتیم سورۃ بقرہ (سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں) دوسرے انبیاء کو شریک کئے بغیر' کوثر' اسلام' ہجرت' جہاد' نماز' صدقہ' رمضان کے روزے اور **امر بالمعروف ونہی عن المنکر** عطا فرمائے۔ تم کو فاتح اور خاتم بنایا۔

نمازوں کی تعداد کا تقرر

بخاری میں بیت المعمور کی سیر اور شراب' دودھ اور شہد کے برتن پیش ہونے کے بعد ہے:

پھر مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ میں واپس لوٹا' واپسی میں میرا گزر موسیٰ علیہ السلام پر ہوا۔ تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کو کیا حکم ہوا؟ میں نے کہا: دن رات میں پچاس نماؤں کا حکم ہوا۔ انہوں نے فرمایا: آپ کی امت سے دن رات میں پچاس نمازیں ہرگز نہ پڑھی جائیں گی۔ واللہ! میں آپ سے پہلے لوگوں کو تجربہ کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کو خوب بھگت چکا ہوں۔ اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور اپنی امت کیلئے آسانی کی درخواست کیجئے۔ میں واپس گیا تو اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ انہوں نے پھر اسی طرح کہا۔ میں پھر لوٹا تو دس اور کم کر دیں میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ انہوں نے پھر اسی طرح کہا میں پھر لوٹا تو مجھ کو دن میں دس نمازوں کا حکم ہوا۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ انہوں نے پھر اسی طرح کہا۔ میں پھر لوٹا۔ اب دن میں پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ کی امت (یعنی ساری امت) ہر دن پانچ نمازیں بھی نہ پڑھ سکے گی اور میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کو بھگت چکا ہوں پھر اپنے رب کے پاس جایئے اور اپنے لئے اور آسانی مانگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے بہت درخواست کی یہاں تک کہ میں شرما گیا (اگر چہ پھر بھی عرض کرنا ممکن تھا) لیکن اب میں اسی پانچ نمازوں پر راضی ہوتا ہوں۔ اور تسلیم کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جب میں وہاں سے آگے بڑھا تو ایک پکارنے والے نے (حق تعالیٰ کی جانب سے) پکارا: میں نے اپنا فرض جاری کر دیا اور اپنے بندوں کے لئے آسانی کر دی۔

مسلم کی روایت میں پانچ نمازوں کا حکم ہونا آ رہا ہے۔ اور اس کے آخر میں ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دن اور رات میں یہ پانچ نمازیں ہیں اور ہر نماز دس کے برابر ہے تو پچاس ہی ہو گئیں (یعنی ثواب پچاس نمازوں کا ملے گا) اور نسائی میں ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: میں نے جس دن آسمان زمین پیدا کیا تھا (اسی دن) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپکی امت پر پچاس نمازیں فرض کی تھیں تو آپ اور آپ کی امت اس کی پابندی کیجئے۔ اس

حدیث میں موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے ''بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض ہوئی تھیں مگر ان سے (وہ بھی) نہ ہوسکیں اور اس کے آخر میں یہ ہے کہ یہ پانچ نمازیں پچاس کے برابر ہیں تو آپ اور آپ کی امت اس کی پابندی کریں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکی بات ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ پھر جایئے (اور آسانی کرایئے) مگر میں نہیں گیا۔ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ جب کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں تو ارشاد ہوا: یہ پانچ ہیں اور ثواب میں پچاس کے برابر ہیں۔ میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی (یعنی پچاس کا اجر مقدر تھا اس میں تبدیلی اور کمی نہیں ہوئی اور پچاس نمازوں کا بدلنا ہی مقدر تھا اس لئے اس میں تبدیلی نہیں ہوئی۔

تین خصوصی عطیات

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حق جل شانہ نے آپ کو اس وقت تین عطیے مرحمت فرمائے (۱) پانچ نمازیں (۲) اور خواتیم سورۃ بقرہ یعنی سورۂ بقرہ کی آخری آیتوں کا مضمون عطا کیا گیا جن میں اس امت پر حق تعالیٰ کی کمال رحمت اور لطف و عنایت اور تخفیف اور سہولت، عفو اور مغفرت اور کافرین کے مقابلہ میں فتح اور نصرت کا مضمون ہے جس کی برنگ دعاء اس امت کو تعلیم و تلقین کی گئی ہے اشارہ اس طرف ہے کہ سورۂ بقرہ کے اخیر میں جو دعائیں تم کو تلقین کی گئی ہیں وہ ہم سے مانگو ہم تمہاری یہ تمام دعائیں اور درخواستیں قبول کرینگے۔

تیسرا عطیہ آپ کو یہ عطا کیا گیا کہ جو شخص آپ کی امت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانے اللہ تعالیٰ اس کے کبائر سے درگزر فرمائے گا۔ یعنی گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافروں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہ ڈالے گا۔ کسی کو انبیاء کرام کی شفاعت سے معاف کرے گا اور کسی کو ملائکہ مکرمین کی شفاعت سے اور کسی کو اپنی خاص رحمت اور عنایت سے جس کے قلب میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا بالآخر وہ بھی جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

واپسی

کافروں کا انکار و تعجب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تمام احکام وہدایات لے کر بصد ہزار مسرت واپس ہوئے۔

اس طرح سے آسمانوں سے واپسی ہوئی اور اولا بیت المقدس میں آکر اترے اور وہاں سے براق پر سوار ہو کر صبح سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچے صبح کے بعد آپ نے یہ واقعہ قریش کے سامنے بیان کیا سن کر حیران ہو گئے کسی نے تعجب سے سر پر ہاتھ رکھ لیا اور کسی نے تالیاں بجائیں اور از راہ تعجب یہ کہنے لگے کہ ایک ہی رات میں بیت المقدس جا کر واپس آ گئے۔

کافروں کا واقعہ کی سچائی کی نشانیاں طلب کرنا

محمد بن اسحاق ام ہانی بنت ابی طالب سے معراج نبوی کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں سوئے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی پھر سو گئے اور ہم بھی سو گئے۔ جب فجر سے پہلے کا وقت ہوا تو ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جگایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھ چکے اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو فرمایا: ام ہانی! میں نے تم لوگوں کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی جیسا کہ تم نے دیکھا تھا پھر میں بیت المقدس پہنچا اور اس میں نماز پڑھی پھر اب صبح کی نماز میں نے تمہارے ساتھ پڑھی جیسا کہ تم (لوگ) دیکھ رہے ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر جانے کے لئے اٹھے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کا کندہ پکڑ لیا اور عرض کیا! یا نبی اللہ آپ لوگوں سے یہ قصہ نہ بیان کیجئے کہ وہ آپ کو جھٹلائیں گے اور ایذاء دینگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واللہ! میں ان سے اس قصہ کو ضرور بیان کرونگا۔ میں نے اپنی ایک حبشی لونڈی سے کہا: آپ کے پیچھے پیچھے جائے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

لوگوں سے جو کہیں اور لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں اس کو سنے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے اور لوگوں کو قصہ سنایا۔ انہوں نے تعجب کیا اور کہا: اے محمد! اس کی کوئی نشانی بھی ہے۔ (جس سے ہم کو یقین آئے) کیونکہ ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی نشانی یہ ہے کہ میں فلاں وادی میں فلاں قبیلہ کے قافلہ پر گزرا تھا اور ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا میں نے ان کو بتایا تھا۔ اس وقت میں شام کی طرف جا رہا تھا (یعنی سفر معراج کا آغاز تھا پھر میں واپس آیا اور جب ضجنان میں فلاں قبیلہ کے قافلہ پر پہنچا تو میں نے لوگوں کو سوتا ہوا پایا ان کے ایک برتن میں پانی تھا اور انہوں نے اس کو ڈھانک رکھا تھا میں نے ڈھکنا اتار کر اس کا پانی پیا پھر اسی طرح برتن ڈھانک دیا۔ اس کی نشانی یہ بھی ہے کہ اس کا قافلہ اب بیضاء سے ثنیۃ التنعیم کی طرف آ رہا ہے سب سے آگے ایک خاکی رنگ کا اونٹ ہے اس پر دو بورے لدے ہوئے ہیں ایک کالا دوسرا دھاری دار ہے۔ لوگ ثنیۃ التنعیم کی طرف دوڑے تو اس اونٹ سے پہلے کوئی اور اونٹ نہیں ملا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ دوسروں سے بھی پوچھا (جن کے اونٹ کا بھاگنا بیان فرمایا تھا) یہ لوگ مکہ آ چکے تھے انہوں نے کہا واقعی صحیح فرمایا اس وادی میں ہمارا اونٹ بھاگ گیا تھا ہم نے ایک شخص کی آواز سنی کہ ہمیں اونٹ کا بتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ ہم نے اونٹ کو پکڑ لیا۔

بیہقی کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نشانی کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدھ کے دن قافلہ آنے کی خبر دی۔ جب بدھ کا دن آیا تو وہ لوگ نہ آئے یہاں تک کہ سورج غروب کے قریب پہنچ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو سورج غروب ہونے سے رک گیا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا آئے۔

فائدہ

سورج کے جانے میں کوئی اشکال نہیں اس لئے نہ انکار کی وجہ ہو سکتی ہے اور سورج رک جانے کا عام چرچا اس لئے نہ ہوا کہ تھوڑی دیر کے لئے ایسا ہوا ہوگا اور کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی ہو۔

اس طرح حق جل شانہ نے آپ کا صدق ظاہر فرمایا اور قریش نے آپ کا صدق آنکھوں سے دیکھ لیا اور کانوں سے سن لیا مگر اپنی اسی تکذیب اور عناد پر تلے رہے اور مقابلے پر تلے رہے اور مقابلے پر تلے رہے۔

معراج سے پہلے کی نمازیں

ان روایات سے چند امور ثابت ہوتے ہیں۔

اول عشاء اور فجر کے درمیان آنے جانے کا سفر ختم ہو گیا۔ اور عشاء کی نماز گو اس وقت فرض نہ تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے ہوں گے۔ دوسرے مومنین بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ لیتے ہوں گے۔ فجر کی یہ نماز گو معراج کے بعد تھی مگر احادیث سے جبریل علیہ السلام کی اول امامت ظہر کی نماز کے وقت ثابت ہوتی ہے تو غالباً نماز کی فرضیت کی ابتداء ظہر کے وقت سے ہو گی۔ بیت المقدس میں جو نماز پڑھی اس کے متعلق بعض روایات میں آیا ہے حانت الصلوٰۃ' اس سے عشاء کی نماز مراد لینا مشکل ہے۔ کیونکہ عشاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ چکے تھے تو غالباً یہ تہجد کی نماز ہو گی۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک زمانہ تک فرائض کی طرح موکد رہی اور اذان اسی تہجد کے لئے ہوتی ہو گی جیسا کہ رمضان المبارک میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان تہجد کے وقت میں آئی ہے۔

معراج جسمانی تھا

دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ معراج جسمانی تھی ورنہ لوگوں کے جھٹلانے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس جھٹلانے کی وجہ سے آپ کے یہ جواب دینے کی کیا وجہ کہ معراج جسمانی نہیں ہے بلکہ روحانی اور نیند کی حالت میں ہے کہ نیند کی حالت میں عقل سے بہت دور چیز کا دعویٰ بھی قبولیت کی گنجائش رکھتا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سنتے ہی تصدیق کردی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رات ہی رات مسجد اقصیٰ کی طرف لے جایا گیا۔ تو صبح کو لوگوں سے تذکرہ فرمایا۔ بعض جو مسلمان ہوئے تھے

مرتد ہو گئے اور بعض مشرکین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس دوڑے گئے اور کہا: اپنے دوست کی بھی کچھ خبر ہے کہتے ہیں کہ مجھ کو رات ہی رات بیت المقدس لے جایا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا وہ ایسا کہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ انہوں نے فرمایا: اگر وہ کہتے ہیں تو ٹھیک کہتے ہیں۔ لوگ کہنے لگے کیا تم اس بات کی تصدیق کرتے ہو کہ بیت المقدس گئے اور صبح سے پہلے چلے آئے؟ (حالانکہ بیت المقدس کس قدر دور ہے) انہوں نے فرمایا: ہاں میں تو اس سے زیادہ دور کی بات میں ان کی تصدیق کرتا ہوں؟ یعنی آسمان کی خبر کے بارے میں جو ان کے پاس صبح یا شام کو آتی ہے (جو کہ شب سے مقدار میں کم ہے) ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ اسی لئے ان کا نام صدیق رکھا گیا۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک وابن اسحاق)

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معراج جاگنے کی حالت میں جسم کیساتھ ہوئی ورنہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیند کا دعویٰ فرماتے تو وہ ایسی عقل سے دور بات بھی نہ تھی کہ بعض لوگ مرتد ہو جاتے۔

بیت المقدس کا سامنے لایا جانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو حطیم میں دیکھا کہ قریش مجھ سے میرے سفر معراج کے متعلق پوچھ رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کئی باتیں پوچھیں جن کو میں نے (ضرورت نہ سمجھنے کی وجہ سے) یاد نہ کیا تھا تو مجھ کو اس قدر تھکن ہوئی کہ ایسی کبھی نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے ظاہر کر دیا کہ جو جو وہ مجھ سے پوچھتے تھے میں بیت المقدس کو دیکھ کر بتاتا تھا۔ (رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ)

احمد اور بزاز نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بیت المقدس کو میرے سامنے لایا گیا کہ میں اس کو دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ عقیل کے گھر کے پاس لاکر رکھا گیا اور آپ نے ساری بات بیان فرمائی۔

ابن سعد نے ام ہانی سے روایت کیا ہے کہ بیت المقدس تصویر کی شکل میں میرے سامنے آ گیا اور میں ان لوگوں کو اس کی علامتیں بتلا رہا تھا اور ام ہانی کی اسی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مسجد کے کتنے دروازے ہیں؟ آپ

فرماتے ہیں: میں نے ان کو (غیر ضروری ہونے کی وجہ سے) گنا نہ تھا۔آپ فرماتے ہیں: بس میں اس کو دیکھتا رہتا اور ایک ایک دروازہ کو شمار کرتا جاتا تھا۔ابویعلی کی روایت میں ہے کہ یہ پوچھنے والا مطعم بن عدی جبیر بن مطعم کا والد تھا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سفر جاگنے کی حالت میں جسم کے ساتھ ہوا تھا۔ ورنہ یہ اعتراض ہی نہ ہوگا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کے نقشہ کی تصدیق کی

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس کے متعلق سوال کیا؟ کہ آپ بیان فرمائیے کیونکہ میں نے اس کو دیکھا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی تصدیق کرتے جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر! تم صدیق ہو۔ (کذا فی سیرۃ ابن ہشام)

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پوچھنے میں کوئی حرج نہیں تھا کیونکہ ان کا پوچھنا شک وامتحان کیلئے نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ کفار سن لیں اور کفار کو حضرت ابوبکر پر اس بات میں اعتماد تھا کہ بیت المقدس کو دیکھے ہوئے ہیں اور یہ اطمینان تھا کہ یہ ظاہری بات میں غلط بات کی تصدیق نہ کرینگے۔

بیت المقدس سامنے لانے کی صورت

بیت المقدس کا اپنی جگہ پر رہ کر نظر آنا یا دار عقیل کے پاس آ کر رکھا جانا یا اس کی تصویر کا سامنے آ جانا۔ان روایت کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی تصویر کو سامنے کر دیا اور تصویر جس جگہ نظر آئی وہ دار عقیل ہے۔ کیونکہ بیت المقدس کی تصویر بالکل بیت المقدس ہی جیسی تھی اس وجہ سے بیت المقدس کا سامنے آنا فرمایا اب یہ اشکال بھی ختم ہو گیا کہ اگر بیت المقدس یہاں آتا تو اپنی جگہ سے اتنی دیر غائب ہوتا اور ایسی عجیب بات تاریخ میں منقول ہوتی۔

سفر معراج میں غلبۂ اسلام کی مشکلاتِ راہ کے اشارات

آسمانوں میں انہی چند حضرات انبیاء کرام کو آنحضرت کی ملاقات کیلئے خاص کرنے میں ان خاص حالات کی طرف اشارہ تھا جو حضور کو بعد میں وقتاً فوقتاً پیش آئے جیسا کہ علماء تعبیر کا قول ہے کہ جس نبی کو خواب میں دیکھے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس جیسے حالات اس کو پیش آئیں گے۔

ہجرت کا اشارہ

پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کی چونکہ حضرت آدم علیہ السلام اول الانبیاء ہیں اور اول الاباء ہیں اس لئے سب سے پہلے ان سے ملاقات کرائی گئی اور اس ملاقات میں ہجرت کی طرف اشارہ تھا کہ جس سے حضرت آدم نے ایک دشمن کی وجہ سے آسمان اور جنت سے زمین کی طرف ہجرت فرمائی۔ اسی طرح آپ بھی مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائیں گے اور حضرت آدم کی طرح آپ کو وطن مالوف کی مفارقت طبعاً شاق ہوگی۔

یہود کی ایذاء رسانیوں کا اشارہ

دوسرے آسمان میں حضرت عیسیٰ و حضرت یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی حدیث میں ہے۔ میں تمام انبیاء میں عیسیٰ بن مریم کے ساتھ سب سے زیادہ قریب ہوں۔ میرے اور ان کے درمیان میں کوئی نبی نہیں۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام اخیر زمانہ میں دجال کے لئے آسمان سے اتریں گے اور امت محمدیہ میں ایک مجدد ہونے کی حیثیت سے شریعت محمدیہ کو جاری فرمائیں گے اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام اولین وآخرین کو لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ شفاعت کبریٰ کی درخواست کریں گے۔ ان وجوہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کرائی گئی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی معیت کی وجہ سے محض قرابت نسبی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام دونوں خلیرے بھائی ہیں۔ اس ملاقات میں یہود کی تکالیف اور ایذا رسانیوں کی طرف اشارہ تھا کہ یہود آپ کے درپے آزار ہوں گے اور آپ کے قتل

کے لئے طرح طرح کے مکر اور حیلے کریں گے مگر جس طرح اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو یہود بے بہبود کے شر سے محفوظ رکھا اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ان کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

برادری کی ایذا کا اشارہ

تیسرے آسمان میں یوسف علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ اس ملاقات میں اشارہ اس طرف تھا کہ یوسف علیہ السلام کی طرح آپ بھی اپنے بھائیوں سے تکلیف اٹھائیں گے اور بالآخر آپ غالب آئیں گے اور ان سے درگزر فرمائیں گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن آپ نے قریش کو اسی خطاب سے مخاطب کیا جس سے یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو خطاب کیا تھا۔ چنانچہ فرمایا۔

لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین اذھبوا فانتم الطلقاء ای العتقاء

آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تم کو معاف کرے۔ وہ ارحم الراحمین ہے اور جاؤ تم سب آزاد ہو۔

نیز امت محمدیہ جب جنت میں داخل ہوگی تو یوسف علیہ السلام کی صورت پر ہوگی۔

سلاطین کی دعوت اور بلند مرتبہ پانے کا اشارہ

حضرت ادریس علیہ السلام کی ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ آپ سلاطین کو دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائیں گے کیونکہ خط اور کتابت کے اول موجد ادریس علیہ السلام ہیں نیز حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں ورفعنٰہُ مکانا علیا آیا ہے تو ان کی ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ رفعت منزلت اور علو مرتبت عطا فرمائے گا۔ چنانچہ جب آپ نے شاہ روم کے نام والا نامہ تحریر فرمایا تو شاہ روم مرعوب ہوگیا۔

قریشی سرداروں کے قتل کا اشارہ

اور حضرت ہارون علیہ السلام کی ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ جس طرح سامری اور گوسالہ پرستوں نے حضرت ہارون کے ارشاد پر عمل نہ کیا تو ان کا انجام یہ ہوا کہ اس ارتداد کی سزا میں قتل کئے گئے۔ اسی طرح جنگ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے اور ستر قید کئے گئے اور عرنیین کو مرتد ہو جانے کی وجہ سے قتل کیا گیا۔

ملک شام کے مفتوح ہونے کا اشارہ

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ جس طرح موسیٰ علیہ

السلام ملک شام میں جبارین سے جہاد وقتال کے لئے گئے اور اللہ نے آپ کو فتح دی اس طرح آپ بھی ملک شام میں جہاد وقتال کیلئے داخل ہوں گے چنانچہ آپ شام میں غزوہ تبوک کیلئے تشریف لے گئے اور دومۃ الجندل کے رئیس نے جزیہ دے کر صلح کی درخواست کی آپ نے اس کی صلح کی درخواست منظور فرمائی اور جس طرح ملک شام حضرت موسیٰ کے بعد حضرت یوشع کے ہاتھ پر فتح ہوا اس طرح حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر کے ہاتھ پر پورا ملک شام فتح ہوا اور اسلام کے زیر نگین آیا۔

حجۃ الوداع کا اشارہ

اور ساتویں آسمان میں ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت معمور سے پشت لگائے بیٹھے ہیں۔

بیت معمور ساتویں آسمان میں ایک مسجد ہے جو خانہ کعبہ کے محاذات میں واقع ہے ستر ہزار فرشتے روزانہ اس کا حج اور طواف کرتے ہیں۔ چونکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ بانی کعبہ ہیں اس لئے ان کو یہ مقام عطا ہوا۔ اس آخری ملاقات میں حجۃ الوداع کی طرف اشارہ تھا کہ حضور پر نور وفات سے پیشتر حج بیت اللہ فرمائیں گے اور علماء تعبیر کے نزدیک خواب میں حضرت ابراہیم کی زیارت حج کی بشارت ہے۔

فتح مکہ اور وصال کا اشارہ

ابن منیر فرماتے ہیں کہ یہاں تک سات معراجیں ہوئیں آٹھویں معراج سدرۃ المنتہیٰ تک ہوئی اس میں فتح مکہ کی طرف اشارہ تھا جو ۸ھ میں فتح ہوا اور نویں معراج سدرۃ المنتہیٰ سے مقام صریف الاقلام تک ہوئی اس معراج میں غزوہ تبوک کی طرف اشارہ ہوا۔ جو ۹ھ میں پیش آیا اور دسویں معراج رفرف اور مقام قرب اور دنو تک ہوئی جہاں دیدار خداوندی ہوا وصال کا اشارہ اور کلام ربانی سنا اس دسویں معراج میں چونکہ بقاء خداوندی حاصل ہوا اس لئے اس میں اشارہ اس طرف تھا کہ ہجرت کے دسویں سال حضور کا وصال ہوگا اور اس سال خداوند ذوالجلال کا لقاء ہوگا اور دار دنیا کو چھوڑ کر رفیق اعلیٰ سے جا ملیں گے۔

باب ۵

مدینے والوں کا اسلام کو فتح کرنا

یثرب (مدینہ) میں اسلام کی روشنی

اہل مدینہ کی پہلی اجتماعی بیعت

مدینہ والوں کی دوسری اجتماعی بیعت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ تشریف آوری کی درخواست

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت

یثرب (مدینہ) میں اسلام کی روشنی

سفیر کے اس استقلال نے چونکہ بتا دیا کہ وہ دنیا میں کسی کی ذرہ برابر مدد پر بھروسہ کئے بغیر ساری عمر اسی کوشش میں کھپانے کو تیار ہو کر آئے ہیں اور عالم کا کوئی انقلاب کیسا ہی قوی کیوں نہ ہو آخری سانس تک انکو انکے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتا۔ اس لئے ادھر آپ کی قوم مخالفت پر تل گئی اور ادھر آپ نے اپنے دعوے کے اعلان میں زور دیا کہ باہر کے آنے والے مسافر بھی سن لیں اور یہ بلند آواز گونج کی طرح عرب کے سارے سنگستان میں پھیل جائے۔ چنانچہ موسم حج میں بیرونی قافلے ہر چار طرف سے مکہ میں آئے اور سفیر کی اس صدا کو جسے اہل مکہ نے دیوانہ کی باتیں کہہ کر بے اثر بنانا چاہا تھا اپنے کانوں میں ڈال کر لے گئے۔

یہ صرف حق ہی کی خاصیت ہے کہ باوجود شدید مخالفت اور سخت مقابلہ کے بھی اس کا بیج دلوں میں جمے بغیر نہیں رہتا اور گو کتنی ہی کوشش کی جائے کہ سچ کا ماننے والا دنیا میں کوئی نہ ہو مگر ممکن نہیں کہ وہ اپنا رنگ لائے بغیر رہے' اس لئے بیرونی قافلوں میں سب سے پہلے اہل مدینہ اس سے متاثر ہوئے اور ان کی زمین قلب میں کلمہ توحید و رسالت کی تخم ریزی شروع ہوگئی چونکہ وہ لوگ عناد و مخالفت سے خالی تھے۔ ضد و عناد اور تمرد و مقابلہ کا رنگ ان میں بالکل نہ تھا۔ نیز اپنے ہموطن اہل کتاب یعنی یہودیوں سے آنے والے خداوندی سفیر کا حال اور اس کے علمی و عملی کمال کا تذکرہ سنتے رہتے تھے اس لئے ان کو اس دعوے کے ماننے میں جس کو اہل مکہ نے بزعم حکومت رد کرنا چاہا تھا کچھ بھی تامل نہ ہوا اور وہاں واسطہ در واسطہ سفیر

کی سفارت کو سچا سمجھنے والے دن بدن بڑھنے لگے۔ (ماہتاب عرب)

اہل طائف نے جس سعادت کی قدر نہیں کی اہل یثرب کی خوش نصیبی نے اس کا استقبال کیا۔ (سیرت مبارکہ)

مدینہ منورہ کا محل وقوع

مکہ معظمہ سے شمال کی جانب تقریباً دوسو میل (سوا تین سوکلومیٹر) کے فاصلہ پر ایک زرخیز علاقہ میں آبادیوں کا ایک سلسلہ ہے۔ ان میں سب سے بڑی آبادی کا نام یثرب ہے۔ اس کے دو طرف دوسنگلاخ ہیں ان کو لابتین کہا جاتا ہے اور حرتین بھی کہلاتے ہیں۔

جانب مشرق میں تقریباً آٹھ میل تک چھوٹی چھوٹی آبادیوں کا سلسلہ چلا گیا ہے ان کو عوالی کہا جاتا ہے۔ موضع قبا اسی طرف ہے۔ دوسری جانب بھی اسی طرح کی آبادیاں ہیں۔ ان کو اسافل کہا جاتا ہے۔

یثرب کے نشیبی حصہ میں برسات میں پانی بھر جاتا ہے جس کی وجہ سے یہاں کی آب و ہوا مرطوب رہتی ہے۔ یہاں کا بخار ''حمیٰ یثرب'' پورے عرب میں مشہور ہے۔ یثرب نام میں آب و ہوا کی خرابی کو بھی دخل ہے (کیونکہ ثرب جو یثرب کا ماخذ ہے۔ ملامت کرنے کے معنی میں آتا ہے) اس پورے علاقے میں کاشت ہوتی ہے۔ مگر خاص پیداوار کھجور ہے۔ کھجوروں کے بڑے بڑے باغات ہیں۔ یہاں کے کھجور دور دور جاتے ہیں۔ (سیرت مبارکہ)

مدینہ منورہ میں آباد قبائل اوس وخزرج

کم وبیش ایک ہزار سال پہلے یمن سے اجڑ کر دو بھائی سرزمین حجاز میں داخل ہوئے اور یہاں آ کر آباد ہو گئے۔ ان میں سے ایک کا نام ''اوس'' تھا دوسرے کا نام ''خزرج'' باپ کا نام حارثہ ماں کا نام قیلہ۔ اس لئے اوس اور خزرج کی اولاد کو بنوقیلہ بھی کہتے ہیں۔

اب (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مسعود میں) اوس اور خزرج دو قبیلے ہیں جن کی بہت سی شاخیں (بطن الگ الگ نام سے مشہور ہیں۔ بنونجار، بنوساعدہ، بنوعمرو بن عوف وغیرہ اس طرح یہ دو قبیلے بہت سے بطنوں میں بٹ گئے ہیں۔

یثرب کی آبادی تقریباً چھ ہزار ہے اور اتنی ہی آبادی عوالی اور اسافل کی ہے۔ ان سب کا ایک ''دیوتا'' ہے۔ ''المناۃ الطاغیہ''۔

مشلل مکہ اور یثرب کے بیچ میں ایک مقام ہے۔ وہاں اس کا مندر ہے۔ یہ سب ''المناۃ الطاغیہ'' کے بھگت ہیں۔ مگر اصل تیرتھ کعبہ ہے۔ وہاں ہر سال ''حج'' کو جاتے ہیں۔ اور ان بتوں کی بھی پوجا کرتے ہیں۔ جو ''قریش'' نے کعبہ میں رکھ رکھے ہیں۔ قریش ان کے مہنت ہیں اور یہ سب ان کے ہم مذہب اور ان کے تابع ہیں۔ ان سب کی نسل بھی ایک ہی ہے کیونکہ یہ بھی حضرت اسماعیل اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کو اپنا مورث اعلیٰ مانتے ہیں اور اس بنا پر رشتہ داریاں بھی ہیں۔ یہ سب کاشکار اور زمیندار ہیں۔ عموماً ناخواندہ۔ جاہل۔ کسی وقت یہ اس پورے علاقہ کے فرماں روا تھے۔ اس زمانہ کے قلعوں کے اونچے اونچے آثار (کھنڈر) اس وقت بھی موجود ہیں۔ ان کو ''اطام یثرب'' کہا جاتا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس کا نام ''مدینۃ النبی'' رکھ دیا گیا پھر کثرت استعمال کے باعث صرف ''مدینہ'' (ادام اللہ شرفہا) کہا جانے لگا۔ (سیرت مبارکہ)

مدینہ میں یہودیوں کی معاشرتی' سیاسی اور معاشی حیثیت

اس علاقہ میں دوسری نسل بنو اسرائیل کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ اور یہودی کہلاتے ہیں۔ یثرب (مدینہ) کے اطراف میں تین تین چار چار میل کے فاصلہ پر ان کے قبیلے آباد ہیں ان میں سے مشہور یہ تین ہیں۔ بنو قینقاع۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ یہ سب خوش حال ہیں۔ ان کی آبادیاں قلعہ نما ہیں۔ شاداب باغات میں گھری ہوئیں ہر طرح سے محفوظ باغات کے علاوہ ان کے تجارتی سلسلے بھی ہیں اور ان کا سودی کاروبار بھی بہت پھیلا ہوا ہے۔ اپنی اپنی حیثیت میں یہ سب قبیلے آزاد ہیں۔ ان کی مجموعی آبادی بھی یثرب کی آبادی کے لگ بھگ ہے۔ ان کے یہاں تعلیم کا انتظام بھی ہے۔ ایک تعلیمی ادارہ ''بیت المدارس'' کے نام سے قائم ہے۔ جس میں توریت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یثرب کے عام باشندے ان کی تعلیمی برتری سے متاثر ہیں۔ یہاں تک کہ بعض خوش عقیدہ اپنے ہونہار بچوں کو یہود کے حوالے کر دیتے ہیں کہ علمی شائستگی حاصل کر سکیں۔

اوس اور خزرج کبھی بھائی برادر کی طرح رہے ہوں گے۔ مگر اب وہ جنگجو حریف ہیں اور تقریباً سوا سو برس سے برابر لڑائی کا سلسلہ جاری ہے۔ حال ہی میں نہایت خونریز لڑائی ہوئی جو "حرب بعاث" کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ میں دونوں قبیلوں کے بڑے بڑے سردار کام آچکے ہیں۔

یہودی ان لڑائیوں میں شریک نہیں ہوتے البتہ ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکاتے رہتے ہیں۔ پھر ان کی بدحالی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ سودی قرض دیکر ان کی بہت سی جائیدادیں قبضہ میں لے چکے ہیں۔ (سیرت مبارکہ)

اوس وخزرج کے لیڈر

اوس اور خزرج کے بڑے لوگوں میں اب صرف دو باقی رہ گئے تھے عبداللہ بن ابی بن سلول، قبیلہ خزرج کا رئیس اور لیڈر ابو عامر بن سیفی بن نعمان، قبیلہ اوس کا رئیس وامیر۔ (سیرت مبارکہ)

مدینہ میں نبی آخرالزمان ؐ کا انتظار

توریت کی پیشین گوئیوں کے بموجب یہودی ایک آنے والے نبی کے منتظر تھے وہ اس کی علامتیں بھی بیان کیا کرتے تھے۔ ان یہودیوں میں کچھ خاندان وہ بھی تھے جن کے مورث اور اجداد اسی امید پر یہاں آکر آباد ہوئے تھے کہ نبی آخرالزمان کا ظہور اسی سرزمین میں ہوگا۔ مگر وہ تعصب، گروہ پرستی اور صرف اپنے گروہ کو سب سے اونچا اور خدا کا محبوب سمجھنے کا غلط عقیدہ جو ان کے ذہنوں میں رچا ہوا تھا اور ایک جذبہ بن گیا تھا اس نے اس خوش آئند تصور کو اور اس تمنا کو یقین کا درجہ دیدیا تھا کہ آنے والا نبی کے گروہ میں سے ہو گا۔ اس سلسلہ میں بہت سی روایتیں بھی گھڑلی تھیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ جیسے ہی وہ نبی ظاہر ہوگا ان کا اقبال نقطہ عروج پر پہنچ جائے گا۔ چنانچہ مشرکین یعنی اوس اور خزرج سے کسی بات پر بحث ہوتی یا کسی موقع پر مشرکین کے سامنے زچ ہونا پڑتا تو یہی روایتیں اور پیش گوئیاں بیان کرکے ان کو مرعوب کیا کرتے تھے کہ "مستقبل کی سربلندی ہمارے لئے ہے"۔ مشرکین اگرچہ ان کے ہم عقیدہ نہیں تھے۔ مگر چونکہ جاہل تھے وہ متاثر ہو جاتے تھے۔ اس طرح ان

کے کان آنے والے نبی کے تذکرہ سے نا آشنا نہیں رہے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہی آشنائی ان کے لئے مشعل راہ بنی۔ (سیرت مبارکہ)

مدینہ کے سرداروں کا مسلمان ہونا

اسعد بن زرارہ اور زکوان بن عبدالقیس مدینہ کے عمائدین میں سے تھے۔ یہ مکہ کے رئیس اعظم عتبہ بن ربیعہ کے پاس مدد حاصل کرنے کیلئے پہنچے۔ عتبہ نے کہا ہم خود عجیب پریشانی میں مبتلا ہیں۔ ہمارے یہاں ایک شخص پیدا ہوگیا ہے۔ توحید کا قائل ہے۔ ہمارے دیوتاؤں کی تردید کرتا ہے۔ نمازیں بہت پڑھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ اس نے ہمارے سارے نظام کو درہم برہم کر رکھا ہے۔ ہمیں خود اپنے سے فرصت نہیں۔ ہم کسی کی مدد کیا کر سکتے ہیں۔

عتبہ کے اس شکوہ نے نفرت کے بجائے ان دونوں کے دلوں میں محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملاقات کی امنگ پیدا کر دی۔ یہ عتبہ سے رخصت ہوئے۔ ناکہ بندی کی وجہ سے پہنچنا مشکل تھا مگر ان دونوں نے کوشش کی اور کسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ خدمت میں حاضر ہوئے۔ گفتگو کی۔ کلام پاک کی آیتیں سنیں۔ دعوت اسلام کو سمجھا دماغ صاف تھا۔ دل صاف تھا۔ طبیعت حق کی طرف مائل تھی۔ اللہ کے کلام نے اثر کیا اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔

مدینہ واپس پہنچے تو حضرت اسعد نے اپنے دوست ابوالہیثم بن تیھان سے اپنے مسلمان ہونے کا ماجرا سنایا۔ وہ بھی مسلمان ہوگئے۔ ان دونوں کے متعلق یہ بھی روایت ہے کہ یہ پہلے ہی سے شرک سے بیزار اور توحید کی طرف مائل تھے۔ (سیرت مبارکہ)

دو اور بزرگ

دو بزرگ اور تھے۔ رافع بن مالک ازرقی اور معاذ بن عفراء۔ یہ حج یا عمرہ کیلئے مکہ معظمہ آئے۔ اور کسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تبادلہ خیالات کا موقع مل گیا۔ یہ دونوں بھی اسلام سے مشرف ہوگے۔ (سیرت مبارکہ)

رفاعہ بن رافع زرقیؓ فرماتے ہیں کہ چھ انصار کے آنے سے پہلے میں اور میرا خالہ زاد بھائی معاذ بن عفراء مکہ آئے اور آپ سے ملے۔ آپ نے اسلام پیش کیا اور یہ فرمایا اے رفاعہ بتلاؤ آسمان اور زمین اور پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا۔ ہم نے کہا اللہ نے آپ نے فرمایا خالق عبادت کا مستحق ہے یا مخلوق ہم نے کہا خالق۔ آپ نے فرمایا کہ پس تم مستحق ہو اس کے کہ یہ بت تمہاری عبادت کریں اور تم خدا کی عبادت کرو اس لئے کہ بت تمہارے بنائے ہوئے ہیں اور تم اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہو اور میں تم کو ایک خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں۔ تم خدا کو ایک مانو اور صرف اسی کی عبادت اور بندگی کرو۔ اور مجھ کو خدا کا رسول اور نبی مانو۔ صلہ رحمی کرو۔ ظلم اور تعدی کو چھوڑ دو میں نے کہا بے شک آپ نے بلند امور اور پاکیزہ اخلاق کی طرف بلایا ہے۔ میں آپ کے پاس اٹھ کر حرم میں پہنچا اور پکار کر یہ کہا۔ **اشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمداً رسول اللہ** میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

حج کے موقع پر مختلف قبائل کو دعوت

جب آپؐ نے دیکھا کہ قریش اپنی اسی عداوت اور دشمنی پر تلے ہوئے ہیں تو جب موسم حج آتا اور اطراف و اکناف سے لوگ آتے تو آپ خود ان کی فرودگاہ پر تشریف لے جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے اور دین برحق کی نصرت و حمایت کے لئے فرماتے۔ آپ تو لوگوں کو توحید و تفرید صدق و اخلاص کی طرف بلاتے اور آپ کا چچا ابولہب جس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا وہ اپنے تمام کام چھوڑ کر آپ کے پیچھے پیچھے یہ کہتا پھرتا کہ اے لوگو! دیکھو یہ شخص تم کو لات اور عزیٰ سے چھڑانا چاہتا ہے اور بدعت اور گمراہی کی طرف تم کو بلاتا ہے تم ہرگز اس کی اطاعت نہ کرنا (سیرۃ المصطفیٰ)

مختلف قبائل کے جواب

غرض یہ کہ آپ نے مختلف قبائل پر اسلام پیش کیا اور ان کو اسلام کی نصرت و حمایت کی دعوت دی کسی نے نرمی سے جواب دیا اور کسی نے سختی اور درشتی سے بعض نے یہ کہا کہ ہم اس

شرط پر آپ کی نصرت وحمایت کریں گے کہ اگر آپ فتح یاب ہوئے تو اپنے بعد ہمیں اپنا خلیفہ بنائیں۔ آپ نے فرمایا یہ میرے اختیار میں نہیں اللہ کو اختیار ہے جس کو چاہے بنائے ان لوگوں نے کہا یہ خوب ہے کہ ہم تو آپ کے ساتھ ہو کر اپنی گردنیں کٹائیں اور اپنے سینوں کو عرب کے تیروں کا نشانہ بنائیں اور جب آپ کامیاب ہو جائیں تو دوسرے آپ کے خلیفہ اور جانشین ہوں۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

قبیلہ بنی ذہل کے سردار سے گفتگو

قبیلہ بنی ذہل بن شیبان کے پاس آپ تشریف لے گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے۔ مفروق بن عمرو اور ہانی بن قبیصہ اس قبیلہ کے سرداروں میں سے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مفروق سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی خبر نہیں پہنچی اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ ہیں یہی اللہ کے رسول ہیں (سیرۃ المصطفیٰ)

سردار کو دعوت

مفروق نے کہا ہاں میں نے آپ کا تذکرہ سنا ہے اے سردار قریش آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ آگے بڑھے اور فرمایا اللہ کو وحدہ لاشریک لہ اور مجھ کو اس کا رسول اور پیغمبر مانو اور اس کے دین کی حمایت کرو۔ قریش نے اللہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور اس کے رسول کو جھٹلایا اور باطل کے نشے میں حق سے مستغنی ہو گئے **واللہ هو الغني الحميد** اور اللہ سب سے زیادہ بے نیاز ہے یعنی اس غنی حمید کو تو ذرہ برابر ضرورت نہیں کہ تم اس کے دین کو قبول کرو۔ اس کی نصرت اور حمایت کے لئے کھڑے ہو ہاں اگر تم کو اپنی فلاح اور بہبودی کی فکر ہے تو حق اور ہدایت کو قبول کرو اور باطل اور گمراہی سے توبہ کرو۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

سردار کا قرآن کریم سے متاثر ہونا

مفروق نے کہا اور آپ کس شے کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں

قل تعالو اتل ماحرم ربکم علیکم الاتشر کوابه شیئًا وبالوالدین احساناً ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاهم ولا تقربوا الفواحش ماظهر منها ومابطن ولاتقتلو االنفس التی حرم الله الا بالحق ذٰلکم وصاکم به لعلکم تعقلون

آپ ان سے کہئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ والدین کے ساتھ احسان کرنا اولاد کو افلاس کی وجہ سے قتل نہ کرنا ہم تم کو بھی رزق دیں گے اور ان کو بھی اور بے حیائیوں کے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ اعلانیہ ہوں یا پوشیدہ اور جس نفس کا خون اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہ کرنا مگر کسی حق کی بنا پر ان باتوں کا اللہ تم کو تاکیدی حکم دیتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

مفروق نے کہا خدا کی قسم یہ کلام تو زمین والوں کا نہیں۔ اے برادر قریش اور کس شے کی طرف بلاتے ہو۔ آپ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

ان الله یا مربالعدل و الاحسان وایتاءِ ذی القربیٰ و ینهٰی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون

بے شک اللہ تعالیٰ تم کو عدل اور احسان اور اہل قرابت کے ساتھ سلوک کا حکم دیتا ہے اور ہر بے حیائی اور بری بات سے تم کو منع کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

سردار کی حق گوئی

مفروق نے کہا کہ واللہ آپ نے نہایت عمدہ اخلاق اور پسندیدہ افعال کی طرف بلایا ہے لیکن مجبوری یہ ہے کہ میں اپنی قوم سے بغیر دریافت کئے ان کے موجود نہ ہوتے ہوئے آپ سے کوئی معاہدہ کر لینا مناسب نہیں سمجھتا نہ معلوم کہ وہ لوگ اس معاہدہ کو قبول کریں یا رد کریں۔ علاوہ ازیں ہم کسریٰ کے زیر اثر ہیں۔ کسریٰ سے ہم معاہدہ کر چکے ہیں کہ کوئی نیا امر بغیر آپ کی اطلاع کے ہم طے نہ کریں گے اور غالب گمان یہ ہے کہ اگر ہم آپ سے اس قسم کا معاہدہ کریں گے تو کسریٰ کو ضرور ناگوار ہوگا۔ آپ نے مفروق کی

اس سچائی اور راست گوئی کو پسند فرمایا اور یہ کہا کہ اللہ اپنے دین کا خود حامی اور مددگار ہے اور جو لوگ اس کے دین کی حمایت کریں گے عنقریب اللہ ان کو کسریٰ کی زر اور زمین کا وارث بنائے گا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور قبیلہ اوس اور خزرج کے لوگ جو مدینہ منورہ سے آئے ہوئے تھے۔ ان کی مجلس میں پہنچے (جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آتا ہے) ان لوگوں نے اسلام قبول کیا اور آپ کی نصرت اور حمایت کا وعدہ کیا۔

قبیلہ اوس کا پہلا مسلمان

اسی سال ابوالجسیر انس بن رافع مع چند جوانوں کے اس غرض سے مکہ آئے کہ بمقابلہ خزرج۔ قریش میں سے کسی کو اپنا حلیف بنائیں ان جوانوں میں ایاس بن معاذ بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے۔ اور فرمایا جس مقصد کیلئے آئے ہو اس سے کہیں بہتر شے میں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ابوالجسیر اور اس کے ہمراہیوں نے کہا وہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ نے مجھ کو اس لئے بھیجا ہے کہ بندوں کو اللہ کی طرف بلاؤں۔ صرف اللہ کی بندگی کریں اور کسی شئے کو کسی طرح اس کے ساتھ شریک نہ کریں اور اللہ نے مجھ پر ایک کتاب نازل فرمائی ہے اور پھر اس کی کچھ آیتیں تلاوت فرمائیں اور اسلام پیش کیا۔

ایاس بن معاذ نے کہا اے قوم واللہ جس کام کیلئے ہم آئے ہیں یہ اس سے کہیں بہتر ہے ابوالجسیر نے کنکریاں اٹھا کر ایاس کے منہ پر ماریں اور یہ کہا ہم اس کام کیلئے نہیں آئے۔ ایاس خاموش ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ مدینہ واپس ہوئے کچھ روز نہ گزرے کہ ایاس بن معاذ انتقال کر گئے۔ مرتے وقت **لا الہ الا اللہ** اور **اللہ اکبر** اور **سبحان اللہ** اور **الحمدللہ** یہ کلمات زبان پر جاری تھے جس کو تمام حاضرین سن رہے تھے کسی کو بھی اس میں شک نہ تھا کہ وہ مسلمان مرے (سیرۃ المصطفیٰ)

انصار مدینہ سے پہلی ملاقات

رات کا وقت ہے، چاند کی روشنی میں اونٹوں کے درمیان قبائل کے خیمے چمک رہے ہیں پچھلے موسموں میں تقریباً ان میں سے ہر ایک نے جس کو دھکیلا تھا وہی ردعمل کے ساتھ ان میں آتا ہے کسی بڑے مجمع کی طرف نہیں بلکہ دس یا دس آدمیوں سے بھی کم کی ایک ٹولی پر نظر پڑتی ہے قریب آتے ہیں تو پوچھا جاتا ہے۔ من انتم (تم لوگ کون ہو)

ٹولی والوں میں سے ایک کہتا ہے "من الخزرج" (خزرج قبیلہ کے لوگ ہیں)

کیا تم بیٹھ سکتے ہو؟ تم سے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ہاں کیوں نہیں جواب ملتا ہے کیا اللہ کی طرف آتے ہو؟ خدا کے سامنے جھکتے ہو؟

دس گیارہ سال تک اسی میدان میں، اسی موسم میں، کیا کچھ نہیں کہا گیا، کیا کچھ نہیں کیا گیا لیکن کچھ نہیں ہوا۔ اسی میدان میں اسی موسم میں اسی ہوا میں اسی فضاء میں آج چند لمحہ میں یہ چند الفاظ زبان سے نکلتے ہیں پھر دیکھئے جس پر جس کے قدموں پر غیب گر چکا تھا ان ہی قدموں پر شہادت والے آج گرتے ہیں اور اسی طرح گرتے ہیں کہ پھر کبھی نہیں اٹھیں گے۔

انہوں نے باہم ایک دوسرے سے کچھ کہا اور ایک لمحہ یہ تھا اور دوسرا لمحہ یہ تھا کہ جس کو سب نے لوٹایا تھا اس کے آگے یہی ٹولی لوٹ رہی تھی جو کچھ کہا تھا دہرا رہی تھی۔ (النبی الخاتم)

مدینہ کی پہلی جماعت جس نے اسلام قبول کیا

حج کے موسم میں خزرج کے کچھ لوگ مکہ آئے۔ یہ نبوت کا گیارہواں سال تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ اور قرآن پاک کی ان پر تلاوت کی۔ ان لوگوں نے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور آپس میں ایک دوسرے سے مخاطب ہو کر کہنے لگے واللہ یہ وہی نبی ہیں جن کا یہود ذکر کیا کرتے تھے دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس فضیلت اور سعادت میں یہود ہم سے سبقت کر جائیں اور اسی مجلس میں اٹھنے سے پہلے اسلام لے آئے اور آپ سے یہ عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم تو آپ پر ایمان لے آئے یہود سے ہمارا اکثر جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو واپس ہو کر ان کو بھی اسلام کی

دعوت دیں اگر وہ بھی اس دعوت کو قبول کر لیں اور اس صورت سے ہم اور وہ متفق ہو جائیں تو پھر آپ سے زیادہ کوئی عزیز نہ ہوگا۔ یہ ایمان لانے والے قبیلہ خزرج کے چھ آدمی تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ ۲۔عوف بن الحارث رضی اللہ عنہ

۳۔رافع بن مالک بن عجلان رضی اللہ عنہ ۴۔قطبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ

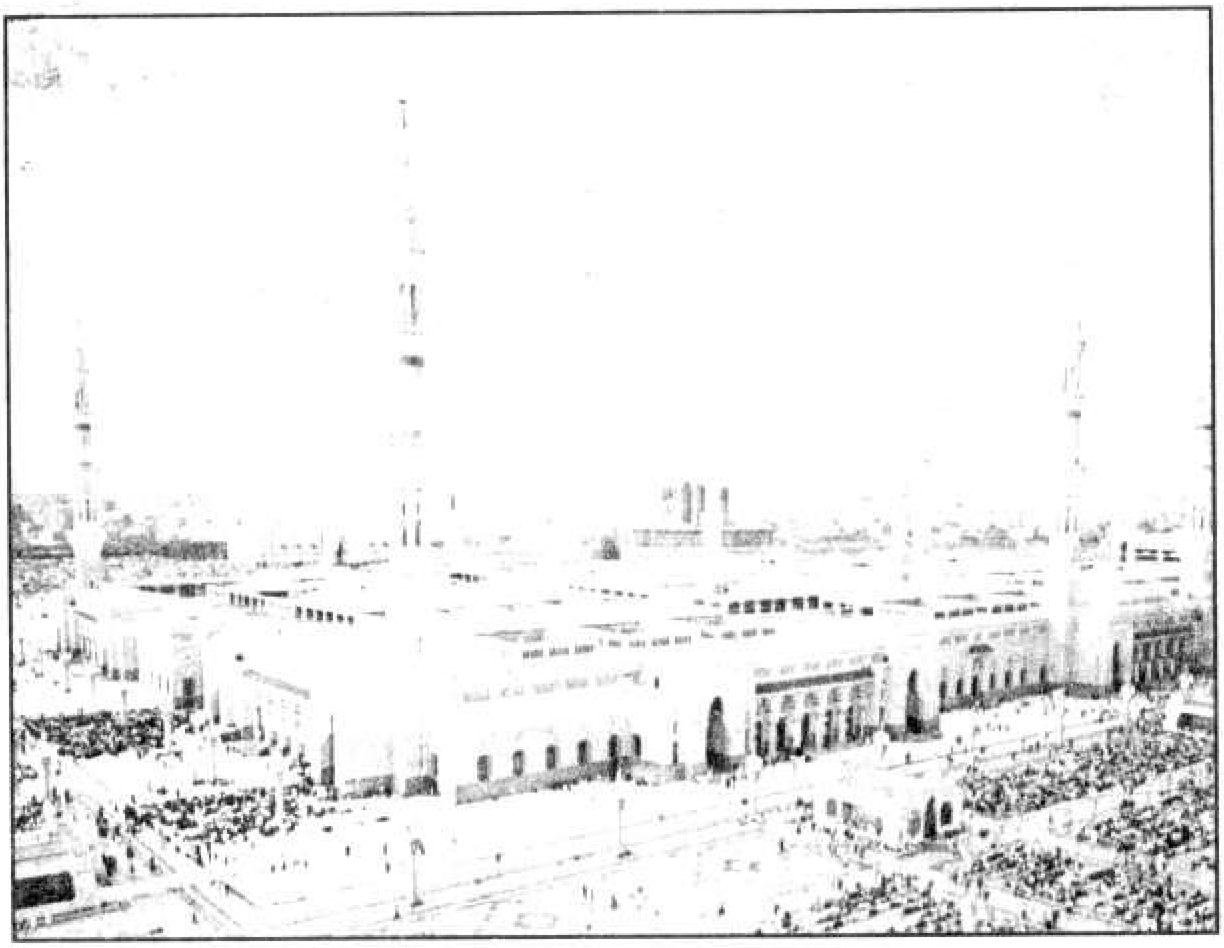
۵عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ ۶ جابر بن عبداللہ بن رباب رضی اللہ عنہ

اور بعض علماء سیر نے بجائے جابر کے عبادۃ بن الصامت کا نام ذکر کیا ہے (سیرۃ المصطفیٰ)

مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کا ذکر

یہ چھ حضرات آپ سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ پہنچے جس مجلس میں بیٹھتے وہیں آپکا ذکر کرتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ مدینہ کا کوئی گھر اور کوئی مجلس آپکے ذکر سے خالی نہ رہی۔

(سیرت مبارکہ)



اہل مدینہ کی پہلی اجتماعی بیعت

پہلی بیعت کرنے والوں کی حسن کارکردگی

وعدہ پورا کرنے کی بہترین مثال ان چھ حضرات نے اپنے عمل سے پیش کی جو گذشتہ سال دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ باہمی نفرت اور بغض وعداوت کے دہکتے ہوئے ماحول میں ان حضرات نے ایسے سلیقہ سے کام لیا کہ معرکہ بعاث کے اشتعال انگیز تذکرہ کے بجائے ہر ایک گھر میں اسلام اور پیغمبر اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ (سیرت مبارکہ)

دوسرے سال بیعت کرنے والوں کے نام

جب دوسرا سال آیا جو نبوت کا بارہواں سال تھا تو بارہ اشخاص آپ سے ملنے کے لئے مکہ حاضر ہوئے۔ پانچ تو انہیں چھ میں سے تھے اور سات ان کے سوا تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ ۲۔ عوف بن الحارث رضی اللہ عنہ

۳۔ رافع بن مالک رضی اللہ عنہ ۴۔ قطبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ

۵۔ عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ

اس سال جابر بن عبداللہ بن رباب رضی اللہ عنہ حاضر نہیں ہوئے۔

۶۔ معاذ بن الحارث رضی اللہ عنہ (یعنی عوف بن الحارثؓ کے بھائی)

۷۔ ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ ۸۔ عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ

۹۔یزد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ ۱۰۔عباس بن عبادہ بن نھلہ رضی اللہ عنہ

۱۱۔ابوالہیثم مالک بن تیھان رضی اللہ عنہ ۱۲۔عویم بن ساعدۃ رضی اللہ عنہ

یہ بارہ حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رات کے وقت منیٰ میں عقبہ کے قریب آپ کے ہاتھ پر یہ بیعت کی۔

معاہدہ بیعت

مکہ معظّمہ سے چند میل کے فاصلہ پر منیٰ کا میدان ہے۔ جہاں ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحجہ تک زائرین بیت اللہ کا اجتماع ہوا کرتا ہے۔ اس وسیع میدان میں وہ جگہ بھی ہے جس کو عقبہ کہتے ہیں جو شہر مکہ سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ اسی کے قریب ایک گھاٹی میں یہ حضرات جمع ہوتے ہیں۔ چاندنی رات ہے۔ نور کی چادر پھیلی ہوئی ہے۔ اسی نورانی فضا میں محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لاتے ہیں۔ جو سراسر نور ہیں۔ آپ خدا واحد کی پرستش کی دعوت دیتے ہیں۔ سننے والوں کے دلوں کی گہرائیوں سے آمنا کی صدا بلند ہوتی ہے۔ پھر ان سب سے چھ باتوں کا عہد لیا جاتا ہے۔

(۱) ہم صرف خدا واحد کی عبادت کیا کریں گے۔ کسی کو اس کا شریک نہیں مانیں گے۔

(۲) چوری نہیں کریں گے۔ (۳) زنا نہیں کریں گے۔

(۴) اولاد کو قتل نہیں کرینگے۔ (۵) کسی پر بہتان نہیں باندھیں گے۔

(جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے)

(۶) آپ جس اچھی بات کا حکم فرمائینگے ہم اس کی تعمیل کرینگے۔ (نافرمانی نہیں کریں گے)

یہ انصار کی پہلی بیعت تھی جس کو بیعت عقبہ اولیٰ کہتے ہیں۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ.........مدینہ میں پہلے معلم

یہ معاہدہ عمل کرنے کیلئے تھا۔ عمل کرنے کے لئے معلم اور مربی کی ضرورت تھی۔ ان لوگوں نے معلم کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باعمل معلم کو ان کے ساتھ کر دیا یہ سیدنا حضرت مصعب بن عمیر ہیں۔ دولت مند گھرانے کے چشم و چراغ۔ ناز و نعم میں

پلے۔ جب گھوڑے پر سوار ہو کر چلا کرتے تھے تو لوگ آگے پیچھے ہٹو بچو کہتے ہوئے غلام دوڑا کرتے تھے۔ بدن پر سینکڑوں درہم سے کم کا لباس نہیں ہوتا تھا۔ جو طرح طرح کے عطر سے معطر ہوتا تھا۔ مگر جب دولت اسلام سے مالا مال ہوئے تو دولت دنیا ان کی نظر میں گرد بن گئی۔ روح نے وہ لذت پائی کہ ساز و سامان بار لگنے لگا۔ اب معلم خیر کا لباس ایک کمبل تھا۔

مدینہ پہنچ کر حضرت اسعد بن زرارہ کے یہاں ان کا قیام ہوا۔ اس وقت تک جتنا قرآن نازل ہو چکا تھا وہ لوگوں کو یاد کراتے۔ سمجھاتے۔ اس پر عمل کراتے۔ لوگ ان کو مقری کہا کرتے تھے۔ (سیرت مبارکہ)

جب یہ لوگ بیعت کر کے مدینہ منورہ واپس ہونے لگے تو عبداللہ بن ام مکتوم اور مصعب بن عمیر کو تعلیم قرآن اور احکام اسلام کے سکھانے کے لئے ان کے ہمراہ کیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

قبیلہ بنی عبدالاشہل کا مسلمان ہونا

مصعب بن عمیر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور مسلمانان مدینہ کو نماز پڑھاتے یہی امام تھے ایک دن مصعب بن عمیر لوگوں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ لوگ بہت جمع تھے۔

اسید بن حضیرؓ کو جب خبر ہوئی تو تلوار لے کر پہنچے اور کہا کہ آپ یہاں کس لئے آئے ہیں۔ ہمارے بچوں اور عورتوں کو کیوں بہکاتے ہو۔ بہتر ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا یہ ممکن ہے کہ آپ تھوڑی دیر کے لئے تشریف رکھیں اور جو میں کہوں وہ سنیں اگر پسند آئے تو قبول کریں اور اگر ناپسند ہو تو کنارہ کشی کریں اسید بن حضیرؓ یہ کہہ کر کہ بے شک تم نے یہ بات انصاف کی کہی بیٹھ گئے۔ مصعب بن عمیرؓ نے اسلام کے محاسن بیان کئے اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ اسیدؓ سن کر کہنے لگے۔

مااحسن هذا الكلام و اجمله کیا ہی عمدہ اور کیا ہی بہتر کلام ہے

اور پوچھا کہ اس دین میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے۔ مصعبؓ نے کہا اول اپنے جسم اور کپڑوں کو پاک کرو اور غسل کرو اور پھر کلمہ شہادت پڑھو اور نماز ادا کرو۔

اسید اسی وقت اٹھے کپڑے پاک کئے اور غسل اور کلمہ شہادت پڑھ کر دو رکعت نماز پڑھی اور کہا کہ ایک اور شخص ہیں یعنی سعد بن معاذ اگر وہ مسلمان ہو گئے تو پھر اوس کی قوم میں سے

کوئی شخص بغیر مسلمان ہوئے نہ رہے گا۔ میں ابھی جا کر اس کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ سعد بن معاذ نے اسید رضی اللہ عنہ کو آتے ہوئے دیکھ کر یہ کہا کہ یہ اسید نہیں معلوم ہوتے جو یہاں سے گئے تھے۔ جب قریب پہنچے تو سعد نے اسید رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ **مافعلت** تو نے کیا کیا اسید نے کہا میں نے ان کی بات میں کو حرج نہیں پایا۔ سعد بن معاذ کو غصہ آ گیا اور تلوار لے کر خود پہنچے اور اسعد بن زرارہؓ سے مخاطب ہو کر کہا اگر تم سے میری قرابت نہ ہوتی اور تم میرے خالہ زاد بھائی نہ ہوتے تو ابھی تلوار سے کام تمام کر دیتا۔ قوم کے بہکانے کے لئے تم ہی ان کو یہاں لے کر آئے ہو۔

مصعبؓ نے کہا کہ اے سعد کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تم کچھ دیر بیٹھ کر میری بات سنو اگر پسند آئے تو قبول کر و ورنہ پھر جو چاہے کرنا۔ سعد یہ کہہ کر تم نے انصاف کی بات کہی۔ بیٹھ گئے۔ مصعبؓ نے اسلام پیش کیا اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ سنتے ہی سعدؓ کا رنگ ہی بدل گیا اور پھر پوچھا کہ اس دین میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے۔

مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا اول کپڑے پاک کرو اور غسل کرو اور پھر کلمہ شہادت پڑھو۔ اور دو رکعت نماز ادا کرو۔ سعد رضی اللہ عنہ اسی وقت اٹھے اور غسل کیا اور کلمہ شہادت پڑھا اور ایک دوگانہ ادا کیا اور یہاں سے اٹھ کر سیدھے اپنی قوم کی مجلس میں پہنچے۔ قوم کے لوگوں نے سعد کو آتے دیکھ کر دور ہی سے پہچان لیا کہ رنگ دوسرا ہے۔ مجلس میں پہنچتے ہی سعد نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم مجھ کو کیسا سمجھتے ہو۔ سب نے متفق ہو کر کہا کہ تم ہمارے سردار اور با اعتبار رائے اور مشورے کے سب سے افضل اور بہتر ہو سعد نے کہا کہ خدا کی قسم میں تم سے اس وقت تک کلام نہ کروں گا۔ جب تک تم سب اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہ لے آؤ۔ شام نہ گزری کہ قبیلہ بنی عبد الاشہل میں کوئی مرد اور عورت ایسا نہ رہا کہ جو مسلمان نہ ہو گیا ہو۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

ایک شخص جو ایک نماز پڑھے بغیر جنت میں چلا گیا

قبیلہ بنی عبد الاشہل میں سے صرف ایک شخص عمرو بن ثابت جن کا لقب اصیرم تھا اسلام لانے سے رہ گیا۔ جنگ احد کے دن اسلام لائے اور اسلام لاتے ہی جہاد کے لئے معرکہ

قتال میں پہنچ گئے اور شہید ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بطور معمہ فرمایا کرتے تھے بتلاؤ وہ کون شخص ہے کہ جس نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی اور جنت میں پہنچ گیا۔

جب لوگ جواب نہ دیتے تو آپ خود فرماتے کہ وہ قبیلہ بنی عبدالاشہل میں اصیرم ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

مدینہ میں مسلمانوں کا ہفتہ وار اجتماع

اسی سال اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں جمعہ قائم کیا آپ نے جب یہ دیکھا کہ یہود اور نصاریٰ میں اجتماع کیلئے ہفتہ میں ایک خاص دن مقرر ہے یہود ہفتہ کے روز نصاریٰ اتوار کے دن ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اس لئے یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ ہفتہ میں ایک دن ایسا مقرر کریں کہ جس میں سب جمع ہوں اور اللہ کا ذکر اور شکر کریں اور نماز پڑھیں اور اس کی عبادت اور بندگی کریں اسعد بن زرارہ نے جمعہ کا دن تجویز کیا اور اس روز سب کو نماز پڑھائی۔

غرض یہ کہ حضرات صحابہ نے محض اپنے اجتہاد سے ایک تو جمعہ قائم کیا اور دوسرے جمعہ کے دن کو جاہلیت میں یوم عروبہ کہتے تھے بجائے یوم عروبہ کے اس دن کا نام جمعہ تجویز کیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جمعہ کا حکم

وحی الٰہی نے دونوں اجتہادوں کی تصویب کی جس کے بارہ میں آیت نازل ہوئی۔

اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ وذروا البیع. الایۃ

اور اس کے کچھ ہی روز بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک والا نامہ جمعہ قائم کرنے کے بارے میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے نام پہنچا کہ نصف النہار کے بعد سب مل کر بارگاہ خداوندی میں ایک دوگانہ سے تقرب حاصل کیا کرو۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

مدینہ والوں کی دوسری اجتماعی بیعت

حضور ﷺ کی خدمت میں مدینہ تشریف آوری کی درخواست

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی تبلیغ کا ثمرہ

پچھلے سال چھ مسلمانوں کی کوشش سے یثرب کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا تھا اس سال حضرت مصعب بن عمیر مقری رضی اللہ عنہ کی رہنمائی میں بارہ حضرات نے کوشش کی تو نہ صرف یثرب بلکہ یثرب سے باہر موضع قبا تک اسلام پہنچ گیا۔

وہ حضرات جنہوں نے دوسرے سال بیعت کی

جب دوسرا سال آیا جو نبوت کا تیرھواں سال تھا تو مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے ایک گروہ کو اپنے ہمراہ لیکر بغرض ادائے حج مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کے علاوہ اوس اور خزرج کے مشرکین بھی جو ابھی تک اسلام کے حلقہ بگوش نہیں ہوئے تھے حج کیلئے روانہ ہوئے زیادہ تعداد انہیں لوگوں کی تھی چار سو سے زیادہ تھے۔ مشہور قول کی بنا پر مسلمانوں کی تعداد پچھتر تھی جس میں سے تہتر مرد اور دو عورتیں تھیں۔ جنہوں نے آپکے دست مبارک پر اسی گھاٹی میں بیعت کی جس میں پہلے کی تھی اور اس بیعت کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے۔

(۱) اسعد ابن زرارہ رضی اللہ عنہ (۲) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

(۳) اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ (۴) اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ

(۵) قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ (۶) قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

(۷) قیس بن عامر رضی اللہ عنہ
(۸) قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ
(۹) کعب بن مالک رضی اللہ عنہ
(۱۰) مالک بن تیہان ابوالہیثم رضی اللہ عنہ
(۱۱) مالک بن عبداللہ جعشم رضی اللہ عنہ
(۱۲) مسعود بن یزید رضی اللہ عنہ
(۱۳) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
(۱۴) معاذ بن الحارث رضی اللہ عنہ
(۱۵) معاذ بن عمرو الجموح رضی اللہ عنہ
(۱۶) معقل بن المنذر رضی اللہ عنہ
(۱۷) معن بن عدی رضی اللہ عنہ
(۱۸) معوذ بن الحارث رضی اللہ عنہ
(۱۹) منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ
(۲۰) نعمان بن حارثہ رضی اللہ عنہ
(۲۱) نعمان بن عمرو رضی اللہ عنہ
(۲۲) ہانئ بن نیار ابو بردہ رضی اللہ عنہ
(۲۳) یزید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
(۲۴) یزید بن خذام رضی اللہ عنہ
(۲۵) یزید بن عامر رضی اللہ عنہ
(۲۶) یزید بن المنذر رضی اللہ عنہ
(۲۷) نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہ
(۲۸) اسماء بنت عمرو رضی اللہ عنہ

(سیرۃ المصطفیٰ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف آوری کی دعوت کا فیصلہ

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی دعوت کی خصوصیت یہ تھی کہ جیسے ہی زبان پر کلمہ توحید جاری ہوتا دل کے خلوت کدہ میں عشق و محبت کی شمع روشن ہو جاتی۔ جو نہ صرف ظلمت دور کرتی بلکہ انانیت کو بھی فنا کر دیتی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یثرب میں تشریف لانے کی دعوت دینا صرف ایک معزز مہمان کو بلانا نہیں تھا بلکہ ایک ہیبت انگیز اور حد سے زیادہ پر خطر اقدام تھا آپ کو تشریف لانے کی دعوت دینا ایک عظیم ترین انقلاب کو دعوت دینا تھا۔ یعنی اسی حاکمیت کو تسلیم کرنا تھا جس کے مقابلہ میں ہر ایک کی حاکمیت ختم ہو رہی تھی۔ اوس اور خزرج کے رؤسا اور شیوخ خصوصاً عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس خزرج اور ابو عامر بن صیفی بن نعمان رئیس اوس، جو نہ صرف حاکمیت بلکہ ملکویت اور بادشاہت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ آپ کا مدینہ تشریف لے آنا ان سب کے لئے پیغام ناکامی تھا جو ان سب کے لئے مایوس کن تھا جو ان کی حاکمیت تسلیم کرانے کیلئے اتنے

سرگرم اور پر جوش تھے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کے لئے شاہانہ تاج کی تیاری کی فرمائش بھی دے چکے تھے۔ دوسری طرف آپ کی تشریف آوری قریش کی ناکامی تھی اور تشریف آوری کی دعوت دینا قریش جیسی جماعت کے مقابلہ پر سینہ سپر ہونا تھا جس کی عظمت کی چھاپ ہر ایک عربی بولنے والے کے دل پر تھی اور جس کی ناکامی پورے عرب کی ناکامی تھی اس کے علاوہ اقتصادی مسائل بھی نہایت اہم تھے۔ مثلاً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار جو اہل و عیال کو ساتھ لے کر آئیں گے ان کی ضروریات زندگی کس طرح فراہم ہوں گی۔

یہ تمام مسائل تھے۔ جو ایمان لانے والے تھے وہ دانش مند تھے۔ ان تمام باتوں کو سمجھتے تھے مگر ان کے ایمان کی حرارت اس طرح کے تمام خطرات کے لئے برق خرمن سوز تھی۔

یہ نومسلم تھے۔ ان کا اسلام نیا تھا۔ مگر یہ نیا اسلام سراسر عشق تھا جس نے محبوب کیلئے ہر ایک قربانی اور ایثار کو محبوب بنادیا تھا۔ (سیرت مبارکہ)

مسند احمد میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ دس سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے گھروں اور بازاروں اور میلوں میں جا جا کر اسلام کی دعوت دیتے اور یہ فرماتے من یؤوینی ومن ینصرنی حتے ابلغ رسالة ربی وله الجنة کون ہے جو مجھ کو ٹھکانہ دے کون ہے جو میری مدد کرے یہاں تک کہ خدا کا پیام پہنچا سکوں اور اس کے لئے جنت ہو مگر کوئی ٹھکانہ دینے والا اور مدد کرنے والا نہ ملتا تھا۔ یہاں تک اللہ نے ہم کو یثرب سے آپ کے پاس بھیجا ہم نے آپ کی تصدیق کی اور آپ کو ٹھکانہ دیا۔ ہم میں جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا وہ مسلمان ہو کر واپس ہوتا۔ جب مدینہ کے گھر گھر میں اسلام پہنچ گیا تو ہم نے مشورہ کیا کہ آخر کب تک ہم اللہ کے رسول کو اس حال میں چھوڑے رکھیں کہ آپ مکہ کے پہاڑوں میں پریشان اور خوف زدہ پھرتے رہیں ستر آدمی ہم میں سے موسم حج میں مدینہ سے مکہ آئے الی آخر الحدیث (کاندھلویؒ)

اہل مدینہ کی مکہ روانگی

حج کا زمانہ آیا۔ اوس اور خزرج کے تقریباً پانچ سو افراد حج کے لئے روانہ ہوئے یہ اہل ایمان بھی اس عزم کے ساتھ روانہ ہوئے کہ محبوب رب العالمین کو دعوت دیں کہ وہ مکہ کی

خشک پہاڑیوں کو خیر باد کہیں اور یثرب کے سبزہ زار کو ایمان کا کشت زار بنائیں۔ لیکن یثرب کے سربراہ جو قریش کے ہم مشرب و ہم نوا تھے اس جرات کے لئے تیار نہیں تھے جس میں قریش سے براہ راست تصادم تھا لہٰذا ان فدا کاروں نے اپنے منصوبہ کو پوشیدہ رکھا۔ ان کی تعداد تہتر تھی۔ ان میں دو عورتیں تھیں تیس نوجوان باقی ادھیڑ عمر۔

مکہ پہنچ کر بھی اس منصوبہ کو راز ہی رکھا اور رازداری کیساتھ ہی تاریخ۔ وقت اور مقام طے کیا گیا۔

حضرت عباس کا انصار کو خطاب کہ اپنی دعوت کی مشکلات پر غور کرو

۱۱ ذی الحجہ کی رات چاند آدھی مسافت طے کر چکا لوگ سو گئے تو طے کردہ خفیہ قرارداد کے بموجب اسلام کے یہ جاں نثار فرداً فرداً روانہ ہوئے۔ اور اسی گھاٹی میں پہنچے جہاں گذشتہ سال بیعت ہوئی تھی۔ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے چچا عباس وہاں رونق افروز ہو چکے تھے۔

یہ بھی خواجہ ابوطالب کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے بہی خواہ، محافظ اور جان چھڑکنے والے مددگار تھے اور اگرچہ عمر میں صرف دو سال بڑے تھے مگر خود کو اپنے عزیز بھتیجے کا سرپرست سمجھتے تھے اور تجارتی کاروبار کی وجہ سے باہر آنا جانا رہتا تھا تو قبائل سے واقف تھے شیوخ قبائل سے تعلقات تھے ان کو جانتے پہنچانتے تھے۔

اس تعارف کے ساتھ خوبی یہ تھی کہ بات کرنے کا اچھا سلیقہ بھی تھا چنانچہ جب آنے والے آگئے تو سلسلہ کلام آپ نے ہی شروع کیا۔

آپ جس ارادہ سے آئے ہیں یقین ہے کہ اس کی ذمہ داری کا بھی آپ صاحبان نے بخوبی اندازہ کر لیا ہوگا۔ محمدؐ کی حمایت پورے عرب کی مخالفت ہے۔ محمدؐ اپنے خاندان کے سب سے زیادہ باعزت رکن ہیں۔ خاندان کا ہر فرد ان کی حفاظت کیلئے سربکف رہتا ہے جو ان کے ہم نوا ہو گئے ہیں وہ ہم نوائی کی وجہ سے اور جو ان کے ہم نوا نہیں ہوئے ہیں وہ خاندانی حمایت قرابت اور خود ان کے اخلاق و کردار کی وجہ سے ان کے جاں نثار ہیں۔ محمدؐ کی حفاظت سے ہم نہ اکتائے ہیں نہ تھکے ہیں۔ محمدؐ نے خود ہی آپ کی دعوت منظور کی ہے اور وہ ہم سے الگ ہو کر آپ کے یہاں جانا چاہتے ہیں۔

آپ پوری طرح غور کر لیں۔ اپنی طاقت اور ہمت کا موازانہ کر لیں۔ پورے عرب کی متحدہ طاقت سے آپ کو مقابلہ کرنا ہوگا۔ سارا عرب ایک کمان سے آپ پر پتھر برسائے گا۔ کیا آپ میں مقابلہ کی طاقت ہے۔ آپ صاحبان کو لڑائیوں کا تجربہ ہے۔ کیا آپ لوگ نامعلوم مدت تک پامردی اور استقلال سے پورے عرب کے مقابلے میں ثابت قدم رہ سکیں گے۔ صاف بات اچھی ہوتی ہے پوری طرح سوچ لو۔ جدا ہونے سے پہلے پختہ فیصلہ کر لو۔ بعد کی شرمندگی سے اس وقت کی صاف بات ہزار درجہ بہتر ہے۔ (سیرت مبارکہ)

انصار کی درخواست کہ حضورؐ ارشاد فرمائیں

انصار نے کہا کہ آپ نے جو فرمایا وہ ہم نے سنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں ہم اس کے لئے حاضر ہیں کہ آپ اپنے لئے اور خدا کے لئے جو چاہیں ہم سے عہد لیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بات ختم ہوئی تو حضرت براء بن معرور نے مجمع کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا:۔

آپ نے جو فرمایا ہم پہلے سے ہی سمجھے ہوئے ہیں۔ ہم وفاداری، سچائی اور رسول اللہ کی حفاظت میں اپنی جانیں قربان کر دینے کا عزم صمیم لے کر یہاں آئے ہیں۔ لیکن ہم چاہتے ہیں حضرت والا (جن کے لئے سر ہتھیلی پر رکھ کر ہم یہاں آئے ہیں) وہ خود فرمائیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ (سیرت مبارکہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

آپ نے فرمایا میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور اسلام پیش کیا اور قرآن کی تلاوت فرمائی اور کہا کہ اللہ کے لئے تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اس کی عبادت اور بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور اپنے ساتھیوں کے لئے یہ چاہتا ہوں کہ ہم کو ٹھکانہ دو اور جس طرح اپنی اور اپنے بچوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح ہماری حفاظت کرو اور خوشی ہو یا رنج و راحت ہو یا کلفت افلاس ہو یا تونگری ہر حال میں

میری طاعت کرو اور جو کہوں وہ سنو۔

انصار نے عرض کیا کہ اگر ہم ایسا کریں تو ہم کو اس کا کیا صلہ ملے گا۔آپ نے فرمایا جنت (یعنی آخرت کی لازوال نعمتیں) انصار نے کہا سب منظور لایئے دست مبارک اور بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے۔

انصار کی طرف سے ایک اندیشہ کا اظہار

ابوالہیثم بن تیہانؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو کچھ عرض کرنا ہے وہ یہ کہ ہم میں اور یہود میں کچھ تعلقات ہیں۔آپ سے تعلق قائم ہونے کے بعد ان سے ہمارے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔کہیں ایسا تو نہ ہو کہ جب اللہ آپ کو فتح و نصرت نصیب فرمائے تو آپ مکہ مکرمہ واپس ہو جائیں اور ہم کو (تڑپتا ہوا) یہاں چھوڑ جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اطمینان دلانا اور سب کا بیعت کرنا

آپ یہ سن کر مسکرائے اور یہ فرمایا۔

ہرگز نہیں تمہاری جان میری جان ہے۔تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں جس سے تمہاری جنگ ہے اس سے میری جنگ ہے۔جس سے تمہاری صلح ہے اس سے میری بھی صلح ہے۔اس پر سب نے نہایت رضاء رغبت کے ساتھ بیعت کی۔

سب سے پہلے اسعد بن زرارہ نے جو سب سے زیادہ خوش نصیب اور باسعادت تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی اور پھر براء بن معرور نے اور پھر اسید بن حضیر نے۔

معاہدۂ بیعت کا متن

بیعت میں اسی عہد کو دہرایا گیا جو پہلی بیعت (عقبۂ اولیٰ) کی بیعت کے وقت کیا گیا تھا کہ خدا احد کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔اللہ کا کسی کو شریک نہیں گردانیں گے۔چوری نہیں کریں گے۔زنا نہیں کریں گے۔اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔کسی پر بہتان نہیں باندھیں گے۔جس اچھی بات کا حکم کیا جائے گا۔تعمیل کریں گے۔نافرمانی نہیں کریں گے۔

اس کے علاوہ یہ بھی عہد لیا گیا۔

کسی کو ناحق قتل نہیں کریں گے۔ لوٹ نہیں ڈالیں گے۔ ہر موقع پر حق بات کہیں گے۔ کسی کی مذمت و ملامت کا خوف ہمیں کبھی بھی حق بات کہنے سے نہیں روک سکے گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) یثرب تشریف لے آئیں گے تو اپنی اولاد اور خود اپنی جانوں کی طرح ان کی حفاظت کریں گے۔ ان سب باتوں کا بدلہ جنت ہوگا۔

بیعت کے بعد عباس بن عبادہ کا انصار سے خطاب

عباس بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے (بیعت کو پختہ اور مستحکم کرنے کی غرض سے) کہا اے گروہ خزرج تم کو معلوم بھی ہے کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ سمجھ لو کہ عرب اور عجم سے جنگ کرنے پر بیعت کر رہے ہو۔ اگر آئندہ چل کر مصائب و شدائد سے گھبرا کر چھوڑ دینے کا خیال ہو تو ابھی سے چھوڑ دو اس وقت گھبرا کر چھوڑنا خدا کی قسم دنیا اور آخرت کی رسوائی کا سبب ہوگا اور اگر تم آئندہ کے شدائد و مصائب کا تحمل کر سکتے ہو اور اپنی جان اور مال پر کھیل کر اپنے عہد اور وعدہ پر قائم رہ سکتے ہو تو واللہ اس میں تمہارے لئے دنیا اور آخرت کی خیر اور بہبودی ہے۔ سب نے کہا ہاں ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔ آپ کیلئے جان و مال سے ہم کو دریغ نہیں۔ مصائب سے ڈر کر خدا کی قسم ہم اس بیعت کو نہیں چھوڑ سکتے۔

نقیبوں کا تقرر

جب سب بیعت کر چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے بارہ نقیب منتخب فرمائے تھے۔ اسی طرح میں بھی جبریل کے اشارہ سے تم میں سے بارہ نقیب منتخب کرتا ہوں اور ان بارہ سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ تم اپنی اپنی قوم کے کفیل اور ذمہ دار ہو۔ جیسے حواریین عیسیٰ علیہ السلام کے کفیل تھے۔

زہری فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تم میں سے بارہ نقیب منتخب کروں گا تم میں سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مجھ کو کیوں نہیں نقیب بنایا گیا اس لئے کہ میں مامور ہوں جس طرح حکم ہے۔ اسی طرح کروں گا اور جبریل امین آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جس جس کو نقیب بنانے کا حکم تھا اس کی طرف اشارہ کرتے جاتے تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے انصار میں سے ایک شیخ نے بیان کیا کہ انتخاب کے وقت جبریل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اشارہ سے بتلاتے جاتے تھے کہ فلاں کو نقیب بنائیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

نقیب مقرر ہونے والوں کے اسماء گرامی

جن حضرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقیب منتخب فرمایا۔ ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ	۲۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
۳۔ سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ	۴۔ رافع بن مالک رضی اللہ عنہ
۵۔ ابو جابر عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ	۶۔ براء بن معرور رضی اللہ عنہ
۷۔ سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ	۸۔ منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ
۹۔ عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ	۱۰۔ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ
۱۱۔ سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ	۱۲۔ رفاعۃ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ

بعض اہل علم نے بجائے رفاعہ کے ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کیا ہے (سیرۃ المصطفیٰ)

قریشی سرداروں کی بے چینی اور تعاقب

جب صبح ہوئی اور یہ خبر مکہ میں پھیلی تو قریش نے انصار سے آکر دریافت کیا قافلہ میں جو یثرب کے مشرک اور بت پرست تھے چونکہ ان کو اس بیعت کا بالکل علم نہ تھا اس لئے ان لوگوں نے اس خبر کی تکذیب کی اور یہ کہہ دیا کہ یہ خبر بالکل غلط ہے اگر ایسا ہوتا تو ہم کو ضرور علم ہوتا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

رؤسائے مدینہ عبداللہ بن ابی بن سلول وغیرہ سے قریش کے تعلقات تھے انہیں سے تعارف تھا۔ انہیں سے تحقیقات کا سلسلہ شروع کیا گیا اور انہیں سے یہ باتیں کہی گئیں ان میں سے کوئی بھی اس بیعت میں شریک نہیں ہوا تھا نہ ان کو خبر تھی۔ انہوں نے قسمیں کھا کھا کر انکار کیا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہا۔ میری قوم اگر ایسا کرتی تو وہ یقیناً مجھ سے مشورہ کرتی۔ ورنہ کم از کم خبر ضرور دیتی۔ یہ ممکن نہیں میری اطلاع کے بغیر کوئی ایسا عمل ہو جائے۔ (سیرت مبارکہ)

انصار کا بحفاظت واپس لوٹ جانا

یہ انکار کرنے والے سچے تھے۔ لیکن بیعت کرنے والوں کو فکر تھی کہ ان سے دریافت کیا گیا تو کیا جواب دیں گے۔ وہ خاموش تھے اور ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ دفعتہً حضرت کعب بن مالک کی نظر ایک قریش زادے "حارث بن ہشام مخزومی" کی نئی جوتیوں پر پڑ گئی جو قیمتی اور خوبصورت تھیں۔ انہیں مذاق کرنے اور لوگوں کی توجہ ہٹانے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے عبداللہ بن ابی سلول کو مخاطب کر کے کہا۔ دیکھئے جوتیاں ایسی ہونی چاہئیں۔ آپ رئیس مدینہ اور قوم کے سردار ہیں۔ آپ بھی ایسی ہی جوتیاں پہنا کیجئے۔ اس مزاحیہ فقرہ کو حارث نے طنز سمجھا۔ اس نے دونوں جوتیاں نکال کر کعب کی طرف پھینک دیں۔ لوتم پہنو۔ ضرور پہنو۔ خدا کی قسم ضرور پہنو۔

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی نے دیکھا کہ حارث کو ناگواری ہوئی ہے تو اس نے مجھے ڈانٹا۔ تم نے خواہ مخواہ ان کو ناراض کر دیا۔ ان کی جوتیاں واپس کر دو۔ میں نے کہا یہ دے چکے ہیں اب میں واپس نہیں کروں گا اور دل میں سوچا یہ فال نیک ہے۔ عنقریب وہ وقت آئے گا کہ میں ان تکلفات کو ان لوگوں سے ختم کر دوں گا۔ (سیرت مبارکہ)

بہر حال اس طنز اور مذاق میں اصلی بات رل گئی۔ ہماری جان بچ گئی۔ ہم سے کسی نے نہیں پوچھا جب یہ لوگ ہمارے خیموں سے باہر نکل گئے تو طے شدہ پروگرام کے بموجب بیعت کرنے والے حضرات نے کھسکنا شروع کیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو قریشیوں کا گرفتار کر لینا

قریش کو پھر احساس ہوا۔ وہ پھر دوڑے مگر ہم سب نکل چکے تھے۔ دو آدمی کسی طرح باقی رہ گئے تھے۔ ان کو راستہ میں پکڑ لیا یہ قبیلہ خزرج کے رئیس سعد بن عبادہ تھے اور اسی قبیلہ کے دوسرے صاحب منذر بن عمرو۔ یہ دونوں نقیب بھی منتخب ہوئے تھے۔ حضرت منذر پھر بھی کسی طرح بچ کر نکل آئے۔ لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ نہ نکل سکے۔ اونٹ کے کجاوے میں سے چمڑہ کا تسمہ نکال کر ان کی مشکیں کس دیں۔ ان کے سر پر بڑے بال تھے۔ مارتے پیٹتے اور ان کے بڑے بال کھینچتے ہوئے مکہ میں لے گئے۔ وہاں لوگوں نے بہت ذلیل کیا

مار اپیٹا۔ کسی نے منہ پر بھی تھوک دیا۔ (محمد میاںؒ)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ پر مظالم اور رہائی

انہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص آیا۔ بظاہر نہایت سنجیدہ نیک خصلت، شریف صورت تھا مجھے خیال آیا کہ یہ مجھ پر رحم کرے گا اور میری جان چھڑا دیگا۔ مگر

بھولی بھالی شکل والے ہوتے ہیں جلاد بھی

میرے پاس پہنچا تو اس نے رحم کے بجائے بڑے زور سے کھینچ کر طمانچہ مارا۔ تب میں نے سوچا کہ ان انسان نما وحشیوں میں کم از کم مسلمانوں کے حق میں شرافت کا نام ونشان نہیں رہا۔ ایک اور شخص جو غالباً یہ حرکتیں دیکھتے دیکھتے تھک گیا تھا۔ اس نے کہا کیا مکہ میں تمہارا کوئی حلیف نہیں ہے۔ تب مجھے خیال آیا۔ میں نے کہا۔ میرے بہت سے حلیف ہیں۔ جبیر بن معطم بن عدی سے میرے تجارتی تعلقات بھی ہیں، حارث بن حرب بن امیہ سے بھی میرے تعلقات گہرے ہیں۔ آپکی عنایت ہوگی۔ ان میں سے کسی کو خبر کردو۔ یہ شخص گیا۔ حرم کعبہ کے قریب ہی ان سے ملاقات ہوگئی۔ ان کو میرا نام بتایا۔ یہ دونوں آئے اور ان ظالموں سے مجھے نجات دلائی۔

مدینہ میں قبولیت اسلام کی عمومی فضا

انصار کا قافلہ مکہ سے مدینہ پہنچا اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ مدینہ کے اکثر قبائل اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ مگر بعض بوڑھے ہنوز اسی قدیم بت پرستی پر نہایت سختی کے ساتھ قائم تھے۔ منجملہ انکے عمرو بن الجموح قبیلہ بنی سلمہ کے سردار بھی تھے جنکے بیٹے معاذ بن عمرو بن الجموح ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کر کے مکہ سے واپس آئے تھے۔

عمرو بن الجموح کے بت کا انجام اور ان کا اسلام لانا

عمرو بن الجموح نے لکڑی کا ایک بت بنا رکھا تھا جس کی عمرو بڑی تعظیم وتکریم کرتے تھے ایک رات خود ان کے بیٹے معاذ بن عمرو نے اور معاذ بن جبل نے اور بنی سلمہ کے چند

نوجوان مسلمانوں نے مل کر یہ کیا کہ عمرو کا بت لیجا کر ایک چوبچہ میں اوندھا کر کے ڈال آئے۔ جب صبح ہوئی تو عمرو بن الجموح نے دیکھا کہ ان کا خود ساختہ خدا غائب ہے۔ کہنے لگے افسوس نامعلوم ہمارے خدا کو کون لے بھاگا اور اس کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک چوبچہ میں اوندھا پڑا ہوا ہے وہاں سے نکال کر اس کو غسل دیا اور خوشبو لگائی جب دوسری شب ہوئی تو پھر ان لوگوں نے ایسا ہی کیا کہ اس بت کو گڑھے میں ڈال دیا۔ جب صبح ہوئی تو عمرو بن الجموح اس کو تلاش کر کے لائے۔ نہلایا اور خوشبو لگائی۔

جب کئی روز متواتر اسی طرح گزرے تو عمرو بن الجموح ایک روز تلوار لائے اور اس بت کے کاندھے پر رکھ دی اور کہا واللہ مجھ کو یہ معلوم نہیں کہ کون شخص تیرے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ تیرے میں اگر کوئی خیر اور بھلائی ہے تو یہ تلوار موجود ہے تو آپ اپنی حفاظت کر لے جب رات ہوئی تو ان لوگوں نے تلوار تو اس بت کے کاندھے سے اٹھائی اور ایک مرے ہوئے کتے اور اس کے بت کو ایک رسی میں باندھ کر کسی گھڑے میں لٹکا آئے جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ بت غائب ہے۔ عمرو بن الجموح تلاش میں نکلے۔

دیکھا کہ بت اور مرا ہوا کتا دونوں ایک رسی میں بندھے ہوئے کنویں میں لٹک رہے ہیں۔ دیکھتے ہی آنکھیں کھل گئیں اور (بت سے مخاطب ہو کر) یہ کہا واللہ اگر تو خدا ہوتا تو اس قدر ذلیل نہ ہوتا اور اسلام لے آئے اور اللہ جل جلالہ کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے اپنی رحمت سے اس گمراہی سے نجات دی اور نابینا سے بینا بنایا یہ شعر کہے جو کہ شرک مذمت اور توحید کی تعریف وغیرہ کے مضامین پر مشتمل تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت

نصرت الٰہی کا ظہور

حق جل وعلاً کی یہ سنت ہے کہ جب حضرات انبیاء ومرسلین کے منکرین اور مکذبین کا انکار اور تکذیب حد سے گزر جاتی ہیں اور ان کے اصحاب اور متبعین پر مصیبتوں کی کوئی انتہا باقی نہ رہتی حتیٰ کہ پیغمبران کی اصلاح سے تقریباً ناامید ہو جاتے ہیں تب اللہ عزوجل کی نصرت اور مدد نازل ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں ہے

حتی اذا ستیاس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا جاء ھم نصرنا

یہاں تک کہ انبیاء کرام ناامید ہو گئے اور ان کو یہ خدشہ ہوا کہ مبادا لوگ یہ خیال کریں اور گمان کریں ہم سے غلط کہا گیا اس وقت ہماری مدد ان کے پاس پہنچی۔

اسی طرح جب آپ کی اور آپ کے اصحاب کی مصائب انتہا کو پہنچ گئیں اور سفر طائف نے ان کی اصلاح سے ایک قسم کی ناامیدی بھی پیدا کردی۔ تب **جاء ھم نصرنا** کا مصداق ظاہر ہوا اور اللہ تعالیٰ کی نصرت اور امداد آ پہنچی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انصار کو آپ کی اور آپ کے دین کی نصرت اور حمایت کے لئے مدینہ سے بھیجا وہ آئے اور آپ کے دست مبارک پر آپ کی نصرت وحمایت کی بیعت کر کے واپس ہوئے۔

ہجرت کی ابتدائی بشارت

جس طرح نبوت کی ابتداء رویائے صالحہ (سچے خواب) سے ہوئی اسی طرح ہجرت کی ابتداء بھی رویائے صالحہ سے ہوئی۔ ابتداء حضور کو خواب میں ہجرت کی جگہ دکھلائی گئی۔ مقام کا نام نہیں بتلایا گیا بلکہ اجمالاً صرف اتنا دکھلایا گیا کہ آپ ایک نخلستان (کھجور والی سرزمین

کی طرف ہجرت فرما رہے ہیں اس لئے آپ کو خیال ہوا کہ شاید وہ مقام یمامہ یا ہجر ہو آپ اسی تامل اور تردد میں تھے کہ وحی الٰہی نے مدینہ منورہ کی تعیین کر دی تب آپ نے بحکم الٰہی حضرات صحابہ کو مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔

تین شہروں کا پیش کیا جانا

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ وحی نازل فرمائی کہ مدینہ، بحرین اور قنسرین ان تین شہروں میں سے جس شہر میں بھی جا کر آپ فروکش ہوں وہی آپ کا دار الہجرت ہے۔

جس طرح مہمان عزیز پر متعدد مکانات پیش کئے جاتے ہیں جس کو چاہے پسند کرے اسی طرح بطور اعزاز و اکرام حضور کو ہجرت کے لئے متعدد مقامات دکھلائے گئے اور اخیر میں مدینہ منورہ متعین اور منتخب ہوا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہجرت کی اجازت

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ بیعت عقبہ کے مکمل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم سنتے ہی پوشیدہ طور پر ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

سب سے پہلے مہاجر مدینہ، حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ

سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ابوسلمۃ بن عبدالاسد مخزومی نے مع بیوی اور بچے کے ہجرت کا ارادہ فرمایا مگر ہجرت کرنا بھی کوئی آسان نہ تھا جو ہجرت کا ارادہ کرتا قریش سد راہ ہوتے اور پوری کوشش کرتے کہ ہجرت نہ کرنے پائے ورنہ اپنے جور وستم کا تختہ مشق کس کو بنائیں گے۔ چنانچہ جب ابوسلمہ مع بیوی اور بچہ کے ہجرت کے لئے تیار ہو گئے اور اونٹ پر کجاوہ بھی کس دیا اور بیوی اور بچہ کو اس پر سوار بھی کر دیا۔ اس وقت لوگوں کو اطلاع ہوئی۔ ان کی بیوی ام سلمہ (جو کہ ابوسلمہ کی وفات کے بعد ام المومنین بنیں) کے رشتہ داروں نے یہ کہا کہ تمہیں اپنے نفس کا اختیار ہے لیکن ہماری بیٹی کو تم نہیں لے جا سکتے اور

یہ کہہ کر ام سلمہؓ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور ادھر سے ابو سلمہ کے رشتہ دار آ پہنچے اور یہ کہہ کر یہ بچہ ہمارے خاندان کا ہے اس کو کوئی نہیں لے جا سکتا۔ ام سلمہ کی گود سے چھین لیا۔ ماں اور باپ اور بچہ سب ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تن تنہا مدینہ منورہ روانہ ہوئے

حضرت ام سلمہؓ کی ہجرت

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب صبح ہوتی تو میں ابطح میں جا کر بیٹھ جاتی اور شام تک روتی رہتی جب اسی طرح ایک سال گزر گیا تو میرے بنی الاعمام میں سے ایک شخص کو مجھ پر رحم آیا اور بنی المغیر ہ سے کہا کہ تم کو اس مسکینہ پر رحم نہیں آتا۔ اس پر بنی المغیر ہ نے مجھ کو مدینہ جانے کی اجازت دیدی اور بنی الاسد نے میرا بچہ واپس کر دیا۔ میں نے بچہ کو گود میں اٹھایا اور اونٹ پر سوار ہو کر تنہا مدینہ کا راستہ لیا۔

جب مقام تنعیم پر پہنچی تو عثمان بن طلحہ ملے تنہا دیکھ کر پوچھا کہاں کا قصد ہے میں نے کہا اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں پوچھا تمہارے ساتھ کوئی نہیں میں نے کہا:

خدا کی قسم کوئی نہیں مگر اللہ تعالیٰ اور میرا یہ بچہ

یہ سن کر عثمان کا دل بھر آیا اونٹ کی مہار پکڑ کر آگے آگے ہو لئے جب منزل آتی تو اونٹ بٹھلا کر خود پیچھے ہٹ جاتے۔ جب میں اتر جاتی تو اونٹ کو دور لے جاتے اور ایک درخت سے باندھ کر اس درخت کے سایہ میں لیٹ جاتے اور جب روانگی کا وقت آتا تو اونٹ لا کر کھڑا کر دیتے اور خود پیچھے ہٹ جاتے اور یہ کہتے کہ سوار ہو جاؤ جب سوار ہو جاتی تو مہار پکڑ کر چلتے۔ جب کسی منزل پر اترتے تو ایسا ہی کرتے۔ یہاں تک کہ مدینہ پہنچے۔ جب قباء کے مکانات دور سے نظر آنے لگے تو یہ کہا کہ اسی بستی میں تمہارے شوہر ہیں۔ اللہ کی برکت کے ساتھ اس بستی میں داخل ہو اور مجھے میرے شوہر کے پاس پہنچا کر مکہ واپس آ گئے۔ خدا کی قسم میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ کسی کو شریف نہیں پایا۔

مہاجرین کی دوسری جماعت اور ابوجہل کو تشویش

پھر عامر بن ربیعہ نے مع اپنی زوجہ لیلہ بنت خیثمہ کے اور پھر ابواحمد بن جحش اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش نے مع اہل وعیال کے ہجرت کی اور مکان کو قفل ڈال دیا۔

عتبہ اور ابوجہل کھڑے ہوئے اس منظر کو دیکھ رہے تھے کہ لوگ ایک ایک کر کے مکہ سے

کوچ کر رہے ہیں۔ مکہ کے مکان خالی اور ویران ہو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر عتبہ کا دل بھر آیا اور سانس بھر کر یہ کہا۔

کل دار وان طالت سلامتها یوماً ستدرکها النکباءُ و الحوب

ہر مکان خواہ وہ کتنے ہی عرصہ تک آباد اور عشرت کدہ بنا رہے لیکن ایک نہ ایک دن وہ غم کدہ اور ماتم کدہ بن جاتا ہے۔

اور پھر یہ کہا کہ سب کچھ ہمارے بھتیجے کا کام ہے جس نے ہماری جماعت میں تفریق ڈالدی

مہاجرین کی تیسری جماعت جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے

بعدازاں عکاشہ بن محصن اور عقبہ بن وہب اور شجاع بن وہب اور اربد بن جمیرہؓ اور منقذ بن نباتہ اور سعید بن رقیش اور محرز بن نضلہ اور یزید بن رقیش اور قیس بن جابرؓ اور عمرو بن محصنؓ اور مالک بن عمروؓ اور صفوان بن عمرو رضی اللہ عنہ اور ثقیب بن عمروؓ اور ربیعہ بن اکثمؓ اور زبیر بن عبیدؓ اور تمام بن عبیدہؓ اور سخرۃ بن عبیدہؓ اور محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور مستورات میں سے زینب بنت جحشؓ اور ام حبیبہ بنت جحشؓ اور جذامہ بنت جندلؓ اور ام قیس بنت محصنؓ اور ام حبیبؓ بنت ثمامہ اور آمنہؓ بنت رقیش اور سنجرہ بنت تمیم اور حمنہؓ بنت جحش نے ہجرت کی بعدازاں حضرت عمر اور عیاش بن ابی ربیعہ بیس سواروں کے ساتھ ہجرت کیلئے روانہ ہوئے۔

ہشام بن العاص نے بھی حضرت عمر کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا لیکن قوم کے لوگوں نے مزاحمت کی اور ان کو ہجرت کرنے سے روک دیا۔

حضرت عیاش کی گرفتاری اور پھر رہائی

جب حضرت عمر اور عیاش بن ابی ربیعہ مدینہ پہنچ گئے تو ابوجہل بن ہشام اور حارث بن ہشام (ابوجہل کے بھائی جو بعد میں مشرف باسلام ہوئے) دونوں مدینہ پہنچے اور جا کر یہ کہا کہ تیری ماں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تجھ کو نہ دیکھ لے گی اس وقت نہ سر میں کنگھی کرے گی اور نہ دھوپ سے سایہ میں آئے گی۔ یہ سن کر عیاش کا دل بھر آیا اور ابوجہل کے ساتھ ہو لیے ابوجہل نے راستہ ہی سے عیاش کی مشکیں باندھ لیں اور مکہ لا کر عرصہ تک قید میں رکھا اور

طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے اور ان کی رہائی کیلئے دعا فرماتے۔

اللھم انج الولید بن الولید وسلمة بن ھشام و عیاش بن ابی ربیعه

اے اللہ تو ولید اور سلمہ اور عیاش کو مشرکین کے جور و ستم سے نجات دے۔

چنانچہ اللہ نے نجات دی اور چھوٹ کر مدینہ پہنچے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کرنے والے

جن لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی ان کے اسماء حسب ذیل ہیں

زید بن الخطاب (حضرت عمرؓ کے بڑے بھائی) اور سراقہ کے دونوں بیٹے عمرو بن سراقہ اور عبداللہ بن سراقہ خنیس بن حذافہ سہمی اور سعید بن عمرو بن نفیل اور واقد بن عبداللہ تمیمی اور خولی بن خولی اور مالک بن ابی خولی اور بکیر کے چاروں بیٹے ایاس بن بکیر اور عامر بن بکیر اور عاقل بن بکیر اور خالد بن بکیر رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے بعد ازاں ہجرت کرنے والوں کا ایک تانتا بندھ گیا۔

رفتہ رفتہ تمام صحابہ ہجرت کر گئے

طلحہ بن عبیداللہ اور صہیب بن سنان اور حمزہ بن عبدالمطلب اور زید بن حارثہ اور ابو مرثد کناز بن حصن اور انسہ اور ابو کبشہ اور عبیدة بن الحارث اور ان کے دونوں بھائی طفیل بن حارث اور حصین بن حارث اور مسطح بن اثاثہ اور سویبط بن سعد اور طلیب بن عمیرؓ اور خباب بن الارت اور عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام اور ابو سبرة بن ابی رہم، مصعب بن عمیر ابوحذیفہ بن عتبہ اور سالم مولی ابی حذیفہ اور عتبہ بن غزوان اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم اجمعین ہجرت کر کے مدینہ پہنچے الغرض رفتہ رفتہ تمام صحابہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ میں سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کوئی باقی نہ رہا۔ مگر چند بے کس اور بے پناہ مسلمان جو کفار کے پنجہ میں پھنسے ہوئے تھے۔

حضور ﷺ کی ہجرت

سرداروں کا مشورہ

قریش نے جب یہ دیکھا کہ صحابہ رفتہ رفتہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آج کل میں جانے والے ہیں تو مشورہ کے لئے دار الندوہ میں حسب ذیل سرداران قریش جمع ہوئے۔ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، طعیمۃ بن عدی، جبیر بن مطعم، حارث بن عامر، نضر بن حارث، ابوالبختری بن ہشام، زمعۃ بن الاسود حکیم بن حزام، ابوجہل بن ہشام، نبیہ اور منبہ پسران حجاج، امیۃ بن خلف وغیرہ، ابلیس لعین ایک بوڑھے کی شکل میں نمودار ہوا۔ اور دروازہ پر کھڑا ہو گیا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں۔ کہا میں نجد کا ایک شیخ ہوں۔ تمہاری گفتگو سننا چاہتا ہوں اگر ممکن ہوا تو اپنی رائے اور مشورہ سے میں تمہاری امداد کروں گا۔

لوگوں نے اندر آنے کی اجازت دی اور گفتگو شروع ہوئی کسی نے کہا کہ آپ کو کسی بند کوٹھڑی میں قید کر دیا جائے۔ شیخ نجدی نے کہا یہ رائے درست نہیں اس لیے کہ اس کے اصحاب اگر کہیں سن پائیں تو تم پر ٹوٹ پڑیں گے اور ان کو چھڑا کر لے جائیں گے کسی نے کہا کہ آپ کو جلائے وطن کر دیا جائے۔ شیخ نجدی نے کہا یہ رائے تو بالکل ہی غلط ہے کیا تم کو اس کے کلام کی خوبی اور شرینی اور دل آویزی اور دلوں پر اس کا چھا جانا معلوم نہیں اگر ان کو یہاں سے نکال دیا گیا تو ممکن ہے کہ دوسرے شہر والے ان کا کلام سن کر ان پر ایمان لے آئیں اور پھر سب مل کر ہم پر حملہ آور ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ (نعوذ باللہ)

ابوجہل نے کہا میری رائے یہ ہے کہ نہ تو ان کو قید کیا جائے اور نہ جلائے وطن کیا جائے۔ بلکہ ہر قبیلہ میں سے ایک نوجوان منتخب کیا جائے اور پھر سب مل کر دفعۃً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر ڈالیں۔ اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہو جائے گا اور بنی عبدمناف تمام قبائل سے نہ لڑ سکیں گے۔ مجبوراً خون بہا اور دیت پر معاملہ ختم ہو جائے گا۔

شیخ نجدی نے کہا واللہ رائے تو بس یہ ہے اور حاضرین جلسہ نے بھی اس رائے کو بہت پسند کیا اور یہ بھی طے پایا کہ یہ کام اسی شب میں انجام کو پہنچا دیا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع

ادھر جلسہ برخاست ہوا اور ادھر جبریل امین وحی ربانی لے کر پہنچے۔

واذیمکربک الذین کفروا لیثبتوک اویقتلوک او یخرجوک ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین

اور یاد کرو جس وقت کافر تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا نکال دیں اور طرح طرح کے فریب کرتے تھے اور تدبیر کرتا ہے اللہ اور اللہ بہترین تدبیر فرمانے والا ہے۔

اور تمام واقعہ سے آپ کو مطلع کیا اور من جانب اللہ آپ کو ہجرت مدینہ کی اجازت کا پیام پہنچایا اور یہ دعا تلقین کی گئی۔

قل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیراً

اور یہ دعا مانگئے کہ اے پروردگار مجھ کو سچا پہنچانا پہنچا دیجئے اور سچا نکالنا مجھ کو نکالیے اور اپنے پاس سے مجھ کو ایک حکومت اور نصرت عطا فرمائیے۔

انتظامات ہجرت

انبیاء علیہم السلام خدا پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔ وہ اعلیٰ درجہ کے متوکل بلکہ آداب توکل

کے معلم اور متوکلین کے امام و پیشوا ہوتے ہیں۔ اس غیر معمولی توکل اور اعتماد کے نتیجہ میں غیبی تائید اور نصرت خداوندی کی وہ غیر معمولی صورتیں بھی پیش آتی رہتی ہیں جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں جن کو معجزہ کہا جاتا ہے اس کے باوجود وہ ظاہری اور مادی اسباب کو نظر انداز نہیں کرتے کیونکہ وہ صرف خانقاہ نشین درویش نہیں ہوتے ان کی زندگی صرف ان کے لئے نہیں ہوتی وہ نوع انسان کے معلم ہوتے ہیں اور ان کی زندگی پوری نوع انسان کیلئے سبق ہوتی ہے' مکان سے نکلتے وقت قدرت نے خاص طرح کی مدد کی مگر آپ نے اور آپ کے رفیق خاص نے روپوش رہنے اور خفیہ روانگی کا جو نظام قائم کیا تھا وہ امت کیلئے بہترین سبق ہے اس کی تفصیل خاص طور پر قابل مطالعہ ہے۔

رفیق سفر کا تقرر اور حضرت ابو بکرؓ کی خوشی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین سے دریافت فرمایا کہ میرے ساتھ کون ہجرت کریگا۔ جبریل امین نے کہا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عین دوپہر کے وقت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا اس ناچیز کو بھی ہم رکاب ہونے کا شرف حاصل ہو سکے گا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔

ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ ابو بکر یہ سن کر رو پڑے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس سے پیشتر مجھ کو گمان نہ تھا کہ فرط مسرت سے بھی کوئی رونے لگتا ہے۔

دو اونٹنیوں کا انتظام

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی ہجرت کے لئے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں۔ جن کو چار مہینے سے ببول کے پتے کھلا رہے تھے۔ عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ان میں سے جس ایک کو پسند فرمائیں وہ میری طرف سے آپ کے لئے ہدیہ ہے آپ نے فرمایا میں بغیر قیمت کے نہ لوں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹنی خرید لی

معجم طبرانی میں حضرت اسماء بنت ابی بکر سے مروی ہے کہ ابوبکر نے عرض کیا کہ بہتر ہے کہ اگر آپ قیمۃً لینا چاہیں۔ قیمۃً لے لیں۔ مطلب یہ کہ میری ذاتی خواہش کچھ بھی نہیں میری خواہش اور ہر میلان آپ کے اشارہ کے تابع ہے۔

ہجرت ایک عظیم عبادت ہے جس کو حق تعالیٰ نے بعد ایمان کے ذکر فرمایا ہے۔ اس لئے آپ اس عبادت عظمیٰ میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتے تھے آپ یہ چاہتے تھے کہ خدا کی راہ میں ہجرت صرف اپنی ہی جان و مال سے ہو۔

اونٹنی کا نام اور قیمت

واقدی کہتے ہیں کہ اس اونٹنی کا نام قصوآء تھا۔ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ اس کا نام جدعآء تھا۔

واقدی فرماتے ہیں کہ اس اونٹنی کی قیمت آٹھ سو درہم تھی۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ چار سو درہم تھی۔ آٹھ سو درہم دونوں اونٹنیوں کی قیمت تھی۔

قریشیوں کا محاصرہ......اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی

ابن عباس سے مروی ہے کہ جبریل امین نے آکر قریش کے مشورہ کی اطلاع دی اور یہ مشورہ دیا کہ آپ یہ رات اپنے کاشانہ مبارک میں نہ گزاریں۔

چنانچہ جب رات کا وقت آیا اور تاریکی چھا گئی تو قریش نے حسب قرار داد آکر آپ کے مکان کو گھیر لیا کہ جب آپ سو جائیں تو آپ پر حملہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ میری سبز چادر اوڑھ کر میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور ڈرو مت تم کو کوئی کسی قسم کی گزند نہ پہنچا سکے گا۔ قریش اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق و امین سمجھتے تھے اور امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے تھے۔ آپ نے وہ سب امانتیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کیں کہ صبح کو یہ امانتیں لوگوں تک پہنچا دینا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

گرمیوں کا موسم، ستمبر کی ۱۳ تاریخ، ربیع الاول کی یکم۔ پیر کا دن، مکہ والے گرمیوں میں مکان سے باہر ڈوڑھیوں کے سامنے یا راستہ کے کنارے پر چار پائیاں بچھا لیتے ہیں اور آدھی رات تک گپ شپ کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ ہے کہ تہائی رات تک نماز عشاء سے فارغ ہو جاتے ہیں پھر کچھ سورتوں کی تلاوت فرماتے ہوئے باوضو بستر پر اور عموماً کھری چار پائی پر آرام فرماتے ہیں۔ اس وقت کچھ آنکھ لگ جاتی ہے۔ صحن میں آپ تنہا ہی ہوتے ہیں یا آپ کی زوجہ مطہرہ لیکن آج خلاف معمول آرام نہیں فرما رہے اور آج آپ تنہا بھی نہیں ہیں۔ آپ کے چچازاد بھائی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) جن کی عمر تقریباً بائیس سال ہے وہ بھی حاضر ہیں اور کچھ باتیں ہو رہی ہیں۔ جیسے حساب سمجھا رہے ہیں۔

دوسری طرف عجیب بات یہ ہے کہ مکان سے باہر کچھ آدمی آ رہے ہیں تلواریں ان کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ نہایت خاموشی سے آتے ہیں اور دروازے کے قریب بیٹھ جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ دس بارہ آدمی آ گئے ہیں ان میں ابوجہل بھی ہے ابولہب بھی۔ اور عقبہ بن ابی معیط اور امیہ بن خلف بھی۔ ان میں سے کوئی اٹھتا ہے اور کواڑوں کی دراز سے اندر جھانکتا ہے (سیرت مبارکہ)

ابوجہل لعین باہر کھڑا ہوا ہنس ہنس کر لوگوں سے یہ کہہ رہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زعم یہ ہے کہ اگر تم ان کا اتباع کرو تو دنیا میں عرب و عجم کے بادشاہ بنو گے اور مرنے کے بعد تم کو بہشت بریں ملے گی اور ان پر ایمان نہ لاؤ گے تو دنیا میں ان کے پیرؤوں کے ہاتھ سے قتل ہو جاؤ گے اور مرنے کے بعد جہنم میں جلو گے۔

سب کافر اندھے ہو گئے ...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں سے ایک مشت خاک لیے ہوئے برآمد ہوئے اور فرمایا کہ ہاں میں یہی کہتا ہوں اور تو بھی ایک انہی میں سے ہے کہ دنیا میں میرے اصحاب کے ہاتھ سے قتل ہو گا اور مرنے کے بعد جہنم میں جلے گا اور اس مشت خاک پر سورۂ یٰسین کی شروع کی آیتیں "فاغشینا هم فهم لا يبصرون" تک پڑھ کر ان کے سروں پر ڈال دی۔

اللہ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور آپ ان کے سامنے سے گزر گئے اور کسی کو نظر نہ آئے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

اب آدھی رات گزر چکی ہے۔ آخری پہر شروع ہو گیا ہے۔ پورے مکہ پر سناٹا چھا گیا۔ یہ کافر جو باہر آ گئے تھے۔ غالباً کھڑے کھڑے تھک گئے اس لئے قطار لگا کر دروازہ کے سامنے بیٹھ گئے ہیں دفعۃً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹاتے ہیں۔ اپنی چادر ان کے اوپر ڈال دیتے ہیں پھر دروازہ سے باہر تشریف لاتے ہیں۔ سورۂ یٰسین تلاوت فرما رہے ہیں۔ (سیرت مبارکہ)

معجزۂ نبوی

(ترجمہ) اور کفار نے آپ کی مخالفت میں ایک کمیٹی قائم کی جس کے بعد بڑے بڑے بہادروں کی ایک جماعت نے آپ کے متعلق مشورہ کیا اور رات کو آپ کے مکان پر اس ارادے سے آئے تاکہ آپ کو کسی تدبیر سے اندھیرے میں اس طرح قتل کر دیں۔ کہ کسی کو قاتل کا پتہ نہ چل سکے۔ آپ ان کے درمیان میں سے اس طرح نکل گئے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو سکی کہ کون جا رہا ہے اور آپ نے ان پر مٹی ڈال دی اور صاف نکل گئے جو کچھ انہوں نے امید لگا رکھی تھی وہ ان کے ہاتھ نہ لگی اور صبح کو اپنے زرد چہروں سے رات والی مٹی کو جھاڑنے لگے۔

یہ واقعہ ماخوذ اس حدیث شریف سے ہے جس کو ابن سعد بروایت ابن عباس و علی (حضرت عائشہ بنت ابی بکر و عائشہ بنت قدامہ و سراقہ بن جعشم (اس میں ایک راوی کے الفاظ دوسرے راوی کے الفاظ سے مل گئی ہیں) بیان کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارادۂ ہجرت مکان سے باہر تشریف لائے اور کفار مکہ بارادہ قتل دولت خانہ کے آس پاس جمع تھے۔ آپ نے مٹھی بھر کنکریاں اٹھا کر ان کے سروں پر بکھیرنا شروع کر دیں۔ اور سورۂ یٰسین کی ابتدائی چند آیتیں پڑھیں اور تشریف لے گئے اس کے بعد کسی نے ان سے کہا کہ تم کس کے انتظار میں ہو؟ انہوں نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فکر میں ہیں وہ بولا کہ خدا کی قسم وہ تو چلے گئے۔ کفار بولے کہ خدا کی قسم ہم کو تو نظر نہ پڑے۔ یہ کہہ کر کھڑے ہوئے اور اپنے سروں سے مٹی جھاڑنے لگے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا باامن غار ثور میں پہنچ جانا

آپ ان کے سامنے سے نکل کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لیکر جبل ثور کا راستہ لیا اور وہاں جا کر ایک غار میں چھپ گئے (سیرۃ المصطفیٰ)

اب نہیں کہا جا سکتا کہ ان کافروں کو نیند آ گئی تھی یا جیسا کہ آیت کا مفہوم ہے ان کی آنکھوں کے سامنے دیوار کھڑی کر دی گئی تھی۔ جو اطمینان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے قدرت نے کوئی دیوار کھڑی کر دی ہے جس کو آپ محسوس فرما رہے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اطمینان کی بھی انتہا ہو گئی کہ آپ یونہی نہیں گزر جاتے بلکہ دست مبارک میں مٹی لیتے ہیں اور ہر ایک کے سر پر مٹی رکھتے ہوئے تشریف لے جاتے ہیں۔ یہ نبی کا اعتماد۔ وثوق اور یقین ہے خدا پر اور خدا کے کلام پاک پر (سیرت مبارکہ)

قریشیوں کو اپنی ناکامی کی خبر

اسی اثناء میں ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے پاس سے گزرا تو قریش کی جماعت سے دریافت کیا کہ تم کیوں کھڑے ہو اور کس کے منتظر ہو۔ کہا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر ہیں کہ وہ برآمد ہوں تو ہم ان کو قتل کر دیں۔ اس شخص نے کہا اللہ تم کو ناکام کرے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سروں پر خاک ڈال کر گزر بھی گئے جب صبح ہوئی اور حضرت علی آپ کے بستر سے اٹھے تو یہ کہنے لگے کہ واللہ اس شخص نے ہم سے سچ کہا تھا اور نہایت' ندامت کے ساتھ حضرت علی سے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں۔ حضرت علی نے کہا کہ مجھ کو علم نہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

کفار قریش نے تمام شب آپ کے مکان کا محاصرہ تو رکھا مگر مکان کے اندر نہیں گھسے اس لیے کہ اہل عرب کسی کے زنانہ مکان میں گھسنے کو معیوب سمجھتے تھے۔

کسی کے مکان میں گھسنا بہت معیوب تھا مگر یہ لوگ ضابطہ اخلاق سے دامن جھاڑ کر خاص منصوبہ کے تحت آئے تھے اور اب ناکامی کی جھونجل بھی تھی۔ غصہ اور جوش میں اندر گھس گئے دیکھا کہ ایک سن رسیدہ (محمد صلی اللہ عیہ وسلم فداہ روحی) کی جگہ خواجہ ابوطالب کا

سب سے چھوٹا لڑکا "علی" بستر پر دراز خراٹے لے رہا ہے۔

حواس باختہ دشمنوں نے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ پوچھا "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ مجھے کیا خبر؟ جواب صحیح تھا۔ انہیں خبر نہیں تھی۔ بہت پوچھ گچھ کی ڈرایا' دھمکایا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کچھ نہیں بتا سکے۔ (سیرت مبارکہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جان نثاری

خدا پر بھروسہ اور اطمینان کی دوسری مثال۔ یہ نوجوان (علی رضی اللہ عنہ) پیش کر رہے ہیں کہ وہ بستر پر آرام سے لیٹے ہیں۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ آج کی شب' شب مقتل ہے' دشمن اسی لئے اکٹھے ہو رہے ہیں کہ اس بستر والے کو ذبح کریں۔ آرام گاہ کو ذبح خانہ بنائیں۔ بستر والا نہ ہو تو جو بستر پر ہوگا وہ ذبح ہوگا۔ مگر یا تو اللہ کی حفاظت پر اطمینان کامل ہے۔ یا دیدار محبوب کے شوق مضطر نے موت کو بھی محبوب بنا دیا ہے۔ یہی تسکین بخش اطمینان ہے کہ جیسے ہی لیٹتے ہیں سو جاتے ہیں۔ (سیرت مبارکہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت داری

دشمنوں نے اگرچہ یہ خطاب اب چھوڑ دیا تھا۔ مگر آپ کی صداقت و امانت ان دشمنوں کی خاطر نہیں تھی بلکہ اس لئے تھی کہ آپ کی فطرت مبارکہ کا جوہر تھی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو سمجھا رہے تھے۔ وہ ان امانتوں کا حساب ہی تھا جو انہیں دشمنوں کی آپ کے پاس تھیں۔ جو اب منصوبہ قتل ناحق کو کامیاب بنانے کے درپے تھے۔ آپ نے اس خطرناک اور ہیبت ناک فضا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسی لئے چھوڑا تھا کہ جن کی امانتیں ہیں ان کو واپس کر کے اور پوری طرح حساب سمجھا کر تشریف لائیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تین دن بعد روانہ ہوئے جب امانتیں ادا کر چکے اور حساب سمجھا چکے۔ (سیرت مبارکہ)

شہر مکہ کو الوداع

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو ٹیلے پر سے ایک

نظر ڈال کر مکہ کو دیکھا اور یہ فرمایا۔

خدا کی قسم (مکہ) اللہ کی سب سے بہتر زمین ہے اور سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب ہے اگر میں نکالا نہ جاتا تو نہ نکلتا (ترمذی)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے اس وقت یہ فرمایا۔

تو کیا ہی پاکیزہ شہر ہے اور مجھ کو بڑا ہی محبوب ہے اگر میری قوم مجھ کو نہ نکالتی تو میں دوسری جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔

قریشیوں کی بوکھلاہٹ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پر انعام کا اعلان

قریشی دوڑے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر گئے۔ ایک لڑکی (بڑی صاحبزادی حضرت اسماء) سامنے آئی۔ پوچھا۔ تمہارے باپ کہاں ہیں؟ مجھے خبر نہیں۔ لڑکی نے جواب دیا۔ ابوجہل نے اس معصومہ کے اتنی زور سے طمانچہ مارا کہ کان کی بالی گر گئی۔

جب ان بدبختوں کو یقین ہو گیا کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا تو اس کی تلاش میں دوڑے۔ مکہ کی گلی گلی چھان ماری اور جب کہیں پتہ نہ چلا تو فوراً منادی کرادی کہ جو محمد اور اس کے ساتھی کو زندہ گرفتار کر کے لائے یا ان کا سر لائے اس کو (ایک دیت کے بموجب) سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ سو اونٹ کا انعام معمولی نہیں تھا۔ انعام کے شوق میں بہت سے من چلے دوڑے مگر کامیابی کسی کو بھی نہیں ہوئی۔ کیونکہ رب محمد۔ اپنے محمد کی مدد کر رہا تھا (صلی اللہ علیہ وسلم) (سیرت مبارکہ)

کھانے پینے اور حالات سے باخبر رہنے کا انتظام

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء نے سفر کے لئے ناشتہ تیار کیا عجلت میں بجائے رسی کے اپنا (پٹکا) پھاڑ کر ناشتہ دان باندھا۔ اسی روز سے حضرت اسماء ذات النطاقین کے نام سے موسوم ہوئیں ابن سعد کی روایت میں یہ ہے کہ ایک ٹکڑے سے توشہ دان باندھا اور دوسرے سے مشکیزہ کا منہ بند کیا اور عبداللہ بن ابی بکر جو ابوبکر کے فرزند ارجمند تھے اور جوان تھے وہ دن بھر مکہ میں رہتے اور رات کو آ کر قریش کی خبر بیان کرتے اور

عامر بن فہیرہ ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام۔ بکریاں چرایا کرتے تھے عشاء کے وقت آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ابوبکر کو بکریوں کا دودھ پلا جاتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بچوں کا ایثار

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سفر ہجرت کے وقت اپنی پوری پونجی ساتھ لے لی تھی۔ پانچ چھ ہزار آپ کے پاس نقد تھے آپ روانہ ہوئے تو آپ نے سب رقم ساتھ لے لی اور اہل وعیال کو خدا کے نام پر چھوڑ دیا۔

آپ کے بچوں کا ایثار یہ تھا کہ اس کی نہ ان کو کوئی ناگواری ہوئی نہ تہی دستی سے پریشانی گویا خود ان کی بھی خواہش یہی تھی۔ انتہا یہ کہ جب حضرت ابوبکر کے والد ابوقحافہ کو خبر ہوئی کہ ابوبکر چلے گئے تو بچوں کے پاس آئے اور فرمایا ابوبکر تو چلے گئے۔ کچھ تمہارے لئے بھی چھوڑ گئے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ جو کچھ ان کے پاس تھا سب لے گئے۔

جان سے تو گئے ہی مال بھی لے گئے۔ تمہیں خالی چھوڑ گئے۔ تو بڑی صاحبزادی حضرت اسماء نے فوراً جواب دیا۔ نہیں۔ داداجی وہ ہمارے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ ابوقحافہ کچھ مطمئن نہیں ہوئے تو حضرت اسماء نے اس جگہ جہاں رقم رہا کرتی تھی کنکریاں تھیلی میں بھر کر رکھ دیں۔ دادا کی بصارت جاتی رہی تھی۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر لے گئیں اور تھیلی پر ہاتھ رکھ کر بتا دیا کہ یہ رقم محفوظ ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ محض دادا کو مطمئن کرنے کے لئے کر دیا۔ ورنہ واقعہ یہ تھا کہ جو کچھ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب لے آئے تھے۔ ہمیں خالی چھوڑ آئے تھے۔ (سیرت مبارکہ)

غار ثور کی طرف روانگی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدہ سے روانہ ہو کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یہاں پہنچے۔ پھر یہ دونوں مکان کی پشت کی طرف سے کھڑکی سے نکل کر کوہ ثور کی طرف روانہ ہو گئے جو مکہ معظمہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے اور جس کی چوٹی پر یہ غار ہے

جس نے غار ثور کے نام سے غیر فانی شہرت حاصل کی۔ (سیرت مبارکہ)

روانہ ہوتے وقت کی دعا

جب آپ روانہ ہوئے تو یہ دعا زبان مبارک پر تھی۔

الحمدلله الذی خلقنی ولم اک شیئاًاللهم اعنی علیٰ هول الدنیا وبوائق الدهر و مصائب اللیالی والایام. اللهم اصحبنی فی سفری و اخلفنی فی اهلی و بارک لی فیمارزقتنی ولک فذللنی وعلی صالح خلقی فقو منی والیک رب فحینی والی الناس فلا تکلنی رب المستضعفین وانت ربی اعوذ بوجهک الکریم الذی اشرقت له السمٰوات والارض و کشفت به الظلمات و صلح علیه امرالا ولین والاخرین ان تحل علی غضبک و تزل بی سخطک. اعوذبک من زوال نعمتک رفجاء ة نقمتک و تحول عافیتک و جمیع سخطک لک العقبیٰ عندی خیر ما استطعت لا حول والا قوة الابک.

ایک روایت یہ بھی کہ آپ نے یہ دعا فرمائی تھی۔

اللهم اخرجتنی من احب البلاد الی فاسکننی فی احب البلاد الیک

اے اللہ تو نے مجھے اس شہر سے نکالا ہے جو مجھے تمام شہروں میں سب سے محبوب تھا تو اب میری سکونت اس شہر میں فرما جو تجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہو۔ (سیرت مبارکہ)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حق رفاقت ادا کر دیا

جب آپ غار کی طرف روانہ ہوئے تو اس یار غار اور ہمدم و جان نثار محب با اخلاص اور صدیق با اختصاص کی بیتابی اور بے چینی کا عجب حال تھا کبھی آپ کے آگے چلتے اور کبھی پیچھے اور کبھی دائی اور کبھی بائیں پھر آخر آپ نے دریافت فرمایا ابوبکر یہ کیا ہے کہ کبھی آگے چلتے ہو اور کبھی پیچھے ابوبکر نے عرض کیا۔

یارسول اللہ...... جب یہ خیال آتا ہے کہ کہیں پیچھے سے تو کوئی آپ کی تلاش میں نہیں

آ رہا تو پیچھے چلتا ہوں اور جب یہ خیال آتا ہے کہ کہیں کوئی گھاٹ میں نہ بیٹھا ہو تو آگے چلتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے ابوبکر کیا اس سے تمہارا یہ مقصد ہے کہ تم قتل ہو جاؤ اور میں بچ جاؤں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ہاں۔ یارسول اللہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ یہی چاہتا ہوں کہ آپ بچ جائیں اور میں قتل ہو جاؤں۔ جب غار پر پہنچے تو عرض کیا یارسول اللہ ذرا ٹھہریئے میں اندر جا کر آپ کیلئے غار کو صاف کرلوں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک رات کی قیمت

حضرت عمر کے سامنے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر آتا تو یہ فرماتے کہ ابوبکر کی ایک رات اور ایک دن عمرؓ کی تمام عمر کی عبادت سے کہیں بہتر ہے۔ رات تو غار کی اور یہ قصہ بیان فرماتے جو ابھی ذکر کیا گیا ہے اور دن وہ کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی وفات اور عرب کے بہت سے قبائل مرتد ہو گئے۔ اس وقت میں آپ کی خدمت حاضر ہوا اور خیر خواہانہ عرض کیا اے خلیفہ رسول اللہ آپ ذرا نرمی کیجئے اور تالیف سے کام لیجئے ابوبکر نے غصہ ہو کر یہ کہا۔

اے عمر جاہلیت کے زمانہ میں تو تو بہادر رہے۔

اب کیا اسلام میں آ کر بزدل بن گیا۔ بتلا تو سہی کس چیز سے ان کی تالیف کروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور وحی منقطع ہو گئی۔ خدا کی قسم اگر یہ لوگ اس رسی کے دینے سے بھی انکار کریں گے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیا کرتے تھے تو میں ان سے ضرور جہاد و قتال کروں گا۔ عمر کہتے ہیں پس ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے جہاد کیا اور اللہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے ان تمام لوگوں کو جو اسلام سے بھاگ گئے تھے پھر اسلام کی طرف واپس فرما دیا۔ یہ ہے ابوبکر کا وہ دن جس پر عمر اپنی تمام عمر کی عبادت تصدق کرنے کے لئے تیار ہے۔

غار میں حفاظت کا قدرتی انتظام

اول ابوبکر غار میں اترے اور بعد ازاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غار میں فروکش ہوئے اور باذن الٰہی ایک مکڑی نے غار کے منہ پر ایک جالا تانا۔

اللہ کے حکم سے آپ کے چہرے کے سامنے ایک درخت اگ آیا اور ایک جنگلی کبوتر کے جوڑے نے آکر انڈے دیئے۔ مشرکین جب ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار تک پہنچے تو کبوتروں کے گھونسلے دیکھ کر واپس ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے ان کو ہم سے دفع کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تھے اور قریش ہمیں تلاش کرتے کرتے غار کے منہ پر آکھڑے ہوئے اس وقت میں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ان میں سے اگر کسی کی نظر اپنے قدموں پر پڑ جائے تو یقیناً ہم کو دیکھ پائے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

''اے ابوبکر ان دو کے ساتھ تیرا کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔ یعنی ہم دونوں تنہا نہیں بلکہ تیسرا ہمارے ساتھ خدا تعالیٰ ہے جو ہم کو ان اعداء کے شر سے محفوظ رکھے گا''۔

جب آپ نے دیکھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت حزیں اور غمگین ہیں تو یہ ارشاد فرمایا۔

لا تحزن ان اللہ معنا تو بالکل غم نہ کھا۔ یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے اور ابوبکر کی تسکین کے لئے دعا بھی فرمائی۔ پس اللہ کی طرف سے ابوبکر پر ایک خاص سکینت اور خاص طمانیت نازل ہوئی۔

معجزۂ نبوی

اعمیت ابصارھم لما اتوا — غارثورفی شقاء ودغل
وراوازوج الحمام قائماً — فی فم الغاربعید ان دخل
وراو اللعنکبوت نسجه — فاستکانوا بھوان و فشل
لوراواماتحت اقدام راوا — اکرم الخلق نزیلاًمارحل

یہ واقعہ ماخوذ اس حدیث شریف سے ہے جس کو شیخین نے بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا غار ثور میں میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر ان کفار میں سے جو کہ ہماری تلاش میں یہاں پھر رہے ہیں کسی کی نظر اپنے قدم کی طرف پڑی تو وہ ہم کو دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابوبکر! تم ایسے دو شخصوں (صدیق اکبر اور حضور سرور عالم

صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کے خیال میں کیوں پریشان ہو رہے ہو جو صرف دو نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ خدا بھی تیسرا ہے اور اس حدیث سے بھی ماخوذ ہے جس کو ابن سعد اور ابن مردویہ اور بیہقی اور ابونعیم نے بروایت ابی مصعب المکی بیان کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ انس بن مالک اور زید بن ارقم اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کو یہ باتیں کرتے ہوئے سنا کہ جس رات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں روپوش تھے خداوند عالم نے درخت کو حکم دیا تھا کہ وہ اس طرح اُگے کہ آپ کے سامنے ہو جاوے اور آپ اس کی وجہ سے چھپ جاویں اور مکڑی کو حکم دیا کہ وہ اپنا جال آپ کے چہرے کے سامنے تنے اور جنگلی کبوتروں کو حکم دیا تو انہوں نے غار کے منہ پر اپنا آشیانہ بنا لیا۔ اس کے بعد جوانان قریش جن میں کسی کے پاس لاٹھی۔ کسی کے پاس تلوار تھی آپ کی تلاش میں آئے۔ حتیٰ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے چالیس ہاتھ کے فاصلہ پر پہنچ گئے۔ اس وقت ان میں سے ایک شخص نے غار میں جھانک کر دیکھا تو غار کے منہ پر دو جنگلی کبوتر موجود ہیں۔ وہ یہ دیکھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آیا۔ انہوں نے کہا کہ تو ہمارے پاس کیوں آیا؟ تو نے غار میں تلاش کی ہوتی۔ وہ بولا کہ میں نے غار کے منہ پر دو جنگلی کبوتروں کو بیٹھے ہوئے پایا اس لئے مجھے یقین ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غار کے اندر نہیں ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس باہمی گفتگو کو سنا اور سمجھ لیا کہ خداوند عالم نے ان لوگوں کو کبوتروں کی وجہ سے دفع کر دیا تو آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور ان پر نزول رحمت کی دعا بھی خصوصیت سے فرمائی اور حکم دیا کہ جو انکو قتل کرے اس کو ان کا بدلہ دینا پڑے گا۔ اور ان کبوتروں نے حرم میں اقامت کی۔ اس وقت جس قدر کبوتر حرم میں ہیں وہ ان ہی دو کبوتروں کی نسل سے ہیں۔

اُداس راہیں

(طریقِ ہجرت سے متاثر ہو کر)

حَرَم سے طَیبہ کو آنے والے! تجھے نِگاہیں تَرَس رہی ہیں
جِدھر جِدھر سے گزر کے آئے! اُداس راہیں تَرَس رہی ہیں

رسُولِ اطہر جہاں بھی ٹھَہرے، وُہ منزلیں یاد کر رہی ہیں
جَبینِ اَقدس جہاں جُھکی ہے، وُہ سَجدہ گاہیں تَرَس رہی ہیں

جو نُور افشاں تھیں لحظہ لحظہ، حضورِ انور کے دَم قدَم سے
وُہ جلوہ گاہیں تڑپ رہی ہیں، وُہ بارگاہیں تَرَس رہی ہیں

صبائے بَطحا غموں سے پُر ہے، فضائے اقصیٰ بھی دُکھ بھری ہے
اب ایک مُدّت سے حال یہ ہے، اَثر کو آہیں تَرَس رہی ہیں

خیال فرما کہ چشمِ عالم تری ہی جانِب لگی ہُوئی ہے
نِگاہ فرما، کہ ساری اُمّت کی میٹھی چاہیں تَرَس رہی ہیں

نفیسؔ کیسا یہ وقت آیا، سُلوک و اِحساں کے سِلسلوں پر
جہاں مشائخ کی رونقیں تھیں، وُہ خانقاہیں تَرَس رہی ہیں

○

حضرۃ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل
(آیت ہجرت کے تناظر میں)

آیت ہجرت

الاتنصروہ فقد نصرہ اللہ اذا خرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذھما فی الغار اذیقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ و ایدہ بجنود لم تروھا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ وکلمۃ اللہ ھی العلیا واللہ عزیز حکیم

اگر تم لوگ رسول اللہ کی مدد نہ کرو گے تو کیا ہوگا۔ اللہ ان کا پہلے ہی مددگار رہے اسی نے اس وقت بھی مدد کی تھی کہ جب کافروں نے اس کو نکال دیا تھا درانحالیکہ وہ دو میں کا دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے یعنی اس سفر میں صرف دو تھے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے آپ کے ساتھی اور یار غار یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ دو کے علاوہ اور کوئی شخص ہمراہ نہ تھا جس سے کسی سہارے کی توقع کی جاسکتی ہے جس وقت آپ اپنے ساتھی اور یار غار سے یہ کہہ رہے تھے کہ غمگین نہ ہو یقین رکھ کہ اللہ ہم دونوں کیساتھ ہے (یعنی اس کی حمایت اور حفاظت ہمارے ساتھ ہے) پس اللہ تعالی نے آپ پر اپنی تسکین اور تسلی اتاری اور ایسے لشکروں سے تائید کی جن کو تم نے نہیں دیکھا (یعنی بلا سبب ظاہری کے فرشتوں کی فوج سے غار ثور کی حفاظت فرمائی) اور اللہ نے کافروں کی بات نیچی کی (کہ غار کے کنارہ

سے دشمنوں کو بے نیل مرام واپس کر دیا) اور اللہ کا بول ہمیشہ بالا ہی رہتا ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے کہ اس نے اپنے نبی اور اس کے رفیق کو دشمنوں کے نرغہ سے نکال کر بعافیت تمام مدینہ پہنچا دیا۔

سفر ہجرت میں رفاقت کا اعزاز

کفار ناہنجار جب آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر تل گئے اور بالاتفاق سب سے آپ کے قتل کا عزم بالجزم کر لیا تب بحکم خداوندی آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا اور بحکم خداوندی ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کو اپنے ہمراہ لیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے سفر پرخطر میں ابوبکر صدیق کو اپنے ہمراہ لے جانا اس امر کی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کو اپنا محبّ خاص اور ہم دم باختصاص اور عاشق جان نثار اور جاں باز و غم گسار سمجھتے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت کی تعریف

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حسن بصری اور سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ اس آیت میں حق جل وعلا نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرنے پر تمام عالم کو عتاب فرمایا مگر صرف ابوبکر کو اس عتاب سے مستثنیٰ فرمایا اور صرف مستثنیٰ ہی نہیں فرمایا بلکہ ایسے آڑے اور نازک وقت میں رسول خدا کی رفاقت اور مصاحبت اور معیت کو بطور مدح ذکر فرمایا۔

پہلی خلافت کا اشارہ (ثانی اثنین)

حق جل شانہ نے ثانی اثنین کے لفظ سے یہ ظاہر فرمایا کہ پیغمبر خدا کے بعد مرتبہ میں دوسرا شخص ابوبکر صدیق ہیں امام قرطبی فرماتے ہیں کہ ثانی اثنین کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوں اس لئے کہ خلیفہ، بادشاہ کا ثانی ہوتا ہے۔

یار غار (اذھما فی الغار)

حق جل شانہ نے اذھما فی الغار کے لفظ سے حضرت ابوبکر صدیق کا یار غار ہونا

ظاہر کر دیا اور یار غار کی مثل یہیں سے چلی ہے جو شخص یاری اور غمگساری کا حق ادا کر دے اس کو محاورہ میں یار غار کہتے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا اعلان (لصاحبہ)

حق تعالیٰ نے لصاحبہ کے لفظ سے حضرت ابوبکر کی صحابیت کو بیان کیا اور شیعوں اور سنیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ آیت میں لفظ صاحبہ سے حضرت ابوبکر مراد ہیں اور عربی زبان میں صاحب کا لفظ صحابی کے ہم معنی ہے۔ صحابی اور صاحب کے معنی میں کوئی فرق نہیں اور یہ رتبہ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی صحابیت کو قرآن میں ذکر کیا اسی وجہ سے علماء نے تصریح کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی صحابیت کا منکر قرآن کریم کی اس آیت **اذیقول لصاحبہ** کا منکر ہے اور قرآن کا انکار کفر ہے۔

اور علیٰ ہذا جن صحابہ کا صحابی ہونا احادیث متواترہ اور اجماع سے ثابت ہے ان کا بھی یہی حکم ہے البتہ جن حضرات کا صحابی ہونا خبر واحد سے ثابت ہوا ہے ان کی صحابیت کا منکر کافر نہیں کہلائے گا۔ بلکہ بدعتی کہلائے گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صدق واخلاص کا اعلان (لاتحزن)

جب مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار تک پہنچے تو غار کے اندر سے ابوبکر کی نظر ان پڑی۔ رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں مارا جاؤں تو فقط ایک شخص ہلاک ہوگا لیکن نصیب دشمناں اگر آپ مارے گئے تو ساری امت ہلاک ہو جائے گی۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تسلی کے لئے یہ ارشاد فرمایا۔ **لا تحزن ان اللہ معنا**۔ اے ابوبکر تم غمگین نہ ہو۔ تم تسلی رکھو اور یقین جانو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی (بانی دارالعلوم دیوبند) ہدیۃ الشیعہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ لفظ **لاتحزن** جس کا مطلب یہ ہے کہ تم غمگین نہ ہو۔ یہ لفظ ابوبکر کے عاشق صادق اور مومن مخلص ہونے پر دلالت کرتا ہے ورنہ ان کو غمگین ہونے کی کیا ضرورت تھی بلکہ موافق عقیدہ شیعہ معاذ اللہ اگر ابوبکر دشمن رسول تھے تو یہ نہایت خوشی کا محل تھا کہ

رسول اللہ خوب قابو میں آئے ہوئے ہیں۔ اسی وقت پکار کر دشمنوں کو بلا لینا تھا تاکہ نعوذ باللہ وہ اپنا کام کرتے۔ دشمنوں کے لئے اس سے بہتر اور کون سا موقع تھا مگر کہیں انصاف کی آنکھیں اگر مول ملیں تو ہم حضرات شیعہ کے لئے مول لے لیں اور ان کو دیں تاکہ وہ کچھ تو پاس رفاقت خلیفہ اول کریں۔

جو پاس مہر و محبت یہاں کہیں ملتا ۔۔۔ تو مول لیتے ہم اپنے مہربان کیلئے

اللہ تعالیٰ کی معیت کی نعمت کا ملنا (ان الله معنا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **لاتحزن** کے بعد ابوبکر کو تسلی دی کہ ان اللہ معنا۔ تم مایوس اور غمگین نہ ہو تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عنایات ہمارے ساتھ ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا تو مسلمان کی طرفداری اور حمایت کرتا ہے۔ **ان الله مع المومنين. ان الله مع المتقين. ان الله مع المحسنين** اور اس قسم کے کلمات سے اللہ تعالیٰ کا کلام بھرا پڑا ہے۔

چنانچہ خدا تعالیٰ نے **اذيقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا** کے ضمن میں اس بات پر متنبہ کر دیا کہ ابوبکر صدیق سے بھی کفار دشمنی رکھتے تھے۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں ان کی تسلی کرتے اور خدا کیوں ان کے ساتھ ہوتا اور ہمیں تو اتنا ہی بہت ہے کہ خدا ان کے ساتھ اسی طرح ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے ایک ہی لفظ یعنی **معنا** سے دونوں کی مددگاری کو بیان فرمایا ہے اور دو لفظ نہ فرمائے یعنی **ان الله معی ومعک** نہ فرمایا جس کے یہ معنی ہوتے کہ خدا میرے ساتھ ہے اور تیرے ساتھ بھی ہے تو اس سے اور بھی واضح ہو گیا کہ جس طرح خدا تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔

تسکین کا حاصل ہونا (فانزل الله سكينته عليه)

یعنی اللہ نے آپ پر اپنی تسکین فرمائی اور پھر آپ کی برکت سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس سے حصہ عطا فرمایا۔ جیسا کہ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ابوبکر کیلئے دعا فرمائی تو اللہ کی طرف سے ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سکینت نازل ہوئی۔

فرشتوں کا اترنا (وایدہ بجنود لم تروھا)

اور قوت دی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے لشکروں سے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے غار ثور پر فرشتوں کا پہرہ لگا دیا جس کی وجہ سے مشرکین کے دلوں پر ایسا رعب چھایا کہ غار کے اندر جھانکنے کی ہمت نہ ہوئی جیسے اصحاب کہف کے غار میں من جانب اللہ ایک خاص رعب ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص اس غار کے اندر جھانک کر نہیں دیکھ سکتا۔

فتح وکامرانی (وجعل کلمة الذین کفروا السفلیٰ)

اور اللہ نے کافروں کی بات کو نیچا کیا اور ان کی تدبیر کو ناکام کیا کہ غار کے کنارہ سے دشمنوں کو بے نیل ومرام واپس کیا اور تائید غیبی سے آپ کی حفاظت فرمائی۔ فرشتوں کا پہرہ غار پر مقرر کر دیا اور ایک مکڑی کے جالے کو جسے اوھن البیوت بتلایا ہے۔ اس کو آہنی قلعہ سے بڑھ کر حفاظتی ذریعہ بنا دیا اور اللہ کی بات ہمیشہ اونچی اور بلند رہتی ہے۔ اللہ نے اپنے نبی کو مع اس کے یار غار کے صحیح وسالم مدینہ منورہ پہنچا دیا اور راستہ میں جو سراقہ گرفتاری کے ارادہ سے ملا وہ خود ہی آپ کے دام اطاعت کا اسیر اور گرفتار بلکہ ہمیشہ کے لئے غلام بن گیا اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے اس کی قدرت اور حکمت سب پر غالب رہتی ہے اور یہ سب کچھ اس کی تائید غیبی اور معیت اور نزول ملائکہ کا جو سکینت لے کر آئے تھے اس کا اثر تھا۔

بُوبکر و عُمر، عُثمان و علی رضی اللہ عنہم

اَصحابِ مُحمد صلی اللہ علیہ وسلم حق کے ولی
بُوبکرؓ و عُمرؓ، عثمانؓ و علیؓ

یارانِ نبیؐ ہیں سب سے جلی
بُوبکرؓ و عُمرؓ، عثمانؓ و علیؓ

وُہ شمعِ حرم کے پروانے
وُہ ختمِ رُسُل کے دیوانے

بُوبکرؓ و عُمرؓ، عثمانؓ و علیؓ
بُوبکرؓ و عُمرؓ، عثمانؓ و علیؓ

اِسلام نے جن کو عزّت دی
اِسلام کو قُوّت جن سے ملی

ایماں کی روایت جن سے چلی
بُوبکرؓ و عُمرؓ، عثمانؓ و علیؓ

ترتیبِ خلافت بھی ہے یہی
ترتیبِ فضیلت بھی ہے یہی

لگتی ہے یہی ترتیب بھلی
بُوبکرؓ و عُمرؓ، عثمانؓ و علیؓ

اِس نظم کی خوشبو پھیلے گی
یہ خوشبو ہر سُو پھیلے گی

گُونجے گا یہ نغمہ گلی گلی
"بُوبکرؓ و عُمرؓ، عثمانؓ و علیؓ"

یہ کتبہ حرم کی زینت ہے
یہ لوح و قلم کی زینت ہے

لکھ شاہ نفیسؔ اَب اِس کو جلی
بُوبکرؓ و عُمرؓ، عثمانؓ و علیؓ

○

(۲۰ ربیع الاوّل ۱۴۱۹ھ / ۱۹۹۸ء)

غارِ ثور میں تین روز قیام انتظامات کی تکمیل وغیرہ

حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی خدمات

تین روز تک آپ اسی غار میں چھپے رہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند عبداللہ نوجوان تھے۔ مگر نہایت ہوشیار بہت تیز۔ بات کو تاڑنے والے' پرکھنے والے۔ ان کے ذمہ یہ تھا کہ مخالفین کے اقدامات پر نظر رکھیں۔ حالات کا جائزہ لیتے رہیں۔

یہ دن بھر مکہ معظمہ میں کنسوئیں لیتے رہتے۔ دن چھپے اندھیرا ہو جاتا تو غار پر پہنچتے تھے تمام روئیداد سنا دیتے۔ حالات سے باخبر کر دیتے۔ پھر آخری پہر میں مکہ معظمہ پہنچ جاتے گویا رات بھر یہیں رہے ہیں۔ (سیرت مبارکہ)

عامر بن فہیرہ کی ڈیوٹی

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ جن کو حضرت ابوبکر نے حضرت بلالؓ کے ساتھ ہجرت کی اجازت نہیں دی تھی' بلکہ روک لیا تھا۔ ان کے ذمہ یہ تھا کہ تازہ دودھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے رہیں۔ شام کو جب اندھیرا ہو جاتا یہ بکریاں غار پر لے جاتے' دودھ دوھتے' اس کو گرم کرتے اور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے آقا (ابوبکر) کی خدمت میں پیش کر دیتے پھر بکریوں کو ہکا کر صبح سے پہلے تڑکے میں مکہ پہنچ جاتے۔ (سیرت مبارکہ)

پہاڑی راستوں سے واقف کار ملازم کا انتظام

اس زمانہ میں سڑکیں نہیں تھیں۔ اس لئے راستوں اور خصوصاً پہاڑی راستوں سے واقف ہونا بھی ایک خاص فن تھا۔ اس کے ماہر کو ''خریت'' کہا کرتے تھے۔ قافلہ کے ساتھ خریت ضرور ہوتا تھا۔ اس کی معقول اجرت ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنی دیل کے ایک شخص کو (جس کا نام عبداللہ بن اریقد تھا (اور عبداللہ بن اریقط بھی کہلاتا تھا) اس خدمت کے لئے طے کر لیا تھا۔

یہ مسلمان نہیں تھا بلکہ مشرکین مکہ کا ہم مسلک تھا۔ عاص بن وائل سہمی کے خاندان کا حلیف تھا۔ یہ تو نہیں معلوم کہ اجرت کیا طے ہوئی تھی۔ البتہ ان دونوں بزرگوں کو اس پر پورا اطمینان تھا۔ یہاں تک کہ دونوں سانڈنیاں اسی کے حوالے کر دی تھیں اور بتا دیا تھا کہ تین رات گزرنے کے بعد وہ چوتھے دن صبح سویرے غار ثور پر پہنچ جائے۔

اور رقم تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی قبول ہوئی

صدیق اکبر جب اسلام لائے تو اس وقت ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے خدا کی راہ میں اور غلاموں کو خرید خرید کر خدا کے لئے آزاد کرنے میں سب روپیہ خرچ ہو چکا تھا۔ جس میں سے صرف پانچ ہزار باقی تھا وہ ہجرت کے وقت اپنے ساتھ لے لیا۔ مدینہ منورہ میں آ کر مسجد نبوی کے لئے زمین خریدی وغیرہ وغیرہ سب ختم ہو گیا۔ عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ابوبکر جب مرے ہیں تو ایک دینار اور ایک درہم بھی باقی نہیں چھوڑا۔

غار ثور سے روانگی

تین راتیں غار کے اندر گزاریں۔ تین روز کے بعد عبداللہ بن اریقط دوئلی (جو رہبری کیلئے اجرت پر مقرر کیا گیا تھا) حسب وعدہ صبح کے وقت دو اونٹنیاں لے کر غار پر حاضر ہوا۔ متعارف اور مشہور راستہ چھوڑ کر غیر معروف راستہ سے ساحل کی طرف سے آپ کو لے کر چلا۔

ایک اونٹنی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور دوسری پر ابوبکر سوار ہوئے اور اپنے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ کو خدمت کے لئے ساتھ لیا اور اپنے پیچھے بٹھایا۔ اور عبداللہ بن

اریقط (اپنے اونٹ پر بیٹھ کر) راستہ دکھلانے کے لئے آگے آگے چلا۔

قباء میں داخلہ

عبداللہ بن اریقط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کو ہمراہ لئے ہوئے اسفل مکہ سے نکل کر ساحل کی طرف جھکا اور اسفل عسفان سے گزرتا ہوا منزل بمنزل ہوتا ہوا قباء میں داخل ہوا۔

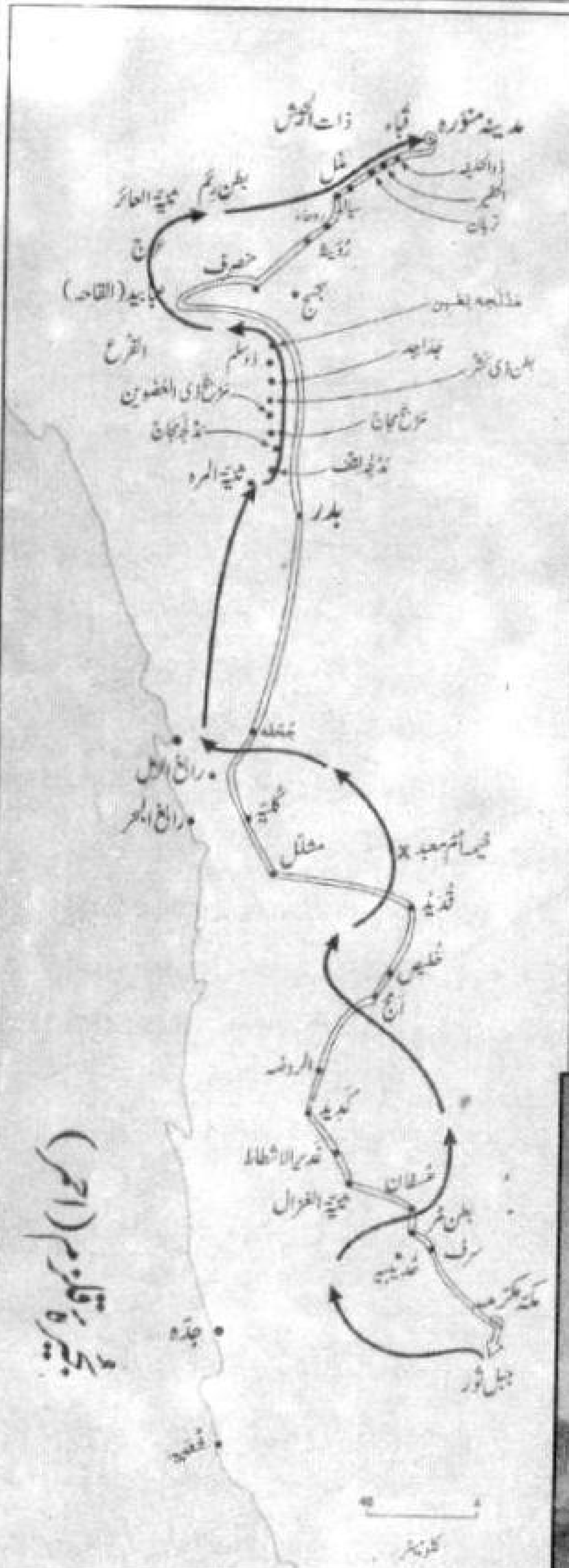
راستہ میں حضرت ابوبکر کا لوگوں کو جواب

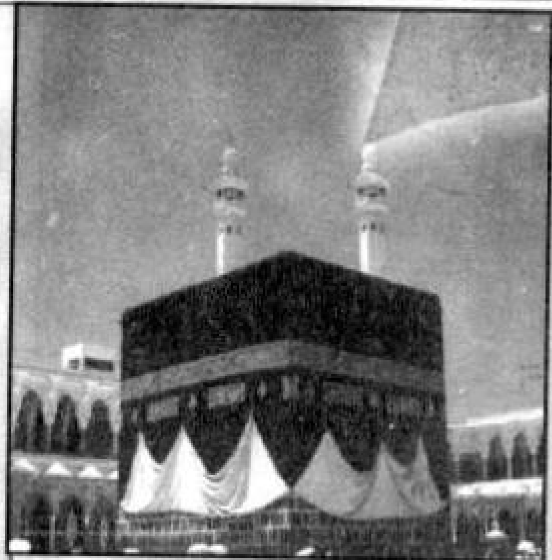
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس راستہ سے پہلی دفعہ تشریف لے جارہے تھے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کاروباری ضرورتوں سے شام جاتے رہتے تھے۔قبائل کے شیوخ سے انکے تعلقات تھے۔لوگ ان کو پہچانتے تھے۔اس وقت جب ایک باوجاہت شریف صورت رفیق کو ساتھ دیکھتے تو پوچھتے تھے یہ کون صاحب ہیں۔حضرت صدیق کا جواب یہ ہوتا تھا۔**ھذا الرجل یھدینی الطریق** یہ صاحب مجھے راستہ بتاتے ہیں (سیرت مبارکہ)

اور مراد لیتے کہ آخرت اور خیر کا راستہ بتلاتے ہیں

مکہ سے روانگی کی تاریخ

بیعت عقبہ کے تقریباً تین ماہ بعد یکم ربیع الاول کو آپ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے حاکم فرماتے ہیں کہ احادیث متواتر سے یہ ثابت ہے کہ آپ دوشنبہ کے روز مکہ سے نکلے اور دوشنبہ ہی کو مدینہ منورہ پہنچ گئے لیکن محمد بن موسیٰ خوارزمی فرماتے ہیں کہ آپ مکہ سے پنجشنبہ کو نکلے حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ مکہ سے آپ بروز پنجشنبہ نکلے۔تین روز غار میں رہے دوشنبہ کو غار سے نکل کر مدینہ منورہ روزانہ ہوئے۔



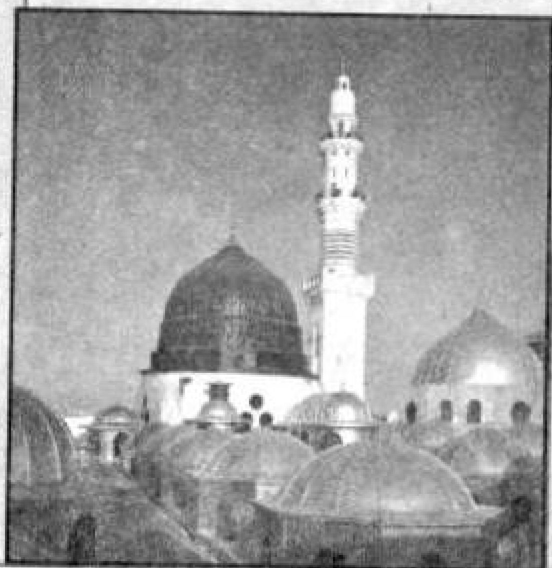


ہجرت نبوی

* نبی ﷺ 12 ربیع الاوّل مطابق 24 ستمبر 622ء بروز پیر قبا پہنچے۔
* یکم محرم 1ھ 16 جولائی 622ء کے مطابق ہے اور یہی ہجری تقویم کی ابتداء ہے۔

ہجرت کا راستہ

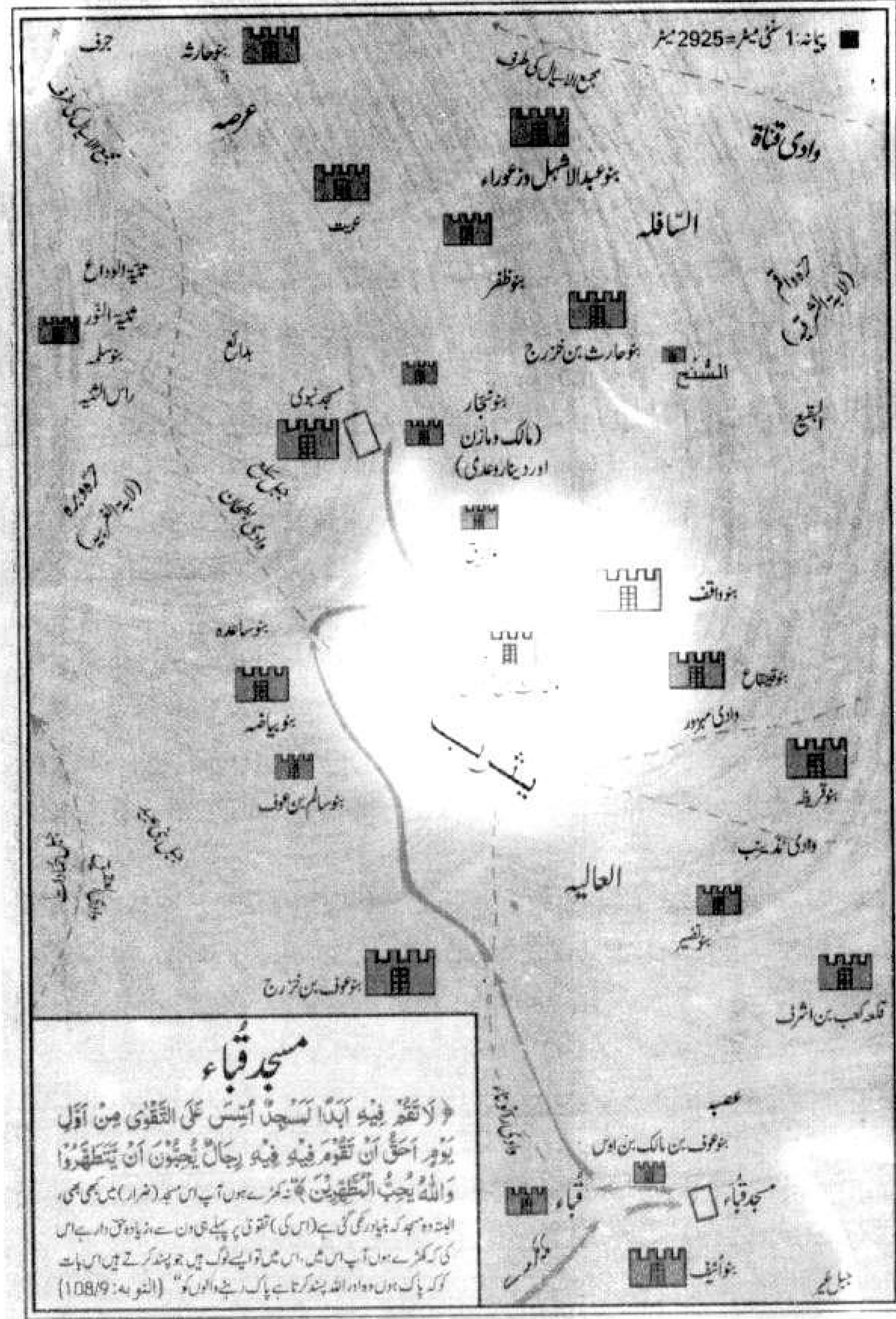
← قافلوں کا راستہ



طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

ترجمہ: ثنیات الوداع کی طرف سے چودھویں رات کا چاند ہم پر طلوع ہوا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو پکارنے والا اس سرزمین پر باقی ہے ہم پر اس نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔

ترجمہ: اے مبارک آنے والے جو ہم میں پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے احکام لے کر آئے ہیں جن کی پیروی اور اطاعت واجب ہے۔

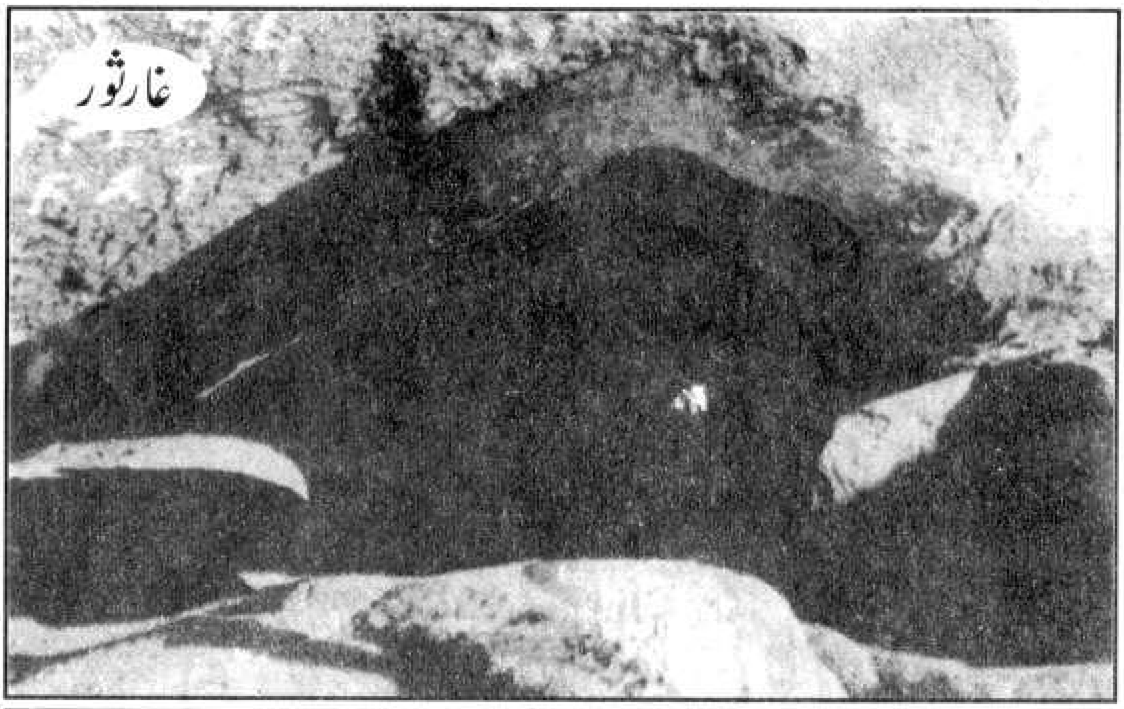


وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي ۔۔۔ وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

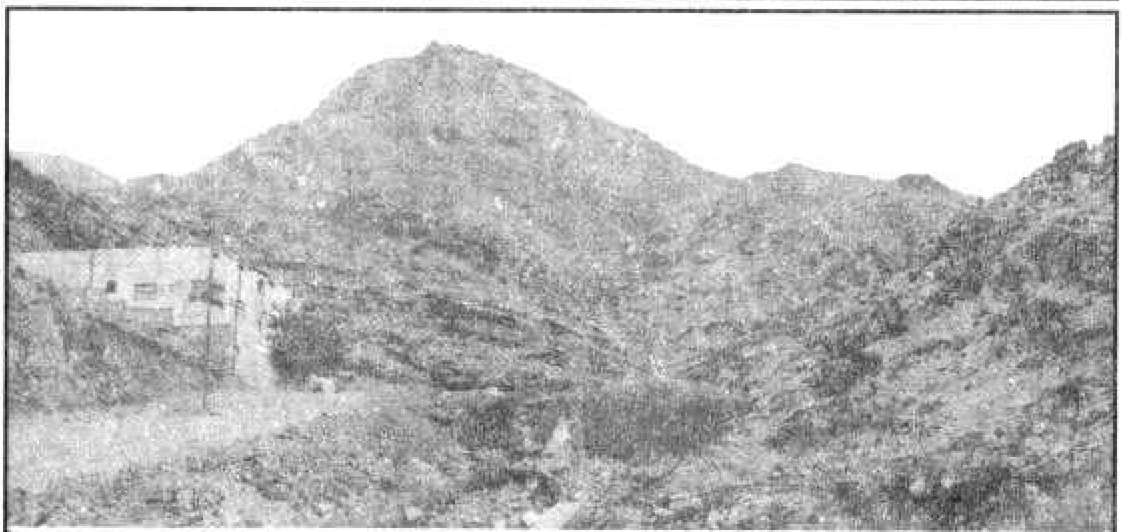
اور آپ سے زیادہ خوبصورت میری آنکھ نے کبھی دیکھا ہی نہیں ۔۔۔ اور آپ سے زیادہ حسین (کبھی) عورتوں نے جنا ہی نہیں

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ ۔۔۔ كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

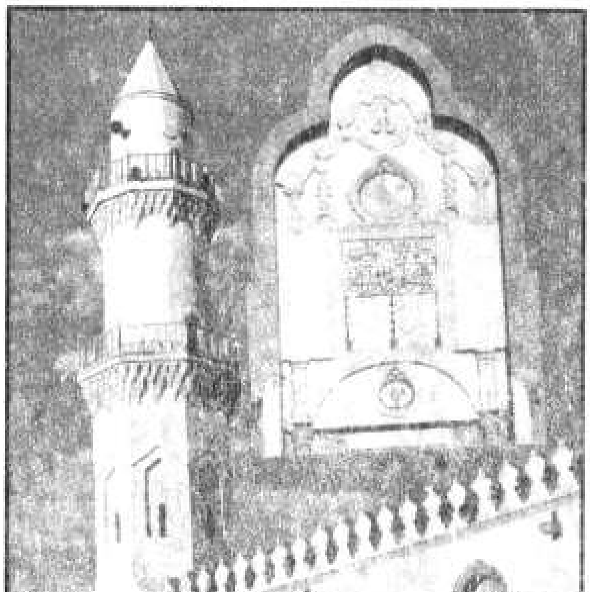
آپ ہر عیب سے بری پیدا کیے گئے ۔۔۔ گویا کہ آپ اپنی منشا کے مطابق پیدا کیے گئے



غار ثور



جبل ثور کے تین پہاڑ عبور کر کے غار ثور تک جانا پڑتا ہے۔ دشوار گذار راستے میں تیز اور نکیلے پتھر ہیں سایہ کا کہیں پتہ نہیں



مسجد قبا کی قدیم تصویر جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے نماز دکھائی جا رہی ہے



غار ثور کا دوسرا منظر

انعام کے لالچ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرنیوالوں کا انجام

قریش کی گرفتاری کی مہم مکمل ناکام ہوگئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے نکل کر ابوبکر کے گھر تشریف لے گئے اور ان کو اپنے ہمراہ لے کر غار ثور میں جا چھپے تو کفار نے آ کر آپ کے مکان کا محاصرہ کیا جب وہاں آپ کو نہ پایا تو آپ کی تلاش میں مشغول ہو گئے اور ہر طرف آدمی دوڑائے اور تلاش کرتے ہوئے غار ثور کے منہ پر پہنچ گئے مگر خدا تعالیٰ نے تار عنکبوت سے وہ کام لیا کہ وہ صدہا آہنی زرہوں سے بھی نہیں چل سکتا تین روز تک آپ غار میں چھپے رہے اور کفار تین دن تک تلاش میں لگے رہے۔ جب کفار ناامید ہو گئے اور تھک کر بیٹھ گئے اور باوجود اس اشتہار اور اعلان کے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا ابوبکر کو پکڑ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام ملے گا۔ انہیں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

سراقہ بن مالک کی کوشش

سراقہ بن مالک بن جشم راوی ہیں کہ میں اپنی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آ کر یہ بیان کیا کہ میں نے چند اشخاص کو ساحل کے راستہ سے جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ میرا گمان ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء ہیں۔

سراقہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں سمجھ لیا کہ بے شک وہی ہیں لیکن اس کو یہ کہہ کر

ٹلا دیا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء نہیں بلکہ اور لوگ ہوں گے مبادا کہ یہ شخص یا کوئی اور سن کر قریش کا انعام نہ حاصل کر لے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد میں مجلس سے اٹھا اور باندی سے کہا کہ گھوڑے کو فلاں ٹیلے کے نیچے لے جا کر کھڑا کرے اور میں اپنا نیزہ لے کر گھر کی پشت کی طرف سے نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر سرپٹ دوڑاتا ہوا چلا۔

سراقہ کے گھوڑے کا زمین میں دھنس جانا

جب سراقہ آپ کے قریب پہنچ گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور گھبرا کر عرض کیا یارسول اللہ اب ہم پکڑ لئے گئے۔ یہ شخص ہماری تلاش میں آ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں

لاتحزن ان اللہ معنا — تو غمگین نہ ہو تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے

اور سراقہ کے لئے بددعا فرمائی اسی وقت سراقہ کا گھوڑا گھٹنوں تک پتھریلی زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ نے عرض کیا کہ یقین ہے کہ تم دونوں کی بددعا سے ایسا ہوا ہے آپ دونوں حضرات اللہ سے میرے لئے دعا کیجئے۔ خدا کی قسم آپ سے عہد کرتا ہوں کہ جو شخص آپ کو تلاش کرتا ہوا ملے گا اس کو واپس کر دوں گا۔

سراقہ کا معافی مانگنا

آپ نے دعا فرمائی اسی وقت زمین نے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ اب آپ کو ضرور غلبہ عطا فرمائے گا اور قریش نے جو آپ کے قتل یا گرفتاری کیلئے سو اونٹ کے انعام کا اشتہار دیا تھا۔ اس کی میں نے آپ کو اطلاع کی اور جو زادِ راہ میرے ساتھ تھا وہ آپ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا۔ البتہ یہ فرمایا کہ ہمارا حال کسی پر ظاہر نہ کرنا۔

مزید احتیاط کی غرض سے میں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ایک تحریر امن اور معافی کی مجھ کو لکھوا دیں۔ آپ کے حکم سے عامر بن فہیرہ نے ایک چمڑے کے ٹکڑے پر معافی کی سند لکھ کر مجھ کو عطا کی اور روانہ ہوئے۔ اور میں بھی امان نامہ لیکر واپس ہوا جو شخص آپ کے تعاقب میں ملتا تھا اسی کو واپس کر دیتا تھا اور یہ کہہ دیتا کہ تمہارے جانے کی ضرورت نہیں میں دیکھ آیا ہوں۔

سراقہ کی ابوجہل کو رپورٹ

اسی بارے میں سراقہ نے ابوجہل کو مخاطب بنا کر یہ کہا:

اے ابو جہل خدا کی قسم تو اگر اس وقت حاضر ہوتا

کہ جب میرے گھوڑے کے قدم زمین میں دھنس رہے تھے

تو تو یقین کرتا اور ذرہ برابر تجھ کو شک نہ رہتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں دلائل اور براہین کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں کون ان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

معجزۂ نبوی

بخاری نے بروایت سراقہ بن مالک بیان کیا ہے کہ میں بھی بحالت کفر بوقت ہجرت نبویہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کی جستجو میں نکلا اور جب میں آپ سے قریب ہوا تو میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ میں اٹھ کر پھر سوار ہوا اور اس قدر فاصلہ سے پہنچا کہ آپ کی قرات کی آواز میرے کانوں میں آنے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر نماز میں ادھر ادھر نہ جاتی تھی لیکن حضرت ابو بکر بہت زیادہ ادھر ادھر کو دیکھتے تھے۔ اس اثناء میں میرے گھوڑے کے قدم زمین میں گھٹنوں تک دھنس گئے ہیں میں نے اس کو پھر ڈانٹا تو وہ اٹھا مگر اس کے پاؤں زمین سے نہ نکل سکے جب وہ سیدھا کھڑا ہو گیا تو اس کے اٹھنے کی وجہ سے زمین سے مٹی اڑی میں نے ان دونوں سے امان طلب کی۔

جب مجھ پر یہ واقعہ پیش آیا تو میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور غالب ہو کر رہیں گے۔ اور ابن سعد اور بیہقی اور ابو نعیم نے بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بارادہ ہجرت مکہ سے باہر تشریف لے گئے تو ابو بکر کی نظر ایک سوار پر پڑی جو ان کو ڈھونڈھتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا تھا۔ صدیق اکبر نے مضطرب ہو کر فرمایا کہ یا رسول اللہ! یہ سوار ہم کو پکڑنے کیلئے آ پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ الٰہی اس کو زمین پر گرا دے چنانچہ وہ اپنے گھوڑے سے گر پڑا تو اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ جو کچھ حکم دیں گے میں اس کی تعمیل کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ تم اسی جگہ کھڑے رہو اور کسی کو ہمارا تعاقب نہ کرنے دینا۔ وہ اول روز میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری میں کوشاں تھا لیکن اس واقعہ کے بعد آخر روز میں وہ آپ کا محافظ بن گیا۔

بریدہ اسلمی کی کوشش

آگے چل کر سراقہ کی طرح بریدہ اسلمی بھی مع ستر سواروں کے آپ کی تلاش میں نکلے تا کہ قریش سے سو اونٹ انعام حاصل کریں۔ جب آپ کے قریب پہنچے تو آپ نے سوال کیا من انت۔ تم کون ہو۔ جواب میں کہا۔ انابریدة میں بریدہ ہوں آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف ملتفت ہو کر بطور تفاؤل فرمایا۔

یا ابابکر بر دامرنا و صلح اے ابوبکر ہمارا کام ٹھنڈا اور درست ہوا۔ پھر فرمایا تو کس قبیلہ سے ہے۔ بریدہ نے کہا۔

من اسلم میں قبیلہ اسلم سے ہوں۔ آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملتفت ہو کر بطور تفاول فرمایا۔

سلمنا ہم سلامت رہے۔ پھر فرمایا قبیلہ اسلم کی کس شاخ سے ہو۔ بریدہ نے کہا۔

من بنی سهم بنی سہم سے۔

آپ نے فرمایا:۔

خرج سهمک تیرا حصہ نکل آیا۔

یعنی تجھ کو اسلام سے حصہ ملے گا۔

بریدہ ستر آدمیوں سمیت مسلمان ہو گیا

بریدہ نے دریافت کیا آپ کون ہیں آپ نے فرمایا۔

انا محمد بن عبدالله رسول الله میں محمد بیٹا عبداللہ کا اور رسول اللہ کا

بریدہ نے کہا۔ اشهدان لااله الا الله و ان محمداً عبده و رسوله

بریدہ بھی مسلمان ہوئے اور وہ ستر آدمی جو بریدہ کے ہمراہ تھے وہ بھی سب کے سب مشرف با سلام ہوئے۔ بریدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ مدینہ میں داخل ہوتے وقت آپ کے سامنے ایک جھنڈا ہونا چاہیے۔ آپ نے اپنا عمامہ اتارا اور نیزہ سے باندھ کر بریدہ کو عطا فرمایا۔ جس وقت آپ مدینہ منورہ پہنچے تو بریدہ رضی اللہ عنہ جھنڈا لئے ہوئے آپ کے سامنے تھے۔

راستہ میں پیش آنے والے واقعات

راستہ میں پڑاؤ:

غار ثور سے روانہ ہوئے تو تمام رات چلتے رہے۔ اگلے دن دوپہر کا وقت ہو گیا۔ دھوپ تیز ہو گئی۔ اس کھلے ہوئے لق و دق میدان میں پتھر کی چٹان کے نیچے کچھ سایہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو غنیمت سمجھا۔ میں چٹان پر پہنچا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے گیا۔ میرے ساتھ ایک ''فروة'' چمڑے کا بستر تھا۔ میں نے اس کو سایہ میں بچھا دیا اور اپنے آقا (آقائے دو جہان) کو اس پر لٹا دیا۔

پھر میں نے نظر دوڑائی تو ایک چرواہے کو دیکھا جو بکریوں کے چھوٹے سے گلہ کو ہکاتے ہوئے اس طرف لا رہا تھا اور وہ بھی اس چٹان کے سایہ میں آرام کرنا چاہتا تھا۔ میں اس کے پاس پہنچا اور دریافت کیا۔ یہ بکریاں کس کی ہیں؟ تمہارا مالک کون ہے۔ چرواہے نے ایک شخص کا نام لیا۔ جس کو میں نہیں جانتا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا کوئی بکری دودھ دیتی ہے اور کیا تم دودھ دے سکتے ہو۔ اس نے اقرار کیا چنانچہ وہ ایک بکری پکڑ کر لے آیا۔ میں نے کہا کہ پہلے تم بکری کے تھن پونچھ کر صاف کرو۔ پھر اپنے ہاتھ صاف کرو۔ پھر دودھ نکالو۔ اس نے میری فرمائش پر عمل کیا اور تھوڑا سا دودھ دوھ کر مجھے دیدیا۔

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک چھاگل میں پانی رکھ چھوڑا تھا۔ اس کے منہ پر کپڑا باندھ رکھا تھا (کہ گرد و غبار نہ پڑے) میں نے دودھ میں اتنا پانی ڈالا کہ نیچے تک تمام دودھ ٹھنڈا ہو گیا (دودھ کی لسی بنالی) پھر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا۔ میرا جی خوش ہو گیا۔

ام معبد کے خیمہ پر گزر

راستہ میں ام معبد کے خیمہ پر گزر ہوا۔ ام معبد ایک نہایت شریف اور مہمان نواز خاتون تھیں خیمہ کے دالان میں بیٹھی رہتی تھیں۔ قافلہ نبوی کے لوگوں نے ام معبد سے گوشت اور

کھجور خریدنے کی غرض سے کچھ دریافت کیا مگر کچھ نہ پایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جو خیمہ پر پڑی تو خیمہ کی ایک جانب میں ایک بکری دیکھی۔ دریافت فرمایا یہ کیسی بکری ہے ام معبد نے کہا یہ بکری لاغر اور دبلی ہونیکی وجہ سے بکریوں کے گلہ کیساتھ جنگل نہیں جا سکتی۔

لاغر بکری نے دودھ سے آٹھ دس آدمیوں کو سیراب کر دیا

آپ نے فرمایا اس میں کچھ دودھ ہے۔ ام معبد نے کہا اس میں کہاں سے دودھ آیا۔ آپ نے فرمایا کیا مجھ کو اس کا دودھ دوہنے کی اجازت ہے۔ ام معبد نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اگر اس میں دودھ ہو تو آپ ضرور دودھ لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر اس کے تھن پر دست مبارک رکھا۔ تھن دودھ سے بھر گئے اور آپ نے دودھ دوھنا شروع کر دیا۔ ایک بڑا برتن جس سے آٹھ دس آدمی سیراب ہو جائیں۔ دودھ سے بھر گیا۔ اول آپ نے ام معبد کو دودھ پلایا۔ یہاں تک کہ ام معبد سیراب ہو گئیں۔ بعد ازاں آپ نے اپنے ساتھیوں کو پلایا اور اخیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا۔ اس کے بعد آپ نے پھر دودھ دوہا یہاں تک کہ وہ بڑا برتن بھر گیا آپ نے وہ برتن ام معبد کو عطا کیا اور ام معبد کو بیعت کر کے روانہ ہوئے۔

ام معبد کا اپنے شوہر کو مہمانوں کا تعارف کرانا

جب شام ہوئی اور ام معبد کے شوہر ابو معبد بکریاں چرا کر جنگل سے واپس آئے دیکھا کہ ایک بڑا برتن دودھ سے بھرا رکھا ہے بہت تعجب سے دریافت کیا اے ام معبد یہ دودھ کہاں سے آیا اس بکری میں تو کہیں دودھ کا نام نہیں تھا۔ ام معبد نے کہا کہ آج یہاں سے ایک مرد مبارک گزرا خدا کی قسم یہ سب اسی کی برکت ہے اور تمام واقعہ بیان کیا۔ ابو معبد نے کہا ذرا ان کا کچھ حال تو بیان کرو۔ ام معبد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک اور خدا داد عظمت وجلال ہیبت و وقار کا نقشہ کھینچ دیا۔

ابو معبد نے کہا میں سمجھ گیا یہ وہی قریش والے آدمی ہیں۔ میں بھی ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

معجزہ نبوی

ورئ شاۃ لام معبد لا تدر من حلیب بالبلل

مس ضرعیھا و جس ظھرھا فاستحالت وھی فی اونی الکفل

ضرعھا بالدر ملآن اذا تحقلبا زاد درواحتفل

(ترجمہ) آپ نے ام معبد کی بکری کو دیکھا جس کے پاس دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ تھا۔ آپ نے اس کے دونوں تھن چھوئے پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو وہ بہت زیادہ موٹی تازی ہوگئی۔ اس کے تھن دودھ سے اس طرح بھر گئے کہ جب وہ دودھ دیتی تھی تو دوہنے کی وجہ سے دودھ زیادہ ہوتا تھا (کم نہ ہوتا تھا)

یہ واقعہ اس حدیث شریف سے ماخوذ ہے جس کو بغوی اور ابن شاہین اور ابن مسکن اور ابن مندہ اور طبرانی اور حاکم و حاکم نے اس روایت کو صحیح بھی کہا ہے اور بیہقی اور ابونعیم نے بسند حرام بن ہشام بن حبیش بن خالد بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بارادہ ہجرت مکہ سے مدینہ تشریف لے چلے تو اس وقت آپ کے ساتھ حضرت صدیق اکبر اور ان کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ تھی اور ان کو راستہ بتانیوالا قبیلہ لیث کا ایک شخص عبداللہ بن اریقط نامی تھا۔ یہ ساری جماعت مسماۃ ام معبد کے پاس سے ہوکر گزری جو کہ قبیلہ خزاعہ کی ایک عورت تھی۔ یہ باہر نکلنے والی اور سن رسیدہ عورت تھیں۔ خیمہ کے سامنے میدان میں بیٹھ کر مسافروں کو پانی پلاتی تھیں اور جو کچھ ہوسکتا تھا کھلا دیا کرتی تھیں۔ ان حضرات نے ان سے خریداری کی غرض سے دریافت کیا کہ تمہارے پاس گوشت اور چھوارے ہیں مگر انہوں نے کہا کہ نہیں ہیں اسی اثناء میں سرور کائنات کی نظر ام معبد کی ایک بکری پر پڑی جو کہ خیمہ کے ایک کونے میں تھی۔ آپ نے فرمایا کہ ام معبد یہ بکری کیسی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ ایک کمزور بکری ہے جو کہ لاغری کی وجہ سے ریوڑ کے ساتھ نہ جا سکی۔ آپ نے فرمایا کہ اسکا کچھ دودھ پلاؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس کے پاس دودھ کہاں سے آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا! تم ہم کو اجازت دیتی ہو کہ ہم اس کا دودھ دوھ لیں انہوں نے کہا کہ اگر آپ اس

بکری کو دودھ کے قابل سمجھیں تو اس کا دودھ نکال لیں۔ آپ نے اس بکری کو منگوایا اور اپنا دست مبارک اس کے تھن پر پھیرا اور بسم اللہ پڑھی اور دعا کی۔ بکری ٹانگیں پھیلا کر کھڑی ہو گئی اور دودھ اتر آیا۔ اس وقت آپ نے ایک برتن منگوایا۔ جو کہ اس قدر بڑا تھا جس سے کنبہ سیر ہوسکتا تھا۔ اس میں اس قدر دودھ نکالا کہ دودھ سے برتن بھر گیا۔ پھر وہ دودھ ام معبد کو خوب اچھی طرح سیر کر کے پلایا۔ پھر آپ نے اپنے ہمراہیوں کو خوب اچھی طرح سے پلایا سب سے آخر میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش جان فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے اسی برتن میں بکری کا دودھ دوبارہ نکالا اور برتن بھر گیا اور اس بھرے ہوئے برتن کو ام معبد ہی کے پاس چھوڑ دیا اور ان سے بیعت لیکر آپ مع ہمراہیوں کے تشریف لے گئے کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ان کے خاوند ابو معبد دُبلی بکریوں کا ریوڑ لیکر آئے۔ گھر میں دودھ موجود دیکھ کر متعجب ہوئے اور کہنے لگے گھر کی بکریوں کا تو یہ حال ہے کہ سب لاغر ہیں ان میں ایک بکری بھی دودھ دینے والی نہیں ہے پھر اس قدر دودھ کہاں سے آ گیا۔ وہ قسم کھا کر کہنے لگیں کہ ابھی ایک بابرکت شخص جن کا حلیہ ایسا۔ ایسا ہے ادھر سے ہو کر گزرے تھے ان کی برکت سے یہ دودھ ملا ہے۔ وہ فرمانے لگے کہ ان کا حلیہ صاف صاف بتلاؤ۔ ام معبد نے ان کا مفصل حلیہ بیان کیا تو وہ بولے کہ خدا کی قسم یہ وہی قریشی شخص ہے جس کے وہ حالات جو کہ مکہ میں گزرے ہیں ہم نے سنے ہیں۔

مکہ میں ایک غیبی آواز

ادھر تو یہ واقعہ پیش آیا اور ادھر ہاتف غیبی نے مکہ میں یہ اشعار پڑھے آواز تو سنائی دیتی تھی مگر اشعار کا پڑھنے والا نظر نہیں آتا تھا وہ اشعار یہ ہیں۔

جزى الله رب الناس خير جزائه رفيقين حلا خيمتي ام معبد

اللہ تعالیٰ ان دونوں رفیقوں کو جزائے خیر دے جو ام معبد کے خیمہ میں اترے۔

هما نزلا هابالهدىٰ فاهتدت به فقدفاز من امسىٰ رفيق محمد

دونوں ہدایت کو لے کر اترے پس ام معبد نے ہدایت قبول کی اور مراد کو پہنچا جو شخص محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سفر میں رفیق رہا یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ

لیهن ابابكر سعادة جلده بصحبته من يسعدالله يسعد

ابوبکر کو آپ کی صحبت اور رفاقت کی وجہ سے جو سعادت اور خوش نصیبی حاصل ہوئی وہ ابوبکر کو مبارک ہو اور جس کو خدا خوش نصیب کرے وہ ضرور خوش نصیب ہوگا۔

ليهن بنى كعب مقام فتاتهم ومقصدها للمومنين بمرصد

مبارک ہو بنی کعب کو ان کی عورت کا مقام اور اہل ایمان کیلئے اس کے ٹھکانہ کا کام آنا

سلوا اختكم عن شاتها وانائها فانكم ان تسئالوا الشاة تشهد

تم اپنی بہن سے اسکی بکری اور برتن کا حال تو دریافت کرو اگر تم بکری سے بھی دریافت کرو گے تو بکری بھی گواہی دے گی۔

دعاها بشاة حائل فتحلبت عليه صريحاضرة الشاة مزيد

آپ نے اس سے ایک بکری مانگی پس اس نے اس قدر دودھ دیا کہ کف سے بھرا ہوا تھا

فغادرها رهنا لديها لحالب يرددها فى مصدرثم مورد

پھر وہ بکری آپ اسی کے پاس چھوڑ آئے جو ہر آنے اور جانیوالے کیلئے دودھ نچوڑتی تھی

حضرت حسان کا ہاتف کو جواب

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جب ہاتف کے یہ اشعار پہنچے تو حسان نے اس کے جواب میں یہ اشعار فرمائے۔

لقدخاب قوم غاب عهنم نبيهم وقدس من يسرى اليه ويغتدى

البتہ خائب و خاسر ہوئے وہ لوگ جن میں سے ان کا پیغمبر چلا گیا یعنی قریش پاک اور مقدس ہوگئے وہ لوگ کہ جو صبح و شام اس نبی کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ یعنی انصار

ترحل عن قوم فضلت عقولهم وحل على قوم بنورمجدد

اس نبی نے ایک قوم سے کوچ کیا ان کی عقلیں تو ضائع ہوگئیں اور ایک دوسری قوم پر خدا کا ایک ایک نیا نور لے کر اترے۔

هداهم به بعدالضلالة ربهم فارشد هم من يتبع الحق يرشد

خدا نے گمراہی کے بعد اس نور سے انکی رہنمائی کی اور جو حق کا اتباع کریگا وہ ہدایت پائیگا

وھل یستوی ضلال قوم تسفھوا عمیً وھدۃ یھتدون بمھتد

اور کیا گمراہ اور ہدایت پانے والے برابر ہو سکتے ہیں۔

وقدنزلت منه علی اھل یثرب رکاب ھدًی حلت علیھم باسعد

اور اہل یثرب (مدینہ) پر ہدایت کا قافلہ سعادتوں اور برکتوں کو لے کر اترا ہے۔

وہ نبی ہیں ان کو وہ چیزیں نظر آتی ہیں کہ جو ان کے پاس بیٹھنے والوں کو نظر نہیں آتیں اور وہ ہر مجلس میں لوگوں کے سامنے اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔

وان قال فے یوم مقالة غائب فتصدیقھا فی الیوم اوفی ضحیٰ الغد

اور اگر وہ کوئی غیب کی خبر سناتے ہیں تو آج ہی یا کل صبح تک اس کا صدق اور اس کی سچائی ظاہر ہو جاتی ہے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی ملاقات اور خلعت کا ہدیہ پیش کرنا

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا عجیب کرشمہ ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا نطاق چاک کر کے اس میں ناشتہ دان اور مشکیزہ باندھا تھا ان کے شوہر حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خلعت پیش کیا۔

ہوا یوں کہ...... حضرت زبیر اور ان کے ساتھ کچھ اور تاجر بسلسلہ تجارت شام گئے تھے۔ وہاں سے واپس ہو رہے تھے کہ راستہ میں ان مقدس مہاجرین سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے سفید کپڑے کا جوڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پیش کیا اور ایک جوڑا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پہنایا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس قافلہ میں حضرت عمر حضرت طلحہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ واپسی کے وقت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آگے آ گئے تھے۔ جب مدینہ کے قریب پہنچے تو باقی حضرات سے ملاقات ہوئی وہاں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان دونوں حضرات کی خدمت میں جوڑے پیش کئے۔ (سیرت مبارکہ)

باب ۶

مدینہ میں

ورودِ مسعود تا معاہدۂ یہود

قباء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار واستقبال اور ورود

میزبان کا انتخاب

حضرت عبداللہ بن سلام اور رئیس یہود میمون کا اسلام لانا

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی آپ بیتی

بھائی چارے کا قیام

اذان

یہودیوں سے معاہدہ اور اس کی شقیں

صرمہ بن ابی انس کا مسلمان ہونا

قبا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار واستقبال اور ورود

یثرب میں خبر اور انتظار

ڈاک کا سلسلہ اس وقت نہیں تھا۔ مگر آنے جانے والوں کے منہ زبانی خبریں پہنچ جاتی تھیں۔ مشاقان دیدار کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان کا محبوب آقا مکہ معظمہ سے نکل چکا ہے۔ اب انتظار کے دن اور گھڑیاں گنی جا رہی تھیں۔

طلوع آفتاب سے بہت پہلے۔ پو پھٹنے کے وقت لوگ اٹھتے اور مدینہ سے باہر ''حرہ'' پہنچ کر آفتاب رسالت کے طلوع ہونے کا انتظار کرنے لگتے۔ اسی انتظار میں دوپہر ہو جاتی۔ مسافروں کی آمد کا وقت ختم ہو جاتا تو مرجھائے دلوں کو بے تاب سینوں میں دبائے ہوئے واپس ہو جاتے۔ (سیرت مبارکہ)

اہل یثرب کو اچانک بشارت

ایک روز اسی پژمردگی اور افسردگی کے ساتھ واپس ہوئے تھے کہ ایک آواز نے عورتوں اور بچوں تک کو وارفتہ مسرت بنا دیا۔

یا معاشر العرب هذا جدكم الذی تنظرون

ایک یہودی اپنی کسی ضرورت سے ایک پرانے قلعہ کی اونچی اٹاری پر چڑھا تھا اس کی نظر چند سفید پوش سواروں پر پڑی جو اس طرف چلے آرہے تھے۔ اس کے دل نے گواہی دی کہ انتظار کرنے والوں کی مراد پوری ہو گئی۔ یہ خود بے تاب نہیں تھا۔ مگر انتظار کرنے والوں کی بیتابی کا اس پر یہ اثر تھا کہ خود قابو میں نہ رہا اور زور سے چیخ اٹھا۔

اہل عرب...... یہ ٹھیک تمہارے وہی مہمان آگئے جن کا تمہیں انتظار ہے (سیرت مبارکہ)

اہل قباء کی خوشی

اہل قباء کی خوش نصیبی تھی کہ یہ آواز ان کے کانوں میں پڑی اب کوئی کیا بتائے جاں بازوں،

جانثاروں اور فدا کاروں کا کیا حال تھا۔ وہ کس بے تابی سے دوڑے اور حرہ پہنچ کر کس طرح رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زیرپا اپنی آنکھیں بچھائیں، نظر اشتیاق کو فرش راہ بنایا۔

قبیلہ بنی عمرو بن عوف (جو اوس کا بطن تھا) یہاں آباد تھا۔ یہ خوش نصیب اسی قبیلہ کے لوگ تھے جنہوں نے یہودی کی آواز سنی اور دوڑے۔ (سیرت مبارکہ)

استقبال وتشریف آوری

عرب کا دستور تھا کہ معزز مہمانوں کا استقبال ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر کیا کرتے تھے اس بے تابی میں انہوں نے اپنی اس آن کو نہیں چھوڑا۔ پہلے ہتھیاروں کی طرف لپکے، پھر استقبال کو دوڑے۔

حرہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دہنی طرف رخ کیا اور پھر پورے مجمع کے ساتھ قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں رونق افروز ہو گئے۔ لوگ آنے شروع ہوئے وہ اپنے قاعدہ سے سلام کرتے تھے اور بیٹھ جاتے تھے۔ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم خاموش تشریف فرما تھے۔ رفیق سفر (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کھڑے تھے اور آنے والوں کا استقبال کر رہے تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے نہیں دیکھا تھا وہ صدیق اکبرؓ ہی کو سلام کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوپ آ گئی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سر مبارک پر اپنی چادر سے سایہ کر لیا۔ تب لوگ پہچان سکے کہ خادم کون ہے اور مخدوم کون؟ (سیرت مبارکہ)

قیام اور نشست گاہ کا انتظام

کلثوم بن ھدم قبیلہ کے بڑے آدمی تھے۔ یہ شرف ان کو حاصل ہوا کہ آپ نے قیام ان کے یہاں فرمایا۔

دوسرے صاحب سعد بن خیثمہ تھے۔ ان کا مکان خالی تھا۔ ان کے متعلقین نہیں تھے مکہ سے جو صحابہ اس طرح کے آتے تھے وہ بھی ان کے یہاں ٹھہرتے تھے۔ اس لئے اس مکان کو بیعت الغراب کہا جانے لگا۔ یہ مکان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست کے لئے طے کیا گیا۔ تلقین وتذکیر بھی یہیں فرمایا کرتے تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنح میں قیام فرمایا۔ یہ پیر کا دن تھا جس روز آفتاب رسالت مدینہ کے خط استواء پر پہنچا۔ (سیرت مبارکہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قباء پہنچنا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد تین دن مکہ میں

قیام کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چلتے وقت لوگوں کی امانتیں حضرت علی کے سپرد کر آئے تھے۔ ان امانتوں کو پہنچا کر قباء پہنچے اور کلثوم بن ہدم کے مکان پر آپکے ساتھ قیام کیا۔

قباء میں رونق افروز ہونے کی تاریخ

محمد بن اسحاق فرماتے تھے کہ جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر قباء میں رونق افروز ہوئے وہ دوشنبہ کا روز تھا اور تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۳ نبوی تھی اور علمائے سیر کے نزدیک آپ مکہ مکرمہ سے بروز پنجشنبہ ۲۷ صفر المظفر کو برآمد ہوئے۔ تین شب غار ثور میں رہ کر یکم ربیع الاول بروز دوشنبہ مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور ساحل کے راستہ سے چل کر ۸ ربیع الاول بروز دوشنبہ دوپہر کے وقت آپ نے قباء میں نزول اجلال فرمایا۔

قباء میں سب سے پہلا کام ...... مسجد کی تعمیر

قباء میں رونق افروز ہونے کے بعد سب سے پہلے آپ نے جو کام کیا وہ یہ کہ ایک مسجد کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ایک پتھر لا کر قبلہ رخ رکھا آپ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایک پتھر رکھا۔ اس کے بعد دیگر حضرات صحابہ نے پتھر لا کر رکھنے شروع کئے اور سلسلہ تعمیر کا جاری ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ بھی بھاری پتھر اِٹھا کر لاتے اور بسا اوقات پتھر کو تھامنے کی غرض سے شکم مبارک سے لگا لیتے صحابہ کرام عرض کرتے یا رسول اللہ آپ رہنے دیں ہم اٹھالیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبول نہ فرماتے۔

قباء کا قیام عارضی تھا مگر یہ کیسے ممکن تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی لمحہ اس فرض کی انجام دہی میں صرف نہ ہوتا۔ جس کے لئے وہ خدا کے رسول اور پیغامبر بنائے گئے تھے اقامت دین۔ جو انبیاء علیہم السلام کا نصب العین ہوتا ہے اس کا پہلا کام ہے اقامت الصلوٰۃ یعنی ایسا ماحول بنانا اور ایسی جماعت تیار کرنا جس کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز اور جس کے دل کا چین ذکر اللہ ہو۔

قباء پہنچ کر سب سے پہلے آپ نے اس فرض کو انجام دیا۔ (سیرت مبارکہ)

مدینہ میں استقبال
پہلا خطبہ اور اہلِ مدینہ کی خوشی

اہل مدینہ کا استقبال

جمعہ کے روز صبح سویرے، مدینہ کے حضرات آراستہ ہوئے۔ تلواریں سجائیں۔ اور آقائے دو جہان کو اپنے یہاں لانے کے لئے قباء پہنچ گئے۔

کچھ دن چڑھا تو تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ قصواء پر سوار ہوئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ بٹھایا (ردیف بنایا) تقریباً پانچسو مسلح انصار کی دو صفیں دائیں بائیں ہو گئیں۔

راستہ پر زیارت کرنے والے مردوں کا اور کوٹھوں اور چھتوں پر خانہ نشین خواتین کا ہجوم تھا۔ جو مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ بھی دیدار کیلئے بیتاب تھے۔ لڑکے اور بچے جوش مسرت میں نعرہ لگا رہے تھے۔

الله اکبر. جاء محمد. الله اکبر جاء محمد

یثرب اور اہل یثرب کے لئے اس سے زیادہ مسرت کا دن کونسا ہو سکتا تھا؟ آج آسمان نبوت کا آفتاب زمین یثرب پر اتر رہا ہے۔ آج وہ نبی رونق افروز ہو رہا ہے جسکی بشارتیں کتب سابقہ کے صفحات میں اور اہل کتاب کی زبانوں پر عرصہ سے تھیں۔ آج ہر طرف یہی صدا ہے، یہی چرچا ہے۔ جاء نبی الله. جاء نبی الله اللہ کے نبی آ گئے۔ اللہ کے نبی آ گئے۔

قبیلہ بنی سالم تک پہنچے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ نے جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی۔

نماز جمعہ اور مدینہ میں سب سے پہلا خطاب

الحمدللہ۔ اللہ کی حمد کرتا ہوں اور اسی سے اعانت اور مغفرت اور ہدایت کا طلب گار ہوں

اور اللہ پر ایمان رکھتا ہوں اس کا کفر نہیں کرتا۔ بلکہ اسکے کفر کرنے والوں سے عداوت اور دشمنی رکھتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں جس کو اللہ نے ہدایت اور نور حکمت اور موعظت دے کر ایسے وقت میں بھیجا کہ جب انبیاء و رسل کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اور زمین پر علم برائے نام تھا اور لوگ گمراہی میں تھے اور قیامت کا قرب تھا جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے ہدایت پائی اور جس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی وہ بلاشبہ بے راہ ہوا اور کوتاہی کی اور شدید گمراہی میں مبتلا ہوا اور میں تم کو اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اس لئے کہ ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان کو بہترین وصیت یہ ہے کہ اس کو آخرت پر آمادہ کرے اور تقویٰ اور پرہیزگاری کا اس کو حکم دے پس بچو اس چیز سے کہ جس سے اللہ نے تم کو ڈرایا ہے تقویٰ سے بڑھ کر کوئی نصیحت اور موعظت نہیں اور بلاشبہ اللہ کا تقویٰ اور خوف خداوندی آخرت کے بارے میں سچا معین اور مددگار ہے اور جو شخص ظاہر و باطن میں اپنا معاملہ اللہ کے ساتھ درست کر لے جس سے مقصود محض رضائے خداوندی ہو۔ اور کوئی دنیاوی غرض اور مصلحت پیش نظر نہ ہو تو یہ ظاہر و باطن کی مخلصانہ اصلاح دنیا میں اس کے لئے باعث عزت و شہرت ہے اور مرنے کے بعد ذخیرہ آخرت ہے کہ جس وقت انسان اعمال صالحہ کا غایت درجہ محتاج ہوگا اور خلاف تقویٰ اس امور کے متعلق اس دن یہ تمنا کرے گا کہ کاش میرے اور اس کے درمیان مسافت بعیدہ حائل ہوتی اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی عظمت اور جلال سے ڈراتے ہیں اور یہ ڈرانا اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر نہایت ہی مہربان ہیں اللہ اپنے قول میں سچا ہے اور وعدہ وفا کرنے والا ہے اس کے قول اور وعدے میں خلف نہیں **ما یبدل القول لدی و ماانا بظلام للعبید** پس دنیا اور آخرت میں ظاہر میں اور باطن میں اللہ سے ڈرو۔ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ فرماتے ہیں اور اجر عظیم عطا فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ سے ڈرے تحقیق وہ بلاشبہ بڑا کامیاب ہوا۔ اور تحقیق اللہ کا تقویٰ ایسی شے ہے کہ اللہ کے غضب اور اس کی عقوبت اور سزا اور ناراضگی سے بچاتا ہے اور تقویٰ ہی قیامت کے دن چہروں کو روشن اور منور بنائے گا اور رضاء خداوندی اور رفع درجات کا ذریعہ اور وسیلہ ہوگا اور تقویٰ میں جس قدر حصہ لے سکتے ہو وہ لے لو اس میں کمی نہ کرو اور اللہ کی اطاعت میں کسی

قسم کی کوتاہی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعلیم کے لئے کتاب اتاری اور ہدایت کا راستہ تمہارے لئے واضح کیا تا کہ صادق اور کاذب میں امتیاز ہو جائے۔ پس جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا اسی طرح تم حسن اور خوبی کے ساتھ اس کی اطاعت بجالاؤ اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھو اس کی راہ میں کما حقہ جہاد کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے لئے مخصوص اور منتخب کیا ہے اور تمہارا نام اور لقب ہی مسلمان رکھا ہے یعنی اپنا مطیع اور فرمانبردار رکھا۔ بس اس نام کی لاج رکھو منشاء خداوندی یہ ہے کہ جس کو ہلاک اور برباد ہونا ہے وہ قیام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی قیام حجت کے بعد بصیرت کے ساتھ زندہ رہے کوئی بچاؤ اور کوئی طاقت اور کوئی قوت بغیر اللہ کی مدد کے ممکن نہیں پس کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور آخرت کے لئے عمل کرو۔ جو شخص اپنا معاملہ خدا سے درست کرے گا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں سے اس کی کفایت کرے گا کوئی شخص اس کو ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تو لوگوں پر چلتا ہے اور لوگ اللہ پر حکم نہیں چلا سکتے۔ اللہ ہی تمام لوگوں کا مالک ہے اور لوگ اللہ کی کسی چیز کے مالک نہیں۔ لہٰذا تم اپنا معاملہ اللہ سے درست کرلو۔ لوگوں کی فکر میں مت پڑو اور اللہ سب کی کفایت کرے گا۔ **اللّٰہ اکبر ولا قوة الا باللہ العلی العظیم**۔

شرف میزبانی کے لئے ہر قبیلہ کی درخواست

نماز جمعہ کے بعد آپ سوار ہونے لگے تو قبیلہ والوں نے مہار تھام لی اور اصرار کیا کہ آپ یہیں قیام فرمائیں۔ اس کے بعد حضرات انصار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا جو قبیلہ بھی آتا رہا۔ یہی اصرار کرتا رہا کہ غریب خانہ کو دولت خانہ بنایئے۔ مکان حاضر ہے۔ مال حاضر ہے۔ جان حاضر ہے لیکن وہ رؤف رحیم جس کا دامن شفقت ہر ایک کے لئے پھیلا ہوا تھا۔ جس کو کسی کی دل شکنی گوارہ نہیں تھی۔ جس طرح اس کا پورا سفر غیبی اشاروں پر ہوا تھا اس کے ارحم الراحمین رب نے یہاں بھی ایسی صورت کر دی کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی کی دل شکنی نہ ہو آپ نے خود ہی ناقہ کی مہار چھوڑ دی اور اصرار کرنیوالوں سے بھی یہی فرمایا کہ وہ مہار چھوڑ دیں یہ ناقہ مامور ہے۔ جہاں بیٹھ جائے گی وہیں قیام ہوگا۔

لگام کو آپ نے بالکل ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔ کسی جانب لگام کو دست مبارک سے حرکت

نہیں دیتے تھے۔

اہل مدینہ کا جوش وجذبہ

جوش کا یہ عالم تھا کہ خواتین جمال نبوی کے دیکھنے کے لئے چھتوں پر چڑھی ہوئی تھیں اور یہ شعر گاتی تھیں۔

طلع البدر علینا　من ثنیات الوداع

چودہویں رات کے چاند نے ثنیات الوداع سے ہم پر طلوع کیا ہے۔

وجب الشکر علینا　مادعا اللہ داع

ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے جب تک اللہ کو کوئی پکارنے والا باقی ہے

ایھا المبعوث فینا　جئت بالامر المطاع

اے وہ مبارک ذات کہ جو ہم میں پیغمبر بنا کر بھیجے گئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے امور کو لے کر آئے ہو۔ جن کی اطاعت واجب ہے۔

بے مثال مسرت کا مظاہرہ

اور فرط مسرت سے ہر بڑے چھوٹے کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

جاء نبی اللہ　جاء رسول اللہ　آئے اللہ کے نبی۔ آئے اللہ کے رسول

صحیح بخاری میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے اہل مدینہ کو کسی چیز سے اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے خوش ہوتے دیکھا۔ سنن ابی داؤد میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حبشیوں نے آپ کی تشریف آوری کی مسرت میں نیزہ بازی کے کرتب دکھائے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو مدینہ کا ذرہ ذرہ روشن تھا۔

میزبان کا انتخاب

قیام وطعام کا انتظام اور حضرت ابو ایوبؓ کا جذبہ ادب

چھوڑ دو! یہ منجانب اللہ مامور ہے۔

غرض یہ کہ ناقہ مبارک اسی شان سے آہستہ آہستہ چل رہی تھی اور وہ حضرات آپ کے گرد و پیش اور یمین و یسار میں تھے کہ جن کے قلوب کو حق جل وعلا نے ازل سے اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عشق کے لئے مخصوص اور منتخب فرمایا تھا اور اپنے ماسوا کے لئے ان کے دلوں میں کوئی گنجائش نہ چھوڑی تھی۔ آپ چل رہے تھے اور ان محبین و مخلصین کی نگاہیں فرش راہ بنی ہوئی تھیں جو شخص اپنی شگفتگی اور ارفتگی اور جوش عقیدت اور ولولہ محبت میں اونٹنی کی مہار پکڑنا چاہتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے۔ اس کو چھوڑ دو یہ منجانب اللہ مامور ہے۔

بنی نجار کی سعادت

بالآخر ناقہ محلّہ بنی النجار (جو آپ کے ننھیالی قرابت دار ہیں) میں خود بخود اس مقام پر گئی جہاں اس وقت مسجد نبوی کا دروازہ ہے مگر آپ ناقہ سے نہ اترے کچھ دیر کے بعد ناقہ اٹھی اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر بیٹھی اور کچھ دیر کے بعد اٹھ کر پہلی جگہ پر آ کر بیٹھی اور اپنی گردن زمین پر ڈال دی۔ (سیرت المصطفیٰ)

بنی نجار کو یہ سعادت میسر آئی تو بچہ بچہ کے دل کی کلی کھل گئی۔ لڑکیوں نے فوراً ایک شعر موزوں کرلیا۔

نحن جوار من بنی نجار　　یاحبذا محمد من جار

(ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں (یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پڑوسی

بنے، محمد کیسے اچھے پڑوسی ہیں) کس قدر عجیب بات ہے کہ محمد ہمارے پڑوسی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ شفقت فرمایا۔ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا (ای واللہ یا رسول اللہ (ہاں خدا کی قسم یا رسول اللہ) ارشاد ہوا۔

انا واللہ احبکم　انا واللہ احبکم　انا واللہ احبکم

خدا کی قسم مجھے بھی تم سے محبت ہے۔ خدا کی قسم مجھے بھی تم سے محبت ہے۔ خدا کی قسم مجھے بھی تم سے محبت ہے۔ (سیرت مبارکہ)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ میزبان بنتے ہیں

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ سے اترے اور ابوایوب انصاری آپ کا سامان اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔ (سیرت المصطفیٰ)

عجیب بات یہ ہے کہ حضرات انصار نے آپس میں قرعہ ڈالا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام کس کے یہاں ہوگا اس میں بھی حضرت ابوایوب ہی کا اسم گرامی برآمد ہوا تھا۔

قیام کا مسئلہ طے ہو گیا تو ارشاد ہوا۔

فانطلق فهي لنا مقيلا　تشریف لے جایئے ہمارے قیلولہ کا انتظام کر دیجئے

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے اندر جا کر آرام فرمانے کا انتظام کیا۔ پھر ان کو لے گئے اور آرام کرایا۔ (سیرت مبارکہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق کی تکمیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طبعی میلان بھی اسی طرف تھا کہ آپ بنی النجار ہی میں اتریں جو آپ کے دادا عبدالمطلب کے ماموں ہیں اور اپنے نزول سے ان کو عزت اور شرف بخشیں جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے لیکن حق جل شانہ نے آپ کی اس خواہش کو ایک معجزانہ طریق سے پورا فرمایا کہ ناقہ کی لگام آپ کے دست مبارک سے چھڑا دی گئی کہ آپ اپنے ارادہ اور اختیار سے کسی جانب لگام کو حرکت نہ دیں اور نہ اپنی طرف سے کسی کے مکان کو نزول کے لئے مخصوص فرمائیں تا کہ آپ کے محبین و مخلصین سمجھ لیں کہ آپ کا بالذات کوئی قصد اور ارادہ نہیں۔ ناقہ منجانب اللہ مامور ہے جہاں خدا کا حکم ہوگا وہیں ٹھہرے گی۔ آپ خدا کے اشارہ کے منتظر ہیں۔ اس طرح سے حق جل شانہ نے آپ کی خواہش کو بھی پورا فرمایا اور

صحابہ کرام کے حق میں اس شان سے نزول کوایک معجزہ اورنشانی بنایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ہی مکان میں اترے

علاوہ ازیں جب تبع شاہ یمن کا مدینہ منورہ کی سرزمین پر گزر ہوا تو چارسو علماء تورات اس کے ہمراہ تھے سب علماء نے بادشاہ سے یہ استدعا کی کہ ہم کو اس سرزمین پر رہ جانے کی اجازت دی جائے بادشاہ نے اس کا سبب دریافت کیا علماء نے یہ کہا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے صحیفوں میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اخیر زمانہ میں ایک نبی پیدا ہوں گے محمد ان کا نام ہوگا اور یہ سرزمین ان کا دارالہجرت ہوگی۔

بادشاہ نے وہاں سب کو قیام کی اجازت دی اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ مکان تیار کرایا اور سب کے نکاح کرائے اور ہر ایک کو مال عظیم دیا اور ایک مکان خاص نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے تیار کرایا کہ جب نبی آخرالزماں یہاں ہجرت فرما کر آئیں تو اس مکان میں قیام فرمائیں اور آپ کے نام ایک خط لکھا جس میں اپنے اسلام اور اشتیاق دیدار کو ظاہر کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

شهدت على احمد انه رسول من الله بارى النسم

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مجتبےٰ احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول برحق ہیں۔

فلومدعمرى الى عمره لكنت وزيرًا له و ابن عم

اگر میری عمر ان کی عمر تک پہنچی تو میں ضرور ان کا معین اور مددگار رہوں گا۔

وجاهدت بالسيف اعدآئه وفرجت عن صدره كل غم

اوران کے دشمنوں سے جہاد کروں گا اوران کے دل سے ہر غم کو دور کردوں گا۔

اور تبع نے اس خط پر ایک مہر بھی لگائی اور ایک عالم کے سپرد کیا کہ اگر تم اس نبی آخرالزمان کا زمانہ پاؤ تو میرا یہ عریضہ پیش کردینا ورنہ اپنی اولاد کو یہ خط سپرد کرکے یہی وصیت کردینا جو تم کو کررہا ہوں۔

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی عالم کی اولاد میں سے ہیں اور یہ مکان بھی وہی مکان تھا جس کو تبع شاہ یمن نے فقط اسی غرض سے تعمیر کرایا تھا کہ جب نبی آخرالزمان ہجرت کرکے آئیں تو اس مکان میں اتریں اور بقیہ انصار ان چارسو علماء کی اولاد سے ہیں۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے اونٹنی اسی مکان کے دروازہ پر جاکر ٹھہری کہ جو تبع نے پہلے ہی سے آپ کی نیت سے

تیار کرایا تھا۔ شیخ زین الدین مراغیؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر نہیں اترے بلکہ اپنے مکان پر اترے تو بیجا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ مکان تو اصل میں آپ ہی کیلئے تیار کرایا گیا تھا۔ ابوایوب رضی اللہ عنہ کا قیام تو اس مکان میں محض آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں تھا۔

کہا جاتا ہے کہ آپکی تشریف آوری کے بعد ابوایوب رضی اللہ عنہ نے وہ عریضہ جس میں وہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔ تبع کی طرف سے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مدینہ میں سب سے پہلا ہدیہ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہمیشہ خوش ہوا کرتے تھے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب کے یہاں جیسے ہی تشریف لے گئے سب سے پہلا ہدیہ میری والدہ کا تھا جو آپ نے خود بھی تناول فرمایا اور حاضرین کو بھی اس میں شریک کیا۔ میری والدہ نے روٹیوں پر گھی لگا کر دودھ میں چورا اور ایک بڑے بادیہ میں بھر کر میرے ہاتھ بھیجا۔ یہ میری سعادت تھی کہ سب سے پہلا ہدیہ یہی پیش ہوا میں نے عرض کیا کہ میری والدہ نے یہ ہدیہ بھیجا ہے تو آپ نے دعا فرمائی بارک اللہ فیک (اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے) پھر حاضرین کو بلا کر سب کے ساتھ ہدیہ تناول فرمایا اور ابھی میں دروازہ سے نکلا نہیں تھا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہاں سے ثرید آ گیا۔ آپ نے اسے بھی منظور فرمایا۔ (سیرت مبارکہ)

دستر خوان کا انتظام

پھر اگرچہ آپ مہمان ابوایوب رضی اللہ عنہ کے تھے مگر روزانہ تین چار انصار کے یہاں سے نمبر وار کھانے کا ہدیہ آتا رہتا تھا۔ دستر خوان مبارک پر چار پانچ کھانے والے ضرور ہوتے تھے۔ کبھی پندرہ سولہ بھی ہو جاتے تھے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ خود بھی کھانا پکواتے دستر خوان پر اگرچہ شریک طعام نہیں ہوتے تھے مگر جو کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے آتا تھا اس کو کھاتے اور خاص اس جگہ سے کھاتے جہاں آقا دو جہان کی انگلیوں کے نشان معلوم ہوتے تھے۔ (سیرت مبارکہ)

کھانے کے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

کسی نے حضرت ابوایوب کے یہاں سے تحقیق کرنی چاہی کہ آپ کے یہاں حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کا قیام ہے آپ مزاج سے واقف ہوگئے ہوں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کونسا کھانا پسند ہے کونسا ناپسند۔ جواب ملا خود سے آپ نے کبھی کسی کھانے کی فرمائش نہیں کی اور جو کھانا پیش کیا گیا کبھی اس کی برائی نہیں کی۔ (سیرت مبارکہ)

لہسن پیاز کی بو ناپسند تھی

ایک روز حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے خاص طور سے ایک کھانا پکوایا اور اس میں لہسن بھی ڈالا۔ وہ کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا۔ مگر اس کو آپ نے تناول نہیں فرمایا۔ جوں کا توں کھانا واپس آ گیا تو حضرت ابوایوب گھبرا گئے فوراً خدمت مبارک میں حاضر ہوئے وجہ دریافت کی۔ فرمایا اس میں لہسن تھا حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیا لہسن کھانا حرام ہے۔ ارشاد ہوا حرام نہیں ہے مگر مجھے اس کی بو سے کراہیت ہے۔ عرض کیا جس سے حضور والا کو کراہیت ہے مجھے بھی اس سے کراہیت ہوگئی۔ (سیرت مبارکہ)

آپ نے ارشاد فرمایا میں نے اس کھانے میں لہسن اور پیاز کی بو محسوس کی۔ تم کھاؤ میں چونکہ فرشتوں سے ہم کلام ہوتا ہوں اس لئے میں اس کے کھانے سے احتراز کرتا ہوں ابوایوب فرماتے ہیں اس کے بعد ہم نے کبھی آپ کے کھانا میں لہسن اور پیاز شامل نہیں کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے کی منزل میں قیام فرمایا

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے مکان کی دو منزلیں تھیں۔

ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری نے آپ سے اصرار کیا کہ آپ بالا خانہ میں رونق افروز ہوں اور ہم نیچے کے مکان میں رہیں۔ آپ نے اس خیال سے کہ ہر وقت آپ کی خدمت میں لوگوں کی آمد ورفت رہے گی۔ اب اگر ابوایوب نیچے کے مکان میں رہیں تو ان کے اہل خانہ کو اس آمد ورفت سے تکلیف ہوگی۔ اس لئے بالا خانہ کے قیام کو منظور نہیں فرمایا۔ نیچے ہی مکان کو قیام کے لئے پسند فرمایا اور ہم بالا خانہ پر رہنے لگے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا جذبہ

ایک روز اتفاق سے اوپر کی منزل میں پانی کا برتن (گھڑا یا مٹکا) ٹوٹ گیا۔ ابوایوب رضی اللہ

عنہ کو خدشہ ہوا کہ پانی نیچے ٹپکے گا اور تاجدار دوجہان (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تکلیف ہوگی۔ گھر میں ایک لحاف تھا۔ فوراً اسی کو پانی پر ڈال دیا کہ پانی جذب ہوجائے۔ نیچے نہ ٹپکے (سیرت مبارکہ)

حضرت ابوایوب کی درخواست پر بالاخانہ میں منتقل ہونا

ایک روز خیال آیا کہ سردار دوجہان (صلی اللہ علیہ وسلم) نیچے ہیں اور ہم اوپر، کیسی بے ادبی ہے فوراً ایک کنارے سمٹ گئے اور اسی طرح رات گزار دی۔ صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اوپر قیام فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آنے جانے والوں کو اسی میں آسانی ہے۔ حضرت ابوایوب نے دست بستہ عرض کیا۔

لااعلو سقیفة انت تحتها میں تو اس چھت پر چڑھ نہیں سکتا۔ جس کے نیچے حضور والا ہوں۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست منظور فرمائی اور اوپر منتقل ہو گئے۔ سات ماہ اسی مکان میں قیام رہا۔ جب مسجد اور حجرے تیار ہو گئے۔ تب آپ وہاں تشریف لے گئے (سیرت مبارکہ)

حضرات مہاجرین رضی اللہ عنہ کی ابتدائی قیام گاہ

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ جو بیعت عقبہ اولیٰ میں شریک تھے اور تبلیغی و تعلیمی کوششوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ معلم (حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ) کے شریک رہے تھے ان کا مکان بہت وسیع تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا قیام انہیں کے یہاں رہا تھا۔ ان کے علاوہ اور حضرات بھی جو تشریف لاتے تھے۔ ان کے یہاں قیام فرمایا کرتے تھے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے یہاں طے ہو گیا ہے تو ناقہ کی مہار پکڑی اور اپنے یہاں لے گئے۔ کہ یہ بھی ایک شرف اور جذبہ شوق کو تسکین دینے والی ایک سعادت تھی۔ (سیرت مبارکہ)

گھر والوں کو منگوانے کا انتظام

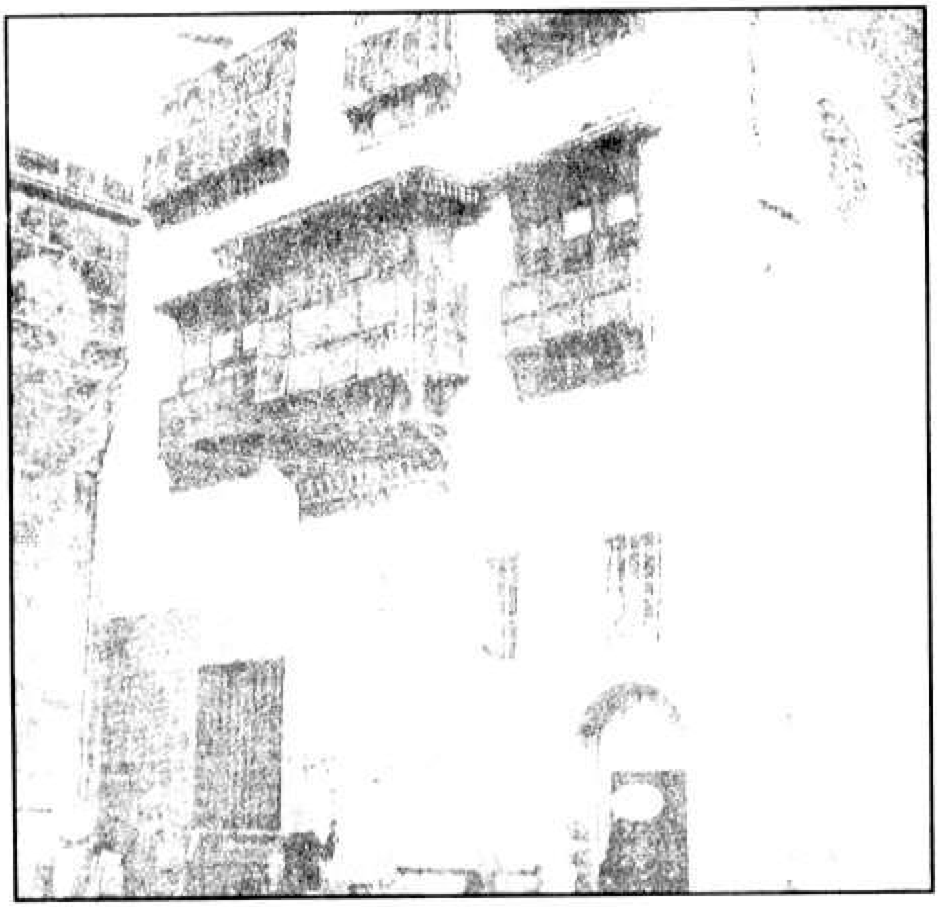
مدینہ میں آکر آپ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابورافع (رضی اللہ عنہما) کو دو

اونٹ اور پانچ سو درہم دیکر مکہ بھیجا کہ متعلقین کو لے آئیں۔صاحبزادیوں میں حضرت رقیہ حضرت عثمان کے ساتھ حبش میں تھیں۔حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر ابوالعاص بن ربیع نے آنے نہیں دیا۔بس حضرت زید کے ساتھ ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور دو صاحبزادیاں ام کلثوم اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما آئیں ان کے علاوہ حضرت زید اپنی اہلیہ ام ایمن اور اپنے فرزند اسامہ کو بھی ساتھ لے آئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو بھی حضرت زید کے ساتھ بھیجا تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلقین کو وہ اپنے ساتھ لائے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان کیساتھ آئیں۔ان سب کو حارثہ بن نعمان کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔(سیرت مبارکہ)

کلثوم بن ہدم کا انتقال

قباء سے مدینہ منورہ آنے کے بعد کلثوم بن ہدم نے جن کے مکان پر قباء کے زمانہ قیام میں آپ فروکش رہے انتقال کر گئے۔



خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں
عُلمائے یہود کی حاضری

علمائے یہود کے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو علماء یہود خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے امتحاناً مختلف قسم کے سوالات کیے اس لئے کہ علماء یہود کو انبیاء سابقین کی بشارتوں سے نبی آخرالزمان کے ظہور کا بخوبی علم تھا اور وہ جانتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جس نبی کے ظہور کی بشارت دی وہ عنقریب سرزمین بطحاء سے مبعوث ہونے والا ہے اور وہ آپ کی بعثت کے منتظر تھے۔

یاسر بن اخطب کا خدمت میں حاضر ہونا

علماء یہود میں سب سے پہلے آپ کی خدمت میں یاسر بن اخطب یعنی حیی بن اخطب یہودی کا بھائی حاضر ہوا اور آپ کا کلام سنا جب واپس گیا تو اپنی قوم سے یہ کہا۔

میرا کہنا مانو۔ تحقیق یہ وہی نبی ہے جس کے ہم منتظر تھے وہ آ گئے ہیں۔ لہٰذا ان پر ایمان لاؤ لیکن اس کے بھائی حیی بن اخطب نے اس کی مخالفت کی اور قوم میں بڑا اور سردار حیی مانا جاتا تھا قوم اسی کی اطاعت کرتی تھی۔ اس پر شیطان غالب آیا اور حق کے قبول سے اس کو روکا۔ قوم نے اسی کی اطاعت کی اور اسی کا کہنا مانا اور ابو یاسر کا کہنا نہ سنا۔

علمائے یہود کی مشاورت

سعید بن مسیّب۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور پرنور جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو بیت المدارس (یہودیوں کے مدرسہ کا نام ہے) میں علماء یہود جمع

ہوئے اور مشورہ کیا کہ اس شخص (اشارہ بسوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر سوالات کرنے چاہئیں۔

علمائے یہود کی ایک جماعت کا مسلمان ہونا

ایک یہودی عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسے وقت پہنچا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے اس نے پوچھا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورۃ آپ کو کس نے تعلیم کی ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تعلیم دی ہے اس کو بہت تعجب ہوا اور وہ یہودی عالم فوراً یہود کی طرف واپس گیا اور جا کر یہ کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ قرآن پڑھتے ہیں وہ ایسی ہی کتاب معلوم ہوتی ہے جیسے تورات موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور یہود کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں آیا۔ ان لوگوں نے آپ کی صورت اور صفت کو دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی آمد کی توریت میں خبر دی گئی ہے اور آپ کے دوشانوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا اور آپ جو سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے اس کو خوب غور سے سنا سن کر حیران رہ گئے اور سب اسلام لے آئے۔

ایک حبر کا مسلمان ہونا

ایک حبر مقانی شخص آیا اور صحابہ سے حضور کی نسبت دریافت کیا کہ تمہارے وہ صاحب کو جو یہ زعم کرتے ہیں کہ میں نبی ہوں وہ کہاں ہیں۔ میں ان سے کچھ سوال کروں گا جس سے معلوم ہو جائے گا وہ نبی ہیں یا غیر نبی۔ اتنے میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سامنے سے آ گئے حبر مقانی نے کہا کہ جو وحی آپ پر آتی ہے وہ مجھے پڑھ کر سنایئے آپ نے اس کے سامنے کتاب اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی حبر مقانی نے سنتے ہی کہا واللہ یہ اس قسم کا کلام موسیٰ علیہ السلام لائے۔

اسی طرح اور بھی بہت سے علماء اور یہود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے جیسے زید بن سعنۃ وغیرہ۔

حضرت عبداللہ بن سلام اور رئیسِ یہود میمون کا اسلام لانا اور یہودیوں کے تعصب کا مظاہرہ

حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اہل خانہ کا مسلمان ہونا

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ توریت کے بڑے زبردست عالم تھے۔ آپ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا اصل نام حصین تھا۔ اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن سلام نام رکھا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ کی تشریف آوری کی خبر سنتے ہی آپ کے دیکھنے کے لئے حاضر ہوا۔

آپ کے چہرہ انور کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔

پہلا کلام جو آپ کی زبان سے سنا وہ یہ تھا۔

اے لوگو! آدمیوں کو کھانا کھلایا کرو اور آپس میں سلام کو پھیلاؤ اور صلہ رحمی کرو اور رات میں نماز پڑھو جب کہ لوگ خدا سے غافل سو رہے ہوں۔ تم جنت میں سلامتی کیساتھ داخل ہو گے

دلائل بیہقی میں عبداللہ بن سلام سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آپ کی صفت اور آپ کا حلیہ پہلے ہی سے جانتا تھا مگر کسی سے ظاہر نہیں کرتا تھا۔

جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے اور میں نے آپ کی خبر سنی تو میں اس وقت ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا وہیں سے خوشی میں اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

میری پھوپھی خالدہ بنت حارث نے کہا اگر تو موسیٰ علیہ السلام کی خبر سنتا تو اس سے زیادہ خوش نہ ہوتا میں نے کہا۔ ہاں۔ خدا کی قسم یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ وہی دین دے کر بھیجے گئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام دے کر بھیجے گئے تھے۔ میری پھوپھی نے کہا۔

اے میرے بھتیجے کیا یہ وہی نبی ہیں جن کی ہم خبریں سنتے آئے ہیں کہ وہ قیامت کے سانس کے ساتھ مبعوث ہوں گے۔ میں نے کہا ہاں یہ وہی نبی ہیں۔ میں گھر سے نکل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مشرف با سلام ہوا اور واپس آ کر اپنے تمام اہل خانہ کو اسلام کی دعوت دی۔ سب نے اسلام قبول کیا۔

یہودیوں کے تعصب کا مظاہرہ

حضرت عبداللہ بن سلام بتاتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل اس کے کہ میری قوم کو میرے اسلام کا علم ہوا آپ مجھ کو کسی کوٹھڑی میں بٹھلا کر یہود سے میرا حال دریافت فرمائیں کیونکہ یہود بڑی بہتان باندھنے والی قوم ہے چنانچہ جب یہود آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے عبداللہ بن سلام کو ایک کوٹھڑی میں بٹھلا کر یہود سے دریافت فرمایا کہ اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم خوب جانتے ہو کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں اور حق لے کر آیا ہوں پس اسلام لاؤ۔ یہود نے کہا ہم نہیں جانتے۔ آپ نے تین بار یہی سوال فرمایا ہر بار یہود یہی کہتے رہے۔ بعد ازاں یہ فرمایا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسا شخص ہے۔ یہود نے کہا کہ ہمارا سردار اور ہمارے سردار کا بیٹا اور ہمارا سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا اور ہم میں سے بہتر اور سب سے بہتر کا بیٹا۔

آپ نے فرمایا اگر عبداللہ بن سلام مجھ پر ایمان لے آئے پھر تو میرے نبی برحق ہونے کا یقین کرو گے۔ یہود نے کہا کہ عبداللہ بن سلام کبھی اسلام لا ہی نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا بالفرض وہ اسلام لے آئے یہود نے کہا حاشا وکلا وہ کبھی مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا اے ابن سلام باہر نکل آؤ۔ عبداللہ بن سلام باہر آئے اور یہ کلمات زبان پر تھے اشھد

ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ. اور یہود سے مخاطب ہو کر کہنے لگے اے گروہ یہود خدا سے ڈرو قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور حق لے کر آئے ہیں یہ سنتے ہی یہود نے کہا تو جھوٹا اور کذاب ہے اور سب میں برا اور برے کا بیٹا ہے (بخاری شریف) اسی بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔قل ار ایتم ان کان من عند اللہ و کفر تم بہ و شھد شاھد من بنی اسرائیل علیٰ مثلہ فامن و استکبرتم ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین

یہود کے ایک رئیس کا مسلمان ہونا

میمون بن یامین رؤسا یہود میں سے تھے۔آپ کو دیکھ کر مشرف باسلام ہوئے اور ان کا حال بھی عبداللہ بن سلام جیسا ہی ہوا۔

میمون بن یامین رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ یہود کو بلا بھیجئے اور مجھ کو حکم بنا دیجئے وہ لوگ میری طرف رجوع کریں گے۔آپ نے میمون کو تو اندر کوٹھڑی میں چھپا دیا اور یہود کے بلانے کے لئے آدمی بھیج دیا وہ لوگ آئے اور آپ سے گفتگو کی آپ نے فرمایا کہ تم اپنے لوگوں میں سے کسی کو میرے اور اپنے مابین حکم مقرر کرلو۔ یہود نے کہا کہ ہم میمون بن یامین کے حاکم بنانے پر راضی ہیں وہ جو فیصلہ کردے ہمیں منظور ہے۔آپ نے میمون کو آواز دی کہ باہر آجاؤ میمون باہر آئے اور کہا اشھد انہ رسول اللہ مگر یہود نے تصدیق کرنے سے انکار کردیا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی آپ بیتی

(مجوسیت سے اسلام تک)

آتش کدہ کی نگرانی

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خود اپنی زبان بیان کیا کہ میں ملک فارس میں سے قریہ جی کا رہنے والا تھا۔ میرا باپ اپنے شہر کا چوہدری تھا اور سب سے زیادہ مجھ کو محبوب رکھتا تھا جس طرح کنواری لڑکیوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اسی طرح میری حفاظت کرتا تھا اور مجھ کو گھر سے باہر نہیں جانے دیتا تھا۔ ہم مذہباً مجوسی تھے میرے باپ نے مجھ کو آتش کدہ کا محافظ اور نگہبان بنا رکھا تھا کہ کسی وقت آگ بجھنے نہ پائے

عیسائیت قبول کی تو باپ نے قید کر دیا

ایک مرتبہ میرا باپ تعمیر کے کام میں مشغول تھا۔ اس لئے بجبوری مجھ کو زمین اور کھیت کی خبر گیری کے لئے بھیجا اور یہ تاکید کی کہ دیر نہ کرنا۔ میں گھر سے نکلا راستہ میں ایک گرجا پڑتا تھا۔ اندر سے کچھ آواز سنائی دی میں دیکھنے کیلئے اندر گھسا دیکھا تو نصاریٰ کی ایک جماعت ہے کہ جو نماز میں مشغول ہے مجھ کو ان کی یہ عبادت پسند آئی اور اپنے دل میں یہ کہا کہ یہ دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ میں نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ اس دین کی اصل کہاں ہے۔ ان لوگوں نے کہا ملک شام میں اسی میں آفتاب غروب ہو گیا۔ باپ نے انتظار کر کے تلاش میں قاصد دوڑائے جب گھر واپس آیا تو باپ نے دریافت کیا اے بیٹے تو کہاں تھا۔ میں نے تمام واقعہ بیان کیا باپ نے کہا اس دین (یعنی نصرانیت) میں کوئی خیر نہیں۔ تیرے ہی باپ دادا کا دین یعنی (آتش پرستی) بہتر ہے۔

میں نے کہا ہر گز نہیں خدا کی قسم نصرانیوں ہی کا دین ہمارے دین سے معتبر ہے۔

باپ نے میرے پیر میں بیڑیاں ڈال دیں اور گھر سے باہر نکلنا بند کر دیا گیا۔

ملک شام روانگی

میں نے پوشیدہ طور پر نصاریٰ سے یہ کہلا بھیجا کہ جب کوئی قافلہ شام کو جائے تو مجھ کو اطلاع کرنا چنانچہ انہوں نے مجھے کو ایک موقع پر اطلاع دی کہ نصاریٰ کے تاجروں کا ایک قافلہ شام واپس جانے والا ہے۔ میں نے موقعہ پا کر بیڑیاں اپنے پیر سے نکال پھینکیں اور گھر سے نکل کر ان کے ساتھ ہولیا۔

شام کے سب سے بڑے پادری کی خدمت میں

شام پہنچ کر دریافت کیا کہ عیسائیوں کا سب سے بڑا عالم کون ہے۔ لوگوں نے ایک پادری کا نام بتلایا میں اس کے پاس پہنچا اور اس سے اپنا تمام واقعہ بیان کیا اور یہ کہا میں آپ کی خدمت میں رہ کر آپ کا دین سیکھنا چاہتا ہوں مجھ کو آپ کا دین مرغوب اور پسند ہے آپ اجازت دیں تو آپ کی خدمت میں رہ پڑوں اور دین سیکھوں اور آپ کے ساتھ نمازیں پڑھا کروں اس نے کہا کہ بہتر ہے لیکن چند روز کے بعد تجربہ ہوا کہ وہ اچھا آدمی نہ تھا بڑا ہی حریص اور طامع تھا دوسروں کو صدقات اور خیرات کا حکم دیتا اور جب لوگ روپیہ لے کر آتے تو جمع کر کے رکھ لیتا اور فقراء اور مساکین کو نہ دیتا اسی طرح اس نے اشرفیوں کے سات مٹکے جمع کر لیے جب وہ مر گیا اور لوگ حسن عقیدت کے ساتھ اس کی تجہیز و تکفین کیلئے جمع ہوئے میں نے لوگوں سے اس کا حال بیان کیا اور وہ سات مٹکے دکھلائے۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر کہا خدا کی قسم ہم ایسے شخص کو ہرگز دفن نہ کریں گے۔ بالآخر اس پادری کو سولی پر لٹکا کر سنگسار کر دیا اور اس کی جگہ کسی اور عالم کو بٹھلایا۔

سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے زائد کسی کو عالم اور اس سے بڑھ کر کسی کو عابد و زاہد دنیا سے بے تعلق اور آخرت کا شائق اور طلبگار نمازی اور عبادت گزار کسی کو نہیں دیکھا اور جس قدر مجھ کو اس عالم سے محبت ہوئی۔ اس سے پیشتر کبھی کسی سے اس قدر محبت نہیں ہوئی۔ میں برابر اس عالم کی خدمت میں رہا جب ان کا اخیر وقت آ گیا تو میں نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو وصیت کیجئے اور بتلائیے کہ آپکے بعد کس کی خدمت میں جا کر رہوں کہا موصل میں ایک عالم ہے تم اس کے پاس چلے جانا۔

عموریہ کے راہب نے نبی آخر الزمان کی علامات بتلائیں

چنانچہ میں ان کے پاس گیا اور ان کے بعد ان کی وصیت کے مطابق نصیبین میں ایک عالم کے پاس جا کر رہا اور ان کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق شہر عموریہ میں ایک عالم کے پاس رہا جب ان کا بھی انتقال ہونے لگا تو میں نے کہا کہ میں فلاں فلاں عالم کے پاس رہا۔ اب آپ بتلائیں کہ میں کہاں جاؤں اس عالم نے یہ کہا کہ میری نظر میں اس وقت کوئی ایسا عالم نہیں جو کہ صحیح راستہ پر ہو اور میں تم کو اس کا پتہ بتاؤں۔ البتہ ایک نبی کے ظہور کا زمانہ قریب آ گیا ہے کہ جو دین ابراہیمی پر ہوگا۔ عرب کی سرزمین میں اس کا ظہور ہوگا۔ ایک نخلستانی زمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ اگر تم سے وہاں پہنچنا ممکن ہو تو ضرور پہنچنا۔ ان کی علامت یہ ہوگی کہ وہ صدقہ کا مال نہ کھائیں گے۔ ہدیہ قبول کریں گے۔ دونوں شانوں کے قریب مہر نبوت ہوگی جب تم ان کو دیکھو گے تو پہچان لو گے۔

قافلہ کے ساتھ عرب روانگی

اس اثناء میں میرے پاس کچھ گائیں اور بکریاں بھی جمع ہو گئیں تھیں اتفاق سے ایک قافلہ عرب کا جانے والا مجھ کو مل گیا۔ میں نے ان سے کہا کہ تم لوگ مجھ کو ساتھ لے چلو یہ گائیں اور بکریاں سب کی سب تم کو دے دوں گا۔ ان لوگوں نے اس کو قبول کیا اور مجھ کو ساتھ لے لیا۔

مدینہ پہنچنا مگر غلام ہو کر

جب وادی قریٰ میں پہنچے تو میرے ساتھ یہ بدسلوکی کی کہ غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کیا جب اس کے ساتھ آیا تو کھجور کے درخت دیکھ کر خیال ہوا کہ شاید یہی وہ سرزمین ہو لیکن ابھی پورا اطمینان نہیں ہوا تھا کہ بنی قریظہ میں ایک یہودی اس کے پاس آیا اور مجھ کو اس سے خرید کر مدینہ لے آیا۔

جب میں مدینہ پہنچا تو خدا کی قسم مدینہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور یقین کیا کہ یہ وہی شہر ہے کہ جو مجھ کو بتلایا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں خود حضرت سلمان سے مروی ہے کہ میں اس طرح دس مرتبہ سے زیادہ فروخت ہوا ہوں۔

مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سن کر بیخود ہونا

میں مدینہ میں اس یہودی کے پاس رہا اور بنی قریظہ میں اس کے درختوں کا کام کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مکہ میں مبعوث فرمایا مگر مجھ کو غلامی اور خدمت کی وجہ سے مطلق علم نہ ہوا جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور قباء میں بنی عمرو بن عوف کے یہاں آپ نے قیام فرمایا۔ میں اس وقت ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا کام کر رہا تھا اور میرا آقا درخت کے نیچے بیٹھا تھا کہ ایک یہودی آیا جو میرے آقا کا چچازاد بھائی تھا اور یہ کہنے لگا۔ خدا بنی قیلہ یعنی انصار کو ہلاک کرے کہ قباء میں ایک شخص کے ارد گرد جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی اور پیغمبر ہے۔ سلمان فرماتے ہیں۔

خدا کی قسم یہ سننا تھا کہ مجھ کو لرزا اور کپکپی نے پکڑا اور مجھ کو یہ غالب گمان ہو گیا کہ میں اپنے آقا پر اب گرا۔ (بشیر ونذیر کی آمد کی بشارت نے سلمان کو ایسا بیخود اور وارفتہ بنا دیا کہ اگر لولا ان ربطنا علیٰ قلبھا کا مضمون نہ ہوتا تو درخت سے گر ہی پڑتے) وہ دونوں یہودی ان کی اس حالت اور کیفیت کو دیکھ کر سخت متعجب تھے اور سلمان رضی اللہ عنہ کی زبان حال یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

خلیلی لا واللہ ما انا منکما اذا علم من جبال لیلیٰ بدالیا

اے میرے دوستو خدا کی قسم میں اب تم سے نہیں رہا جبکہ مجھ کو دیارِ لیلیٰ کا کوئی پہاڑ نظر آ گیا

بہر حال دل کو تھام کر درخت سے اترا اور اس آنے والے یہود سے پوچھنے لگا بتاؤ تو سہی تم کیا بیان کرتے تھے وہ خبر ذرا مجھ کو بھی تو سناؤ یہ دیکھ کر میرے آقا کو غصہ آ گیا اور زور سے ایک طمانچہ میرے رسید کیا اور کہا تجھ کو اس سے کیا مطلب تو اپنا کام کر۔

خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہلی حاضری اور پہلی نشانی

جب شام ہوئی اور کام سے فراغت ہوئی تو جو کچھ میرے پاس جمع تھا وہ ساتھ لیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت قباء میں تشریف فرما تھے میں نے عرض کیا کہ مجھ کو معلوم ہوا کہ آپکے اور آپکے رفقاء کے پاس کچھ نہیں ہے آپ سب حضرات صاحب حاجت ہیں۔ اس لئے آپ کے لئے اور آپ رفقاء کیلئے صدقہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

آپ نے اپنی ذات مطہر کے لئے صدقہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ فرمایا کہ میں

صدقہ نہیں کھاتا اور صحابہ کو اجازت دی کہ تم لے لو۔

سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا خدا کی قسم یہ ان تین علامتوں میں سے ایک ہے۔

دوسری حاضری اور دوسری نشانی

میں واپس ہو گیا اور پھر کچھ جمع کرنا شروع کر دیا جب آپ مدینہ تشریف لائے تو میں پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی خدمت میں کچھ پیش کروں صدقہ تو آپ قبول نہیں فرماتے۔ یہ ہدیہ لے کر حاضر ہوا ہوں آپ نے قبول فرمایا اور خود بھی اس میں سے کھایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی کھلایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ دوسری علامت ہے۔

تیسری حاضری‘ تیسری نشانی اور مسلمان ہونا

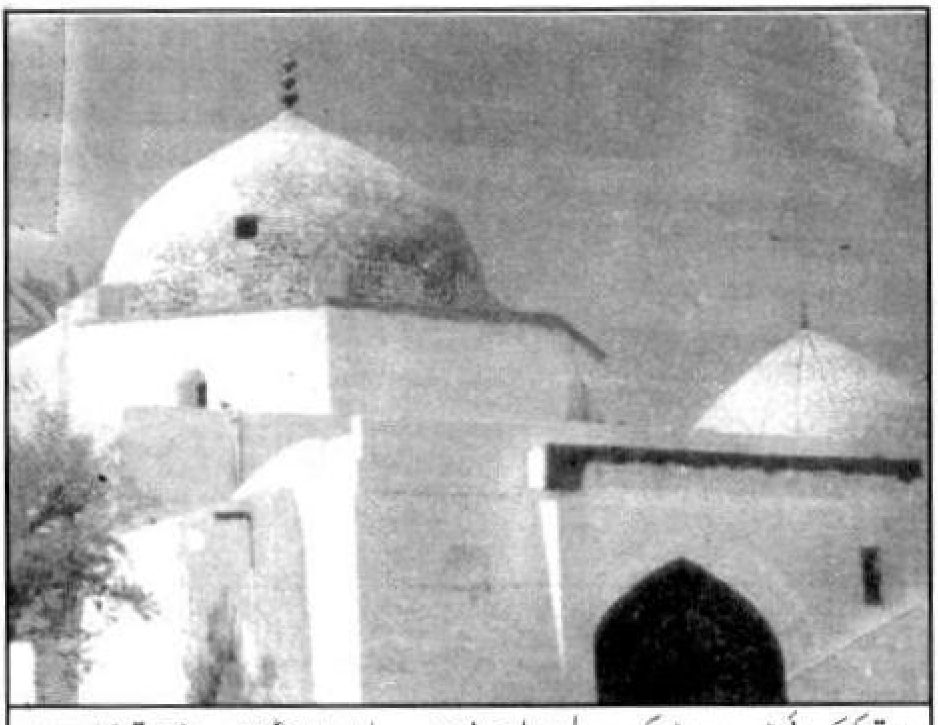
میں واپس آ گیا اور دو چار روز کے بعد پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپ اس وقت ایک جنازے کے ہمراہ بقیع میں تشریف لائے تھے اور صحابہ کرام کی ایک جماعت آپ کے ہمراہ تھی۔ آپ درمیان میں تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام کیا اور سامنے سے اٹھ کر پیچھے آ بیٹھا تا کہ مہر نبوت دیکھوں۔ آپ سمجھ گئے اور پشت مبارک سے چادر اٹھا دی۔ میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا اور اٹھ کر مہر نبوت کو بوسہ دیا اور رو پڑا آپ نے ارشاد فرمایا سامنے آؤ میں سامنے آیا اور جس طرح تجھ سے اے ابن عباس میں نے اپنا یہ واقعہ بیان کیا۔ اسی طرح میں نے یہ تمام واقعہ تفصیل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے صحابہ کی مجلس میں بیان کیا اور اسی وقت مشرف باسلام ہوا۔ آپ بہت مسرور ہوئے۔

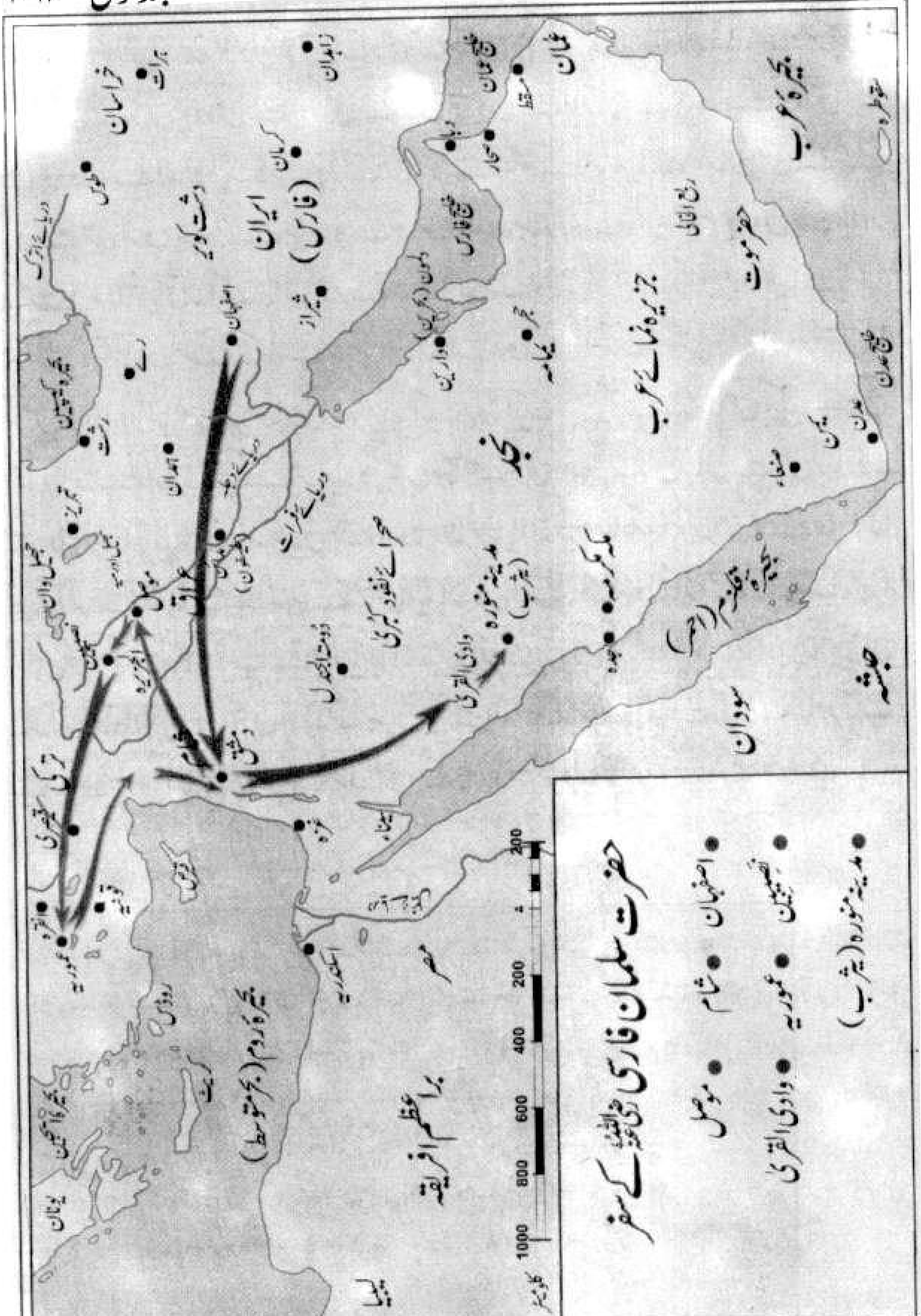
غلامی سے آزادی‘ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

اس کے بعد اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہو گیا اسی وجہ سے میں غزوہ بدر اور احد میں شریک نہ ہو سکا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے سلمان اپنے آقا سے کتابت کر لو۔ سلمان نے اپنے آقا سے کہا۔ آقا نے یہ جواب دیا کہ اگر تم چالیس اوقیہ سونا ادا کر دو اور تین سو درخت کھجور کے لگا دو جب وہ بار آور ہو جائیں تو تم آزاد ہو۔ سلیمان نے آپ کے ارشاد سے

قبول کیا اور آپ نے لوگوں کو ترغیب دی کہ سلمان کی کھجور کے پودوں سے امداد کریں۔ چنانچہ کسی نے تیس پودوں سے اور کسی نے بیس پودوں سے اور کسی نے پندرہ سے اور کسی نے دس پودوں سے امداد کی۔ جب پودے جمع ہو گئے تو مجھ سے فرمایا اے سلمان ان کے لئے گڑھے تیار کرو جب گڑھے تیار ہو گئے تو خود دست مبارک سے ان تمام پودوں کو لگایا اور برکت کی دعا فرمائی۔ ایک سال گزرنے نہ پایا کہ سب کو پھل آ گیا اور کوئی پودا ایسا نہ رہا کہ جو خشک ہو گیا ہو۔ سب کے سب سرسبز اور شاداب ہو گئے اور سب کو پھل آ گیا۔ درختوں کا قرض تو ادا ہو گیا صرف سونا باقی رہ گیا۔ ایک روز ایک شخص آپ کے پاس ایک بیضہ کی مقدار سونا لے کر آیا آپ نے فرمایا وہ مسکین مکاتب یعنی سلمان فارسی کہاں ہے اس کو بلاؤ۔ میں حاضر ہوا آپ نے وہ بیضہ کی مقدار سونا عطا فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اللہ تمہارا قرضہ ادا فرمائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ سونا بہت تھوڑا ہے۔ اس سے میرا قرض کہاں ادا ہو گا۔ آپ نے فرمایا جاؤ اللہ اسی سے تمہارا قرضہ ادا کر دے گا۔ چنانچہ میں نے اس کو تولا تو پورا چالیس اوقیہ تھا میرا کل قرض ادا ہو گیا اور غلامی سے آزاد ہوا اور آپ کے ساتھ غزوہ خندق میں شریک ہوا۔ اس کے بعد تمام غزوات میں آپ کے ہمرکاب رہا۔



خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والی صحابی حضرت سلمان فارسیؓ کا قادسیہ (عراق) میں مزار



اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی اُن پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو (تاکہ اُن کا حق عظمت ادا ہو) درود و سلام پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔ (ذریعۃ الوصول)

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
اور حجروں کی تعمیر اور جنازہ گاہ کا تعین

تعمیر مسجد کے لئے جگہ کا انتخاب

قباء سے مدینہ تشریف آوری ہوئی تو جس جگہ ناقہ بیٹھا تھا وہی جگہ مسجد کے لئے منتخب کی گئی۔ یہ جگہ ایک میدان کے کنارہ پر تھی۔ قبیلہ بنی نجار کے حضرات یہاں نماز پڑھا کرتے تھے۔ زمین کے مالک یہاں کھجوریں بھی سکھالیا کرتے تھے۔ میدان کے باقی حصہ میں کھجور کے درخت کھڑے تھے۔ کچھ پرانی قبریں اور کچھ مکانوں کے کھنڈر تھے۔ ایک طرف کچھ نشیب تھا وہاں پانی بھر جاتا تھا۔ اس خرابہ کی قسمت جاگی۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو مسجد کے لئے منتخب فرمایا۔ یہ طول وعرض میں سو سو گز سے کچھ زائد تھا۔ (سیرت مبارکہ)

زمین کی خریداری

سہل اور سہیل کے والد رافع بن ابی عمرو کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت اسعد بن زرارہ ان کے مربی تھے۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ میدان ان ہی یتیموں کا تھا۔ انہوں نے چاہا کہ بلا کسی معاوضہ کے مسجد کے لئے پیش کر دیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کی پیش کش بڑے آدمیوں سے بھی منظور نہیں فرمایا کرتے تھے۔ یتیم بچوں سے کیسے منظور فرما لیتے۔ آپ کے اصرار کرنے پر یہ مالک ہبہ کرنے کے بجائے فروخت کرنے پر راضی ہوئے۔ دس دینار قیمت تجویز کی گئی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ قیمت ادا کر کے زمین مسجد کے لئے وقف کر دی۔ (رضی اللہ عنہم)۔ (سیرت مبارکہ)

بنفس نفیس صحابہ کیساتھ کام کرنا

زمین ہموار کی گئی۔ پانی سینچ دیا گیا۔ قبروں سے ہڈیاں نکلیں ان کو الگ دبا دیا گیا۔

درخت کٹوائے گئے۔ بنیاد کھودی گئی۔ تعمیر شروع ہوئی۔ یہاں بھی صحابہ کرام ہی مزدور تھے وہ ہی معمار سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی برابر کے شریک تھے۔

عجیب غریب پر تقدس جذبہ سے کام ہورہا تھا۔ (سیرت مبارکہ)

صحابہ کے ساتھ آپ خود بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے اور یہ پڑھتے جاتے۔

ھذا الحمال لا حمال خیبر ھذا ابر ربنا و اطھر

یہ خیبر کی کھجوروں کا بوجھ نہیں اے پروردگار یہی بوجھ سب سے عمدہ اور بہتر ہے۔ اور کبھی یہ پڑھتے

اللھم ان الاجر اجر الاخرہ فارحم الانصار و المھاجرہ

اے اللہ بلاشبہ حقیقت میں اجر تو آخرت کا اجر ہے پس تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔ جو صرف آخرت کے اجر کے طلب گار ہیں۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے۔

اللھم لا خیر الا خیر الاخرہ فانصر الانصار و المھاجرہ

اے اللہ آخرت کی بھلائی اور خیر کے سوا کوئی خیر اور بھلائی نہیں پس تو انصار اور مہاجرین کی مدد فرما جو صرف آخرت کی بھلائی اور خیر کے خواہاں ہیں۔

اور صحابہ کرام کی زبانوں پر یہ تھا۔

لئن قعدنا و النبی یعمل لذاک منا العمل المضلل

اگر ہم بیٹھ جائیں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کام کریں تو ہمارا یہ عمل یعنی بیٹھ جانا بہت ہی برا کام ہوگا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

لا یستوی من یعمر المساجدا یداب فیھا قائما و قاعدا

جو شخص اٹھتے بیٹھتے تعمیر مسجد میں سرگرداں ہے۔

و من یری عن التراب حائدا

اور وہ شخص جو کپڑوں سے مٹی اور غبار کو بچاتا ہے دونوں برابر نہیں۔

اینٹیں اٹھا اٹھا کر لانے والوں میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ عثمان بن مظعون فطری طور پر نظیف الطبع واقع ہوئے تھے مزاج میں صفائی اور ستھرائی بہت تھی۔ جب اینٹ اٹھاتے تو کپڑوں سے دور رکھتے اور جہاں کپڑے پر ذرا بھی غبار پڑ جاتا تو اس کو جھاڑتے

مسجد کا نقشہ، درودیوار اور کیفیت

یہ مسجد اپنی سادگی میں بے مثل تھی۔ کچی اینٹوں کی دیواریں تھیں کھجور کے تنوں کے ستون تھے۔ اور کھجور ہی کی شاخوں اور پتوں کی چھت تھی جب بارش ہوتی تو پانی اندر آتا اس کے بعد میں چھت کو گارے سے لیپ دیا گیا۔ سو گز لمبی اور تقریباً سو ہی گز عریض تھی اور تقریباً تین ہاتھ گہری بنیادیں تھیں۔ دیواروں کی بلندی قد آدم سے زائد تھی۔ دیوار قبلہ بیت المقدس کی جانب رکھی گئی اور مسجد کے تین دروازے رکھے گئے ایک دروازہ اس طرف رکھا گیا جس جانب اب قبلہ کی دیوار ہے اور دوسرا دروازہ مغرب کی جانب میں جسے اب باب الرحمۃ کہتے ہیں اور تیسرا دروازہ وہ کہ جس سے آپ آتے جاتے تھے جسے اب باب جبرئیل کہتے ہیں اور جب سولہ سترہ ماہ کے بعد بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہو کر خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا تو وہ دروازہ جو مسجد کے عقب میں تھا بند کر دیا گیا اور اس کے مقابل دوسرا دروازہ قائم کر دیا گیا۔

مسجد نبوی کی دوسری تعمیر

مسجد نبوی کی دو مرتبہ تعمیر ہوئی اول جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں فروکش ہوئے۔ دوسرے ۷ھ فتح خیبر کے بعد بوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے آپ نے از سر نو تعمیر کرائی۔ جیسا کہ متعدد احادیث اور مختلف روایات سے ثابت ہے۔ پہلی مرتبہ کی تعمیر میں مسجد کا طول عرض سو گز سے کم تھا اور دوسری مرتبہ کی تعمیر میں سو گز سے کچھ زائد ہی تھا۔ چنانچہ ابن جریج جعفر بن عمرو سے راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کو دو مرتبہ بنایا اول جبکہ آپ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اس وقت مسجد کا طول وعرض سو گز سے کم تھا۔ دوسرے فتح خیبر کے بعد ۷ ہجری میں مسجد کو از سر نو بنایا اور زمین لے کر مسجد میں اور زیادتی کی چنانچہ معجم طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسجد کی توسیع کا ارادہ فرمایا تو مسجد کے متصل ایک انصاری کی زمین تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان انصاری سے یہ فرمایا کہ یہ زمین جنت کے ایک محل کے معاوضہ میں ہمارے ہاتھ فروخت کر دو لیکن وہ اپنی عسرت وغربت اور کثیر العیالی کی وجہ سے مفت نہ دے سکے اس لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس قطعہ زمین کو بمعاوضہ دس ہزار درہم ان انصاری سے خرید کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض

کیا یارسول اللہ جو قطعہ زمین آپ اس انصاری سے جنت کے محل کے معاوضہ میں خرید فرمانا چاہتے تھے وہ اس ناچیز سے خرید فرمالیں۔ آپ نے وہ قطعہ بمعاوضہ جنت حضرت عثمان سے خرید کر مسجد میں شامل فرمایا اور اول اینٹ اپنے دست مبارک سے رکھی اور پھر آپکے حکم سے ابوبکر اور پھر عمر اور پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم نے رکھی۔

اے ابو ہریرہ! دوسری اٹھالو

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کے ساتھ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ ایک مرتبہ میں سامنے آ گیا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی اینٹیں اٹھا کر لا رہے ہیں اور سینہ مبارک سے ان کو سہارا دیئے ہوئے ہیں۔ میں سمجھا کہ آپ بوجھ کی وجہ سے ایسا کئے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ خذ غیرھا یا اباھریرۃ فانہ لا عیش الاعیش الاٰخرۃ (اے ابو ہریرہ دوسری اینٹیں اٹھالو۔ تحقیق نہیں ہے زندگی مگر زندگی آخرت کی

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی وفات

مسجد نبوی کی تعمیر سے آپ ہنوز فارغ ہوئے تھے کہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقیب بنی النجار انتقال کر گئے بنو النجار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ ان کی بجائے کسی اور کو نقیب مقرر فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تم میرے ماموں ہو میں تم سے ہوں اور میں تمہارا نقیب ہوں۔

آپ کا بنی النجار کی نقابت قبول فرمانا یہ بنی النجار کے مناقب میں سے ہے جس پر وہ لوگ فخر کرتے تھے۔

مسجد نبوی کا منبر

ابتداء میں منبر نہیں تھا تو ایک ستون کے برابر میں مٹی کی چوکی (چبوتری) بنا دی گئی تھی آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم اسی پر رونق افروز ہو کر خطاب فرمایا کرتے تھے اور ستون پر سہارا لگا لیا کرتے تھے۔

وہ کھجور کا تنا (کھمبا) جس کے برابر مٹی کی چبوتری پر تشریف فرما ہو کر آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم خطاب فرمایا کرتے تھے۔ سید الانبیاء محبوب رب العالمین (تعالیٰ شانہ) نے جب اس سے الگ منبر پر رونق افروز ہوکر خطاب فرمایا۔ اور اس وجہ سے وہ کھمبا آپ کے پر تقدس قرب اور ذکر اللہ کی روح پرور و جاں بخش آواز سے محروم ہوگیا تو قدرت کے ایک عجیب و غریب کرشمہ نے اہل ایمان کے ایمان کو تازہ اور عقل پرستوں کے توہمات کو حیرت زدہ کردیا۔

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسی بے حس و حرکت و بے جان سوکھے کھمبے سے ایک رقت انگیز آواز سنی۔ جس سے کلیجہ پھٹا جاتا تھا (بخاری ۲۸۱) کچھ ایسی آواز تھی جیسے اونٹنی اپنے بچہ کی یاد میں بلبلاتی ہے۔ (بخاری ۵۰۷) رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ستون کا یہ درد انگیز گریہ سنا تو منبر سے اتر کر کھمبے کے پاس تشریف لائے اس پر دست مبارک رکھا۔ تب یہ کھمبا بچوں کی طرح ہچکیاں لیتا ہوا آہستہ آہستہ خاموش ہوا (بخاری) رحمت عالم جان جہاں نے اس سوختہ دل فراق زدہ کی مزید دلداری فرماتے ہوئے فرمایا۔ کیا چاہتے ہو؟ اس مسجد میں اسی جگہ تم پھلدار ہو جاؤ یا جنت کا حصہ چاہتے ہو۔ جہاں تمہارا پھل اہل جنت تناول کریں۔ اس نے دار بقاء کو دار فنا پر ترجیح دی۔ گویا اس بے زبان نے زبان درد سے عرض کیا ان الدار الاخرة هي خير وابقىٰ چنانچہ اس کھمبا کو مسجد کے فرش خام میں منبر کے قریب اس جگہ دبا دیا گیا۔ جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

مابين منبری و قبری روضة من رياض الجنة

معجزۂ نبوی

حن جذع النخل اذحل به   من مصاب الهجر حزن وخبل

ضمه بالصدفاستسلى به   لصبى بلبان يشتغل

واسر بكلام فارتضىٰ   كونه فى الخلد غرساً وامثل

(ترجمہ) کھجور کا تنا چلایا جب اس پر آپ کی مفارقت کا غم اور جنون سوار ہوا۔ آپ نے اس کو اپنے سینے سے لگا لیا تو اس کو اس سے ایسی تسلی ہوئی جس طرح کسی بچہ کو دودھ پلا کر بہلایا جاتا ہے اور آپ نے اس سے آہستہ سے کچھ فرمایا اس نے اس کو پسند کیا کہ وہ جنت میں پودہ ہوکر رہے اور آپ کے ارشاد کی تعمیل کی۔

یہ واقعہ اس حدیث سے ماخوذ ہے جس کو دارمی نے بسند عبداللہ بن بریدہ بروایت ابن بریدہ

بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے ایک تنا سے کمر لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے اس کے بعد آپ کیلئے منبر تیار کیا گیا۔ تو جب آپ اس منبر پر تشریف لائے جو آپ کیلئے بنایا گیا تھا اور کھجور کے تنا سے علیحدہ ہوئے تو کھجور کا تنا اس طرح رونے لگا جس طرح کہ اونٹنی روتی ہے اس کو سن کر حضور واپس ہوئے اور اپنا ہاتھ اس پر رکھا اور فرمایا کہ تو دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لے۔ اگر تیرا دل چاہے تو اس کو پسند کر لے کہ جس جگہ تو اس وقت ہے میں تجھ کو نئے درخت کی طرح قائم کر دوں تو تو اسی طرح سرسبز ہو جائے گا جس طرح پہلے کبھی تھا اور اگر تیرا دل چاہے تو اس کو پسند کرے کہ تو جنت کا سرسبز پودا ہو جاوے اور تجھ کو ان انہار جنت کا پانی پینے کو ملے اور تو خوب سرسبز ہو اور تجھ میں پھل لگیں اور خدا کے مقبول بندے تیرے پھل کھاویں۔ آپ نے سنا کہ اس کے جواب میں اس نے کہا کہ ہاں! میں اسی کو منظور کرتا ہوں اور یہ بات اس نے دو مرتبہ کہی۔ صحابہ نے آپ سے دریافت کیا کہ کھجور کے تنا نے کیا جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے یہی صورت پسند کی کہ جنت میں اس کو سرسبز پودا بنا دیا جائے۔

ازواج مطہرات کے لئے حجروں کی تعمیر

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو ازواج مطہرات کے لئے حجروں کی بنیاد ڈالی اور سر دست دو حجرے تیار کرائے ایک حضرت سودہ بنت زمعہ کے لئے اور دوسرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیلئے۔ بقیہ حجرے بعد میں حسب ضرورت تعمیر ہوتے رہے۔

مسجد کے متصل حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کے مکانات تھے جب آپ کو ضرورت پیش آتی تو حضرت حارثہ آپ کو نذر کر دیتے۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے تمام مکانات آپ کی نذر کر دیئے۔ مسجد کی طرح چار حجرے بھی کچی اینٹوں کے تھے۔ اوپر کھجور کے پٹھوں اور پتوں کی چھت چھوٹے سے صحن کے گرد کھجور کی پچھیوں (پٹھوں) کی دیواریں جن پر مٹی لھیس دی گئی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کا ایک کواڑ تھا۔ باقی کے دروازوں پر ٹٹیاں تھیں۔ پانچ حجرے ایسے بنائے گئے۔ کہ ان میں کچی اینٹیں بھی نہیں لگائی گئیں۔ بلکہ ٹٹیاں کھڑی کر کے ان پر مٹی لھیس دی گئی اور اوپر کھجور کے پٹھوں اور پتوں کی ہلکی سی چھت ڈال دی گئی۔ ان کے دروازوں پر نہ ٹٹیاں تھیں نہ کواڑ' بلکہ ٹاٹ یا کمبل کے

پردے پڑے رہتے تھے جو طول میں تین ہاتھ اور عرض میں ایک ہاتھ سے کچھ زائد تھے۔ چھتیں ایسی نیچی کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور تھا۔ جب میں ذرا بڑا ہو گیا تھا میں ان حجروں میں جاتا۔ تو کھڑے ہو کر ان حجروں کی چھتوں کو ہاتھ لگا لیا کرتا تھا۔ رات کو گھروں میں چراغ جلانے کا رواج نہیں تھا۔ لہٰذا ان حجروں میں رات کو صرف نور حق کی روشنی رہتی تھی۔ (سیرت مبارکہ)

کاش وہ حجرے اسی طرح چھوڑ دیئے جاتے

۸۷ھ میں اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حکم سے یہ تمام حجرے مسجد نبوی میں شامل کر لئے گئے جس وقت ولید کا یہ حکم مدینہ پہنچا تو تمام اہل مدینہ صدمہ سے چیخ اٹھے۔

ابوامامہ سہل بن حنیف فرمایا کرتے تھے کاش وہ حجرے اسی طرح چھوڑ دیئے جاتے تاکہ لوگ دیکھتے کہ جس نبی کے ہاتھ پر من جانب اللہ دنیا کے تمام خزائن کی کنجیاں رکھ دی گئیں تھیں وہ نبی کیسے حجروں اور کیسے چھپروں میں زندگی بسر کرتا تھا۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وازواجہ وذریاتہ واصحابہ وبارک وسلم (سیرت مبارکہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی

اسی سال مدینہ پہنچنے کے آٹھ ماہ بعد ماہ شوال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عروسی فرمائی جن سے ہجرت سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ عقد کر چکے تھے۔

عقد کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ یا سات سال تھی اور رخصت کے وقت نو سال کی تھی۔ بعض کا قول یہ ہے کہ ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد ۲ھ میں حضرت عائشہ سے خلوت فرمائی۔

جنازہ گاہ کا تعین

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو جس کسی بیمار کی نزعی کیفیت ہوتی (مرنے کے قریب

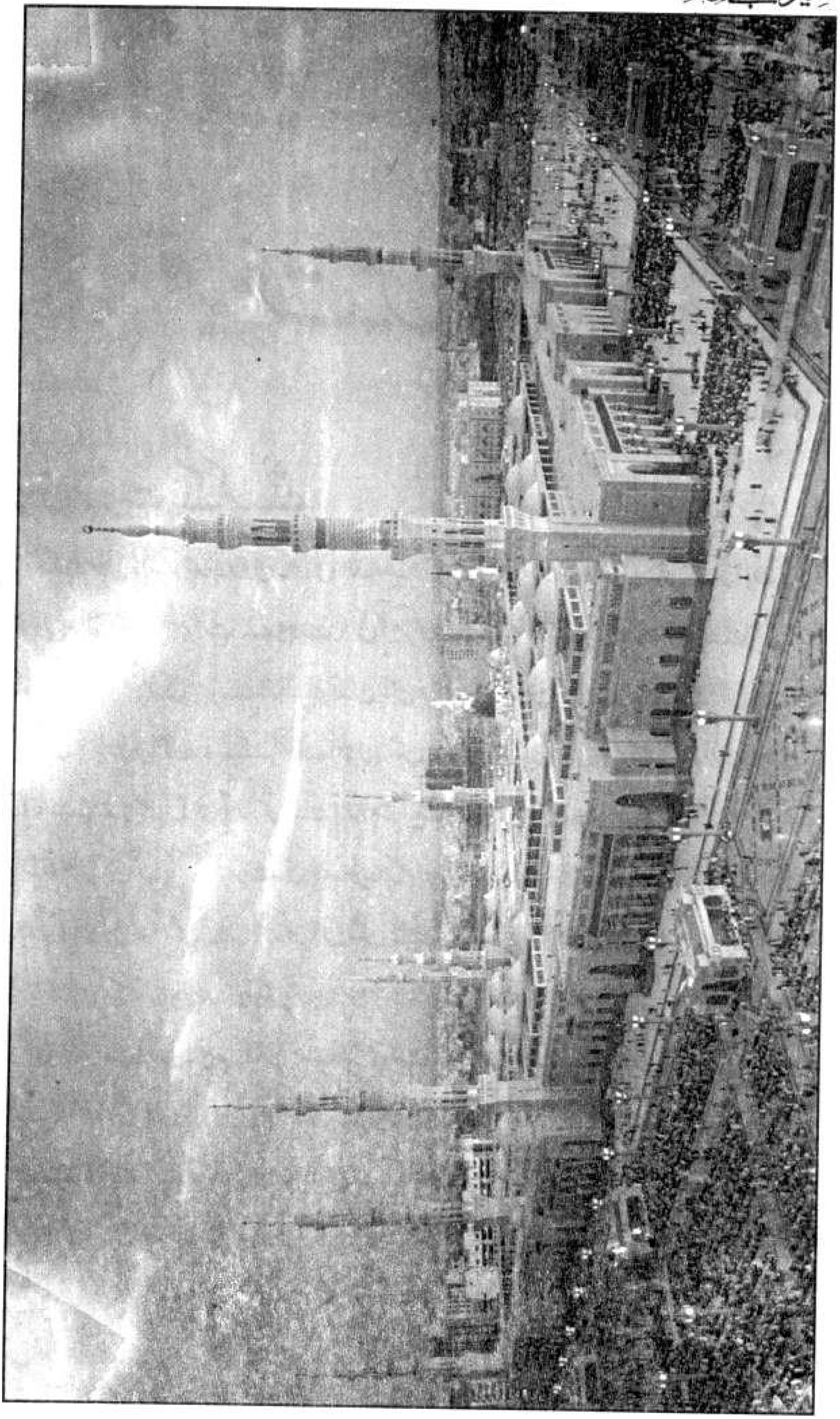
ہوتا) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی جاتی۔ آپ تشریف لاتے اس کے لئے دعا فرماتے۔ وہ شخص وفات پا جاتا تو اکثر ایسا ہوتا کہ تجہیز وتکفین آپ کے سامنے ہی ہوتی اور آپ دفن کے وقت تک وہاں رہتے۔ اس میں آپ کو بہت دیر ہو جاتی تھی۔ اس کا ہمیں احساس ہوا تو ہم نے یہ کرلیا کہ وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیتے۔ آپ تشریف لاتے۔ نماز جنازہ پڑھاتے پھر کبھی واپس تشریف لے جاتے اور کبھی دفن ہونے تک وہاں تشریف رکھتے۔ پھر ہمیں محسوس ہوا کہ آپ کو اس میں بھی زحمت ہوتی ہے تو یہ طے کرلیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ دی جائے گی بلکہ جنازہ لے کر خود آپ کی خدمت میں پہنچ جایا کریں گے۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا۔ جب جنازہ لیکر کاشانہ نبوت پر پہنچتے تو قریب ہی ایک جگہ تھی وہاں آپ نماز پڑھاتے پھر یہی معمول ہوگیا۔ کہ اسی خاص جگہ پر نماز جنازہ پڑھائی جاتی تھی حتیٰ کہ اس جگہ کا نام ہی موضع الجنائز پڑ گیا۔ (سیرت مبارکہ)

بخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ جنازہ کے لئے مسجد نبوی کے متصل ایک جگہ مخصوص تھی آپ کا مستمر معمول تو یہی تھا کہ آپ مسجد میں جنازہ کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ بعض مرتبہ کسی عارض کی وجہ سے آپ نے صلوٰۃ جنازہ مسجد میں پڑھی ہے۔

اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے۔

حضرت عثمان کا میٹھا کنواں وقف کرنا

ہجرت کے بعد جب مسلمان مدینہ منورہ آئے تو مدینہ کے تمام کنویں کھاری تھے صرف ایک بیر رومہ کا پانی شیریں تھا جس کا مالک ایک یہودی تھا کہ جو بغیر قیمت کے پانی نہ دیتا تھا فقراء مسلمین کو دشواری پیش آئی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بیر رومہ کو خرید کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر جنت کے ایک چشمہ کے معاوضہ میں فروخت کیا اور مسلمانوں کے لئے وقف فرمایا کہ جس کا جی چاہے اس سے پانی بھرے۔



تعمیرِ ملّت میں ہجرت کا اثر

نبوی تربیت کے کرشمے

محمد رسول اللہ (فداہ روحی) صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات مہاجرین جو مسجد کی اور پھر حجروں (ازواج مطہرات کے بیوت) کی تعمیر کر رہے ہیں‘ اس شہر کے رہنے والے ہیں جو ملک عرب کا مرکزی شہر ہے جو اپنے تمدن میں دنیا کے متمدن شہروں سے پیچھے نہیں ہے۔ جس کی آبادی باقاعدہ ہے۔ مختلف محلوں میں بٹی ہوئی۔ بیچ میں سڑکیں‘ بازار پر رونق‘ مکانات پختہ‘ ہر طرح کی آرائش سے آراستہ‘ ایک مکان وہ بھی ہے جس کو ”دار القواریر“ کہا جاتا تھا (شیش محل) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مہاجر رفقاء نے انہیں محلوں میں پرورش پائی تھی۔ انہیں گلیوں اور کوچوں میں کھیلے تھے انہیں سڑکوں پر دوڑے اور چلے تھے۔ پھر تاجر بن کر انہیں بازاروں میں خرید و فروخت کرتے رہے تھے۔

دار الھجرت (مدینہ طیبہ) میں جب یہ حضرات خود مزدور اور معمار بن کر کچی اینٹوں‘ چھوٹے بڑے ناہموار پتھروں کی ٹٹیوں اور کھجور کے پٹھوں اور پتوں سے مسجد مبارک اور حجروں کی تعمیر کر رہے تھے۔ تو اپنے خاندانی مکانات اور مکہ کے محلات کا نقشہ انکے ذہنوں سے محو نہیں ہوا تھا۔

نبوت کے ابتدائی تین سالوں میں ترتیب دی گئی تھی یہ تربیت صرف تین سال تک ہی نہیں رہی بلکہ قیام مکہ کی پوری مدت میں اس کا سلسلہ جاری رہا اور وہ رنگ جو پہلے تین سال میں کھلا تھا وہ پختہ اور زیادہ پختہ ہوتا رہا۔

بلاشبہ یہ اسی تربیت کا نتیجہ ہے کہ تمدن کے تمام نقشوں کو چھوڑ کر جفاکش زاہدانہ اور درویشانہ زندگی کا نقشہ جمایا جا رہا ہے۔ (سیرت مبارکہ)

تعمیر ملت کا دور اول

آپ کو فراموش نہ ہونا چاہئے کہ حضرات صحابہ نے اس دور کو تعمیر ملت کا دور اول قرار دیا تھا۔ چنانچہ اسی سال کو اسلامی سنہ (سنہ ہجری کا پہلا سال) مانا گیا۔ کلام الٰہی نے بھی "من اول یوم" کا لفظ استعمال کر کے صحابہ کرام کے اس تخیل کی تائید فرمائی (محمد میاںؒ)

ہجرت ہی سے حق اور باطل میں فرق قائم ہوا اور ہجرت ہی سے اسلام کی عزت اور غلبہ کی ابتداء ہوئی شعائر اسلام یعنی جمعہ اور عیدین علی الاعلان ادا کئے گئے بحث و تمحیص کے بعد سب کا اتفاق اس پر ہوا کہ ہجرت سے تاریخ مقرر ہونی چاہئے۔

دو مشرک سرداروں کا انتقال

اور اسی سال مشرکین مکہ کے دو سرداروں نے انتقال کیا۔ ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل یعنی عمرو بن العاص فاتح مصر کے والد نے انتقال کیا۔

بھائی چارے کا قیام

پہلی مواخات

آپ نے ہجرت مدینہ سے قبل مکہ مکرمہ میں فقط مہاجرین میں باہمی رشتہ مواخات قائم فرمایا۔ تاکہ ہر مومن ضرورت کے وقت ایک دوسرے کا معین اور مددگار اور مصیبت کے وقت ایک دوسرے کا غمگسار ہو۔ ضعیف اور کمزور کو قوی اور زبردست کی اخوت سے قوت حاصل ہو اور ضعیف' قوی کے لئے قوت بازو بنے اعلیٰ شخص ادنیٰ شخص کے فوائد سے اور ادنیٰ اعلیٰ کے منافع سے مستفید اور منتفع ہو اور مہاجرین و انصار کے منتشر دانے ایک رشتہ مواخات میں منسلک ہو کر شئی واحد بن جائیں تشتت اور تفرق کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لیں جو تفرق اور اختلاف بنی اسرائیل کی ہلاکت اور بربادی کا سبب بنا یہ امت مرحومہ اس سے بالکلیہ محفوظ رہے اور اجتماع کی وجہ سے اللہ جل جلالہ کا ہاتھ ان کے سر پر ہو اور اگر زمانہ جاہلیت کے تفاخر اور مباہات کا کوئی فاسد مادہ قلب میں باقی ہے تو اس رشتہ مساوات سے اس کا استحصال اور قلع قمع ہو جائے اور قلب بجائے تفاخر اور تعلیٰ غرور اور نخوت کے تواضع اور مسکنت مواخات اور مواسات سے معمور ہو جائے۔ خادم اور مخدوم غلام اور مولیٰ' محمود اور ایاز سب ایک ہی صف میں آ جائیں۔ دنیا کے سارے امتیازات مٹ کر صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کا شرف اور بزرگی باقی رہ جائے۔

پہلی مواخات کے اراکین

جو مواخات ہجرت سے قبل مکہ میں خاص مہاجرین میں ہوئی ان حضرات کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	عمر رضی اللہ عنہ
۲۔حمزہ رضی اللہ عنہ	زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
۳۔عثمان غنی رضی اللہ عنہ	عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
۴۔زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
۵۔عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ	بلال بن رباح رضی اللہ عنہ
۶۔مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
۷۔ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ	سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ
۸۔سعید بن زید رضی اللہ عنہ	طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ
۹۔سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	علی کرم اللہ وجہہ

مہاجرین کے حالات کی تبدیلی

پچاس کے قریب صحابہ کرام مکہ معظّمہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ چکے ہیں باقی آ رہے ہیں آنے والوں میں وہ بھی ہیں جو مکہ میں صاحب حیثیت تھے۔ جائیدادوں اور کاروبار کے مالک تھے۔ مگر اب یہ سب قرآن پاک کے الفاظ میں ''الفقراء'' ہیں۔ کیونکہ نہ صرف جائیدادوں پر بلکہ ان کے مال و متاع اور سامان و اسباب پر بھی دوسروں کا قبضہ ہو چکا ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے رعب وداب اور دھاک کے آدمی چند ہی تھے جنہوں نے کھلم کھلا ہجرت کی۔ باقی سب وہ تھے جو چھپتے چھپاتے خالی ہاتھ بمشکل تمام مدینہ پہنچے تھے ان کے بدن کے کپڑے بھی سالم نہیں تھے۔

پوری دنیا میں صرف وہ مٹھی بھر جاں نثاران پردیسی فقراء اور تہی دستوں کے مددگار تھے جنہوں نے بیعت عقبہ کے موقع پر ان کو اپنے یہاں آنیکی دعوت دی تھی۔ مگر یہ کتنے تھے۔ ان کے ذرائع کیا تھے؟ صرف تہتر یا چہتر جب کہ ان میں دو عورتیں بھی تھیں (سیرت مبارکہ)

اہل مدینہ کے معاشی حالات

یثرب اول تو کاروباری قصبہ نہیں تھا اور جو کاروبار تھا اس پر یہودیوں کا قبضہ تھا۔ قبیلہ اوس

اور خزرج کے لوگ جن سے حضرات انصار کا تعلق تھا وہ کاشتکار تھے۔ کسی کے پاس اپنی زمین تھی کوئی دوسروں کی زمین میں بٹائی پر کاشت کرتا تھا۔ جن کی زمینیں اپنی تھیں اقتصادی ڈھانچہ ان کا بھی بگڑا ہوا تھا۔ جس کے پاس جو کچھ پس انداز تھا۔ وہ ''اوس'' اور ''خزرج'' کی آپس کی لڑائی میں ختم ہو چکا تھا جن کا سلسلہ تقریباً ایک سو بیس سال کے بعد تین چار سال پہلے ختم ہوا تھا۔

عموماً بیع سلم (بدھنی) کی شکل میں یا سود پر پیشگی رقم لے لی جاتی تھی اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ پوری پیداوار اس سلم یا سود کی نذر ہو جاتی تھی۔

ان قبیلوں کے کچھ لوگ ان حالات سے مستثنیٰ تھے مگر ان میں سے چند کے سوا باقی سب صاحب جائیداد بڑے لوگ اپنے سابق مذہب پر قائم تھے۔ (سیرت مبارکہ)

مہاجرین کے لئے الگ آبادی کیوں نہ بنائی گئی

اللہ کے گھر (مسجد مبارک) کی تعمیر شروع ہوئی تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان درماندہ پردیسی مہاجرین کی بود و باش کا مسئلہ بھی تھا کہ اگر ان کے رہنے کا ٹھکانا ہو جائے تو دار الھجرت میں وطن کی کچھ آسائش میسر آ سکے اور پراگندہ حالی ختم ہو۔

ممکن تھا ان کے لئے الگ محلّہ آباد کر دیا جاتا معاشرت کا جو فرق تھا اہل مدینہ کاشت کار اور زمیندار تھے اور مہاجرین تاجر پیشہ' شہری زندگی کے عادی۔ اس کا بھی تقاضا یہی ہونا چاہیے تھا کہ ان کی آبادی الگ ہوتی۔ نئی آبادی کے لئے مالی مشکلات کا حل وہ باہمی تعاون تھا۔ جس نے بلا کسی غیر معمولی خرچ کے مسجد مبارک اور ازواج مطہرات کے حجرات کی تعمیر کرا دی تھی لیکن علیحدہ آبادی سے مہاجرین اور انصار میں شیر وشکر جیسی یگانگت نہیں پیدا ہو سکتی تھی اور باہمی انسیت والفت کی وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو عطا فرمائی تھی (جس کو کلام پاک میں خاص طور پر نمایاں فرمایا گیا تھا) وہ مشاہدہ بن کر سامنے نہیں آ سکتی تھی۔

جن کو مساوات۔ اشتراک عمل اور ایک دوسرے کے لئے ایثار و اخلاص کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنا تھا۔ علیحدہ آبادی نہ ان کے لئے مناسب تھی نہ وہ خود یہ علیحدگی برداشت کر سکتے تھے جو اسلامی معاشرہ میں اونچ نیچ کی بنیاد بن جاتی۔

اس کے علاوہ تعلیم و تربیت کے لحاظ سے جس مساوی سطح کی ضرورت تھی علیحدہ آبادی اس کے لئے خلیج بن جاتی۔

حضرات مہاجرین کم و بیش دس بارہ سال تک برکات نبوت سے فیضیاب ہو کر تربیت یافتہ عالم و فاضل بن چکے تھے۔ حضرات انصار کی مخلصانہ ذہانت اگر چہ ان کے لئے رہنما ہوتی تھی۔ مگر اس ذہانت میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم "روف رحیم" کا رنگ بھرنے اور حضرات انصار کو مہاجرین کی سطح پر لانے کیلئے جس تواصی بالحق، باہمی احتساب، افادہ اور استفادہ، تعلیم و تعلم کی ضرورت تھی۔ الگ آبادی کی صورت میں وہ پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ (سیرت مبارکہ)

موالات کی بجائے مواخات

عرب میں عقد موالات کی طریقہ رائج تھا۔ غیر قبیلہ کا آدمی کسی بھی قبیلہ میں پہنچتا اور ایک معاہدہ کر کے اس قبیلہ میں داخل ہو جاتا اب اسی قبیلہ کی طرف منسوب ہوتا تھا۔ معاہدات صلح و جنگ میں شریک رہتا اور مرنے کے بعد اس کا ترکہ بھی اسی قبیلہ میں تقسیم کیا جاتا۔ حضرات مہاجرین اور انصار میں یہ عقد ہو سکتا تھا لیکن یہ عقد موالات کچھ روایتیں رکھتا تھا۔ ان میں ایسی روایات بھی تھیں جن کو اسلام برداشت نہیں کر سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدبودار فرمایا۔ اور قرآن حکیم نے ان کی مخالف اور متضاد بنیادوں پر اسلامی تہذیب و اخلاق کی عمارت بلند کی۔ اب یہ پیغمبرانہ تدبر تھا کہ عقد موالات کے بجائے آپ نے عقد مواخات کی بنیاد ڈالی۔

مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ کا قیام

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مکان میں حضرات مہاجرین و انصار (رضی اللہ عنہم اجمعین) کا اجتماع ہوا۔ یہ کل نوے حضرات تھے۔ پینتالیس مہاجرین، پینتالیس انصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صوابدید کے بموجب ان میں سے ایک ایک انصاری کو ایک ایک مہاجر کا نام بنام بھائی قرار دے دیا۔ یہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ فراست اور مردم شناسی تھی کہ جن کو آپ نے بھائی بنایا فطری طور پر ان کے مزاج برادرانہ

تھے۔ وہ حقیقی بھائیوں سے بھی زیادہ ایک دوسرے کے ہمدرد اور مددگار بن گئے اور مزاجوں کی موافقت کے ساتھ جب حضرات مہاجرین سے للّٰہیت اور اعلیٰ اخلاق کا بھی ظہور ہوا تو حضرات انصار کے اخلاص نے عقیدت کی شان اختیار کر لی۔

ام العلاء ایک انصاری خاتون تھیں جن کے گھرانے کے حصہ میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ آئے تھے۔ وہ اپنے مہمان کی اتنی معتقد ہو گئیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ام العلاء نے بڑے وثوق سے کہا **شهادتی علیک لقد اکرمک الله** یعنی میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً آپ کو بخش دیا ہے۔

مواخات کے اراکین کے اسمائے گرامی

رجسٹروں کو اس وقت توفیق نہیں ہوئی تھی کہ حضرات صحابہ کے اسماء گرامی اپنے صفحات میں محفوظ کر لیں اور بھائی بننے والوں کو لکھاوٹ کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ تاہم راوی حضرات کے سینوں نے جو نام محفوظ رکھے عیون الاثر فتح الباری و سیرۃ ابن ہشام کے حوالہ سے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

مہاجرین	انصار
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	خارجۃ بن زید رضی اللہ عنہ
عمر بن خطاب	عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ
ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ	سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ
زبیر عوام رضی اللہ عنہ	سلامۃ بن سلامۃ بن وقیش رضی اللہ عنہ
عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ
طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ	کعب بن مالک رضی اللہ عنہ
سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ	ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	ابوایوب خالد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ
ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ	عباد بن بشر رضی اللہ عنہ

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما
ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ
بلال رضی اللہ عنہ
حاطب بن ابی بلتع رضی اللہ عنہ
ابومرثد رضی اللہ عنہ
عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ
عتبۃ بن غزوان رضی اللہ عنہ
ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ
عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ
عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ
طفیل بن الحارث رضی اللہ عنہ یعنی عبیدہ
بن الحارث کے بھائی
صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ
مقداد رضی اللہ عنہ
ذوالشمالین رضی اللہ عنہ
ارقم رضی اللہ عنہ
زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ
عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ
عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ
خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ
سبرۃ بن ابی رُہم رضی اللہ عنہ
مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ
عکاشتہ بن محصن رضی اللہ عنہ

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما
منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ
ابوالدرداء عویمر بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ
عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ
عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ
عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ
ابودجانہ رضی اللہ عنہ
سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ
ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ
عمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ
سفیان نسر خزرجی
رضی اللہ عنہ
رافع بن معلّٰی رضی اللہ عنہ
عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
یزید بن الحارث رضی اللہ عنہ
طلحہ بن زید رضی اللہ عنہ
معن بن عدی رضی اللہ عنہ
سعد بن زید رضی اللہ عنہ
مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ
منذر بن محمد رضی اللہ عنہ
عبادۃ بن الخشخاش رضی اللہ عنہ
زید بن المزین رضی اللہ عنہ
مجذر بن دمار رضی اللہ عنہ

عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ | حارث بن صمۃ رضی اللہ عنہ
مجع مولی عمر رضی اللہ عنہ | سراقۃ بن عمرو بن عطیہ رضی اللہ عنہ

حضرات انصار رضی اللہ عنہم اجمعین نے مواخات کا حق ادا کر دیا

انصار نے جو مواخات کا حق ادا کیا اور جس مخلصانہ ایثار کا ثبوت دیا اولین و آخرین میں اس کی نظیر ملنا ناممکن ہے زر اور زمین مال اور جائیداد سے جو مہاجرین کے ساتھ سلوک کیا ہے وہ تو کیا ہی کہ زمین اور باغات مہاجرین کو دے ڈالے ان سب سے بڑھ کر یہ کیا جس انصاری کے دو بیویاں تھیں اس نے اپنے مہاجر بھائی سے یہ کہہ دیا کہ جس بیوی کو تم پسند کرو میں اس کو طلاق دے دیتا ہوں۔ طلاق کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیں۔

حضرات انصار رضی اللہ عنہم اپنی جائیدادیں تقسیم کرنے کو تیار ہو گئے

عرب میں عقد موالات کا اثر مرنے کے بعد یہ ظاہر ہوتا تھا کہ مولیٰ (جس سے یہ معاملہ ہوتا تھا) وہ چھٹے حصے کا مستحق ہوا کرتا تھا۔ اس کے بموجب رشتہ اخوت کا اثر وفات کے بعد ظاہر ہونا چاہئے تھا کہ ایک دوسرے کا وارث ہوتا۔ مگر حضرات انصار نے بیعت عقبہ کے سلسلہ میں جب دعوت دی تھی تو امداد کا وعدہ بھی کیا تھا۔ آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رشتہ اخوت قائم فرمایا تو حضرات انصار کی مخلصانہ اور ایثار شیوہ ذہانت نے اس کے معنی یہ سمجھے کہ امداد کا طریقہ برادرانہ ہونا چاہیے۔

امداد کرنے کے لئے جائیداد تقسیم نہیں کی جاتی۔ مگر برادر زندگی میں برابر کا شریک ہوتا ہے لہٰذا حضرات انصار نے فیصلہ فرمایا کہ مہاجر بھائیوں کو اپنی زندگیوں میں برابر کا شریک بنالیں چنانچہ دربار رسالت میں درخواست پیش کر دی۔

اقسم بيننا و بين اخواننا النخيل

ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان باغات تقسیم فرما دیجئے۔

منصوبہ یہ تھا کہ بھائیوں کا حصہ بھائیوں کے قبضہ میں دیدیا جائے۔ وہ اس کو اپنی ملک سمجھیں اپنی صوابدید کے بموجب اس میں تصرف کریں اور فائدہ اٹھائیں لیکن رحمت عالم صلی

اللہ علیہ وسلم کی شفقت نے یہ منظور نہیں فرمایا کہ حضرات انصار کی جائیدادوں سے ان کی ملکیت ختم کردی جائے۔ حضرات انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تصور یہی تھا۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منظور نہیں فرمایا۔ حضرات مہاجرین کی حیثیت کو عارضی قرار دیا۔ چنانچہ جب حضرات مہاجرین کو جائیدادیں مل گئیں تو حضرات انصار کی جائیدادیں واپس کردی گئیں۔

دوسری طرف دشواری یہ تھی کہ خود حضرات انصار کا جو مقصد تھا وہ اس پیشکش سے پورا نہیں ہوتا تھا حضرات انصار کا مقصد تو یہ تھا کہ مہاجرین کی مالی مشکلات ختم ہوں لیکن اس طرح تقسیم کے بعد حضرات مہاجرین ''صاحب جائیداد'' ضرور ہو جاتے مگر یہ حضرات تاجر پیشہ تھے کاشت کاری اور زراعت سے ناواقف تھے۔ وہ ان جائیدادوں سے پیداوار کرکے وہ امداد حاصل نہیں کرسکتے تھے جس کے لئے حضرات انصار نے یہ ایثار کیا تھا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انصار کو اس دشواری کی طرف توجہ دلائی۔

انصار رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق اپنی پیداوار میں بھائیوں کو حصہ دیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امداد کی صورت یہ ہے کہ زمین اور باغ کے بجائے پیداوار کا حصہ مہاجرین کو دو۔

باغات کی خدمت اور زمین میں کاشت کی ذمہ داری آپ صاحبان لیں اور پیداوار مہاجرین کو دے دیں۔

عام طور پر یہی صورت ہوئی اگرچہ بعض حضرات نے یہ بھی کیا کہ زمینیں اور باغ لے لیا اور خود کام کیا۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو جو درخت دیئے گئے تھے وہ ان پر مالکانہ تصرف کرتی رہیں اور اپنی ملک ہی سمجھتی رہی حتیٰ کہ جب ان کو واپس کرنے کو کہا گیا تو تیار نہ ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً دس گنی جائیداد دے کر ان کو واپس کرنے پر راضی کیا۔

حضرات مہاجرین نے بھی یہی فرمائش کی۔ کام کی ذمہ داری آپ لیں اور پیداوار میں ہمیں شریک کرلیں۔

حضرات انصار نے جیسے ہی یہ تجویزیں سنیں، دفعۃً ان کے جذبات کی صدا بلند ہوئی سمعنا واطعنا (ہم نے سن لیا ہے ہم پوری پوری تعمیل کریں گے) دنیا نے بہت سے انقلاب دیکھے مگر اس انقلاب کی کوئی مثال چشم عالم کے سامنے نہیں آئی کہ مالک خود اپنی مرضی سے کاشت کار اور اجنبی لوگ پردیس سے آئے ہوئے خود بخود زمیندار بن گئے۔ (سیرت مبارکہ)

رشتہ مواخات کی مضبوطی

یہ رشتہ مواخات اس قدر محکم اور مضبوط تھا کہ بمنزلہ قرابت ونسب سمجھا جاتا تھا جب کوئی انصاری مرتا تو مہاجر ہی اس کا وارث ہوتا جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

ان الذین آمنو و ھاجرو وجاھدو ا بامو الھم و انفسھم فی سبیل اللہ والذین آوونصرو ااولئک بعضھم اولیاءُ بعض (الانفال،۷۲)

بے شک جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور جان ومال سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور انکی مدد کی یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث ہونگے۔

چند روز کے بعد میراث کا حکم تو منسوخ ہوگیا اور تمام مومنوں کو بھائی بنا دیا گیا اور یہ آیت نازل فرمائی۔ **انما المومنون اخوۃ**

اب مواخات کا رشتہ فقط مواسات یعنی ہمدردی اور غمخواری نصرت وحمایت کے لئے رہ گیا اور میراث نسبی رشتہ داروں کے لئے خاص کر دی گئی۔

بے مثال ہمدردی وایثار

سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی انصاری اپنے درہم ودینار کا اپنے مہاجر بھائی سے زیادہ اپنے کو مستحق نہیں سمجھتا تھا۔

چنانچہ مہاجرین نے انصار کی اس بے مثال ہمدردی اور ایثار کو دیکھ کر آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ جس قوم پر ہم آ کر اترے ہیں ان سے بڑھ کر کسی قوم کو ہم نے ہمدرد اور غمگسار مخلص اور وفا شعار تنگی اور فراخی ہر حال میں مددگار نہیں دیکھا۔ ہم کو اندیشہ ہے کہ سب اجر انہیں کو مل جائے اور ہم اجر سے بالکل محروم رہ جائیں۔ آپ نے فرمایا نہیں جب تک تم

ان کے لئے دعا کرتے رہو۔

اصحاب صفہ کے لئے انتظام

حضرات انصار جو ایثار کر چکے تھے اس پر وہ قانع نہیں تھے چنانچہ جائیداد کے اس بٹوارہ کے بعد بھی ان کا دست کرم کوتاہ نہیں ہوا وہ ان کی طرف بھی بڑھتا رہا جنہیں جائیدادیں نہیں ملی تھیں جو گھر ہستی اور صاحب اہل وعیال نہیں تھے یہ اصحاب صُفَّہ تھے ان کی خدمت بھی وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔

اصحاب صُفَّہ کے لئے سوال کرنا حرام تھا۔ فاقہ سے بیہوش ہو کر ان کو گر جانا آسان تھا۔ مگر سوال کرنا محال۔ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ان کے چہروں سے بھی ان کے فاقہ کا راز فاش نہ ہو۔

حضرات انصار کی مزاج شناسی نے ان قناعت پسندوں کے لئے ایک نئی راہ تجویز کی۔ ان حضرات نے مسجد کے ستونوں میں رسیاں باندھ دیں۔ کھجوروں کے موسم میں وہ کھجور کے خوشے جن میں گدرے کھجور ہوتے تھے۔ درختوں سے کاٹ کر لاتے اور ان رسیوں میں لٹکا دیتے تھے کھجور پک کر گر جاتے یا یہ حضرات توڑ لیتے اور ان سے فاقہ کشائی کرتے رہتے تھے بظاہر یہ نفل ہوتا تھا مگر در حقیقت سد رمق کا ذریعہ تھا۔ فاقہ زدہ کمریں سیدھی ہو سکتی تھیں۔ (سیرت مبارکہ)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایثار

ایک فاقہ زدہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا کہ یا رسول اللہ میں سخت بھوکا ہوں۔ آپ نے گھر والوں سے دریافت کرایا کچھ کھانے کو ہے؟ ہر ایک گھر سے جواب آیا۔ صرف پانی ہے۔ آپ نے حاضرین سے فرمایا۔ کوئی صاحب ان کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں حضرت ابوطلحہ نے عرض کیا میں حاضر ہوں۔ غرض وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ گھر میں جا کر بیوی سے کہا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مہمان کی عزت کرو (ادب واحترام سے مدارات کرو) اہلیہ محترمہ نے کہا صرف بچوں کے سہارے کا کھانا موجود ہے۔ حضرت ابوطلحہ نے فرمایا جو کچھ ہے تیار کرو۔ چراغ روشن کر لو بچوں کو بہلا کر سلا دو۔ محترم

خاتون نے ایسا ہی کیا۔ کھانا تیار کیا۔ چراغ جلایا۔ جب کھانے بیٹھے تو یہ خاتون اٹھیں بظاہر اس لئے کہ چراغ کی بتی بڑھا دیں۔ (لو تیز کر دیں) مگر بڑھانے کے بجائے میاں بیوی کی آپس کی تجویز کے مطابق چراغ بجھا دیا۔ اندھیرے میں کھانا شروع کیا۔ میاں بیوی ہاتھ اور منہ چلاتے رہے گویا کھا رہے ہیں۔ کھایا کچھ نہیں بھوکے پیٹ رات گزاری۔

مال غنیمت کا حصہ بھی مہاجرین پر نثار کر دیا

۴ھ میں قبیلہ بنی نضیر کے یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دینے کا منصوبہ بنایا۔ وہ کامیاب نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے شر سے محفوظ رکھا مگر ظاہر ہے ان کے اس منصوبہ سے وہ معاہدہ ختم ہو گیا جو بقاء باہم کے متعلق ۱ھ ہجری میں ہوا تھا (تفصیل آگے آئے گی) لامحالہ ان کو وہ سزا دی گئی جو ازروئے معاہدہ لازم تھی۔ یعنی ان کو اس علاقہ سے خارج کر دیا گیا۔ ان کی جائیدادیں اسلامی محروسہ میں داخل ہوئیں۔

چونکہ یہ علاقہ جنگ کے بغیر قبضہ میں آیا تھا تو اس کو مجاہدین پر تقسیم نہیں کیا گیا بلکہ وحی الٰہی نے اس کو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق قرار دیا۔

رسول اللہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سب سے پہلے حضرات صحابہ کی مشکلات تھیں آپ نے حضرات انصار کو جمع فرما کر استصواب فرمایا کہ اس علاقہ کی اراضی انصار اور مہاجرین دونوں کو دی جائیں یا صرف مہاجرین کو دی جائیں تا کہ وہ حضرات انصار کی جائیدادیں واپس کر دیں اور ان کے مکانات خالی کر دیں۔؟

ارشاد گرامی کا جواب دینے کیلئے قبیلہ اوس اور خزرج کے دونوں سردار سعد بن عبادہ (خزرج) سعد بن معاذ (اوس) کھڑے ہوئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ جو کچھ آپ تقسیم فرمائیں حضرات مہاجرین کو تقسیم فرما دیں۔ ہمیں نہ اپنے مکانات کی ضرورت ہے نہ جائیدادوں کی۔ بلکہ ہم بہت خوش ہوں گے اگر ہماری جائیدادوں اور ملکیتوں میں سے کچھ اوران مہاجرین کو عنایت فرما دیں۔ جو راہ خدا میں وطن سے بے وطن ہوئے۔ گھروں سے

اجڑے جائیدادوں سے محروم ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حوصلہ مندانہ جواب سنا تو مطمئن ہوئے اور دعا دی۔ **اللھم ارحم الانصار وابناء الانصار** اور بعض دوسری روایتوں میں تیسرا لفظ ابناء ابناء الانصار بھی ہے۔

اب آپ نے اس علاقہ کا ایک حصہ حضرات مہاجرین کو عنایت فرمایا۔ حضرات انصار میں سے دو صاحب بہت ضرورت مند تھے۔ حضرت ابودجانہ اور حضرت سہل بن حنیف ان کو کچھ جائیداد عطا فرمائی باقی علاقہ اپنے پاس رکھا۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کاشت ہوتی تھی اور اس کی آمدنی میں سے ازواج مطہرات کا نفقہ ادا فرماتے تھے۔ باقی تمام آمدنی مسلمانوں کی جماعتی اور انفرادی خصوصاً جہاد کی ضرورتوں میں صرف کردیتے تھے۔

بہرحال حضرات انصار نے نہ صرف یہ کہ اس جائیداد میں حصہ لینے سے معذرت کردی بلکہ اپنی باقی جائیدادوں کے متعلق بھی پیش کش کردی۔ (سیرت مبارکہ)

یثرب سے مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مہاجرین میں سے بعض حضرات کا بیمار ہونا

مکہ جو حضرات مہاجرین کا وطن تھا۔ نہایت خشک اور گرم مقام تھا۔ نیچے ریت اور کنکریاں اوپر گرم پہاڑ جن میں شادابی کا نام نہیں تھا۔ اس کے برخلاف یثرب شاداب باغوں کے بیچ میں ایک کھلی ہوئی آبادی ہر طرف کھیت اور سبزہ اس کی ایک وادی جس کا نام بطحان تھا گویا گندے پانی کی جھیل تھی۔ جہاں سڑا ہوا پانی ہمیشہ بہتا رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے پورے یثرب کی آب وہوا مرطوب رہتی تھی۔ مکہ جیسے گرم اور خشک مقام کے آدمی یہاں آتے تو بیمار پڑ جاتے تھے اسی وجہ سے یہاں کا بخار حمیٰ یثرب' پورے عرب میں مشہور تھا چنانچہ حضرات مہاجرین یہاں پہنچے تو مزاج خراب ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نہایت تیز بخار ہوا۔ وہ بحرانی کیفیت میں یہ شعر پڑھتے تھے۔

كل امرء مصبح فی اهله　　والموت ادني من شراک نعله

لوگ اپنے اہل وعیال میں ہوتے ہیں تو صبح صبح ان کو دعا دی جاتی ہے۔

انعم صباحاً اور حال یہ ہے کہ موت جوتی کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اگرچہ حبشی تھے۔ مگر عمر گزری تھی مکہ کی گلیوں اور اس کی وادیوں میں۔ ان کو بخار ہوا تو بخار کی گھبراہٹ میں یہ اشعار پڑھتے تھے۔

الاليت شعری هل ابيتن ليلة　　بوادٍ حولی اذخر وجليل

وهل اردن يوما مياه مجنة　　وهل يبدون لی شامة وطفيل

کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ کیا میں کوئی رات وادی (مکہ) میں اس حالت میں گزار سکوں گا کہ میرے گرد (گیاہ) اذخر اور (گیاہ) جلیل ہو اور کیا کسی روز مجنۃ کے چشموں پر

میرا اور ود ہو سکے گا اور کیا کوہ شامہ اور کوہ طفیل مجھے سامنے نظر آئیں گے۔

پھران کے لئے بددعا بھی کرتے تھے جن کے ظلم وستم نے ان کو ہجرت پر مجبور کیا تھا۔ کہ اے اللہ ان لوگوں نے ہمیں اپنے وطن سے نکال کر اس وبا والی سرزمین میں پہنچایا۔ اے اللہ ان پر لعنت کر (ان کو اپنی رحمت سے محروم کردے)۔ (سیرت مبارکہ)

مدینہ اور مہاجرین کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ حالت ہوئی تو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

اے اللہ ہمیں "مدینہ" بھی ایسا ہی محبوب بنادے جیسے مکہ محبوب تھا۔ یا مکہ سے بھی زیادہ ہمیں مدینہ کی محبت دے دے۔ اے اللہ مدینہ کے صاع میں مدینہ کے مد میں ہمارے لئے برکت عطا فرما۔ خداوندا ہمارے لئے اس کی آب وہوا کو صحت بخش کردے۔ اور اس کے بخار کو یہاں سے منتقل کر کے جحفہ پہنچادے (سیرت مبارکہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو تمام روئے زمین سے زیادہ مدینہ کی سرزمین میں وبا تھی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ اے اللہ مدینہ کو پاک وصاف فرما اور اس وباء کو جحفہ کی طرف منتقل فرما۔

قبولیت دعا کے لازوال اثرات

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوئی۔ اس قبولیت کے آثار آج تک نمایاں ہیں۔ کہ مدینہ منورہ کی آب وہوا نہایت معتدل اور خوشگوار ہے۔ دولت وثروت مدینہ میں نہیں ہے مگر ہر چیز میں برکت ہے۔ عموماً اہل مدینہ اس برکت کو دولت وثروت سے بہتر سمجھتے ہیں۔ (سیرت مبارکہ)

اب تو ماشاء اللہ ثروت بھی بے مثال ہے۔

یثرب سے مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

پھر اس دارالھجرت کی جو محبت دلوں میں ڈالی گئی اس کا ادنیٰ نتیجہ یہ ہے کہ اس یثرب کو یثرب کے بجائے اپنے محبوب نبی کی طرف منسوب کر کے مدینۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا جانے لگا۔ پھر اسی ایک نام پر بس نہیں ہوئی بلکہ ارباب ذوق نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق نام رکھے جو سو سے زائد ہو گئے۔ ان میں سے چورانوے نام علامہ سمہودی نے وفاالوفا باخبار دارالمصطفیٰ میں شمار کرائے ہیں۔

اذان

نماز کی فرضیت

دو نمازیں صبح اور عصر کی تو ابتداء بعثت ہی میں فرض ہو چکی تھی۔ پھر شب معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں لیکن باستثناء مغرب سب نمازیں دو دو رکعت تھیں ہجرت کے بعد سفر کے لئے تو دو ہی رکعت باقی رہیں اور حضر میں ظہر اور عصر اور عشاء کی نمازیں چار چار رکعت کر دی گئیں۔

جماعت کا اہتمام

جب مدینہ میں آزاد فضا میسر آئی اور یہ موقع ملا کہ اللہ کا نام کھلم کھلا لیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کو لازم قرار دیا۔ یہاں تک کہ حضرات صحابہ کا عام مذاق یہی بن گیا کہ جماعت کے بغیر وہ نماز کو جائز ہی نہیں سمجھتے تھے۔ بیمار آدمی بھی ساتھیوں کے سہارے مسجد میں آتا اور جماعت میں شریک ہوتا تھا اور سستی وہی کرتا تھا۔ جس کے دل میں نفاق ہوتا تھا۔ پھر شہر یا آبادی ہی نہیں بلکہ جہاں بھی تین مسلمان ہوں ان کے لئے یہی حکم ہوا کہ اگر وہ جماعت سے نماز نہیں پڑھتے تو ان پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے (کہ ان کے مذہبی معاملات درہم برہم ہو جاتے ہیں ان کا صحیح نظم قائم نہیں ہوتا) (محمد میاںؒ)

اذان کی ضرورت

اسلام یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ مسلمان سب کاروبار چھوڑ کر نماز اور مسجد کے لئے وقف ہو جائیں وہ جس طرح عبادت فرض کرتا ہے۔ ذرائع معیشت کی فراہمی کو بھی فریضہ قرار دیتا ہے اس نے جس طرح اہل وعیال کا نفقہ مربی پر لازم اور واجب کیا ہے ایسے ہی زکوٰۃ کو

اسلام کا ایک رکن قرار دے کر آمدنی بڑھانے اور پس انداز کرنے والوں کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے۔ مگر جب ذرائع معیشت کے لئے کاروبار میں مشغولیت ضروری ہے تو نمازوں کی جماعتوں کے لئے کوئی ایسی صورت ہونی چاہئے کہ معین وقت پر سب جمع ہو جائیں تاکہ اللہ کا فرض بھی ادا ہو اور دنیا کے کام بھی اطمینان سے ہوتے رہیں۔ صحابہ کرام اگرچہ اندازہ لگا کر جماعت کے وقت خود جمع ہو جاتے تھے۔ مگر ظاہر ہے یہ جذبہ اور شوق آئندہ نسلوں میں باقی رہنے والا نہیں تھا۔ چنانچہ جب جماعت کا سلسلہ شروع ہوا تو کچھ دنوں بعد یہ سوال سامنے آیا کہ نماز کے لئے جمع ہونے کی کوئی علامت مقرر کی جائے۔ (سیرت مبارکہ)

اذان کے طریقہ کی تعیین کے لئے اجلاس

حضرات صحابہ نے مختلف تجویزیں پیش کیں۔ کسی نے ناقوس کا ذکر کیا۔ کسی نے بوق کا۔ ایک صاحب نے تجویز پیش کی کہ آگ روشن کردی جایا کرے۔ ناقوس کا رواج نصاریٰ میں تھا۔ بوق (بگل) کا یہود میں۔ اور آگ روشن کرنے کا مجوس (آتش پرستوں) میں یہ چیزیں علامت بن سکتی تھیں مگر ان میں یاد خدا اور عبادت کی معنویت نہیں تھی۔ پھر ان سب فرقوں میں عبادتوں میں تحریف اور من مانی تبدیلی کے علاوہ شرک کی آمیزش بھی ہو چکی تھی یہ مناسب نہیں تھا کہ وہ عبادت (نماز) جو تنہا خدا واحد کے لئے مخصوص ہو اس کا اعلان مشرکانہ طرز پر ہو۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی تجویز بھی منظور نہیں فرمائی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ بلند آواز سے پکار دیا جایا کرے الصلوٰۃ جامعۃ اس وقت یہ تجویز منظور کر لی گئی۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ الصلوٰۃ جامعۃ پکار دیا کریں۔ لیکن یہ آخری یا قطعی فیصلہ نہیں تھا۔ (محمد میاںؒ)

خواب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاہدات

صحابہ کرام جن کے دینی جذبات میں امنگ تھی اور یہی امنگ ان کے تمام جذبات پر غالب آچکی تھی ان کی طلب پوری نہیں ہوئی۔ اعلان نماز کے لئے مناسب طریقہ کی جستجو باقی رہی تو ایک شب میں متعدد صحابہ نے ایک خواب دیکھا۔ ان میں سے اللہ تعالیٰ نے

حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ کو یہ توفیق بخشی کہ وہ فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا خوب بیان کیا کہ کوئی شخص ناقوس بیچ رہا ہے میں نے اس سے قیمت معلوم کی۔ اس نے کہا کس کام کیلئے خریدتے ہو۔ میں نے کہا کہ جماعت کا اعلان کیا کریں گے۔ اس سبز پوش شخص نے کہا میں تمہیں اس سے بہتر صورت بتاتا ہوں۔ جب نماز کا وقت ہو کوئی ایک شخص اس طرح پکارا کرے۔ (سیرت مبارکہ)

اللہ اکبر. اللہ اکبر اللہ اکبر' اللہ اکبر اشھدان لا الہ الا اللہ. اشھد ان لا الہ الا اللہُ. اشھد ان محمدً ارسول اللہِ. اشھد ان محمدًا رسول اللہِ. حی علی الصلوٰۃ. حی علی الصلوٰۃ. حی علی الفلاح. حی علی الفلاح. اللہ اکبر. اللہُ اکبر لا الہ الا اللہُ.

اور پھر ذراہٹ کر اقامت کی تلقین کی کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو اس طرح کہو اور حی الفلاح کے بعد دو مرتبہ **قدقامت الصلوٰۃ** کا اضافہ کیا جب صبح ہوئی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ خواب بیان کیا۔ سنتے ہی ارشاد فرمایا۔ تحقیق یہ خواب بالکل سچا اور حق ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اذان واقامت کے الفاظ کی تعیین

بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن زید کو حکم دیا کہ یہ کلمات بلال کو بتلادیں کہ وہ اذان دے اس لئے کہ بلال رضی اللہ عنہ کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے۔

بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کان میں آواز پہنچی اسی وقت چادر گھسیٹتے ہوئے گھر سے نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ۔

والذی بعثک بالحق لقدرایت مثل الذی اری

قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا۔ البتہ تحقیق میں نے بھی ایسا ہی دیکھا جیسا عبداللہ بن زید کو دکھلایا گیا۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **فللہ الحمد**

و کان امر البدء بالاذان رویا ابن زیدٍ اولعامٍ ثان

اوراذان کی ابتداء۔عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے خواب سے ہوئی یہ واقعہ ۱ھ یا ۲ھ میں پیش آیا۔علماء کا اس میں اختلاف ہے۔

اذان کی مشروعیت کی ترتیب کے اسرار

اذان کی مشروعیت بذریعہ خواب کے بظاہر اس لیے ہوئی کہ اذان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت ورسالت کے اعلان پر مشتمل ہے اور آپ کی نبوت ورسالت کا ڈنکا بجانا اور آپ کے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دینا یہ خادموں اور غلاموں کا فریضہ ہے۔لیلۃ المعراج میں حق تعالیٰ نے بالمشافہ آپ کو نماز کا حکم دیا اور آسمانوں کے عروج ونزول میں آپ کو اذان سنائی گئی۔آسمان میں فرشتہ نے اذان دی اور آپ نے سنی جیسا کہ خصائص کبری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔

پھر ہجرت کے بعد جب نماز کے اجتماع کیلئے اعلام اوراعلان کی ضرورت محسوس ہوئی تو عبداللہ بن زید کو خواب میں اذان اور قامت دکھائی گئی اور عبداللہ بن زید نے خواب میں جو اذان اوراقامت دیکھی حضور پرنور نے سنتے ہی سمجھ لیا کہ یہ وہی اذان اوراقامت ہے جو میں نے شب معراج میں آسمان پر سنی تھی اس لیے آپ نے سنتے ہی فرمایا۔انھا لرؤیا حق۔یہ سچا خواب ہے یعنی میں نے بحالت بیداری جو شب معراج میں سنا ہے۔اسکے بالکل مطابق اور موافق ہے۔

اذان کے کلمات کی ترکیب کے اسرار وبرکات

کلمات اذان کی ترکیب اور ترتیب بھی نہایت عجیب ہے کہ چند کلمات میں اسلام کے تین بنیادی اصول توحید اور رسالت اور آخرت پر مشتمل ہے۔اللہ اکبر میں خداوند ذوالجلال کی عظمت وکبریائی کا بیان ہے اور اشھد ان لا الہ الا اللہ میں توحید کا اثبات اور شرک کی نفی ہے اور اشھد ان محمدً ارسول اللہ. میں اثبات رسالت ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ خدا تعالیٰ کی معرفت اور اس کی عبادت کا طریقہ ہمیں اس نبی برحق کے ذریعہ معلوم ہوا اور اعلان توحید ورسالت کے بعد لوگوں کو سب سے افضل اور بہتر عبادت

(نماز) کی طرف **حی علی الصلاۃ** کہہ کر بلایا جاتا ہے پھر اخیر میں **حی علی الفلاح** کہہ کر فلاح دائمی کی طرف دعوت دی جاتی ہے جس سے معاد یعنی آخرت کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے کہ اگر بقاء دائم اور ہمیشہ کی بہبودی اور کامیابی چاہتے ہو تو مولائے حقیقی کی اطاعت اور بندگی میں لگے رہو فلاح سے آخرت کی دائمی کامیابی مراد ہے اور اخیر میں پھر کہہ دیتے ہیں۔ **اللہ اکبر، اللہ اکبر، لاالہ الا اللہ**۔ کہ اللہ ہی سب سے اعلیٰ اور برتر ہے اس کے سوا کوئی معبود اور کوئی لائق اطاعت اور بندگی نہیں دیکھو!

اذان چونکہ اسلام کا ایک عظیم شعار ہے اور اس کے کلمات میں خاص انوار و برکات ہیں اس لئے شریعت میں یہ حکم ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کے کان میں اذان دی جائے تاکہ ولادت کے بعد سب سے پہلے توحید و رسالت کی آواز کان میں پہنچے تاکہ عہد الست کی تجدید و تذکیر ہو جائے۔

اذان کے کلمات کی تعداد

اذان اور اقامت کے بارے میں روایتیں مختلف آئی ہیں ابو محذورہ کی اذان میں ترجیع آئی ہے جس میں اذان کے انیس کلمے ہیں اور اقامت کے سترہ کلمے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ نے ابو محذورہ کی اذان کو اختیار فرمایا۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے عبداللہ بن زید کی حدیث کے مطابق اذان کو اختیار فرمایا۔ اس لئے کہ اذان کی اصل مشروعیت عبداللہ بن زید کے خواب سے وابستہ ہے پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کے موافق خواب دیکھا۔

بعد ازاں بلال رضی اللہ نہ آپ کی تمام زندگی بھر آپ کی موجودگی میں وہی اذان دیتے رہے جو عبداللہ بن زید نے ان کو سکھلائی تھی۔

اس لیے امام اعظم ابو حنیفہ نے ان وجوہ کی بنا پر اذان کی اس کیفیت کو افضل قرار دیا کہ جو عبداللہ بن زید کی حدیث میں مذکور ہے۔

یہودیوں سے معاہدہ اور اُس کی شقیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں یہود کی سرگرمیاں

مدینہ منورہ میں اکثر و بیشتر آبادی اوس وخزرج کے قبائل کی تھی۔ مگر عرصہ دراز سے یہود بھی یہاں آباد تھے اور ان کی کافی تعداد تھی۔ مدینہ منورہ اور خیبر میں ان کے مدرسے اور علمی مراکز تھے اور خیبر میں ان کے متعدد قلعے تھے۔ یہ لوگ اہل کتاب تھے۔ اور سرزمین حجاز میں بمقابلہ مشرکین ان کو علمی تفوق اور امتیاز حاصل تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ اس وقت بھی یہود۔ قریش کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اکساتے رہے اور ان کو تلقین کرتے رہے کہ آپ سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین اور روح کے متعلق دریافت کرو وغیرہ وغیرہ جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آتش حسد وعناد اور مشتعل ہوگئی اور سمجھ گئے کہ اب ہماری علمی برتری ختم ہوئی اور اہل ہوا وہوس نے حق کی عداوت میں اپنے پچھلوں کا اتباع کیا۔ ویقتلون النبین بغیر حقٍ اور اصحاب سبت کی روش اختیار کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود سے معاہدہ

علماء اور احبار یہود میں سے جو صالح اور سلیم الفطرت تھے انہوں نے نبی آخر الزمان کی پیش گوئیوں کو ظاہر کیا اور آپ پر ایمان لائے مگر اکثروں نے معاندانہ رویہ اختیار کیا اور حسد اور عناد ان کے لئے سد راہ بنا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک تحریری

معاہدہ کیا تا کہ ان کی مخالفت اور عناد میں زیادتی اور مسلمان ان کے فتنہ اور فساد سے محفوظ رہ سکیں۔ چنانچہ آپ نے ہجرت مدینہ کے پانچ ماہ بعد یہود مدینہ سے ایک معاہدہ فرمایا جس میں ان کو اپنے دین اور اپنے اموال واملاک پر برقرار رکھ کر حسب ذیل شرائط پر ان سے ایک تحریری عہد لیا گیا۔ (سیرت المصطفیٰ)

یہود سے کئے گئے معاہدہ کی دستاویز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱) یہ تحریر ہے محمد اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو اللہ کے رسول ہیں قریش کے مومنین ومسلمین اور اہل یثرب کے درمیان اور جو ان کے تابع ہیں اور ان سے الحاق کئے ہوئے ہے اور کوشش جدوجہد میں ان کے ساتھ ہیں۔

(۲) یہ کہ یہ سب (اپنے ماسوائے) تمام انسانوں کے مقابلہ میں ایک امت ہونگے۔

(۳) قریش کے وہ افراد جو ہجرت کر کے آئے ہیں۔ وہ اپنے حال پر بدستور رہیں گے (ان کی آزادی اور ان کے حقوق بدستور رہیں گے) قصاص وخون بہا اور دیت کے متعلق جو ان کا دستور ہے اور جو ان کے معاہدات ہیں وہ بدستور رہیں گے ان کا کوئی شخص قید ہوگا تو اس کا فدیہ وہ خود ادا کریں گے (کوئی حلیف اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا) یہ تمام باتیں اسطرح ہونگی کہ مسلمانوں کیساتھ بھی عام دستور کے مطابق بھلائی اور انصاف کا معاملہ کیا جائے گا۔

(۴) بنوعوف کی آزادی اور ان کے حقوق بدستور رہیں گے۔

(۵) یہ کہ مسلمان کسی ایسے شخص کو جو قرض میں دبا ہوا کثیر العیال ہو اس بات سے نہیں چھوڑیں گے (محروم نہیں کریں گے) کہ اس کو اچھی طرح عطیہ دیں۔ فدیہ یا دیت کے سلسلہ میں۔

(۶) اور یہ کہ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ کسی مسلمان کو نظر انداز کر کے اس کے حلیف سے معاہدہ کر لے (جو مسلمان پہلے سے حلیف ہے اس کو بھی اس معاہدہ اور عہد و پیمان میں شریک رکھنا ہوگا)

(۷) اور یہ کہ اہل تقویٰ مومنین سب کی طاقت متحد رہے گی اس شخص کے مقابلہ میں جو

ان سے بغاوت کرے (ان پر ظلم و زیادتی کرے) یہ ظالمانہ طریقہ پر ان سے وصول کرنا چاہے یا مسلمانوں کے آپس میں گناہ، ظلم یا فساد پھیلانا چاہے۔ ایسے شخص کے مقابلہ میں ان کی طاقت متحد رہے گی۔ خواہ (وہ ظالم) کسی کا اپنا لڑکا ہی ہو۔

(۸) یہ کہ کوئی مومن کسی مومن کو کسی کافر کی حمایت میں قتل نہیں کرے گا۔ نہ کسی کافر کی کسی مومن کے مقابلہ میں مدد کی جائے گی۔

(۹) یہ کہ اللہ کی ذمہ داری (پناہ) ایک ہے (یعنی اللہ کے نام پر جو ذمہ داری لی جائے گی اس کا احترام تمام مسلمانوں پر لازم ہوگا پناہ دے سکتا ہے مسلمانوں کی ذمہ داری پر سب سے معمولی درجہ کا مسلمان بھی۔

(۱۰) اور یہ کہ ہر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا ولی ہوگی (معاہدہ صلح و جنگ میں شریک ہوگا) یہ ولایت غیر مسلم کو حاصل نہیں ہوگی۔

(۱۱) اور یہ کہ جو یہودی ہمارے ساتھ ہوں گے ان کی مدد کی جائے گی ان کے ساتھ ہمدردی کی جائے گی وہ مظلوم نہیں ہوں گے۔ نہ ان کے ساتھ انتقامی کارروائی کی جائیگی۔

(۱۲) اور یہ کہ مسلمانوں کی صلح ایک ہے کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے بغیر قتال فی سبیل اللہ (راہ خدا میں جنگ) کے سلسلہ میں صلح نہیں کر سکتا مگر اس صورت میں کہ مساوات ہو اور آپس میں پوری طرح انصاف ہو (جب کسی معمولی مسلمان کے عہد و پیمان کو بھی یہ اہمیت ہے کہ وہ سب مسلمانوں کا عہد و پیمان مانا جاتا ہے تو مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ صلح، عہد و پیماں ایسی صورت سے کرے جس میں حقوق کی مساوات اور سراسر عدل و انصاف ہو۔ اگر اس میں کوتاہی کی ہے تو صرف اپنے حق میں نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے حق میں کوتاہی ہے (واللہ اعلم)۔

(۱۳) اور یہ کہ مجاہدین (غازیوں) کی جو جماعت ہمارے ساتھ (ہمارے نظام کے ماتحت) غزوہ کریگی اس کا غزوہ نمبروار ہوگا۔ ایک ہی جماعت (فوج) مسلسل نہیں جائے گی بلکہ اگر ایک مرتبہ جا چکی ہے تو اب دوسری جماعت جائے گی۔ اس کے بعد اپنے نمبر پر یہ جا سکے گی۔

(۱۴) اور یہ کہ مسلمان ایک دوسرے کے برابر ہوگا اس (امتحان کی بنا پر جو پیش آیا ہوگا ان کے خونوں کو اللہ کی راہ میں۔ یعنی جانی قربانی معیار ہے فرق مراتب اسی معیار پر ہوگا۔ جن

کی قربانیاں مساوی ہیں ان کا درجہ بھی مساوی ہوگا۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ قبائل میں جو فرق مراتب پہلے تھا اب وہ قابل تسلیم نہیں ہوگا۔ جب تک قربانیاں بھی اس درجہ کی نہ ہوں۔

(۱۵) اور یہ مومن متقی بہت بہتر طور طریق اور نہایت مضبوط اصول پر قائم رہیں گے (اہل ایمان اور اہل تقویٰ کا فرض ہوگا کہ انکے اطوار بہتر اور انکے اصول واخلاق مضبوط ہوں۔

(۱۶) اور یہ کہ کوئی مشرک قریش کے کسی مال کی ذمہ داری نہیں لے گا نہ کسی قریشی کی جان کی ضمانت کریگا (پناہ دیگا) نہ کسی قریشی کی حمایت میں کسی مسلمان کے آڑے آئے گا۔

(۱۷) جو شخص کسی بے قصور مسلمان کو قتل کر دیگا جس کا بینہ (باقاعدہ) شہادت موجود ہو تو اس کے قصاص میں ماخوذ ہوگا (جان کے بدلہ جان دینا ہوگا) البتہ اگر مقتول کے وارث خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تو خون بہا دینا ہوگا اور تمام مسلمانوں کو جماعتی حیثیت میں اس اصول کو نافذ کرنا ہوگا جب تک اس پر عمل نہ ہو جائے کسی اور کام میں مشغول ہو جانا مسلمانوں کیلئے درست نہ ہوگا۔

(۱۸) اور یہ کہ جائز نہیں ہوگا کسی صاحب ایمان کیلئے جو اس دستاویز کے مضمون کا اقرار کرے اور جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے یہ کہ کسی فتنہ پرداز کی مدد کرے یا کسی فتنہ اٹھانے والے کو پناہ دے (اپنے یہاں ٹھیرائے) اور جو اس کی مدد کرے گا اور اس کو پناہ دے گا (ٹھیرنے کا موقع دے گا) اس پر اللہ کی لعنت' خدا کا غضب' قیامت کے روز نہ اس کی توبہ قبول ہو نہ فدیہ (کفارہ)

(۱۹) اور یہ کہ جب بھی اس عہد نامہ کی کسی بات میں اختلاف کرو تو مرجع اللہ ہوگا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) (اس کا فیصلہ ذات اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ ہوگا جو اس عہد نامہ کے بانی اور معاہدہ کرنیوالوں کے سرپرست ہیں اور آپ سے ہی فیصلہ کی اپیل ہوگی)

(۲۰) جب تک کسی جنگ کا سلسلہ رہے تو مصارف جنگ مسلمانوں کے ساتھ یہود کو بھی برداشت کرنے ہوں گے۔

(۲۱) اور یہ کہ بنی عوف کے یہودی اور مسلمان ایک امت ہونگے۔ یہود کیلئے ان کا دین ہوگا اور مسلمانوں کے لئے ان کا دین (اپنے اپنے مذہبوں میں آزاد رہتے ہوئے تیسرے

کے مقابلہ میں ایک متحدہ طاقت ہونگے) اور جو ان کے موالی ہیں (آزاد کردہ غلام یا ان کے حلیف اور وہ خود۔ ان سب کے لئے یہی ہے (کہ وہ اپنے دین پر) مگر وہ شخص جو ظلم کرے۔ کیونکہ ایسا شخص خود اپنے آپ کو اور اپنے اہل بیت (متعلقین) ہی کو برباد کرے گا (اس بربادی کی ذمہ داری خود اس پر ہوگی)

(۲۲) یہود بنی نجار کے لئے بھی وہی شرطیں اور وہی حقوق ہیں جو یہود بنی عوف کے بیان کئے گئے۔

(۲۳) اس کے بعد یہود بنی الحارث، یہود بنی ساعدہ، یہود بنی جشم، یہود بنی الاوس، یہود بنی ثعلبہ کا نام لیا گیا ہے اور ہر ایک کے متعلق یہ الفاظ دہرائے گئے ہیں۔ مثل **مالیھود بنی عوف**. ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کے حقوق ہیں۔ آخر میں یہ ہے مگر وہ شخص جو ظلم کرے یا کوئی جرم کرے کیونکہ ایسا شخص خود اپنے آپ کو اور اپنے اہل بیت (متعلقین) کو برباد کردیگا (اس بربادی کی ذمہ داری خود اس پر ہوگی)

پھر یہ چند تشریحی اور توضیحی دفعات ہیں۔

(الف) یہ کہ جفنہ ثعلبہ کا بطن (ضمنی قبیلہ) ہے۔

(ب) یہ کہ بنی شطنہ کے وہی حقوق ہیں جو یہود بنی عوف کے (تسلیم کئے گئے) اور یہ کہ ہر (نیکی اور بھلائی) نصب العین اور اصول کار ہوگا گناہ اور جرم نہیں۔

(ج) قبیلہ ثعلبہ کے موالی (حلیف آزاد کردہ غلام) کی حیثیت خود بنی ثعلبہ جیسی ہوگی۔

(د) یہود کے اہل وعیال انکے خواص اور ماتحت خاندانوں اور افراد کی حیثیت خود یہود جیسی ہوگی (ان کے وہی حقوق ہوں گے جو یہود کے ہیں)

(ہ) اور یہ کہ جو جس کے ماتحت یا جس کے ساتھ ہے وہ اس سے علیحدہ نہیں ہوگا مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت سے

(۲۵) اور یہ کہ نہیں بندش لگائے گا کوئی زخم کے قصاص (زخم کے بدلے میں زخم) پر۔

(۲۶) جو کسی کو بے خبری میں دھوکہ سے مار دے اس کی ذمہ داری خود اس پر ہے، اور اس کے اہل بیت پر مگر وہ شخص جس نے ظلم کیا ہو اور ہم اللہ کو حاضر ناظر جان کر عہد کرتے ہیں کہ

خوبی اور پوری ذمہ داری کے ساتھ ان شرائط پر عمل کریں گے۔

(۲۷) اور یہ کہ یہود اپنے مصارف کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے مصارف کے (جو اس عہد نامے کی شرطوں کو پورا کرتے ہیں' کرنے پڑیں گے)

(۲۸) اور یہ کہ جو فریق اس معاہدہ میں شریک ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے ان کے مقابلہ میں جو ان معاہدہ کرنے والوں سے جنگ کریں گے۔

(۲۹) اور یہ کہ اس معاہدہ کے تمام فریق آپس میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے ایک دوسرے کو اچھی باتوں کی ہدایت کریں گے۔ نیک کردار رہیں گے جرم اور گناہ نہیں کریں گے۔

اور یہ کہ کوئی شخص اپنے حلیف کے ساتھ مجرمانہ فعل نہیں کریگا اور یہ کہ مظلوم مستحق مددگار ہوگا

(۳۰) اور یہ کہ جب تک کوئی جنگ ہوگی تو مسلمانوں کے ساتھ یہود بھی خرچہ جنگ برداشت کریں گے۔

(۳۱) اور یہ کہ وہ پورا علاقہ جو حدود یثرب میں ہے ان سب کے لئے واجب الاحترام (محفوظ علاقہ) ہوگا۔ جو اس عہد نامہ میں شریک ہیں۔

(۳۲) اور یہ کہ پڑوسی کو خود اپنی جان کی برابر سمجھا جائیگا نہ اس کو نقصان پہنچایا جائے گا نہ اس کے ساتھ کوئی مجرمانہ فعل کیا جائے گا۔

(۳۳) اور یہ کہ نہیں حفاظت اور پناہ میں لیا جائے گا کسی خاتون کو مگر اس کے اہل (ذمہ دار) کی اجازت سے۔

(۳۴) اور یہ کہ اس عہد نامہ کے فریقوں کے درمیان جو کوئی نئی بات پیش آئے یا کوئی نزاع ہو جس سے فساد کا خطرہ ہو تو اس میں اللہ اور محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف رجوع کیا جائے گا اور یہ کہ ہم سب اللہ کو حاضر ناظر جان کر عہد کرتے ہیں کہ جو کچھ اس عہد نامہ میں ہے اس کی پوری پابندی کریں اور اس کو نیکی اور بھلائی کے ساتھ پورا کرینگے۔

(۳۵) اور یہ کہ نہ قریش کو پناہ دی جائے گی نہ اس کو جو قریش کی مدد کرے۔

(۳۶) اور یہ کہ اس عہد نامہ کے تمام شریک ایک دوسرے کی مدد کریں گے اس کے

مقابلہ میں جو یثرب پر چڑھ آئے (حملہ کرے)

(۳۷) اور یہ کہ اس عہد نامہ کے جملہ فریق جب (مسلمانوں کی طرف سے) ان کو کسی کے ساتھ صلح کرنے کی دعوت دی جائے گی وہ صلح کریں گے اور صلح پر عمل کریں گے اور یہ کہ جب مسلمانوں کو اسی جیسی صلح کی دعوت دی جائے تو وہ بھی صلح کریں گے مسلمانوں پر یہ ان کا حق ہوگا مگر یہ کہ کسی سے دین کے بارے میں جنگ ہو رہی ہو۔ (مذہبی جنگ ہو)۔

(۳۸) اور یہ کہ ہر فریق پر اس حصہ کی ذمہ داری ہے جو اس کی جانب میں ہے۔

(۳۹) اور یہ کہ قبیلہ اوس کے یہود ان کے موالی (حلیف یا آزاد کردہ غلام) ان کو وہی حقوق ہوں گے جو اس عہد نامہ کے تمام فریقوں کو ہوں گے، پوری نیک کرداری اور مخلصانہ بھلائی کے ساتھ نیک کرداری ہی ہمارا اصل اصول پر ہوگا۔ مجرمانہ فعل (سے کوئی تعلق نہیں ہوگا) ہر ایک عمل کرنے والا اپنے عمل کا ذمہ دار ہوگا (اس کے فعل کو کسی دوسرے پر نہیں ڈالا جا سکے گا) اور اللہ تعالیٰ کو ہم حاضر و ناظر جان کر یہ عہد کرتے ہیں کہ جو کچھ اس دستاویز میں لکھا گیا ہے اس پر پوری سچائی سے اور نیک کرداری کے ساتھ عمل کریں گے۔

(۴۰) اور یہ کہ یہ تحریر کسی ظالم اور مجرم کے لئے آڑ نہیں بنے گی۔ جو مدینہ سے باہر ہو وہ بھی امن میں اور جو اندر رہے وہ بھی امن میں رہے گا۔ مگر یہ کہ وہ ظلم کرے یا مجرمانہ حرکت کرے، اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے محافظ ہیں۔ جو نیک کردار رہ کر پوری پابندی کے ساتھ اس پر عمل کرے۔ (سیرت مبارکہ)

صرمہ بن ابی انس رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا

قبل از اسلام توحید و عبادت سے وابستگی

صرمۃ بن ابی انس انصاری نجاری رضی اللہ عنہ ابتداء ہی سے توحید کے دلدادہ اور کفر و شرک سے متنفر اور بیزار تھے ایک مرتبہ دین مسیحی میں داخل ہونے کا ارادہ بھی کیا لیکن (غالباً نصاریٰ کے مشرکانہ عقائد کی بناء پر) ارادہ فسخ کر دیا۔

بڑے عابد و زاہد تھے۔ راہبانہ زندگی بسر کرتے تھے کبھی باریک کپڑا نہ پہنتے تھے ہمیشہ موٹے کپڑوں کا استعمال کرتے تھے۔

عبادت کیلئے ایک خاص کوٹھڑی بنا رکھی تھی جس میں حائضہ اور جنب کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی اور یہ کہا کرتے تھے "اعبد رب ابراہیم" ابراہیم علیہ السلام کے رب کی عبادت کرتا ہوں۔

اپنے زمانہ کے بڑے شاعر تھے۔ اشعار تمام تر حکیمانہ وعظ اور نصیحت سے بھرے ہوئے تھے۔

مسلمان ہوئے تو یہ اشعار کہے

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو صرمہ بہت معمر اور بوڑھے ہو چکے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف با اسلام ہوئے اور یہ اشعار کہے۔

ثوی فی قریش بضع عشرۃ حجۃ يذکر لو يلقى صديقا مواتيا

حضور نے مکہ مکرمہ میں دس سال سے زیادہ قیام کیا لوگوں کو وعظ نصیحت فرماتے تھے اور اس کے متمنی تھے کہ کوئی دوست اور مددگار مل جائے۔

ویعرض فی اھل المواسم نفسہ　　فلم یر من یودی ولم یر داعیا

اوراہل موسم پر اپنے نفس کو پیش فرماتے ہیں کہ مجھ کو اپنے یہاں لے جائے اور ٹھکانہ دے مگر کوئی ٹھکانہ دینے والا اور دعوت دینے والا نہ ملا۔

فلما اتانا اظھر اللہ دینہ　　فاصبح مسرور بطیبۃ راضیا

پس جب آپ ہمارے پاس تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کو غلبہ عطا کیا اور مدینہ سے مسرور اور راضی ہوئے۔

والقی صدیقا واطمانت بہ النوی　　وکان لہ عونا من اللہ بادیا

اور یہاں آ کر دوست بھی ملے اور فرقت وطن کے غم سے بھی اطمینان ہوا اور وہ دوست من جانب اللہ آپ کے لئے کھلا معین اور مددگار رہا۔

یقص لنا ماقال نوح لقومہ　　وماقال موسیٰ اذاجاب المنادیا

آپ ہمارے لیے وہ باتیں بیان کرتے ہیں کہ نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے بیان کیں۔

فاصبح لایخشی من الناس واحدا　　قریبا ولا یخشی من الناس نائیا

اور یہاں آ کر ایسے مطمئن ہوئے کہ کسی کا ڈر نہ رہا نہ قریب کا نہ بعید والے کا۔

بذلنا لہ الا موال من جل مالنا　　وانفسنا عندالوعی والتاسیا

ہم نے تمام مال آپ کے لئے نثار کر دیا اور لڑائی کے وقت اپنی جانیں آپ کے لئے قربان کر دیں۔

ونعلم ان اللہ لاشیء غبرہ　　ونعلم ان اللہ افضل ھادیا

اور ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا حقیقۃً کوئی شے موجود ہی نہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ ہی سب سے بہتر ہدایت کرنے والا ہے اور توفیق دینے والا ہے۔

نعادی الذی عادیٰ من الناس کلھم　　جمیعاو ان کا ن الحبیب مصافیا

ہم ہر اس شخص کے دشمن ہیں کہ جو آپ کا دشمن ہو اگرچہ وہ ہمارا کتنا ہی محب مخلص کیوں نہ ہو۔

۱ھ کے سرایا

سریہ حمزہ رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ہجرت کے سات مہینے بعد رمضان المبارک ۱ھ میں یا ربیع الاول ۲ھ میں علی اختلاف الاقوال تیس مہاجرین کی جمعیت کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں سیف البحر کی طرف روانہ فرمایا۔ تا کہ قریش کے تین سو سواروں کا قافلہ جو ابو جہل کی سرکردگی میں شام سے مکہ واپس آ رہا ہے اس کا تعاقب کریں ہجرت کے بعد یہ پہلا سریہ تھا اس جمعیت میں مہاجرین کے سوا انصار میں سے کوئی نہ تھا۔ جب حضرت حمزہ سیف البحر پر پہنچتے اور فریقین کا آمنا سامنا ہو گیا اور جنگ کے لئے صفیں قائم ہو گئیں۔ جب تو مجدی بن عمرو جہنی نے درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کرا دیا ابو جہل قافلہ لے کر مکہ چلا گیا اور حضرت حمزہ مدینہ واپس آ گئے۔

سریہ عبیدۃ بن حارث رضی اللہ عنہ

پھر ہجرت کے آٹھ مہینہ بعد ماہ شوال ۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین رضی اللہ عنہم کے ساٹھ یا اسی سواروں پر عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر رابغ کی طرف روانہ فرمایا۔ اس سریہ میں کوئی انصاری نہ تھا۔

وہاں پہنچ کر قریش کے دو سو سواروں کی جمعیت سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ مگر لڑائی کی نوبت

نہیں آئی۔ صرف سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک تیر چلایا۔ یہ پہلا تیر تھا جو اسلام میں چلایا گیا۔ ابوسفیان بن حرب یا عکرمۃ بن ابی جہل یا مکرز بن حفص علی اختلاف الاقوال اس جماعت کے افسر تھے۔ مقداد بن عمرو اور عتبہ بن غزوان جو پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے مگر قریش کے پنجہ میں ہونے کی وجہ سے ہجرت سے مجبور تھے۔ قریش کے قافلہ کے ساتھ ہو لئے تا کہ جب موقع پڑے تو مسلمانوں میں جا ملیں۔

چنانچہ اس موقع پر جب مسلمانوں اور قریش کا مقابلہ ہوا تو یہ دونوں حضرات کفار کے گروہ سے نکل کر مسلمانوں میں آ ملے۔

حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ کی روانگی چونکہ نہایت قریب قریب ہے اس لئے علماء کا اختلاف ہے بعض حضرت حمزہ کی روانگی کو مقدم بتاتے ہیں اور بعض حضرت عبیدہ کی روانگی کو مقدم کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں بعث معاً واقع ہوئے اس لئے اشتباہ ہو گیا کسی نے سریہ حمزہ کو مقدم بتلایا اور کسی نے سریہ عبیدہ کو پہلے بتلایا اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ صحیح ہے۔

سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

پھر ماہ ذی قعدہ ۱ھ میں بیس مہاجرین کی پا پیادہ جمعیت کو سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں خرار کی طرف روانہ فرمایا۔

خرار جحفہ کے قریب ایک وادی ہے۔ غدیر خم بھی اسی کے قریب میں واقع ہے۔

یہ لوگ دن کو چھپ جاتے اور رات کو چلتے۔ خرار پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش کا قافلہ نکل چکا ہے۔ یہ لوگ مدینہ واپس آ گئے۔

حصہ اوّل ختم ہوا

لب پر درود

لب پر درود ، دِل میں خیالِ رسولؐ ہے
اب مَیں ہُوں اور کیفِ وصالِ رسولؐ ہے

دائم بہارِ گُلشنِ آلِ رسولؐ ہے
سینچا گیا لہُو سے نہالِ رسولؐ ہے

حُسنِ حسنؓ کو دیکھ ، حُسینؓ حسیں کو دیکھ
دونوں میں جلوہ ریز جمالِ رسولؐ ہے

بُوبکرؓ ہوں ، عُمرؓ ہوں ، وہ عُثماںؓ ہوں یا علیؓ
چاروں سے آشکار کمالِ رسولؐ ہے

اِسلام نے غُلام کو بخشی ہیں عظمتیں
سردارِ مومنین ، بلالِؓ رسولؐ ہے

ہاں نقشِ پائے خَتمِ رُسُل میرا تخت ہے
اور سَر کا تاج خاکِ نعالِ رسولؐ ہے

جامِ جمؔ اُس کے سامنے کیا چیز ہے نفیسؔ
جس کو نصیب جامِ سفالِ رسولؐ ہے

(شوال المکرم ۱۴۱۷ھ / ۱۹۹۷ء)

جدید سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم



مقدمہ

فقیہ العصر حضرۃ مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ

سیرت نگار شخصیات

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ

حکیم الامت حضرۃ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرۃ مولانا سید میاں اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ

حضرت مولانا حبیب الرحمن رحمہ اللہ

حضرۃ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ

مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ

حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ

فقیہ العصر حضرۃ مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان Mob: 0322-6180738

www.ahlehaq.org

جدید سیرت النبی ﷺ

حصہ دوم

بلغ العلیٰ بکمالہ
خصال خاتمیت سے وہی سب سے حسیں بڑھ کر

کشف الدجیٰ بجمالہ
ذات خاتمیت پر درود اور آل اطہر پر

حسنت جمیع خصالہ
کمال خاتمیت سے گئے عرش معلیٰ پر

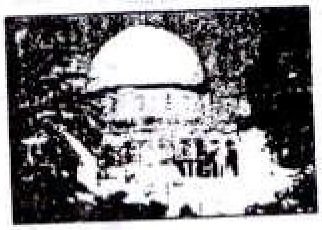
صلوا علیہ وآلہ
جمال خاتمیت سے اجالے ہو گئے یکسر

باب ۱

غزوات و واقعات ۲ھ کے

تحویلِ قبلہ - غزوۂ بدر - عصماء یہودیہ کا قتل وغیرہ

ہجرت کے دوسرے سال ۲ھ میں غزوۂ بدر سے پہلے کے واقعات



تحویل قبلہ

جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے۔ اس وقت تک بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے مگر اس طرح کہ بیت اللہ بھی سامنے رہے جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ صورت نہ ہو سکی کہ دونوں قبلوں کو جمع فرما سکیں۔ اس لیے بحکم الٰہی سولہ یا سترہ مہینہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔

تحویل قبلہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہی آپ کے دل میں کعبۃ اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا شوق اور داعیہ پیدا فرما دیا۔ چنانچہ آپ بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا اٹھا کر دیکھتے تھے کہ کب کعبۃ اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم نازل ہو۔



چنانچہ نصف ماہ شعبان ۲ھ ہجری میں یہ حکم نازل ہوا۔

فول وجھک شطر المسجد الحرام

پس آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں۔

صُفّہ اور اہلِ صُفّہ

صفّہ کیا تھا؟

تبدیلی قبلہ کے بعد نماز جنوب کی جانب رخ کر کے پڑھی جانے لگی تو مسجد نبوی کی اس طرف کی دیوار میں جو دروازہ تھا وہ بند کر دیا گیا اور پہلی دیوار قبلہ (شمالی دیوار) میں دروازہ کھول دیا گیا۔ اس سے متصل چبوترہ بنا دیا گیا اور اس پر سائبان ڈال دیا گیا۔ اسی کو صفّہ کہا جاتا تھا۔ نادار مسلمان جن کے اہل وعیال نہیں ہوتے تھے ان کا مسکن یہی ہوتا تھا۔ توکل ان کا سرمایہ ہوتا تھا۔ سوال کرنا ممنوع، تعلیم، روحانی تربیت اور رضا کارانہ خدمات ان کے فرائض اور مشاغل ہوتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر اصحاب صفّہ کو دیکھا کہ ان کے پاس چادر تک نہ تھی فقط تہہ بند تھا یا صرف کمبل جس کو اپنی گردنوں میں باندھ لیتے تھے۔ کمبل بھی اس قدر چھوٹا کہ کسی کی آدھی پنڈلیوں تک پہنچتا تھا کسی کے ٹخنوں تک نماز میں ستر کھلنے کا خطرہ رہتا تو ہاتھ سے تھامے رکھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانے کی چیز صدقہ میں آتی تو ان کو دے دیتے۔ خود تناول نہیں فرماتے تھے کیونکہ صدقہ آپ کے لئے حرام تھا۔ جو چیز بطور ہدیہ آتی تو ان کو بلا لیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔

اصحاب صفّہ کون تھے؟

صفہ اصل میں سائبان اور سایہ دار جگہ کو کہتے ہیں۔ وہ ضعفاء مسلمین اور فقراء شاکرین جو اپنے فقر پر فقط صابر ہی نہ تھے بلکہ امراء اور اغنیاء سے زیادہ شاکر اور مسرور تھے۔ جب احادیث قدسیہ اور کلمات نبویہ سننے کی غرض سے بارگاہ نبوت ورسالت میں حاضر ہوتے تو یہاں ہی پڑے رہتے تھے۔ لوگ ان حضرات کو اصحاب صفّہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ گویا یہ اس بشیر

ونذیر اور نبی فقیر کی خانقاہ تھی جس نے بہ ہزار رضاء ورغبت فقر کو دنیا کی سلطنت پر ترجیح دی۔

اور اصحاب صفہ ارباب توکل اور اصحاب تبتل کی ایک جماعت تھی جو لیل ونہار تزکیہ نفس اور کتاب وحکمت کی تعلیم پانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر رہتی تھی نہ ان کو تجارت سے کوئی مطلب تھا اور نہ زراعت سے کوئی سروکار تھا۔

یہ حضرات اپنی آنکھوں کو آپ کے دیدار پر انوار کے لیے اور کانوں کو آپ کے کلمات قدسیہ کے سننے کے لیے اور جسم کو آپ کی صحبت اور معیت کے لیے وقف کر چکے تھے۔

یہ حضرات فاقہ سے نہیں گھبراتے تھے۔ کیونکہ خود اپنے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھتے کہ کئی کئی وقت گزر جاتے اور فاقہ نہیں ٹوٹتا۔ بھوک سے کبھی اتنا ضعف ہو جاتا کہ نماز کی حالت میں گر پڑتے۔ لوگوں کو خیال ہوتا کہ دورہ پڑ گیا ہے۔ حالانکہ دورہ فاقہ کا ہوتا تھا۔

کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو انصار پر تقسیم فرما دیتے کہ اپنے مقدور کے بموجب ہر شخص ایک ایک دو دو کو لے جائے اور ان کو کھانا کھلائے۔

مسجد مبارک کے دوستونوں میں ایک رسی بندھی رہتی تھی۔ کھجوروں کے موسم میں حضرات انصار کھجوروں کے خوشے اپنے باغات سے لا کر لٹکا دیتے تھے جو کھجور پک جاتا اس کو لکڑی سے جھاڑ کر کھا لیا کرتے تھے۔ ان بہادر وجاں باز فقراء اور درویشان باوقار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشارت دیا کرتے تھے۔

لو تعلمون مالكم عند الله لا حببتم ان تزدادو افقراً وحاجة.

اگر تم جان جاؤ کہ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارے لئے کیا تیار ہے تو تم آرزو کرو کہ ہمارا یہ فقر وفاقہ اور بڑھ جائے۔ ان حضرات کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔

بعض اصحابِ صُفّہ رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی

عوارف میں لکھا ہے کہ اصحابِ صفہ کی تعداد چار سو تک بھی پہنچی ہے۔ جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱- ابوعبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ
۲- عمار بن یاسر ابوالیقظان رضی اللہ عنہ
۳- عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
۴- مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ
۵- خباب ابن ارت رضی اللہ عنہ
۶- بلال بن رباح رضی اللہ عنہ
۷- صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ
۸- زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ
یعنی حضرت عمر بن الخطاب کے بھائی
۹- ابومرثد کناز بن حصین عدوی رضی اللہ عنہ
۱۰- ابوکبشہ مولی رسول اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہ
۱۱- صفوان بن بیضا رضی اللہ عنہ
۱۲- ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہ
۱۳- سالم مولی ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ
۱۴- مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ
۱۵- عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ
۱۶- مسعود بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
۱۷- سالم عمیر بن عوف رضی اللہ عنہ
۱۸- عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ
۱۹- ابولبابہ رضی اللہ عنہ
۲۰- سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ
۲۱- ابوبشر کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ
۲۲- خبیب بن سیاف رضی اللہ عنہ
۲۳- عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ
۲۴- جندب بن جنادہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
۲۵- عتبہ بن مسعود ہذلی رضی اللہ عنہ
۲۶- عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
نکاح سے پہلے ابن عمر اہلِ صفہ کیساتھ رہتے تھے اور انہی کیساتھ مسجد میں شب گزارتے تھے۔
۲۷- سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
۲۸- حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

۲۹-ابوالدرداءعویمر بن عامر رضی اللہ عنہ ۳۰-عبداللہ بن زید جہنی رضی اللہ عنہ
۳۱-حجاج بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ ۳۲-ابوہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ
۳۳-ثوبان مولیٰ رسول اللہ ۳۴-معاذ بن الحارث رضی اللہ عنہ
۳۵-سائب بن خلاّد رضی اللہ عنہ ۳۶-ثابت ودیعہ رضی اللہ عنہ

اصحاب صفّہ کا مقام ومرتبہ

عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کے چیدہ اور پسندیدہ اور رفیع المرتبت افراد وہ ہیں کہ جن کے متعلق مجھ کو ملاء اعلیٰ (ملائکہ مقربین) نے یہ خبر دی ہے کہ وہ لوگ ظاہر میں خدائے عزوجل کی رحمت واسعہ کا خیال کر کے ہنستے ہیں اور دل ہی دل میں خداوند الجلال کے عذاب وعقاب کی شدت کے خوف سے روتے رہتے ہیں۔صبح وشام خدا کے پاکیزہ اور پاک گھروں یعنی مسجدوں میں خدا کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

زبانوں سے خدا کو رغبت اور رہبت (امید اور خوف) کے ساتھ پکارتے رہتے ہیں اور دلوں سے اس کی لقاء کے مشتاق ہیں۔لوگوں پر ان کا بار نہایت ہلکا اور خود ان کے نفوس پر وہ نہایت بھاری اور گراں۔زمین پر پاپیادہ نہایت آہستگی اور سکون کے ساتھ چلتے ہیں اکڑتے اور اتراتے ہوئے نہیں چلتے چیونٹی کی چال چلتے ہیں یعنی ان کی رفتار سے تواضع اور مسکنت ٹپکتی ہوئی ہوتی ہے۔

قرآن کی تلاوت کرتے ہیں پرانے اور بوسیدہ کپڑے پہنتے ہیں۔ہروقت خداوند ذوالجلال کے زیرنگاہ رہتے ہیں۔خدا کی آنکھ ہروقت ان کی حفاظت کرتی ہے روحیں ان کی دنیا میں ہیں اور دل ان کے آخرت میں۔آخرت کے سوا ان کو کہیں کا فکر نہیں ہروقت آخرت اور قبر کی تیاری میں ہیں۔

بعدازاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ذلک لمن خاف مقامی وخاف وعید.

یہ (وعدہ) اس شخص کے لیے جو میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اور میری دھمکی سے ڈرے۔

ایک عجیب واقعہ

مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ کہا کرتے تھے کہ قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے سوا کوئی خدا نہیں کہ میں بسا اوقات بھوک کی وجہ سے اپنا شکم سینہ زمین پر لگا دیتا (تا کہ زمین کی نمی اور برودت سے بھوک کی حرارت میں کچھ خفت آ جائے) اور بسا اوقات پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا تا کہ سیدھا کھڑا ہوسکوں۔

ایک روز سر راہ جا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ابو بکر صدیق ؓ ادھر سے گزرے۔ میں نے ان سے ایک آیت قرآنی کا مطلب دریافت کیا اور غرض یہ تھی کہ وہ میری صورت اور ہیئت کو دیکھ کر کھانا کھانے کے لیے اپنے ہمراہ لے جائیں لیکن ابو بکرؓ چلے گئے (غرض کو سمجھے نہیں)۔

اسی طرح پھر حضرت عمرؓ گزرے ان سے بھی اسی طرح آیت قرآنی کا مطلب دریافت کیا مگر وہ بھی گزرے چلے گئے۔

کچھ دیر بعد ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم (جن کو خداوند ذوالجلال نے خیرات و برکات کا قاسم (تقسیم کرنے والا ہی بنا کر بھیجا تھا) ادھر سے گزرے دیکھتے ہی پہچان گئے اور مسکرائے اور فرمایا اے ابو ہر (یعنی اے ابو ہریرہؓ)۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں آپ نے فرمایا میرے ساتھ چلے آؤ۔ میں آپ کے ساتھ ہولیا۔ آپ گھر پہنچے۔ دیکھا تو ایک پیالہ دودھ رکھا ہے۔

دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا۔ گھر والوں نے کہا فلاں نے آپ کو یہ ہدیہ بھیجا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اے ابو ہریرہؓ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب صفہ اسلام کے مہمان تھے نہ ان کا گھرانہ اور نہ ان کے پاس کچھ مال تھا غرض یہ کہ ان کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ آپ کے پاس جب کہیں سے صدقہ آتا تو اصحاب صفہ کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں سے کچھ نہ لیتے (اس لئے کہ صدقہ آپ پر حرام تھا) اور اگر ہدیہ آتا تو خود بھی اس میں سے کچھ تناول فرماتے اور اصحاب صفہ کو بھی اس میں شریک کرتے اس وقت آپ کا یہ حکم دینا کہ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔ میرے نفس کو کچھ شاق گزرا اور اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک پیالہ دودھ کا اصحاب صفہ کے لیے کافی ہوگا۔ اس دودھ کا تو سب

سے زیادہ حقدار میں تھا کہ کچھ پی کر طاقت اور توانائی حاصل کرتا پھر یہ کہ اصحاب صفہ کے آنے کے بعد مجھ ہی کو اس کی تقسیم کا حکم دیں گے اور تقسیم کے بعد یہ امید نہیں کہ میرے لیے اس میں سے کچھ بچ جائے۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے چارہ نہ تھا۔

چنانچہ اصحاب صفہ کو بلا کر لایا اور آپ کے حکم سے ایک ایک کو بلانا شروع کیا۔ سب سیراب ہو گئے تو میری طرف دیکھ کر آپ مسکرائے اور فرمایا کہ صرف میں اور تو باقی رہ گئے۔ میں نے عرض کیا بالکل درست ہے۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور پینا شروع کرو۔ میں نے پینا شروع کیا اور آپ برابر یہ فرماتے رہے اور پیو اور پیو یہاں تک کہ میں بول اٹھا۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ اب بالکل گنجائش نہیں۔ آپ نے پیالہ میرے ہاتھ سے لے لیا اور اللہ کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھ کر جو باقی تھا اس کو پی لیا۔

کھانے پینے کا انتظام

محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ جب شام ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ کو لوگوں پر تقسیم فرما دیتے کوئی دو کو لے جاتا اور کوئی تین کو اور علیٰ ہذا اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اسّی اسّی آدمی اپنے ہمراہ لے جاتے اور ان کو کھانا کھلاتے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی اہل صفہ میں تھا۔ جب شام ہوتی تو ہم سب آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ آپ ایک ایک دو دو کو اغنیاء صحابہ کے سپرد فرما دیتے اور جو باقی رہ جاتے ان کو اپنے ساتھ شریک طعام فرماتے۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہم لوگ شب کو مسجد میں سو جاتے۔

مسجد نبوی کے دو ستونوں میں ایک رسّی بندھی رہتی تھی جس پر انصار اپنے باغات سے خوشے لا لا کر اصحابِ صفہ کے لیے لٹکا دیتے تھے۔ اصحابِ صفہ ان کو لکڑیوں سے جھاڑ کر کھاتے۔ معاذ بن جبل ان کے منتظم اور نگران تھے۔

روزوں کی فرضیّت

صدقۃ الفطر وعیدین کی مشروعیّت اور زکوٰۃ

شعبان ۲ھ میں روزے فرض ہوئے

اسی سال شعبان کے اخیر عشرۃ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے اور یہ آیت نازل ہوئی۔

شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن ھدی للناس وبینت من الھدی والفرقان ط فمن شھد منکم الشھر فلیصمه. البقرہ آیۃ

ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو صوم عاشورا یعنی دسویں محرم کے روزے رکھنے کا حکم دیا جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ اب صوم عاشوراء کے متعلق اختیار ہے چاہے روزہ رکھے اور چاہے افطار کرے۔ (بخاری شریف)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن ایک شخص کو یہ حکم دیا کہ لوگوں میں منادی کرائے کہ جس شخص نے نہ کھایا ہو وہ روزہ رکھ لے اور جس نے کھالیا وہ بھی شام تک روزہ داروں کی طرح نہ کھائے۔

صدقۃ الفطر اور عید الفطر کا حکم

ماہ رمضان کے ختم ہونے میں دو دن باقی تھے کہ صدقۃ الفطر اور صلوٰۃ العید کا حکم نازل ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

قد افلح من تزکی وذکر اسم ربه فصلیٰ. (الاعلیٰ ۱۴)

تحقیق فلاح پائی اس شخص نے کہ جو باطنی نجاستوں اور کدورتوں سے پاک ہوا اور اللہ کا نام لیا اور عید کی نماز پڑھی۔

عمر بن عبد العزیز اور ابو العالیہ اس آیت کی اس طرح تفسیر فرماتے تھے۔فلاح پائی اس شخص نے جس نے زکوٰۃ فطر ادا کی اور عید کی نماز ادا کی۔

قربانی اور عید الاضحیٰ کا حکم

اور اسی سال بقرعید کی نماز اور قربانی کا حکم ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

فصل لربک وانحر.

اللہ کے لیے عید کی نماز ادا کیجیے اور قربانی کیجیے۔

حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں صلوٰۃ الاضحیٰ (بقرعید کی نماز) اور قربانی مراد ہے۔

درود شریف پڑھنے کا حکم

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم بھی ۶ھ میں نازل ہوا اور بعض کہتے ہیں شب معراج میں یہ حکم ہوا۔

زکوٰۃ المال

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مال کی سالانہ زکوٰۃ کب فرض ہوئی۔جمہور کا قول یہ ہے کہ بعد ہجرت کے فرض ہوئی۔بعض کہتے ہیں کہ ۱ھ میں اور بعض کہتے ہیں کہ ۲ھ میں صوم رمضان کی فرضیت کے بعد ہوئی۔

مسند احمد اور صحیح ابن خزیمہ اور نسائی اور ابن ماجہ میں قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے باسناد صحیح مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پیشتر ہم کو صدقۃ الفطر دینے کا حکم فرمایا۔امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ مال ہجرت سے پہلے فرض ہوئی جیسا کہ ہجرت حبشہ کے واقعہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ جب نجاشی نے حضرت جعفرؓ سے دریافت کیا کہ تمہارے نبی تم کو کس چیز کا حکم کرتے ہیں تو حضرت جعفرؓ نے یہ جواب دیا۔

انہ یامرنا بالصلوٰۃ والزکوٰۃ والصیام. (فتح الباری ص ۲۱۱ ج ۳)

تحقیق وہ نبی ہم کو نماز اور زکوٰۃ اور روزہ کا حکم دیتا ہے۔

غزوۂ ابواء

پہلا اور آخری غزوہ

یہ پہلا غزوہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس تشریف لے گئے اور غزوۂ تبوک آخری غزوہ ہے۔

مقاصد ونتائج

شروع صفر ۲ھ میں ساٹھ مہاجرین کو جن میں کوئی انصاری نہ تھا اپنے ہمراہ لے کر قافلہ قریش اور بنو ضمرہ پر حملہ کرنے کے لئے ابواء کی طرف روانہ ہوئے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اس غزوہ میں جھنڈا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھا۔

جب آپ ابواء پہنچے تو قریش کا قافلہ نکل چکا تھا بنی ضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو سے صلح کر کے واپس ہوئے شرائط صلح یہ تھیں کہ بنو ضمرہ نہ مسلمانوں سے جنگ کریں گے اور نہ مسلمانوں کے کسی دشمن کی مدد کریں گے اور نہ مسلمانوں کو کبھی دھوکہ دیں گے اور عندالضرورت مسلمانوں کی اعانت اور امداد کرنی ہوگی۔

اس میں قتال نہیں ہوا

اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ روز کے بعد بلا قتال مدینہ منورہ واپس ہو گئے اس سفر میں نوبت قتال کی نہیں آئی۔

غزوہ کا مقام

اس غزوہ کو غزوہ ودان بھی کہتے ہیں۔ ابواء اور ودان دو مقام ہیں جو قریب قریب ہیں جن میں صرف چھ میل کا فاصلہ ہے۔

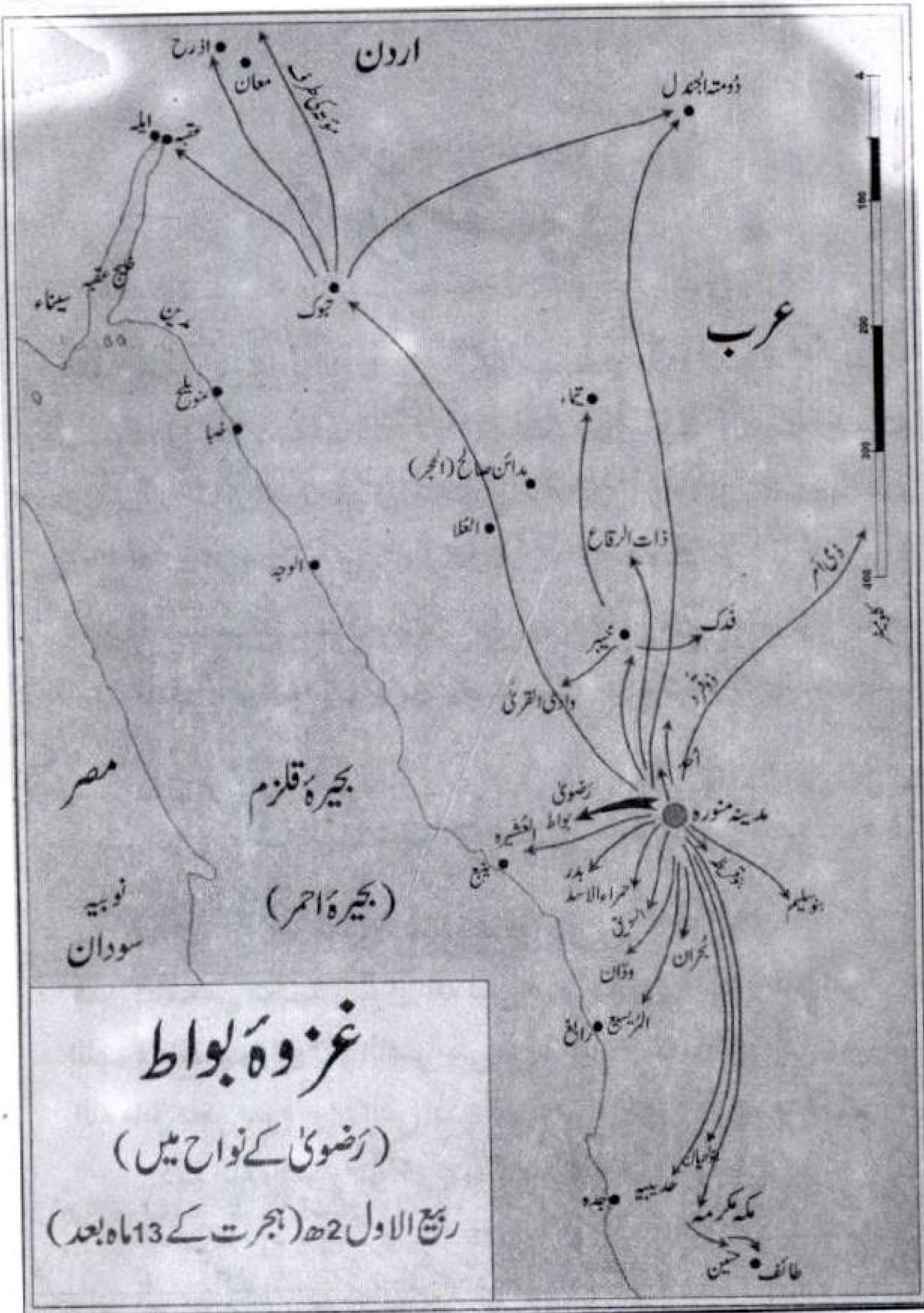
غزوۂ بواط

مقاصد

پھر آپ کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہوا کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ مکہ جارہا ہے اس لئے آپ ماہ ربیع الاوّل ۲ ھ یا ربیع الثانی میں دوسو (۲۰۰) کو لے کر قریش کے اس قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے بواط کی طرف روانہ ہوئے اور سائب بن عثمان بن مظعون کو جو سابقین اوّلین اور مہاجرین حبشہ میں سے ہیں۔ مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا۔

نتائج

قریش کے اس قافلہ میں ڈھائی ہزار اونٹ تھے اور امیۃ بن خلف اور سو (۱۰۰) آدمی قریش کے تھے بواط پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ نکل چکا ہے اس لئے بلا جدال وقتال مدینہ منورہ واپس آ گئے۔



اللّٰھم صل علی محمد
وعلی آل محمد

حضور اکرم ﷺ نے صحابہؓ سے ایک مرتبہ فرمایا تم نامکمل درود شریف نہ پڑھا کرو پھر صحابہ کرامؓ کے دریافت کرنے پر آپ نے مذکورہ درود شریف تعلیم فرمایا۔ (ذریعۃ الوصول)

غزوۂ عشیرہ

مقاصد: اثناء جمادی الاولیٰ ۲ ھ میں آپ نے دوسو (۲۰۰) مہاجرین کو لے کر قریش کے قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے عشیرہ کی طرف خروج فرمایا۔ جو ینبع کے قریب ہے اور مدینہ میں ابوسلمۃ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور سواری کے لئے تیس (۳۰) اونٹ ہمراہ لئے۔ جس پر صحابہ باری باری سوار ہوتے تھے۔

نتائج: آپ کے پہنچنے سے کئی روز پیشتر قافلہ نکل چکا تھا آپ بقیہ ماہ جمادی الاولیٰ اور چند راتیں جمادی الثانیہ تک وہیں قیام پذیر رہے اور بنی مدلج سے معاہدہ کر کے بلا جنگ کئے ہوئے مدینہ واپس ہوئے۔

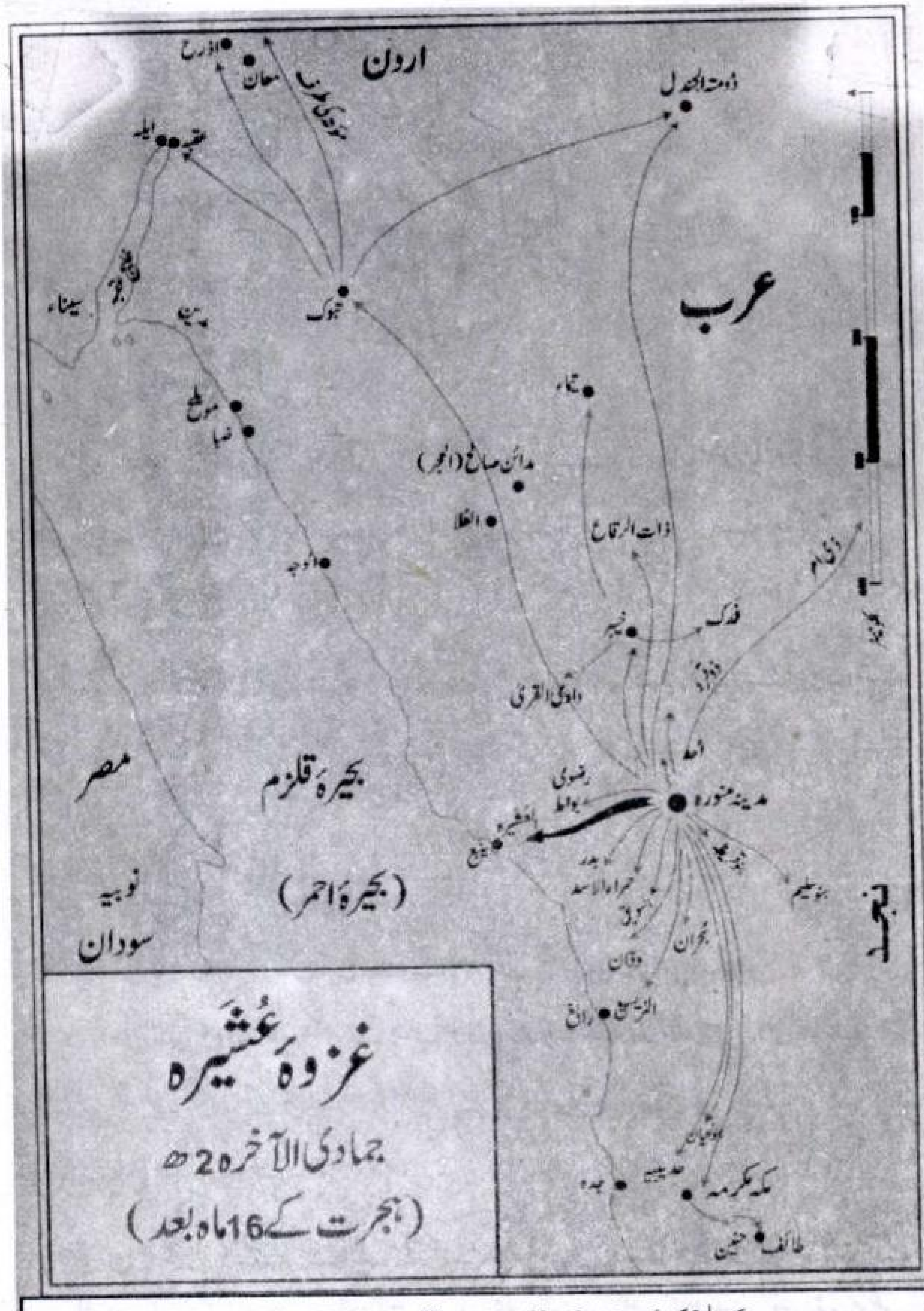
بنی مدلج سے معاہدہ کی دستاویز

معاہدہ کے الفاظ یہ تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هذا كتاب من محمد رسول الله لبني ضمره بانهم آمنون علىٰ امو اللهم و انفسهم وان لهم النصر على من دامهم ان لا يحاربو افي دين الله مابل بحر صوفة وان النبي اذدعاهم لنصره اجابوه. عليهم بذلك ذمة الله وذمة رسوله ولهم النصر علىٰ من برّ واتقى.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ ایک تحریر ہے محمد رسول اللہ کی طرف سے نبوضمرہ کے لئے کہ ان کے جان و مال سب محفوظ رہیں گے اور جو شخص نبوضمرہ سے جنگ کا ارادہ کرے گا تو اس کے مقابلہ نبوضمرہ کی مدد کی جائے گی۔ بشرطیکہ بنو ضمرہ اللہ کے دین میں کوئی مزاحمت نہ کریں جب تک دریا صوف کو تر کرے یعنی یہ شرط ہمیشہ کے لئے ہے نبی کریم جب ان کو مدد کے لئے بلائیں تو حاضر ہوں گے۔ یہ ان پر اللہ اور اس کے رسول کا عہد ہے اور جو شخص ان میں نیک اور پرہیزگار رہے گا اس کی مدد کی جائے گی۔



اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی رُوْحِ مُحَمَّدٍ
فِی الْاَرْوَاحِ وَصَلِّ عَلٰی جَسَدِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْسَادِ
وَصَلِّ عَلٰی قَبْرِ مُحَمَّدٍ فِی الْقُبُوْرِ

جو شخص یہ درود شریف پڑھے گا اُس کو خواب میں حضور کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت ہوگی۔ (ذریعۃ الوصول)

غزوۂ بدرِ اُولیٰ

کرز بن جابر کا حملہ

غزوۂ عشیرہ سے واپسی کے بعد تقریباً دس (۱۰) روز آپ نے مدینہ قیام فرمایا ہوگا کہ کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر شب خون مارا اور لوگوں کے اونٹ اور بکریاں لے بھاگا۔

کرز کا تعاقب

آپ یہ خبر سنتے ہی اس کے تعاقب میں مقام سفوان تک گئے جو بدر کے قریب ایک موضع ہے مگر آپ کے اس مقام پر پہنچنے سے پہلے ہی کرز یہاں سے نکل چکا تھا۔اس لئے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔

کرز بن جابر کا مسلمان ہونا

کرز بن جابر روساء قریش میں سے تھے بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عرنیین کے تعاقب میں بیس سواروں کا ایک دستہ روانہ فرمایا تو کرز بن جابر رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر بنایا۔فتح مکہ میں شہید ہوئے۔

غزوۂ کا نام ومقام

سفوان چونکہ بدر کے قریب ایک موضع ہے اور آپ اس کے تعاقب میں بدر تک گئے اس لئے اس غزوۂ کو غزوۂ بدر اولیٰ کہتے ہیں اور غزوۂ سفوان بھی کہتے ہیں۔اس غزوۂ میں جاتے وقت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا گئے۔

سریۂ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

سریہ کے اراکین

غزوۂ سفوان سے واپسی کے بعد ماہ رجب ۲ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو مقام نخلہ کی طرف روانہ فرمایا اور گیارہ مہاجرین کو آپ کے ہمراہ کیا جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱- ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ
۲- عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ
۳- عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ
۴- سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
۵- عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
۶- واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
۷- خالد بن بکیر رضی اللہ عنہ
۸- سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ
۹- عامر بن ایاس رضی اللہ عنہ
۱۰- مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۱- صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ

اسلام میں سب سے پہلے امیر

یہ گیارہ مہاجرین آپ کے ہمراہ تھے اور بارھویں خود امیر سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ تھے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک سریہ میں بھیجنے کا ارادہ کیا اور یہ فرمایا کہ تم پر ایسے مرد کو امیر بناؤں گا کہ جو تم میں سب سے زیادہ بھوک اور پیاس پر صابر ہوگا۔ بعد ازاں عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر

پہلا لیا اسلام میں پہلے امیر تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ

معجم طبرانی میں باسناد حسن، جندب بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عبداللہ بن جحش کو روانہ فرمایا تو ایک خط لکھ کر دیا اور یہ حکم کیا کہ جب تک دو دن کا راستہ نہ قطع کر لو اس وقت تک اس خط کو کھول کر نہ دیکھنا دو روز کا راستہ طے کرنے کے بعد اس خط کو دیکھنا جو اس میں لکھا ہو اس پر عمل کرنا اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو مجبور نہ کرنا۔

چنانچہ دو روز کا راستہ طے کرنے کے عبداللہ بن جحش نے آپ کا والا نامہ کھول کر دیکھا تو اس میں یہ تحریر تھا کہ تم برابر چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے مابین مقام نخلہ میں جا کر اترو اور قریش کا انتظار کرو اور ان کی خبروں سے مطلع کرتے رہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل

عبداللہ بن جحش نے اس تحریر کو پڑھ کر یہ کہا سمعا و طاعةً میں نے آپ کے حکم کو سنا اور اطاعت کی اور تمام ساتھیوں کو اس مضمون سے آگاہ کیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ میں تم میں سے کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ جس کو شہادت عزیز ہو وہ میرے ساتھ چلے۔ چنانچہ سب نے طیب خاطر سے آپ کی مرافقت کو منظور کیا اور آپ کی ساتھ ہوئے۔

راستہ میں سعد اور عتبہؓ کا اونٹ راستہ میں بیٹھ کر کہیں چلا گیا اس لئے یہ دونوں حضرات اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے اور گم ہو گئے اور بقیہ حضرات نے مقام نخلہ پہنچ کر قیام کیا۔

قریش کے تجارتی قافلہ پر حملہ

قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام سے کہ واپس آ رہا تھا اس دن رجب الحرام کی آخری تاریخ تھی (اس مہینہ میں قتل و قتال حرام تھا) غرہ شعبان کے اشتباہ میں اس قافلہ پر حملہ کر دیا۔

واقد بن عبداللہ نے قافلہ کے سرکردہ عمرو بن الحضرمی کے ایک تیر مارا جس سے وہ مر گیا۔ اس کے مرتے ہی قافلے والے سرسیمہ اور پریشان ہو کر بھاگ اٹھے اور مسلمانوں نے قافلے کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا۔

غنیمت وغیرہ کی تقسیم میں توقف

اس وقت تک تقسیم غنائم کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے محض اپنے اجتہاد سے چار خمس غانمین پر تقسیم کر دیئے اور ایک خمس (پانچواں حصہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رکھ چھوڑا جب مدینہ پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی آپ نے فرمایا میں نے تم کو شہر حرام میں قتال کا حکم نہیں دیا تھا۔ خیر جب تک کوئی وحی نازل نہ ہو اس وقت تک مال غنیمت اور قیدیوں کو حفاظت سے رکھو۔

حکم الٰہی کا نزول

اس پر عبداللہ بن جحش اور ان کے رفقاء بہت نادم اور پشیمان ہوئے ادھر مشرکین اور یہود نے یہ کہنا شروع کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب نے شہر حرام میں قتل وقتال کو حلال کر لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير وصد عن سبيل الله وكفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اكبر عندالله. والفتنة اكبر من القتل ولا يزالون يقاتلونكم حتى يردوكم عن دينكم ان استطاعوا.

آپ سے ماہِ حرام میں قتال کرنے کی بابت دریافت کرتے ہیں۔ آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ بے شک ماہ حرام میں قصداً قتال کرنا بڑا گناہ ہے لیکن خدا کے راستے سے کسی کو روکنا اور خدا کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اہل حرم کو حرم سے نکالنا اللہ کے نزدیک یہ جرم سب جرموں سے زیادہ سخت اور بڑا ہے اور کفر اور شرک کا فتنہ اس قتل سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے اور یہ کافر ہمیشہ تم سے جنگ کرتے رہیں گے تا کہ تم کو تمہارے دین سے ہٹا دیں گے اگر ان میں طاقت ہو۔

خلاصہ یہ کہ کسی اشتباہ اور التباس کی بنا پر نادانستہ طور پر شہر حرام میں قتل وقتال کا واقع ہو جانا کوئی بڑی چیز نہیں البتہ کفر وشرک کا فتنہ اور مسلمانوں کو مسجد حرام سے دیدہ ودانستہ روکنا ایک عظیم فتنہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں۔

تقسیم غنیمت

اس آیت شریفہ کے نازل ہونے کے بعد آپ نے خمس قبول فرمالیا اور باقی مالِ غنیمت کومجاہدین پر تقسیم کردیا عبداللہ بن جحش اوران کے رفقاء اس آیت کوسن کرخوش ہو گئے۔

مجاہدین کا اجروثواب

اب اس کے بعد عبداللہ بن جحش اوران کے رفقاء کواجراور ثواب کی طمع دستگیر ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم اس غزوہ پر کچھ اجر کی بھی امید رکھ سکتے ہیں۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ان الذین امنو اوالذین هاجرو اوجاهدوا فی سبیل الله اولئک یرجون رحمة الله والله غفوررحیم ط

تحقیق جولوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا ایسے لوگ بلاشبہ اللہ کی رحمت کی امید کرسکتے اور کیوں نہیں اللہ تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

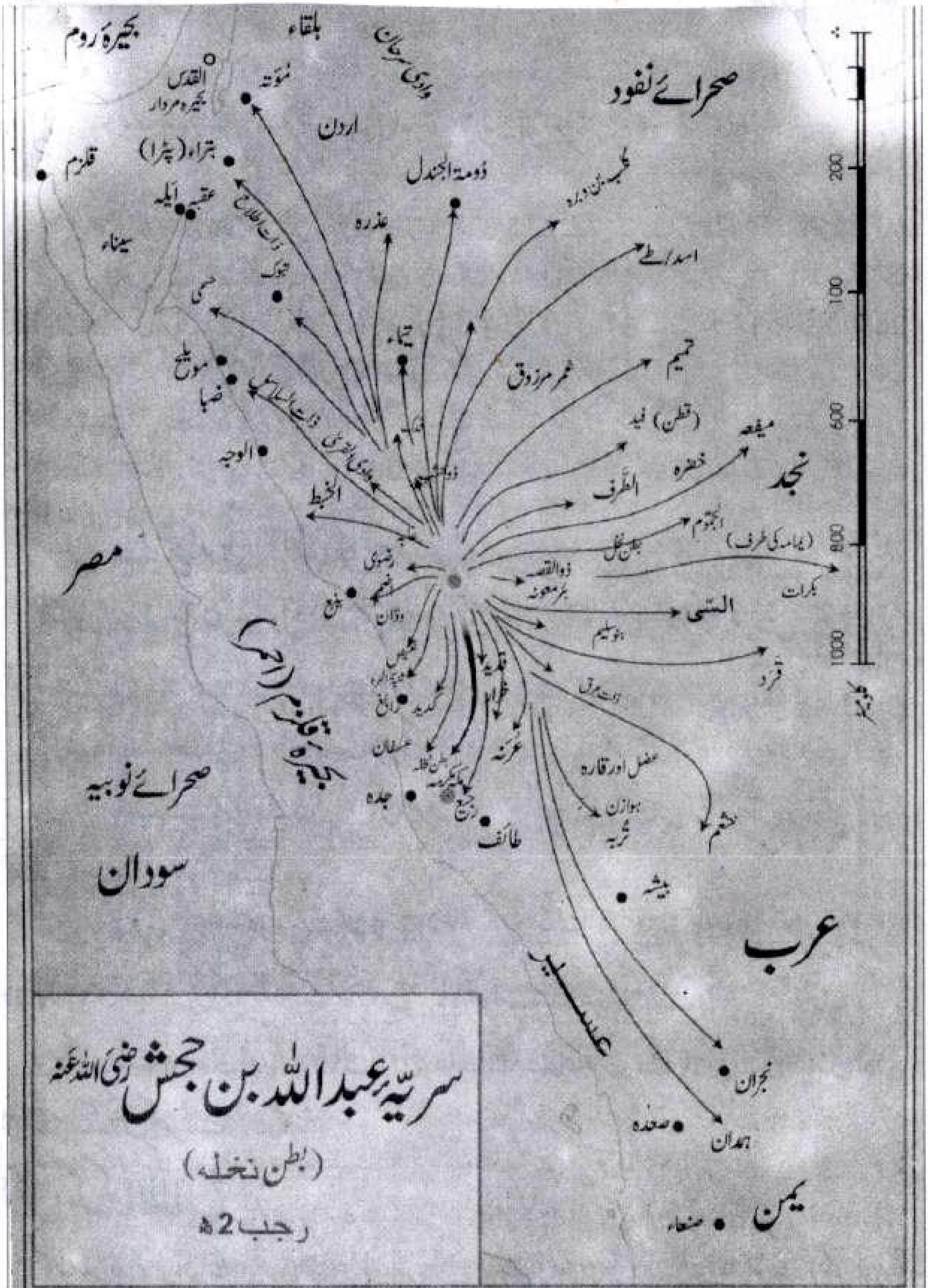
پہلی غنیمت و پہلا مقتول

یہ اسلام میں پہلی غنیمت تھی اور عمرو بن حضرمی پہلا مقتول تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔

قیدیوں کا تبادلہ

قریش نے عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کا فدیہ بھیجا۔آپ نے فرمایا جب تک میرے ساتھی سعد اور عتبہ واپس نہ آجائیں اس وقت تک میں تمہارے قیدیوں کو نہ چھوڑوں گا۔اس لئے کہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ تم ان کو قتل نہ کردو،اگر تم میرے ساتھیوں کو قتل کروگے تو میں بھی تمہارے آدمیوں کو قتل کردوں گا۔

اس کے چند دن بعد سعد اور عتبہ واپس آگئے آپ نے فدیہ لے کر عثمان اور حکم کو چھوڑ دیا۔عثمان تو رہا ہوتے ہی مکہ واپس ہوگیا اور مکہ ہی میں جا کر کافر مرا اور حکم بن کیسان مسلمان ہوگئے اور مدینہ میں رہے یہاں تک غزوہ بئر معونہ میں شہید ہوئے۔



بسم اللہ اللھم صل علی محمد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مسجد میں جاتے یا مسجد سے نکلتے تو
یہ درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ (ذریعۃ الوصول)

غزوۂ بدر کا لمحہ بہ لمحہ احوال

قریش کے تجارتی قافلہ کا تعاقب

شروع رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ ابوسفیان قریش کے قافلہ تجارت کو شام سے مکہ واپس لا رہا ہے جو مال واسباب سے بھرا ہوا ہے۔

آپ نے مسلمانوں کو جمع کر کے اس کی خبر دی اور فرمایا یہ قریش کا کاروان تجارت ہے جو مال واسباب سے بھرا ہوا ہے تم اس کی طرف خروج کرو۔ عجب نہیں کہ حق جل وعلاتم کو وہ قافلہ غنیمت میں عطا فرمائے۔

ابن سعد فرماتے ہیں کہ یہ وہی قافلہ تھا جس کے لئے آپ نے غزوۂ ذی العشیرہ میں دوسو (۲۰۰) مہاجرین کو ہمراہ لے کر خروج فرمایا تھا اب یہ قافلہ شام سے واپس آرہا تھا۔

چونکہ جنگ وجدال اور قتل وقتال کا وہم وگمان بھی نہ تھا اس لئے بلا کسی جنگی تیاری اور اہتمام کے نکل کھڑے ہوئے۔

اہل مکہ کو اطلاع

ابوسفیان کو یہ اندیشہ لگا ہوا تھا اس لئے جب ابوسفیان حجاز کے قریب پہنچا تو ہر راہگیر اور مسافر سے آپ کے حالات اور خبریں دریافت کرتا تا آنکہ بعض مسافروں سے اس کو یہ خبر ملی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے اصحاب کو تیرے قافلے کی طرف خروج کا حکم دیا ہے۔ ابو سفیان نے اسی وقت ضمضم غفاری کو اجرت دے کر مکہ روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ قریش کو اطلاع کر دے کہ جس قدر ممکن ہو اپنے قافلہ کی خبر لیں اور اپنے سرمایہ کو بچانے کی کوشش کریں محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو لے کر اس قافلہ سے تعارض کے لئے روانہ ہوئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی

۱۲ رمضان المبارک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تین سو تیرہ یا چودہ یا پندرہ آدمی آپ کے ہمراہ تھے بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ اتنی جماعت میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے ایک گھوڑا حضرت زبیر بن عوام کا اور ایک حضرت مقداد کا تھا اور ایک ایک اونٹ دو دو اور تین تین آدمیوں میں تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بدر میں جاتے وقت ایک اونٹ تین تین آدمیوں میں مشترک تھا۔ نوبت بنوبت سوار ہوتے تھے۔ ابولبابہؓ اور علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیادہ چلنے کی نوبت آتی تو ابولبابہؓ اور علیؓ عرض کرتے یا رسول اللہ آپ سوار ہو جائیں ہم آپؐ کے بدلہ میں پیادہ پا چل لیں گے۔ آپ یہ ارشاد فرماتے، تم چلنے میں مجھ سے زیادہ قوی نہیں اور تم سے میں زیادہ خدا کے اجر سے بے نیاز نہیں۔

بچوں کو واپس بھیجنا

بیر ابی عنبہ پر پہنچ کر (جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے) تمام جماعت کا معاینہ فرمایا جو کم عمر تھے ان کو واپس فرمادیا مقام روحاء میں پہنچ کر ابولبابہ بن عبدالمنذر کو مدینہ کا حاکم مقرر فرما کر واپس کیا۔

لشکرِ اسلام کے علمبردار

اس لشکر میں تین علم تھے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ میں اور دوسرا مصعب بن عمیرؓ اور تیسرا کسی انصاری کے ہاتھ میں تھا۔

خفیہ معلومات کا انتظام

جب مقام صفراء کے قریب پہنچے تو بسبس بن عمرو جہنیؓ اور عدی بن ابی الزغباء جہنیؓ کو قافلہ ابی سفیان کے تجسس کے لئے آگے روانہ کیا۔

سرداران قریش کی تیاری

اور ادھر ضمضم غفاری ابوسفیان کا پیام لے کر مکہ پہنچا کہ تمہارا قافلہ خطرہ میں ہے دوڑو

اور جلد از جلد اس کی خبر لو۔

اس خبر کا پہنچنا تھا کہ تمام مکہ میں ہل چل پڑ گئی اس لئے کہ قریش میں کا کوئی مرد اور عورت ایسا نہ رہا تھا کہ جس نے اپنی پوری پونجی اور سرمایہ اس میں شریک نہ کر دیا ہو، اس لئے اس خبر کے سنتے ہی تمام مکہ میں جوش پھیل گیا اور ایک ہزار آدمی پورے ساز و سامان کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ ابو جہل سردار لشکر تھا۔

قریش نہایت کروفر اور سامان عیش و طرب کے ساتھ گانے بجانے والی عورتوں اور طبلوں اور طبلچیوں کو ساتھ لے کر اکڑتے ہوئے اور اتراتے ہوئے روانہ ہوئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ولا تکونو اکالذین خرجوا من دیارھم بطراً ورئاء الناس

اے مسلمانو تم ان کافروں کی طرح مت ہو جانا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اپنی قوت اور شوکت کو دکھلاتے ہوئے نکلے ہیں۔

تقریباً تمام سرداران قریش شریک لشکر ہوئے صرف ابولہب کسی وجہ سے نہ جا سکا اور اپنے بجائے ابوجہل کے بھائی عاص بن ہشام کو روانہ کیا۔

عاص بن ہشام کے ذمہ ابولہب کے چار ہزار درہم قرض تھے اور مفلس ہو جانے کی وجہ سے ادا کرنے کی استطاعت نہ رہی تھی اس لئے قرض کے دباؤ میں ابولہب کے عوض جنگ میں جانا قبول کیا۔

امیہ بن خلف کا واقعہ

اور اسی طرح امیہ بن خلف نا خلف نے بھی اوّل اوّل بدر میں جانے سے انکار کیا لیکن ابوجہل کے جبر اور اصرار سے ساتھ ہولیا۔

امیہ کے انکار کا سبب یہ تھا کہ سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانہ جاہلیت سے امیہ کے دوست تھے۔ امیہ جب بغرض تجارت شام جاتا تو راستہ میں مدینہ میں سعد بن معاذ کے پاس اترتا اور سعد بن معاذ جب مکہ جاتے تو امیہ کے پاس اترتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت مدینہ کے بعد ایک مرتبہ سعد بن معاذ عمرہ کرنے کے لئے مکّہ آئے اور حسب دستور امیہ کے پاس ٹھہرے اور امیہ سے یہ کہا کہ طواف کرنے کے لئے مجھے ایسے

وقت لے چلو کہ حرم لوگوں سے خالی ہو یعنی ہجوم نہ ہو۔ امیہ دوپہر کے وقت سعد بن معاذ کو لے کر نکلا۔ طواف کر رہے تھے کہ ابو جہل سامنے سے آ گیا اور یہ کہنے لگا اے ابوصفوان (یہ امیہ کی کنیت ہے) یہ تمہارے ساتھ کون شخص ہے۔ امیہ نے کہا سعد ہے ابو جہل نے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ شخص اطمینان سے طواف کر رہا ہے تم ایسے بے دینوں کو ٹھکانہ دیتے ہو اور ان کی اعانت اور امداد کرتے ہو۔ اے سعد خدا کی قسم اگر یہ ابوصفوان یعنی امیہ تمہارے ساتھ نہ ہوتا تو تم یہاں سے صحیح وسالم واپس نہیں جا سکتے تھے۔ سعد نے بلند آواز سے کہا اگر تو مجھے طواف سے روکے گا تو خدا کی قسم میں مدینہ سے تیرا شام کا راستہ بند کر دوں گا۔ امیہ نے سعد سے کہا کہ تم ابوالحکم (یعنی ابو جہل) پر اپنی آواز بلند نہ کرو۔ یہ اس وادی کا سردار ہے۔ سعد نے ترش روئی سے کہا کہ اے امیہ بس رہنے دے خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے تو حضور پر نور کے اصحاب اور احباب کے ہاتھ سے قتل ہو گا۔ امیہ نے کہا کہ کیا میں مکہ میں مارا جاؤں گا سعد نے کہا یہ مجھے معلوم نہیں کہ تو کہاں اور کس جگہ مارا جائے گا۔ یہ سن کر امیہ گھبرا گیا اور بہت ڈر گیا اور جا کر اپنی بیوی ام صفوان سے اس کا تذکرہ کیا اور ایک روایت میں ہے کہ امیہ نے یہ کہا **واللّٰہ مایکذب محمد فکادان یحدث**. خدا کی قسم محمد کبھی غلط نہیں کہتے اور قریب تھا کہ خوف ہراس اس کی وجہ سے امیہ کا پیشاب اور پاخانہ خطا ہو جائے۔ فتح الباری ص ۲۲۰ ج ۷۔ اور امیہ پر اس درجہ خوف وہراس غالب ہوا کہ یہ ارادہ کر لیا کہ کبھی مکہ سے باہر نہ نکلوں گا چنانچہ جب ابو جہل نے لوگوں سے بدر کی طرف نکلنے کو کہا تو امیہ کو مکہ سے نکلنا بہت گراں تھا اس کو اپنی جان کا ڈر تھا۔ ابو جہل امیہ کے پاس آیا اور چلنے کے لئے اصرار کیا۔ ابو جہل نے جب یہ دیکھا کہ امیہ چلنے پر تیار نہیں تو یہ کہا کہ آپ سردار ہیں اگر آپ نہیں نکلیں گے تو آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی نہیں نکلیں گے۔ غرض ابو جہل امیہ کو چمٹا رہا اور برابر اصرار کرتا رہا۔ بالآخر یہ کہا کہ اے صفوان تیرے لئے نہایت عمدہ اور تیز رو گھوڑا خرید دوں گا (تاکہ جہاں خطرہ محسوس کرو فوراً اس پر بیٹھ کر واپس آ جاؤ) امیہ جانے کے لئے تیار ہو گیا اور گھر میں جا کر اپنی بیوی سے کہا کہ میرے سفر کا سامان تیار کرو۔ بیوی نے کہا کے ابوصفوان تم کو اپنے یثربی بھائی کا قول یاد نہیں رہا امیہ نے کہا میرا ارادہ تھوڑی دور تک جانے کا ہے پھر واپس آ جاؤں گا پس امیہ اسی ارادہ

سے روانہ ہوا اور جس منزل میں اترتا اپنا اونٹ ساتھ باندھتا مگر قضاء وقدر نے بھاگنے کا موقع نہیں دیا۔ بدر پہنچا اور میدان قتال میں صحابہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔(بخاری شریف غزوہَ بدر) غرض یہ کہ امیہ کو اپنے قتل کا یقین تھا ابو جہل کی زبردستی سے ساتھ ہو لیا ابو جہل خود بھی تباہ ہوا اور دوسروں کو بھی تباہ کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قریشیوں کے لشکر کی اطلاع

روحاء سے چل کر جب آپ مقام صفراء پر پہنچے تو بسبسؓ اور عدیؓ نے آ کر آپ کو قریش کی روانگی کی اطلاع دی، اس وقت آپ نے مہاجرین اور انصار کو مشورہ کے لئے جمع فرمایا اور قریش کی اس شان سے روانگی کی خبر دی۔

حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کا اظہار جانثاری

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنتے ہی فوراً کھڑے ہو گئے اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہار جان نثاری فرمایا اور بسر وچشم آپ کے اشارے کو قبول کیا اور دل وجان سے اطاعت کے لئے کمر بستہ ہو گئے اس کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے بھی نہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہار جان نثاری فرمایا۔

حضرت مقداد کا اظہار جذبات

بعد ازاں مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

یارسول اللہ جس چیز کا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے اس کو انجام دیجیے ہم سب آپ کے ساتھ ہیں خدا کی قسم ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ ہرگز نہ کہیں گے کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ ہم بنی اسرائیل کے خلاف یہ کہیں گے کہ آپؐ اور آپ کا پروردگار جہاد وقتال کرے ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد وقتال کریں گے اور بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

ہم آپؐ کے دائیں اور بائیں آگے اور پیچھے سے لڑیں گے۔

راویِ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس وقت دیکھا

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔
ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مقداد کیلئے دعائے خیر فرمائی۔

انصار سے مشورہ

مسند احمد میں باسناد حسن مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اصحاب نے متفقہ طور پر یہ کہا۔ یا رسول اللہ ہم بنی اسرائیل کی طرح نہ کہیں گے۔ ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔

باوجود اس شافی اور کافی جواب کے آپ نے تیسری بار پھر یہی ارشاد فرمایا:

اے لوگو مجھ کو مشورہ دو۔

سردار انصار سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بلیغ اشارہ اور دقیق نکتہ کو سمجھ گئے اور فوراً عرض کیا۔ یا رسول اللہ شاید روئے سخن انصار کی طرف ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تقریر

اس پر سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔

یارسول اللہ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اور اس امر کی گواہی دی کہ آپ جو کچھ لائے ہیں وہی حق ہے اور اطاعت اور جان نثاری کے بارے میں ہم آپ کو پختہ عہد و میثاق دے چکے ہیں۔ یارسول اللہ آپ مدینہ سے کسی اور ارادہ سے نکلے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دوسری صورت پیدا فرمادی جو منشاء مبارک ہو اس پر چلیے اور جس سے چاہیں تعلقات قائم فرمائیں اور جس سے چاہیں تعلق قطع کریں اور جس سے چاہیں صلح کریں اور جس سے چاہیں دشمنی کریں ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے مال میں سے جس قدر چاہیں لیں اور جس قدر چاہیں ہم کو عطا فرمائیں اور مال کا جو حصہ آپ لیں گے وہ اس حصہ سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوگا کہ جو آپ ہمارے پاس چھوڑیں گے اور اگر آپ ہم کو برک الغماد جانے کا حکم دیں گے تو بالضرور ہم آپ کے ساتھ جائیں گے۔

قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہم کو سمندر میں کود

پڑنے کا حکم دیں گے تو ہم اسی وقت سمندر میں کود پڑیں گے اور ہم میں کا ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا ہم دشمنوں سے مقابلہ کرنے کو مکروہ نہیں سمجھتے البتہ تحقیق ہم لڑائی کے وقت بڑے صابر اور مقابلہ کے سچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے آپ کو وہ چیز دکھائے گا جس کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی پس اللہ کے نام پر ہم کو لے کر چلئے۔

کفار سے مقابلہ کا فیصلہ

رسول اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے یہ جان نثارانہ جوابات سن کر مسرور ہوئے اور فرمایا اللہ کے نام پر چلو اور تم کو بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ابوجہل یا ابوسفیان کی دو جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت پر ضرور فتح ونصرت عطا کروں گا۔

اور مجھ کو قوم کفار کے پچھاڑے جانے کی جگہیں دکھلا دی گئی ہیں کہ فلاں شخص فلاں جگہ اور فلاں شخص فلاں جگہ پچھاڑا جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کا خواب

ادھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے صحابہ کو یہ خبر دی کہ مجھ کو قوم کی پچھاڑے جانے کی جگہیں دکھلائی گئیں اور ادھر مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ضمضم غفاری کے مکہ پہنچنے سے پہلے یہ خواب دیکھا کہ ایک شتر سوار آیا اور ابطح میں اونٹ بٹھا کر بآواز بلند یہ پکار رہا ہے۔

اے اہل غدر اپنے مقتل اور پچھڑنے کی جگہ کی طرف تین دن میں نکل جاؤ۔

لوگ اس کے اردگرد جمع ہو گئے پھر وہ اپنا اونٹ لئے ہوئے مسجد حرام میں گیا اور پھر یہی آواز دی اس کے بعد جبل ابی قبیس پر چڑھا اور اوپر سے پتھر کی ایک چٹان پھینکی۔ جب وہ چٹان پہاڑ کے دامن میں پہنچی تو چور چور ہوگئی اور مکہ کا کوئی گھر ایسا نہ رہا کہ جس میں اس کا کوئی ٹکڑا جا کر نہ گرا ہو۔

عاتکہ نے یہ خواب اپنے بھائی حضرت عباس سے ذکر کیا اور کہا اے بھائی خدا کی قسم آج میں نے یہ خواب دیکھا ہے اور اندیشہ ہے کہ تیری قوم پر کوئی بلا اور مصیبت آنے والی ہے۔ دیکھو اس خواب کو کسی سے بیان نہ کرنا۔ عباس گھر سے باہر نکلے اور اپنے دوست ولید

بن عتبہ سے اس خواب کا ذکر کیا اور یہ تاکید کی کہ اس خواب کا کسی اور سے ذکر نہ کرنا۔ مگر ولید نے اپنے باپ عتبہ سے اس خواب کا لفظ بلفظ تذکرہ کر دیا اسی طرح بات تمام مکہ میں پھیل گی۔ دوسرے تیسرے روز حضرت عباس مسجد حرام میں گئے تو دیکھا کہ ابوجہل ایک مجمع کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے ابوجہل نے حضرت عباس کو دیکھتے ہی یہ کہا کہ اے ابوالفضل تمہارے مرد تو نبوت کے مدعی تھے ہی اب تمہاری عورتیں بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگیں میں نے دریافت کیا کیا بات ہے' ابوجہل نے عاتکہ کے خواب کا ذکر کیا۔

ابوسفیان کے قاصد کا مکہ پہنچنا

اسی اثنا میں ضمضم غفاری' ابوسفیان کا پیام لے کر اس شان سے مکہ میں پہنچا کر پیراہن چاک ہے اور اونٹ کی ناک کٹی ہوئی ہے اور یہ پکارتا آ رہا ہے کہ اے گروہ قریش اپنے کاروان کی خبر لو اور جلد از جلد ابوسفیان کے قافلہ کی مدد کو پہنچو۔

یہ خبر سنتے ہی قریش پورے ساز و سامان کے ساتھ مکہ سے نکل کھڑے ہوئے اور بدر میں پہنچ کر خواب کی تعبیر بحالت بیداری آنکھوں سے دیکھ لی۔

جہیم بن صلت کا خواب

غرض یہ کہ قریش پورے ساز و سامان کے ساتھ گاتے بجاتے روانہ ہوئے جب مقام جحفہ میں پہنچے تو جہیم بن صلت نے یہ خواب دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہے اور ایک اونٹ اس کے ہمراہ ہے۔ وہ آ کر کھڑا ہوا اور یہ کہتا ہے قتل ہوا عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ابوالحکم بن ہشام یعنی ابوجہل و رامیہ بن خلف اور فلاں فلاں۔ بعد ازاں اس شخص نے اونٹ کے برچھا مار کر لشکر میں چھوڑ دیا۔ لشکر میں کا کوئی خیمہ ایسا نہ رہا جس پر اس کے خون کے چھینٹے نہ پڑے ہوں۔ ابوجہل کو جب اس خواب کی اطلاع ہوئی تو بہت برہم ہوا اور یہ کہا کہ یہ بنی المطلب میں دوسرا نبی پیدا ہوا ہے کل کو جب مقابلہ ہوگا تب اس کو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ میں ہم میں سے کون قتل ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کہ قافلہ بدر پہنچنے والا ہے

بسبس ؓ اور عدی ؓ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے قافلہ کے جاسوسی کے لئے روانہ فرمایا تھا۔ جب مقام بدر پر پہنچے تو ایک ٹیلہ کے نیچے جہاں ایک پانی کا چشمہ تھا اپنے اونٹوں کو بٹھلایا اتنے میں دو عورتیں دکھائی دیں جن میں سے ایک دوسری پر اپنے قرض کا تقاضا کرتی تھی تو اس نے یہ کہا کہ کل یا پرسوں قریش کا قافلہ شام سے آنے والا ہے اس وقت محنت و مزدوری سے جو کماؤں گی اس سے تیرا حق ادا کر دوں گی۔

مجدی بن عمرو جہنی بھی پانی کے چشمہ پر موجود تھا اور یہ تمام گفتگو سن رہا تھا۔ جب قرضدار عورت نے قرض خواہ عورت سے یہ کہا کہ کل یا پرسوں قریش کا قافلہ آنے والا ہے۔ اس وقت قافلہ کا کچھ کام کر کے تیرا حق ادا کر دوں گی تو مجدی نے یہ کہا۔ سچ کہتی ہے اور یہ کہہ کہ بیچ بچاؤ کرا دیا۔ بسبس ؓ اور عدی ؓ یہ سنتے ہی اونٹ پر سوار ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ کی اطلاع دی۔

ابوسفیان نے راستہ بدل لیا

بسبس ؓ اور عدی ؓ کے چلے جانے کے بعد ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل و حرکت کی خبر لینے کی غرض سے اس مقام پر پہنچا اور مجدی بن عمرو سے دریافت کیا کہ کیا تم نے کسی کو یہاں آتے جاتے دیکھا ہے۔

مجدی نے کہا کسی کو نہیں دیکھا صرف دو سواروں کو دیکھا کہ اس ٹیلہ کے نیچے آ کر اونٹ بٹھلائے اور پانی پلایا اور مشکیزہ پانی سے بھر کر چل دیئے۔ ابوسفیان فوراً اس مقام پر پہنچا وہاں کچھ مینگنیاں پڑی تھیں ایک مینگنی کو اٹھا کر توڑا اس میں سے ایک گٹھلی برآمد ہوئی۔

ابوسفیان نے اس گٹھلی کو دیکھ کر کہا۔ خدا کی قسم یثرب (مدینہ) کے کھجور کی گٹھلی ہے۔ فوراً وہاں سے واپس ہوا اور قافلہ کا رخ بدل دیا۔ اور ساحل کے راستہ سے قافلہ کو بچا کر صحیح سالم لے گیا اور قریش کو یہ پیام دے کر بھیجا۔ انکم انما خرجتم لتمنعوا عیرکم و رجالکم واموالکم وقد نجاھا اللہ فارجعوا یعنی تم صرف اس لئے نکلے تھے کہ قافلہ کو اور اپنے

آدمیوں کو اور اپنے اموال کو بچالو اللہ نے سب کو بچالیا۔ لہٰذا تم سب مکہ واپس ہو جاؤ۔

ابوجہل کی ضد

ابوجہل نے کہا جب تک ہم بدر پہنچ کر تین دن تک کھا پی کر اور گا بجا کر خوب مزے نہ اڑا لیں اس وقت تک ہرگز واپس نہ ہوں گے۔

اخنس بن شریق سردار بنی زہرہ نے کہا کہ اے بنی زہرہ تم فقط اپنے اموال کی حفاظت کے لئے نکلے تھے۔ سو اللہ نے تمہارے اموال بچا لئے اب ہمیں لڑنے کی ضرورت نہیں بے وجہ ہم کو ہلاکت میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے جیسا کہ یہ شخص (ابوجہل) کہتا ہے لہٰذا تم واپس ہو جاؤ۔ قبیلہ بنی زہرہ کے تمام لوگ اپنے سردار اخنس بن شریق کے کہنے سے واپس ہو گئے اور بنی زہرہ میں سے کوئی شخص بھی بدر میں شریک نہیں ہوا اور دیگر بعض نے بھی یہی کہا کہ جب ہمارا قافلہ صحیح سالم بچ گیا تو اب جنگ کی کیا ضرورت رہی مگر ابوجہل نے ایک نہ سنی اور بدر کی طرف روانہ ہوا۔

مقام بدر پر پڑاؤ اور رحمت الٰہی

اور ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے اصحاب کے بدر پر پہنچ گئے مگر قریش نے پہلے پہنچ کر پانی کے چشمہ پر قبضہ کر لیا اور مناسب موقعوں کو اپنے لئے چھانٹ لیا۔ بخلاف مسلمانوں کے کہ ان کو نہ پانی ملا اور نہ جگہ مناسب ملی۔ ریتلا میدان تھا جہاں چلنا ہی دشوار تھا۔ ریت میں پیر دھنس دھنس جاتے تھے۔ حق جل وعلا نے باران رحمت نازل فرمائی جس سے تمام ریت جم گیا اور پانی جمع کرنے کے لئے مسلمانوں نے چھوٹے چھوٹے حوض بنائے تاکہ پانی وضو اور غسل کے کام آسکے سورۂ انفال میں حق تعالیٰ شانہ نے اس احسان کو ذکر فرمایا ہے۔

نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم

یہ پانی اگرچہ مسلمانوں نے اپنی ضرورت کے لئے جمع کیا تھا مگر نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم رافت مجسم نے اپنے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کو اس سے پینے کی اجازت دی۔

دو غلاموں کے ذریعہ قریش کے حالات کی خبر

جب شام ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ اور زبیر بن عوامؓ اور سعد بن

ابی وقاصؓ اور چند صحابہ کو قریش کی خبر لینے کے لئے روانہ فرمایا اتفاق سے ان کو دو غلام ہاتھ آ گئے ان کو پکڑ لائے اور دریافت کرنا شروع کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے ان غلاموں نے کہا ہم قریش کے سقہ ہیں پانی لانے کے لئے نکلے ہیں۔ ان لوگوں کو ان کے کہنے کا کچھ یقین نہ آیا اور یہ سمجھ کر ان کو کچھ مارا کہ شاید مار پیٹ کے خوف سے ابوسفیان کا کچھ حال بتلائیں جب ان پر کچھ مار پڑی تو کہنے لگے کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ یہ سن کر ان لوگوں نے مارنا چھوڑ دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ جب ان غلاموں نے سچ کہا تو تم نے ان کو مارا اور جب جھوٹ کہا تو چھوڑ دیا' خدا کی قسم یہ قریش کے آدمی ہیں (یعنی ابوسفیان کے ہمراہیوں میں سے نہیں) آپ نے فرمایا کہ قریش کہاں ہیں ان غلاموں نے کہا واللہ اس مقنقس ٹیلہ کے پیچھے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتنے لوگ ہیں۔ جواب دیا کہ بہت ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کی تعداد کتنی ہے' غلاموں نے کہا ہم کو ان کی شمار اور تعداد معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا روزانہ کھانے کے لئے کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں جواب دیا کہ ایک دن نو اور ایک دن دس آپ نے فرمایا ہزار اور نو سو کے درمیان ہیں۔

بعد ازاں آپ نے دریافت کیا کہ سرداران قریش میں سے کون کون ہیں۔ انہوں نے کہا کہ عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ اور ابوالبختری بن ہشام اور حکیم بن حزام اور نوفل بن خویلد اور حارث بن عامر اور طعیمہ بن عدی اور نضر بن الحارث اور زمعتہ بن اسود اور' ابوجہل بن ہشام اور امیہ بن خلف اور نبیہ اور منبہ پسران حجاج اور سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدود۔ یہ سن کر آپ اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ فرمایا کہ مکہ نے آج اپنے تمام جگر گوشوں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے۔ الغرض اس طرح آپ نے قریش کا حال معلوم کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قیام گاہ کا انتظام

جب صبح ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کی تیاری کی اور سعد بن معاذؓ کی رائے سے آپ کے قیام کے لئے ٹیلہ پر ایک چھپر بنایا گیا۔

یہ چھپر ایک ایسے بلند ٹیلہ پر بنایا گیا جس پر کھڑے ہو کر تمام میدان کارزار نظر آتا تھا۔

سعد بن معاذؓ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی کیا آپ کے لئے ایک چھپر نہ بنادیں جس میں آپ تشریف رکھیں اور سواریاں آپ کے قریب تیار رکھیں پھر ہم دشمن سے جا کر مقابلہ کریں۔ پس اگر اللہ نے ہم کو عزت دی اور دشمن پر غلبہ عطا فرمایا تو ہماری عین تمنا ہے اور اگر خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئی تو آپ سواری پر سوار ہو کر ہماری قوم کے باقی ماندہ لوگوں سے جاملیں قوم کے جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں۔ اے پیغمبر خدا ہم ان سے زیادہ آپ کے محبّ نہیں۔ اگر ان کو کسی وجہ سے اس میں بھی یہ گمان ہوتا کہ آپ کو جنگ کا سامنا ہوگا تو ہرگز پیچھے نہ رہتے شاید اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ آپ کی حفاظت فرماتا اور وہ نہایت اخلاص اور خیر خواہی سے آپ کے ساتھ جہاد کرتے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تعریف کی اور ان کے حقوق میں دعا فرمائی بعد ازاں آپ کے لئے ایک چھپر بنایا گیا۔

کافر سرداروں کی قتل گاہوں کی نشاندہی

حضرت انسؓ حضرت عمرؓ سے راوی ہیں کہ جس شب کی صبح کو میدان کارزار گرم ہونے والا تھا اس شب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہم کو میدان کارزار کی طرف لے کر چلے تاکہ اہل مکہ کی قتل گاہیں ہم کو آنکھوں سے دکھلادیں چنانچہ آپ اپنے دست مبارک سے اشارہ فرماتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے ہذا مصرع فلا غداً انشاء اللہ یہ ہے فلاں کی قتل گاہ صبح کو انشاءاللہ اور مقام قتل پر ہاتھ رکھ کر نام بنام اسی طرح صحابہ کو بتلاتے رہے قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا کسی ایک نے بھی اس جگہ سے سرمو تجاوز نہ کیا جہاں آپ نے اپنے دست مبارک سے اس کے قتل کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔

پوری رات عبادت میں گزاری

بعد ازاں آپؐ اور آپؐ کے یار غار رفیق جان نثار صدیق المہاجرین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس عریش چھپر میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی اور صدیق انصار سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھپر کے دروازہ پر تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں بدر کی شب میں کوئی شخص ہم سے ایسا نہ تھا جو سو نہ رہا ہو سوائے آپ کی ذات بابرکات علیہ الف الف صلوات والف والف تحیات کہ تمام شب نماز اور دعا گریہ وزاری میں گزاری۔ اسی طرح صبح کر دی۔

صحابہ ؓ کو سرفروشی کی ترغیب

طلوع فجر ہوتے ہی آپ نے یہ آواز دی الصلوٰۃ عباد اللہ۔ اے اللہ کے بندو نماز کا وقت آ گیا۔ آواز کا سننا تھا کہ سب جمع ہو گئے۔ آپ نے ایک درخت کی جڑ میں کھڑے ہو کر سب کو نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہو کر اللہ کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کی ترغیب دی۔

صفوں کی ترتیب اور دعا

بعد ازاں آپ نے اصحاب کی صفوں کو سیدھا کیا اور ادھر کفار کی صفیں تیار تھیں ماہ رمضان المبارک کی سترہ تاریخ ہے اور جمعہ کا روز ہے کہ ایک طرف سے حق کی جماعت اور دوسری طرف سے باطل کی جماعت میدان فرقان کی طرف بڑھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قریش کی عظیم الشان جماعت کو پورے ساز وسامان کے ساتھ میدانِ کارزار کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو بارگاہِ ایزدی میں یہ عرض کیا:

اے اللہ! یہ قریش کا گروہ ہے جو تکبر اور غرور کے ساتھ مقابلہ کے لئے آیا ہے تیری مخالفت کرتا ہے اور تیرے بھیجے ہوئے پیغمبر کو جھٹلاتا ہے اے اللہ اپنی فتح ونصرت نازل فرما جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا، اور اے اللہ ان کو ہلاک کر۔

ایک عجیب واقعہ

بعد ازاں آپ نے لشکر اسلام کو مرتب فرمایا۔ ترتیب اور صف آرائی کے وقت دست مبارک میں ایک تیر تھا۔ صف میں سے سواد بن غزیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذرا آگے کو نکلے ہوئے تھے آپ نے بطور تلطف سواد بن غزیہ کے پیٹ پر تیر کا ایک ہلکا سا کوچہ دے کر فرمایا اے سواد سیدھا ہو جا۔

سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔

یارسول الله اوجعتنی وقد بعثک الله بالحق والعدل فا قدنی.

یارسول آپ نے مجھ کو دردمند کیا اور تحقیق اللہ نے آپ کو حق اور عدل کے ساتھ بھیجا ہے میرا بدلہ دیدیجئے۔

آپ نے شکم مبارک سے پیراہن شریف کواٹھا کرسواد سے فرمایا اپنا بدلہ لے لو۔

سوادرضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شکم مبارک کو گلے لگالیا اور بوسہ دیا اور عرض کیا یارسول اللہ شاید یہ آخری ملاقات ہو آپ مسرور ہوئے اور سواد بن غزیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

صفوں کی ہمواری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر اسلام کو مرتب اور اس کی صفوف کو صفوف ملائکہ کی طرح درست اور ہموار فرما کر عریش (چھپر) میں تشریف لے گئے صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے ہمراہ عریش میں داخل ہوئے اور سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لے کر عریش کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔

قریش کے جاسوس کی رپورٹ

قریش جب مطمئن ہوئے تو آغاز جنگ سے پہلے۔عمیر بن وہب جمحی کو مسلمانوں کی جماعت کا اندازہ لینے کے لئے بھیجا عمیر بن وہب گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کے اردگرد پھر کر واپس آئے اور یہ کہا کہ کم وبیش تین سو آدمی ہیں لیکن مجھ کو ذرا مہلت دو کہ یہ دیکھ آؤں کہ مسلمانوں کی مدد کے لئے اور جماعت تو کہیں کمین گاہ میں چھپی ہوئی نہیں چنانچہ عمیر گھوڑے پر سوار ہو کر دور دور ایک چکر لگا کر واپس آئے اور یہ کہا کہ کوئی کمین اور مدد نہیں لیکن اے گروہ قریش میں یہ دیکھتا ہوں کہ یہ مدینہ کے اونٹ موت کو اپنے اوپر لادے ہوئے ہیں اس قوم کا سوائے ان کی تلواروں کے کوئی پناہ اور سہارا نہیں، خدا کی قسم میں یہ دیکھتا ہوں کہ ان لوگوں میں سے ہر ایک جب تک اپنے مقابل کو نہ مار لے گا اس وقت تک ہرگز نہ مارا جائے گا۔پس اگر ہمارے آدمی بھی انہیں کے برابر مارے گئے تو پھر زندگی کا لطف ہی کیا رہا۔سوچ کر کوئی رائے قائم کرلو۔

حکیم بن حزام کی رائے اور خطاب

حکیم بن حزام نے کہا بالکل درست ہے اور اٹھ کر عتبہ کے پاس گیا اور کہا اے ابوالولید آپ قریش کے سردار اور بڑے ہیں کیا آپ کو یہ پسند نہیں کہ ہمیشہ خیر اور بھلائی کے ساتھ آپ کا ذکر ہوتا رہے۔ عتبہ نے کہا کیا ہے حکیم نے کہا کہ لوگوں کو لوٹا لے چلو اور عمرو بن حضرمی کا خون بہا اپنے ذمہ لے لو۔ عتبہ نے کہا میں عمرو بن حضرمی کا خون بہا اور دیت کا ذمہ دار ہوں لیکن ابوجہل سے بھی مشورہ کرلو اور کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا۔

اے گروہ قریش واللہ تم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب سے جنگ کرکے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ یہ سب تمہارے قرابت دار ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنے باپ اور بھائی بنی الاعمام اور بنی الاخوال کے قاتلوں کو دیکھتے رہو گے۔ محمد اور عرب کو چھوڑ دو، اگر عرب نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ختم کر دیا تو تمہاری مراد پوری ہوئی اور اگر اللہ نے ان کو غلبہ دیا تو وہ بھی تمہارے لئے باعث عزت وشرف ہوگا، (کیونکہ وہ تمہاری ہی قوم کے ہیں ان کا غلبہ تمہارا غلبہ ہے) دیکھو میری نصیحت کو ردمت کرو اور مجھ کو سفیہ اور نادان نہ بناؤ۔

ابوجہل کا جوش

حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں ابوجہل کے پاس آیا۔ ابوجہل اس وقت زرہ پہن کر ہتھیار سج رہا تھا میں نے کہا عتبہ نے مجھ کو یہ پیام دے کر بھیجا ہے۔

ابوجہل سنتے ہی غصہ سے بھڑک اٹھا اور یہ کہا کہ عتبہ اس لئے بھی لڑائی سے جان چراتا ہے کہ اس کا بیٹا ابوحذیفہ مسلمانوں کے ساتھ ہے اس پر کوئی آنچ نہ آئے۔ خدا کی قسم ہم ہرگز واپس نہ جائیں گے جب تک اللہ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مابین فیصلہ نہ کردے اور عمرو بن الحضرمی کے بھائی عامر بن الحضرمی کو بلا کر یہ کہا کہ یہ تیرا حلیف، عتبہ لوگوں کو لوٹا کر لے جانا چاہتا ہے اور تیرے بھائی کا خون تیری آنکھوں کے سامنے ہے، عامر نے سنتے ہی ہائے عمرو ہائے عمرو کا نعرہ لگانا شروع کیا جس سے تمام فوج میں جوش پھیل گیا اور سب لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔

تین مشرک سپاہیوں کی للکار

مشرکین میں سب سے پہلے عتبہ بن ربیعہ ہی اپنے بھائی شیبتہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر میدان میں آیا اور للکار کر اپنا مبارز اور مقابل طلب کیا۔

لشکر اسلام میں سے تین شخص مقابلہ کے لئے نکلے۔ عوف اور معوذ پسران حارث اور عبداللہ بن رواحہ۔

عتبہ نے پوچھا تم کون ہو۔ ان لوگوں نے کہا (رہط من الانصار) یعنی ہم گروہِ انصار سے ہیں عتبہ نے کہا ہم کو تم سے مطلب نہیں ہم تو اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں اور ایک شخص نے للکار کر یہ آواز دی۔

اے محمدؐ۔ ہماری قوم میں سے ہماری جوڑ کے ہم سے لڑنے کو بھیج۔

حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبیدہؓ کا مقابلہ میں آنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو حکم دیا کہ صف قتال کی طرف واپس آجائیں اور حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ عبیدہؓ بن الحارث کو نام بنام مقابلہ کے لئے نکلنے کا ارشاد فرمایا۔

حسب الارشاد یہ تینوں مقابلہ کے لئے نکلے۔ چہروں پر چونکہ نقاب تھے اس لئے عتبہ نے دریافت کیا تم کون ہو عبیدہ نے کہا میں عبیدہ ہوں حمزہ نے کہا میں حمزہ ہوں علی نے کہا میں علی ہوں عتبہ نے کہا:

ہاں! تم ہمارے جوڑ اور برابر کے ہو اور محترم ہو۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

اے بنی ہاشم اٹھو اس حق کے ساتھ جس کو اللہ نے تمہارے نبی کو دے کر بھیجا ہے یہ باطل کو لے کر اللہ کا نور بجھانے آئے ہیں۔

تینوں مشرک مارے گئے

اس کے بعد جنگ شروع ہوگئی۔ عبیدؓ۔ عتبہ کے مقابلہ میں نکلے اور حمزہؓ شیبہ کے اور علیؓ ولید کے مقابل ہوئے۔

حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ نے تو اپنے اپنے مقابل کا ایک ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔ عبیدہؓ خود بھی زخمی ہوئے اور اپنے مقابل کو بھی زخمی کر دیا۔ بالآخر عتبہ نے حضرت عبیدہؓ پر تلوار کا ایسا وار کیا جس سے حضرت عبیدہؓ کے پیر کٹ گئے حضرت علی اور حضرت حمزہ اپنے اپنے مقابل سے فارغ ہو کر حضرت عبیدہؓ کی امداد کو آپہنچے اور عتبہ کا کام تمام کیا اور عبیدہ کو اٹھا کر آپ کی خدمت میں لے آئے۔

حضرت عبیدہؓ کا زخم اور خوشی

حضرت عبیدہ کی پنڈلی کی ہڈی سے خون جاری تھا۔ عبیدہ نے دریافت کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں شہید ہوں آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ اس پر عبیدہ نے کہا کاش اگر ابو طالب زندہ ہوتے تو یقین کرتے کہ ان کے اس شعر کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔

ونسلم حتی نصرع حوله　　　ونز هل عن ابنائنا والحلائل

ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کر سکتے ہیں کہ جب ہم سب ان سے پہلے قتل کر دیئے جائیں اور اپنے بیٹوں اور بیویوں سے بے خبر ہو جائیں اور اس کے بعد یہ شعر پڑھے:

فان یقطعوا رجلی فانی مسلم　　　ارجی به عیشا من الله عالیا

اگر کافروں نے میرا پیر کاٹ دیا تو کوئی مضائقہ نہیں اس کے صلہ میں عزوجل سے بہت ہی بلند عیش کا امیدوار ہوں یعنی پیر قطع ہو جانے سے یہ حیات فانیہ قطع ہو گی مگر اس کے بدلہ میں ایسی حیات ملے گی جو کبھی منقطع نہ ہو گی۔

والبسنی الرحمن من فضل منه　　　لباسا من الاسلام غطی المساویا

اور کیوں نہ امید کروں خداوند مہربان ہی نے محض اپنی مہربانی سے مجھ کو اسلام کا لباس پہنایا جس نے تمام برائیوں کو ڈھانک لیا۔

عام جنگ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

عتبہ اور شیبہ کے قتل کے بعد میدان کارزار گرم ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھپر سے برآمد ہوئے اور صحابہ کی صفوف کو ہموار کیا اور پھر ابو بکر صدیق کو ساتھ لیے ہوئے عریش (چھپر) میں واپس تشریف لے گئے اور سعد بن معاذؓ تلوار لے کر چھپر کے دروازے

پر کھڑے ہوگئے حضور پر نور نے جب اپنے اصحاب اور احباب کی قلت اور بے سروسامانی کو اور اعداء کی کثرت اور قوت کو دیکھا تو نماز کے لئے کھڑے ہوگئے اور دو رکعت نماز پڑھی اور دعاء میں مشغول ہوگئے اور یہ دعاء مانگتے تھے۔

اے اللہ میں تیرے عہد اور وعدہ کی وفا کی درخواست کرتا ہوں اے اللہ اگر تو چاہے تو تیری پرستش نہ ہو۔

حضرت علیؓ راوی ہیں کہ میں نے بدر کے دن کچھ قتال کیا اور آپ کی طرف آیا دیکھا کہ آپ سربسجود ہیں اور یاحی یاقیوم کہتے جاتے ہیں میں لوٹ گیا اور قتال میں مصروف ہو گیا اور کچھ دیر بعد پھر آپ کی طرف آیا پھر اسی حال میں پایا۔ تین مرتبہ اسی حال میں پایا چوتھی بار اللہ نے آپ کو فتح دی۔

صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب بدر کا دن ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مشرکین مکہ ایک ہزار ہیں اور آپ کے اصحاب تین سو سے کچھ زیادہ ہیں تو آپ عریش (چھپر) میں تشریف لے گئے اور مستقبل قبلہ ہوکر بارگاہِ خداوندی میں دعاء کے لئے ہاتھ پھیلائے۔

اے اللہ تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اس کو پورا فرما۔ اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین میں تیری پرستش نہ ہوگی۔

دیر تک ہاتھ پھیلائے ہوئے یہی دعا فرماتے رہے کہ اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین پر تیری پرستش نہ ہوگی۔ اسی حالت میں چادر مبارک دوش مبارک سے گر پڑی۔

خشوع وخضوع کی خاص کیفیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ بارگاہ خداوندی میں کبھی سر بسجود تضرع وابتہال فرماتے ہیں اور کبھی سائلانہ اور فقیرانہ ہاتھ پھیلا پھیلا کر فتح ونصرت کی دعا مانگتے تھے۔ محویت کا یہ عالم تھا کہ دوش مبارک سے رداء گر گر پڑتی تھی۔

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چادر اٹھا کر دوش مبارک پر ڈال دی اور پیچھے سے آکر آپ کی کمر سے چمٹ گئے، یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ ابوبکرؓ نے

آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا:

بس کافی ہے تحقیق اپنے اللہ کے حضور میں بہت الحاح آہ وزاری کی۔

اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ ابو بکرؓ نے عرض کیا:

بس اللہ سے آپ کا یہ سوال کافی ہے تحقیق وہ اپنے وعدہ کو ضرور پورا فرمائے گا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممد کم بالف من الملٰئکة مردفین. وماجعله الله الابشری ولتطمئن به قلوبکم وما النصر الا من عند الله ط ان الله عزیز حکیم ہ

یاد کرو اس وقت کو کہ جب تم اللہ سے فریاد کر رہے تھے پس اللہ نے تمہاری دعا قبول کی کہ میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا جو یکے بعد دیگرے آنے والے ہوں گے اور نہیں بنایا اللہ نے اس امداد کو مگر محض تمہاری بشارت اور خوشخبری کے لئے اور اس لئے کہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور حقیقت میں مدد نہیں مگر اللہ کی جانب سے بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے، آپ اس وقت عریش (چھپر) سے باہر تشریف لائے اور زبان مبارک پر یہ آیت تھی۔

سیهزم الجمع ویولون الدبر ہ

عنقریب کافروں کی یہ جماعت شکست کھائے گی اور پشت پھیر کر بھاگے گی۔

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ دعا مانگتے مانگتے آپ پر نیند طاری ہو گئی تھوڑی دیر بعد آپ بیدار ہوئے اور ابو بکرؓ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔

اے ابو بکر تجھ کو بشارت ہو۔ تیرے پاس اللہ کی مدد آ گئی یہ جبرئیل امین گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے ہیں دانتوں پر ان کے غبار ہے۔

مقام رجا اور مقام خوف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حق جل وعلا کی عظمت وجلال اور شان استغناء و بے

نیازی پر تھی۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔

ان اللہ لغنی عن العالمین. وقال تعالیٰ **واللہ ھو الغنی الحمید ان یشأیذ ھبکم.**

اس لئے چشم ہائے مبارک سے گریہ وزاری کے چشمے جاری اور رواں تھے لیکن ابوبکر کو آپ کی اس بے تابانہ اور مضطربانہ الحاح وزاری سے یقین آ گیا کہ آپ کی دعا مستجاب اور مقبول ہوئی۔

غرض یہ کہ صدیق اکبرؓ مقام رجا میں تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام خوف میں تھے۔

پہلا انعام فرشتوں کا اترنا

اوّل حق تعالیٰ نے ایک ہزار اور پھر تین ہزار اور پھر پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لئے اتارے۔

چونکہ اس جنگ میں کفار ومشرکین کی امداد کے لئے ابلیس لعین اپنا لشکر لے کر حاضر ہوا اس لئے حق جل وعلا نے مسلمانوں کی امداد کے لئے جبرئیل ومیکائیل واسرافیل کی سرکردگی میں آسمان سے اپنے فرشتوں کا لشکر نازل فرمایا چونکہ شیطان خود سراقہ بن مالک کی شکل میں اور اس کے لشکر کے لوگ بنی مدلج کے مردوں کی شکل میں ظاہر ہوئے (جیسا کہ دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

اسی وجہ سے فرشتے بھی مردوں ہی کی شکل میں نمودار ہوئے جیسا کہ علامہ سہیلیؒ اور امام قرطبی نے تصریح کی ہے۔

سہل بن سعد راوی ہیں کہ ابواسید نے مجھ سے یہ کہا کہ اے بھتیجے اگر میں اور تو بدر میں ہوتے تو میں تجھ کو وہ گھاٹی دکھلاتا جہاں سے فرشتے ہماری امداد کے لئے برآمد ہوئے تھے جس میں کوئی شک اور شبہ نہیں۔

ابواسید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو صحابہ بدریین میں سے ہیں) فرماتے ہیں کہ بدر کے دن فرشتے زرد رنگ کے عماموں میں اترے شملے مونڈھوں کے درمیان چھوڑے ہوئے تھے۔ اور ایسا ہی ابن ابی حاتم نے زبیر بن عوام سے روایت کیا ہے اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی بدر کے دن زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے۔

دوسرا انعام ”تقویت“

دوسرا انعام حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ مسلمانوں کو روحانی طور پر تقویت پہنچائیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

اذ یوحی ربک الی الملئکة انی معکم فثبتوا الذین امنوا.

اس وقت کو یاد کرو کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس تم اہل ایمان کو ثبات اور استقامت میں قوت پہنچاؤ۔

جس طرح حق تعالیٰ نے شیطان کو دلوں میں وسوسے ڈالنے کی قدرت دی ہے اسی طرح ملائکہ مکرمین کو دلوں میں نیک باتوں کے القاء کی قدرت عطا فرمائی ہے جس کو لمہ اور الہام کہتے ہیں۔ سو فرشتوں نے مسلمانوں کے دلوں میں خداوند ذوالجلال سے سرکشی کرنے والوں کے مقابلہ میں سرفروشی اور جانبازی کا القاء کیا کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کرنے والوں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو۔ **نعم المولیٰ و نعم النصیر** تمہارا حامی اور مددگار ہے اور اس کے فرشتوں کا لشکر تمہاری پشت پناہی کے لئے حاضر ہے۔ پھر کیا فکر اور کیا غم ہے اور فتح وشکست کا مدار دلوں کی قوت اور ضعف پر ہے اس طرح مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کر دیا۔

تیسرا انعام فرشتوں کا جہاد

تیسرا انعام حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ فرشتوں کو مسلمانوں کے دشمنوں سے جہاد اور قتال کا حکم دیا۔

چوتھا اور پانچواں انعام

چوتھا انعام یہ فرمایا کہ فرشتوں کو ان کا معین اور مددگار بنایا، اصل جہاد کرنے والے صحابہ تھے فرشتے ان کے تابع تھے جیسا کہ ممدکم کا لفظ اس طرف اشارہ کرتا ہے۔

پانچواں انعام یہ فرمایا کہ کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈالا۔ جیسا کہ ارشاد ہے

سنلقی في قلوب الذین کفروا الرعب.

فرشتوں کو قتل کی تعلیم

فرشتوں کو چونکہ آدمیوں کے قتل کا طریقہ معلوم نہ تھا اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے ان کو قتل

کا یہ طریقہ بتلایا۔

فاضربوا فوق الا عناق واضربو امنهم كل بنان

اے فرشتو پس مارو کافروں کی گردنوں پر اور کاٹ دو ان کے ہر پور کو۔

مقتولینِ ملائکہ

ربیع بن انس سے مروی ہے کہ بدر کے دن فرشتوں کے مقتولین انسانوں کے مقتولین سے علیحدہ طور پر پہنچانے جاتے تھے مقتولین ملائکہ کے گردنوں اور پوروں پر آگ کے سیاہ نشان تھے۔

صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مسلمان مرد ایک مشرک کے پیچھے دوڑا اوپر سے ایک کوڑے اور سوار کی آواز سنائی دی کہ اے حیزوم آگے بڑھ۔ اس کے بعد جو اس مشرک پر نظر پڑی تو دیکھتے کیا ہیں کہ وہ مشرک زمین پر چت پڑا ہوا ہے اور اس کی ناک اور چہرہ کوڑے کی ضرب سے پھٹ کر نیلا ہو گیا ہے۔

انصاری نے آ کر یہ تمام واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا آپؐ نے سن کر فرمایا۔ تو نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان کی امداد تھی۔

سہیل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن ہم نے یہ دیکھا کہ ہم میں کا کوئی شخص جب مشرک کی طرف اشارہ کرتا ہے تو قبل اس کے کہ تلوار اس تک پہنچے اس کا سر کٹ کر زمین پر گر جاتا۔

حضرت جبرئیلؑ نے بھی جنگ کی

صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے لئے یہ ارشاد فرمایا:

یہ ہیں جبرئیل جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہیں سامان جنگ سے آراستہ ہیں۔

فرشتوں کے گھوڑے

فرشتوں کا گھوڑوں پر سوار ہونا یہ بھی متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے بعض روایات میں ہے کہ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔

غزوۂ حنین میں بھی فرشتے

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ملائکہ نے سوائے بدر کے اور کسی موقعہ پر قتال نہیں کیا۔ ہاں مسلمانوں کی فقط تائید اور تقویت اور تکثیر جماعت اور سکینت وطمانیت کیلئے فرشتوں کا نازل ہونا دوسرے مواقع میں بھی ثابت ہوا ہے۔ مثلاً غزوۂ حنین میں ملائکہ کا نزول سورۂ توبہ میں مذکور ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وانزل جنودالم تروها.

اور ایسے لشکر اتارے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے۔

مگر بخاری اور مسلم کی ایک حدیث سے غزوۂ احد میں بھی جبرئیل ومیکائیل کا قتال کرنا مذکور ہے لیکن وہ قتال تمام مسلمانوں کی طرف سے نہ تھا۔ صرف ذات بابرکات علیہ افضل الصلوات والتحیات کی حمایت وحفاظت کے لئے تھا۔

جنت کی بشارت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عریش سے باہر تشریف لائے اور جہاد وقتال کی ترغیب دی اور فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے آج جو شخص صبر وتحمل اخلاص اور صدق نیت کے ساتھ اللہ کے دشمنوں سے سینہ سپر ہوکر جہاد کرے گا اور پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ضرور جنت میں داخل فرمائے گا۔

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کا شوقِ جنت

عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اس وقت کچھ کھجوریں تھی جن کے کھانے میں مشغول تھے۔ یکا یک جب یہ کلمات طیبات ان کے کان میں پہنچے تو سنتے ہی بول اٹھے۔

واہ۔ واہ۔ میرے اور جنت کے مابین فاصلہ ہی کیا رہ گیا ہے مگر صرف اتنا کہ یہ لوگ مجھ کو قتل کر ڈالیں اور کھجوریں ہاتھ سے پھینک دی اور تلوار لے کر جہاد شروع کیا اور لڑنا شروع کیا یہاں تک شہید ہوگئے، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت عوف کی شہادت

عوف بن حارث نے عرض کیا۔

یارسول اللہ۔ پروردگار کو بندہ کی کیا چیز ہنساتی ہے یعنی خوش کرتی ہے۔

آپؐ ارشاد فرمایا۔ بندہ کا برہنہ ہوکر خدا کے دشمن کے خون سے اپنے ہاتھ کو رنگ دینا۔

عوفؓ نے یہ سنتے ہی زرہ اتار کر پھینک دی اور تلوار لے کر قتال شروع کیا یہاں تک شہید ہو گئے رحمۃ اللہ علیہ۔

ابو جہل کی ترغیب ودعا

عتبہ اور شیبہ اور ولید کے قتل ہو جانے کے بعد ابو جہل نے لوگوں کو یہ کہہ کر ہمت اور جرات دلائی اور جنگ پر آمادہ کیا۔

اے لوگو! عتبہ اور شیبہ اور ولید کے قتل ہونے سے گھبراؤ نہیں ان لوگوں نے عجلت سے کام لیا قسم ہے لات اور عزی کی ہم اس وقت ہرگز واپس نہ ہوں گے جب تک ہم ان کو رسیوں میں نہ باندھ لیں گے۔

اور اس کے بعد ابو جہل نے اللہ سے یہ دعا مانگی اے اللہ ہم میں سے جو قرابتوں کا قطع کرنے والا اور غیر معروف امور کا مرتکب ہو اس کو ہلاک فرما اور ہم میں سے جو تیرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو آج اس کو فتح اور نصرت دے۔

اس پر جب اللہ جل جلالہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ان تستفتحوا فقد جاء کم الفتح وان تنتھو افھو خیر لکم وان تعودوا نعد ولن تغنی عنکم فئتکم شیئا ولو کثرت وان اللہ مع المومنین ہ

اگر تم فتح طلب کرتے تھے تو دیکھ لو تمہارے سامنے فتح آگئی اب اگر آئندہ کو باز آ گئے تو تمہارے لئے بہتر ہے اور تمہاری جماعت ذرہ برابر تمہارے کام نہ آئے گی اگر چہ وہ جماعت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو اور تحقیق اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا و بشارت

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ابوجہل کی دعاء کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا اے پروردگار اگر (خدانخواستہ) یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین میں کبھی تیری پرستش نہ ہوگی۔ ایک طرف ابوجہل دعا مانگ رہا تھا اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشغول دعاء تھے۔ اس کے بعد فریقین میں گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عریش (چھپر) سے باہر تشریف لائے اور صحابہ کو جہاد وقتال کی ترغیب دی اور یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص خدا کی راہ میں مارا جائے گا۔ حق تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

مشتِ خاک سے سب اندھے ہوگئے

بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کے اشارے سے ایک مشتِ خاک لے کر مشرکین کے چہروں پر پھینک ماری اور صحابہ کو حکم دیا کہ کافروں پر حملہ کرو مشرکین میں کوئی بھی ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ اور ناک اور منہ میں یہ مٹی نہ پہنچی ہو۔

خدا ہی کو معلوم ہے کہ اس مشتِ خاک میں کیا تاثیر تھی کہ اس کے پھینکتے ہی دشمن بھاگ اٹھے اسی بارے میں یہ نازل ہوئی:

وما رميت اذ رميت ولكن الله رمىٰ

اور نہیں پھینکی وہ مشتِ خاک آپ نے جس وقت کہ آپ نے پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی۔

یعنی ظاہراً اگرچہ آپ نے ایک مٹھی خاک کی پھینکی لیکن ایک ہزار لشکر جرار کے ہر فرد کی آنکھ اور ناک میں اس مشتِ خاک کے ریزوں کا پہنچانا آپ کا کام نہ تھا بلکہ یہ اللہ کا کام اور اس کی قدرت کا ایک کرشمہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہت الوجوہ (یہ چہرے خراب ہوئے) پڑھ کر ایک مٹھی سنگریزے قریش کی طرف پھینکے اور صحابہ کو حملہ کا حکم دیا۔

ایک لمحہ کی مہلت اور ایک لحظہ کا وقفہ نہ گزرا کہ اعداء اللہ کے چہروں پر حسی اور معنوی ذلت کا غبار چھا گیا اور آنکھیں ملنے لگے ادھر مسلمانوں نے دھاوا بول دیا۔ ابن شہاب

زہری اور عروۃ بن الزبیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مشتِ خاک کی عجب شان بنائی ہر شخص سرنگوں اور حیران تھا کہ کہاں اور کدھر جائے۔

کافروں کی شکست

مشتِ خاک کا پھینکنا تھا کہ کفار کا تمام لشکر سراسیمہ ہوگیا اور بڑے بڑے بہادر اور جانباز قتل اور قید ہونے لگے اور مسلمان خدا کے دشمنوں کے قتل کرنے اور گرفتار کرنے میں مشغول ہوگئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عریش میں تشریف فرما تھے اور سعد بن معاذ دروازہ پر تلوار لے کر ذات قدسی صفات اور ملکی سمات علیہ افضل الصلوات والتحیات کی حفاظت کر رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ صحابہ قریش کو گرفتار کرنے میں مشغول ہیں اور سعد بن معاذ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار اس درجہ نمایاں ہیں کہ گویا کراہت اور ناگواری کوئی محسوس شئی ہے جو سعد کے چہرہ میں رکھی ہوئی نظر آتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے سعد غالباً تجھ کو قریش کا گرفتار ہونا۔ ناگوار ہے۔ سعد نے کہا:

ہاں! خدا کی قسم یارسول اللہ یہ پہلا حادثہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اہل شرک پر نازل فرمایا۔ میرے نزدیک خدا کے ساتھ شرک کرنے والوں کا قتل اور خونریزی ان کے زندہ چھوڑنے سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔

مجبوروں کی رعایت کا حکم

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشتر ہی یہ ارشاد فرمایا تھا کہ کچھ لوگ بنی ہاشم اور دیگر قبائل کے رضاء و رغبت سے نہیں بلکہ قریش کے محض جبر اور اکراہ سے آئے ہیں۔ ان کو قتل نہ کیا جائے ہمیں ان سے قتل و قتال کی ضرورت نہیں لہٰذا تم میں سے جو شخص ابوالبختری بن ہشام اور عباس بن عبدالمطلب کو پائے تو قتل نہ کرے اس لئے صحابہ بجائے قتل کے ان لوگوں کی گرفتاری کے درپے رہے۔

ابوالبختری کا قتل

چنانچہ مجذر بن زیادہ انصاری نے جب ابوالبختری کو دیکھا تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تیرے قتل سے منع کیا ہے۔

ابوالبختری کے ساتھ ایک رفیق بھی تھا جو مکہ سے اس کے ساتھ آیا تھا جس کا نام جنادۃ بن ملحیہ تھا۔ ابوالبختری نے کہا میرا رفیق بھی۔ مجذرؓ نے کہا ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم ہم تیرے رفیق کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صرف تیری بابت حکم دیا ہے ابوالبختری نے کہا خدا کی قسم یہ مجھ سے ممکن نہیں کہ میں اپنے ساتھی کو چھوڑ دوں۔ کل کو مکہ کی عورتیں مجھ کو یہ طعنہ دیں گی کہ فقط اپنی جان بچانے کے لئے اپنے رفیق کو چھوڑ دیا اور یہ رجز پڑھتا ہوا حملہ کے لئے آگے بڑھا۔

لن یسلم ابن حرّۃ زمیلہ　　　حتی یموت اویریٰ سبیلہ

ایک شریف زادہ اپنے رفیق کی اعانت اور دستگیری سے کبھی دستکش نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ مرجائے یا اپنا راستہ دیکھے۔

ابوالبختری کا مقابلہ پر آنا تھا کہ مجذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار نے کام تمام کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا البتہ تحقیق میں نے پوری کوشش کی ابوالبختری قید ہو جائے اور میں اس کو آپ کی خدمت حاضر کر دوں لیکن نہ مانا یہاں تک مقاتلہ اور مقابلہ کیا تو میں نے اس کو قتل کر دیا۔

امیہ بن خلف کا قتل

امیہ بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا جس وقت جنگ بدر کا کوئی وہم وگمان بھی نہ تھا اس وقت سعد بن معاذ کی زبانی مکہ ہی میں اپنے قتل کی پیشین گوئی سن چکا تھا۔ اس لئے بدر کے موقع پر جنگ میں شریک ہونے سے جان چراتا ابوجہل نے یہ کہہ کر

ادرکوا عیر کم ہ　اپنے تجارتی قافلہ کی خبر لو (یعنی قافلہ ابی سفیان کی)

لوگوں کو جنگ کے لئے آمادہ کیا امیہ نے پہلوتہی کی ابوجہل نے کہا اے ابوصفوان آپ اس وادی کے سردار ہیں آپ کی پہلوتہی کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی پہلوتہی کریں گے۔ ابوجہل برابر اصرار کرتا رہا۔ امیہ جب مجبور ہو گیا تو یہ کہا کہ خدا کی قسم میں ایک نہایت عمدہ بہادر

و تیز رو اونٹ خریدوں گا تا کہ جب موقع ملے تو راستہ ہی سے واپس آ جاؤں اور اپنی بیوی امِ صفوان سے جا کر کہا کہ سفر کا سامان تیار کر دے۔ ام صفوان نے کہا کیا تم کو اپنے یثربی بھائی کا قول (کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے) یاد نہیں رہا۔ امیہ نے کہا نہیں، خوب یاد ہے۔ میرا ارادہ جانے کا نہیں تھوڑی دور تک ساتھ جاتا ہوں اور پھر موقع پا کر واپس آ جاؤں گا اسی طرح تمام منزلیں طے کرتا ہوا بدر تک پہنچ گیا۔

جب بدر کے میدان میں آیا تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر پڑی جن کو امیہ مکہ میں گرم پتھروں پر لٹایا کرتا تھا۔ بلال نے امیہ کو دیکھتے ہی انصار کو للکارا۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زمانہ جاہلیت سے امیہ کے دوست تھے، وہ یہ چاہتے تھے کہ امیہ قتل نہ ہو بلکہ گرفتار اور اسیر ہو جائے۔

عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ہاتھ میں کچھ زرہیں تھیں جو کافروں سے چھینی تھیں۔ ان کو تو زمین پر ڈال دیا اور امیہ اور اس کے بیٹے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بلال نے دیکھ کر آواز دی پکڑو کفر کے سردار امیہ کو نہ بچوں میں اگر امیہ بچ جائے۔ انصار یہ آواز سنتے ہی دوڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا انصار نے اس کو قتل کر دیا اور امیہ کی طرف دوڑے عبدالرحمٰنؓ امیہ کے اوپر لیٹ گئے مگر انصار نے اسی حالت میں پیروں کے نیچے سے تلواریں چلا کر امیہ کو قتل کیا جس سے عبدالرحمٰن کے پیر پر زخم آیا اور مدتوں تک اس زخم کا نشان باقی رہا۔

عبدالرحمٰن بن عوف فرمایا کرتے تھے خدا بلال پر رحم فرمائے میر زرہیں بھی گئیں اور میرے قیدی بھی ہاتھ سے گئے۔

ابو جہل پر دو شہزادوں کا حملہ

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بدر کے دن صف میں کھڑا تھا اچانک نظر جو پڑی تو دیکھتا کیا ہوں کہ میرے دائیں بائیں انصار میں کے دو نوجوان ہیں اس لئے مجھ کو اندیشہ ہوا (کہ لوگ آ کر مجھ کو دو لڑکوں کے درمیان کھڑا دیکھ نہ آ گھیریں)

اسی خیال میں تھا کہ ایک نے آہستہ سے کہا اے چچا مجھ کو ابو جہل دکھاؤ کہ کونسا ہے میں

نے کہا اے میرے بھتیجے ابو جہل کو دیکھ کر کیا کرو گے اس نوجوان نے کہا میں نے اللہ سے یہ عہد کیا ہے کہ اگر ابو جہل کو دیکھ پاؤں تو اس کو قتل کر ڈالوں یا خود مارا جاؤں اس لئے مجھ کو خبر ملی ہے کہ ابو جہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کرتا ہے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر اس کو دیکھ پاؤں تو میرا سایہ اس کے سایہ سے جدا نہ ہوگا یہاں تک ہم میں سے جس کی موت پہلے مقدر ہو چکی ہے نہ مر جائے۔

ان کی یہ گفتگو سن کر دل سے یہ آرزو جاتی رہی کہ کاش میں بجائے دو لڑکوں کے دو مردوں کے مابین ہوتا۔ میں نے اشارہ سے ابو جہل کا بتایا سنتے ہی شکرے اور باز کی طرح ابو جہل پر دوڑے اور اس کا کام تمام کیا۔

یہ دونو جوان۔ عفراء کے بیٹے معاذ اور معوذ تھے۔

دونوں کی جانبازی

عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن ابی بکر بن حزم معاذ بن عمرو بن الجموح سے راوی ہیں کہ میں ابو جہل کی تاک میں تھا جب موقع پڑا تو اس زور سے تلوار کا وار کیا کہ ابو جہل کی ٹانگ کٹ گئی۔

ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے (جو فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے) باپ کی حمایت میں معاذ کے شانہ پر اس زور سے تلوار ماری کہ ہاتھ کٹ گیا لیکن تسمہ لگا رہا ہاتھ بیکار ہو کر لٹک گیا مگر سبحان اللہ معاذ شام تک اسی حالت میں لڑتے رہے۔ جب ہاتھ کے لٹکنے سے تکلیف زیادہ ہونے لگی تو ہاتھ کو قدم کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا کہ وہ تسمہ علیحدہ ہو گیا۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہے مگر معوذ بن عفراء ابو جہل سے فارغ ہو کر لڑائی میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ جام شہادت نوش فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ابو جہل کا سر حضورؐ کے قدموں میں

ابو جہل اگرچہ زخمی خوب ہو چکا تھا لیکن زندگی کی رمق ابھی کچھ باقی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا کہ ہے کوئی جو ابو جہل کی خبر لائے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے جا کر لاشوں میں تلاش کیا دیکھا کہ ابھی اس میں کچھ رمق باقی ہے۔

ابن مسعودؓ نے ابوجہل کی گردن پر پیر رکھ کر یہ کہا۔

ذلیل اور رسوا کیا تجھ کو اللہ نے اے اللہ کے دشمن اور بعدازاں اس کا سر کاٹا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر لاکر ڈال دیا اور یہ عرض کیا:

یہ سر ہے اللہ کے دشمن ابوجہل کا۔

آپؐ نے فرمایا: قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں کیا یہ ابوجہل ہی کا سر ہے۔

میں نے عرض کیا: ہاں! قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ ابوجہل ہی کا سر ہے۔

آپ نے اللہ کا شکر کیا اور تین مرتبہ زبان مبارک سے یہ فرمایا:

الحمدللہ الذی اعز الاسلام واھلہ

حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے اسلام کو اور اسلام والوں کو عزت بخشی۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے سجدہ شکر بھی ادا فرمایا اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے (اس شکریہ میں) ایک دوگانہ پڑھا۔

ابوجہل کا غرور

ایک روایت میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ میں ابوجہل کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ابوجہل نے آنکھیں کھولیں اور کہا اے بکریوں کے چرانے والے البتہ تو بہت اونچے مقام پر چڑھ بیٹھا ہے، میں نے کہا:

حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھ کو یہ قدرت دی۔

پھر کہا کس کو فتح اور غلبہ نصیب ہوا میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو، پھر کہا تیرا کیا ارادہ ہے میں نے کہا تیرا سر قلم کرنے کا۔ کہا کہ اچھا یہ میری تلوار ہے اس سے میرا سر کاٹنا یہ بہت تیز ہے۔ تیری مراد اور مدعا کو جلد پورا کرے گی اور دیکھو میرا سر شانوں کے پاس سے کاٹنا تاکہ دیکھنے والوں کی نظروں میں ہیبت ناک معلوم ہو۔

اور جب محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف واپس ہو تو میرا یہ پیام پہنچا دینا کہ میرے دل میں بہ نسبت گزشتہ کے آج کے دن تمہاری عداوت اور بغض کہیں زیادہ ہے ابن مسعود فرماتے ہیں کہ بعدازاں میں نے اس کا سر قلم کیا اور لے کر آپؐ کی خدمت میں

حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ اللہ کے دشمن ابو جہل کا سر ہے اور اس کا پیام پہنچایا۔ آپ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ یہ میرا اور میری امت کا فرعون تھا جس کا شر اور فتنہ موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے شر اور فتنہ سے کہیں بڑھ کر تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے فرعون نے مرتے وقت تو ایمان کا کلمہ پڑھا مگر اس امت کے فرعون نے مرتے وقت بھی کفر اور تکبر ہی کے کلمات کہے اور ابو جہل کی تلوار ابن مسعودؓ کو عطا فرمائی۔

چھڑی تلوار بن گئی

عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لڑتے لڑتے تلوار ٹوٹ گئی آپ نے ایک چھڑی مرحمت فرمائی جو عکاشہؓ کے ہاتھ میں جاتے ہی تیغ بران بن گئی اسی سے قتال کیا یہاں تک اللہ نے فتح دی اس تلوار کا نام عون تھا۔ ہر غزوہ میں یہ تلوار ساتھ رہتی۔

حضرت زبیرؓ کا نیزہ

عبیدۃ بن سعید بن العاص۔ بدر کے دن غرق آہن تھا سوائے آنکھوں کے کوئی شئی دکھلائی نہیں دیتی تھی۔ حضرت زبیر نے تاک کر اس کی آنکھ میں ایسا نیزہ مارا کہ پار ہو گیا اور وہ فوراً ہی مر گیا۔ حضرت زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے اوپر پیر رکھ کر پوری قوت کے ساتھ نیزہ کھینچا تب نکلا لیکن اس کے کنارے ٹیڑھے ہو گئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور یادگار اس نیزہ کو حضرت زبیرؓ سے مانگ لیا۔ آپ کی وفات کے بعد ابو بکرؓ کے پاس رہا، پھر حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ اور پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس رہا۔

حضرت زبیرؓ کا زخم

معرکہ بدر میں حضرت زبیر کے زخم آئے ایک زخم شانہ پر اس قدر گہرا آیا کہ عروۃ بن زبیر بچپن میں اس زخم میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔

حضرت زبیرؓ کی تلوار

ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان نے عروۃ بن الزبیر سے کہا تم زبیر کی تلوار پہچانتے ہو

عروہ نے کہا ہاں عبدالملک نے کہا کس طرح عروہ نے کہا اس میں بدر کے دن دندانے پڑ گئے تھے۔ عبدالملک نے کہا سچ کہتے ہو اور تائید کے لئے یہ مصرع پڑھا:

بهن فلول من قراع الكتائب.

ان تلواروں میں دندانے ہیں بڑے بڑے لشکروں کے مارنے سے۔

قریش کے مقتولین کی نعشیں

انس بن مالکؓ اور ابوطلحہؓ سے مروی ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوبیس سرداران قریش کی لاشوں کے متعلق ایک نہایت خبیث، ناپاک اور گندے کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا، کنویں میں جو ڈالے گئے وہ سردار کفار تھے اور باقی مقتولین کسی اور جگہ ڈلوا دیئے گئے۔

جب عتبہ بن ربیعہ کی لاش کنویں میں ڈالی جانے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ عتبہ کے بیٹے ابوحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے پر حزن اور ملال کے آثار ہیں۔ آپ نے فرمایا اے ابوحذیفہ کیا باپ کی اس حالت کو دیکھ کر تیرے دل میں کچھ خیال گزرا ہے۔ ابوحذیفہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم کوئی خیال نہیں، صرف اتنی بات ہے کہ میرا باپ صاحب رائے اور حلیم اور بردبار اور صاحب فضل تھا اس لئے امید تھی کہ یہ فہم وفراست اسلام کی طرف رہنمائی کرے گی۔ لیکن جب اس کو کفر پر مرتے دیکھا تو رنج ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

سرداروں سے خطاب

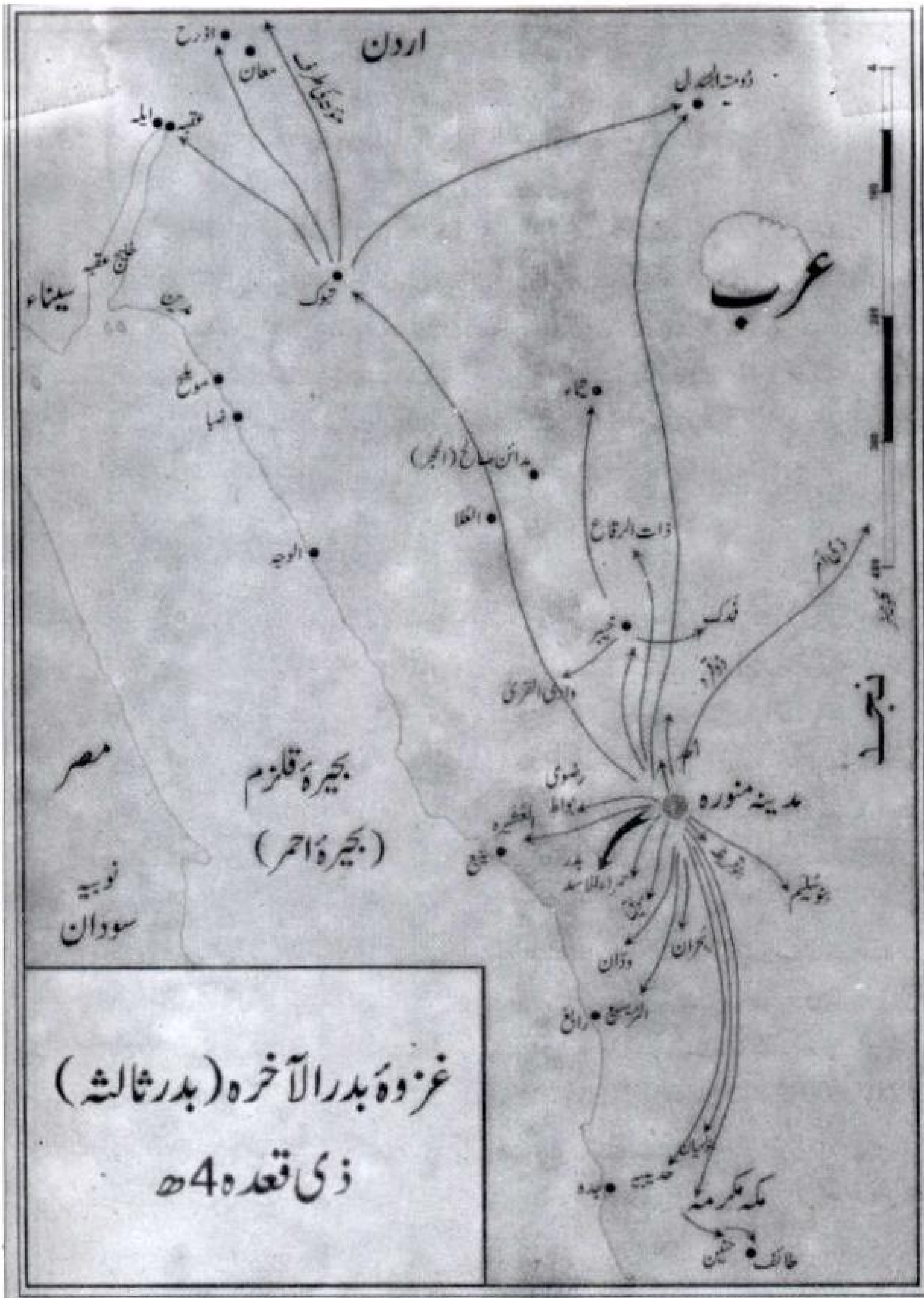
اور آپ کی یہ عادت شریفہ تھی کہ جب آپ کسی قوم پر غلبہ اور فتح پاتے تو تین شب وہاں قیام فرماتے۔ اسی عادت کے مطابق جب تیسرا روز ہوا تو آپ نے سواری پر زین کسنے کا حکم دیا۔ حسب الحکم پھر آپ چلے اور صحابہ آپ کے پیچھے چلتے تھے۔ صحابہ کہ یہ خیال تھا کہ شاید کسی ضرورت کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ آپ اس کنویں کے کنارے پر جا کھڑے ہوئے اور نام بنام فلاں بن فلاں کہہ کر آواز دی اور یا عتبہ اور یا شیبہ اور یا امیہ اور یا ابا جہل اس طرح نام لے کر پکارا اور یہ فرمایا تم کو یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے

رسول کی اطاعت کرتے۔ تحقیق جس چیز کا ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا ہم نے اس کو حق پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو حق پایا۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

ابن اسحٰق کی روایت میں اس قدر اور اضافہ ہے، اے گڑھے والو تم اپنے نبی کے حق میں بہت برا قبیلہ تھے۔ تم نے مجھ کو جھٹلایا اور لوگوں نے میری تصدیق کی تم نے مجھ کو نکالا۔ اور لوگوں نے ٹھکانہ دیا۔ تم نے مجھ سے قتال کیا اور اور لوگوں نے میری مدد کی۔ امین کو تم نے خائن بتلایا اور صادق کو کاذب کہا۔ اللہ تم کو بری جزا دے۔ بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ کیا آپ بے جان لاشوں سے کلام فرماتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میرے کلام کو تم ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر وہ جواب نہیں دے سکتے۔

امیہ بن خلف کی نعش

بحمد اللہ فتحِ مبین پر لڑائی کا خاتمہ ہوا قریش کے ستر آدمی قتل اور ستر گرفتار اور اسیر ہوئے مقتولین کی لاشوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا مگر امیہ بن خلف کہ اس کی لاش اس قدر پھول گئی تھی کہ جب زرہ نکالنے کا ارادہ کیا تو اس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اس لئے وہیں مٹی میں دبا دی گئی۔



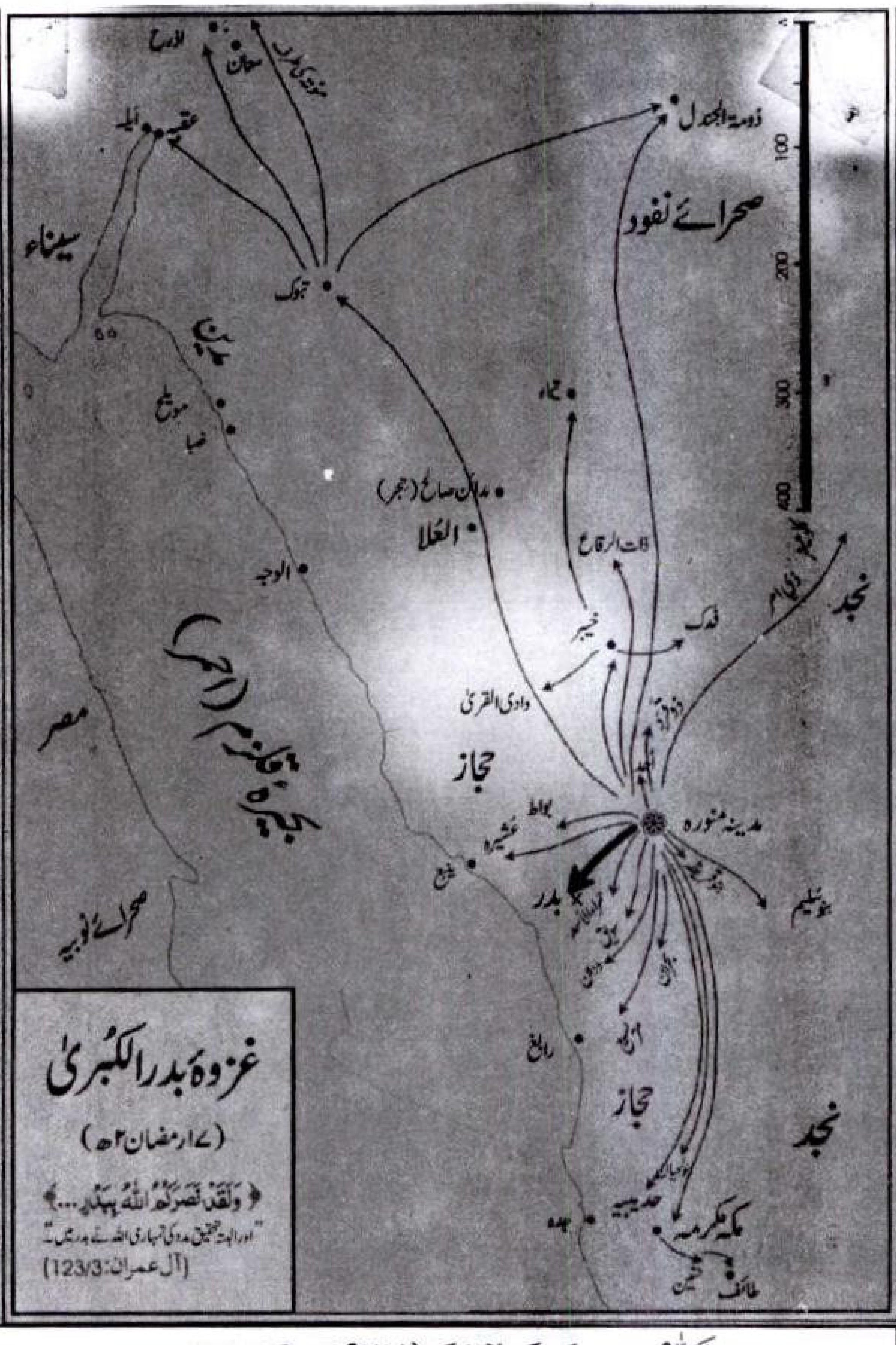
غزوۂ بدر الآخرہ (بدر ثالثہ)

ذی قعدہ 4ھ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ

النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلِّمْ

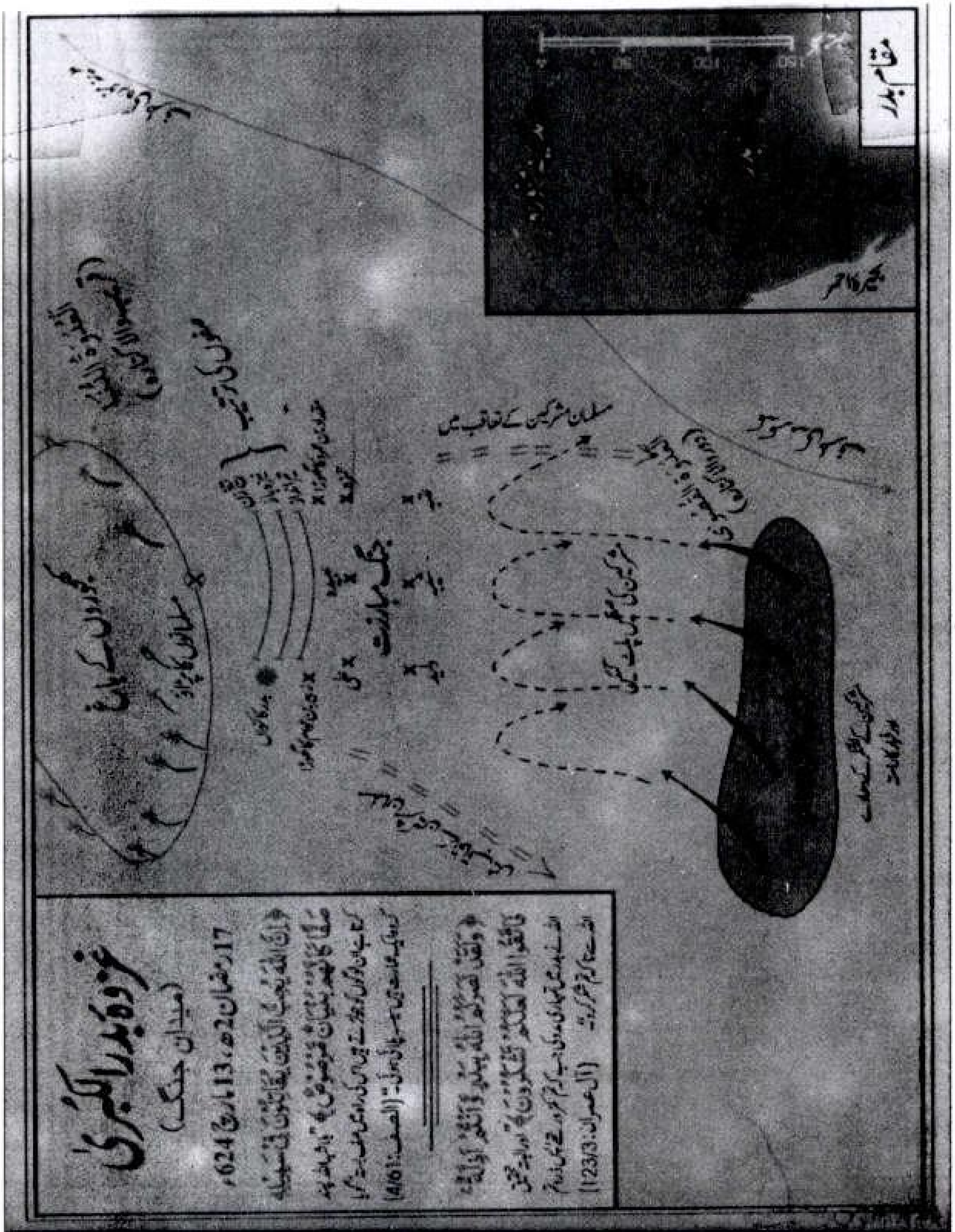
حضرت خلاد رحمۃ اللہ علیہ جمعہ کے دن یہ درود شریف ایک ہزار مرتبہ پڑھا کرتے تھے
ان کے انتقال کے بعد ان کے تکیہ کے نیچے سے ایک کاغذ ملا جس پر لکھا ہوا تھا کہ یہ
خلاد بن کثیرؒ کے لئے دوزخ سے آزادی کا پروانہ ہے۔ (ذریعۃ الوصول)



اللّٰھم صل علی محمد

وانزله المقعد المقرب عندك يوم القيامة 1

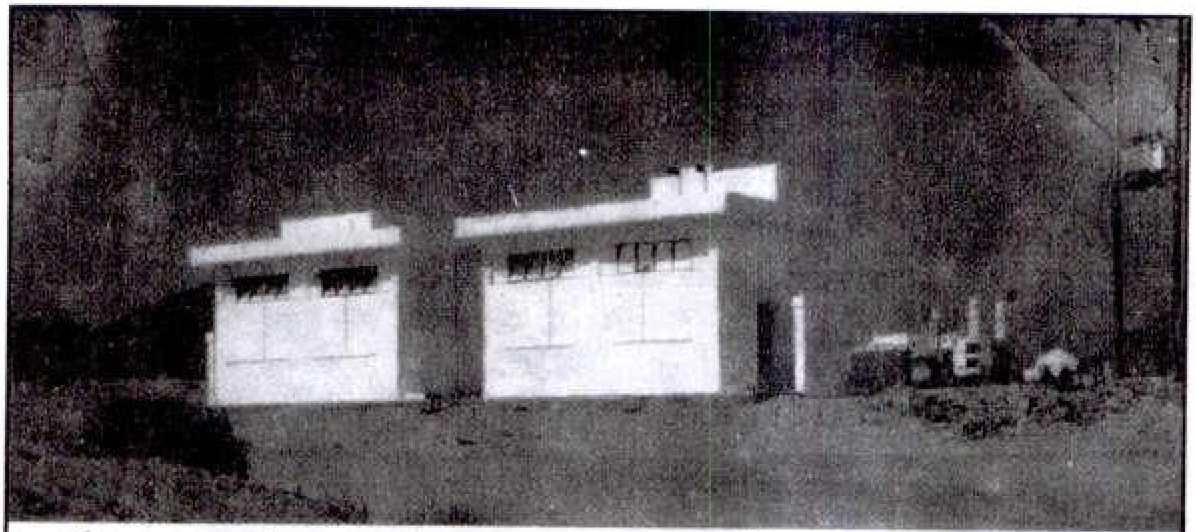
جو شخص یہ درود شریف پڑھے گا، اُس کے لئے حضور کی شفاعت واجب ہوگی۔ (ذریعۃ الوصول)



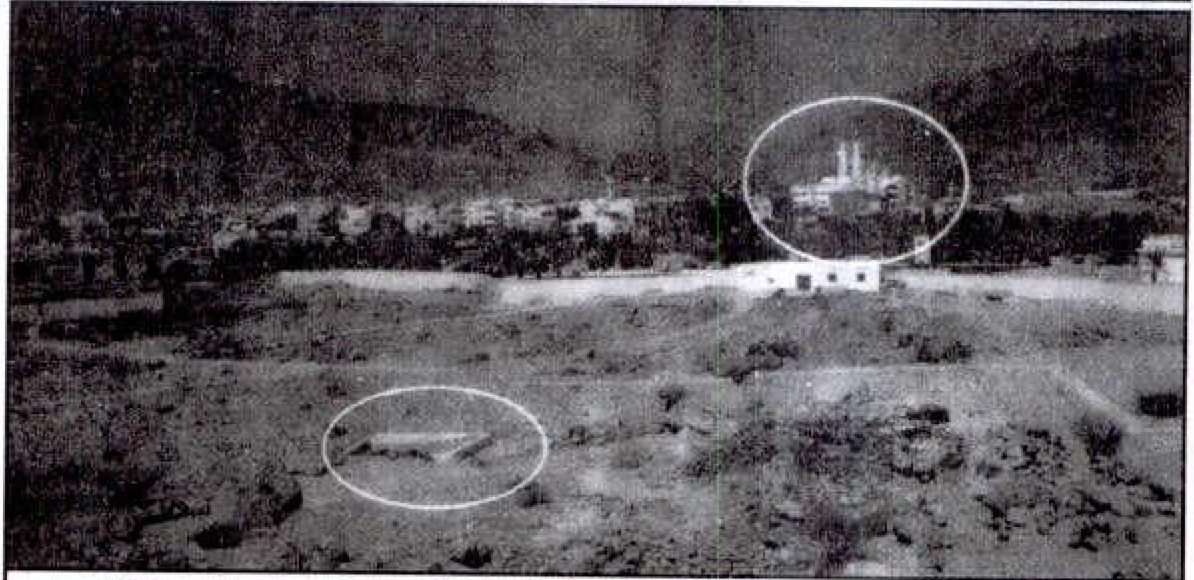
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ وَصَلِّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ اُس کا مال بڑھ جائے وہ مذکورہ درود شریف پڑھا کرے۔ (زاد السعید)



غزوہ بدر میں مارے جانے والے مشرکین کے بڑے بڑے سرداروں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے ایک اندھے کنویں میں ڈلوادیا گیا تھا۔ تصویر میں نظر آنے والے حمام اسی کنویں پر تعمیر کیے گئے



بدر کا قبرستان۔ دائرہ میں دکھائی گئی چاردیواری میں شہداء مدفون ہیں۔ درخت اور پس منظر میں نظر آنے والے دائرے میں مسجد العریش نظر آرہی ہے



بدر کے نخلستان، کنویں اور ریت کے ٹیلے



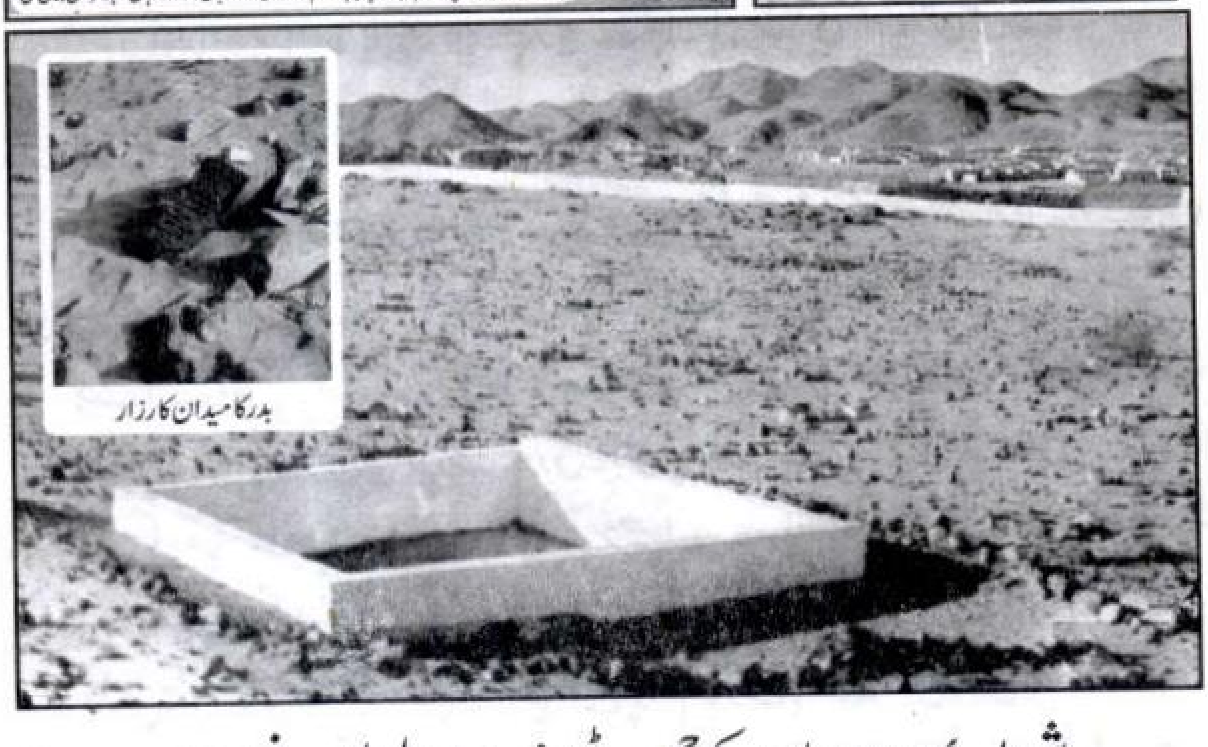
بدر کے مقام میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے ایک اونچی جگہ ایک سائبان بنایا گیا تھا جہاں سے آپ مجاہدین اسلام کی کمان کر رہے تھے۔ مسجد العریش نامی یہ خوبصورت مسجد اسی جگہ بنائی گئی ہے۔



میدان بدر کا وہ اونچا مقام جہاں پر مجاہد اعظم ﷺ کا عریش (سائبان) تھا۔ وہاں مسجد عریش بنائی گئی



شہدائے بدر کی یادگار



بدر کا میدان کارزار

شہدائے بدر درمیان کے چھوٹے سفید احاطے میں مدفون ہیں

غزوۂ بدر سے واپسی

فتح مبین کی خبر مدینہ میں

بعدازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتح مبین کی بشارت اور خوشخبری سنانے کے لئے مدینہ منورہ قاصد روانہ فرمائے اہل عالیہ کی طرف عبداللہ بن رواحہ کو اور اہلِ سافلہ کی طرف زید بن حارثہ کو روانہ فرمایا۔

اسامۃ بن زید فرماتے ہیں کہ یہ بشارت اس وقت ہمارے کانوں میں پہنچی جس وقت کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مٹی دے رہے تھے۔ ان کی تیمارداری کے لئے حضور پرنور عثمان غنیؓ کو مدینہ چھوڑ آئے تھے اسی وجہ سے حضرت عثمان بدر میں شریک نہ ہو سکے مگر چونکہ یہ تخلف حضور پرنور کے حکم سے تھا اس لئے حضرت عثمان حکماً بدر میں شمار کئے گئے میں نے دیکھا کہ زید بن حارثہ کو لوگ گھیرے ہوئے ہیں اور زید مصلے پر کھڑے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں مارا گیا عتبہ بن ربیعہ اور شیبۃ بن ربیعہ اور ابوجہل بن ہشام اور زمعۃ بن الاسود اور ابوالبختری بن ہشام اور امیہ بن خلف اور نبیہ اور منبہ پسران حجاج۔

میں نے کہا اے باپ کیا یہ خبر سچ ہے زید نے کہا۔ ہاں خدا کی قسم بالکل حق ہے۔

مدینہ کی طرف واپسی

زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ کو مدینہ منورہ روانہ فرمانے کے بعد آپ روانہ ہوئے اور اسیران بدر کا قافلہ آپ کے ہمراہ تھا۔ مال غنیمت عبداللہ بن کعب انصاری کے سپرد فرمایا۔

جب آپ مقام روحاء میں پہنچے تو آپ کو کچھ مسلمان ملے جنہوں نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو اس فتح مبین کی مبارک باد دی۔ اس پر سلمۃ بن سلامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کس چیز کی مبارکباد دیتے ہو۔ خدا کی قسم بڑھیوں سے پالا پڑا۔ رسی میں بندھے ہوئے اونٹوں کی طرح ان کو ذبح کر کے ڈال دیا۔

(یعنی ہم نے کوئی بڑا کام ہی نہیں کیا جس پر ہم مبارک باد کے مستحق ہوں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرائے اور یہ فرمایا یہی تو مکہ کے سادات اور اشراف تھے۔

مال غنیمت کی تقسیم

فتح کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں تین روز قیام فرمایا۔ تین روز قیام کے بعد مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہوئے اور مقام صفراء میں پہنچ کر مال غنیمت کو تقسیم فرمایا۔

ہنوز مال غنیمت کی تقسیم کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اصحاب بدر میں مال غنیمت کے تقسیم میں مختلف الرائے ہو گئے جوان یہ کہتے تھے کہ مال غنیمت ہمارا حق ہے کہ ہم نے کافروں کو قتل کیا۔ بوڑھے چونکہ جھنڈوں کے نیچے رہے اور قتل وقتال میں زیادہ حصہ نہیں لیا، وہ یہ کہتے تھے کہ ہم کو بھی مال غنیمت میں شریک کیا جائے اس لئے کہ جو کچھ فتح ہوا وہ ہماری ہی پشت پناہی سے فتح ہوا، اگر خدانخواستہ تم کو شکست ہوتی تو ہماری ہی پناہ لیتے اور ایک جماعت کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہی تھی وہ اپنے کو اس مال کا مستحق سمجھتی تھی۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی **یسئلونک عن الانفال قل الا نفال للہ والرسول** آپ سے مال غنیمت کا حکم پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ مال غنیمت اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا ہے یعنی مال غنیمت کے مالک حق تعالیٰ اور رسول اللہ اللہ کے نائب ہیں جس طرح مناسب سمجھیں تقسیم کر دیں مقام صفراء میں پہنچ کر آپ نے یہ تمام مال مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔

آٹھ حضرات جو لڑائی میں نہ تھے مگر غنیمت کا حصہ پایا

علاوہ ازیں مال غنیمت میں سے ان آٹھ آدمیوں کو بھی حصہ دیا کہ جو آپ کے حکم سے یا اجازت سے بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔

(۱) عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زوجہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کی وجہ سے مدینہ چھوڑ گئے تھے۔ (۲) طلحہ بن عبید اللہ۔ (۳) سعید بن زید ان دونوں صاحبوں کو مدینہ سے ابوسفیان کے قافلہ کی خبر لینے کے لئے روانہ کیا تھا۔ (۴) ابولبابہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہی میں بغرض انتظام چھوڑ گئے تھے۔ (۵) عاصم بن عدیؓ ان کو عالیہ میں چھوڑ گئے تھے۔ (۶) حارث بن حاطب ان کو کسی وجہ سے بنی عمرو بن عوف کی طرف واپس لوٹا دیا تھا۔ (۷) حارث بن الصمۃ۔ (۸) خوات بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ اصحاب اگرچہ معرکہ بدر میں شریک نہیں ہوئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر کی غنیمت میں سے حصہ دیا اور بدریین میں شامل فرمایا واللہ اعلم۔

قیدیوں کا مُعاملہ

دو قیدیوں کا قتل

اور اسی مقام صفراء میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں میں سے نضر بن حارث کے قتل کا حکم دیا اور صفراء سے چل کر جب مقام عرق الظبیہ میں پہنچے تو عقبۃ بن ابی معیط کے قتل کا حکم دیا اور اسی جگہ اس کی گردن ماری گئی۔

نضر بن حارث کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اور عقبہ بن ابی معیط کو عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کیا اور باقی قیدیوں کو لے کر حضور مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔

نضر اور عقبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھے۔ بازبان اور دریدہ دہن تھے۔ قول اور فعل سے آپ کی تذلیل اور توہین استہزا اور تمسخر میں' ہاتھ اور زبان سے ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا تھا۔ اس لئے خاص طور پر تمام قیدیوں سے صرف ان دو کی گردن مارنے کا حکم دیا اسی عقبۃ بن ابی معیط نے جبکہ آپ بارگاہ خداوندی میں سربسجود تھے۔ آپ کی پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھ لا کر رکھی تھی اور آپ کا گلا گھونٹا تھا' دلائل ابی نعیم میں باسناد صحیح ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر تھوکا تھا۔ الغرض ذات قدسی صفات (علیہ الف الف صلوات والف الف تحیات) کا استہزا اور تمسخر تو اس کی غذا ہی تھی۔

قیدیوں کی تقسیم

مدینہ منورہ پہنچ کر قیدیوں کو صحابہ میں تقسیم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا۔ قیدیوں کے ساتھ بھلائی اور سلوک کرو چنانچہ صحابہ کا یہ حال تھا کہ جن کے پاس قیدی تھے وہ اول کھانا قیدیوں کو کھلاتے اور بعد میں خود کھاتے اور اگر نہ بچتا تو خود کھجور پر اکتفا کرتے۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی ابوعزیز بن عمیر بھی قیدیوں میں تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں انصار کے جس گھر میں تھا ان کا یہ حال تھا کہ صبح و شام جو تھوڑی بہت روٹی پکتی وہ تو مجھ کو کھلا دیتے اور خود کھجور کھاتے۔ میں شرماتا اور ہر چند اصرار کرتا کہ روٹی آپ کھائیں لیکن نہ مانتے اور یہ کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو قیدیوں کے ساتھ سلوک کا حکم دیا ہے۔

قیدیوں کے بارے میں مشورہ

مدینہ منورہ پہنچ جانے کے چند روز بعد آپ نے صحابہ سے اسیران بدر کے بارہ میں مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران بدر کے بارہ میں صحابہ سے مشورہ طلب کیا کہ اس بارہ میں رائے دیں اور ابتدأ از خود یہ ارشاد فرمایا۔

ان اللہ امکنکم منھم تحقیق اللہ نے تم کو ان پر قدرت دی ہے۔

حضرت عمرؓ فاروق و حضرت ابوبکرؓ صدیق کی رائے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مناسب یہ ہے کہ سب کی گردن اڑا دی جائے۔ رحمت عالم رافت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند نہ فرمایا اور دوبارہ یہ ارشاد فرمایا۔

یایھا الناس ان اللہ قد امکنکم و انما ھم اخوانکم بالامس

اے لوگو تحقیق اللہ نے تم کو ان پر قدرت دی ہے اور کل یہ تمہارے بھائی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر وہی عرض کیا۔ آپ نے پھر وہی ارشاد فرمایا کہ اللہ نے تم کو ان پر قدرت دی ہے اور کل یہ تمہارے بھائی تھے' ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ

صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ہر شخص اپنے عزیز کو قتل کرے علی کو حکم دیں کہ وہ اپنے بھائی عقیل کی گردن ماریں اور مجھ کو اجازت دیں کہ میں اپنے فلاں عزیز کی گردن ماروں اس لئے کہ یہ لوگ کفر کے پیشوا اور سردار ہیں۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ لوگ آپ ہی کی قوم کے ہیں میری رائے میں ان کو فدیہ لے کر آزاد فرمادیں عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی ہدایت دے اور پھر یہی لوگ کافروں کے مقابلے میں ہمارے معین اور مددگار ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رائے کو پسند فرمایا۔

حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم کی شان

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کی رائے سن کر یہ ارشاد فرمایا اے عمر تیری شان حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی سی ہے جنہوں نے اپنی اپنی قوم کے حق میں یہ دعا کی۔ نوح علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی۔

رب لاتذر علی الارض من الکافرین دیاراً ط انک ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجراً کفاراً۔

اے پروردگار مت چھوڑ زمین پر کافروں میں سے کسی بسنے والے کو تو اگر ان کو چھوڑ دے گا تو یہ لوگ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور نہیں جنیں گے الا بدکار اور کفر کرنے والے کو۔

اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی

ربنا اطمس علیٰ اموالھم واشدد علیٰ قلوبھم فلا یؤمنوا حتیٰ یروا العذاب الالیم

اے ہمارے پروردگار مٹادے ان کے مالوں کو اور مہر کردے ان کے دلوں پر کہ نہ ایمان لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھیں۔

اور اے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیری شان حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی سی ہے جنہوں نے یہ دعا مانگی۔ ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی۔

فمن تبعنی فانه منی ومن عصانی فانک غفور رحیم.

پس جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے وابستہ ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو آپ بڑے کثیر المغفرت اور کثیر الرحمت ہیں اور اس کو ایمان کی توفیق دے سکتے ہیں۔

اور عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن یہ فرمائیں گے۔

ان تعذبهم فانهم عبادک وان تغفرلهم فانک انت العزیز الحکیم

اے اللہ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں آپ ان کے مالک ہیں اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمائیں تو آپ بڑے غالب اور حکمت والے ہیں جس مجرم کو چاہیں معاف کریں اور آپ کی معافی حکمت سے خالی نہیں ہوسکتی۔

آپ کی شان رحمۃ للعالمین نے ابوبکرؓ کی رائے کو پسند کیا اور قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

قیدیوں کے بارے میں اختیار

آپ صحابہ سے مشورہ فرما ہی رہے تھے کہ وحی نازل ہوئی کہ آپ صحابہ کو قتل اور فدیہ کا اختیار دے دیں جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ جبرئیل امین نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسیران بدر کے بارے میں آپ اپنے اصحاب کو اختیار دیں چاہیں قتل کریں اور چاہیں فدیہ لے کر آزاد کردیں مگر شرط یہ ہے کہ سال آئندہ تم میں سے اتنے ہی قتل کئے جائیں گے۔ صحابہ نے کفار سے فدیہ لینے اور سال آئندہ اپنے قتل ہونے کو اختیار کیا۔

مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوعبیدہ سے مرسلا روایت ہے کہ جبرئیل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر یہ عرض کیا کہ آپ کے رب نے اسیران بدر کے بارے میں آپ کو اختیار دیا ہے' آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ آج ہم ان سے فدیہ لے کر آزاد کردیں تاکہ ہم کو ان کے مقابلے میں اس سے ایک گونہ قوت حاصل ہو اور سال آئندہ حق تعالیٰ جس کو چاہیں شہادت کی عزت وکرامت سے سرفراز فرمائیں۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ سال آئندہ ہم میں سے ستر آدمی جنت میں داخل ہوں۔

قیدیوں کے متعلق وحی کا نزول

الحاصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا حکم دیا اور دیگر اکابر صحابہ کی فدیہ لینے کی رائے اس لئے لی تھی کہ شاید یہی لوگ آئندہ چل کر مسلمان ہو جائیں اور اسلام کے معین و مددگار بنیں اور فدیہ سے فی الحال جو مال حاصل ہو وہ جہاد میں مدد دے اور دینی کاموں میں اس سے سہارا لگے اور ممکن ہے کہ فدیہ کا مشورہ دینے والوں میں کچھ افراد ایسے بھی ہوں کہ جن کا زیادہ مقصود حصول مال و منال ہو جس کا منشا حب دنیا ہے اگرچہ وہ دنیائے حلال ہی ہو یعنی مال غنیمت اس پر بارگاہ خداوندی سے عتاب ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

ما کان لنبی ان یکون له اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض ط تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الأخرة واللہ عزیز حکیم لولا کتب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم

کسی نبی کے لئے یہ لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی آئیں یہاں تک کہ ان کو قتل کرے اور زمین میں خوب ان کا خون بہائے تم دنیا کا مال ومنال چاہتے ہو اور اللہ آخرت کی مصلحت چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو اس چیز کے بارے میں جو تم نے لی ہے ضرور تم کو بڑا عذاب پہنچتا۔

عتاب کا منشاء

اس خطاب سراپا عتاب کے اصل مخاطب وہی لوگ ہیں جنہوں نے زیادہ تر مالی فائدہ اور دنیاوی مصلحت کو پیش نظر رکھ کر فدیہ کا مشورہ دیا تھا جیسا کہ تریدون عرض الدنیا. سے مترشح ہوتا ہے۔ باقی جن حضرات نے محض دینی اور اخروی مصالح کی بنا پر فدیہ کا مشورہ دیا تھا وہ فی الحقیقت اس عتاب میں داخل نہیں اور حضور پرنور نے محض صلہ رحمی اور رحم دلی کی بنا پر فدیہ کی رائے کو پسند فرمایا اور تا کہ دوسروں کو مالی فائدہ پہنچ جائے اور دوسروں کو مالی نفع پہنچانے کا تصور جود و کرم ہے اور غایت درجہ محمود ہے اور اپنے لئے مالی فائدے کو ملحوظ رکھنا یہ ناپسندید

ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عتاب ربانی سن کر رو پڑے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رونے کا سبب دریافت کیا آپ نے فرمایا تیرے ساتھیوں پر فدیہ لینے کی وجہ سے من جانب اللہ جو عذاب پیش کیا گیا اس کی وجہ سے روتا ہوں میرے سامنے ان کا عذاب اس درخت کے قریب پیش کیا گیا۔ عذاب فقط دکھلا دیا گیا۔ اتارا نہیں گیا مقصود فقط تنبیہ تھی۔ بعد ازاں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر اس وقت عذاب آتا تو سوائے عمرؓ کے کوئی نہ بچتا اور ایک روایت میں ہے کہ اور سوائے سعد بن معاذ کے۔

چونکہ سعد بن معاذ کی بھی یہی رائے تھی کہ قتل کیے جائیں اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کو مستثنیٰ کیا گیا۔ عبداللہ بن رواحہ اگرچہ فدیہ کے مخالف تھے مگر ان کا خیال یہ تھا کہ ان سب کو آگ میں جلا دیا جائے جس کو شریعت پسند نہیں کرتی اس لئے عبداللہ بن رواحہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔

قیدیوں کے بارے میں منشاء خداوندی

چونکہ اس غزوہ سے احقاق حق اور ابطال باطل اور کافروں کی جڑ کاٹنی مقصود تھی اسی لئے اس غزوہ میں من جانب اللہ خاص طور پر مسلمانوں کو قتل مشرکین کا حکم دیا گیا تھا۔

اس وقت فدیہ لینا جائز نہیں۔ ہاں اسلام کی عظمت و ہیبت دبدبہ اور شوکت قائم ہو جانے کے بعد اگر فدیہ لے کر آزاد کر دیں تو مضائقہ نہیں۔

اس موقع پر منشاء خداوندی یہ تھا کہ کافی خونریزی کی جائے تاکہ دلوں میں اسلام کی ہیبت اور شوکت بیٹھ جائے اور کفر کی جڑ کٹ جائے اور آئندہ کے لئے کفر اسلام کے مقابلہ میں سر نہ اٹھا سکے۔

مسلمانوں نے چونکہ اعداء اللہ کی کافی خونریزی سے قبل فدیہ لیا اس لئے بارگاہ خداوندی سے عتاب آیا۔

یہ وقت ترحم کا نہ تھا بلکہ شدت اور سختی کا تھا۔

اختیار دراصل امتحان تھا

علامہ طیبی طیب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں کہ یہ اختیار فقط ظاہری اور صوری۔ لیکن معنوی اور حقیقی لحاظ سے وہ اختیار امتحان تھا کہ دیکھیں اعداء اللہ کے قتل کو اختیار کرتے ہیں یا سامان دنیا کو جیسا کہ ازواج مطہرات نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مزید نان ونفقہ کا تقاضہ کیا تو یہ آیت اتری۔

یا یھا النبی قل لا زواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسر حکن سراحا جمیلاہ وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنت منکن اجرا عظیماہ

اے نبی آپ اپنی عورتوں سے یہ کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو جوڑا دے کر مناسب طرح سے رخصت کر دوں اور اگر اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے عالم آخرت میں تم میں سے جو نیکو کار ہیں ان کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت میں ظاہراً اگرچہ ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ خواہ دنیا اور اس کی زینت کو اختیار کریں اور خواہ اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کریں لیکن حقیقت میں یہ اختیار نہیں تھا بلکہ امتحان اور آزمائش تھی۔

اور جیسا کہ ہاروت ماروت کا تعلیم سحر کے لئے بابل میں اتارنا محض فتنہ اور امتحان وابتلاء اور آزمائش کے لئے تھا۔ جادو کے سیکھنے اور نہ سیکھنے کا اختیار دینا مقصود نہ تھا۔

اور جیسا کہ کہ شب معراج میں آپ کے سامنے شراب اور دودھ کے دو برتن پیش کئے گئے اور آپ نے دودھ کو اختیار کیا اس پر جبرئیل نے فرمایا کہ اگر آپ شراب کو اختیار فرماتے تو آپ کی امت گمراہی میں پڑ جاتی۔

عتاب کا مطلب

مطلب عتاب کا یہ ہے کہ تم اللہ کے رسول کے اصحاب ہو کر دنیا کے فانی مال ومتاع

اور حقیر اسباب پر کیوں نظر کرتے ہو۔اے اصحاب رسول تم جیسے سابقین اور مقربین کی شان جلیل اور منصب عالی کے ہرگز ہرگز مناسب نہیں کہ دنیا حلال (مال فدیہ وغنیمت) پر نظر کرو باقی حضور پرنور نے جو فدیہ کی رائے کو پسند فرمایا اس کا منشاء محض صلہ رحمی اور رحم دلی تھا معاذ اللہ معاذ اللہ۔حضور پرنور اور صدیق اکبرؓ کے سامنے ذرہ برابر بھی مالی فائدہ پیش نظر نہ تھا، اس لئے وہ اس عتاب میں داخل نہیں بارگاہ رسالت میں تو پوری دنیا ہی کا وجود وعدم برابر تھا وہاں فدیہ کے دراہم معدودہ پر کیا نظر ہوتی۔

فدیہ کی مقدار

فدیہ کی مقدار علی حسب الحیثیت ایک ہزار درہم سے چار ہزار درہم تک تھی اور جولوگ نادار تھے اور فدیہ نہیں ادا کر سکتے تھے وہ بلا کسی معاوضہ اور فدیہ کے آزاد کر دیئے گئے۔

اور جولوگ ان میں سے لکھنا جانتے تھے ان سے یہ شرط ٹھہری کہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں اور آزاد ہو جائیں یہی ان کا فدیہ ہے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی طرح لکھنا سیکھا۔

ناداروں کو بغیر فدیہ رہا کر دیا

اسیران بدر میں ابوعزہ عمرو بن عبداللہ بن عثمان میں بھی فدیہ کی استطاعت نہ تھی اس لئے آپ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ میں نادار اور عیال دار ہوں مجھ پر احسان فرمایئے آپ نے احسان فرمایا اور بلا فدیہ لئے رہا کر دیا مگر یہ شرط فرمائی کہ ہمارے مقابلے میں کسی کی مدد نہ کرنا۔ابوعزہ نے اس شرط کو منظور کیا اور آپ کی شان میں کچھ مدحیہ اشعار بھی کہے لیکن اسلام نہیں لائے۔جنگ احد میں بحالت کفر قتل ہوئے اور اسی طرح مطلب بن حنطب اور صیفی ابن ابی رفاعہ بلا فدیہ رہا کئے گئے۔

مکہ میں خبر اور تہلکہ

جس وقت مکہ میں قریش کی ہزیمت اور شکست کی خبر پہنچی تو تمام شہر میں تہلکہ پڑ گیا سب سے پہلے مکہ میں حیسمانِ خزاعی پہنچا لوگوں نے کہا بتلاؤ کیا خبر ہے کہا مارا گیا،عتبہ بن ربیعہ

اور شیبہ بن ربیعہ اور ابوالحکم بن ہشام (یعنی ابوجہل) اور امیہ بن خلف اور زمعہ بن اسود اور نبیہ اور منبہ پسران حجاج اور فلاں فلاں سردارانِ قریش صفوان بن امیہ اس وقت حطیم میں بیٹھا ہوا تھا سن کر یہ کہا کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ شاید یہ شخص دیوانہ ہو گیا بطور امتحان ذرا اس سے دریافت تو کرو کہ صفوان بن امیہ کہاں ہے حیسمان نے کہا یہی تو صفوان بن امیہ ہے جو حطیم میں بیٹھا ہوا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے اس کے باپ اور بھائی کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

مکہ میں خفیہ مسلمانوں کی خوشی

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابورافع نے بیان کیا کہ عباسؓ کے گھرانے میں اسلام داخل ہو چکا تھا لیکن ہم لوگ اپنے اسلام کو چھپاتے تھے۔

جب قریش جنگ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو ہم خبروں کے منتظر رہتے تھے، حیسمان خزاعی نے آکر جب قریش کی شکست کی خبر سنائی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ کو سن کر اپنے دل میں بے حد خوش ہوئے میں اس وقت زمزم کے سائبان کے نیچے بیٹھا ہوا تھا اور میری زوجہ ام فضل بھی وہیں تھیں اتنے میں ابولہب بھی آ گیا۔

لوگوں نے ابوسفیان بن حارث کو سامنے سے آتے دیکھ کر ابولہب سے کہا یہ ابوسفیان ہیں بدر سے واپس آئے ہیں۔ ابولہب نے ابوسفیان کو بلا کر اپنے پاس بٹھلایا اور بدر کا حال دریافت کیا۔ ابوسفیان نے کہا:

خدا کی قسم کوئی خبر نہیں مگر یہ کہ ایک قوم سے ہم مقابل ہوئے اور اپنے مونڈھے ان کے حوالہ کئے جس طرح چاہتے تھے وہ ہم میں ہتھیار چلاتے تھے اور جس طرح چاہتے تھے قید کرتے تھے اور اسی وجہ سے میں لوگوں کو ملامت نہیں کرتا خدا کی قسم سفید مرد ابلق گھوڑوں پر سوار، آسمان اور زمین کے درمیان معلق۔ ہمارے مقابل تھے خدا کی قسم وہ کسی چیز کو باقی نہیں چھوڑتے تھے اور کوئی چیز ان کے سامنے نہیں ٹھہرتی۔

ابولہب کا مشتعل ہونا

ابورافع کہتے ہیں میں نے کہا خدا کی قسم یہ فرشتے تھے۔ یہ سنتے ہی ابولہب اس قدر

مشتعل ہوا کہ زور سے میرے ایک طمانچہ رسید کیا اور اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور مارنے کے لئے میرے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور میں کمزور بدن کا تھا۔

ام فضل اٹھیں اور ایک ستون اٹھا کر ابولہب کے سر پر اس زور سے مارا کہ سر زخمی ہو گیا اور یہ کہا کہ اس کا آقا (عباسؓ) موجود نہ تھا اس لئے تو نے اس کو کمزور سمجھا۔

ابولہب کی عبرتناک موت

ابولہب پر ایک ہفتہ نہ گزرا کہ ایک طاعونی پھوڑے میں مبتلا ہوا اور مر گیا۔ لاش اس قدر متعفن ہو گئی تھی کہ کوئی قریب بھی نہیں جا سکتا تھا۔

تین دن کے بعد بیٹوں نے محض عار کے خیال سے ایک گڑھا کھدوا کر لاٹھیوں سے لاش اس گھڑے میں پھینکوا دی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب اس مقام سے گزرتیں جہاں ابولہب اس طرح سے مرا تھا تو کپڑے سے منہ ڈھانک لیتی تھیں۔

جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب دیار ثمود پر سے گزرے تو چہرہ انور کو کپڑے سے چھپا لیا اور سواری کو تیز کر دیا۔ اشارہ اس طرف تھا کہ مواقعِ عذاب پر جب گزر ہو تو ایسا ہی کرنا چاہیے۔ ام المومنین نے اسی سنت پر عمل فرمایا۔

مکہ والوں کی گریہ وزاری اور اعلان

قریش کو جب اپنے خویش اور اقارب کے قتل کا حال معلوم ہوا تو نوحہ وزاری شروع ہو گئی ایک ماہ تک اسی طرح گریہ وزاری کرتے رہے بعد ازاں یہ منادی کرادی گئی کہ کوئی شخص گریہ وزاری نہ کرے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو جب خبر پہنچے گی تو بہت خوش ہوں گے اور نہ کوئی اپنے قیدیوں کا فدیہ دے کہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فدیہ کی مقدار نہ بڑھا دیں۔

لیکن باوجود اس اعلان اور منادی کے مطلب بن ابی وداعہ چار ہزار درہم لے کر قریش سے پوشیدہ شب کو مدینہ روانہ ہوا، مدینہ پہنچ کر اپنے باپ ابو وداعہ کا فدیہ ادا کیا اور باپ کو چھڑا کر مکہ لے آیا۔ اس کے بعد سلسلہ پڑ گیا اور لوگوں نے اپنے اپنے قیدیوں کو فدیہ بھیج بھیج کر چھڑانا شروع کر دیا۔

سہیل بن عمرو کا معاملہ

انہی قیدیوں میں سہیل بن عمرو بھی تھے۔ نہایت زیرک اور فصیح اللسان تھے، مجمعوں میں آپ کی مذمت کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیجئے کہ سہیل کے نیچے کے دو دانت اکھاڑ ڈالوں تا کہ اس قابل ہی نہ رہے کہ کسی موقع پر آپ کے خلاف زبان ہلا سکے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ان کو چھوڑ دو عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان سے کوئی خوشی دکھلائے۔

چنانچہ صلح حدیبیہ انہی کی سعی سے ہوئی جس کو اللہ نے فتح مبین فرمایا اور فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔

ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت عمرؓ کے جواب میں یہ فرمایا۔ **لا امثل به فیمثل الله بی وان کنت نبیا**۔ میں کسی کا مثلہ نہیں کرتا۔ مبادا کہیں خدا تعالیٰ میرا مثلہ نہ کرے اگرچہ میں نبی ہوں۔

عمرو بن ابی سفیان

انہی قیدیوں میں ابوسفیان بن حرب کا بیٹا عمرو بھی تھا۔ جب ابوسفیان سے کہا گیا کہ اپنے بیٹے عمرو کو فدیہ دے کر چھڑالو تو ابوسفیان نے یہ جواب دیا کہ ایسے ممکن ہے کہ میرا آدمی بھی مارا جائے اور فدیہ بھی دوں۔ میرا ایک بیٹا حنظلہ تو قتل ہو گیا اور دوسرے عمرو کا فدیہ دوں جب تک چاہیں قید رکھیں اسی اثناء میں سعد بن نعمان انصاری مدینہ سے مکہ عمرہ کرنے کے لئے آئے ابوسفیان نے ان کو اپنے بیٹے کے معاوضہ میں پکڑ لیا۔

انصار کی درخواست پر آپ نے عمرو بن ابی سفیان کو دے کر سعد کو چھڑا لیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص

انہی قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص بن ربیع بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے تھیں آپ کی زوجیت میں تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' ابوالعاص کی خالہ تھیں ان کو بمنزلہ اولاد کے سمجھتی تھیں۔ خود حضرت خدیجہ نے آپ سے کہہ کر بعثت سے قبل زینبؓ کا عقد ابوالعاص سے کیا تھا' ابوالعاص' مالدار اور امانت دار اور بڑے تاجر تھے۔ بعثت کے بعد حضرت خدیجہؓ اور آپ کی کل صاحبزادیاں ایمان لائیں مگر ابوالعاص شرک پر قائم رہے۔

قریش نے ابوالعاص پر بہت زور دیا کہ ابولہب کے بیٹوں کی طرح تم بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو طلاق دے دو جہاں چاہو گے وہاں تمہارا نکاح کر دیں گے لیکن ابوالعاص نے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ زینب جیسی شریف عورت کے مقابلے میں دنیا کی کسی عورت کو پسند نہیں کرتا۔

ابوالعاص کا فدیہ...... حضرت خدیجہؓ کا ہار

جب قریش جنگ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو ابوالعاص بھی ان کے ہمراہ تھے منجملہ اور لوگوں کے آپ بھی گرفتار ہوئے۔ اہل مکہ نے جب اپنے اپنے قیدیوں کا فدیہ روانہ کیا تو حضرت زینب نے اپنے شوہر ابوالعاص کے فدیہ میں اپنا وہ ہار بھیجا جو حضرت خدیجہ نے شادی کے وقت ان کو دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس ہار کو دیکھ کر آب دیدہ ہو گئے اور صحابہ سے فرمایا اگر مناسب سمجھو تو اس ہار کو واپس کر دو اور اس قیدی کو چھوڑ دو۔

اسی وقت تسلیم اور انقیاد کی گردنیں خم ہو گئیں قیدی بھی رہا کر دیا گیا اور ہار بھی واپس ہو گیا۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص سے یہ وعدہ لے لیا کہ مکہ پہنچ کر زینب کو مدینہ بھیج دیں۔ ابوالعاص نے مکہ پہنچ کر زینب کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی اور اپنے بھائی کنانہ بن ربیع کے ہمراہ روانہ کیا۔

حضرت زینب کی مدینہ روانگی

کنانہ نے عین دوپہر کے وقت حضرت زینب کو اونٹ پر سوار کرایا اور ہاتھ میں تیر کمان لی اور روانہ ہوئے آپ کی صاحبزادی کا علی الاعلان مکہ سے روانہ ہونا قریش کو بہت شاق معلوم ہوا چنانچہ ابوسفیان وغیرہ نے ذی طوی میں آ کر اونٹ کو روک لیا اور یہ کہا کہ ہم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کو روکنے کی ضرورت نہیں لیکن اس طرح اعلانیہ طور پر لے جانے میں ہماری ذلت

ہے مناسب یہ ہے کہ اس وقت تو مکہ واپس چلو اور رات کے وقت لے کر روانہ ہو جاؤ۔ کنانہ نے اس کو منظور کیا۔ ابوسفیان سے پہلے ھبار بن اسود نے (جو بعد میں چل کر مسلمان ہوئے) جا کر اونٹ روکا اور حضرت زنیب کو ڈرایا۔ خوف سے حمل ساقط ہو گیا۔ اس وقت کنانہ نے تیر کمان سنبھالی اور یہ کہا کہ جو شخص اونٹ کے قریب بھی آئے گا تیروں سے اس کے جسم کو چھلنی کر دوں گا۔

الغرض کنانہ مکہ واپس آ گئے اور دو تین راتیں گزرنے پر شب کو روانہ ہوئے۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارث اور ایک انصاری کو حکم دیا کہ تم جا کر مقام بطن یاجح میں ٹھہرو جب زنیب رضی اللہ عنہا آ جائیں تو ان کو اپنے ہمراہ لے آنا۔

یہ لوگ بطن یاجح پہنچے اور ادھر سے کنانہ بن ربیع آتے ہوئے ملے۔ کنانہ وہیں سے واپس ہو گئے اور زید بن حارثہ مع اپنے رفیق کے صاحب زادی کو لے کر مدینہ روانہ ہوئے جنگ بدر کے ایک ماہ بعد مدینہ پہنچیں۔

صاحب زادی آپ کے پاس رہنے لگیں اور ابولعاص مکہ میں مقیم رہے۔

ابوالعاص کی دوبارہ مدینہ آمد

فتح مکہ سے قبل ابوالعاص بغرض تجارت شام کی طرف روانہ ہوئے۔ چونکہ اہل مکہ کو آپ کی امانت ودیانت پر اعتماد تھا اس لئے اورلوگوں کا سرمایہ بھی شریک تجارت تھا۔

شام سے واپسی میں مسلمانوں کا ایک دستہ مل گیا اس نے تمام مال ومتاع ضبط کر لیا اور ابوالعاص چھپ کر مدینہ حضرت زینب کے پاس آ پہنچے۔

حضرت زینبؓ کا ابوالعاص کو پناہ دینا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز کے لئے تشریف لائے تو حضرت زینب نے عورتوں کے چبوترہ سے آواز دی، اے لوگو میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا:

اے لوگو کیا تم نے بھی سنا ہے جو میں نے سنا لوگوں نے کہا۔ ہاں، آپ نے فرمایا قسم ہے

اس ذات پاک کی کہ محمد کی جان اس کے ہاتھ میں ہے مجھ کو اس کا مطلق علم نہیں جو اور جس وقت تم نے سنا وہی میں نے سنا، تحقیق خوب سمجھ لو کہ مسلمانوں کا ادنیٰ سے ادنیٰ اور کمتر سے کمتر بھی پناہ دے سکتا ہے۔

اور یہ فرما کر صاحب زادی کے پاس تشریف لے گئے اور یہ فرمایا کہ اے بیٹی اس کا اکرام کرنا مگر خلوت نہ کرنے پائے کیونکہ تو اس کے لئے حلال نہیں یعنی تو مسلمان ہے اور وہ مشرک اور کافر۔

ابوالعاص کے مال کی واپسی

اور اہل سریہ سے یہ ارشاد فرمایا کہ تم کو اس شخص (یعنی ابوالعاص) کا تعلق ہم سے معلوم ہے اگر مناسب سمجھو تو ان کا مال واپس کر دو ورنہ وہ اللہ کا عطیہ ہے جو اللہ نے تم کو عطا فرمایا ہے اور تم ہی اس کے مستحق ہو۔

سنتے ہی صحابہ نے کل مال واپس کر دیا، کوئی ڈول لاتا تھا اور کوئی رسی، کوئی لوٹا اور کوئی چمڑے کا ٹکڑا۔ غرض یہ کہ کل مال ذرہ ذرہ کر کے واپس کر دیا۔

ابوالعاص کا امانتوں سے سبکدوش ہو کر مسلمان ہونا

ابوالعاص کل مال لے کر مکہ روانہ ہوئے اور جس جس کا حصہ تھا اس کا پورا کیا۔ جب شرکا کے حصے دے چکے تو یہ فرمایا:

اے گروہ قریش کیا کسی کا مال میرے ذمہ باقی رہ گیا ہے جو اس نے وصول نہ کر لیا ہو۔ قریش نے کہا نہیں۔ پس اللہ تجھ کو جزائے خیر دے۔

تحقیق ہم نے تجھ کو وفادار اور شریف پایا۔ کہا پس میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں میں اب تک فقط اس لئے مسلمان نہیں ہوا کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ میں نے مال کھانے کی خاطر ایسا کیا ہے۔ جب اللہ نے تمہارا مال تم تک پہنچا دیا اور مجھے اس ذمہ سے سبکدوش کیا تب مسلمان ہوا۔

بعد ازاں ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ سے مدینہ چلے آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت زینب کو آپ کی زوجیت میں دے دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس

انہی قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بھی تھے جن کو کعب بن عمرو ابوالیسرؓ نے گرفتار کیا تھا حضرت عباس قوی اور جسیم تھے ابوالیسرؓ نحیف الجسم اور ضعیف القوی اور قصیر القامت تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوالیسرؓ تو نے عباس کو کیسے گرفتار کیا۔

ابوالیسر نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص نے میری امداد کی کہ جس کو میں نے کبھی نہ اس سے پہلے دیکھا نہ بعد میں اور اس کی ہیت ایسی اور ایسی تھی، آپ نے فرمایا:

تحقیق ایک محترم فرشتے نے تیری امداد کی۔

چچا عباس کا فدیہ

حضرت عباس کی بندش ذرا سخت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عباس کی کراہ سنی تو نیند اڑ گئی انصار کو جب اس کا علم ہوا تو آپ کی گرہ کھول دی اور مزید برآں یہ درخواست کی کہ اگر حضور اجازت دیں تو ہم اپنے بھانجے عباس کا فدیہ چھوڑ دیں، آپ نے یہ جواب دیا۔

خدا کی قسم اس سے ایک درہم بھی نہ چھوڑو۔

حضرت عباس سے جب فدیہ کا مطالبہ کیا گیا تو اپنی ناداری کا عذر کیا آپ نے فرمایا اچھا وہ مال کہاں ہے جو تم نے اور تمہاری بیوی ام فضل نے مل کر دفن کیا تھا۔

حضرت عباس سنتے ہی حیران رہ گئے اور عرض کیا بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں میرے اور ام فضل کے سوا کسی کو بھی اس کا علم نہ تھا۔

فدیہ کی مقدار

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس پر سو اوقیہ اور عقیل بن ابی طالب پر اسی (۸۰) اوقیہ فدیہ لگایا۔ (تمام قیدیوں میں سب سے زائد فدیہ حضرت عباس کا تھا)

حضرت عباس نے عرض کیا کہ کیا آپ نے قرابت کی وجہ سے میرا فدیہ اس قدر زائد تجویز کیا

ہے (یعنی قرابت کا اقتضاء تو یہ تھا کہ آپ میرے فدیہ میں تخفیف فرماتے۔لیکن بجائے تخفیف کے آپ نے میرے فدیہ کی مقدار سب سے زائد کر دی) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یـایها النبی قل لمن فی ایدیکم من الاسری ان یعلم الله فی قلوبکم خیراً یؤتکم خیراً مما اخذ منکم ویغفر لکم والله غفور رحیم.

اے نبی آپ ان قیدیوں سے کہہ دیجئے جو آپ کے قبضہ میں ہیں کہ (تم اس فدیہ پر کچھ افسوس نہ کرو) اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں کچھ بھلائی دیکھے گا یعنی دل سے اسلام لے آئیں گے تو جو تم سے لیا گیا ہے۔اس سے کہیں زائد اور بہتر تم کو عطا فرما دے گا اور تمہاری مغفرت بھی فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

حضرت عباس بعد میں فرمایا کرتے تھے کاش مجھ سے اس سے اضعاف مضاعفہ فدیہ لے لیا جاتا ہے۔

حق جل وعلا نے جتنا مجھ سے لیا اس سے بہتر اور زائد مجھ کو دے دیا۔سو (۱۰۰) اوقیہ کے بدلہ میں سو (۱۰۰) غلام عطا فرمائے جو سب کے سب تاجر ہیں یہ وعدہ حق تعالیٰ نے دنیا ہی میں پورا فرمایا۔دوسرا وعدہ مغفرت کا تھا اس کا میں امیدوار ہوں۔

نوفل بن حارث اور اس کا فدیہ

اسیران بدر میں نوفل بن حارث بھی تھے۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فدیہ دینے کو کہا تو یہ جواب دیا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں جو فدیہ میں دے سکوں۔

آپؐ نے فرمایا وہ نیزے کہاں ہیں جو تم جدہ میں چھوڑ آئے ہو نوفل نے کہا بخدا اللہ کے بعد میرے سوا کسی کو بھی ان کا علم نہیں۔میں گواہی دیتا ہوں بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

نوفلؓ نے وہ نیزے فدیہ میں دیئے جن کی تعداد ایک ہزار تھی۔آپ نے حضرت عباس اور نوفلؓ کے درمیان رشتہ مواخات قائم فرمایا اور زمانہ جاہلیت میں بھی دونوں آپس میں دوست تھے اور تجارت میں شریک رہتے تھے۔

عمیر بن وہب کا عجیب واقعہ

عمیر بن وہب جمحی اسلام کے شدید دشمنوں میں سے تھا مکہ کے زمانہ قیام میں رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو ایذائیں پہنچائی تھیں قیدیوں میں اس کا بیٹا وہب بن عمیر بھی تھا۔

ایک دن عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ صفوان نے مقتولین بدر کا تذکرہ کر کے کہا اب زندگی کا مزہ نہیں رہا۔ عمیر نے کہا ہاں خدا کی قسم۔ سرداران قریش کے قتل ہو جانے کے بعد حقیقت میں زندگی کا مزہ ہی جاتا رہا۔ اگر میرے ذمہ قرض اور بچوں کا فکر نہ ہوتا تو ابھی جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر آتا۔ صفوان بہت خوش ہوا اور کہا تیرا قرض اور اہل وعیال کی خبر گیری سب میرے ذمہ ہے اور اسی وقت صفوان نے تلوار صیقل کرائی اور زہر میں بجھا کر عمیر کو دی عمیر مدینہ پہنچا اور مسجد نبوی کے دروازہ پر اونٹ ٹھہرایا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمیر کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ یہ کسی ناپاک ارادہ سے آیا ہے اسی وقت حضرت عمرؓ نے اس کی تلوار کا پرتلہ پکڑ لیا اور کھینچتے ہوئے آپ کے سامنے لا کھڑا کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا اسے چھوڑ دو اور عمیر سے پوچھا کہ کیوں آئے ہو۔ عمیر نے کہا اپنے قیدی کو چھڑانے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا سچ کہو کیا اس لئے آئے ہو، سچ بتلاؤ کہ تم نے اور صفوان نے حطیم میں بیٹھ کر کیا مشورہ کیا تھا عمیر نے گھبرا کر کہا میں نے کیا مشورہ کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا تو نے میرے قتل کا ذمہ لیا تھا۔ اس شرط پر کہ صفوان تیرے اہل وعیال کی خبر گیری کرے اور تیرا قرض ادا کرے۔ عمیر نے کہا:

میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اس واقعہ کا سوائے میرے اور صفوان کے کسی کو علم نہ تھا۔ پس اللہ ہی نے آپ کو اس کی خبر دی پس ایمان لایا میں اللہ پر اور اس کے رسول پر۔

ابن اسحاق کی راویت میں ہے کہ عمیر نے یہ کہا:

قسم ہے اللہ کی میں یقین کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی نے آپ کو اس واقعہ کی اطلاع نہیں کی۔ پس شکر ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھ کو اسلام کی ہدایت دی اور مجھ کو یہاں کھینچ کر لایا اور اس کے بعد کلمہ شہادت پڑھا۔

حضرت عمیرؓ کا مکہ میں اسلام کی دعوت دینا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا اپنے بھائی کو دین کی باتیں سمجھاؤ اور قرآن پڑھاؤ اور اس کے قیدی چھوڑ دو اسی وقت قیدی عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ کر دیا گیا۔

عمیرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اللہ کے نور کے بجھانے کی بہت کوشش کی اور جن لوگوں نے اللہ عز وجل کے دین کو قبول کیا، ان کو طرح طرح سے ستایا۔ اب مجھ کو اجازت دیجئے کہ مکہ جا کر اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوگوں کو بلاؤں اور اسلام کی دعوت دوں شاید اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب فرمائے اور اللہ کے دشمنوں کو ستاؤں جیسا کہ اس سے قبل اللہ کے دوستوں کو ستایا آپ نے اجازت دی۔

عمیر مدینہ سے روانہ ہوئے اور صفوان بن امیہ لوگوں سے یہ کہتا پھرتا تھا۔

اے لوگو! چند روز میں میں تم کو ایسی بشارت سناؤں گا جو تم کو بدر کا صدمہ بھلا دے گی اور ہر وارد و صادر سے عمیر کی خبریں دریافت کرتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ عمیر کی اسلام لانے کی خبر پہنچی۔ صفوان یہ خبر سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا اور قسم کھائی کہ خدا کی قسم عمیر سے بات بھی نہ کروں گا اور نہ اسے کبھی کوئی نفع پہنچاؤں گا۔ عمیرؓ مکہ پہنچے اور دعوتِ اسلام میں مصروف ہو گئے بہت سے لوگ آپ کی وجہ سے مسلمان ہو گئے اور جو لوگ اسلام کے دشمن تھے ان کو خوب ستایا۔

غزوۂ بدر کے شرکاء

غزوۂ بدر کے شرکاء صحابہؓ کی تعداد

حضرات بدریین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تعداد میں روایتیں مختلف ہیں مشہور تو یہ ہے کہ تین سو تیرہ تھے۔

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی امداد کے لئے ستر (۷۰) جن بھی حاضر ہوئے تھے۔

آٹھ آدمی ایسے تھے کہ جو اس غزوۂ میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے لیکن اہل بدر میں شمار کئے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے ان کو حصہ عطا فرمایا:

(۱)۔ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رقیہ کی علالت کی وجہ سے مدینہ چھوڑ گئے تھے۔

(۲)، (۳)۔ طلحہ اور سعید بن زید۔ ان دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے قافلہ کے تجسس کے لئے بھیجا تھا۔

(۴)۔ ابولبابہ انصاریؓ کو روماء سے مدینہ پر اپنا قائم مقام بنا کر واپس فرمایا۔

(۵)۔ عاصم بن عدیؓ کو عوالی مدینہ پر مقرر فرمایا۔

(۶)۔ حارث بن حاطب بنی عمرو بن عوف کی طرف سے آپ کو کوئی اطلاع پہنچی تھی، اس لئے آپ نے حارث بن حاطب کو بنی عمرو کو واپس بھیجا۔

(۷)۔ حارث بن صمہؓ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوٹ آ جانے کی وجہ سے مقام روحا سے واپس فرما دیا تھا۔

(۸)۔ خوات بن جبیرؓ۔ پنڈلی میں چوٹ آ جانے کی وجہ سے مقام صفراء سے واپس کر دیئے گئے تھے۔

یہ ابن سعد کا بیان ہے کہ مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کا بھی حصہ لگایا جو اس وقت حبشہ میں تھے اور کہا جاتا ہے کہ سعد بن مالک ؓ یعنی سہل ؓ کے والد نے راستہ میں انتقال فرمایا اور صبیح مولی احیحہ بیماری کی وجہ سے واپس ہوئے۔

بدریین صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی

حضرات مہاجرین رضی اللہ عنہم

سیدالمهاجرین وامام البدريين واشرف الخلائق اجمعين خاتم الانبياء المرسلين سيدنا ومولينا محمد رسول الله صلى الله عليه وعلى اله واصحابه وشرف وكرم الى يوم الدين ہ

۱-ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

۲-ابوحفص عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ

۳-ابوعبداللہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

۴-ابوالحسن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۵-حمزۃ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

۶-زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

۷-انسہ حبشی رضی اللہ عنہ (مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

۸-ابوکبشۃ فارسی رضی اللہ عنہ (مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

۹-ابومرثد کناز بن حصین رضی اللہ عنہ

۱۰-مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ یعنی کناز بن حصن کے بیٹے

۱۱- عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ اور انکے دونوں بھائی

۱۲-طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ

۱۳-حصین بن حارث رضی اللہ عنہ

۱۴-مسطح عوف بن اثاثہ رضی اللہ عنہ

۱۵-ابوحذیفۃ بن عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ

۱۶-سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ

۱۷-صبیح مولی ابی العاص امیہ رضی اللہ عنہ

۱۸-عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

۱۹-عکاشۃ بن محصن رضی اللہ عنہ

۲۰-شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی

۲۱-عقبۃ بن وہب رضی اللہ عنہ

۲۲-یزید بن رقیش رضی اللہ عنہ

۲۳-ابوسنان بن محصن رضی اللہ عنہ
یعنی عکاشۃ بن محصن ؓ کے بھائی

۲۴-سنان بن ابی سنان رضی اللہ عنہ
یعنی ابوسنان بن محصن کے بیٹے اور عکاشہ کے بھتیجے

۲۵-محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ

۲۶-ربیعۃ بن اکثم رضی اللہ عنہ

۲۷- ثقف بن عمرو رضی اللہ عنہ اور انکے دونوں بھائی ۲۸- مالک بن عمرو رضی اللہ عنہ
۲۹- مدلج بن عمرو رضی اللہ عنہ ۳۰- سوید بن مخشی رضی اللہ عنہ
۳۱- عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ ۳۲- جناب مولی عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ
۳۳- زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ۳۴- حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ
۳۵- سعد کلبی مولی حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہما ۳۶- مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ
۳۷- سویبط بن سعد رضی اللہ عنہ ۳۸- عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
۳۹- سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور انکے بھائی ۴۰- عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
۴۱- مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ ۴۲- عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
۴۳- مسعود بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ۴۴- ذوالشمالین بن عبد وعمرو رضی اللہ عنہ
۴۵- خباب بن الارت رضی اللہ عنہ ۴۶- بلال بن رباح مولی ابی بکر رضی اللہ عنہما
۴۷- عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ۴۸- صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ
۴۹- طلحۃ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ ۵۰- ابوسلمۃ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ
۵۱- شماش بن عثمان رضی اللہ عنہ ۵۲- ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ
۵۳- عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ۵۴- معتب بن عوف رضی اللہ عنہ
۵۵- زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ، یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے بھائی۔
۵۶- مجع مولی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما۔ ۵۷- عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ اور اسکے بھائی
۵۸- عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ ۵۹- واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
۶۰- خولی بن ابی خولی رضی اللہ عنہ ۶۱- مالک بن ابی خولی رضی اللہ عنہ
۶۲- عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ۶۳- عامر بن بکیر رضی اللہ عنہ
۶۴- عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ ۶۵- خالد بن بکیر رضی اللہ عنہ
۶۶- ایاس بن بکیر رضی اللہ عنہ ۶۷- سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ
۶۸- عثمان بن مظعون جمحی رضی اللہ عنہ اور انکے بیٹے ۶۹- سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ
۷۰- قدامۃ بن مظعون رضی اللہ عنہ ۷۱- عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ

۷۲-معمر بن حارث رضی اللہ عنہ
۷۳-خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ
۷۴-ابوسبرۃ بن ابی رھم رضی اللہ عنہ
۷۵-عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ
۷۶-عبدالبد بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ
۷۷-عمیر بن عوف مولی سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ
۷۸-سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ
۷۹-ابوعبید عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ
۸۰-عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ
۸۱-سہیل بن وہب رضی اللہ عنہ اور انکے بھائی
۸۲-صفوان بن وہب رضی اللہ عنہ
۸۳-عمرو بن ابی سرح رضی اللہ عنہ
۸۴-وہب بن سعد رضی اللہ عنہ
۸۵-حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ
۸۶- عیاض بن ابی زھیر رضی اللہ عنہ

حضرات انصار رضی اللہ عنہم

۱-سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
۲-عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ یعنی سعد بن معاذ کے بھائی
۳-حارث بن اوس بن معاذ رضی اللہ عنہ یعنی سعد بن معاذ کے بھتیجے
۴-حارث بن انس رضی اللہ عنہ
۵-سعد بن زید رضی اللہ عنہ
۶-سلمۃ بن سلامۃ بن وقش رضی اللہ عنہ
۷-عباد بن بشر بن وقش رضی اللہ عنہ
۸-سلمۃ بن ثابت بن وقش رضی اللہ عنہ
۹-رافع بن یزید رضی اللہ عنہ
۱۰-حارث بن خزمہ رضی اللہ عنہ
۱۱-محمد بن مسلمۃ رضی اللہ عنہ
۱۲-سلمۃ بن اسلم رضی اللہ عنہ
۱۳-ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ
۱۴-عبید بن التیہان رضی اللہ عنہ
۱۵-عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ
۱۶-قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ
۱۷-عبید بن اوس رضی اللہ عنہ
۱۸-نصر بن الحارث رضی اللہ عنہ
۱۹-معتب بن عبید رضی اللہ عنہ
۲۰-عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ
۲۱-مسعود بن سعد رضی اللہ عنہ
۲۲-ابوعبس بن جبیر رضی اللہ عنہ
۲۳-ابو بردہ ہانی بن نیار رضی اللہ عنہ
۲۴-عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ
۲۵-معتب بن قشیر رضی اللہ عنہ
۲۶-عمرو بن معبد رضی اللہ عنہ
۲۷-سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ

۲۸-مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ
۲۹-رفاعۃ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ
۳۰-سعد بن عبید بن النعمان رضی اللہ عنہ
۳۱-عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ
۳۲-رافع بن عنجدہ رضی اللہ عنہ
۳۳-عبید بن ابی عبید رضی اللہ عنہ
۳۴-ثعلبۃ بن حاطب رضی اللہ عنہ
۳۵-ابولبابۃ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ
۳۶-حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ
۳۷-حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ
۳۸-عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ
۳۹-انیس بن قتادہ رضی اللہ عنہ
۴۰-معن بن عدی رضی اللہ عنہ
۴۱-ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ
۴۲-عبداللہ بن سلمۃ رضی اللہ عنہ
۴۳-زید بن اسلم رضی اللہ عنہ
۴۴-ربعی بن رافع رضی اللہ عنہ
۴۵-عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ
۴۶-عاصم بن قیس رضی اللہ عنہ
۴۷-ابوضیاح بن ثابت رضی اللہ عنہ
۴۸-ابوحنۃ بن ثابت رضی اللہ عنہ یعنی ابوضیاح کے بھائی۔ ۴۹-سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ
۵۰-حارث بن النعمان رضی اللہ عنہ یعنی خوات بن جبیر بن النعمان اور عبداللہ بن جبیر بن النعمان کے چچا
۵۱-خوات بن جبیر بن النعمان رضی اللہ عنہ
۵۲-منذر محمد رضی اللہ عنہ
۵۳-ابوعقیل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
۵۴-سعد بن خیثمۃ رضی اللہ عنہ
۵۵-منذر بن قدامہ رضی اللہ عنہ
۵۶-مالک بن قدامہ رضی اللہ عنہ
۵۷-حارث بن عرفجہ رضی اللہ عنہ
۵۸-تمیم مولی سعد بن خیثمۃ رضی اللہ عنہ
۵۹-جبر بن عتیک رضی اللہ عنہ
۶۰-مالک بن نمیلہ رضی اللہ عنہ
۶۱-نعمان بن عصر رضی اللہ عنہ
۶۲-خارجۃ بن زید رضی اللہ عنہ
۶۳-سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ
۶۴-عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
۶۵-خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ
۶۶-بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ
۶۷-سماک بن سعد رضی اللہ عنہ
۶۸-سبیع بن قیس رضی اللہ عنہ
۶۹-عباد بن قیس رضی اللہ عنہ
۷۰-عبداللہ بن عبس رضی اللہ عنہ
۷۱-یزید بن حارث رضی اللہ عنہ
۷۲-خبیب بن اساف رضی اللہ عنہ

۷۳-عبداللہ بن زید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ ۷۴-حریث بن زید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
۷۵-سفیان بن بشر رضی اللہ عنہ ۷۶-تمیم بن یعار رضی اللہ عنہ
۷۷-عبداللہ بن عمیر رضی اللہ عنہ ۷۸-زید بن المزین رضی اللہ عنہ
۷۹-عبداللہ بن عرفطہ رضی اللہ عنہ ۸۰-عبداللہ بن ربیع رضی اللہ عنہ
۸۱-عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ یعنی راس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے بیٹے
۸۲-اوس بن خولی رضی اللہ عنہ ۸۳-زید بن ودیعہ رضی اللہ عنہ
۸۴-عقبۃ بن وہب رضی اللہ عنہ ۸۵-رفاعہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
۸۶-عامر بن سلمہ رضی اللہ عنہ ۸۷-معبد بن عباد رضی اللہ عنہ
۸۸-عامر بن البکیر رضی اللہ عنہ ۸۹-نوفل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
۹۰-عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ ۹۱-اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ
۹۲-نعمان بن مالک رضی اللہ عنہ ۹۳-ثابت بن ہزال رضی اللہ عنہ
۹۴-مالک بن وعشم رضی اللہ عنہ ۹۵-ربیع بن ایاس رضی اللہ عنہ
۹۶-ورقۃ بن ایاس رضی اللہ عنہ ۹۷-عمرو بن ایاس رضی اللہ عنہ ربیع اور ورقہ کے بھائی ہیں یا حلیف علی اختلاف الاقوال
۹۸-مجذر بن زیاد رضی اللہ عنہ ۹۹-عباد بن خشخاش رضی اللہ عنہ
۱۰۰-نحاب بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ ۱۰۱-عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ دونوں بھائی ہیں۔
۱۰۲-عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ۱۰۳-ابودجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ
۱۰۴-منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ ۱۰۵-ابواسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
۱۰۶-مالک بن مسعود رضی اللہ عنہ ۱۰۷-عبدربہ بن حق رضی اللہ عنہ
۱۰۸-کعب بن جماز رضی اللہ عنہ ۱۰۹-ضمرۃ بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۱۰-زیاد بن عمرو رضی اللہ عنہ ۱۱۱-بسبس بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۱۲-عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ ۱۱۳-قراش بن صمہ رضی اللہ عنہ
۱۱۴-حباب بن منذر رضی اللہ عنہ ۱۱۵-عمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ

۱۱۶-تمیم مولی خراش رضی اللہ عنہ
۱۱۷-عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ
۱۱۸-معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ
۱۱۹-معوذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ
۱۲۰-خلاد بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ
۱۲۱-عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ
۱۲۲-حبیب بن اسود رضی اللہ عنہ
۱۲۳-ثابت بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
۱۲۴-عمیر بن الحارث رضی اللہ عنہ
۱۲۵-بشر بن السمر اء رضی اللہ عنہ
۱۲۶-طفیل بن مالک رضی اللہ عنہ
۱۲۷-طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ
۱۲۸-سنان بن صیفی رضی اللہ عنہ
۱۲۹-عبداللہ بن جد بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۳۰-عتبہ بن جد بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۳۱-جبار بن صخر رضی اللہ عنہ
۱۳۲-خارجہ بن حمیر رضی اللہ عنہ
۱۳۳-عبداللہ بن حمیر رضی اللہ عنہ
۱۳۴-یزید المنذر رضی اللہ عنہ
۱۳۵-معقل بن المنذری رضی اللہ عنہ
۱۳۶-عبداللہ بن الغمان رضی اللہ عنہ
۱۳۷-ضحاک بن حارثہ رضی اللہ عنہ
۱۳۸-سعاد بن زریق رضی اللہ عنہ
۱۳۹-معبد بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۴۰-عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ دونوں بھائی ہیں
۱۴۱-عبداللہ بن مناف رضی اللہ عنہ
۱۴۲-جابر بن عبداللہ بن ریاب رضی اللہ عنہ
۱۴۳-خلید بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۴۴-نعمان بن سنان رضی اللہ عنہ
۱۴۵-ابوالمنذر یزید بن عامر رضی اللہ عنہ
۱۴۶-سلیم بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۴۷-قطبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ
۱۴۸-عنترہ مولی سلیم بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۴۹-عیس بن عامر رضی اللہ عنہ
۱۵۰-ثعلبۃ بن غنمہ رضی اللہ عنہ
۱۵۱-ابوالسیر کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۵۲-سہل بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۵۳-عمرو بن طلق رضی اللہ عنہ
۱۵۴-معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
۱۵۵-قیس بن محصن رضی اللہ عنہ
۱۵۶-حارث بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۵۷-جبیر بن ایاس رضی اللہ عنہ
۱۵۸-سعد بن عثمان رضی اللہ عنہ
۱۵۹-عقبۃ بن عثمان رضی اللہ عنہ
۱۶۰-ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ
۱۶۱-مسعود بن خلدہ رضی اللہ عنہ

۱۶۲-عباد بن قیس رضی اللہ عنہ ۱۶۳-اسعد بن یزید رضی اللہ عنہ

۱۶۴-فاکہ بن بشر رضی اللہ عنہ ۱۶۵-معاذ بن ماعص رضی اللہ عنہ

۱۶۶-عائذ بن ماعص رضی اللہ عنہ دونوں بھائی ہیں ۱۶۷-مسعود بن سعد رضی اللہ عنہ

۱۶۸-رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ ۱۶۹-خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ دونوں بھائی ہیں

۱۷۰-عبید بن زید رضی اللہ عنہ ۱۷۱-زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ

۱۷۲-فردۃ بن عمرو رضی اللہ عنہ ۱۷۳-خالد بن قیس رضی اللہ عنہ

۱۷۴-جبلۃ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ ۱۷۵-عطیہ بن نویرہ رضی اللہ عنہ

۱۷۶-خلیفۃ بن عدی رضی اللہ عنہ ۱۷۷-عمارۃ خرم رضی اللہ عنہ

۱۷۸-سراقۃ بن کعب رضی اللہ عنہ ۱۷۹-حارثہ بن النعمان رضی اللہ عنہ

۱۸۰-سلیم بن قیس رضی اللہ عنہ ۱۸۱-سہیل بن قیس رضی اللہ عنہ

۱۸۲-عدی بن زغبار رضی اللہ عنہ ۱۸۳-مسعود بن اوس رضی اللہ عنہ

۱۸۴-ابوخزیمۃ بن رضی اللہ عنہ ۱۸۵-رافع بن حارث رضی اللہ عنہ

۱۸۶-عوف بن حارث رضی اللہ عنہ ۱۸۷-معوذ بن حارث رضی اللہ عنہ

۱۸۸-معاذ بن حارث رضی اللہ عنہ تینوں عفراء کے بیٹے ہیں ۱۸۹-نعمان بن عمر رضی اللہ عنہ

۱۹۰-عامر بن مخلد رضی اللہ عنہ ۱۹۱-عصیمہ اشجعی رضی اللہ عنہ

۱۹۲-عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ ۱۹۳-ودیقہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

۱۹۴-ابوالحمراء مولیٰ حارث بن عفراء رضی اللہ عنہ ۱۹۵-ثعلبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

۱۹۶-سہیل بن عتیک رضی اللہ عنہ ۱۹۷-حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ

۱۹۸-ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ۱۹۹-انس بن معاذ رضی اللہ عنہ

۲۰۰-اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ ۲۰۱-ابوشیخ ابی بن ثابت رضی اللہ عنہ

یعنی حسان بن ثابت کے بھائی ہیں

۲۰۲-ابوطلحہ زید بن صرا سہل رضی اللہ عنہ ۲۰۳-حارثۃ بن سراقہ رضی اللہ عنہ

۲۰۴-عمرو بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ ۲۰۵-سلیط بن قیس رضی اللہ عنہ

۲۰۶-ابوسلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ
۲۰۷-ثابت بن خنسار رضی اللہ عنہ
۲۰۸-عامر بن امیہ رضی اللہ عنہ
۲۰۹-محرز بن عامر رضی اللہ عنہ
۲۱۰-سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ
۲۱۱-ابوزید قیس بن سکن رضی اللہ عنہ
۲۱۲-ابوالاعور بن حارث رضی اللہ عنہ
۲۱۳-سلیم بن طحان رضی اللہ عنہ
۲۱۴-حرام بن طحان رضی اللہ عنہ
۲۱۵-قیس بن ابی صعصعۃ رضی اللہ عنہ
۲۱۶-عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ
۲۱۷-عصیمہ اسدی رضی اللہ عنہ
۲۱۸-ابوداؤد عمیر بن عامر رضی اللہ عنہ
۲۱۹-سراقہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
۲۲۰-قیس بن مخلہ رضی اللہ عنہ
۲۲۱-نعمان بن عبدعمرو رضی اللہ عنہ
۲۲۲-حماک بن عبدعمرو رضی اللہ عنہ
۲۲۳-سلیم بن حارث رضی اللہ عنہ
۲۲۴-جابر بن خالد رضی اللہ عنہ
۲۲۵-سعد بن سہیل رضی اللہ عنہ
۲۲۶-کعب بن زید رضی اللہ عنہ
۲۲۷-بجیر بن ابی بجیر رضی اللہ عنہ
۲۲۸-عتبان بن مارک رضی اللہ عنہ
۲۲۹-میلیل بن دہرہ رضی اللہ عنہ
۲۳۰-عصمۃ بن الحصین رضی اللہ عنہ
۲۳۱-بلال بن المعلیٰ رضی اللہ عنہ

تین بدری فرشتوں کے نام

جنگ بدر میں فرشتوں کا آسمان سے مسلمانوں کی امداد کے لئے نازل ہونا اور پھر ان کا جہاد وقتال میں شریک ہونا آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے پہلے معلوم ہو چکا ہے لیکن روایات حدیث سے صرف تین فرشتوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں جو ہدیہ ناظرین ہے۔

(۱) افضل الملائکۃ المکرّمین امین اللہ تعالیٰ بینہ وبین الانبیاء والمرسلین سیدنا جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

(۲) سیدنا میکائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام (۳) سیدنا اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام

شہدائے بدر رضی اللہ عنہم

عبیدۃ بن الحارث بن مطلب مہاجری رضی اللہ عنہ

معرکہ بدر میں پیر کٹ گیا تھا مقام صفراء میں پہنچ کر وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں دفن فرمایا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ مقام صفراء میں نزول فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم یہاں مشک کی خوشبو پاتے ہیں، آپ نے فرمایا تعجب کیا ہے، یہاں ابومعاویہ کی قبر ہے (ابومعاویہ حضرت عبیدۃ بن الحارث کی کنیت ہے)

عمیر بن ابی وقاص مہاجری رضی اللہ عنہ

سعد بن وقاصؓ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ جب بدر کے لئے لوگ جمع ہوئے تو میں نے بھائی عمیر کو دیکھا کہ ادھر ادھر چھپتا پھرتا ہے میں نے کہا اے بھائی تجھ کو کیا ہوا۔ کہا مجھ کو اندیشہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو دیکھ پائیں اور چھوٹا سمجھ کر واپس فرمادیں اور میں جانا چاہتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ مجھ کو شہادت نصیب فرمائے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کا معائنہ فرمایا تو عمیر بھی پیش کئے گئے آپ نے صغیر السن ہونے کی وجہ سے واپسی کا حکم دیا عمیر یہ سن کر رو پڑے، آپ نے ان کا یہ ذوق وشوق دیکھ کر اجازت دیدی بالآخر جنگ میں شریک ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ عمیرؓ کی عمر اس وقت سولہ سال کی تھی۔

ذوالشمالین بن عبد عمرو مہاجری رضی اللہ عنہ

امام زہری اور ابن سعد اور ابن سمعانی فرماتے ہیں کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخص کے دو نام ہیں اور جمہور محدثین کے نزدیک دو شخص ہیں ذوالشمالینؓ تو جنگ بدر میں

شہید ہوئے اور ذوالیدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی زندہ رہے۔

عاقل بن البکیر مہاجری رضی اللہ عنہ

سابق اولین میں سے ہیں دارارقم میں مشرف باسلام ہوئے پہلا نام ان کا غافل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے غافل کے عاقل نام رکھا، مشرف باسلام ہونے سے قبل آخرت سے غافل اور بے خبر تھے اور اسلام لانے سے عاقل اور ہوشیار بنے اس لئے ان کا یہ نام تجویز فرمایا۔ واللہ اعلم۔ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے عمر اس وقت چونتیس سال کی تھی۔

مہجع بن صالح مولی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما

سعید بن میسّب سے منقول ہے کہ قتال کے وقت حضرت مہجع کی زبان پر یہ الفاظ تھے انا مھجع والیٰ ربی ارجع من مہجع ہوں اور اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والا ہوں۔

صفوان بن بیضاء مہاجری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بدری ہونا تو انکا مسلم ہے لیکن غزوہ بدر میں انکا شہید ہونا مختلف فیہ ہے، ابن اسحٰق اور موسیٰ بن عقبہ اور ابن سعد کہتے ہیں غزوہ بدر میں طعیمۃ بن عدی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ ابن حبان کہتے ہیں۔ ۳۰ھ میں اور حاکم کہتے ہیں ۳۸ھ میں وفات پائی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

سعد بن خیثمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صحابی اور صحابی کے بیٹے شہید اور شہید کے بیٹے سعد غزوہ بدر میں شہید ہوئے اور باپ یعنی خیثمہ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔

حضرت سعد بیعت عقبہ میں بھی شریک تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عمرو کا ان کو نقیب بنایا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابی سفیان کے قافلہ کے لئے خروج کا حکم دیا تو خیثمہ نے سعد سے کہا اے بیٹا ہم میں سے ایک کا بچوں اور عورتوں کی حفاظت کے لئے گھر رہنا ضروری ہے۔ تم ایثار کرو اور مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جانے کی اجازت دو اور تم یہاں ٹھہرو۔ اس پر سعدؓ نے صاف انکار کر دیا اور یہ عرض کیا۔

جنت کے سوا اگر اور کوئی معاملہ ہوتا تو ضرور ایثار کرتا اور آپ کو اپنے نفس پر ترجیح دیتا

لیکن میں اس سفر میں اپنے شہید ہونے کی قوی امید رکھتا ہوں۔

بعد ازاں باپ اور بیٹے کے مابین قرعہ اندازی ہوئی۔ قرعہ سعد کے نام پر نکلا۔ بیٹے باپ سے زیادہ خوش نصیب نکلے اور شادان وفرحان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ معرکہ بدر میں عمرو بن عبدود یا طعیمۃ بن عدی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عمیر بن الحمام انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن یہ ارشاد فرمایا۔ اے لوگو اٹھو جنت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں عمیر نے کہا بخ بخ (واہ واہ) آپ نے ارشاد فرمایا اے عمیر کس چیز نے تجھ کو بخ بخ کہنے پر آمادہ کیا۔ عمیر نے کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم کچھ بھی نہیں مگر صرف یہ امید کہ شاید میں بھی جنت والوں میں سے ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا **فانک من اھلھا** پس تحقیق بلاشبہ تو اہل جنت سے ہے۔ بعد ازاں کھجوریں نکال کر کھانا شروع کیں مگر فوراً ہی پھینک دیں اور یہ کہا کہ اگر ان کے کھانے میں مشغول ہو گیا تو پھر زندگی بڑی طویل ہے۔ کھجوریں پھینک کر قتال میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ شہید ہو گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ابن اسحق کی روایت میں ہے کہ عمیر نے تلوار ہاتھ میں لی اور یہ کلمات ان کی زبان پر تھے۔

رکضاً الی اللہ بغیر زاد	اللہ کی طرف بغیر توشہ ہی کے دوڑو
الا التقی و عمل المعاد	مگر تقویٰ اور عمل آخرت
والصبر فی اللہ علی الجھاد	اور جہاد فی سبیل اللہ پر صبر کا توشہ ضرور ہمراہ لے لو
وکل زاد عرضۃ النفاد	اور ہر توشہ معرض فنا میں ہے
غیر التقی والبر و الرشاد	مگر تقویٰ اور بھلائی اور رشد

کا توشہ کبھی نہ خراب ہو سکتا ہے اور نہ فنا۔

حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہ

حارثہ بن سراقہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما صحابی اور صحابی کے بیٹے۔ شہید اور شہید کے بیٹے۔ حضرت حارثہ غزوہ بدر میں شہید ہوئے اور حضرت سراقہ غزوہ حنین میں۔ فتح

الباری۔ باب فضل من شہد بدرا۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ حارثہ بدر میں شہید ہوئے اور وہ نوجوان تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے واپس تشریف لائے تو حارثہ کی والدہ، ربیع بنت نضر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ مجھ کو حارثہ سے کس قدر محبت تھی پس اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں اور اللہ سے ثواب کی امید رکھوں اور اگر دوسری صورت ہے تو پھر آپ دیکھ لیں گے کہ میں کیا کروں گی یعنی خوب گریہ وزاری کروں گی، آپؐ نے فرمایا کیا دیوانی ہوگئی۔ ایک جنت نہیں اس کے لئے بہت سی جنتیں ہیں اور تحقیق وہ بلاشبہ جنت الفردوس میں ہے۔

عوف بن حارث انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

معوذ بن حارث انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ دونوں بھائی ہیں والدہ کا نام عفرا ہے عوف بن حارثؓ کی شہادت کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔

بشر بن عبدالمنذ رانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یزید بن حارث انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رافع بن معلیٰ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شہدائے بدر کا اعزاز

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے اصحاب بدر میں شہید ہوئے حق جل وعلا نے ان پر تجلی فرمائی اور اپنے دیدار پر انوار سے ان کی آنکھوں کو منور فرمایا اور کہا اے میرے بندو کیا چاہتے ہو۔

اصحاب نے عرض کیا اے پروردگار جن نعمائے جنت سے تو نے ہم کو سرفراز فرمایا کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی نعمت ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا بتاؤ کیا چاہتے ہو۔ تین مرتبہ اللہ تعالیٰ نے یہی سوال کیا۔ چوتھی مرتبہ اصحاب نے یہ عرض کیا اے پروردگار یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں پھر ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائیں تاکہ پھر تیری راہ میں قتل ہوں جیسے اب قتل ہوئے۔

بدر کے قیدیوںؓ کے نام

روایات صحیحہ سے پہلے معلوم ہو چکا کہ جنگ بدر میں ستر کافر مقتول ہوئے اور ستر اس وقت اسیران بدر میں سے مشہورین کے نام ذکر کرتے ہیں اور جو ان میں سے مشرف باسلام ہوا اس کے نام کے ساتھ اس کی بھی تصریح پیش کی جاتی ہے۔

۱......عباس بن عبدالمطلب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم ہیں جو عمر میں آپ سے صرف دو سال بڑے تھے فتح مکہ سے کچھ قبل اعلانیہ طور پر اسلام کا اظہار فرمایا۔ رضی اللہ عنہ

۲......عقیل بن ابی طالب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی صلح حدیبیہ کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عقیل، حضرت جعفر سے دس سال بڑے تھے اور اسی طرح حضرت جعفر حضرت علی سے دس سال بڑے تھے اور ابوطالب کے سب سے بڑے بیٹے طالب (جن کے نام پر یہ کنیت ہے) وہ حضرت عقیل سے دس سال بڑے تھے اسلام کی دولت سے محروم رہے۔ باقی تینوں بھائی۔ عقیلؓ، جعفرؓ، علیؓ مشرف باسلام ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ۔

۳......نوفل بن حارث: ان کے اسلام لانے کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جس سال غزوہ خندق ہوا اس سال مشرف باسلام ہوئے یعنی ۵ھ میں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۴......سائب بن عبید ۵......نعمان بن عمرو ۶......عمرو بن سفیان بن ابی حرب

۷......حارث بن ابی وحرہ ۸......ابوالعاص بن ربیع: بعد میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے کا واقعہ پہلے مفصل گزر چکا ہے۔

۹......ابوالعاص بن نوفل ۱۰......ابوریشہ بن ابی عمر ۱۱......عمرو بن ازرق

۱۲......عقبہ بن عبدالحارث ۱۳......عدی بن الخیار ۱۴......عثمان بن عبدشمس

۱۵......ابوثور ۱۶......عزیز بن عمیر عبدری: بعد میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ عنہ۔

۱۷......اسود بن عامر ۱۸......سائب بن ابی حبیش

فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فاطمہؓ بنت ابی حبیش کے بھائی ہیں۔

۱۹......حویرث بن عباد   ۲۰......سالم بن شداخ   ۲۱......خالد بن ہشام

یعنی ابوجہل بن ہشام کے بھائی بعض علماء نے ان کو مؤلفۃ القلوب میں ذکر کیا ہے۔

۲۲......امیۃ بن ابی حذیفہ   ۲۳......ولید بن ولید بن مغیرہ   ۲۴......صیفی بن ابی رفاعہ

۲۵......ابوالمنذر بن ابی رفاعہ   ۲۶......ابوعطاء عبداللہ بن ابی السائب: بعد میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قراء مکہ مجاہد وغیرہ نے آپ سے علم قرأت حاصل کیا۔

۲۷......مطلب بن حطب: بعد میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۸......خالد بن اعلم   ۲۹......ابووداعہ سہمی فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ عنہ

۳۰......سروۃ بن قیس   ۳۱......حنظلہ بن قبیصہ

۳۲......حجاج بن حارث: علامہ سہیلی فرماتے ہیں حجاج بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہاجرین حبشہ میں سے ہیں غزوہ احد کے بعد حبشہ سے مدینہ واپس آئے لہٰذا اسیران بدر میں ان کا ذکر کرنا مصنف کا وہم ہے۔

۳۳......عبداللہ بن ابی بن حلف: فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جنگ جمل میں شہید ہوئے۔   ۳۴...ابوعزہ عمرو بن عبداللہ

۳۵...فاکہ مولیٰ امیہ بن خلف   ۳۶......وہب بن عمیر

وہب اور اس کے باپ عمیر کے اسلام لانے کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

۳۷......ربیعہ بن دراج   ۳۸......سہیل بن عمرو: بعد میں مشرف باسلام ہوئے اور شام میں شہید ہوئے اور حدیبیہ میں قریش کی طرف سے صلح کے لئے آئے۔

۳۹......عبد بن زمعہ

ام المومنین سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔

۴۰......عبدالرحمٰن بن مشنوء   ۴۱......طفیل بن ابی قنیع   ۴۲......عقبہ بن عمرو

۴۳......قیس بن سائب مخزومی: بعد میں مشرف باسلام ہوئے زمانہ جاہلیت میں آپ کے شریک تجارت تھے جیسا کہ پہلے گزرا۔

۴۴......نسطاس مولیٰ امیۃ بن خلف

غزوہ احد کے بعد مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ عنہ

مسلمانوں کا کافروں کی فوج کیساتھ جانا حرام ہے

غزوہ بدر۔ اسلام اور کفر کا معرکہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا ہے کہ حق اور باطل میں فرق ہونے کا دن ہے۔

مکہ میں کچھ لوگ ایسے تھے کہ جو اسلام تو قبول کر چکے تھے مگر جب حضور پرنور نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو یہ لوگ اپنی قوم اور قبیلہ کے لحاظ سے مکہ ہی میں رکے رہے۔ جب جنگ بدر موقع آیا تو ان میں کے کچھ لوگ بدر میں قوم کفار کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آئے اور جنگ بدر میں مارے گئے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ان الذین توفا هم الملآئکة ظالمی انفسهم قالو فیم کنتم ط قالو اکنا مستضعفین فی الارض ط قالوآ الم تکن ارض الله واسعة فتها جروا فیها فاولئک ماواهم جهنم وسآء ت مصیرا الا المستضعفین من الرجال والنسآء والولدان لا یستطیعون حیلة ولا یهتدون سبیلاً فاولئک عسی الله ان یعفو عنهم و کان الله عفواً غفوراً. (سورة النساء آیة ۹۸)

تحقیق جن لوگوں کی فرشتوں نے ارواح قبض کیں درآنحالیکہ وہ لوگ اپنی جانوں پر بڑے ظلم کرنے والے تھے فرشتوں نے ان سے یہ کہا کہ تم کس حال میں تھے ان لوگوں نے کہا کہ ہم بے چارہ اور لاچار تھے زمین میں۔ اس لئے ہجرت نہ کر سکے فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ قوم اور وطن کو چھوڑ کر وہاں ہجرت کر جاتے پس ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بہت برا ٹھکانہ ہے مگر جو مرد اور عورتیں اور لڑکے درحقیقت بے چارہ اور بے بس ہیں اور ہجرت کے لئے کوئی چارہ نہیں پاتے پس ایسے لوگوں کے متعلق امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قصور کو معاف کر دے اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا ہے اور بخشنے والا ہے۔

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے کافروں کی فوج میں جانا تا کہ فقط کافروں کی تعداد زیادہ معلوم ہو یہ بھی ناجائز ہے اگرچہ مسلمانوں سے نہ لڑنے کا ارادہ ہے اور نہ لڑے۔ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے کافروں کی فوج میں بھرتی ہونا حرام ہے۔

اور حدیث میں ہے من کثر سواد قوم فہو منہم یعنی جو شخص کسی قوم کی جماعت اور تعداد کو بڑھائے وہ اسی قوم سے ہے۔

۲ھ میں غزوۂ بدر کے بعد کے حالات

یہودیہ عورت عصماء کا اپنے انجام کو پہنچنا
(۲۶ رمضان المبارک ۲ھ)

عصماء کا کردار

عصماء ایک یہودی عورت تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہا کرتی تھی اور طرح طرح آپ کو ایذا پہنچاتی تھی۔ لوگوں کو آپ سے اور اسلام سے برگشتہ کرتی۔ ہنوز آپ بدر سے واپس نہ ہوئے تھے کہ پھر اسی قسم کے اشعار کہے۔ عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ کو سنتے ہی جوش آ گیا اور یہ منت مانی اگر اللہ کے فضل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے صحیح سالم واپس آ گئے تو اس کو ضرور قتل کروں گا۔ مصنف حماد بن سلمہ میں مذکور ہے کہ یہ عورت ایام ماہواری کے خون آلود کپڑے مسجد میں لا کر ڈالا کرتی تھی۔

عصماء کا قتل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر سے مظفر و منصور صحیح و سالم تشریف لائے تو عمیرؓ شب کے وقت تلوار لے کر روانہ ہوئے اور اس کے گھر میں داخل ہوئے چونکہ نابینا تھے اس لئے عصماء کو ہاتھ سے ٹٹولا اور بچے جو اس کے ارد گرد تھے ان کو ہٹایا اور تلوار کو سینہ پر رکھ کر اس زور سے دبایا کہ پشت سے پار ہوگئی۔ رمضان المبارک کی پانچ راتیں باقی تھیں۔ جس وقت یہ عورت قتل کی گئی۔

حضرت عمیرؓ کے لئے حضورؐ کی خوشی

نذر پوری کر کے واپس ہوئے اور صبح کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا

فرمائی اور واقعہ کی اطلاع دی اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھ پر اس بارے میں کچھ مواخذہ تو نہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا نہیں۔

لا ینتطح فیھا عنزان اس بارے میں دو بھیڑیں بھی سر نہ ٹکرائیں گی۔

یعنی یہ ایسا فعل ہی نہیں کہ جس میں کوئی کسی قسم کا اختلاف اور نزاع کر سکے۔ انسان تو در کنار بھیڑ اور بکریاں بھی اس میں اپنے سینگ نہ ٹکرائیں گی۔

پیغمبر برحق کی شان میں گستاخی کرنے والے کا قتل کہیں قابل مواخذہ ہوسکتا ہے بلکہ اعظم قربات اور افضل عبادات میں سے ہے۔ جس میں کوئی نزاع ہی نہیں کر سکتا۔ جانور بھی اس کو حق سمجھتے ہیں۔ الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمیر کے اس فعل سے بے حد مسرور ہوئے اور صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

''اگر ایسے شخص کو دیکھنا چاہتے ہو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی غائبانہ مدد کی ہو تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو''۔

حضرت عمیر نے فرمایا اس اعمٰی (نابینا) کو دیکھو تو سہی کہ کس طرح چھپ کر اللہ کی طاعت کے لئے روانہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو اعمی (نابینا) نہ کہو یہ تو بصیر (بینا) ہیں۔ یعنی ظاہراً اگرچہ اعمٰی (نابینا) ہیں مگر دل کے بصیر اور بینا ہیں۔

غزوۂ قرقرۃ الکدر

غزوۂ بدر کی مراجعت کے بعد شروع شوال میں سلیم اور غطفان کے اجتماع کی خبر پا کر آپ نے دو سو آدمیوں کے ساتھ خروج فرمایا۔ جب آپ چشمہ کدر پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمنان اسلام پہلے ہی سے آپ کی خبر پا کر منتشر ہو چکے ہیں تین روز قیام فرما کر بلا جدال وقتال واپس آ گئے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے آپ نے ایک سریہ ان کے تعاقب میں روانہ فرمایا جو غنیمت میں پانچ سو اونٹ لے کر واپس ہوا۔ بقیہ شوال اور ذی قعدہ آپ مدینہ میں مقیم رہے اور اسی عرصہ میں اسیران بدر فدیہ لے کر رہا کئے گئے۔

ابو عفک یہودی کا قتل

شوال ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ابو عفک یہودی

کے قتل کے لئے روانہ فرمایا۔

ابوعفک مذہباً یہودی تھا۔ بوڑھا تھا ایک سوبیس سال کی عمر تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہتا تھا اور لوگوں کو آپ کی عداوت پر برانگیختہ کرتا تھا جب اس کی دریدہ دہنی حد سے گزر گئی تو یہ ارشاد فرمایا۔

من لی بھذا الخبیث کون ہے جو میرے لئے یعنی محض میری عزت وحرمت کے لئے اس خبیث کا کام تمام کرے۔

سالم بن عمیر نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے پہلے ہی منت مانی ہوئی ہے کہ ابوعفک کو قتل کردوں گا یا خود مر جاؤں گا۔ یہ سنتے ہی سالم تلوار لے کر روانہ ہوئے۔ گرمی کی رات تھی کہ ابو عفک غفلت کی نیند سو رہا تھا۔ پہنچتے ہی تلوار اس کے جگر پر رکھی اور اس زور سے دبایا کہ پار ہو کر بستر تک پہنچ گئی۔ عدو اللہ ابوعفک نے ایک چیخ ماری۔ لوگ دوڑے مگر کام تمام ہو چکا تھا۔

حضرت عمیرؓ کی عبادت

حضرت جابر سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ عمیرؓ بیمار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم کو اس بینا کے پاس لے چلو جو بنی واقف میں رہتا ہے اس کی عیادت کریں گے۔

پہلی نماز عید الفطر

بدر سے مراجعت کے بعد شوال کی یکم کو آپ نے عید کی نماز ادا فرمائی۔ یہ پہلی عید الفطر تھی۔

باب ۲

۳ھ کے غزوات و واقعات

غزوۂ غطفان ❖ کعب بن اشرف یہودی کا قتل

ابو رافع یہودی کا قتل ❖ غزوۂ اُحُد

وغیرہ

غزوۂ غطفان

غطفانیوں کے جمع ہونے کی اطلاع

غزوۂ سویق سے واپسی کے بعد بقیہ ذی الحجہ آپ مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہے اس اثناء میں آپ کو یہ خبر پہنچی کہ بنی ثعلبہ اور بنی محارب (جو کہ قبیلہ غطفان کی شاخیں ہیں) نجد میں جمع ہو رہے ہیں اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ اطراف مدینہ میں لوٹ ڈالیں اور دعثور غطفانی ان کا سردار تھا۔

غطفانیوں پر حملہ

ماہ محرم الحرام ۳ھ میں آپ نے غطفان پر چڑھائی کی غرض سے نجد کی طرف خروج فرمایا اور مدینہ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور چار سو پچاس صحابہ آپ کے ہمراہ تھے۔

غطفانیوں کا بھاگ جانا

غطفانی آپ کی خبر سنتے ہی پہاڑوں میں منتشر ہو گئے صرف ایک شخص بنی ثعلبہ کا ہاتھ آیا صحابہ نے پکڑ کر اس کو آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی وہ اسلام لے آیا۔ صفر کا پورا مہینہ وہیں گزارا لیکن کوئی شخص مقابلہ پر نہ آیا۔ بلا جدال وقتال ربیع الاول میں مدینہ واپس تشریف لائے۔

دعثور کے مسلمان ہونے کا واقعہ

اس سفر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ راستے میں بارش ہوگئی اور صحابہ کے کپڑے بھیگ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھیگے ہوئے کپڑے ایک درخت پر سوکھنے کے لئے ڈال دیئے اور خود اس درخت کے نیچے لیٹ گئے وہاں کے دیہاتی آپ کو دیکھ رہے تھے۔ دیہاتیوں نے اپنے سردار دعثور سے جوان میں بڑا بہادر تھا یہ کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس درخت کے نیچے تنہا لیٹے ہوئے ہیں۔ اور ان کے اصحاب منتشر ہیں تو جا کر ان کو قتل کر آ۔ دعثور نے ایک نہایت تیز تلوار لی اور برہنہ تلوار لے کر آپ کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہا اے محمد۔ بتاؤ آج تم کو میری تلوار سے کون بچائے گا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ بچائے گا۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ جبرئیل امین نے اس کے سینہ میں مکا مارا اسی وقت تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور حضور پر نور نے اس کو اٹھا لیا اور دعثور سے فرمایا کہ تم بتاؤ کہ اب تم کو میری تلوار سے کون بچائے گا۔ اس نے کہا کوئی نہیں اور اسلام لے آیا اور یہ کلمہ پڑھا **اشهد ان لا الله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله.** اور یہ وعدہ کیا کہ اب آپ کے مقابلہ کے لئے کوئی فوج جمع نہ کروں گا۔ آپ نے دعثور کو اس کی تلوار واپس کر دی۔ دعثور تھوڑی دور چلا اور واپس آیا اور یہ عرض کیا واللہ مجھ سے آپ بہتر ہیں دعثور جب اپنی قوم کی طرف واپس آیا تو لوگوں نے اس سے کہا کہ جو بات تو کہہ کر گیا تھا وہ کہاں گئی اس پر دعثور نے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا اس طرح غیب سے میرے سینہ میں ایک مکا لگا جس سے میں چت گر پڑا۔ اس طرح گرنے سے میں نے پہچان لیا اور یقین کر لیا کہ وہ مکا مارنے والا کوئی فرشتہ ہے۔ اس لئے میں نے اسلام قبول کیا اور آپ کی رسالت کی شہادت دی اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

یایها الذین امنوا اذکروا نعمة الله علیکم اذهم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیهم فکف ایدیهم عنکم

اے ایمان والو اللہ کے اس انعام کو یاد کرو کہ جب ایک قوم نے یہ قصد کیا کہ تم پر ہاتھ چلائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ روک دیئے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اسی قسم کا واقعہ غزوۂ ذات الرقاع میں بھی مروی ہے۔ واقدی نے اس قصہ کو غزوۂ غطفان کے بیان میں ذکر کیا ہے۔

غزوۂ بحران

بحران میں بنی سلیم کا اجتماع

غزوہ غطفان سے واپسی کے بعد ماہ ربیع الاول آپ نے مدینہ میں گزارا، ربیع الثانی میں آپ کو یہ خبر پہنچی کہ مقام بحران جو حجاز کا معدن ہے وہاں بنی سلیم اسلام کی مخالفت پر جمع ہو رہے ہیں۔

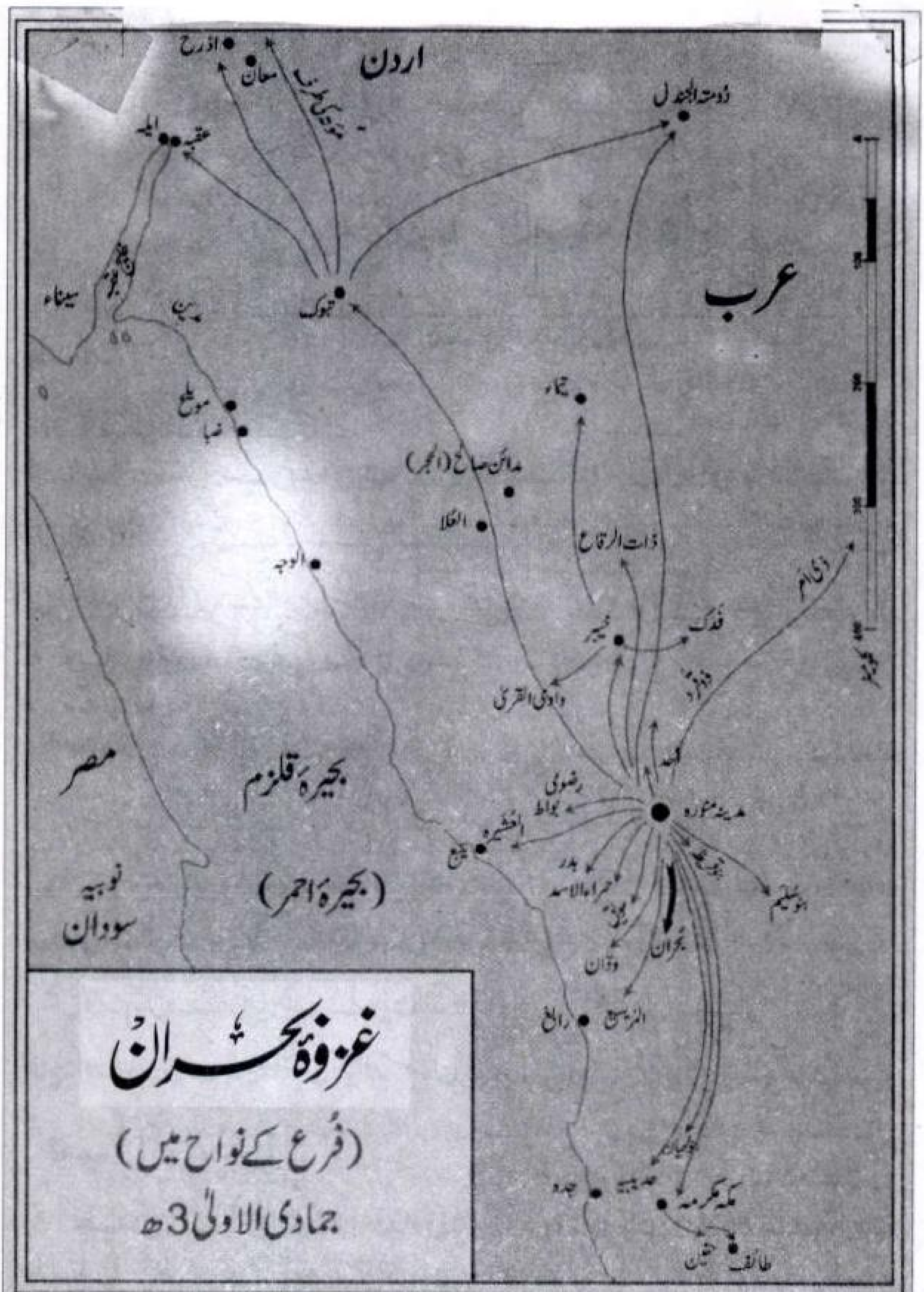
آپ کا خروج بنی سلیم کا منتشر ہو جانا

آپ نے خبر پاتے ہی تین سو صحابہ کی معیت میں بحران کی طرف خروج فرمایا اور مدینہ پر عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا۔

وہ لوگ آپ کی تشریف آوری کی خبر سنتے ہی منتشر ہو گئے اور بلا جدال وقتال مدینہ واپس آ گئے۔

بحران میں قیام کی مدت

علماء سیر کا اس میں اختلاف ہے کہ بحران میں کتنی مدت آپ نے قیام فرمایا۔ بعض کہتے ہیں صرف دس شب قیام کیا اور بعض کہتے ہیں کہ ۱۶ جمادی الاولیٰ تک قیام فرمایا۔



اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ

جمعہ کے دن ایک ہزار مرتبہ یہ درود شریف پڑھنے والے کو مرنے سے پہلے جنت میں اُس کا ٹھکانہ دکھا دیا جائے گا۔ (ذریعۃ الوصول)

کعب بن اشرف یہودی کا قتل

(۱۴ شب ربیع الاول ۳ھ)

کعب کو بدر کا صدمہ

مدینہ منورہ میں جب فتح بدر کی بشارت پہنچی تو کعب بن اشرف یہودی کو بیحد صدمہ ہوا۔ اور یہ کہا کہ اگر یہ خبر صحیح ہے کہ مکہ کے بڑے بڑے سردار اور اشراف مارے گئے تو پھر زمین کا بطن (اندرون) اس کے ظہر (پشت) سے بہتر ہے۔ یعنی مر جانا جینے سے بہتر ہے تا کہ آنکھیں اس ذلت اور رسوائی کو نہ دیکھیں۔

کعب کا مکہ جا کر تعزیت کرنا

جب اس خبر کی تصدیق ہوگئی تو مقتولین بدر کی تعزیت کے لئے مکہ روانہ ہوا اور جو لوگ بدر میں مارے گئے ان کے مرثیے لکھے جن کو پڑھ پڑھ کر خود بھی روتا تھا اور دوسروں کو بھی رلاتا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں لوگوں کو جوش دلا دلا کر آمادۂ قتال کرتا تھا۔ ایک روز قریش کو حرم میں لے کر آیا سب نے بیت اللہ کا پردہ تھام کر مسلمانوں سے قتال کرنے کا حلف اٹھایا۔ اور بعد چندے مدینہ واپس آیا اور مسلمان عورتوں کے متعلق عشقیہ اشعار کہنے شروع کئے۔

کعب کی شرارتیں

کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ کعب بن اشرف بڑا شاعر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا اور کفار مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے ہمیشہ بھڑکا تا رہتا تھا اور مسلمانوں کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو صبر اور تحمل کا حکم فرماتے رہے لیکن جب کسی شرارت سے باز نہ آیا تو آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ کعب بن اشرف نے آپ کو دعوت کے بہانے سے

بلایا اور کچھ آدمی متعین کر دیئے کہ جب آپ تشریف لائیں تو قتل کر ڈالیں۔ آپ آ کر بیٹھے ہی تھے کہ جبرئیل امین نے آ کر آپ کو ان کے ارادہ سے مطلع کر دیا۔ آپ فوراً وہاں سے روح الامین کے پروں کے سایہ میں باہر تشریف لے آئے اور واپسی کے بعد قتل کا حکم دیا۔

حضرت محمد بن مسلمہ کی تیاری

صحیح بخاری میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کعب بن اشرف کے قتل کے لئے کون تیار ہے۔ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو بہت ایذا پہنچائی ہے۔ یہ سنتے ہی محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ اس کا قتل چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ محمد بن مسلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر مجھ کو کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔ (یعنی ایسے مبہم اور تعریفی کلمات اور ذو معنی الفاظ) کہہ سکوں جن کو سن کر وہ بظاہر خوش ہو جائے آپ نے فرمایا اجازت ہے۔

حضرت ابن مسلمہؓ کا کعب سے قرض کا معاہدہ کرنا

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ایک روز کعب سے ملنے گئے اور اثناء گفتگو میں یہ کہا کہ یہ مرد یعنی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے (فقراء و مساکین پر تقسیم کرنے کیلئے) صدقہ اور زکوٰۃ مانگتا ہے) اور اس شخص نے ہم کو مشقت میں ڈال دیا ہے۔ (بے شک یہ چیز حریص اور طامع نفوس پر بہت شاق اور گراں ہے لیکن مخلصین اور صادقین کو صدق دل سے صدقات کا دینا اور فقراء و مساکین کی اعانت اور امداد کرنا انتہائی محبوب اور غایت درجہ لذیذ ہے۔ بلکہ خدا کی راہ میں مال نہ خرچ کرنا ان پر شاق اور گراں ہے)

میں اس وقت آپ کے پاس قرض لینے کے لئے آیا ہوں۔ کعب نے کہا ابھی کیا ہے۔ آگے چل کر دیکھنا خدا کی قسم تم ان سے اکتا جاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا کہ اب تو ہم ان کے پیرو ہو چکے ہیں ان کا چھوڑنا ہم پسند نہیں کرتے انجام کے منتظر ہیں۔ (اور دل میں یہ تھا کہ انجام کار اللہ اور اس کے رسول کی فتح اور دشمنوں کی شکست یقینی اور محقق ہے جس میں شبہ کی ذرہ برابر گنجائش نہیں) اس وقت ہم یہ چاہتے ہیں کہ کچھ غلہ ہم کو بطور قرض دے دیں۔ کعب نے کہا بہتر ہے مگر کوئی چیز میرے پاس رہن رکھ دو ان لوگوں نے کہا آپ کیا چیز رہن رکھوانا چاہتے ہیں۔ کعب نے کہا اپنی عورتوں کو رہن رکھ دو۔ ان لوگوں نے کہا اپنی عورتوں کو کیسے رہن

رکھ سکتے ہیں اول تو غیرت اور حمیت گوارا نہیں کرتی پھر یہ کہ آپ نہایت حسین و جمیل اور نوجوان ہیں۔ کعب نے کہا آپ اپنے لڑکوں کو رہن رکھ دو۔ ان لوگوں نے کہا یہ تو ساری عمر کی عار ہے۔ لوگ ہماری اولاد کو یہ طعنہ دیں گے کہ تم وہی ہو جو دو سیر اور تین سیر غلہ کے معاوضہ میں رہن رکھے گئے تھے۔ ہاں ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس رہن رکھ سکتے ہیں۔

عکرمہ کی ایک مرسل روایت میں ہے ان لوگوں نے یہ کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم ہتھیاروں کے کس درجہ محتاج اور ضرورت مند ہیں لیکن باایں ہمہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہتھیار آپ کے پاس رہن رکھ دیں۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ عورتوں اور بیٹوں کو رہن رکھ دیں۔ کعب نے اس کو منظور کیا اور یہ وعدہ ٹھہرایا کہ شب کو آ کر غلہ لے جائیں اور ہتھیار رہن رکھ جائیں۔

حسب وعدہ یہ لوگ رات کو پہنچے اور جا کر کعب کو آواز دی' کعب نے اپنے قلعہ سے اترنے کا ارادہ کیا۔ بیوی نے کہا اس وقت کہاں جاتے ہو کعب نے کہا۔ محمد بن مسلمہ اور میرا دودھ شریک بھائی ابونائلہ ہے۔ کوئی غیر نہیں تم فکر نہ کرو۔ بیوی نے کہا مجھ کو اس آواز سے خون ٹپکتا ہوا نظر آتا ہے کعب نے کہا کہ شریف آدمی اگر رات کے وقت نیزہ مارنے کے لئے بھی بلایا جائے تو اس کو ضرور جانا چاہئے۔

کعب کا سر اتارنے کا منصوبہ

اس اثناء میں محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں کو یہ سمجھا دیا کہ جب کعب آئے گا تو میں اس کے بال سونگھوں گا۔ جب دیکھو کہ میں نے اس کے بالوں کو مضبوط پکڑ لیا ہے تو فوراً اس کا سر اتار لینا۔ چنانچہ جب کعب نیچے آیا تو سرتاپا خوشبو سے معطر تھا۔ محمد بن مسلمہ نے کہا آج جیسی خوشبو تو میں نے کبھی سونگھی ہی نہیں۔ کعب نے کہا میرے پاس عرب کی سب سے زیادہ حسین و جمیل اور سب سے زیادہ معطر عورت ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا کیا آپ مجھ کو اپنے معطر سر کے سونگھنے کی اجازت دیں گے۔ کعب نے کہا ہاں اجازت ہے۔ محمد بن مسلمہ نے آگے بڑھ کر خود بھی سر کو سونگھا اور اپنے رفقاء کو بھی سونگھایا۔ کچھ دیر کے بعد پھر محمد بن مسلمہ نے کہا کیا آپ دوبارہ اپنا سر سونگھنے کی اجازت دیں گے۔ کعب نے کہا شوق سے محمد بن مسلمہ اٹھے اور سر سونگھنے میں مشغول ہو گئے جب سر کے بال مضبوط پکڑ لئے تو ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ فوراً ہی سب نے اس کا سر قلم کیا اور آناً فاناً اس کا کام تمام کیا۔

کعب بن اشرف کا سر حضورؐ کے سامنے

اور آخر شب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ آپ نے دیکھتے ہی یہ ارشاد فرمایا۔

افلحت الوجوه ان چہروں نے فلاح پائی اور کامیاب ہوئے۔

ان لوگوں نے جواباً عرض کیا:

ووجهک یا رسول الله اور سب سے پہلے آپ کا چہرۂ مبارک اے اللہ کے رسول۔ اور بعدازاں کعب بن اشرف کا سر آپ کے سامنے ڈال دیا۔ آپ نے الحمدللہ پڑھا اور اللہ کا شکر کیا۔

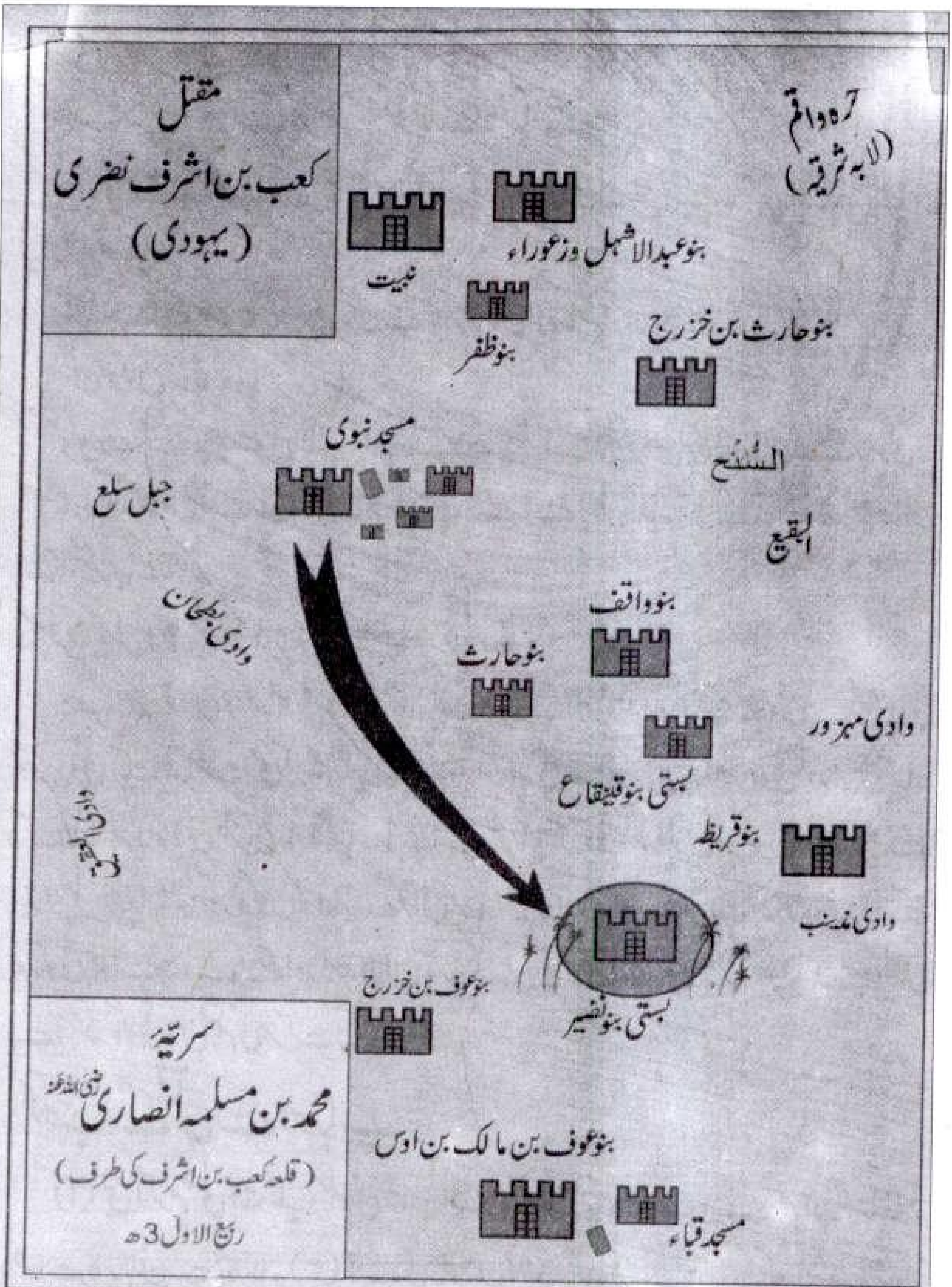
یہودیوں کا خوفزدہ ہوکر معاہدہ کرنا

جب یہود کو اس واقعہ کا علم ہوا تو یک لخت مرعوب اور خوفزدہ ہو گئے۔ اور جب صبح ہوئی تو یہود کی ایک جماعت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔ کہ ہمارا سردار اس طرح مارا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچاتا تھا اور لوگوں کو ہمارے قتال پر برانگیختہ اور آمادہ کرتا تھا۔ یہود دم بخود رہ گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے اور بعدازاں آپ نے ان سے ایک عہد نامہ لکھوایا کہ یہود میں سے آئندہ کوئی اس قسم کی حرکت نہ کرے گا۔

کعب کے قتل کے اسباب

(۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں دریدہ دہنی اور سب وشتم اور گستاخانہ کلمات کا زبان سے نکالنا۔ (۲) آپ کی ہجو میں اشعار کہنا (۳) غزلیات اور عشقیہ اشعار میں مسلمان عورتوں کا بطور تشبیب ذکر کرنا۔ (۴) غدر اور نقض عہد۔ (۵) لوگوں کو آپ کے مقابلہ کے لئے ابھارنا اور اکسانا اور ان کو جنگ پر آمادہ کرنا۔ (۶) دعوت کے بہانہ سے آپ کے قتل کی سازش کرنا۔ (۷) دین اسلام پر طعن۔

لیکن قتل کا سب سے قوی سبب آپ کی شان اقدس میں دریدہ دہنی اور سب وشتم اور آپ کی ہجو میں اشعار کہنا ہے۔

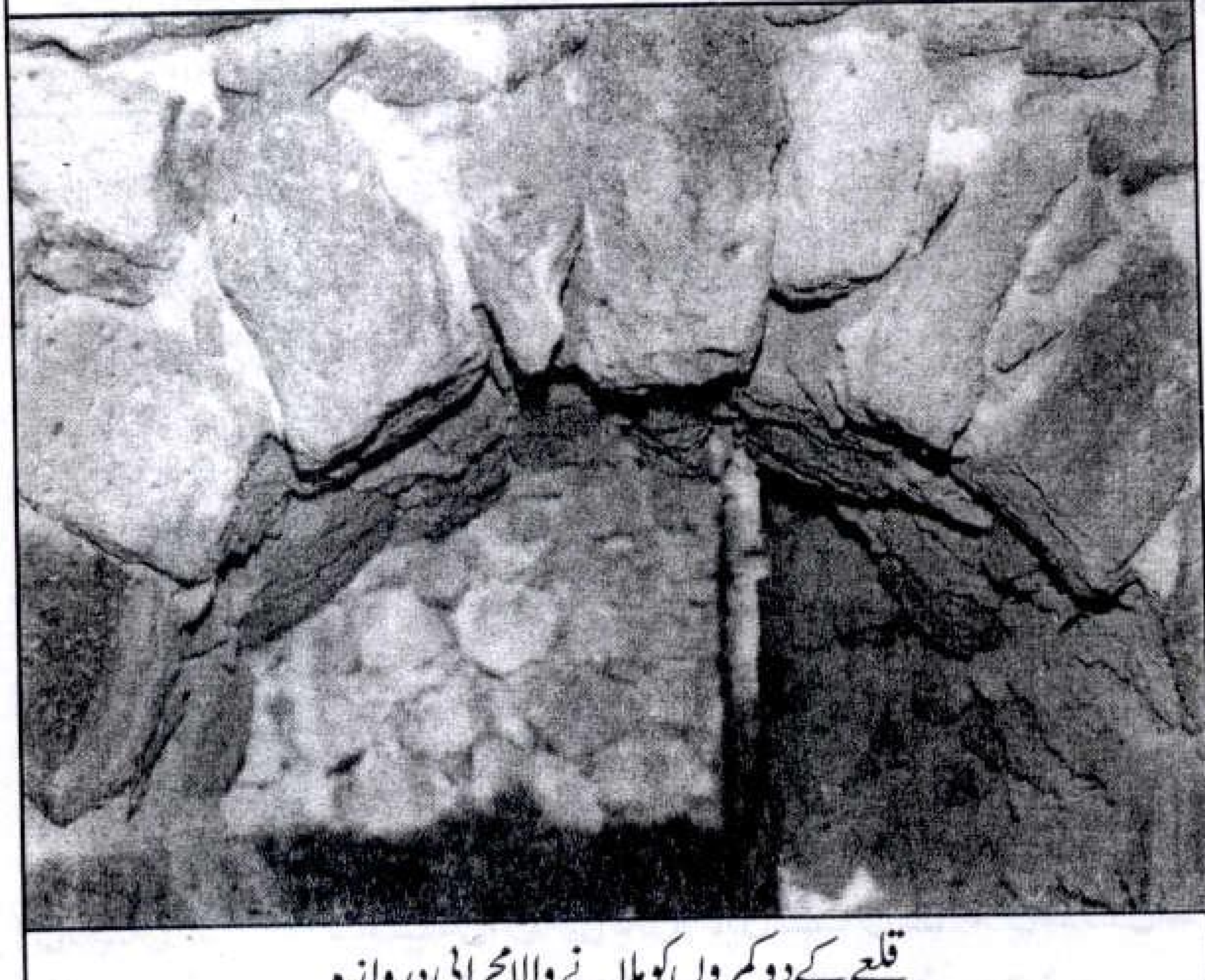


اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ
النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الطَّاھِرِ الزَّکِیِّ صَلَاۃً تُحَلُّ
بِہِ الْعُقَدُ وَتُفَکُّ بِھَا الْکُرَبُ

یہ درود شریف بار بار پڑھنے سے اللہ تعالیٰ پریشانی دور فرما دیتے ہیں۔ (ذریعۃ الوصول)



کعب بن اشرف یہودی کا قلعہ جس کے قدیم آثار اب بھی موجود ہیں



قلعے کے دو کمروں کو ملانے والا محرابی دروازہ

حویصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا

ابن سینہ یہودی کا قتل

کعب بن اشرف کے قتل کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یہ حکم دیا کہ اس قسم کے یہود کو جہاں کہیں پاؤ قتل کر ڈالو۔ چنانچہ حویصہ بن مسعود کے چھوٹے بھائی محیصہ بن مسعود نے ابن سینہ یہودی کو قتل کر ڈالا۔ جو تجارت کرتا تھا اور خود حویصہ اور محیصہ اور دیگر اہل مدینہ سے داد و ستد کا معاملہ رکھتا تھا۔

حویصہ کا حضرت محیصہ پر ناراض ہونا

حویصہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے اور محیصہ پہلے سے مسلمان تھے۔ حویصہ چونکہ عمر میں بڑے تھے محیصہ کو پکڑ کر مارنا شروع کیا اور یہ کہا کہ اے اللہ کے دشمن تو نے اس کو قتل کر ڈالا خدا کی قسم اس کے مال سے کتنی چربی تیرے پیٹ میں ہے۔ محیصہ نے کہا:

خدا کی قسم مجھ کو اس کے قتل کا ایسی ذات نے حکم دیا ہے کہ اگر وہ ذات بابرکات تیرے قتل کا بھی حکم دیتی تو واللہ میں تیری بھی گردن اڑا دیتا۔

حویصہ نے کہا: کیا خدا کی قسم اگر محمد تجھ کو میرے قتل کا حکم دے تو واقعی تو مجھ کو قتل کر ڈالے گا۔

محیصہ نے کہا:۔ ہاں خدا کی قسم اگر تیری گردن مارنے کا حکم دیتے تو ضرور تیری گردن مارتا۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعد ذرہ برابر تیرے بھائی ہونے کا خیال نہ کرتا۔

حویصہ کا متاثر ہو کر مسلمان ہونا

حویصہ یہ سن کر حیران رہ گئے اور بے ساختہ بول اٹھے کہ خدا کی قسم یہی دین حق ہے جو دلوں میں اس درجہ راسخ اور مستحکم اور رگ و پے میں اس طرح جاری و ساری ہے۔ اس کے بعد حویصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سچے دل سے اسلام قبول کیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سریۂ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

(غرۂ جمادی الاخری ۳ھ)

قریش کے قافلوں کی نئی راہیں

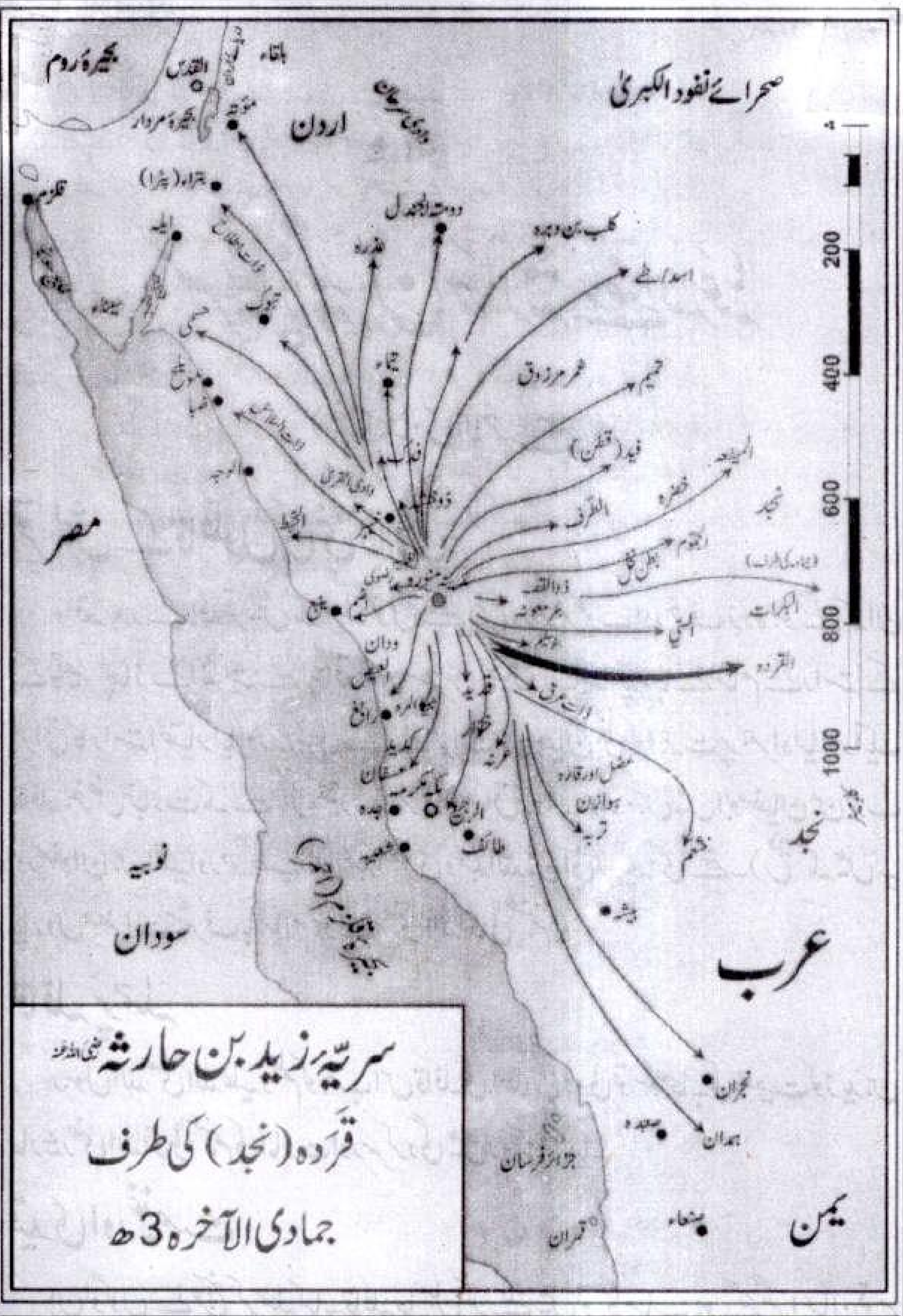
واقعہ بدر کے بعد قریش مکہ مسلمانوں سے اس درجہ مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے کہ ان کے چھیڑ چھاڑ کے اندیشہ سے اپنا قدیم راستہ ہی چھوڑ دیا۔ چنانچہ بجائے شام کے راستہ کے عراق کا راستہ اختیار کیا اور رہبری کے لئے فرات بن حیان عجلی کو اجرت پر ہمراہ لیا اور ایک قافلہ بغرض تجارت مکہ سے مال کثیر لے کر براہ عراق روانہ ہوا۔ جس میں ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ اور حویطب بن عبدالعزی وعبداللہ بن ابی ربیعہ بھی تھے۔ (فتح مکہ میں یہ چاروں حضرات مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

قافلہ پر حملہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس قافلہ کی اطلاع ہوئی تو سو صحابہ کی جمعیت کو زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی امارت اور سرکردگی میں روانہ فرمایا۔

قیدی اور غنیمت

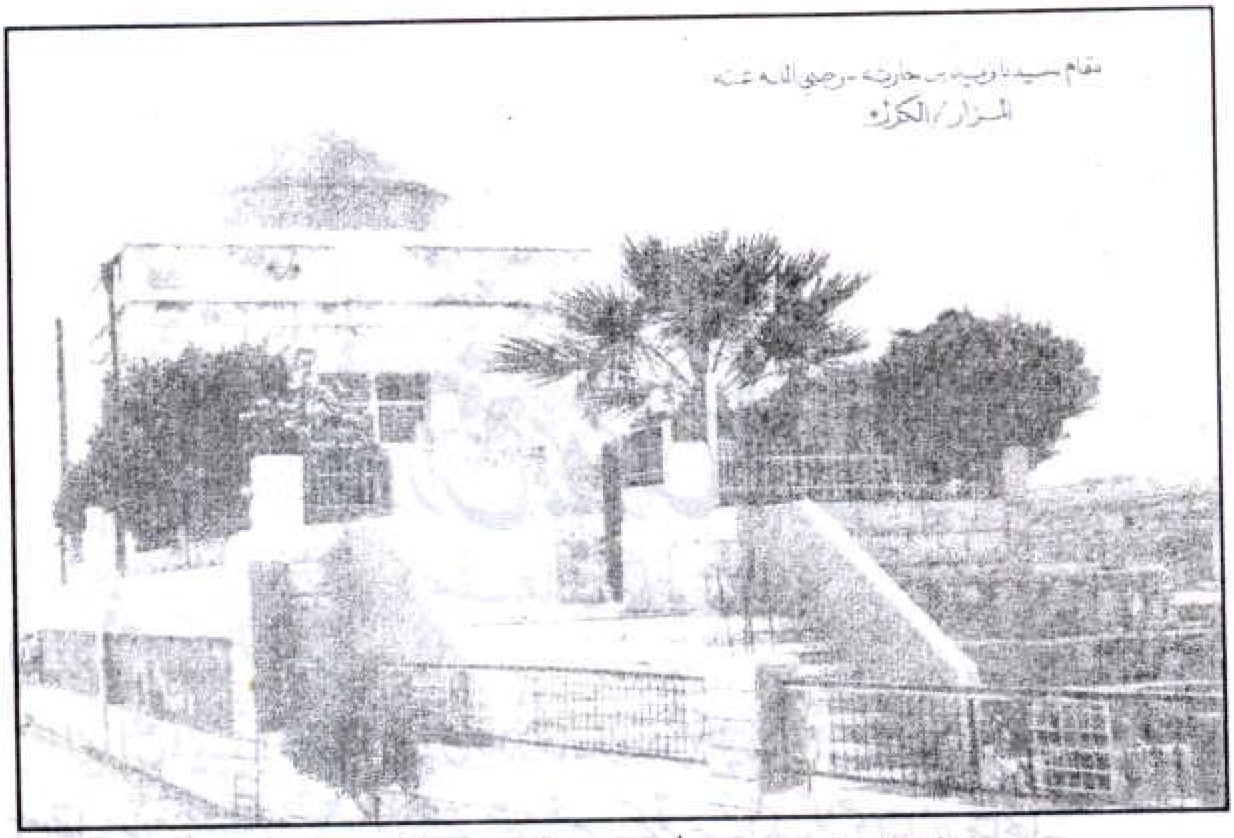
ان لوگوں نے پہنچ کر حملہ کیا۔ قافلہ حاصل کر لینے میں تو کامیاب ہو گئے مگر اعیان قوم اور اشراف خاندان اور قافلہ والے سب بھاگ گئے صرف فرات بن حیان عجلی کو گرفتار کر کے اپنے ہمراہ لائے جو مدینہ پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔ مال غنیمت کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کا خمس جو نکالا گیا تو اس کی تعداد بیس ہزار درہم تھی۔ تو معلوم ہوا کہ غنیمت کی مجموعی تعداد ایک لاکھ درہم تھی۔



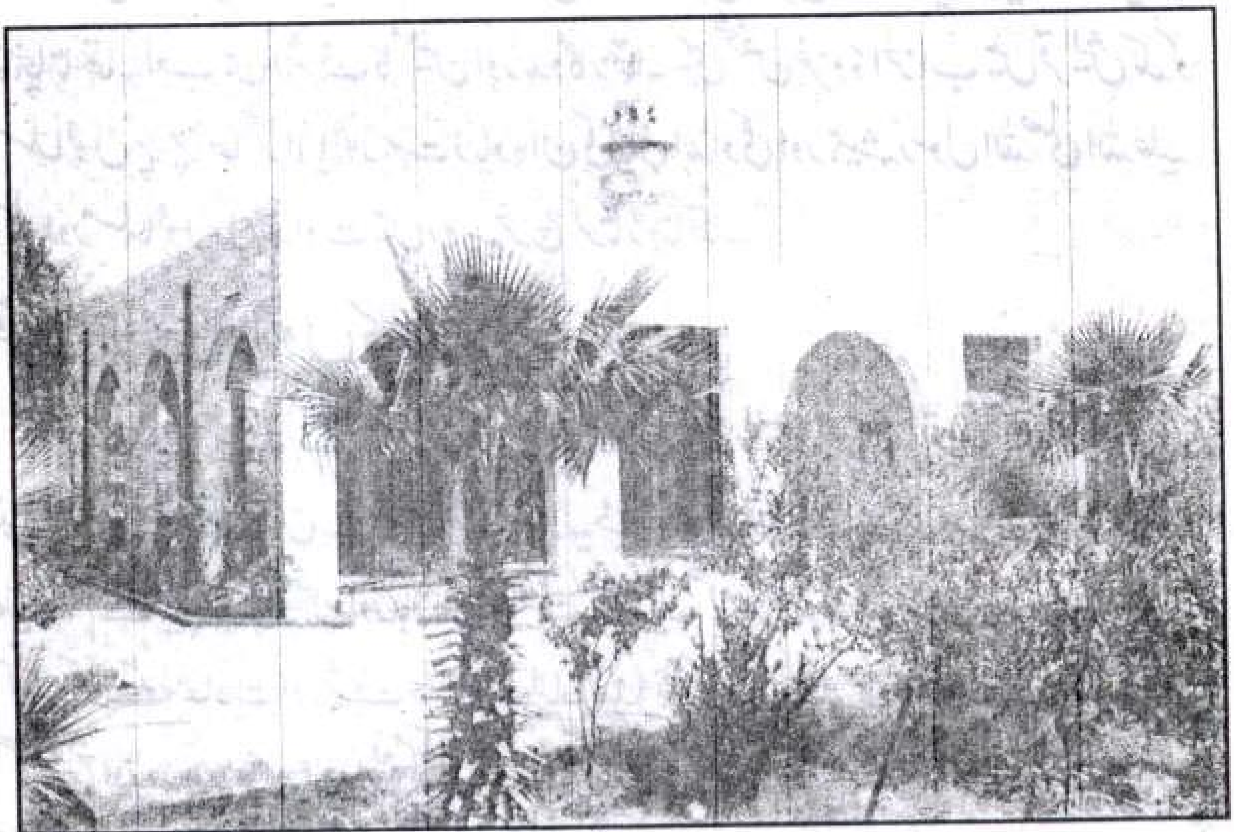
سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
قَرَدہ (نجد) کی طرف
جمادی الآخرہ 3ھ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوةً دَائِمَةً بِدَوَامِكَ

جو شخص پچاس مرتبہ دن میں اور پچاس مرتبہ رات میں اس درود شریف
کا ورد رکھے تو اُس کا ایمان جانے سے محفوظ ہوگا۔ (ذریعۃ الوصول)



حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر لشکر بنایا جن کا مزار اردن میں ہے



مسجد و مزار حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ عامر بن جراح

ابورافع یہودی کا قتل

(نصف جمادی الثانیہ ۳ھ)

ابورافع کے کرتوت

ابورافع ایک بڑا مالدار یہودی تاجر تھا۔ ابورافع کنیت تھی۔ عبداللہ بن ابی الحقیق اس کا نام تھا۔ سلام بن ابی الحقیق بھی کہتے تھے۔ خیبر کے قریب ایک گڑھی میں رہتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا اور طرح طرح سے آپ کو ایذا اور تکلیف پہنچاتا تھا۔ کعب بن اشرف کا معین اور مددگار تھا۔ یہی شخص غزوۂ احزاب میں قریش مکہ کو مسلمانوں پر چڑھا کر لایا اور بہت زیادہ ان کی مالی امداد کی اور ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی عداوت میں روپیہ خرچ کرتا رہتا تھا۔

قبیلۂ خزرج والوں کا جذبہ

کعب بن اشرف کے قاتل محمد بن مسلمہ اور ان کے رفقاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم چونکہ سب قبیلۂ اوس کے تھے۔ اس لئے قبیلۂ خزرج کو یہ خیال ہوا کہ قبیلۂ اوس نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جانی دشمن اور بارگاہ رسالت کے ایک گستاخ اور دریدہ دہن کعب بن اشرف کو قتل کر کے سعادت اور شرف حاصل کرلیا۔ لہذا ہم کو چاہئے کہ بارگاہ نبوت کے دوسرے گستاخ اور دریدہ دہن ابورافع کو قتل کر کے دارین کی عزت و رفعت حاصل کریں۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ابورافع کے قتل کی اجازت چاہی آپ نے اجازت دی۔

قتل کی مہم پر روانگی

عبداللہ بن عتیک اور مسعود بن سنان اور عبداللہ بن انیس اور ابوقتادہ حارث بن ربعی اور

خزاعی بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس کے قتل کے لئے روانہ فرمایا اور عبداللہ بن عتیک کو ان پر امیر بنایا اور یہ تاکید فرمائی کہ کسی بچہ اور عورت کو ہرگز نہ قتل کریں۔

نصف جمادی الآخری ۳ھ کو عبداللہ بن عتیک مع اپنے رفقاء کے خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ صحیح بخاری میں براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ غروب آفتاب کے بعد جب لوگ اپنے جانور چراگاہ سے واپس لا چکے تھے تب یہ لوگ خیبر پہنچے۔

قلعہ میں داخلہ

ابورافع کا قلعہ جب قریب آ گیا تو عبداللہ بن عتیک نے اپنے رفقاء سے کہا تم یہیں بیٹھو میں قلعہ کے اندر جانے کی کوئی تدبیر نکالتا ہوں جب بالکل دروازہ کے قریب پہنچ گئے تو کپڑا اڈھانک کر اس طرح بیٹھ گئے جیسے کوئی قضاء حاجت کرتا ہو۔ دربان نے یہ سمجھ کر کہ یہ ہمارا ہی کوئی آدمی ہے یہ آواز دی کہ اے اللہ کے بندے اگر اندر آنا ہے تو جلد آ جا میں دروازہ بند کرتا ہوں۔ میں فوراً داخل ہو گیا اور ایک طرف چھپ کر بیٹھ گیا۔

ابورافع بالاخانہ پر رہتا تھا۔ اور شب کو قصہ گوئی ہوتی تھی جب قصہ گوئی ختم ہو گئی اور لوگ اپنے اپنے گھر واپس ہو گئے تو دربان نے دروازے بند کر کے کنجیوں کا حلقہ ایک کھونٹی پر لٹکا دیا۔ جب سب سو گئے تو میں اٹھا اور کھونٹی سے کنجیوں کا حلقہ اتار کر دروازہ کھولتا ہوا بالاخانہ پر پہنچا اور جو دروازہ کھولتا تھا وہ اندر سے بند کر لیتا تھا تا کہ لوگوں کو اگر میری خبر بھی ہو جائے تو میں اپنا کام کر گزروں۔

ابورافع پر پہلا وار

جب میں بالاخانہ پر پہنچا تو وہاں اندھیرا تھا اور ابورافع اپنے اہل وعیال میں سو رہا تھا۔ مجھ کو معلوم نہ تھا کہ ابورافع کہاں اور کدھر ہے۔ میں نے آواز دی۔ اے ابورافع۔ ابورافع نے کہا کون ہے میں نے اسی جانب ڈرتے ڈرتے تلوار کا وار کیا مگر خالی گیا۔ ابورافع نے ایک چیخ ماری میں نے تھوڑی دیر بعد آواز بدل کر ہمدردانہ لہجہ میں کہا اے ابورافع یہ کیسی آواز ہے۔ ابورافع نے کہا۔ ابھی مجھ پر کسی شخص نے تلوار کا وار کیا۔

دوسرا کاری حملہ اور واپسی

یہ سنتے ہی میں نے تلوار کا دوسرا وار کیا جس سے اس کے کاری زخم آیا۔ بعد ازاں میں

نے تلوار کی دھار اس کے پیٹ پر رکھ کر اس زور سے دبائی کہ پشت تک پہنچ گئی۔ جس سے سمجھا کہ میں اب اس کا کام تمام کر چکا اور واپس ہو گیا۔ اور ایک ایک دروازہ کھولتا جاتا تھا۔ جب سیڑھی سے اترنے لگا تو یہ خیال ہوا کہ زمین قریب آ گئی اترنے میں گر پڑا۔ اور پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ چاندنی رات تھی۔ عمامہ کھول کر ٹانگ کو باندھا اور اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہا تم چلو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت سناؤ۔ میں یہیں بیٹھا ہوں اس کی موت اور قتل کا اعلان سن کر آؤں گا۔ چنانچہ جب صبح ہوئی اور مرغ نے بانگ دی تو خبر دینے والے نے قلعہ کی فصیل سے اس کی موت کا اعلان کیا تب میں وہاں سے روانہ ہوا اور ساتھیوں سے آملا۔ اور کہا تیز چلو۔ اللہ نے ابورافع کو ہلاک کیا۔

حضرت عبداللہ کی ٹانگ کا درست ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خوش خبری سنائی اور جو واقعہ گزرا تھا وہ سب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اپنی ٹانگ پھیلاؤ۔ میں نے ٹانگ پھیلا دی۔ آپ نے دست مبارک اس پر پھیرا ایسا معلوم ہوا گویا کہ کبھی شکایت ہی پیش نہ آئی تھی۔



غزوۂ اُحُد

(شوال ۳ھ)

قریشیوں کا جذبۂ انتقام

قریش مکہ جب بدر سے بری طرح شکست کھا کر مکہ واپس ہوئے تو یہ معلوم ہوا کہ وہ کاروان تجارت جس کو ابوسفیان ساحلی راستے سے بچا کر نکال لائے تھے۔ وہ مع اصل سرمایہ اور زر منافع دارالندوہ میں بطور امانت محفوظ ہے۔ بدر کی اس بے طرح ہزیمت اور ذلت آمیز شکست کا زخم یوں تو ہر شخص کے دل میں تھا۔ لیکن جن لوگوں کے باپ اور بیٹے بھائی اور بھتیجے خویش اور اقارب بدر میں مارے گئے ان کو رہ رہ کر جوش آتا تھا۔ جذبۂ انتقام سے ہر شخص کا سینہ لبریز تھا۔

بدلہ لینے کے لئے رقم مختص کرنا

بالآخر ابوسفیان بن حرب۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ۔ عکرمۃ بن ابی جہل، حارث بن ہشام، حویطب بن عبدالعزیٰ، صفوان بن امیہ، اور دیگر سرداران قریش ایک مجلس میں جمع ہوئے کہ کاروان تجارت بطور امانت محفوظ ہے۔ اس میں سے اصل سرمایہ تو تمام شرکاء پر بقدر حصص تقسیم کر دیا جائے اور زر منافع کلیۃً محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کی تیاری میں صرف کیا جائے۔ تاکہ ہم مسلمانوں سے اپنے باپ اور بیٹوں، خویش اور اقارب، اعیان اور اشراف کا جو بدر میں مارے گئے انتقام لیں بیک آواز سب نے دلی خوشی سے اس درخواست کو قبول کیا اور زر منافع جس کی مقدار پچاس ہزار دینار تھی وہ سب اس کام کے لئے جمع کر دیا گیا۔

اسی بارے میں حق تعالیٰ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ان الذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ فسینفقونھا ثم تکون علیھم حسرۃً ثم یغلبون (الانفال:۳۶)

تحقیق کافر اپنے مالوں کو خرچ کر رہے ہیں تا کہ لوگوں کو خدا کے راستہ سے روک دیں۔ پس اور بھی خرچ کریں گے اور پھر یہ سب ان پر حسرت اور افسوس ہوں گے پھر آخر مغلوب ہوں گے۔

قریشیوں کے لشکر کی روانگی

قریش نے خوب تیاری کی اور عورتوں کو بھی ہمراہ لیا تا کہ وہ رجزیہ اشعار سے لڑنے والوں کی ہمت بڑھائیں اور بھاگنے والوں کو غیرت دلائیں نیز لڑنے والے عورتوں کی بے حرمتی کے خیال سے دل کھول کر اور سینہ ٹھوک کر لڑیں۔ پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں اور قبائل میں قاصد دوڑائے کہ اس جنگ میں شریک ہو کر داد شجاعت دیں۔ اس طرح تین ہزار آدمیوں کا لشکر جمع ہو گیا جن میں سے سات سو زرہ پوش تھے اور دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں ہمراہ تھیں۔ یہ تین ہزار کا لشکر جرار نہایت کروفر سے ابوسفیان بن حرب کی سرکردگی میں ۵ شوال ۳ھ کو مکہ سے روانہ ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ تمام حالات لکھ کر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پاس ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ روانہ کئے اور قاصد کو یہ تاکید کی کہ تین دن کے اندر اندر کسی طرح آپ کے پاس یہ خط پہنچا دے۔

قریش کے لشکر کا جائزہ

یہ خبر پاتے ہی آپ نے انس اور مونس رضی اللہ عنہما کو قریش کی خبر لینے کے لئے روانہ فرمایا۔ انہوں نے آکر یہ اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے بالکل قریب آپہنچا ہے۔ بعد ازاں حباب بن منذر ؓ کو ان کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا کہ معلوم کریں فوج کی کتنی تعداد ہے۔ حباب ؓ نے آکر ٹھیک اندازہ اور صحیح تخمینہ سے اطلاع دی۔ تمام شب سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مسجد نبوی کا پہرہ دیا اور شہر کے اطراف و جوانب میں بھی پہرے بٹھلا دیئے گئے۔ یہ جمعہ کی شب تھی۔

صحابہؓ سے مشورہ

جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا۔ اکابر مہاجرین و انصار نے یہ مشورہ دیا کہ مدینہ ہی میں پناہ گزین ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن جو نوجوان جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور شوق شہادت میں بے چین اور بے تاب تھے ان کی یہ رائے ہوئی کہ مدینہ سے باہر نکل کر ان پر حملہ کیا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک مضبوط زرہ میں ہوں اور ایک گائے ہے کہ ذبح کی جا رہی ہے۔ جس کی تعبیر یہ ہے کہ مدینہ بمنزلہ مضبوط زرہ کے ہے اور ذبح بقر سے اس طرف اشارہ ہے کہ میرے اصحاب میں سے کچھ لوگ شہید ہوں گے۔ لہذا میری رائے میں مدینہ ہی میں قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا جائے اور خواب میں یہ بھی دیکھا کہ میں نے تلوار کو ہلایا اس کے سامنے کا حصہ ٹوٹ کر گر گیا۔ پھر اسی تلوار کو دوبارہ ہلایا تو وہ تلوار پہلے سے زیادہ عمدہ ہو گئی۔ جس کی تعبیر یہ تھی کہ صحابہ کرام بمنزلہ تلوار کے تھے۔ جو آپ کے دشمنوں پر وار کرتے تھے۔ صحابہ کو جہاد میں لے جانا بمنزلہ تلوار کے ہلانے کے تھا۔ ایک مرتبہ ہلایا یعنی غزوۂ احد میں تو اس کے سامنے کا حصہ ٹوٹ کر گر گیا۔ یعنی کچھ صحابہ شہید ہو گئے۔ پھر اسی تلوار کو دوسرے غزوۂ میں استعمال کیا تو وہ تلوار پہلے سے زیادہ عمدہ اور تیز ہو گئی اور خوب دشمنوں کو مارا۔

منافقوں کے سردار کا مشورہ

عبداللہ بن ابی رأس المنافقین سے بھی ہوشیار اور تجربہ کار ہونے کی وجہ سے مشورہ لیا گیا۔ اس نے یہ کہا کہ تجربہ یہ ہے کہ جب کسی دشمن نے مدینہ پر حملہ کیا اور اہل مدینہ نے اندرون شہر ہی رہ کر مقابلہ کیا تو فتح ہوئی اور جب باہر نکل کر حملہ کیا گیا تو ناکام رہے۔ یا رسول اللہ آپ مدینہ سے باہر نہ نکلئے۔ خدا کی قسم جب کبھی ہم مدینہ سے باہر نکلے تو دشمنوں کے ہاتھ سے تکلیف اٹھائی اور جب کبھی ہم مدینہ میں رہے اور دشمن ہم پر چڑھ کر آیا تو دشمن نے ہمارے ہاتھ سے تکلیف اٹھائی آپ مدینہ کی ناکہ بندی فرما دیں دشمن اگر بالفرض مدینہ

میں گھس آیا تو مردان کا تلوار سے مقابلہ کریں گے اور بچے اور عورتیں چھتوں سے سنگ باری کریں گی۔ اور اگر باہر سے باہر ہی ناکام واپس ہو گئے تو فہوالمراد۔

جنت کے شیدائی

مگر بعض اکابر اور نوجوانوں نے اس پر زیادہ اصرار کیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر حملہ کیا جائے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو اس دن کے متمنی اور مشتاق ہی تھے اور خدا سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ خدا وہ دن لے آیا اور مسافت بھی قریب ہے۔

حضرت حمزہ اور سعد بن عبادہ اور نعمان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر ہم نے مدینہ میں رہ کر ان کی مدافعت کی تو ہمارے دشمن ہم کو خدا کی راہ میں بزدل خیال کریں گے اور حضرت حمزہ نے یہ کہا۔

قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی میں اس وقت تک کھانا نہ کھاؤں گا جب تک مدینہ سے باہر نکل کر دشمنوں کا اپنی تلوار سے مقابلہ نہ کرلوں۔

نعمان بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ ہم کو جنت سے محروم نہ کیجئے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا ہے میں ضرور جنت میں داخل ہو کر رہوں گا۔

آپ نے فرمایا کس بناء پر۔ نعمان نے عرض کیا:۔ اس لئے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے برحق رسول ہیں اور میں لڑائی میں کبھی بھاگتا نہیں۔

اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں:۔ اس وجہ سے کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہوں۔

آپ نے فرمایا صدقت تو نے سچ کہا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ جنت کے شیدائی اور شہادت کے سودائی یعنی نوجوانوں کا اصرار تو پہلے ہی سے ہے کہ مدینہ سے باہر جا کر حملہ کیا جائے۔ لیکن مہاجرین وانصار میں سے بھی بعض اکابر جیسے حضرت حمزہؓ اور سعد بن عبادہؓ شوق شہادت میں بے چین اور بے تاب ہیں اور ان کی بھی یہی رائے ہے تو آپ نے بھی یہی عزم فرمالیا۔

یہ جمعہ کا دن تھا۔ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر وعظ فرمایا۔ اور جہاد و قتال کی ترغیب دی اور تیاری کا حکم دیا۔ یہ سنتے ہی خداوند ذوالجلال کے محبین و مخلصین عاشقین ووالہین اور خداوند قدوس کے لقاء کے شائقین کی جانوں میں جان آ گئی اور سمجھ گئے کہ اب اس دنیا کے جیل خانہ اور اس قفس سے ہماری رہائی کا وقت آ گیا۔

مدینہ سے روانگی

عصر کی نماز سے فارغ ہو کر آپ حجرۂ شریفہ میں تشریف لے گئے اور صاحبین (یعنی آپ کے وہ دو ساتھی جو دنیا میں بھی آپ کے ساتھ رہے اور عالم برزخ میں بھی آپ کے ساتھ ہیں اور میدان حشر اور حوض کوثر اور جنت میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گے) یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وہ بھی آپ کے ساتھ حجرہ میں گئے۔

ابھی آپ حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف نہ لائے تھے کہ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے لوگوں سے کہا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر سے باہر سے جا کر حملہ کرنے پر مجبور کیا حالانکہ آپ پر اللہ کی وحی اترتی رہتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ کی رائے اور منشاء پر چھوڑ دیا جائے۔ اتنے میں آپ دو زرہیں تو برتو پہن کر اور مسلح ہو کر باہر تشریف لے آئے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے غلطی سے مرضی مبارک کے خلاف اصرار کیا جو ہمارے لئے کسی طرح مناسب اور زیبا نہ تھا۔ آپ صرف اپنی رائے پر عمل فرمائیں آپ نے فرمایا کسی نبی کے لئے یہ جائز نہیں کہ ہتھیار لگا کر اتار دے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے دشمنوں سے جنگ کرے۔ اب اللہ کے نام پر چلو اور میں جو حکم دوں وہ کرو۔ اور سمجھ لو کہ جب تک تم صابر اور ثابت قدم رہو گے تو اللہ کی فتح اور نصرت تمہارے ہی لئے ہے۔

۱۱ شوال یوم جمعہ بعد نماز عصر آپ ایک ہزار جمعیت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے آپ گھوڑے پر سوار تھے اور سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما زرہ پہنے ہوئے آپ کے آگے آگے تھے اور سب مسلمان آپ کے دائیں اور بائیں چلتے تھے۔

کم عمر بچوں کی واپسی

مدینہ سے باہر نکل کر جب مقام شیخین پر پہنچے تو فوج کا جائزہ لیا۔ ان میں جو نو عمر اور کم

سن تھے ان کو واپس فرمایا جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱-اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲-زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳-ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۴-عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵-اسید بن ظہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۶-عرابۃ بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷-براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۷-زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت رافعؓ اور حضرت سمرہؓ کا شوق

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں سترہ صحابی پیش کئے گئے جن کی عمر چودہ چودہ سال کی تھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے نابالغ قرار دے کر واپس کر دیا۔ جب ایک سال بعد پندرہ سال کے سن میں پیش کئے گئے تو آپ نے اجازت دی۔

ان کمسنوں میں رافع بن خدیج بھی تھے۔ انہوں نے یہ ہوشیاری کی کہ انگوٹھوں کے بل تن کے کھڑے ہوگئے تا کہ دراز قامت معلوم ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی۔ نیز ان کی نسبت یہ بھی کہا گیا کہ یہ بڑے تیرانداز ہیں۔

سمرۃ بن جندب جو انہیں کے ہم سن تھے انہوں نے نہایت حسرت بھرے الفاظ میں اپنے علاتی باپ مری بن سنانؓ سے کہا۔ اے باپ، رافع کو تو اجازت مل گئی اور میں رہ گیا۔ حالانکہ میں ان سے زیادہ قوی ہوں رافع کو پچھاڑ سکتا ہوں۔ مری بن سنانؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے رافع کو اجازت دی اور میرے بیٹے کو واپس فرمایا۔ حالانکہ میرا بیٹا رافع کو پچھاڑ سکتا ہے۔

آپ نے رافعؓ اور سمرہؓ کی کشتی کرائی۔ سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا۔ آپ نے سمرہ کو بھی اجازت دی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان

عمر بن عبدالعزیز نے ایک مرتبہ نافع سے یہ دریافت کیا کہ عبداللہ بن عمر کن کن غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے۔ نافع نے کہا مجھ سے خود ابن عمر نے بیان کیا کہ جب غزوۂ بدر ہوا تو اس وقت میں ۱۳ سال کا تھا اور جب غزوۂ احد ہوا تو اس

وقت میں ۱۴ سال کا تھا۔ غزوۂ بدر میں تو میں نے جانے کا ارادہ ہی نہیں کیا لیکن غزوۂ احد میں شریک ہونے کی بارگاہ نبوی میں استدعا کی لیکن آپ نے کمسنی کی وجہ سے قبول نہ فرمایا اور علیٰ ہذا زید بن ثابت اور اوس بن عرابہ کو بھی کمسن ہونے کی وجہ سے واپس فرمایا مگر رافع بن خدیج کو دراز قامت ہونے کی وجہ سے اجازت دے دی۔ جب غزوۂ خندق پیش آیا تو اس وقت میں ۱۵ سال کا تھا۔ اس وقت آپ نے مجھ کو اجازت دی اور آپ کے ساتھ غزوۂ میں شریک ہوا عمر بن عبدالعزیز نے اس حدیث کو سن کر فوراً کاتب کو حکم دیا کہ بہت جلد اس حدیث کو لکھ لیں۔ اس لئے کہ لوگ اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے لئے بیت المال سے وظیفہ کی درخواست کرتے ہیں۔ لہذا خوب تحقیق کر لی جائے جو فی الواقع پندرہ سال کا ہو مجاہدین اور مقاتلین کی فہرست میں اس کا نام درج کر کے بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کیا جائے۔ اور جو پندرہ سال سے کم ہو اس کا نام ذریۃ بچوں کی فہرست میں لکھا جائے۔

منافقوں کی راستہ سے واپسی

جب آپ احد کے قریب پہنچے تو راس المنافقین عبداللہ بن ابی جو تین سو آدمیوں کی معیت اپنے ہمراہ لایا تھا یہ کہہ کر واپس ہو گیا کہ آپ نے میری رائے نہیں مانی۔ ہم بے وجہ کیوں اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالیں۔ یہ جنگ نہیں ہے اگر ہم اس کو جنگ سمجھتے تو تمہارا ساتھ دیتے۔ انہی لوگوں کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ولیعلم الذین نافقوا و قیل لھم تعالوا قاتلوا فی سبیل اللہ او ادفعوا قالوا لو نعلم قتالا لا اتبعنکم ھم للکفر یومئذ اقرب منھم للایمان یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم واللہ اعلم بما یکتمون

(آل عمران آیۃ: ۱۶۷)

اب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ صرف سات سو صحابہ رہ گئے جن میں صرف سو آدمی زرہ پوش تھے اور سارے لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے ایک آپ کا اور ایک ابو بردۃ بن نیار حارثیؓ کا۔

بنی سلمہ و بنی حارثہ

قبیلۂ خزرج میں سے بنی سلمہ نے اور قبیلۂ اوس میں سے بنی حارثہ نے بھی ابن ابی کی طرح کچھ واپسی کا ارادہ کیا اور یہ دونوں قبیلے لشکر کے دونوں طرف تھے۔ توفیق خداوندی نے ان کی دست گیری کی۔ خدا نے ان کو بچالیا اور واپس نہیں ہوئے۔ ان ہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اذھمت طائفتان منکم ان تفشلا واللہ ولیھما وعلی فلیتو کل المومنون

یاد کرو اس وقت کو جب ہمت ہار دی تم میں سے دو گروہوں نے اور اللہ ان کا مدد گار تھا۔ اس لئے وہ واپسی سے محفوظ رہے اور تمام مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے۔

راستہ میں عشاء و صبح کی نماز

ابھی آپ مقام شیخین ہی میں تھے کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی اور یہیں شب کو قیام فرمایا۔ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے تمام شب لشکر کی پاسبانی کی۔ وقتاً فوقتاً لشکر کا ایک چکر لگاتے اور واپس آ کر آپ کے خیمہ مبارکہ کا پہرہ دیتے۔

شب کے آخری حصہ میں آپ نے کوچ فرمایا۔ جب احد کے قریب پہنچے تو صبح کی نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ بلالؓ نے اذان اور اقامت کہی اور آپ نے اپنے تمام اصحاب کو نماز پڑھائی۔

صفوں کی ترتیب

نماز سے فارغ ہو کر لشکر کی جانب متوجہ ہوئے مدینہ کو سامنے اور احد کو پس پشت رکھ کر صفوں کو مرتب فرمایا اور جو صفیں چند لمحہ پہلے خداوند ذوالجلال کی تعظیم واجلال کے لئے دست بستہ کھڑی ہوئی تھیں اب وہ اس کبیر متعال کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی اور اس کے راستہ میں جہاد و قتال کے لئے کھڑی ہو گئیں۔

جبل احد پر ایک دستہ کا تقرر

صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ جبل احد کے پیچھے بٹھلا دیا تا کہ قریش پشت سے حملہ نہ کر سکیں اور عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا امیر مقرر فرمایا اور یہ حکم دیا کہ اگر ہم کو مشرکین پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور اگر مشرکین کو ہم پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی اس جگہ سے نہ سرکنا اور نہ ہماری مدد کے لئے آنا۔

زہیر کی روایت میں ہے کہ اگر پرندوں کو بھی ہم کو اچکتے ہوئے دیکھو تب بھی اس جگہ سے نہ ٹلنا۔

مسند احمد اور معجم طبرانی وغیرہ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تم اس جگہ کھڑے رہو اور پشت کی جانب سے ہماری حفاظت کرو۔ اگر ہم کو قتل ہوتے ہوئے بھی دیکھو تو ہماری مدد کے لئے نہ آنا اور اگر غنیمت حاصل کرتے ہوئے دیکھو تو اس میں شریک نہ ہونا۔

قریشیوں کا لشکر

قریش کا لشکر چہارشنبہ ہی کو مدینہ پہنچ کر احد کے دامن میں پڑاؤ ڈال چکا تھا۔ جس کی تعداد تین ہزار تھی جن میں سے سات سو زرہ پوش اور دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے اور اشراف مکہ کی پندرہ عورتیں ہمراہ تھیں جو اشعار پڑھ پڑھ کر مردوں کو جوش دلاتی تھیں۔

جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱- ہندہ بنت عتبہ ابوسفیان کی بیوی اور حضرت معاویہ کی ماں)

۲- ام حکیم بنت حارث بن ہشام (ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کی بیوی)

۳- فاطمہ بنت ولید حارث بن ہشام کی بیوی

۴- برزہ بنت مسعود صفوان بن امیہ کی بیوی

۵- ریطہ بنت شیبہ عمرو بن العاص کی بیوی

۶- سلافہ بنت سعد طلحہ بن ابی طلحہ جحمی کی بیوی

۷- خناس بنت مالک، مصعب بن عمیرؓ کی والدہ

۸- عمرۃ بنت علقمہ

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ سوائے خناس اور عمرہ کے یہ سب عورتیں بعد میں چل کر مشرف باسلام ہوئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

قریشیوں کے لشکر کی ترتیب

قریش نے اپنے لشکر کے میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمۃ بن ابی جہل کو اور پیادوں پر صفوان بن امیہ کو اور کہا جاتا ہے کہ عمرو بن العاص کو اور تیراندازوں پر عبداللہ بن ابی ربیعہ کو افسر مقرر کیا۔ مگر بعد میں چل کر قریش کے یہ پانچوں امرائے لشکر مشرف باسلام ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

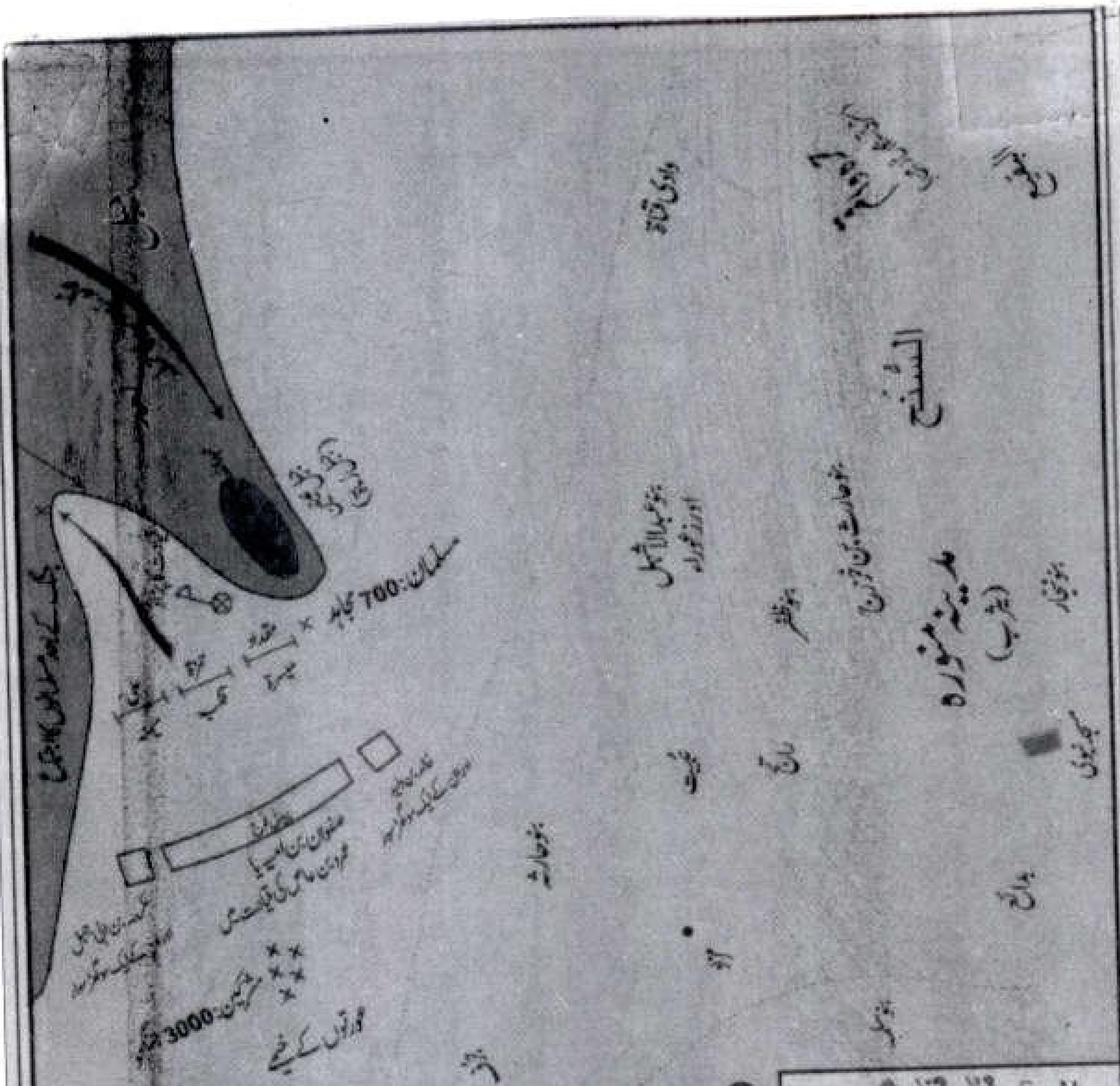
حضور کا حضرت ابودجانہ کو تلوار عطا فرمانا

جب فریقین کی صفیں مرتب ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار ہاتھ میں لے کر یہ فرمایا کون ہے جو کہ اس تلوار کو اُس کے حق کے ساتھ لے۔ یہ سن کر بہت سے ہاتھ اس سعادت کے حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک روک لیا اتنے میں ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ اس تلوار کا کیا حق ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ اس سے خدا کے دشمنوں کو مارے یہاں تک کہ خم ہو جائے۔

حافظ ابوبشیر دولابی نے اس حدیث کو کتاب الکنیٰ میں حضرت زبیرؓ سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اس تلوار کا حق یہ ہے کہ اس سے کسی مسلمان کو کبھی قتل نہ کرنا اور اس کو لے کر کبھی کسی کافر کے مقابلہ سے فرار نہ ہونا۔

ابودجانہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اس کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں یعنی اس کا حق ادا کروں گا۔ آپ نے فوراً وہ تلوار ابودجانہؓ کو مرحمت فرمادی۔

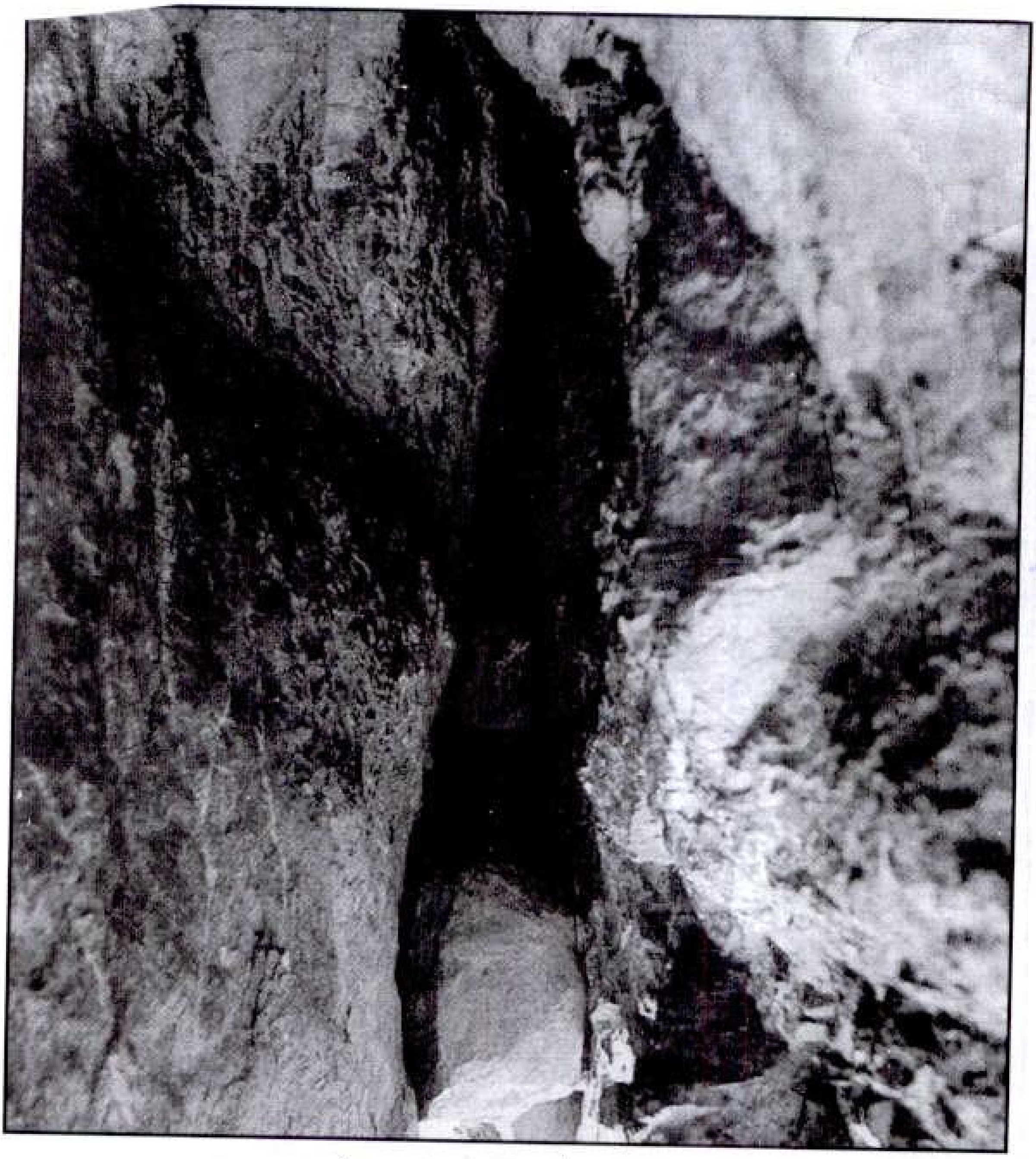
غالباً آپ کو بذریعہ وحی الٰہی کے یہ معلوم ہوا ہوگا کہ سوائے ابودجانہ کے کوئی اس تلوار کا حق نہ ادا کرے گا۔ اس لئے صرف ابودجانہؓ ہی کو عطا فرمائی۔



صَلَّى اللهُ عَلٰى سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ

وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

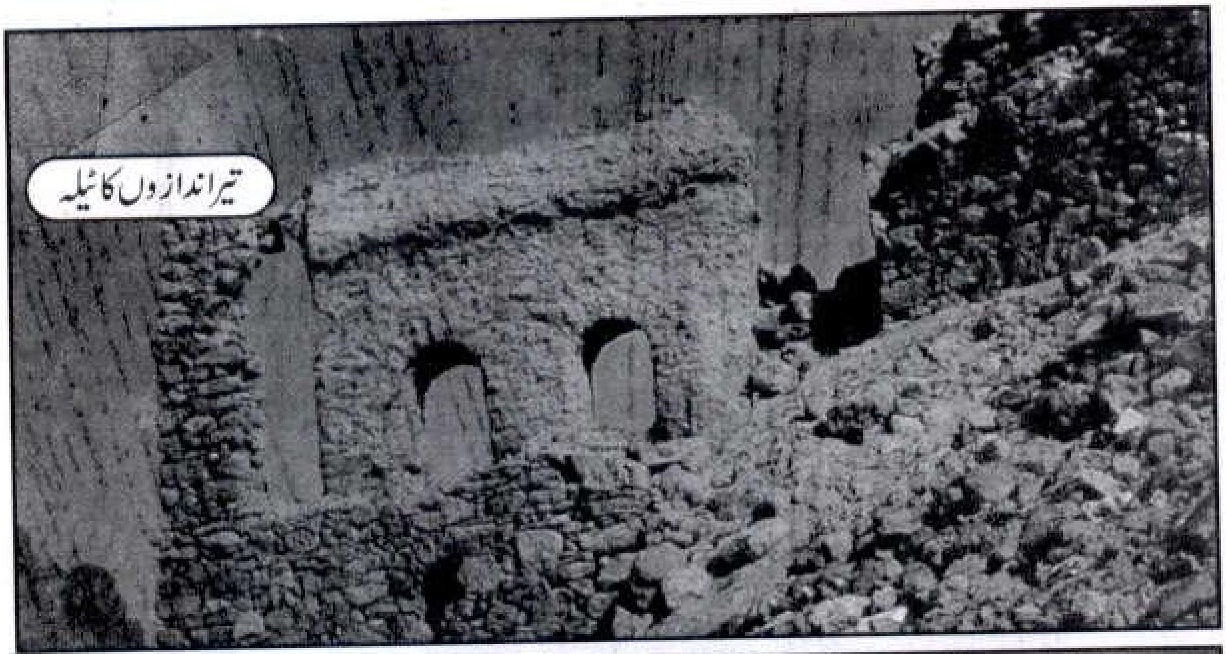
یہ درود شریف پڑھنے میں چھوٹا اور ثواب میں سب سے زیادہ ہے جو شخص روزانہ پانچ سو مرتبہ اس کو پڑھے تو کبھی محتاج نہ ہوگا۔ (ذریعۃ الوصول)

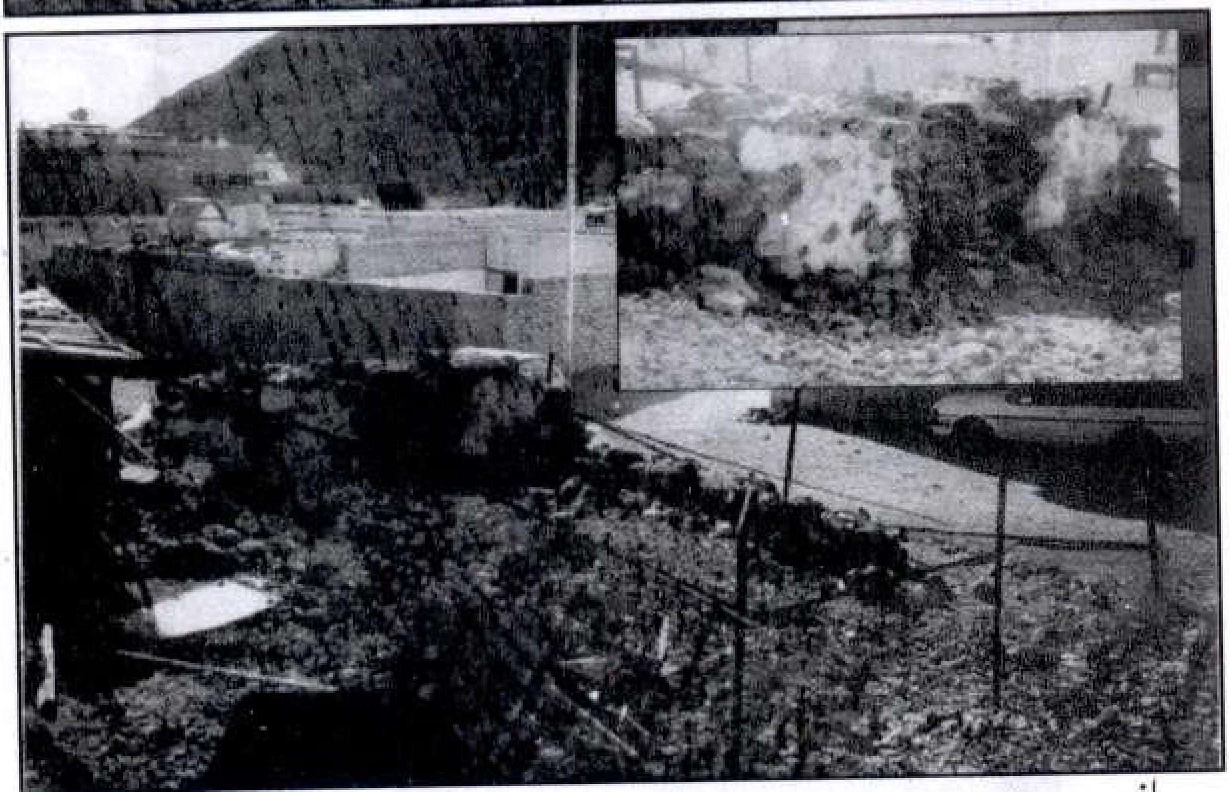


جبل اُحد کا وہ غار جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زخمی ہونے کے بعد آرام فرمایا

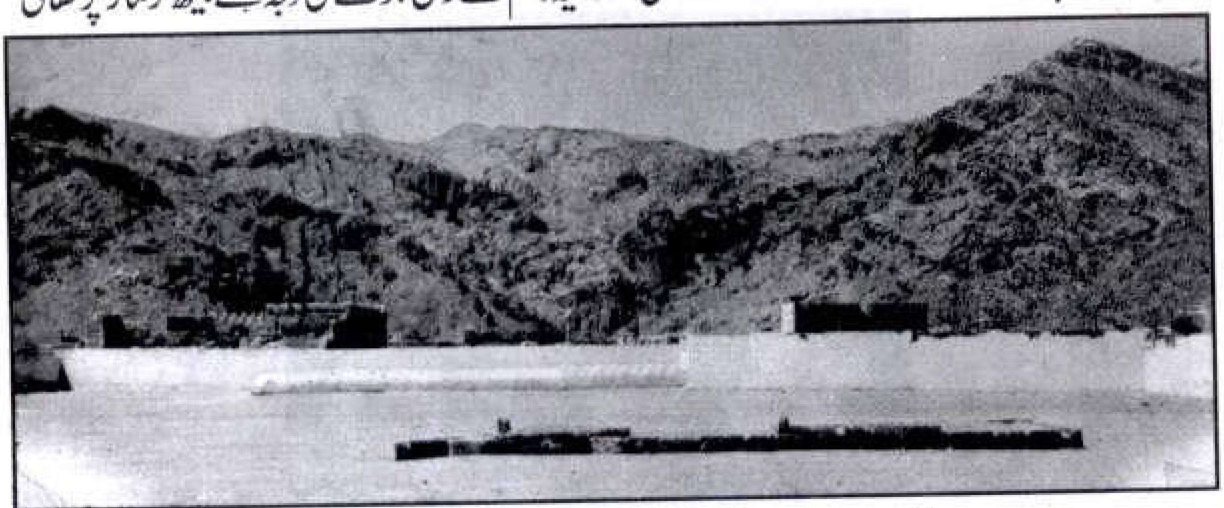


اس چار دیواری میں شہداء اُحد کے مقابر ہیں





مسجد الفسح: جہاں جنگ کے خاتمے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زخمی ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائی



حضرت امیر حمزہؓ- حضرت مصعبؓ بن عمیر اور عبداللہ ابن جحش کے مزاروں کی موجودہ شکل





''مسجد شیخین'' یہ ''شیخان'' نامی مقام پر بنائی گئی۔ غزوۂ اُحد کیلئے روانگی کے وقت یہاں پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کا معائنہ فرما کر پندرہ سال سے کم عمر کے بچوں کو واپس فرما دیا تھا۔ لیکن رافع بن خدیج اور سمرہ بن جندب نامی دو بچے کسی نہ کسی طرح اجازت لینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

قریشی سرداروں کا قتل

قریش کا پہلا مبارز......ابو عامر

قریش کی طرف سے سب سے پہلے میدان جنگ میں ابو عامر نکلا جو زمانۂ جاہلیت میں قبیلہ اوس کا سردار تھا اور زہد اور پارسائی کی وجہ سے راہب کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جب مدینہ میں اسلام کا نور چمکا تو یہ شپرہ چشم اس کی تاب نہ لا سکا اور مدینہ سے مکہ چلا آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے راہب کے فاسق نام تجویز فرمایا۔

اس فاسق نے مکہ آ کر قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا اور معرکہ احد میں خود ان کے ساتھ آیا اور یہ باور کرایا کہ قبیلۂ اوس کے لوگ جب مجھ کو دیکھیں گے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ چھوڑ کر میرے ساتھ ہو جائیں گے۔

چنانچہ معرکہ احد میں سب سے پہلے یہی ابو عامر میدان میں آیا اور للکار کر کہا۔ اے گروہ اوس میں ابو عامر ہوں۔

ابو عامر کی رسوائی

خدا اس کی آنکھیں ٹھنڈی کرے جنہوں نے فوراً ہی یہ جواب دیا۔ اے خدا کے فاسق اور نافرمان خدا کبھی تیری آنکھ ٹھنڈی نہ کرے''۔

ابو عامر یہ دندان شکن جواب سن کر خائب و خاسر واپس ہوا اور جا کر یہ کہا کہ میرے بعد میری قوم کی حالت بدل گئی۔

دوسرا مبارز...... طلحہ بن ابی طلحہ

بعد ازاں مشرکین کا علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ میدان میں آیا اور للکار کر یہ کہا۔ اے اصحاب

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو تمہاری تلواروں سے جلدی جہنم میں پہنچاتا ہے اور ہماری تلواروں سے تم کو جنت میں جلد پہنچاتا ہے۔ پس کیا تم میں سے ہے کوئی جس کو میری تلوار جلد جنت میں یا اس کی تلوار مجھ کو جلد جہنم میں پہنچائے۔

حضرت علیؓ نے طلحہ کا سر دو ٹکڑے کر دیا

یہ سنتے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہ مقابلے کے لئے نکلے اور تلوار چلائی جس سے اس کا پیر کٹ گیا اور منہ کے بل گرا اور ستر کھل گیا۔ حضرت علیؓ شرما کر پیچھے ہٹ گئے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دریافت فرمایا اے علی کیوں پیچھے ہٹے' آپ نے فرمایا مجھ کو اس کے ستر کھل جانے سے شرم آ گئی۔

ابن سعد فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کے سر پر تلوار چلائی جس سے سر کے دو حصے ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوئے اور اللہ اکبر کہا اور مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

غالباً حضرت علی کی پہلی تلوار' اس کے قدم پر پڑی جس سے پیر کٹ گیا اور دوسری تلوار سر پر پڑی جس نے کھوپڑی کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔

تیسرا مبارز...... عثمان بن ابی طلحہ

بعد ازاں عثمان بن ابی طلحہ نے علم سنبھالا اور یہ رجز پڑھتا ہوا میدان میں آیا۔

ان علیٰ اهل اللواء حقا   ان تخضب الصعده او تندقا

علمبردار کا یہ فرض ہے کہ لڑتے لڑتے اس کا نیزہ دشمن کے خون سے رنگین ہو جائے یا ٹوٹ جائے۔

عثمان بن ابی طلحہ کا کام تمام

حضرت حمزہ نے بڑھ کر حملہ کیا اور عثمان کے دونوں ہاتھ اور دونوں شانے صاف کر دیئے اور علم اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور تھوڑی ہی دیر میں اس کا کام تمام ہوا۔

ابوسعد بن ابی طلحہ کا قتل ہونا

اسکے بعد ابوسعد بن ابی طلحہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فوراً ہی ایک تیر تاک کر اسکے حلق پر مارا جس سے اس کی زبان باہر نکل آئی آگے بڑھ کر فوراً قتل کیا۔

مسافح بن طلحہ کا قتل

اس کے بعد مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ نے علم اٹھایا۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہی وار میں قتل کیا۔

حارث بن طلحہ کا قتل

اس کے بعد حارث بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اس کو بھی عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہی وار میں قتل کیا اور بقول بعض حضرت زبیر نے اس کو قتل کیا۔

کلاب بن طلحہ کا قتل

پھر کلاب بن طلحہ بن ابی طلحہ نے علم ہاتھ میں پکڑا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر قتل کیا۔

جلاس کا قتل ہونا

بعد ازاں جلاس بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھایا۔ فوراً ہی حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو قتل کیا۔

ارطاۃ کا قتل

اس کے بعد ارطاۃ شرجیل نے جھنڈا ہاتھ میں لیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کا کام تمام کیا۔

شریح بن قارظ کا قتل

شریح بن قارظ علم لے کر آگے بڑھا آناً فاناً اس کا بھی کام تمام ہوا' شریح کے قاتل کا نام معلوم نہیں کہ کون تھا۔

صواب وغیرہ کا قتل

اس کے بعد ان کا غلام جس کا نام صواب تھا وہ علم لے کر سامنے آیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص یا حضرت حمزہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے علیٰ اختلاف الاقوال اس کا بھی کام تمام کیا۔

اس طرح سے قریش کے بائیس سردار مارے گئے۔

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی شجاعت

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار عطا فرمائی تھی نہایت شجاع اور بہادر تھے۔ اول انہوں نے اپنا ایک سرخ عمامہ نکالا اور سر پر باندھا اور اکڑتے ہوئے میدان میں نکلے اور یہ اشعار زبان پر تھے۔

ان الذی عاھدنی خلیلی ونحن بالسفح لدی النخیل

میں وہی ہوں جس سے میرے اس دوست نے عہد لیا ہے (کہ جس کی محبت میرے قلب کے اندر میں سرایت کر چکی ہے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درآنحالیکہ ہم پہاڑ کے دامن میں نخلستان کے قریب تھے۔

ان لااقوم الدھر فی الکبول اضرب بسیف اللہ والرسول

وہ عہد یہ ہے کہ کبھی پیچھے کی صف میں نہ کھڑا ہوں گا اور اللہ اور اس کے رسول کی تلوار سے خدا کے دشمنوں کو مارتا رہوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو دجانہؓ کو اکڑتے ہوئے دیکھ کر یہ فرمایا یہ چال اللہ کو سخت ناپسند ہے مگر ایسے وقت میں۔ (جبکہ محض اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہو اپنے نفس کے لئے نہ ہو)

عورت سے تلوار کو روک لینا

ابو دجانہؓ صفوں کو چیرتے چلے جاتے تھے جو سامنے آ گیا اسی کی لاش زمین پر ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بالکل سامنے آ گئی ابو دجانہؓ نے اس پر تلوار اٹھائی مگر فوراً ہی ہاتھ روک لیا۔ کہ یہ کسی طرح زیبا نہیں کہ خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کو ایک عورت پر چلایا جائے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابو دجانہؓ ہندہ کے قریب پہنچے تو اس نے لوگوں کو آواز دی مگر کوئی شخص اس کی مدد کو نہ پہنچا تو۔ ابو دجانہ فرماتے ہیں مجھ کو اس وقت یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کو ایک بے پناہ اور بے سہارا عورت پر آزماؤں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور شہادت

شیرانہ حملے

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شیرانہ حملہ سے کفار سخت پریشان تھے۔ جس پر تلوار اٹھاتے اسی کی لاش زمین پر نظر آتی۔

وحشی بن حرب

وحشی بن حرب جو جبیر بن مطعم کا حبشی غلام تھا۔ جنگ بدر میں جبیر کا چچا طعیمہ بن عدی حضرت حمزہ کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا۔ جبیر کو اس کا بہت صدمہ تھا۔ جبیر نے وحشی سے یہ کہا کہ اگر میرے چچا کے بدلہ میں حمزہ کو قتل کردے تو تو آزاد ہے۔ جب قریش جنگ احد کے لئے روانہ ہوئے تو وحشی بھی ان کے ساتھ روانہ ہوا۔

سباع کا قتل

جب احد پر فریقین کی صفیں قتال کے لئے مرتب ہوگئیں اور لڑائی شروع ہوئی تو سباع بن عبدالعزی ھل من مبارز (ہے میرا کوئی مقابل) پکارتا ہوا میدان میں آیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھے اے سباع۔ اے عورتوں کا ختنہ کرنے والی عورت کے بچے تو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے یہ کہہ کر اس پر تلوار کا ایک وار کیا ایک ہی وار میں اس کو فنا اور موت کے گھاٹ اتار دیا۔

وحشی کا نیزہ اور شہادت

وحشی حضرت حمزہ کی تاک میں ایک پتھر کے نیچے چھپا بیٹھا تھا۔ جب حضرت حمزہ ادھر سے گزرے تو وحشی نے پیچھے سے ناف پر نیزہ مارا جو پار ہو گیا۔ حضرت حمزہ چند قدم چلے مگر لڑکھڑا کر گر پڑے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

مسند ابی داؤد طیالسی میں ہے وحشی کہتے ہیں کہ جب مکہ آیا تو آزاد ہو گیا اور قریش کے ساتھ فقط حضرت حمزہ کے قتل کے ارادہ سے آیا تھا قتل وقتال میرا مقصد نہ تھا۔

حضرت حمزہ کو قتل کر کے لشکر سے علیحدہ جا کر بیٹھ گیا اس لئے کہ میرا اور کوئی مقصد نہ تھا صرف آزاد ہونے کی خاطر حضرت حمزہ کو قتل کیا۔

وحشی کا مسلمان ہونا

فتح مکہ کے بعد وفد طائف کے ساتھ وحشی بارگاہ رسالت میں مدینہ منورہ مشرف باسلام ہونے کی غرض سے حاضر ہوئے لوگوں نے ان کو دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہ یہ وحشی ہے یعنی آپ کے عم محترم کا قاتل۔ آپ نے فرمایا۔

اس کو چھوڑ دو۔ البتہ ایک شخص کا مسلمان ہونا میرے نزدیک ہزار کافروں کے قتل سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔ بعد ازاں آپ نے وحشی سے حضرت حمزہ کے قتل کا واقعہ دریافت کیا۔ وحشی نے نہایت ندامت کے ساتھ محض تعمیل ارشاد کی غرض سے واقعہ عرض کیا۔ آپ نے وحشی کا اسلام قبول کیا اور یہ فرمایا کہ اگر ہو سکے تو میرے سامنے نہ آیا کرو اس لئے کہ تم کو دیکھ کر چچا کا صدمہ تازہ ہو جاتا ہے۔ وحشی رضی اللہ عنہ کو چونکہ آپ کو ایذاء پہنچانا مقصود نہ تھا اس لئے جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو پس پشت بیٹھتے۔

نعمت اسلام پر شکر

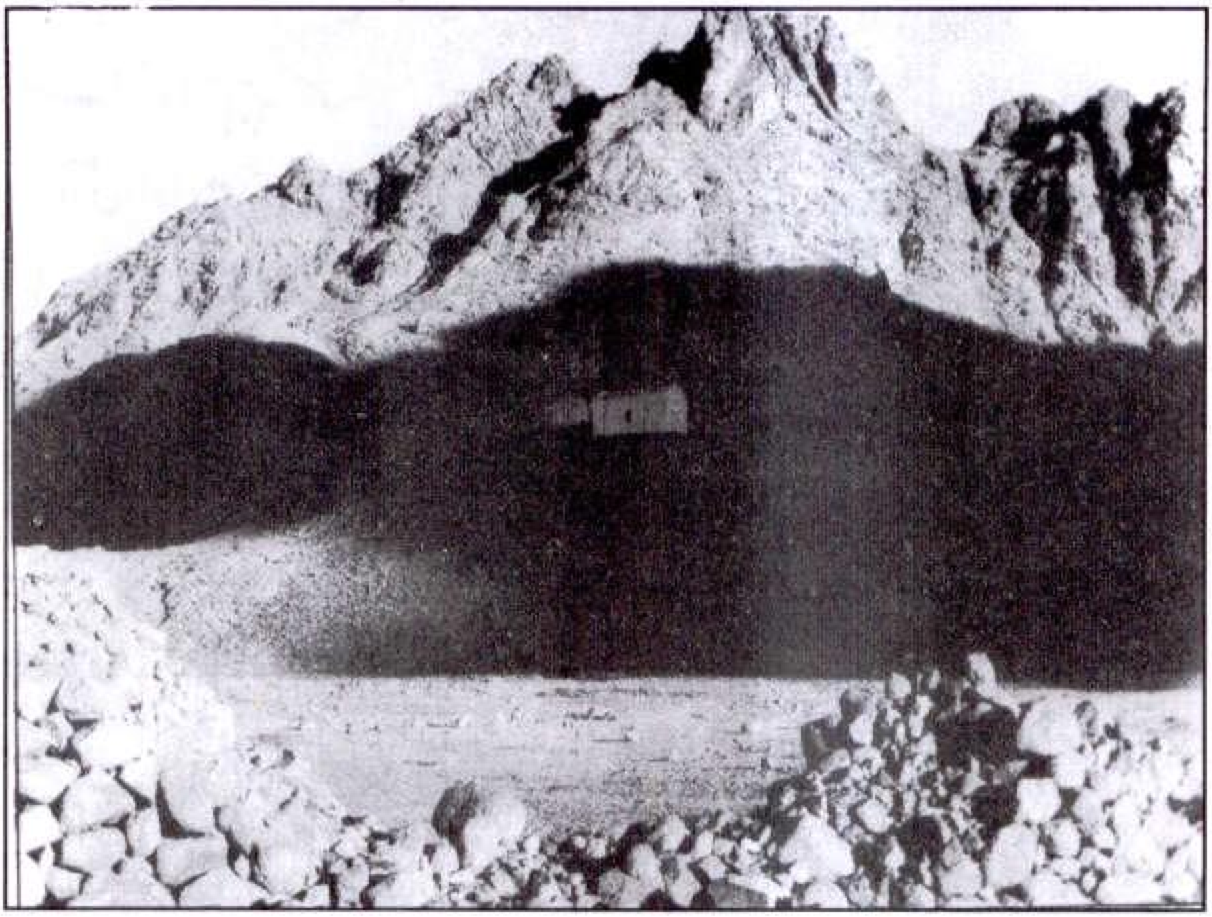
وحشی راوی ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا تو نے ہی حمزہ کو قتل کیا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ ہاں اور شکر اس خدا کا جس نے حضرت حمزہؓ کو میرے ہاتھ شہادت کی کرامت اور عزت بخشی اور مجھ کو اس کے ہاتھ سے ذلیل نہیں کیا۔

کیونکہ اگر وحشی اس وقت حضرت حمزہ کے ہاتھ سے مارے جاتے تو بحالت کفر مارے جاتے۔ جس سے بڑھ کر کوئی اہانت اور ذلت نہیں۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا اے وحشی جا اور خدا کی راہ میں قتال کر جیسا کہ تو خدا کے راستہ سے روکنے کے لئے قتال کرتا تھا۔

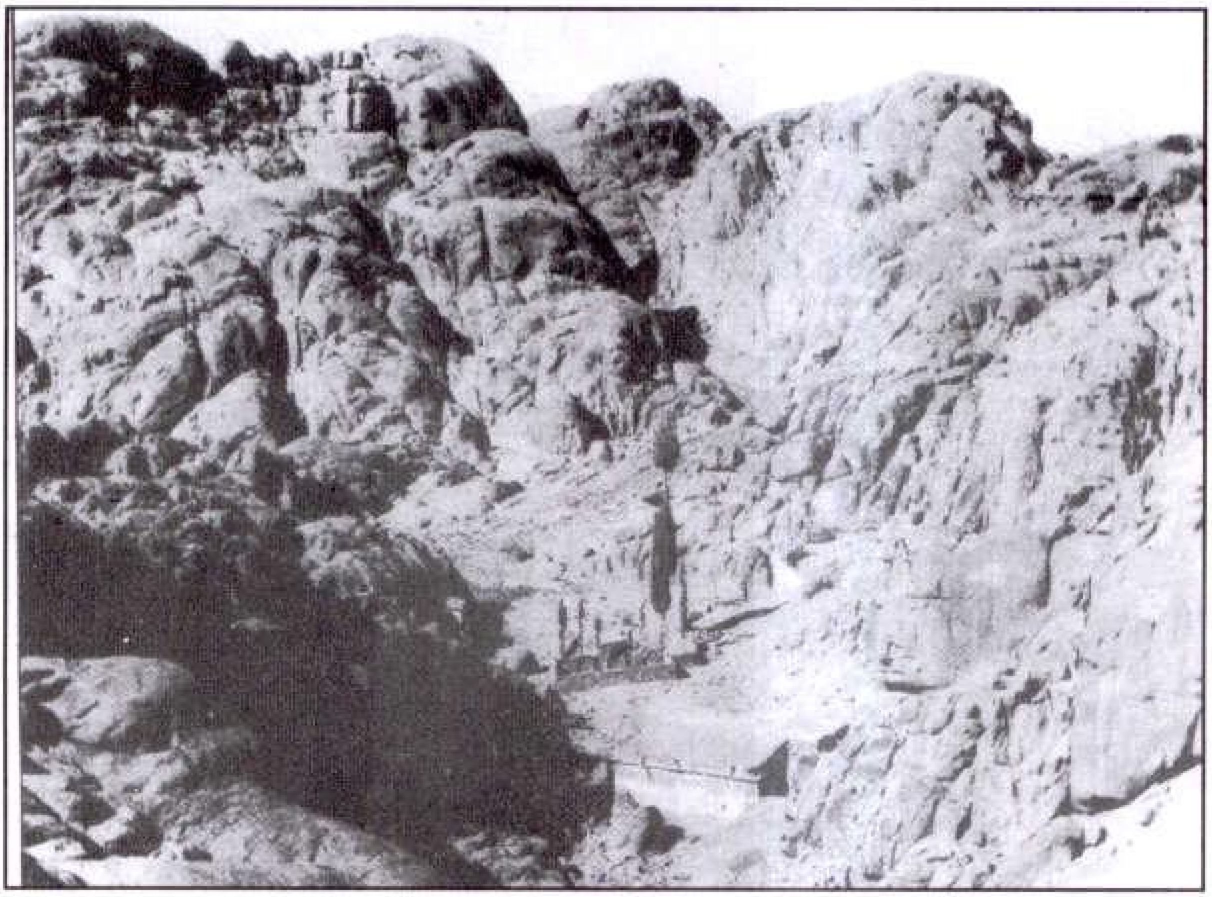
حضرت وحشی کا مسیلمہ کو قتل کرنا

اب حضرت وحشی اس فکر میں رہے کہ اس کا کوئی کفارہ کروں چنانچہ اس کے کفارہ میں مسیلمہ کذاب کو اسی نیزہ سے مار کر واصل جہنم کیا جس نے خاتم النبیین صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا۔

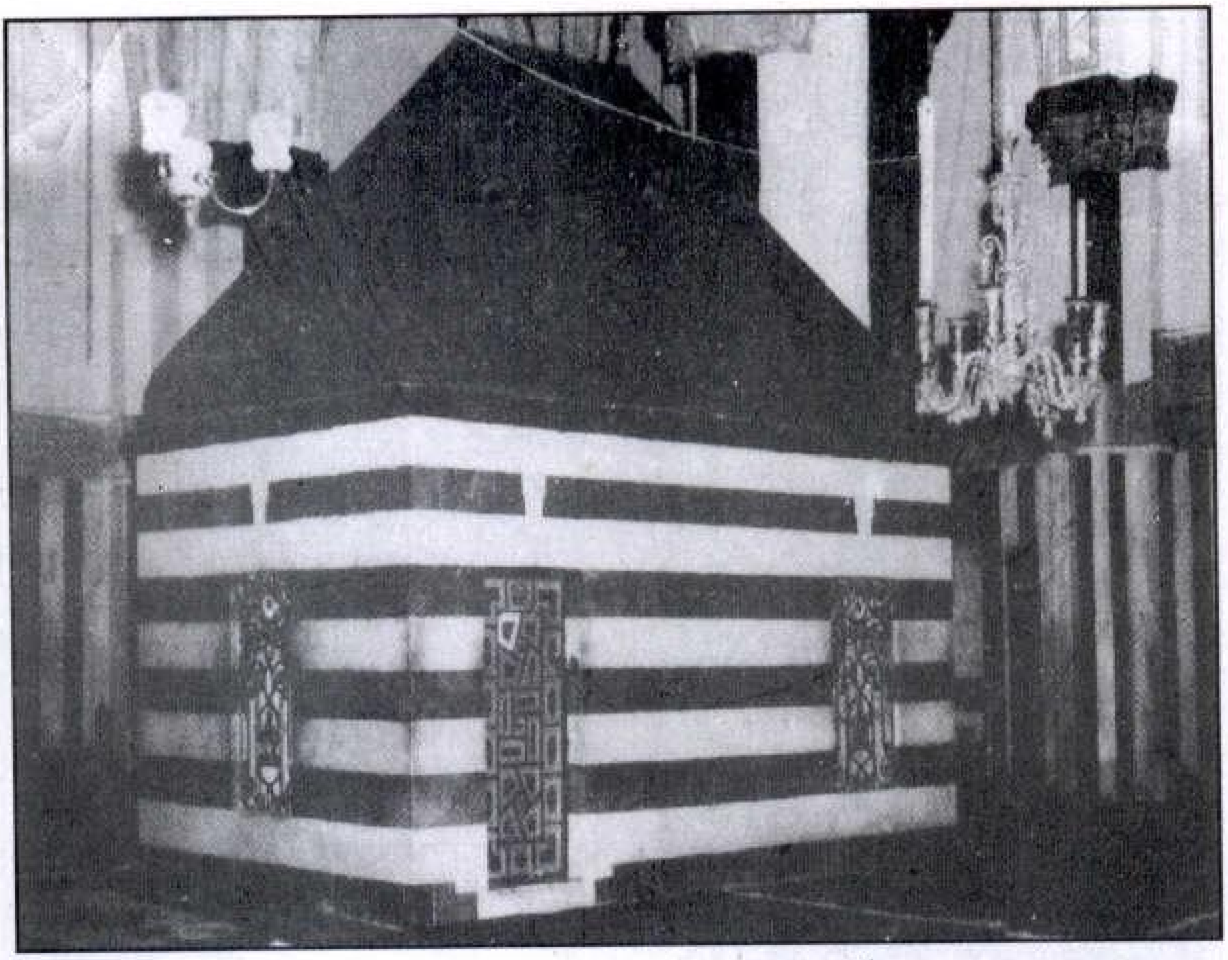
اور جس طرح حضرت حمزہ کو ناف پر نیزہ مار کر شہید کیا اس طرح مسیلمہ کذاب کو بھی ناف ہی پر نیزہ مار کر قتل کیا۔ اس طرح ایک خیر الناس کے قتل کی ایک شر الناس (بدترین خلائق) کے قتل سے مکافات کی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ مسیلمہ کذاب کے قتل میں وحشی کے ساتھ ایک انصاری بھی شریک تھا اور اسحاق بن راہویہ اور حاکم کہتے ہیں عبداللہ بن زید بن عاصم مازنیؓ تھے اور بعض سہل اور بعض ابودجانہ اور بعض زید بن الخطاب کا نام بتلاتے ہیں۔



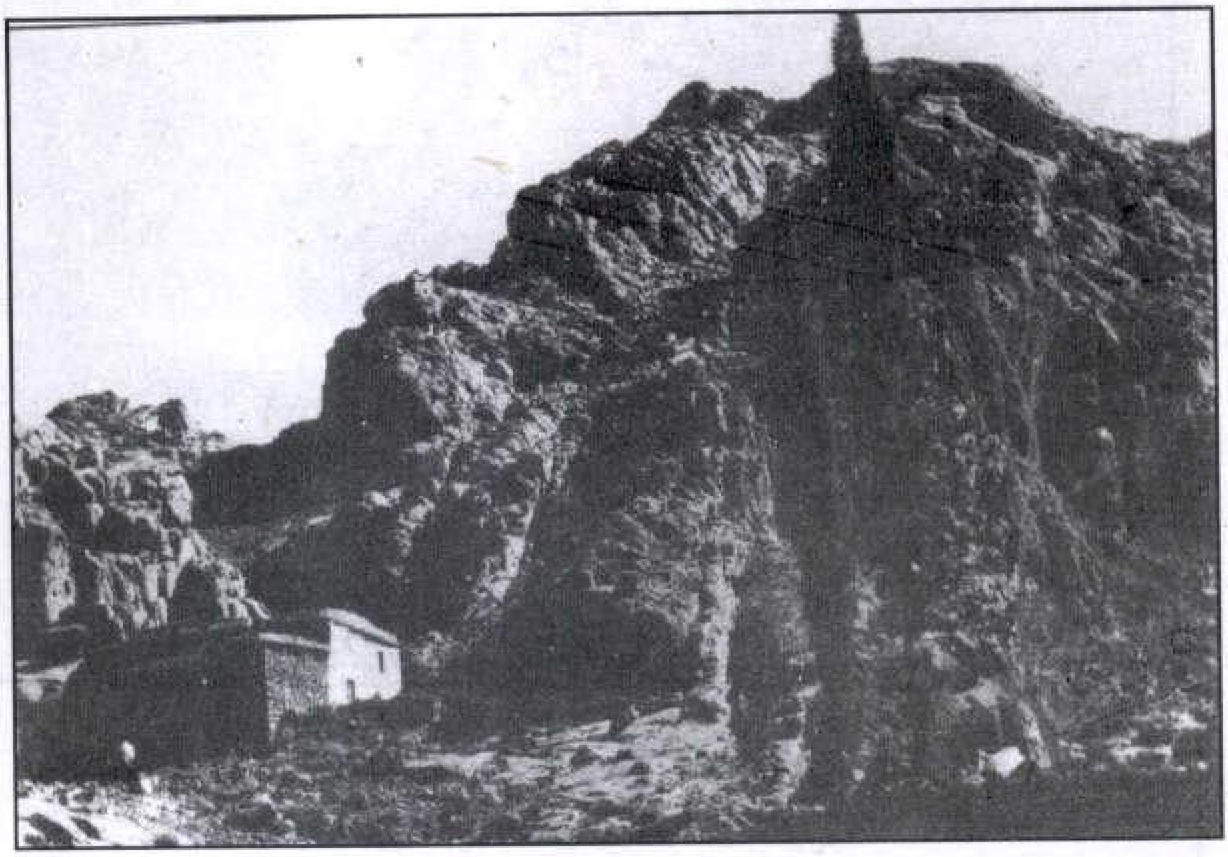
مزار حضرت ادریس علیہ السلام



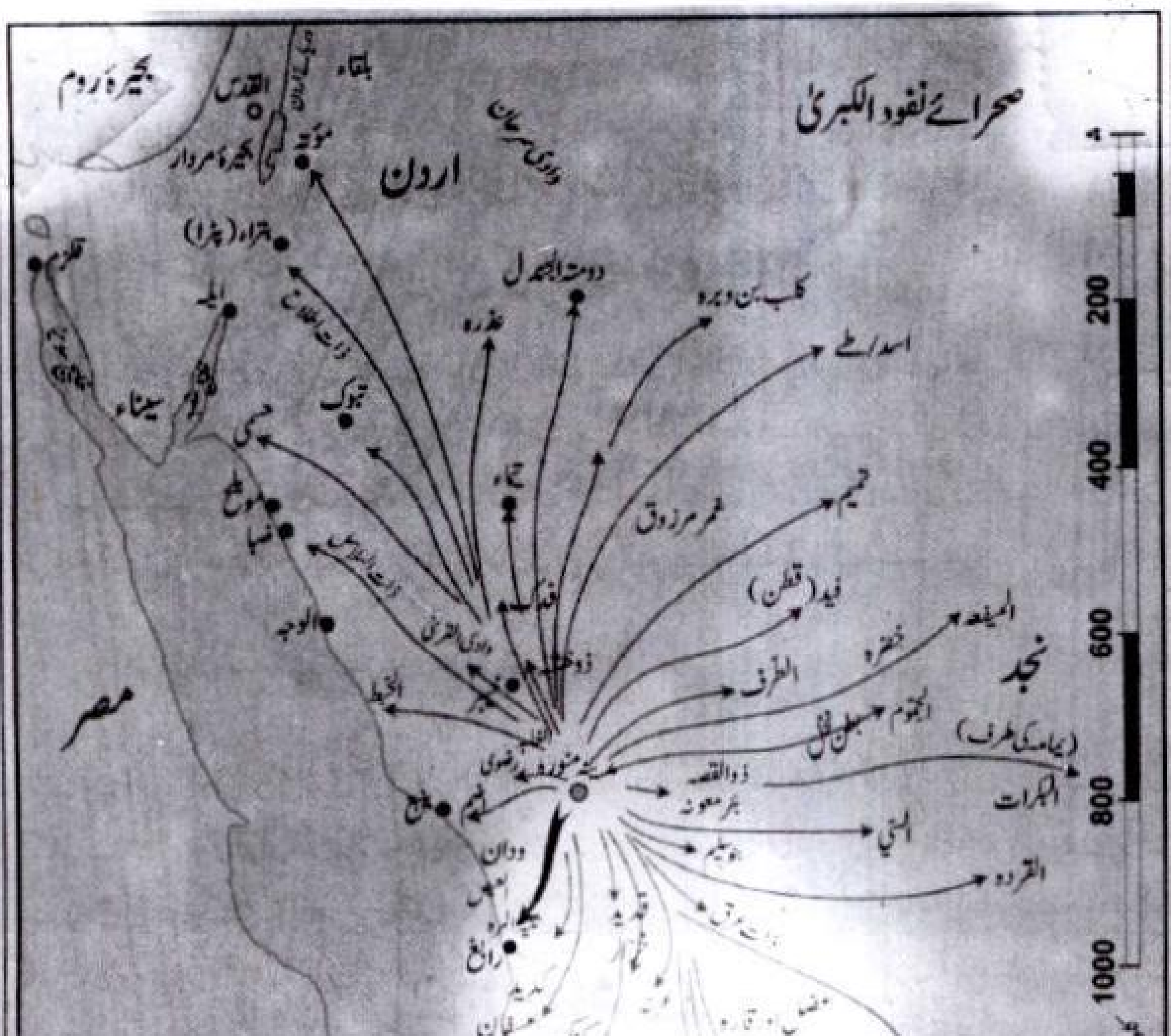
مزار حضرت شعیب علیہ السلام



حبرون میں الخلیل کے مقام پر حضرت اسحٰق علیہ السلام کا مزار



کوہ طور کے دامن میں مقام حضرت الیاس علیہ السلام



سریہ حمزہ رضی اللہ عنہ

(عیص کے نواح میں سیف البحر کی طرف)

یکم رمضان بعد ہجرت نبوی (1ھ)

اللّٰھمّ صلّ علٰی محمّد

النّبیّ الاُمّیّ وعلٰی اٰلہٖ وسلّم تسلیمًا

جمعہ کے دن جہاں نماز عصر پڑھی ہو اس جگہ سے اٹھنے سے پہلے اسی مرتبہ یہ درود شریف پڑھنے سے اسی سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اسی سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ (فضائل درود)

حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

شداد کا وار

ابوعامر فاسق جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس کے بیٹے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس معرکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

ابوسفیان اور حضرت حنظلہ کا مقابلہ ہو گیا۔ حضرت حنظلہ نے دوڑ کر ابوسفیان پر وار کرنا چاہا لیکن پیچھے سے شداد بن اسود نے ایک وار کیا جس سے حضرت حنظلہ شہید ہوئے۔

فرشتوں نے غسل دیا

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ حنظلہ کو بادل کے پانی سے چاندی کے برتنوں میں غسل دے رہے ہیں۔ ان کی بیوی سے دریافت کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ حالت جنابت ہی میں جہاد کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ اسی حالت میں شہید ہوئے۔ اسی وجہ سے حضرت حنظلہؓ غسیل الملائکہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

اہلیہ کا خواب

جس روز حضرت حنظلہ شہید ہونے والے تھے اسی شب ان کی بیوی نے یہ خواب دیکھا کہ آسمان کا ایک دروازہ کھلا اور حنظلہ اس میں داخل ہوئے اور داخل ہونے کے بعد وہ دروازہ بند کر لیا گیا۔ بیوی اس خواب سے سمجھ چکی تھیں کہ حنظلہ اب اس عالم سے رخصت ہونے والے ہیں۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد جب ان کی لاش تلاش کی گئی تو سر سے پانی ٹپکتا تھا۔

عجیب جذبہ

حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ ابو عامر فاسق چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں لڑ رہے تھے اس لئے حضرت حنظلہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کے قتل کی اجازت چاہی مگر آپ نے منع فرمایا۔

فتح کے بعد صورت حال کا تبدیل ہونا

مسلمانوں کے ان دلیرانہ اور جان بازانہ حملوں سے قریش کے میدان جنگ سے پیر اکھڑ گئے اور ادھر ادھر منہ چھپا کر اور پشت دکھا کر بھاگنے لگے اور عورتیں بھی پریشان اور بدحواس ہو کر پہاڑوں کی طرف بھاگنے لگیں اور مسلمان مال غنیمت کے جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔

تیر اندازوں کی اس جماعت نے (جو کہ درہ کی حفاظت کے لئے بٹھائی گئی تھی) جب یہ دیکھا کہ فتح ہو گئی اور مسلمان مال غنیمت میں مشغول ہیں یہ بھی اسی طرح بڑھے۔ ان کے امیر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت روکا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی تھی کہ تم اس جگہ سے نہ ٹلنا۔ مگر ان لوگوں نے نہ مانا اور مرکز چھوڑ کر غنیمت جمع کرنے والی جماعت میں جا ملے۔

مرکز پر صرف عبداللہ بن جبیر اور دس آدمی رہ گئے حکم نبوی کے خلاف کرنا تھا کہ یکا یک فتح شکست سے بدل گئی خالد بن ولید نے جو اس وقت مشرکین کے میمنہ پر تھے۔ درہ کو خالی دیکھ کر پشت پر سے حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع اپنے ہمراہیوں کے شہید ہوئے۔

حضرت مُصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت

مشرکین کے اس ناگہانی اور یکبارگی حملہ سے مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہوگئیں اور دشمنانِ خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آ پہنچے۔

مسلمانوں کے علمبردار مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے قریب تھے انہوں نے کافروں کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ شہید ہوئے ان کے بعد آپ نے علم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ

چونکہ حضرت مصعب بن عمیرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اس لئے کسی شیطان نے یہ افواہ اڑادی کہ نصیب دشمناں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے۔ اس لئے تمام مسلمانوں میں سراسیمگی اور اضطراب پھیل گیا اور اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی سب کے سب بدحواس ہوگئے اور اس بدحواسی میں دوست و دشمن کا بھی امتیاز نہ رہا اور آپس میں ایک دوسرے پر تلوار چلنے لگی۔

حضرت حذیفہ کے والد کی موت

حضرت حذیفہ کے والد یمان بھی اسی کشمکش میں آ گئے۔ حضرت حذیفہ نے دور سے

دیکھا کہ مسلمان میرے باپ کو مارے ڈال رہے ہیں۔ پکار کر کہا اے اللہ کے بندو یہ میرا باپ ہے مگر اس ہنگامہ میں کون سنتا تھا بالآخر حضرت یمان شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کو جب اس کا علم ہوا کہ یہ حذیفہ کے باپ تھے تو بہت نادم ہوئے اور کہا خدا کی قسم ہم نے پہچانا نہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

یغفر اللہ لکم و ھو ارحم الراحمین

اللہ تمہیں معاف کرے وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت دینے کا ارادہ فرمایا مگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہٗ نے قبول نہیں کیا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت حذیفہؓ کی اور قدر بڑھ گئی۔

بے مثال استقامت

خالد بن ولید کے اس یکبارگی اور ناگہانی حملہ سے اگرچہ بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے ثبات اور قدم استقلال میں ذرہ برابر تزلزل نہیں آیا۔ اور کیسے آسکتا تھا اللہ کا نبی اور اس کا رسول معاذ اللہ بزدل نہیں ہو سکتا۔ پہاڑ ٹل جائیں مگر انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوات اللہ۔ اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتے۔ ایک پیغمبر کی تنہا شجاعت کل عالم کی شجاعت سے کہیں زیادہ وزنی اور بھاری ہوتی ہے۔

چنانچہ دلائل بیہقی میں مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا آپ کا قدم مبارک ایک بالشت بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا اور بلاشبہ آپ دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے۔ صحابہ کی ایک جماعت کبھی آپ کے پاس آتی تھی اور کبھی جاتی تھی اور بسا اوقات میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ بہ نفس نفیس خود کھڑے ہوئے تیر اندازی اور سنگ باری فرما رہے ہیں یہاں تک دشمن آپ سے ہٹ گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظین

ابن سعد فرماتے ہیں کہ اس ہلچل اور اضطراب میں چودہ اصحاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ سات مہاجرین میں سے اور سات انصار میں سے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

اسماء مہاجرین	اسماء انصار
۱- ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۱- ابودجانہ رضی اللہ عنہ
۲- عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	۲- حباب بن منذر رضی اللہ عنہ
۳- عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	۳- عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ
۴- سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	۴- حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ
۵- طلحہ رضی اللہ عنہ	۵- سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ
۶- زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	۶- سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
۷- ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ	۷- اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

مہاجرین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام اس لئے نہیں ذکر کیا گیا کہ مصعب بن عمیرؓ کے شہید ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم حضرت علی کو عطا فرما دیا تھا وہ مصروف جہاد وقتال تھے۔

یہ چودہ اصحاب آپ کے ساتھ تھے لیکن کبھی کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے بعض حضرات کہیں چلے بھی جاتے تھے مگر جلد ہی واپس ہو جاتے تھے۔ اس لئے کبھی آپ کے ساتھ بارہ آدمی رہے۔ اور کبھی گیارہ اور کبھی سات اختلاف اوقات اور اختلاف حالات کی وجہ سے حاضرین بارگاہ

رسالت کے عدد میں روایتیں مختلف ہیں ہر ایک راوی کا بیان اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے بجا اور درست ہے کسی وقت بارہ اور کسی وقت گیارہ اور کسی وقت سات آدمی آپ کے ساتھ رہے۔

جنت کے خریدار

صحیح مسلم میں حضرت انس سے مروی ہے کہ جب قریش کا آپ پر ہجوم ہوا تو یہ ارشاد فرمایا کون ہے کہ جو ان کو مجھ سے ہٹائے اور جنت میں میرا رفیق بنے۔ انصار میں سے سات آدمی اس وقت آپ کے پاس تھے۔ ساتوں انصاری باری باری لڑکر شہید ہوگئے۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا:۔ کون مرد ہے کہ جو ہمارے لئے اپنی جان فروخت کرے۔

یہ سنتے ہی زیاد بن سکن اور پانچ انصار کھڑے ہوگئے اور یکے بعد دیگرے ہر ایک نے جان نثاری اور جانبازی کے جوہر دکھلائے یہاں تک شہید ہوئے اور اپنی جان کو فروخت کر کے جنت مول لے لی۔

زیاد کو یہ شرف حاصل ہوا کہ جب زخم کھا کر گرے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا ان کو میرے قریب لاؤ۔

لوگوں نے ان کو آپ کے قریب کر دیا۔ انہوں نے اپنا رخسار آپ کے قدم مبارک پر رکھ دیا اور اسی حالت میں جان اللہ کے حوالے کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

دندان مبارک کی شہادت

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے موقع پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک پتھر پھینکا جس سے نیچے کا دندان مبارک شہید اور نیچے کا لب زخمی ہوا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جس قدر اپنے بھائی عتبہ کے قتل کا حریص اور خواہشمند رہا اتنا کسی کے قتل کا کبھی حریص اور خواہشمند نہیں ہوا۔

رخسار مبارک کا زخمی ہونا

عبداللہ بن قمیہ نے جو قریش کا مشہور پہلوان تھا آپ پر اس زور سے حملہ کیا کہ رخسار

مبارک زخمی ہوا اور خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں گھس گئے اور عبداللہ بن شہاب زہری نے پتھر مار کر پیشانی مبارک کو زخمی کیا۔ چہرۂ انور پر جب خون بہنے لگا تو ابو سعید خدریؓ کے والد ماجد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے تمام خون چوس کر چہرۂ انور کو صاف کر دیا آپ نے فرمایا۔ تجھ کو جہنم کی آگ ہرگز نہ لگے گی۔

ابن قمیہ کی ہلاکت

معجم طبرانی میں ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ ابن قمیہ نے آپ کو زخمی کرنے کے بعد یہ کہا:۔
''لو اس کو اور میں ابن قمیہ ہوں''۔

آپ نے ارشاد فرمایا:۔ ''اللہ تعالیٰ تجھ کو ذلیل اور خوار ہلاک اور برباد کرے۔ چند روز نہ گزرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلط کیا جس نے اپنے سینگوں سے ابن قمیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

زندہ شہید

جسم مبارک پر چونکہ دو آہنی زرہوں کا بھی بوجھ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک گڑھے میں گر گئے جس کو ابو عامر فاسق نے مسلمانوں کے لئے بنایا تھا۔ حضرت علی نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت طلحہ نے کمر تھام کر سہارا دیا تب آپ کھڑے ہوئے۔ اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص زمین پر چلتے پھرتے زندہ شہید کو دیکھنا چاہے وہ طلحہ کو دیکھ لے۔

حضرت ابو عبیدہؓ

عائشہ صدیقہؓ اپنے باپ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ چہرۂ انور میں زرہ کی جو دو کڑیاں چبھ گئی تھیں ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر کھینچا جس میں ابو عبیدہؓ کے دو دانت شہید ہوئے۔

طلحہؓ نے جنت واجب کر لی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہاڑ پر چڑھنے کا ارادہ فرمایا تو ضعف اور نقاہت اور دو زرہوں کے بوجھ کی وجہ سے مجبور ہوئے اس وقت حضرت طلحہ آپ کے نیچے بیٹھ گئے

آپ ان پر اپنے پیر رکھ کر اوپر چڑھے اور حضرت زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یہ کہتے سنا۔ ''طلحہ نے اپنے لئے جنت واجب کر لی۔

احد کا دن تو سارا طلحہؓ کا رہا

قیس بن ابی حازم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت طلحہ کا وہ ہاتھ دیکھا جس سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احد کے دن بچایا تھا۔ وہ بالکل شل تھا (رواہ البخاری)

حاکم نے اکلیل میں روایت کیا ہے کہ اس روز حضرت طلحہ کے پینتیس یا انتالیس زخم آئے۔ ابوداؤد وطیالسی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب غزوۂ احد کا ذکر کرتے تو یہ فرماتے۔ یہ دن تو سارا طلحہ کے لئے رہا۔

حضرت جابر سے مروی ہے کہ دشمنوں کے وار روکتے روکتے حضرت طلحہ رضی اللہ کی انگلیاں کٹ گئیں تو بے اختیار زبان سے یہ نکلا۔ حسن آپ نے یہ ارشاد فرمایا:۔

اگر تو بجائے حسن کے بسم اللہ کہتا تو فرشتے تجھ کو اٹھا کر لے جاتے اور لوگ تجھ کو دیکھتے ہوئے ہوتے یہاں تک تجھ کو جو آسمان میں لے کر گھس جاتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ ہم نے احد کے دن طلحہؓ کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم دیکھے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ

حضرت انسؓ کے علاتی باپ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آپ کو سپر سے ڈھانکے ہوئے تھے۔ بڑے تیرانداز تھے اس روز دو یا تین کمانیں توڑ ڈالیں جو شخص ترکش لئے ہوئے ادھر سے گزرتا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس سے یہ فرماتے کہ یہ ترکش ابوطلحہ کے لئے ڈال جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نظر اٹھا کر لوگوں کو دیکھنا چاہتے تو ابوطلحہ یہ عرض کرتے۔

میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ نظر نہ اٹھائیں نصیب دشمنان کوئی تیر نہ آ لگے۔ میرا سینہ آپ کے سینے کے لئے سپر ہے۔

حضرت سعدؓ نے ایک ہزار تیر چلائے

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے تیرے انداز تھے۔ احد کے دن رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش کے تمام تیر نکال کر ان کے سامنے ڈال دیئے اور فرمایا۔ تیر چلا تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے سوائے سعد بن ابی وقاص کے کسی اور کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فداک ابی وامی کہتے نہیں سنا۔

حاکم راوی ہیں کہ احد کے دن حضرت سعد نے ایک ہزار تیر چلائے۔

حضرت ابودجانہؓ

ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سپر بن کر آپکے سامنے کھڑے ہو گئے اور پشت دشمنوں کی جانب کر لی۔ تیر پر تیر چلے آ رہے ہیں اور ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی پشت ان کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ مگر اس اندیشہ سے کہ آپ کو کوئی تیر نہ لگ جائے حس وحرکت نہیں کرتے تھے۔

صفوان، سہیل اور حارث کے لئے بددعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرہ انور سے خون پونچھتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کیا اور وہ ان کو ان کے پروردگار کی طرف بلاتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت سالم سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کے حق میں بددعا فرمائی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لیس لک من الامر شیء او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظالمون

اس امر میں آپ کو کوئی اختیار نہیں یہاں تک کہ خدا مہربانی فرمائے یا ان کو توبہ کی توفیق دے یا ان کو عذاب دے کیونکہ وہ بڑے ظالم ہیں۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ تینوں فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے غالباً اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے ان کے حق میں بددعا کرنے سے منع کیا اور یہ آیت شریفہ نازل فرمائی۔

پیکر رحمت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری نظروں کے سامنے ہیں۔ پیشانی مبارک سے خون پونچھتے جاتے ہیں اور یہ فرماتے جاتے ہیں۔

رب اغفر لقومی فانهم لایعلمون

اے پروردگار میری قوم کی مغفرت فرما وہ جانتے نہیں ہیں۔

بمقتضائے شفقت ورافت **فانهم لایعلمون** فرمایا یعنی جانتے نہیں بے خبر ہیں اور یہ نہیں فرمایا **فانهم یجهلون** یعنی یہ جاہل ہیں۔

آیات بینات کا مشاہدہ کر لینے کے بعد اگرچہ جہل اور لاعلمی عذر نہیں ہو سکتی۔ لیکن رحمت عالم اور رافت مجسم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال شفقت اور غایت رحمت سے بارگاہ ارحم الراحمین اور اجود الاجودین اور اکرم الاکرمین میں بصورت لاعلمی ان کی طرف سے معذرت کی شاید رحمت خداوندی ان کو کفر وشرک سے نکال کر ایمان واسلام کے دار الامان اور دار السلام میں لا داخل کرے۔

حضرت قتادہؓ کی آنکھ

قتادۃ بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں احد کے دن آپ کے چہرہ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اپنا چہرہ دشمنوں کے مقابل کر دیا۔ تا کہ دشمنوں کے تیر میرے چہرے پر پڑیں اور آپ کا چہرہ انور محفوظ رہے۔ دشمنوں کا آخری تیر میری آنکھ پر ایسا لگا کہ آنکھ کا ڈھیلہ باہر نکل پڑا جس کو میں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور میرے لیے دعا فرمائی کہ اے اللہ جس طرح قتادہ نے تیرے نبی کے چہرہ کی حفاظت فرمائی اسی طرح تو اس کے چہرہ کو محفوظ رکھ اور اس آنکھ کو دوسری آنکھ سے بھی زیادہ خوبصورت اور تیز نظر بنا اور آنکھ اسی جگہ رکھ دی۔ اسی وقت آنکھ بالکل صحیح اور سالم بلکہ پہلے سے بہتر اور تیز ہو گئی۔

ایک روایت میں ہے کہ قتادہ اپنی آنکھ کی پتلی کو ہاتھ میں لئے ہوئے حضور پرنور کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا اگر تو صبر کرے تو تیرے لئے جنت ہے اور اگر چاہے تو اسی جگہ رکھ کر تیرے لئے دعا کر دوں قتادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ایک بیوی ہے جس سے مجھ کو بہت محبت ہے مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ اگر بے آنکھ رہ گیا تو کہیں وہ میری بیوی مجھ سے نفرت نہ کرنے لگے۔ آپ نے دست مبارک سے آنکھ اسکی جگہ پر رکھ دی اور یہ دعا فرمائی۔ اے اللہ اسکو حسن وجمال عطا فرما۔

حضرت انس بن نضر کا حوصلہ افزائی کرنا

جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ نصیب دشمناں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے تو بعض

مسلمان ہمت ہار کر بیٹھ گئے اور یہ بولے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو شہید ہو گئے اب لڑ کر کیا کریں۔ تو انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضر نے یہ کہا اے لوگو اگر محمد قتل ہو گئے تو محمد کا رب تو قتل نہیں ہو گیا۔ جس چیز پر آپ نے جہاد و قتال کیا اسی پر تم بھی جہاد و قتال کرو اور اسی پر مر جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ یہ کہہ کر دشمنوں کی فوج میں گھس گئے اور مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

میں تو جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں

صحیح بخاری میں حضرت انس ؓ راوی ہیں کہ میرے چچا انس بن نضر کو غزوۂ بدر میں شریک نہ ہونے کا بہت رنج تھا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے۔ یا رسول اللہ افسوس کہ میں مشرکین کیساتھ اسلام کے پہلے ہی جہاد و قتال میں شریک نہ ہوا۔ اگر خدا تعالیٰ نے مجھ کو آئندہ کسی جہاد میں شریک ہونے کی توفیق دی تو اللہ دیکھ لے گا کہ میں اسکی راہ میں کیسی جدوجہد اور کیسی جانبازی اور سرفروشی دکھاتا ہوں۔ جب معرکہ احد میں کچھ لوگ شکست کھا کر بھاگے تو انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ میں تیری بارگاہ میں اس فعل سے معافی چاہتا ہوں جو ان مسلمانوں نے کیا کہ جو میدان سے ذرا پیچھے ہٹے اور اس سے بری اور بیزار ہوں کہ جو مشرکین نے کیا اور تلوار لے کر آگے بڑھے سامنے سے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آ گئے ان کو دیکھ کر انس بن نضر نے کہا:

اے سعد کہاں جا رہے ہو تحقیق میں تو احد کے نیچے جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ بعض مرتبہ اپنے خاص بندوں کو روحانی طور پر نہیں بلکہ حسی طور پر دنیا ہی میں جنت کی خوشبو سنگھا دیتے ہیں جس طرح وہ حضرات ناک سے گلاب اور چنبیلی کی خوشبو سونگھتے ہیں اسی طرح وہ دنیا میں کبھی کبھی اللہ کے فضل سے جنت کی خوشبو سونگھتے ہیں جس کی مہک پانچ سو میل تک پہنچتی ہے عجب نہیں کہ حضرت انس بن نضر نے حسی طور پر جنت کی خوشبو محسوس فرمائی ہو۔

حضرت انس بن نضر کی شہادت

الغرض حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ واھا لریح الجنہ اجدہ دون احد (واہ واہ جنت کی خوشبو احد کے پاس پا رہا ہوں) یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے اور دشمنوں کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ شہید ہوئے جسم پر تلوار اور تیر کے اسی سے زیادہ زخم پائے گئے اور یہ آیت انکے بارہ میں نازل ہوئی۔

من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه

مسلمانوں میں سے بعض ایسے مرد ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد باندھا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔

حضرت کعبؓ کا حضور کی جگہ تیر کھانا

مسلمانوں کی پریشانی اور بے چینی کا زیادہ سبب ذات بابرکات علیہ الف الف صلوات والف الف تحیات کا نظروں سے اوجھل ہو جانا تھا۔ سب سے پہلے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا۔ آپ خود پہنے ہوئے تھے۔ چہرۂ انور ڈھکا ہوا تھا۔ کعب کہتے ہیں میں نے خود میں سے آپ کی چمکتی ہوئی آنکھیں دیکھ کر آپ کو پہچانا۔ اسی وقت میں نے بآواز بلند پکار کر کہا اے مسلمانو! بشارت ہو تمہیں۔ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے دست مبارک سے اشارہ فرمایا خاموش رہو اگر چہ آپ نے دوبارہ کہنے سے منع فرمایا۔ لیکن دل اور سر کے کان سب کے اسی طرف لگے ہوئے تھے اس لئے کعبؓ کی ایک ہی آواز سنتے ہی پروانہ وار آپ کے گرد آکر جمع ہو گئے۔ کعب فرماتے ہیں کہ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنی زرہ مجھ کو پہنا دی اور میری زرہ آپ نے پہن لی۔ دشمنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال سے مجھ پر تیر برسانے شروع کئے۔ بیس سے زیادہ زخم آئے۔

ابی بن خلف کی ہلاکت

جب کچھ مسلمان آپ کے پاس جمع ہو گئے تو پہاڑ کی گھاٹی کی طرف چلے۔ ابوبکر اور عمر اور علی اور طلحہ اور حارث بن صمہ وغیرہ آپ کے ہمراہ تھے۔ جب پہاڑ پر چڑھنے کا ارادہ فرمایا تو ضعف اور نقاہت اور دو زرہوں کے بوجھ کی وجہ سے چڑھ نہ سکے اس لئے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نیچے بیٹھ گئے ان پر پیر رکھ کر آپ اوپر چڑھے۔

اتنے میں ابی بن خلف گھوڑا دوڑاتا ہوا آپہنچا جس کو دانہ کھلا کر اس امید پر موٹا کیا تھا کہ اس پر سوار ہو کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کروں گا۔

آپ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اسی وقت فرما دیا تھا کہ ان شاء اللہ میں ہی اس کو قتل کروں گا۔ جب وہ آپ کی طرف بڑھا تو صحابہ نے اجازت چاہی کہ ہم اس کا کام تمام کریں۔ آپ نے فرمایا قریب آنے دو جب قریب آگیا تو حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ

سے نیزہ لے کر اس کی گردن میں ایک کو چہ دیا جس سے وہ بلبلا اٹھا اور چلاتا ہوا واپس ہوا کہ خدا کی قسم مجھ کو محمدؐ نے مار ڈالا۔

لوگوں نے کہا یہ تو ایک معمولی گھر ونٹ ہے۔ کوئی کاری زخم نہیں جس سے تو اس قدر چلا رہا ہے۔ ابی نے کہا تم کو معلوم نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ ہی میں کہا تھا کہ میں ہی تجھ کو قتل کروں گا۔ اس گھر ونٹ کی تکلیف میرا ہی دل جانتا ہے خدا کی قسم اگر یہ گھر ونٹ حجاز کے تمام باشندوں پر تقسیم کر دی جائے تو سب کی ہلاکت کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح بلبلاتا رہا مقام سرف میں پہنچ کر مر گیا۔

حضرت علیؓ نے آپؐ کے زخم دھوئے

جب آپ گھاٹی پر پہنچے تو لڑائی ختم ہو چکی تھی وہاں جا کر بیٹھ گئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پانی لائے اور چہرۂ انور سے خون دھویا اور کچھ پانی سر پر ڈالا۔ بعد ازاں آپ نے وضو کیا اور بیٹھ کر ظہر کی نماز پڑھائی۔ صحابہ نے بھی بیٹھ کر ہی اقتداء کی۔

شہداء کے ساتھ مشرکین کا سلوک

اور مشرکین نے مسلمانوں کی لاشوں کا مثلہ کرنا شروع کیا یعنی ناک اور کان کاٹے، پیٹ چاک اور اعضاء تناسل قطع کیے۔ عورتیں بھی مردوں کے ساتھ اس کام میں شریک رہیں۔ ہندہ نے جس کا باپ عتبہ جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا پیٹ اور سینہ چاک کر کے جگر نکالا اور چبایا لیکن حلق سے نہ اتر سکا اس لئے اس کو اگل دیا اور اس خوشی میں وحشی کو اپنا زیور اتار کر دیا۔ اور جن مسلمانوں کے ناک اور کان کاٹے گئے تھے ان کا ہار بنا کر گلے میں ڈالا۔

مشرکین کی میدان جنگ سے واپسی

بوقت واپسی ابوسفیان کا آوازیں لگانا

قریش نے جب واپسی کا ارادہ کیا تو ابوسفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر یہ پکارا۔ افی القوم محمد

کیا تم لوگوں میں زندہ ہیں۔ آپ نے فرمایا کوئی جواب نہ دے اسی طرح ابوسفیان نے تین بار آواز دی مگر جواب نہ ملا۔ بعد ازاں یہ آواز دی افی القوم ابن ابی قحافہ کیا تم لوگوں میں ابن ابی قحافہ (یعنی ابوبکر صدیق) زندہ ہیں۔ آپ نے فرمایا کوئی جواب نہ دے۔ اس سوال کو بھی تین بار کہہ کر خاموش ہو گیا اور پھر یہ آواز دی۔ افی القوم ابن الخطاب کیا تم میں عمر بن خطاب زندہ ہیں اس فقرہ کو بھی تین مرتبہ دہرایا مگر جب کوئی جواب نہ آیا تو اپنے رفقاء سے خوش ہو کر یہ کہا اماھؤ لاء فقد قتلوا فلوا کانوا احیاءً لاجابوا بہرحال یہ سب قتل ہو گئے اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔

حضرت عمرؓ کا ابوسفیان سے سوال و جواب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تاب نہ لا سکے اور چلا کر کہا۔

کذبت واللہ یاعدو اللہ ابقی اللہ علیک ما یحزنک

اے اللہ کے دشمن خدا کی قسم تو نے بالکل غلط کہا تیرے رنج و غم کا سامان اللہ نے ابھی باقی رکھ چھوڑا ہے۔

بعد ازاں ابوسفیان نے (وطن اور قوم کے ایک بت کا نعرہ لگایا) اور یہ کہا:

اعل ھبل اعل ھبل اے ہبل تو بلند ہو اے ہبل تیرا دین بلند ہو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا کہ اس کے جواب میں یہ کہو

اللہ اعلیٰ و اجل

اللہ ہی سب سے اعلیٰ وارفع اور بزرگ اور برتر ہے۔ پھر ابوسفیان نے یہ کہا

ان لنا العزی ولاعزی لکم

ہمارے پاس عزیٰ ہے تمہارے پاس عزیٰ نہیں۔ یعنی ہم کو عزت حاصل ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا یہ جواب دو۔

اللہ مولانا ولامولیٰ لکم

اللہ ہمارا آقا اور معین اور مددگار ہے۔ تمہارا اوالی نہیں۔ فنعم المولیٰ و نعم النصیر یعنی عزت صرف اللہ سبحانہ سے تعلق میں ہے عزیٰ کے تعلق میں عزت نہیں بلکہ ذلت ہے۔

ابوسفیان نے کہا۔

یوم بیوم بدر والحرب سجال

یہ دن بدر کے دن کا جواب ہے لہذا ہم اور تم برابر ہو گئے اور لڑائی ڈولوں کے مانند ہے کبھی اوپر اور کبھی نیچے۔

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے یہ جواب دیا۔

لاسواء قتلانافی الجنة وقتلاکم فی النار

ہم اور تم برابر نہیں ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم میں۔

ابوسفیان کا یہ قول الحرب سجال چونکہ حق تھا اس لئے اس کا جواب نہیں دیا گیا۔ اور حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد۔ **تلک الایام نداولھابین الناس** اس کا مؤید ہے۔

بعدازاں ابوسفیان نے حضرت عمر کو آواز دی۔

ھلم الی یا عمر

اے عمر میرے قریب آؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو حکم دیا کہ جاؤ اور دیکھو کیا کہتا ہے۔ حضرت عمر اس کے پاس گئے ابوسفیان نے کہا۔

انشدک اللّٰہ یا عمر اقتلنا محمدا (صلی اللہ علیہ وسلم)

اے عمر تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں سچ بتاؤ کہ ہم نے محمدؐ کو قتل کیا۔

حضرت عمر نے فرمایا۔

اللھم لاوانہ لیسمع کلامک الان

خدا کی قسم ہرگز نہیں اور البتہ تحقیق وہ تیرے کلام کو اس وقت سن رہے ہیں۔

ابوسفیان نے کہا

انت عندی اصدق من ابن قمیة وابر

تم میرے نزدیک ابن قمیہ سے زیادہ سچے اور نیک ہو۔

بعدازاں ابوسفیان نے کہا

انہ قد کان قتلا کم مثل واللہ مارضیت ولا نہیت ولا امرت

ہمارے آدمیوں کے ہاتھ سے تمہارے مقتولین کا مثلہ ہوا۔ خدا کی قسم میں اس فعل سے نہ راضی ہوں اور نہ ناراض، نہ میں نے منع کیا اور نہ میں نے حکم دیا۔

اور چلتے وقت للکار کر یہ کہا

موعد کم بدر للعام القابل

سال آئندہ بدر پر تم سے لڑائی کا وعدہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو یہ حکم دیا کہ کہہ دیں۔

نعم ھو بیننا و بینک موعد انشاء اللہ

ہاں ہمارا اور تمہارا یہ وعدہ ہے۔ انشاء اللہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم پر مرہم لگانا

مشرکین کی واپسی کے بعد مسلمانوں کی عورتیں خبر لینے اور حال معلوم کرنے کی غرض سے مدینہ سے نکلیں۔ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آ کر دیکھا کہ چہرۂ انور سے خون جاری ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سپر میں پانی بھر کر لائے حضرت فاطمہ دھوتی جاتی تھیں لیکن خون کسی طرح نہیں تھمتا تھا۔ جب دیکھا کہ خون بڑھتا ہی جاتا ہے تو ایک چٹائی کا ٹکڑا لے کر جلایا اور اس کی راکھ زخم میں بھری تب خون بند ہوا۔

بعض دیگر شہدائے کرام کا تذکرہ

حضرت سعد بن ربیعؓ........ حضرت سعدؓ کی تلاش

قریش کی روانگی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابت کو حکم دیا کہ سعد ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈھونڈو کہ کہاں ہیں اور یہ ارشاد فرمایا۔

اگر دیکھ پاؤ تو میرا اسلام کہنا اور یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دریافت فرماتے ہیں کہ تم اس وقت اپنے کو کیسا پاتے ہو۔

حضرت سعدؓ کا حضور کے لئے پیغام

زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ میں ڈھونڈتا ہوا سعد بن ربیعؓ کے پاس پہنچا۔ ابھی حیات کی کچھ رمق باقی تھی جسم پر تیر اور تلوار کے ستر زخم تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ سعد بن ربیع نے یہ جواب دیا۔

''رسول اللہ پر بھی سلام اور تم پر بھی سلام رسول اللہ سے یہ پیغام پہنچا دینا یا رسول اللہ اس وقت میں جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اور میری قوم انصار سے یہ کہہ دینا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچی اور درانحالیکہ تم میں سے ایک آنکھ بھی دیکھنے والی موجود ہو یعنی تم میں سے کوئی ایک بھی زندہ ہو تو سمجھ لینا کہ اللہ کے یہاں تمہارا کوئی عذر مقبول نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر روح پرواز کر گئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی اللہ عنہ

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سعدؓ نے زید بن ثابت سے یہ کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دینا کہ اس وقت میں مر رہا ہوں اور سلام کے بعد یہ کہہ دینا کہ سعد یہ کہتا تھا۔

جزاک الله و عن جميع الامة خيرا اے اللہ کے رسول اللہ آپ کو ہماری اور تمام امت کی طرف سے جزائے خیر دے کہ ہم کو حق کا راستہ بتایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

ابن عبدالبر کی روایت میں ابی بن کعب سے مروی ہے کہ میں واپس آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سعدؓ کی خبر کی آپ نے سن کر یہ ارشاد فرمایا اللہ اُس پر رحم فرمائے۔ اللہ اور اُس کے رسول کا خیر خواہ اور وفادار رہا زندگی میں بھی اور مرتے وقت بھی۔

سید الشہداء حضرت حمزہ

حضرت حمزہؓ کے جسد کا مشاہدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاش میں نکلے بطن وادی میں مثلہ کئے ہوئے پائے گئے ناک اور کان کٹے ہوئے ہیں شکم اور سینہ چاک تھا اس جگر خراش اور دل آزار منظر کو دیکھ کر بے اختیار دل بھر آیا اور یہ فرمایا تم پر اللہ کی رحمت ہو جہاں تک مجھ کو معلوم ہے البتہ تم بڑے مخیر اور صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ اگر صفیہ کی حزن اور ملال رنج اور غم کا احساس نہ ہوتا تو میں تم کو اسی طرح چھوڑ دیتا کہ درند اور پرند تم کو کھاتے اور پھر قیامت کے دن تم انہیں کے شکم سے اٹھتے اور اسی جگہ کھڑے کھڑے یہ فرمایا کہ خدا کی قسم اگر خدا نے مجھ کو کافروں پر غلبہ عطا فرمایا تو تیرے بدلہ ستر کافروں کا مثلہ کروں گا۔ آپ اس جگہ سے ابھی ہٹے نہ تھے کہ یہ آیت شریفہ نازل ہوگئی۔

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصابرين واصبر وما صبرک الابالله ولاتحزن عليهم ولاتک في ضيق مما يمكرون ان الله مع الذين اتقوا والذين هم محسنون

اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا کہ تم کو تکلیف پہنچائی گئی تھی اور اگر تم صبر کرو تو البتہ وہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا محض اللہ کی امداد اور توفیق سے ہے اور نہ آپ ان پر غمگین ہوں اور نہ ان کے مکر سے تنگدل ہوں تحقیق اللہ تعالیٰ صبر کاروں اور نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔

آپ نے صبر فرمایا اور قسم کا کفارہ دیا اور اپنا ارادہ فسخ کیا۔

سید الشہداء کا لقب

حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت حمزہ کو دیکھا تو رو پڑے اور ہچکی بندھ گئی اور یہ فرمایا۔

قیامت کے دن اللہ کے نزدیک تمام شہیدوں کے سردار حمزہ ہوں گے۔ اسی وجہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سید الشہداء کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن جحشؓ

حضرت عبداللہ بن جحش اور حضرت سعدؓ کی دعا

اسی غزوہ میں عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہید ہوئے معجم طبرانی اور دلائل ابی نعیم میں سند جید کے ساتھ سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ احد کے دن جنگ شروع ہونے سے پہلے عبداللہ بن جحش نے مجھ کو ایک طرف بلا کر تنہائی میں یہ کہا آؤ ہم دونوں کہیں علیحدہ بیٹھ کر دعا مانگیں اور ایک دوسرے کی دعا پر آمین کہیں۔

سعد فرماتے ہیں ہم دونوں کسی گوشہ میں سب سے علیحدہ ایک طرف جا کر بیٹھ گئے۔ اول میں نے دعا مانگی کہ اے اللہ آج ایسے دشمن سے مقابلہ ہو کہ جو نہایت شجاع اور دلیر اور نہایت غضبناک ہو کچھ دیر تک میں اس کا مقابلہ کروں اور وہ میرا مقابلہ کرے پھر اس کے بعد اے اللہ مجھ کو اس پر فتح نصیب فرما یہاں تک میں اس کو قتل کروں اور اس کا سامان چھینوں۔

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے آمین کہی اور اس کے بعد یہ دعا مانگی۔ اے اللہ آج ایسے

دشمن سے مقابلہ ہو کہ جو بڑا ہی سخت اور زور آور اور غضبناک ہو محض تیرے لئے اس سے قتال کروں اور وہ مجھ سے قتال کرے۔ بالآخر وہ مجھ کو قتل کرے اور میری ناک اور کان کاٹے اور اے پروردگار جب تجھ سے ملوں اور تو دریافت فرمائے۔ اے عبداللہ یہ تیرے ناک اور کان کہاں کٹے تو میں عرض کروں اے اللہ تیری اور تیرے پیغمبر کی راہ میں اور تو اس وقت یہ فرمائے "سچ کہا" سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ ان کی دعا میری دعا سے کہیں بہتر تھی۔

دعا کی قبولیت

شام کو دیکھا کہ ان کے ناک اور کاٹ کٹے ہوئے ہیں۔ سعد فرماتے ہیں اللہ نے میری بھی دعا قبول فرمائی میں نے بھی ایک بڑے سخت کافر کو قتل کیا اور اس کا سامان چھینا۔

سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ جس طرح حق تعالیٰ نے اس خاص شان سے شہادت کے بارے میں ان کی دعا قبول فرمائی۔ اسی طرح اللہ نے ان کی دوسری دعا بھی ضرور قبول فرمائی ہوگی۔ یعنی شہید ہونے کے بعد ان سے یہ سوال فرمایا ہوگا اور انہوں نے یہ جواب عرض کیا ہوگا۔

حضرت عبداللہ کا لقب

اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ مجدع فی اللہ (یعنی وہ شخص جس کے ناک اور کان اللہ کی راہ میں کاٹے گئے) کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ

اعضاء کا کاٹا جانا

حضرت جابر کے والد ماجد عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ بھی اسی معرکہ میں شہید ہوئے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میرے باپ جنگ احد میں شہید ہوئے اور کافروں نے ان کا مثلہ کیا۔ جب ان کی لاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر رکھی گئی تو میں نے باپ کے منہ سے کپڑا اٹھا کر دیکھنا چاہا تو صحابہ نے منع کیا۔ میں نے دوبارہ

منہ دیکھنا چاہا تو صحابہ نے پھر منع کیا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔

فرشتوں کا سایہ کرنا

میری پھوپھی فاطمہ بنت عمرو جب بہت رونے لگیں تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا روتی کیوں ہے۔ اس پر تو فرشتے برابر سایہ کئے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا جنازہ اٹھایا گیا۔ یعنی یہ مقام رنج وحسرت کا نہیں بلکہ فرحت ومسرت کا ہے کہ فرشتے تیرے بھائی پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے بالمشافہ کلام

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر یہ فرمایا اے جابر تجھ کو کیا ہوا میں تجھ کو شکستہ خاطر پاتا ہوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے باپ اس غزوہ میں شہید ہوے اور آل وعیال اور قرض کا بار چھوڑ گئے۔ آپ نے فرمایا کیا میں تجھ کو ایک خوش خبری نہ سناؤں میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیوں نہیں ضرور سنائیے۔ آپ نے فرمایا کسی شخص سے بھی اللہ نے کلام نہیں فرمایا۔ مگر پس پردہ لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو زندہ کیا اور بالمشافہ اور بالمواجہ اس سے کلام کیا اور یہ کہا اے میرے بندے اپنی کوئی تمنا میرے سامنے پیش کر تو تیرے باپ نے یہ عرض کیا اے پروردگار تمنا یہ ہے کہ پھر زندہ ہوں اور تیری راہ میں پھر دوبارہ مارا جاؤں حق تعالیٰ نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ مقدر ہو چکا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ واپسی نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا خواب

عبداللہ بن عمرو بن حرام کہتے ہیں کہ احد سے پیشتر میں نے مبشر بن عبدالمنذر کو خواب میں دیکھا کہ یہ کہہ رہے ہیں کہ اے عبداللہ تم بھی عنقریب ہمارے ہی پاس آنے والے ہو۔ میں نے کہا تم کہاں ہو۔ کہا جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر وتفریح کرتے ہیں میں نے کہا کیا تو بدر میں قتل نہیں ہوا تھا۔ مبشر نے کہا ہاں لیکن پھر زندہ کر دیا گیا۔ عبداللہ کہتے ہیں یہ خواب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا آپ نے فرمایا اے ابو جابر اس کی تعبیر شہادت ہے۔

حضرت عمرو بن الجموحؓ

شوق شہادت: حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں لنگ تھی اور لنگ بھی معمولی نہ تھی بلکہ شدید تھی۔ چار بیٹے تھے جو ہر غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہتے تھے۔ احد میں جاتے وقت ان سے کہا کہ میں تمہارے ساتھ جہاد میں چلتا ہوں۔ بیٹوں نے کہا آپ معذور ہیں۔ اللہ نے آپ کو رخصت دی ہے۔ آپ یہیں رہیں۔ مگر یہ عزیمت کے شیدائی کب رخصت پر عمل کرنے والے تھے۔ شوق شہادت میں اس درجہ بے تاب اور بے چین ہوئے کہ اسی حالت میں لنگڑاتے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے بیٹے مجھ کو آپ کے ساتھ جانے سے روکتے ہیں۔

خدا کی قسم تحقیق میں امید واثق رکھتا ہوں کہ اسی لنگ کے ساتھ جنت کی زمین کو جا کر روندوں۔

آپ نے ارشاد فرمایا اللہ نے تم کو معذور کہا ہے۔ تم پر جہاد فرض نہیں اور بیٹوں کی طرف سے مخاطب ہو کر یہ ارشاد فرمایا کہ کیا حرج ہے اگر تم ان کو نہ روکو۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کو شہادت نصیب فرمائے چنانچہ وہ جہاد کے لئے نکلے اور شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دعا اور قبولیت

مدینہ سے چلتے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ دعا مانگی۔

اے اللہ مجھ کو شہادت نصیب فرما اور گھر والوں کی طرف واپس نہ کر۔

اسی غزوہ میں ان کے بیٹے خلاد بن عمرو بن الجموح بھی شہید ہوئے۔ عمرو بن الجموح کی بیوی ہندہ بنت عمرو بن حرام نے (جو کہ عبداللہ بن عمرو بن حرام کی بہن اور حضرت جابر کی پھوپھی ہیں) یہ ارادہ کیا کہ تینوں یعنی اپنے بھائی عبداللہ بن عمرو بن حرام اور اپنے بیٹے خلاد بن عمرو بن الجموح اور اپنے شوہر عمرو بن الجموح کو ایک اونٹ پر سوار کر کے مدینہ لے جائیں اور وہیں جا کر تینوں کو دفن کریں مگر جب مدینہ کا قصد کرتی ہیں تو اونٹ بیٹھ جاتا ہے اور جب احد کا رخ کرتی ہیں تو تیز چلنے لگتا ہے۔ ہندہ نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ نے فرمایا عمرو بن الجموح نے مدینہ سے چلتے وقت کچھ کہا تھا۔ ہندہ نے ان کی وہ دعا

ذکر کی جو انہوں نے چلتے وقت کی تھی۔ آپ نے فرمایا اسی وجہ سے اونٹ نہیں چلتا اور یہ فرمایا۔

قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے البتہ تم میں بعض ایسے بھی ہیں اگر اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم کو ضرور پورا کرے ان میں سے عمرو بن الجموح بھی ہیں۔ البتہ تحقیق میں نے ان کو اسی لنگ کے ساتھ جنت میں چلتا ہوا دیکھا ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن حرام اور عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہما احد کے قریب دونوں ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے۔

حضرت خثیمہؓ

غزوۂ بدر سے رہ جانے پر حسرت

خثیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (جن کے بیٹے سعد غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شہید ہو چکے تھے) بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ افسوس مجھ سے غزوۂ بدر رہ گیا۔ جس کی شرکت کا میں بڑا ہی حریص اور مشتاق تھا۔ یہاں تک کہ اس سعادت کے حاصل کرنے میں بیٹے سے قرعہ اندازی کی مگر یہ سعادت میرے بیٹے سعد کی قسمت میں تھی قرعہ اس کے نام کا نکلا اور شہادت اس کو نصیب ہوئی اور میں رہ گیا۔

خواب اور شہادت

آج شب میں نے اپنے بیٹے کو خواب میں دیکھا ہے نہایت حسین و جمیل شکل میں ہے۔ جنت کے باغات اور نہروں میں سیر و تفریح کرتا پھرتا ہے اور مجھ سے یہ کہتا ہے اے باپ تم بھی یہیں آ جاؤ دونوں مل کر جنت میں ساتھ رہیں گے۔ میرے پروردگار نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا وہ میں نے بالکل حق پایا۔

یا رسول اللہ اس وقت سے اپنے بیٹے کی مرافقت کا مشتاق ہوں۔ بوڑھا ہو گیا اور ہڈیاں کمزور ہو گئیں۔

اب تمنا یہ ہے کہ کسی طرح اپنے رب سے جاملوں۔ یارسول اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھ کو شہادت اور جنت میں سعد کی مرافقت نصیب فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خثیمہ کے لئے دعا فرمائی۔ اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور خثیمہ معرکہ احد میں شہید ہوئے۔

انشاءاللہ ثم انشاءاللہ امید واثق ہے کہ حضرت خثیمہ اپنے بیٹے سعد سے جاملے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حضرت اصیرمؓ

عجیب وغریب واقعہ

حضرت عمرو بن ثابت جو اصیرم کے لقب سے مشہور تھے۔ ہمیشہ اسلام سے منحرف رہے۔ جب احد کا دن ہوا تو اسلام دل میں اتر آیا اور تلوار لے کر میدان میں پہنچے اور کافروں سے خوب قتال کیا۔ یہاں تک کہ زخمی ہو کر گر پڑے۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ اصیرم ہیں تو بہت تعجب ہوا اور پوچھا کہ اے عمرو تیرے لئے اس لڑائی کا کیا داعی ہوا۔ اسلام کی رغبت یا قومی غیرت وحمیت اصیرمؓ نے جواب دیا۔

بلکہ اسلام کی رغبت داعی ہوئی میں ایمان لایا اللہ اور اس کے رسول پر اور مسلمان ہوا اور تلوار لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے دشمنوں سے قتال کیا یہاں تک مجھ کو یہ زخم پہنچے۔ یہ کلام ختم کیا اور خود بھی ختم ہو گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

البتہ تحقیق وہ اہل جنت سے ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے بتلاؤ وہ کون شخص ہے کہ جو جنت میں پہنچ گیا اور ایک نماز بھی نہیں پڑھی۔ وہ یہی صحابی ہیں۔

اہل مدینہ کا حضورؐ کے لئے اضطراب

جنگ کے متعلق مدینہ میں چونکہ وحشتناک خبریں پہنچ چکی تھیں اس لئے مدینہ کے مرد اور عورت بچے اور بوڑھے اپنے عزیزوں سے زیادہ آپ کو سلامت وعافیت کے ساتھ دیکھنے

کے متمنی اور مشتاق تھے۔

چنانچہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک انصاری عورت پر ہوا جس کا شوہر اور بھائی اور باپ اس معرکہ میں شہید ہوئے جب اس عورت کو اس کے شوہر اور برادر اور پدر کے شہادت کی خبر سنائی گئی تو یہ کہا کہ پہلے یہ بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ لوگوں نے کہا بحمداللہ خیریت سے ہیں۔ اس خاتون نے کہا مجھ کو چہرہ انور دکھلادو۔ آنکھوں سے دیکھ کر پورا اطمینان ہوگا۔ لوگوں نے اشارہ سے بتلایا کہ حضور یہ ہیں۔ جب اس خاتون نے جمال نبوی کو دیکھ لیا تو یہ کہا کل مصیبة بعدک جلل ہر مصیبت آپ کے بعد بالکل ہیچ اور بے حقیقت ہے۔

دوران جنگ خاص سکون کا نزول

جب کسی شیطان نے یہ خبر اڑادی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے تو بعضے مسلمان بمقتضائے بشریت یہ خبر سن کر پریشان ہوگئے اور اسی پریشانی اور حیرانی کی حالت میں کچھ دیر کے لئے ان کے قدم میدان جنگ سے ہٹ گئے اور اس معرکہ میں جن کے لئے شہادت کی سعادت مقدر تھی وہ شہید ہوگئے اور جن کے لئے ہٹنا مقدر تھا وہ ہٹ گئے اور جو میدان قتال میں باقی رہ گئے تھے ان میں سے جو مومنین مخلصین اور اہل یقین اور اصحاب توکل تھے ان پر حق تعالیٰ کی طرف سے ایک غنودگی طاری کردی گئی۔ یہ لوگ کھڑے کھڑے اونگھنے لگے جن میں حضرت طلحہ بھی تھے۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کئی مرتبہ تلوار میرے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گری تلوار میرے ہاتھ سے گرگر جاتی تھی اور میں اس کو اٹھا لیتا تھا یہ ایک حسی اثر تھا۔ اس باطنی سکون کا جو حق تعالیٰ نے اس موقعہ پر اہل ایقان کو عطا فرمایا جس سے کافروں کا خوف و ہراس دل سے یکلخت دور ہوگیا۔ اور منافقین کا گروہ جو اس وقت شریک جنگ تھا اس وقت سخت اضطراب میں تھا اس کو صرف اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔ ان کم بختوں کو نیند نہ آئی اس بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ثم انزل علیکم من بعد الغم امنةً نعاساً یغشیٰ طائفةً منکم و طآئفة

قد اهمتهم انفسهم يظنون بالله غير الحق ظن الجاهلية (الآيات)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر ایک امن اور سکون کی کیفیت نازل فرمائی یعنی تم میں سے ایک جماعت پر اونگھ طاری کر دی جو ان کو گھیر رہی تھی اور ایک دوسری جماعت ایسی تھی کہ جس کو اپنی جان کی فکر پڑی ہوئی تھی اور خدا تعالیٰ کے ساتھ جاہلیت کی طرح بدگمانی میں مبتلا تھی۔

منافقین سکینہ سے محروم رہے

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جس جماعت پر نیند طاری کی گئی وہ جماعت ان اہل ایمان کی تھی کہ جو یقین اور ثبات اور استقامت اور توکل صادق کے ساتھ موصوف تھے اور ان کو یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی ضرور مدد کرے گا اور اپنے رسول سے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا۔

اور دوسرا گروہ جسے اپنی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی اور اسی فکر میں ان کی نیند غائب تھی۔ وہ منافقین کا گروہ تھا ان کو صرف اپنی جان کا غم تھا اطمینان اور امن کی نیند سے محروم تھے۔

جنگ میں کچھ عورتوں کی شرکت اور اس کا حکم

اس غزوہ میں مسلمانوں کی چند عورتوں نے بھی شرکت کی صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ احد کے دن میں نے حضرت عائشہ اور اپنی والدہ ام سلیم کو دیکھا کہ پائنچے چڑھائے ہوئے پانی کی مشک بھر بھر کر پشت پر رکھ کر لاتی ہیں اور لوگوں کو پانی پلاتی ہیں۔ جب مشک خالی ہو جاتی ہے تو پھر بھر کر لاتی ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ابو سعید خدری کی والدہ ام سلیطؓ بھی احد کے دن ہمارے لئے مشک میں پانی بھر بھر کر لاتی تھیں۔

صحیح بخاری میں ربیع بنت معوذؓ سے مروی ہے کہ ہم غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاتی تھیں کہ لوگوں کو پانی پلائیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کریں اور مقتولین کو اٹھا کر لائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا علے النساء جهاد کیا عورتوں پر بھی جہاد ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا نعم جهاد لاقتال فيه الحج والعمرة ہاں ان پر ایسا جہاد ہے۔ جس میں لڑنا نہیں یعنی حج اور عمرہ (فتح الباری کتاب الحج باب حج النساء)

صحیح بخاری کی کتاب العیدین میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم غزوات میں مریضوں کی خبر گیری اور زخمیوں کے علاج کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔

ان عورتوں نے فقط لوگوں کو پانی پلایا اور مریضوں اور زخمیوں کی خبر گیری کی لیکن قتال نہیں کیا۔ مگر ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جب دیکھا کہ ابن قمیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر رہا ہے تو انہوں نے اس حالت میں آگے بڑھ کر مقابلہ کیا۔ مونڈھے پر ایک گہرا زخم آیا۔ ام عمارہؓ فرماتی ہیں۔ میں نے بھی بڑھ کر ابن قمیہ پر وار کیا مگر عدو اللہ (اللہ کا دشمن) دو زرہ پہنے ہوئے تھا۔

اس غزوہ میں صرف ایک ام عمارہ شریک جہاد و قتال ہوئیں۔ اس کے علاوہ تمام غزوات میں سوائے ایک دو عورت کے اور عورتوں کا شریک جہاد و قتال کرنا کہیں ذخیرہ حدیث سے ثابت نہیں۔ نہ کسی حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کو جہاد کی ترغیب دینا ثابت ہے۔

اس لئے تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ عورتوں پر جہاد فرض نہیں الا یہ کہ کفار ہجوم کر آئیں اور ضرورت عورتوں کی شرکت پر بھی مجبور کرے۔

شہداء کی تجہیز و تکفین

اس غزوہ میں ستر صحابہ شہید ہوئے جن میں اکثر انصار تھے۔ بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ کفن کی چادر بھی پوری نہ تھی۔ چنانچہ مصعب بن عمیرؓ کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا کہ کفن کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ سر اگر ڈھانکا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور اگر پاؤں ڈھکے

جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ بالآخر یہ ارشاد فرمایا کہ سر ڈھانک دو اور پیروں پر اذخر (ایک گھاس ہوتا ہے) ڈال دو۔ اور یہ حکم دیا کہ اس طرح بلا غسل دیئے خون آلود دفن کر دیں۔

اور بعض کے لئے یہ بھی میسر نہ آیا۔ دو دو آدمیوں کو ایک ہی چادر میں کفن دیا گیا اور دو دو اور تین تین کو ملا کر ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ دفن کے وقت یہ دریافت فرماتے کہ ان میں سے زیادہ قرآن کس کو یاد ہے، جس کی طرف اشارہ کیا جاتا اسی کو قبلہ رخ لحد میں آگے رکھتے اور یہ ارشاد فرماتے۔

قیامت کے دن میں ان لوگوں کے حق میں شہادت دوں گا۔

بعض لوگوں نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے عزیز شہیدوں کو مدینہ لے جا کر دفن کریں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا اور یہ حکم دیا کہ جہاں شہید ہوئے وہیں دفن کئے جائیں۔

شہید قوم

احد کے دن قزمان نامی ایک شخص نے بڑی جانبازی اور سرفروشی دکھلائی اور تنہا اس نے سات یا آٹھ مشرکوں کو قتل کیا اور آخر میں خود زخمی ہو گیا جب اس کو اٹھا کر گھر لے آئے تو بعض صحابہ نے یہ کہا:۔

خدا کی قسم آج کے دن اے قزمان تو نے بڑا کارنمایاں کیا تجھ کو مبارک ہو۔

قزمان نے جواب دیا:۔ تم مجھے کس چیز کی بشارت اور مبارک باد دیتے ہو۔ خدا کی قسم میں نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے قتال نہیں کیا بلکہ صرف اپنی قوم کے خیال اور ان کے بچانے کی غرض سے قتال کیا۔ اس کے بعد جب زخموں کی تکلیف زیادہ ہوئی تو خودکشی کر لی۔

یہ شخص دراصل منافق تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جو اس نے کارنمایاں کئے تو محض قوم اور وطن کی ہمدردی میں کئے حتیٰ کہ اسی میں وہ مارا گیا اس بناء پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص اہل نار میں سے ہے۔ خدا کے نزدیک شہید وہ ہے کہ جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرے اور جو شخص قوم اور وطن کے لئے لڑ کر جان دیدے اس زمانہ کے محاورہ کے مطابق وہ شہید قوم کہلا سکتا ہے مگر اسلام میں وہ شہید نہیں۔

غزوۂ اُحُد

میں فتح کے بعد ہزیمت پیش آجانے کی حکمت

غزوہ کی صورتحال کے متعلق آیات

ولقد صدقکم الله وعدہٗ اذتحسونهم باذنه حتی اذا فشلتم و تنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما ارکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاٰخرة ثم صرفکم عنهم لیبتلیکم ولقد عفاعنکم والله ذوفضل علی المؤمنین

اور تحقیق اللہ نے تم سے جو فتح کا وعدہ کیا تھا وہ سچ کر دکھایا جس وقت کہ تم کفار کو بتائید خداوندی قتل کر رہے تھے حتیٰ کہ وہ سات یا نو آدمی جن کے ہاتھ میں مشرکین کا جھنڈا تھا وہ سب تمہارے ہاتھ سے مارے گئے یہاں تک کہ جب تم خود سست پڑ گئے اور باہم حکم میں اختلاف کرنے لگے اور تم نے حکم کی نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ نے تمہاری محبوب اور پسندیدہ چیز (یعنی کافروں پر غلبہ اور فتح) تم کو تمہاری آنکھوں سے دکھلا دیا تم میں سے بعض تو وہ تھے کہ دنیا (غنیمت) کی طرف مائل ہوئے اور بعض تم سے وہ تھے کہ جو صرف آخرت کے طلب گار اور جویا تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سے پھیر دیا۔ اور حاصل شدہ فتح کو

ہزیمت سے بدل دیا تا کہ تم کو آزمائے اور صاف طور پر ظاہر ہو جائے کہ کون پکا ہے اور کون کچا اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری یہ غلطی بالکل معاف کر دی (لہٰذا اب کسی کو اس غلطی پر طعن و تشنیع بلکہ لب کشائی بھی جائز نہیں خدا تعالیٰ تو معاف کر دے اور یہ طعن کرنے والے معاف نہ کریں) اور اللہ تعالیٰ مومنین مخلصین پر بڑے ہی فضل والے ہیں۔

صورتحال کے پلٹنے کا سبب

ان آیات میں حق جل شانہ نے یہ بتلایا کہ یکبارگی معاملہ اور قصہ منعکس ہو گیا کہ لشکر کفار جو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو رہا تھا۔ اب وہ اہل اسلام کے قتل میں مشغول ہو گیا۔ اس کی وجہ ایک تو یہ ہوئی کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعد عدول حکمی کی اور تم میں سے بعض لوگ، دنیائے فانی کے متاع آنی (مال غنیمت) کے میلان اور طمع میں کوہ استقامت سے پھسل پڑے جس کا خمیازہ سب کو بھگتنا پڑا اور بعض کی لغزش سے تمام لشکر اسلام ہزیمت کا شکار بنا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

صحابہ کرامؓ کے لئے عفو و فضل کا اعلان

مگر بااین ہمہ خداوند ذوالجلال والاکرام کے عنایات بے غایات اور الطاف بے نہایات مسلمانوں سے منقطع نہ ہوئے کہ باوجود اس محبت آمیز عتاب کے بار بار مسلمانوں کو تسلی دی کہ تم ناامید اور شکستہ دل نہ ہونا۔ ہم نے تمہاری لغزش کو بالکل معاف کر دیا ہے چنانچہ ایک مرتبہ عفو کا اعلان اس آیت میں فرمایا **و لقد عفا عنکم و اللہ ذو فضل علی المؤمنین** اور پھر اسی رکوع کے آخر میں مسلمانوں کو مزید تسلی کے لئے دوبارہ عفو کا اعلان فرمایا۔

ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعٰن انما استزلھم الشیطٰن ببعض ما کسبوا و لقد عفا اللہ عنھم ان اللہ غفور حلیم.

تحقیق جن بعض لوگوں نے تم میں سے پشت پھیری جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں سوائے اسکے نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بعض اعمال کی وجہ سے شیطان نے ان کو لغزش میں مبتلا کر دیا اور خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان کی لغزش کو

بالکل معاف کر دیا تحقیق اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے اور حلم والے ہیں۔

حق جل شانہ نے صحابہ کرام کے اس فعل کو لغزش قرار دیا۔ **استزلھم الشیطٰن** کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے اور لغزش کے معنی یہ ہیں کہ ارادہ تو کچھ اور تھا کہ مگر غلطی اور بھول چوک سے بلا ارادہ اور اختیار قدم پھسل کر راستہ سے گر گیا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ یہ جو کچھ ہو گیا۔ وہ لغزش تھی۔ جان بوجھ کر تم نے نہیں کیا اور خیر جو کچھ بھی ہو گیا اس کو ہم نے اپنی رحمت اور حلم سے معاف کر دیا تم کو تو معافی کی اطلاع دے دی کہ تم ملول اور رنجیدہ اور ناامید ہو کر نہ بیٹھ جانا اور تمہاری معافی کا اعلان ساری دنیا کو اس لئے سنا دیا کہ دنیا کو یہ معلوم ہو جائے کہ حق جل شانہ کی عنایات بے غایات کس طرح اصحاب رسول پر مبذول ہیں اور کس کس طرح ان کو چند در چند تسلیاں دی جا رہی ہیں تا کہ قیامت تک کسی کو یہ مجال نہ ہو کہ صحابہ کرام کے شان میں لب کشائی کر سکے جب حق تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا تو اب بلا سے کوئی ان کو معاف کرے یا نہ کرے۔ ان سے راضی ہو یا نہ ہو خدا کے عفو اور رضا کے بعد کسی کے عفو اور رضا کی ضرورت نہیں۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

غزوۂ حمراء الاسد

۱۶ شوال یوم یکشنبہ ۳ھ

احد سے واپسی، مشرکین کا پلٹنا

قریش جب جنگ احد سے واپس ہوئے اور مدینہ سے چل کر مقام روحاء میں ٹھہرے تو یہ خیال آیا کہ کام ناتمام رہا جب ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بہت سے اصحاب کو قتل کر چکے اور بہت سوں کو زخمی تو بہتر یہ ہے کہ پلٹ کر دفعۃً مدینہ پر حملہ کر دینا چاہئے مسلمان اس وقت بالکل خستہ اور زخمی ہیں مقابلہ کی تاب نہ لا سکیں گے۔ صفوان بن امیہ نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ مکہ واپس چلو۔ محمد کے اصحاب جوش میں بھرے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ دوسرے حملہ میں تم کو کامیابی نہ ہو۔

مسلمانوں کی بے مثال ہمت

۱۵ شوال یوم شنبہ کی شام کو قریش روحاء میں پہنچے اور شب یکشنبہ میں یہ گفتگو ہوئی۔ یکشنبہ کی یہ شب گزرنے نہ پائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخبر نے عین صبح صادق کے وقت اس کی اطلاع دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت بلالؓ کو بھیج کر تمام مدینہ میں منادی کرادی کہ خروج کے لئے تیار ہو جائیں اور فقط وہی لوگ ہمراہ چلیں کہ جو معرکہ احد میں شریک تھے۔ جابر بن عبداللہؓ نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے باپ غزوۂ احد میں شہید ہوئے بہنوں کی خبر گیری کی وجہ سے میں احد میں شریک نہ ہو سکا۔ اب میں ساتھ

چلنے کی اجازت چاہتا ہوں آپ نے ساتھ چلنے کی اجازت دی۔ اس خروج سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ دشمن یہ نہ سمجھ لے کہ مسلمان کمزور ہو چکے ہیں۔ باوجودیکہ صحابہ خستہ اور نیم جان ہو چکے تھے اور ایک شب بھی آرام نہ کیا تھا کہ آپ کی ایک آواز پر پھر نکل کھڑے ہوئے۔

مشرکین کا ڈر کر واپس بھاگنا

۱۶ شوال یوم یکشنبہ کو مدینہ سے چل کر آپ نے مقام حمراء الاسد پر قیام فرمایا جو مدینہ سے تقریباً آٹھ دس میل کے فاصلہ پر ہے آپ مقام حمراء الاسد میں مقیم تھے کہ قبیلۂ خزاعہ کا سردار معبد خزاعی۔ احد کی شکست کی خبر سن کر بغرض تعزیت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے ان اصحاب کی تعزیت کی جو احد میں شہید ہوئے تھے معبد آپ سے رخصت ہو کر ابوسفیان سے جا کر ملا۔ ابوسفیان نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ دوبارہ مدینہ پر حملہ کیا جائے۔ معبد نے کہا کہ محمد تو بڑی عظیم الشان جمعیت لے کر تمہارے مقابلہ اور تعاقب کے لئے نکلے ہیں۔ ابوسفیان یہ سنتے ہی مکہ واپس ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن قیام فرما کر جمعہ کے روز مدینہ تشریف لائے۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

الذين استجابو الله والرسول من بعد ما اصابهم القرح للذين احسنوا منهم واتقوا اجر عظيم.

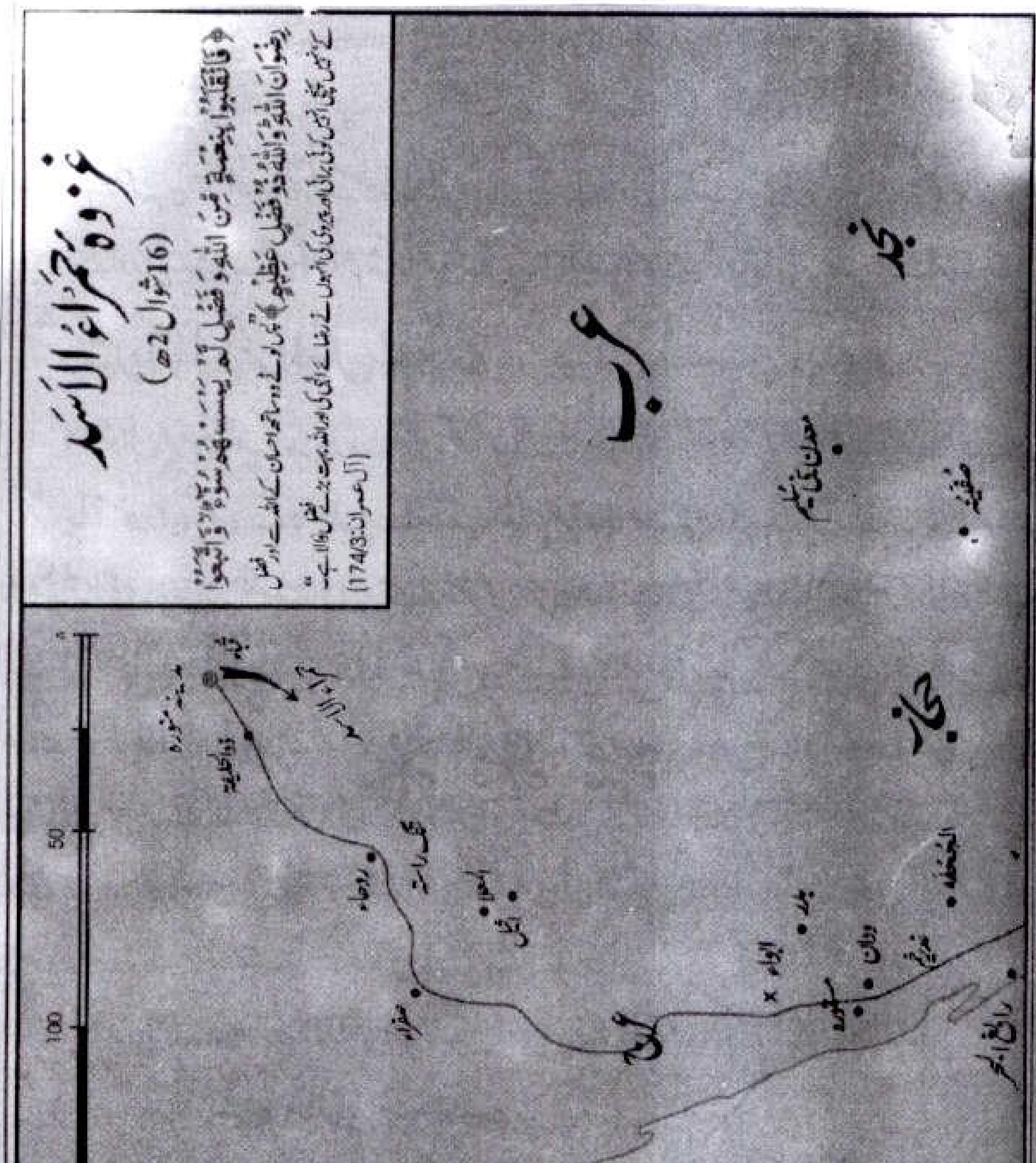
جن لوگوں نے اللہ اور رسول اللہ کی بات کو مانا بعد اس کے کہ ان کو زخم پہنچ چکا تھا تو ایسے نیکوکاروں اور پرہیزگاروں کے لئے اجر عظیم ہے۔

۳ھ کے دیگر واقعات

(۱) اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعن ابیہا سے ماہ شعبان میں نکاح فرمایا۔

(۲) اسی سال ۱۵ رمضان المبارک کو امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ اور پچاس دن بعد حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا امام حسین سے حاملہ ہوئیں۔

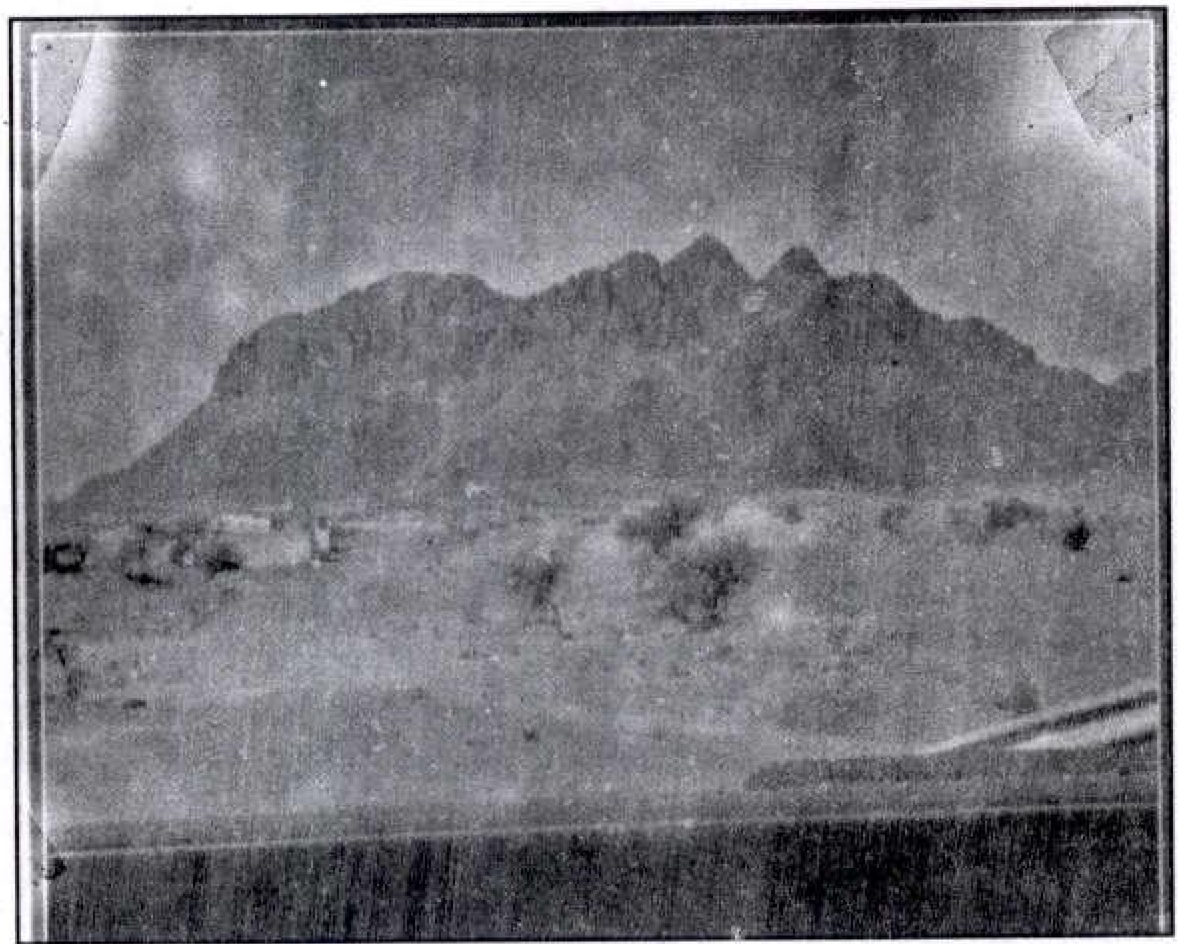
(۳) اسی سال ماہ شوال میں شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔



اللّٰھم صل علی محمد

کلما ذکرہ الذاکرون وکلما غفل عن ذکرہ الغافلون

امام اسماعیل بن ابراہیم مزنی نے حضرت امام شافعیؒ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا اللہ پاک نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا تو انہوں نے جواب دیا اس درود شریف کی برکت سے اللہ پاک نے مجھے بخش دیا اور عزت واحترام سے جنت میں لے جانے کا حکم دیا۔ (زاد السعید)



جبل حمراء الاسد کے دامن میں وہ ممکنہ مقام جہاں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جانثار ساتھیوں نے مشرکین کے لشکر کا تعاقب کرتے ہوئے تین روز تک قیام فرمایا تھا



مدینہ منورہ کا مبارک قبرستان ''جنت البقیع'' جہاں کتنے جلیل القدر صحابہ کرام وصحابیات' ازواج مطہرات اور تابعین وصالحین مدفون ہیں۔

باب ۳

۴-۵ ھ کے غزوات و واقعات

واقعہ رجیع، غزوہ بنی نضیر، غزوہ ذات الرقاع
غزوہ بنی قریظہ، واقعہ افک وغیرہ

سریہ
ابی سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ

یکم محرم الحرام ۴ھ میں آپ کو یہ خبر ملی کہ خویلد کے بیٹے طلیحہ اور سلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے اپنے لوگوں کو جمع کر رہے ہیں۔ تو آپ نے ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو مہاجرین اور انصار کے ساتھ ان کے مقابلے کے لئے روانہ فرمایا۔ وہ لوگ ان کی خبر پاتے ہی منتشر ہو گئے۔ بہت سے اونٹ اور بکریاں ہاتھ آئیں جن کو لے کر مدینہ واپس آ گئے مدینہ پہنچ کر مال غنیمت تقسیم ہوا مال غنیمت کا خمس نکالنے کے بعد ہر شخص کے حصہ میں سات سات اونٹ اور بکریاں آئیں۔

سریۂ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ

سفیان ہذلی کی جنگی تیاری

یوم دوشنبہ ۵ محرم الحرام کو آپ کو یہ اطلاع ملی کہ خالد بن سفیان ہذلی ولحیانی آپ سے جنگ کرنے کے لئے لشکر جمع کر رہا ہے۔

معجم طبرانی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص گستاخ اور دریدہ دہن بھی تھا۔

سفیان کا قتل

آپ نے عبداللہ بن انیس انصاری رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل کے لئے روانہ فرمایا۔

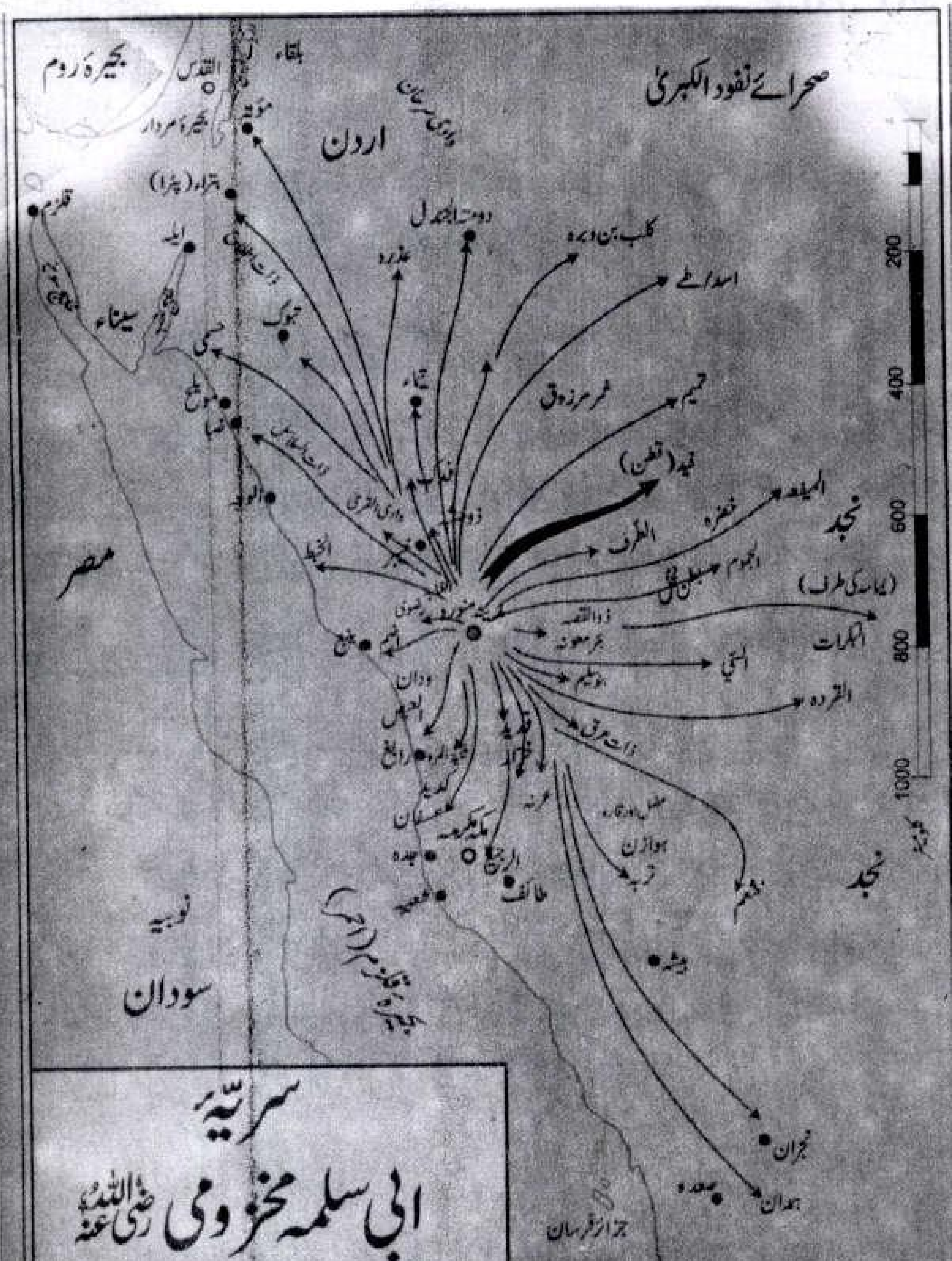
عبداللہ بن انیس اسے جا کر ملے اور لطائف الحیل سے موقع پا کر اس کو قتل کیا اور سر لے کر ایک غار میں جا چھپے مکڑی نے آ کر جالا تان دیا بعد میں جو لوگ تلاش میں گئے وہ مکڑی کا جالا دیکھ کر واپس ہو گئے بعد ازاں حضرت عبداللہ اس غار سے نکلے شب کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے۔

حضرت عبداللہ کے لئے انعام

اس طرح ۲۳ محرم کو مدینہ پہنچے اور خالد کا سر آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ بہت مسرور ہوئے اور ایک عصا انعام میں دیا اور یہ ارشاد فرمایا۔

اس عصا کو پکڑ کر جنت میں چلنا جنت میں عصا لے کر چلنے والا کوئی شاذ و نادر ہی ہو گا۔ اور فرمایا کہ یہ قیامت کے دن میرے اور تیرے درمیان میں ایک نشانی ہے۔ ساری عمر حضرت عبداللہ اس عصا کی حفاظت فرماتے رہے۔ مرتے وقت یہ وصیت کی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن انیس کے آنے سے پہلے ہی خالد بن سفیان کے قتل کی خبر دے دی تھی۔



اللّٰھم صلِّ علیٰ محمدٍ

صلاۃً تکون لک رضاً ولحقہٖ اداءً

جو شخص نماز فجر اور نماز مغرب کے بعد ۳۳-۳۳ بار یہ درود شریف پڑھے گا تو اُس شخص کی قبر کے اور روضہ اقدس کے درمیان ایک کھڑکی کھول دی جائے گی اور روضہ اقدس کی راحت اس کو نصیب ہوگی۔ (ذریعہ الوصول)

واقعۂ رجیع

قبیلہ عضل وقارہ کے لئے معلمین بھیجنا

ماہ صفر میں کچھ لوگ قبیلہ عضل اور قارہ کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ لہذا ایسے چند لوگ ہمارے ساتھ کر دیجئے کہ جو ہم کو قرآن پڑھائیں اور احکام اسلام کی تعلیم دیں۔

ان کے لئے معلمین کی روانگی

آپ نے دس آدمی ان کے ہمراہ کر دیئے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔

١- عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ ٢- مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ

٣- عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ ٤- خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ

٥- زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ ٦- خالد بن ابی البکیر رضی اللہ عنہ

٧- معتب بن عبید رضی اللہ عنہ۔ یعنی عبداللہ بن طارق کے علاتی بھائی۔

اور عاصم بن ثابت رضی اللہ کو ان پر امیر مقرر فرمایا۔

قبیلہ والوں کی غداری

یہ لوگ جب مقام رجیع پر پہنچے جو مکہ اور عسفان کے مابین واقع ہے تو ان غداروں نے مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی اور بنولحیان کو اشارہ کر دیا۔ بنولحیان دو سو آدمی لے کر جن میں سے سو آدمی تیرانداز تھے ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ جب قریب پہنچے تو حضرت عاصمؓ مع اپنے رفقاء کے ایک ٹیلہ پر چڑھ گئے۔

حضرت عاصمؓ کی دعا

بنولحیان نے مسلمانوں سے کہا تم نیچے اتر آؤ ہم تم کو امان اور پناہ دیتے ہیں۔ حضرت

عاصم نے فرمایا میں کافر کی پناہ میں کبھی نہ اتروں گا۔اور یہ دعا مانگی۔

اے اللہ اپنے پیغمبر کو ہمارے حال کی خبر دے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم کی دعا قبول فرمائی۔اور اسی وقت بذریعہ وحی کے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ان کی خبر دی اور آپ نے اس وقت صحابہ کو خبر دی۔

اور ایک دعا حضرت عاصم نے اس وقت یہ مانگی۔"اے اللہ آج میں تیرے دین کی حفاظت کر رہا ہوں تو میرے گوشت یعنی جسم کی کافروں سے حفاظت فرما۔"

بعد ازاں حضرت عاصم منجملہ سات رفقاء کے کافروں سے لڑ کر شہید ہو گئے۔

تین صحابہؓ جو مشرکین کے عہد میں اترے

عبداللہ بن طارق اور زید بن دثنہ اور خبیب بن عدیؓ یہ تین آدمی مشرکین کے امن اور امان کے عہد اور پیمان کی بناء پر ٹیلہ سے نیچے اترے مشرکین نے ان کی مشکیں باندھنا شروع کیں۔عبداللہ بن طارقؓ نے کہا یہ پہلا غدر ہے۔ابتداہی بدعہدی سے ہو رہی ہے نہ معلوم آئندہ کیا کرو گے۔اور ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔مشرکین نے کھینچ کر ان کو شہید کر ڈالا۔

حضرت زیدؓ و حضرت خبیبؓ کا فروخت ہونا

حضرت خبیب اور حضرت زید کو لے کر چلے مکہ پہنچ کر دونوں کو فروخت کیا۔

صفوان بن امیہ نے (جس کا باپ امیہ بن خلف بدر میں مارا گیا تھا) حضرت زید کو اپنے باپ کے عوض میں قتل کرنے کے لئے خریدا حضرت خبیب کے ہاتھ سے جنگ بدر میں حارث بن عامر مارا گیا تھا اس لئے حضرت خبیب کو حارث کے بیٹوں نے خریدا۔

حضرت زیدؓ کا عشق رسول اور شہادت

صفوان نے تو اپنے قیدی کے قتل میں تاخیر مناسب نہ سمجھی اور حضرت زید کو اپنے غلام نسطاس کے ساتھ حرم سے باہر تنعیم میں قتل کرنے کے لئے بھیج دیا۔اور قتل کا تماشا دیکھنے کے لئے قریش کی ایک جماعت تنعیم میں جمع ہو گئی جن میں ابو سفیان بن حرب بھی تھا۔

جب حضرت زید کو قتل کے لئے سامنے لایا گیا تو ابوسفیان نے کہا اے زید میں تم کو خدا

کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم اس کو پسند کرو گے کہ تم کو چھوڑ دیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمہارے بدلہ میں قتل کر دیں اور تم اپنے گھر آرام سے رہو۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنجلا کر کہا۔ خدا کی قسم مجھ کو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر میں کوئی کانٹا یا پھانس چبھے اور میں اپنے گھر بیٹھا رہوں۔

ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم میں نے کسی کو کسی کا اس درجہ محب اور مخلص اور دوست اور جان نثار نہیں دیکھا۔ جیسا کہ محمدؐ کے اصحاب محمدؐ کے محب اور جان نثار ہیں۔ بعد ازاں نسطاس نے حضرت زید کو شہید کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

بعد میں چل کر نسطاس مشرف باسلام ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت خبیب کا عجیب واقعہ

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرام مہینے گزرنے تک ان کی قید میں رہے جب لوگوں نے قتل کا ارادہ کیا تو حارث کی بیٹی سے (جو بعد میں چل کر مسلمان ہوئی) نظافت اور صفائی کی غرض سے استرہ مانگا۔ زینب استرہ دے کر اپنے کام میں مشغول ہوگئی۔ زینب کہتی ہیں کہ تھوڑی دیر میں دیکھتی ہوں کہ میرا بچہ ان کے زانوں پر بیٹھا ہوا ہے اور ہاتھ میں ان کے استرہ ہے۔ یہ منظر دیکھ کر میں گھبرا گئی۔ حضرت خبیب نے مجھ کو دیکھ کر یہ فرمایا کیا تجھ کو یہ اندیشہ ہوا کہ میں اس بچہ کو قتل کروں گا ہرگز نہیں۔ انشاء اللہ مجھ سے ایسا کام کبھی نہ ہوگا۔ ہم لوگ غدر نہیں کرتے اور بارہا زینب یہ کہا کرتی تھیں۔

"میں نے کوئی قیدی خبیب سے بہتر نہیں دیکھا البتہ تحقیق میں نے ان کو انگور کے خوشے کھاتے دیکھا حالانکہ اس وقت مکہ میں کہیں پھل کا نام ونشان نہ تھا اور وہ خود لوہے کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے کہیں جا کر لا نہیں سکتے تھے۔ یہ رزق ان کے پاس محض اللہ کی طرف سے آتا تھا۔

شہادت سے پہلے دو نفل

جب قتل کرنے کے لئے حرم سے باہر ان کو تنعیم میں لے گئے تو یہ فرمایا کہ مجھ کو اتنی مہلت دو

کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں۔لوگوں نے اجازت دے دی آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور مشرکین کی طرف مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ میں نے اس خیال سے نماز کو زیادہ طویل نہیں کیا کہ تم کو یہ گمان ہوگا کہ میں موت سے ڈر کر ایسا کر رہا ہوں اور بعد ازاں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی۔

اے اللہ ان کو ایک ایک کر کے مار۔ کسی کو باقی نہ چھوڑ۔

اور یہ شعر پڑھے۔

ولست ابالی حین اقتل مسلما ۔۔۔ علے ای شق کان لله مصرعی ولست

مجھ کو کچھ پرواہ نہیں ہے جبکہ میں مسلمان مارا جاؤں خواہ کسی کروٹ پر مروں جبکہ خالص اللہ کے لئے میرا بچھڑنا ہے۔

وذلک فی ذات الالہ و ان یشأ ۔۔۔ یبارک علی اوصال شلو ممزع

اور یہ محض اللہ کے لئے ہے اگر وہ چاہے تو میرے جسم کے پارہ پارہ کئے ہوئے جوڑوں پر برکت نازل فرما سکتا ہے۔

بعد ازاں حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سولی پر لٹکائے گئے اور شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آئندہ کے لئے یہ سنت قائم فرما گئے کہ جو شخص قتل ہو وہ دو رکعت نماز ادا کرے۔

حضرت عاصمؓ کے سر کی قیمت

غزوۂ احد میں حضرت عاصم نے سلافہ بنت سعید کے دو لڑکوں کو قتل کیا تھا اس لئے سلافہ نے یہ نذر کی تھی کہ عاصم کی کھوپڑی میں ضرور شراب پیوں گی۔اس لئے قبیلہ ہذیل کے کچھ لوگ حضرت عاصم کا سر لینے کے لئے روانہ ہوئے تا کہ سلافۂ کے ہاتھ فروخت کر کے خاطر خواہ قیمت وصول کریں۔

امام طبری فرماتے ہیں کہ سلافہ نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو عاصم کا سر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔

حضرت عاصمؓ کے سر کی قدرتی حفاظت

حضرت عاصم اپنی لاش کی عصمت وحفاظت کی خدا سے پہلے ہی دعا مانگ چکے تھے۔حق

تعالیٰ شانہ نے دشمنوں سے ان کی عصمت وحفاظت کا یہ انتظام فرمایا کہ زنبوروں (بھڑ) کا ایک لشکر بھیج دیا جس نے ہر طرف سے ان کی لاش کو گھیر لیا۔ کوئی کافر ان کے قریب بھی نہ آ سکا۔ اس وقت یہ کہہ کر علیحدہ ہو گئے کہ جب شام کے وقت یہ زنبوریں دفع ہو جائیں گی اس وقت سر کاٹ لیں گے۔ مگر جب رات ہوئی تو ایک سیلاب آیا جو ان کی لاش کو بہا لے گیا۔ اور یہ سب خائب وخاسر واپس ہوئے۔

چالیس دن بعد بھی حضرت خبیب کی نعش تازہ تھی

کفار مکہ نے حضرت خبیبؓ کی نعش کو سولی پر لٹکا ہوا چھوڑ دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر اور مقدادؓ کو ان کی نعش اتار لانے کے لئے مدینہ سے مکہ روانہ فرمایا۔ جب یہ دونوں رات میں تنعیم پہنچے تو دیکھا کہ چالیس آدمی نعش کا پہرہ دینے کے لئے سولی کے ارد گرد پڑے ہوئے ہیں۔ حضرت زبیر اور مقداد نے ان لوگوں کو غافل پا کر نعش کو سولی سے اتار کر گھوڑے پر رکھا لاش اسی طرح تر وتازہ تھی کسی قسم کا اس میں کوئی تغیر نہ آیا تھا۔ حالانکہ سولی دیئے چالیس دن ہو چکے تھے۔

نعش کی حفاظت کا قدرتی انتظام

ایک روایت میں ہے کہ کفار جب حضرت خبیب کو قتل کر چکے تو ان کا چہرہ قبلہ رخ تھا اس کو قبلہ سے پھیر دیا۔ چہرہ پھر قبلہ رخ ہو گیا بار ہا ایسا ہی کیا بالآخر عاجز ہو کر چھوڑ دیا۔

مشرکین کی جب آنکھ کھلی اور دیکھا کہ لاش گم ہے تو ہر طرف تلاش میں دوڑے بالآخر حضرت زبیر اور مقدادؓ کو جا پکڑا۔ حضرت زبیر نے لاش کو اتار کر زمین پر رکھا فوراً زمین شق ہوئی اور لاش کو نگل گئی اسی وجہ سے حضرت خبیب بلیع الارض کے نام سے مشہور ہیں۔

قصۂ بیر معونہ

ستر صحابہ کی ابو براء کی ضمانت میں نجد روانگی

اسی ماہ صفر میں دوسرا واقعہ پیش آیا کہ عامر بن مالک ابو براء آپ کی خدمت میں حاضر

ہوا۔اور ہدیہ پیش کیا لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا۔اور ابو براء کو اسلام کی دعوت دی لیکن ابو براء نے نہ تو اسلام قبول کیا اور نہ رد کیا بلکہ یہ کہا کہ اگر آپ اپنے چند اصحاب اہل نجد کی طرف دعوت اسلام کی غرض سے روانہ فرمائیں تو میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس دعوت کو قبول کریں گے۔آپ نے فرمایا مجھ کو اہل نجد سے اندیشہ اور خطرہ ہے۔ابو براء نے کہا میں ضامن ہوں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر صحابہ کو جو قراء کہلاتے تھے اس کے ہمراہ روانہ کردیئے۔حضرت منذر بن عمرو ساعدیؓ ان کا امیر مقرر فرمایا۔

یہ نہایت مقدس اور پاکباز جماعت تھی دن کو لکڑیاں چنتے اور شام کو فروخت کر کے اصحاب صفہ کے لئے کھانا لاتے اور شب کا کچھ حصہ درس قرآن میں اور کچھ حصہ قیام لیل اور تہجد میں گزارتے۔

حضرت حرام بن ملحانؓ کی شہادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط عامر بن طفیل کے نام (جو قوم بنی عامر کا رئیس اور ابو براء کا بھتیجا تھا) لکھوا کر حضرت انس کے ماموں حرام بن ملحان کے سپرد فرمایا۔

جب یہ لوگ بیر معونہ پر پہنچے تو حرام بن ملحانؓ کو آپ کا والا نامہ دے کر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔عامر بن طفیل نے یہ خط دیکھنے سے پہلے ہی ایک شخص کو ان کے قتل کا اشارہ کیا۔اس نے پیچھے سے ایک نیزہ مارا جو پار ہوگیا۔حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے اس وقت یہ الفاظ نکلے۔

الله اکبر فزت و رب الکعبة

اللہ اکبر قسم ہے کعبہ کے پروردگار کی میں کامیاب ہوگیا۔

تمام صحابہؓ کی شہادت

اور بنی عامر کو بقیہ صحابہ کے قتل پر ابھارا لیکن عامر کے چچا ابو براء کے پناہ دے دینے کی وجہ سے بنی عامر نے امداد دینے سے انکار کردیا۔

عامر بن طفیل جب ان سے ناامید ہوا تو بنی سلیم سے امداد چاہی عصیہ اور رعل اور ذکوان

یہ قبائل اس کی امداد کے لئے تیار ہو گئے اور سب نے مل کر تمام صحابہ کو بلا قصور شہید کر ڈالا۔

بقیہ بچنے والے تین صحابہ

صرف کعب بن زید انصاری بچے ان میں حیات کی کچھ رمق باقی تھی اس لئے ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ بعد میں ہوش میں آ گئے اور مدت تک زندہ رہے اور غزوۂ خندق میں شہید ہوئے۔ ان کے علاوہ دو شخص اور بھی بچ گئے ایک کا نام منذر بن محمد اور دوسرے کا نام عمرو بن امیہ ضمری تھا۔ یہ دونوں مویشی چرانے جنگل گئے ہوئے تھے۔ یکا یک آسمان کی طرف پرندے اڑتے نظر آئے یہ دیکھ کر گھبرا گئے اور کہا کوئی بات ضرور ہے جب قریب پہنچے تو دیکھا کہ تمام رفقاء خون میں نہائے ہوئے بستر شہادت پر سو رہے ہیں۔ دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کیا کریں عمرو بن امیہ نے کہا مدینہ چلیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر اس کی خبر دیں۔ منذر رضی اللہ عنہ نے کہا خبر تو ہوتی رہے گی، شہادت کیوں چھوڑوں الغرض دونوں آگے بڑھے۔ حضرت منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو لڑ کر شہید ہوئے اور عمرو بن امیہ کو انہوں نے گرفتار کر لیا۔ اور عامر بن طفیل کے پاس لے گئے عامر نے ان کے سر کے بال کاٹے اور یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی لہذا میں اس نذر میں تم کو آزاد کرتا ہوں۔

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ

اسی معرکہ میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور ان کا جنازہ آسمان پر اٹھایا گیا۔ چنانچہ عامر بن طفیل نے لوگوں سے دریافت کیا۔

مسلمانوں میں سے وہ کون مرد ہے کہ قتل ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ آسمان اور زمین کے مابین اٹھایا گیا۔ یہاں تک کہ آسمان نیچے رہ گیا۔ لوگوں نے کہا وہ عامر بن فہیرہ تھے۔

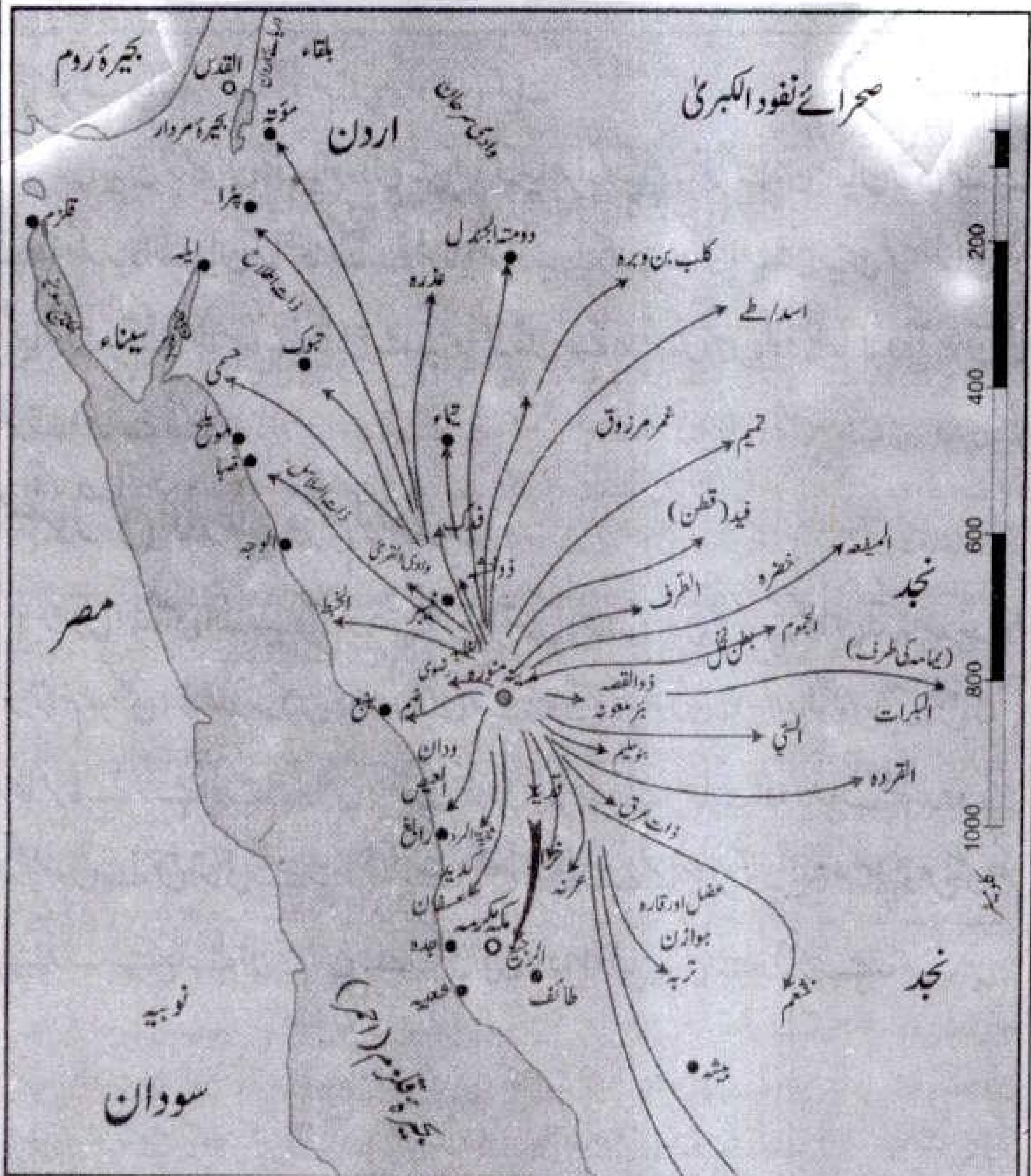
جبار بن سلمٰی جو عامر بن فہیرہ کے قاتل ہیں وہ خود راوی ہیں کہ جب میں نے عامر بن فہیرہ کے نیزہ مارا تو اس وقت ان کی زبان سے یہ لفظ نکلا۔

فزت واللہ خدا کی قسم میں مراد کو پہنچ گیا۔

میں یہ سن کر حیران ہوگیا اور دل میں کہا کہ کیا مراد کو پہنچے۔ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ سے آ کر یہ واقعہ بیان کیا ضحاک ؓ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ جنت کو پالیا میں یہ سن کر مسلمان ہو گیا اور میرے اسلام لانے کا باعث یہ ہوا کہ میں نے عامر بن فہیرہ کو دیکھا کہ وہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر کبھی اتنا صدمہ نہیں ہوا اور ایک مہینہ تک صبح کی قنوت میں ان لوگوں کے حق میں بدعا فرماتے رہے اور صحابہ کو اس واقعہ کی خبر دی کہ تمہارے اصحاب اور احباب شہید ہو گئے اور انہوں نے حق تعالیٰ سے یہ درخواست کی تھی کہ ہمارے بھائیوں کو یہ پیغام پہنچادیں کہ ہم اپنے رب سے جا ملے اور ہم اس سے راضی ہیں اور ہمارا رب ہم سے راضی ہے۔



سریۂ رجیع

(سریۂ مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ)

قبائل عضل وقارہ کی غداری

صفر 4ھ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

بِعَدَدِ کُلِّ دَاءٍ وَّدَوَاءٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

ہر درد اور بیماری دور ہونے کے لئے اول و آخر مذکورہ درود شریف پڑھیں
اور درمیان میں مع بسم اللہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کریں۔ (ذریعۃ الوصول)

غزوۂ بنی نضیر

(ربیع الاول ۴ھ)

حضرت عمرو بن امیہ کا دو مشرکوں کو قتل کرنا

حضرت عمرو بن امیہ ضمری جب بیر معمونہ سے مدینہ واپس آرہے تھے تو راستہ میں بنی عامر کے دو مشرک ساتھ ہوئے مقام قناۃ میں پہنچ کر ایک باغ میں ٹھہرے جب یہ دونوں شخص سو گئے تو عمرو بن امیہ نے یہ سمجھ کر کہ اس قبیلہ کے سردار عامر بن طفیل نے ستر مسلمان شہید کئے ہیں سب کا انتقام تو فی الحال دشوار ہے بعض ہی کا انتقام اور بدلہ لے لوں اس نے ان دونوں کو قتل کر ڈالا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں سے عہد اور پیمان تھا مگر عمرو بن امیہ کو اس کی خبر نہ تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتولوں کا خونبہا بھجوانا

مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا ان سے تو۔ ہمارا عہد اور پیمان تھا ان کی دیت اور خونبہا دینا ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے ان دونوں شخصوں کی دیت روانہ فرمائی۔

یہودیوں کا بھیانک منصوبہ

بنی نضیر بھی چونکہ بنی عامر کے حلیف تھے اس لئے از روئے معاہدہ دیت کا کچھ حصہ بنی نضیر کے ذمہ بھی واجب الادا تھا اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دیت میں اعانت اور امداد لینے کی غرض سے بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمان اور زبیر اور طلحہ اور عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ وغیرہم رضی اللہ عنہم آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ جا کر ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے۔

بنو نضیر نے بظاہر نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا اور خونبہا میں شرکت اور اعانت کا وعدہ کیا لیکن اندرونی طور پر یہ مشورہ کیا کہ ایک شخص چھت پر چڑھ کر اوپر سے ایک بھاری

پتھر گرا دے تا کہ نصیب دشمناں آپ دب کر مر جائیں اسلام بن مشکم نے کہا:۔
ایسا ہرگز نہ کرو خدا کی قسم اس کا رب اس کو خبر کر دے گا۔ نیز یہ بدعہدی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی خبر ہو جانا

چنانچہ کچھ دیر نہ گزری کہ جبریل امین وحی لے کر نازل ہوئے اور آپ کو ان کے مشورہ سے مطلع کر دیا۔ آپ فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر مدینہ تشریف لے آئے اور آپ وہاں سے اس طرح اٹھے جیسا کہ کوئی ضرورت کے لئے اٹھتا ہو اور صحابہ وہیں بیٹھے رہے۔ یہود کو جب آپ کے چلے جانے کا علم ہوا تو بہت نادم ہوئے' کنانۃ بن حویراء یہودی نے کہا تم کو معلوم نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں اٹھ کر چلے گئے۔ خدا کی قسم ان کو تمہاری غداری کا علم ہو گیا بخدا وہ اللہ کے رسول ہیں۔

بنو نضیر کا محاصرہ

جب آپ کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو صحابہ آپ کی تلاش میں مدینہ آئے' آپ نے یہود کی غداری سے مطلع فرمایا اور بنو نضیر پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن ام مکتوم کو مدینہ کا عامل مقرر فرما کر بنو نضیر کی طرف روانہ ہوئے اور جا کر ان کا محاصرہ کیا۔

بنو نضیر نے اپنے قلعوں میں گھس کر دروازے بند کر لئے کچھ تو ان کو اپنے مضبوط اور مستحکم قلعوں پر گھمنڈ تھا اور پھر عبداللہ بن ابی اور منافقین کے اس پیام نے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اس نے اور مغرور بنا دیا لیکن ان کی طرف سے مسلمانوں کے مقابلہ میں آنے کی کسی کی ہمت نہ ہوئی۔

بنی نضیر کا ایک اور منصوبہ

اس کے علاوہ بنو نضیر نے ایک اور غداری اور عیاری کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ تین آدمی اپنے ہمراہ لائیں' ہمارے تین عالم آپ سے گفتگو کریں گے اگر وہ ایمان لے آئے تو ہم بھی ایمان لے آئیں گے اور اندرونی طور پر ان تین عالموں کو یہ ہدایت کر دی کہ ملاقات کے وقت اپنے کپڑوں میں ہتھیار چھپا کر لے جائیں تا کہ موقع پا کر آپ کو قتل کر دیں' مگر آپ کو ایک ذریعہ سے ان کی اس چالاکی اور عیاری کا ملاقات سے پہلے ہی علم ہو گیا۔ غرضیکہ بنو نضیر کی متعدد غداریوں اور عیاریوں کی وجہ سے آپ نے ان پر

حملہ کا حکم دیا اور پندرہ روز تک ان کو محاصرہ میں رکھا اور ان کے باغوں اور درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا۔ بالآخر خائب و خاسر ہو کر امن کے خواستگار ہوئے۔

جلاوطنی

آپ نے فرمایا دس دن کی مہلت ہے مدینہ خالی کر دو اہل و عیال بچوں اور عورتوں کو جہاں چاہو لے جاؤ سامان جنگ کے علاوہ جس قدر سامان اونٹوں اور سواریوں پر لے جا سکتے ہو اس کی اجازت ہے۔

یہودیوں نے مال کی حرص اور طمع میں مکانوں کے دروازے اور چوکھٹ تک اکھاڑ لئے اور جہاں تک بن پڑا اونٹوں پر لاد کر لے گئے اور مدینہ سے جلاوطن ہوئے' اکثر تو ان میں سے خیبر میں جا کر ٹھہرے اور بعض شام چلے گئے اور ان کے سردار حیی بن اخطب اور کنانہ بن الربیع اور سلام بن ابی الحقیق بھی انہی لوگوں میں تھے جو خیبر میں جا کر ٹھہرے۔

مال غنیمت کی تقسیم......انصار کا جذبۂ ایثار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مال واسباب کو مہاجرین پر تقسیم فرمایا تا کہ انصار سے ان کا بوجھ ہلکا ہو۔ اگرچہ انصار اپنے اخلاص و ایثار کی بناء پر اس بار کو بار نہیں بلکہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی بہار سمجھتے ہوں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جمع فرما کر خطبہ دیا حمد و ثناء کے بعد انصار نے مہاجرین کے ساتھ جو کچھ سلوک اور احسان کیا تھا اس کو سراہا اور بعد ازاں یہ ارشاد فرمایا اے گروہ انصار اگر چاہو تو میں بنی نضیر کے اموال کو تم میں اور مہاجرین میں برابر تقسیم کر دوں اور حسب سابق مہاجرین تمہارے شریک حال رہیں اور اگر چاہو تو فقط مہاجرین پر تقسیم کر دوں اور وہ تمہارے گھر خالی کر دیں۔

سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ سرداران انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نہایت طیب خاطر سے اس پر راضی ہیں کہ مال آپ فقط مہاجرین میں تقسیم فرما دیں اور حسب سابق مہاجرین ہمارے ہی گھروں میں رہیں اور کھانے اور پینے میں ہمارے شریک رہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ مال تو آپ فقط مہاجرین پر

تقسیم فرمادیں باقی ہمارے اموال اور املاک میں سے بھی جس قدر چاہیں مہاجرین پر تقسیم فرمائیں ہم نہایت خوشی سے اس پر راضی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جواب سن کر مسرور ہوئے اور یہ دعا دی۔

اے اللہ انصار پر اور انصار کی اولاد پر اپنی خاص مہربانی فرما۔

آپ نے تمام مال مہاجرین پر تقسیم فرمادیا' انصار میں سے صرف ابودجانہ اور سہل بن حنیف کو بوجہ تنگدستی اس میں سے حصہ عطا فرمایا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انصار کو خراج تحسین

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا:

''اے گروہ انصار اللہ تم کو جزائے خیر دے خدا کی قسم ہماری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کہ غنوی شاعر نے کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ جعفر کو جزا دے کہ جب ہمارا قدم پھسلا اور اس کو لغزش ہوئی۔

تو ہماری اعانت اور خبر گیری سے اکتائے نہیں۔ بالفرض اگر ہماری ماں کو یہ صورت پیش آتی تو شاید وہ بھی اکتا جاتی۔

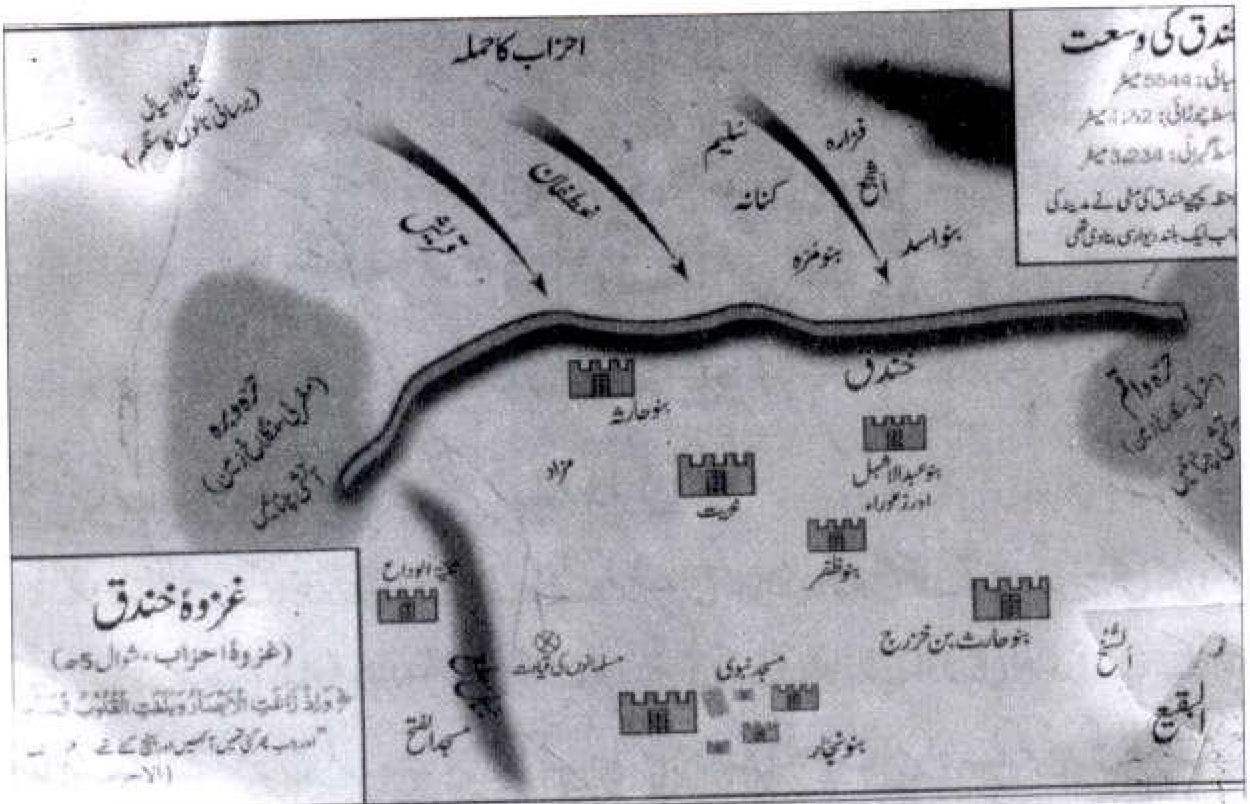
دو شخص جو مسلمان ہوئے

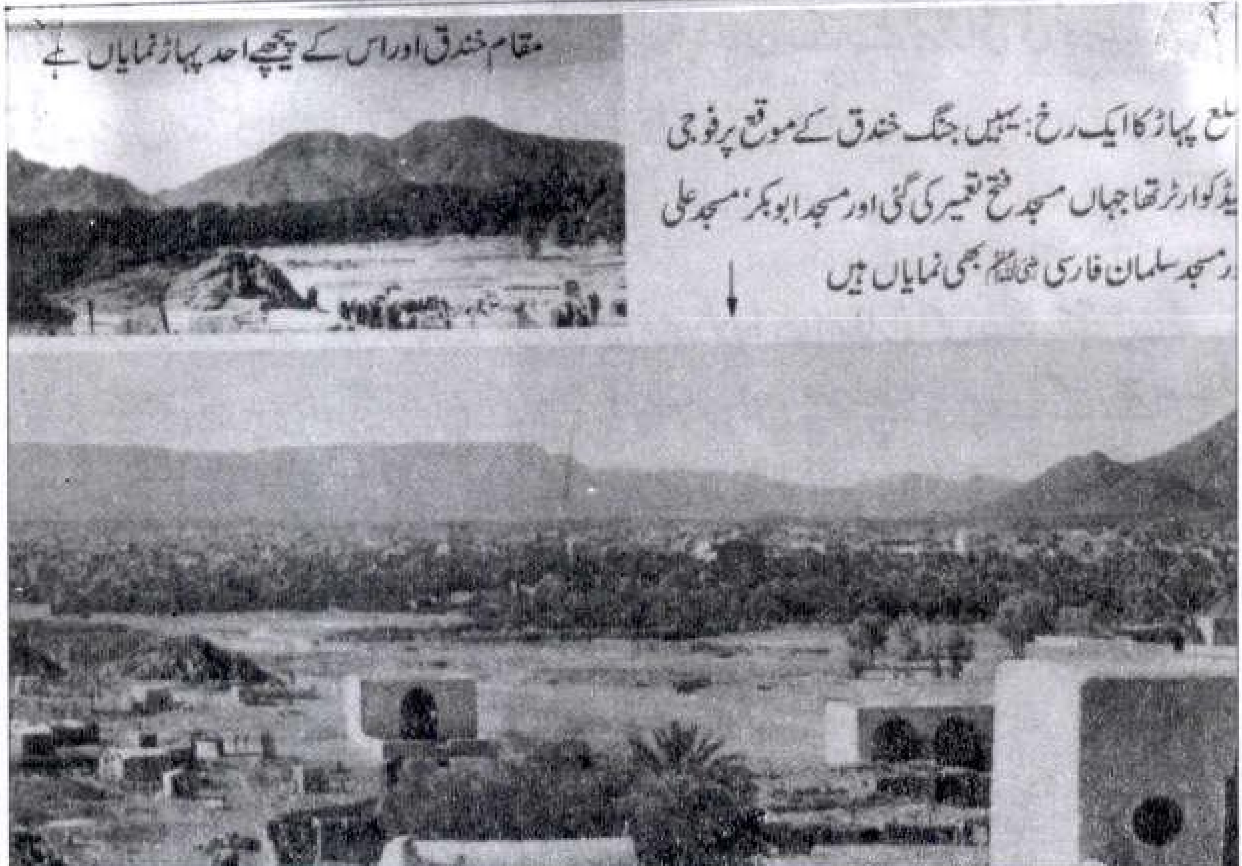
اس غزوہ میں بنو نضیر میں سے صرف دو شخص مسلمان ہوئے یامین بن عمیر اور ابوسعید بن رہب رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے مال واسباب سے کچھ تعارض نہیں کیا گیا اپنی املاک پر قابض رہے۔

مال فئ کے احکام اور شراب کی حرمت

سورۂ حشر اسی غزوہ میں نازل ہوئی جس کو عبداللہ بن عباس سورۂ بنی نضیر کہا کرتے تھے اس سورت میں حق تعالیٰ نے مال فئ کے احکام اور مصارف بیان فرمائے۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ تحریم خمر کا حکم اسی غزوہ میں نازل ہوا۔





مقام خندق اور اس کے پیچھے احد پہاڑ نمایاں ہے

سلع پہاڑ کا ایک رخ: یہیں جنگ خندق کے موقع پر فوجی ہیڈ کوارٹر تھا جہاں مسجد فتح تعمیر کی گئی اور مسجد ابوبکر، مسجد علی اور مسجد سلمان فارسی رضی اللہ عنہم بھی نمایاں ہیں

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

ظہر کی نماز کے بعد یہ درود شریف سو مرتبہ پڑھنے والے کو تین باتیں حاصل ہوں گی۔
۱۔ کبھی مقروض نہ ہوگا۔ ۲۔ اگر قرض ہوگا تو وہ ادا ہو جائے گا خواہ جتنا بھی قرض ہو۔
۳۔ قیامت کے دن اس کا کوئی حساب نہ ہوگا۔ (ذریعۃ الوصول)

غزوۂ ذات الرِّقاع

(جمادی الاول ۴ھ)

بنی محارب و بنی ثعلبہ کی طرف روانگی

غزوۂ بنونضیر کے بعد ربیع الاول سے لے کر شروع جمادی الاولیٰ تک آپ مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ شروع جمادی الاولی میں آپ کو یہ خبر ملی کہ بنی محارب اور بنی ثعلبہ آپ کے مقابلہ کے لئے لشکر جمع کر رہے ہیں۔ آپ چار سو صحابہ کی جمعیت ہمراہ لے کر نجد کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ نجد پہنچے تو کچھ لوگ قبیلہ غطفان کے ملے مگر لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صلاۃ الخوف پڑھائی۔

ذات الرقاع کیوں کہتے ہیں

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ اس غزوہ کو ذات الرقاع اس لئے کہتے ہیں کہ رقاع کے معنی چندیوں اور چیتھڑوں کے ہیں۔ اس غزوہ میں چلتے چلتے پیر پھٹ گئے تھے اس لئے ہم نے پیروں کو کپڑے لپیٹ لئے تھے اس لئے اس غزوہ کو ذات الرقاع کہنے لگے یعنی چیتھڑوں والا غزوہ (بخاری شریف)

ابن سعد کہتے ہیں کہ ذات الرقاع ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں آپ نے اس غزوہ میں نزول فرمایا تھا اس میں سیاہ اور سفید اور سرخ نشانات تھے۔

غورث بن حارث کا عجیب واقعہ

واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سایہ دار درخت کے نیچے قیلولہ فرمایا اور تلوار درخت سے لٹکا دی ایک مشرک آیا اور تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور آپ سے دریافت کیا کہ بتلاؤ اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا آپ نے نہایت اطمینان سے یہ فرمایا۔ اللہ

یہ بخاری کی روایت ہے ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جبرئیل امین نے اس کے سینہ پر

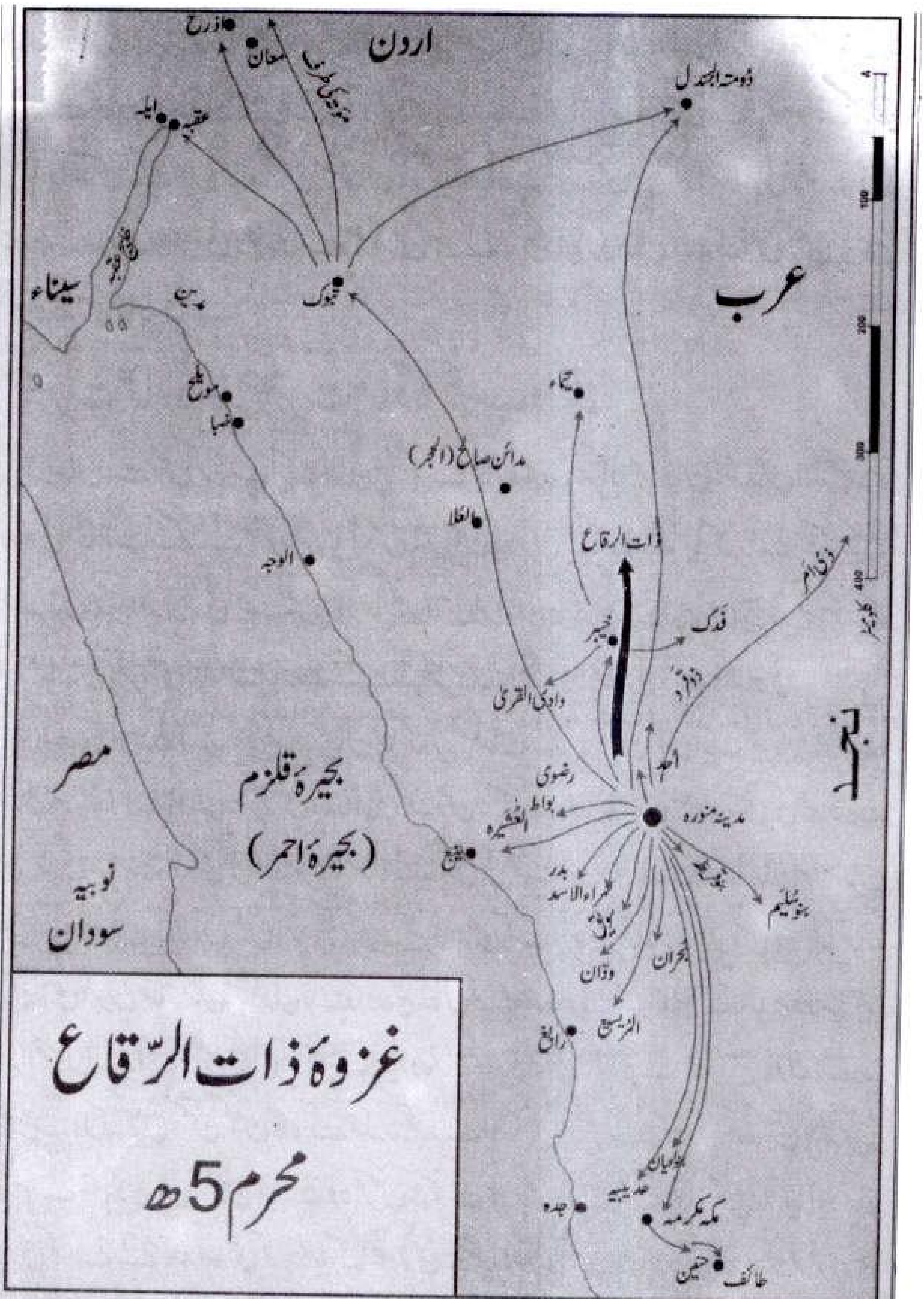
ایک گھونسہ رسید کیا۔ فوراً تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور آپ نے اٹھالی اور فرمایا بتلا میرے ہاتھ سے تجھ کو کون بچائے گا اس نے کہا کوئی نہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا جاؤ میں نے تم کو معاف کیا۔

واقدی کہتے ہیں کہ یہ شخص مسلمان ہو گیا اور اپنے قبیلہ میں پہنچ کر اسلام کی دعوت دی بہت سے لوگ اس کی دعوت سے مسلمان ہوئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اس شخص کا نام غورث بن حارث تھا۔

حضرت عمارہؓ اور حضرت عبادؓ کا عجیب واقعہ

یہاں سے چل کر آپ ایک گھاٹی پر ٹھہرے عمارہ بن یاسر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما کو درہ کی حفاظت کے لئے مقرر فرمایا آپس میں ان دونوں نے یہ طے کیا کہ رات کے پہلے حصہ میں عباد اور آخری حصہ میں عمار جاگیں اس قرارداد کے مطابق عمار بن یاسرؓ تو سو گئے اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ عبادت کے لئے کھڑے ہو گئے اور نماز کی نیت باندھ لی۔

ایک کافر نے آپ کو دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ مسلمان کے پاسبان ہیں ایک تیر مارا جو ٹھیک نشانہ پر پہنچا مگر عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے رگ وریشہ میں معبود حقیقی کی عبودیت اور بندگی سرایت کر چکی تھی اور سرتاپا مولائے حقیقی کی محبت میں سرشار تھے اور ایمان واحسان کی حلاوت ان کے دل میں اتر چکی تھی۔ تیر وسنان کب ان کی عبادت میں مخل ہو سکتا تھا۔ برابر اسی طرح نماز میں مشغول رہے اور تیر نکال کر پھینک دیا۔ اس کافر نے ایک دوسرا تیر مارا انہوں نے اس کو بھی نکال کر پھینک دیا اور نماز جاری رکھی۔ اس نے تیسرا تیر مارا۔ اب یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں دشمن کمین گاہ سے حملہ نہ کر دے اور جس غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہاں متعین کیا ہے وہ غرض نہ فوت ہو جائے اس لئے نماز کو پورا کیا اور نماز پوری کرنے کے بعد ساتھی کو جگایا کہ اٹھو زخمی ہو گیا ہوں دشمن ان کو جگاتے دیکھ کر فرار ہو گیا۔ عمار بن یاسرؓ بیدار ہوئے اور دیکھا کہ جسم سے خون جاری ہے۔ کہا سبحان اللہ تم نے مجھ کو پہلے ہی تیر میں کیوں نہ جگایا' کہا میں ایک سورت پڑھ رہا تھا' اس کو قطع کرنا اچھا نہ معلوم ہوا۔ جب پے در پے تیر لگے تب میں نے نماز پوری کی اور تم کو جگایا۔ خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا خیال نہ ہوتا تو نماز ختم ہونے سے پہلے میری جان ختم ہو جاتی۔



اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ
عبدک وعلیٰ اٰلِ محمّدٍ وبارک وسلّم

جو شخص روزانہ اس درود شریف کی پابندی کرے وہ جنت کے
خاص پھل اور میوے کھائے گا۔ (ذریعۃ الوصول)

غزوۂ بدر موعد

(شعبان ۴ھ)

مقام بدر میں قریشیوں کا انتظار

غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی کے بعد آخر رجب تک آپ مدینہ ہی میں مقیم رہے احد سے واپسی کے وقت چونکہ ابوسفیان سے وعدہ ہو چکا تھا کہ آئندہ سال بدر میں لڑائی ہوگی اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سو صحابہ کو اپنے ہمراہ لے کر ماہ شعبان میں بدر کی طرف روانہ ہوئے بدر پہنچ کر آٹھ روز تک ابوسفیان کا انتظار فرمایا۔

ابوسفیان کا راستہ سے واپس ہو جانا

ابوسفیان بھی اہل مکہ کو لے کر مرّ الظہر ان تک پہنچا لیکن مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور یہ کہہ کر واپس ہوا کہ یہ سال قحط اور گرانی کا ہے۔ جنگ وجدال کا نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ روز کے انتظار کے بعد جب مقابلہ سے ناامید ہوئے تو بلا جدال وقتال مدینہ واپس ہوئے۔

ابوسفیان کا پروپیگنڈہ

ابوسفیان اگرچہ احد سے واپسی کے وقت یہ کہہ گیا تھا کہ آئندہ سال پھر بدر پر لڑائی ہو

گی مگر اندر سے ابوسفیان کا دل مرعوب تھا۔ دل سے یہ چاہتا تھا کہ حضور پرنور بھی بدر پر نہ آئیں تاکہ مجھے ندامت اور شرمندگی نہ ہو۔ اور الزام مسلمانوں پر رہے۔ نعیم بن مسعود نامی ایک شخص مدینہ جارہا تھا اس کو مال دینا منظور کیا کہ مدینہ پہنچ کر مسلمانوں میں یہ مشہور کرے کہ اہل مکہ نے مسلمانوں کے استیصال کے لئے بڑی بھاری جمعیت اکٹھی کی ہے لہذا تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ قریش کے مقابلہ کے لئے نہ نکلو۔ ابوسفیان کا مقصد یہ تھا کہ جب اس قسم کی خبریں مشہور ہوں گی تو مسلمان خوف زدہ ہوجائیں گے اور جنگ کے لئے نہیں نکلیں گے۔ (جس کو آج کل کی اصطلاح میں پروپیگنڈہ کہتے ہیں)

مسلمانوں کا جواب

سنتے ہی مسلمانوں کے جوش ایمانی میں اور اضافہ ہوگیا۔ اور حسبنا الله ونعم الوکیل پڑھتے ہوئے بدر کی طرف روانہ ہوگئے اور حسب وعدہ بدر پہنچے۔ وہاں ایک بڑا بازار لگتا تھا تین روز رہ کر تجارت کی اور خوب نفع اٹھایا اور خیر و برکت کے ساتھ مدینہ واپس ہوئے اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

الذین استجابوا لله والرسول من بعد مآاصابهم القرح للذین احسنوا منهم واتقوا اجر عظیم الذین قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ایماناً وقالوا حسبنا الله و نعم الوكیل فانقلبوا بنعمة من الله و فضل لم یمسسهم سوٓء واتبعوا رضوان الله والله ذوفضل عظیم انما ذٰلكم الشیطٰن یخوف اولیآء ہ فلاتخافوهم و خافون ان كنتم مؤمنین.

مسلمانوں کے لئے تعلیم

اس آیت میں جھوٹی خبریں مشہور کرنے والے کو حق تعالیٰ نے شیطان فرمایا ہے۔ قال تعالیٰ انما ذٰلكم الشیطٰن یخوف اولیآء ہ اور حق تعالیٰ نے پروپیگنڈہ کا علاج اور جواب یہ بتلادیا ہے کہ تم اپنی قدرت کے مطابق جہاد و قتال کی تیاری کرو اور حسبنا الله و

نعم الوکیل پڑھو یعنی بھروسہ اللہ پر رکھو۔معاذ اللہ یہ نہ کرنا کہ شیطان کی طرح تم بھی اپنے دشمنوں کے متعلق جھوٹی خبریں اڑانے لگو۔جھوٹ کا جواب سچائی سے دو۔معاذ اللہ اگر تم نے بھی جھوٹ کے جواب میں جھوٹ بولا تو پھر فائدہ ہی کیا ہوا اسلام اپنے دشمنوں کے متعلق بھی جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دیتا۔

۴ھ کے دیگر واقعات

(۱)اسی سال ماہ شعبان کے مہینہ میں امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

(۲)اسی سال ماہ جمادی الاولیٰ کے مہینہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ کا چھ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

(۳)اسی سال ماہ شوال کے مہینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔

(۴)اسی سال رمضان المبارک میں حضرت زینب بنت خزیمہ ام المساکین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا۔

(۵)اور اسی سال زید بن ثابت ؓ کو حکم دیا کہ یہود کی زبان میں لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیں مجھ کو ان کے پڑھنے پر اطمینان نہیں۔

(۶)مشہور قول کی بناء پر حجاب یعنی پردہ کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا۔بعض کہتے ہیں کہ ۳ھ اور اور بعض کہتے ہیں ۵ھ میں۔

۵ھ میں پیش آنیوالے واقعات

غزوۂ دومۃ الجندل

(ربیع الاول ۵ھ)

ماہ ربیع الاول میں آپ کو یہ خبر ملی کہ دومۃ الجندل کے لوگ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے ایک ہزار صحابہ کی جمعیت کو ہمراہ لے کر ۲۵ ربیع الاول ۵ھ کو دومۃ الجندل کی طرف خروج فرمایا وہ لوگ خبر سنتے ہی منتشر ہو گئے۔ لہٰذا آپ بلا جدال وقتال واپس ہوئے اور بیس ربیع الثانی کو مدینہ میں داخل ہوئے۔

دومۃ الجندل ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ سے پندرہ دن کے راستہ پر ہے۔ دومۃ الجندل سے دمشق تک پانچ دن کا راستہ ہے۔

غزوۂ مریسیع یا بنی المصطلق

(۲ شعبان بروز سوموار ۵ھ)

بنی مصطلق کی تیاری کی خبر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ حارث بن ابی ضرار سردار بنی المصطلق نے بہت سی فوج جمع کی ہے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری میں ہے۔ آپ نے بریدہ بن حصیب اسلمیؓ کو خبر لینے کے لئے روانہ فرمایا۔ بریدہؓ نے آ کر بیان کیا کہ خبر صحیح ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی

آپ نے صحابہ کو خروج کا حکم دیا۔ صحابہ فوراً تیار ہو گئے تیس گھوڑے ہمراہ لئے جس میں سے دس مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے اس مرتبہ مال غنیمت کی طمع میں منافقین کا بھی ایک کثیر

گروہ ہمراہ ہولیا جو اس سے پہلے کبھی کسی غزوہ میں شریک نہ ہوا تھا۔ مدینہ میں زید بن حارثہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور ازواج مطہرات میں سے ام المومنین عائشہ صدیقہ اور ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ساتھ لیا اور ۲ شعبان بروز پیر کو مریسیع کی طرف خروج فرمایا۔

اچانک حملہ اور فتح

مسلمانوں نے تیز رفتاری کے ساتھ چل کر ناگہاں اور اچانک ان پر حملہ کر دیا۔ اس وقت وہ لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ حملہ کی تاب نہ لا سکے دس آدمی ان کے قتل ہوئے باقی مرد عورت بچے اور بوڑھے سب گرفتار کر لئے گئے۔ مال اسباب جمع کر لیا گیا۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں اور دو سو گھرانے قید ہوئے۔

سردار کی بیٹی

انہیں قیدیوں میں سردار بنی المصطلق حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ تھیں۔ مال غنیمت میں جب غانمین پر تقسیم ہوا تو جویریہ، ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ ثابت بن قیسؓ نے ان کو مکاتبہ بنا دیا یعنی اگر اتنی مقدار رقم ادا کر دیں تو آزاد ہو جائیں۔

حضرت جویریہؓ کا حضور کے حرم میں آنا

حضرت جویریہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ میں جویریہ سردار بنی المصطلق حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں۔ میری اسیری کا حال آپ پر مخفی نہیں۔ تقسیم میں ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی ہوں۔ انہوں نے مجھ کو مکاتبہ بنا دیا ہے۔ بدل کتابت میں آپ سے اعانت اور امداد کے لئے حاضر ہوں۔

آپ نے ارشاد فرمایا میں تم کو اس سے بہتر چیز بتلاتا ہوں اگر تم پسند کرو، وہ یہ کہ تمہاری طرف سے کتابت کی واجب الادا رقم میں ادا کروں اور آزاد کر کے تم کو اپنی زوجیت میں لے لوں۔ حضرت جویریہؓ نے فرمایا میں اس پر راضی ہوں (رواہ ابوداؤد فی کتاب العتاق)

حضرت جویریہؓ کی خواہش تو پہلے ہی سے تھی کہ وہ آزاد ہو جائیں، اتفاق سے ان کے باپ حارث بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں قبیلۂ بنی المصطلق کا

سردار ہوں۔ میر بیٹی کنیز بن کر نہیں رہ سکتی۔ آپ اس کو آزاد فرمادیں۔ آپ نے فرمایا کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں اس معاملہ کو خود جویریہ ہی کی مرضی اور اختیار پر چھوڑ دوں' حارث نے جا کر جویریہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیری مرضی پر چھوڑ دیا ہے جویریہؓ نے کہا میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہؓ کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔

سردار کا مسلمان ہونا

عبداللہ بن زیاد سے مروی ہے کہ حضرت جویریہ کے والد حارث بن ابی ضرار بہت سے اونٹ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے تا کہ فدیہ دے کر اپنی بیٹی کو چھڑا لائیں۔ ان میں سے دو اونٹ جو نہایت عمدہ پسندیدہ تھے اور ان کو ایک گھاٹی میں چھپا دیا کہ واپسی میں ان کو لے لوں گا۔ مدینہ پہنچ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ اونٹ آپ کے سامنے پیش کئے اور کہا اے محمد تم نے میری بیٹی کو گرفتار کیا ہے۔ اس کا فدیہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ اونٹ کہاں ہیں جو تم فلاں گھاٹی میں چھپا آئے ہو۔ حارث نے کہا اشھد انک رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کے سوا کسی کو اس کا علم نہ تھا اللہ ہی نے آپ کو اس سے مطلع کیا ہے۔

تمام قیدیوں کی آزادی

صحابہ کو جب یہ معلوم ہوا تو بنی المصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامادی رشتہ دار ہیں۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جویریہ سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے حق میں بابرکت نہیں دیکھا کہ جس کی وجہ سے ایک دن میں سو گھرانے آزاد ہوئے ہوں۔

منافقوں کی فتنہ انگیزی

اس سفر میں چونکہ منافقین کا ایک گروہ شریک تھا۔ ہر موقع پر اپنی فتنہ پردازی اور شرانگیزی کو ظاہر کرتے تھے۔ چنانچہ ایک پانی کے چشمہ پر ایک مہاجری اور ایک انصاری

میں جھگڑا ہو گیا مہاجر نے انصاری کے ایک لات ماری۔ مہاجری نے یاللمہاجرین کہہ کر مہاجرین کو انصاری نے یاللانصار کہہ کر انصار کو اپنی اپنی مدد کے لئے آواز دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آوازیں سنیں تو ارشاد فرمایا کہ یہ جاہلیت کی سی آوازیں کیسی لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک مہاجری نے ایک انصاری کے لات ماردی آپ نے فرمایا:

ان باتوں کو چھوڑ و یقیناً یہ باتیں گندی اور بدبودار ہیں۔

منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کو بولنے کا موقع مل گیا اور کہا کیا یہ لوگ (یعنی مہاجرین) ہم پر حاکم ہو گئے ہیں۔ خدا کی قسم مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خبر پہنچی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان منافق کی گردن مارنے کی مجھ کو اجازت دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا رہنے دو (لوگ حقیقت حال کو تو سمجھیں گے نہیں) یہ گمان کریں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عبداللہ کا جذبہ ایمانی

عجیب بات ہے کہ عبداللہ بن ابی تو دشمن اسلام اور منافقوں کا سردار اور اس کے بیٹے جن کا نام بھی عبداللہ تھا وہ اسلام کے شیدائی اور مخلص و جان نثار حقیقت میں وہ اللہ کے بندے تھے اور باپ تو محض نام کا عبداللہ تھا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جب باپ کو یہ کہتے سنا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا تو باپ کو پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور کہا خدا کی قسم میں تجھ کو اس وقت تک ہرگز مدینہ جانے نہ دوں گا جب تک تو یہ اقرار نہ کرلے کہ تو ہی ذلیل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی عزیز ہیں۔ چنانچہ باپ نے جب یہ اقرار کرلیا تب بیٹے نے چھوڑا۔

مدینہ پہنچ کر حضرت عبداللہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ میرے باپ کے قتل کا حکم دینے والے ہیں اگر اجازت ہو تو میں خود اپنے باپ کا سر قلم کر کے آپ کی خدمت میں لا حاضر کروں۔ مبادا آپ کسی دوسرے کو حکم دے دیں اور میں جوش میں آ کر اپنے باپ کے قاتل کو مار ڈالوں اور اس طرح سے ایک مسلمان کے قتل کا مرتکب بنوں۔ آپ نے باپ کے قتل سے منع فرمایا اور اس کے ساتھ سلوک اور احسان کرنے کا حکم دیا۔

واقعۂ اِفک

سفر میں حضرت عائشہ کا حضورؐ کے ساتھ جانا

واقعۂ افک یعنی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت کا واقعہ اسی سفر سے واپسی کے وقت پیش آیا۔ اس سفر میں عائشہ صدیقہ آپ کے ہمراہ تھیں۔ چونکہ پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا اس لئے ہودج میں سوار کی جاتی تھیں اور جب اتاری جاتیں تو ہودج سمیت ہی اتاری جاتیں اور ہودج پر پردے لٹکے رہتے تھے۔ واپسی میں مدینہ کے قریب پہنچ کر ایک مقام پر قیام کیا۔ لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا گیا۔

قافلہ سے پیچھے رہ جانا

حضرت عائشہ قضاء حاجت کے لئے لشکر سے دور چلی گئیں۔ جب لوٹنے لگیں تو ہار ٹوٹ گیا جو نگینوں کا تھا۔ ان نگینوں کے جمع کرنے میں دیر ہوگئی۔ قافلہ تیار تھا۔ ہودج کے پردے چھٹے ہوئے تھے۔ لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ ام المومنین محمل میں ہیں۔ محمل کو اونٹ پر رکھ کر کوچ کر دیا اس وقت عورتیں عموماً دبلی پتلی ہوتی تھیں اور خاص کر عائشہ صدیقہ صغیرۃ السن ہونے کی وجہ سے اور بھی دبلی پتلی تھیں اس لئے سوار کرتے وقت لوگوں کو محمل کے ہلکے ہونے کا کچھ خیال نہ آیا۔ لشکر روانہ ہونے کے بعد ہار ملا۔ جب ہار لے کر لشکر گاہ میں واپس آئیں تو یہاں کوئی بھی نہ تھا۔ سب روانہ ہو چکے تھے۔ یہ خیال کر کے کہ جب آپ آئندہ مقام پر پہنچ کر مجھ کو نہ پائیں گے تو اسی جگہ میری تلاش کے لئے آدمی روانہ فرمائیں گے۔ اسی جگہ چادر لپیٹ کر لیٹ گئیں اسی میں نیند آ گئی۔

قافلے کے نگران کا حضرت عائشہؓ کو پہچان لینا

صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قافلہ کی گری پڑی چیز کے اٹھانے کے لئے پیچھے رہا کرتے تھے وہ آ گئے دیکھتے ہی عائشہ صدیقہ کو پہچان لیا۔ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے انہوں

نے حضرت عائشہ کو دیکھا تھا۔ اس وقت دیکھتے ہی انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ عائشہ صدیقہ کی ان کی آواز سے آنکھ کھل گئی۔ فوراً چادر سے منہ ڈھانپ لیا۔ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔

خدا کی قسم صفوان نے مجھ سے کوئی بات تک نہیں کی اور نہ ان کی زبان سے سوائے انا للہ کے میں نے کوئی کلمہ سنا۔ (غالباً حضرت صفوان نے بآواز بلند اسی لئے انا للہ کہا تا کہ ام المومنین بیدار ہو جائیں اور خطاب وکلام کی نوبت نہ آئے۔ چنانچہ نہیں آئی)

حضرت عائشہؓ کا قافلہ میں پہنچنا

حضرت صفوان نے اپنا اونٹ لاکر ام المومنین کے قریب بٹھلا دیا ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ صفوان نے اونٹ سامنے کر کے خود پیچھے ہٹ گئے آھ۔ ام المومنین سوار ہو گئیں اور حضرت صفوان مہار پکڑ کر روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ لشکر میں جا پہنچے۔

منافقوں کی تہمت تراشی

عین دوپہر کا وقت تھا۔ عبداللہ بن ابی اور گروہ منافقین نے دیکھتے ہی واہی تباہی بکنا شروع کر دیا جس کو ہلاک اور برباد ہونا تھا وہ ہلاک اور برباد ہوا۔

مدینہ پہنچ کر حضرت عائشہؓ کا بیمار ہونا

مدینہ پہنچ کر حضرت عائشہ بیمار ہو گئیں ایک مہینہ بیماری میں گزرا۔ افتراء پرداز اور طوفان اٹھانے والے اسی چرچہ میں تھے۔ مگر حضرت عائشہؓ کو اس کا مطلق علم نہ تھا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تلطف اور مہربانی میں کمی آ جانے کی وجہ سے جو سابقہ بیماریوں میں مبذول رہی دل کو خلجان اور تردد تھا کہ کیا بات ہے کہ آپ گھر میں تشریف لاتے ہیں اور دوسروں سے میرا حال دریافت کر کے واپس ہو جاتے ہیں مجھ سے دریافت نہیں فرماتے۔ آپ کی اس بے التفاتی سے میری تکلیف میں اور اضافہ ہوتا تھا۔

تہمت کی خبر ہونا

ایک بار شب کو میں اور ام مسطح قضائے حاجت کے لئے جنگل کی طرف چلے۔ عرب کا قدیم دستور یہی تھا کہ بدبو کی وجہ سے گھروں میں بیت الخلاء نہیں بناتے تھے۔ راستہ میں ام مسطح نے

اپنے بیٹے مسطح کو برا کہا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ایسے شخص کو کیوں برا کہتی ہو جو بدر میں حاضر ہوا۔ ام مسطح نے کہا اے بھولی بھالی تم کو قصہ کی خبر نہیں۔ عائشہؓ صدیقہ نے فرمایا کیا قصہ ہے۔ ام مسطح نے سارا قصہ بیان کیا۔ یہ سنتے ہی مرض میں اور شدت ہوگئی۔ سعید بن منصور کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ سنتے ہی لرزہ سے بخار چڑھ آیا۔ معجم طبرانی میں باسناد صحیح حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جب میں نے یہ واقعہ سنا تو اس قدر صدمہ ہوا کہ بلا اختیار یہ دل میں آیا کہ اپنے کو کسی کنویں میں جا کر گرادوں۔ بغیر قضاء حاجت کے راستہ ہی سے واپس ہوگئی۔

والدین کے گھر جانا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ سے اپنے ماں باپ کے یہاں جانے کی اجازت چاہی تاکہ ماں باپ کے ذریعہ سے اس واقعہ کی تحقیق کروں۔ آپ نے مجھ کو اجازت دے دی۔ میں اپنے ماں باپ کے یہاں آگئی اور اپنی ماں سے کہا اے ماں تم کو معلوم ہے کہ لوگ میری بابت کیا کہتے ہیں۔ ماں نے کہا اے بیٹی تو رنج نہ کر دنیا کا قاعدہ ہی یہ ہے کہ جو عورت خوبصورت اور خوب سیرت اور اپنے شوہر کے نزدیک بلند مرتبت ہوتی ہے تو حسد کرنے والی عورتیں اس کے پیچھے پڑ جاتی ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ کیا لوگوں میں اس کا چرچہ ہے۔ ہشام کی روایت میں ہے میں نے کہا کیا میرے باپ کو بھی اس کا علم ہے، ماں نے کہا ہاں۔

صدمہ اور اس کا اثر

ابن اسحاق کی روایت میں ہے میں نے کہا اے ماں اللہ تمہاری مغفرت کرے لوگوں میں تو اس کا چرچہ ہے اور تم نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا۔ یہ کہہ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور چیخیں نکل گئیں۔ ابوبکر بالا خانہ پر قرآن شریف کی تلاوت فرما رہے تھے۔ میری چیخ کی آواز سن کر نیچے آئے اور میری ماں سے دریافت کیا ماں نے کہا کہ اس کو قصہ کی خبر ہوگئی۔ یہ سن کر ابوبکرؓ کی آنکھیں بہہ پڑیں۔

اور مجھ کو اس شدت سے لرزہ آیا کہ میری والدہ ام رومان نے گھر کے تمام کپڑے مجھ پر ڈال دیئے۔ تمام شب روتے گزری ایک لمحہ کے لئے آنسو نہیں تھمتے تھے اسی طرح صبح ہوگئی۔

حضرت اسامہؓ کی حضور کو رائے دینا

جب نزول وحی میں تاخیر ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت اسامہ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت اسامہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ وہ آپ کے اہل ہیں جو آپ کی شایان شان اور منصب نبوت و رسالت کے مناسب ہیں۔ ان کی عصمت و عفت کا پوچھنا ہی کیا۔ آپ کے حرم محترم کی طہارت و نزاہت تو اظہر من الشّمس ہے۔ اس میں رائے اور مشورہ کی کیا ضرورت ہے اور اگر حضور کو ہمارا ہی خیال معلوم فرمانا ہے تو یہ عرض ہے جہاں تک ہم کو معلوم ہے آپ کے اہل اور ازواج مطہرات میں ہم نے سوائے خیر اور خوبی نیکی اور بھلائی کے کچھ دیکھا ہی نہیں۔

حضرت علیؓ کی رائے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج و غم اور حزن و ملال کے خیال سے یہ عرض کیا:

یا رسول اللہ، اللہ نے آپ پر تنگی نہیں کی عورتیں ان کے سوا بہت ہیں آپ اگر گھر کی لونڈی سے دریافت فرمائیں تو وہ سچ سچ بتا دیگی۔ یعنی آپ مجبور نہیں مفارقت آپ کے اختیار میں ہے لیکن پہلے گھر کی لونڈی سے تحقیق فرمالیں وہ آپ سے بالکل سچ مچ بتلا دے گی (اس لئے کہ باندی اور خادمہ بہ نسبت مردوں کے خانگی حالات سے زیادہ باخبر ہوتی ہے۔

حضرت بریرہؓ کا بیان

آپ نے بریرہ کو بلوایا۔ مقسم کی روایت میں ہے کہ بریرہ کو بلا کر آپ نے یہ فرمایا:۔

کیا تو گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، بریرہ نے کہا ہاں آپ نے فرمایا میں تجھ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ چھپانا نہیں (ورنہ اللہ تعالیٰ مجھ کو بذریعہ وحی بتلا دے گا) بریرہ نے کہا ہاں چھپاؤں گی نہیں۔ آپ دریافت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے عائشہ سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھی ہے۔ بریرہ نے کہا نہیں۔

بخاری میں ہے کہ آپ نے بریرہ سے فرمایا

اے بریرہ اگر تو نے ذرہ برابر بھی کوئی شے ایسی دیکھی ہو جس سے تجھ کو شبہ اور تردد ہوا تو بتلا۔ بریرہ نے کہا:۔

قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا میں نے عائشہ کی کوئی بات معیوب اور قابل گرفت کبھی نہیں دیکھی صرف یہ کہ وہ ایک کمسن لڑکی ہے۔ آٹا گندھا ہوا چھوڑ کر سو جاتی ہے بکری کا بچہ آ کر اسے کھا جاتا ہے یعنی وہ تو اس قدر غافل اور بے خبر ہے کہ اسے آٹے اور دال کی بھی خبر نہیں وہ دنیا کی ان چالاکیوں کو کیسے جان سکتی ہے۔

مسجد میں حضورؐ کا خطبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بریرہ سے یہ جواب سن کر مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اول خدا کی حمد و ثناء کی اور بعد ازاں عبداللہ بن ابی کا ذکر کر کے یہ ارشاد فرمایا۔

اے گروہ مسلمین۔ کون ہے کہ جو میری اس شخص کے مقابلہ میں مدد کرے جس نے مجھ کو میرے اہل بیت کے بارے میں ایذا پہنچائی ہے۔ خدا کی قسم میں نے اپنے اہل سے سوائے نیکی اور پاک دامنی کے کچھ نہیں دیکھا اور علیٰ ہذا جس شخص کا ان لوگوں نے نام لیا ہے اس سے بھی سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہیں دیکھا۔

یہ سن کر سردار اوس سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کی اعانت اور امداد کے لئے حاضر ہوں اگر یہ شخص ہمارے قبیلہ اوس کا ہوا تو ہم خود ہی اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر برادران خزرج سے ہوا اور آپ نے حکم دیا تو ہم تعمیل حکم کریں گے۔

سعد بن عبادہ سردار خزرج کو یہ خیال ہوا کہ سعد بن معاذ ہم پر تعریض کر رہے ہیں کہ اہل افک قبیلۂ خزرج سے ہیں اس لئے ان کو جوش آ گیا جیسا کہ ابن اسحاق کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔

اور سعد بن معاذ کو مخاطب بنا کر کہا خدا کی قسم تم اس کو ہرگز قتل نہ کر سکو گے (یعنی اگر ہمارے قبیلہ کا ہوا تو ہم خود اس کو قتل کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔)

سعد بن معاذ کے چچازاد بھائی اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور سعد بن عبادہ کو مخاطب بنا کر کہا تم غلط کہتے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم کو قتل کا حکم دیں گے تو ہم ضرور

قتل کریں گے اگرچہ وہ شخص قبیلہ خزرج کا ہو یا کسی قبیلہ کا ہو کوئی ہم کو روک نہیں سکتا۔ اور کیا تو منافق ہے جو منافقین کی طرف سے مجادلہ اور جوابدہی کرتا ہے۔ اسی طرح گفتگو تیز ہوگئی۔ قریب تھا کہ دونوں قبیلے لڑ پڑیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر آئے اور لوگوں کو خاموش کیا۔

حضرت عائشہ کی صدمہ سے حالت

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ یہ دن بھی تمام کا تمام روتے ہوئے گزرا ایک منٹ کے لئے آنسو نہیں تھمتا تھا۔ رات بھی اسی طرح گزری۔ میری اس حالت سے میرے ماں باپ کو یہ گمان تھا کہ اب اس کا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ جب صبح ہوئی تو بالکل میرے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ اور میں رو رہی تھی۔ اتنے میں انصار میں سے ایک عورت آ گئی اور وہ بھی میرے ساتھ رونے لگی۔

حضورؐ کا حضرت عائشہؓ کو تسلی دینا

ہم اسی حالت میں تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور سلام کر کے میرے قریب بیٹھ گئے۔ اس واقعہ کے بعد سے کبھی آپ میرے پاس آ کر نہیں بیٹھے تھے۔ وحی کے انتظار میں ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ بیٹھ کر آپ نے اول خدا کی حمد و ثنا کی اور اس کے بعد یہ فرمایا۔

اے عائشہ مجھ کو تیری جانب سے ایسی ایسی خبر پہنچی ہے اگر تو بری ہے تو عنقریب اللہ تجھ کو ضرور بری کرے اور اگر تو نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو اللہ سے توبہ اور استغفار کر اس لئے کہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اور اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے تو اللہ اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کا جواب

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب آپ نے اپنے کلام کو ختم فرمایا اسی وقت میرے آنسو منقطع ہو گئے۔ آنسو کا ایک قطرہ بھی آنکھ میں باقی نہ رہا اور اپنے باپ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری طرف سے جواب دو باپ نے کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دوں۔ پھر میں نے یہی اپنی ماں سے کہا، ماں نے بھی یہی جواب دیا اس کے بعد میں نے خود جواب دیا کہ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ میں بالکل بری ہوں لیکن یہ بات تمہارے دلوں میں اس درجہ راسخ ہوگئی ہے کہ اگر میں یہ کہوں کہ میں بری ہوں اور اللہ خوب

جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو تم یقین نہ کرو گے اور اگر بالفرض میں اقرار کرلوں حالانکہ خدا خود جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو تم یقین کرو گے اور رو کر میں نے یہ کہا خدا کی قسم میں اس چیز سے کبھی توبہ نہ کروں گی جو یہ لوگ میری طرف منسوب کرتے ہیں۔ بس میں وہی کہتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے باپ نے کہا تھا۔ **فصبر جمیل واللہ المستعان علے ماتصفون** اور یہ کہہ کر بستر پر جا کر لیٹ گئی۔ اور اس وقت قلب کو یقین کامل تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور مجھ کو بری فرمائیں گے لیکن یہ وہم وگمان نہ تھا کہ میرے بارے میں اللہ تعالیٰ ایسی وحی نازل فرمائیں گے جس کی ہمیشہ تلاوت ہوتی رہے گی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ گمان نہ تھا کہ قرآن کی آیتیں میرے بارے میں نازل ہوں گی۔ کہ جو مسجدوں اور نمازوں میں پڑھی جائیں گی۔

ہاں یہ امید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ خواب کے میری برأت بتلادی جائے گی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ مجھ کو اس تہمت سے بری کرے گا۔

حضورؐ پر نزول وحی کے آثار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اپنی جگہ سے اٹھے نہ تھے کہ واقعۂ وحی الٰہی کے آثار نمودار ہوئے۔ باوجود شدید سردی کے پیشانی مبارک سے موتی کی طرح پسینہ کے قطرات ٹپکنے لگے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں جس وقت آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا خدا کی قسم میں بالکل نہیں گھبرائی کیونکہ میں جانتی تھی کہ میں بالکل بری ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ پر ظلم نہیں فرمائیں گے۔ لیکن میرے ماں باپ کا خوف سے یہ حال تھا کہ مجھ کو اندیشہ ہوا کہ ان کی جان نہ نکل جائے ان کو یہ خوف تھا کہ مبادا وحی اس کے موافق نہ نازل ہو جائے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں ابوبکر کا یہ حال تھا کہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتے اور کبھی میری طرف جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر کرتے تو یہ اندیشہ ہوتا کہ نامعلوم آسمان سے کیا حکم نازل ہوتا ہے جو پھر قیامت تک نہیں ٹل سکے گا اور جب میری طرف دیکھتے تو میرے سکون اور اطمینان کو دیکھ کر ان کو ایک گونہ امید ہوتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عائشہؓ کو مبارک

سوائے عائشہ صدیقہ کے سارا گھر اسی خوف ورجا اور امید وبیم میں تھا کہ وحی آسمانی کا نزول ختم ہوا اور چہرۂ انور پر مسرت و بشاشت کے آثار نمودار ہوئے مسکراتے ہوئے اور دست مبارک سے جبین منور کو پونچھتے ہوئے حضرت عائشہ کی طرف متوجہ ہوئے پہلا کلمہ جو زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا۔

بشارت ہو تجھ کو اے عائشہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تیری برات نازل کی۔

میری والدہ نے کہا اے عائشہ اٹھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کر میں نے کہا خدا کی قسم میں سوائے خدا تعالیٰ کے کہ جس نے میری برأت نازل کی کسی کا شکر نہ کروں گی۔

آیات برأت

بعد ازاں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

ان الذین جآؤ ابالافک عصبة منکم لا تحسبوه شر الکم بل هو خیر لکم لکل امری منهم ما اکتسب من الاثم والذی تولٰی کبره' منهم له' عذاب عظیم. لولا اذسمعتموه ظن المومنون والمؤمنات بانفسهم خیراً وقالوا هٰذآ افک مبین. لولا جآء وا علیه باربعة شهدآء فاذلم یأتوا بالشهدآء فاولٓئک عندالله هم الکاذبون. ولولا فضل الله علیکم و رحمتهٗ فی الدنیا والأخرة لمسکم فیمآ افضتم فیه عذاب عظیم اذتلقونه' بالسنتکم وتقولون بافواهکم مالیس لکم به علم و تحسبونه هیناً و هو عندالله عظیم ولولآ اذسمعتموه قلتم ما یکون لنآ ان نتکلم بهٰذا سبحٰنک هٰذا بهتان عظیم یعظکم الله ان تعودوا لمثله ابدا ان کنتم مؤمنین ویبین الله لکم الأیٰت والله علیم حکیم

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والاٰخرة واللہ یعلم وانتم لاتعلمون ولولافضل اللہ علیکم ورحمتہ وان اللہ رء وف رحیم. (النور:۱۱۔۲۰)

تحقیق جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے وہ تم میں کی ایک جماعت ہے تم اس کو اپنے لئے شر نہ سمجھو بلکہ وہ فی الحقیقت تمہارے لئے خیر ہے ہر شخص کے لئے گناہ کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا اس نے کمایا ہے اور جو اس طوفان کے بڑے حصہ کا متولی بنا ہے اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔اس بات کو سنتے ہی مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے متعلق نیک گمان کیوں نہ کیا اور یہ کیوں نہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے اور کیوں نہ لائے اس پر چار گواہ پس جبکہ یہ لوگ گواہ نہ لائے تو بس یہ لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی تو تم کو اس چیز میں کہ جس میں تم گفتگو کر رہے ہو سخت عذاب پہنچتا جبکہ تم اس کو اپنی زبانوں سے نقل کرتے ہو اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے ہو جس کی تم کو تحقیق نہیں اور تم اس کو آسان سمجھتے ہو اور اللہ کے نزدیک بہت بڑی ہے اور تم نے اس خبر کو سنتے ہی یہ کیوں نہ کہا کہ ہمارے لئے ایسی بات کا زبان پر لانا ہی زیبا نہیں۔تم کو یہ کہہ دینا چاہئے تھا کہ سبحان اللہ۔یہ تو بہتان عظیم ہے اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرو گے اگر تم ایمان والے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام کو واضح طور پر بیان کرتا ہے۔اور اللہ علیم اور حکیم ہے تحقیق جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو نہ معلوم کیا مصیبت آتی۔اور بے شک اللہ تعالیٰ بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

حضرت عائشہؓ کا والد سے شکوہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آیات برأت کی تلاوت سے فارغ ہوئے اور صدیق اکبر نے اپنی لخت جگر کی عصمت وعفت طہارت ونزاہت پر اللہ عزوجل کی شہادت کو سن لیا تو اٹھے اور عفت مآب اور عصمت جناب بیٹی کی مبارک پیشانی کو بوسہ دیا۔ بیٹی نے کہا اے

باپ پہلے سے تم نے مجھ کو کیوں نہ معذور اور بے قصور سمجھا۔

صدیق اکبر نے (جس کے رگ و پے میں صدق اور راستی سرایت کر چکی تھی۔ صدق اور سچائی کے جبل عظیم اور کوہ گراں تھے۔ بڑے سے بڑا حادثہ اور سخت سے سخت صدمہ بال برابر بھی ان کو جادۂ صدق سے ہٹا نہیں سکتا تھا) اس وقت بیٹی کو یہ جواب دیا کہ جو دلوں کی الواح (تختیوں) پر کندہ کر لینے کے قابل ہے۔

کون سا آسمان مجھ پر سایہ ڈالے اور کونسی زمین مجھ کو اٹھائے اور تھامے جبکہ میں اپنی زبان سے وہ بات کہوں جس کا مجھ کو علم نہ ہو۔

سب کے سامنے آیات برأت کی تلاوت

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر کے مکان سے مسجد تشریف لائے اور مجمع عام میں خطبہ دیا اور عائشہ صدیقہ کی برأت میں نازل شدہ آیات کی سب کے سامنے تلاوت فرمائی۔

فتنہ کا بانی اور اس میں مبتلا ہونے والے

اس فتنہ کے بانی مبانی تو اصل میں منافقین تھے بحمد اللہ مسلمانوں میں کوئی اس میں شریک نہ تھا۔ صرف دو تین مسلمان اپنی سادہ لوحی اور بھولے پن کی وجہ سے منافقین کے دھوکہ میں آ گئے۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت، حمنہ بنت جحش۔ ان پر حد قذف جاری کی گئی۔ اسی اسی درے مارے گئے اور اپنی غلطی سے تائب ہوئے۔ عبداللہ بن ابی کے متعلق مشہور قول یہ ہے کہ اس کو سزا نہیں دی گئی اس لئے کہ وہ منافق تھا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر بھی حد جاری کی گئی۔

حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کا معاملہ

مسطح، حضرت صدیق اکبر کے خالہ زاد بھائی تھے۔ عسرت اور تنگدستی کی وجہ سے صدیق اکبر ان کو خرچ دیتے تھے۔ مسطح نے اس قصہ میں شرکت کی اس لئے ابوبکر نے قسم کھائی کہ میں اب مسطح کو کبھی خرچ نہ دوں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ولایاتل اولواالفضل منکم والسعة ان یوتوا اولی القربیٰ والمساکین والمهاجرین فی سبیل الله ولیعفوا ولیصفحوا الاتحبون ان یغفرالله لکم والله غفوررحیم (النور:۲۲)

جولوگ تم میں سے فضیلت والے اور وسعت والے ہیں ان کو چاہئے کہ یہ قسم نہ کھائیں کہ اہل قرابت اور مساکین اور مہاجرین کی اعانت نہ کریں گے۔ ان کو چاہیئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرے اور اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔

شان صدیقی

جب یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کو سنائی تو یہ کہنے لگے۔

بلی والله انی لاحب ان یغفرالله لی

کیوں نہیں۔ خدا کی قسم البتہ تحقیق میں اس کو بہت ہی زیادہ محبوب رکھتا ہوں کہ اللہ میری مغفرت فرمائے۔

اور مسطح پر بدستور خرچ دینا شروع کر دیا اور قسم کھائی کہ واللہ مسطح کا خرچ کبھی بند نہ کروں گا۔ معجم طبرانی میں ہے کہ جتنا پہلے دیتے تھے اس سے دگنا دینے لگے۔

اس آیت کریمہ یعنی **ولایاتل اولواالفضل الخ** کے نازل کرنے سے صدیق اکبر کو تنبیہ مقصود تھی کہ مقام صدیقیت اور دائرۂ کمال سے قدم باہر نہ نکلے۔ غلطی اور خطا کی وجہ سے اگرچہ مسطح کا وظیفہ بند کر لینا جائز ہو مگر مقام صدیقیت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے ابوبکر صدیق اس اشارہ کو سمجھ گئے اور گذشتہ کے اعتبار سے مسطح کا وظیفہ دگنا کر دیا مسطح سے اگرچہ غلطی اور لغزش ہوئی کہ سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر بیٹھے مگر چونکہ بدر یین میں سے تھے جن کے متعلق حکم خداوندی یہ نازل ہو چکا ہے۔ **اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم** اس لئے حق تعالیٰ نے بحق بدریت مسطح کی شفاعت فرمائی کہ اے ابوبکر تم اہل فضل میں سے ہو اور مسطح اہل بدر میں سے ہے۔ لہذا تم اس کے وظیفہ میں کمی نہ کرنا اور مسطح سے جو غلطی ہوگئی ہے اس کو معاف کر دینا اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں کو معاف کرے گا۔

یہ آیت صدیق اکبر کی فضیلت کی صریح دلیل ہے اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ حق تعالیٰ ان کو اولوالفضل یعنی صاحب فضل فرمائے۔

واقعۂ افک کے اسرار

مومن ومنافق کا امتحان

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ من جانب اللہ ابتلا اور امتحان تھا۔ مقصد یہ تھا کہ مومنین ومخلصین کا ایمان واخلاص اور منافقین کا نفاق واضح اور منکشف ہو جائے تو مومنین صادقین کے ایمان واستقامت میں اور منافقین کے نفاق اور شقاوت میں اضافہ اور زیادتی ہو۔ نیز یہ امر واضح اور منکشف ہو جائے کہ کون شخص اللہ اور اس کے رسول اور اس کے اہل خانہ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور کون سوء ظن (بدگمانی) آپ کی ازواج مطہرات کے حق میں بدگمانی حقیقت میں اللہ کے ساتھ بدگمانی ہے۔

حضرت عائشہؓ کے مقام کی عظمت

اور تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول محترم اور اپنے رسول کے پاک اور مطہر حرم کا مرتبہ لوگوں کے سامنے ظاہر فرمائے۔ اس لئے آپ کی زوجۂ مطہرہ کی نزاہت و برأت آپ کی زبانی نہیں کرائی بلکہ خداوند قدوس خود ان کی برأت کا کفیل اور ذمہ دار ہوا۔ اور اپنی کلام معجز نظام میں ان کی برأت نازل فرمائی کہ جس کی قیامت تک محفلوں اور مجلسوں میں محرابوں اور مسجدوں میں خطبوں اور نمازوں میں تلاوت ہوتی رہے گی۔

خداوند قدوس کی بے چوں وچگوں غیرت نے گوارا نہ کیا کہ اس کے بھیجے ہوئے نبی طیب اور رسول اطہر کی ازواج طیبات وطاہرات کی شان میں کوئی منافق اور بد باطن کسی قسم کا ناپاک لفظ اپنی زبان سے نکالے اس لئے اس بارے میں تقریباً بیس آیتیں نازل فرما کر عائشہ صدیقہ اور ازواج مطہرات کی عصمت وعفت' طہارت ونزاہت پر قیامت تک کے لئے مہر لگا دی اور ازواج مطہرات کی عصمت ونزاہت میں شک کرنے والوں پر اس درجہ زجر

اور توبیخ فرمائی کہ جو بت پرستوں پر بھی نہیں فرمائی اس لئے علماء ربانیین نے تصریح کی ہے کہ جو شخص ازواج مطہرات کے بارے میں کوئی حرف زبان سے نکالے وہ شخص منافق ہے۔

نزول وحی میں تاخیر کی حکمت

اور نزول وحی میں جو ایک ماہ کی تاخیر ہوئی اس میں حکمت یہ تھی کہ عائشہ صدیقہ کے مقام عبودیت کی تکمیل ہو جائے کہ جب مظلومانہ گریہ وزاری اور عاجزانہ بے تابی واضطراری اور بارگاہ ذوالجلال میں فقیرانہ تذلل اور تمسکن اور مضطربانہ تضرع اور ابتہال حد کمال کو پہنچ جائے اور سوائے خدا کے کسی سے کوئی امید باقی نہ رہے اور خدا اور اس کے رسول کے ساتھ حسن ظن رکھنے والوں کے قلوب وحی الٰہی کے انتظار میں ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگیں اس وقت حق تعالیٰ شانہ باران وحی سے محبین ومخلصین کے مردہ دلوں کو حیات بخشے اور صدیقہ بنت صدیق کو برأت ونزاہت کے بیش بہا خلعت سے سرفراز فرمائے۔

حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والا کافر ومرتد ہے

قرآن مجید کی ان آیات کے نازل ہو جانے کے بعد جو شخص ام المومنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق زوجہ مطہرہ سیدالانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) پر تہمت لگائے وہ باجماع امت کافر ومرتد ہے۔ اس لئے کہ وہ قرآن کریم کا صریح مکذب اور منکر ہے جس طرح مریم صدیقہ بنت عمران کی عصمت وعفت میں شک کرنا کفر ہے اسی طرح عائشہ صدیقہ بنت ام رومان کی طہارت نزاہت میں بھی شک کرنا بلاشبہ کفر ہے اور جس طرح یہود بے بہبود مریم صدیقہ پر بہتان باندھنے کی وجہ سے ملعون اور مغضوب بنے اسی طرح روافض عائشہ صدیقہ بنت صدیق پر تہمت لگانے کی وجہ سے ملعون ومغضوب بنے۔ مریم صدیقہ پر تہمت لگانے والے امت عیسویہ کے یہود تھے اور عائشہ صدیقہ پر تہمت لگانے والے امت محمدیہ کے یہود ہیں۔

نزولِ تیمّم

تیمّم کا حکم غزوۂ بنی مصطلق میں آیا

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی غزوۂ میں واپسی کے وقت پھر حضرت عائشہ کا ہار گم ہوگیا اور اس کی تلاش میں قافلہ رکا اور صبح کا وقت آ گیا اور پانی نہ تھا اس وقت آیت تیمم نازل ہوئی اور صحابہ نے تیمّم کر کے صبح کی نماز ادا کی اور تمام صحابہ بیحد خوش ہوئے۔

آل ابی بکر کی برکت

اسید بن حضیرؓ نے جوش مسرت میں یہ کہا اے آل ابی بکر، یہ تیمّم کا حکم نازل ہونا تمہاری پہلی برکت نہیں بلکہ تمہاری برکت سے اور بھی بہت سی سہولت اور آسانیوں کے حکم نازل ہو چکے ہیں۔

یا کسی دوسرے سفر میں

اور دیگر محققین کا قول ہے کہ آیت تیمّم کا نزول غزوۂ بنی المصطلق میں نہیں بلکہ اس غزوۂ کے بعد کوئی دوسرا سفر پیش آیا اس میں آیت تیمّم کا نزول ہے جیسا کہ معجم طبرانی میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میرا ہار گم ہوگیا جس پر اہل افک نے کہا جو کچھ کہا اس کے بعد پھر دوسرے سفر میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئی اور میرا ہار گم ہوا اور اس کی تلاش میں رکنا پڑا تو ابوبکر صدیق نے عائشہ صدیقہ سے کہا اے بیٹی تو ہر سفر میں لوگوں کے لئے مشقت اور آزمائش بن جاتی ہے اسی وقت اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل فرمائی کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کر کے نماز ادا کرو تیمّم کی رخصت اور سہولت نازل ہونے سے ابوبکر صدیق کو خاص مسرت ہوئی اور عائشہ صدیقہ سے مخاطب ہو کر تین بار یہ کہا انک لمبارکۃ انک لمبارکۃ اے بیٹی تحقیق تو بلاشبہ بڑی مبارک ہے۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ آیت تیمّم کا نزول غزوۂ بنی المصطلق میں نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد کسی دوسرے غزوہ اور سفر میں دوبارہ ایسی جگہ ہار گم ہوا کہ جہاں پانی نہ تھا اور نماز صبح کا وقت آ گیا تھا اس وقت یہ آیت تیمّم نازل ہوئی۔

غزوۂ خندق واحزاب

(شوال ۵ھ)

یہودیوں کا قریشیوں کو ابھارنا

اس غزوہ کا باعث اور سبب یہ ہوا کہ بنو نضیر کی جلاوطنی کے بعد حیی بن اخطب مکہ گیا اور قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کے لئے تیار کیا اور ان کو یہ طمع دی کہ خیبر کے نخلستانوں میں جس قدر کھجوریں آئیں گی ہر سال اس کا نصف حصہ ہم تم کو دیا کریں گے۔
یہ سن کر عیینہ بن حصن فزاری تیار ہو گیا۔ قریش پہلے ہی سے تیار تھے۔

اس طرح ابوسفیان دس ہزار آدمیوں کی جمعیت لے کر مسلمانوں کے استیصال اور فنا کر ڈالنے کے ارادہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔

مسلمانوں کی تیاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کی روانگی کی خبر پہنچی تو صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا کہ خندقوں میں محفوظ رہ کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ کھلے میدان میں مقابلہ مناسب نہیں سب نے اس رائے کو پسند کیا۔

خندق کے کام کی تقسیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کے حدود قائم فرمائے اور خط کھینچ کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم فرمائی۔
خندقیں اس قدر گہری کھودی گئیں کہ تری نکل آئی۔ ابن سعد فرماتے ہیں کہ چھ دن میں خندقیں کھودنے سے فارغ ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی شریک رہے

صحابہ کرام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی خندق کھودنے میں مصروف ہوئے

اور اول خود دست مبارک سے کدال زمین پر ماری اور یہ کلمات زبان مبارک پر تھے۔

بسم اللہ وبه بدينا ولو عبدنا غيره شقينا

بسم اللہ۔ اور اللہ کے نام سے شروع کرتے ہیں مبادا اگر اس کے سوا کسی اور کی عبادت کریں تو بڑے ہی بدنصیب ہیں۔

حبذا رباً و حبذا دینا وہ کیا ہی اچھا رب ہے اور اس کا دین کیا ہی اچھا دین ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس مٹی ڈھوڈھو کر لا رہے تھے۔ یہاں تک شکم مبارک گرد آلود ہوگیا۔ اور یہ کہتے جاتے تھے۔

والله لولا الله ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا

خدا کی قسم اگر اللہ کی توفیق نہ ہوتی تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔

فانزلن سكينةً علينا وثبت الا قدام ان لا قينا

اے اللہ ہم پر سکون اور اطمینان نازل فرما اور لڑائی کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھ۔

ان الناس قد بغوا علينا اذا ارادو افتنةً ابينا

ان لوگوں نے ہم پر بڑا ظلم کیا یہ جب کبھی ہم کو کسی فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تو ہم کبھی اس کو قبول نہیں کرتے اور ابینا ابینا آواز بلند بار بار فرماتے۔

صحابہ کرامؓ کا ذوق وشوق

جاڑوں کا موسم تھا سرد ہوائیں چل رہی تھیں کئی کئی دن کا فاقہ تھا مگر حضرات مہاجرین اور انصار نہایت ذوق کے ساتھ خندق کھودنے میں مشغول تھے۔ مٹی اٹھا اٹھا کر لاتے اور یہ پڑھتے جاتے۔

نحن الذين بايعوا محمدا على الجهاد ما بقينا ابدا

ہم ہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور آپ کے واسطے سے اپنی جانوں کو خدا کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں۔ جب تک جان میں جان ہے کافروں سے جہاد کرتے رہیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں یہ ارشاد فرماتے:

اللھم لاعیش الاعیش الآخرہ فاغفر للانصار والمھاجرہ

اے اللہ بے شک زندگی تو حقیقت میں آخرت کی زندگی ہے پس انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔

اور کبھی یہ فرماتے۔

اللھم انہ لاخیر الاخیر الآخرہ فبارک فی الانصار والمھاجرہ

اے اللہ بے شک حقیقی خیر اور بھلائی آخرت ہی کی خیر اور بھلائی ہے پس برکت دے انصار اور مہاجرین میں۔

ایک سخت چٹان جو حضورؐ نے توڑی

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ کھودتے کھودتے ایک سخت چٹان آ گئی۔ ہم نے آپ سے عرض کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا ٹھہرو میں خود اترتا ہوں اور بھوک کی وجہ سے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا اور ہم نے بھی تین دن سے کوئی چیز نہیں چکھی تھی۔ آپ نے کدال دست مبارک میں پکڑی اور اس چٹان پر ماری تو چٹان ایک دم ریت کا ڈھیر بن گئی۔

یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔

شام' فارس اور یمن کی فتوحات کی بشارت

مسند احمد اور نسائی میں اس قدر اور اضافہ ہے کہ آپ نے جب پہلی بار بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو وہ چٹان ایک تہائی ٹوٹ گئی۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر مجھ کو ملک شام کی کنجیاں عطا کی گئیں۔ خدا کی قسم شام کے سرخ محلوں کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے دوسری بار کدال ماری تو دوسرا تہائی ٹکڑا ٹوٹ کر گرا آپ نے فرمایا۔ اللہ اکبر فارس کی کنجیاں مجھ کو عطا ہوئیں خدا کی قسم مدائن کے قصر ابیض کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ تیسری بار آپ نے بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو بقیہ چٹان بھی ٹوٹ گئی۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر یمن کی کنجیاں مجھ کو عطا ہوئیں خدا کی قسم صنعاء کے دروازوں کو میں اپنی آنکھوں سے اس جگہ کھڑا دیکھ رہا ہوں اور ایک روایت میں ہے پہلی بار

کدال مارنے سے ایک بجلی چمکی جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ آپ نے اللہ اکبر کہا اور صحابہ کرام نے بھی تکبیر کہی اور یہ ارشاد فرمایا کہ جبرئیل امین نے مجھ کو خبر دی ہے کہ امت ان شہروں کو فتح کرے گی۔

دونوں فوجوں کا میدان میں آنا

مسلمان خندقیں کھود کر فارغ ہوئے کہ قریش دس ہزار آدمیوں کا لشکر جرار لے کر مدینہ پہنچے اور احد کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین ہزار مسلمانوں کی جمعیت اپنے ہمراہ لے کر مقابلہ کے لئے کوہ سلع کے قریب جا کر ٹھہرے خندقیں فریقین کے درمیان حائل تھیں۔ عورتیں اور بچوں کو ایک قلعہ میں محفوظ ہو جانے کا حکم دیا۔

یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی

یہود بنی قریظہ اس وقت تک الگ تھے۔ لیکن حیی بن اخطب سردار بنونضیر نے ان کو اپنے ساتھ ملا لینے کی پوری کوشش کی یہاں تک کہ خود کعب بن اسد سردار بنی قریظہ کے پاس گیا جو پہلے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کر چکا تھا۔ کعب نے حیی کو آتے دیکھ کر قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔ حیی نے آواز دی کہ دروازہ کھولو۔ کعب نے کہا

افسوس اے حیی۔ بلاشبہ تو منحوس آدمی ہے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ کر چکا ہوں میں اب اس عہد کو نہ توڑوں گا۔ کیونکہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوائے سچائی اور ایفائے عہد کے کچھ نہیں دیکھا۔

حیی نے کہا کہ میں تمہارے لئے دائمی عزت کا سامان لایا ہوں۔ قریش اور غطفان کی فوجوں کو لا کر میں نے یہاں اتارا ہے۔ ہم سب نے یہ عہد کیا ہے کہ جب تک محمد اور ان کے ساتھیوں کا استیصال اور قلع قمع نہ کر دیں گے اس وقت تک یہاں سے ہرگز نہ ٹلیں گے۔

کعب نے کہا خدا کی قسم تو ہمیشہ کی ذلت اور رسوائی لے کر آیا ہے۔ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کبھی عہد نہ توڑوں گا۔ میں نے ان سے سوائے سچائی اور ایفائے عہد کے کچھ نہیں دیکھا، حیی برابر اصرار کرتا رہا یہاں تک کہ اس کو عہد شکنی پر آمادہ کر لیا۔

بنی قریظہ کی عہد شکنی کی تصدیق

رسول اللہ صلی اللہ کو جب یہ خبر ہوئی تو سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کو تحقیق حال کے لئے روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ اگر یہ خبر صحیح نکلے تو وہاں سے واپس آ کر اس خبر کو ایسے مبہم الفاظ میں بیان کرنا کہ لوگ سمجھ نہ سکیں اور اگر غلط ہو تو پھر علی الاعلان بیان کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

یہ لوگ کعب بن اسد کے پاس گئے اور اس کو معاہدہ یاد دلایا کعب نے کہا کیسا معاہدہ اور کون محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا ان سے کوئی معاہدہ نہیں۔ جب واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا۔ عضل وقارہ یعنی جس طرح قبیلہ عضل اور قارہ نے اصحاب رجیع یعنی خبیب رضی اللہ عنہ کے ساتھ غدر کیا اسی طرح انہوں نے بھی غداری کی۔

مسلمانوں کے لئے سخت آزمائش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی غداری اور بدعہدی سے صدمہ ہوا۔ کافروں نے ہر طرف سے مسلمانوں کا محاصرہ کرلیا۔ باہر کے دشمنوں کا ٹڈی دل سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ اندرونی دشمن یعنی قریظہ بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ ہر شخص مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا۔ الغرض مسلمانوں کے لئے عجب پریشانی کا وقت تھا۔ جاڑوں کی راتیں تھیں اور کئی کئی دن کا فاقہ تھا۔

حق جل شانہ نے سورۂ احزاب میں اس معرکہ کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے۔

اذجاء وکم من فوقکم و من اسفل منکم و اذزاغت الا بصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا ھنالک ابتلی المؤمنون وزلزلوا زلزالاً شدیداً

یاد کرو اس وقت کو کہ جب دشمن تمہارے سر پر آ پہنچے اوپر کی جانب سے بھی اور نیچے کی جانب سے بھی اور نگاہیں خیرہ ہوگئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور خدا کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس جگہ اہل ایمان آزمائے گئے اور خوب ہلائے گئے۔

منافقوں کے حیلے بہانے

یہ وقت ابتلاء اور آزمائش کا تھا۔ ابتلاء کی کسوٹی پر نفاق اور اخلاص کو کسا جا رہا تھا۔ اس کسوٹی نے کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا۔ چنانچہ منافقین نے حیلے اور بہانے شروع کئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے گھر پست دیوار ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہیں بچوں اور عورتوں کی حفاظت ضروری ہے، ہم اس لئے اجازت چاہتے ہیں۔

یقولون ان بیوتنا عورةً و ما ھی بعورة ان یریدون الا فراراً

منافقین یہ کہتے تھے کہ تحقیق ہمارے گھر خالی ہیں اور حالانکہ وہ خالی نہیں۔ محض بھاگنا چاہتے ہیں اس لئے یہ حیلے بہانے کر رہے ہیں۔

مسلمانوں کا جوش ایمانی

اور مسلمان جن کے قلوب اخلاص اور ایقان سے لبریز تھے ان کی یہ حالت ہوئی جو حق جل شانہ نے بیان فرمائی۔

ولمارا المؤمنون الاحزاب قالواھٰذاماوعدنا اللہ و رسولہٗ و صدق اللہ و رسولہٗ وما زادھم الا ایمانا و تسلیما

اور اہل ایمان نے جب کافروں کی فوجیں دیکھیں تو بے ساختہ یہ کہا۔ یہ وہی ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے۔ اور اس سے ان کے یقین اور اطاعت میں اور زیادتی ہوگئی۔

بعض قبائل سے صلح کا معاملہ

محاصرہ کی شدت اور سختی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوا کہ مسلمان بمقتضائے بشریت کہیں گھبرا نہ جائیں اس لئے یہ قصد فرمایا کہ عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف سے (جو قبائل غطفان کے قائد اور سردار تھے) مدینہ کے نخلستان کے تہائی پھل دے کر ان سے صلح کر لی جائے تا کہ یہ لوگ ابوسفیان کی مدد سے کنارہ کش ہو جائیں اور مسلمانوں کو اس حصار سے نجات ملے۔ چنانچہ آپ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے

اپنا یہ خیال ظاہر فرمایا۔ان دونوں نے کہا یا رسول اللہ کیا اللہ نے آپ کو ایسا حکم دیا ہے اگر ایسا ہے تو ہم اس کی تعمیل کے لئے حاضر ہیں۔یا آپ محض از راہ شفقت ہمارے خیال سے ایسا قصد فرما رہے ہیں۔آپ نے فرمایا۔اللہ کا کوئی حکم نہیں۔محض تمہاری خاطر میں نے ایسا ارادہ کیا ہے اس لئے کہ عرب نے متفق ہو کر ایک کمان سے تم پر تیر باری شروع کی ہے اس طریق سے میں ان کی شوکت اور اجتماعی قوت کو توڑنا چاہتا ہوں۔

سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ جب ہم اور یہ سب کافر اور مشرک تھے بتوں کو پوجتے تھے۔اللہ عزوجل کو جانتے بھی نہ تھے اس وقت بھی ان کی یہ مجال نہ تھی کہ ہم سے ایک چھوارہ بھی لے سکیں مگر یہ کہ مہمانی کے طور پر یا خرید کر۔اور اب جبکہ ہم کو اللہ عزوجل نے ہدایت کی لازوال اور بے مثال نعمت سے سرفراز فرمایا اور اسلام سے ہم کو عزت بخشی تو اپنا مال ہم ان کو دیدیں۔یہ ناممکن ہے واللہ انہیں اپنا مال دینے کی ہمیں کوئی حاجت نہیں خدا کی قسم ہم ان کو سوائے تلوار کے کچھ نہ دیں گے۔ان سے جو ہو سکتا ہے وہ کر گزریں۔

اور اس بارے میں جو صلح کی تحریر لکھی گئی تھی سعد بن معاذ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ہاتھ سے لے کر اس کی تمام عبارت مٹادی۔

عمرو بن عبدود کا قتل

دو ہفتے اسی طرح گزر گئے مگر دست بدست لڑائی اور مقابلہ کی نوبت نہیں آئی۔صرف طرفین سے تیر اندازی ہوتی رہی۔بالآخر قریش کے چند سوار عمرو بن عبدود۔عکرمۃ بن ابی جہل۔ہبیرہ بن ابی وہب' ضرار بن خطاب' نوفل بن عبداللہ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے نکلے۔جب خندقوں پر پہنچے تو یہ کہا خدا کی قسم یہ مکر و فریب پہلے عرب میں نہ تھا۔ایک مقام سے خندقوں کا عرض کم تھا وہاں سے پھاند کر اس طرف پہنچے اور مسلمانوں کو مقابلے کے لئے آواز دی عمرو بن عبدود جو جنگ بدر میں زخم کھا کر گیا تھا سر سے پاؤں تک غرق آہن تھا۔ اس نے مقابلے کے لئے آواز دی۔شیر خدا حضرت علی اس کے مقابلہ کے لئے بڑھے۔ اے عمرو میں تجھ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہوں اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ عمرو نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔حضرت علی نے فرمایا اچھا میں تم کو لڑائی اور مقابلہ کی

دعوت دیتا ہوں۔ عمرو نے کہا تم کمسن ہو اپنے سے بڑے کو میرے مقابلہ کے لئے بھیجو۔ میں تمہارے قتل کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت علی نے فرمایا میں تمہارے قتل کو پسند کرتا ہوں۔ یہ سن کر عمرو کو طیش آ گیا اور گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ اور آگے بڑھ کر حضرت علی پر وار کیا جس کو حضرت علی نے سپر سے روکا لیکن پیشانی پر زخم آیا۔ بعد ازاں حضرت علی نے اس پر وار کیا جس نے اس کا کام تمام کیا۔

حضرت علی نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا جس سے مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ اللہ عزوجل نے فتح دی۔

نوفل بن عبداللہ کا گر کر مرنا

نوفل بن عبداللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے آگے بڑھا۔ گھوڑے پر سوار تھا خندق کو پھاندنا چاہتا تھا کہ خندق میں گر پڑا اور گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا۔ مشرکین نے دس ہزار درہم آپ کی خدمت میں پیش کئے کہ اس کی لاش ہمارے حوالہ کر دی جائے آپ نے ارشاد فرمایا وہ بھی خبیث اور ناپاک تھا اور اس کی دیت بھی خبیث اور ناپاک ہے۔ اللہ کی لعنت ہو اس پر بھی اور اس کی دیت پر بھی ہمیں نہ دس ہزار کی ضرورت ہے اور نہ لاشہ کی اور بلا کسی معاوضہ کے لاش ان کے حوالے کر دی۔

بقیہ سواروں کی واپسی

عمرو بن عبدود اور نوفل کے قتل ہو جانے کے بعد قریش کے بقیہ سوار شکست کھا کر واپس ہوئے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعا

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہ رگ پر ایک تیر آ کر لگا۔ حضرت سعدؓ نے اس وقت یہ دعا مانگی۔

اے اللہ اگر تو نے قریش کی لڑائی باقی رکھی ہے تو مجھ کو اس کے لئے باقی رکھ کیوں کہ مجھ کو اس سے زیادہ کوئی محبوب اور پیاری چیز نہیں کہ میں اس قوم سے جہاد کروں کہ جس نے تیرے رسول کو ایذائیں پہنچائیں اور اس کو جھٹلایا اور اس کو حرم آمن سے نکالا اور اے اللہ اگر تو نے ہمارے اور ان کے مابین لڑائی کو ختم کر دیا تو اس زخم کو میرے لئے شہادت کا ذریعہ بنا اور اس وقت تک مجھ کو موت

نہ دے جب تک کہ بنی قریظہ کی ذلت اور رسوائی سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔

حملہ کا سخت دن

حملہ کا یہ دن نہایت ہی سخت تھا، تمام دن تیر اندازی اور سنگ باری میں گزرا اسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں قضا ہوئیں۔

حضرت صفیہؓ کا یہودی کو مارنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں اور عورتوں کو ایک قلعہ میں محفوظ کر دیا تھا۔ یہود کی آبادی وہاں سے قریب تھی۔ حضرت صفیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی بھی اسی قلعہ میں تھیں۔ حضرت حسان اس قلعہ کی حفاظت پر مامور تھے حضرت صفیہ نے دیکھا کہ ایک یہودی قلعہ کے اردگرد چکر لگا رہا ہے۔ اندیشہ ہوا کہ کہیں جاسوس نہ ہو اس لئے حضرت صفیہ نے حضرت حسان سے کہا کہ اس کو قتل کر دو ایسا نہ ہو کہ دشمنوں سے ہماری مخبری کر دے۔ حضرت حسان نے کہا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اس کام کا ہی نہیں حضرت صفیہ اٹھیں اور خیمہ کی ایک لکڑی لے کر اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور فرمایا کہ یہ مرد ہے اور میں عورت ہوں اس لئے میں تو ہاتھ نہ لگاؤں گی تم اس کے ہتھیار اتار لاؤ۔ حضرت حسان نے کہا مجھے اس کے ہتھیار اور سامان کی ضرورت نہیں۔

بنی قریظہ اور قریشیوں میں پھوٹ

اثنائے محاصرہ میں نعیم بن مسعود اشجعی غطفان کے ایک رئیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ پر ایمان لایا۔ میری قوم کو میرے اسلام لانے کا علم نہیں اگر اجازت ہو تو میں کوئی تدبیر کروں جس سے یہ حصار ختم ہو آپ نے فرمایا ہاں تم ایک تجربہ کار آدمی ہو اگر کوئی ایسی تدبیر ممکن ہو تو کر گزرو۔

اس لئے کہ لڑائی نام ہی اصل میں حیلہ اور تدبیر کا ہے۔

چنانچہ نعیمؓ نے ایسی تدبیر کی کہ قریش اور بنو قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی اور بنو قریظہ قریش کی امداد سے دست کش ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

مسند احمد ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ ہم نے حصار کی شدت اور سختی کا ذکر کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی آپ نے فرمایا دعا مانگو۔

اللھم استر عوراتنا و آمن روعاتنا

اے اللہ ہمارے عیبوں کو چھپا اور ہمارے خوف کو دور کر۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ یہ دعا فرمائی۔

اللھم منزل الکتاب و مجری السحاب و ھازم الاحزاب اھزمھم وانصرنا علیھم

کافروں کے لشکر پر ہوا کا مسلط ہونا

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور قریش اور غطفان پر ایک سخت ہوا مسلط کی کہ جس سے ان کے تمام خیمے اکھڑ گئے' رسیاں اور طنابیں ٹوٹ گئیں' ہانڈیاں الٹ گئیں گرد وغبار اڑ کر آنکھوں میں بھرنے لگا۔ جس سے کفار کا تمام لشکر سراسیمہ ہو گیا۔ اسی بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یآیھا الذین اٰمنوا اذکروا نعمة اللہ علیکم اذجآء تکم جنوداً فارسلنا علیھم ریحاً و جنوداً لم تروھا وکان اللہ بما تعلمون بصیراً (الاحزاب' آیۃ:۹)

اے ایمان والو یاد کرو اللہ کے اس انعام کو جو تم پر اس وقت ہوا کہ جب کافروں کے بہت سے لشکر تمہارے سروں پر آ پہنچے پس اس وقت ہم نے تمہارے دشمنوں پر ایک آندھی بھیجی اور تمہاری مدد کے لئے آسمان سے ایسے لشکر اتارے جو تم کو دکھائی نہیں دیتے تھے۔ یعنی فرشتے اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

جنوداً لم تروھا سے فرشتے مراد ہیں۔ جنہوں نے کافروں کے دلوں کو مرعوب اور خوفزدہ بنایا۔ اور مسلمانوں کے دلوں کو قوی مضبوط کیا۔ اس طرح کفار کا دس ہزار کا لشکر وہاں سے سراسیمہ ہو کر بھاگا۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔

وردالله الذین کفروا بغیضهم لم ینالوا خیراً و کفی الله المومنین القتال و کان الله قویاً عزیزاً

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مع ان کے غیظ وغضب کے واپس کر دیا اور ذرہ برابر کسی بھلائی کو حاصل نہ کر سکے اور اللہ نے اہل ایمان کی طرف سے لڑائی میں کفایت کی اور اللہ تعالیٰ بڑا توانا اور غلبہ والا ہے۔

حضرت حذیفہؓ کو جاسوسی کے لئے بھیجنا

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو حکم دیا کہ جا کر قریش کی خبر لاؤں میں نے عرض کیا میں کہیں پکڑا نہ جاؤں۔ آپ نے فرمایا۔

البتہ تحقیق تو ہرگز گرفتار نہ ہوگا' اور بعد ازاں میرے لئے یہ دعا فرمائی۔

اے اللہ اس کے آگے سے اور پیچھے سے دائیں سے بائیں سے اوپر سے اور نیچے سے حفاظت فرما۔

آپ کی دعا سے میرا تمام خوف دور ہو گیا۔ اور نہایت شاداں اور فرحاں روانہ ہوا۔ جب جانے لگا تو یہ فرمایا کہ اے حذیفہ کوئی نئی بات نہ کرنا۔ میں ان کے لشکر میں پہنچا تو ہوا اس قدر تیز تھی کہ کوئی چیز نہیں ٹھہرتی تھی اور تاریکی ایسی چھائی ہوئی تھی کہ کوئی چیز دکھلائی نہیں دیتی تھی۔ اتنے میں حذیفہؓ نے ابوسفیان کو یہ کہتے سنا اے گروہ قریش یہ ٹھہرنے کا مقام نہیں۔ ہمارے جانور ہلاک ہو گئے۔ بنو قریظہ نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا اور اس ہوا نے ہم کو سراسیمہ اور پریشان بنا دیا۔ چلنا پھرنا اور بیٹھنا مشکل ہو گیا۔ بہتر یہ ہے کہ فوراً لوٹ چلو اور یہ کہہ کر ابوسفیان اونٹ پر سوار ہو گیا۔

حذیفہؓ فرماتے ہیں اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ اس کو تیر سے مار ڈالوں لیکن آپ کا ارشاد یاد آ گیا کہ اے حذیفہ کوئی نئی بات نہ کرنا۔ اس لئے میں واپس آ گیا۔

قریش کی واپسی اور حضورﷺ کی پیشگوئی

جب قریش واپس ہوئے تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا:۔

اب ہم ان پر حملہ آور ہوں گے اور یہ کافر ہم پر حملہ آور نہ ہو سکیں گے ہم ہی ان پر حملہ کرنے کے لئے چلیں گے۔

یعنی کفر اب اتنا کمزور ہو گیا کہ اب اس میں اتنی قوت نہیں رہی کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں کوئی اقدام کر سکے اور اسلام فقط اپنا دفاع کرے بلکہ اس کے برعکس اب اسلام اتنا قوی ہو گیا ہے کہ وہ کفر کے مقابلہ میں ابتداءً اقدام کریگا اور جارحانہ حملہ آور ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ واپسی

اور جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی اور زبان مبارک پر یہ کلمات تھے۔

لآالٰه الا الله وحده لاشریک له له الملک وله الحمد و هو علی کل شی قدیر آئبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق الله وعده، و نصر عبده، وهزم الاحزاب وحده،

ابن سعد اور بلاذری کہتے ہیں کہ محاصرہ پندرہ دن رہا۔ واقدی کہتے ہیں یہی قول سب سے زیادہ راجح ہے۔ سعد بن مسیب فرماتے ہیں چوبیس دن رہا۔

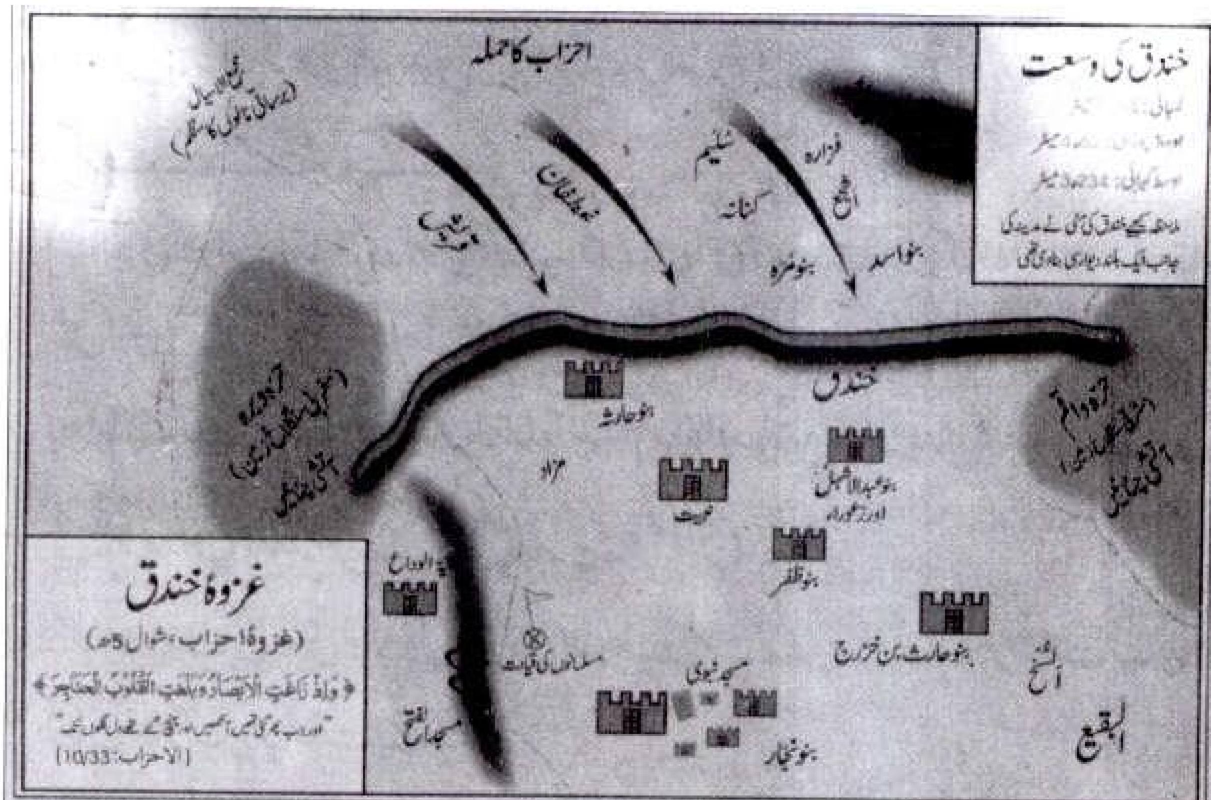
مقتولین وشہداء

اس غزوہ میں مشرکین میں سے تین آدمی قتل ہوئے۔ نوفل بن عبداللہ، عمرو بن عبدود، منبہ بن عبید اور چھ آدمی مسلمانوں میں سے شہید ہوئے۔

۱- سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲- انس بن اویس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳- عبداللہ بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴- طفیل بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵- ثعلبۃ بن عنمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶- کعب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور دو نام حافظ دمیاطی نے اضافہ کئے

۷- قیس بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۸- عبداللہ بن ابی خالد رضی اللہ عنہ





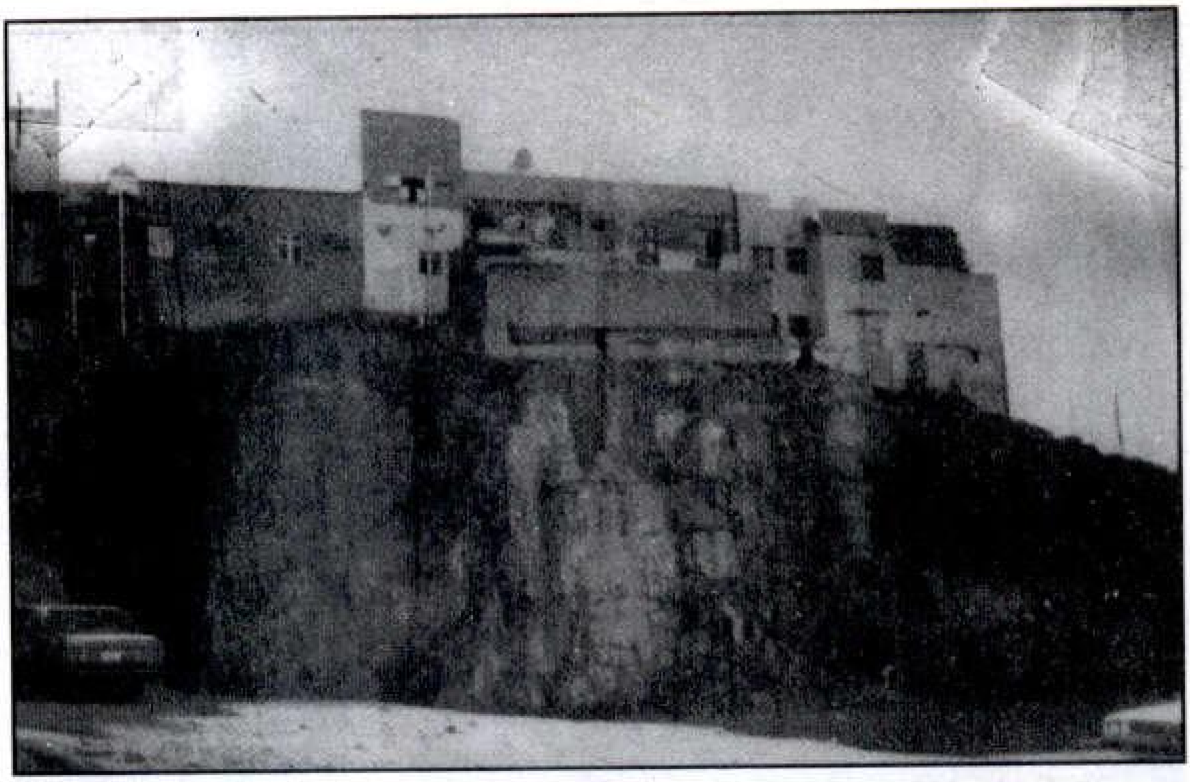
سلع پہاڑ کا ایک رخ: یہیں جنگ خندق کے موقع پر فوجی ہیڈ کوارٹر تھا جہاں مسجد فتح تعمیر کی گئی اور مسجد ابوبکر، مسجد علی اور مسجد سلمان فارسی رضی اللہ عنہم بھی نمایاں ہیں

↓

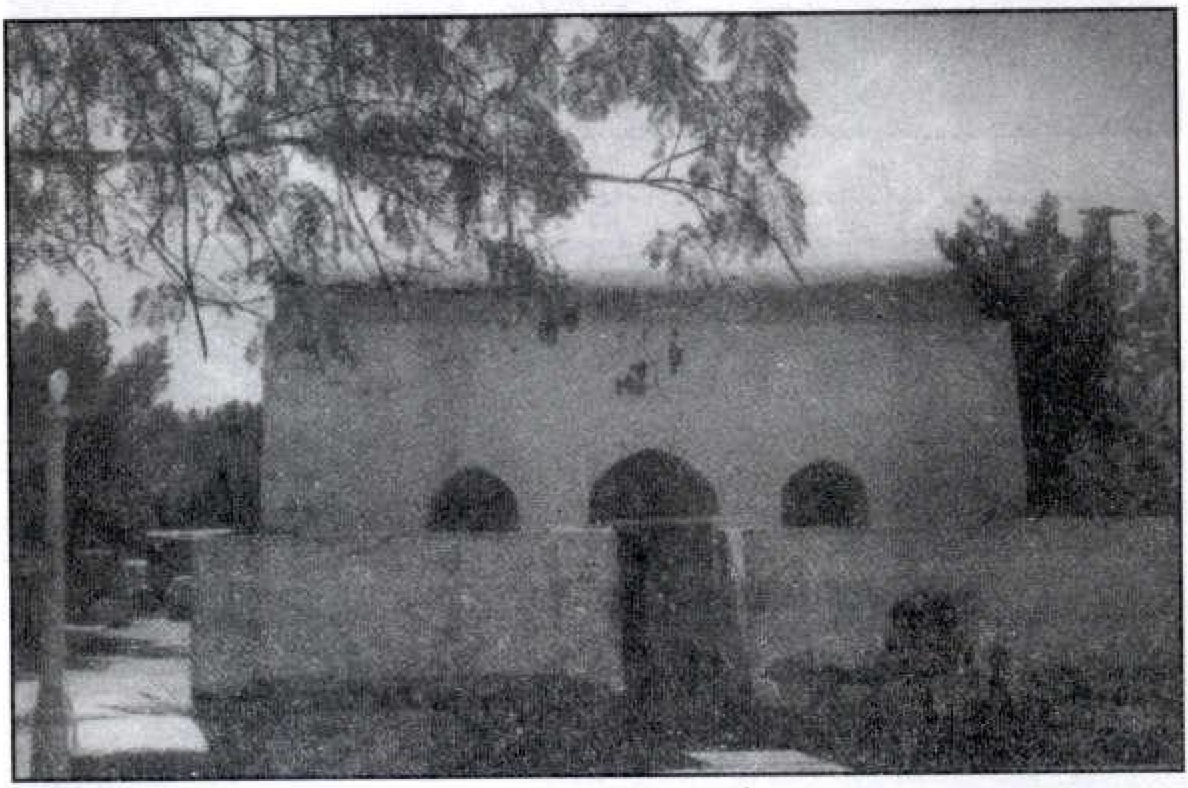


اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
بِعَدَدِ کُلِّ ذِکْرِہٖ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّۃٍ

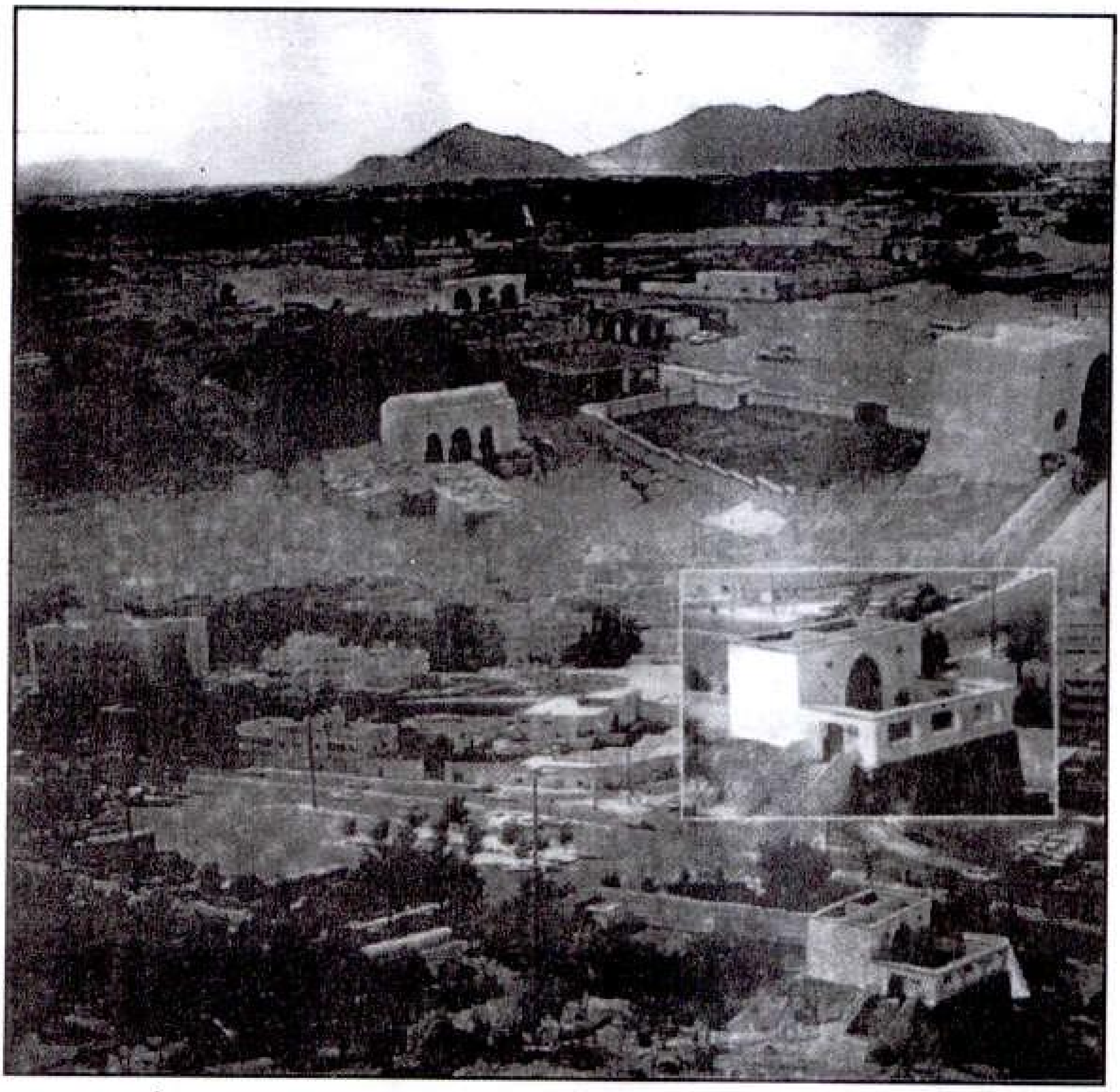
یہ درود شریف پڑھنا حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر سارے درود بھیجنے کے برابر ہے۔ (ذریعۃ الوصول)



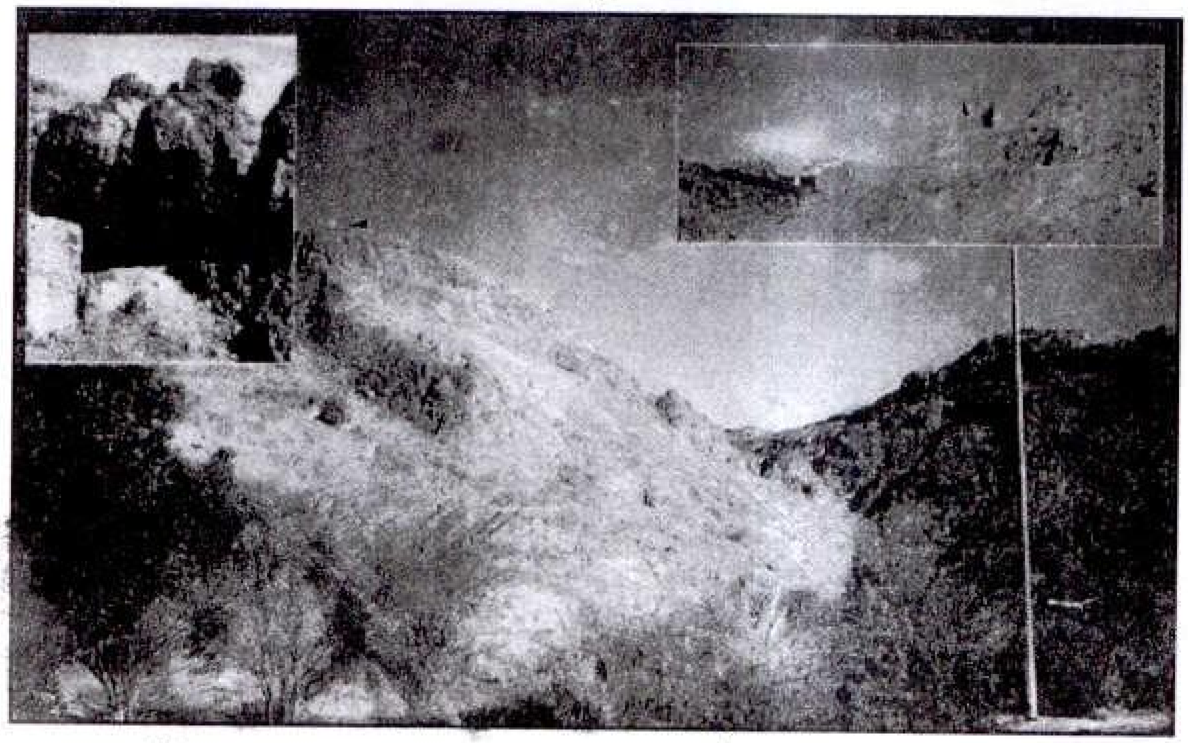
مسجد رایہ: یہ رایہ نامی پہاڑ پر قائم ہے‘ اس پہاڑ میں وہ چٹان ہے جو خندق کھودتے وقت بیچ میں آ گئی تھی۔



مسجد سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ: یہ مسجد خندق کے میدان جنگ میں اس مقام پر تعمیر کی گئی ہے جہاں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مورچہ تھا۔



جبل سلع کے دامن میں غذوہ خندق کی یادگار چھ مساجد جہاں حضور اور کبار صحابہ کے کیمپ تھے



جبل سلع کے دامن میں غذوہ خندق کی یادگار چھ مساجد جہاں حضور اور کبار صحابہ کے کیمپ تھے

غزوۂ بنی قُرَیظہ

(ذی قعدہ ۵ھ بروز بدھ)

بنی قریظہ پر حملہ کا حکم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ غزوۂ خندق سے صبح کی نماز کے بعد واپس ہوئے آپ نے اور تمام مسلمانوں نے ہتھیار کھول دیئے۔ جب ظہر کا وقت قریب آیا تو جبرئیل امین ایک خچر پر سوار عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے مخاطب ہو کر کہا کیا آپ نے ہتھیار اتار دیئے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں جبرئیل امین نے کہا فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں کھولے اور نہ وہ ابھی واپس ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنی قریظہ کی طرف جانے کا حکم دیا ہے اور میں خود بنی قریظہ کی طرف جا رہا ہوں اور ان کو جا کر متزلزل کرتا ہوں۔

فرشتوں کی جماعت

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ بنی قریظہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پہلے سے معاہدہ تھا۔ جب قریش دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آئے تو بنی قریظہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد توڑ کر قریش کے ساتھ مل گئے۔ اللہ عزوجل نے جب احزاب کو شکست دی تو بنی قریظہ قلعوں میں گھس گئے جبرئیل امین فرشتوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ فوراً بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں آپ نے فرمایا میرے اصحاب ابھی تھکے ہوئے ہیں۔ جبرئیل امین نے کہا آپ اس کا خیال نہ کریں روانہ ہو جائیں میں ابھی جا کر ان کو متزلزل کئے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر جبرئیل امین فرشتوں کی جماعت کے ساتھ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے کوچۂ بنی غنم تمام گرد و غبار سے بھر گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ غبار کہ جو حضرت جبرئیل کی سواری سے کوچۂ بنی غنم میں اٹھا تھا وہ اب تک میری نظروں میں ہے گویا کہ اس وقت میں اس غبار کو اٹھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

لشکر اسلام کی روانگی

جبرئیل امین تو روانہ ہوئے اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے حکم دیا کہ کوئی شخص سوائے بنی قریظہ کے کہیں نماز عصر نہ پڑھے۔ راستہ میں جب عصر کا وقت آیا تو اختلاف ہوا۔ بعض نے کہا کہ ہم تو بنی قریظہ ہی پہنچ کر نماز پڑھیں گے۔ بعض نے کہا ہم نماز پڑھ لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقصد نہ تھا (کہ نماز قضا کر دی جائے بلکہ مقصود جلدی پہنچنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے کسی پر اظہار ناراضگی نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ نیت ہر ایک کی خیر کی تھی۔

بنی قریظہ کا محاصرہ

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو رائیت اسلام کا جھنڈا دے کر روانہ فرمایا جب حضرت علی وہاں پہنچے تو یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلم کھلا گالیاں دیں۔ (جو ایک مستقل اور نا قابل معافی جرم ہے) اور اس کے بعد آنحضرت خود بہ نفس نفیس روانہ ہوئے اور پہنچ کر بنی قریظہ کا محاصرہ کیا۔ پچیس روز تک ان کو محاصرہ میں رکھا۔

بنی قریظہ کے سردار کی تجاویز

اس اثناء میں ان کے سردار کعب بن اسد نے ان کو جمع کر کے یہ کہا کہ میں تین باتیں تم پر پیش کرتا ہوں۔ ان میں سے جس ایک کو چاہو اختیار کر لو تا کہ تم کو اس مصیبت سے نجات ملے۔

اول یہ کہ ہم اس شخص (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے آئیں اور اس کے متبع اور پیرو بن جائیں۔ کیونکہ خدا کی قسم تم پر یہ بات بالکل واضح اور روشن ہو چکی ہے کہ وہ بلا شبہ اللہ عزوجل کے نبی اور رسول ہیں اور تحقیق یہ وہی نبی ہیں جن کو تم تورات میں لکھا پاتے ہو۔ اگر ایمان لے آؤ گے تو تمہاری جان اور مال بچے اور عورتیں سب محفوظ ہو جائیں گے۔

بنی قریظہ نے کہا کہ ہم کو یہ منظور نہیں۔ ہم اپنا دین نہیں چھوڑیں گے۔ کعب نے کہا اچھا اگر یہ منظور نہیں تو دوسری بات یہ ہے کہ بچوں اور عورتوں کو قتل کر کے بے فکر ہو جاؤ اور شمشیر بکف ہو کر پوری ہمت اور تن دہی کے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ کرو اگر نا کام رہے تو بچوں اور عورتوں کا کوئی غم نہ ہوگا اور اگر کامیاب ہو گئے تو عورتیں بہت ہیں ان سے بچے بھی پیدا ہو جائیں گے۔ بنو قریظہ نے کہا بلا وجہ عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے زندگی کا لطف کیا ہے۔ کعب نے کہا اچھا اگر یہ منظور نہیں تو تیسری بات یہ ہے کہ آج ہفتہ کی شب ہے عجب نہیں کہ محمد اور ان کے اصحاب غافل اور بے خبر ہوں اور ہماری جانب سے اس وجہ سے مطمئن ہوں کہ یہ دن یہود کے نزدیک محترم ہے۔ اس میں وہ حملہ نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کی اس بے خبری اور غفلت سے یہ نفع اٹھاؤ کہ یکا یک ان پر شب خون مارو۔ بنو قریظہ نے کہا اے کعب تجھ کو معلوم ہے کہ ہمارے اسلاف اسی دن کی بے حرمتی کی وجہ سے بندر اور سور بنائے گئے۔ پھر تو ہم کو اسی کا حکم دیتا ہے۔ الغرض بنو قرظہ نے کعب کی ایک بات کو نہ مانا۔

حضرت ابولبابہؓ سے مشورہ

حضرت ابولبابۃ بن عبدالمنذ ر رضی اللہ عنہ سے بنی قریظہ کے حلیفانہ تعلقات تھے۔ اس لئے ان کو یہ امید ہوئی کہ شاید وہ اس آڑے وقت میں ہماری کوئی مدد کر سکیں اس بنا پر بنو قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ابولبابہؓ کو ہمارے پاس بھیج دیں تا کہ ہم ان سے مشورہ کریں۔ آپ نے ابولبابہؓ کو اجازت دی ابولبابہ کو دیکھ کر سب جمع ہو گئے۔ بچے اور عورتیں ان کو دیکھ کر رونے لگے یہ دیکھ کر ابولبابہ کا دل بھر آیا۔ بنو قریظہ نے جب ان سے یہ دریافت کیا کہ کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو منظور کر لیں اور آپ کے فیصلہ پر راضی ہو جائیں۔ ابولبابہؓ نے کہا ہاں بہتر ہے لیکن حلق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ذبح کئے جاؤ گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تمہارے قتل کا ہے۔

حضرت ابولبابہؓ پر ندامت کا طاری ہونا

ابولبابہ اپنی جگہ سے ابھی ہٹے نہ تھے فوراً متنبہ ہوا کہ میں نے اللہ عزوجل اور اس کے

رسول کے ساتھ خیانت کی اور سیدھے وہاں سے مسجد نبوی میں پہنچے اور اپنے کو ایک ستون سے باندھ لیا اور قسم کھائی کہ جب تک اللہ عزوجل میری توبہ قبول نہ فرمائے گا اس وقت تک اس جگہ سے نہ ہٹوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ بنی قریظہ میں کبھی قدم نہ رکھوں گا اور جس شہر میں اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی ہے اس کو کبھی نہ دیکھوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خبر ہوئی تو یہ ارشاد فرمایا اگر وہ سیدھا میرے پاس آ جاتا تو میں اس کیلئے استغفار کرتا لیکن جب وہ ایسا کر گزرا ہے تو میں اس کو اپنے ہاتھ سے نہ کھولوں گا جب تک اللہ عزوجل اس کی توبہ نازل نہ فرمائے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

بالآخر مجبور ہو کر بنو قریظہ اس پر آمادہ ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیں وہ ہمیں منظور ہے۔ جس طرح خزرج اور بنو نضیر میں حلیفانہ تعلقات تھے اسی طرح اوس اور بنو قریظہ میں حلیفانہ تعلقات تھے۔ اس لئے اوس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ خزرج کے التماس پر حضور نے بنی نضیر کے ساتھ جو معاملہ فرمایا اسی طرح کا معاملہ ہماری استدعا پر بنو قریظہ کے ساتھ فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہارا فیصلہ تم ہی میں کا ایک شخص کر دے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کر دیں وہ ہمیں منظور ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جب خندق میں زخمی ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے مسجد نبوی میں ایک خیمہ لگوا دیا تھا کہ قریب سے ان کی عیادت کر سکیں۔ ان کے بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ حمار پر سوار ہو کر تشریف لائے جب آپ کے قریب پہنچے تو یہ فرمایا۔

اپنے سردار کی تعظیم کے لئے اٹھو۔ جب اتار کر بیٹھا دیئے گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنا فیصلہ تیرے سپرد کیا ہے سعدؓ نے کہا میں ان کی بابت یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان میں سے لڑنے والے یعنی مرد قتل کئے جائیں اور عورتیں اور بچے اسیر کر کے لونڈی اور غلام بنا لئے جائیں اور ان کا تمام مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا بے شک تو نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا۔

حضرت سعدؓ کی دعا اور وفات

بعد ازاں حضرت سعدؓ نے یہ دعا مانگی۔

اے اللہ تجھ کو خوب معلوم ہے کہ مجھ کو اس سے زیادہ کوئی محبوب چیز نہیں کہ اس قوم سے جہاد کروں جس قوم نے تیرے رسول کو جھٹلایا اور حرم سے اس کو نکالا۔ اے اللہ میں گمان کرتا ہوں کہ تو نے ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی کو ختم کر دیا ہے۔ پس اگر قریش سے ابھی لڑنا باقی ہے تو مجھ کو زندہ رکھ تا کہ تیری راہ میں ان سے جہاد کروں اور اگر تو نے لڑائی کو ختم کر دیا ہے تو اس زخم کو جاری کر دے اور اسی کو میری شہادت کا ذریعہ بنا دے۔ دعا کا ختم کرنا تھا کہ زخم جاری ہو گیا اور اسی میں وفات پائی۔ **انا لله و انا اليه راجعون.**

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سعد بن معاذ کی موت سے عرش ہل گیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آسمان کے تمام دروازے ان کے لئے کھول دیئے گئے اور آسمانوں کے فرشتے ان کی روح کے چڑھنے سے خوش ہوئے۔ اور ستر ہزار فرشتے ان کے جنازہ میں شریک ہوئے جو اس سے پہلے کبھی آسمان سے نازل نہ ہوئے تھے۔

چنانچہ انصار میں سے کسی نے اس بارے میں یہ شعر کہا ہے

وماهتز عرش الله من موت هالك　　سمعنا به الا لسعد ابی عمرو

ہم نے سوائے سعد بن معاذ کے اور کسی مرنے والے کے لئے کبھی نہیں سنا کہ عرش خداوندی اس کے مرنے سے ہلا ہو اور ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بنی قریظہ کی گرفتاری اور قتل

تمام بنی قریظہ گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے اور ایک انصاری عورت کے مکان میں ان کو محبوس رکھا گیا اور بازار میں ان کے لئے خندقیں کھدوائی گئیں بعد ازاں دو دو چار چار کو اس مکان سے نکلوایا جاتا اور ان خندقوں میں ان کی گردنیں ماری جاتیں۔ حیی بن اخطب اور سردار بنی قریظہ کعب بن اسد کی بھی گردن ماری گئی۔ حیی بن اخطب (جس کے کہنے سے کعب ابن اسد سردار بنی قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدعہدی کی اور معاہدہ توڑا) جب آپ

کے سامنے لایا گیا تو آپ کی طرف دیکھ کر کہا واللہ میں اپنے نفس کو آپ کی دشمنی کے بارے میں ملامت نہیں کرتا لیکن حق یہ ہے کہ خدا جس کی مدد نہ کرے اس کا کوئی مددگار نہیں پھر لوگوں کی طرف دیکھا اے لوگو! کچھ مضائقہ نہیں اللہ نے بنی اسرائیل کیلئے جو سزا مقدر کی تھی اور جو مصیبت ان کے لئے لکھ دی تھی وہ پوری ہوئی یہ کہہ کر بیٹھ گیا اور اس کی گردن ماری گئی۔

عورت صرف ایک قتل کی گئی

عورتوں میں سوائے ایک عورت کے کوئی عورت قتل نہیں کی گئی جس کا یہ جرم تھا کہ اس نے کوٹھے سے چکی کا پاٹ گرایا تھا جس سے خلاد بن سویدؓ شہید ہوئے۔ اس عورت کا نام بنانہ تھا۔ حکم قرظی کی بیوی تھی۔

مال غنیمت

ترمذی، نسائی، ابن حبان میں حضرت جابر سے باسناد صحیح مروی ہے کہ ان کی تعداد چار سو تھی اور قیدیوں کو فروخت کرنے کے لئے نجد اور شام کی طرف بھیجا گیا اور ان کی قیمت سے گھوڑے اور ہتھیار خریدے گئے اور جو مال و اسباب بنی قریظہ سے غنیمت میں ملا تھا وہ مسلمانوں پر تقسیم کیا گیا۔

آیت قرآنی کا نزول

بنی قریظہ کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

وانزل الذین ظاھروھم من اھل الکتاب من صیا صیھم و قذف فی قلوبھم الرعب فریقاً تقتلون و تاسرون فریقاً و اورثکم ارضھم و دیارھم و اموالھم وارضالم تطؤھا و کان اللہ علیٰ کل شیء قدیرا

اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیا ایک گروہ کو تم قتل کرتے تھے اور ایک گروہ کو قید کرتے تھے اور اللہ نے تم کو وارث بنایا ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے مالوں

کا اور اس زمین کا جس پر تم نے ابھی تک قدم بھی نہیں رکھا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت ابولبابہ کو بشارت

اور ابولبابہ مسجد کے ستون سے بندھے ہوئے تھے صرف نماز اور قضاء حاجت کے لئے کھول دیئے جاتے تھے۔ نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ میں اسی طرح رہوں گا یہاں تک مر جاؤں یا اللہ عزوجل میری توبہ قبول فرمائیں چھ روز کے بعد سحر کے وقت ان کی توبہ نازل ہوئی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ حضرت ام سلمہ نے آپ سے اجازت لے کر ان کو بشارت سنائی اور مبارک باد دی۔ مسلمان دوڑے کہ ان کو کھولیں۔ ابولبابہؓ نے کہا میں قسم کھا چکا ہوں کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں گے۔ اس وقت نہ کھلوں گا چنانچہ آپ جب صبح کی نماز کے لئے تشریف لائے تو خود دست مبارک سے ان کو کھولا۔

حضرت ابولبابہؓ کے بارے میں آیات قرآنی

حق جل شانہ نے ابولبابہ کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ یآیھا الذین اٰمنوا لاتخونوا اللہ والرسول وتخونوا اماناتکم وانتم تعلمون الی اخیر الآیات اور ان کی توبہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وآخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا عملاً صالحاً واخر سیئاً عسی اللہ ان یتوب علیھم ان اللہ غفور رحیم ابولبابہ بیس دن تک مسجد کے ستون سے بندھے رہے جب آیت نازل ہوئی تو خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مسجد میں تشریف لے گئے اور ابولبابہ کو بشارت سنائی اور خود دست مبارک سے ان کو کھولا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینب سے نکاح

اسی سال یعنی ۵ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش سے نکاح فرمایا۔

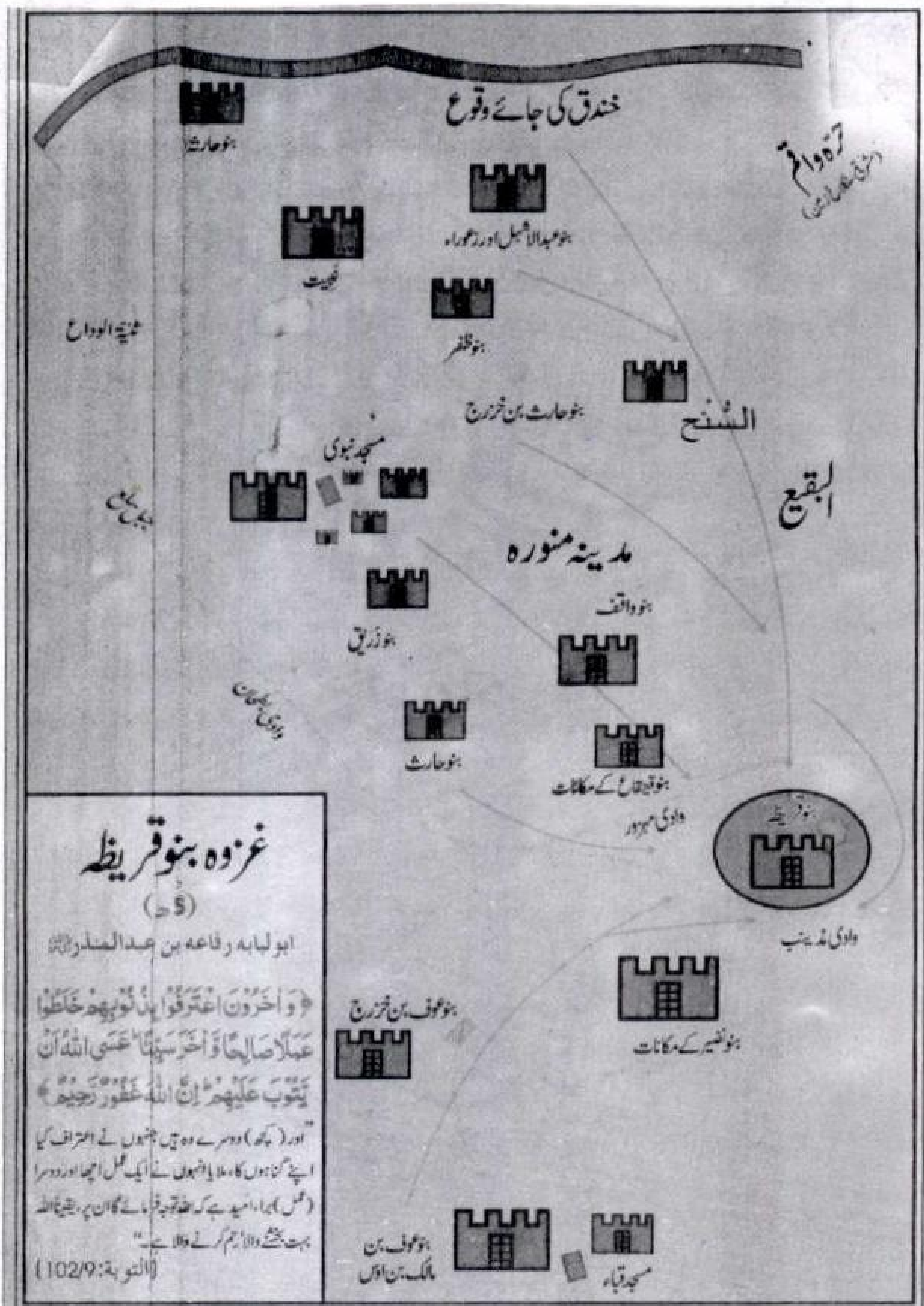
قتادہ اور واقدی اور بعض علماء مدینہ کا قول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب سے ۵ھ میں نکاح کیا اور بعض نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ ماہ ذی قعدہ میں کیا اور

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت زینب سے نکاح' غزوۂ بنی قریظہ کے بعد کیا اور خلیفۃ بن خیاط اور ابوعبیدۃ اور معمر اور ابن مندہ یہ کہتے ہیں کہ ۳ھ میں نکاح کیا اور پہلا قول یعنی ۵ھ میں نکاح ہونا یہی زیادہ مشہور ہے اور اسی کو ابن جریر اور بہت سے مورخین نے اختیار کیا ہے۔

حضرت زینب کے نکاح کا مفصل قصہ انشاء اللہ تعالیٰ ازواج مطہرات کے بیان میں آئیگا۔

نزول حجاب

اور حضرت زینب ہی کے ولیمہ میں آیت حجاب نازل ہوئی یعنی یہ آیت کریمہ **واذا سألتموهن متاعاً فاسالوهن من وراء حجاب.** یہ سورۂ احزاب کی آیت ہے اس آیت کو آیت حجاب کہتے ہیں۔ کہ عورت ایسے شخص کے سامنے نہ آئے کہ جس سے اس کا نکاح جائز ہو اور سورۂ نور میں جو آیتیں نازل ہوئیں یعنی **قل للمؤمنات يغضضن من ابصارهن و يحفظن فروجهن ولايبدين زينتهن الاماظهرمنها الى قوله ليعلم ما يخفين من زينتهن** یہ آیتیں دربارۂ ستر عورت نازل ہوئیں۔ یہ آیات ستر کہلاتی ہیں۔ یعنی بدن کے کتنے حصہ کو ہر وقت مستور اور پوشیدہ رکھنا ضروری ہے اور بدن کے کتنے حصہ کا کھلا رکھنا جائز ہے۔ مثلاً گھر میں چہرہ اور ہتھیلوں کا ڈھکنا واجب نہیں ان اعضاء کو اگر ہر وقت گھر میں بھی مستور رکھنا واجب اور فرض ہو تو دشواری ہو جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس کے سامنے چاہے کھول لیا کرو۔ اگر چہرہ کھولنے کی سب کے سامنے اجازت ہو تو پھر حجاب اور پردہ کا حکم نازل کرنے سے کیا فائدہ ہوا۔



غزوہ بنو قریظہ

(۵ھ)

ابولبابہ رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ

﴿وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

"اور (کچھ) دوسرے وہ ہیں جنہوں نے اعتراف کیا اپنے گناہوں کا، ملایا انہوں نے ایک عمل اچھا اور دوسرا (عمل) برا، امید ہے کہ اللہ توجہ فرمائے گا ان پر، بیشک اللہ بہت بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

(التوبۃ: 102/9)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ بِعَدَدِ مَا فِي جَمِيْعِ الْقُرْآنِ
حَرْفًا حَرْفًا وَبِعَدَدِ كُلِّ حَرْفٍ أَلْفًا أَلْفًا

دنیا اور آخرت کی برکتیں حاصل کرنے کے لئے اپنے وظائف و معمولات کے ختم پر یہ درود شریف پڑھا کریں۔ (ذریعۃ الوصول)

باب ۴

غزوات و واقعات سنہ ۶ھ کے

واقعۂ صلح حدیبیہ

اور شاہان عالم کے نام دعوتی خطوط

قرطا کی طرف محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کا سریہ
(۱۰ محرم الحرام ۶ ھ)

حملہ اور فتح

۱۰ محرم الحرام ۶ ھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس سواروں کو محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں قرطاء کی جانب روانہ فرمایا۔ جا کر ان پر چھاپہ مارا۔ دس آدمی قتل ہوئے باقی بھاگ گئے۔ ڈیڑھ سو اونٹ اور تین ہزار بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ سب کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انیس دن کے بعد ۲۹ محرم کو یہ لوگ مدینہ پہنچے۔ خمس نکال کر مال غنیمت آپ نے غانمین پر تقسیم فرمایا۔ تقسیم غنائم میں ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا۔

ثمامہ بن اثال کی گرفتاری

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ لوگ سردار بنی حنیفہ ثمامہ بن اثال کو گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں لائے آپ نے ان کو مسجد کے ایک ستون سے باندھنے کا حکم دیا۔ (تا کہ مسلمانوں کی نماز اور بارگاہ خداوندی میں عجز و نیاز کا نظارہ

کریں جن کے دیکھنے سے خدا یاد آتا تھا اور ان کے عمل کو دیکھ آخرت کی رغبت پیدا ہوتی تھی۔ ان کے انوار و برکات اندر ہی اندر دلوں کی ظلمتوں اور تاریکیوں کو صاف کرتے تھے)

ثمامہ کا مسلمان ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے پاس سے گزرے تو فرمایا اے ثمامہ میری نسبت تمہارا کیا گمان ہے۔ ثمامہ نے کہا میرا گمان آپ کے ساتھ اچھا ہے۔

اگر آپ قتل کریں تو ایک خونی کو قتل کریں گے جو قتل کا مستحق ہے اور اگر انعام واحسان فرمائیں تو آپ کا شکرگزار پر انعام واحسان ہوگا اور اگر مال مطلوب ہے تو جتنا چاہیں حاضر کروں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خاموش گزر گئے دوسرے روز پھر ادھر سے گزرے اور ثمامہ سے دریافت فرمایا اے ثمامہ میری نسبت تمہارا کیا گمان ہے۔ ثمامہ نے آپ کی نرمی محسوس کرکے پہلا اور تیسرا جملہ حذف کر دیا اور صرف اس قدر کہا۔

اگر احسان فرمائیں تو ایک شکرگزار پر احسان ہوگا۔ آپ سن کر پھر خاموش گزر گئے۔ تیسرے روز پھر اس طرف سے گزرے اور وہی سوال فرمایا۔ ثمامہ نے کہا میرا گمان وہی ہے جو میں کل عرض کر چکا ہوں۔

آج ثمامہ نے اپنا معاملہ آپ کے خلق جمیل اور عفو وکرم پر چھوڑ دیا۔ آپ نے صحابہ سے مخاطب ہوکر فرمایا ثمامہ کو کھول دو۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ خود ثمامہ سے آپ نے یہ فرمایا۔

اے ثمامہ میں نے تجھ کو معاف کیا اور آزاد کیا۔ ثمامہ نے رہا ہوتے ہی مسجد کے قریب کے ایک نخلستان تھا وہاں جا کر غسل کیا اور پھر مسجد میں آئے اور کہا:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله

اور آپ سے مخاطب ہوکر کہا اے محمد اس سے پیشتر آپ کے چہرہ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھ کو دنیا میں مبغوض نہ تھا اور آج آپ کے چہرے سے زیادہ روئے زمین پر کوئی چہرہ مجھ کو محبوب اور پیارا نہیں اور اس سے پہلے آپ کے دین سے زیادہ کوئی دین مجھ کو مبغوض نہ تھا اور آج سب سے زیادہ آپ ہی کا دین مجھ کو محبوب ہے اور آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر

مبغوض نہ تھا اور آج آپ کے شہر سے زیادہ مجھ کو کوئی شہر محبوب نہیں۔ میں عمرہ کے ارادہ سے جا رہا تھا کہ آپ کے سوار مجھ کو گرفتار کر لائے اب جو ارشاد ہو۔ آپ نے ان کو عمرہ کرنے کا حکم دیا اور بشارت دی۔ (یعنی تم صحیح اور سلامت رہو گے کوئی تم کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا)

حضرت ثمامہؓ کا قریشیوں کا غلہ رکوا دینا

ثمامہؓ جب مکہ آئے تو کسی کافر نے کہا کہ ثمامہ تو بے دین ہو گیا۔ ثمامہ نے کہا۔ ہرگز نہیں میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمان ہو گیا ہوں یعنی میں بے دین نہیں ہو گیا اس لئے کہ کفر اور شرک کوئی دین نہیں بلکہ لغو اور بیہودہ خیال ہے۔ بلکہ میں تو اللہ کا مطیع اور فرمانبردار بندہ ہو گیا ہوں اور اپنے آپ کو اسی کے حوالہ اور سپرد کر دیا ہے۔ خدا کی قسم میں کبھی تمہارے مذہب کی طرف رجوع نہ کروں گا اور خوب سمجھ لو کہ یمامہ سے جو غلہ تمہارے پاس آتا ہے اب ایک دانہ بھی تمہارے پاس نہ آئے گا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں۔ ثمامہ نے یمامہ پہنچ کر غلہ کا آنا بند کر دیا۔ قریش نے مجبور ہو کر آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ آپ تو صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں ہم آپ کے رشتہ دار ہیں آپ ثمامہ کو لکھ بھیجیں کہ غلہ بھیجنا بدستور جاری کر دیں۔ آپ نے ثمامہ کو خط لکھوا کر روانہ فرمایا کہ غلہ نہ روکیں۔

مسیلمہ کے مقابلہ میں حضرت ثمامہؓ کی تبلیغ

حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فضلاء صحابہ میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب اہل یمامہ مرتد ہوئے اور مسیلمہ کذاب کے ساتھ ہو گئے تو حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیتیں لوگوں کے سامنے تلاوت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حٰمٓ تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم غافر الذنب و قابل التوب شدید العقاب ذی الطول لا الہ الا ھو الیہ المصیر

یہ کتاب اتاری گئی ہے اس اللہ کی جانب سے جو غالب ہے اور دانا ہے اور گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنے والا اور مجرموں کو سخت سزا دینے والا اور دوستوں کو بڑا انعام دینے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کی طرف لوٹ کر سب کو جانا ہے۔

اور بعد ازاں لوگوں سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا بھلا انصاف تو کرو کہ اس کلام معجزہ نظام کو مسیلمہ کذاب کے ہذیان سے کیا نسبت۔

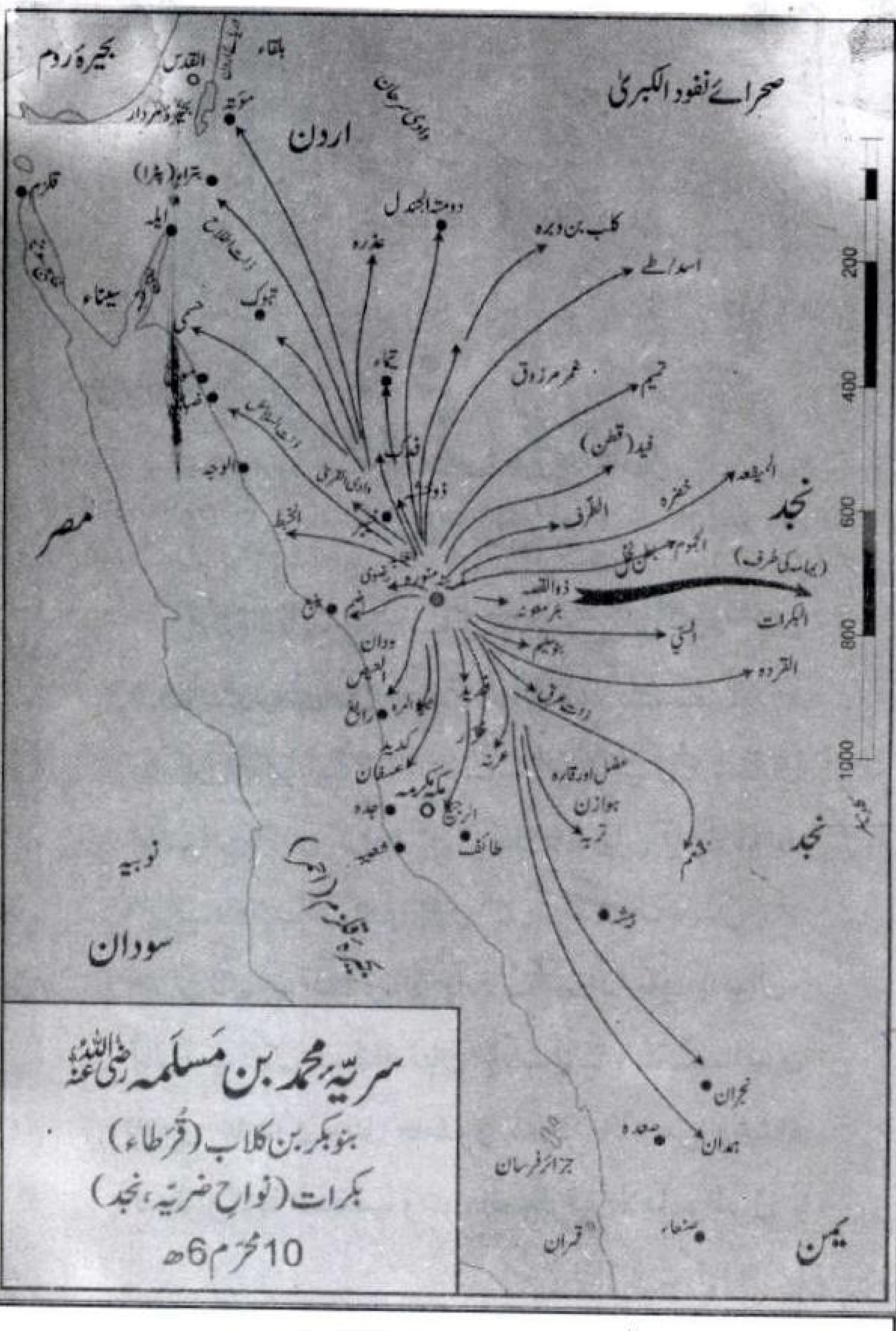
حضرت ثمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقانیت اور اخلاص میں ڈوبے ہوئے یہ کلمات اثر کر گئے تین ہزار آدمی مسیلمہ کذاب کا ساتھ چھوڑ کر آغوش اسلام میں آ گئے۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جب اہل یمامہ مرتد ہوئے تو حضرت ثمامہؓ نے لوگوں کو مسیلمہ کذاب کے اتباع سے روکا اور یہ فرمایا:-

اے لوگو تم اپنے کو اس تاریک امر سے بچاؤ اس میں کہیں نور کا نام ونشان نہیں البتہ تحقیق یہ شقاوت اور بدبختی ہے جس کو اللہ عزوجل نے ان لوگوں کے حق میں لکھ دیا ہے جنہوں نے اس کو قبول کیا اور ابتلاء اور امتحان ہے ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے اسے اختیار نہیں کیا اے بنی حنیفہ اس نصیحت کو خوب سمجھ لو۔

مسیلمہ کے شہر سے ہجرت کر جانا

لیکن حضرت ثمامہ نے جب یہ دیکھا کہ نصیحت کارگر نہیں ہوئی اور لوگ کثرت سے اس کے متبع ہو گئے تو جو مسلمان ان کے ساتھ تھے ان سے فرمایا خدا کی قسم میں اس شہر میں ہرگز نہ رہوں گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کیا ہے جو میرے ساتھ چلنا چاہے وہ چلے۔ ثمامہؓ مسلمانوں کے ایک گروہ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئے اور جا کر علاء بن حضرمیؓ کے ساتھ مل گئے۔



سریہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ
بنو بکر بن کلاب (قُرطاء)
بکرات (نواحِ ضریہ، نجد)
10 محرم 6ھ

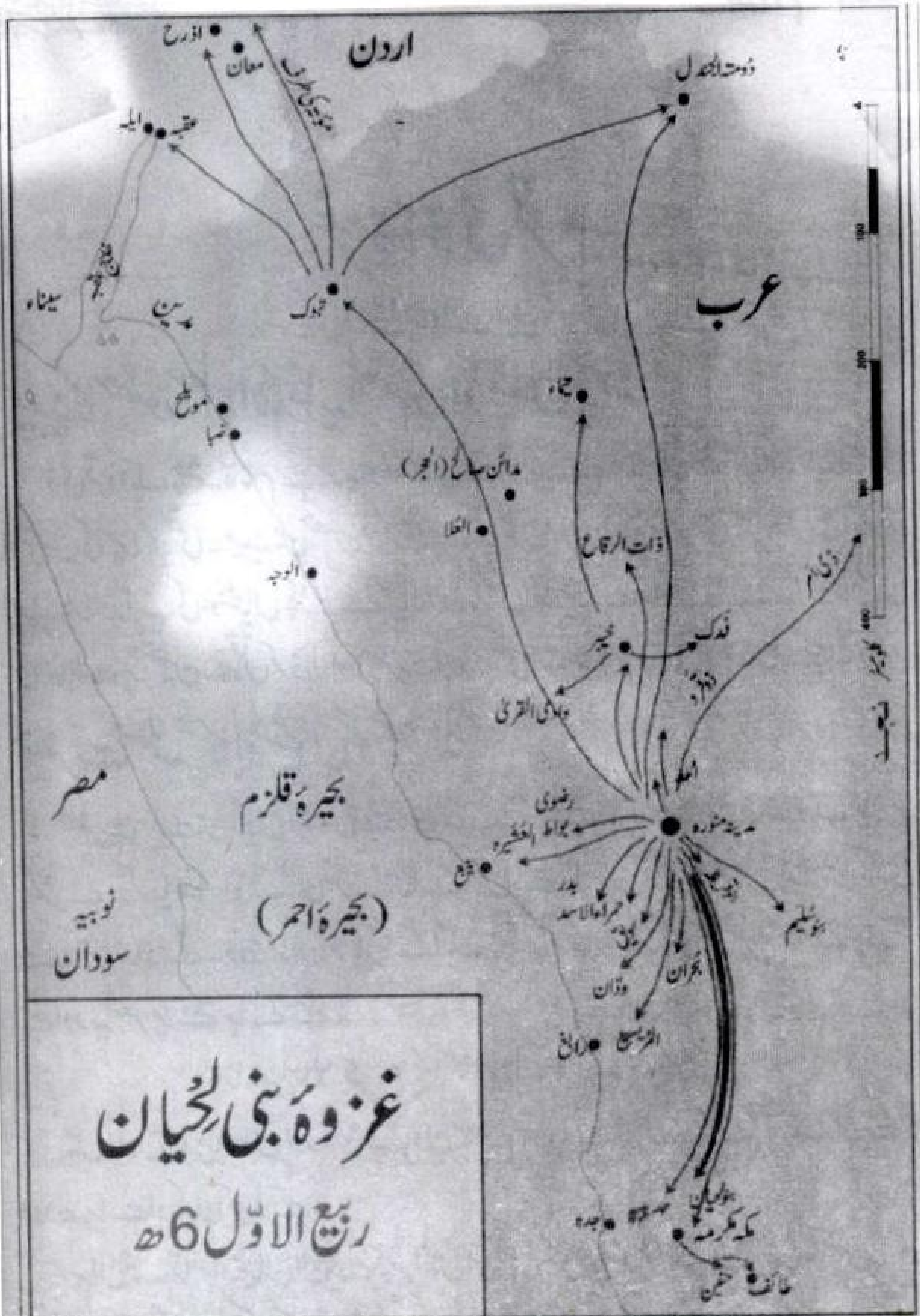
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ
النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَسَلِّمْ

جو شخص جمعہ کے دن ایک ہزار مرتبہ یہ درود شریف پڑھے اُس کو خواب میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگی۔ پانچ یا سات جمعہ تک پابندی سے اسکو پڑھیں۔ (ذریعۃ الوصول)

غزوۂ بنی لحیان

(ربیع الاول ۶ھ)

یکم ربیع الاول ۶ھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس عاصم بن ثابت اور خبیب بن عدی اور دیگر شہداء رجیع کا بدلہ لینے کے لئے دوسو سواروں کے ہمراہ لے کر روانہ ہوئے۔ بنولحیان آپ کی خبر پاتے ہی بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپے ایک دو روز یہاں قیام فرمایا اور اطراف و جوانب میں چھوٹی چھوٹی مہمیں روانہ کیں۔ جن میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی دس سوار دے کر روانہ فرمایا۔ بلا جدال و قتال آپ واپس ہوئے اور زبان مبارک پر یہ کلمات تھے۔ **آیبون تائبون عابدون ربنا حامدون اعوذ باللہ من وعثاء السفر وکآبۃ المنقلب وسوء المنظر فی الاھل والمال**



صَلَّى اللهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَجَزَاهُ عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهٗ

جو شخص یہ درود شریف پڑھے تو ثواب لکھنے والے ستر فرشتے ایک ہزار دن تک اُس کا ثواب لکھیں گے۔ (ذریعۃ الوصول)

غزوۂ ذی قرد

(ربیع الاول ۶ھ)

عیینہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں پر حملہ

ذی قرد ایک چشمہ کا نام ہے جو بلاد غطفان کے قریب ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں کی چراگاہ تھی۔ عیینہ بن حصن فزاری نے چالیس سواروں کی ہمراہی میں اس چراگاہ پر چھاپہ مارا اور آپ کی اونٹنیاں پکڑ کر لے گیا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے کو جو اونٹنیوں کی حفاظت پر متعین تھے قتل کر ڈالا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی بیوی کو پکڑ کر لے گئے۔

حضرت سلمہؓ کا اونٹنیوں کو چھڑانا

حضرت سلمۃ بن اکوع اطلاع ملتے ہی ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور ایک ٹیلہ پر کھڑے ہو کر یا صباحاہ کے تین نعرے لگائے جس سے تمام مدینہ گونج اٹھا۔ سلمۃ بن اکوع بڑے تیر انداز تھے۔ دوڑ کر ان کو پانی کے ایک چشمہ پر جا پکڑا۔ ان پر تیر برساتے جاتے تھے اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

انا ابن الاکوع والیوم یوم الرضع

میں اکوع کا بیٹا ہوں اور آج کے دن معلوم ہو جائے گا کہ کس نے شریف عورت کا دودھ پیا ہے اور کون کمینہ ہے۔

یہاں تک تمام اونٹیاں ان سے چھڑا لیں اور تیس یمنی چادریں ان سے الگ چھینیں۔

رسول اللہؐ کے لشکر کی کافروں سے جنگ

ان کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سو یا سات سو آدمی لے کر روانہ ہوئے اور تیزی سے مسافت طے کر کے وہاں پہنچے اور آپ اپنے روانہ ہونے سے پہلے بھی چند سوار روانہ فرما چکے تھے ان لوگوں نے پہلے پہنچ کر ان کا مقابلہ کیا۔ دو آدمی مشرکین میں

سے مارے گئے ایک مسعدۃ بن حکمہ جس کو ابو قتادہؓ نے قتل کیا اور دوسرا ابان بن عمر جس کو عکاشۃ بن محصنؓ نے قتل کیا اور مسلمانوں میں سے محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ جن کا لقب اخرم ہے۔ عبدالرحمٰن بن عیینہ کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

مشرکین کی شکست اور حضورؐ کی واپسی

سلمۃ بن اکوعؓ نے آپ کی خدمت میں آ کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں ان کو فلاں جگہ پیاسا چھوڑ آیا ہوں۔ اگر سو آدمی مجھ کو مل جائیں تو سب کو گرفتار کر لاؤں آپ نے فرمایا: اے ابن اکوع جب تو قابو پائے تو نرمی کر مشرکین شکست کھا کر بھاگ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شبانہ روز وہیں مقیم رہے اور صلوٰۃ الخوف پڑھی اور پانچ دن کے بعد مدینہ واپس ہوئے۔

غمر کی طرف عکاشۃ بن محصن رضی اللہ عنہ کا سریہ

اسی ماہ ربیع الاول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاشۃ بن محصن کو چالیس آدمیوں کے ہمراہ غمر کی جانب روانہ کیا لیکن وہ لوگ خبر پاتے ہی بھاگ گئے جب وہاں کوئی نہ ملا تو شجاع بن وہب کو ادھر ادھر تلاش میں روانہ کیا۔ قرائن سے ان کو ان کے مویشیوں کا کچھ پتہ نہ چلا۔ انہیں میں سے ایک شخص ان کے ہاتھ لگ گیا۔ اس کو پکڑ لائے اور اس سے پتہ دریافت کیا وہاں پہنچ کر چھاپہ مارا دو سو اونٹ غنیمت میں ملے۔

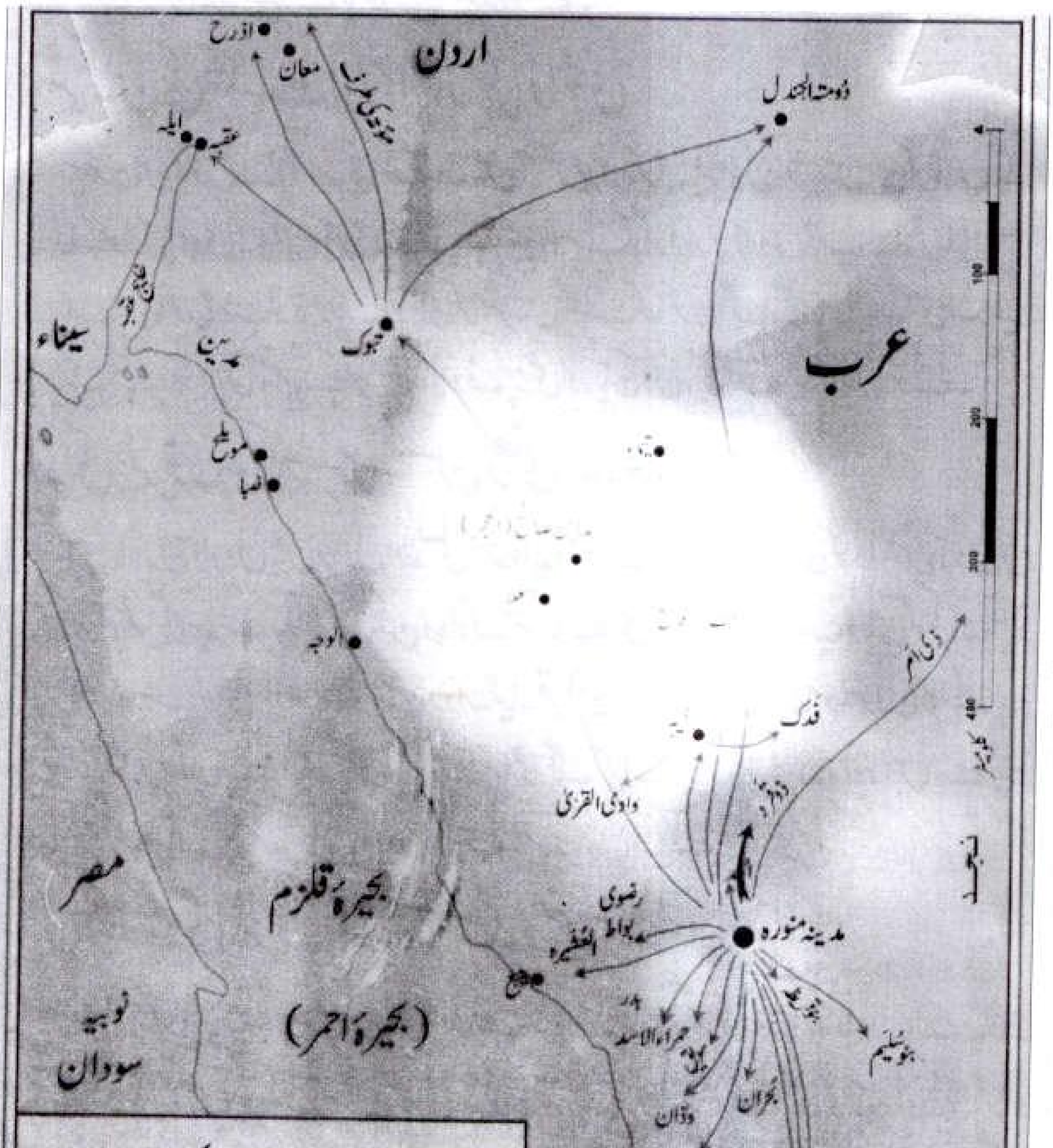
ذی القصہ کی طرف محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا سریہ

ربیع الآخر ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ کو دس آدمیوں کے ساتھ ذی القصہ کی طرف بنی ثعلبہ اور بنی عوال کے مقابلہ میں روانہ فرمایا۔ رات کو پہنچے اور پہنچ کر سو گئے۔ غنیم پہاڑوں میں چھپ گیا۔ جب یہ سو گئے تو سو آدمیوں نے آ کر شب خون مارا اور سب کو شہید کر ڈالا۔ محمد بن مسلمہ زخمی ہوئے ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ کر چلے گئے ایک مسلمان ادھر سے گزرا اور محمد بن مسلمہ کی لاش کو اٹھا کر مدینہ لایا۔

ذی القصہ کی طرف ابوعبیدۃ بن الجراح کا سریہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا انتقام لینے کے لئے ابوعبیدہ کو چالیس آدمیوں کے

ہمراہ ذی القصہ کی طرف روانہ فرمایا۔ پہنچ کران پر حملہ کیا شکست کھا کر بھاگ گئے ابوعبیدہ ان کے مویشی پکڑ لائے اور مدینہ واپس ہوئے اس کو سریہ ذی القصہ ثانی کہتے ہیں۔



سریۂ جموم

ربیع الآخر ۶ھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو جموم کی جانب جو مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ بنی سلیم کے مقابلہ میں روانہ فرمایا وہاں پہنچ کر ایک عورت مل گئی جس نے ان کا پتہ دیا۔ کچھ قیدی اور کچھ اونٹ اور کچھ بکریاں وہاں سے لے کر دو دن کے بعد واپس ہوئے۔

سریۂ عیص (جمادی الاول ۶ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ قریش کا ایک کارواں تجارت شام سے واپس آ رہا ہے۔ اس اطلاع کے ملنے پر آپ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک سو ستر سواروں کے ہمراہ مقام عیص کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ مقام مدینہ سے چار دن کے راستہ پر ہے۔ ساحل کے قریب واقع ہے۔ یہاں سے قریش کے تجارتی قافلے گزرتے ہیں۔

مسلمانوں نے پہنچ کر سب قافلہ والوں کو گرفتار کر لیا اور ان کے تمام مال و متاع پر قبضہ کر لیا۔ سب کو لے کر مدینہ حاضر ہوئے' قیدیوں میں آپ کے داماد ابوالعاص بن ربیع بھی تھے۔ آپ کی صاحبزادی حضرت زینب نے ان کو پناہ دی اور آپ نے بھی ان کو پناہ دی اور ان کا مال و اسباب واپس کیا۔ حضرت ابوالعاص کی واپسی اور ان کے اسلام کا مفصل قصہ غزوۂ بدر کے بیان میں گزر چکا ہے۔

سریۂ طرف (جمادی الاخریٰ)

طرف ایک چشمہ کا نام ہے۔ مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ زید بن حارثہ کو پندرہ آدمیوں کے ساتھ بنی ثعلبہ کی سرکوبی کیلئے اس چشمہ کی طرف روانہ فرمایا۔ دشمن بھاگ گیا اور زید بن حارثہ کچھ اونٹ اور بکریاں لے کر مدینہ واپس ہوئے۔

سریۂ حسمیٰ (جمادی الآخریٰ ۶ھ)

حضرت دحیہؓ پر ہنید کا ڈاکہ ڈالنا

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ' حضور کا والا نامہ لے کر قیصر روم کے پاس گئے تھے۔ وہاں

سے واپس آ رہے تھے قیصر کے دیئے ہوئے ہدایات اور تحائف آپ کے ہمراہ تھے۔ جب حسمیٰ کے قریب پہنچے تو ہنید جذامی نے قبیلہ جذام کے چند آدمیوں کو لے کر ڈاکہ مارا صرف ایک پرانی اور بوسیدہ چادر چھوڑ دی باقی کپڑے اور سامان سب چھین لیا۔

سامان کی واپسی

رفاعہ بن زید جذامی (جو مشرف باسلام ہو چکے تھے) جب ان کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ چند مسلمانوں کو اپنے ہمراہ لے کر پہنچے اور ہنید سے وہ تمام سامان چھین کر حضرت دحیہ کو واپس دلایا۔

ہنید کا قتل ہونا

دحیہؓ مدینہ پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی۔ آپؐ نے پانچ سو صحابہ کو زید بن حارثہ کی سرکردگی میں حسمیٰ کی طرف روانہ کیا۔ یہ لوگ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے صبح کو پہنچتے ہی ایک دم ان پر چھاپہ مارا۔ ہنید اور اس کے بیٹے کو قتل کیا۔ سو عورتیں اور بچے گرفتار ہوئے۔ ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ لگیں۔

حضرت رفاعہ کے لوگوں کی واپسی

چونکہ انہی کے ساتھ رفاعہ بن زید کے لوگ بھی رہتے تھے جو مسلمان تھے غلطی سے ان کے بچے اور عورتیں گرفتار ہو گئے۔ رفاعہ بن زید آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے حضرت علی کو ان کے ہمراہ روانہ کیا کہ زید کو حکم دیں کہ تمام قیدی چھوڑ دیئے جائیں اور سب مال واپس کر دیا جائے۔ حتیٰ کہ نمدہ اور کجاوہ واپس دے دیا جائے۔

سریۂ وادی القریٰ

(رجب ۶ھ)

ماہ رجب میں زید بن حارثہ کو بنی فزارہ کی سرکوبی کیلئے وادی القریٰ کی جانب روانہ فرمایا۔ چند مسلمان شہید ہوئے اور زید بن حارثہ زخمی ہوئے۔

سریۂ دومۃ الجندل

(شعبان ٦ھ)

دربار نبویؐ میں ایک نوجوان کا سوال

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی اور عبدالرحمٰن بن عوف اور عبداللہ بن مسعود اور معاذ بن جبل اور حذیفۃ بن الیمان اور ابوسعید خدری سب آپ کی بارگاہ میں حاضر تھے۔

کہ ایک نوجوان انصاری حاضر خدمت ہوا اور سلام کر کے بیٹھ گیا اور عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ سب سے بہتر کونسا مسلمان ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں۔

اس نے پوچھا کون مسلمان سب سے زیادہ ہوشیار اور سمجھدار ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سب سے زیادہ موت کو یاد کرنے اور کہنے والا اور موت آنے سے پہلے سب سے زیادہ موت کی تیاری کرنے والا ایسے ہی لوگ سمجھدار اور ہوشیار ہیں۔

پانچ خطرناک خصلتیں

انصاری نوجوان تو ساکت ہو گیا اور آپ مجلس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا پانچ خصلتیں نہایت خطرناک ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم کو ان سے پناہ دے اور ان کے دیکھنے سے محفوظ رکھے۔

۱۔ جس قوم میں بے حیائی کھلم کھلا پھیل جائے تو اس قوم میں طاعون اور وہ بیماریاں پھیلتی ہیں کہ جو پہلے کبھی ظاہر نہ ہوئی تھیں۔

۲- جو قوم ناپ اور تول میں کمی کرتی ہے۔ وہ قحط سالی اور مشقتوں میں مبتلا ہوتی ہے اور ظالم بادشاہ ان پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔

۳- جو قوم اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں نکالتی ان سے بارش روک لی جاتی ہے۔ اگر جانور نہ ہوتے تو بالکل بارش سے محروم کر دیئے جاتے۔

۴- اور جو قوم اللہ عزوجل اور اس کے رسول کا عہد توڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ اجنبی دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے اور وہ غیر قوم کے لوگ ان کے ہاتھ میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب لے لیتے ہیں۔

۵- اور جب پیشوا اور حکام کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کرنے لگیں اور متکبر اور سرکش ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ آپس میں پھوٹ ڈال دیتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن ؓ کو دومۃ الجندل کی طرف بھیجنا

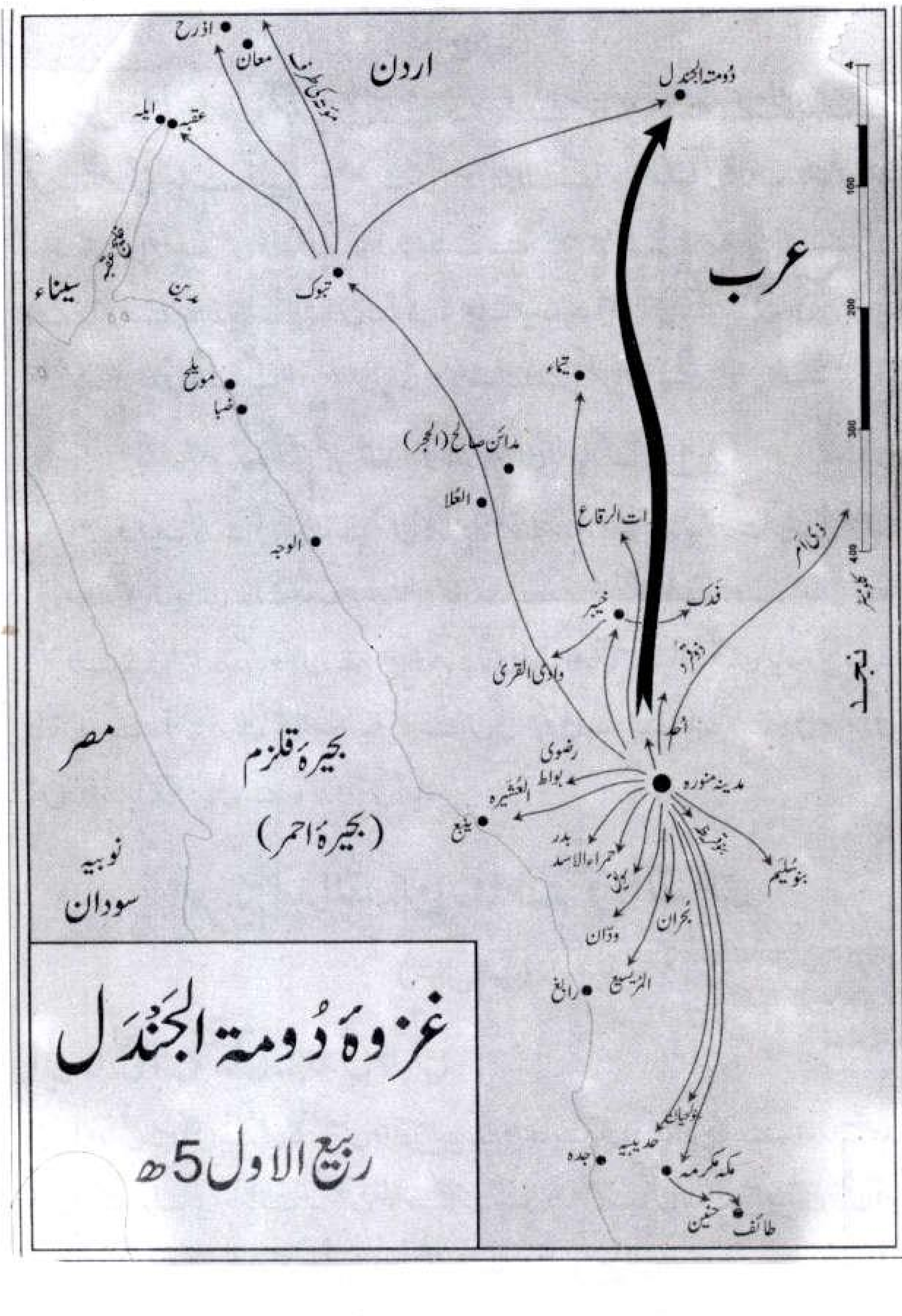
بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف کو حکم دیا کہ میں آج یا کل تم کو ایک مہم پر بھیجنے والا ہوں۔ تیار ہو جاؤ۔ اگلے روز جب نماز سے فارغ ہوئے تو عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا اور اپنے سامنے بٹھلایا اور دست مبارک سے ایک سیاہ عمامہ ان کے سر پر باندھا اور چار انگشت کا شملہ پیچھے چھوڑا اور فرمایا اے ابن عوف اسی طرح عمامہ باندھا کرو اس طرح بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ بعد ازاں حضرت بلال کو حکم دیا کہ ایک جھنڈا لا کر عبدالرحمٰن بن عوف کو دیں اور پھر آپ نے اللہ عزوجل کی حمد وثناء کی اور اپنے اوپر درود پڑھا اور عبدالرحمٰن بن عوف سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ جھنڈا لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے جاؤ۔ جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ان سے قتال کرو۔ خیانت اور عذر نہ کرنا۔ کسی کے ناک اور کان نہ کاٹنا۔ کسی بچہ کو نہ قتل کرنا۔ یہ اللہ کا عہد ہے اور اس کے نبی کی سنت ہے۔

سات سو آدمیوں کے ساتھ دومۃ الجندل کی طرف جانے کا حکم دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اگر وہ تمہاری دعوت کو قبول کریں اور اسلام لے آئیں تو وہاں کے رئیس کی بیٹی سے نکاح کرنے میں تامل نہ کرنا۔

دومۃ الجندل کے سردار کا مسلمان ہونا

عبدالرحمٰن بن عوف روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ تین روز تک برابر ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ تیسرے روز دومۃ الجندل کے رئیس اصبغ بن عمر نے اسلام قبول کیا۔ جو کہ مذہباً عیسائی تھا۔ اور اس کے ساتھ اور بہت سے لوگوں نے

اسلام قبول کیا اور آپ کی پیشین گوئی کے مطابق عبدالرحمٰن بن عوف کا نکاح وہاں کے رئیس اصبغ کی بیٹی تماضر سے ہوا۔ عبدالرحمٰن اس کو اپنے ساتھ مدینہ لے آئے ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن جو کبار تابعین اور جلیل القدر حفاظ میں سے ہیں وہ ان کے بطن سے پیدا ہوئے۔



سریۂ فدک

(شعبان ٦ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ بنی سعد بن بکر نے یہود خیبر کی امداد کے لئے فدک کے قریب لشکر جمع کیا ہے۔ آپ نے حضرت علیؓ کو سو آدمیوں کے ہمراہ فدک کی طرف روانہ فرمایا۔ راستہ میں ان کو ایک شخص ملا۔ ڈرانے اور دھمکانے سے معلوم ہوا کہ بنی سعد کا جاسوس ہے امن دے کر اس سے پتہ دریافت کیا۔ اس نے ان کا ٹھیک پتہ بتلایا اسی کے مطابق پہنچ کر ان پر حملہ کیا۔ بنو سعد تو بھاگ گئے اور مسلمان پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں لے کر واپس ہوئے۔

سریہ ام قرفہ (۷ رمضان المبارک ٦ھ)

ام قرفہ ایک عورت کی کنیت ہے جس کا نام فاطمہ بنت ربیعہ تھا۔ یہ عورت قبیلہ بنی فزارہ کی سردار تھی زید بن حارثہؓ ایک مرتبہ مال تجارت لے کر شام کو جاتے ہوئے یہاں سے گزرے۔ بنی فزارہ کے لوگوں نے ان کو مار کر زخمی کیا۔ اور تمام سامان چھین لیا۔ زید مدینہ واپس آ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر زید کی سرکردگی میں روانہ کیا جو کامیابی کے ساتھ واپس آیا۔

سریۂ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

(شوال ٦ھ)

ابی رافع بن حقیق یہودی کا قتل

ابو رافع یہودی کے قتل کا مفصل واقعہ ۳ھ کے واقعات میں ذکر ہو چکا ہے۔ ہمارا مقصد اس وقت صرف یہ بتلانا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک ابو رافع کے قتل کا واقعہ ۳ھ میں پیش آیا اور بعض کے نزدیک ۵ھ میں پیش آیا اور بعض کے نزدیک ٦ھ میں۔

یہودیوں کا نیا سربراہ

ابورافع کے قتل ہو جانے کے بعد یہود نے اسیر بن رزام کو اپنا امیر اور سردار بنالیا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے تیاریاں شروع کیں اور قبیلۂ غطفان اور دیگر قبائل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ آپ کو جب اس کا علم ہوا تو عبداللہ بن رواحہ کو تین آدمیوں کے ساتھ تحقیق حال کے لئے روانہ فرمایا۔ عبداللہ بن رواحہ نے آ کر خبر دی کہ واقعہ صحیح ہے۔

اسیر بن رزام کو گفتگو کی دعوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس آدمیوں کو عبداللہ بن رواحہ کے ساتھ روانہ فرمایا کہ ان کو بلا کر لائیں تاکہ ان سے زبانی گفتگو کریں۔ اسیر بن رزام نے بھی تیس آدمی ہمراہ لئے اور روانہ ہوا۔ ایک ایک اونٹ پر دو دو آدمی تھے ایک یہودی اور ایک مسلمان۔

یہودیوں کی بدنیتی اور لڑائی

راستہ میں آ کر ان لوگوں کی نیت بدلی۔ اسیر بن رزام اور عبداللہ بن انیسؓ ایک اونٹ پر تھے۔ اسیر نے دو مرتبہ ان پر تلوار چلانی چاہی۔ مگر عبداللہ بن انیس متنبہ ہو گئے دو مرتبہ درگزر فرمایا۔ اسیر نے جب تیسری بار یہ حرکت کی تو طرفین سے جنگ چھڑ گئی۔ تمام یہودی قتل کر دیئے گئے۔ ان سے صرف ایک آدمی بچا جو بھاگ گیا تھا۔ مسلمانوں میں سے بحمد اللہ کوئی قتل نہیں ہوا۔ صرف عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے زخم آیا۔ جب یہ لوگ مدینہ واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو ظالموں سے نجات دی۔ اور عبداللہ بن انیس کے زخم پر لعاب مبارک لگا دیا۔ فوراً اچھا ہو گیا اور چہرہ پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی۔

سریۂ کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ سوئے عُرینین

(شوال ۶ھ)

عکل اور عرینہ کے نومسلم

قبیلہ عکل اور عرینہ کے چند لوگ مدینہ میں آئے اور اسلام ظاہر کیا۔ چند روز کے بعد

آپ سے یہ عرض کیا کہ ہم اہل مویشی ہیں اب تک دودھ پر ہمارا گزارا رہا ہے۔ غلہ کے ہم عادی نہیں مدینہ کی آب و ہوا ہم کو موافق نہیں اس لئے اگر ہم کو شہر سے باہر صدقات کے اونٹوں میں رہنے اور ان کے دودھ پینے کی اجازت دے دیں تو بہتر ہے۔

آپ نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور شہر سے باہر چراگاہ میں صدقات کے اونٹ رہتے تھے وہاں رہنے اور ان کا دودھ پینے کی اجازت دے دی۔

صدقات کے اونٹوں پر ڈاکہ

چند روز میں یہ لوگ تندرست اور بڑے قوی اور توانا ہو گئے۔ اس وقت یہ شرارت سوجھی کہ اسلام سے مرتد ہوئے اور آپ کے چرواہے کو قتل اور اس کے ہاتھ اور پیر ناک اور کان کاٹے اور آنکھوں میں کانٹے چبھوئے اور اونٹوں کو بھگا کر لے گئے۔

گرفتاری وقصاص

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال ۶ھ میں کرز بن جابر فہریؓ کو تقریباً بیس آدمیوں کے ہمراہ ان کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ سب گرفتار کئے گئے۔ آپ نے ان سے قصاص اور بدلہ لینے کا حکم دیا۔ اور جس طرح سے ان لوگوں نے چرواہے کو قتل کیا تھا اسی طرح سے وہ قتل کئے گئے۔

مثلہ کرنے کی ممانعت

لیکن آئندہ کے لئے یہ حکم ہو گیا کہ کوئی مجرم اگرچہ کتنا ہی سخت جرم کیوں نہ کرے ہرگز ایسی سزا نہ دی جائے۔ ابتداءً تو پہلے ہی سے کسی سخت سے سخت دشمن کا مثلہ کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہو گیا۔ لہٰذا اگر کوئی کافر کسی مسلمان کو قتل کر کے مثلہ کرے تو اس کے قصاص میں کافر کو صرف قتل کیا جائے گا۔ مثلہ نہ کیا جائے گا۔

بعث عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ

قتل کے لئے ایک دیہاتی کا مدینہ آنا

ابوسفیان بن حرب نے ایک روز قریش کے بھرے مجمع میں یہ کہا کہ کوئی شخص ایسا نہیں

کہ جو جا کر محمد کو قتل کر آئے ان کے ہاں کوئی پہرہ نہیں۔ محمد بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں ایک اعرابی نے کہا کہ میں اس کام میں بڑا ماہر ہوں۔ اگر تم میری امداد کرو تو میں اس کام کو کر آؤں ابوسفیان نے اس کو ایک اونٹنی دی اور خرچ دیا۔ اور امداد کا وعدہ کیا وہ اعرابی اپنا خنجر لے کر مدینہ روانہ ہوا۔

مدینہ پہنچ کر مسلمان ہونا

حضور اس وقت مسجد بنی عبدالاشہل میں تشریف فرما تھے اس اعرابی کو سامنے سے آتے دیکھ کر فرمایا یہ کسی فاسد نیت سے آ رہا ہے۔ اسید بن حضیر اٹھے اور اس اعرابی کو پکڑا۔ جو خنجر کپڑوں میں چھپائے ہوئے تھا وہ ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ سچ بتلا کس نیت سے آیا ہے۔ اس نے کہا اگر مجھ کو امن عطا ہو تو عرض کروں۔ آپ نے فرمایا میں نے تجھ کو امن دیا۔ اعرابی نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ آپ نے اس کو چھوڑ دیا اور معاف کیا وہ اعرابی یہ معاملہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور یہ کہا۔

اے محمد میں کسی سے ڈرنے والا نہ تھا مگر آپ کو دیکھتے ہی یہ حالت ہوئی کہ عقل جاتی رہی اور دل کمزور پڑ گیا۔ پھر مزید برآں یہ کہ آپ میرے ارادہ پر مطلع ہو گئے جس کا کسی کو علم نہیں۔ پس میں نے پہچان لیا کہ آپ مامون اور محفوظ ہیں اور یقیناً آپ حق پر ہیں اور ابوسفیان کا گروہ شیطان کا گروہ ہے۔ آپ یہ سن کر مسکرانے لگے۔

اس کے بعد وہ اعرابی چند روز آپ کی خدمت میں رہا اور پھر آپ سے اجازت لے کر رخصت ہوا پھر اس کا کوئی حال معلوم نہیں ہوا کہ کہاں گیا۔

ابوسفیان کے قتل کے لئے دو آدمیوں کا مکہ جانا

بعد ازاں آپ نے عمرو بن امیہ ضمری اور سلمۃ بن اسلم انصاری کو مکہ روانہ فرمایا کہ اگر موقعہ پڑے تو ابوسفیان کو قتل کر دیں۔ جب یہ دونوں مکہ میں داخل ہوئے تو یہ ارادہ کیا کہ مسجد حرام میں حاضر ہو کر بیت اللہ کا پہلے طواف کر لیں۔ حرم میں داخل ہونا تھا کہ ابوسفیان نے ان کو دیکھ لیا اور چلا کر کہا کہ دیکھو یہ عمرو بن امیہ ہے۔ ضرور کسی شر کے لئے آیا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عمرو بن امیہ شیطان کے نام سے مشہور تھا۔ اہل مکہ نے اس خیال سے کہ عمرو بن امیہ ہم کو کوئی نقصان نہ پہنچائے اس ڈر سے اس کے لئے کچھ روپیہ پیسہ جمع کر دیا۔

واپسی اور مشرکوں کا قتل

عمرو نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ابوسفیان کا قتل تو اب ممکن نہیں بہتر یہ ہے کہ ہم اپنی جان بچا کر نکل جائیں۔ چل کر راستہ میں عبداللہ بن مالک تیمی کو قتل کیا۔ آگے چل کر دیکھتے کیا ہیں کہ بنی الدیل کا ایک کانا شخص لیٹا ہوا یہ شعر گا رہا ہے۔

ولست بمسلم مادمت حیا ولست ادین دین المسلمینا

جب تک میری زندگی ہے میں کبھی مسلمان نہ ہوں گا اور نہ مسلمانوں کے دین کو کبھی اختیار کرونگا۔

عمرو نے اس شعر پڑھنے والے پر ایک وار کیا جس سے اس کا کام تمام ہوا۔ آگے چلے تو قریش کے دو جاسوس ملے جن کو قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے تجسس کے لئے بھیجا تھا ان میں سے ایک کو تو قتل کیا اور دوسرے کو گرفتار کر کے بارگاہ نبوی میں لا کر پیش کیا اور تمام واقعہ آپ کو سنایا۔ آپ سن کر ہنس پڑے اور مجھے دعائے خیر دی۔

عُمرۃ الحُدیبیہؓ

یکم ذی القعدۃ الحرام ۶ ھ

حدیبیہ

حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے جس کے متصل ایک گاؤں آباد ہے جو اسی نام سے مشہور ہے۔ یہ گاؤں مکہ معظمہ سے ۹ میل کے فاصلہ پر ہے۔ محبّ طبری فرماتے ہیں کہ اس کا اکثر حصہ حرم میں ہے۔ اور باقی حصہ حل میں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے کچھ اصحاب مکہ مکرمہ میں امن کے ساتھ داخل ہوئے اور عمرہ کر کے بعض اصحاب نے سر منڈایا اور بعض نے کترایا۔

یہ خواب سنتے ہی دلوں میں جو بیت اللہ کی محبت اور شوق کی چنگاری دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی اور زیارت بیت اللہ کے شوق نے سب کو بے چین اور بے تاب بنا دیا۔

عمرہ کے لئے روانگی

پیر کے دن یکم ذی القعدۃ الحرام ۶ ھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا قصد فرمایا۔ تقریباً پندرہ سو مہاجرین اور انصار آپ کے ہمراہ تھے۔

حالات کی دریافت کے لئے جاسوس بھیجنا

ذوالحلیفہ پہنچ کر ہدی کے گلے میں قلادہ ڈالا اور اشعار کیا اور عمرہ کا احرام باندھا اور

بسر بن سفیان کو جاسوس بنا کر قریش کی خبر معلوم کرنے کے لئے آگے روانہ فرمایا۔ چونکہ ارادہ جنگ کا نہ تھا اس لئے کسی قسم کا سامان حرب اور سلاح جنگ ساتھ نہیں لیا۔ صرف اتنے ہتھیار ساتھ رکھے جتنا کہ مسافر کو ضروری اور لازمی ہے اور وہ بھی نیام میں۔

قریشیوں کی جنگ کے لئے تیاریاں

جب آپ غدیر اشطاط پر پہنچے تو آپ کے جاسوس نے آ کر آپ کو یہ اطلاع دی کہ قریش نے آپ کی خبر پاتے ہی لشکر جمع کیا ہے اور آپ کے مقابلہ کے لئے تل گئے ہیں اور یہ عہد کیا ہے کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ خالد بن الولید بطور مقدمۃ الجیش کے دوسو سواروں کو لے کر مقام غمیم میں پہنچ گئے ہیں۔

حدیبیہ تک پہنچنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر پاتے ہی وہ راستہ چھوڑ دیا اور دوسرے راستہ سے نکل کر مقام حدیبیہ میں پہنچ گئے۔ اس مقام سے جب آپ نے اپنے ناقہ کو مکہ کی طرف موڑنا چاہا تو وہ ناقہ بیٹھ گیا۔ لوگوں نے ناقہ کو اٹھانا چاہا مگر ناقہ اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ لوگوں نے کہا خلات القصوآء خلات القصواء اونٹنی بیٹھ گئی۔ آپ نے فرمایا یہ اس کی عادت نہیں لیکن اللہ عزوجل نے اس کو روکا ہے۔

حدیبیہ کے کنوئیں پر قیام

اور بعد ازاں یہ فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ قریش مجھ سے جس ایسے امر کی درخواست کریں گے کہ جس میں شعائر اللہ کی تعظیم ہوتی ہو میں ضرور اس کو منظور کروں گا یہ کہہ کر اونٹنی کو کوچا دیا۔ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی وہاں سے ہٹ کر آپ نے حدیبیہ پر آ کر قیام فرمایا۔ گرمی کا موسم تھا پیاس کی شدت اور پانی کی قلت تھی۔ گڑھے میں جو تھوڑا بہت پانی تھا وہ کھینچ لیا گیا۔ صحابہ نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ پانی نہیں رہا۔ آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر دیا کہ اس گڑھے میں گاڑ دیا جائے۔ اسی

وقت پانی اس قدر جوش مارنے لگا تمام لشکر سیراب ہو گیا۔

مکہ میں قاصد بھیجنا

حدیبیہ میں قیام کرنے کے بعد آپ نے خراش بن امیہ خزاعیؓ کو ایک اونٹ پر سوار کر کے اہل مکہ کے پاس بھیجا کہ ان کو خبر کر دیں کہ ہم فقط بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں جنگ کے لئے نہیں آئے۔ اہل مکہ نے ان کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور ارادہ کیا کہ ان کو بھی قتل کر ڈالیں مگر آپس ہی کے بعض لوگوں نے درمیان میں پڑ کر بچا دیا۔ حضرت خراش اپنی جان بچا کر واپس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام واقعہ بیان کیا۔

حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجنا

تب آپ نے حضرت عمرؓ کو پیام دے کر اہل مکہ کے پاس بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے معذرت کی اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ اہل مکہ مجھ سے کس قدر برہم ہیں۔ اور کس درجہ میرے دشمن ہیں مکہ میں میرے قبیلہ کا کوئی شخص نہیں جو مجھے بچا سکے اگر آپ حضرت عثمان کو بھیجیں جن کی مکہ میں قرابتیں ہیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ آپ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور عثمان کو بلا کر یہ حکم دیا کہ ابوسفیان اور روسائے مکہ کو ہمارا پیام پہنچا دو اور جو مسلمان مکہ میں اپنے اسلام کا اعلان واظہار نہیں کر سکتے ان کو یہ بشارت سنا دو کہ گھبرائیں نہیں عنقریب اللہ تعالیٰ فتح نصیب فرمائے گا اور اپنے دین کو ظاہر اور غالب کرے گا۔

حضرت عثمانؓ کے قتل کی افواہ

حضرت عثمان بن عفان اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام پہنچایا اور کمزور مسلمانوں کو بشارت سنائی۔

سب نے بالاتفاق یہ جواب دیا کہ اس سال تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے تم اگر چاہو تو تنہا طواف کر سکتے ہو۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کبھی طواف نہ کروں گا۔ قریش یہ سن کر خاموش ہو گئے اور حضرت عثمان کو روک لیا۔

حضرت عثمان وہاں روک لئے گئے اور ادھر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ عثمان غنیؓ قتل کر دیئے گئے۔

حضورؐ کا بیعت لینا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا اور یہ فرمایا کہ جب تک میں ان سے بدلہ نہ لے لوں گا یہاں سے حرکت نہ کروں گا اور وہیں کیکر کے درخت کے نیچے جس کے سایہ میں فروکش تھے بیعت لینی شروع کر دی کہ جب تک جان میں جان ہے کافروں سے جہاد وقتال کریں گے۔ مر جائیں گے مگر بھاگیں گے نہیں۔

سب سے پہلے ابو سنان اسدی نے بیعت کی۔ معجم طبرانی میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جب بیعت کے لئے بلایا تو سب سے پہلے ابو سنانؓ آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایئے آپ نے فرمایا کس چیز پر بیعت کرتا ہے ابو سنان نے کہا اس چیز پر جو میرے دل میں ہے۔ آپ نے فرمایا تیرے دل میں کیا ہے۔ ابو سنان نے کہا یا رسول اللہ میرے دل میں یہ ہے کہ اس وقت تک تلوار چلاتا رہوں جب تک اللہ عزوجل آپ کو غلبہ نصیب فرمائے یا اس راہ میں مارا جاؤں۔ آپ نے ان کو بیعت فرمایا اور اسی پر سب نے بیعت کی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ بیعت کی ابتداء میں اور درمیان میں۔ اور اخیر میں

حضرت عثمان کی طرف سے بیعت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیعت سے فارغ ہوئے تو بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر یہ فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی جانب سے ہے۔

داہنا ہاتھ آپ کی طرف سے تھا اور بایاں ہاتھ حضرت عثمان کی جانب سے تھا۔ حضرت عثمانؓ اس واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔

بیعت کا ذکر قرآن کریم میں

اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح میں ذکر فرمایا ہے۔

لقد رضی الله عن المؤمنین اذیبایعونک تحت الشجرة فعلم مافی قلوبهم فانزل السکینة علیهم واثابهم فتحًا قریباً و مغانم کثیرةً تاخذونها وکان الله عزیزا حکیماً

تحقیق اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جس وقت کہ وہ آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور اخلاص جو کچھ بھرا ہوا ہے وہ اللہ کو خوب معلوم ہے پس اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی خاص سکینت اور طمانیت کو اتار دیا اور انعام میں ان کو قریبی فتح عطا فرمائی اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی غنیموں کو لیں گے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔

قریشیوں کا مرعوب ہو کر صلح کی کوشش کرنا

قریش کو جب اس بیعت کا علم ہوا تو مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے اور صلح کے لئے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کیا۔

بدیل بن ورقاء کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حالات سے آگاہ کرنا

قبیلۂ خزاعہ اگرچہ ہنوز مشرف باسلام نہ ہوا تھا لیکن ہمیشہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف اور خیر خواہ اور راز دار تھا۔ لہٰذا مشرکین مکہ آپ کے خلاف جو سازشیں کرتے آپ کو مطلع کیا کرتا تھا۔ اس قبیلہ کے سردار بدیل بن ورقاء قبیلہ خزاعہ کے چند آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قریش نے نواحی حدیبیہ میں پانی کے بڑے بڑے چشموں پر آپ کے مقابلہ کے لئے لشکر عظیم جمع کیا ہے کہ آپ کو کسی طرح مکہ میں داخل نہ ہونے دیں اور دودھ والی اونٹنیاں ان کے ساتھ ہیں (یعنی طویل قیام کا ارادہ ہے۔ کھاتے پیتے رہیں اور مقابلہ کے لئے ڈٹے رہیں)

حضورؐ کا صلح پر آمادگی ظاہر فرمانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہم کسی سے لڑنے کے لئے نہیں آئے ہم فقط عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ لڑائی نے قریش کو نہایت کمزور کر دیا ہے اگر وہ چاہیں تو میں ان کے لئے ایک مدت صلح کی مقرر کر دوں اس مدت میں ایک دوسرے سے کوئی تعرض نہ کرے اور مجھ کو اور عرب کو چھوڑ دیں۔ اگر اللہ کے فضل سے میں غالب ہوا تو وہ چاہیں تو اس دین میں داخل ہو جائیں اور فی الحال چند روز کے لئے تم کو آرام ملے اور اگر بالفرض عرب غالب آئے تو تمہاری تمنا پوری ہو گی لیکن میں تم سے یہ کہے دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اپنے اس دین کو غالب کر کے رہے گا اور اس دین کے ظہور اور غلبہ فتح اور نصرت کا جو وعدہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا اور اگر وہ اس بات کو نہ مانیں تو قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں ضرور ان سے جہاد وقتال کروں گا۔ یہاں تک کہ میری گردن الگ ہو جائے۔

بدیل کا قریش کے پاس جانا

بدیل آپ کے پاس سے اٹھ کر قریش کے پاس گئے اور یہ کہا کہ میں اس شخص کے پاس سے ایک بات سن کر آیا ہوں۔ اگر چاہو تو تم پر پیش کروں جو احمق اور نادان تھے انہوں نے کہا ہمیں ضرورت نہیں ہم ان کی کوئی بات سننا نہیں چاہتے مگر جو ان میں ذی رائے اور سمجھدار تھے انہوں نے کہا ہاں بیان کرو۔

بدیل نے کہا تم لوگ جلد باز ہو۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لڑائی کے لئے نہیں آئے بلکہ عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں تم سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ قریش نے کہا بے شک وہ لڑائی کے ارادہ سے نہیں آئے لیکن مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔

حضورؐ سے مذاکرات کے لئے تیار ہونا

عروۃ بن مسعود نے اٹھ کر کہا۔ اے قوم کیا میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے اور تم میرے لئے بمنزلہ اولاد کے نہیں۔ لوگوں نے کہا بے شک کیوں نہیں۔ عروہ نے کہا کیا تم

میرے ساتھ کسی قسم کی بدگمانی رکھتے ہو۔ لوگوں نے کہا ہرگز نہیں۔ عروہ نے کہا اس شخص نے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) تمہاری بھلائی اور بہتری کی بات کہی ہے۔ میرے نزدیک اس کو ضرور قبول کر لینا چاہئے اور مجھ کو اجازت دو کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مل کر اس بارے میں گفتگو کروں لوگوں نے کہا بہتر ہے۔

عروہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو

عروہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی فرمایا جو بدیل سے فرما چکے تھے۔ عروہ نے کہا اے محمد تم نے سنا بھی ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود ہلاک اور برباد کیا ہو۔ علاوہ ازیں اگر دوسری صورت پیش آئی (یعنی قریش کو غلبہ ہوا) تو میں دیکھتا ہوں کہ مختلف قوموں کے لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ اس وقت آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے عروہ کو گالی دے کر یہ فرمایا کیا ہم آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ عروہ نے کہا یہ کون شخص ہے لوگوں نے کہا ابوبکر ہیں۔ عروہ نے کہا خدا کی قسم اگر مجھ پر احسان نہ ہوتا جس کا اب تک میں بدلہ نہیں دے سکا تو ضرور جواب دیتا۔ یہ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو شروع کر دی اور جب کوئی بات کرتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کو ہاتھ لگاتے۔

حضرت مغیرہؓ کا اپنے چچا کو تنبیہ کرنا

مغیرہ بن شعبہ (یعنی عروہ کے بھتیجے) مسلح تلوار لئے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر کھڑے ہوئے تھے۔ بارگاہ نبوی میں اپنے چچا کی یہ جرأت گوارا نہ ہوئی اور فوراً عروہ سے کہا۔ اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی سے ہٹایئے۔ ایک مشرک کے لئے کسی طرح زیبا نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ لگا سکے۔ مغیرہ چونکہ خود وغیرہ پہنے ہوئے تھے اس لئے عروہ نے ان کو پہچانا نہیں اور غصہ ہو کر آپ سے دریافت کیا یہ کون ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارا بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے۔ اب عروہ نے مغیرہ کو پہچانا اور کہا۔ او غدار۔

کیا میں نے تیری غداری اور فتنہ پردازی کو رفع نہیں کیا۔

مغیرہ مسلمان ہونے سے پہلے چند رفقاء کے ساتھ سفر کر کے مقوقس شاہ مصر کے پاس گئے۔ بادشاہ نے بہ نسبت مغیرہ کے دوسرے رفقاء کو زیادہ انعامات دیئے۔ جس سے مغیرہ کو بہت رنج ہوا اور راستہ میں ایک مقام پر ٹھہرے اور شراب پی کر خوب غفلت کی نیند سوئے مغیرہ نے موقع پا کر ان سب کو قتل کر ڈالا اور ان کا مال لے کر بھاگ آئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با سلام ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ اسلام تو قبول کرتا ہوں مگر مال سے مجھ کو کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ وہ دھوکہ اور دغا سے لیا گیا ہے۔ عروہ نے ان آدمیوں کی دیت دے کر قصہ کو رفع دفع کیا۔

عروہ کی بدگمانی کا جواب

بعد ازاں عروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی حسن عقیدت اور صدق اخلاص کا ایسا عجیب وغریب منظر دیکھا کہ جو اس سے پیشتر کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ یہ کہ جب آپ کوئی حکم دیتے تو ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ سب سے پہلے میں اس حکم کو بجالاؤں جب کبھی آپ کے دہن مبارک سے تھوک یا بلغم نکلتا ہے تو وہ زمین پر گرنے نہیں پاتا۔ ہاتھوں ہاتھ اس کو لے لیتے ہیں اور اپنے چہروں سے مل لیتے ہیں۔ جب آپ وضو فرماتے ہیں تو آپ کے وضو والے پانی پر بھی لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ قریب ہے کہ آپس میں لڑ پڑیں۔ آپ کے جسم سے کوئی بال گرنے نہیں پاتا تھا کہ فوراً اس کو لے لیتے ہیں۔ جب آپ کلام فرماتے ہیں تو ایک سناٹا ہو جاتا ہے گویا کہ ہر شخص سراپا گوش بنا ہوا ہے کسی کی مجال نہیں کہ نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔

گویا کہ بزبان حال یہ عروہ کی اس بدگمانی کا جواب تھا جو اس نے ابتداء میں آپ کے جان نثاروں کے متعلق ظاہر کی تھی کہ اگر قریش کو غلبہ ہوا تو یہ لوگ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ یہ اخلاص وعقیدت محبت وعظمت کا حیرت انگیز منظر عروہ کی حضرات صحابہ کے ساتھ بدگمانی کا شافی اور کافی جواب تھا کہ جن کی شیفتگی اور وارفتگی اور محبت وعقیدت کا یہ حال ہو بھلا وہ آپ کو چھوڑ کر کہیں بھاگ سکتے ہیں۔

قریشیوں کے سامنے عروہ کے تاثرات

عروہ جب آپ کے پاس سے واپس ہوئے تو قریش سے جا کر کہا اے قوم واللہ میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی اور بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں مگر خدا کی قسم عقیدت و محبت تعظیم و اجلال کا یہ عجیب و غریب منظر کہیں نہیں دیکھا۔

(یہ منظر نہ آپ سے پہلے دیکھا گیا اور نہ آپ کے بعد ممکن ہے آپ خاتم الانبیاء تھے عقیدت و محبت کا یہ حیرت انگیز منظر آپ پر ختم ہو گیا)

ایک روایت میں ہے کہ عروہ نے کہا کہ اے قوم میں نے بہت سے بادشاہوں کو دیکھا مگر محمد جیسا کسی کو نہیں دیکھا وہ بادشاہ نہیں معلوم ہوتے۔

عروہ نے صاف طور سے تو نہیں کہا کہ آپ نبی ہیں مگر اشارۃً یہ بتلا دیا کہ یہ شان بادشاہوں کی نہیں ہوتی بلکہ خدا تعالیٰ کے پیغمبروں کی ہوتی ہے۔

حلیس بن علقمہ کی آمد اور واپسی

عروہ کی یہ گفتگو سن کر حبشیوں کے سردار حلیس بن علقمہ کنانی نے کہا مجھ کو اجازت دو کہ میں آپ سے مل کر آؤں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیس کو دور سے آتے دیکھ کر یہ فرمایا کہ قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتے ہیں۔ حلیس قربانی کے اونٹوں کو کھڑا دیکھ کر راستہ ہی سے واپس ہو گیا اور جا کر قریش سے یہ کہا قسم ہے رب کعبہ کی یہ لوگ تو فقط عمرہ کرنے آئے ہیں ان لوگوں کو بیت اللہ سے ہرگز نہیں روکا جا سکتا۔

حلیس اور قریش میں تلخ کلامی

قریش نے کہا بیٹھ جا تو تو جنگلی آدمی ہے۔ سمجھتا بوجھتا نہیں۔ حلیس کو غصہ آ گیا اور کہا اے گروہ قریش خدا کی قسم ہم نے تم سے اس کا عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ جو شخص محض بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے اس کو بیت اللہ سے روکا جائے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں حلیس کی جان ہے اگر تم محمد کو بیت اللہ کی زیارت سے روکو گے تو میں تمام حبشیوں کو لے کر تم

سے یکلخت علیحدہ ہو جاؤں گا۔ قریش نے کہا اچھا آپ خفا نہ ہوں بیٹھئے ذرا ہم غور کر لیں۔

سہیل بن عمرو سے صلح کی گفتگو

بعد ازاں مجمع میں سے مکرز بن حفص اٹھا اور کہا کہ میں آپ کے پاس ہو کر آتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکرز کو آتے دیکھ کر فرمایا یہ آدمی برا ہے۔ حدیبیہ کے زمانہ قیام میں ایک مرتبہ مکرز نے پچاس آدمیوں کو لے کر شب خون مارنے کا ارادہ کیا۔ صحابہ نے ان کو گرفتار کر لیا اور مکرز فرار ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اس واقعہ کی طرف تھا۔ مکرز آپ سے گفتگو کر ہی رہا تھا کہ اتنے میں قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو صلح کرنے کے لئے پہنچ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کو آتے دیکھ کر صحابہ سے فرمایا۔

قدسهل لكم من امركم البتہ تمہارا معاملہ کچھ سہل ہو گیا۔

اور یہ فرمایا کہ قریش اب صلح کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔ اس شخص کو صلح کے لئے بھیجا ہے۔ سہیل آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیر تک صلح اور شرائط صلح پر گفتگو ہوتی رہی۔

شرائط صلح کی دستاویز

جب شرائط صلح طے ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو تحریر معاہدہ کا حکم دیا اور سب سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھنے کا حکم دیا۔

عرب کا قدیم دستور یہ تھا سر نامہ پر **باسمک اللهم** لکھا کرتے تھے۔ اس بناء پر سہیل نے کہا میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو نہیں جانتا۔ قدیم دستور کے مطابق **باسمک اللهم** لکھو۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا یہی لکھو اور پھر فرمایا کہ یہ لکھو۔ یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر محمد اللہ کے رسول نے صلح کی۔

سہیل نے کہا اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول سمجھتے تو پھر نہ آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے لڑتے۔ بجائے محمد رسول اللہ کے محمد بن عبداللہ لکھئے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگرچہ تم میری تکذیب کرو اور حضرت علیؓ سے فرمایا یہ الفاظ مٹا کر ان کی خواہش کے مطابق خالی میرا نام لکھ دو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا یا رسول اللہ

میں تو ہرگز آپ کا نام نہ مٹاؤں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا وہ جگہ دکھلاؤ جہاں تم نے لفظ رسول اللہ لکھا ہے۔ حضرت علی نے انگلی رکھ کر وہ جگہ بتلائی آپ نے خود اپنے ہاتھ سے اس لفظ کو مٹایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کو محمد بن عبداللہ لکھنے کا حکم دیا۔

شرائط صلح

۱- دس سال تک آپس میں لڑائی موقوف رہے گی۔

۲- قریش میں جو شخص بغیر اپنے ولی اور آقا کی اجازت کے مدینہ جائے گا وہ واپس کیا جائے گا۔ اگرچہ مسلمان ہو کر جائے۔

۳- اور جو شخص مسلمانوں میں سے مدینہ سے مکہ آ جائے تو اس کو واپس نہ دیا جائیگا۔

۴- اس درمیان میں کوئی ایک دوسرے پر تلوار نہ اٹھائے گا اور نہ کوئی کسی سے خیانت کریگا۔

۵- محمد اس سال بغیر عمرہ کئے مدینہ واپس ہو جائیں گے مکہ میں داخل نہ ہوں۔ سال آئندہ صرف تین دن مکہ میں رہ کر عمرہ کر کے واپس ہو جائیں۔ سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہوں اور تلواریں بھی نیام یا غلاف میں ہوں۔

۶- قبائل متحدہ کو اختیار ہے کہ جسکے معاہدہ اور صلح میں شریک ہونا چاہیں شریک ہو جائیں۔ چنانچہ بنوخزاعہ آپ کے عہد میں اور بنوبکر قریش کے عہد میں شریک ہو گئے۔ بنوخزاعہ آپ کے حلیف اور ہم عہد ہو گئے اور بنوبکر قریش کے حلیف اور ہم عہد ہو گئے۔

حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کا بھاگ کر حاضر ہونا

صلح نامہ ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ سہیل کے بیٹے ابوجندل رضی اللہ عنہ پابہ زنجیر قید سے نکل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو پہلے سے مشرف باسلام ہو چکے تھے اور کفار مکہ طرح طرح کی ان کو ایذائیں پہنچا رہے تھے۔ سہیل نے کہا یہ پہلا شخص ہے کہ جو عہد نامہ کے مطابق واپس ہونا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی تو صلح نامہ پورا لکھا نہیں گیا۔ یعنی لکھے جانے اور دستخط ہو جانے کے بعد سے اس پر عمل شروع ہونا چاہئے۔ آپ نے بار بار سہیل سے کہا کہ ابوجندل رضی اللہ عنہ کو

ہمارے حوالہ کر دیا جائے مگر سہیل نے نہیں مانا۔ بالآخر آپ نے ابوجندل کو سہیل کے حوالہ کر دیا۔

حضرت ابوجندلؓ کی واپسی اور اس کی تاثیر

مشرکین مکہ نے ابوجندل کو طرح طرح سے ستایا تھا اس لئے ابوجندل نے نہایت حسرت بھرے الفاظ میں مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا افسوس اے گروہ اسلام میں کافروں کے حوالہ کیا جا رہا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ابوجندل کو تسلی دی اور یہ فرمایا۔

"اے ابوجندل صبر کرو اور اللہ سے امید رکھو ہم عہد کے خلاف کرنا پسند نہیں کرتے اور یقین رکھو اللہ تعالیٰ عنقریب تمہاری نجات کی کوئی صورت نکالے گا"۔

مگر عام مسلمانوں کو ان کی واپسی شاق گزری۔ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ حضرت عمر نے کہا کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں۔ آپ نے فرمایا بے شک۔ حضرت عمر نے کہا پھر یہ ذلت کیوں گوارا کریں۔ آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول اور برحق نبی ہوں اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا اور وہ میرا معین اور مددگار ہے حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ کیا آپؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے آپ نے فرمایا یہ میں نے کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔

بعد ازاں حضرت عمرؓ صدیق اکبر کے پاس گئے اور جا کر ان سے بھی یہی گفتگو کی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لفظ بلفظ وہی جواب دیا جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا تھا۔

حضرت عمر فرماتے ہیں بعد میں میں اپنی اس گستاخی پر بہت نادم ہوا اور اس کے کفارہ میں بہت سی نمازیں پڑھیں۔ اور روزے رکھے اور صدقہ اور خیرات کی اور بہت سے غلام آزاد کئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کو تسلی دینا

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس شرط پر کیسے صلح کی جائے کہ ہم میں سے جو ان کی طرف چلا جائے تو اس کو واپس نہ کیا جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں جو شخص ہم میں کا ان سے جا ملے ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور ان میں کا جو شخص مسلمان ہو کر ہماری طرف

آئے گا تو اگر چہ از روئے معاہدہ وہ واپس کر دیا جائے لیکن گھبرانے کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ قریب ہی میں اس کے لئے نجات کی کوئی صورت ضرور پیدا فرمائے گا۔ (علاوہ ازیں بحمد اللہ ایسی صورت پیش بھی نہیں آئی کہ کوئی مسلمان مدینہ سے بھاگ کر مکہ گیا ہو۔

الغرض ان شرائط کے ساتھ صلح نامہ مکمل ہو گیا اور فریقین کے دستخط ہو گئے۔

قربانی کرنا' سر منڈانا اور احرام کھولنا

صلح مکمل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام ان شرائط صلح سے اس قدر مغموم اور شکستہ خاطر ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار حکم دیا مگر ایک شخص بھی نہ اٹھا۔

جب آپ نے یہ دیکھا تو ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور بطور شکایت یہ واقعہ بیان فرمایا۔ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گزری جس کی وجہ سے وہ افسردہ دل اور شکستہ خاطر ہیں۔ اس وجہ سے تعمیل ارشاد نہیں کر سکے۔ آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں۔ باہر تشریف لے جایئے اور قربانی کر کے سر منڈایئے خود بخود آپ کی اتباع کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کے قربانی کرتے ہی سب نے قربانی شروع کر دی۔

فتح مبین

تقریباً دو ہفتہ قیام کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس ہوئے جب مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مابین پہنچے تو سورۂ فتح نازل ہوئی۔ انا فتحنا لک فتحا مبینا الی آخر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ سنائی صحابہ اس صلح کو اپنی شکست سمجھے ہوئے تھے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے فتح مبین فرمایا۔ سن کر از راہ تعجب آپ سے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ بے شک یہ عظیم الشان فتح ہے۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ فتح حدیبیہ ایسی عظیم الشان فتح تھی کہ اس سے قبل اس شان کی فتح نصیب نہیں ہوئی۔ آپس کی لڑائی کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے مل جل نہیں سکتے

ہیں۔ صلح کی وجہ سے لڑائی ختم ہوئی اور امن قائم ہوا اور جو لوگ اسلام کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے اور وہ اعلانیہ طور پر احکام اسلام بجالانے لگے۔ آپس کی منافرت اور کشیدگی دور ہوئی۔ بات چیت کا موقع ملا۔ مسائل اسلامیہ پر گفتگو اور مناظرہ کی نوبت آئی۔ قرآن کریم کو سنا جس کا اثر یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ ابتدائے بعثت سے لے کر اس وقت تک اتنے مسلمان نہ ہوئے تھے۔

اسلام تو اچھے اخلاق اور اعمال کا سرچشمہ اور تمام خوبیوں اور بھلائیوں کا مجموعہ تھا ہی لیکن حضرات صحابہ کرام بھی فضائل و محاسن و شمائل کی زندہ تصویر تھے۔ اب تک عناد اور منافرت اور بغض اور عداوت کی آنکھیں ان کے ادراک سے مانع تھیں۔

اب صلح کی وجہ سے عناد اور منافرت کا پردہ آنکھوں کے سامنے سے ہٹا تو اسلام کی دلفریب تصویروں نے اپنی طرف کھینچنا شروع کیا۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور　　کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

صلح سے پیشتر کفار مکہ ولکن لا یشعرون کا مصداق تھے۔ اس لئے اسلام اور مسلمانوں کا نور ان سے پوشیدہ اور چھپا ہوا تھا۔ صلح کی وجہ سے جب عداوت اور منافرت دلوں سے دور ہوئی تو اب ذی شعور بنے اور حقانی لوگوں کی پیشانی کا نور ان کو نظر آیا۔

حضرت ابوبصیرؓ کا مدینہ آنا اور حضور کا واپس کر دینا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ پہنچ گئے تو ابوبصیر رضی اللہ عنہ مشرکین کی قید و بند سے بھاگ کر مدینہ پہنچے۔ قریش نے فوراً ہی دو آدمی ان کے لینے کے لئے پیچھے روانہ کئے۔ آپ نے از روئے معاہدہ ابوبصیرؓ کو ان دونوں آدمیوں کے حوالہ کر دیا اور ابوبصیر سے فرمایا کہ میں عہد کے خلاف نہیں کر سکتا بہتر ہے کہ تم واپس چلے جاؤ۔ ابوبصیرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھ کو مشرکین کی طرف واپس کئے دیتے ہیں جو مجھ کو دین سے پھیرنا چاہتے ہیں اور طرح طرح سے مجھ کو ستاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھو۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری نجات کی صورت پیدا فرمائے گا۔

حضرت ابو بصیر کا راہ میں مشرکین کو قتل کر کے پھر مدینہ آ جانا

یہ دونوں آدمی ابو بصیر کو لے کر روانہ ہوئے۔ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو دم لینے کے لئے وہاں ٹھہر گئے اور جو کھجوریں ساتھ تھیں وہ کھانے لگے۔ ابو بصیرؓ نے ان میں سے ایک سے کہا کہ تمہاری تلوار بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ اس نے تلوار کو نیام سے نکال کر کہا ہاں خدا کی قسم یہ نہایت عمدہ تلوار ہے۔ بارہا میں اس کو آزما چکا ہوں۔ ابو بصیرؓ نے کہا ذرا مجھ کو بھی دکھلاؤ۔ اس شخص نے تلوار ابو بصیر کو دے دی۔ ابو بصیرؓ نے فوراً ہی اس پر ایک وار کیا جس سے وہ تو ٹھنڈا ہو گیا۔ دوسرا یہ واقعہ دیکھتے ہی فوراً بھاگا اور سیدھا مدینہ پہنچا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرا ساتھی تو مارا گیا اور میں بھی اب مارا جانے والا ہوں۔

اس کے بعد ابو بصیرؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ تعالیٰ نے آپ کے عہد کو پورا کیا۔ آپ تو مجھ کو ان کے حوالے فرما چکے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ان سے نجات دی۔ یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ اگر میں مکہ واپس چلا جاؤں تو یہ لوگ مجھ کو دین اسلام سے پھر جانے پر مجبور کریں گے۔ یہ جو کچھ میں نے کیا وہ فقط اس لئے کیا۔ میرے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں۔ آپ نے فرمایا اگر کوئی اس کا ساتھی ہو تو یہ بڑا ہی لڑائی بھڑکانے والا ہے۔

ساحل سمندر پر بیکس مسلمانوں کا اجتماع

ابو بصیر سمجھ گئے کہ اگر میں یہاں رہا تو آپ مجھ کو پھر کفار کے حوالہ کر دیں گے اس لئے مدینہ سے نکل کر ساحل بحر پر جا کر ٹھہر گئے۔ جس راستے سے قریش کے کاروان تجارت شام کو آتے تھے۔ مکہ کے بیکس اور بے بس مسلمانوں کو جب اس کا علم ہوا۔ تو چھپ چھپ کر ابو بصیرؓ کے پاس پہنچنے لگے اور سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندل بھی وہیں پہنچ گئے۔ اس طرح ستر آدمیوں کا ایک جتھا وہاں جمع ہو گیا۔ قریش کا جو قافلہ وہاں سے گزرتا اس سے تعرض کرتے۔ اور جو مال غنیمت ان سے حاصل ہوتا اس سے گزر اوقات کرتے۔

قریش کا شکست تسلیم کر لینا

قریش نے مجبور ہو کر آپ کی خدمت میں آدمی بھیجے کہ ہم آپ کو اللہ کا اور قرابتوں کا واسطہ

دے کر آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ابوبصیر اوران کی جماعت کو مدینہ بلا لیں۔ اور جو شخص ہم میں سے مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے گا ہم اس سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔

حضورؐ کا والا نامہ اور حضرت ابوبصیرؓ کا انتقال

آپ نے ایک والا نامہ ابوبصیرؓ کو لکھوا کر روانہ کیا۔ جس وقت آپ کا والا نامہ پہنچا اس وقت ابوبصیر اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ آپ کا والا نامہ ابوبصیرؓ کو دے دیا گیا۔ پڑھتے جاتے اور خوش ہوتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ابوبصیرؓ جاں بحق تسلیم ہوئے اور والا نامہ ان کے سینہ پر تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہاتھ میں تھا۔

ابوجندل بن سہیل نے ابوبصیر کی تجہیز و تکفین کی اور اسی جگہ ان کو دفن کیا اور قریب میں ایک مسجد بنائی اور بعد ازاں ابوجندل اپنے رفقاء کو لے کر مدینہ حاضر ہے۔

حضرت ابوبصیر کے مقتول کا معاملہ

سہیل بن عمرو کو جب اس شخص کے قتل کی خبر پہنچی جس کو ابوبصیر نے قتل کیا تھا۔ وہ شخص سہیل کے قبیلہ کا تھا۔ سہیل نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی دیت کا مطالبہ کرے۔ ابوسفیان نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس کی دیت کا مطالبہ نہیں ہوسکتا اس لئے کہ آپ نے اپنا عہد پورا کیا اور ابوبصیر کو تمہارے قاصد کے حوالہ کر دیا اور ابوبصیر نے آپ کے حکم سے اس کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ از خود قتل کیا۔ اور اس دیت کا مطالبہ ابوبصیر کے خاندان اور قبیلہ سے بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ابوبصیر ان کے دین پر نہیں۔

چند خواتین کا مسلمان ہو کر مدینہ آنا

معاہدہ کے بعد جو مسلمان مرد مکہ سے بھاگ کر مدینہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو از روئے معاہدہ واپس کر دیا۔ بعد چندے کچھ مسلمان عورتیں ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ پہنچیں۔ اہل مکہ نے از روئے معاہدہ ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے ان کی واپسی سے منع فرمایا اور یہ ظاہر کر دیا کہ واپسی کی شرط مردوں کے ساتھ مخصوص تھی عورتیں اس شرط میں داخل نہ تھیں۔ چنانچہ بعض روایتوں میں یہ لفظ ہیں۔ لایاتیہ رجل الخ نہیں آئے گا آپ کے

پاس کوئی مرد مگر آپ اس کو واپس فرمائیں گے اور ظاہر ہے کہ رجل کا لفظ جس کے معنی مرد کے ہیں وہ عورتوں کو کیسے شامل ہو سکتا ہے۔ مشرکین مکہ عورتوں کو بھی اس میں شامل کرنا چاہتے تھے۔

عورتوں کی واپسی معاہدہ میں شامل نہیں تھی

مگر اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا اور خاص اس بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

یایھاالذین اٰمنوا اذاجآء کم المؤمنات مھاجرات فامتحنوھن اللہ اعلم بایمانھن فان علمتموھن مؤمنات فلا ترجعوھن الی الکفار لاھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن واٰتوھم ما انفقوا ولا جناح علیکم ان تنکحوھن اذا آتیتموھن اجورھن ولا تمسکوا بعصم الکوافر وسئلوا ماانفقتم ولیسئلوا ماانفقوا ذالکم حکم اللہ یحکم بینکم واللہ علیم حکیم. و ان فاتکم شیء من ازواجکم الی الکفار فعاقبتم فاتوا الذین ذھبت ازواجھم مثل ماانفقوا واتقوا اللہ الذی انتم بہ مؤمنون

اے ایمان والو جب مسلمان عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو ان کا امتحان کر لو کہ کس لئے ہجرت کر کے آئی ہیں۔ پس اگر امتحان کر کے تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ واقعہ میں مومنات ہیں تو پھر ان کو کافروں کی طرف واپس مت کرو یہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ کافر ان کے لئے حلال ہیں اور ان کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ ان کو ادا کرو۔ اور تمہارے لئے کوئی حرج نہیں ان مہاجر عورتوں کو مہر دے کر ان سے نکاح کر لو اور اے مسلمانو تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو اور طلب کر لو کافروں سے جو تم نے خرچ کیا ہے اور کافر مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اگر تمہاری عورتوں میں سے کوئی عورت کافروں کی طرف چلی جائے پھر تمہاری نوبت آئے تو جن کی بیویاں ہاتھ سے نکل گئی ہیں تو جتنا مہر انہوں نے اپنی بیبیوں پر خرچ کیا تھا اس کے برابر ان کو دے دو اور ڈرو اس خدا سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

اس کے بعد کفار بھی خاموش ہو گئے اور عورتوں کی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا۔

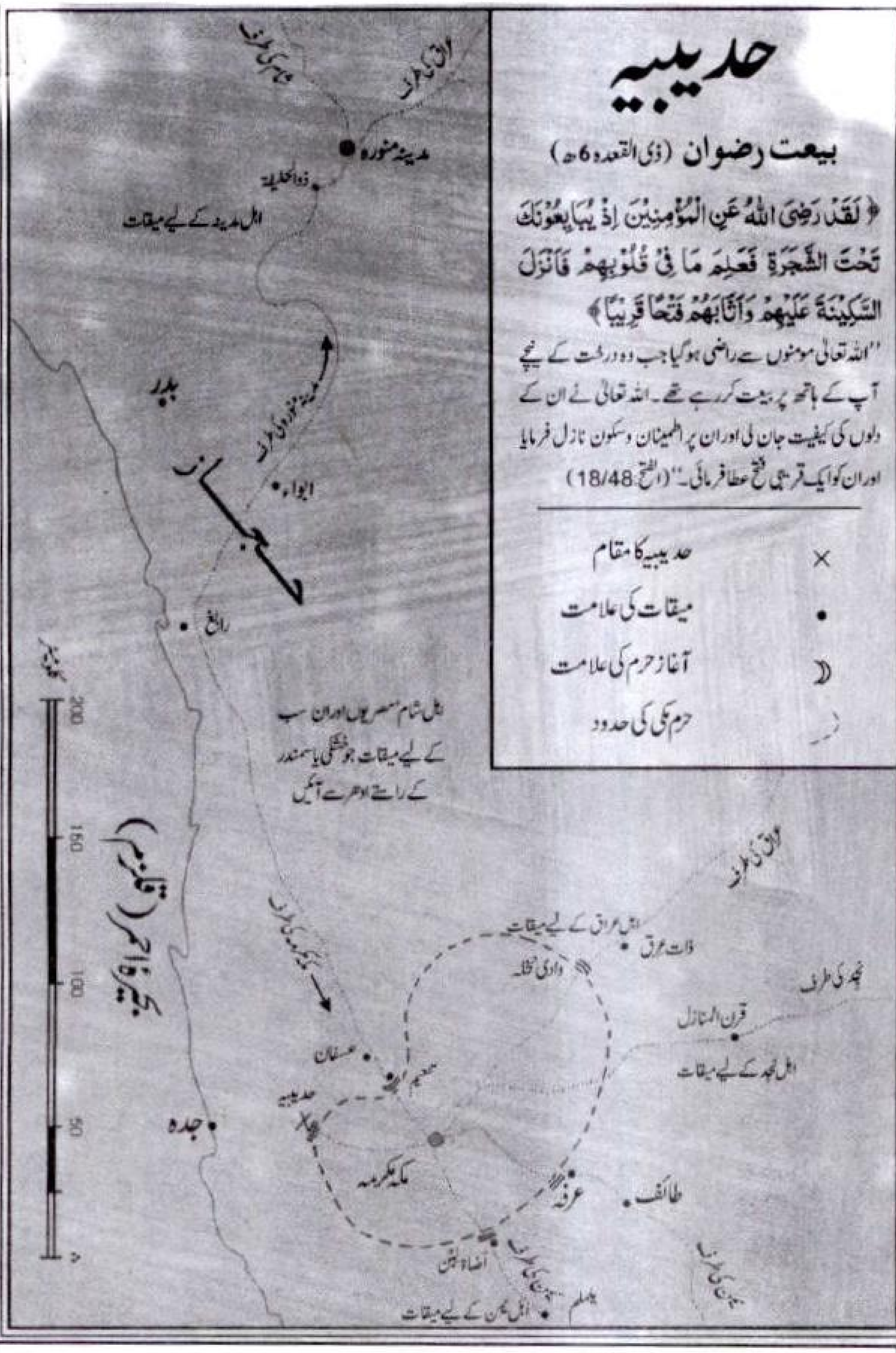
حدیبیہ

بیعت رضوان (ذی القعدہ 6ھ)

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾

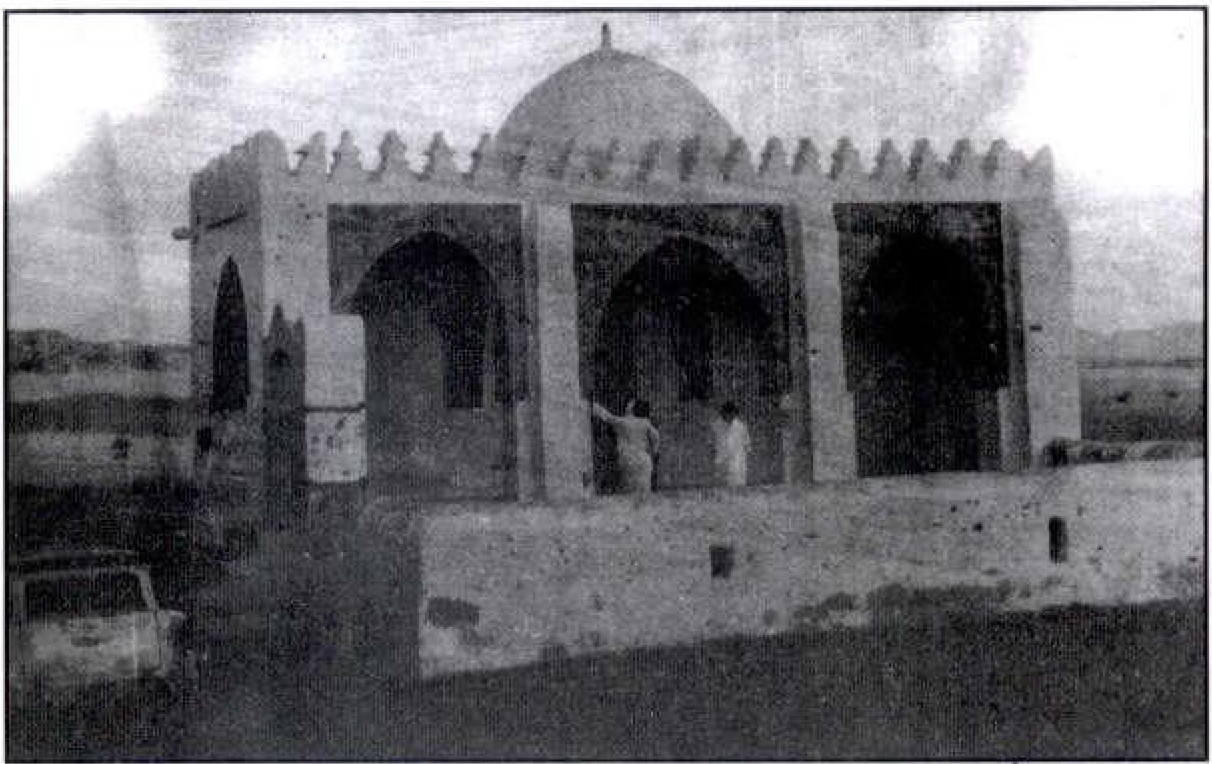
''اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی کیفیت جان لی اور ان پر اطمینان و سکون نازل فرمایا اور ان کو ایک قریبی فتح عطا فرمائی۔'' (الفتح 18/48)

×	حدیبیہ کا مقام
•	میقات کی علامت
☽	آغاز حرم کی علامت
	حرم مکی کی حدود



اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
مِلْأَ السَّمٰوَاتِ وَمِلْأَ الْاَرْضِ وَمِلْأَ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

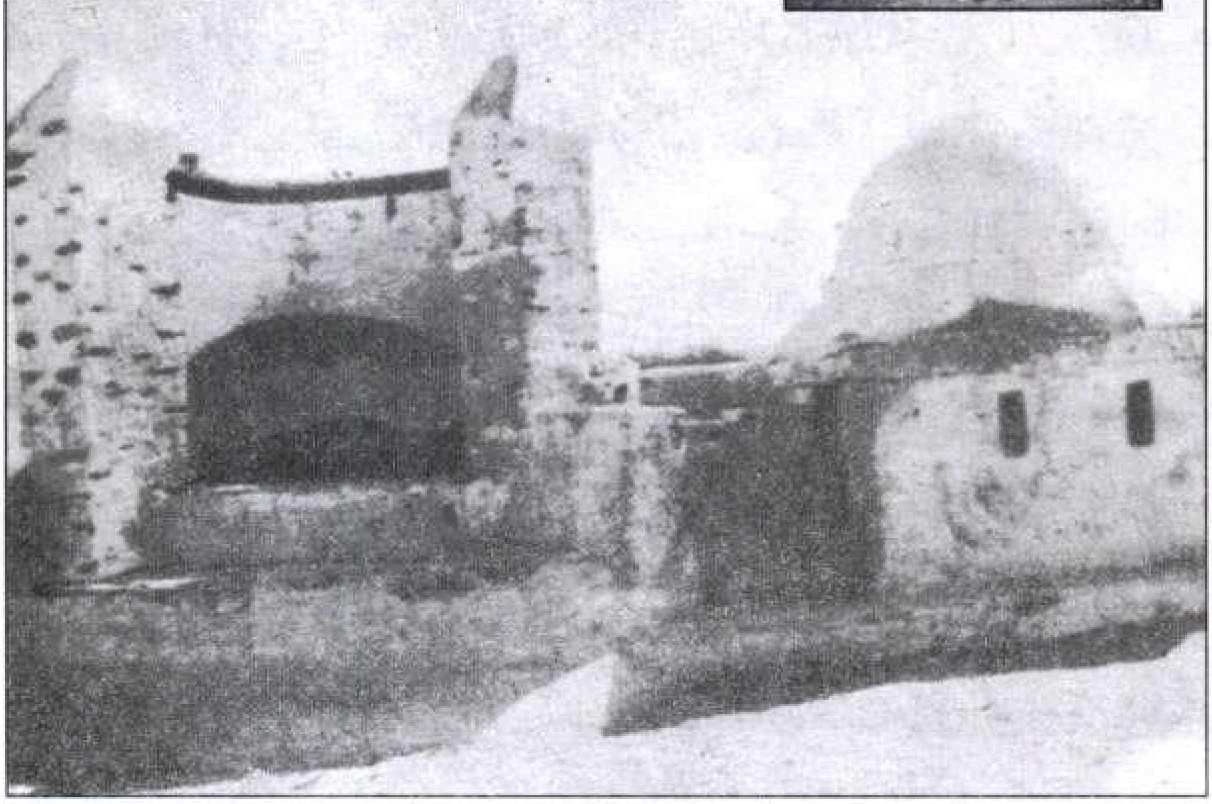
اس درود شریف کے پڑھنے والے کو آسمان و زمین بھر کر اور عرش عظیم کے برابر ثواب ملتا ہے۔ (ذریعۃ الوصول)



حدیبیہ (موجودہ شمیسی) میں وہ مقام جہاں ببول کے درخت کے نیچے ''بیعت رضوان'' ہوئی تھی۔



قدیم مسجد جو ۱۲۵۵ء میں بنی تھی



حدیبیہ کا وہ کنواں جہاں صلح حدیبیہ ہوئی تھی۔ اوپر مسجد جو صلح حدیبیہ کی یادگار ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بادشاہانِ عالم کے نام دعوتِ اسلام کے لئے نامہ ہائے مبارک

دعوت اسلام کیلئے راہ ہموار کرنا

حق جل شانہ نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین اور موجب سکینت وطمانینت فرمایا۔ بے شک وہ فتح مبین اور موجب سکینت وطمانینت ہوئی اس لئے کہ فتح کے معنی لغت میں کسی بند چیز کے کھول دینے کے ہیں۔ عرب کی مخالفت کی وجہ سے اب تک دعوت اسلام اور تبلیغ احکام کا دروازہ بند تھا۔ اس صلح نے اس دروازہ کو کھول دیا۔ اب وقت آیا کہ اللہ عزوجل کا پیغام اس کے تمام بندوں کو پہنچا دیا جائے اور اسلام کے عظیم الشان دسترخوان پر دنیا کو دعوت اور صلائے عام دی جائے کہ آ کر اس دسترخوان کے لذیذ اور پاکیزہ اور پھلوں سے لطف اندوز ہوں۔

صحابہ کرامؓ سے خطاب

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ سے واپس ہو کر ماہ ذی الحجۃ الحرام ۶ھ میں بادشاہوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجنے کا قصد فرمایا۔ صحابہ کو جمع کر کے خطبہ دیا۔

ایہا الناس۔ اے لوگو میں تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تمام دنیا کو یہ پیام

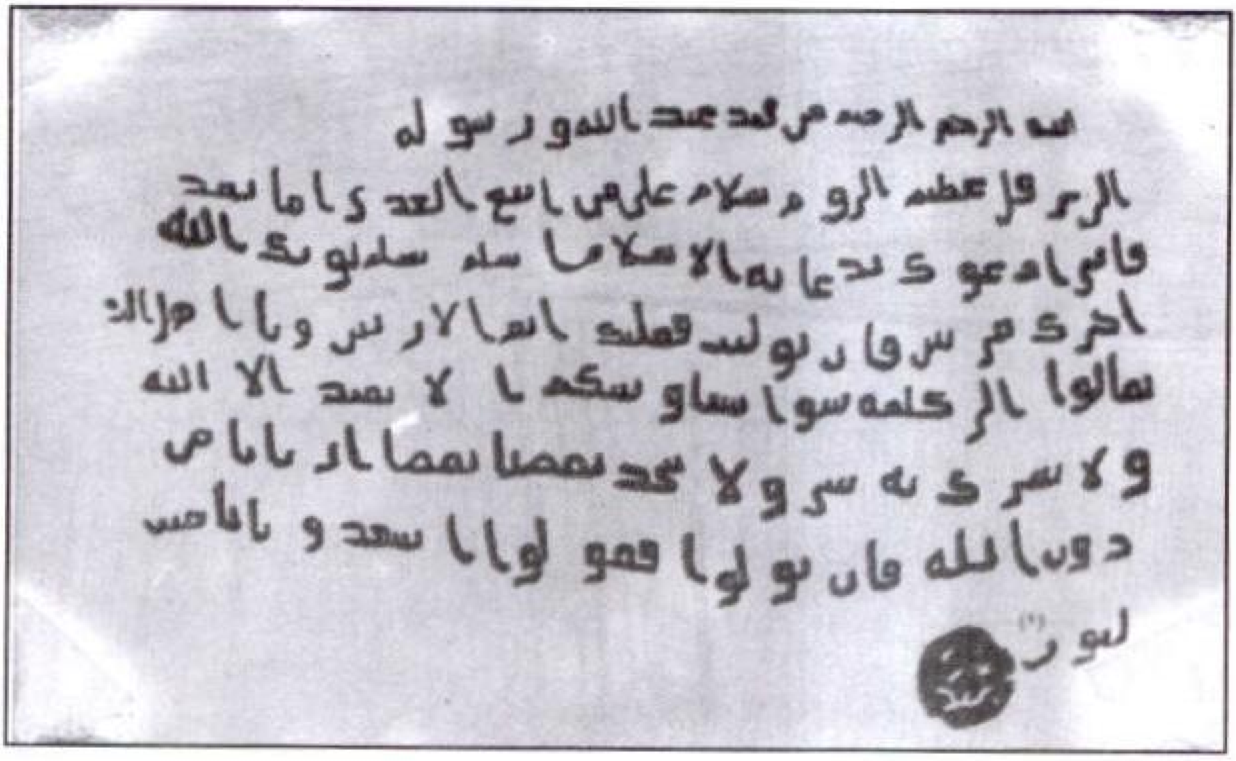
پہنچاؤ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کی طرح اختلاف نہ کرنا کہ اگر قریب بھیجنے کو کہا تو راضی ہو گئے اور اگر کہیں دور جانے کا حکم دیا تو زمین پر بوجھل ہو کر بیٹھ گئے۔

مُہر مبارک کی تیاری

حضرات صحابہ جو کہ اطاعت اور جان نثاری اخلاص اور وفا شعاری کے سخت سے سخت امتحان میں ہر موقع پر درجہ اعلیٰ میں کامیابی کی سند اور رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا زرین تمغہ حاصل کر چکے تھے۔ بھلا وہ کب اس موقع سے چوکنے والے تھے۔ دل و جان سے تعمیل ارشاد کے لئے تیار ہو گئے اور ایک مناسب مشورہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ کہ یا رسول اللہ۔ ملوک اور سلاطین جس خط پر مہر نہ ہو اس کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے۔ حتیٰ کہ ایسے خط کو پڑھتے تک نہیں۔ آپ نے صحابہ کے مشورہ سے ایک مہر کندہ کرائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا اور نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا مگر صنعت حبشہ کی تھی محمد رسول اللہ اس مہر پر کندہ تھا۔ سب سے نیچے لفظ محمد تھا اور سب سے اوپر لفظ اللہ تھا۔ اور لفظ رسول درمیان میں تھا۔

اور سلاطین اور امراء کے نام خطوط روانہ فرمائے ان کو حق کی دعوت دی اور اس سے آگاہ کر دیا کہ رعایا کی گمراہی کی تمام تر ذمہ داری تم پر عائد ہے۔

قیصر روم کے نام نامہ مبارک



نامہ مبارک کا متن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد عبدالله و رسول له الیٰ هرقل عظیم الروم. سلام علی من اتبع الهدی اما بعد فانی ادعوک بدعایة الاسلام اسلم تسلم یوتک الله اجرک مرتین۔فان تولیت فان علیک اثم الأریسین ویآ اهل الکتاب تعالوا الیٰ کلمة سوآء بیننا و بینکم ان لا نعبدا لا اللّٰه ولا نشرک به شیناولا یتخذ بعضنا بعضا اربابامن دون اللّٰه فان تولوافقولوا اشهدو ابانا مسلمون

نامہ مبارک کا اردو ترجمہ

یہ خط ہے محمد اللہ کے بندہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہرقل کی جانب جو روم کا بڑا شخص ہے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے امابعد۔ میں تجھ کو دعوت دیتا ہوں اس کلمہ کی جو اسلام کی طرف لانے والا ہے یعنی کلمہ طیبہ کی۔ اسلام لے آ سلامت رہے گا اور اللہ تعالیٰ دہرا اجر عطا کرے گا (جیسا کہ اہل کتاب سے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ (**و اولئک یوء تون اجرھم مرتین**) پس اگر تو اسلام سے روگردانی کرے تو تمام رعایا کے اسلام نہ لانے کا گناہ تجھ پر ہوگا کہ تیرے اتباع میں اسلام کے قبول سے باز رہے اور اے اہل کتاب اور ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں مسلم ہے وہ یہ کہ سوائے اللہ کے کسی چیز کی عبادت نہ کریں اور نہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک گردانیں اور اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب اور معبود نہ بنائیں۔ پس اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں یعنی اللہ کے حکم کے تابع ہو چکے ہیں۔

حضرت دحیہؓ کا قیصر کو نامہ پہنچانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ والا نامہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو دے کر قیصر روم کی طرف روانہ فرمایا۔ قیصر روم اس وقت فارس پر فتحیابی کے شکریہ میں حمص سے پیدل چل کر بیت المقدس آیا ہوا تھا۔ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ محرم ۷ھ میں بیت المقدس پہنچے اور امیر بصری کے توسط سے قیصر روم کے دربار میں پہنچ کر آپ کا والا نامہ پیش کیا۔

قیصر کے سامنے حضرت دحیہؓ کا خطاب

اور والا نامہ پیش کرنے سے پہلے ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ اے قیصر روم جس نے مجھ کو آپ کی طرف سفیر بنا کر بھیجا ہے وہ آپ سے کہیں بہتر ہے اور جس ذات بابرکات نے ان کو پیغمبر بنا کر بھیجا وہ سب ہی سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ لہٰذا جو کچھ عرض کروں اسے تواضع کے ساتھ سنیے اور اخلاص سے اس کا جواب دیجئے۔ اگر تواضع کے ساتھ نہ سنیں گے تو اس کو کماحقہ سمجھ نہیں سکیں گے اور اگر جواب میں اخلاص نہ ہوگا تو وہ جواب عادلانہ اور منصفانہ نہ ہوگا۔

قیصر روم فرمایئے: دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت مسیح بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ نبینا وعلیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے۔

قیصر روم: ہاں بے شک نماز پڑھا کرتے تھے۔

دحیہ کلبیؓ: میں آپ کو اس ذات پاک کی طرف بلاتا ہوں جس کے لئے حضرت مسیح نمازیں پڑھتے اور جس کے سامنے جبین نیاز ٹیکتے تھے اور جس نے حضرت مسیح کو بطن مادر میں بنایا اور جس نے ان تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور بعد ازاں میں آپ کو اس نبی امی کی طرف بلاتا ہوں جس کی حضرت موسیٰ اور پھر حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے بشارت دی ہے اور آپ کو اس کا کافی اور شافی علم اور پوری خبر ہے۔ اگر آپ اس دعوت کو قبول کریں تو آپ کے لئے دنیا اور آخرت دونوں ہیں ورنہ آخرت تو آپ کے ہاتھ سے جاتی ہی رہے گی اور دنیا میں دوسرے لوگ آپ کے شریک ہوں گے اور یقین جانئے کہ آپ کا ایک پروردگار ہے جو منکرین کو کچل ڈالتا ہے۔ اور اپنی نعمتوں کو بدلتا رہتا ہے۔

قیصر کا تحقیق کے لئے عرب کو بلانا

قیصر روم نے آپ کا والا نامہ دحیہ کے ہاتھ سے لے کر سر اور آنکھوں پر رکھا اور بوسہ دیا اور کھول کر اس کو پڑھا اور کہا سوچ کر کل اس کا جواب دوں گا۔

اور اپنے خدام کو یہ حکم دیا کہ جو لوگ آپ کی قوم کے میرے ملک میں آئے ہوئے ہوں ان کو حاضر کیا جائے تا کہ ان سے احوال معلوم کروں۔ اتفاق سے ابوسفیان قریش کی ایک جماعت کے ساتھ اس وقت بغرض تجارت شام آئے ہوئے تھے۔ مقام غزہ میں مقیم تھے۔ ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ قیصر روم کے آدمی ان کو غزہ سے جا کر لائے اور دربار میں حاضر کیا۔ بڑی شان و شوکت سے دربار منعقد کیا۔ عظمائے روم اور قسیسین اور رہبان سب حاضر تھے۔

ابوسفیان سے قیصر کے سوالات

جماعت عرب سے اول مخاطب ہو کر یہ دریافت کیا کہ تم میں سے اس مدعی نبوت کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار کون شخص ہے۔ ابوسفیان نے کہا میں۔ قیصر روم نے کہا تم میرے قریب ہو جاؤ اور باقی قریش کی جماعت کو ان کے پیچھے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور یہ کہا کہ میں ان سے کچھ دریافت کروں گا اگر جھوٹ بولیں تو تم ان کی تکذیب کر دینا۔ ابوسفیان کہتے ہیں اگر مجھ کو یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ میری تکذیب کریں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا۔ بعد ازاں

حسب ذیل گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔

قیصر: تم میں ان کا نسب کیسا ہے۔

ابوسفیان: وہ بڑے عالی نسب ہیں ان کے نسب سے بڑھ کر کسی کا نسب نہیں۔

قیصر: کیا ان کے آباؤ واجداد میں کوئی بادشاہ بھی ہوا۔

ابوسفیان: نہیں

قیصر: کیا تم لوگوں نے ان کو دعوائے نبوت سے پہلے کبھی جھوٹ بولتے پایا ہے۔

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: ان کے پیرو کس قسم کے لوگ ہیں امراء اور دولت مند ہیں یا غرباء اور کمزور۔

ابوسفیان: اکثر غرباء اور ضعفاء۔

قیصر: ان کے متبعین روز بروز بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں۔

ابوسفیان: دن بدن زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔

قیصر: کیا کوئی شخص ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد ان کے دین سے بیزار اور متنفر ہو کر مرتد یعنی ان کے دین سے پھر بھی جاتا ہے۔

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: کیا وہ عہد کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں۔

ابوسفیان: کبھی نہیں آج تک انہوں نے کبھی عہد شکنی نہیں کی لیکن آج کل ہمارے اور ان کے مابین ایک مدت صلح ٹھہری ہے۔ نامعلوم اس میں کیا کرتے ہیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ سوائے ایک بات کے مجھے کسی اور بات لگانے کا کہیں موقع نہیں ملا۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے۔

ابوسفیان کہتے ہیں خدا کی قسم قیصر نے میری اس بات کی طرف جو میں نے اپنی طرف سے ملائی۔ ذرہ برابر بھی التفات نہیں کیا۔

قیصر: کبھی تم ان سے لڑے بھی ہو۔

ابوسفیان: ہاں۔

قیصر: لڑائی کیسی رہی۔

ابوسفیان: کبھی وہ غالب ہوئے اور کبھی ہم۔

قیصر: وہ تم کو کس چیز کا حکم دیتے ہیں۔

ابوسفیان: وہ یہ کہتے ہیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو اور کفر اور شرک کی تمام رسمیں جو تمہارے آباء واجداد کرتے تھے ان سب کو یکلخت چھوڑ دو اور نماز اور زکوۃ اور سچائی اور پاک دامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔

قیصر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کردی

قیصر نے ترجمان سے مخاطب ہو کر کہا ان سے کہہ دو کہ میں نے اول تم سے ان کا نسب دریافت کیا تم نے کہا کہ وہ نہایت عالی نسب اور شریف خاندان سے ہیں بے شک انبیاء ایسے ہی خاندان سے بھیجے جاتے ہیں جو حسب نسب میں سب سے بالا ہو۔ پھر میں نے تم سے دریافت کیا کہ ان کے خاندان میں کوئی بادشاہ بھی گزرا ہے۔ تم نے کہا نہیں۔ اگر ان کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں یہ سمجھتا کہ یہ اس طریق سے اپنے باپ دادا کا گیا ہوا ملک حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ تم نے ان کو جھوٹا تو نہیں پایا۔ تم نے کہا نہیں۔ جس سے میں یہ سمجھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص بندوں پر تو جھوٹ نہ باندھے اور معاذ اللہ۔ اللہ پر جھوٹ باندھے۔ میں نے تم سے یہ دریافت کیا کہ کیسے لوگوں نے ان کا اتباع کیا تم نے کہا کہ ضعفاء اور غرباء نے۔ بے شک حضرات انبیاء کے اتباع اور پیروی کرنے والے اکثر ضعفاء اور غرباء ہی ہوتے ہیں میں نے تم سے دریافت کیا کہ ان کے پیرو بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں تم نے کہا۔ بڑھتے جاتے ہیں بیشک ایمان کا یہی حال ہے اس کے پیرو روز بروز بڑھتے ہی رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ حد کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص ان کے دین سے ناراض اور بیزار ہو کر مرتد بھی ہو جاتا ہے تم نے کہا نہیں۔ بے شک ایمان کا یہی حال ہے کہ جب اس کی شیرینی اور حلاوت اور اس کی فرحت و مسرت دلوں میں سما جائے تو پھر کسی طرح نہیں نکلتی۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ کیا وہ بدعہدی کرتے ہیں تم نے کہا نہیں۔ بے شک پیغمبروں کی یہی شان ہوتی ہے وہ کبھی بدعہدی نہیں کرتے۔ میں نے تم سے لڑائی کے متعلق دریافت کیا تم نے کہا کبھی وہ غالب اور کبھی ہم غالب۔ بیشک انبیاء کے ساتھ ابتداءً اللہ تعالیٰ کا ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے کبھی غالب ہوتے ہیں اور کبھی

مغلوب تا کہ ان کے متبعین کے صدق اور اخلاص کا امتحان ہوتا رہے لیکن انجام کار غلبہ اور فتح انہیں کو ہوتا ہے۔ میں نے تم سے دریافت کیا وہ تم کو کن چیزوں کا حکم دیتے ہیں۔ تم نے کہا اللہ عز و جل کی عبادت کا حکم دیتے۔ شرک اور بت پرستی سے منع کرتے ہیں۔ نماز اور زکوۃ اور سچائی اور پاک دامنی وغیرہ کا حکم کرتے ہیں۔ اگر یہ تمام چیزیں جو تم نے بیان کی ہیں صحیح ہیں تو وہ بلاشبہ نبی ہے اور وہ عنقریب اس جگہ کا مالک ہوگا جہاں میرے یہ دونوں قدم ہیں۔ مجھ کو معلوم تھا کہ یہ نبی ظاہر ہونے والے ہیں۔ لیکن یہ گمان نہ تھا کہ تم میں سے ظاہر ہوں گے۔ مجھے ان سے ملنے کی بڑی تمنا ہے اگر میں آپ کی خدمت میں پہنچ جاؤں تو آپ کے قدم دھلایا کروں۔

تمام اہل دربار کو نامہ مبارک سنایا گیا

بعد ازاں آپ کا والا نامہ تمام مجمع کو پڑھ کر سنایا گیا۔

خط کا سنانا تھا کہ ایک شور برپا ہو گیا اور ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ابو سفیان کہتے ہیں اس وقت ہم سب کو باہر نکال دیا گیا۔ باہر آنے کے بعد میں نے کہا کہ تعجب کی بات ہے کہ آپ سے روم کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے اسی روز سے مجھ کو یقین کامل ہو گیا کہ آپ کا دین ضرور غالب ہو کر رہے گا۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اسلام کی توفیق دی۔

روم کے بڑے عالم کی تصدیق

امام زہری فرماتے ہیں کہ عبدالملک مروان کے زمانہ میں ابن الناطوری نصاریٰ کے ایک بڑے عالم نے مجھ سے بیان کیا کہ جو قیصر کے اس دربار میں شریک تھا۔ کہ قیصر نے اس دربار کے بعد رومۃ کے ایک بڑے عالم کو جس کا نام ضغاطر رومی تھا آپ کے بارے میں خط لکھا۔ یہ شخص آسمانی کتابوں سے بخوبی واقف تھا۔ خط لکھوانے کے بعد بیت المقدس سے حمص کی جانب روانہ ہوا۔ بادشاہ حمص میں تھا کہ اس کا جواب آیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا ہم کو انتظار ہے اور جن کی عیسٰی علیہ السلام نے بشارت دی ہے میں نے ان کی تصدیق کی اور میں ان کا اتباع کروں گا ان کے نبی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ تم ضرور ان کی تصدیق کرو اور ان کا اتباع قبول کرو۔

بادشاہ کا عوام سے خطاب

بادشاہ نے ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا اور تمام بطارقہ روم کو جمع کیا اور تمام دروازے بند کرا

دیئے اور خود ایک جھروکے اور بالا خانہ میں بیٹھا اور وہاں سے تمام درباریوں کو مخاطب کر کے یہ کہا۔

اے گروہ روم! تحقیق میں نے تم کو ایک عظیم الشان خیر کے لئے جمع کیا ہے وہ یہ کہ میرے پاس اس شخص کا ایک خط آیا ہے جس میں اس نے مجھ کو اپنے دین کی دعوت دی ہے۔ اور البتہ تحقیق خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کے ہم منتظر ہیں اور جن کو اپنی کتابوں میں پاتے ہیں پس آؤ اور دوڑو ہم سب مل کر ان کا اتباع اور ان کی تصدیق کریں تاکہ ہماری دنیا اور آخرت دونوں سلامت رہیں۔

یہ سنتے ہی تمام بطارقہ روم چلا اٹھے اور نکلنے کی غرض سے اٹھ کر بھاگے دیکھا کہ دروازے بند ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ واپس بلاؤ۔ واپس بلا کر یہ کہا میں تم کو آزمانا چاہتا تھا تمہاری دینی شدت اور مضبوطی اور مذہبی پختگی دیکھ کر مجھ کو مسرت ہوئی۔ یہ سن کر سب خوش ہو گئے اور بادشاہ کے سامنے سجدہ میں گر پڑے۔

حضرت دحیہؓ روم کے بڑے عالم کے پاس

اس کے بعد قیصر نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو تنہائی میں بلا کر یہ کہا۔ خدا کی قسم میں خوب جانتا ہوں کہ تمہارے دوست نبی مرسل ہیں مجھ کو اندیشہ ہے کہ روم کے لوگ مجھ کو قتل نہ کر ڈالیں اگر مجھ کو یہ اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور ان کا اتباع کرتا۔ تم ضغاطر روم کے اسقف اعظم کے پاس جاؤ وہ بہت بڑا عالم ہے مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ نیز رومیوں میں اس کی عظمت و وقعت مجھ سے بہت زائد ہے۔ تم اس کے پاس جاؤ اور اپنے پیغمبر کا حال بیان کرو۔

ضغاطر کا قوم سے خطاب

دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضغاطر کے پاس پہنچے اور آپ کا تمام حال بیان کیا۔ ضغاطر نے کہا خدا کی قسم وہ نبی مرسل ہیں۔ ہم ان کی شان اور صفت آسمانی کتابوں میں لکھی ہوئی پاتے ہیں یہ کہہ کر ایک حجرہ میں گیا اور سیاہ کپڑے جو پہلے سے پہنے ہوا تھا ان کو اتار کر سپید کپڑے بدلے اور عصا لے کر کنیسہ میں آیا اور سب کو مخاطب کر کے یہ کہا۔

اے گروہ روم! احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک خط آیا ہے جس میں ہم کو اللہ عزوجل کی طرف بلایا۔

میں تو گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور احمد مجتبیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

ضغاطر کا قتل اور قیصر کا خوف

یہ سنتے ہی تمام لوگ اس پر ٹوٹ پڑے یہاں تک اسے مار کر چھوڑا۔

دحیہ رضی اللہ عنہ نے لوٹ کر یہ تمام حال قیصر سے بیان کیا۔ قیصر نے کہا مجھ کو بھی یہی خوف ہے کہ لوگ میرے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کریں گے۔

معجم طبرانی میں ہے کہ قیصر روم نے دحیہ رضی اللہ عنہ سے یہ کہا کہ میں خوب جانتا اور پہچانتا ہوں کہ آپ نبی ہیں جیسا کہ ضغاطر نے کہا لیکن میں اگر ایسا کروں تو میری سلطنت جاتی رہے گی اور روم کے لوگ مجھ کو قتل کر ڈالیں۔

لیکن قیصر نے آپ کے اس ارشاد پر نظر نہیں کی۔

اسلم تسلم اسلام لا سلامت رہے گا۔ اگر اسلام لے آتا تو دنیا اور آخرت دونوں اس کی سلامت رہتیں۔

والا نامہ کو احترام کے ساتھ محفوظ رکھنا

قیصر روم نے نہایت عزت واحترام کے ساتھ آپ کے والا نامہ کو سونے کے قلمدان میں رکھا۔ امیر سیف الدین منصوری فرماتے ہیں کہ مجھ کو ایک مرتبہ شاہ منصور نے کچھ ہدایات دے کر شاہ مغرب کے پاس بھیجا۔ شاہ مغرب نے ایک سفارش کی غرض سے مجھ کو شاہ فرنج کے پاس روانہ کیا جو قیصر روم کی اولاد میں سے تھا۔ جب میں نے شاہ فرنج کے پاس سے واپسی کا ارادہ کیا تو اس نے ٹھہرنے کے لئے اصرار کیا اور یہ کہا اگر آپ ٹھہر جائیں تو ایک عظیم الشان اور نادر چیز دکھلاؤں گا میں ٹھہر گیا۔ ایک صندوق منگایا جس پر سونے کے پتر جڑے ہوئے تھے اس میں سے ایک سونے کا قلمدان نکالا اور اس کو کھولا تو اس میں سے ایک خط نکلا جو حریر میں لپٹا ہوا تھا۔ اکثر حروف اس خط کے اڑ چکے تھے۔ بادشاہ نے کہا یہ آپ کے پیغمبر کا خط ہمارے دادا قیصر کے نام ہے جو وارثۃً ہم تک پہنچا ہے اور ہمارے دادا نے یہ وصیت کی تھی جب تک یہ والا نامہ تمہارے پاس محفوظ رہے گا اس وقت تک سلطنت باقی رہے گی۔ لہذا اپنی سلطنت کی وجہ سے ہم اس خط کی بے حد حفاظت اور تعظیم وتکریم کرتے اور نصاریٰ سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔

خسرو پرویز کسریٰ شاہ ایران کے نام نامہ مبارک



نامہ مبارک کا متن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد رسول الله الیٰ کسریٰ عظیم فارس سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ وامن باللہ و رسولہ و شھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و ان محمدا عبدہٗ و رسولہٗ ادعوک بدعایۃ اللہ عز و جل فانی انا رسول اللہ الی الناس کلھم لا نذر من کان حیا و یحق القول علی الکافرین اسلم تسلم فان تولیت فعلیک اثم المجوس

نامہ مبارک کا اردو ترجمہ

من جانب محمد رسول اللہ بنام کسریٰ شاہ فارس۔ سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تجھ کو اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق اس دین کی دعوت دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمام لوگوں کی طرف تا کہ ڈراؤں اس شخص کو جس کا دل زندہ ہے اور پوری ہو حجت اللہ کی کافروں پر اسلام لا سلامت رہے گا اور اگر تو نے روگردانی کی تو تمام مجوس کا گناہ تجھ پر ہوگا۔

خسرو پرویز کا نامہ مبارک کو پھاڑنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کو یہ والا نامہ دے کر روانہ فرمایا۔ کسریٰ آپ کے والا نامہ کو دیکھتے ہی آگ بگولہ ہوگیا اور خط چاک کر ڈالا اور یہ کہا کہ یہ شخص مجھ کو خط لکھتا ہے (کہ مجھ پر ایمان لے آؤ) حالانکہ یہ شخص میرا غلام ہے۔ عبداللہ بن حذافہؓ نے آ کر آپ سے واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا کسریٰ کا ملک ٹکڑے ٹکڑے اور پارہ پارہ ہوگیا۔

باذان کا دو آدمیوں کو گرفتاری کے لئے بھیجنا

اور کسریٰ نے باذان گورنر یمن کو لکھا کہ فوراً دو قوی آدمی حجاز روانہ کرو کہ وہ اس شخص کو کہ جس نے ہم کو یہ خط لکھا ہے گرفتار کر کے میرے سامنے لائیں۔

باذان نے فوراً دو آدمیوں کو آپ کے نام ایک خط دے کر روانہ کیا۔ جب یہ دونوں آدمی ان کا خط لے کر بارگاہ نبوت میں پہنچے تو آپ کی خداداد عظمت وہیبت سے تھر تھر کانپنے لگے۔ اس حالت میں باذان کا خط آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ خط سن کر آپ مسکرائے اور

دونوں کو اسلام کی دعوت دی اور یہ فرمایا کہ کل آنا۔

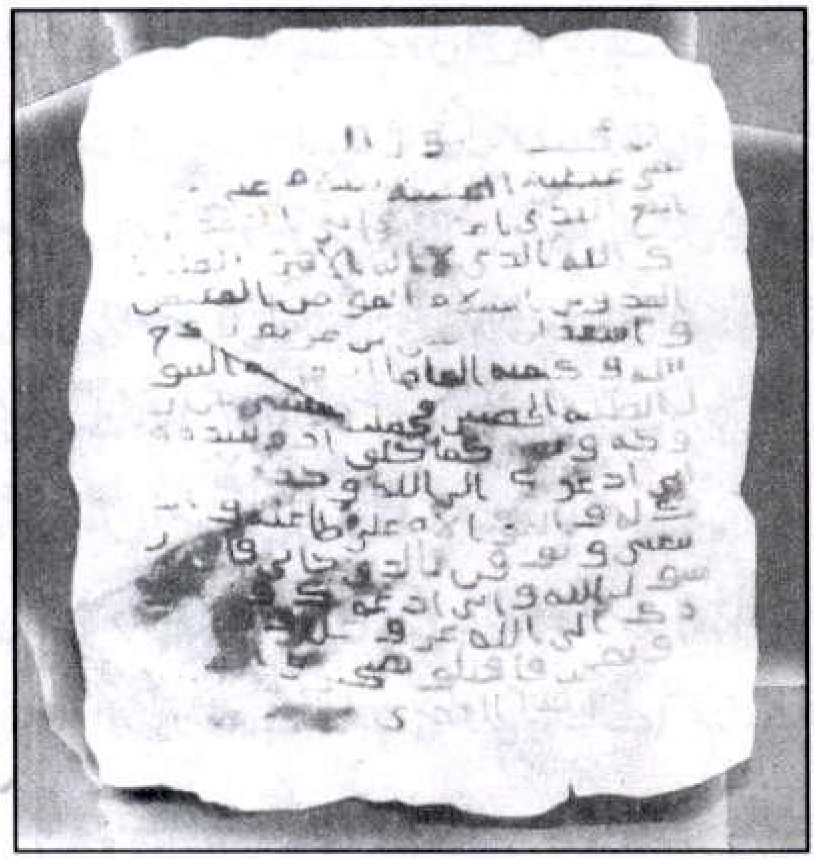
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خسرو کے قتل کی خبر دینا

اگلے روز یہ دونوں شخص حاضر خدمت ہوئے آپ نے فرمایا۔ آج شب میں فلاں وقت اللہ تعالیٰ نے کسریٰ پر اس کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کر دیا۔ اور شیرویہ نے کسریٰ کو قتل کر ڈالا۔ یہ شب منگل کی شب تھی۔ دس راتیں ماہ جمادی الاولیٰ ۷ھ کی گزر چکی تھیں۔ آپ نے فرمایا تم واپس چلے جاؤ۔ اور باذان سے جا کر یہ سب حال بیان کر دو اور فرمایا کہ باذان سے یہ بھی کہہ دینا کہ میرا دین اور میری سلطنت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کسریٰ کی پہنچی ہے۔

باذان کا مسلمان ہونا

باذان نے سن کر یہ کہا کہ یہ بات بادشاہوں کی سی نہیں اگر یہ خبر صحیح ہے تو خدا کی قسم وہ بلاشبہ نبی ہیں۔ چنانچہ اس خبر کی تصدیق ہوگئی باذان مع اپنے خاندان اور رفقاء اور احباب کے مشرف باسلام ہو گیا۔ اور اپنے اسلام سے حضور پرنور کو مطلع کیا۔

نجاشی شاہِ حبشہ کے نام نامہ مبارک



نامہ مبارک کا متن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

من محمد رسول الله الى النجاشى ملک الحبشة سلام عليک اما بعد فانى احمد اليک الله الذى لا اله الا هو الملک القدوس السلام المومن المهيمن واشهد ان عيسىٰ بن مريم روح الله و كلمة القاها الىٰ مريم البتول الطية الحصينه وحملت بعيسىٰ فخلقه الله من روحه و نفخه كما خلق ادم بيده و انى ادعوک الى الله و حده لاشريک له والموالاة على طاعة و ان تتبعنى و تومن بالذى جاء فى فانى رسول الله وانى ادعوک وجنودک الى الله تعالىٰ فقد بلغت و نصحت فاقبلوا نصيحتى والسلام على من اتبع الهدىٰ

نامہ مبارک کا اردو ترجمہ

محمد اللہ کے رسول کی جانب سے نجاشی شاہ حبشہ کی طرف سلام ہو تجھ پر۔ امابعد میں حمد وثناء کرتا ہوں اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی حقیقی بادشاہ ہے تمام عیبوں سے پاک ہے۔ امن دینے والا اور سب کا نگہبان گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ مریم کے بیٹے اللہ کی خاص روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے مریم پاک کی طرف القا کیا پس حاملہ ہوئیں عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی خاص روح اور نفخ سے پیدا کیا۔ جیسے آدم علیہ السلام کو اپنے بے چون وچگون ہاتھ سے بلا ماں باپ کے پیدا کیا میں تجھ کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی محبت کی طرف اور اپنے اتباع کی طرف اور اس بات کی طرف کہ جو اللہ کی طرف سے میرے پاس آیا۔ (یعنی قرآن) اس پر ایمان لا تحقیق میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں تجھ کو اور تیرے تمام لشکروں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں اللہ کا پیام پہنچا چکا اور نصیحت کی پس میری نصیحت کو قبول کرو اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔

حضرت عمرو بن امیہؓ کا نجاشی کو نامہ پہنچانا

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خط دے کر روانہ فرمایا۔ عمرو بن امیہ نے آپ کا خط پہنچایا اور بادشاہ سے مخاطب ہو کر یہ کہا۔ اے اصحمہ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔ امید ہے کہ آپ غور سے سنیں گے ہمیں آپ پر اعتماد اور اطمینان اور آپ سے حسن ظن ہے۔ ہم نے جب کبھی آپ سے کسی خیر اور بھلائی کی امید کی ہمیں وہ بھلائی آپ سے حاصل ہوئی۔ آپ کے سایہ امن میں ہم کو کبھی خوف و ہراس نہیں پیش آیا۔ انجیل جس کا حجت ہونا آپ کی زبانی معلوم ہوا ہے وہ ہمارے اور آپ کے مابین شاہد عادل ہے جس کی شہادت رد نہیں کی جاسکتی اور ایسا قاضی اور حاکم ہے کہ جو اپنے فیصلہ میں عدل اور انصاف سے تجاوز نہیں کرتا۔ اگر آپ نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو آپ اس نبی امی

کے حق میں ایسے ہی ثابت ہوں گے جیسا کہ یہود عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قاصد اور سفیر اوروں کے پاس بھی روانہ فرمائے ہیں لیکن بہ نسبت دوسروں کے تم سے زیادہ امید ہے۔

نجاشی کا اسلام قبول کرنا

نجاشی نے کہا میں گواہی دیتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ آپ وہی نبی امی ہیں جن کا اہل کتاب انتظار کرتے تھے اور جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے راکب الحمار سے عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی ہے اسی طرح راکب الجمل نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی ہے اور مجھے آپ کی نبوت و رسالت کا اس درجہ یقین ہے کہ یعنی مشاہدہ کے بعد بھی میرے یقین اور اذعان میں اضافہ نہ ہوگا۔

اور آپ کے والا نامہ کو آنکھوں سے لگایا اور تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا۔ اور اسلام قبول کیا اور حق کی شہادت دی اور آپ کا والا نامہ کا جواب لکھوایا۔

نجاشی کی طرف سے آپ کے والا نامہ کا جواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الی محمد رسول الله من النجاشی الاصحم بن ابجز سلام علیک یا نبی الله و رحمة الله و برکاته' احمد الله الذی لااله الا هو الذی هدانی للاسلام اما بعد فقد بلغنی کتابک یا رسول الله فماذکرت من امر عیسیٰ فورب السمآء والارض ان عیسیٰ مایزید علی ماذکرت ثغروقاً انه کماقلت و قد عرفنا ما بعثت به الینا و قد قربنا ابن عمک و اصحابه فاشهد انک رسول الله صادقا مصدقا وقد بایعتک و بایعت ابن عمک و اسلمت علیٰ یدیه لله رب العالمین وقدبعثت الیک با بنی ارها ابن الاصحم بن الابجز فالی لا املک الانفسی وان شئت ان اٰتیک فعلت یا رسول الله فانی اشهد ان ماتقول حق والسلام علیک یا رسول الله

محمد رسول اللہ کی جانب نجاشی اصحم بن ابجز کی جانب سے۔ سلام ہو آپ پر اے اللہ کے پیغمبر اور رحمتیں اور برکتیں ہوں اللہ کی آپ پر میں تعریف کرتا ہوں اس ایک خدا کی

جس نے مجھ کو اسلام کی ہدایت اور توفیق مرحمت فرمائی۔ یارسول اللہ۔ آپ کا والا نامہ پہنچا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی بابت جو کچھ آپ نے ذکر کیا قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کے عیسیٰ علیہ السلام اس سے ذرہ برابر زیادہ نہیں بلاشبہ ان کی شان وہی ہے جو آپ نے ذکر کی جو دین دے کر آپ ہماری طرف بھیجے گئے۔ ہم نے اس کو پہچان لیا اور آپ کے ابن عم اوران کے رفقاء کی مہمانی کی پس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے اور تصدیق کئے ہوئے رسول ہیں۔ میں نے آپ سے اور آپ کے ابن عم سے بیعت کی اوران کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لئے اسلام لایا۔ آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے ارہا بن اصحم کو بھیجتا ہوں۔ میں صرف اپنی ذات کا مالک ہوں اگر اشارہ ہو تو میں خود خدمت میں حاضر ہوں یارسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ بالکل حق ہے سلام ہو آپ پر اے اللہ کے رسول۔

نجاشی کا اپنے بیٹے کو بھیجنا

نجاشی نے اپنے بیٹے کو حبشہ کے سات آدمیوں کے ساتھ ایک کشتی میں سوار کر کے آپ کی خدمت میں روانہ کیا لیکن وہ کشتی راستہ میں غرق ہوگئی۔

حضورؐ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی

یہ وہی نجاشی ہے کہ جس کی طرف مسلمانوں نے ۵ھ میں ہجرت کی اس کا نام اصحمہ ہے۔ حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام لایا اور رجب ۹ھ میں اس نے وفات پائی۔ جس روز اس کا انتقال ہوا اسی روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اس کی وفات کی خبر دی اور عیدگاہ میں صحابہ کے ہمراہ جا کر نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

دوسرے نجاشی کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک

اس کی وفات کے بعد جو دوسرا نجاشی اس کا جانشین ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کا ایک خط اس کے نام بھی روانہ فرمایا۔ جس کو امام بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے وہ خط یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من النبی محمد صلی الله علیه وسلم الی النجاشی الاصحم عظیم الحبشة سلام علی من اتبع الهدیٰ و اٰمن بالله و رسوله وشهدان لا اله الا الله وحده' لاشریک لهٗ لم یتخذصاحبة ولا ولداو ان محمدا عبدهٗ و رسولهٗ و ادعوک بدعایة الله فانی انا رسولهٗ فاسلم تسلم یااهل الکتاب تعالوا الیٰ کلمة سواء بیننا و بینکم ان لانعبدالاالله و لانشرک به شیئا ولا یتخذبعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون فان ابیت فعلیک اثم النصاری من قومک

از جانب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بطرف نجاشی عظیم حبشہ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور شہادت دے کہ اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں نہ اس کے بیوی ہے اور نہ اولاد۔ اور گواہی دے کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں میں تجھ کو اللہ کی دعوت دیتا ہوں تحقیق میں اللہ کا رسول ہوں اسلام لا سلامت رہے گا۔ اے اہل کتاب آؤ ایک صاف اور سیدھی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں مسلم ہے وہ یہ کہ سوائے خدا کے کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔ پس اگر روگردانی کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان اور اللہ کے فرمانبردار رہیں۔ اے نجاشی اگر تو نے اسلام کے قبول کرنے سے انکار کیا تو تیری قوم کے تمام نصاریٰ کا گناہ تجھ پر ہوگا۔

دوسرے نجاشی کا اسلام ثابت نہیں

اس نجاشی کا اسلام ثابت نہیں ہوا اور نہ اس کا نام معلوم ہوا۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ نجاشی اس نجاشی کے علاوہ ہے کہ جو حضرت جعفر کے ہاتھ پر مسلمان ہوا آہ کلامہ بعض لوگوں کو التباس ہو گیا اور دونوں کو ایک ہی سمجھ لیا۔ صحیح مسلم کی روایت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی دو ہیں اس دوسرے خط میں جو نجاشی کے ساتھ اصحم کا لفظ مذکور ہے وہ راوی کا وہم ہے۔ اصحم پہلے نجاشی کا نام ہے۔ راوی نے دونوں کو ایک سمجھ کر اس خط میں بھی اصحم کا لفظ غلطی سے بڑھا دیا۔

مقوقس شاہِ مصر و اسکندریہ کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک



نامہ مبارک کا متن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد عبداللہ و رسولہ الیٰ المقوقس عظیم القبط سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک اثم القبط یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سوآء بیننا و بینکم ان لا نعبد الااللہ ولا نشرک بہ شیئا و لایتخذبعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوابانا مسلمون.

نامہ مبارک کا اردو ترجمہ

محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے مقوقس عظیم قبط کے نام۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام لا۔ سلامت رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دوہرا اجر عطا فرمائے گا۔ اور اگر تو نے اس دعوت سے اعراض کیا تو تمام قبط کے حق نہ قبول کرنے کا گناہ تجھ پر ہوگا۔ اے اہل کتاب آؤ ایسی سیدھی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے مابین مسلم ہے وہ یہ کہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں اور ہم میں کا بعض بعض کو سوائے خدا کے رب نہ بنائے پس اگر اس سے اعراض کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم مسلمان اور اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

حضرت حاطبؓ کا بادشاہ تک والا نامہ پہنچانا

مہر لگا کر حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو دیا کہ لے کر شاہ مصر کے پاس روانہ ہوں۔ حاطبؓ آپ کا والا نامہ لے کر روانہ ہوئے اول مصر پہنچے۔ معلوم ہوا کہ بادشاہ اسکندریہ میں ہے۔ اسکندریہ پہنچے' دیکھا کہ بادشاہ ایک جھروکے میں بیٹھا ہوا ہے جو لب دریا واقع ہے۔ نیچے سے وہ نامہ مبارک اشارہ سے بتلایا۔ بادشاہ نے اندر بلانے کا حکم دیا۔ حاطبؓ اندر پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ پیش کیا۔ توقیر اور عظمت کے ساتھ آپ کے والا نامہ کو لیا اور پڑھا۔

مقوقس کے سوالات

حضرت حاطب راوی ہیں کہ اس کے بعد شاہ اسکندری نے بطور مہمان مجھ کو ایک مکان میں ٹھہرا دیا۔ ایک روز تمام بطارقہ یعنی زعماء اور قائدین کو جمع کر کے مجھ کو بلایا اور یہ کہا کہ میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں سمجھ کر جواب دینا۔ حاطبؓ نے کہا بہتر ہے۔ مقوقس نے کہا جن کا تم خط لے کر آئے ہو کیا وہ نبی نہیں ہیں۔ حاطبؓ نے کہا کیوں نہیں۔ وہ تو اللہ کے رسول ہیں۔ مقوقس نے کہا اگر وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو جس وقت ان کی قوم نے ان کو مکہ سے نکالا تو اس وقت ان کے حق میں بددعا کیوں نہ کی کہ وہ ہلاک ہو جاتے۔

حاطب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تم اس کی گواہی نہیں دیتے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اللہ کے رسول نہ تھے۔ مقوقس نے کہا بے شک وہ اللہ کے رسول تھے۔ حاطبؓ نے کہا کہ جب وہ اللہ کے رسول تھے تو جس وقت ان کے دشمنوں نے ان کو سولی دینے کا ارادہ کیا تو حضرت مسیح نے اس وقت ان کے حق میں کیوں بددعا نہ کی کہ اللہ عزوجل ان کو ہلاک کر دیتا۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھالیا۔ مقوقس نے کہا بے شک تو حکیم ہے اور حکیم کے پاس آیا ہے۔

حضرت حاطبؓ کا مقوقس سے خطاب

مقوقس۔ حضرت حاطب کے اس حکیمانہ جواب کوسن کر خاموش ہو گیا۔ بعد ازاں حضرت حاطب نے بادشاہ کو مخاطب کر کے ایک تقریر فرمائی۔

آپ کو معلوم ہے کہ ایک شخص اس شہر مصر میں پہلے گزرا ہے کہ جو یہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں ہی رب اعلیٰ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو پکڑا اور سزا دی اور ہلاک اور برباد کیا۔ تم کو چاہئے کہ اس سے عبرت حاصل کرو۔ ایسا نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت پکڑیں۔ ایک دین ہے جو تمہارے دین سے کہیں بہتر ہے وہ دین اسلام ہے جس کے متعلق خداوند ذوالجلال نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس کو تمام دینوں پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ تمام ادیان اس کے سامنے مضمحل ہو جائیں گے۔ اس پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہو کر لوگوں کو اس دین کی دعوت دی۔ اس بارے میں قریش سب سے زیادہ سخت اور یہود سب سے زیادہ دشمن اور نصاریٰ سب سے زیادہ قریب ثابت ہوئے۔ خدا کی قسم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دینا بعینہ ایسا ہی ہے جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی دونوں میں کوئی فرق نہیں اور ہمارا تم کو قرآن کی طرف بلانا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ تم اہل تورات کو انجیل کی طرف بلاتے ہو۔ جو قوم کسی نبی کو پائے وہ قوم اس نبی کی امت ہے ان کے ذمہ لازم ہے کہ اس نبی کی اطاعت کریں اور اے بادشاہ تو بھی انہیں لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اس نبی کا زمانہ پایا ہے۔ ہم تم کو دین مسیحی سے روکتے نہیں بلکہ حکم دیتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا اتباع کرو۔

مقوقس کا حضرت حاطب کو جواب

مقوقس نے کہا میں نے اس نبی کے بارے میں غور اور فکر کیا تو یہ پایا کہ وہ پسندیدہ چیزوں کا حکم دیتے ہیں اور ناپسند چیزوں سے منع کرتے ہیں قابل نفرت چیزوں کا حکم نہیں دیتے اور قابل رغبت چیزوں سے منع نہیں کرتے۔ جادوگر اور گمراہ نہیں۔ کاہن اور جھوٹے نہیں۔ نبوت کی علامتیں ان میں پاتا ہوں مثلاً ان کا غیب کی خبریں دینا اور اس بارے میں پھر غور کروں گا اور آپ کے والا نامہ کو ہاتھی دانت کے ڈبہ میں بند کر کے اپنے خازن کو حکم دیا کہ اس کو حفاظت سے رکھیں۔ اور ایک کاتب کو بلا کر عربی زبان میں آپ کے والا نامہ کے جواب لکھنے کا حکم دیا جواب یہ تھا۔

مقوقس کا جوابی خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰی محمد بن عبداللہ من المقوقس عظیم القبط سلام علیک. امابعد فقد قرأت کتابک وفهمت ماذکرت فيه وماتدعو اليه وقد علمت ان نبيا قد بقی و کنت اظن ان يخرج من الشام وقد اکرمت رسولک و بعثته اليک بجاريتين لهمامن القبط مکان عظيم و کسوة واهديت اليک بعلة لترکبها والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس سردار قبط کی جانب سے ہے سلام ہو آپ پر امابعد۔ میں نے آپ کا خط پڑھا اور سمجھا اور اس کے مضمون کو اور اس چیز کو جس کی طرف آپ نے دعوت دی ہے سمجھا۔ میں یقین جانتا ہوں کہ ایک نبی باقی رہ گیا ہے۔ میرا گمان یہ تھا کہ شاید اس کا خروج شام سے ہو میں نے آپ کے قاصد کا اکرام اور احترام کیا دو باندیاں اور کچھ کپڑے اور خچر ہدیۃً آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔ والسلام۔

ایک جاریہ کا نام ماریہ قبطیہ تھا یہ آپ کے حرم میں داخل ہوئیں۔ آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم انہیں کے بطن سے پیدا ہوئے اور دوسری کا نام سیرین تھا جو حسان بن ثابت کو عطا ہوئیں اور خچر کا نام دلدل تھا۔

مقوقس نے اسلام قبول نہیں کیا

مقوقس نے آپ کے قاصد کا اکرام واحترام کیا اور آپ کے والا نامہ کی نہایت توقیر وتعظیم کی اور اقرار کیا کہ بے شک آپ وہی نبی ہیں جن کی انبیاء سابقین نے بشارت دی

ہے لیکن ایمان نہیں لایا۔ نصرانیت پر قائم رہا۔ حاطب بن ابی بلتعہ جب آپ کی خدمت میں پہنچے اور تمام واقعہ بیان کیا تو یہ ارشاد فرمایا کہ ملک اور سلطنت کی وجہ سے اسلام نہیں قبول کیا اور اس کا ملک اور سلطنت باقی نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ مصر حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے فتح کیا۔

مقوقس کی حضرت مغیرہؓ سے گفتگو

مقوقس اس سے پیشتر آپ کے حالات مغیرہ بن شعبہ سے معلوم کر چکا تھا۔ مغیرہ مشرف باسلام ہونے سے پہلے بنی مالک کے چند آدمیوں کے ساتھ مقوقس کے پاس گئے تھے۔ اس وقت مقوقس نے ان لوگوں سے آپ کے حالات دریافت کئے۔ مغیرہ نے کہا وہ بالکل ایک نیا دین لے کر آئے ہیں جو ہمارے آبائی اور جدی دین کے بھی خلاف ہے اور بادشاہ کے دین کے بھی خلاف ہے۔

مقوقس: ان کی قوم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

مغیرہ: اکثر نوجوانوں نے ان کا اتباع کیا اور بوڑھوں نے مخالفت کی اور مخالفین سے لڑائی کی نوبت آئی کبھی فتح ہوئی اور کبھی شکست۔

مقوقس: وہ کس چیز کی طرف تم کو بلاتے ہیں۔

مغیرہ: ایک اللہ عزوجل کی عبادت کریں کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں۔ جن بتوں کی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کرتے تھے ان کو چھوڑ دیں اور نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں۔

مقوقس: کیا نماز کے لئے کوئی وقت اور زکوٰۃ کے لئے کوئی مقدار معین ہے۔

مغیرہ:۔ دن رات میں پانچ نمازیں ادا کرتے ہیں۔

بیس مثقال سونے میں نصف مثقال یعنی مال کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ دیتے ہیں۔

مقوقس: زکوٰۃ لے کر کیا کرتے ہیں۔

مغیرہ:۔ فقراء اور مساکین پر تقسیم کر دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں صلہ رحمی اور ایفاء عہد کا حکم کرتے ہیں زنا اور سود اور شراب کو حرام بتاتے ہیں۔ غیر اللہ کے نام پر جو جانور ذبح کیا جاتا ہے اس کو نہیں کھاتے۔

مقوقس:۔ بیشک وہ نبی مرسل ہیں۔تمام عالم کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔عیسیٰ علیہ السلام بھی انہی باتوں کا حکم دیتے تھے۔اوراس سے پہلے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی انہیں باتوں کی تلقین فرماتے تھے اور انجام کار آپ ہی کو غلبہ ہوگا۔ یہاں تک کہ کوئی آپ کا مزاحم نہ رہے گا اور خشکی وسمندر کی انتہاء تک آپ کا دین پہنچے گا۔

مغیرہ: ساری دنیا بھی اگر آپ پر ایمان لے آئے تو ہم آپ پر ایمان نہ لائیں گے۔

مقوقس: تم لوگ نادان اور بے عقل ہو۔اچھا یہ تو بتاؤ کہ ان کا نسب کیسا ہے۔

اچھا ان کی سچائی اور راستی کے متعلق کچھ بیان کرو۔

مغیرہ: ان کی سچائی اور راستی ہی کی وجہ سے سارا عرب ان کو امین پکارتا ہے۔

مقوقس: تم اس بارے میں غور اور فکر کرو کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص بندوں سے سچ بولے اور خدا پر جھوٹ بولے۔ نیز یہ بتلاؤ کہ ان کے پیرو اور اتباع کس قسم کے لوگ ہیں۔

مغیرہ:۔نوجوان۔

مقوقس:۔ آپ سے پیشتر جس قدر انبیاء گزرے ان کے اتباع کرنے والے اکثر نوجوان ہی ہوئے ہیں۔ بعد ازاں یہ دریافت کیا کہ یثرب کے یہودیوں نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ وہ لوگ اہل تورات ہیں۔

مغیرہ:۔مخالفت کی آپ نے ان میں سے کسی کو قتل کیا اور کسی کو قید اور کسی کو جلا وطن۔

مقوقس:۔ یہودؔ حاسد قوم ہے یہود نے آپ پر حسد کیا ورنہ وہ ہماری طرح آپ کو خوب پہچانتے ہیں۔

حضرت مغیرہؓ کا بڑے پادری سے سوال

مغیرہ: یہ سن کر ہم محل سے باہر آ گئے اور اپنے دلوں میں یہ کہا کہ شاہان عجم بھی آپ کی تصدیق کرتے ہیں حالانکہ وہ آپ سے بہت دور ہیں اور ہم تو آپ کے رشتہ دار اور پڑوسی ہیں ہم اب تک آپ کے دین میں داخل نہیں ہوئے حالانکہ آپ نے ہم کو ہمارے گھروں پر آ کر بلایا۔ یہ بات میرے دل میں اثر کر گئی اور میں اسکندریہ ہی میں ٹھہر گیا کوئی گرجا ایسا نہ چھوڑا کہ میں اس میں نہ گیا ہوں اور وہاں کے پادریوں سے آپ کی صفت اور شان

دریافت نہ کی ہو یہاں تک میں ان کے اسقف اعظم (بڑے پادری) سے ملا جو بڑا عابد و زاہد تھا لوگ مریضوں کو اس کے پاس دعا کرانے کے لئے لاتے تھے۔ میں نے اس سے دریافت کیا۔ کیا ابھی کسی نبی کا مبعوث ہونا باقی ہے۔

پادری کا جواب

اس نے یہ جواب دیا۔

نعم هوآخر الانبياء ليس بينه و بين عيسیٰ بن مريم احدوهو نبی مرسل و قد امرنا عيسی باتباعه وهو النبی الامی العربی اسمه احمد ليس بالطويل ولا ابيض ولابالآدم يعض شعره و يلبس ماغلظ من الثياب و يجتزئ بما لقی من الطعام سيفهٗ علی عاتقه ولا يالی بمن لاقی يباشر القتال بنفسه و معه اصحابه يفدونه بانفسهم هم له اشد حبامن اولادهم يخرج من ارض حرم و ياتی الی حرم يهاجر الی ارض سباخ ونخل بدين ابراهيم عليه السلام

ہاں وہ آخری نبی ہیں۔ ان کے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں وہ نبی مرسل ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ہم کو ان کے اتباع کا حکم دیا وہ نبی امی عربی ہیں نام ان کا احمد ہے نہ دراز قد ہیں نہ پست قامت بلکہ میانہ قد ہیں۔ آنکھوں میں ان کی سرخی ہے نہ بالکل سفید ہیں نہ بالکل گندمی۔ بال ان کے زیادہ ہوں گے موٹے کپڑے پہنیں گے جتنا کھانا میسر آ جائے گا اسی پر اکتفا اور قناعت کریں گے۔ تلوار ان کے کاندھے پر ہوگی کسی مقابلہ کی پرواہ نہ کریں گے۔ خود جہاد و قتال کریں گے۔ ان کے اصحاب ان کے ساتھ ہوں گے۔ جو دل و جان سے ان پر فدا ہوں گے۔ اپنی اولاد سے زیادہ ان سے محبت رکھتے ہوں گے۔ وہ نبی حرم (مکہ) میں ظاہر ہوگا اور حرم کی طرف ہجرت کرے گا وہ زمین شور اور نخلستانی ہوگی۔ ابراہیم علیہ السلام کے دین کا پیرو ہوگا۔

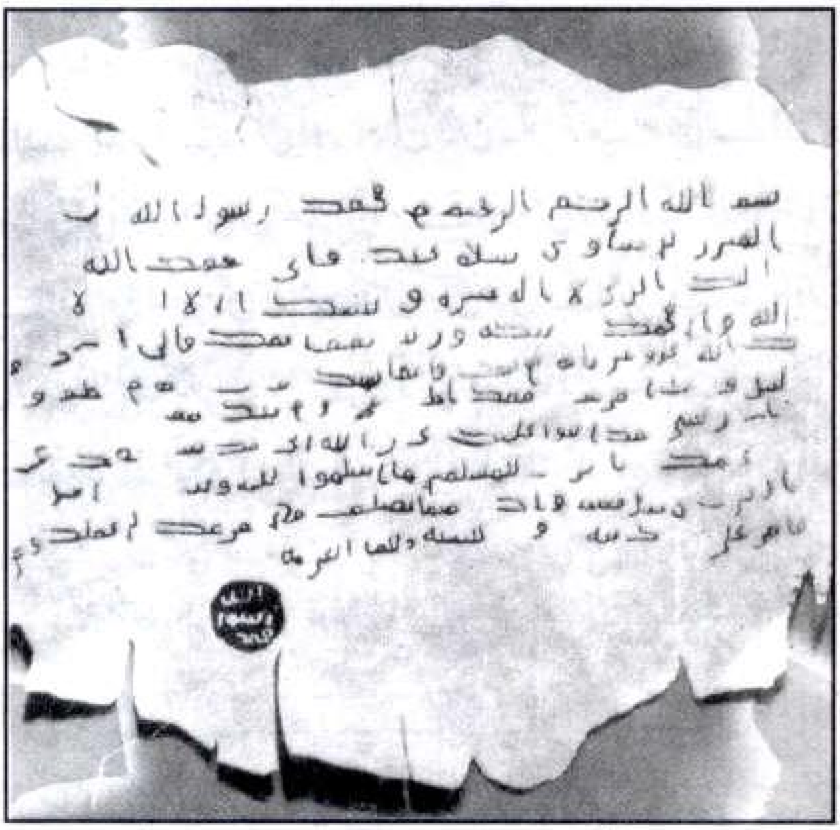
پادری کا حضورؐ کی صفات بیان کرنا

مغیرہ کہتے ہیں میں نے کہا آپ کی کچھ اور صفات بیان کرو اس نے کہا کہ آپ ازار بند ہوں گے۔ اپنے اطراف اور اعضاء کو دھوئیں گے۔ یعنی وضو کریں گے۔ آپ سے پہلے جس قدر نبی گزرے وہ صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے اور آپ تمام عالم کی طرف مبعوث ہوں گے۔ تمام روئے زمین ان کے لئے مسجد اور طہور ہوگی۔ جہاں نماز کا وقت آ جائے گا وہاں پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کر کے نماز ادا کریں گے۔ بنی اسرائیل کی طرح کنیسہ اور گرجا کے پابند نہ ہوں گے کہ کلیسا کے سوا کہیں دوسری جگہ نماز ہی درست نہ ہو۔

حضرت مغیرہؓ کا اسلام لانا

مغیرہ کہتے ہیں کہ تمام باتیں میں نے خوب غور سے سنیں اور یاد رکھا اور واپس ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کا حلقہ بگوش بنا۔

منذر بن ساویٰ شاہ بحرین کے نام نامۂ مبارک



علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو منذر ساویٰ کی طرف دعوت اسلام کا خط دے کر روانہ فرمایا۔

قاصد نبوی کی بادشاہ سے گفتگو

علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ لے کر منذر کے پاس پہنچا تو میں نے اس سے یہ کہا۔

اے منذر۔ دنیا میں تو بڑا عاقل اور ہوشیار ہے۔ آخرت کے بارے میں نادان اور ذلیل نہ بن۔ یہ مجوسیت (آتش پرستی) بدترین مذہب ہے۔ نہ اس میں عرب کا سا شرف اور کرم ہے اور نہ اہل کتاب کا سا علم۔ اس مذہب والے ان عورتوں سے نکاح کرتے ہیں جن کے ذکر ہی سے حیا اور شرم آتی ہے۔ اور ان چیزوں کو کھاتے ہیں جن کے کھانے سے سلیم طبیعتیں نفرت کرتی ہیں۔ دنیا میں اس آگ کی پرستش کرتے ہیں جو قیامت کے دن ان کو کھائے گی۔ اے منذر تو بے عقل اور نادان نہیں۔ تو خوب سوچ لے اور غور کر لے۔ جو ذات کبھی جھوٹ نہیں بولتی اس کی تصدیق کرنے اور اس کو صادق اور راستباز سمجھنے میں تجھ کو کیا رکاوٹ ہے اور جو ذات کبھی خیانت نہیں کرتی اس کے امین سمجھنے میں اور جو ذات کہ اس کی بات میں کبھی خلاف نہیں ہوتا اس پر وثوق اور اعتماد کرنے میں تجھ کو کیا تردد ہے۔ اگر آپ کی ذات بابرکات ایسی ہی ہے اور یقیناً ایسی ہے تو سمجھ لے کہ وہ بلا شبہ اللہ کے نبی اور اس کے رسول ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایسے رسول ہیں کہ جس چیز کے کرنے کا آپ نے حکم دیا۔ اس کے متعلق کوئی ذی عقل یہ ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ کاش آپ اس چیز سے منع فرماتے اور جس چیز کے کرنے سے آپ نے منع فرمایا اس کے متعلق کوئی ذی عقل اور ذی ہوش یہ نہیں کہہ سکتا کہ کاش آپ اس چیز کے کرنے کا حکم دیتے۔ یا جس چیز کو جس حد تک آپ نے معاف فرمایا اس سے زائد معاف فرماتے یا جس چیز کی آپ نے جو سزا تجویز فرمائی اس میں کوئی تخفیف یا کمی فرماتے۔ اس لئے کہ آپ کا ہر امر اور ہر نہی اور آپ کا ہر ارشاد اہل عقل اور اہل نظر کی انتہائی تمنا اور آرزو کے مطابق ہے۔

بادشاہ کا حضرت علاءؓ کو جواب

منذر نے کہا میں جس دین پر ہوں میں نے اس میں غور کیا تو اس کو فقط دنیا کے لئے پایا۔

آخرت کے لئے نہیں اور تمہارے دین میں نظر اور فکر کی تو اس کو دنیا اور آخرت دونوں کے لئے پایا۔ پس مجھ کو اس دین کے قبول کرنے سے کیا شے مانع ہے کہ جس کے قبول کرنے سے زندگی کی تمنائیں اور موت کی راحت حاصل ہوتی ہو اب تک میں اس شخص پر تعجب کرتا تھا جو اس دین (اسلام) کو قبول کرے اور اب اس پر تعجب کرتا ہوں کہ جو اس دین برحق کو رد کرے۔

بادشاہ کا مسلمان ہونا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جوابی عریضہ بھیجنا

منذر مشرف باسلام ہوا اور آپ کے والا نامہ کا یہ جواب لکھوایا۔

اے رسول اللہ میں نے آپ کا والا نامہ اہل بحرین کو سنا دیا۔ بعضوں نے اسلام کو پسند کیا اور اس میں داخل ہوئے اور بعضوں نے ناپسند کیا اور میرے ملک میں یہودی اور مجوسی رہتے ہیں اس بارے میں آپ اپنا حکم صادر فرمائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

آپ نے یہ جواب لکھوا کر بھیجا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خط محمد رسول اللہ کی جانب سے منذر بن ساویٰ کی طرف۔ سلام ہو تم پر میں تیری طرف اس خدائے پاک کی حمد پہنچاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ بعد ازاں میں تجھ کو اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں اس لئے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ خیر خواہی اور وفاداری کرے وہ حقیقت میں اپنی ذات کی خیر خواہی کرتا ہے۔ اور جس نے میرے قاصدوں کی اطاعت کی اور ان کے حکم کا اتباع کیا پس تحقیق اس نے میری اطاعت کی اور جس نے ان کی خیر خواہی کی۔ میرے قاصدوں نے آ کر تمہاری تعریف وتوصیف کی میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش قبول کی۔ پس وہ املاک مسلمانوں کے قبضہ میں چھوڑ دو جس پر وہ اسلام لائے ہیں۔ اور خطا کاروں کو میں نے معاف کیا اس سے اسلام یا تو یہ قبول کرو اور جب تک تم ٹھیک اور درست رہو گے ہم تم کو معزول نہ کریں گے اور جو شخص اپنی یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے تو اس پر جزیہ ہے۔

شاہِ عُمان کے نام نامہ مبارک

نامہ مبارک کا متن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد بن عبدالله و رسوله الى جيفر وعبد ابنى الجلندى سلام على من اتبع الهدىٰ اما بعد فانى ادعو كما بدعاية الاسلام اسلما تسلما فانى رسول الله الى الناس كافة لانذرمن كان حيا و يحق القول على الكافرين و انكما ان اقررتما بالاسلام و ليتكما و ان ابيتما ان تقرابالاسلام فان ملككما زائل عنكما و خيلى تحل بساحتكما و تظهر نبوتى علىٰ ملككما.

نامہ مبارک کا اردو ترجمہ

یہ خط ہے محمد بن عبداللہ رسول اللہ کی طرف سے جیفر اور عبد پسران جلندی کی طرف۔ سلام ہے اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔ اما بعد میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام لے آؤ سلامت رہو گے۔ اس لئے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمام لوگوں کی طرف تا کہ ڈراؤں اللہ کے عذاب سے اس کو کہ جو زندہ ہو اور ثابت ہو اللہ کی حجت کافروں پر تم اگر اسلام کا اقرار کرو تو تم کو تمہارے ملک پر بدستور باقی رکھیں گے ورنہ سمجھ لو کہ تمہاری سلطنت عنقریب

زائل ہونے والی ہے۔اور میرے سوار تمہارے گھر کے صحن تک پہنچیں گے اور میری نبوت اور رسالت تمہارے ملک کے تمام ادیان پر غالب آ کر رہے گی۔

قاصد نبوی کی شاہ سے گفتگو

ذی قعدۃ الحرام ۸ھ میں عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے والا نامہ دے کر پسران جلندی عبد اور جیفر کی طرف روانہ فرمایا۔عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ میں آپ کا والا نامہ لے کر عمان پہنچا اول عبد سے ملاقات ہوئی نہایت حلیم اور بردبار اور نیک خو تھے میں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ خط دے کر آپ اور آپ کے بھائی کی طرف بھیجا ہے۔عبد نے کہا کہ اعلیٰ رئیس اور بادشاہ میرے بڑے بھائی جیفر ہیں میں آپ کو ان سے ملادوں گا۔یہ خط ان کے سامنے پیش کر دینا اس کے بعد مجھ سے کہا کہ تم ہم کو کس چیز کی طرف دعوت دینے آئے ہو۔

عمرو بن العاص: ایک اللہ کی عبادت کرو۔بت پرستی کو چھوڑ دو اور اس بات کی گواہی دو کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

عبد:۔اے عمرو بن العاص تم اپنی قوم کے سردار کے بیٹے ہو بتلاؤ کہ تمہارے باپ نے کیا کیا ہم انہیں کی اقتداء کریں گے۔

عمرو بن العاصؓ:۔میرے باپ مر گئے اور آپ پر ایمان نہیں لائے اور میری تمنا تھی کہ کاش وہ اسلام لاتے اور آپ کی تصدیق کرتے۔ایک عرصہ تک میں انہیں کی رائے پر رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اسلام کی ہدایت اور توفیق سے سرفراز فرمایا۔

عبد:۔تم کب مسلمان ہوئے۔

عمرو بن العاصؓ:۔چند ہی روز ہوئے۔

عبد:۔کہاں مسلمان ہوئے۔

عمرو بن العاص:۔نجاشی شاہ حبشہ کے ہاتھ پر اور نجاشی بھی مسلمان ہو چکا ہے۔

عبد:۔نجاشی کے اسلام لے آنے کے بعد اس کی قوم نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

عمرو بن العاص:۔حسب سابق اس کو بادشاہت پر برقرار رکھا اور اس کے متبع اور پیرو بنے۔

عبد:۔اساقفہ (پادریوں) اور رہبان نے کیا کیا۔

عمرو بن العاصؓ:۔سب نے اس کا اتباع کیا۔

عبد:۔اے عمرو غور کرو کیا کہہ رہے ہو۔خوب سمجھ لو کہ جھوٹ سے بڑھ کر کوئی بری خصلت نہیں اور انسان کے لئے جھوٹ سے زیادہ رسوا کرنے والی کوئی چیز نہیں۔

عمرو بن العاص:۔حاشا وکلا میں نے جھوٹ نہیں کہا اور نہ ہمارے دین میں جھوٹ بولنا حلال ہے۔

عبد:۔معلوم نہیں کہ ہرقل قیصر روم کو نجاشی کے اسلام لانے کی خبر ہوئی یا نہیں۔

عمرو بن العاص:۔ہرقل کو نجاشی کے مسلمان ہونے کا علم ہے۔

عبد:۔تم کو کیسے معلوم ہوا۔

عمرو بن العاص:۔نجاشی قیصر روم کو خراج ادا کرتا تھا۔مسلمان ہونے کے بعد خراج دینے سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ خدا کی قسم اگر قیصر روم مجھ سے ایک درہم بھی مانگے تو وہ بھی نہ دوں گا۔قیصر روم کو جب نجاشی کی یہ بات پہنچی تو قیصر روم خاموش ہو گیا۔قیصر کی خاموشی کو دیکھ کر قیصر روم کے بھائی نیاق نے نہایت غصہ سے یہ کہا کہ کیا آپ اپنے اس غلام یعنی نجاشی کو ایسے ہی چھوڑ دیں گے کہ خراج بھی ادا نہ کرے اور آپ کا مذہب چھوڑ کر نیا دین اختیار کر لے۔ قیصر نے کہا نجاشی کو اختیار ہے کہ وہ جس دین کو چاہے اختیار کرے اس نے اس دین کو پسند کیا خدا کی قسم اگر مجھ کو اپنی سلطنت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں بھی یہی دین اختیار کرتا۔

عبد:۔بہت متعجب ہو کر۔اے عمرو کیا کہہ رہے ہو۔

عمرو بن العاصؓ:۔خدا کی قسم میں نے بالکل سچ کہا ہے۔

عبد:۔اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے پیغمبر کس چیز کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں۔

عمرو بن العاصؓ:۔اللہ عزوجل کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور اس کی معصیت اور نافرمانی سے منع فرماتے ہیں۔بھلائی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ظلم اور تعدی زنا اور شراب خوری بت پرستی اور صلیب پرستی سے منع فرماتے ہیں۔

عبد:۔ کیا ہی اچھی دعوت اور کیا ہی عمدہ تلقین ہے۔ کاش میرا بھائی بھی میرے ساتھ اتفاق کرے اور دونوں مل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی تصدیق کریں۔ لیکن ممکن ہے کہ میرا بھائی اپنی سلطنت کی وجہ سے اس بارے میں تامل کرے۔

عمرو بن العاصؓ:۔ اگر اسلام لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بادشاہت کو بدستور برقرار رکھیں گے اور یہ حکم دیں گے کہ اپنی قوم کے امراء اور اغنیا سے صدقات وصول کریں اور اپنی قوم کے فقراء اور مساکین پر ان کو تقسیم کریں۔

عبد:۔ یہ تو نہایت عمدہ بات ہے۔ یہ بتاؤ کہ صدقات کتنے اور کس طرح لئے جاتے ہیں۔

عمرو بن العاصؓ:۔ میں نے تفصیلاً بتایا کہ سونے اور چاندی میں اتنی زکوٰۃ لی جاتی ہے اور اونٹ اور بکریوں میں اتنی۔

عبد اور جیفر کا مسلمان ہونا

بعد ازاں عبد نے مجھ کو اپنے بھائی جیفر کے سامنے پیش کیا میں نے آپ کا والا نامہ سربمہر اس کو دیا۔ مہر کھول کر اس کو پڑھا اور مجھ کو بیٹھنے کا حکم دیا اور قریش کا کچھ حال دریافت کیا۔ ایک دو روز کے تامل کے بعد جیفر بھی اسلام پر آمادہ ہو گیا اور دونوں بھائیوں نے مل کر ایک روز اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ بہت سے لوگ ان کے ساتھ مسلمان ہو گئے اور جو مسلمان نہیں ہوئے ان پر جزیہ قائم کر دیا گیا۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اصل بادشاہ ان کا باپ جلندی تھا۔ شاید بوڑھے ہو جانے کی وجہ سے سلطنت بیٹوں کے سپرد کر دی ہو۔ بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن العاصؓ کو جلندی کی طرف دعوت اسلام کی غرض سے روانہ فرمایا ممکن ہے کہ آپ نے عمرو بن العاص کو باپ اور بیٹوں سب کی طرف روانہ فرمایا ہو۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کی جلندی کو دعوت

علامہ سہیلی لکھتے ہیں کہ عمرو بن العاصؓ نے جلندی سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا۔

اے جلندی تو اگرچہ ہم سے بہت دور ہے لیکن اللہ عزوجل سے دور نہیں جس ذات

پاک نے تجھ کو بلا کسی شریک کے تنہا پیدا کیا تو تنہا اسی کی عبادت کر اور جو ذات تیرے پیدا کرنے میں خدا کی شریک نہیں تو اس خدا کی عبادت میں شریک نہ کر اور یقین رکھ کہ جس خدا نے تجھ کو زندہ کیا ہے وہ تجھ کو موت دینے والا ہے اور جس نے تمہاری پیدائش کی ابتداء کی وہی پھر تم کو اپنی طرف لوٹائے گا۔ پس اس نبی امی کے بارے میں خوب غور اور فکر کر لو کہ جو دنیا اور آخرت کی بھلائی اور بہبودی لے کر آیا ہے۔ اگر وہ تم سے کسی قسم کا کوئی اجر اور معاوضہ چاہتے ہوں تو وہ روک لو اور اگر ان کے کسی قول اور فعل میں ہوائے نفسانی کا شائبہ محسوس کرو تو اس کو چھوڑ دو پھر آپ کے لائے ہوئے دین میں غور کرو۔ کہ آپ کا دین لوگوں کے خود ساختہ قوانین کے مشابہ ہے یا نہیں۔ اگر آپ کی شریعت اور آپ کا دین لوگوں کے بنائے ہوئے دین کے مشابہ ہے تو بتلاؤ کس کے مشابہ ہے اور اگر آپ کا دین لوگوں کے بنائے ہوئے دین کے مشابہ نہیں تو سمجھ لو کہ وہ اللہ جل جلالہ کا دین ہے پس اس کو قبول کرو اور جو حکم دیتا ہے اس کی تعمیل کرو اور جس سے ڈراتا ہے اس سے ڈرو۔

جلندی کا جواب

جلندی نے کہا میں نے اس نبی امی کے بارے میں غور کیا۔ بے شک وہ کسی خیر اور بھلائی کا حکم نہیں دیتے مگر سب سے پہلے اس پر عمل کرنے والے وہ خود ہوتے ہیں اور کسی برائی سے منع نہیں کرتے مگر سب سے پہلے خود اس کے ترک کرنے والے ہوتے ہیں۔ جب وہ اپنے دشمنوں پر غالب آتے ہیں تو اتراتے نہیں اور جب مغلوب ہوتے ہیں تو گھبراتے نہیں۔ عہد کو پورا کرتے ہیں وعدہ کی وفا کرتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بلاشبہ نبی ہیں۔

رئیسِ یمامہ ہوذۃ بن علی کے نام نامہ مبارک

نامہ مبارک کا متن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول اللہ الیٰ ہوذۃ بن علی سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ و اعلم ان دینی سیظھر الیٰ منتھی الخف والحافر فاسلم تسلم واجعل لک ماتحت یدیک

نامہ مبارک کا اردو ترجمہ

یہ خط ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوذۃ بن علی کے نام۔ سلام ہے اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے معلوم کرلو کہ میرا دین وہاں تک پہنچے گا جہاں اونٹ اور گھوڑے پہنچ سکتے ہیں اسلام لے آؤ سلامت رہو گے اور تمہارے مقبوضات پر تم کو بدستور برقرار رکھیں گے۔

قاصد نبوی کی ہوذہ سے گفتگو

سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ کو یہ خط دے کر روانہ فرمایا۔ ہوذہ نے آپ کا والا نامہ پڑھا اور حضرت

سلیط کو نہایت عزم واحترام کے ساتھ اتارا۔سلیط رضی اللہ عنہ نے ہوذہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

اے ہوذہ تجھ کو پرانی اور بوسیدہ ہڈیوں نے سردار بنادیا ہے اور حقیقت میں سردار وہ ہے کہ جو ایمان سے متمتع ہوا اور تقویٰ کا توشہ لیا۔ میں تجھ کو ایک بہترین شی کا حکم کرتا ہوں اور ایک بدترین شی سے تجھ کو منع کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم کرتا ہوں اور شیطان کی عبادت سے منع کرتا ہوں اگر تو اس کو قبول کرے تو تیری تمام امیدیں برآئیں گی اور خوف سے مامون ہوگا اور اگر انکار کرتا ہے تو قیامت کا ہولناک منظر ہمارے اور تیرے درمیان سے اس پردہ کو اٹھادے گا۔

ہوذہ کا واپسی جواب

ہوذہ نے کہا مجھے مہلت دیجئے کہ میں سوچ لوں اور بعد ازاں آپ کے والا نامہ کا یہ جواب لکھوایا۔

ما احسن ماتدعو الیه واجمله والعرب تهاب مکانی فاجعل الی بعض الامر اتبعک

جس چیز کی طرف آپ بلاتے ہیں وہ کیا ہی خوب اور بہتر ہے عرب میرے دبدبہ اور مرتبہ سے ڈرتے ہیں آپ مجھے کچھ اختیار دیدیجئے میں آپ کا اتباع کروں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

چلتے وقت حضرت سلیطؓ کو ہدیہ اور تحفہ دیا اور کچھ ہجر کے بنے ہوئے کپڑے دیئے مدینہ پہنچ کر آپ سے سارا واقعہ بیان کیا۔آپ نے خط پڑھ کر فرمایا خدا کی قسم اگر ایک بالشت زمین بھی مانگے تو نہ دوں گا وہ بھی ہلاک ہوا اور اس کا ملک بھی ہلاک ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ سے واپس ہوئے تو جبرئیل امین نے آکر آپ کو ہوذہ کے مرنے کی خبر دی آپ نے صحابہ کو یہ خبر سنا کر فرمایا کہ یمامہ میں عنقریب ایک کذاب ظاہر ہوگا جو نبوت کا دعویٰ کرے گا اور میرے بعد قتل ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

امیرِ دمشق حارث غسّانی

کے نام

نامہ مبارک

نامہ مبارک کا متن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد رسول الله الی الحارث بن ابی شمر سلام علی من اتبع الهدیٰ و امن بالله و صدق فانی ادعوک الی ان تؤمن بالله وحده' لا شریک

نامہ مبارک کا اردو ترجمہ

محمد اللہ کے رسول کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ پر ایمان لائے اور اللہ کے احکام کی تصدیق کرے۔ پس میں تجھ کو دعوت دیتا ہوں اس بات کی کہ تو ایمان لائے اس ایک خدا پر جس کا کوئی شریک نہیں اگر تو ایمان لے آیا تو تیری سلطنت باقی رہے گی۔

حارث کے دربان کا مسلمان ہونا

شجاع بن وہاب اسدیؓ یہ والا نامہ لے کر دمشق پہنچے۔ حارث غسانی اس وقت قیصر روم

کے لئے سامان ضیافت مہیا کرنے میں مشغول تھا۔ قیصر اس زمانہ میں فارس پر فتحیابی کے شکریہ میں حمص سے پا پیادہ چل کر بیت المقدس آیا ہوا تھا۔ انتظار میں کئی روز گزر گئے مگر حارث سے ملاقات نہیں ہوئی میں نے حارث کے دربان سے ذکر کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں۔ بادشاہ سے ملنا چاہتا ہوں' دربان نے کہا کہ بادشاہ ایک دو روز میں برآمد ہوں گے۔ اس وقت ملاقات ہو سکے گی۔ دربان روم کا رہنے والا تھا نام اس کا مری تھا۔ اس نے مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کرنے شروع کئے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کرتا جاتا تھا اور وہ روتا جاتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سن کر یہ کہا میں نے انجیل پڑھی ہے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور اوصاف پاتا ہوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں اور آپ کی تصدیق کرتا ہوں اور مجھ کو اندیشہ ہے کہ حارث مجھ کو ہلاک کر ڈالے گا اور میرا نہایت اکرام اور احترام کیا اور نہایت اچھی مہمانی کی۔

حارث کی گستاخی

ایک روز حارث برآمد ہوا تاج پہن کر بیٹھا اور ان کو اندر آنے کی اجازت دی گئی۔ حضرت شجاع بن وہبؓ نے آپ کا والا نامہ پیش کیا۔ حارث اس کو پڑھ کر برہم ہوا اور آپ کے والا نامہ کو پھینک دیا اور غصہ ہو کر کہا وہ کون شخص ہے جو میرا ملک مجھ سے چھینے گا میں ہی خود اس کی طرف جانے والا ہوں اور گھوڑوں کی نعل بندی کا حکم دیا اور ایک خط اس مضمون کا قیصر روم کے نام روانہ کیا۔ قیصر روم کا جواب یہ آیا کہ اپنا ارادہ ملتوی کر دو۔ قیصر روم کا جواب آنے کے بعد حضرت شجاع کو بلایا اور دریافت کیا کہ واپسی کا کب ارادہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کل ارادہ ہے۔ حارث نے آپ کو سو مثقال سونا ہدیہ پیش کرنے کا حکم دیا اور دربان نے بھی کچھ نذرانہ پیش کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام پہنچا دینا۔

قاصد نبوی کی واپسی

میں واپس آیا اور تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اس کا ملک ہلاک ہوا۔ بعد ازاں میں نے مری کا سلام پہنچایا اور جو کچھ اس نے کہا تھا وہ بیان کیا آپ نے فرمایا سچ کہا۔

باب ۵

غزوات و واقعات سنہ ۷-۸ ھ کے

غزوۂ خیبر، عُمرۃ القضاء
غزوۂ موتہ، فتحِ مکہ مکرمہ وغیرہ

غزوۂ خیبر

محرم الحرام ۷ھ

فتوحات کی بشارت

وعدکم اللہ مغانم کثیرۃً تاخذونھا فعجل لکم ھٰذہ (سورۂ فتح)

وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا جن کو تم لوگے پس یہ خیبر کی نعمت اللہ تعالیٰ نے تم کو جلدی دے دی۔

بیعت رضوان کا انعام فتح خیبر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ سے واپس ہوئے تو واپسی میں سورۂ فتح نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے عموماً اور بیعۃ الرضوان' کرنے والوں سے خصوصاً یہ وعدہ فرمایا کہ تم کو بہت سی فتوحات ہوں گی اور بہت سی غنیمتیں ملیں گی اور بالفعل اس بیعت الرضوان کے انعام میں فتح خیبر دی اور فتح مکہ جو اس وقت ہاتھ نہ لگی سمجھ لو کہ وہ بھی مل ہی چکی ہے اور آئندہ چل کر تم کو اور بھی فتوحات نصیب ہوں گی جن کا علم ہم کو ہے چنانچہ آیت مذکورہ میں **فعجل لکم ھٰذہ** سے خیبر ہی کی فتح مراد ہے۔

خیبر پر چڑھائی کا حکم

چنانچہ آپ حدیبیہ سے واپس ہوکر مدینہ منورہ پہنچے اور ذی الحجہ اور محرم کے شروع میں مدینہ ہی میں مقیم رہے اس اثناء میں حضور پرنور کو یہ حکم ہوا کہ خیبر پر چڑھائی کریں جہاں غدار یہود آباد تھے اور جو بدعہدی کر کے جنگ احزاب میں کفار مکہ کو مدینہ پر چڑھا کر لائے تھے۔

منافقین کو ساتھ نہ لے جانے کا حکم

حق تعالیٰ نے حضور پرنور کو یہ خبر دیدی کہ فتح خیبر کی بشارت سن کر منافقین بھی آپ

سے استدعا کریں گے کہ ہم بھی آپ کے ساتھ سفر میں چلتے ہیں اللہ کا حکم یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ اس سفر میں ہرگز نہ جائیں۔

اور اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

سیقول المخلفون اذا انطلقتم الی مغانم لتاخذوھا ذرونا نتبعکم یریدون ان یبدلوا کلٰم اللہ قل لن تتبعونا کذٰلکم قال اللہ من قبل فسیقولون بل تحسدوننا بل کانوا لا یفقھون الا قلیلاً

جو لوگ سفر حدیبیہ میں پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب جب تم خیبر کی غنیمتیں لینے چلو گے تو یہ لالچی لوگ تم سے یہ کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ تمہارے ساتھ خیبر چلیں حق تعالیٰ ان کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم اور اس کے وعدہ کو بدل ڈالیں آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے یہ حکم دے دیا ہے پھر یہ اہل طمع یہ اعتراض کریں گے کہ تم ہم پر حسد کرتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ غنیمت میں ہم تمہارے شریک نہ ہوں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ صحابہ کرام کے قلوب حسد اور حرص سے پاک ہیں بلکہ یہی لوگ بات کو بہت ہی کم سمجھتے ہیں جن حضرات کی نظر میں پوری دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی ہو ان کے متعلق حسد کا تصور ہی نادانی ہے۔

خیبر کی طرف روانگی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں کچھ قیام کے بعد اخیر ماہ محرم الحرام ۷ھ میں چودہ سو پیادوں اور دو سو سواروں کی جمعیت کے ساتھ خیبر کی طرف خروج فرمایا اور ازواج مطہرات میں سے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں۔

حضرت عامر کے لئے بشارت

صحیح بخاری میں سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات کے وقت خیبر کی طرف روانہ ہوئے تو عامر بن اکوع مشہور شاعر یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے آگے تھے۔

اللھم لولاانت ما اھتدینا ولاتصدقنا و لا صلینا

اے اللہ اگر تو ہدایت نہ فرماتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے اور نہ کوئی صدقہ اور خیرات کر سکتے اور نہ ایک نماز پڑھ سکتے۔

فاغفر فداءً لک ما اتقینا والقین سکینۃً علینا

اے خدا ہم تجھ پر فدا اور قربان ہیں جو احکام ہم نہیں بجالائے ان کو معاف فرما اور خاص سکینت اور طمانینت ہم پر نازل فرما تا کہ قلب کو سکون اور چین حاصل ہو اور ہر قسم کی پریشانی اور بے چینی دل سے دور ہو۔

وثبت الاقدام ان لاقینا انا اذاصیح بنا اتینا

اور دشمنوں سے مقابلہ کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھ۔ ہم کو جب جہاد و قتال کے لئے پکارا جاتا ہے تو دوڑ کر پہنچتے ہیں۔

وبالصیاح عولوا علینا اور پکار کر ہم سے استغاثہ کیا ہے۔

مسند احمد میں بعض کلمات رجز یہ اور زیادہ ہیں وہ یہ ہیں۔

ان الذین قد بغوا علینا اذا ارادوا فتنۃً ابینا

تحقیق جن لوگوں نے ہم پر ظلم اور تعدی کی جب وہ ہم کو کفر اور شرک کے کسی فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اسے قبول نہیں کرتے۔

و نحن عن فضلک ما استغنینا

اے پروردگار ہم تیرے فضل و کرم سے مستغنی اور بے نیاز نہیں۔

حضرت سلمہؓ کے لئے بشارت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ حدی پڑھنے والا کون ہے۔ لوگوں نے کہا عامر بن اکوع ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ فرمایا پروردگار تیری مغفرت فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کسی کو خاص کر کے دعائے مغفرت فرماتے تو وہ شخص ضرور شہید ہوتا۔ اس بنا بر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا نبی اللہ اس کے لئے تو جنت واجب ہوگئی۔ کاش آپ عامر کی شجاعت سے اور چند روز ہم کو متمتع اور منتفع ہونے دیتے۔

راستہ میں نعرہ تکبیر

راستہ میں جب ایک بلند مقام پر پہنچے تو صحابہ نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اپنے اوپر رحم کرو تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ تم تو اس ذات پاک کو پکار رہے ہو جو سننے والی اور قریب ہے اور ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔ ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ میں آپ کی سواری کے قریب تھا۔ آپ نے مجھ کو لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ پڑھتے ہوئے سن کر عبداللہ بن قیس کہہ کر آواز دی۔ میں نے عرض کیا لبیک یارسول اللہ۔ یارسول اللہ حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا میں تجھ کو جنت کا خزانہ نہ بتلاؤں۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیوں نہیں۔ ضرور بتلائیے۔ آپ نے فرمایا **لاحولا ولاقوۃ الا باللہ**۔ یعنی یہ کلمہ جنت کا خزانہ ہے۔ (بخاری شریف)

یہود غطفان کی واپسی

چونکہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ غطفان نے یہود خیبر کی امداد کے لئے لشکر جمع کیا ہے اس لئے آپ مدینہ سے چل کر مقام رجیع میں جو خیبر اور غطفان کے مابین ہے پڑاؤ ڈالا تاکہ یہود غطفان مرعوب ہو کر یہود خیبر کی مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ یہود غطفان کو جب یہ معلوم ہوا کہ خود ہماری ہی جان خطرہ میں ہے تو واپس ہو گئے۔

خیبر کے قریب دعا مانگنا

جب خیبر کے قریب پہنچے تو صحابہ کو حکم دیا کہ ٹھہر جاؤ اور یہ دعا مانگی۔

اللھم رب السموٰت وما اظللن و رب الارضین وما اقللن و رب الشیاطین وما اضللن و رب الریاح و ما اذرین فانا نسألک خیر ھذہ القریۃ و خیر اھلھا و خیر مافیھا و نعوذبک من شرھا وشر اھلھا و شر ما فیھا

آپ کی یہ عادت شریفہ تھی کہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔

حملہ کی تیاری

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں رات کو پہنچے آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ رات میں کسی پر حملہ نہیں فرماتے تھے۔ صبح کا انتظار فرماتے۔ اگر اذان سنتے تو حملہ نہ فرماتے ورنہ حملہ فرماتے۔ اسی سنت کے مطابق خیبر میں بھی صبح کی اذان کا انتظار فرمایا۔ جب صبح کی اذان نہ سنی تو حملہ کی تیاری کی۔

یکے بعد دیگرے قلعوں کا فتح ہونا

صبح ہوتے ہی یہود کدال اور پھاؤلے لے کر اپنے کاروبار کے لئے نکلے۔ آپ کے لشکر کو بڑھتے دیکھ کر یہ کہا محمد والخمیس یعنی محمد اپنی کل فوج اور لشکر کے ساتھ آ گئے۔

لشکر کو خمیس اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے پانچ حصے ہوتے ہیں۔

مقدمہ، میمنہ، میسرہ، قلب، ساقہ

آپ نے ان کو دیکھ کر دعا کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے اور یہ فرمایا۔

الله اکبر خربت خیبر انا اذا انزلنا السلعة قوم فساء صباح المنذرین

خیبر میں یہودیوں کے متعدد قلعے تھے، یہود آپ کو دیکھتے ہی مع اہل وعیال کے قلعوں میں محفوظ ہو گئے۔ آپ نے ان کے قلعوں پر حملے شروع کئے یکے بعد دیگرے فتح کرتے جاتے تھے۔

۱۔ قلعۂ ناعم کا فتح ہونا

سب سے پہلے قلعۂ ناعم فتح فرمایا۔ محمود بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قلعہ کے دامن میں تھے کہ یہودیوں نے اوپر سے ان پر ایک چکی کا پاٹ گرایا جس سے وہ شہید ہوئے۔

۲۔ قلعۂ قموص کا فتح ہونا

قلعہ ناعم کے بعد قلعہ قموص فتح ہوا یہ قلعہ خیبر کے قلعوں میں نہایت مستحکم تھا۔ جب اس قلعہ کا محاصرہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درد شقیقہ کی وجہ سے میدان میں تشریف نہ لا سکے۔ اس لئے نشان دے کر ابوبکر صدیقؓ کو بھیجا۔ باوجود پوری جدوجہد کے قلعہ فتح نہ ہو سکا واپس آ گئے۔ دوسرے روز فاروق اعظمؓ کو نشان دے کر روانہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے پوری

جدوجہد سے قتال کیا لیکن بغیر فتح کئے ہوئے واپس آئے۔اس روز آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کل نشان اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہو اور اللہ اور اس کا رسول اس کو محبوب رکھتا ہو اور اس کے ہاتھ پر اس کو فتح فرمائے گا۔

حضرت علیؓ کا قلعہ فتح کرنا

ہر شخص منتظر تھا کہ دیکھئے یہ سعادت کس کے حصہ میں آتی ہے تمام شب اسی تمنا اور اشتیاق میں گزری جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلایا۔حضرت علی کی آنکھیں اس وقت آشوب کی ہوئی تھیں بلاکر آنکھوں کو لعاب دہن لگایا اور دعا پڑھی۔ فوراً اسی وقت آنکھیں اچھی ہوگئیں گویا کبھی کوئی شکایت پیش ہی نہیں آئی تھی اور نشان مرحمت فرمایا اور یہ نصیحت فرمائی کہ جہاد وقتال سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا اور اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ان کو خبردار کرنا۔خدا کی قسم۔اگر ایک شخص کو اللہ تعالیٰ تیرے ذریعہ سے ہدایت نصیحت فرمائے تو وہ تیرے لئے سرخ اونٹوں سے کہیں بہتر ہے۔حضرت علی نشان لے کر روانہ ہوئے اور قلعہ ان کے ہاتھ پر فتح ہوا۔

مرحب کا میدان میں آنا

یہود کا مشہور و معروف بہادر و پہلوان مرحب یہ رجز پڑھتا ہوا مقابلہ کے لئے نکلا۔

قدعلمت خیبر انی مرحب شاک السلاح بطل مجرب

اہل خیبر کو خوب معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں سلاح پوش اور بہادر اور تجربہ کار ہوں

عامر بن اکوعؓ اس کے مقابلہ کے لئے یہ رجز پڑھتے ہوئے نکلے۔

قد علمت خیبر انی عامر شاکی السلاح بطل مغامر

حضرت عامرؓ کے لئے دوا جر

حضرت عامرؓ نے اس کے پیر پر تلوار مارنے کا ارادہ کیا کہ تلوار پلٹ کر خود ان ہی کے گھٹنہ پر آ لگی جس سے انہوں نے وفات پائی۔سلمۃ بن اکوع فرماتے ہیں کہ واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو غمگین دیکھ کر سبب دریافت فرمایا میں نے عرض کیا کہ لوگوں کا

گمان یہ ہے کہ عامر کے اعمال حبط ہو گئے۔ اس لئے کہ وہ خود اپنی تلوار سے مرے۔ آپ نے فرمایا جس نے کہا غلط کہا۔ وہ بڑا مجاہد ہے اور انگلیوں سے اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کے لئے دو اجر ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ فرمایا کہ وہ شہید ہے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

حضرت علیؓ کا مرحب کو قتل کرنا

بعدازاں حضرت علیؓ اس کے جواب میں یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔

انا الذی سمتنی امی حیدره　　　کلیث غابات کریه المنظره

میں وہی ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ جنگل کے شیر کی طرح نہایت مہیب ہوں۔ یہ کہہ کر اس زور سے تلوار ماری کہ مرحب کے سر کے دو ٹکڑے ہو گئے اور قلعہ فتح ہوا۔

یاسر کا قتل اور مال غنیمت

بعدازاں مرحب کا بھائی یاسر مقابلہ کے لئے آیا۔ ادھر سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بڑھے اور یاسر کا کام تمام کیا۔

یہ قلعہ بیس روز کے محاصرہ کے بعد حضرت علی کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ مال غنیمت کے علاوہ بہت سے قیدی ہاتھ آئے جن میں صفیہ، حی بن اخطب سردار بنی نضیر کی بیٹی اور کنانہ بن الربیع کی بیوی بھی تھیں۔

فائدہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز جب کسی قلعہ پر حملہ کا ارادہ فرماتے تو اعیان مہاجرین انصار میں سے کسی کو منتخب فرماتے کہ اسلام کا جھنڈا اس کے ہاتھ میں دیں اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر وہ قلعہ فتح کرا دیتے چونکہ قلعہ قموص کی فتح کی فضیلت قضائے ازلی میں حضرت علی کے ہاتھ تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو بلایا اور جھنڈا ان کو عطا کیا اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھے۔ یہ قدردانی اور حوصلہ افزائی کے طور پر تھا۔ معاذ اللہ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس شخص کے سوا کوئی اللہ اور اس کے رسول کو دوست نہیں رکھتا۔

حضرت صفیہ اوران کی دو چچازاد بہنیں اس قلعہ قموص سے قید ہوئیں جن کا قصہ آگے آئے گا اور حضرت صفیہ کے شوہر کا نام کنانہ بن ربیع تھا جو اس غزوہ میں مارا گیا۔

۳-قلعۂ صعب بن معاذ کا فتح ہونا

قلعۂ قموص فتح ہو جانے کے بعد صعب بن معاذ کا قلعہ فتح ہوا جس میں غلہ اور چربی اور خورد و نوش کا بہت سامان تھا وہ سب مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب مسلمانوں کو کھانے پینے کی کمی ہونے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دعا کی دوسرے ہی روز قلعہ صعب بن معاذ فتح ہو گیا اور کھانے پینے کا بہت سامان ہاتھ آیا جس سے مسلمانوں کو مدد ملی۔

گدھوں کے گوشت کی ممانعت

اسی روز آپ نے دیکھا کہ ہر طرف آگ جل رہی ہے' پوچھا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا کہ گوشت پکا رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا کس چیز کا گوشت ہے۔ کہا اہلی گدھوں کا گوشت ہے۔ آپ نے فرمایا وہ نجس ہے۔ سب پھینک دو اور برتنوں کو توڑ دو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر گوشت پھینک دیں اور برتنوں کو دھو لیں اس کی اجازت ہے آپ نے فرمایا اچھا برتنوں کو دھو ڈالو۔

۴-حصن قلہ کا فتح ہونا

اس کے بعد یہود نے حصن قلہ میں جا کر پناہ لی یہ قلعہ بھی نہایت مستحکم تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا اسی وجہ سے اس کا نام حصن قلہ تھا۔ قلہ کے معنی پہاڑ کی چوٹی کے ہیں جو بعد میں قلعہ زبیر کے نام سے مشہور ہے۔ اس لئے کہ یہ قلعہ تقسیم غنائم کے بعد حضرت زبیر کے حصہ میں آیا۔

تین روز تک آپ اس قلعہ کا محاصرہ کئے رہے حسن اتفاق سے ایک یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے ابوالقاسم آپ اگر مہینہ بھر بھی ان کا محاصرہ کئے رہیں تب بھی ان لوگوں کو پرواہ نہیں ان کے پاس زمین کے نیچے پانی کے چشمے ہیں رات کو نکلتے ہیں اور پانی لے کر قلعہ میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ آپ اگر ان کا پانی قطع کر دیں تو کامیاب ہو سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا پانی بند کر دیا مجبور ہو کر قلعہ سے باہر نکلے اور سخت

مقابلہ ہوا۔ دس یہودی مارے گئے اور کچھ مسلمان بھی شہید ہوئے اور قلعہ فتح ہوگیا۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ قلعہ قلہ علاقہ نطاۃ کا آخری قلعہ تھا اس کی فتح کے بعد حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم علاقہ شق کے قلعوں کی طرف بڑھے اس علاقہ میں سب سے اول قلعہ ابی کو فتح کیا جو شدید معرکہ کے بعد فتح ہوا اور مسلمان اس میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد دوسرے قلعوں کی طرف پیش قدمی کی۔

۵- یہود کا آخری مرکز وطیح اور سلالم کا فتح ہونا

حصن قلعہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بقیہ قلعات کی طرف بڑھے جب تمام قلعوں پر قبضہ ہوگیا تو اخیر میں وطیح اور سلالم کی طرف بڑھے اور بعض روایات میں الکتیبہ کا بھی ذکر آیا ہے۔ اس سے پیشتر تمام قلعے فتح ہو چکے تھے۔ صرف یہی دو قلعے باقی تھے۔ یہود کا تمام زور ان ہی پر تھا۔ یہود ہر طرف سے سمٹ کر انہی قلعوں میں آکر محفوظ ہو گئے تھے۔

یہود کا صلح کی درخواست کرنا

چودہ دن کے محاصرہ کے بعد یہودیوں نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی۔ آپ نے ان کی درخواست منظور کی یہودیوں نے ابن ابی الحقیق کو صلح کی گفتگو کرنے کے لئے بھیجا آپ نے اس شرط پر جان بخشی کی کہ خیبر کی سرزمین کو یکلخت خالی کر دیں یعنی سب جلاوطن ہو جائیں اور سونا اور چاندی اور ہتھیار اور سامان جنگ سب یہاں چھوڑ جائیں اور کسی شے کو چھپا کر نہ لے جائیں اگر اس کے خلاف ہوا تو اللہ اور اس کا رسول بری الذمہ ہیں۔

شرائط کی خلاف ورزی

مگر یہود باوجود اس عہد و میثاق کے پھر اپنی شرارت سے باز نہ آئے اور حی بن اخطب کا ایک چرمی تھیلہ (جس میں سب کا زر و زیور محفوظ رہتا تھا) اس کو غائب کر دیا۔ آپ نے کنانۃ بن الربیع کو بلا کر دریافت کیا کہ وہ تھیلہ کہاں گیا کنانہ نے کہا کہ لڑائیوں میں خرچ ہوگیا۔ آپ نے فرمایا زمانہ تو کچھ زیادہ گزرا نہیں اور مال بہت زیادہ تھا۔ یہ ابن سعد کی روایت ہے ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ سفیہ سے دریافت فرمایا۔ بیہقی اور ابن سعد

کی دوسری روایت میں ہے کہ کنانہ اور اس کے بھائی وغیرہ سے بھی دریافت کیا۔

سب نے یہی کہا کہ خرچ ہو گیا آپ نے فرمایا اگر وہ تھیلا برآمد ہو گیا تو تمہاری خیر نہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ جاؤ فلاں جگہ ایک درخت کی جڑ میں دبا ہوا ہے چنانچہ وہ صحابی گئے اور مال برآمد کیا جس کی قیمت دس ہزار دینار تھی اس جرم میں یہ لوگ قتل کئے گئے۔ جن میں ایک صفیہ کا شوہر بھی تھا جس کا نام کنانۃ بن الربیع بن ابی الحقیق تھا۔

علاوہ ازیں کنانہ کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ کنانہ نے محمد بن مسلمہ کے بھائی محمود بن مسلمہ کو اسی معرکہ میں قتل کیا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کو محمد بن مسلمہ کے حوالہ کیا کہ اپنے بھائی محمود بن مسلمہ کے بدلہ میں اس کو قتل کریں۔

قلعوں کے فتح ہونے کی ترتیب

قلعات خیبر کی فتح کی جو ترتیب اس ناچیز نے ذکر کی ہے کہ اول قلعہ ناعم فتح ہوا اور پھر قلعہ قموص اور پھر قلعہ صعب اور پھر اخیر میں قلعہ وطیح اور سلالم فتح ہوئے۔ یہ ترتیب سیرۃ ابن ہشام اور البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۱۹۲ تا ص ۱۹۴ ج ۴ میں مذکور ہے۔ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ان کے علاوہ اور قلعوں کا بھی ذکر ہے اور ترتیب فتح بھی کچھ مختلف ہے۔ علامہ حلبیؒ سیرۃ حلبیہ میں لکھتے ہیں کہ علاقہ نطاۃ میں تین قلعے تھے حصن ناعم، حصن قلہ قلعات نطاۃ میں سب سے پہلے جو قلعہ فتح ہوا وہ قلعہ ناعم تھا جو یہودی قلعہ ناعم سے جان بچا کر بھاگ سکے انہوں نے نطاۃ کے دوسرے قلعہ حصن صعب بن معاذ میں جا کر پناہ لی دوسرے روز غروب آفتاب سے قبل دو دن کے محاصرہ کے بعد یہ قلعہ فتح ہوا۔

بعد ازاں آپ نے حصن قلہ کا محاصرہ فرمایا۔ اس قلعہ کو حصن قلہ اس لئے کہتے ہیں کہ قلہ کے معنی پہاڑ کی چوٹی کے ہیں یہ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا اور چونکہ یہ قلعہ بعد میں حضرت زبیر کے حصہ میں آیا اس لئے اس کو قلعۃ الزبیر بھی کہتے ہیں۔ یہ تینوں قلعے علاقہ نطاۃ کے تھے۔

اس کے بعد مسلمان قلعات شق کی جانب بڑھے اس علاقہ میں دو قلعے تھے ایک حصن ابی دوسرا حصن بری۔ اول حصن ابی اور بعد میں حصن بری فتح ہوا۔

جب یہ علاقہ بھی فتح ہو گیا تو یہودیوں نے بھاگ کر قلعات کتیبہ میں پناہ لی۔ کتیبہ

میں تین قلعے تھے۔ قموص، وطیح، سلالم۔ سب سے بڑا قلعہ قموص تھا جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ جب یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا تب مسلمانوں نے وطیح اور سلالم کا محاصرہ کیا۔ چودہ دن کے محاصرہ کے بعد ان لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ ہم کو اور ہمارے اہل وعیال کو چھوڑ دیا جائے ہم خیبر کو چھوڑ کر نکل جائیں گے۔ آپ نے اس کو منظور فرمایا۔

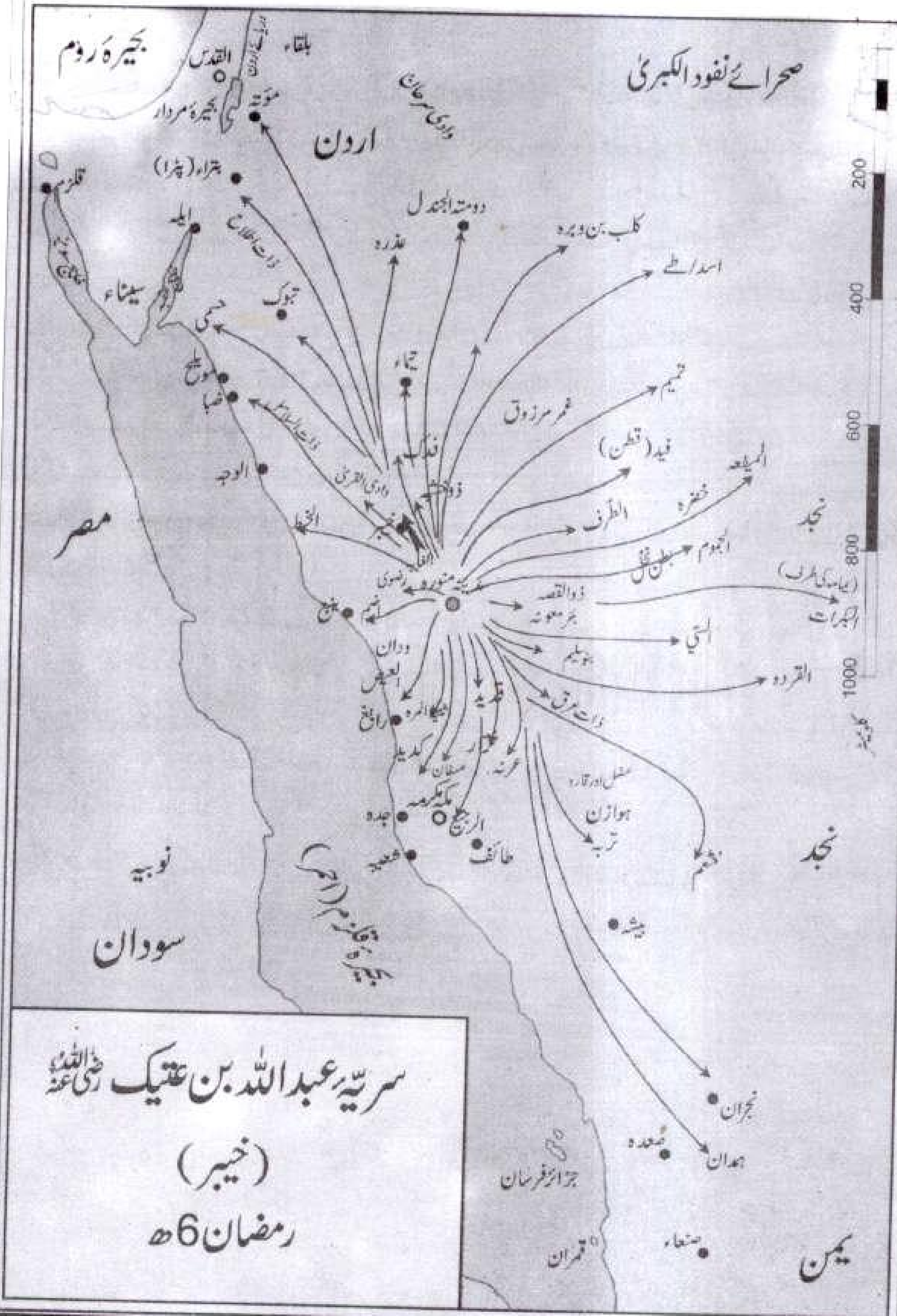
حضرت صفیہ بنت حیی

اس غزوہ میں چودہ یا پندرہ مسلمان شہید ہوئے اور ترانوے کافر مارے گئے۔ فتح کے بعد جب مال غنیمت اور قیدی جمع کئے گئے تو ان میں صفیہ، حی بن اخطب کی بیٹی اور کنانہ ربیع کی بیوی بھی تھیں۔ جن کی قریب ہی کی شادی ہوئی تھی۔

حی بن اخطب، حضرت ہارون علیہ السلام کی ذریت میں سے تھا۔ لڑائی کے بعد جب قیدی جمع کئے گئے تو حضرت دحیہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک باندی مجھ کو عطا فرمایئے۔ آپ نے فرمایا تم کو اختیار ہے جس باندی کو چاہو لے لو۔ حضرت دحیہ نے حضرت صفیہ کو پسند کیا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ان کے سردار کی بیٹی ہے۔ آپ ہی کے لئے مناسب ہے۔ اس لئے آپ نے ان سے صفیہ کو واپس لے لیا اور ان کے معاوضہ میں حضرت صفیہ کی چچازاد بہن ان کو عنایت کی اور حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا۔

فتح فدک

جب اہل فدک کو اس کی اطلاع ہوئی کہ یہود خیبر نے ان شرائط پر صلح کی ہے تو ان لوگوں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام بھیجا کہ ہماری جانوں کو امان دیا جائے ہم تمام مال واسباب چھوڑ کر یہاں سے جلائے وطن ہو جائیں گے۔ آپ نے اس کو منظور فرمایا اور محیصہ بن مسعود کے واسطہ سے گفتگو ہوئی چونکہ فدک بغیر کسی حملہ اور فوج کشی کے فتح ہوا اس پر نہ سوار لے جانے پڑے اور نہ پیادہ۔ اس لئے فدک خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ اور تصرف میں رہا اور خیبر کی طرح غانمین پر تقسیم نہیں ہوا۔



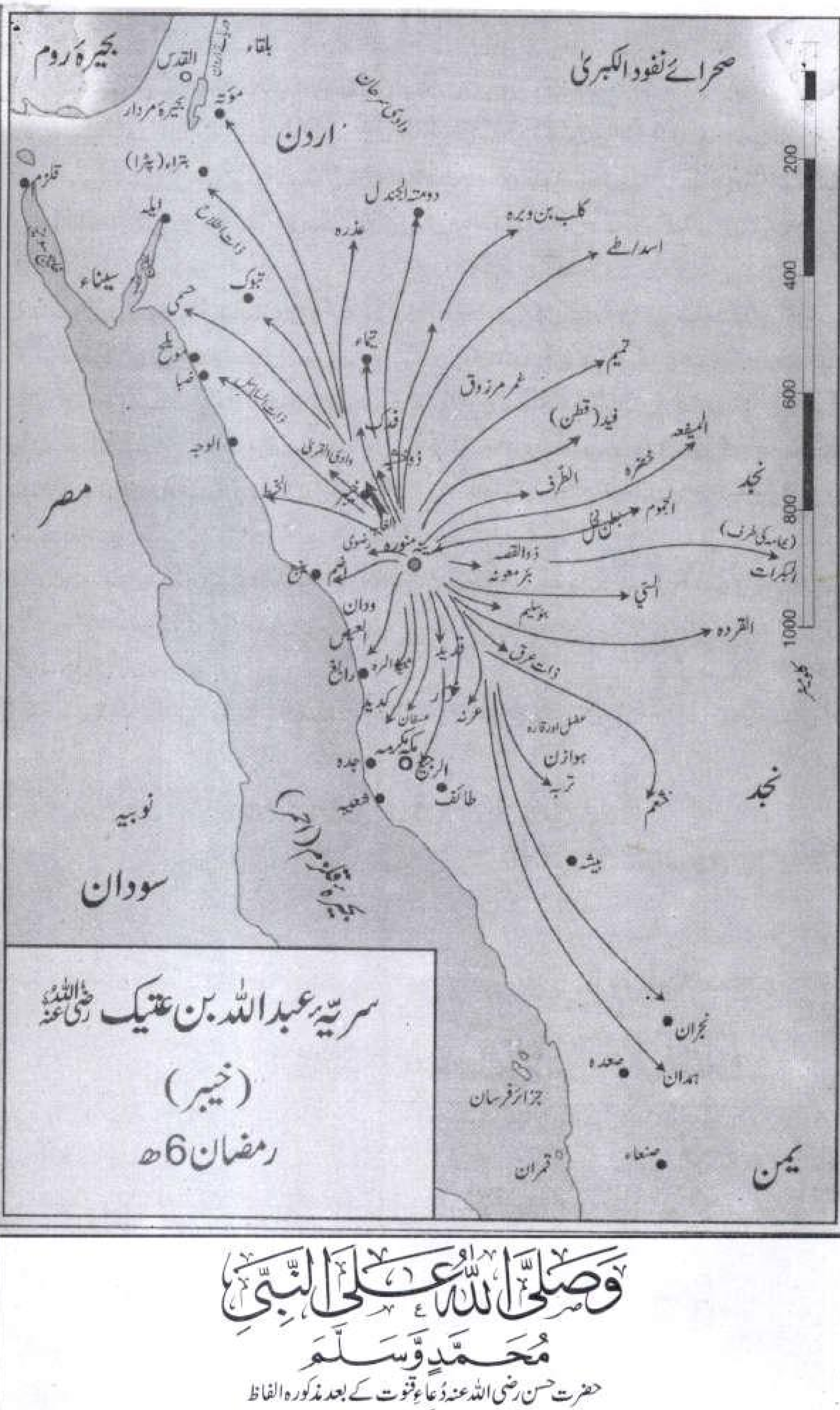
سریۂ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ

(خیبر)

رمضان 6ھ

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى لَهٗ

رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک روز ایک شخص کو اپنے اور حضرت صدیق اکبرؓ کے درمیان بٹھایا، صحابہؓ کو اس پر تعجب ہوا تو آپؐ نے فرمایا یہ شخص مجھ پر مذکورہ درود شریف پڑھتا ہے۔ (ذریعۃ الوصول)



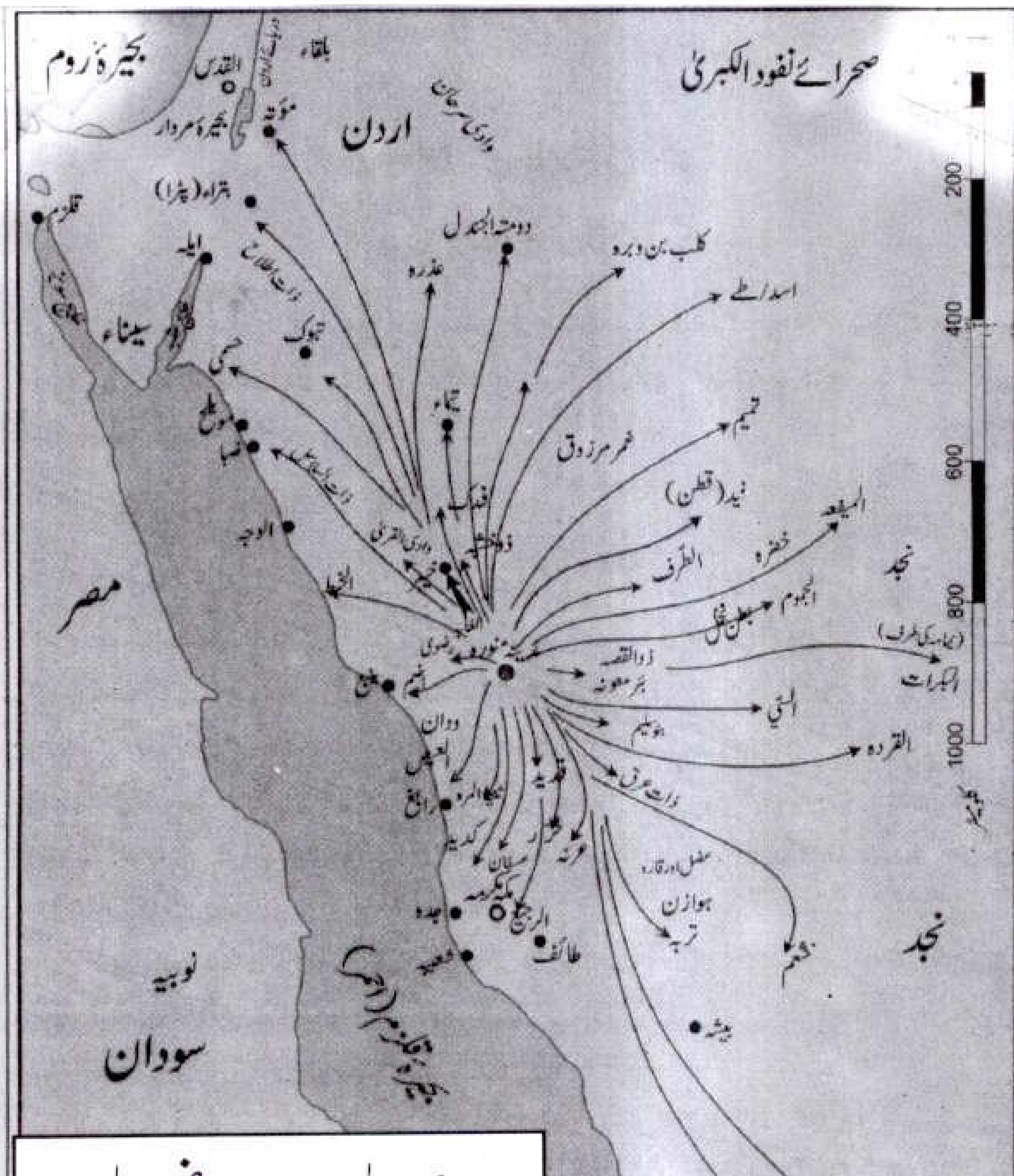
سریہ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ

(خیبر)

رمضان 6ھ

وصلی اللہ علی النبی محمد وسلم

حضرت حسن رضی اللہ عنہ دعاءِ قنوت کے بعد مذکورہ الفاظ سے درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ (ذریعۃ الوصول)



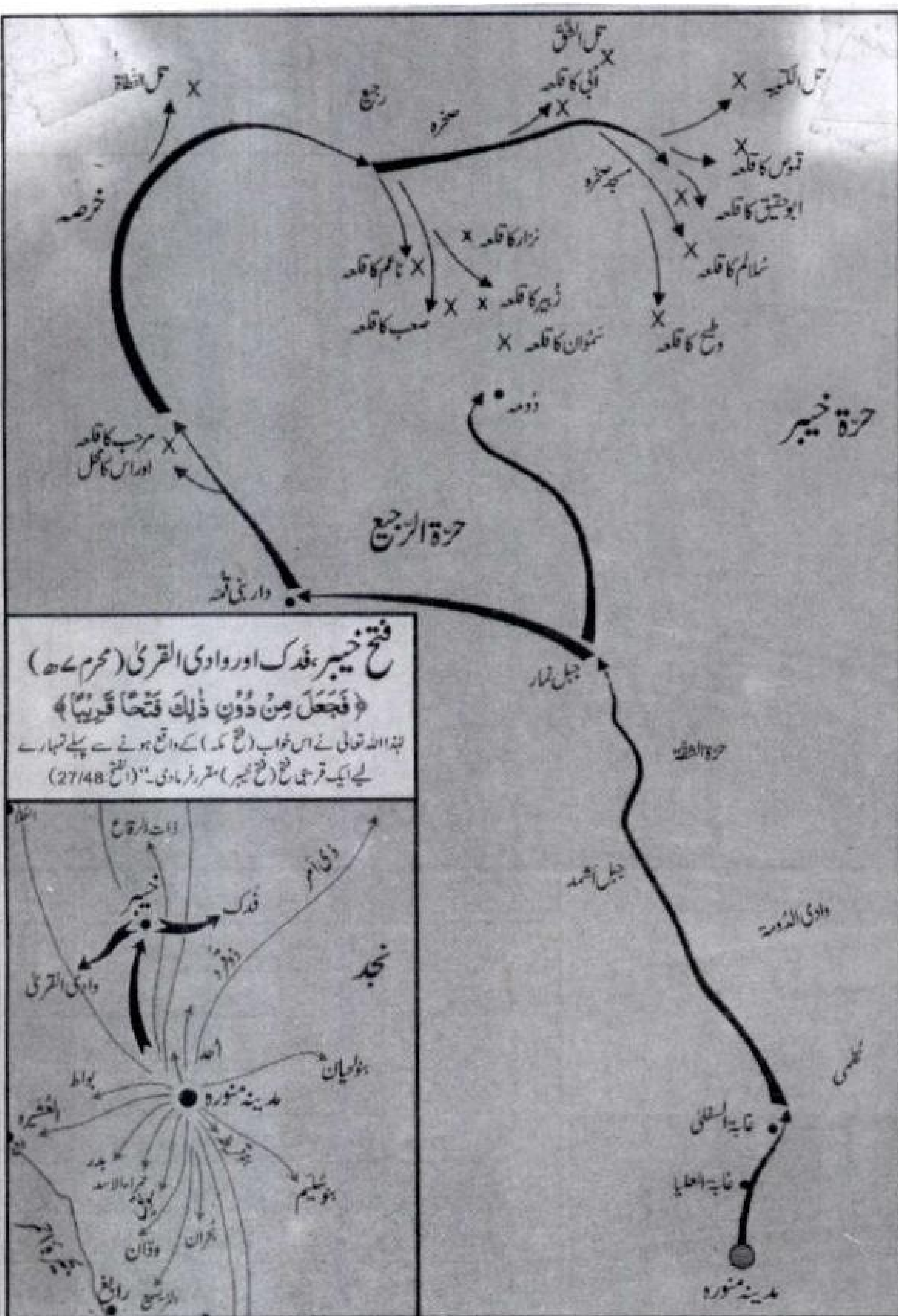
سریۂ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
(خیبر) شوال 6ھ



عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا مزار

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اَبِیْنَا اِبْرَاھِیْمَ

حضرت سفیان بن عیینہؒ نے فرمایا میں نے ستر سال سے زیادہ حضرات تابعینؒ کو دورانِ طواف یہ درود شریف پڑھتے ہوئے سنا۔ (ص ۱۰۰)



فتح خیبر، فدک اور وادی القریٰ (محرم ۷ھ)

﴿فَجَعَلَ مِنۡ دُوۡنِ ذٰلِكَ فَتۡحًا قَرِيۡبًا﴾

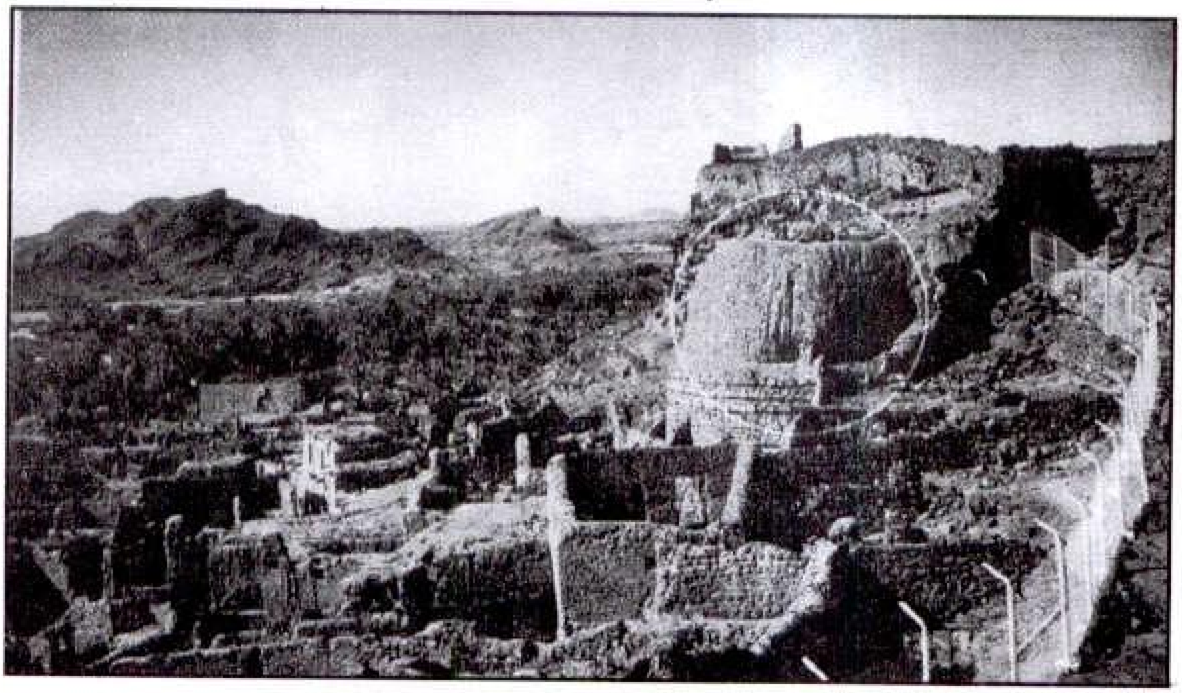
لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس خواب (فتح مکہ) کے واقع ہونے سے پہلے تمہارے لیے ایک قریبی فتح (فتح خیبر) مقرر فرمادی۔" (الفتح 27/48)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ أَفْضَلَ صَلَوَاتِكَ

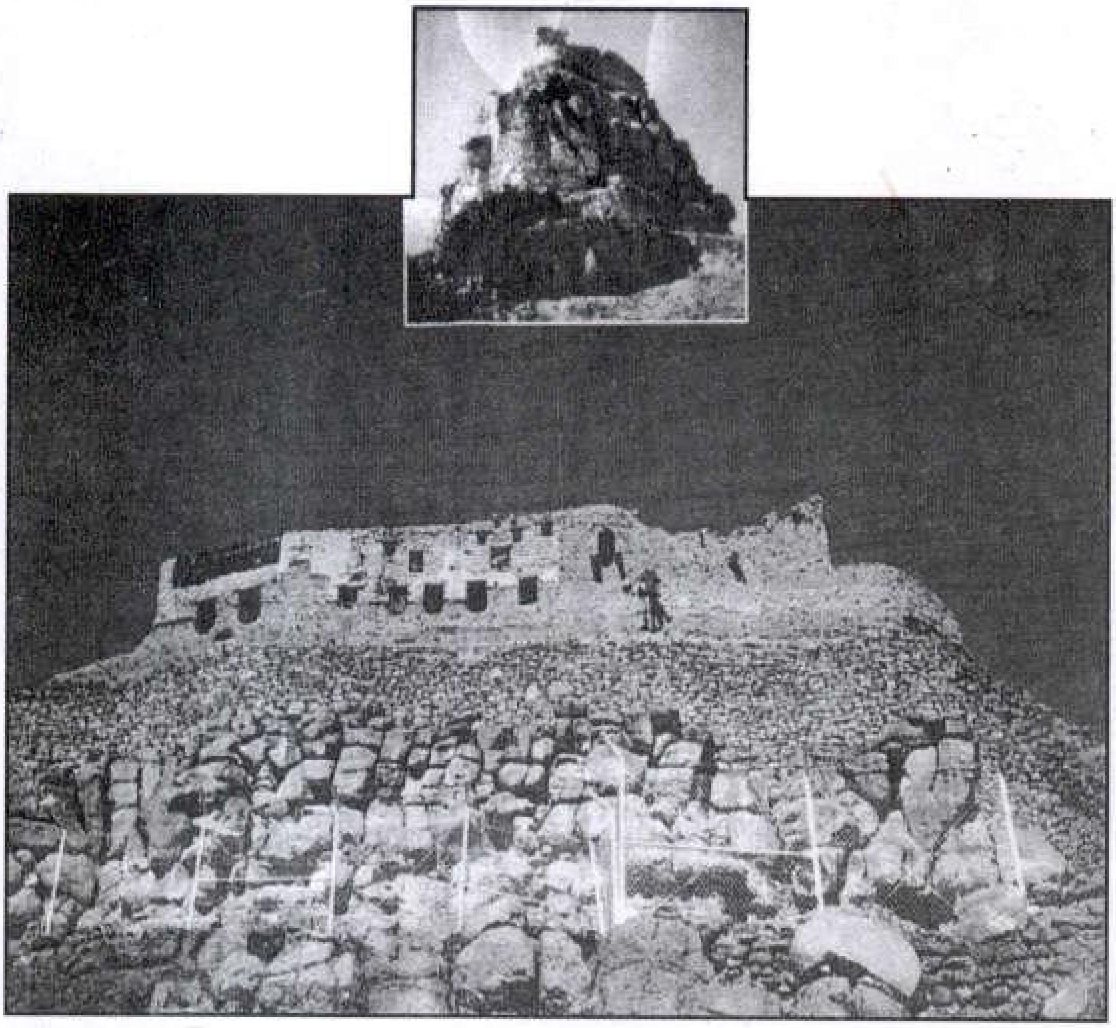
اس درود شریف کے بارے میں منقول ہے کہ یہ دس ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کے برابر ہے۔ (ذریعۃ الوصول)



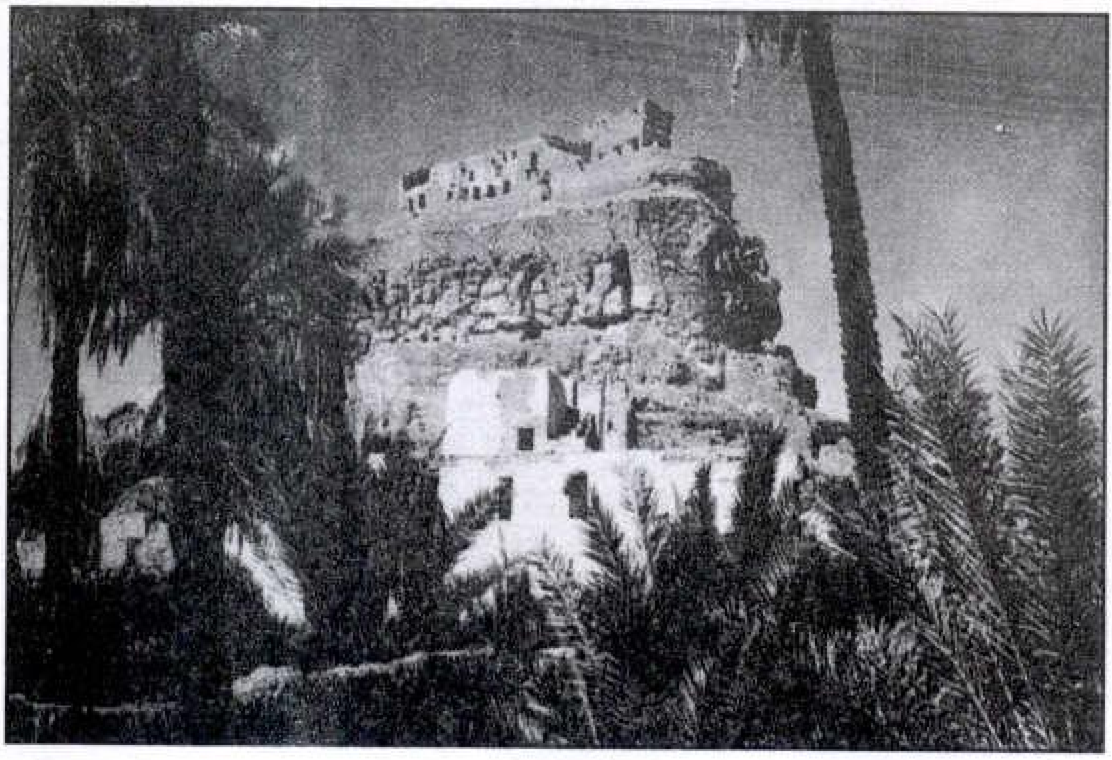
قلعے کی بنیادوں کے نیچے سے بہہ کر گزرنے والا میٹھے پانی کا چشمہ



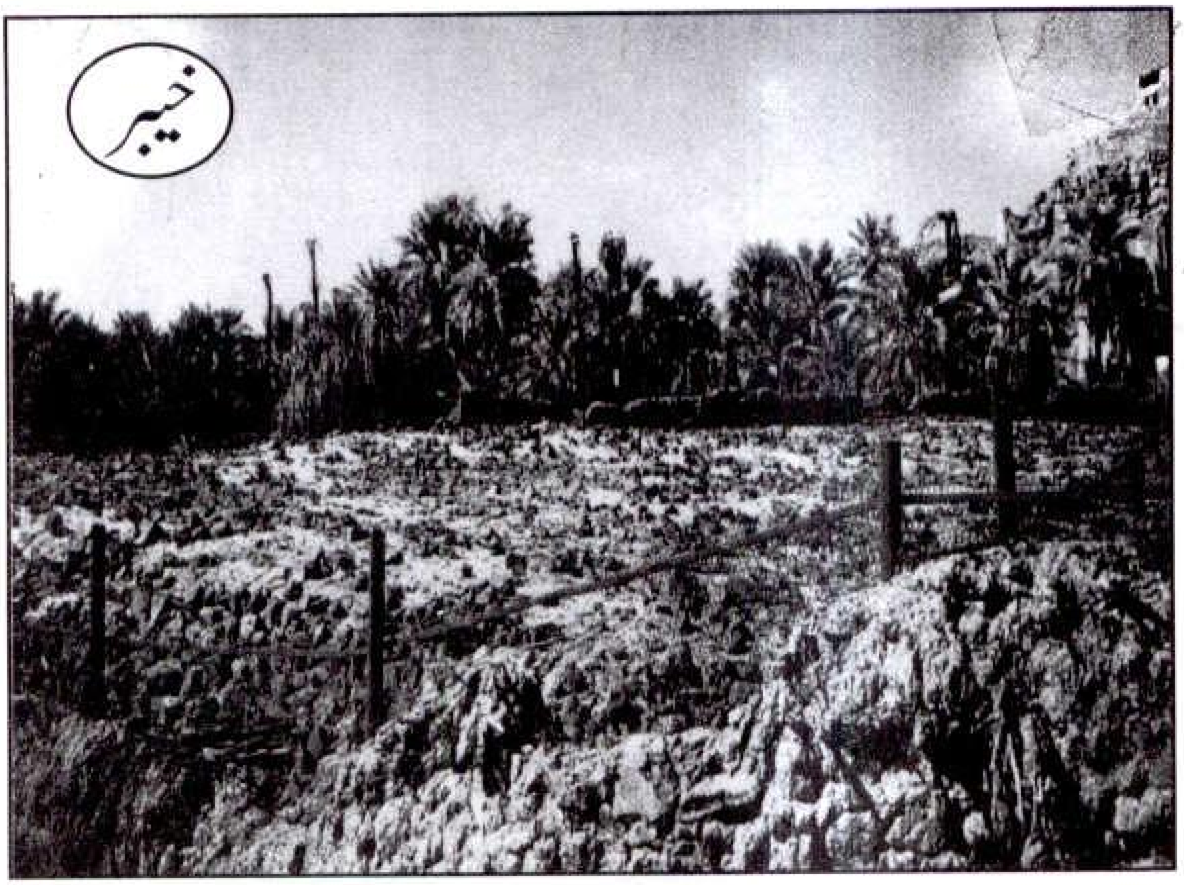
قلعے کے دامن میں یہودیوں کے مکانات اور باغات' دائرے میں قلعے وسیع و عریض کنواں دکھایا گیا ہے۔



قلعے کے دامن میں یہودیوں کے مکانات اور باغات' دائرے میں قلعے وسیع وعریض کنواں دکھایا گیا ہے۔



خیبر کا سب سے مضبوط اور مستحکم قلعہ





قلعہ قموص کے نیچے مسجد علیؓ کا محراب۔اس مقام پر حضرت علیؓ نے مرحب کو قتل کیا تھا

زہر دینے کا واقعہ

زہر آلود گوشت کا ہدیہ

فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز خیبر ہی میں قیام فرمایا۔ اسی اثناء میں ایک دن سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے ایک بھنی ہوئی بکری بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کی اور اس میں زہر ملا دیا۔ آپ نے چکھتے ہی ہاتھ روک لیا۔ بشر بن براء بن معرور جو آپ کے ساتھ کھانے میں شریک تھے انہوں نے کچھ کھا لیا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاتھ روک لو اس بکری میں زہر ملا ہوا ہے۔

زہر ملانے والی عورت کا بیان

زینب کو بلا کر اس کا سبب دریافت کیا اس نے اقرار کیا کہ بے شک اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ اس لئے کہ اگر آپ نبی برحق ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو مطلع کر دے گا اور اگر آپ جھوٹے نبی کاذب ہیں تو لوگ آپ سے نجات پا جائیں گے۔

زہر ملانے والی عورت کا قتل

چونکہ آپ اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیتے تھے اس لئے آپ نے اس سے کوئی تعرض نہیں فرمایا لیکن بعد میں جب بشر بن براء بن معرور اس زہر کے اثر سے انتقال فرما گئے تو زینب بشر کے وارثوں کے حوالے کر دی گئی اور انہوں نے اس کو بشر کے قصاص میں قتل کیا۔

اس عورت کی ابتداءً قتل نہ کرنے کی وجہ

بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ زینب اقرار جرم کے بعد اسلام لے آئی اور یہ کہا کہ مجھے اب آپ کا صادق ہونا بالکل واضح ہو گیا۔ آپ کو اور تمام حاضرین مجلس کو گواہ بناتی ہوں کہ میں آپ کے دین پر ہوں اور اقرار کرتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ

کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ زہری اور سلیمان نے ابتداءً نہ قتل کرنے کی وجہ یہی بتلائی ہے کہ وہ اسلام لے آئی تھی۔

خیبر کی زمین پر یہودیوں سے معاہدہ

یہودیوں کی درخواست

جب خیبر فتح ہو گیا اور زمین اللہ اور اس کے رسول اور اہل اسلام کی ہو گئی تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ یہود (حسب معاہدہ) یہاں سے جلائے وطن ہو جائیں لیکن یہود نے یہ درخواست کی کہ آپ اس زمین پر ہم کو رہنے دیجئے ہم زراعت کریں گے جو پیداوار ہو گی اس کا نصف حصہ آپ کو ادا کیا کریں گے آپ نے یہ درخواست منظور کی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح فرما دیا۔ جب تک چاہیں گے اس وقت تک تم کو برقرار رکھیں گے۔

مخابرہ

اس طرح کا معاملہ سب سے پہلے خیبر میں ہوا اس لئے ایسے معاملہ کا نام مخابرہ ہو گیا۔

مسلمانوں کا یہودیوں سے انصاف

جب بٹائی کا وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیداوار کا اندازہ کرنے کے لئے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو بھیجتے۔ عبداللہ بن رواحہ پیداوار کو دو حصوں پر تقسیم کر کے کہتے کہ جس حصہ کو چاہو لے لو یہود اس عدل و انصاف کو دیکھ کر یہ کہتے کہ ایسی ہی عدل اور انصاف سے آسمان اور زمین قائم ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن رواحہ یہ فرماتے ہیں۔

اے گروہ یہود تمام مخلوق میں تم میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہو۔ تم ہی نے اللہ کے پیغمبروں کو قتل کیا تم ہی نے اللہ پر جھوٹ باندھا لیکن تمہارا بغض مجھ کو کبھی اس پر آمادہ نہیں کر سکتا کہ میں تم پر کسی قسم کا ظلم کروں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حاضری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ چند رفقاء فتح خیبر کے بعد خدمت نبوی میں حاضر ہوئے مگر آپ نے ان کو مال غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا۔

غنائم خیبر کی تقسیم

غنیمت کا مال ومتاع

خیبر کی غنیمت میں سونا اور چاندی نہ تھا۔ گائے بیل اور اونٹ اور کچھ سامان تھا اور سب سے بڑی چیز خیبر کی زمینیں اور باغات تھے۔ زمینوں کے علاوہ جو سامان تھا وہ حضور نے نص قرآنی کے مطابق غانمین پر تقسیم کردیا اور زمینوں کو فقط اہل حدیبیہ پر تقسیم کیا۔

عمرہ حدیبیہ کے ارادہ سے جب حضور پرنور مدینہ سے روانہ ہوئے تو اعراب کو دعوت دی کہ اس سفر میں ساتھ چلیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ تھا کہ مقتولین بدر اور احد اور احزاب کی وجہ سے اہل مکہ کے قلوب اہل اسلام کے کینہ اور عداوت سے لبریز ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ مکہ مکرمہ پہنچ کر کوئی صورت قتال کی پیش آجائے اور اہل مکہ سرے ہی سے دخول مکہ سے مانع ہو جائیں اس لئے اس وقت تدبیر کا مقتضاء یہ تھا کہ ایک کثیر جماعت آپ کے ہمراہ چلے تا کہ قریش کے شر کا کوئی خطرہ نہ رہے۔ بہت سے اعراب نے آپ کی اس دعوت کو قبول نہ کیا اور بہت سوں نے اپنی مصروفیات کا بہانہ کردیا۔ مخلصین مسلمین جو سرتا پا بشاشت ایمان سے لبریز تھے آپ کی معیت اور مرافقت کو دنیا اور آخرت کی سعادت سمجھ کر آپ کے ساتھ ہو لئے۔ حدیبیہ کے قریب رکاوٹ پیش آئی اور مغلوبانہ صلح کی صورت سامنے آئی جس پر ان حضرات نے صبر کیا۔ جب اس سفر میں ان مخلصین کا اخلاص مدلل اور واضح ہو گیا تو بارگاہ خداوندی سے ان شکستہ دلوں کی شکستگی دور کرنے کے لئے فتح خیبر کی بشارت نازل ہوئی کہ عنقریب خیبر تم پر فتح ہوگا اور یہ حکم نازل فرمایا کہ خیبر کی غنائم حاضرین حدیبیہ کے لئے مخصوص ہوں گی کوئی دوسرا ان میں شریک نہیں کیا جائے گا۔

زمینوں کی تقسیم کا طریقہ

اب رہا یہ امر کہ خیبر کی زمینوں کو آپ نے کس طرح تقسیم فرمایا۔ سو اس کی کیفیت سنن

ابی داؤد میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس نکالنے کے بعد زمین خیبر کی زمین کو چھتیس حصوں پر تقسیم کیا جن میں سے اٹھارہ حصوں کو علیحدہ کرلیا یعنی مسلمانوں کی ضروریات کے لئے مخصوص کرلیا اور مجاہدین پر اس کو تقسیم نہیں کیا اور باقی اٹھارہ حصوں کو مجاہدین پر تقسیم کردیا اور ہر حصہ میں سوسو کا حصہ مقرر کیا جس کو حسب ارشاد خداوندی اصحاب حدیبیہ پر تقسیم کیا۔

اراضی خیبر کا وہ نصف حصہ جس کو آپ نے تقسیم نہیں کیا اس میں الکتیبۃ اور الوطیح اور سلالم اور اس کی ملحقہ زمینیں تھیں۔

نصف حصہ جو آپ نے اہل حدیبیہ میں تقسیم کیا اس میں الشق اور النطاۃ اور اس کی ملحقہ زمینیں تھیں۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیبر کی تمام زمینوں کو تقسیم نہیں کیا۔ صرف شق اور نطاۃ اور ان کی ملحقہ زمینیں مجاہدین پر تقسیم کیں اور باقی تمام زمینیں مصالح مسلمین کے لئے محفوظ فرمادیں۔

اب رہا یہ امر کہ یہ اٹھارہ سہام کس طرح تقسیم ہوئے۔ سو ان میں روایتیں مختلف ہیں۔ مشہور روایت میں ہے کہ کل چودہ سو آدمی جن میں دو سو گھوڑے تھے چودہ سو آدمیوں کے چودہ سہام ہوگئے۔ کیونکہ ایک سہم سو حصہ کا تھا اور امام مالک و امام شافعی و احمد اور دیگر علماء کے نزدیک ایک سوار کے علاوہ ہر گھوڑے کے دو حصے ملتے ہیں اس لئے دو سو گھوڑوں کے چار سہام ہوگئے اس طرح چودہ سہام کے ساتھ چار سہام مل کر اٹھارہ سہام پورے ہوگئے۔

سنن ابی داؤد میں مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خیبر میں لشکر کی تعداد پندرہ سو تھی جن میں سے تین سو سوار تھے پس آپ نے ہر سوار کو دو دو حصے دیئے اور ہر پیادہ کو ایک ایک حصہ۔

یہ روایت امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق ہے ان کے نزدیک سوار کے صرف دو حصے ہوتے ہیں ایک سوار کا اور ایک گھوڑے کا۔ جیسا کہ حضرت علی اور ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے۔

پس اس حساب سے پندرہ سو میں سے تین سو سواروں کے چھ سہام ہوگئے اور ہر حصہ سو آدمیوں کا اور باقی ماندہ بارہ سو آدمیوں کے بارہ سہام ہوگئے اور بارہ اور چھ مل کر اٹھارہ پورے ہوگئے۔

اصحاب سفینہ کا حصہ

الحاصل آنحضرت نے اراضی خیبر کا نصف حصہ اہل حدیبیہ پر تقسیم فرمایا اور ان کے علاوہ کسی اور کو اس میں شریک نہیں کیا۔ لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح خیبر کے بعد

اصحاب سفینہ یعنی حضرت جعفر اور ابو موسیٰ اشعری اور ان کے رفقاء جن کی تعداد سو سے زیادہ تھی حبشہ سے واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی کچھ حصہ عطا فرمایا۔

یہ معلوم نہیں کہ ان حضرات کو اصل غنیمت میں سے حصہ دیا یا مال غنیمت کے خمس میں سے دیا یا اموال منقولہ میں سے قبل از تقسیم غنیمت بطور اعانت کچھ عطا فرمایا اور پھر یہ کہ حضور پر نور نے محض اپنی رائے اور اختیار سے دیا یا غانمین اور مجاہدین کی اجازت سے دیا۔ واللہ اعلم۔

غلاموں اور عورتوں کا حصہ

غزوۂ خیبر میں کچھ غلام اور کچھ عورتیں بھی مجاہدین کی خدمت اور اعانت کے لئے شریک ہوئے تھے۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے حاصل شدہ سامان میں سے بطور اعانت کچھ عطا فرمایا۔ باقی زینات میں سے مردوں کی طرح ان کو کوئی حصہ نہیں عطا کیا۔ جیسا کہ ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔

ممنوعات خیبر

خیبر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند چیزوں سے منع فرمایا۔ (۱) اہلی گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔ (۲) مال غنیمت جب تک تقسیم نہ ہو جائے اس کے بیچنے سے منع فرمایا۔ (۳) اور لہسن (یعنی کچے لہسن) کے استعمال سے منع فرمایا۔

(۴) صحیحین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں متعہ سے منع فرمایا۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کی متعدد آیات سے متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

لفظ متعہ۔ متاع سے مشتق ہے جس کے معنی نفع قلیل کے ہیں قرآن کریم میں ہے۔ **انما هذه الحيوة الدنيا متاع.** اور مطلقہ کو جو کپڑوں کا جوڑا دیا جاتا ہے اس کو بھی متعہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مہر کے مقابلہ میں قلیل نفع ہے۔ یہ متعہ کے اصل معنی ہوئے اور متعہ کا اطلاق دو معنی پر آتا ہے ایک یہ کہ متعہ سے نکاح موقت مراد ہو یعنی ایک مدت معینہ کے لئے گواہوں کے سامنے کسی عورت سے ازدواجی تعلق قائم کیا جائے اور مدت معینہ گزرنے کے بعد بلا طلاق مفارقت واقع ہو جائے لیکن مفارقت کے بعد استبراء رحم کے لئے ایک مرتبہ ایام ماہواری کا انتظام کرے تاکہ دوسرے کے نطفہ کے ساتھ اختلاط سے محفوظ رہے۔

فقط یہ صورت ابتداء اسلام میں جائز تھی۔ بعد میں ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی۔ یعنی متعہ بمعنی نکاح موقت ابتداء اسلام میں جائز تھا اور بعد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گیا اور متعہ کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہے کہ میں تجھ سے ایک روز کے لئے متفع ہوں گا اور اس ایک روزہ یا دو روزہ انتفاع کی تجھ کو یہ اجرت دوں گا یہ صریح زنا ہے اور عین زناء ہے۔ متعہ کی یہ صورت کبھی بھی اسلام میں جائز اور مباح نہیں ہوئی۔

مہاجرین کا انصار کے باغات واپس کرنا

ابتداء ہجرت میں جب مہاجرین مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو مہاجرین کی اعانت اور امداد کے لئے انصار نے ان کو کچھ زمینیں اور باغات دیئے کہ ان میں کام کریں اور خود بھی متفع ہوں اور کچھ ہم کو نفع پہنچائیں۔

خیبر کی فتح کے بعد مہاجرین کرام اعانت اور امداد سے مستغنی ہو گئے تو مہاجرین نے انصار کی زمینیں اور درخت واپس کر دیئے۔ حضرت انس کی والدہ ام سلیم نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چند درخت دیئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلیم کے عطا کردہ درخت اپنی دایہ اسامۃ بن زید کی والدہ کو دے دیئے تھے۔

فتح خیبر کے بعد جب مہاجرین نے سب انصار کے درخت واپس کر دیئے تو ام سلیم نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے درخت طلب کئے۔ یہ وہی درخت تھے جو آپ ام ایمن کو دے چکے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ایمن سے فرمایا کہ ام سلیم کے یہ درخت واپس کر دو۔ ام ایمن نے واپس کرنے سے انکار کر دیا اور انس کی گردن میں کپڑا ڈال کر کھینچنے لگیں اور کہا خدا کی قسم یہ درخت ہرگز واپس نہ کروں گی۔ چونکہ ام ایمن حضور پرنور کی حاضنہ (دایا) تھیں اور آپ کے والد کی لونڈی تھیں۔ اس لئے حضور ام ایمن کو ناراض کرنا نہیں چاہتے تھے۔ حضور نے فرمایا اے ام ایمن تم یہ درخت واپس کر دو اور ان کے بدلہ میں دوسرے درخت لے لو۔ آپ برابر یہی فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ جب آپ نے اپنی خاص جائیداد میں سے ایک ایک درخت کے بدلہ میں دس دس درخت دیئے جب راضی ہوئیں۔ حضور پرنور نے ان کے حق حضانت و تربیت کے حق میں ان کے ساتھ یہ معاملہ فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم وشرف وکرم

مہاجرین کی حبش سے واپسی

جو مہاجرین مکہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے جب ان کو یہ علم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو اکثر ان میں سے حبشہ سے مدینہ چلے آئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس وقت مدینہ پہنچے کہ جب آپ بدر کی تیاری فرما رہے تھے۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھ جو چند آدمی رہ گئے تھے وہ اس روز پہنچے کہ جس روز خیبر فتح ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کو گلے لگایا اور پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور بعد ازاں یہ فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا کہ مجھ کو فتح خیبر کی مسرت زیادہ ہے یا جعفر کے آنے کی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ (جو حضرت جعفر کے ساتھ آئے تھے) راوی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت پہنچے کہ جب آپ خیبر فتح فرما چکے تھے۔ مال غنیمت میں سے ہم کو بھی حصہ عطا فرمایا۔ ہمارے سوا جو فتح خیبر میں شریک نہ تھا کسی کو حصہ نہیں دیا۔

وادی القریٰ و تیماء کا فتح ہونا

فتح خیبر کے بعد آپ نے وادی القریٰ کا رخ فرمایا۔ چار دن کے محاصرہ کے بعد فتح فرمایا آپ کا غلام مدعم آپ کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ ایک ناگہانی تیر آ کر لگا جس سے وہ شہید ہوا۔ لوگوں نے کہا اس کو شہادت مبارک ہو۔ آپ نے فرمایا نہیں خدا کی قسم جس چادر کو اس نے مال غنیمت میں سے چرایا ہے وہ آگ بن کر اس پر مشتعل ہوگی۔ ایک شخص نے جب آپ کو یہ کہتے سنا تو ایک جوتی کا تسمہ لے کر آیا آپ نے فرمایا جوتی کا ایک تسمہ بھی (خیانت کیا ہوا) جہنم سے ہے۔ (رواہ البخاری) اہل تیماء کو جب وادی القریٰ کے فتح کا حال معلوم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جزیہ پر صلح کر لی۔

واپسی اور لیلۃ التعریس کا واقعہ

وادی القری اور تیماء کی فتح کے بعد آپ مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ مدینہ کے قریب پہنچ

کرایک وادی میں اخیر شب میں آرام کی غرض سے نزول فرمایا۔ اتفاق سے کسی کی آنکھ نہیں کھلی یہاں تک کہ آفتاب بلند ہوگیا۔ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور گھبرا کر اٹھے اور صحابہ کو جگایا اور اس وادی سے کوچ کرنے کا حکم دیا کہ یہاں شیطان ہے اس وادی سے نکل کر آپ نے نزول فرمایا اور بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ وضو کر کے صبح کی دو رکعت سنتیں پڑھیں بعد ازاں بلال نے اقامت کہی اور جماعت کے ساتھ صبح کی نماز قضا کی گئی۔

تعلیم احکام کی ایک خاص قسم

نماز اور عبادت میں حضرات انبیاء اللہ وعلیہم الف الف صلوات اللہ کو غفلت کی وجہ سے کبھی سہو نہیں ہوتا بلکہ من جانب اللہ سہو میں مبتلا کیے جاتے ہیں تا کہ امت کو سہو کے مسائل معلوم ہوں لہذا اگر آپ کو یہ سہو نہ پیش آتا تو امت کو فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا مسئلہ کیسے معلوم ہوتا اور اگر ظہر یا عصر کی دو یا تین رکعت پر آپ بھول کر سلام نہ پھیر دیتے (جیسا کہ حدیث ذوالیدین میں ہے) تو امت کو سجدۂ سہو کا مسئلہ کہاں سے معلوم ہوتا۔

سبحان اللہ خدا کی کیا حکمتیں اور کیا رحمتیں ہیں کہ جن حضرات کو نبوت ورسالت کا خلعت پہنا کر تشریع احکام کی مسند پر بٹھلایا ان کے سہو اور نسیاں کو بھی تشریع احکام کا ایک ذریعہ بنا دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اگر سہو ونسیاں نہ پیش آتا تو توبہ اور استغفار کی سنت کہاں سے معلوم ہوتی۔ **ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین** کہہ کر قیامت تک کے لئے خداوند ذوالجلال کی رضا اور خوشنودی اور ابلیس کی ذلت اور رسوائی کا طریقہ بتلا گئے۔ قربان جایئے ایسے سہو ونسیان کے کہ جس سے ہمیشہ کے لئے رحمتوں کا دروازہ کھل گیا۔

زفاف ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

اسی سال ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا حبشہ سے مدینہ آئیں جس سے حضور پرنور نجاشی کے توسط سے نکاح فرمایا تھا۔ جن کے نکاح کا مفصل واقعہ ان شاء اللہ ازواج مطہرات کے بیان میں آئے گا۔

عُمرۃ القضاء

(ذی قعدۃ الحرام ۷ھ)

عمرۃ القضاء کی تیاری

صلح حدیبیہ میں قریش سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اس سال بغیر عمرہ کئے ہوئے واپس چلے جائیں اور سال آئندہ عمرہ کے لئے آئیں اور عمرہ کر کے تین دن میں واپس ہو جائیں اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیقعدہ کا چاند دیکھ کر صحابہ کو حکم دیا کہ اس عمرہ کی قضا کے لئے روانہ ہوں جس سے مشرکین نے حدیبیہ میں روکا تھا اور یہ بھی حکم دیا کہ جو لوگ حدیبیہ میں شریک تھے ان میں سے کوئی رہ نہ جائے چنانچہ بجز ان لوگوں کے کہ جو اس عرصہ میں شہید ہو چکے تھے یا وفات پا چکے تھے کوئی شخص بغیر شریک ہوئے باقی نہ رہا۔

روانگی

اس طرح دو ہزار آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ آپ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ہدی کے ستر اونٹ آپ کے ہمراہ تھے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر مسجد میں آپ نے اور صحابہ نے احرام باندھا۔ لبیک کہتے ہوئے روانہ ہوئے احتیاطاً ہتھیار ساتھ رکھ لئے مگر چونکہ معاہدۂ حدیبیہ میں یہ شرط تھی کہ ہتھیار ساتھ نہ لائیں اس لئے ہتھیار بطن یاءج میں چھوڑ دیئے جو مکہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے اور دو سو آدمیوں کا ایک دستہ ان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا۔ اور آپ مع اصحاب کے تلبیہ کہتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے اشعار

اور عبداللہ بن رواحہؓ آپ کی ناقہ قصواء کی مہار پکڑے ہوئے یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے آگے تھے۔

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ قدانزل الرحمٰن فی تنزیلہ

اے کافرو آپ کا راستہ چھوڑ دو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ حکم نازل کیا ہے

بان خیر القتل فی سبیلہ نحن قتلناکم علی تاویلہ

کما قتلناکم علی تنزیلہ (رواہ عبدالرزاق عن انسؓ)

کہ بہترین قتل وہ ہے جو خدا کی راہ میں ہو ہم نے تم سے جہاد و قتال کیا اس کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے جیسے قرآن منزل من اللہ کے نہ ماننے کی وجہ سے تم سے قتال کیا۔

اور بیہقی کی روایت میں اس کے بعد یہ زیادہ ہے۔

الیوم نضربکم علی تنزیلہ ضرباً یزیل الھام عن مقیلہ

آج اللہ کے حکم کے مطابق ایسا ماریں گے کہ تمہاری کھوپڑی سر سے الگ ہو جائے۔

ویذھل الخلیل عن خلیلہ یارب انی مؤمن بقیلہ

دوست کو دوست سے بے خبر بنا دے اے اللہ میں اس کے قول پر ایمان رکھتا ہوں۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے۔

یارب انی مومن بقیلہ انی رأیت الحق فی قبولہ

میں اس کے قبول کرنے ہی کو حق سمجھتا ہوں۔

حضرت عمر نے کہا اے ابن رواحہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور اللہ کے حرم میں شعر پڑھتا ہے آپ نے فرمایا اے عمر رہنے دو۔ یہ شعر کافروں کے حق میں تیر باری سے زیادہ سخت ہے۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا' اے عمر میں سن رہا ہوں اور عبداللہ بن رواحہ کو یہ حکم دیا کہ اے ابن رواحہ یہ پڑھو۔

لاالٰہ اللہ وحدہ نصر عبدہ' واعز جندہ و ھزم الاحزاب وحدہ

عبداللہ بن راحہ کے ساتھ اور صحابہ بھی ان کلمات کو پڑھتے جاتے تھے۔

مکہ میں داخلہ اور عمرہ کی ادائیگی

اس شان سے مکہ میں داخل ہوئے بیت اللہ کا طواف کیا اور سعی بین الصفا والمروہ کر کے ہدی کو قربان فرمایا اور حلال ہو گئے بعد ازاں کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بطن یا جج چلے

جائیں اور جو آدمی اسلحہ کی حفاظت کے لئے وہاں چھوڑ دیئے گئے تھے وہ آ کر طواف اور سعی کرلیں اور یہ فرما کر کعبۃ اللہ کے اندر تشریف لے گئے۔ ظہر تک اندر ہی رہے۔ آپ کے حکم سے خانہ کعبہ کی چھت پر حضرت بلال نے ظہر کی اذان دی۔

قریشی سرداروں کا حسد

قریش نے اگرچہ ازروئے معاہدہ آپ کو عمرہ کرنے کی اجازت دے دی لیکن شدید غیظ اور انتہائی حسد کی وجہ سے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو دیکھ نہ سکے اس لئے سرداران قریش اور ان کے کبراء واشراف مکہ مکرمہ چھوڑ کر پہاڑوں میں چلے گئے۔

حضرت میمونہؓ سے نکاح

عمرہ ادا کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن مکہ میں مقیم رہے اور حضرت میمونہ بنت الحارث سے نکاح فرمایا۔ جب تین دن گزر گئے تو قریش نے چند آدمی آپ کی خدمت میں بھیجے کہ مدت گزر گئی ہے۔ آپ چلے جائیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم مہلت دو تو مکہ میں میمونہ بنت الحارث کی عروسی اور دعوت ولیمہ کرلوں۔ ان لوگوں نے نہایت ترشروئی سے یہ جواب دیا کہ ہمیں آپ کے ولیمہ اور دعوت کی ضرورت نہیں آپ چلے جائیں۔

عروسی' ولیمہ اور مدینہ واپسی

آپ نے فوراً صحابہ کو کوچ کرنے کا حکم دیا اور اپنے غلام ابورافع کو حضرت میمونہؓ کے پاس چھوڑ گئے۔ وہ ان کو لے کر مقام سرف میں آپ کے پاس لائے۔ یہاں آپ نے عروسی فرمائی۔ اور یہاں سے چل کر ماہ ذی الحجہ داخل مدینہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ لقد صدق اللہ رسولہ الرویا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شآء اللہ اٰمنین محلقین رء وسکم و مقصرین لاتخافون فعلم ما لم تعلموا فجعل من دون ذالک فتحاً قریباً.

حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی

عمرۃ القضاء سے فارغ ہو کر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے روانہ ہونے لگے تو حضرت حمزہ کی چھوٹی صاحب زادی آپ کو چچا چچا پکارتی ہوئیں آپ کے پاس آئیں

حضرت علی نے فوراً ان کو اٹھالیا اب حضرت علی اور حضرت جعفر اور حضرت زید بن حارثہ میں اختلاف ہوا۔ ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ میری پرورش میں رہے۔ حضرت علی نے کہا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میں نے اس کو اٹھالیا ہے۔ حضرت جعفر نے کہا میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ حضرت زید نے کہا کہ میرے اسلامی اور دینی بھائی کی لڑکی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ لڑکی اپنی خالہ کے پاس رہے اور یہ ارشاد فرمایا کہ خالہ ماں کی جگہ ہوتی ہے۔

سریۂ اخرم بن ابی العوجآء

(ذی الحجہ ۷ھ)

ماہ ذی الحجہ میں اخرمؓ کو پچاس آدمیوں کے ہمراہ بنی سلیم کو دعوت اسلام دینے کی غرض سے روانہ فرمایا بنی سلیم نے کہا ہمیں اسلام کی ضرورت نہیں اور تیر اندازی کر کے مسلمانوں کی اس قلیل جماعت کو شہید کر دیا۔ صرف اخرمؓ کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ یہ زخموں کی وجہ سے نیم جان ہو گئے تھے بعد میں زندہ ہو کر صفر کی پہلی تاریخ کو مدینہ پہنچے۔

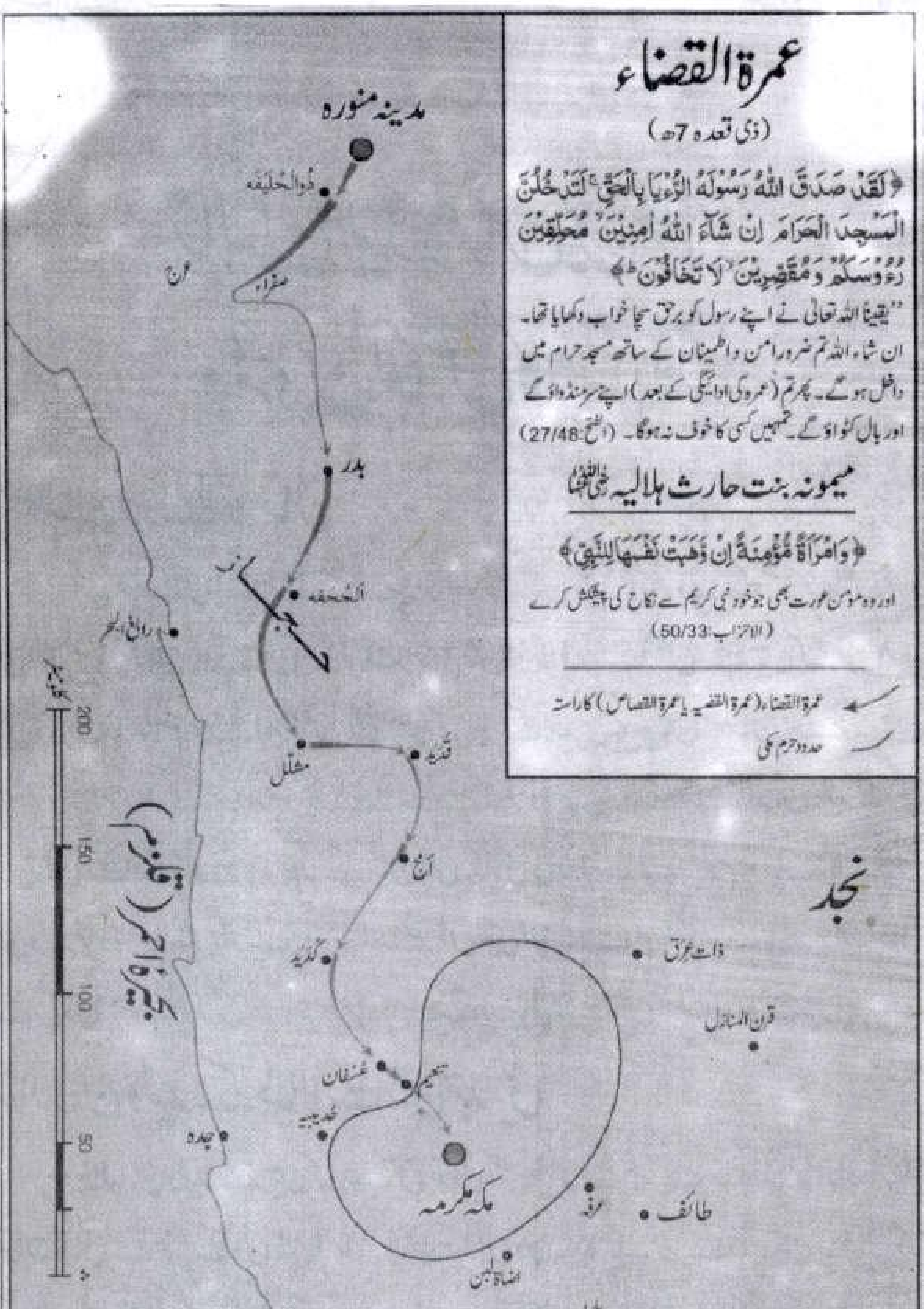
سریۂ غالب بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ

(صفر ۸ھ)

صفر ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غالب بن عبداللہ لیثی کو مقام کدید کی جانب بنی الملوح پر حملہ کرنے کے لئے ایک جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا۔ ان لوگوں نے وہاں پہنچ کر شب خون مارا اور ان کے اونٹ پکڑ کے مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔ بنی الملوح کی ایک جماعت مسلمانوں کے تعاقب میں دوڑی اسی وقت من جانب اللہ اتنی زور کی بارش ہوئی کہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان میں جو ایک وادی حائل تھی وہ پانی سے بھر گئی اور وہ لوگ مسلمانوں تک نہ پہنچ سکے اس طرح مسلمان صحیح وسالم مدینہ منورہ پہنچے۔

بعض سرایا

غزوۂ خیبر اور غزوۂ موتہ کے درمیان حضور پرنور نے اور بھی چھوٹے چھوٹے سریے روانہ فرمائے جو بحمدہ تعالیٰ کامیاب واپس ہوئے۔



عمرۃ القضاء

(ذی قعدہ 7ھ)

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ﴾

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو برحق سچا خواب دکھایا تھا۔ ان شاء اللہ تم ضرور امن و اطمینان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوگے۔ پھر تم (عمرہ کی ادائیگی کے بعد) اپنے سر منڈواؤ گے اور بال کٹواؤ گے۔ تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا۔ (الفتح: 27/48)

میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا

﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ﴾

اور وہ مومن عورت بھی جو خود نبی کریم سے نکاح کی پیشکش کرے

(الاحزاب: 50/33)

عمرۃ القضاء (عمرۃ القضیہ یا عمرۃ القصاص) کا راستہ

حدود حرم مکی

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ

كَمَا اَمَرْتَنَا اَنْ نُّصَلِّيَ عَلَيْهِ وَصَلِّ عَلَيْهِ كَمَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّصَلّٰى عَلَيْهِ

حضرت انس ؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا درود شریف دریافت کیا جس کو کامل درود شریف کہا جاسکے تو آپ ؐ نے درود بالا تلقین فرمایا۔ (ذریعۃ الوصول)

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ و عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ و عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

مسلمان ہونے کا سال

اسی عرصہ میں اسلام کے مشہور سپہ سالار خالد بن ولید اور عرب کے مشہور عاقل عمرو بن العاص مسلمان ہوئے ان کے زمانہ اسلام میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ صفر ۸ھ میں مشرف باسلام ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ خیبر کے بعد ۷ھ میں مسلمان ہوئے۔

یہ امر روایت صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہے کہ غزوۂ حدیبیہ کے وقت خالد بن ولید کفار کی فوج میں تھے اور آئندہ غزوۂ موتہ کے بیان میں بخاری کی روایت سے معلوم ہو جائے گا کہ خالد بن ولید غزوۂ موتہ میں شریک ہوئے اور اخیر میں یہی امیر ہوئے اور انہی کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے فتح دی معلوم ہوا کہ صلح حدیبیہ اور غزوۂ موتہ کے درمیانی مدت میں مسلمان ہوئے ہیں۔

خالد بن ولید کے خیالات میں تبدیلی

خالد بن ولید کہتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ جل شانہ نے میرے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی۔ یکا یک میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں جس لڑائی میں بھی قریش مکہ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جاتا ہوں اور پھر واپس آتا ہوں واپسی پر میرے دل کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ دل اندر سے یہ کہتا ہے کہ تیری یہ تمام کوشش اور یہ تمام جدوجہد لاحاصل اور بے سود ہے۔ اور تحقیق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور غالب ہوں گے۔ چنانچہ حدیبیہ کے موقع پر میں مشرکین مکہ کے سواروں میں سے تھا تو میں نے آپ کو مقام عسفان میں دیکھا کہ اپنے اصحاب کو صلوٰۃ

الخوف پڑھا رہے ہیں میں نے ارادہ کیا کہ نماز کی حالت میں حضور پر حملہ کروں مگر حضور میرے ارادہ سے مطلع ہو گئے اور میں حملہ نہ کر سکا۔ تو اس وقت میں یہ سمجھ گیا کہ یہ شخص من جانب اللہ مامون اور محفوظ ہے غیب سے اس کی حفاظت ہو رہی ہے میں ناکام واپس ہو گیا۔

بھائی کا خط

اور آنحضرت جب قریش سے صلح کر کے واپس ہوئے تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ قریش کی قوت اور طاقت ختم ہوئی اور شاہ حبشہ یعنی نجاشی آپ کا پیرو ہو چکا ہے اور آپ کے اصحاب حبشہ میں امن وامان کے ساتھ رہتے ہیں اب اس کے سوا کیا صورت ہے کہ میں ہرقل شاہ روم کے پاس چلا جاؤں اور وہاں جا کر یہودی یا نصرانی ہو جاؤں اور عجم کے تابع اور ماتحت رہ کر عیب کی زندگی گزاروں اور چند روز اپنے وطن ہی میں رہ کر دیکھوں کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے اسی خیال میں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سال آئندہ عمرۃ القضاء کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اس وقت میں مکہ سے نکل گیا اور روپوش ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ سے فارغ ہو گئے تو میرا بھائی ولید بن ولید جو حضورؐ کے ہمراہ تھا اس نے مجھے تلاش کیا۔ مگر میں نہ ملا۔ بعد ازاں میرے بھائی نے میرے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم امابعد۔ میں نے اس سے زیادہ کوئی تعجب خیز امر نہیں دیکھا کہ تیری رائے اسلام جیسے پاکیزہ مذہب کے قبول کرنے سے منحرف ہے حالانکہ تیری عقل، تیری عقل ہے (جو معروف و مشہور ہے) اور اسلام جیسے پاکیزہ مذہب سے کسی کا بے خبر رہنا نہایت تعجب خیز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تمہارا حال دریافت کیا اور فرمایا کہ خالد کہاں ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو لے کر آئے گا۔ آپ نے فرمایا کہ تعجب ہے کہ اس جیسا عاقل اسلام جیسے پاکیزہ مذہب سے بے خبر و نادان ہو جائے اور فرمایا کہ اگر خالد مسلمانوں کے ساتھ مل کر دین حق کی مدد کرتا اور اہل باطل کا مقابلہ کرتا تو یہ اس کے لئے بہتر ہوتا اور ہم اس کو دوسروں پر مقدم رکھتے۔ پس اے بھائی تجھ سے جو عمدہ مقامات فوت ہو گئے ہیں تو ان کی تلافی اور تدارک کر لے ابھی تدارک کا وقت ہے۔

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں سدا دور دوراں دکھاتا نہیں

خواب

خالد بن ولید کہتے ہیں کہ میرے بھائی کا یہ خط جب میرے پاس پہنچا تو اس خط نے میری رغبت اسلام میں اور زیادہ کر دی اور سفر ہجرت کا ایک خاص نشاط اور انبساط دل میں پیدا ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا اس نے مجھ کو مسرور کیا اور اسی اثناء میں میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں تنگ بلاد میں ہوں جن میں قحط ہے۔ میں اس قحط اور تنگ علاقہ سے نکل کر سرسبز اور کشادہ شہروں میں چلا گیا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ خاص خواب ہے جو میری تنبیہ کے لئے مجھ کو دکھلایا گیا ہے۔

خالد بن ولید عثمان بن طلحہ اور عمرو بن عاص کی مدینہ حاضری

میں مکہ مکرمہ حاضر ہوا اور اسباب سفر مہیا کر کے مدینہ کی طرف چلا اور یہ چاہا کہ کوئی اور بھی میرے ساتھ ہو جائے میں نے صفوان بن امیہ سے ملاقات کی اور کہا کہ تم دیکھتے ہی نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عرب وعجم پر غلبہ پالیا۔ اگر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جائیں اور ان کا اتباع کریں تو یہ ہمارے لئے بہتر ہوگا۔ محمد کا شرف ہمارا شرف ہو گا۔ صفوان نے نہایت سختی سے انکار کیا اور یہ کہا کہ اگر روئے زمین پر میرے سوا کوئی بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اتباع سے باقی نہ رہے تو میں جب بھی آپ کا اتباع نہ کروں گا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس شخص کا باپ اور بھائی بدر میں مارے گئے ہیں اس لئے اس سے کوئی توقع نہیں کی جاسکتی۔ بعد ازاں میں عکرمۃ بن ابی جہل سے ملا اور جو بات میں نے صفوان سے کہی تھی وہی عکرمہ سے کہی۔ عکرمہ نے بھی مجھے وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا۔ خالد کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر گیا اور اونٹنی کو تیار کیا اور یہ خیال کیا کہ لاؤ عثمان بن طلحہ سے ملاقات کرلوں وہ میرا سچا دوست ہے لیکن مجھ کو اس کے باپ دادا کا قتل ہونا یاد آیا۔ اور متردد ہو گیا کہ عثمان سے ذکر کروں یا نہ کروں پھر یہ خیال آیا کہ ذکر کرنے میں میرا کیا نقصان ہے میں تو اب جا ہی رہا ہوں۔ چنانچہ میں نے عثمان بن طلحہ سے وہی امر ذکر کیا کہ

جو صفوان سے ذکر کیا تھا۔ عثمان بن طلحہ نے میرے مشورہ کو قبول کیا اور کہا کہ میں بھی مدینہ چلتا ہوں مقام یاجج میں تم سے مل لوں گا۔ تم اگر پہلے پہنچ جاؤ تو میرا انتظام کرنا اور اگر میں پہلے پہنچ گیا تو میں تمہارا انتظام کروں گا۔

خالد بن ولید کہتے ہیں کہ میں بھی روانہ ہوا اور حسب وعدہ مقام یاجج میں عثمان بن طلحہ مجھے مل گئے۔ علی الصباح ہم دونوں وہاں سے روانہ ہوئے ہم دونوں جب مقام ھدہ میں پہنچے تو عمرو بن عاص سے ملاقات ہوئی کہ وہ بھی اسلام کے ارادہ سے مدینہ جارہے ہیں عمرو بن العاص نے ہم کو دیکھ کر مرحبا کہا ہم نے بھی مرحبا کہا اور پوچھا کہ کہاں جارہے ہو۔ کہا کہ اسلام میں داخل ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے ارادہ سے جارہا ہوں۔ ہم نے کہا کہ ہم بھی اسی ارادہ سے نکلے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی

خالد بن ولید کہتے ہیں کہ اس طرح ہم تینوں ساتھ ہو لئے اور مدینہ میں داخل ہوئے اور اپنے سواری کے اونٹ مقام حرہ میں بٹھلائے کسی نے ہماری خبر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی۔ آپ ہماری آمد کی خبر سن کر بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو پھینک دیا ہے۔ خالد کہتے ہیں کہ میں نے عمدہ کپڑے پہنے اور آپ کی خدمت میں حاضری کے لئے چلا راستہ میں مجھے میرا بھائی ولید آ ملا اور کہا کہ جلدی چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری آمد کی خبر پہنچ گئی ہے۔ حضور پرنور تمہاری آمد سے بہت مسرور ہوئے اور تمہارے منتظر ہیں۔ ہم تیزی کے ساتھ چلے اور حضور پرنور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھ کر مسکرائے میں نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے میرے سلام کا جواب دیا میں نے عرض کیا اشهد ان لا اله الا الله و ان محمد ارسول الله

سابقہ خطاؤں کی معافی

آپ نے ارشاد فرمایا قریب ہو جاؤ اور یہ فرمایا۔

''حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے تجھے اسلام کی توفیق دی میں دیکھتا تھا کہ تجھ

میں عقل ہے اور امید کرتا تھا کہ وہ عقل تجھ کو خیر اور بھلائی کی طرف تیری رہنمائی کرے گی''۔

خالد کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ دیکھتے تھے کہ مقامات جنگ میں آپ کے اور حق کے مقابلہ میں حاضر ہوتا تھا (جس سے میں شرمندہ اور نادم ہوں) اس لئے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری ان تمام خطاؤں کو معاف کردے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

''اسلام ان تمام امور کا خاتمہ کر دیتا ہے جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں''۔

میں نے پھر یہی درخواست کی تو آپ نے میرے لئے یہ دعا فرمائی۔

''اے اللہ تو خالد بن ولید کی ان تمام خطاؤں کو معاف کردے جو خالد نے خدا تعالیٰ کی راہ سے روکنے کے لئے کی ہیں۔

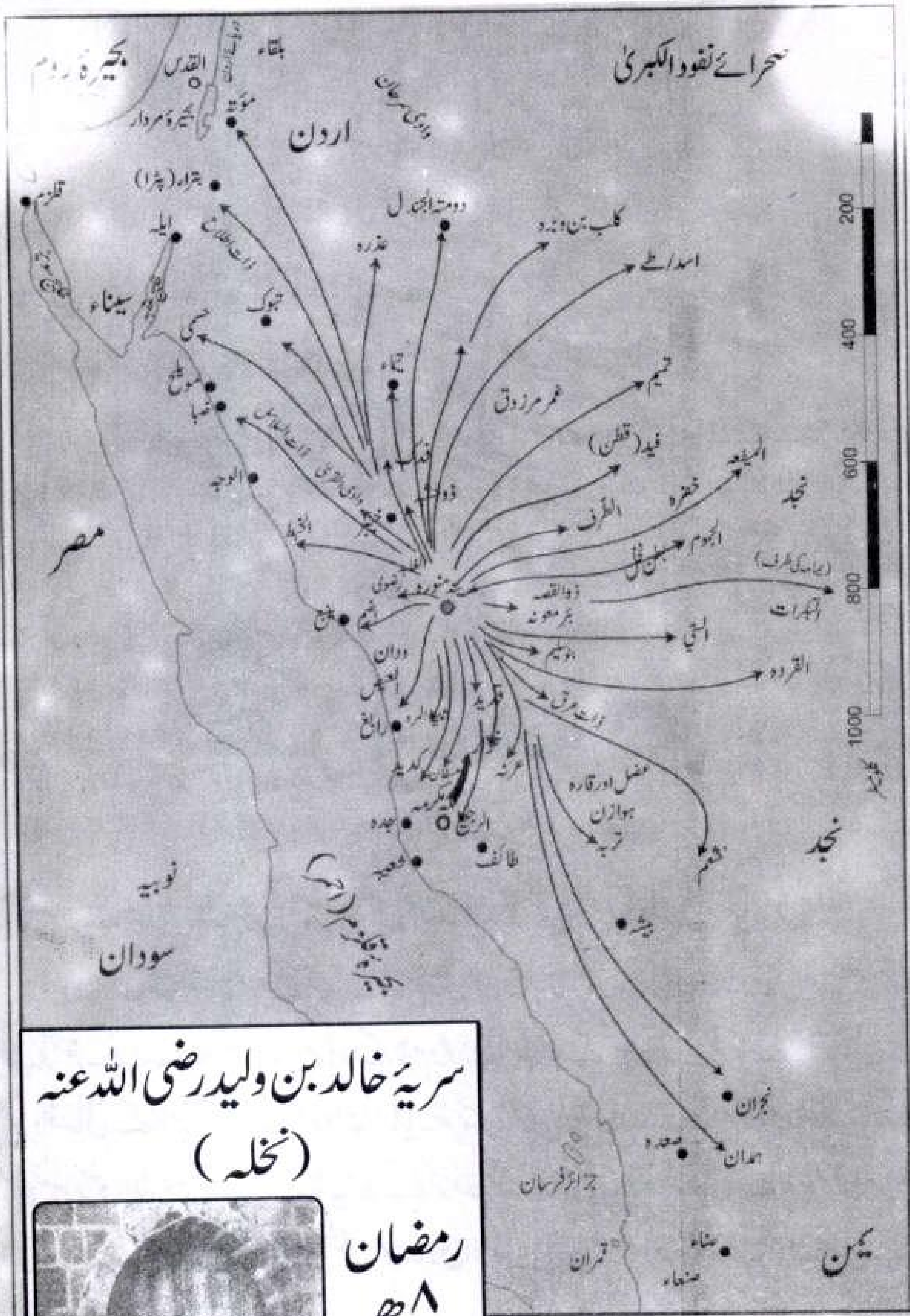
خالد کہتے ہیں کہ میرے بعد عثمان بن طلحہ اور عمرو بن العاص آگے بڑھے اور حضور پرنور کے دست مبارک پر بیعت کی۔

عمرو بن العاصؓ کی کیفیت

عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ حضور پرنور کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد پہلے خالد بن ولید نے بیعت کی اور پھر عثمان بن طلحہ نے بیعت کی۔ پھر میں بیعت کے لئے آگے بڑھا مگر اس وقت میری حالت یہ تھی۔

خدا کی قسم میں حضور کے سامنے بیٹھ تو گیا مگر شرم اور ندامت کی وجہ سے آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ نہیں سکتا تھا۔ عمرو کہتے ہیں کہ بالآخر میں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور عرض کیا کہ اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ میری تمام گذشتہ خطائیں اور قصور معاف کر دیئے جائیں عمرو کہتے ہیں کہ اس وقت یہ خیال نہ آیا کہ یہ بھی عرض کر دیتا کہ میرے آئندہ اور پچھلے قصور میں معاف کر دیئے ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام ان تمام گناہوں کو منہدم کر دیتا ہے کہ جو اسلام سے پہلے کفر کی حالت میں کئے گئے ہیں اور اسی طرح ہجرت بھی تمام گذشتہ گناہوں کو منہدم کر دیتی ہے۔



سریہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

(نخلہ)

رمضان ۸ھ



خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے گھر کا دروازہ

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ
وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّارْضَ
عَنْہُ رِضًی لَّا سَخَطَ بَعْدَہٗ

جو شخص اذان کے وقت یہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائیں گے۔ (ص ۵۳)

غزوات و واقعات ۸ھ کے

غزوۂ موتہ

جمادی الاول ۸ھ

حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کا قتل اور حملہ کی تیاری

موتہ ایک مقام کا نام ہے جو ملک شام میں علاقہ بلقاء میں واقع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سلاطین اور امراء کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے تو شرجیل بن عمرو غسانی کے نام بھی ایک خط روانہ فرمایا۔ شرجیل، قیصر کی طرف سے شام کا امیر تھا۔ حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ جب آپ کا یہ خط لے کر مقام موتہ میں پہنچے تو شرجیل نے ان کو قتل کرا دیا اس وجہ سے آپ نے تین ہزار کا لشکر ماہ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں موتہ کی طرف روانہ فرمایا۔

امیر لشکر کو تقرر

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اگر زید قتل ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر لشکر ہوں اور اگر جعفر بھی قتل ہو جائیں تو عبداللہ بن ابی رواحہ سردار لشکر ہوں اور اگر عبداللہ بھی قتل ہو جائیں تو مسلمان جس کو چاہیں اپنا امیر بنالیں۔

اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوہ جیش الامراء کہتے ہیں۔

امیر لشکر کو ہدایت

اور ایک سفید جھنڈا زید بن حارثہ کو دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اول اس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیرؓ شہید ہوئے اور ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ اس دعوت کو قبول کریں تو فبہا و نعمت۔ ورنہ خداوند ذوالجلال سے اعانت اور امداد کی درخواست کر کے اسے جہاد وقتال کرنا۔

الوداع اور مجاہدین کو نصیحت

ثنیۃ الوداع تک خود بنفس نفیس مشایعت کے لئے تشریف لے گئے۔ ثنیۃ الوداع پر کچھ دیر ٹھہر کر لشکر کو یہ وصیت فرمائی کہ ہر حال میں تقویٰ اور پرہیز گاری کو ملحوظ رکھیں اپنے رفقاء کی خیر خواہی کریں۔ اللہ کی راہ میں اللہ کے نام پر اللہ سے کفر کرنے والوں سے جہاد وقتال کریں۔ غدر اور خیانت نہ کریں۔ کسی بچہ اور عورت اور بوڑھے کو قتل نہ کریں۔

روانہ ہوتے وقت حضرت ابن رواحہؓ کا رونا

جب امراء لشکر کو رخصت کرنے لگے تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ رو پڑے لوگوں نے کہا اے ابن رواحہ کس چیز نے تم کو رلایا تو عبداللہ بن رواحہ نے یہ جواب دیا۔

آگاہ ہو جاؤ خدا کی قسم مجھے نہ دنیا سے محبت ہے اور نہ تم سے شیفتگی لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب اللہ کی یہ آیت پڑھتے سنا ہے نہیں ہے تم میں سے کوئی شخص مگر ضرور دوزخ پر گزرنے والا ہے اور خدا کے نزدیک یہ امر مقرر ہو چکا ہے۔ پس نہیں معلوم کہ جہنم پر ورود کے بعد واپسی کیسے ہوگی۔ اس لئے روتا ہوں۔

حضرت ابن رواحہؓ کے اشعار

لشکر جب روانہ ہونے لگا تو مسلمانوں نے پکار کر کہا خدا تعالیٰ تم کو صحیح سالم اور کامیاب واپس لائے تو عبداللہ بن رواحہ نے یہ اشعار پڑھا۔

لكنني اسأل الرحمٰن مغفرةً وضربةً ذات فرغ تقذف الزبدا

میں واپسی نہیں چاہتا بلکہ اللہ کی مغفرت اور اس کی راہ میں ایسے گہرے زخم کا خواہشمند

ہوں کہ جو جھاگ پھینکتا ہو۔

او طعنةً بیدی حران مجهزةً بحربة تنفذ الاحشاء الکبدا

یا ایسا کاری زخم ہو کہ جو تیز ہو اور ایسے نیزہ سے لگے کہ جو میری انتڑیوں اور جگر سے پار ہو جائے۔

حتی یقال ا ذامروا علی جدتی یاارشد الله من غازوقد رشدا

یہاں تک کہ لوگ جب میری قبر پر گزریں تو یہ کہا جائے کہ واہ واہ کیا غازی تھا اور کیسا کامیاب ہوا۔ لشکر جب چلنے کے لئے بالکل تیار ہو گیا تو عبداللہ بن رواحہ آپ کے قریب آئے اور یہ شعر پڑھے۔

انت الرسول فمن یحرم نوافله والوجه منه فقد ازریٰ بله لقدر

آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں جو شخص آپ کے فیوض و برکات اور آپ کے چہرۂ انور کے دیدار سے محروم رہا تو سمجھ لو کہ قضا قدر نے اس کی تحقیر کی کہ اس کو اس دولت عظمیٰ سے محروم رکھا۔

فثبت الله ماآتاک من حسن تثبیت موسیٰ و نصراً کالذی نصروا

پس اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کے محاسن کو ثابت و قائم رکھے اور انبیاء سابقین کی طرح آپ کی مدد فرمائے۔

انی تفرست فیک الخیر نافلة فراسةً خالفت فیک الذی نظروا

میں نے آپ میں خیر اور بھلائی کو بیش از بیش محسوس کر لیا ہے اور میرا یہ احساس مشرکین کی نظر اور احساس کے برخلاف ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:۔

وانت فثبتک الله یاابن رواحه

اور تجھ کو بھی اے ابن رواحہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔

شرجیل کی فوج کا اجتماع

شرجیل کو جب اس لشکر کی روانگی کا علم ہوا تو ایک لاکھ سے زیادہ لشکر مسلمانوں کے مقابلہ

کے لئے جمع کیا۔ اور ایک لاکھ فوج لے کر ہرقل خود شرجیل کی مدد کے لئے بلقاء میں پہنچا۔

حضرت ابن رواحہؓ کا اپنے ساتھیوں سے خطاب

معان پہنچ کر مسلمانوں کو اس کا علم ہوا کہ دو لاکھ سے زیادہ سپاہیوں کا لشکر جرار ہم تین ہزار مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مقام بلقاء میں جمع ہوا ہے۔ مسلمانوں کا لشکر دو شب معان میں ٹھہرا اور مشورہ ہوتا رہا کہ کیا کرنا چاہئے۔ رائے یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی جائے اور آپ کے حکم اور امداد کا انتظار کیا جائے۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

اے قوم خدا کی قسم جس بات کو تم مکروہ سمجھ رہے ہو وہی شہادت ہے جس کی تلاش میں تم نکلے ہو ہم کافروں سے کسی قوت اور کثرت کی وجہ سے نہیں لڑتے۔ ہمارا لڑنا تو محض اس دین اسلام کی وجہ سے ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو عزت بخشی۔ پس اٹھو اور چلو دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ضرور حاصل ہوگی یا تو کفار پر غلبہ حاصل ہوگا یا شہادت کی نعمت نصیب ہوگی۔ لوگوں نے کہا خدا کی قسم ابن رواحہ نے بالکل سچ کہا۔

آغاز جنگ اور حضرت زیدؓ کی شہادت

خدا کے پرستاروں اور جانبازوں کی یہ تین ہزار جمعیت اعداء اللہ کے دو لاکھ لشکر جرار کے مقابلہ کے لئے موتہ کی طرف روانہ ہوئی۔ موتہ کے میدان میں دونوں جماعتیں مقابلہ کے لئے سامنے آئیں ادھر سے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاپیادہ روایت اسلام کا جھنڈا لے کر آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔

حضرت جعفرؓ کی شہادت

ان کے بعد حضرت جعفر علم ہاتھ میں لے کر آگے بڑھے جب دشمنوں نے ہر طرف سے گھیر لیا اور گھوڑا زخمی ہو گیا تو گھوڑے سے اتر آئے اور گھوڑے کے کوچے کاٹ کر سینہ سپر ہو کر اعداء اللہ سے لڑنا شروع کیا۔

گھوڑے کے کوچے اس لئے کاٹ ڈالے کہ اعداء اللہ اس سے منتفع نہ ہو سکیں۔ لڑتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے۔

یا حبذا الجنة و اقترابها　　　طیبةً و بارداً شرابها

جنت اوراس کا قرب کیا ہی پاکیزہ اور پسندیدہ ہے اور پانی اس کا نہایت ٹھنڈا ہے۔

والروم روم قددنا عذابها　　　کافرة بعیدة انسابها

اور رومیوں کا عذاب قریب آ گیا ہے کافر ہیں اوران کے نسب ہم سے بہت دور ہیں یعنی ہم میں سے نہیں ہیں۔

علی اذلاقیتها ضرابها مقابلہ کے وقت ان کا مارنا مجھ پر فرض اور لازم ہے۔

لڑتے لڑتے جب دایاں ہاتھ کٹ گیا تو اسلام کے جھنڈے کو بائیں ہاتھ سے سنبھالا۔ جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو جھنڈا گود میں لے لیا۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض میں ان کو دو باز و عطا فرمائے جن سے جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے پھرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ جب حضرت جعفر کی لاش کو تلاش کیا گیا تو نوے سے زیادہ تیر اور تلوار کے زخم تھے اور سب سامنے تھے۔ پشت کی جانب کوئی زخم نہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت

حضرت جعفر کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ نے علم ہاتھ میں لیا اور آگے بڑھے گھوڑے پر سوار تھے چند لمحوں کے لئے نفس کو کچھ تردد لاحق ہوا تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے یہ فرمایا۔

اقسمت یا نفس لتنزلنه　　　کارهةً او لتطاوعنه

اے نفس تجھ کو قسم ہے کہ تو ضرور گھوڑے سے اتر کر اعداء اللہ سے جہاد و قتال کرنا گواری سے اتر یا خوشی اور رغبت کے ساتھ۔ (کذا فی فتح الباری ص ۳۹۳ ج ۷)

ان اجلب الناس و شدوا الرنه　　مالی اراک تکرهین الجنة

اگر لوگ چیخ و پکار کر رہے ہیں تو کیا وجہ ہے تجھ کو دیکھ رہا ہوں کہ تو جنت کو ناپسند کر رہا ہے یعنی جلدی قدم کیوں نہیں بڑھاتا۔ پیش قدمی میں سستی کرنا گویا کہ جنت کو ناپسند کرتا ہے۔ یہ فقط نفس کی توبیخ اور الزام کے لئے کہا۔

قد طالما قد کنت مطمئنه　　　هل انت الا نطفة فی شنه

تو بسا اوقات مطمئن رہا ہے اس وقت تجھ کو کیا ہوا تیری حقیقت کیا ہے تو تو رحم مادر میں

ایک نطفہ ہی تھا اس بے حقیقت نطفہ کے لئے خدا کی راہ میں پس وپیش کر رہا ہے۔
اور یہ کہا

یانفس الا تقتلی تموتی هذا حمام الموت قدصلیت

اے نفس اگر تو قتل نہ ہوا تو مرے گا تو ضرور اور یہ ہے قضائے موت جس میں تجھ کو مبتلا ہونا ضروری ہے۔

وما تمنیت فقد اعطیت ان تفعلی فعلهما هدیت

جس چیز کی تو نے تمنا کی تھی وہ تجھ کو مل گئی یعنی شہادت فی سبیل اللہ کا موقع۔ اگر تو نے زید اور جعفر جیسا کام کیا تو ہدایت پائے گا۔

یہ کہہ کر گھوڑے سے اتر پڑے ان کے چچازاد بھائی نے آگے بڑھ کر ان کو ایک گوشت لگی ہوئی ہڈی دی کہ اس کو چوس لو تا کہ اس کی قوت سے کچھ لڑسکو۔ کئی دن تم پر فاقے کے گزر چکے ہیں۔ ابن رواحہ نے ہڈی لے لی اور اس کو ایک بار چوسا لیکن فوراً ہی پھینک دیا اور کہا اے نفس لوگ جہاد کر رہے ہیں اور تو دنیا میں مشغول ہے اور تلوار لے کر آگے بڑھے یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور جھنڈا ہاتھ سے گر گیا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کا ذمہ داری سنبھالنا

ثابت بن اخرم رضی اللہ عنہ نے فوراً جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے گروہ مسلمین اپنے میں سے کسی شخص کے امیر بنانے پر متفق ہو جاؤ۔ لوگوں نے کہا آپ ہی ہمارے امیر ہیں۔ ہم آپ کے امیر ہونے پر راضی ہیں۔ ثابتؓ نے فرمایا میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ اور یہ کہہ کر جھنڈا خالد بن ولید کو پکڑا دیا اور کہا کہ آپ جنگ سے خوب واقف ہیں۔ خالد بن ولید نے امارت قبول کرنے میں کچھ تامل کیا۔ لیکن تمام مسلمانوں نے ان کے امیر ہونے پر اتفاق کر لیا۔ خالد بن ولید جھنڈا اسلام لے کر آگے بڑھے اور نہایت شجاعت اور مردانگی سے اعداء اللہ کا مقابلہ کیا۔

صحیح بخاری میں خود خالد بن ولید سے روایت ہے کہ غزوۂ موتہ میں لڑتے لڑتے میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں صرف ایک یمنی تلوار میرے ہاتھ میں باقی رہی۔

حضرت خالدؓ کی حکمت عملی اور فتح

دوسرے روز خالد بن ولید نے لشکر کی ہیئت تبدیل کی۔ مقدمۃ الجیش کو ساقہ اور میمنہ کو میسرہ کر دیا دشمن لشکر کی ہیئت بدلی ہوئی دیکھ کر مرعوب ہو گئے اور یہ سمجھے کہ نئی مدد آ پہنچی۔

ابن سعد ابو عامر سے راوی ہیں کہ جب خالد بن ولید نے رومیوں پر حملہ کیا تو ان کو ایسی فاش شکست دی کہ میں نے ایسی شکست کبھی نہیں دیکھی۔ مسلمان جہاں چاہتے تھے وہیں اپنی تلوار رکھتے تھے۔

زہری اور عروۃ بن زبیر اور موسیٰ بن عقبہ اور عطاف بن خالد اور ابن عائذ سے بھی یہی منقول ہے۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ حتی فتح الله عليهم یہاں تک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔

حاکم کی روایت میں ہے کہ غنیمت میں کچھ سامان بھی ملا۔ رومیوں کی پسپائی کے بعد خالد بن ولید نے تعاقب مناسب نہ سمجھا اور اپنی قلیل جماعت کو لے کر مدینہ واپس آ گئے۔

شہداء کرام

اس غزوہ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱- زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲- جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳- عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۴- مسعود بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
۵- وہب بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۶- عباد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷- حارث بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۸- سراقہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۹- ابو کلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمرو بن زید ۱۰- جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمرو بن زید
۱۱- عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سعد بن حارث ۱۲- عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سعد بن حارث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حالات جنگ سے مطلع ہونا

جس روز اور جس وقت مقام موتہ میں غازیاں اسلام کی شہادت کا یہ حادثہ پیش آ رہا تھا تو حق جل شانہ نے سرزمین شام کو اپنی قدرت کاملہ سے آپ کے سامنے کر دیا کہ میدان کارزار آپ کی نظروں کے سامنے تھا۔ آپ کے اور شام کے درمیان تمام حجابات اٹھا دیئے

گئے آپ نے صحابہ کو جمع کرنے کے لئے الصلوٰۃ جامعۃ کی منادی کرادی صحابہ کرام جمع ہو گئے تو آپ ممبر پر تشریف فرما ہوئے۔ میدان کارزار آپ کی نظروں کے سامنے تھا۔ ارشاد فرمایا کہ زید نے رایت اسلام اپنے ہاتھ میں لیا اور کافروں سے خوب قتال کیا۔ یہاں تک کہ شہید ہوا اور جنت میں داخل ہوا۔ زید کے بعد جعفر نے رایت اسلام ہاتھ میں لیا اور اعداء اللہ سے خوب لڑا یہاں تک کہ شہید ہوا اور جنت میں داخل ہوا اور فرشتوں کے ساتھ جنت میں دو بازوؤں کے ساتھ اڑتا پھرتا ہے۔

اس کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے رایت اسلام سنبھالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما کر خاموش ہو گئے اور کچھ دیر تک سکوت کا عالم طاری تھا۔ انصار یہ دیکھ کر گھبرا گئے اور چہروں پر پریشانی کے آثار نمایاں ہونے لگے اور یہ خیال ہوا کہ شاید عبداللہ بن رواحہ سے کوئی ناپسندیدہ امر ظہور میں آیا ہے جس سے آپ خاموش ہیں۔

کچھ دیر سکوت کے بعد یہ فرمایا کہ عبداللہ بن رواحہ نے بھی کافروں سے خوب جہاد و قتال کیا۔ یہاں تک شہید ہوئے اور یہ تینوں جنت میں اٹھا لئے گئے اور تخت زریں پر متمکن ہیں۔ لیکن میں نے عبداللہ بن رواحہ کا تخت کچھ ہلتے ہوئے دیکھا کہ میں نے دریافت کیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ عبداللہ بن رواحہ کا تخت ہلتا ہوا دیکھتا ہوں تو مجھ کو یہ بتلایا گیا کہ عبداللہ بن رواحہ کو مقابلہ کے وقت کچھ تھوڑا سا تردد پیش آیا اور تھوڑی سی پس و پیش کے بعد آگے بڑھے اور زید اور جعفر بلا کسی تردد اور بلا کسی پس و پیش کے آگے بڑھے۔

آپ یہ کہہ رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

حضرت خالد کا لقب

پھر فرمایا کہ اب ان کے بعد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے یعنی خالد بن ولید نے اسلام کا جھنڈا سنبھالا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا۔

اللھم انہ سیف من سیوفک فانت تنصرہ فمن یومئذ سمی سیف اللہ

اے اللہ خالد تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے پس تو ہی اس کی مدد فرما بس اسی روز سے خالد بن ولید سیف اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب خالد بن ولید کو مرتدین کے قتال کے لئے مامور فرمایا اوران کوامارت کا جھنڈا دیا تو یہ فرمایا۔

''صدیق اکبر کہتے کہ تحقیق میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کیا ہی اچھا آدمی ہے اللہ کا بندہ اور قبیلہ کا بھائی خالد بن ولید۔ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو کافروں پر چلانے کیلئے سونتا ہے یعنی نیام سے نکالا ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ خالد بن ولید تو اللہ کی تلوار ہیں اور اس تلوار کا چلانے والا اور کافروں پر اس کا استعمال کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور ظاہر ہے کہ جس تلوار کو حق تعالیٰ چلائے اس تلوار سے کون بچ کر بھاگ سکتا ہے۔

حضرت جعفرؓ کے گھر والوں کو تسلی

یہ حادثہ بیان فرما کر آپ حضرت جعفر کے مکان پر تشریف لے گئے بچوں کو بلایا اوران کے سروں پر ہاتھ پھیرا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ حضرت جعفر کی بیوی اسماء بنت عمیس سمجھ گئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کیوں روئے کیا جعفر اوران کے رفقاء کے متعلق آپ کو کوئی اطلاع ملی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں آج وہ شہید ہو گئے۔ اسماء بنت عمیس فرماتی ہیں سنتے ہی میری چیخ نکل گئی اور عورتیں میرے پاس جمع ہو گئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا پکا کر بھیجو۔ آج وہ اپنے صدمہ میں مشغول ہیں اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس صدمہ کا بہت اثر تھا۔ اس غم میں تین دن تک مسجد میں تشریف فرما رہے۔

لشکر کی واپسی اور استقبال

حضرت خالد بن ولید جب لشکر اسلام کو لے کر موتہ سے واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے مدینہ سے باہر جا کر ان کا استقبال کیا۔

ذات السلاسل کی طرف عمرو بن العاصؓ کا سریہ

لشکر اسلام کی روانگی اور اس کا سبب

ماہ جمادی الثانیہ ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ قبیلہ بنی قضاعہ کی ایک جماعت مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اس لئے آپ نے ان کی سرکوبی کیلئے عمرو بن العاص کو مقام ذات السلاسل کی طرف روانہ کیا یہ مقام مدینہ منورہ سے دس منزل پر ہے تین سو آدمی اور تیس گھوڑے سوار ان کے ساتھ کئے۔

پیچھے سے کمک کا پہنچنا

جب اس مقام کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ کافروں کی جمعیت بہت زیادہ ہے اس لئے توقف کیا اور رافع بن مکیثؓ کو حضور پرنور کی خدمت میں روانہ کیا کہ مدد کے لئے کچھ اور آدمی بھیجیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدۃ بن الجراح کو دوسو آدمیوں کے ساتھ روانہ فرمایا جن میں ابوبکر وعمر بھی تھے اور یہ تاکید فرمائی کہ عمرو بن العاص سے جاملو اور آپس میں متفق رہنا اور باہم اختلاف نہ کرنا۔

حضرت ابوعبیدہؓ کا ایثار

جب حضرت ابوعبیدہ وہاں پہنچے اور نماز کا وقت آیا تو ابوعبیدہ نے امامت کرنی چاہی۔ عمرو بن العاص نے کہا کہ امیر لشکر تو میں ہوں اور تم تو میری مدد کے لئے آئے ہو ابوعبیدہ نے کہا تم اپنی جماعت کے امیر ہو اور میں اپنی جماعت کا امیر ہوں۔ بعدازاں ابوعبیدہ نے یہ کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چلتے وقت مجھ کو آخری حکم یہ دیا تھا کہ ایک دوسرے کی اطاعت کرنا اور اختلاف نہ کرنا۔ لہذا میں تمہاری اطاعت کروں گا اگرچہ تم میری مخالفت کرو۔ اس طرح ابوعبیدہ نے عمرو بن العاص کی امارت اور امامت کو تسلیم کرلیا۔ چنانچہ عمرو بن العاص امامت کرتے تھے اور ابوعبیدہ ان کی اقتداء کرتے تھے۔

حملہ اور فتح

بالآخر سب مل کر قبیلہ بنی قضاعہ میں پہنچے اور ان پر حملہ کیا۔ کفار مرعوب ہو کر بھاگ اٹھے اور منتشر ہو گئے۔ صحابہ نے عوف بن مالک اشجعی کو خبر دے کر مدینہ روانہ کیا۔ عمرو بن العاص نے غلبہ کے بعد کچھ روز وہاں قیام کیا اور مختلف جوانب میں سواروں کو بھیجتے رہے۔ وہ اونٹ اور بکریاں پکڑ کر لاتے اور مسلمان ان کو پکا کر کھاتے۔

ایک دلچسپ واقعہ

اسی سفر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عمرو بن العاص کو احتلام ہو گیا۔ سردی کی شدت تھی اس لئے عمرو بن العاص نے غسل نہ کیا اور تیمّم کر کے نماز صبح پڑھائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب اس واقعہ کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ اے عمرو تو نے اپنے اصحاب کو بحالت جنابت نماز پڑھائی۔ عمرو بن العاص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ کو اپنی جان کا خطرہ تھا اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیماً** حضور پر نور نے تبسم فرمایا اور کچھ نہ فرمایا۔

سریۂ ابوعبیدہ بسوئے سیف البحر

اس کے بعد ماہ رجب ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ بن الجراح کو تین سو آدمیوں پر امیر مقرر کر کے سیف البحر (ساحل بحر) کی طرف قبیلہ جہینہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اس لشکر میں عمر بن الخطاب اور جابر بن عبداللہ بھی تھے۔

دوران سفر کی تنگی

چلتے وقت توشہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تھیلہ کھجوروں کا مرحمت فرمایا جب وہ کھجوریں ختم ہو گئیں تو کھجوروں کی گٹھلیاں چوس چوس کر اور پانی پی پی کر جہاد کیا۔ اور جب یہ بھی نہ رہا تو درختوں کے پتے جھاڑ کر پانی میں تر کر کے کھانے لگے۔ اسی وجہ سے اس سریہ کو سریۃ الخبط بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ خبط کے معنی لغت میں درخت سے

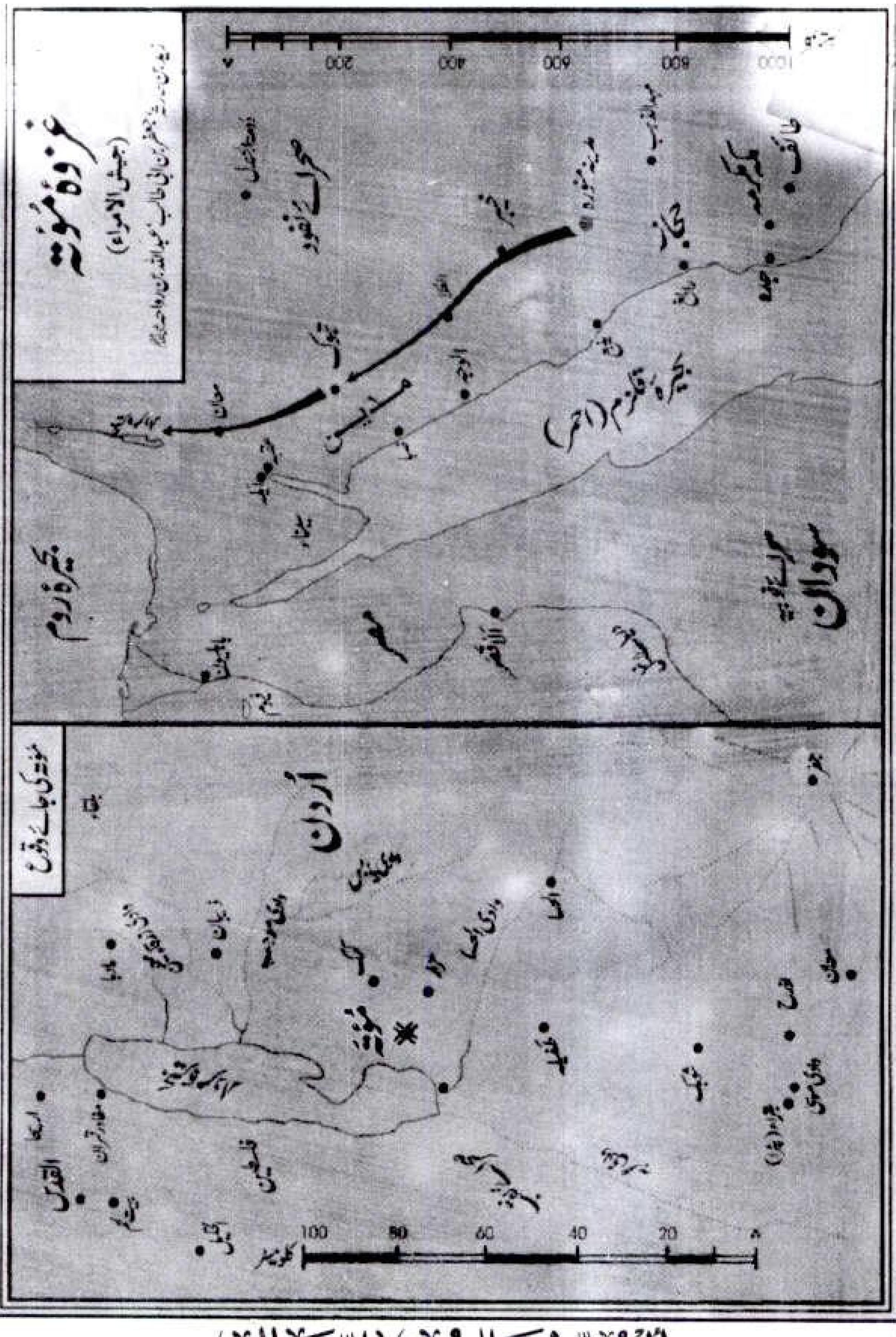
پتے جھاڑنے کے ہیں۔ درختوں کے پتے کھانے سے ہونٹ اور منہ زخمی ہو گئے۔

کرشمۂ الٰہی کا ظہور

بالآخر ایک روز دریا کے کنارہ پہنچے اور بھوک سے بے چین اور بے تاب تھے یکا یک ایک غیبی عنایت کا کرشمہ ظاہر ہوا کہ دریا نے اپنے اندر سے ایک اتنی بڑی مچھلی پھینکی جس سے تمام لشکر نے اٹھارہ دن تک کھایا صحابہ کہتے ہیں کہ اسے کھا کر ہمارے جسم توانا اور تندرست ہو گئے اس مچھلی کا نام عنبر تھا بعد ازاں ابوعبیدہ نے اس مچھلی کی پسلیوں سے ایک ہڈی لی اور اس کو کھڑا کیا اور لشکر میں سب سے لمبا آدمی چن کر سب سے بڑے اونٹ پر اس کو بٹھایا اور حکم دیا کہ اس ہڈی کے نیچے سے گزرو تو وہ سوار بلا تکلف اس کے نیچے سے گزر گیا۔ اور سوار کا سر بھی اس ہڈی سے نہ لگا۔

واپسی

جب ہم مدینہ واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے رزق تھا جو اس نے تمہارے لئے بھیجا تھا اگر اس میں سے کچھ گوشت باقی ہو تو لاؤ۔ چنانچہ اس کا گوشت آپ کے سامنے لایا گیا اور آپ نے اس میں سے تناول فرمایا اور اس سفر میں کسی قتال کی نوبت نہیں آئی۔ لشکر اسلام بلا کسی قتال کے مدینہ واپس ہوا۔



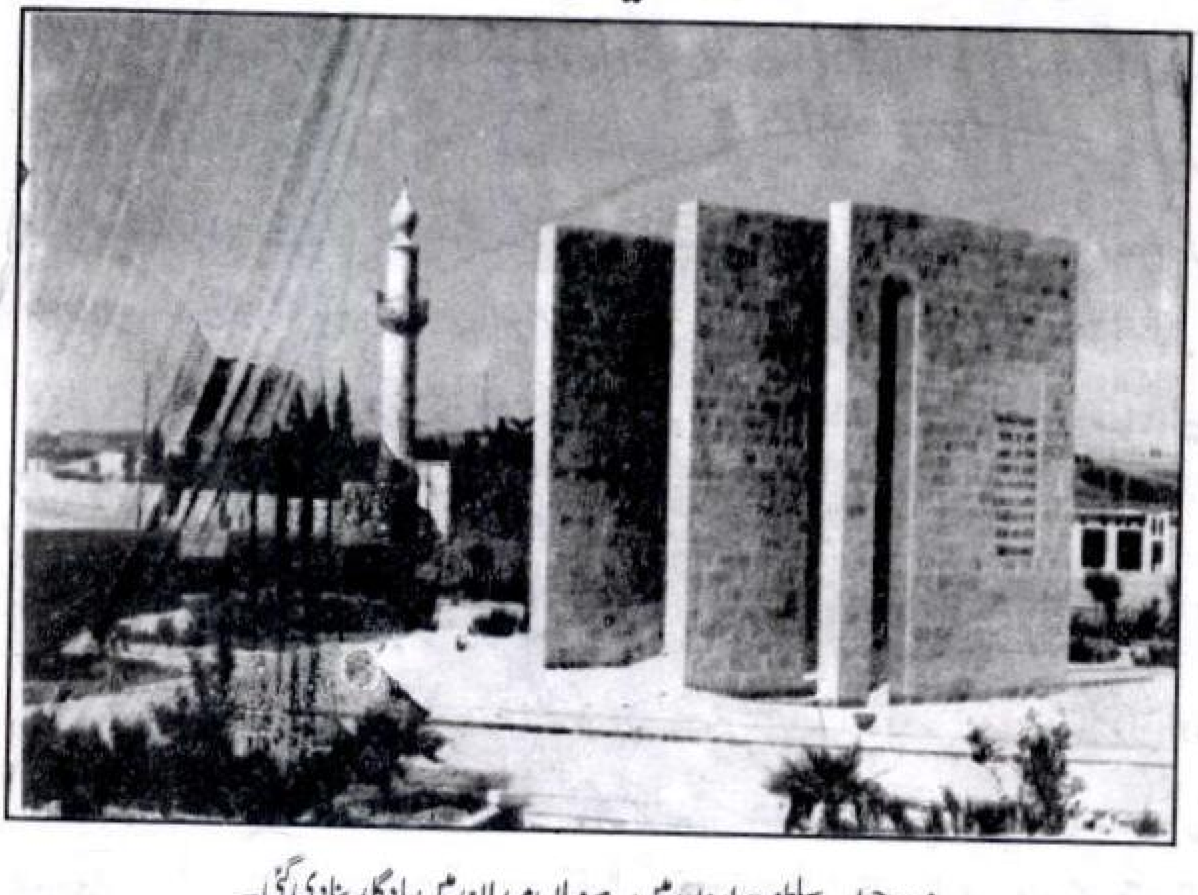
الحمد للہ علی کل حال

وصلی اللہ علی محمد وعلی اھل بیتہ

جو شخص چھینک آنے پر یہ درود شریف پڑھے گا تو منجانب اللہ ایک پرندہ پیدا ہوگا جو عرش کے نیچے پھڑ پھڑائے گا اور عرض کرے گا کہ اس درود شریف کے پڑھنے والے کو بخش دیجئے۔ (زبدۃ الاصول)



موتہ کا میدان کارزار



موتہ جو اب سلطنت اردن میں ہے وہاں میدان میں یادگار بنادی گئی۔

امیر لشکر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کا مزار اس مسجد میں ہے جوان کے نام سے موسوم ہے

فتحِ مکّہ مُکرمہ

رمضان المبارک ۸ھ

قبیلہ بنوبکر و بنوخزاعہ کی عہدِ حدیبیہ میں شمولیت

جس وقت قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین حدیبیہ میں صلح ہوئی اور عہد نامہ لکھا گیا تو اس وقت دیگر قبائل کو اختیار دیا گیا کہ جس کے عہد اور عقد میں چاہیں شامل ہو جائیں۔ چنانچہ بنوبکر قریش کے عہد میں اور بنوخزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں شامل ہو گئے۔

بنوبکر و بنوخزاعہ کی دشمنی

ان دونوں قبیلوں میں زمانۂ جاہلیت سے ان بن چلی آتی تھی۔ جس کا سبب یہ تھا کہ مالک بن عباد حضرمی ایک مرتبہ مال تجارت لے کر خزاعہ کی سرزمین میں داخل ہوا۔ خزاعہ کے لوگوں نے اس کو قتل کر ڈالا اور اس کا تمام مال واسباب لوٹ لیا۔ بنوبکر نے موقع پا کر حضرمی کے معاوضہ میں بنوخزاعہ کے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا۔ قبیلہ خزاعہ نے اپنے ایک آدمی کے معاوضہ میں بنوبکر کے تین سرداروں ذہیب اور سلمی اور کلثوم کو میدان عرفات میں حدود حرم کے قریب قتل کر ڈالا۔

زمانہ جاہلیت سے زمانہ بعثت تک یہی سلسلہ رہا۔ ظہور اسلام کے بعد اسلامی معاملات میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے یہ سلسلہ رک گیا۔

بنوبکر کا بنوخزاعہ پر شب خون مارنا

حدیبیہ میں ایک میعادی صلح ہو جانے کی وجہ سے فریقین ایک دوسرے سے مامون اور بے خوف ہو گئے بنوبکر نے اپنی دشمنی نکالنے کا موقعہ غنیمت سمجھا۔ چنانچہ بنوبکر میں سے نوفل بن معاویہ دیلی نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مل کر خزاعہ پر شب خون مارا۔ رات کا وقت تھا خزاعہ کے لوگ پانی کے ایک چشمہ پر سو رہے تھے جس ساتھ مل کر کا نام وتیر تھا۔

قریش کا بنوبکر کی امداد کرنا

قریش میں سے صفوان بن امیہ اور شیبۃ بن عثمان اور سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزی اور مکرز بن حفص نے پوشیدہ طور پر بنوبکر کی امداد کی۔ خزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی۔ مگران کو بھی قتل سے پناہ نہ ملی۔

قریش نے بنوبکر کی ہر طرح سے امداد کی ہتھیار بھی دیئے اور لڑنے کے لئے آدمی بھی۔ خزاعہ کے لوگ مکہ میں بدیل بن ورقاء خزاعی کے مکان میں گھس گئے۔ مگر بنوبکر اور رؤسا قریش نے گھروں میں گھس کر ان کو مارا اور لوٹا اور یہ سمجھتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع نہ ہوگی۔

قریشیوں کو عہد شکنی کا احساس

جب صبح ہوئی تو قریش کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور یہ سمجھ گئے کہ ہم نے عہد شکنی کی اور جو معاہدہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں کیا تھا اس کو ہم نے اپنی غلطی سے توڑ ڈالا۔

بارگاہ نبویؐ میں بنوخزاعہ کا استغاثہ

عمرو بن سالم خزاعی چالیس آدمیوں کا ایک وفد لے کر مدینہ منورہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے کھڑے ہوکر یہ عرض کیا۔

یا رب انی ناشد محمدا　　　　حلت ابینا و ابیه الاتلدا

اے پروردگار میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے باپ اور ان کے باپ عبدالمطلب کا قدیم عہد یاد دلانے آیا ہوں۔

زمانہ جاہلیت میں خزاعہ حضرت مطلب کے حلیف تھے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح ہم آپ کے حلیف ہیں اسی طرح ہمارے باپ دادا آپ کے باپ دادا کے حلیف تھے۔

ان قریشاً اخلفوک الموعدا　　ونقضوا میثاقک المؤکدا

تحقیق قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی اور آپ کے پختہ عہد اور پیمان کو توڑ ڈالا۔

هم بیتونا بالوتیر هجدا　　　　وقتلونا رکعاً و سجداً

ان لوگوں نے چشمہ وتیر پر سوتے ہوئے ہم پر شب خون مارا اور رکوع اور سجود کی حالت میں ہم کو قتل کیا۔ (ان میں سے بعض مسلمان بھی تھے ورنہ وہ خود مسلمان نہ تھے)

وجعلوا لی فی کداء رصداً وزعموا ان لست ادعوا احدا

اور مقام کداء میں آدمیوں کو ہماری گھات میں بٹھلا دیا اور ان کا گمان یہ تھا کہ میں کسی کو اپنی مدد کے لئے نہ بلاؤں گا۔

وھم اذل و اقل عدداً اور وہ سب ذلیل ہیں اور شمار میں بھی بہت کم ہیں۔

ووالداً کنا وکنت الولدا ثمت اسلمنا ولم ننزع یدا

اور ہم بمنزلہ باپ کے ہیں اور آپ بمنزلہ اولاد کے اس لئے کہ عبد مناف کی ماں قبیلہ خزاعہ کی تھی اور اسی طرح قصی کی ماں فاطمہ بنت سعد بھی قبیلہ خزاعہ کی تھی۔ اس تعلق کی بناء پر ہماری نصرت اور مدد آپ پر لازم ہے اور اس کے علاوہ ہم ہمیشہ آپ کے مطیع اور فرمانبردار رہے کبھی آپ کی اطاعت سے دستکش نہیں ہوئے اس لئے آپ سے امید ہے کہ اپنے جان نثاروں اور وفا شعاروں کی مدد فرمائیں گے۔

فانصر ایدک اللہ نصراً اعتدا وادع عباداللہ یأتوا مدداً

پس ہماری فوری مدد فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تائید فرمائے اور اللہ کے خاص بندوں یعنی اپنے صحابہ کو حکم دیجئے وہ ضرور ہماری مدد کو آئیں گے اور ایک نسخہ میں ہے۔

فانصر رسول اللہ نصرا اعتدا اے اللہ کے رسول ہماری فوری مدد فرمایئے۔

فیھم رسول اللہ قدتجردا ان سیم خسفاً وجھہ' تربدا

اور جب رسول اللہ کا لشکر ہماری مدد کو آئے تو اس میں اللہ کا رسول ضرور ہو جو ظالموں سے جنگ کے لئے تیار ہو۔ یعنی فقط سریہ بھیجنے پر اکتفا نہ فرمائیں۔ بلکہ اس لشکر کے ساتھ خود بھی بنفس نفیس تشرف لائیں اور اگر وہ ظالم آپ کو کوئی ذلت پہنچانا چاہیں تو آپ کا چہرۂ مبارک غیرت وحمیت سے تمتمانے لگے۔

فی فیلق کالبحر یجری مزبدا

اور ایسے لشکر کو ساتھ لے کر آئے کہ جو دریا کی طرح جھاگ مارتا ہو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امداد کا یقین دلانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعات سن کر ارشاد فرمایا یا عمرو بن سالم اور ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ فرمایا نہ مدد کیا جاؤں میں۔ اگر میں تیری مدد نہ کروں بعد ازاں یہ دریافت فرمایا کہ کیا کل بنوبکر اس میں شریک تھے۔ عمرو بن سالم نے کہا سب نہیں بلکہ بنوبکر میں سے صرف بنونفاثہ اور ان کا سردار نوفل اس میں شریک تھا۔ آپ نے ان کی اعانت اور امداد کا وعدہ فرمایا۔ اس کے بعد یہ وفد واپس ہو گیا۔

قریش کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام بھیجنا

آپ نے ایک قاصد قریش مکہ کے پاس روانہ کیا کہ ان کو یہ پیام پہنچادے کہ تین باتوں سے ایک بات اختیار کر لیں۔

(۱) مقتولین خزاعہ کی دیت دے دی جائے۔

(۲) یا بنونفاثہ کے عہد اور عقد سے علیحدہ ہو جائیں۔

(۳) یا معاہدۂ حدیبیہ کے فسخ کا اعلان کر دیں۔

قرطہ بن عمرو کا جواب

قاصد نے جب پیام پہنچایا تو قریش کی طرف سے قرطہ بن عمرو نے یہ جواب دیا کہ ہم نہ مقتولین خزاعہ کی دیت دیں گے اور نہ بنونفاثہ سے اپنے تعلقات کو منقطع کریں گے۔ ہاں معاہدۂ حدیبیہ کے فسخ پر ہم راضی ہیں۔

تجدید معاہدہ کے لئے ابوسفیان کا مدینہ روانہ ہونا

لیکن قاصد روانہ ہونے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی اور فوراً ہی ابوسفیان کو معاہدہ کی تجدید اور صلح کی مدت بڑھانے کے لئے مدینہ روانہ کیا۔

ابوسفیان تجدید صلح کے لئے مکہ سے مدینہ روانہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خبر دی کہ ابوسفیان مکہ سے مدت صلح کو بڑھانے اور عہد کو مضبوط کرنے کے لئے آ رہا

ہے۔ چنانچہ ابوسفیان مکہ سے روانہ ہوا اور مقام عسفان میں پہنچ کر ابوسفیان کی بدیل بن ورقاء خزاعی سے ملاقات ہوئی۔ ابوسفیان نے بدیل سے دریافت کیا کہ کہاں سے آ رہا ہے۔ بدیل نے کہا میں اسی قریب کی وادی سے آ رہا ہوں۔ بدیل یہ کہہ کر مکہ کی طرف روانہ ہو گیا اس کے بعد ابوسفیان کو خیال آیا کہ بدیل ضرور مدینہ سے واپس آ رہا ہے۔ چنانچہ ابو سفیان نے اس جگہ کو جا کر دیکھا جہاں بدیل نے اونٹ بٹھلایا تھا۔ بدیل کی اونٹنی کی مینگنی کو توڑ کر دیکھا تو اس میں کھجور کی گٹھلی برآمد ہوئی۔ ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم بدیل ضرور مدینہ ہی سے آ رہا ہے اور یہ گٹھلی مدینہ ہی کی کھجور کی ہے۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کا اپنے والد سے مکالمہ

ابوسفیان مدینہ پہنچ کر اول اپنی بیٹی ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا ابو سفیان نے کہا اے بیٹی تو نے فرش کو لپیٹ دیا کیا فرش کو میرے قابل نہ سمجھا یا مجھے فرش کے قابل نہ سمجھا۔ ام حبیبہؓ نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے۔ اس پر ایک مشرک کہ جو شرک کی نجاست سے ملوث اور آلودہ ہو نہیں بیٹھ سکتا۔ ابوسفیان نے جھلا کر کہا اے بیٹی خدا کی قسم تو میرے بعد شر میں مبتلا ہو گئی۔ ام حبیبہؓ نے کہا۔ شر میں نہیں بلکہ کفر کی ظلمت سے نکل کر اسلام کے نور اور ہدایت کی روشنی میں داخل ہو گئی اور آپ سے تعجب ہے کہ آپ قریش کے سردار ہو کر پتھروں کو پوجتے ہیں کہ جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔

ابوسفیان کی درخواست کا قبول نہ ہونا اور نہ سفارش میسر آنا

ابوسفیان وہاں سے اٹھ کر مسجد میں آئے اور بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ میں قریش کی طرف سے تجدید معاہدہ اور مدت صلح کو بڑھانے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بارگاہ رسالت سے جب کوئی جواب نہ ملا تو ابوسفیان حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور ان سے سفارش کی درخواست کی۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا میں اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد حضرت عمر بن الخطاب کے پاس گیا اور ان سے سفارش کی درخواست کی۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے یہ فرمایا اللہ اکبر میں تیری سفارش کے لئے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ دنیا میں اگر کوئی ساتھ مجھ کو میسر نہ آئے تو میں تنہا جہاد کرنے کو تیار ہوں۔ یہ سنتے ہی چپ ہو کر حضرت علی کے پاس آیا اس وقت ان کے پاس ان کی بیوی فاطمۃ الزہراء اور حسن رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوسفیان نے حضرت علی سے مخاطب ہو کر کہا اے ابوالحسن آپ ہم سے قرابت میں سب سے قریب ہیں۔ ایک شدید ضرورت سے آیا ہوں یہ چاہتا ہوں کہ ناکام واپس نہ ہوں۔ لہذا آپ میری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش فرمایئے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں کچھ قصد فرمالیا ہے۔ لہذا اب کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہہ سکے ابوسفیان یہ سن کر حضرت فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ اس بچہ یعنی امام حسن کو یہ حکم دیں کہ وہ یہ پکار دے کہ میں نے قریش کو پناہ دی تو ہمیشہ کے لئے عرب کا سردار مان لیا جائے۔ حضرت فاطمہ نے فرمایا اول تو یہ کمسن ہے (یعنی پناہ دینا بڑوں کا کام ہے) دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف کون پناہ دے سکتا ہے۔

ابوسفیان کا ایک تدبیر کر کے واپس لوٹنا

ابوسفیان نے حضرت علی سے مخاطب ہو کر کہا معاملہ سخت ہو گیا آخر مجھ کو کوئی تدبیر بتلایئے۔ حضرت علی نے کہا اور تو کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ صرف اتنا خیال میں آتا ہے اگر اس کو تو اپنے لئے مفید اور کارآمد سمجھے تو کر گزر۔ وہ یہ کہ مسجد میں جا کر یہ پکار دے کہ میں معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید اور استحکام اور مدت صلح کو بڑھانے کے لئے آیا ہوں اور یہ کہہ کر تو اپنے شہر واپس چلا جا۔ چنانچہ ابوسفیان نے وہاں سے اٹھ کر مسجد میں آیا اور بآواز بلند پکار کر یہ کہا کہ میں عہد کی تجدید اور صلح کی مدت بڑھاتا ہوں اور یہ کہہ کر مکہ کو چل کھڑا ہوا۔

ابوسفیان کی ناکامی

حضرت ابوسفیان جب مکہ پہنچا اور سارا واقعہ بیان کیا تو قریش نے یہ کہا کہ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی تمہارے اس اعلان کو جائز رکھا ابوسفیان نے کہا نہیں۔ قریش نے کہا کہ محمد کی

بغیر رضامندی اور اجازت کے تم کیسے راضی اور مطمئن ہو گئے۔ محض لغو اور بیکار چیز لے کر آئے جس کا توڑنا ان پر کچھ دشوار نہیں اور خدا کی قسم علی نے تیرے ساتھ مسخرہ پن کیا۔ تو نہ صلح کی خبر لے کر آیا جس سے اطمینان ہوتا اور نہ جنگ کی خبر لایا کہ جس کی تیاری اور سامان کیا جاتا۔

صحابہ رض کو خفیہ تیاری کرنے کا حکم

حضرت ابوسفیان کی واپسی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو پوشیدہ طور پر مکہ کی تیاری سامان سفر اور آلات جنگ درست کرنے کا حکم دیا اور یہ تاکید فرمائی کہ اس کو پوشیدہ رکھا جائے اس کا اظہار و اعلان نہ کیا جائے اور آس پاس کے قبائل میں بھی کہلا بھیجا کہ تیار ہو جائیں۔

حضرت حاطب رض کا خط قریشیوں کے نام

صحیح بخاری میں ہے کہ اسی اثناء میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی تیاریاں فرما رہے ہیں اور مخفی طور پر ایک عورت کے ہاتھ اس خط کو مکہ روانہ کیا۔

خط پکڑا جانا

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی کے اس کی اطلاع دی آپ نے حضرت علی اور حضرت زبیر اور حضرت مقداد کو روانہ کیا کہ تم برابر چلے جاؤ یہاں تک کہ روضہ خاخ میں تم کو اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی اس کے ساتھ مشرکین مکہ کے نام حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خط ہے۔ وہ اس سے لے آؤ۔ چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں کہ روضۂ خاخ میں پہنچ کر ہم کو ایک عورت ملی اونٹ بٹھلا کر اس کی تلاشی لی کہیں خط نہ ملا۔ ہم نے کہا خدا کی قسم اللہ کا رسول کبھی غلط نہیں کہہ سکتا۔

ہم نے اس عورت سے کہا کہ بہتر ہو گا کہ تو وہ خط ہم کو دیدے ورنہ ہم برہنہ کر کے تیری تلاشی لیں گے۔ اس وقت اس عورت نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے خط نکال کر ہم کو دیا ہم وہ خط لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت حاطب رض سے جواب طلبی

آپ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو بلا کر دریافت فرمایا کہ کیا معاملہ ہے۔ حاطب نے عرض

کیا یا رسول اللہ آپ مؤاخذہ میں عجلت نہ فرمائیں۔ یارسول اللہ قریش سے میری قرابت نہیں فقط حلیفانہ تعلقات ہیں۔ میرے اہل وعیال آج کل مکہ میں ہیں جن کا کوئی حامی اور مددگار نہیں۔ بخلاف دوسرے مہاجرین کے کہ مکہ میں ان کی قرابتیں ہیں قرابتوں کی وجہ سے ان کے اہل وعیال محفوظ ہیں۔ اس لئے میں نے یہ چاہا کہ جب قریش سے میری کوئی قرابت نہیں تو ان کے ساتھ کوئی احسان کروں جس کے صلہ میں وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں۔ خدا کی قسم میں نے دین سے مرتد ہوکر اور اسلام کے بعد کفر سے راضی ہوکر ہرگز یہ کام نہیں کیا۔ میری غرض فقط وہی تھی جو میں نے عرض کی۔

حضرت حاطبؓ کے عذر کا قبول ہونا

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے سن کر یہ فرمایا۔

آگاہ ہوجاؤ یقیناً اس نے تم سے سچ بیان کیا۔

حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑادوں آپ نے فرمایا۔ تحقیق حاطب بدر میں حاضر ہوا ہے اور اے عمر تجھ کو کیا معلوم ہے شاید اللہ تعالیٰ نے نظر رحمت سے اہل بدر کو یہ فرمادیا ہو کہ جو چاہے کرو بلاشبہ میں نے تمہاری مغفرت کردی ہے۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔

غزوۂ بدر میں شرکت کی فضیلت

بدر کی شرکت بظاہر ایک حسنہ ہے لیکن حقیقت میں ہزاروں اور لاکھوں حسنات کا اجمال اور عنوان ہے اور ایمان واحسان صدق اور اخلاص کی ایک سند ہے۔ لہذا اگر بدر میں شرکت کرنے والے صحابی سے بمقتضائے بشریت کوئی غلطی یا فروگذاشت ہوجائے تو وہ رضی اللّٰہ عنہم ورضوا عنہ اور اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان سے خارج نہیں ہوسکتا اس لئے کہ یہ اس علیم وخبیر کی خبر ہے کہ جس میں کذب کا امکان نہیں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم ہے انسے یہ فروگزاشت ہوگی مگر باوجود اس علم ازلی اور ابدی کے

پھر ان کو رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کے تمغہ سے سرفراز فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اس عظیم الشان حسنہ کے بعد ان سے کوئی ایسی غلطی نہ ہوگی جو ان کی اس نیکی کو محو کر سکے بلکہ یہ عظیم الشان حسنہ ہی آئندہ کی غلطی کا کفارہ بن جائے گی۔

خط کا متن اور اردو ترجمہ

حاطب بن ابی بلتعہ کے خط کا مضمون بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا منشاء عیاذ اًباللہ نفاق نہ تھا وہ خط یہ تھا۔

اما بعد یا معشر قریش فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جآء کم بجیش کاللیل یسیر کالسیل فواللہ لو جآء کم وحدہ لنصرہ اللہ وانجزلہ وعدہ فانظر والانفسکم والسلام

اے گروہ قریش۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے مانند تم پر ایک ہولناک لشکر لے کر آنے والے ہیں جو سیلاب کی طرح ہوگا۔ خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا لشکر کے خود تن تنہا بھی تشریف لے جائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی مدد فرمائے گا اور فتح ونصرت کا جو وعدہ خدا نے آپ سے کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا (یعنی آپ کی کامیابی لشکر پر موقوف نہیں) پس تم اپنے انجام کو سوچ لو۔ والسلام۔

واقدی کی روایت میں ہے کہ یہ خط سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ اور عکرمۃ بن ابی جہل کے نام تھا۔ یہ تینوں فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ عنہم

خط کے واقعہ پر آیات کا نزول

حق جل شانہ نے حضرت حاطب کے اس واقعہ میں سورۂ ممتحنہ نازل فرمائی یعنی یـٰآیھا الذین آمنوا لاتتخذوا عدوی وعدو کم اولیآء تلقون الیھم بالمودۃ جس میں حق جل شانہ نے کافروں سے دوستانہ تعلقات کے احکام بیان فرمائے اس سورت کی تفسیر کو دیکھ لیا جائے۔

فتح مکہ کے سفر پر روانگی

القصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دسویں رمضان المبارک دس ہزار قدسیوں کی جمعیت

ہمراہ لے کر بعد نماز عصر مدینہ منورہ سے فتح کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور ازواج مطہرات میں سے ام سلمہ اور میمونہ رضی اللہ عنہن ہمراہ تھیں۔

حضرت عباسؓ کی ہجرت

جب آپ مقام ذی الحلیفہ یا مقام جحفہ میں پہنچے تو حضرت عباس مع اہل وعیال مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے ملے۔ آپ کے ارشاد سے سامان تو مدینہ بھیج دیا اور خود آپ کے ساتھ لشکر اسلام میں شریک ہو کر بغرض جہاد پھر مکہ مکرمہ واپس ہوئے۔ حضرت عباس اسلام تو پہلے ہی سے لا چکے تھے۔ مگر قریش سے اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے اور یہ فرمایا اے عباس یہ تمہاری ہجرت آخری ہجرت ہے جیسے میری نبوت آخری نبوت ہے اور حضرت عباس کا مکہ میں قیام آپ کے حکم سے تھا کہ مکہ ہی میں رہیں اور قریش کی خبریں آپ کو پہنچاتے رہیں۔

مسند ابی یعلی اور معجم طبرانی میں ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں عباس نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت چاہی آپ نے ان کو جواب لکھوایا کہ اے چچا آپ اپنی ہی جگہ قیام فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت کو ختم کرے گا جیسا کہ مجھ پر نبوت کو ختم کیا۔

ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن امیہ کا راستہ میں ملنا

اور مقام ابواء میں ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی امیہ بغرض اسلام مکہ سے مدینہ آتے ہوئے ملے۔ ہجرت کر کے مدینہ جارہے تھے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آپ کے چچا زاد بھائی ہونے کے علاوہ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا۔ نبوت سے پیشتر آپ کے دوست تھے کسی وقت آپ سے جدا نہ ہوتے تھے۔ نبوت اور بعثت کے بعد محبت دشمنی میں تبدیل ہو گئی اور آپ کی ہجو میں شعر بھی کہے جن کا حسان بن ثابتؓ نے جواب دیا۔ ابوسفیان بن حارث کے ساتھ ان کا بیٹا جعفر بھی تھا۔

اور عبداللہ بن ابی امیہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ یعنی آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ یہ بھی آپکے شدید مخالفوں میں سے تھے۔

خدمت اقدس میں حاضری اور اسلام

دونوں نے بارگاہ نبوی میں حاضری کی اجازت چاہی مگر چونکہ حضور پرنور کو ان دونوں سے

تکلیفیں بہت پہنچی تھیں اس لئے آپ نے ان سے اعراض فرمایا اور حاضری کی اجازت نہیں دی۔ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سفارش کی اور عرض کیا یا رسول اللہ ایک آپ کے چچا کا بیٹا ہے اور دوسرا آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے ان سے ملنے کی ضرورت نہیں۔ چچا کے بیٹے نے میری آبروریزی کی اور پھوپھی کا بیٹا وہی شخص ہے جس نے مکہ میں یہ کہا تھا کہ خدا کی قسم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لاؤں گا۔ یہاں تک تو سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائے اور میں بچشم خود تجھ کو دیکھ رہا ہوں اور پھر تو ایک دستاویز لے کر آسمان سے اترے اور چار فرشتے تیرے ساتھ ہوں اور یہ گواہی دیں کہ تجھ کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے پھر بھی میں تجھ پر ایمان نہ لاؤں گا۔

ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے مکارم اخلاق سے یہ امید ہے کہ آپ کے خوان نعمت سے آپ کا چچا زاد بھائی اور پھوپھی زاد بھائی۔ سب سے زیادہ محروم اور بدنصیب نہ رہے گا۔ جب آپ کا ترحم اور عفو عام ہے۔ تو پھر یہی کیوں محروم رہیں۔

ادھر ابوسفیان بن حارث نے یہ کہا کہ اگر آپ اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت نہ دیں گے تو میں اپنے بیٹے جعفر کو لے کر کسی صحرا میں نکل جاؤں گا اور وہیں بھوکا اور پیاسا مر جاؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین کی شفاعت اور ان دونوں کی اس درجہ شرمساری وندامت کو سن کر حاضری کی اجازت دی۔ حاضر ہوتے ہی دونوں مشرف باسلام ہوئے اور مسلمانوں کے ہمراہ مکہ روانہ ہوئے۔

ابوسفیان بن حارث کی معذرت

حافظ ابن عبدالبر اور محب طبری راوی ہیں کہ حضرت علیؓ نے ابوسفیان بن حارث کو یہ مشورہ دیا کہ آپ کے چہرۂ انور کے سامنے کھڑے ہو کر وہ کہیں جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام سے کہا تھا یعنی۔

تاللہ لقد اٰثرک اللہ علینا و ان کنا لخاطئین

قسم ہے اللہ کی بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور بلاشبہ ہم قصوروار ہیں۔

حضرت علی نے سامنے سے آنے کا مشورہ اس لئے دیا کہ چہرۂ انور کی حیا اور چشمہائے

شرمگیں آپ کے اور عتاب کے درمیان حائل بن جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور رحمت عالم اور حیاء مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ جواب نکلا۔

لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین

آج کے دن تم پر کوئی الزام اور ملامت نہیں اللہ تمہارا قصور معاف کرے وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

معذرت کی قبولیت

ابوسفیان کی معذرت قبول ہوئی اور حسب ارشاد نبوی **الاسلام یھدم ماکان قبلہ** اسلام کی کدال نے ابوسفیان بن حارث کے قلب کو کھود کر ایسا صاف کر دیا کہ اب اس میں آپ کی خاطر عاطر کی کدورت کا کوئی ریزہ باقی نہ چھوڑا اور ایمان واحسان اور اخلاص و ایقان کو کوٹ کوٹ کر ان کے دل میں ایسا بھر دیا کہ باہر سے کفر کا کوئی غبار اور ذرہ اڑ کر ان کے دل میں نہ پہنچ سکے اور اسی وقت سے اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کے لئے آپ کے ہمرکاب ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ ابوسفیان بن حارث نے حیاء کی وجہ سے مدۃ العمر آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے جنت کی شہادت دیتے تھے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

مقام کدید پر روزہ توڑنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے اس وقت آپ اور صحابہ روزہ سے تھے۔ مقام کدید میں پہنچ کر صحابہ کی مشقت کے خیال سے آپ نے روزہ افطار فرمایا صحابہ نے بھی آپ کی اقتداء میں روزہ توڑ دیا۔

اول تو سفر فی نفسہ تھکاوٹ اور مشقت ہے اور پھر وہ بھی جہاد کے لئے اور موسم گرما میں اس لئے افطار فرمایا کہ ایسی حالت میں اگر روزہ رکھا گیا تو کمزوری اور ناتوانی کی وجہ سے جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ ادا نہیں ہو سکے گا۔ اسی وجہ سے حدیث میں ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا بھلائی اور نیکی

نہیں۔ ہاں اگر سفر جہاد کا نہ ہو اور سفر میں کوئی خاص مشقت نہ ہو تو پھر روزہ رکھنا ہی افضل ہے۔

مقام مرالظہران پر قیام

مقام کدید سے چل کر عشاء کے وقت آپ مرالظہران میں پہنچے اور وہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور لشکر کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنے خیمہ کے سامنے آگ سلگائے۔ عرب کا قدیم دستور تھا کہ لشکروں میں آگ روشن کیا کرتے تھے۔ اسی کے موافق آپ نے یہ حکم دیا۔ قریش کو اپنی بدعہدی کی وجہ سے کھٹکا لگا ہوا تھا کہ نہ معلوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس وقت ہم پر چڑھائی کر بیٹھیں۔

ابوسفیان بن حرب وغیرہ کی گھبراہٹ

چنانچہ ابوسفیان بن حرب اور بدیل بن ورقاء اور حکیم خبر لینے کی غرض سے مکہ سے نکلے جب مرالظہران کے قریب پہنچے تو لشکر نظر آیا۔ گھبرا گئے۔ ابوسفیان نے کہا کہ یہ آگ کیسی ہے۔ بدیل نے کہا کہ یہ آگ قبیلہ خزاعہ کی ہے۔ ابوسفیان نے کہا خزاعہ کے پاس اتنا لشکر کہاں سے آیا وہ بہت قلیل ہیں۔

ابوسفیان وغیرہ کی گرفتاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چوکیداروں نے دیکھتے ہی ان لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ ان لوگوں نے چوکیداروں سے دریافت کیا تم میں یہ کون ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہم آپ کے اصحاب ہیں۔ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر گشت لگاتے ہوئے ادھر آ نکلے اور ابوسفیان کی آواز پہچان کر فرمایا۔ افسوس اے ابوسفیان یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر ہے۔ خدا کی قسم اگر تجھ پر فتح یاب ہو گئے تو تیری گردن اڑا دیں گے اور قریش کی اس میں بہتری ہے کہ آپ سے امن کے خواستگار ہو جائیں اور اطاعت قبول کر لیں۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں آواز سن کر اسی سمت میں ڈھونڈتا ہوا حضرت عباس تک پہنچا اور کہا اے ابوالفضل (حضرت عباس کی کنیت ہے) میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں پھر رہائی اور مخلصی کی کیا صورت ہے۔ عباسؓ نے کہا میرے پیچھے اس خچر پر سوار ہو جا۔ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر تجھ کو حاضر ہوتا ہوں تا کہ تیرے لئے امن حاصل کروں۔
عباسؓ اس کو اپنے ہمراہ لے کر لشکر اسلام دکھلاتے ہوئے روانہ ہوئے۔

حضرت عمرؓ کا ارادہ اور حضرت عباس کا ابوسفیان کو پناہ دینا

جب حضرت عمرؓ کی طرف سے گزرنے لگے تو حضرت عمر دیکھتے ہی پیچھے جھپٹے اور کہا کہ یہ ابوسفیان اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہے۔ الحمدللہ بغیر کسی عہد اور اقرار کے ہاتھ آ گیا ہے۔ حضرت عمر پیادہ پا تھے اور حضرت عباس ابوسفیان کو ہمراہ لئے ہوئے خچر پر سوار تھے۔ نہایت تیزی کے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچ گئے اور حضرت عمر پیچھے پیچھے تلوار سونتے ہوئے آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ ابوسفیان اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہے الحمدللہ بغیر کسی عہد اور پیمان کے آج ہاتھ آ گیا ہے۔ مجھ کو اجازت دیجئے کہ ابھی اس کی گردن اڑا دوں۔ عباسؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے اس کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے حضرت عمر تلوار لئے کھڑے ہیں اور بار بار وہی عرض کر رہے ہیں۔ ابوسفیان کے قتل کے لئے آپ کے اشارے کے منتظر ہیں۔ حضرت عباس نے جھلا کر کہا اے عمر ذرا ٹھہرو اگر یہ بنو عدی سے ہوتا تو تم اس کے قتل پر اس درجہ اصرار نہ کرتے چونکہ تم جانتے ہو کہ وہ بنی عبد مناف میں سے ہیں۔ اس لئے تم اس کے قتل پر اصرار کر رہے ہو۔ حضرت عمر نے کہا اے عباس خدا کی قسم تمہارا اسلام مجھے اپنے باپ خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا اور میرا باپ اگر اسلام لاتا تو مجھ کو اتنی مسرت نہ ہوتی جتنی کہ تمہارے اسلام سے ہوئی۔ اس لئے کہ میں خوب جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارا اسلام خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا۔ تمہاری نسبت میرا تو یہ خیال ہے تم جو چاہے سمجھو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے جاؤ۔ صبح کو میرے پاس لانا۔ ابوسفیان شب بھر حضرت عباس کے خیمہ میں رہے۔

حکیم بن حزام اور بدیل کا اسلام لا کر واپس لوٹ جانا

حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء اسی وقت بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر مشرف باسلام

ہوئے کچھ دیر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مکہ کے حالات دریافت فرماتے رہے۔ اسلام لانے کے بعد یہ دونوں مکہ واپس ہوگئے تا کہ اہل مکہ کو آپ کی آمد سے مطلع کریں۔

حضورؐ کا ابوسفیان سے شکوہ

صبح ہوتے ہی حضرت عباس ابوسفیان کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا افسوس اے ابوسفیان کیا وقت نہیں آ گیا کہ تو یقین کرے۔ **لآ الله الا الله** ۔اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(ابوسفیان) میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ نہایت ہی حلیم و کریم اور نہایت ہی صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ خدا کی قسم اگر اللہ کے سوا اور کوئی معبود ہوتا تو آج ہمارے کچھ کام آتا اور میں آپ کے مقابلہ میں اس سے مدد چاہتا۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) افسوس اے ابوسفیان کیا تیرے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ تو مجھ کو اللہ کا رسول جانے۔

ابوسفیان: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں بے شک آپ نہایت حلیم و کریم اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ ابھی تک مہربانی کر رہے ہیں کہ باوجود میری اس عداوت کے مجھ پر مہربانی ہے مجھے اسی میں ذرا تردد ہے آپ نبی ہیں یا نہیں۔

ابوسفیان کا مسلمان ہونا اور اس کی حوصلہ افزائی

بعد ازاں حضرت عباس کے سمجھانے سے ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ ابوسفیان کے مسلمان ہو جانے کے بعد حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ ابوسفیان سرداران مکہ سے ہے فخر کو پسند کرتا ہے لہذا آپ اس کے لئے کوئی ایسی شئ مقرر کر دیں جو اس کے لئے باعث عزت و شرف اور موجب امتیاز ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا اچھا اعلان کر دو کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو وہ مامون ہے۔ ابوسفیان نے کہا یا رسول اللہ میرے گھر میں سب آدمی کہاں سما سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اور جو شخص مسجد حرم میں داخل ہو جائے وہ بھی مامون ہے۔ ابوسفیان نے کہا یا رسول اللہ مسجد بھی کافی نہیں ہو سکتی۔ آپ نے فرمایا اچھا جو شخص اپنا دروازہ

بند کرلے وہ بھی مامون ہے' ابوسفیان نے کہاہاں اس میں بہت وسعت اور گنجائش ہے۔

لشکر اسلام کا معائنہ

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مرالظہر ان سے روانہ ہونے لگے تو حضرت عباس کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو لے کر پہاڑ پر کھڑے ہو جائیں تا کہ لشکر اسلام کو بخوبی دیکھ سکے۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے جب قبائل جوق در جوق گزرنے لگے تو ابوسفیان دنگ رہ گیا۔ اور یہ کہا تمہارے بھتیجے کا ملک بہت بڑا ہو گیا۔ حضرت عباس نے کہا یہ بادشاہت نہیں بلکہ نبوت ہے۔

جو قبیلہ سامنے سے گزرتا تھا ابوسفیان پوچھتا جاتا تھا کہ یہ کون سا قبیلہ ہے۔ سب سے پہلے خالد بن ولید ایک ہزار یا نوسو کے دستہ کو لے کر گزرے۔ بعد ازاں اور مختلف دستے گزرے تا آنکہ خیر میں کوکبہ نبوی ظاہری اور باطنی حال اور شکوہ کے ساتھ مہاجرین وانصار کے مسلح اور زرہ پوش گروہ کے جلو میں جلوہ افروز ہوا۔ مہاجرین کا علم حضرت زبیر کے ہاتھ میں تھا اور انصار کا علم سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا۔

ابوسفیان کی گھبراہٹ اور رحم کی اپیل

سعد بن عبادہ جب ادھر سے گزرے تو ابوسفیان کو دیکھ کر جوش آ گیا اور جوش میں یہ کہہ بیٹھے۔

آج کا دن لڑائی کا دن ہے آج کعبہ میں قتل وقتال حلال ہوگا۔

ابوسفیان نے گھبرا کر دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت عباس نے کہا یہ مہاجرین وانصار کا لشکر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں۔

سامنے سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو ابوسفیان نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپؐ نے سعد بن عبادہ کو اپنی قوم کے قتل کا حکم دیا ہے اور سعد کا قول نقل کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کو اللہ کا اور قرابتوں کا واسطہ دیتا ہوں نیکی اور صلہ رحمی میں آپ سب سے بڑھ کر ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

اے ابوسفیان آج کا دن مہربانی کا دن ہے جس میں اللہ قریش کو عزت بخشے گا۔

اور یہ حکم دیا کہ علم سعد بن عبادہ کے ہاتھ سے لے کر ان کے بیٹے قیس کو دیدیا جائے۔

ابوسفیان کا مکہ میں اسلام کی ترغیب دینا

بعدازاں ابوسفیان آپ سے رخصت ہوا اور جلدی کر کے مکہ واپس آ گیا اور بآواز بلند یہ اعلان کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لشکر کے ساتھ آ رہے ہیں۔ میری رائے میں کسی کو یہ طاقت نہیں کہ ان سے مقابلہ کر سکے۔ اسلام لے آؤ سلامت رہو گے۔ البتہ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے یا جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے اس کو بھی امن ہے یا جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے اور ہتھیار ڈال دے اس کو بھی امن ہے۔

ابوسفیان کی بیوی ہندہ

ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے ابوسفیان کی مونچھ پکڑ لی اور یہ کہا اے بنی کنانہ یہ بوڑھا فرتوت بیوقوف ہو گیا ہے۔ معلوم نہیں کیا کیا بک رہا ہے اور بہت گالیاں دیں۔ لوگ جمع ہو گئے ابوسفیان نے کہا اس وقت ان باتوں سے کچھ نہ ہو گا۔ اے لوگو تم اس عورت کے دھوکہ میں ہرگز نہ آنا۔

کوئی شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے اور جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے اس کو بھی امن۔ لوگوں نے کہا ارے کمبخت خدا تجھے ہلاک کرے تیرے گھر میں کتنے آدمی آ سکیں گے ابوسفیان نے کہا کہ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس کو بھی امن ہے۔

لوگوں کا امن کے لئے بھاگنا

ابوسفیان نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا کہ خیریت اسی میں ہے کہ تو اسلام لے آ ورنہ ماری جائے گی۔ جا اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ لوگ اس اعلان کو سنتے ہی بھاگے کوئی مسجد حرام کی طرف اور کوئی اپنے مکان کی طرف۔

حضورؐ کا مکہ میں داخل ہونا

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کداء کی جانب سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور مکہ میں داخل ہوتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۃ اللہ کے ادب اور احترام کو غایت درجہ

ملحوظ رکھا۔ تواضع کے ساتھ سر جھکائے ہوئے داخل ہوئے۔ شاہانہ شان سے داخل نہیں ہوئے۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ناقہ پر سوار ہیں اور خوش الحانی کے ساتھ سورۂ انا فتحنا پڑھ رہے ہیں۔

اس عظیم الشان فتح کے وقت مسرت اور نشاط فرحت اور انبساط کے آثار کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں تخشع اور تضرع تذلل اور تمسکن کے آثار بھی چہرۂ انور پر نمایاں ہو رہے تھے۔ ناقہ پر سوار تھے تواضع سے گردن اس قدر جھکی ہوئی تھی کہ ریش مبارک کجاوہ کی لکڑی سے مس کر رہی تھی۔

اور آپ کے خادم اور خادم زادہ اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کے ردیف تھے۔

دیگر دستوں کا مکہ میں داخلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام کداء میں سے گزرتے ہوئے بالائی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے اور خالد بن ولید کو اسفل مکہ مقام کدیٰ سے داخل ہونے کا اور زبیر کو اعلیٰ مکہ یعنی مقام کداء میں سے داخل ہونے کا حکم دیا اور یہ تاکید فرمادی کہ تم خود قتال کی ابتداء نہ کرنا جو شخص تم سے تعرض کرے صرف اس سے لڑنا۔ بعدازاں آپ نہایت ادب واحترام کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔

نماز فتح

جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو اول ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے اور غسل کر کے آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔

اس نماز کو صلاۃ الفتح کہتے ہیں اور امراء اسلام کا یہ طریق رہا ہے کہ جب کسی شہر کو فتح کرتے تھے تو فتح کے شکریہ میں آٹھ رکعت نماز پڑھتے تھے۔

ام ہانی کے دو رشتہ داروں کو امن

ام ہانی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میرے شوہر کے دو رشتہ دار بھاگ کر میرے گھر میں آ گئے ہیں جن کو میں نے پناہ دی اور میرا بھائی علی ان کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا جس کو ام ہانی نے پناہ دی اس کو ہم نے بھی پناہ دی۔ علی کو چاہیے کہ ان دو آدمیوں کو نہ مارے۔

شعب ابی طالب میں قیام

نماز سے فارغ ہو کر شعب ابی طالب میں تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کا خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ صحابہ نے مکہ میں داخل ہونے سے ایک روز پہلے ہی آپ سے دریافت کرلیا تھا کہ آپ مکہ میں کہاں قیام فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا جہاں قریش اور کنانہ نے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو محصور کیا تھا۔ اور آپس میں یہ عہد اور حلف کیا تھا کہ بنی ہاشم اور بنی المطلب سے خرید وفروخت شادی اور بیاہ کے تمام تعلقات قطع کر دیئے جائیں جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالہ نہ کر دیں۔ شعب ابی طالب اسی مقام کا نام ہے۔

حضرت خالدؓ بن ولید کا اوباشوں سے مقابلہ

صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر یہ فرمایا کہ قریش نے کچھ اوباش تمہارے مقابلہ کے لئے جمع کئے ہیں وہ اگر مقابلہ پر آئیں تو ان کو کھیتی کی طرح کاٹ کر رکھ دینا۔

صفوان بن امیہ اور عکرمۃ بن ابی جہل اور سہل بن عمرو نے مقام خندمہ میں مقابلہ کے ارادہ سے کچھ اوباشوں کو جمع کیا۔ خالد بن ولید سے مقابلہ ہوا مسلمانوں میں سے دو شخص شہید ہوئے۔ خنیس بن خالد بن ربیعہ اور کرز بن جابر فہری اور مشرکین میں کے بارہ یا تیرہ آدمی مارے گئے۔ باقی سب بھاگ اٹھے۔

شر پسندوں کی شکست اور امن کا قیام

اور مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ہے کہ خالد بن ولید جب اسفل مکہ سے داخل ہوئے تو بنو بکر اور بنو حارث بن عبد مناۃ اور کچھ لوگ قبیلہ ہذیل اور کچھ اوباش قریش مقابلہ کے لئے جمع تھے۔ حضرت خالد کے پہنچتے ہی ان لوگوں نے ہلہ بول دیا۔ خالد بن ولید نے جب ان کا مقابلہ کیا تو تاب نہ لائے اور شکست کھا کر بھاگے۔ بنو بکر میں کے تقریباً بیس آدمی اور ہذیل کے تین یا چار آدمی قتل ہوئے۔ باقی ماندہ اشخاص میں بھگی پڑ گئی۔ کوئی مکان میں جا کر چھپا اور کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا ابوسفیان نے چلا کر کہا جو شخص اپنا دروازہ بند کرلے وہ امن سے ہے

اور جو شخص اپنا ہاتھ روک لے وہ امن سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر تلواروں کی چمک پر پڑی تو خالد بن ولید کو بلا کر دریافت فرمایا کہ یہ کیا ماجرا ہے میں نے تم کو قتال سے منع کیا تھا۔ خالد نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ابتدا بالقتال نہیں کی۔ میں نے برابر اپنا ہاتھ روکے رکھا۔ جب میں مجبور ہو گیا اور تلواریں ہم پر چلنے لگیں اس وقت مقابلہ کیا۔ آپ نے فرمایا (قضا اللہ خیر) اللہ تعالیٰ نے جو مقدور کیا اس میں خیر ہے۔

اس کے بعد امن قائم ہو گیا اور لوگوں کو امن دے دیا اور لوگ مطمئن ہوئے اور فتح مکمل ہو گئی۔

حرم اور خانہ کعبہ کی بتوں سے تطہیر

فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں داخل ہوئے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حرم محترم میں داخل ہوئے تو خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے آپ ایک ایک بت کی طرف چھڑی سے اشارہ کر کے یہ پڑھتے جاتے تھے۔ **جاء الحق وزهق الباطل** اور بت منہ کے بل اوندھے گر جاتے تھے۔

جب آپ حرم میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ ناقہ پر سوار تھے اسی حالت میں طواف فرمایا طواف سے فارغ ہو کر عثمان بن طلحہ کو بلا کر خانہ کعبہ کی کنجی لی اور بیت اللہ کو کھلوایا۔ دیکھا کہ اس میں تصویریں ہیں ان سب کے مٹانے کا حکم دیا جب تمام تصویریں مٹا دی گئیں اور آب زمزم سے ان کو دھو دیا گیا اس وقت آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔ اور بیت اللہ کے تمام گوشوں میں پھر کر توحید و تکبیر کی آوازوں سے اس کو منور کیا۔ اس وقت بلال اور اسامہ آپ کے ہمراہ تھے۔

بیت اللہ کے دروازے پر حضورؐ کا خطاب

فارغ ہو کر دروازہ کھولا اور باہر تشریف لائے دیکھا کہ مسجد حرام لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے۔ نیچے سب منتظر ہیں کہ مجرموں اور دشمنوں کے متعلق کیا حکم دیا جاتا ہے یہ رمضان المبارک کی بیسویں تاریخ تھی۔ باب کعبہ پر آپ کھڑے ہوئے اور چابی آپ کے ہاتھ

میں تھی اس وقت آپ نے یہ خطبہ دیا۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اپنے بندے کی مدد کی اور دشمنوں کی تمام جماعتوں کو اس نے تنہا شکست دی آ گاہ ہو جاؤ جو خصلت و عادت خواہ جانی ہو یا مالی ہو جس کا دعویٰ کیا جا سکے وہ سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ (سب لغو اور باطل ہیں) مگر بیت اللہ کی دربانی اور حاجیوں کو زمزم کا پانی پلانا یہ خصلتیں حسب دستور برقرار رہیں گی۔ آ گاہ ہو جاؤ جو شخص غلطی سے قتل کیا جائے کوڑے سے یا لاٹھی سے اس کی دیت (خون بہا) مغلظہ ہے سو اونٹ ہوں گے۔ جس میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی۔ اے گروہ قریش اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی نخوت اور غرور اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کو باطل کر دیا۔ سب لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو شاخوں اور خاندانوں پر تقسیم کیا تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو اور حقیقت میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس ہو۔ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔ پھر یہ ارشاد فرمایا اے گروہ قریش تمہارا میری نسبت کیا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا۔ لوگوں نے کہا بھلائی کا۔ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں آپ نے فرمایا میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا۔ تم پر آج کوئی عتاب اور ملامت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

حسب ونسب کے غرور کا خاتمہ اور مساوات کا اعلان

عرب میں جو حسب ونسب پر فخر کرنے کا دستور چلا آ رہا تھا۔ آپ نے اس خطبہ میں اس کا خاتمہ کر دیا۔ اور اسلامی مساوات کا جھنڈا نصب کر دیا اور یہ بتلا دیا کہ شرف اور بزرگی کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین بنا کر ہدایت عالم کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ آپ کا مقصود ہدایت تھا۔ دشمنوں سے انتقام لینا بادشاہوں کا کام ہے۔

کعبۃ اللہ کی چابی

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ مسجد میں بیٹھ گئے اور بیت اللہ کی کنجی آپ کے ہاتھ میں تھی۔

حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ یہ کنجی ہم کو عطا فرما دیجئے تا کہ زمزم کا پانی پلانے کے ساتھ بیت اللہ کی دربانی کا شرف بھی ہم کو حاصل ہو جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ان اللہ یامر کم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا (نساء' آیۃ :۵۸)

تحقیق اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں پہنچا دو امانت والوں کو۔

آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلا کر کنجی مرحمت فرمائی اور یہ فرمایا کہ یہ کنجی ہمیشہ کے لئے لے لو۔ (یعنی ہمیشہ تمہارے ہی خاندان میں رہے گی)

میں نے خود نہیں دی بلکہ اللہ نے تم کو دلائی ہے۔ سوائے ظالم اور غاصب کے کوئی تم سے نہ چھین سکے گا۔

بیت اللہ کی چھت پر ظہر کی اذان

ظہر کی نماز کا وقت آیا تو آپ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دیں۔ قریش مکہ دین حق کی فتح مبین کا یہ عجیب وغریب منظر پہاڑوں کی چوٹیوں سے دیکھ رہے تھے۔

اور جو سرداران قریش کفر وشرک کی ذلت اور دین برحق کی عزت کا یہ منظر نہ دیکھ سکے وہ روپوش ہو گئے۔ ابو سفیان اور عتاب و خالد پسران اسید اور حارث بن ہشام (جو بعد میں مسلمان ہو گئے) اور دیگر سرداران قریش صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب اور خالد نے کہا کہ اللہ نے ہمارے باپ کی بڑی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے ہی ان کو دنیا سے اٹھا لیا۔ حارث نے کہا خدا کی قسم اگر مجھ کو یہ یقین ہو جاتا کہ آپ حق پر ہیں تو ضرور آپ کا اتباع کرتا۔ ابو سفیان نے کہا میں کچھ نہیں کہتا۔ اگر میں نے کوئی لفظ اپنی زبان سے نکالا تو یہ سنگریزے آپ کو خبر دے دیں گے۔ آپ کو بذریعہ وحی کے اطلاع ہو گئی جب آپ ادھر سے گزرے تو ان لوگوں سے فرمایا کہ جو کچھ تم نے کہا مجھے اس کی اطلاع ہو گئی ہے اور انہوں نے جو گفتگو کی تھی وہ سب بیان فرما دی۔ حارث اور عتاب نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس لئے کہ ہم میں سے تو کسی نے آپ کو اس امر کی اطلاع نہیں دی۔ (معلوم ہوا کہ اللہ ہی نے بذریعہ وحی کے اپنے رسول کو ہماری ان باتوں کی خبر دی ہے)

مکہ کے گورنر کا تقرر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید کو مسلمان ہو جانے کے بعد مکہ کا والی مقرر فرمایا۔ عتاب کی عمر اس وقت اکیس سال تھی اور بطور روزینہ ایک درہم یومیہ مقرر فرمایا اس پر عتاب نے یہ کہا۔

اے لوگو اللہ اس شخص کے جگر کو بھوکا رکھے کہ جو ایک درہم میں بھی بھوکا رہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک برابر مکہ کے امیر رہے۔ صدیق اکبر جب خلیفہ ہوئے تو ان کو برقرار رکھا۔ جس دن صدیق اکبر کی وفات ہوئی اسی روز عتاب کی وفات ہوئی۔

حرم مکہ کے مؤذن کا تقرر

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جس وقت بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی تو ابو محذورہ جمحی اور چند نو جوان جوان کے ساتھ تھے بطور تمسخر اذان کی نقل اتارنے لگے۔

ابو محذورہ نہایت خوش الحان اور بلند آواز تھے ان کی آواز گوش مبارک میں پہنچ گئی حکم ہوا کہ حاضر کئے جائیں۔ دریافت فرمایا کہ تم میں سے وہ کون ہے کہ جس کی آواز میرے کان میں پہنچی ہے سب نے ابو محذورہ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے سب کے چھوڑ دینے اور ان کے روک لینے کا حکم دیا۔

ابو محذورہ آپ کے سامنے کھڑے ہوئے اور دل میں یہ گمان غالب ہے کہ میں قتل کیا جاؤں گا۔ آپ نے مجھ کو حکم دیا کہ اذان دو۔ بادل نخواستہ اذان دی۔ اذان کے بعد آپ نے تھیلی عطا کی۔ جس میں کچھ درہم تھے۔ اور سر اور پیشانی پر دست مبارک پھیرا اور سینہ اور جگر اور شکم پر ناف تک ہاتھ پھیرا اور یہ دعا دی بارک اللہ فیک و بارک اللہ علیک.

ابو محذورہ کہتے ہیں کہ دست مبارک کا پھیرنا تھا کہ آپ کی تمام نفرت یکلخت الفت سے تبدیل ہوگئی اور قلب آپ کی محبت سے لبریز ہو گیا۔ اب میں نے خود عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو مکہ کا موذن مقرر فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں نے تجھ کو مکہ کا مؤذن مقرر کیا۔ میں نے آ کر عتاب بن اسید امیر مکہ کو اس کی اطلاع دی۔ اور آپ کے حکم کے مطابق اذان دینے لگا۔

مدۃ العمر مکہ میں مقیم رہے اور اذان دیتے رہے۔ ۵۹ھ میں مکہ ہی میں وفات پائی۔

سہیلی فرماتے ہیں کہ ابو محذورہ جس وقت مؤذن مقرر ہوئے اس وقت ان کی عمر سولہ سال کی تھی۔ وفات تک مکہ کے مؤذن رہے۔ اور وفات کے بعد ان کی اولاد نسلاً بعد نسل ان کی اذان کی وارث ہوتی رہی۔

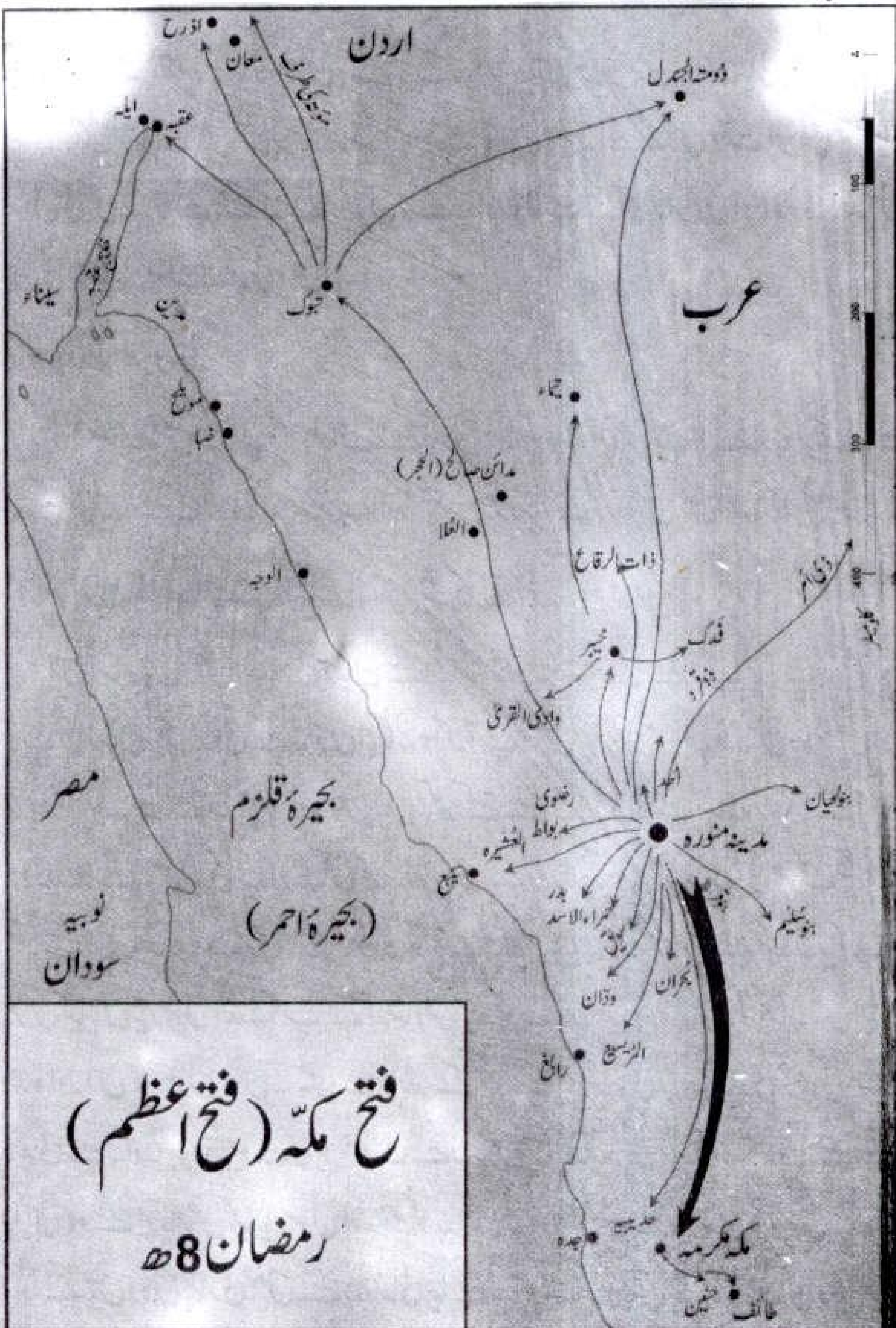
کوہ صفا پر دعا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طواف سے فارغ ہوکر کوہ صفا پر تشریف لائے اور دیر تک بیت اللہ کی طرف منہ کئے ہوئے دست بدعا اور مشغول حمد وثنا رہے۔ دامن میں انصار کا مجمع تھا۔

حضرات انصار کے ایک اندیشہ کا ازالہ

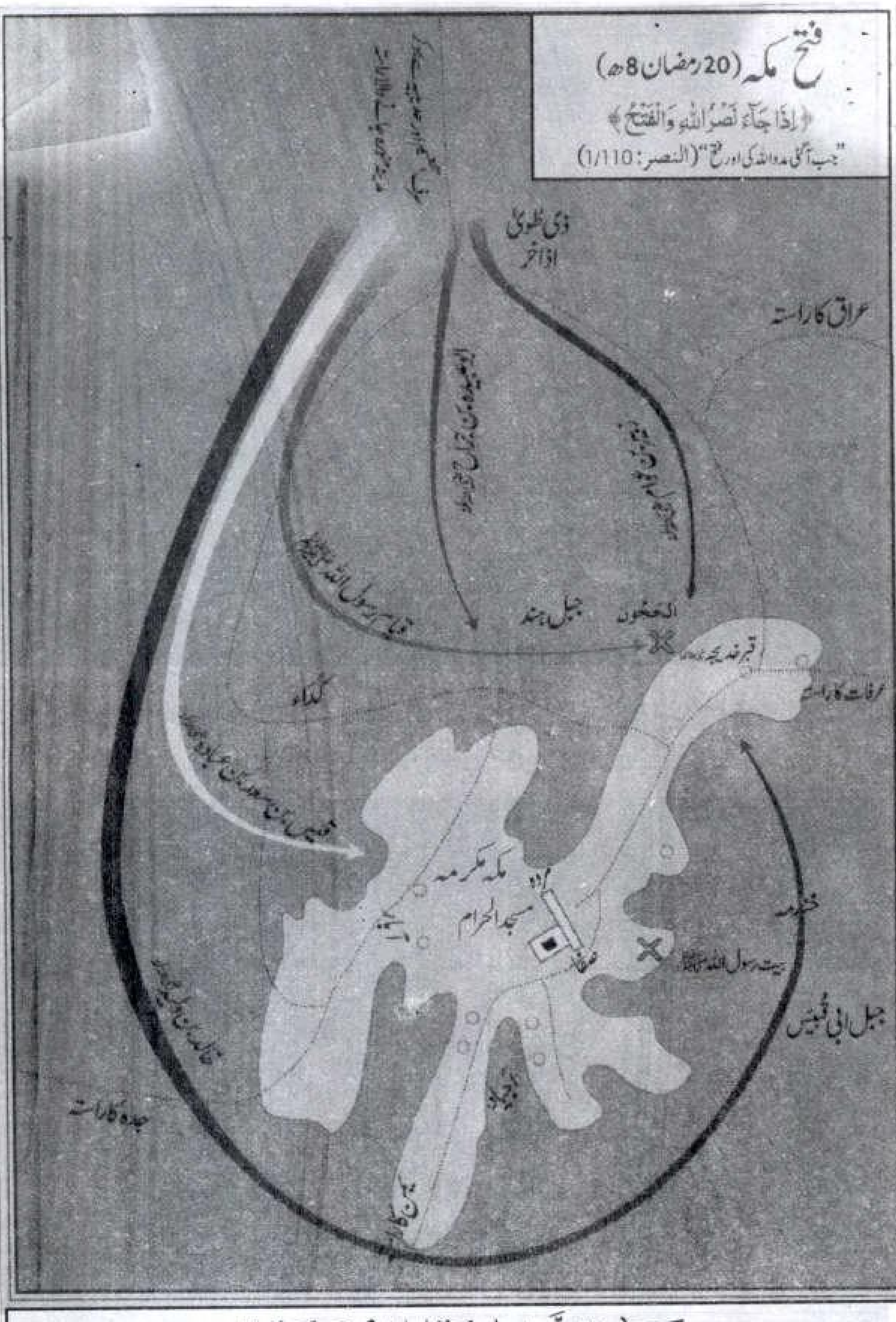
اسی اثناء میں بعض انصار کی زبان سے یہ لفظ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر آپ کا شہر اور آپ کی زمین فتح کردی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ یہیں ٹھہر جائیں اور مکہ میں رہ پڑیں اور مدینہ تشریف نہ لے جائیں اور آپس میں کچھ کہنے سننے لگے اسی وقت آپ پر وحی کے آثار نمودار ہوگئے۔ صحابہ کی یہ عادت تھی کہ نزول وحی کے دوران کوئی شخص آپ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ جب وحی نازل ہو چکی تو آپ نے فرمایا۔ اے گروہ انصار تم نے یہ کہا ہے عرض کیا ہاں یارسول اللہ۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ خوب سمجھ لو یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی ہے تمہاری زندگی میری زندگی ہے۔ اور تمہاری موت میری موت ہے۔ یہ سن کر انصار جاں نثار کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور عرض کیا یارسول اللہ ہم کو یہ اندیشہ ہوا کہ نصیب دشمناں جس شمع کے ہم پروانے ہیں وہ شمع ہماری محفل سے نہ اٹھالی جائے۔ ہم غلامان جاں نثار اور خادمان وفا شعار ہر قسم کے ایثار کے لئے تیار ہیں مگر اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں انتہائی بخیل ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا اللہ اور اس کا رسول تم کو معذور اور سچا سمجھتے ہیں۔



اللّٰھم صل علی محمد
کما ھو اھلہ و مستحقہ

جس شخص کو کوئی دشواری لاحق ہو اور وہ تنہائی میں باوضو یہ درود شریف ایک ہزار مرتبہ پڑھے اور ایک ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر دل سے دعا کرے تو ان شاء اللہ تعالیٰ دشواری دور ہوگی۔ (ذریعۃ الوصول)



صَلَّى اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَجَزَاہُ عَنَّا مَا ھُوَ اَھْلُہٗ

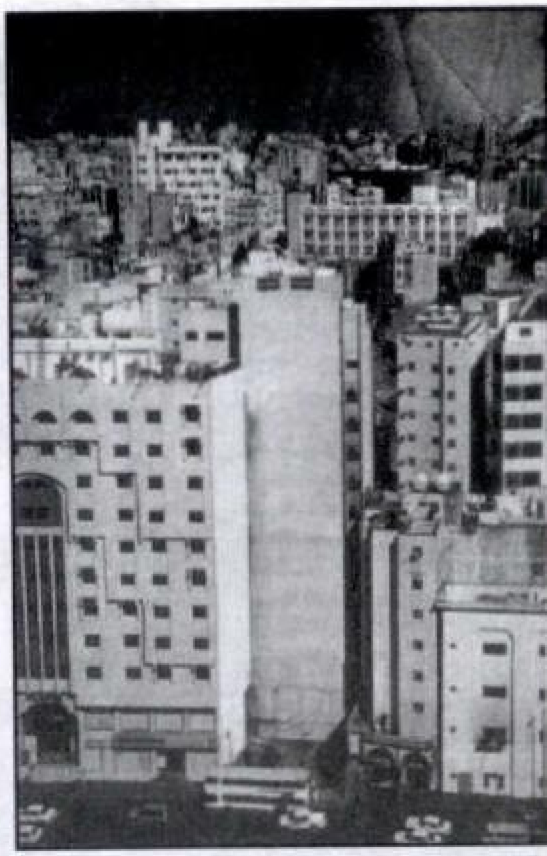
جو شخص یہ درود شریف پڑھے تو ایک ہزار دن تک ستر فرشتے اس کا
ثواب لکھتے رہیں گے۔ (ذریعۃ الوصول)



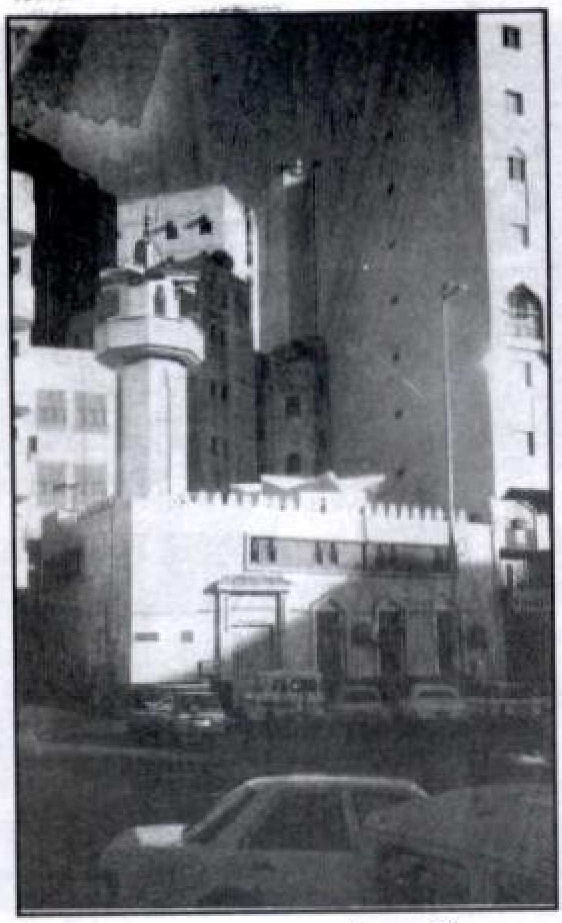
ذی طویٰ نامی مقام پر ایک کنواں جس کے گرد عمارتیں تعمیر ہوگئی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مقام سے مختلف دستوں کو مکہ مکرمہ کی مختلف سمتوں سے داخلے کیلئے روانہ فرمایا تھا



جبل کعبہ جس سے پتھر تراش کر قریش نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی



مکہ مکرمہ کی جدید آبادی کا ایک منظر۔ وہ شہر جسے رسول اللہؐ نے کمال تدبر سے فتح کیا

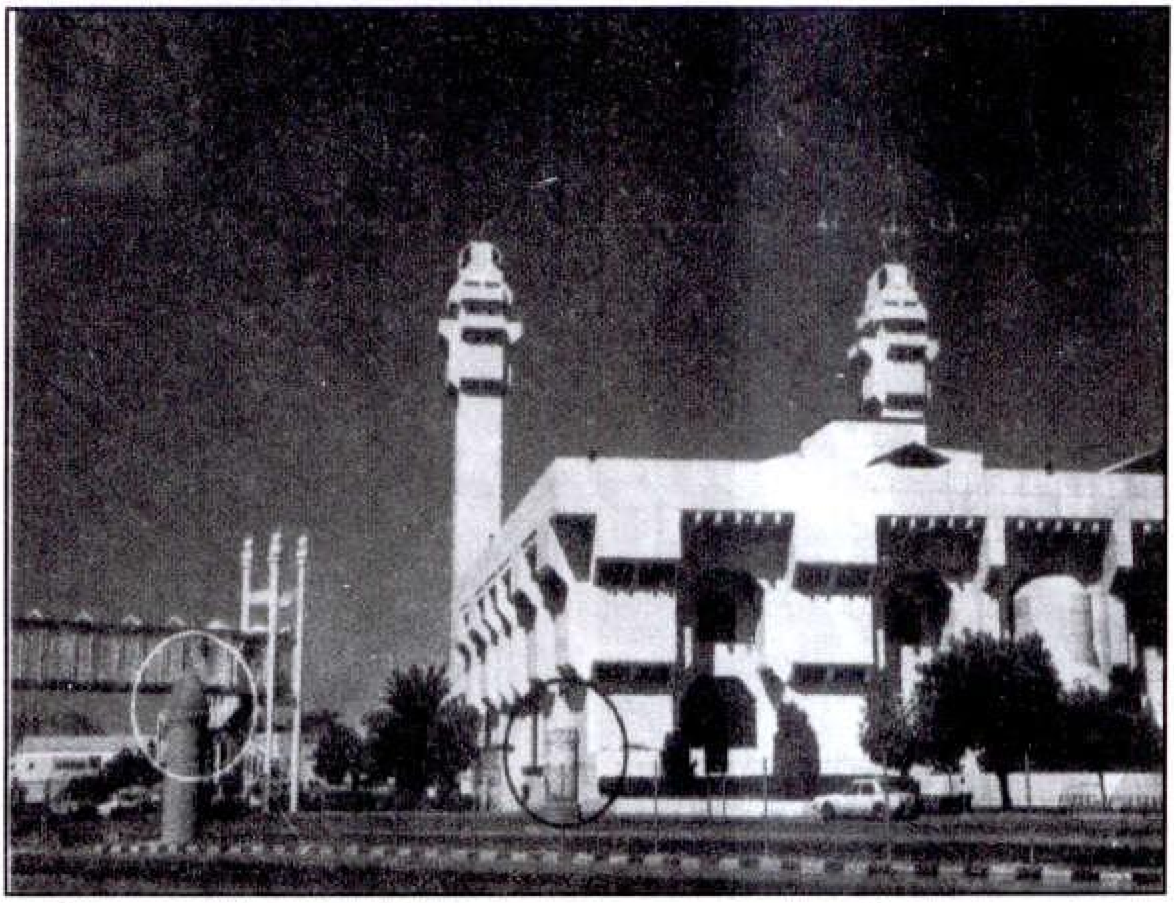


مسجد الرایہ: فتح مکہ کے موقع پر مسلمانوں کا جھنڈا یہاں نصب کیا گیا تھا۔

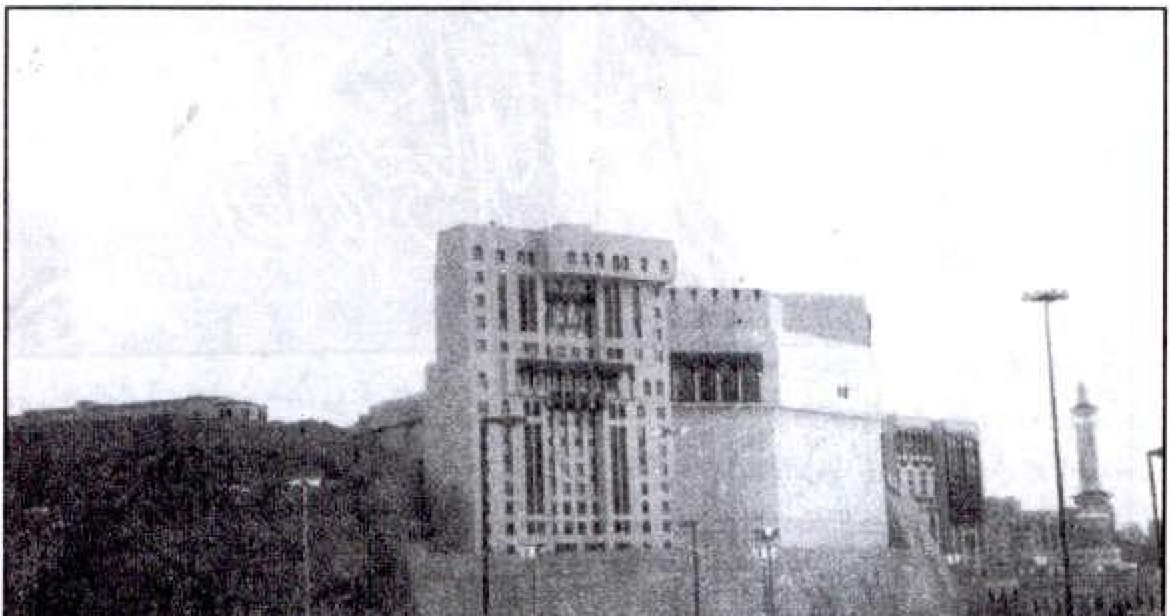


جبل نور جس میں وہ غار واقع ہے جہاں معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی





حدود حرم کے آغاز پر تنعیم نامی مقام سے قائم عائشہ کا محراب کی جانب سے ایک منظر



حرم مکی کے قریب جبل ابی قیس اور ساتھ بنے ہوئے شاہی محلات

لوگوں سے بیعت عام

دعا سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر بیٹھ گئے۔ لوگ بیعت کے لئے جمع ہو گئے۔ آپ اسلام پر اور خدا اور رسول کی اطاعت پر بیعت لینے لگے۔ مردوں سے فقط اسلام پر اور حسب استطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر بیعت لیتے اور بعض روایات میں ہے کہ مردوں سے اسلام اور جہاد پر بیعت لیتے۔

مردوں کی بیعت سے جب فراغت پائی تو عورتوں سے بیعت لینے لگے۔ عورتوں سے ان امور پر بیعت لی کہ جو بیعت سورۃ النساء کی آیت میں مذکور ہیں۔

یٰٓایھا النبی اذا جآءک المؤمنٰت یبایعنک علیٰٓ ان لا یشرکن باللّٰہ شیئًا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان یفترینہٗ بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن واستغفرلھن اللّٰہ ان اللّٰہ غفور رحیم

قریش کی جو عورتیں اس وقت بیعت کے لئے حاضر ہوئیں ان میں یہ چند نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۱) ام ہانی بنت ابی طالب یعنی حضرت علیؓ کی بہن۔

(۲) ام حبیبہ بنت عاص بن امیہ عمرو بن عبدود عامری کی بیوی

(۳) اروی بنت ابی العیص۔ یعنی عتاب بن اسید کی پھوپھی۔

(۴) عاتکہ بنت ابی العیس یعنی اروی کی بہن۔

(۵) ہندہ بنت عتبہ زوجۂ ابوسفیان ووالدۂ امیر معاویہ

ہندہ کے دست نبوی پر بیعت ہونے کا واقعہ

ہندہ جب بیعت کے لئے حاضر ہوئیں تو چہرہ پر نقاب ڈال کر حاضر ہوئیں۔ چونکہ ہندہ نے حضرت حمزہ کو قتل کرایا تھا اور ان کا سینہ چاک کر کے ان کا کلیجہ چبایا تھا۔ اس لئے حیاء اور ندامت کی بناء پر منہ چھپا کر بیعت کے لئے حاضر ہوئیں تاکہ پہچان نہ سکیں ان کی بیعت کا قصہ حسب ذیل ہے۔

ہندہ: یارسول اللہ آپ ہم سے کن چیزوں کا عہد اور میثاق لیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ہندہ: یارسول اللہ! آپ ہم سے ان باتوں کا عہد لیتے ہیں کہ جن کا آپ نے مردوں سے نہیں لیا لیکن ہم کو یہ منظور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اور یہ کہ چوری نہ کریں۔

ہندہ: میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں سے کچھ لے لیتی ہوں۔ معلوم نہیں کہ یہ چوری میں داخل ہے یا نہیں۔ ابوسفیان اس وقت وہیں موجود تھے۔ ابوسفیان نے کہا کہ جو گزر گیا وہ معاف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بقدر ضرورت اور بقدر کفایت شوہر کے مال سے لے سکتی ہے جو عرف اور دستور میں تجھ کو اور تیرے بچوں کی ضرورت کو کفایت کر سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اور زنا نہ کرنا۔

ہندہ: کیا شریف عورت زنا کر سکتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہندہ:۔ ربیناھم صغارا وقتلتھم یوم بدر کبارا فانت وھم اعلم. ہم نے ان کو بچپن میں پالا اور آپ نے ان کو جنگ بدر میں مارا۔ پس آپ اور وہ جانیں۔ عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر ہنس پڑے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اور کسی پر بہتان نہ لگانا۔

ہندہ: واللہ ان اتیان البھتان لقبیح وماتامرنا الابالرشد و مکارم اخلاق خدا کی قسم کسی پر بہتان باندھنا نہایت ہی برا ہے اور آپ ہم کو سوائے رشد اور ہدایت اور سوائے مکارم اخلاق کے کسی چیز کا حکم نہیں دیتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اور کسی نیک کام میں نافرمانی اور حکم عدولی نہ کرنا۔

ہندہ: ہم اس مجلس میں آپ کی نافرمانی کا ارادہ اور خیال بھی لے کر نہیں آئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا ان سے بیعت لے لو۔ بیعت کے بعد آپ نے ان کے لئے دعا مغفرت کی۔

ہندہ نے اسلام لانے کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ اسلام سے پہلے آپ کے چہرہ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھ کو مبغوض نہ تھا اور آپ سے زیادہ کسی کو دشمن نہ رکھتی تھی۔ اور اب آپ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھے محبوب نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی محبت میں اور زیادتی ہوگی۔

ایک ہذیلی کے قتل پر حضورؐ کا خطاب

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے دوسرے دن ایک خزاعی نے ایک ہذیلی مشرک کو مار ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو صحابہ کو جمع کر کے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا۔

اے لوگو بے شک اللہ تعالی نے جس روز آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام اور محترم پیدا کیا۔ پس وہ قیامت تک حرام اور محترم رہے گا۔ پس کسی شخص کے لئے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز نہیں کہ مکہ میں کوئی خون بہائے اور نہ کسی کے لئے کسی درخت کا کاٹنا جائز ہے۔ مکہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا۔ اور میرے لئے بھی صرف اسی ساعت اور اسی گھڑی کے لئے حلال کیا گیا۔ اہل مکہ کی نافرمانی پر اور ناراضی کی وجہ سے اور آگاہ ہو جاؤ کہ اس کی حرمت پھر ویسی ہی ہو گئی جیسا کہ کل تھی۔ پس تم میں سے جو حاضر ہے وہ میرا یہ پیام ان لوگوں تک پہنچا دے کہ جو

غائب ہیں پس تم میں سے جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں قتال کیا تو تم اس سے یہ کہہ دینا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول کے لئے مکہ کو کچھ وقت کے لئے حلال کر دیا اور تمہارے لئے حلال نہیں کیا۔ اے گروہ خزاعہ قتل سے اپنے ہاتھوں کو اٹھاؤ تم نے ایک شخص کو مار ڈالا جس کی دیت (خونبہا) میں دوں گا جو شخص آج کے بعد کسی کو قتل کرے گا مقتول کے گھر والوں کو دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار ہوگا یا تو خون کے بدلے قاتل کا خون لے لیں یا مقتول کی دیت (خونبہا) لے لیں۔

بعد ازاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے سو اونٹ اس شخص کی دیت ادا فرمائی جس کو خزاعہ نے قتل کیا تھا۔

مہاجرین کے مکانات

کفار مکہ تمام مہاجرین کے مکانات اور جائیداد اور املاک پر قبضہ کر چکے تھے۔ جب آپ خطبہ سے فارغ ہو گئے ہنوز باب کعبہ پر کھڑے ہوئے تھے کہ ابو احمد بن جحش اٹھے اور اپنے اس مکان کی واپسی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہا۔ جس کو ابو سفیان نے ان کی ہجرت کے بعد چار سو دینار میں فروخت کر دیا تھا۔ آپ نے ان کو بلا کر کچھ آہستہ سے فرمایا۔ سنتے ہی ابو احمد بن جحش خاموش ہو گئے اس کے بعد جب ابو جحش سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کیا کہا تھا۔ ابو احمد نے کہا آپؐ نے یہ فرمایا تھا اگر تو صبر کرے تو تیرے لئے بہتر ہوگا اور اس کے معاوضہ میں تجھ کو جنت میں ایک مکان مل جائے گا میں نے عرض کیا میں صبر کروں گا۔

ان کے علاوہ اور بھی بعض مہاجرین نے چاہا کہ ان کے مکانات ان کو دلائے جائیں۔ آپ نے فرمایا تمہارا جو مال اللہ کی راہ میں جا چکا ہے میں اس کی واپسی پسند نہیں کرتا۔ یہ سنتے ہی تمام مہاجرین خاموش ہو گئے اور جو گھر اللہ اور اس کے رسول کے لئے چھوڑ چکے تھے پھر اس کی واپسی کا کوئی حرف زبان پر نہیں آیا۔ اور جس مکان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور جس مکان میں حضرت خدیجہؓ سے شادی ہوئی آپ نے اس کا ذکر تک نہیں فرمایا۔

شریروں اور فتنہ پردازوں کا استیصال

فتح مکہ کے دن آپ نے عفو عام کا اعلان کرا دیا۔ جنہوں نے آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے اور جنہوں نے آپ پر پتھر برسائے تھے اور جو ہمیشہ آپ سے برسر پیکار رہے اور جنہوں نے آپ کی ایڑیوں کو لہولہان کیا تھا۔ سب کو معافی دے دی گئی۔ مگر چند اشخاص جو بارگاہ نبوی میں غایت درجہ گستاخ اور دریدہ دہن تھے ان کے متعلق یہ حکم ہوا کہ جہاں کہیں ملیں قتل کر دیئے جائیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق خداوند ذوالجلال کا یہی حکم ہے۔

ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلاً سنة الله فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنة الله تبدیلاً

یہ ملعون جہاں کہیں پائے جائیں پکڑے جائیں اور خوب قتل کیے جائیں جیسا کہ گذشتہ مفسدین کے بارے میں اللہ کی سنت ہے اور اللہ کے آئین اور عادت میں کوئی تغیر وتبدل نہ پاؤ گے۔

پیغمبر خدا کی توقیر وتعظیم اور اس کی نصرت وحمایت تمام امت پر فرض ہے اس کی بے حرمتی دین الٰہی کی بے حرمتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وان نکثوآ ایمانهم من بعد عهدهم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمة

الکفر انهم لاایمان لهم لعلهم ینتهون الا تقاتلون قوماً نکثوا ایمانهم وهموا باخراج الرسول و هم بدؤکم اول مرة اتخشونهم فالله احق ان تخشوه ان کنتم مؤمنین.

اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو ان پیشوایان کفر سے قتال کرو ان کی قسمیں کچھ نہیں تا کہ اس قسم کی شرارتوں سے باز آ جائیں کیوں نہیں جنگ کرتے تم ان لوگوں سے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا اور فکر کی پیغمبر کے نکالنے کی اور عہد شکنی میں ابتداء کی۔ کیا ان لوگوں سے ڈرتے ہو صرف خداوند ذوالجلال سے تم کو ڈرنا چاہئے اگر تم سچے مومن ہو۔

یعنی جن لوگوں نے پیغمبر کے نکالنے کا فقط ارادہ اور قصد ہی کیا ان کے قتال میں اہل ایمان کو ذرہ برابر تامل نہ ہونا چاہئے ان کی ظاہری قوت وشوکت اور مادی ساز وسامان سے خائف نہ ہوں صرف اللہ سے ڈریں اور اس کے رسول کی نصرت وحمایت میں جان اور مال جو کچھ بھی درکار ہو اس سے دریغ نہ کریں۔

جن لوگوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن یہ حکم دیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں تقریباً وہ پندرہ سولہ تھے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ عبداللہ بن خطل

پہلے مسلمان ہو گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامل بنا کر صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ ایک غلام اور ایک انصاری ساتھ تھے ایک منزل پر پہنچ کر ابن خطل نے غلام کو کھانا تیار کرنے کے لئے کہا غلام کسی وجہ سے سو گیا جب بیدار ہوا تو ابن خطل نے دیکھا کہ اس نے ابھی تک کھانا تیار نہیں کیا غصہ میں آ کر اس غلام کو قتل کر ڈالا بعد میں خیال آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور مجھ کو اس کے قصاص میں قتل کریں گے۔ مرتد ہو کر مکہ چلا آیا اور مشرکین میں جا ملا اور صدقات کے اونٹ بھی ساتھ لے گیا۔ آپ کی ہجو میں شعر کہتا تھا اور باندیوں کو ان اشعار کے گانے کا ذکر کیا' پس اس کے تین جرم تھے۔ ایک خون ناحق'

دوسرا مرتد ہو جانا، تیسرا جرم یہ کہ آپ کی ہجو میں شعر کہنا۔ ابن خطل فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کے پردوں سے جا کر لپٹ گیا۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ ابن خطل بیت اللہ کے پردہ کو پکڑے ہوئے ہے۔ آپ نے فرمایا وہیں قتل کر ڈالو۔ چنانچہ ابو برزہ اسلمی اور سعد بن حریث نے وہیں جا کر قتل کیا۔ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کی گردن اڑائی گئی۔

۲-۳-قرتنیٰ اور قرنیہ

یہ دونوں ابن خطل کی لونڈیاں تھیں۔ شب و روز آپ کی ہجو گاتی رہتی تھیں۔ مشرکین مکہ کسی مجلس میں جمع ہوتے تو شراب کا دور چلتا اور یہ دونوں آپ کی ہجو میں اشعار پڑھتیں اور گاتیں اور بجاتیں۔ ایک ان میں سے ماری گئی اور دوسری نے امن کی درخواست کی اس کو امن دے دیا گیا۔ حاضر ہو کر مسلمان ہو گئی۔

۴-رسارہ

بنی المطلب میں سے کسی کی باندی تھی۔ یہ بھی آپ کی ہجو گایا کرتی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ قتل کی گئی اور بعض کہتے ہیں کہ اسلام لے آئی اور حضرت عمر کے زمانہ خلافت تک زندہ رہی اور یہی وہ عورت تھی کہ جو حاطب بن ابی بلتعہ کا خط لے کر مکہ جارہی تھی۔

۵-حویرث بن نقید

یہ شاعر تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہتا تھا۔ اس لئے اس کا خون ہدر ہوا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اس کو قتل کیا۔

۶-مقیس بن صبانہ

یہ پہلے مسلمان ہو گیا تھا۔ غروہ ذی قرد میں ایک انصاری نے اس کے بھائی ہشام کو دشمنوں میں سے سمجھ کر غلطی سے قتل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت دلانے کا حکم دیا۔ مقیس نے دیت لینے کے بعد انصاری کو قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ چلا گیا فتح مکہ کے دن آپ نے اس کا خون مباح کیا غیلۃ عبداللہ لیثی نے اس کو قتل کیا۔

مقیس بن صبابہ بازار میں جاتا ہوا گرفتار ہوا اور مارا گیا۔

۷۔عبداللہ بن سعد بن ابی سرح:

یہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب الوحی تھے۔ مرتد ہو کر کفار سے جا ملے۔ عثمان غنیؓ کے رضاعی بھائی تھے۔ فتح مکہ کے دن جان بچانے کی خاطر چھپ گئے۔ حضرت عثمان ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔ عرض کیا یا رسول اللہ، عبداللہ حاضر ہے اس سے بھی بیعت لے لیجئے۔ آپ نے کچھ دیر سکوت فرمایا۔ بالآخر جب حضرت عثمان نے آپ سے کئی بار درخواست کی تو آپ نے ابن ابی سرح سے بیعت لے لی اور اسلام قبول فرمایا۔ اس طرح ان کی جان بخشی ہوئی بعد میں صحابہ سے فرمایا کہ تم میں کوئی سمجھدار نہ تھا کہ جب میں نے عبداللہ کی بیعت سے ہاتھ روک لیا تھا، اٹھ کر اس کو قتل کر ڈالتا۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اس وقت کوئی اشارہ کیوں نہ فرمایا۔ آپ نے کہا نبی کے لئے اشارہ بازی زیبا نہیں۔

اس مرتبہ عبداللہ بن ابی سرح نہایت سچائی کے ساتھ اسلام لائے اور کوئی بات بعد میں ظاہر نہیں ہوئی۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں مصر وغیرہ کے والی اور حاکم رہے اور حضرت عثمان غنی کے زمانہ خلافت ۲۷ھ یا ۲۸ھ میں افریقہ کی فتح کا سہرا انہیں کے سر رہا اور مال غنیمت جب تقسیم ہوا تو ایک ایک شخص کے حصہ میں تین ہزار دینار آئے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد فتنوں سے بالکل علیحدہ رہے۔ حضرت علی اور حضرت معاویہ میں سے کسی کے ہاتھ پر بھی بیعت نہیں کی۔ حضرت معاویہ کی اخیر زمانہ امارت میں عسقلان میں وفات پائی۔ وفات کا عجیب واقعہ ہے ایک روز صبح کو اٹھے اور یہ دعا مانگی۔

اے اللہ میرا آخری عمل صبح کے وقت ہو۔

وضو کیا اور نماز پڑھائی، دائیں جانب سلام پھیر کر بائیں جانب سلام پھیرنا چاہتے تھے کہ روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

۸۔عکرمۃ بن ابی جہل

یہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھے کہ جن کا خون فتح مکہ کے دن آپ نے مباح کیا تھا۔

عکرمہ ابو جہل کے فرزند تھے۔ باپ کی طرح یہ بھی آپ کے شدید ترین دشمن تھے۔ فتح مکہ کے بعد بھاگ کر یمن چلے گئے۔ عکرمہ کی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام اسلام لے آئیں اور بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اپنے شوہر کے لئے امن کی درخواست کی۔ رحمت عالم اور عفو مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرزند ابی جہل کے لئے امان کی درخواست کو فوراً منظور فرمالیا۔

عکرمہ بھاگ کر یمن کے ساحل پر پہنچے کشتی پر سوار ہو گئے کشتی کا چلنا تھا کہ تند ہواؤں نے آ کر کشتی کو گھیر لیا۔ عکرمہ نے لات اور عزیٰ کو مدد کے لئے پکارا کشتی والوں نے کہا اس وقت لات اور عزیٰ کچھ کام نہ دیں گے۔ ایک خدا کو پکارو۔ عکرمہ نے کہا خدا کی قسم اگر دریا میں کوئی چیز خدا کے سوا کام نہیں آسکتی تو سمجھ کہ خشکی میں بھی سوائے خدا کے کوئی چیز کام نہیں آسکتی۔ اسی وقت سچے دل سے خدا کے ساتھ یہ عہد کرلیا۔

اے اللہ میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے اس پریشانی سے نجات بخشی تو ضرور محمد رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیدوں گا اور یقیناً ان کو بڑا معاف کرنے والا درگزر کرنے والا اور مہربان پاؤں گا۔

ادھر سے عکرمہ کی بیوی ام حکیم پہنچ گئیں اور کہا۔

اے ابن عم میں سب سے زیادہ نیکوکار اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور سب میں بہتر شخص کے پاس سے آئی ہوں تو اپنے آپ کو ہلاک مت کر میں نے تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امان حاصل کیا ہے۔ یہ سن کر عکرمہ ام حکیم کے ساتھ ہولیا۔ راستہ میں مباشرت کا ارادہ کیا۔ ام حکیم نے کہا ابھی تو کافر ہے اور میں مسلمان ہوں عکرمہ نے کہا کس بڑی شے نے تجھ کو روکا ہے اور یہ کہہ کر مکہ کا قصد کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عکرمہ کے پہنچنے سے پہلے ہی صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

عکرمہ مومن ہو کر آرہا ہے لہذا اس کے باپ کو برا نہ کہنا مردہ کو برا کہنے سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے۔ عکرمہ آپ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور بیوی ساتھ تھی وہ نقاب ڈالے ہوئے ایک طرف کھڑی ہو گئی اور عرض کیا کہ یہ میری بیوی حاضر ہے۔ اس نے مجھ کو خبر دی ہے کہ آپ نے مجھ کو امان دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا تجھ کو امان

ہے۔عکرمہ نے کہا آپ کس چیز کی طرف بلاتے ہیں۔آپ نے فرمایا اس امر کی شہادت دو کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اس کے علاوہ اور چند خصال اسلام کی تلقین فرمائیں۔عکرمہ نے کہا۔

بے شک آپ نے خیر اور مستحسن اور پسندیدہ امر ہی کی طرف دعوت دی ہے۔اور یا رسول اللہ اس دعوت حق سے پہلے بھی آپ ہم میں سب سے زیادہ سچے اور نیکوکار تھے۔اور اس کے بعد کہا۔

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمداً عبدہ و رسولہ

کلمہ شہادت کے بعد عکرمہ نے کہا کہ میں اللہ کو اور تمام حاضرین کو گواہ بناتا ہوں کہ میں مسلمان اور مجاہد اور مہاجر ہوں۔

اور یارسول اللہ آپ سے میری یہ درخواست ہے کہ آپ میرے لئے استغفار فرمائیں۔آپ نے عکرمہ کے لئے دعا مغفرت فرمائی، عکرمہ نے عرض کیا یارسول اللہ۔قسم ہے خداوند ذوالجلال کی جو خرچ میں نے خدا کی راہ سے روکنے کے لئے کیا اب میں خدا کی راہ میں بلانے کے لئے اس سے دوچند خرچ کروں گا۔اور جس قدر قتال خدا اور اس کے رسول کے خلاف میں کیا ہے اس سے دوچند قتال خداوند ذوالجلال کی راہ میں کروں گا اور جس جس مقام پر لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا ہے اس اس مقام پر جا کر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤں گا۔ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب مرتدین کے مقابلہ کے لئے لشکر روانہ کئے تو ان میں ایک لشکر کے سردار عکرمہ تھے۔الغرض باقی ساری عمر خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے جہاد اور قتال میں گزاری۔صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے۔جسم پر تیر اور تلوار کے ستر سے زیادہ زخم تھے۔

ام المؤمنین ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار یہ فرمایا کہ میں نے خواب میں ابوجہل کے لئے جنت میں ایک خوشہ دیکھا۔جب عکرمہ مسلمان ہوئے تو آپ نے ام سلمہ سے فرمایا اس خواب کی تعبیر یہ ہے۔

عکرمہ کے مسلمان ہونے کے بعد یہ حالت تھی کہ جب تلاوت کے لئے بیٹھتے اور قرآن کریم کو کھولتے تو روتے اور غشی کی کیفیت ہوتی اور بار بار یہ کہتے ھذا کلام ربی یہ

میرے پروردگار کا کلام ہے۔ یہ میرے پروردگار کا کلام ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ فتح مکہ میں عکرمہ کے ہاتھ سے ایک مسلمان شہید ہوا جب آپ کو یہ خبر دی گئی تو مسکرائے اور فرمایا کہ قاتل اور مقتول دونوں ہی جنت میں ہیں۔

اشارہ اس طرف تھا کہ عکرمہ فی الحال اگرچہ کافر ہیں لیکن عنقریب اسلام میں داخل ہوں گے۔

۹۔ ہبار بن الاسود

اس کا جرم یہ تھا کہ مسلمانوں کو بہت ایذائیں پہنچاتا تھا۔ آپ کی صاحب زادی حضرت زینب زوجۂ ابوالعاص بن ربیع جب ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ جارہی تھیں تو ہبار بن اسود نے مع چند اوباشوں کے جاکر راستہ میں حضرت زینب کے ایک نیزہ مارا جس سے وہ ایک پتھر پر گر پڑیں۔ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہوگیا اور اسی بیماری میں انتقال فرمایا۔ وانا للہ وانا الیہ راجعون۔

فتح مکہ کے دن آپ نے ہبار کا خون مباح فرمایا تھا۔ جب آپ جعرانہ سے واپس ہوئے تو ہبار حاضر خدمت ہوئے اور آ کر آپ کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہبار بن اسود ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے دیکھ لیا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے ہبار کی طرف اٹھنے کا قصد کیا تو آپ نے اشارہ سے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ ہبار بن اسود نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

السلام علیک یا نبی اللّٰہ سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی
اشھد ان لآ الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ وقد ھربت منک فی البلاد واردت اللحاق بالاعاجم ثم ذکرت عائدتک و صلتک و صفحک عمن جھل علیک و کنایا نبی اللہ اھل شرک فھدانا اللہ بک و انقلانا من الھلکۃ فاصفح عن جھلی وعما کان یبلغک عنی فانی مقربسوء فعلی معترف بذنبی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد عفوت عنک و قد احسن اللہ الیک اذھداک للاسلام والاسلام یجب ما قبلہ

۱۰- وحشی بن حرب

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل ہے (جس کا مفصل قصہ غزوۂ احد کے بیان میں گزر چکا ہے) بھاگ کر طائف پہنچے اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ حاضر خدمت ہو کر اسلام قبول کیا اور قصور کی معافی چاہی۔

اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مسیلمہ کذاب کے مقابلے کے لئے لشکر روانہ کیا تو ان میں وحشی بھی تھے۔ جس حربہ سے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا وہ ساتھ تھا اسی حربہ سے مسیلمہ کذاب کو واصل جہنم کیا۔ اور یہ کہا کرتے تھے کہ اسی حربہ سے خیر الناس کو قتل کیا ہے اور اسی حربہ سے شر الناس کو قتل کیا ہے۔ (استیعاب لابن عبدالبر ترجمہ وحشی بن حرب)

۱۱- کعب بن زہیر

مشہور شاعر ہیں۔ آپ کی ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ بھی انہیں لوگوں میں سے ہیں جن کا خون آپ نے فتح مکہ کے دن ہدر کیا تھا۔ یہ مکہ سے بھاگ گئے تھے۔ بعد میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور آپ کی مدح میں قصیدہ کہا جو بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت خوش ہوئے اور اپنی چادر عنایت فرمائی۔

۱۲- حارث بن طلاطل

یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتا تھا۔ فتح مکہ کے دن حضرت علی نے اس کو قتل کیا۔

۱۳- عبداللہ بن زبعریٰ

بڑے زبردست شاعر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو اور مذمت میں شعر کہا کرتے تھے۔ سعد بن مسیب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ابن زبعریٰ کے قتل کا حکم دیا۔ یہ بھاگ کر نجران چلے گئے۔ بعد میں تائب ہو کر حاضر خدمت ہوئے اور اسلام لائے اور معذرت میں اشعار کہے۔

یا رسول الملک ان لسانی　　　　راتق ما فتقت اذا نا بور

اے اللہ کے رسول میری زبان اس نقصان کا جبر کردے گی جو میں نے اپنی ہلاکت اور گمراہی کے زمانہ میں پہنچایا ہے۔

آمن اللحم و العظام بربی ثم قلبی الشهيد انت النذير

میرا گوشت اور میری ہڈیاں پروردگار پر ایمان لے آئیں۔ پھر میرا دل شہادت دیتا ہے کہ آپ خدا کے بشیر ونذیر ہیں۔

۱۴۔ہبیرہ بنت ابی وہب مخزومی

یہ بھی انہیں شعراء میں سے تھا جو آپ کی ہجو میں شعر کہا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے دن نجران کی طرف بھاگ نکلا اور وہیں کفر کی حالت میں مرا۔ ہند بنت ابی طالب جوام ہانی کی کنیت سے مشہور ہیں ہبیرۃ بن ابی وہب کی بیوی تھیں۔

۱۵۔ہندہ بنت عتبہ زوجۂ ابوسفیان

یہ وہی ہندہ ہے کہ جس نے معرکہ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر نکال کر چبایا تھا۔ ہندہ بھی انہیں عورتوں میں داخل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن جن کے قتل کا حکم دیا تھا۔ ہندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذا دیتی تھی۔ ہندہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر معذرت کی اور اسلام قبول کیا۔ اور گھر جا کر تمام بتوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور یہ کہا خدا کی قسم تمہاری ہی وجہ سے ہم دھوکہ میں تھے۔

یہ پندرہ اشخاص ناقابل عفو مجرم تھے۔ ان کا جرم نہایت سنگین تھا۔ جس نے اپنے قصور کا اعتراف کیا اور تائب ہوکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کو امن ملا۔ اور جو اپنی بغاوت اور سرکشی پر قائم رہا وہ قتل ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد کا مسلمان ہونا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف فرما تھے کہ ابوبکر صدیق اپنے بوڑھے باپ کو لئے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے بٹھلا دیا آپ نے فرمایا۔

اے ابوبکر تو نے اس بوڑھے کو گھر ہی میں کیوں نہ رہنے دیا میں خود ہی اسکے پاس آ جاتا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ بجائے اس کے کہ آپ چل کر میرے باپ کے پاس جائیں بہتر یہی ہے کہ میرا باپ خود پا پیادہ چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو۔

بعدازاں آپ نے ابوقحافہ کے سینہ پر دست مبارک پھیرا اور اسلام کی تلقین کی۔ ابوقحافہ نے اسلام قبول کیا۔ بڑھاپے کی وجہ سے تمام چہرہ اور سر سفید تھا۔ آپ نے خضاب کے لئے ارشاد فرمایا اور یہ تاکید فرمادی کہ سیاہی سے بالکل دور رکھنا۔ یعنی سیاہ خضاب ہرگز استعمال نہ کرنا۔

صفوان بن امیہ کے اسلام لانے کا واقعہ

صفوان بن امیہ سرداران قریش میں سے تھے جو دوسخا میں مشہور تھے۔ فیاض اور مہمان نوازی میں یہ گھرانہ ممتاز تھا۔ ان کا باپ امیہ بن خلف جنگ بدر میں مارا گیا۔ فتح مکہ کے

دن صفوان بن امیہ جدہ بھاگ گئے۔ان کے چچازاد بھائی عمیر بن وہب نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوکر صفوان کے لئے امن کی درخواست کی۔آپ نے امان دیا اور بطور علامت اپنا عمامہ یا چادر بھی عنایت فرمائی۔عمیر جا کر ان کو جدہ سے واپس لائے۔بارگاہ نبوی میں حاضر ہوکر عرض کیا۔اے محمد عمیر یہ کہتا ہے کہ آپ نے مجھ کو امن دیا ہے۔آپ نے فرمایا ہاں۔صفوان نے کہا مجھ کو سوچنے کے لئے دو ماہ کی مہلت دیجئے۔آپ نے فرمایا تجھ کو چار مہینے کی مہلت ہے فی الحال مسلمان نہیں ہوئے۔

مگر غزوۂ حنین میں آپ کے ہمراہ رہے' آپ نے کچھ زرہیں ان سے بطور عاریت لیں۔حنین میں پہنچ کر ان کی زبان سے یہ لفظ نکلے۔

قریش میں کا کوئی شخص میری تربیت کرے وہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس سے کہ قبیلہ ہوازن کا کوئی آدمی میری تربیت کرے۔

حنین سے واپسی میں آپ نے صفوان کو بے شمار بکریاں عطا فرمائیں۔صفوان نے ان بکریوں کو دیکھ کر کہا خدا کی قسم اتنی سخاوت سوائے نبی کے کوئی نہیں کر سکتا اور مسلمان ہو گئے۔

سہیل بن عمرو کے اسلام کا واقعہ

آپ مکہ کے اشراف اور سادات میں سے تھے۔خطیب قریش کے نام سے مشہور تھے۔ صلح حدیبیہ میں انہیں کو آتے دیکھ کر آپ نے فرمایا تھا۔

اب تمہارا معاملہ کچھ سہل ہو گیا۔

فتح مکہ کے دن سہیل نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بارگاہ نبوت میں بھیجا کہ جا کر آپ سے میرے لئے امن حاصل کرے۔آپ نے اس کو امن دیا اور صحابہ سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا۔

جو شخص سہیل سے ملے وہ اس کی طرف تیز نظروں سے نہ دیکھے' قسم ہے میری زندگی کی تحقیق سہیل بڑا عاقل اور شریف ہے۔سہیل جیسا شخص اسلام سے جاہل اور بے خبر نہیں رہ سکتا۔

سہیل نے فی الحال اسلام قبول نہیں کیا۔غزوۂ حنین میں آپ کے ساتھ رہے اور جعرانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔

اور قسم کھائی کہ جس قدر مشرکین کے ساتھ ہو کر جنگ کی ہے اسی قدر اب مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جنگ کروں گا اور جتنا مال مشرکین پر خرچ کیا ہے اتنا ہی مسلمانوں پر خرچ کروں گا۔

حضرت سہیلؓ کا مشائخ قریش سے خطاب

ایک دن حضرت عمرؓ کے دروازہ پر لوگوں کا مجمع تھا ملاقات کے منتظر تھے۔ سہیل بن عمرو ابوسفیان بن حرب اور دیگر مشائخ قریش بھی موجود تھے۔ دربان نے جب اطلاع کی تو صہیب اور بلال اور دیگر اہل بدر کو اندر بلالیا گیا۔ اور سہیل اور ابوسفیان اور مشائخ قریش کو چھوڑ دیا گیا۔ ابوسفیان نے کہا آج جیسا منظر تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ غلاموں کو تو بلایا جارہا ہے اور ہماری طرف التفات بھی نہیں۔ اس موقع پر سہیل نے جو عاقلانہ اور دانشمندانہ جواب دیا وہ دلوں کی تختیوں پر کندہ کرانے کے قابل ہے۔ سہیل نے ابوسفیان اور دیگر مشائخ قریش کو مخاطب کر کے کہا۔

اے قوم خدا کی قسم ناگواری اور غصہ کے آثار تمہارے چہروں پر نمایاں دیکھ رہا ہوں۔ بجائے اس کے کہ تم دوسروں پر غصہ کرو تم کو خود اپنے نفسوں پر غصہ کرنا چاہئے اس لئے کہ دین حق کی دعوت ان لوگوں کو بھی دی گئی اور تم کو بھی یہ لوگ سنتے ہی دوڑ پڑے اور تم نے پس و پیش کی اور پیچھے رہے۔ خدا کی قسم جس شرف اور فضیلت کو یہ لوگ لے دوڑے تمہارا اس شرف سے محروم رہ جانا میرے نزدیک اس دروازہ کی محرومی سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ جس پر تم آج رشک کر رہے ہو۔ اے قوم یہ لوگ تم سے سبقت لے گئے جو تمہاری نظروں کے سامنے ہیں۔ اور تمہارے لئے اس شرف اور فضیلت کے حاصل ہونے کی اب کوئی سبیل نہیں۔ اس کھوئے ہوئے شرف کے تدارک اور تلافی کی اگر کوئی صورت ہے تو صرف جہاد فی سبیل اللہ اور خدا کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی ہے۔ اس لئے تیار ہو جاؤ۔ عجب نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ تم کو شہادت کی دولت و نعمت سے مالا مال فرمائے۔

سہیل نے اپنی تقریر دلپذیر کو ختم کیا اور دامن جھاڑ کر اسی وقت جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کھڑے ہو گئے اور خاندان اور اہل و عیال سمیت رومیوں سے مقابلہ کے لئے شام کی طرف

روانہ ہوئے اور جنگ یرموک میں شہید ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ طاعون عمواس میں وفات پائی۔ بہر حال مقصد ہر صورت میں حاصل ہے۔ طاعون کی موت بھی شہادت ہے۔

ابولہب کے دو بیٹوں کے اسلام کا واقعہ

حضرت عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ کو فتح کرنے کے لئے تشریف لائے تو مجھ سے یہ فرمایا کہ تمہارے دونوں بھتیجے عتبہ و معتب پسران ابی لہب کہاں ہیں وہ مجھے دکھائی نہیں دیئے۔ آخر وہ دونوں کہاں ہیں میں نے عرض کیا کہ جو مشرکین قریش روپوش ہوگئے ہیں انہیں کے ساتھ یہ دونوں بھی کہیں دور چلے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں آپ کے ارشاد کے مطابق سوار ہو کر مقام عرنہ گیا اور وہاں سے دونوں کو اپنے ساتھ لایا۔ آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا دونوں نے اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر آپ کھڑے ہوگئے اور دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے باب کعبہ کے قریب ملتزم پر آئے اور دیر تک دعا مانگتے رہے پھر وہاں سے واپس ہوئے اور چہرۂ انور پر مسرت کے آثار نمایاں تھے۔ حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ مسرور رکھے آپ کے چہرہ کو مسرور دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے یہ درخواست کی تھی کہ میرے چچا کے یہ دونوں بیٹے عتبہ اور معتب مجھ کو عطا کر دیئے جائیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے دونوں عطا کر دیئے اور میرے لئے ان دونوں کو ہبہ کر دیا۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

بعض کہتے ہیں کہ معاویہ فتح مکہ میں اسلام لائے مگر صحیح یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے مگر اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور فتح مکہ میں اس کا اظہار کیا۔

ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان حضرت معاویہ کی بہن تھیں اور ماں کا بھائی ماموں ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت معاویہ خال المومنین ہوئے یعنی تمام مسلمانوں کے ماموں ہوئے

اور جس طرح اہل بیت اور ذوی القربیٰ سے محبت رکھنا مومنین پر فرض اور لازم ہے اسی طرح حضور پرنور کے خسر اور برادر نسبتی اور سسرالی رشتہ داروں سے بھی محبت فرض اور لازم ہے۔

ابوسفیان بن حرب' آپ کی زوجۂ مطہرہ ام حبیبہ کے والد محترم ہیں۔ اور معاویہ ام حبیبہ کے بھائی ہیں ان سے محبت رکھنا فرض ہے اور ان سے کینہ اور عداوت رکھنا حرام ہے اور اسلام سے پہلے جو ہو چکا وہ سب معاف ہے اور اسلام سے پہلی باتوں کا ذکر کرنا ازروئے قرآن وحدیث قطعاً ممنوع ہے۔

مکہ مکرمہ کی بتوں سے صفائی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے بعد تقریباً پندرہ روز مکہ میں مقیم رہے جو بت خانہ کعبہ میں تھے ان کو منہدم کرایا اور یہ منادی کرادی۔

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں کوئی بت باقی نہ چھوڑے۔

جب مکہ مکرمہ بتوں سے پاک ہو گیا اور اس کے تمام بت گرا دیئے گئے تو مکہ کے اطراف واکناف میں بتوں کے منہدم کرنے کے لئے چھوٹی چھوٹی جماعتیں روانہ فرمائیں۔

مشہور بت عزیٰ اور سواع کا خاتمہ

۲۵ رمضان ۸ھ کو خالد بن ولید کو تیس سواروں کی جمعیت کے ساتھ عزیٰ کو منہدم کرنے کے لئے مقام نخلہ کی طرف روانہ فرمایا۔ اس مقام تک مکہ سے ایک شب کا راستہ ہے۔ اور عمرو بن العاص ؓ کو سواع کے منہدم کرنے کے لئے بھیجا یہ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔

سواع کے مجاور کا مسلمان ہونا

عمرو بن العاص جب وہاں پہنچے تو اس بت کے مجاور نے ان سے کہا تم کس ارادہ سے آئے۔ عمرو بن العاص نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس بت کو منہدم کرنے آیا ہوں۔ عمرو کا یہ جواب سن کر مجاور نے کہا تم اس پر کبھی قادر نہ ہو سکو گے۔ خداوند سواع تم کو

خود روک دے گا۔ عمرو بن العاص نے کہا افسوس تو ابھی تک اس باطل خیال میں پھنسا ہوا ہے کیا یہ سنتا اور دیکھتا ہے جو مجھ کو روک دے گا یہ کہہ کر اس پر ایک ضرب لگائی جس سے ان کا خداوند سواع پاش پاش ہو گیا۔ اور مجاور سے مخاطب ہو کر کہا تو نے دیکھ لیا مجاور یہ دیکھتے ہی فوراً مسلمان ہو گیا اور کہا میں اسلام لایا اللہ کے لئے۔

مناۃ کا خاتمہ

اور ۲۶ رمضان المبارک کو سعد بن زید اشہلی کو مناۃ کے منہدم کرنے کے لئے مقام مشلل کی طرف رانہ کیا اور بیس سوار آپ کے ہمراہ کئے۔
رمضان کا تمام مبارک مہینہ بت شکنی یعنی ارض اللہ سے کفر و شرک کی نجاست کو دھلوانے میں صرف ہوا۔

بنو جذیمہ کا واقعہ

ماہ شوال میں محض تبلیغ اسلام اور دعوت حق کے لئے ساڑھے تین سو مہاجرین و انصار کو خالد بن ولیدؓ کے زیر کمان بنی جذیمہ کی طرف بھیجا۔ یہ لوگ یلملم کے قریب ایک تالاب کے کنارے جس کا نام غمیصاء ہے وہاں رہتے تھے۔ خالد بن ولید نے جا کر ان کو اسلام کی دعوت دی۔ گھبراہٹ میں اچھی طرح یہ تو نہ کہہ سکے کہ ہم مسلمان ہیں یہ کہنے لگے صبأنا صبأہم نے پہلا دین چھوڑ دیا۔ خالد بن ولید نے اس کو کافی نہ سمجھا بعض کو قتل کیا اور بعض کو گرفتار۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور واقعہ بیان کیا تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ یہ فرمایا۔

اے اللہ میں اس سے بالکل بری ہوں جو خالد نے کیا۔

پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو روپیہ دے کے بنو جذیمہ میں بھیجا تا کہ ان کا خونبہا ادا کر آئیں۔ حضرت علی نے جا کر ان کا خون بہا ادا کیا۔ اور جب تحقیق اور دریافت کے بعد یہ اطمینان ہو گیا کہ اب کسی کا خون بہا باقی نہیں رہا تو جو روپیہ باقی بچ رہا تھا وہ بھی احتیاطاً انہیں پر تقسیم کر دیا۔ واپس ہو کر جب بارگاہ نبوی میں سارا قصہ بیان کیا تو آپ بے حد مسرور ہوئے۔

حُنین اوطاس اور طائف کے غزوات

بروز ہفتہ ۶ شوال ۸ھ

اہل حنین کا حملہ کے لئے روانہ ہونا

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جہاں قبائل ہوازن وثقیف آباد تھے۔ یہ قبائل نہایت جنگجو اور قادر تیر انداز تھے۔ فتح مکہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں آپ ہم پر حملہ نہ کردیں اس لئے مشورہ سے یہ طے پایا کہ قبل اس کے کہ آپ ہم پر حملہ آور ہوں ہمیں کو چل کر آپ پر حملہ کر دینا چاہئے۔ چنانچہ ان کا سردار مالک بن عوف نصری بیس ہزار آدمیوں کی جمعیت لے کر آپ پر حملہ کرنے کے لئے چلا۔

درید بن صمہ سردار بنی جشم اگرچہ پیرانہ سالی کی وجہ سے حس و حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن بوڑھے اور تجربہ کار اور جہاں دیدہ اور جنگ آزمودہ ہونے کی وجہ سے اس کو بھی ساتھ لے گیا تاکہ صلاح اور مشورہ میں اس سے مدد ملے۔

مالک بن عوف نے تمام سپہ گروں کو یہ تاکید کر دی تھی کہ ہر شخص کے اہل وعیال اس کے ساتھ رہیں تاکہ خوب جم کر مقابلہ کریں اور کوئی شخص اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر بھاگ نہ سکے۔

مقام اوطاس میں پڑاؤ

جب وادی اوطاس میں پہنچے تو درید نے دریافت کیا یہ کونسا مقام ہے۔ لوگوں نے کہا یہ مقام اوطاس ہے' درید نے کہا یہ مقام جنگ کے لئے نہایت موزوں اور مناسب ہے۔ یہاں کی زمین نہ بہت سخت ہے اور نہ بہت نرم کہ پاؤں دھنس جائیں پھر کہا۔

یہ کیا ہے کہ اونٹوں کا بولنا اور گدھوں کا چیخنا اور بکریوں کا آواز کرنا اور بچوں کا رونا اور بلبلانا سن رہا ہوں۔

لوگوں نے کہا یہ مالک بن عوف لوگوں کو مع اہل وعیال اور مع جان و مال لے کر آیا ہے تا کہ لوگ ان کے خیال سے سینہ سپر ہو کر لڑیں۔

درید نے کہا سخت غلطی کی کیا شکست کھانے والا کچھ واپس لے کر جاتا ہے۔ جنگ میں سوائے نیزہ اور تلوار کے کوئی شے کام نہیں آتی۔ اگر تجھ کو شکست اور ہزیمت ہوئی تو تمام اہل وعیال کی ذلت ورسوائی کا باعث ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ تمام اہل وعیال کو لشکر کے پیچھے رکھا جائے۔ اگر فتح ہوئی تو سب آملیں گے اور اگر شکست ہوئی تو بچے اور عورتیں دشمن کی دستبرد سے محفوظ رہیں گے۔ مگر مالک بن عوف نے جوانی کے جوش میں اس طرف التفات نہ کیا اور کہا خدا کی قسم میں ہرگز اپنی رائے سے نہ ٹلوں گا۔ بڑھاپے سے اس کی عقل خراب ہو چکی ہے۔ ہوازن وثقیف اگر میری رائے پر چلیں تو بہتر ورنہ میں ابھی خودکشی کر لیتا ہوں۔ سب نے کہا ہم تیرے ساتھ ہیں۔

مقابلہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان حالات اور واقعات کی اطلاع پہنچی تو عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو تحقیق و تفتیش کے لئے روانہ فرمایا۔ عبداللہ نے ایک دو روز ان میں رہ کر تمام حالات معلوم کئے۔ اور آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی جنگی تیاریوں کی اطلاع دی۔ تب آپ نے بھی مقابلے کا سامان شروع کیا۔ صفوان بن امیہ سے سو زرہیں مع ساز و سامان کے مستعار لیں۔

حنین کی طرف روانگی

۸ شوال ۸ھ بروز ہفتہ کو بارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے اور حنین کا

قصد فرمایا دس ہزار جاں باز و جان نثار تو وہی تھے جو مدینہ سے آپ کے ہمراہ آئے تھے اور بعض غیر مسلم تھے۔

ایک غیر محتاط کلمہ کا نتیجہ

بارہ ہزار کا لشکر جرار جب حنین کی طرف بڑھا۔ تو ایک شخص کی زبان سے یہ لفظ نکلے۔

آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔

جس میں فخر اور خود پسندی شائبہ کا تھا جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ عالم اسباب میں چونکہ قلت بھی باعث ہزیمت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کثرت کو دیکھ کر بعض صحابہ کی زبان پر یہ لفظ آ گئے کہ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔ یعنی اگر آج ہم مغلوب ہوئے تو یہ ہماری مغلوبیت کی وجہ سے نہ ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی۔ فتح و نصرت اسی کے ہاتھ میں ہے لیکن بارگاہ احدیت میں یہ کلام ناپسند ہوا۔

بجائے فتح کے پہلے ہی وہلہ میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

ارشاد الٰہی ہے

و یوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رجبت ثم ولّیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ و علی المؤمنین و انزل جنوداً لم تروھا و عذب الذین کفروا و ذالک جزآء الکٰفرین

اور حنین کے دن جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو خود پسندی میں ڈال دیا پس وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسیع ہونے کے تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پشت پھیر کر بھاگے اس کے بعد اللہ نے اپنی خاص تسکین اتاری اور اپنے رسول پر اور اہل ایمان کے قلوب پر اور ایسے لشکر اتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہی سزا ہے کافروں کی۔

لشکر اسلام پر اچانک حملہ اور گھبراہٹ

لشکر اسلام منگل کی شام کے وقت وادی حنین میں پہنچا۔ قبائل ہوازن و ثقیف دونوں جانب

کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ مالک بن عوف نے ان کو پہلے سے ہدایت کر دی تھی کہ تلواروں کے نیام سب توڑ کر پھینک دو اور لشکر اسلام جب ادھر سے آئے تو بیس ہزار تلواروں سے ایک دم ان پر ہلہ بول دو چنانچہ صبح کی تاریکی میں جب لشکر اسلام اس درہ سے گزرنے لگا تو بیس ہزار تلواروں سے دفعۃً حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں کا لشکر سراسیمہ اور منتشر ہو گیا اور صرف دس بارہ شیدایان نبوت اور جان بازان رسالت آپ کے پہلو میں رہ گئے اس وقت آپ کے ہمراہ ابوبکر و عمر و علی و عباس و فضل بن عباس و اسامۃ بن زید اور چند آدمی تھے۔ حضرت عباس آپ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے اور ابوسفیان بن حارث رکاب پکڑے ہوئے تھے۔

چہ میگوئیاں

جو لوگ مکہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے۔ وہ اچانک ہزیمت سے آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ ابوسفیان بن حرب (امیر معاویہؓ کے باپ) نے کہا کہ اب یہ ہزیمت دریا سے ورے نہیں تھمتی اور کلدۃ بن حنبل نے خوشی میں چلا کر یہ کہا۔ آج سحر کا خاتمہ ہوا۔ صفوان بن امیہ نے کہا حالانکہ وہ اس وقت مشرک تھے۔ خاموش اللہ تیرے منہ کو بند کرے میرے نزدیک یہ زیادہ عزیز ہے کہ قریش کا کوئی آدمی میرا اوالی اور مربی ہو اس سے کہ قبیلہ ہوازن کا کوئی شخص میری تربیت کرے۔ شیبۃ بن عثمان بن ابی طلحہ نے کہا آج میں محمد سے اپنے باپ کا بدلہ لوں گا۔ اس کا باپ جنگ احد میں مارا گیا تھا۔ جب آپ کی طرف بڑھا تو فوراً غشی طاری ہو گئی اور آپ تک نہ پہنچ سکا۔ سمجھ گیا کہ مجھ کو من جانب اللہ آپ تک پہنچنے سے روکا گیا ہے بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رفقاء کو جمع کرنا

الغرض جب قبائل ہوازن و ثقیف نے کمینگاہوں سے نکل کر ایک دم حملہ بول دیا اور مسلمانوں پر ہر طرف سے بارش کی طرح تیر برسنے لگے تو پیرا کھڑ گئے۔ صرف رفقاء خاص آپ کے پاس رہ گئے۔

آپ نے تین بار پکار کے فرمایا اے لوگو ادھر آؤ میں اللہ کا رسول اور محمد بن عبداللہ ہوں۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

میں سچا نبی ہوں۔ اللہ نے مجھ سے جو فتح و نصرت اور میری عصمت و حمایت کا وعدہ کیا ہے وہ بالکل حق ہے اس میں کذب کا امکان نہیں۔ اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

تمام صحابہ کا مجتمع ہو کر حملہ کرنا

حضرت عباس بلند آواز تھے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین و انصار کو آواز دیں انہوں نے بآواز بلند یہ نعرہ لگایا۔

اے گروہ انصار! اے وہ لوگو جنہوں نے کیکر کے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی!

آواز کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ ایک دم سب پلٹ پڑے اور منٹوں میں پروانہ وار آ کر شمع نبوت کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ نے مشرکین پر حملہ کا حکم دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشت خاک پھینکنا

جب گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی اور میدان کارزار گرم ہو گیا تو آپ نے ایک مشت خاک لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور یہ فرمایا۔

شاهت الوجوه برے ہوئے یہ چہرے

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے مشت خاک پھینکنے کے بعد یہ فرمایا۔

قسم ہے رب محمد کی انہوں نے شکست کھائی۔

کوئی انسان ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ میں اس مشت خاک کا غبار نہ پہنچا ہو۔ اور ایک لمحہ نہ گزرا تھا کہ دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے۔ بہت سے بھاگ گئے اور بہت سے اسیر کر لئے گئے۔

فتح

ادھر آپ نے ایک مشت خاک پھینکی اور ادھر بہادران اسلام نے محض اللہ کی نصرت اور اعانت پر بھروسہ کر کے حملہ کیا۔ دم کے دم میں کایا پلٹ ہو گئی۔ باوجود قوت اور شوکت کے ہوازن کے بہادروں کے پیر اکھڑ گئے اور مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ دشمن کے ستر آدمی معرکہ میں کام آئے اور بہت سے گرفتار ہوئے اور بہت کچھ مال و اسباب ہاتھ آیا۔

فرشتوں کا اترنا

جبیر بن مطعم راوی ہیں کہ ہوازن کی شکست اور پسپائی سے کچھ ہی پہلے ایک سیاہ چادر

میں نے آسمان سے اترتی دیکھی۔ وہ چادر ہمارے اور دشمن کے مابین آ کر گری۔ دفعۃً اس میں سے سیاہ چیونٹیاں نکلیں اور تمام وادی میں پھیل گئیں۔ مجھ کو ان کے فرشتے ہونے میں ذرہ برابر شک نہ تھا۔ ان کا اترنا تھا کہ دشمنوں کو شکست ہوئی۔

بھاگتے دشمن کا تعاقب

شکست کے بعد ہوازن وثقیف کا سردار اور سپہ سالار مالک بن عوف نصری ایک جماعت کے ساتھ بھاگا اور طائف میں جا کر دم لیا اور درید بن صمہ اور کچھ لوگوں نے بھاگ کر مقام اوطاس میں پناہ لی اور کچھ لوگ بھاگ کر مقام نخلہ میں پہنچے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ اشعری کے چچا ابوعامر اشعری کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ اوطاس کی طرف روانہ کیا۔ جب مقابلہ ہوا تو درید بن صمہ ربیعۃ بن رفیعؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

سلمۃ بن درید نے ابوعامر اشعری رضی اللہ عنہ کے گھٹنہ میں ایک تیر مارا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ ابوموسیٰ اشعری نے بڑھ کر اسلام کا جھنڈا سنبھالا اور نہایت شجاعت اور بہادری سے مقابلہ کیا اور اپنے چچا کے قاتل کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔

حضرت ابوعامرؓ کی شہادت

حضرت ابوعامر اشعری نے مرتے وقت ابوموسیٰ اشعری سے کہا کہ اے بھتیجے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا اسلام عرض کرنا اور یہ کہنا کہ میرے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے جا کر آپ سے تمام واقعہ بیان کیا اور اپنے چچا ابوعامر کا سلام اور پیام پہنچایا آپ نے اسی وقت وضو کے لئے پانی منگایا اور وضو کر کے ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا کی۔

اللھم اغفر لعبید ابی عامر اے اللہ عبید ابوعامر کی مغفرت فرما۔

اللھم اجعله یوم القیامة فوق کثیر من خلقک من الناس

اے اللہ قیامت کے دن اس کو بہت سے بندوں سے اونچا فرما۔

ابوموسیٰ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لئے بھی دعائے مغفرت فرمایئے آپ نے فرمایا۔

اللهم اغفر لعبدالله بن قيس ذنبه وادخله يوم القيامة مدخلا كريما

اے اللہ عبداللہ بن قیس کے گناہوں کی مغفرت فرما اور قیامت کے دن اس کو یعنی ابو موسیٰ کو عزت کی جگہ میں داخل فرما۔

طائف کی طرف روانگی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کی اموال غنیمت اور قیدیوں کے متعلق یہ حکم دیا کہ جعرانہ میں جمع کر دیا جائے اور خود طائف کا قصد فرمایا اور طائف جانے سے پہلے طفیل بن عمر و دوسی کو چند موحدین کے ساتھ ایک چوبی بت (جس کا نام ذوالکفین تھا) کے جلانے کے لئے روانہ فرمایا۔ آپ کے طائف پہنچنے کے چار روز بعد طفیل بن عمر و دوسی بھی پہنچ گئے اور ایک دبابہ اور منجنیق ساتھ لائے۔

مشرکین کا سال بھر کے لئے قلعہ بند ہونا

مالک بن عوث نصری سپہ سالار ہوازن مع اپنی فوج کے آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی طائف کے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر چکا تھا۔ اور کئی سال کا غلہ اور خورد ونوش کا سامان قلعہ میں فراہم کر لیا تھا۔

قلعہ کا محاصرہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف پہنچ کر ان کا محاصرہ کیا اور منجنیق کے ذریعہ سے ان پر پتھر برسائے گئے۔ ان لوگوں نے قلعہ کی فصیل پر تیر اندازوں کو بٹھلا دیا۔ انہوں نے ایسی سخت تیر باری کی کہ بہت سے مسلمان زخمی ہوئے اور بارہ آدمی شہید ہوئے۔ خالد بن ولید نے ان کو دست بدست مقابلہ کے لئے بلایا مگر جواب یہ ملا کہ ہمیں قلعہ سے اترنے کی ضرورت نہیں۔ سالہا سال کا غلہ ہمارے پاس موجود ہے جب یہ ختم ہو جائے گا تب ہم تلواریں لے کر اتریں گے۔ مسلمانوں نے دبابہ میں بیٹھ کر قلعہ کی دیوار میں نقب دینے کی کوشش کی۔ انہوں نے اوپر سے لوہے کی گرم سلاخیں برسانی شروع کیں جس سے مسلمانوں

کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ دیکھ کر آپ نے باغات کٹوانے کا حکم دیا۔ اہل قلعہ نے آپ کو اللہ کا اور قرابتوں کا واسطہ دیا۔ آپ نے فرمایا میں اللہ اور قرابتوں کے لئے ان کو چھوڑے دیتا ہوں۔

بعد ازاں قلعہ کی دیوار کے قریب یہ آواز ہ لگوا دیا کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آ جائے گا وہ آزاد ہے۔ چنانچہ بارہ تیرہ غلام نکل کر ادھر آ ملے۔

محاصرہ چھوڑ کر واپسی

اسی اثناء میں آپ نے ایک خواب دیکھا کہ ایک دودھ کا پیالہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ایک مرغ نے آ کر اس میں چونچ ماری جس سے وہ دودھ گر گیا۔ آپ نے یہ خواب صدیق اکبر سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا غالباً یہ قلعہ ابھی فتح نہ ہوگا۔ آپ نے نوفل بن معاویہ ویلمی کو بلا کر دریافت فرمایا تمہاری کیا رائے ہے۔ نوفل نے کہا یا رسول اللہ لومڑی اپنے بھٹ میں ہے اگر ٹھہرے رہیں تو پکڑ لیں گے اور اگر چھوڑ دیں گے تو آپ کا کوئی نقصان نہیں۔

قلعہ والوں کے لئے حضور ﷺ کی دعا

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے آ کر عرض کیا یا نبی اللہ ان کے حق میں بددعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے اجازت نہیں دی۔ حضرت عمر نے فرمایا پھر ہم کو ان سے لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے کوچ کا حکم دے دیا اور چلتے وقت یہ دعا دی۔

اللھم اھد ثقیفا وائت بھم اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو مسلمان کر کے میرے پاس پہنچا۔

چنانچہ بعد میں یہ قلعہ خود بخود فتح ہو گیا سب لوگ مسلمان ہو گئے اور مالک بن عوف نصری ان کا سردار خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔

جعرانہ میں حنین کی غنیمت کا تقسیم کرنا

طائف سے چل کر آپ پانچ ذی القعدۃ الحرام کو جعرانہ پہنچے۔ جہاں مال غنیمت جمع تھا۔ چھ ہزار قیدی اور چوبیس ہزار اونٹ اور چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی یہاں پہنچ کر آپ نے دس دن سے زیادہ ہوازن کا انتظار کیا کہ شاید وہ اپنے عزیزوں بچوں اور عورتوں کو چھڑانے آئیں لیکن جب دس بارہ روز کے انتظار کے بعد بھی کوئی نہ آیا تب آپ نے مال غنیمت غانمین پر تقسیم کر دیا۔

ہوازن کے وفد کی درخواست

تقسیم غنائم کے بعد ہوازن کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں نو آدمی تھے۔ اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد ازاں اپنے اموال اور اہل و عیال کی واپسی کی درخواست کی۔ آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ کی تھیں۔ اس قبیلہ کے خطیب زہیر بن ضرو نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ان اسیروں میں آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں اور گود میں کھلانے والیاں ہیں اگر کسی بادشاہ یا امیر سے ہمارے اس قسم کے تعلقات ہوتے تو بہت کچھ مہربانی ہوتی اور آپ کی شان تو ان سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ ہم پر جو مصیبت آئی ہے وہ آپ پر مخفی نہیں۔ آپ ہم پر احسان کیجئے۔ اللہ آپ پر احسان کرے گا۔

ہوازن کے قیدیوں کی بلا معاوضہ رہائی

آپ نے فرمایا میں نے تمہارا بہت انتظار کیا اور اب غنائم تقسیم ہو چکی ہیں اور چیزوں میں سے ایک چیز اختیار کر لو قیدی یا مال۔ وفد نے کہا آپ نے ہم کو مال اور حسب میں اختیار دیا ہے ہم حسب نسب کو اختیار کرتے ہیں۔ اونٹ اور بکری کے بارے میں آپ سے کچھ نہیں کہتے۔

آپ نے ارشاد فرمایا میرے اور خاندان بنی ہاشم و بنی المطلب کے حصہ میں جو کچھ آیا

ہے وہ سب تمہارا ہے لیکن اور مسلمانوں کے حصہ میں جو کچھ جا چکا ہے اس کی بابت ظہر کی نماز کے بعد تم لوگ کھڑے ہو کر کہنا میں تمہاری سفارش کروں گا۔ چنانچہ ظہر کی نماز کے بعد وفد ہوازن کے خطباء نے فصیح و بلیغ تقریریں کیں۔ اور اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے مسلمانوں سے درخواست کی۔ بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کیلئے کھڑے ہوئے۔ اول خدا تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور پھر فرمایا تمہارے یہ بھائی ہوازن مسلمان ہو کر آئے ہیں میں نے اپنا اور اپنے خاندان کا حصہ ان کو دے دیا ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اور مسلمان بھی ان کے قیدی واپس کر دیں جو شخص خوشی اور طیب خاطر سے ایسا کر دے تو بہتر ہے ورنہ میں بعد میں اس کا معاوضہ دینے کے لئے تیار ہوں سب نے کہا ہم طیب خاطر سے اس پر راضی اور خوش ہیں۔ اس طرح چھ ہزار قیدی دفعۃً آزاد کر دیئے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن کا واقعہ

انہیں اسیران جنگ میں آپ کی رضاعی بہن حضرت شیماء بھی تھیں۔ لوگوں نے جب ان کو گرفتار کیا تو انہوں نے کہا میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں۔ لوگ تصدیق کے لئے آپ کی خدمت میں لے کر آئے۔ شیماء نے کہا اے محمد میں تمہاری بہن ہوں اور علامت بتلائی کہ لڑکپن میں ایک مرتبہ تم نے دانت سے کاٹا تھا جس کا یہ نشان موجود ہے۔ آپ نے پہچان لیا اور مرحبا کہا اور بیٹھنے کے لئے چادر بچھا دی اور فرط مسرت سے آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو نہایت عزت واحترام کے ساتھ تم کو رکھوں گا اور اگر اپنے قبیلہ میں جانا چاہو تو تم کو اختیار ہے۔ شیما نے کہا میں اپنی قوم میں جانا چاہتی ہوں اور مسلمان ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چلتے وقت ان کو کچھ اونٹ اور بکریاں اور تین غلام اور ایک باندی عطا فرمائی۔

سرداران قریش کی حوصلہ افزائی

فتح مکہ میں جو معززین قریش اسلام میں داخل ہوئے۔ وہ ابھی مذبذب الاعتقاد تھے ایمان اُن کے دلوں میں راسخ نہ ہوا تھا۔ جن کو قرآن کی اصطلاح میں مؤلفۃ القلوب کہا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم غنائم کے وقت ان کو بہت انعامات دئے۔ کسی کو سو اور کسی کو دو سو اور کسی کو تین سو اونٹ دیئے۔

انصار صحابہ رضی اللہ عنہم سے حضور ﷺ کا خطاب

الغرض جو کچھ دیا گیا وہ اشراف قریش کو دیا گیا۔ انصار کو کچھ نہیں دیا۔ اس لئے انصار کے بعض نوجوانوں کی زبان سے یہ لفظ نکلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو تو دیا اور ہم کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ ہماری تلواریں اب تک ان کے خون سے ٹپکتی ہیں۔ بعض نے کہا کہ مشکلات اور شدائد میں تو ہم کو بلایا جاتا ہے اور مال غنیمت دوسروں پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انصار کو جمع کر کے فرمایا اے انصار یہ کیا بات ہے جو میں سن رہا ہوں۔ انصار نے کہا یا رسول اللہ ہم میں کے سر برآوردہ اور سمجھدار اور اہل الرائے لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا۔ البتہ بعض نوجوانوں نے ایسا کہا۔ آپ نے فرمایا اے گروہ انصار کیا تم گمراہ نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو میرے واسطہ سے ہدایت دی۔ آپس میں تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اللہ نے میرے ذریعہ سے تمہارے دل ملا دیئے۔ تم فقیر اور کنگال تھے۔ اللہ نے میرے ذریعہ سے تم کو مالا مال کیا۔ انصار نے کہا آپ جو فرماتے ہیں وہ بالکل بجا اور درست ہے۔ بے شک اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ آپ نے فرمایا تم میری تقریر کا یہ جواب دے سکتے ہو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب لوگوں نے تجھ کو جھٹلایا ہم نے تیری تصدیق کی۔ جب تو بے یار و مددگار تھا اس وقت ہم نے تیری مدد کی۔ جب تو بے سہارا اور بے ٹھکانہ تھا تو ہم نے تجھ کو ٹھکانہ دیا۔ جب تو مفلس تھا تو ہم نے تیری یاری اور غمگساری کی۔ اے گروہ انصار کیا تمہارے دل اس بات سے رنجیدہ ہوئے کہ میں نے اس دنیائے دون میں سے جس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں کچھ متاع قلیل اور دراہم معدودہ چند لوگوں کو تالیف قلوب کے لئے دے دیئے اور تمہارے اسلام و ایمان اور ایقان و اذعان پر بھروسہ کر کے تم کو چھوڑ دیا۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ قریش کو قتل و قید کی مصیبتیں پہنچی ہیں۔ (یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کو جانی اور مالی طرح طرح کی اذیتیں پہنچی ہیں۔) اس لئے اس داد و دہش سے ان کے نقصان کے لئے کچھ تلافی کرنا چاہتا ہوں اور ان کے دلوں کو اسلام سے مانوس کرنا چاہتا ہوں کہ غزوات میں ان کے بھائی بند قتل اور قید ہوئے اور طرح طرح کی ذلتیں اور مصیبتیں ان کو پہنچیں جن سے اللہ تعالیٰ نے تم کو محفوظ رکھا۔ پس تالیف

قلب کے لئے ایسے لوگوں کو مال دینا مناسب ہے اور تم اہل ایمان ہو ایمان اور ایقان کی بے مثال اور لازوال دولت سے مالا مال ہو۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ لوگ تو اونٹ اور بکری لے کر اپنے گھر واپس ہوں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر ہجرت کا تقدیری امر نہ ہوتا تو میں بھی انصار میں سے ہوتا۔ اگر لوگ ایک گھاٹی کو چلیں اور انصار دوسری گھاٹی کو تو میں انصار کی گھاٹی کو اختیار کروں گا۔ اے اللہ تو انصار پر اور ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد پر رحم اور مہربانی فرمانا۔

یہ فرمانا تھا کہ انصار جان نثار چیخ اٹھے اور روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور کہا ہم اس تقسیم پر دل و جان سے راضی ہیں کہ اللہ کا رسول ہمارے حصہ میں آیا۔ اس کے بعد مجمع برخواست ہو گیا۔

عمرہ جعرانہ اور مدینہ واپسی

بعد ازاں ۱۸ ذی القعدۃ الحرام کو شب کے وقت آپ جعرانہ سے مکہ کی طرف عمرہ کے ارادہ سے رانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر عتاب بن اسید کو مکہ کا والی مقرر فرمایا اور معاذ بن جبل کو تعلیم دین کی غرض سے ان کے پاس چھوڑا اور دو مہینے اور سولہ دن کے بعد ۲۷ ذیقعدہ الحرام کو مع صحابہ کے داخل مدینہ ہوئے۔

متعہ کی حرمت کا اعلان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اوطاس سے عمرہ کرنے کے لئے تشریف لائے تو باب کعبہ پر کھڑے ہوئے اور کعبہ کے دونوں بازو دونوں ہاتھوں سے تھامے اور یہ فرمایا کہ متعہ قیامت تک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ اعلان رات کے وقت تھا۔ اور سامعین حاضرین کی تعداد قلیل تھی سب کو پوری طرح اس کی خبر نہ ہوئی۔ اس لئے بعضے بے خبری میں اس کے بعد متعہ کے مرتکب ہوئے تو آپ نے غزوۂ تبوک میں پھر اس کی حرمت کا اعلان فرمایا۔ پھر حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں بعضے لوگ اسی بے خبری کی وجہ سے نکاح متعہ کے مرتکب ہوئے۔ یہ خبر سن کر خلیفہ وقت منبر پر کھڑے ہوئے اور کہا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے متعہ کو حرام فرمایا ہے۔ اور گاہ گاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں (بے خبری کی بناء پر متعہ ہوا ہے) اور آپ نے اس پر کوئی مواخذہ نہیں فرمایا۔ آخر کار متعہ کی حرمت

ثابت ہو چکی ہے اب میرے اس اعلان کے بعد جو متعہ کرے گا میں اس پر حد زنا جاری کروں گا۔ حضرت عمر کے اس اعلان واجب الاذعان کے بعد متعہ قطعاً موقوف ہو گیا۔

پورے عرب کا فتح ہونا

قبائل عرب فتح مکہ کے منتظر تھے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ اور اہل مکہ پر غالب آ گئے تو آپ سچے پیغمبر ہیں۔ چنانچہ مکہ فتح ہوتے ہی لوگ جوق در جوق اسلام کے حلقہ بگوش ہونے لگے۔

لیکن قبائل ہوازن وثقیف جو فنون جنگ سے نہایت باخبر اور آگاہ اور محکم تیرانداز تھے۔ تکوینی طور پر ان کے قلوب کو فی الحال روک لیا گیا۔ تاکہ جب پورے ساز و سامان کے ساتھ میدان پر آجائیں حتیٰ کہ کوئی مرد اور عورت بچہ اور بوڑھا اونٹ اور بکری کوئی جانور اور کوئی مویشی اور کسی قسم کا مال گھر میں نہ رہنے پائے اللہ کے لشکر کے لئے تمام مال غنیمت یکجا جمع ہو جائے تاکہ حق جل وعلا اس وقت اپنے دین متین کی فتح مبین کا عجیب وغریب منظر دنیا کو دکھلائے۔

غزوات عرب کی ابتداء غزوۂ بدر سے ہوئی۔ جس نے ان کو مرعوب کر دیا تھا اور غزوۂ حنین پر اس کی انتہا ہوئی۔ جس نے عرب کی قوت وشوکت کا خاتمہ کر دیا کہ اب جزیرۃ العرب میں کسی کی مجال نہیں کہ حق کے مقابلہ میں سر اٹھا سکے۔

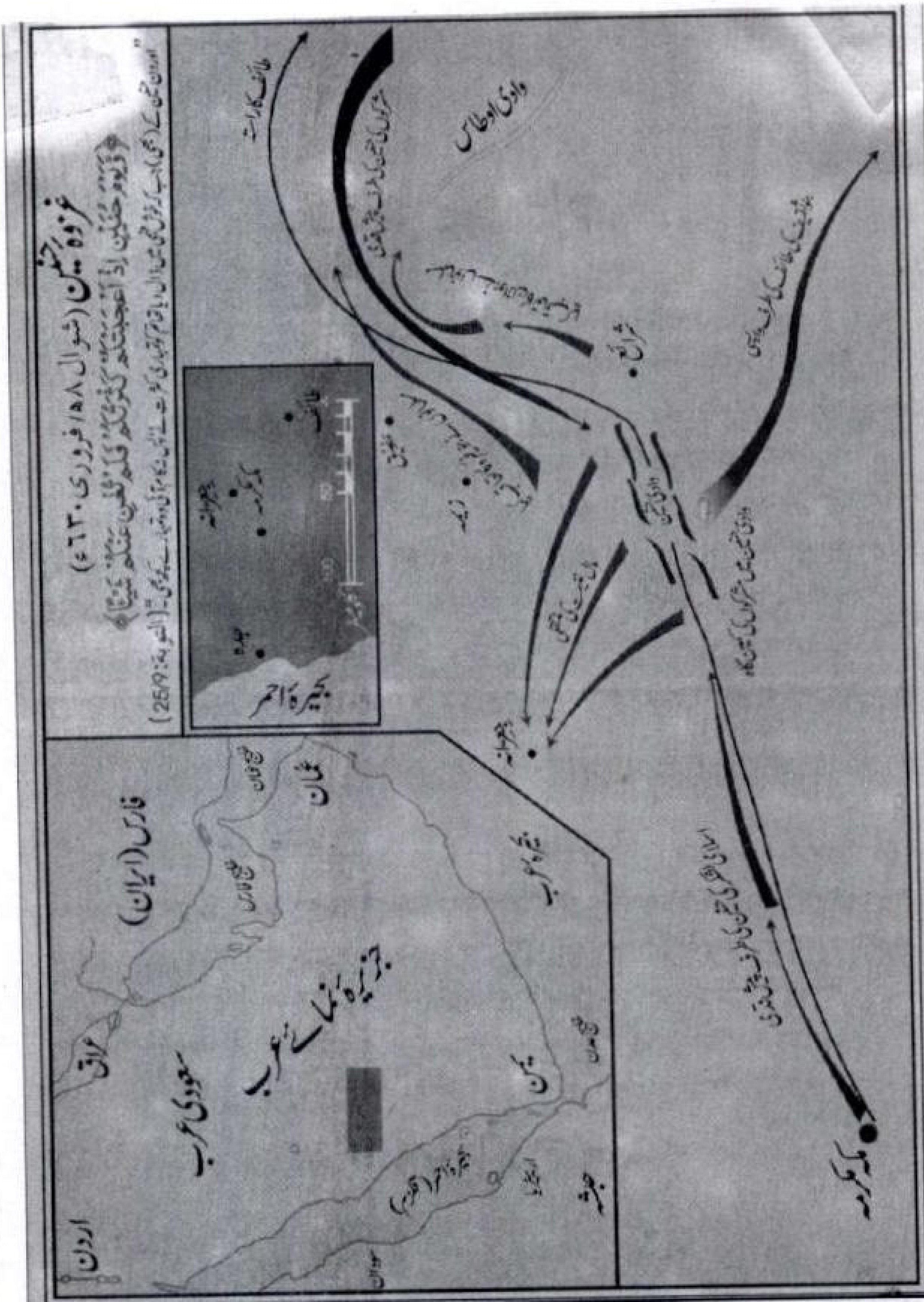
۸ھ کے دیگر واقعات

(۱) اسی سال عتاب بن اسیدؓ نے تمام مسلمانوں کو اسی طرح سے حج کرایا جیسے عرب کا طریق تھا۔

(۲) اسی سال ماہ ذی الحجہ میں ماریہ قبطیہ کے بطن سے ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

(۳) اسی سال آپ نے حضرت عمرو بن العاص کو عامل بنا کر صدقات وصول کرنے کے لئے عمان کی طرف بھیجا۔

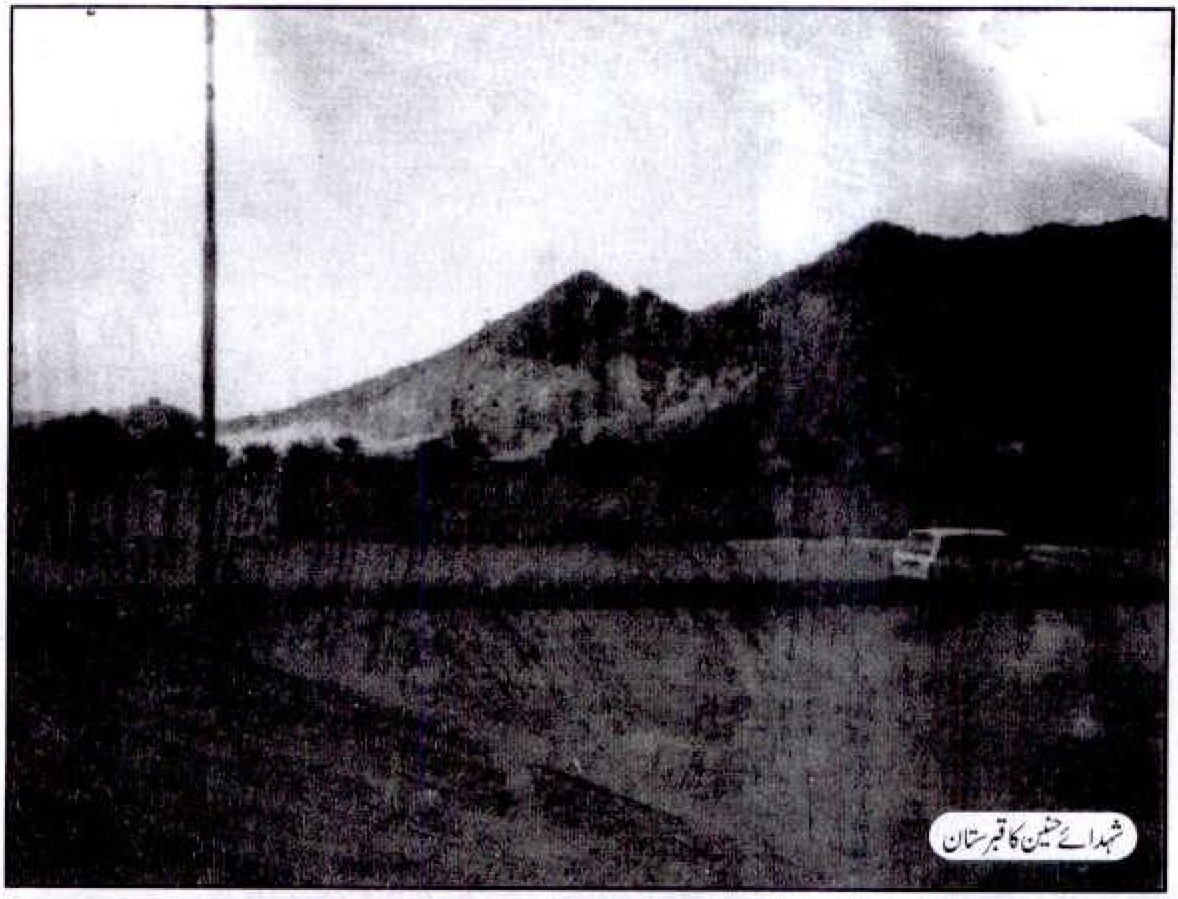
(۴) اسی سال آپ نے کعب بن عمیر کو ذات اطلاع کی طرف جو شام کا ایک علاقہ ہے دعوت اسلام کی غرض سے روانہ کیا۔ پندرہ آدمی ان کے ہمراہ گئے وہاں کے لوگوں نے سب مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ صرف ایک آدمی بچ کر مدینہ واپس آیا۔



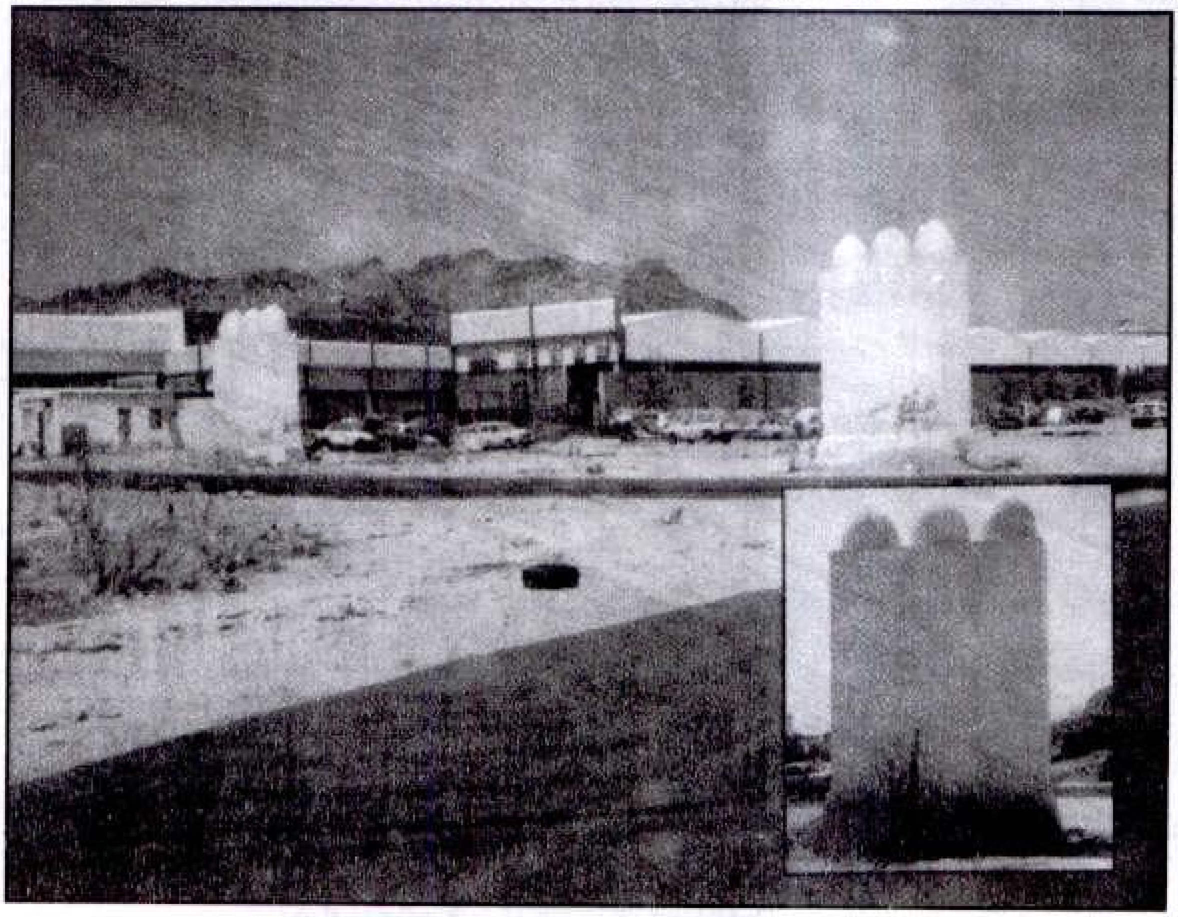
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِ الْعٰلَمِيْنَ

حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ صَلٰوةً اَنْتَ لَهَا اَهْلٌ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ كَذٰلِكَ

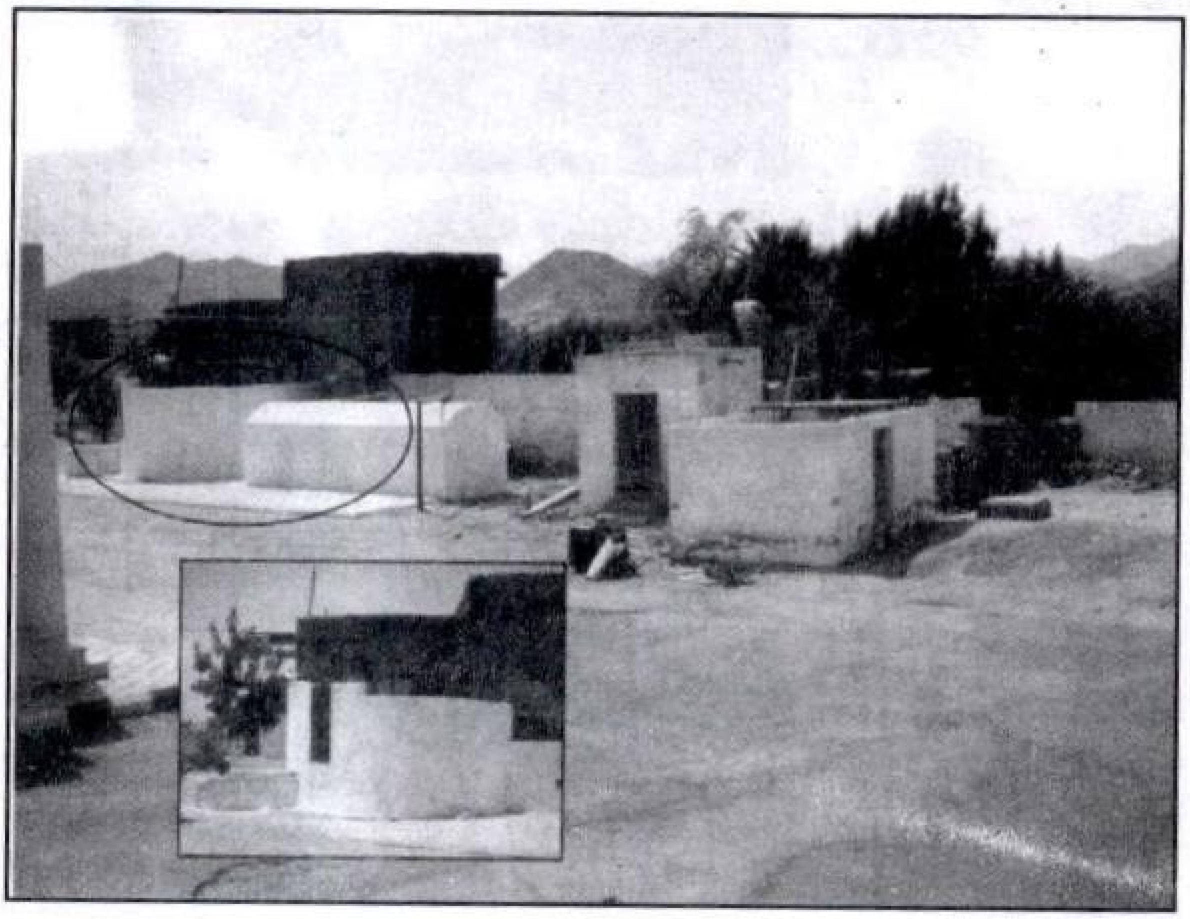
جو شخص صبح و شام سات سات مرتبہ اس درود شریف کو پابندی سے پڑھے گا تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کی اولاد کو باعزت رکھے گا۔ (ذریعۃ الوصول)



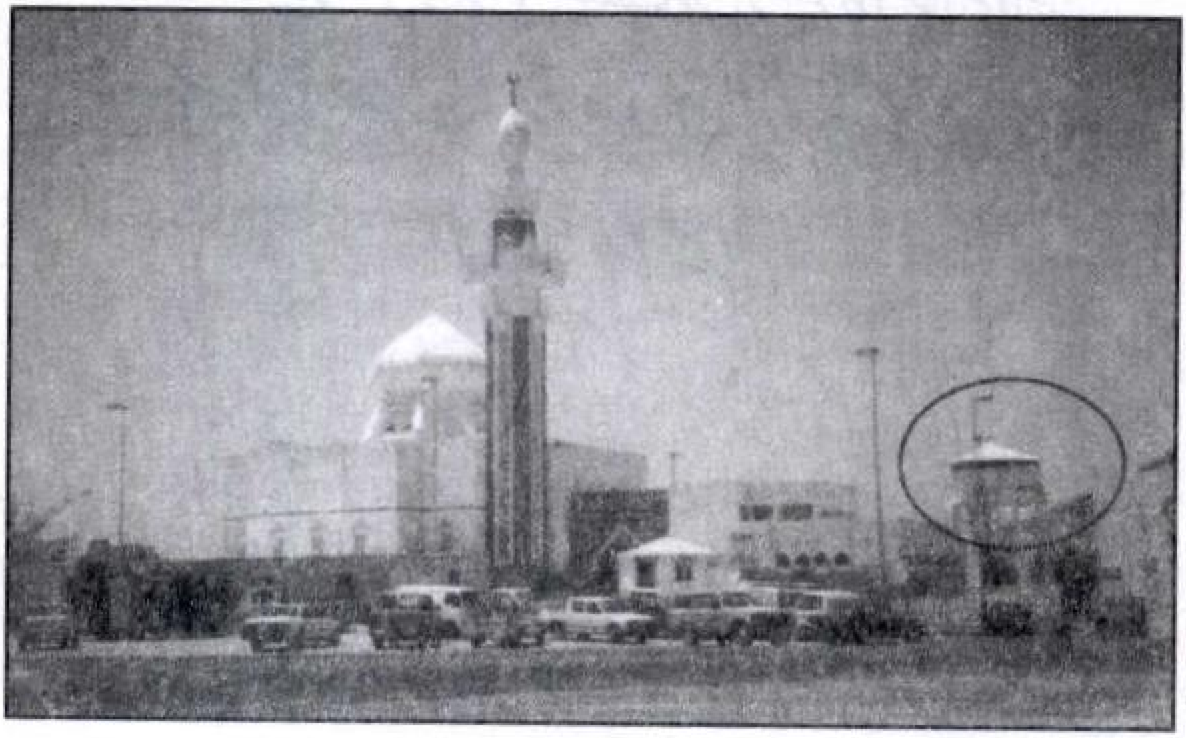
شہدائے حنین کا قبرستان



غزوۂ طائف سے واپسی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۸ ذیقعدہ ۸ ہجری کو جعرانہ سے عمرے کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ جامعہ مسجد جعرانہ سے تھوڑے فاصلے پر حدود حرم کے آغاز کی علامت کے طور پر سڑک کے دونوں جانب یہ علامتی نشان تعمیر کئے گئے ہیں



جعرانہ کے مقام پر یہ کنواں تھا جس کا پانی کھارا اور کڑوا تھا۔ روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا لعاب مبارک اس میں ڈالا تو وہ میٹھا ہو گیا



جامع مسجد جعرانہ: غزوہ حنین میں فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مال غنیمت ''جعرانہ'' نامی مقام میں جمع کر دیا جائے اور خود آپ طائف کی طرف روانہ ہو گئے۔

باب ۶

غزوات و واقعات ۹-۱۰ ھ کے

گورنروں کا تقرر، سرایا، کعب بن زہیر کا اسلام لانا،
غزوۂ تبوک، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنانا،
وفود کی آمد وغیرہ

اِسلامی ریاستوں کے گورنروں اور عاملوں کا تقرر

صوبوں کے گورنروں کا تقرر

فتح مکہ کے بعد تقریباً تمام جزیرۃ العرب اسلام کے زیر نگیں تھا۔ لہذا ضرورت کا تقاضا ہوا کہ اسلامی قلمرو کے نظم ونسق کی طرف توجہ کی جائے اس لئے آپ نے اسلام کی سطوت اور حکومت قائم رکھنے کے لئے مختلف ممالک میں جدا جدا والی اور حاکم مقرر فرمائے۔ باذان بن ساسان کو یمن کا والی مقرر فرمایا۔ باذان۔ کسریٰ کی طرف سے یمن کا والی تھا کسری کے ہلاک ہونے کے بعد باذان مسلمان ہو گیا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باذان کو بدستور یمن کی ولایت اور حکومت پر قائم رکھا اور جب تک باذان زندہ رہا کسی کو ان کا شریک اور سہیم نہیں قرار دیا۔ باذان کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے شہر بن باذان کو صنعاء کا والی مقرر کیا۔ شہر کے مر جانے کے بعد خالد بن سعید بن العاص اموی صنعاء کے والی مقرر ہوئے اور زیاد بن لبید انصاری حضر موت کے اور ابو موسیٰ اشعری زبید اور عدن کے اور معاذ بن جبل علاقہ یمن کے شہر جند کے اور ابوسفیان بن حرب نجران کے اور ان کے بیٹے یزید بن ابی سفیان تمامی کے اور عتاب بن اسید مکہ کے والی اور حاکم مقرر ہوئے اور حضرت علیؓ یمن کے قاضی مقرر ہوئے۔

مختلف قبائل کے عاملین

محرم الحرام ۹ھ میں آپ نے عاملین اور مصدقین کو اطراف واکناف میں زکوٰۃ اور صدقات وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔

نام عامل	کس قبیلہ کی طرف بھیجا گیا
عیینہ بن حصن فرازیؓ	بنی تمیم
بریدہ بن الحصیبؓ	اسلم وعقار
عباد بن بشر اشہلیؓ	سلیم ومزینہ
رافع بن مکیثؓ	جہینہ
عمرو بن العاصؓ	بنی فزارہ
ضحاک بن سفیان کلابی	بنی کلاب
بسر بن سفیان کعبیؓ	بنی کعب
ابن اللتبیہ ازدیؓ	بنی ذبیان
علاء بن الحضرمیؓ	بحرین
حضرت علیؓ	نجران
عدی بن حاتمؓ	طیی وبنی اسد
مالک بن نویرہ	بنی حنظلہ

سریۂ عیینہ بن حصن فزاری بسوئے بنی تمیم

(محرم الحرام ۹ھ)

بنو تمیم کا زکوٰۃ سے انکار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشر بن سفیان عدوی کو تحصیل صدقات کے لئے روانہ کیا۔ لوگ زکوٰۃ دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر بنو تمیم اس میں مزاحم ہوئے اور کہا خدا کی قسم یہاں سے ایک اونٹ بھی نہ جائے گا اور تلواریں سونت کر لڑنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ بشر یہ دیکھ کر واپس آ گئے۔

بنو تمیم پر حملہ

اس پر آپ نے عیینہ بن حصن فزاری کو پچاس سواروں پر سردار مقرر کر کے مقام سقیا کی طرف روانہ کیا۔ جہاں بنو تمیم رہتے تھے۔ یہ مقام جحفہ سے سترہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ رات کو پہنچ کر ان پر چھاپہ مارا گیارہ مرد اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار کر کے مدینہ لے آئے۔

بنو تمیم کے وفد کی مدینہ آمد

بنی تمیم نے مجبور ہو کر دس آدمیوں کا ایک وفد آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ جن میں عطارد بن حاجب اور زبرقان اور قیس بن عاصم اور اقرع بن حابس بھی تھے۔ جب مدینہ پہنچے تو آپ کے حجرۂ شریفہ کے پیچھے کھڑے ہو کر آپ کو آواز دی' اے محمد باہر آؤ تا کہ ہم آپ سے مفاخرہ اور شاعری میں مقابلہ کریں۔ ہماری مدح زینت ہے اور ہماری مذمت عیب ہے۔ آپ نے فرمایا یہ شان تو اللہ کی ہے باقی میں نہ شاعر ہوں اور نہ مجھ کو فخر کا حکم دیا گیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ان الذین ینادونک من ورآء الحجرات اکثرھم لایعقلون ولو انھم صبروا حتیٰ تخرج الیھم لکان خیراً لھم واللہ غفور رحیم

تحقیق جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے آواز دیتے ہیں اکثر بے عقل ہیں اور اگر یہ صبر کرتے یہاں تک آپ ان کی طرف برآمد ہوتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

حضورؐ سے ملاقات

بعد ازاں آپ باہر تشریف لائے اور ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ جماعت سے فارغ ہو کر صحن مسجد میں بیٹھ گئے۔ وفد نے کہا کہ ہم مفاخرہ کے لئے آئے ہیں۔ آپ ہمارے شاعر اور خطیب کو کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا اجازت ہے۔

بنی تمیم کے خطیب کا خطبہ

خطیب بنی تمیم عطارد بن حاجب کھڑے ہوئے اور یہ خطبہ پڑھا۔

الحمد للہ الذی لہ علینا الفضل ھو الذی جعلنا ملوکاً ووھب لنا اموالا عظا مانفعل فیھا لمعروف و جعلنا اعزاھل المشرق واکثرعددا وعدۃ فمن مثلنا فی الناس . السنا برؤس الناس وافضلھم فمن فاخرنا فلیعد مثل ما عددنا و انا لوشئنا لا کثرنا الکلام و لکنا نستحیی من الاکثار و انا نعرف بذالک اقول ھذا لان تأتوا بمثل قولنا و امر افضلٍ من امرنا

حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے ہم کو فضیلت دی اور بادشاہ بنایا اور مال و دولت دی جسے ہم نیک کاموں میں صرف کرتے ہیں اور ہم کو اہل مشرق میں سب سے زیادہ عزت والا اور کثرت والا اور قوت و شوکت والا بنایا۔ پس لوگوں میں ہم جیسا کون ہے کیا ہم لوگوں کے سردار اور ان سے بالاتر نہیں پس جو ہم سے فخر میں مقابلہ کرنا چاہے تو اس کو چاہیئے کہ ہمارے جیسے مفاخر اور مناقب شمار کرے جیسے ہم نے اپنے مفاخر بیان کئے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اپنے مفاخر کے بارہ میں طویل تقریر کر سکتے ہیں لیکن ہمیں اپنے مفاخر کرنے سے شرم آتی ہے میں نے یہ اس لئے کہا ہے کہ اگر کوئی اس کے مثل یا اس سے بہتر لا سکے تو لائے۔

حضرت ثابت کا جوابی خطبہ

عطارد خطبہ سے فارغ ہو کر بیٹھ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس بن شماس انصاری کو جواب کے لئے ارشاد فرمایا۔ ثابت بن قیس فوراً کھڑے ہوئے اور یہ خطبہ پڑھا۔

الحمد لله الذی السموات والارض خلقه قضی فیهن امره و وسع کرسیه علمه ولم یکن شیئ قط الامن فضله ثم کان من قدرته ان جعلنا ملوکا واصطفٰے خیر خلقه رسولا اکرمه نسبا واصدقه حدیثا وافضله حسبا وانزل علیه کتاباً وائتمنه علی خلقه فکان خیره اللّٰه فی العالمین ثم دعا الناس الی الایمان به فامن برسول الله صلی اللّٰه علیه وسلم المهاجرون من قومه وذوی رحمه اکرم الناس احسابا واحسن الناس وجوها و خیر الناس فعالاثم کنا اول الخلق اجابة واستجابة لله حین دعا رسول الله فنحن انصار الله ووزراء رسول لله صلی الله علیه وسلم نقاتل الناس حتی یومنوا بالله فمن اٰمن بالله و رسوله منع ماله ودمه ومن کفر جاهدناه فی الله ابداً و کان قتله علینا یسیرا قول قولی هذا واستغفر الله لی و للمؤمنین والمومنات والسلام علیکم.

حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور اپنا حکم اس میں جاری کیا اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے جو کچھ بھی ہے وہ اس کے فضل سے ہے پھر اس کی قدرت نے ہم کو بادشاہ بنادیا اور بہترین خلائق کو رسول بنا کر بھیجا جو تمام مخلوق میں حسب و نسب میں سب سے بڑھ کر ہے اور خدا نے ان پر ایک کتاب نازل کی اور ان کو تمام مخلوق پر امین بنایا۔ پس وہ تمام جہانوں میں سب سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ بندہ ہیں۔ اس اللہ کے رسول نے تمام لوگوں کو ایمان کی دعوت دی پس اس رسول پر سب سے پہلے مہاجرین ایمان لائے جو آپ کی قوم کے لوگ ہیں اور آپ کے رشتہ دار ہیں اور حسب ونسب اور وجاہت میں سب سے بڑھ کر ہیں اور باعتبار افعال واعمال کے بھی سب سے بہتر ہیں۔ پھر مہاجرین کے بعد ہم انصار نبی کی دعوت قبول کرنے میں اور لوگوں سے مقدم ہیں ہم انصار۔ اللہ کے دین کے مددگار ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر ہیں ہم لوگوں سے اس وقت تک جہاد و قتال کرتے ہیں کہ جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں لیکن جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے اس نے اپنی جان و مال کو محفوظ کرلیا اور جس نے کفر کیا اس سے ہم خدا کی راہ میں جہاد وقتال کریں گے۔ اور اس کا قتل ہم پر آسان ہے' یہ ہے جو مجھے کہنا تھا اور میں خدا تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمام مومنین اور مومنات کے لئے مغفرت کے لئے دعا کرتا ہوں۔ والسلام

زبرقان کا قصیدہ اور حضرت حسانؓ کا جوابی قصیدہ

بعد ازاں زبرقان بن بدر نے اپنے مفاخر ومناقب میں ایک قصیدہ پڑھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان سے فرمایا اس کا جواب دو۔ حسانؓ نے فی البدیہ اس کے جواب میں ایک قصیدہ پڑھا۔

پورے وفد کا مسلمان ہوجانا

اقرع بن حابس نے کہا خدا کی قسم آپ کا خطیب ہمارے خطیب سے اور آپ کا شاعر ہمارے شاعر سے بڑھ کر ہے اور سب مشرف باسلام ہوگئے۔ آپ نے ان کو انعام دیا اور ان کے سب قیدی واپس کردیئے۔

ولید بن عقبۃ بن ابی معیط کو بنی المصطلق کی طرف بھیجنا

بنی المصطلق کے بارے میں عامل کی غلط فہمی

ولید بن عقبہ کو آپ نے صدقات وصول کرنے کے لئے بنی المصطلق کی طرف روانہ فرمایا۔ وہ لوگ ولید کی خبر سن کر نہایت شاداں وفرحاں ہتھیار لگا کر عسکری شان سے ولید کے استقبال کے لئے نکلے۔ زمانہ جاہلیت سے ولید کے خاندان اور بنی المصطلق میں عداوت چلی آتی تھی۔ ولید کو دور سے دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ غالباً دیرینہ عداوت کی وجہ سے یہ لوگ مقابلہ کے لئے نکلے ہیں۔ اس لئے ولید راستہ ہی سے واپس ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر یہ بیان کر دیا کہ وہ لوگ دین اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں۔ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ آپ کو سن کر تعجب ہوا۔

خدمت اقدس میں بنی المصطلق کا وفد

آپ اسی تردد میں تھے کہ یہ خبر بنی المصطلق کو پہنچی ان لوگوں نے فوراً اپنا ایک وفد آپ کی خدمت میں روانہ کیا جس نے حاضر ہو کر بارگاہ نبوی میں حقیقت حال کی اطلاع دی۔

خبروں کی تصدیق وتردید کا ضابطہ

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یٰآیها الذین اٰمنوا ان جآء کم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجهالة فتصبحوا علیٰ ما فعلتم نادمین

اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں کسی قوم کو کوئی ضرر پہنچادو اور پھر اپنے کئے ہوئے پر پشیمان ہو۔

یادرکھنا چاہئے کہ اس آیت میں فسق سے لغوی معنی مراد ہیں۔یعنی اطاعت سے خروج کرنا خواہ وہ کتنا ہی معمولی درجہ کا خروج ہو اس جگہ اصطلاحی اور شرعی فسق مراد نہیں۔گناہ کبیرہ کا قصد اور عمداً ارتکاب اصطلاح شریعت میں فسق کہلاتا ہے۔ولید نے جو کچھ آپ سے آکر بیان کیا اس کا منشاء غلط فہمی تھا اس لئے آیت میں فسق سے لغوی فسق مراد ہے اور خبر چونکہ خلاف واقع تھی اس لحاظ سے ان کو فاسق کہا گیا۔اور اس معنی میں صحابی کا فاسق ہونا اس کے شرعاً فاسق ہونے کو مستلزم نہیں۔

سریۂ عبداللہ بن عوسجہؓ

بنی عمرو بن حارثہ کی سرکشی

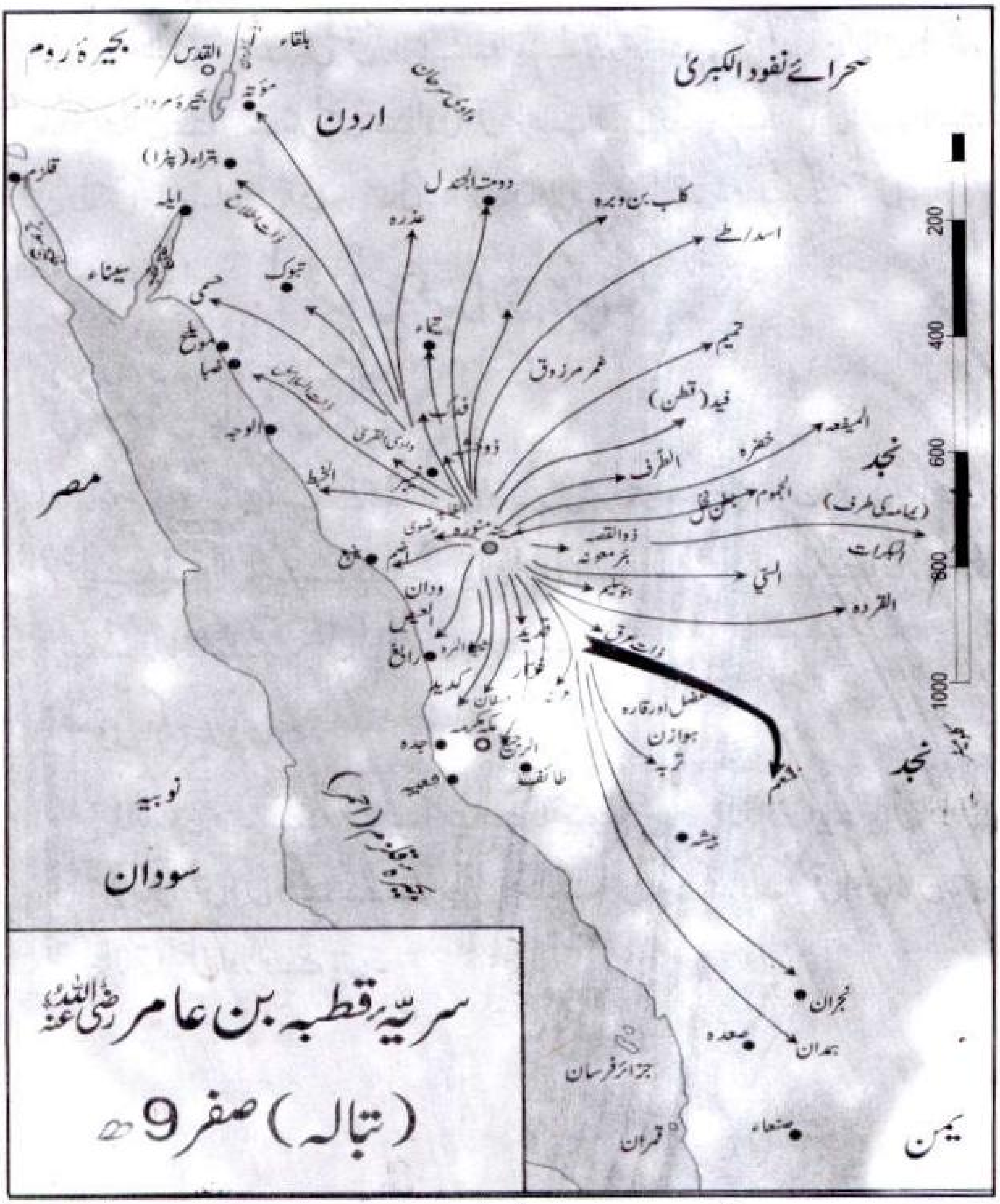
ماہ صفر ۹ ھ میں آپ نے عبداللہ بن عوسجہ کو بنی عمرو بن حارثہ کی طرف دعوت اسلام کی غرض سے ایک والا نامہ دے کر روانہ فرمایا ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور آپ کے والا نامہ کو دھو کر ڈول کی تلی میں باندھ دیا۔

حضورؐ کی بددعا

عبداللہ بن عوسجہ نے آکر جب آپ سے واقعہ بیان کیا تو یہ ارشاد فرمایا۔کیا ان لوگوں کی عقل جاتی رہی اس وقت سے لے کر اس وقت تک اس قبیلہ کے لوگ احمق اور نادان ہیں تقریباً فاتر العقل اور گونگے ہیں۔

سریۂ قطبۃ بن عامرؓ

اسی مہینہ میں آپ نے بیس آدمی قطبہ بن عامر کے زیر کمان خشعم کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمائے۔ قطبہ بن عامر نے جا کران کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کو شکست دی اور کچھ اونٹ اور بکری اور کچھ قیدی غنیمت میں لے کر واپس ہوئے۔ خمس نکالنے کے بعد چار چار اونٹ ہر شخص کے حصہ میں آئے اور ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر قرار دیا گیا۔



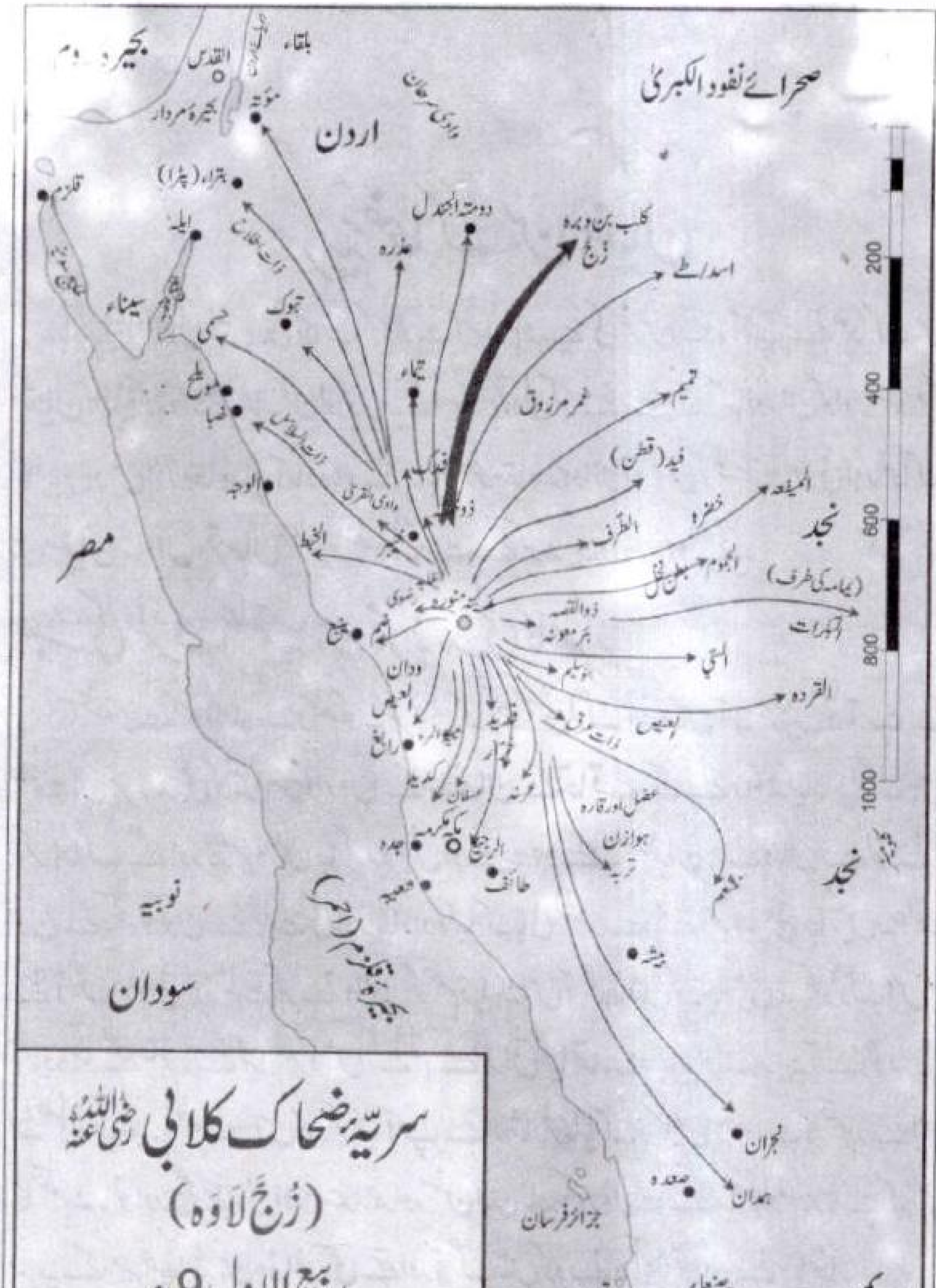
سریہ قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
(تبالہ) صفر 9ھ

سریۂ ضحاک بن سفیان

ماہ ربیع الاول میں بنی کلاب کو دعوت اسلام دینے کی غرض سے آپ نے ضحاک بن سفیان کلابی کو روانہ فرمایا۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور ان کو اور اسلام کو گالیاں دیں اور مقابلہ پر آمادہ ہو گئے۔ بالآخر مقابلہ ہوا ان لوگوں کو شکست ہوئی اور ضحاک بن سفیان شاداں وفرحاں مظفر ومنصور غنیمت لے کر مدینہ واپس ہوئے۔

حبشہ کی طرف علقمۃ بن مجزز مدلجی کا سریہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ کچھ حبشی لوگ جدہ میں آئے ہیں تو آپ نے علقمۃ بن مجزز مدلجی کو تین سو سواروں کے ساتھ ان کے تعاقب کے لئے روانہ کیا۔ یہ لوگ خبر پا کر بھاگ گئے اور جزیرہ میں جا کر روپوش اور لاپتہ ہو گئے۔ مسلمان جب وہاں سے لوٹے تو فوج کے کچھ لوگوں نے عجلت کی اور یہ ارادہ کیا کہ باقی لشکر سے پہلے ہم گھر پہنچ جائیں۔ علقمہ نے آگ جلوائی اور عجلت کرنے والوں کو حکم دیا کہ اس آگ میں کود جائیں۔ کچھ لوگ اس پر آمادہ ہو گئے علقمہ نے کہا ٹھہرو میں نے تم سے مذاق کیا تھا۔ جب یہ لوگ مدینہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو تمہیں معصیت کا حکم دے اس کا حکم نہ مانو اور صحیح بخاری اور مسند احمد اور سنن ابن ماجہ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سریہ کے امیر عبداللہ بن حذافہ سہمی تھے اور آگ میں کودنے کا حکم انہوں نے دیا تھا۔



اللّٰھمّ صلّ علٰی محمّدٍ
وآلہ الف الف مرّۃٍ

جو شخص جمعہ کے دن ہزار مرتبہ یہ درود شریف پڑھے تو وہ اس وقت تک نہ مرے گا جب تک وہ مرنے سے پہلے جنت میں اپنا ٹھکانہ نہ دیکھ لے۔ (ذریعۃ الوصول)

سریۂ علی بن ابی طالبؓ

قبیلہ طی کے بت کا خاتمہ

ماہ ربیع الآخر ۹ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو یا دو سو آدمیوں کے ساتھ قبیلہ طی کے بت فلس کو منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا وہاں پہنچ کران پر شب خون مارا کچھ آدمی اور کچھ مویشی گرفتار ہوئے بت خانہ کو منہدم کر کے نذر آتش کیا اور دو تلواریں اس بت خانے سے لوٹ لائے جو حارث بن شمر نے چڑھائی تھیں۔

حاتم طائی کی بیٹی سفانہ

ان قیدیوں میں مشہور سخی حاتم طائی کی بیٹی سفانہ بھی تھی اور حاتم کے فرزند عدی بن حاتم لشکر اسلام کی خبر سنتے ہی شام بھاگ گئے تھے۔ اس لئے کہ شام میں اس کے ہم مذہب و مشرب نصاریٰ بکثرت تھے۔ قیدی گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے اور مسجد کے قریب حطیرہ میں اتار دیئے گئے۔

رحم کی درخواست

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ادھر سے گزرے تو حاتم کی بیٹی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یارسول اللہ باپ تو فوت ہو گیا اور جو ہمارا خبر گیر تھا وہ فرار ہو گیا۔ آپ ہم پر احسان کیجئے اللہ آپ پر احسان کرے گا۔ آپ نے دریافت فرمایا وہ تیرا خبر گیر اور سرپرست کون تھا۔ سفانہ نے کہا میرا بھائی عدی بن حاتم آپ نے فرمایا وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفانہ کو واپس بھجوانا

بہتر ہے میں تجھ پر احسان کرتا ہوں مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہاری قوم کا کوئی شخص قابل اطمینان مل جائے تو اس کے ہمراہ تم کو بھیج دوں چنانچہ دو تین ہی روز کے بعد قبیلہ طے کے کچھ آدمی شام جانے والے مل گئے۔ آپ نے از راہ لطف و کرم سامان سفر اور سواری اور کچھ

جوڑے دے کر ان کو رخصت کیا۔

سفانہ کا اسلام لانا

یہ لطف وکرم دیکھ کر سفانہ مشرف باسلام ہوئیں اور ان الفاظ میں آپ کا شکریہ ادا کیا۔

خدا کرے وہ ہاتھ تیرا ہمیشہ شکر گزار رہے جو خوشحالی کے بعد فقیر اور خالی ہوا ہو اور وہ ہاتھ آپ پر کبھی قابو نہ پائے جو فقر کے بعد امیر ہوا ہو اور خدا کرے آپ کا احسان ہمیشہ برمحل واقع ہو اور خدا کرے آپ کو کبھی کسی کمینہ سے کوئی ضرورت نہ پیش آئے اور خدا کسی شریف کی نعمت سلب نہ کرے۔ مگر آپ کو اس کی واپسی کا وسیلہ اور ذریعہ بنائے۔

سفانہ کے بھائی کا مسلمان ہونا

سفانہ آپ سے رخصت ہو کر شام پہنچی اور اپنے بھائی عدی سے ملی اور تمام حالات بیان کئے۔ عدی نے بہن سے پوچھا تمہاری کیا رائے ہے۔ سفانہ نے جواب دیا۔

خدا کی قسم میں یہ مناسب سمجھتی ہوں کہ تم جلد از جلد جا کر ان سے ملو اگر وہ نبی ہیں تو ان کی طرف دوڑنا اور سبقت کرنا باعث فضیلت ہے اور اگر بادشاہ ہیں تو ہمیشہ کے لئے باعث عزت ہے اور تو تو تو ہی ہے۔

عدی نے سن کر کہا۔

خدا کی قسم رائے تو یہ ہے۔

بعد ازاں عدی بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

کعب بن زہیر کے مسلمان ہونے کا واقعہ

کعب اور بجیر کا مکہ سے فرار

کعب بن زہیر آپ کی ہجو میں شعر کہا کرتا تھا فتح مکہ کے دن کعب بن زہیر اور ان کا بھائی بجیر بن زہیر جان بچا کر مکہ سے فرار ہوئے اور مقام ابرق الغراف میں جا کر ٹھہرے۔

بجیر کا مسلمان ہونا

بجیر نے کعب سے کہا تم یہاں ٹھہرو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا کلام سنوں اور آپ کے دین کو معلوم کروں اگر آپ کی سچائی معلوم ہو جائے تو آپ کا اتباع کروں ورنہ چھوڑ دوں۔ کعب وہیں رہے اور یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کا کلام سنا سنتے ہی مشرف باسلام ہو گئے۔

کعب کی طرف بجیر کا خط

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس ہو کر مدینہ پہنچے تو بجیر نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کو اس مضمون کا ایک خط لکھا کہ جو لوگ آپ کی ہجو میں اشعار کہتے تھے وہ فتح مکہ کے دن قتل کر دیئے گئے اور جو جان بچا کر بھاگ سکتے تھے وہ بھاگ گئے اگر تجھ کو اپنی جان عزیز ہے تو فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو جا جو شخص مسلمان اور تائب ہو کر آپ کے پاس آتا ہے آپ اس کو قتل نہیں کرتے اور اگر یہ نہیں کر سکتا تو کہیں دور دراز جگہ چلا جا جہاں تیری جان بچ جائے۔

کعب کا جواب

کعب کو یہ ناگوار گزرا کہ بجیر بغیر میرے مشورہ کے مسلمان ہو گیا اور یہ اشعار لکھ کر بھیجے۔

الا ابلغا عنی بجیراً رسالةً　　　فھل لک فیما قلت ویحک ھل لکا

اے دوستو بجیر کو میرا یہ پیام پہنچا دو میں جو کچھ کہتا ہوں اس بارے میں تیری کیا رائے ہے۔ افسوس تو کیا کر گزرا۔

فبین لنا ان کنت لست بفاعل　　　علیٰ ای شیئ غیر ذالک دلکا

تو یہ بتلا کہ اگر تو اپنے باپ دادا کے دین پر قائم نہیں رہ سکتا تو پھر اس کے سوا تو نے اور کونسا راستہ اختیار کیا ہے۔

علیٰ خلق لم تلف اماً و لا اباً　　　علیه و تلفی علیه اخاً لکا

تو نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ نہ ماں کو اس پر پایا اور نہ باپ کو اور نہ اپنے بھائی کو اس طریقے پر پائے گا۔

فان انت لم تفعل فلست بآسف　　　و لا قائل اما عثرت لعاً لکا

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ



(محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کتبہ الفقیر الحاج محمد عبد القادر ۱۳۸۳ سنہ محمد خاتم الانبیاء والمرسلین

پس اگر تو نے میری بات پر عمل نہ کیا تو مجھ کو کچھ غم نہیں اور نہ میں تیری لغزش کے وقت تجھ کو (لعالکا) کہوں گا یہ کلمہ لغزش کے وقت کہا جاتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ سنبھل جا اور کھڑا ہو جا۔

سقاک بها المامون کاساً رویةً　　　فانهلک المامون منها و علکا

مامون یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ قریش آپ کو امین و مامون سمجھتے تھے۔ نے تجھے چھلکتا ہوا پیالہ مکرر سہ کرر پلایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کعب کے قصیدہ کو سننا

بجیر نے اس واقعہ کو آپ سے چھپانا پسند نہ کیا۔ اس لئے یہ قصیدہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا بے شک میں منجانب اللہ مامون اور مامور ہوں اور علی خلق لم تلف اماو لا ابا. کو سن کر فرمایا یہ بھی درست ہے اس نے کہاں ماں باپ کو اس دین پر دیکھا ہے۔

بجیر کا جواب

بجیر نے اس کے جواب میں یہ اشعار لکھ کر روانہ کئے۔

من مبلغ کعباً فهل لک فی التی　　　تلوم علیها باطلاً و هی احزم

ہے کوئی کہ جو کعب کو یہ پیام پہنچا دے کیا تجھ کو اس ملت و مذہب میں داخل ہونے کی رغبت ہے۔ جس پر تو مجھ کو ناحق ملامت کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ نہایت محکم اور صواب ہے۔

الی الله لاالعزیٰ ولااللات وحده

فتنجوا اذا کان النجاء و تسلم

لات اور عزیٰ کی طرف نہیں بلکہ ایک خدا کی طرف آ جا تا کہ جس وقت اہل توحید اللہ کے عذاب سے نجات پائیں تو تو بھی نجات پائے اور اللہ کے عذاب سے سالم اور محفوظ رہے۔

لدی یوم لاینجو و لیس بمفلت　　　من الناس الاطاهر القلب مسلم

یعنی اس دن کہ کوئی شخص نجات نہ پائے گا اور عذاب سے رہائی نہ پائے گا۔ سوائے اس شخص کے کہ قلب اس کا کفر اور شرک کی نجاستوں سے پاک ہو اور مسلمان ہو۔

فدین زهیر وهو لا شیئ دینه　　　و دین ابی سلمیٰ علی محرم

زہیر کا دین بلاشبہ ہیچ ہے اور میرے باپ زہیر اور دادا ابو سلمی کا دین مجھ پر حرام ہے۔ اس لئے کہ میں حق یعنی دین اسلام میں داخل ہو گیا ہوں۔

کعب کا نعتیہ قصیدہ کہنا اور مسلمان ہونا

بجیر کے اس خط کا کعب بن زہیر پر خاص اثر ہوا اور اسی وقت ایک قصیدہ مدحیہ آپ کی شان اقدس میں لکھ کر مدینہ روانہ ہوا۔ مدینہ پہنچا اور صبح کی نماز کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اجنبی بن کر یہ سوال کیا یارسول اللہ اگر کعب بن زہیر تائب اور مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہو تو کیا آپ اس کو امان دے سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں کعب نے عرض کیا یارسول اللہ وہ نابکار اور گنہگار میں ہی ہوں۔ لائیے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایئے۔ اس وقت ایک انصاری بول اٹھے یارسول اللہ اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا چھوڑ و تائب ہو کر آیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چادر عطا فرمانا

بعد ازاں کعب نے آپ کی شان میں وہ قصیدہ پڑھا جس کا مطلع یہ ہے۔

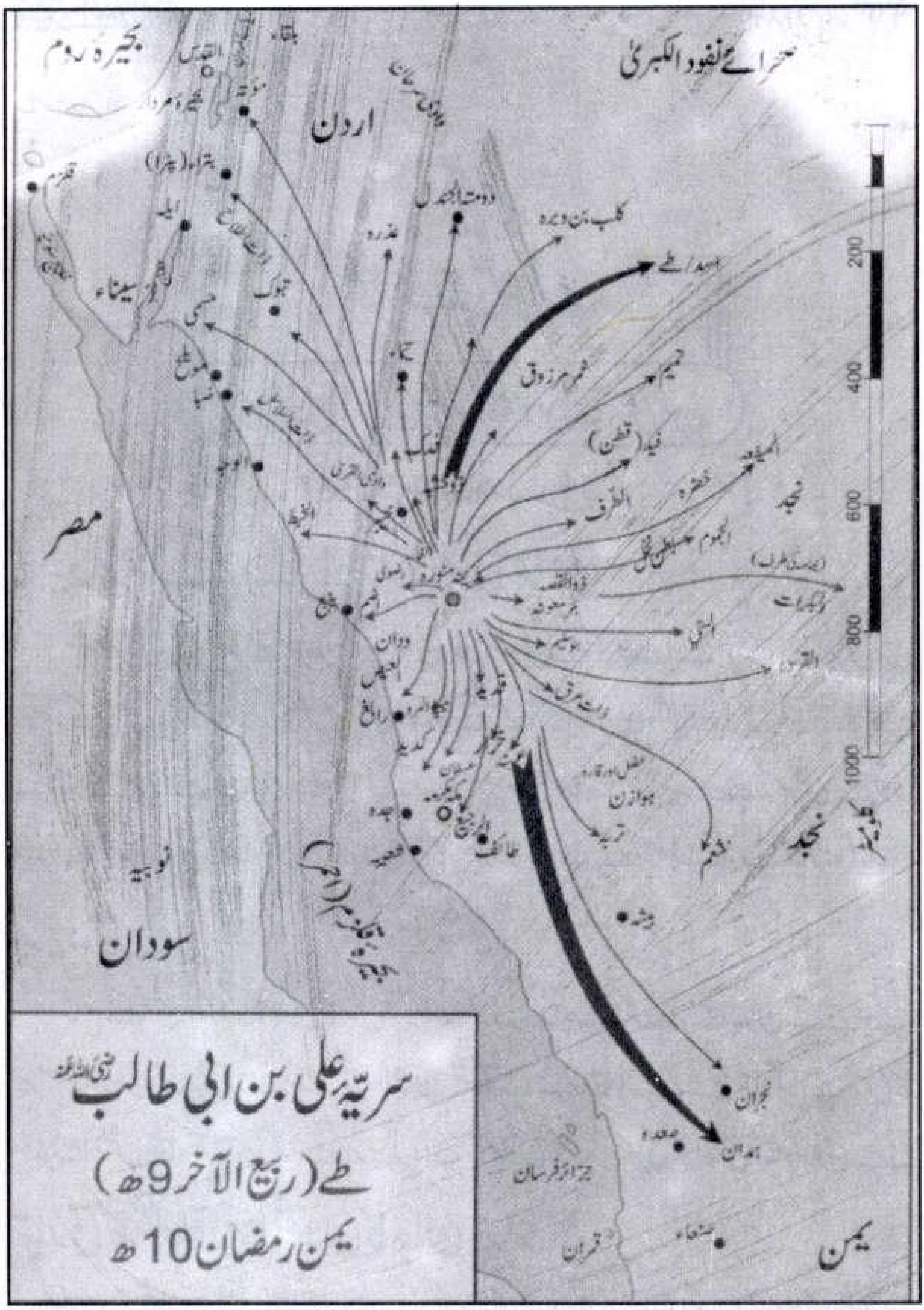
بانت سعاد فقلبی الیوم متبول   متمم اثرھا لم یفدمکبول

کعب بن زہیر جب اس شعر پر پہنچے۔

ان الرسول لسیف یستضآء بہ   مھندمن سیوف اللہ مسلول

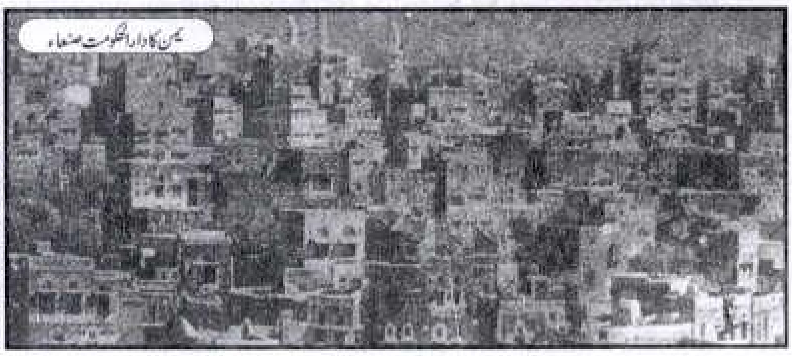
تو آپ نے اس وقت برد یمانی جو اوڑھے ہوئے تھے اتار کر کعب کو مرحمت فرمائی۔ بعد میں چل کر حضرت معاویہ نے اس چادر کو کعب بن زہیر کے وارثوں سے بیس ہزار درہم میں خرید لیا۔

یہ چادر ایک عرصہ تک خلفاء اسلام کے پاس رہی عیدین کے موقع پر تبرکاً اس کو اوڑھا کرتے تھے۔ فتنہ تاتار میں گم ہو گئی۔



سریہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
طے (ربیع الآخر 9ھ)
یمن رمضان 10ھ





یمن کا دارالحکومت صنعاء

غزوۂ تبوک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری غزوہ

(بروز جمعرات رجب ۹ھ)

مدینہ پر حملہ کے لئے بادشاہ روم کی تیاری

معجم طبرانی میں حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ نصارائے عرب نے ہرقل شاہ روم کے پاس یہ لکھ کر بھیجا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہو گیا اور لوگ قحط اور فاقوں سے بھوکے مر رہے ہیں۔ عرب پر حملہ کے لئے یہ موقع نہایت مناسب ہے۔ ہرقل نے فوراً تیاری کا حکم دے دیا۔ چالیس ہزار رومیوں کا لشکر جرار آپ کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔

مدینہ میں خبر

شام کے نبطی سوداگر زیتون کا تیل فروخت کرنے مدینہ آیا کرتے تھے۔ ان کے ذریعہ یہ خبر معلوم ہوئی کہ ہرقل نے ایک عظیم الشان لشکر آپ کے مقابلہ کے لئے تیار کیا ہے جس کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ گیا ہے اور ہرقل نے تمام فوج کو سال بھر کی تنخواہ بھی تقسیم کر دی ہے۔

تیاری کا حکم اور منافقوں کا جان چرانا

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ فوراً سفر کی تیاری کی جائے تا کہ دشمنوں کی سرحد (تبوک) پر پہنچ کر ان کا مقابلہ کریں۔ سفر کی دوری اور موسم گرما زمانہ قحط اور گرانی فقر و فاقہ اور بے سروسامانی۔ ایسے نازک وقت میں جہاد کا حکم دینا تھا کہ منافقین جو اپنے کو مسلمان کہتے تھے گھبرا اٹھے کہ اب ان کا پردہ فاش ہوا جاتا ہے خود بھی جان چرائی اور دوسروں کو بھی یہ کہہ کر بہکانے لگے۔

ایسی گرمی میں مت نکلو۔

ایک مسخرے نے کہا لوگوں کو معلوم ہے کہ میں حسین جمیل عورتوں کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتا ہوں مجھ کو اندیشہ ہے کہ رومیوں کی پری جمال نازنینوں کو دیکھ کر کہیں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔

صحابہ کرام کی بے مثال اطاعت اور قربانی

مؤمنین مخلصین سمعاً وطاعۃً کہہ کر جان و مال سے تیاری میں مصروف ہو گئے، سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر نے کل مال لا کر آپ کے سامنے پیش کر دیا جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا اہل وعیال کے لئے کچھ چھوڑا ہے۔ حضرت ابوبکر نے کہا صرف اللہ اور اس کے رسول کو حضرت فاروق اعظم نے نصف مال پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے دو سو اوقیہ چاندی لا کر حاضر کی۔ حضرت عاصم بن عدی نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں۔

حضرت عثمان غنیؓ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار دینار لا کر بارگاہ نبوی میں پیش کئے۔ آپ نہایت مسرور ہوئے بار بار ان کو پلٹتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اس عمل صالح کے بعد عثمان کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔ اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوا تو بھی اس سے راضی ہو۔

بے سر و سامان حضرات کو صدمہ

اکثر صحابہ نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق اس مہم میں امداد کی مگر پھر بھی سواری اور زادراہ کا پورا سامان نہ ہو سکا۔ چند صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم بالکل نادار ہیں اگر سواری کا کچھ تھوڑا بہت ہم کو سہارا ہو جائے تو ہم اس سعادت سے محروم نہ رہیں۔ آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں اس پر وہ حضرات روتے ہوئے واپس ہوئے۔ انہیں کی شان میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ولا علیٰ الذین اذا ما اتوک لتحملهم قلت لا اجد ما احملکم علیه تولوا واعینهم تفیض من الدمع حزناً ان لا یجدوا ما ینفقون.

اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آئے کہ آپ ان کو جہاد میں

جانے کے لئے کوئی سواری عطا فرمائیں تو آپ نے یہ فرمایا کہ اس وقت کوئی چیز نہیں پاتا کہ جس پر تم کو سوار کر دوں تو وہ لوگ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں۔ اس غم میں کہ ان کو کوئی چیز میسر نہیں کہ جسے خرچ کر سکیں۔

بے سروسامانوں کے سامان سفر کا انتظام

حضرت عبداللہ بن مغفل اور حضرت ابولیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب جب آپ کے پاس سے روتے ہوئے واپس ہوئے تو راستہ میں یامین بن عمرو نضری مل گئے رونے کا سبب دریافت کیا انہوں نے کہا نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سواری ہے اور نہ ہم میں استطاعت ہے کہ سفر کا سامان مہیا کر سکیں اب افسوس اور حسرت اس چیز کی ہے کہ ہم اس غزوہ کی شرکت سے محروم رہے جاتے ہیں۔ یہ سن کر یامین کا دل بھر آیا اسی وقت ایک اونٹ خریدا اور زادراہ کا انتظام کیا۔

حضرت علیؓ کو اہل وعیال کے لئے مدینہ میں ٹھہرانا

جب صحابہ چلنے کیلئے تیار ہو گئے تو آپ نے محمد بن مسلمہ انصاری کو اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی مقرر کیا اور حضرت علیؓ کو اہل وعیال کی حفاظت اور خبر گیری کے لئے مدینہ میں چھوڑا۔ حضرت علی نے عرض کیا یارسول اللہ آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں اس پر آپ نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھ کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

فائدہ:۔ شیعہ حضرات کا غلط استدلال

اس حدیث سے شیعہ حضرت علی کی خلافت بلافصل پر استدلال کرتے ہیں کہ حضور پرنور کے بعد خلافت حضرت علی کا حق ہے اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر میں جاتے وقت حضرت علی کو اپنے اہل وعیال کی نگرانی کے لئے چھوڑ جانا کہ میری واپسی تک ان کی نگرانی اور خبر گیری کرنا اس سے حضرت علی کی امانت اور دیانت اور قرب اور اختصاص تو بے شک معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اپنے اہل وعیال کی نگرانی اور خبر

گیری اسی کے سپرد کرتے ہیں کہ جس کی امانت و دیانت اور محبت اور اخلاص پر اطمینان ہو فرزند اور داماد کو اس کام کے لئے مقرر کرتے ہیں لیکن یہ امر کہ میری وفات کے بعد تم ہی میرے خلیفہ ہو گے حدیث کو اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔

فوج اور گھوڑوں کی تعداد

آپ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔

ثمود کی بستیوں پر گزر

راستہ میں وہ عبرتناک مقام بھی پڑتا تھا جہاں قوم ثمود پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ جب آپ وہاں سے گزرے تو اس درجہ متاثر ہوئے کہ چہرہ انور پر کپڑا ڈال لیا اور ناقہ کو تیز کر دیا اور صحابہ کو تاکید فرمائی کہ کوئی شخص ان ظالموں کے مکانات میں داخل نہ ہو اور نہ یہاں کا پانی پیئے۔ اور نہ اس سے وضو کرے سرنگوں روتے ہوئے اس طرف سے گزر جائیں اور جن لوگوں نے غلطی اور لاعلمی سے پانی لے لیا تھا یا اس پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا ان کو حکم ہوا کہ وہ پانی گرا دیں اور وہ آٹا اونٹوں کو کھلا دیں۔

آپ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ کوئی شخص تنہا نہ نکلے اتفاق سے دو شخص تنہا نکل پڑے ایک کا دم گھٹ گیا جو آپ کے دم کرنے سے اچھا ہوا اور دوسرے شخص کو ہوا نے طے کے پہاڑوں میں لے جا کر پھینک دیا جو ایک مدت کے بعد مدینہ پہنچے۔

راستہ کے دو واقعات

آگے چل کر جب ایک منزل پر ٹھہرے تو پانی نہ تھا۔ سخت پریشان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے مینہ برسا دیا جس سے سب سیراب ہو گئے۔ وہاں سے چلے تو اثنا راہ میں آپ کا ناقہ گم ہو گیا ایک منافق نے کہا کہ آپ آسمان کی تو خبریں بیان کرتے ہیں مگر اپنے ناقہ کی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے۔

آپ نے فرمایا خدا کی قسم مجھ کو کسی چیز کا علم نہیں مگر وہ کہ جو اللہ نے مجھ کو بتلا دیا ہے اور اب بالہام الٰہی مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ ناقہ فلاں وادی میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت

سے اٹک گئی ہے جس سے وہ رکی ہوئی ہے چنانچہ صحابہ جا کر اس اونٹنی کو لے آئے۔

تبوک کے چشمہ کے ابلنے کا معجزہ

تبوک پہنچنے سے ایک روز پیشتر آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ کل چاشت کے وقت تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو گے کوئی شخص اس چشمہ سے پانی نہ لے جب اس چشمہ پر پہنچے تو پانی کا ایک ایک قطرہ اس میں سے رس رہا تھا۔ بڑی مشکل کچھ پانی ایک برتن میں جمع کیا گیا۔ آپ نے اس پانی سے اپنا ہاتھ اور منہ دھو کر پھر اسی چشمہ میں ڈال دیا۔ اس پانی کا ڈالنا تھا کہ وہ چشمہ فوارہ بن گیا۔ جس سے تمام لشکر سیراب ہوا۔ اور حضرت معاذ بن جبل کو مخاطب کر کے فرمایا اے معاذ اگر تو زندہ رہا تو اس خطہ کو باغات سے سرسبز اور شاداب دیکھے گا۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آج تک وہ فوارہ جاری ہے دور سے اس کی آواز سنائی دیتی ہے۔

تبوک میں قیام اور دشمنوں کا مرعوب ہونا

تبوک پہنچ کر آپ نے بیس روز قیام فرمایا۔ مگر کوئی مقابلہ پر نہیں آیا لیکن آپ کا آنا بیکار نہیں گیا۔ دشمن مرعوب ہو گئے اور آس پاس کے قبائل نے حاضر ہو کر سر تسلیم خم کیا۔ اہل جربا اور اذرح اور ایلہ کے فرمانروا نے حاضر خدمت ہو کر صلح کی اور جزیہ دینا منظور کیا۔ آپ نے ان کو صلح نامہ لکھوا کر عطا فرمایا۔

دومۃ الجندل کے حاکم کی گرفتاری اور صلح

اسی مقام سے آپ نے حضرت خالد بن ولید کو چار سو بیس سواروں کے ساتھ اکیدر کی طرف روانہ فرمایا۔ جو ہرقل کی طرف سے دومۃ الجندل کا حاکم اور فرمانروا تھا۔ آپ نے روانگی کے وقت خالد بن ولید سے یہ فرمایا کہ وہ تم کو شکار کھیلتا ہوا ملے گا اس کو قتل نہ کرنا گرفتار کر کے میرے پاس لے آنا ہاں وہ اگر انکار کر دے تو قتل کر دینا۔ خالد چاندنی رات میں پہنچے گرمی کا موسم تھا اکیدر اور اس کی بیوی قلعہ کے فصیل پر بیٹھے ہوئے گانا سن رہے تھے۔ اچانک ایک نیل گائے نے قلعہ کے پھاٹک سے آ کر ٹکر ماری۔ اکیدر فوراً ہی مع اپنے بھائی اور چند عزیزوں کے شکار کے لئے اترا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے دوڑے۔ تھوڑی ہی دور نکلے تھے کہ خالد بن ولید آ پہنچے اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا وہ مارا گیا اور

اکیدر جوشکار کرنے کے لئے نکلا تھا وہ خود خالد بن ولید کا شکار ہو گیا۔

خالدؓ نے کہا میں تم کو قتل سے پناہ دے سکتا ہوں۔ بشرطیکہ تم میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا منظور کرو۔ اکیدر نے اس کو منظور کیا۔ خالد بن ولیدؓ اکیدر کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اکیدر نے دو ہزار اونٹ اور آٹھ سو گھوڑے اور چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دے کر صلح کی۔

مسجد ضرار کو گرانے کا حکم

بیس روز قیام کے بعد آپ تبوک سے مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ جب آپ مقام ذی آوان میں پہنچے جہاں سے مدینہ ایک گھنٹہ کے راستے پر رہ جاتا ہے تو آپ نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی کو مسجد ضرار کے منہدم کرنے اور جلانے کے لئے آگے بھیجا۔

مسجد ضرار کی تعمیر کا مقصد

یہ مسجد منافقین نے اس لئے بنائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس میں بیٹھ کر مشورے کریں جس وقت آپ تبوک جا رہے تھے اس وقت منافقین نے آ کر آپ سے درخواست کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ چل کر اس میں ایک مرتبہ نماز پڑھا دیں تا کہ وہ مقبول اور متبرک ہو جائے۔ آپ نے فرمایا اس وقت تو میں تبوک جا رہا ہوں واپسی کے بعد دیکھا جائے گا۔

واپسی کے بعد آپ نے ان دو حضرات کو حکم دیا کہ جا کر اس مسجد کو جلا دیں اور یہ آیتیں اسی کے بارہ میں اتری ہیں۔

والذین اتخذوا مسجداً ضراراً و کفراً و تفریقاً بین المؤمنین وارصادالمن حارب الله و رسوله من قبل ولیحلفن ان اردنا الا الحسنیٰ والله یشهد انهم لکاذبون لاتقم فیه ابداً لمسجد اسس علی التقویٰ من اول یوم احق ان تقوم فیه فیه رجال یحبون ان یتطهروا والله یحب المطهرین.

اور جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لئے اور کفر کرنے کے

لئے اور اہل ایمان میں تفرقہ ڈالنے کے لئے اور قیامگاہ بنانے کے لئے اس شخص کے لئے کہ جو اللہ اور اس کے رسول سے پہلے ہی سے برسرپیکار ہے اور قسمیں کھائیں گے کہ ہماری نیت سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ آپ اس مسجد میں جا کر کبھی کھڑے بھی نہ ہوں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی۔ یعنی مسجد قبا وہ واقعی اس لائق ہے کہ آپ اس میں جا کر کھڑے ہوں اس میں ایسے مرد ہیں کہ جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پسند کرتا ہے پاک رہنے والوں کو۔

سویلم یہودی کا مکان جلانے کا حکم

ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ آپ نے سویلم یہودی کے مکان کے بھی جلانے کا حکم دیا جس میں منافقین جمع کر آپ کے خلاف مشورے کیا کرتے تھے۔ حضرت طلحہ نے چند آدمیوں کی ہمراہی میں جا کر اس مکان کو نذر آتش کیا۔

مدینہ منورہ واپسی اور استقبال

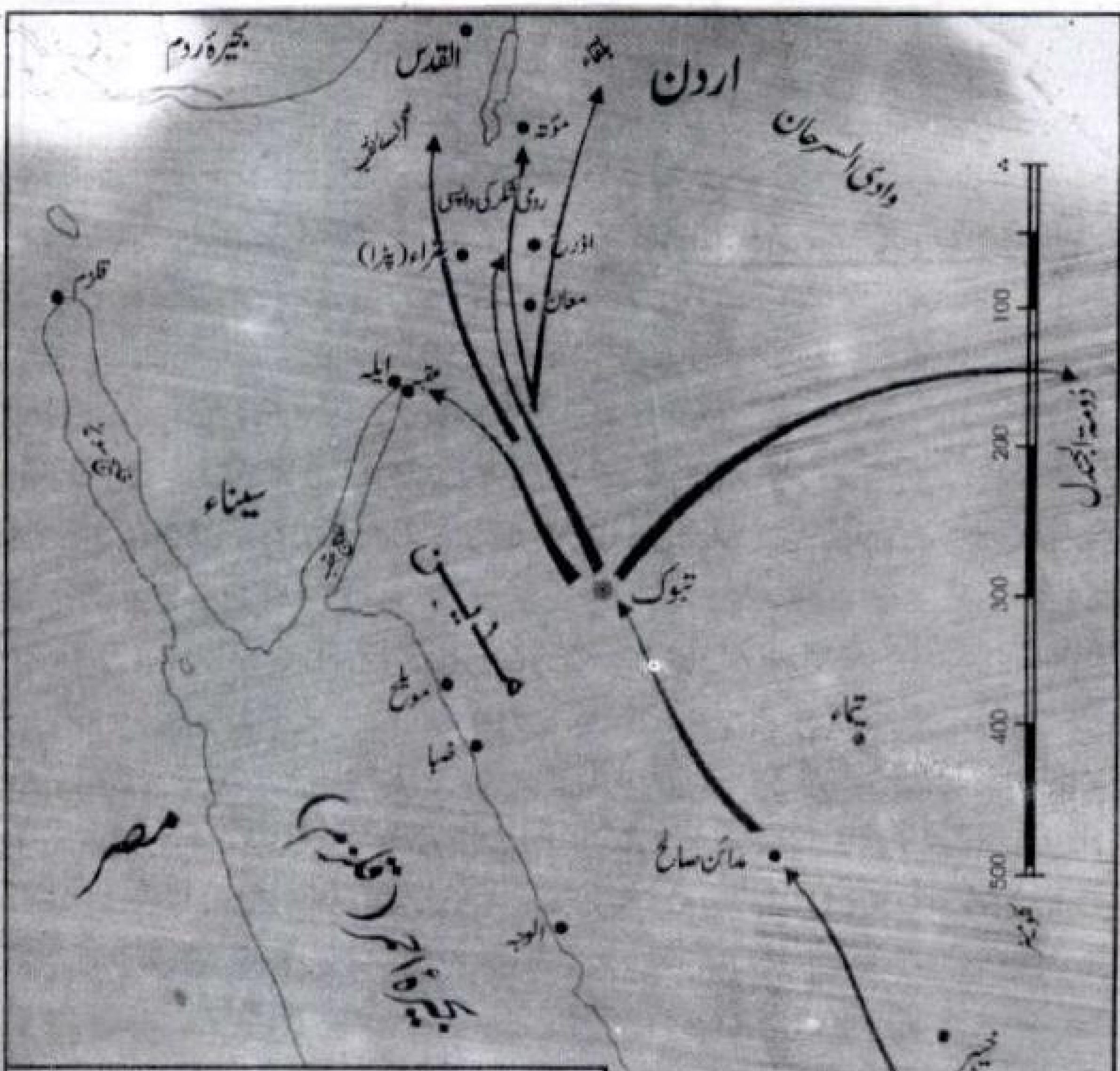
جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو مشتاقان جمال نبوی ماہتاب نبوت و رسالت کے استقبال کے لئے نکلے۔ یہاں تک کہ غلبہ شوق میں پردہ نشینان حرم بھی نکل پڑیں۔ لڑکیاں اور بچے یہ اشعار گاتے تھے۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا مادعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا جئت بالا مر المطاع

جب مدینہ کے مکانات نظر آنے لگے تو یہ فرمایا۔ ہذہ طابۃ یہ مدینہ طیبہ ہے اور جبل احد پر نظر پڑی تو فرمایا۔

یہ پہاڑ ہم کو محبوب رکھتا ہے اور ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں۔

اخیر شعبان یا شروع رمضان میں مدینہ میں داخل ہوئے اول مسجد نبوی میں جا کر ایک دوگانہ ادا فرمایا۔ نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی ملاقات کے لئے کچھ دیر بیٹھے بعد ازاں آرام کے لئے گھر تشریف لے گئے۔



غزوۂ تبوک (غزوۃ العُسرہ) (رجب ۹ھ)

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ...﴾ "توجہ فرمائی اللہ نے نبی اور مہاجرین اور انصار پر، وہ (مہاجرین وانصار) کہ جنہوں نے اتباع کیا آپ کا تنگی کی گھڑی میں" (التوبہ: 117/9)

﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ "اور (توجہ فرمائی اللہ نے) ان تین شخصوں پر جو چھوڑ دیے گئے تھے (حکم الٰہی کے انتظار میں)" (التوبہ: 118/9)

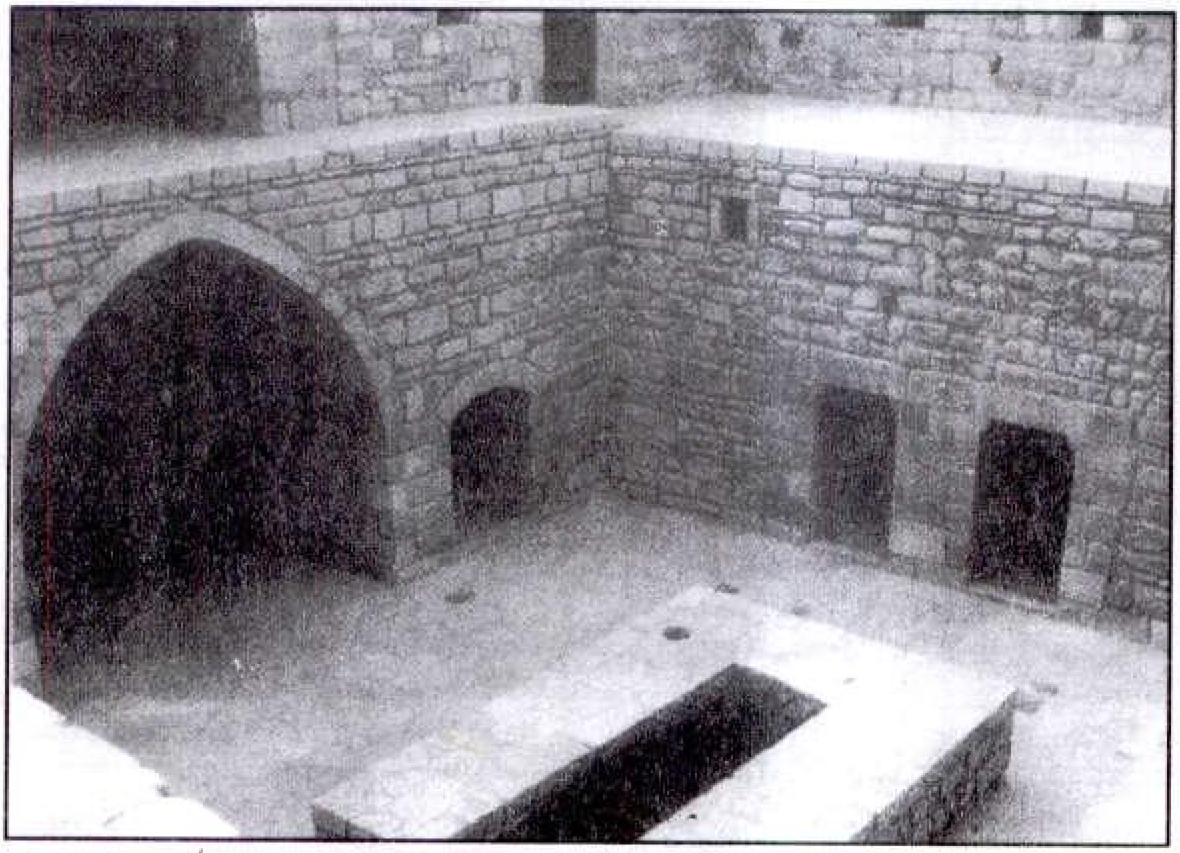
﴿تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ "تو وہ لوٹے جبکہ ان کی آنکھیں بہتی تھیں آنسوؤں سے اس غم سے کہ نہیں پاتے وہ جو وہ خرچ کریں" (التوبہ: 92/9)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جو شخص اسی ۸۰ مرتبہ یہ درود شریف پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے اسی ۸۰ سال کے گناہ معاف فرما دیں گے۔ (القول البدیع)



چشمے کے قریب موجود ایک حوض۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزے کے طور پر جس چشمے کا پانی فوارے کی مانند ابلنے لگا تو اسے ذخیرہ کرنے کیلئے قریب ہی تین حوض تعمیر کئے گئے۔ یہ تینوں آج تک موجود ہیں۔



قلعہ اسلامیہ کا اندرونی منظر۔ بیچ میں کنواں نظر آ رہا ہے جہاں حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اپنی باری پر پانی پیتی تھی۔ ساتھ میں ترکوں کی بنائی ہوئی مسجد دکھائی دے رہی ہے

پیچھے رہ جانے والے

سفر تبوک سے رہ جانے والے مومنین مخلصین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک روانہ ہوئے تو مومنین مخلصین بھی آپ کے ہمرکاب روانہ ہوئے۔ منافقین کا ایک گروہ شرکت سے رہ گیا لیکن چند مومنین مخلصین نفاق کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض کسی عذر سے اور بعض بمقتضائے بشریت گرمی اور لو کی تکلیف سے گھبرا کر پیچھے رہ گئے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ

حضرت ابوذر غفاریؓ کا اونٹ لاغر اور دبلا تھا اس لئے یہ خیال ہوا کہ دو چار روز میں یہ اونٹ کھا پی کر چلنے کے قابل ہو جائے گا اس وقت میں آپ سے جا ملوں گا۔ جب اس اونٹ سے ناامید ہوئے تو اپنا سامان اپنی پشت پر لادا اور پاپیادہ روانہ ہوئے۔ اسی طرح تن تنہا تبوک پہنچے۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا رحم فرمائے اللہ ابوذر پر اکیلا چلا آ رہا ہے۔ اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا' ربذہ میں تنہا وفات پائی کوئی تجہیز و تکفین کرنے والا نہ تھا۔ اتفاق سے عبداللہ بن مسعود کوفہ سے واپس آ رہے تھے۔ انہوں نے تجہیز و تکفین کی۔

حضرت ابوخیثمہؓ

معجم طبرانی میں ابوخیثمہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک روانہ ہوئے اور میں مدینہ رہ گیا۔ شدت کی گرمی تھی۔ ایک دن دوپہر میں میرے اہل خانہ نے چھپر میں چھڑکاؤ کیا اور ٹھنڈا پانی اور کھانا لا کر رکھا۔ یہ منظر دیکھ کر یکا یک دل پر ایک چوٹ لگی کہ واللہ یہ سراسر بے انصافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو لو اور گرمی میں ہیں اور میں سایہ میں بیٹھا ہوا۔ اس طرح عیش و آرام کر رہا ہوں فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور کچھ کھجوریں ساتھ لیں اور اونٹ پر سوار ہوا اور نہایت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب لشکر سامنے آ گیا تو آپ نے دور سے دیکھ کر فرمایا ابوخیثمہ آ رہا ہے میں نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے میرے لئے دعا خیر فرمائی۔

حضرت کعبؓ کا نہ جاسکنا

کعب بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے اور میں سفر کی تیاری میں تھا یہ خیال تھا کہ ایک دوروز میں جب سامان ہو جائے گا تو آپ سے جاملوں گا۔ اسی میں دیر ہوگئی اور قافلہ دور نکل گیا اور مدینہ میں سوائے معذورین اور منافقین کے کوئی باقی نہ رہا۔ جب یہ منظر دیکھتا تو نہایت رنج ہوتا۔

جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تو منافقین نے جھوٹے عذر بیان کئے۔ آپ نے ظاہری طور پر ان کے عذر قبول کئے اور دلوں کا حال اللہ کے سپرد کیا۔

حضور کی خدمت میں اپنی کوتاہی کا اعتراف کرنا

حضرت کعب بن مالک کہتے ہیں میں نے یہ عزم کرلیا کہ ایسا ہرگز نہ کروں گا کہ غزوہ سے پیچھے بھی رہوں اور پھر اللہ کے رسول سے جھوٹ بھی بولوں۔ چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا۔ آپ نے اعراض فرمایا میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی آپ مجھ سے کیوں اعراض فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نہ منافق ہوا اور نہ مجھ کو شک لاحق ہوا ہے۔ اور نہ میں دین اسلام سے پھرا ہوں آپ نے فرمایا پیچھے کیوں رہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اگر کسی دنیا دار کے سامنے بیٹھا ہوتا تو باتیں بنا کر اس کے غصہ سے نکل جاتا۔ لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اگر آج جھوٹ بول کر آپ کو راضی بھی کرلیا تو ممکن ہے کہ کل خداوند ذوالجلال آپ کو مجھ سے ناراض کر دے اور اگر آپ سے سچ سچ کہہ دیا جس سے آپ ناراض ہو جائیں تو مجھ کو اللہ کے فضل سے امید ہے کہ وہ معاف فرمائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں میں قصوروار ہوں۔

حضرت کعبؓ حضرت مرارہؓ اور حضرت ہلالؓ سے بائیکاٹ

آپ نے فرمایا اس شخص نے سچ سچ کہہ دیا ہے۔ اچھا اس وقت جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں کوئی حکم نازل فرمائے۔ اسی طرح مرارۃ بن ربیع اور ہلال بن امیہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قصور کا اعتراف کیا۔ آپ نے یہ حکم دیا کہ پچاس دن تک کوئی شخص ان تینوں آدمیوں سے بات نہ کرے۔ چنانچہ سب نے ہم سے سلام وکلام قطع کر دیا خویش واقارب دوست احباب سب بیگانے نظر آنے لگے۔ کعب کہتے ہیں کہ

میرے دونوں ساتھی تو ضعیفی کی وجہ سے خانہ نشین ہو گئے دن رات گریہ وزاری میں گزرتا۔ میں جوان تھا میں جماعت میں حاضر ہوتا۔ غرض یہ کہ پچاس دن اسی پریشانی میں گزرے یہاں تک کہ اللہ کی زمین ہم پر تنگ ہو گئی۔ سب سے زیادہ فکر اس کی تھی کہ اگر اس عرصہ میں موت آ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان میرے جنازہ کی نماز بھی نہ پڑیں گے۔

پچاس دن بعد معافی ملنا

پچاس دن کے بعد یکا یک جبل سلع سے مژدہ جانفزا سنائی دیا۔

اے کعب بن مالک تم کو بشارت ہو

یہ سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا اور سمجھ گیا کہ مشکل دور ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ ان لوگوں کی توبہ مقبول ہوئی۔ ہر طرف سے لوگ مجھ کو میرے اور دونوں ساتھیوں کو خوشخبری اور مبارک باد دینے کے لئے دوڑے۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ کہتے تھے کہ مبارک ہو تجھ کو اللہ کا تیری توبہ کا قبول کرنا جو شخص میرے پاس خوشخبری لے کر آیا اس کو فوراً ہی میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر پہنا دیئے۔

مبارکبادیاں اور خوشیاں

بعد ازاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے مسجد میں قدم رکھا ہی تھا کہ طلحہ بن عبید اللہ دوڑے ہوئے آئے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی۔ کعب کہتے ہیں۔ حاضرین میں سے کوئی شخص نہیں اٹھا۔ خدا کی قسم طلحہ کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور چاند کی طرح چمک رہا تھا آپ کو سلام کیا آپ نے فرمایا۔

مبارک ہو تجھ کو وہ دن جو تمام دنوں سے بہتر ہے جب سے تیری ماں نے تجھ کو جنا ہے۔

سب سے بہتر دن

کعب بن مالک جس دن اسلام میں داخل ہوئے بے شک وہ دن تمام دنوں سے بہتر تھا لیکن حقیقت میں یہ دن اس دن سے بھی بہتر تھا۔ اس لئے کہ اس دن میں بارگاہ خداوندی سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ جس سے ان کے ایمان واخلاص پر ہمیشہ کے لئے مہر لگ گئی۔

آیات الٰہی کا نزول

اور یہ آیتیں ان کے بارے میں نازل ہوئیں۔

لقد تاب الله علی النبی والمهٰجرین والانصار الذین اتبعوه فی ساعة العسرة من بعد ما كاد یزیغ قلوب فریق منهم ثم تاب علیهم انه' بهم رؤف رحیم وعلی الثلثة الذین خلفوا حتیٰ اذا ضاقت علیهم الارض بما رحبت وضاقت علیهم انفسهم و ظنوا ان لاملجا من الله الآ الیه ثم تاب علیهم لیتوبوا ان الله هو التواب الرحیم یآیها الذین اٰمنوا اتقواالله و كونوا مع الصٰدقین

تحقیق اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت اور عنایت سے متوجہ ہوئے۔ پیغمبر پر اور مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے تنگی اور دشواری کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا۔

بوقت تنگدستی آشنا بیگانہ می گردد   صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ می گردد

بعد اس کے ایک گروہ کے دل قریب تزلزل کے تھے۔ پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی اور اللہ بڑا شفیق اور مہربان ہے اور توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان تین شخصوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی اور موقوف تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین باوجود کشادہ ہونے کے ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہوگئیں اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ کی گرفت سے کہیں پناہ نہیں سوائے اس کے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور ان کا قصور معاف کیا تاکہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔ اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

توبہ کا شکریہ

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس توبہ کے شکریہ میں اپنا کل مال خیرات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کچھ رہنے دو اس لئے خیبر میں میرا جو حصہ تھا میں نے وہ رکھ لیا اور باقی سب خیرات کر دیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ۔ اللہ نے مجھ کو محض سچ کی وجہ سے نجات دی ہے میں اپنی توبہ کا تکملا اور تتمہ یہ سمجھتا ہوں کہ مرتے دم تک کبھی سوائے سچ کے کوئی بات نہ کروں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کا امیرِ حج مقرر ہونا

تین سو عازمین حج کے قافلہ کی روانگی

ذی قعدۃ الحرام ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو امیر حج مقرر کر کے مکہ مکرمہ روانہ کیا۔ تین سو آدمی مدینہ منورہ سے ابوبکر صدیق کے ساتھ چلے اور بیس اونٹ قربانی کے آپکے ہمراہ کئے تاکہ لوگوں کو ٹھیک شریعت کے مطابق حج کرائیں اور سورۂ برات کی چالیس آیتیں جو نقض عہد کرنیوالوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں ان کا اعلان کریں جن میں یہ تھا کہ اس سال کے بعد مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں اور بیت اللہ کا برہنہ ہو کر طواف نہ کریں اور جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عہد کیا ہے وہ اس مدت تک پورا کر دیا جائے اور جن لوگوں کیساتھ کوئی عہد نہیں کیا گیا ان کو یوم النحر سے لے کر چار مہینہ کی مہلت ہے۔

حضرت علیؓ کو پیچھے بھیجنا

حضرت صدیق اکبر کی روانگی کے بعد آپ کو یہ خیال ہوا کہ عہد اور نقض عہد کے متعلق جو اعلان کیا جائے مناسب یہ ہے کہ اس کا اعلان و اظہار ایسے شخص کی زبانی ہونا چاہئے کہ جو عہد کرنے والے کے خاندان اور اہل بیت سے ہو اس لئے کہ عرب ایسے امور میں خاندان اور اقارب ہی کی بات کو قبول کرتے ہیں۔ اس لئے آپ نے حضرت علی کو بلایا اور اپنی ناقہ

عضباء پر سوار کر کے ابوبکر صدیق کے پیچھے روانہ کیا کہ سورۂ برات کی آیات موسم حج میں تم سناؤ اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیات برأت صدیق اکبر کے روانہ ہونے کے بعد نازل ہوئیں اس لئے بعد میں حضرت علی کو آیات برأت کا پیغام سنانے کے لئے روانہ فرمایا۔

حضرت علیؓ کا حضرت ابوبکرؓ سے جاملنا

حضرت صدیق اکبر نے جب ناقہ کی آواز سنی تو یہ گمان ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے آئے ٹھہر گئے دیکھا تو علی ہیں' پوچھا امیر ہو کر آئے ہو یا تابع ہو کر۔ حضرت علی نے فرمایا مامور ہوں یعنی تابع ہو کر آیا ہوں اور فقط سورۂ برات کی آیات سنانے کے لئے آیا ہوں۔ چنانچہ لوگوں کو حج ابوبکر صدیق ہی نے کرایا اور موسم حج کے خطبے بھی انہوں ہی نے پڑھے اور حضرت علی نے صرف سورۂ برات کی آیات اور ان کا مضمون جمرۂ عقبہ کے قریب یوم النحر میں کھڑے ہو کر لوگوں کو سنایا۔ حضرت ابوبکر نے کچھ لوگ حضرت علی کی امداد کے لئے مقرر کر دیئے کہ باری باری سے منادی کر دیں۔

منیٰ میں مشرکین سے برأت کا اعلان

چنانچہ یوم النحر منیٰ میں یہ منادی کر دی گئی اور لوگوں کو سنا دیا گیا کہ بیت اللہ میں کوئی کافر داخل نہیں ہو سکے گا۔ اور نہ سال آئندہ کوئی مشرک حج کرنے پائے گا اور نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کر سکے گا اور جس کا جو عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے وہ اس کی مدت تک پورا کر دیا جائے اور جس سے کوئی عہد نہیں یا عہد بلا میعاد ہے تو اس کو چار مہینہ کا امن ہے اگر اس مدت میں مسلمان نہ ہوا تو چار ماہ کے بعد جہاں پایا جائے گا قتل کیا جائے گا۔

۹ھ کے دیگر واقعات

(۱) اسی سال ماہ ذی قعدۃ الحرام میں رأس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کا انتقال ہوا جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ولاتصل علیٰ احدمنهم مات ابداً ولاتقم علیٰ قبره انهم کفروا بالله و رسوله وماتوا و هم فاسقون

اور آپ ان منافقین میں سے کسی کی بھی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں اس لئے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور خدا کے نافرمان مرے ہیں۔

(۲) اسی سال نجاشی شاہ حبشہ کا انتقال ہوا اور بذریعہ وحی آپ کو اسی روز اس کی وفات کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے صحابہ کو جمع کر کے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

(۳) اسی سال سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا اور ایک سال بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اس کی حرمت کا اعلان فرمایا۔

(۴) اسی سال عورتوں سے لعان کا حکم نازل ہوا۔ جس کی مفصل کیفیت سورۂ نور میں مذکور ہے۔

(۵) جو لوگ اسلام میں داخل نہیں ہوئے بلکہ محض اسلام کے زیر سایہ انہوں نے رہنا منظور کیا تو ان کے حق میں اسی سال جزیہ کی آیت نازل ہوئی۔ قال تعالیٰ **قاتلوا الذین لایؤمنون باللہ ولا بالیوم الأخر ولایحرمون ماحرم اللہ و رسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن ید و ھم صاغرون.**

جزیہ جزاء سے مشتق ہے یعنی یہ جزاءِ کفر ہے۔ بطور ذلت وحقارت۔ آزاد عاقل بالغ مرد سے لیا جاتا ہے۔ جزیہ سے مقصد یہ ہے کہ کفر کی شوکت اور اس کا زور ٹوٹ جائے اور اسلام کی برتری اور حکمرانوں کے سامنے جھک جائے۔ ایسے لوگوں کو اصطلاح شریعت میں ذمی کہتے ہیں۔ ذمہ سے مشتق ہے یعنی جن کی جان اور مال اور آبرو اور ان کے حقوق کا اللہ اور اس کا رسول مسلمانوں کی طرح ذمہ دار ہو۔ مگر خوب یاد رکھو کہ قرآن و حدیث نے کافروں سے جزیہ لینے کا جو حکم دیا وہ دفاع اور حفاظت جان کا بدل نہیں۔ یعنی جزیہ کا یہ سبب نہیں کہ ذمی خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور ہم دشمنوں سے ان کی حفاظت کرتے ہیں کیونکہ حفاظت تو اہل ذمہ کی عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں اور اپاہجوں اور راہبوں کی بھی کی جاتی ہے مگر ان پر جزیہ نہیں جزیہ صرف ان لوگوں سے لیا جاتا ہے جو جہاد میں مستحق قتل تھے۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جزیہ قتل کا بدل ہے۔ صرف حر اور عاقل اور بالغ مردوں سے لیا جاتا ہے جو مستحق قتل کے تھے اور جن لوگوں سے اس بنیاد پر معاہدہ ہو کہ طرفین کی خود مختاری محفوظ رہے تو شریعت کی اصطلاح میں ایسے لوگوں کو معاہد کہتے ہیں۔

سنہ ۱۰ ھ عام الوفود

فوج در فوج قبائل عرب کا اسلام لانا

عرب میں سب سے بڑا قبیلہ قریش کا تھا۔ جس کی سرداری مسلم تھی۔ قریش کی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہونے سے کسی کو انکار نہ تھا۔ فہم وفراست سخاوت وشجاعت میں مشہور تھے۔ بیت اللہ اور بلد حرام کے مجاور تھے۔ مگر اسلام کی مخالفت اور عداوت پر کمر بستہ تھے۔ قبائل عرب کی نظریں قریش پر لگی ہوئی تھیں کہ دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسے نپٹتی ہے۔ قریش کے نوجوانوں نے تو ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور کرتے رہے مگر بوڑھے باقی تھے۔ جب مکہ فتح ہو گیا اور بوڑھوں نے بھی اسلام کی اطاعت قبول کر لی تو اس وقت عرب کو معلوم ہو گیا کہ دین اسلام دین الٰہی ہے۔ ضرور تمام عالم میں پھیل کر رہے گا۔ اور کوئی قوت اس کی مخالفت میں کامیاب نہیں ہو سکتی اس لئے مکہ فتح ہوتے ہی ہر طرف سے سفارتیں آنے لگیں اور ہر قبیلہ کے وکلاء اور وفود بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے لگے۔ اسلام کی حقیقت معلوم کرتے خود بھی مشرف باسلام ہوتے اور اپنی ساری قوم کے مسلمان کرنے کا وعدہ کر کے واپس ہوتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اذاجآء نصر الله والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین الله افواجاً فسبح بحمد ربک واستغفره انه کان تواباً

جب اللہ کی نصرت اور فتح آ جائے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہوتا ہوا جوق در جوق دیکھ لیں تو تسبیح اور تحمید اور استغفار میں مشغول ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ بڑا توجہ فرمانے والا ہے۔

وفود کی ابتداء تو ۸ ھ کے اخیر ہی سے ہو گئی تھی لیکن زیادہ تسلسل ۸ ھ اور ۱۰ ھ میں رہا۔ اس لئے ان دونوں سالوں کو عام الوفود کہا جاتا ہے۔ ابن سعد اور دمیاطی اور مغلطائی اور عراقی نے وفود کی تعداد ساٹھ سے کچھ زیادہ بیان کی ہے مگر علامہ قسطلانی نے مواہب میں پینتیس وفود کا ذکر کیا ہے۔

۱: قبیلۂ ہوازن کا وفد

وفد کے اراکین اور مقصد

فتح مکہ کے بعد یہ پہلا وفد ہے کہ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس وقت آپ جعرانہ میں ٹھہرے ہوئے تھے اس وقت ہوازن کے چودہ آدمیوں کا وفد اپنے مال اور قیدیوں کے چھڑانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس کا مفصل قصہ غزۂ حنین کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اس وفد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی چچا بھی تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ کی تھیں۔

وفد کے سردار کی درخواست

زہیر بن صرد سعدی وجشمی اس وفد کے رئیس تھے کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ان قیدیوں میں آپ کی خالائیں اور رضاعی پھوپھیاں اور پالنے والیاں ہیں۔ جو کبھی آپ کو چھاتی سے لگاتی تھیں۔ اگر ہم نے حارث غسانی اور نعمان بن منذر کو دودھ پلایا ہوتا تو ایسی مصیبت کے وقت میں ہم اس سے ضرور امید رکھتے اور آپ تو سب سے بہتر اور افضل مکفول ہیں۔

رئیس وفد کے اشعار

اور یہ شعر پڑھے۔

امنن علینا رسول اللہ فی کرم فانک المرء نرجوہ و ننتظر

یارسول اللہ اپنے کرم اور مہربانی سے ہم پر احسان فرمایئے۔ بلاشبہ آپ ایسے شخص ہیں جس سے ہم مہربانی اور کرم کے امیدوار اور منتظر ہیں۔

امنن علیٰ بیضۃ قدعا قہا قدر ممزق شملہا فی دھرھا غیر

اس قبیلہ پر احسان فرمایئے کہ جس کی حاجتوں کو قضاء وقدر نے روک دیا ہے۔ تغیرات زمانہ سے اس کا شیرازہ پراگندہ ہوگیا ہے۔

یا خیر طفل و مولود و منتخب   فی العالمین اذاما حصل البشر

اے بہترین مولود اور دفاتر عالم کے انتخاب

ان لم تدار کهم نعماء تنشرها　　　یا ارجع الناس حلماً حین تختبر

اگر آپ کا انعام و احسان ان کی خبر گیری نہ کرے گا تو ہم ہلاک ہو جائیں گے اے وہ ذات کہ جس کا حلم اور بردباری میں سب سے پلہ بھاری ہے اور امتحان اور آزمائش کے وقت اس کا حلم نمایاں اور ظاہر ہو جاتا ہے ہم پر احسان فرما۔

امنن علیٰ نسوة قد کنت ترضعها　　　اذفوک تملؤہ من محضها الدر

ان عورتوں پر احسان فرمائے جن کا آپ دودھ پیتے تھے اور ان کے خالص اور بہتے ہوئے دودھ سے آپ اپنے منہ کو بھرتے تھے۔

لاتجعلنا کمن شالت نعامته　　　واستبق منا فانا معشر زهر

ہم کو ان لوگوں کے مانند مت کیجئے کہ جن کے قدم اکھڑ گئے ہوں اور اپنے جود و کرم کے شکر و امتنان کو ہمیشہ کے لئے ہم میں باقی چھوڑ دے ہم شریف گروہ کسی کے احسان کو فراموش نہیں کرتے۔

انا لنشکر للنعمآء اذ کفرت　　　وعندنا بعد هٰذا الیوم مدخر

تحقیق ہم انعام اور احسان کے بہت زیادہ مشکور ہوتے ہیں جبکہ لوگ اس کی ناشکری کریں۔

فالبس العفو من قد کنت ترضعه　　　من امهاتک ان العفو مشتهر

پس آپ ان ماؤں کو جن کا دودھ آپ نے پیا ہے اپنے دامن عفو میں چھپالیں تحقیق آپ کا عفو تو مشہور ہے۔

یا خیر من مرحمت کمت الجیادبه　　　عندالهیاج اذا ما استوقتد الشرر

اے وہ ذات کہ جس کی سواری سے کمیت گھوڑے نشاط اور طرب میں آجاتے ہیں جبکہ لڑائی کی آگ دہکائی جاوے۔

انا نؤمل عفواً منک تلبسه　　　هٰذی البزیة اذا تعفوا وتنتصر

ہم آپ سے ایسے عفو کی امید لائے ہوئے ہیں جو ان سب کو اپنے اندر چھپالے۔

فاغفر عفا الله عما انت راهبه　　　یوم القیامة اذا یهدیٰ لک الظفر

پس آپ ہم کو معاف کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت کے اندیشوں سے محفوظ رکھے گا اور آپ کو کامیابی عطا فرمائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارا بہت انتظار کیا جب تم نہ آئے تب میں نے مال اور اسباب اور تمام قیدی غانمین پر تقسیم کر دیئے دو چیزوں میں سے ایک چیز کو اختیار کر لو۔ مال و اسباب لے لو یا اپنے اہل وعیال کو چھڑا لو وفد نے کہا اہل وعیال ہم کو زیادہ عزیز ہیں۔ آپ نے فرمایا میرا اور میرے خاندان بنی عبدالمطلب کا جو حصہ ہے وہ تو میں نے تم کو دے دیا باقی جو حصہ مسلمانوں کے قبضہ میں آچکا ہے سو اس بارے میں تمہاری سفارش کروں گا۔ چنانچہ آپ نے سفارش کی سب نے طیب خاطر سے تمام قیدی آزاد کر دیئے۔ دو چار شخصوں نے کچھ تامل کیا آپ نے ان کا معاوضہ دے دیا اس طرح وفد اپنے چھ ہزار بچوں اور عورتوں کو لے کر واپس ہوا۔

۲: قبیلۂ ثقیف کا وفد

وفد کی آمد

ماہ رمضان المبارک ۹ھ میں ثقیف کا وفد اسلام قبول کرنے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوا۔

یہ وہی ثقیف ہیں کہ جن سے آپ نے اور آپ کے صحابہ نے محاصرۂ طائف میں شدید تکلیف اٹھائی اور طائف کے قلعہ کو غیر مفتوح چھوڑ کر شکستہ دل مدینہ واپس ہوئے۔

جس وقت آپ طائف کا محاصرہ چھوڑ کر روانہ ہونے لگے تو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کے لئے بددعا کیجئے ان کے تیروں نے ہم کو جلا ڈالا۔ آپ نے فرمایا۔

اللھم اھد ثقیفا وائت بھم مسلمین

اے اللہ قبیلۂ ثقیف کو ہدایت دے اور مسلمان کر کے ان کو میرے پاس بھیج۔

آپ کی دعا قبول ہوئی اور عروہ بن مسعود ثقفی کی شہادت کے آٹھ مہینہ بعد جب آپ

تبوک سے واپس ہوئے، آپ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوئے اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی چھ آدمیوں کا وفد عبد یالیل کی سرکردگی میں مدینہ روانہ ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی

یا تو وہ تمرد اور سرکشی تھی یا یہ جوش اور ولولہ ہے کہ خود بخود بہ ہزار رضاء و رغبت اسلام کا حلقہ بگوش بننے کے لئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو رہے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو ان کی آمد سے بے حد مسرت ہوئی۔ سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہ نے ان لوگوں کو دیکھا دیکھتے ہی دوڑے کہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت سناؤں راستہ میں ابوبکر صدیق مل گئے ابوبکر صدیق کو جب علم ہوا تو مغیرہ کو خدا کی قسم دی اور کہا کہ مجھ کو اجازت دو کہ میں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بشارت سناؤں۔ مغیرہ نے اجازت دے دی ابوبکر صدیقؓ نے جا کر آنحضرت کو اس وفد کی آمد کا مژدہ سنایا۔

وفد کی میزبانی کے انتظامات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ٹھہرنے کے لئے خاص مسجد نبوی میں ایک خیمہ نصب کرایا۔ وفد کی مہمانی اور ان کی خبر گیری یہ سب خالد بن سعید بن العاص کے سپرد تھی۔ جب تک خالد بن سعید اس کھانا میں سے نہ کھانا لیتے تھے اس وقت تک وفد کے لوگ وہ کھانا نہ کھاتے تھے اور وفد کو جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنا ہوتا تھا وہ انہیں کے واسطے سے کہتے تھے۔

وفد کی شرائط

چنانچہ وفد نے خالد کے واسطے سے عجیب شرطیں پیش کیں۔

(۱) نماز معاف کر دی جائے۔

(۲) لات (جوان کا بڑا بت تھا) اس کو تین سال تک نہ توڑا جائے۔ بچے اور عورتیں اس پر بہت مفتون ہیں۔

(۳) ہمارے بت خود ہمارے ہاتھوں سے نہ تڑوائے جائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

آپ نے اول کی دو شرطوں سے قطعاً انکار کر دیا اور یہ فرمایا۔
اس دین میں کوئی بہتری نہیں جس میں نماز نہ ہو۔
تیسری شرط کی بابت فرمایا کہ یہ ہو سکتا ہے۔

سب کا اسلام لانا

سب نے اسلام قبول کیا اور وطن واپس ہوئے۔ عثمان بن ابی العاص جو اس وفد میں سب سے کمسن تھے ان کو امیر اور حاکم مقرر فرمایا ان کو علم اور قرآن اور اسلامی مسائل کے سیکھنے کا سب سے زیادہ شوق تھا۔ اس لئے صدیق اکبر کے اشارہ سے آپ نے ان کو امیر مقرر کیا۔

بنی ثقیف کے بت کا خاتمہ

انہی کے ہمراہ ابوسفیان بن حرب اور مغیرۃ بن شعبہ کو لات کے منہدم کرنے کے لئے روانہ کیا۔ ابوسفیان کسی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ مغیرہ نے جا کر بت پر پھاولا مارا۔ ثقیف کی عورتیں برہنہ سر اور برہنہ پا یہ ماجرا دیکھنے کے لئے گھروں سے نکل پڑیں۔ مغیرہؓ نے بت کو توڑ ڈالا اور بت خانہ میں جو مال واسباب اور زیورات تھے وہ سب لے لئے۔ اول اس میں سے عروۃ بن مسعود ثقفی کے بیٹے ابو فلیح اور عروہ کے بھتیجے قارب بن الاسود کا قرض ادا کیا اور جو بچا وہ آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے اسی وقت اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ اور اللہ کا شکر کیا کہ اس نے اپنے دین کی مدد فرمائی اور اپنے پیغمبر کو عزت دی۔

حضرت عروہ بن مسعودؓ کے قرضہ کی ادائیگی کا حکم

عروۃ بن مسعود کی شہادت کے بعد جب اہل طائف مسلمان ہو گئے تو وفد ثقیف کی حاضری سے پہلے ابو فلیح بن عروہ اور قارب بن الاسود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ لات کے بت خانے سے ہمارے باپ یعنی عروہ اور اسود کا قرضہ ادا کر دیا جائے عروہ اور اسود دونوں حقیقی بھائی تھے۔ عروہ تو اسلام

لائے اور شہید ہوئے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ابو فلیح عروہ کے بیٹے ہیں اور اسود کا فرمرا۔ قارب اسود کے بیٹے ہیں۔ دونوں نے اپنے اپنے باپ کے قرضہ کی ادائیگی کی درخواست کی آپ نے فرمایا اسود تو مشرک مرا ہے قارب نے عرض کیا یا رسول اللہ بے شک وہ مشرک مرا ہے مگر قرضہ تو مجھ پر ہے۔ آپ نے ابوسفیانؓ کو حکم دیا کہ لات کے بت خانہ سے جو مال برآمد ہوا اس سے ابو فلیح اور قارب کا قرض ادا کرنا۔

۳: بنی عامر بن صعصعہ کا وفد

وفد کی آمد

تبوک کی واپسی کے بعد بنو عامر بن صعصعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جن میں عامر بن طفیل اور اربد بن قیس بھی تھے۔ سلسلۂ کلام میں ان لوگوں نے آپ سے ان لفظوں میں خطاب کیا۔ آپ ہمارے سردار ہیں۔ آپ نے فرمایا اپنی بات کہو شیطان تمہارے ساتھ مسخرہ پن نہ کرے۔ سردار صرف اللہ ہے۔

وفد والوں کی بد باطنی

ظاہر میں یہ تملق اختیار کیا اور در پردہ عامر نے اربد کو یہ سمجھا دیا کہ میں جب آپ کو باتوں میں لگالوں تو تم فوراً تلوار سے آپ کا کام تمام کر دینا عامر نے آپ سے گفتگو شروع کی۔ اے محمد مجھ کو آپ اپنا مخلص دوست بنا لیجئے۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں جب تک تو ایک خدا پر ایمان نہ لائے۔ عامر نے کہا اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو آپ مجھ کو کیا عطا فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا اسلام لانے کے بعد تیرے وہی حقوق اور احکام ہوں گے جو تمام مسلمانوں کے ہیں۔ عامر نے کہا آپ اپنے بعد حکومت اور خلافت مجھ کو عطا کر دیں۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں عامر نے کہا اچھا اہل بادیہ پر آپ حکومت کریں شہر اور آبادی کی حکومت میرے لئے چھوڑ دیں۔ ورنہ میں غطفان کو لے کر آپ پر چڑھائی کروں گا اور مدینہ کو سوار اور پیادوں سے بھر دوں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ تجھ کو قدرت نہیں دے گا۔ گفتگو ختم ہوئی۔ جب دونوں اٹھ کھڑے ہوئے تو آپ نے دعا فرمائی اے اللہ عامر بن طفیل کے شر سے مجھ کو بچا۔ اور اس کی قوم کو ہدایت دے۔

جب باہر آئے تو عامر نے اربد سے کہا افسوس میں تیرا منتظر رہا مگر تو نے جنبش بھی نہ کی اربد نے کہا میں نے جب بھی تلوار سوتنے کا ارادہ کیا تو کوئی نہ کوئی چیز درمیان میں حائل نظر آئی۔ ایک مرتبہ آہنی دیوار نظر آئی اور ایک مرتبہ ایک اونٹ نظر آیا جو میرے سر کو نگل جانا چاہتا ہے۔

وفد کی اپنے مقصد میں ناکامی

جب باہر آئے تو عامر نے اربد سے کہا افسوس میں تیرا منظر رہا مگر تو نے جنبش بھی نہ کی اربد نے کہا میں نے جب بھی تلوار سوتنے کا ارادہ کیا تو کوئی نہ کوئی چیز درمیان میں حائل نظر آئی۔ ایک مرتبہ آہنی دیوار نظر آئی اور ایک مرتبہ ایک اونٹ نظر آیا جو میرے سر کو نگل جانا چاہتا ہے۔

جب یہ وفد آپ کے پاس سے واپس ہوا تو عامر بن طفیل تو راستہ میں بعارضہ طاعون ہلاک ہوا۔ عرب میں چونکہ بستر پر مرنا عار سمجھا جاتا ہے اس لئے عامر نے کہا مجھ کو گھوڑے پر بٹھلا دو۔ گھوڑے پر سوار ہوا اور نیزہ ہاتھ میں لیا۔ اور یہ الفاظ کہے اے موت کے فرشتے میرے سامنے آ یہ کہتا کہتا گھوڑے سے گر پڑا۔ اسی مقام پر اس کو دفن کر دیا گیا۔ جب وفد سرزمین بنی عامر میں پہنچا تو لوگوں نے اربد سے حالات دریافت کئے۔ اربد نے کہا آپ کا دین ہیچ ہے۔ خدا کی قسم وہ شخص (اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف تھا اگر اس وقت میرے سامنے ہو تو تیروں سے اس کو قتل کر کے چھوڑوں۔ دو دن نہ گزرے تھے کہ اونٹ پر سوار ہو کر نکلا۔ فوراً ہی آسمان سے اس پر ایک بجلی گری جس سے وہ فی النار والسقر ہوا۔ عامر اور اربد یہ دونوں بدنصیب دولت اسلام سے محروم واپس ہوئے اور وفد کے باقی اکثر افراد دولت اسلام سے مالا مال ہو کر واپس ہوئے۔

عبدالقیس والوں کا وفد

وفد کی پہلی آمد اور خوش آمدید

یہ بہت بڑا قبیلہ تھا۔ بحرین کا باشندہ تھا اس قبیلہ کا وفد دو مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلا وفد فتح مکہ سے بھی پہلے آیا۔ پیشتر ۵ ھ اس سے بھی پہلے حاضر ہوا۔ اس مرتبہ وفد میں تیرہ یا چودہ آدمی تھے آپ نے فرمایا۔

مرحبا ہے اس قوم کو جو نہ رسوا ہوئے اور نہ شرمندہ۔ یعنی خوشی سے مسلمان ہو گئے لڑ کر مسلمان نہیں ہوئے جس سے ان کو ذلت یا ندامت ہوتی۔

وفد والوں کو جامع و مختصر عمل کی تلقین

وفد نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اور آپ کے مابین قبیلہ مضر کے مشرکین حائل ہیں۔ صرف اشہر حرم میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ جن مہینوں میں عرب لوٹ مار کو حرام جانتے ہیں اس لئے آپ ہم کو کوئی ایسا جامع اور مختصر عمل بتلا دیجئے کہ اس کے کرنے سے ہم جنت میں داخل ہو سکیں اور اہل شہر کو بھی اسی کی دعوت دیں۔ آپ نے فرمایا اللہ پر ایمان لاؤ اور گواہی دو کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ اللہ کے لئے ادا کرو اور چار برتنوں میں نبیذ بھگونے سے منع فرما دیا دباء اور نقیر اور حنتم اور مزفت۔

اہل وفد کا ایک حلیم و باوقار آدمی

جب یہ وفد مدینہ پہنچا تو دیدار نبوی کے شوق میں یہ لوگ سواریوں سے کود پڑے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دست مبارک کو بوسہ دیا اسی وفد میں اشج عبدالقیس بھی تھے جن کا نام منذر ہے یہ سب سے کم عمر تھے۔ انہوں نے اول تمام اونٹ بٹھلائے اور سب کا سامان ایک جگہ لگایا۔ پھر اپنے بقچہ میں سے دو سفید دھلے ہوئے کپڑے نکالے وہ پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ سے مصافحہ کیا اور آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا آپ نے فرمایا تجھ میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ اور اس کا رسول پسند کرتا ہے۔ ایک حلم اور دوسرے وقار و تمکنت۔ اشج نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ دونوں خصلتیں مجھ میں بطور تصنع ہیں یا فطری اور جبلی ہیں۔ آپ نے فرمایا بلکہ اللہ نے تجھ کو پیدا ہی ان خصلتوں پر کیا ہے۔ اشج نے کہا۔ الحمد لله الذی جبلنی علی خلتین یحبهما الله و رسوله ۔ حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے ایسی دو خصلتوں پر پیدا کیا جن کو اللہ اور اس کا رسول پسند کرتا ہے۔

وفد کی دوسری مرتبہ آمد

دوسری مرتبہ وفد عبدالقیس ۸ھ یا ۹ھ میں حاضر خدمت ہوا۔ اس وقت وفد میں چالیس آدمی تھے۔ صحیح ابن حبان کی روایت میں ہے کہ آپ نے اس وقت یہ فرمایا۔

مالی اری الوانکم تغیرت

کیا ہوا کہ تمہاری رنگتوں کو بدلا ہوا دیکھتا ہوں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ پہلے بھی آئے تھے۔

۵: بنی حنیفہ کا وفد

مسیلمہ کذاب

بنی حنیفہ کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں مشہور چالاک اور فتنہ پرداز مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ یہ وفد ۹ھ میں آیا مگر مسیلمہ غرور تکبر کی وجہ سے بارگاہ میں حاضر نہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کے پاس تشریف لے گئے اور ثابت بن قیس بن شماس آپ کے ہمراہ تھے۔ مسیلمہ نے کہا اگر آپ مجھ کو اپنی خلافت عطا فرمائیں اور اپنے بعد مجھ کو اپنا قائم مقام مقرر کریں تو میں بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ حضور پرنور کے دست مبارک میں اس وقت کھجور کی ایک چھڑی تھی۔ آپ نے فرمایا اگر تو یہ چھڑی بھی مانگے تو نہ دوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے جو مقدر فرما دیا ہے تو اس سے ایک بال برابر تجاوز نہیں کر سکے گا اور غالباً تو وہی ہے جو مجھ کو خواب میں دکھلایا گیا ہے اور یہ ثابت بن قیس ہیں تجھ کو جواب دیں گے یہ کہہ کر آپ واپس تشریف لے آئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب

ابن عباس فرماتے ہیں میں نے ابو ہریرہ سے دریافت کیا کہ آپ کو کیا خواب دکھلایا گیا۔ ابو ہریرہ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن لا کر رکھے گئے جس سے گھبرایا خواب ہی میں مجھ سے یہ کہا گیا

کہ ان میں پھونک مارو میں نے پھونک ماردی وہ فوراً اڑ گئے جس کی تعبیر یہ ہے کہ دو کذاب ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ ان دو میں سے ایک کذاب مسیلمہ ہوا اور دوسرا اسود عنسی اسود عنسی آپ ہی کی زندگی میں قتل ہوا اور دوسرا کذاب یعنی مسیلمہ، صدیق اکبر کے عہد خلافت میں قتل ہوا۔

مسیلمہ کا خط

پھر ۱۰ھ میں مسیلمہ کذاب نے آپ کے پاس خط بھیجا جس کا یہ مضمون تھا۔

''مسیلمہ خدا کے رسول کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف پس میں تیرے ساتھ کام میں شریک کر دیا گیا ہوں۔ نصف زمین ہمارے لئے اور نصف قریش کے لئے مگر قریش انصاف نہیں کرتے۔ والسلام''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ جواب لکھوایا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

من محمد رسول الله الى مسيلمة الكذاب. اما بعد فا السلام على من اتبع الهدیٰ فان الارض لله يورثها من يشآء من عباده و العاقبة للمتقين

محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔ تحقیق زمین اللہ کی ہے۔ جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے عطا فرمائے اور اچھا انجام خدا سے ڈرنے والوں کا ہے۔

یہ واقعہ حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد کا ہے۔

۶: قبیلہ طی کا وفد

قبیلۂ طے کا وفد جس میں پندرہ آدمی تھے۔ حاضر خدمت ہوا ان کا سردار زید الخیل تھا۔ آپ نے اسلام پیش کیا۔ سب نے طیب خاطر سے اسلام قبول کیا اور زید الخیل کا نام زید الخیر رکھا اور یہ

فرمایا کہ عرب میں سے جس شخص کی میں نے تعریف سنی اس کو اس میں کم ہی پایا سوائے تیرے۔

۷: کندہ والوں کا وفد

کندہ۔ یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے ۱۰ھ میں اسی سواروں کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ان کا سردار اشعث بن قیس تھا۔ جب یہ لوگ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو جبے پہنے ہوئے تھے جن کا سنجاف ریشم کا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تم مسلمان نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کیوں نہیں بلاشبہ ہم مسلمان ہیں۔ آپ نے فرمایا پھر تمہاری گردنوں میں یہ ریشم کیسا۔ انہوں نے اسی وقت ان کپڑوں کو پھاڑ کر پھینک دیا۔

۸: اشعریین کا وفد

قبیلہ اشعریین کا تعارف

اشعریین یمن کا ایک معزز اور بہت بڑا قبیلہ ہے جو اپنے جد امجد اشعر کی طرف منسوب ہے۔ اشعر کو اشعر اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب وہ پیدا ہوئے تو ان کے بدن پر بال بکثرت تھے اور اشعر صیغہ صفت ہے شعر (بمعنی بال سے مشتق ہے جس کے معنی کثیر الشعر کے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اسی قبیلہ کے ہیں۔

وفد کی حاضری

یہ لوگ نہایت ذوق وشوق کے ساتھ یہ رجز پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے۔

غداً نلقی الا حبہ محمدا و حزبہ

کل دوستوں سے جا ملیں گے۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گروہ سے

ادھر آپ نے صحابہ کو خبر دی کہ ایک جماعت آ رہی ہے جو نہایت رقیق القلب اور نرم دل ہے۔ چنانچہ اشعریین کا وفد آپ کی خدمت میں پہنچا۔

وفد کے بارے میں ارشادات نبوی

آپ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اہل یمن آ گئے جن کے دل نہایت رقیق اور نرم ہیں۔

ایمان یمنی ہے اور حکمت بھی یمنی ہے۔ (یعنی ان کی رقت قلب اور نرم دلی کا یہ ثمرہ ہے کہ ان کے قلوب ایمان وعرفان کے معدن اور علم وحکمت کے سرچشمہ ہیں نبی امی فدا نفسی و ابی امی صلی اللہ علیہ وسلم وشرف وکرم نے سچ فرمایا۔ رقت قلب ہی تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے اور قساوت قلب ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

چونکہ اہل یمن اکثر بکریاں رکھتے ہیں اس لئے آگے ارشاد فرمایا سکون اور اطمینان وقار اور تواضع بکریوں والوں میں ہے۔ اپنے کو بڑا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ اونٹ والوں میں ہیں اور مشرق کی جانب اشارہ فرمایا۔

وفد والوں کے سوالات کے جواب

وفد نے عرض کیا یارسول اللہ ہم اس لئے حاضر خدمت ہوئے ہیں کہ تفقہ فی الدین حاصل کریں اور تکوین عالم کی ابتداء اور آغاز کو دریافت کریں۔ آپ نے فرمایا سب سے پہلے خدا تھا اور اس کے سوا کچھ نہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (یعنی تکوین عالم کی ابتداء پانی اور عرش سے ہوئی اول پانی پیدا کیا اور پھر عرش) پھر آسمان وزمین کو پیدا کیا اور ہر چیز کو لوح محفوظ میں لکھ دیا۔

۹: ازد والوں کا وفد

حاضری اور اسلام

قبیلۂ ازد کے پندرہ آدمیوں کا وفد جس میں صرد بن عبداللہ ازدی بھی تھے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

امیر کا تقرر اور جہاد کا حکم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرد بن عبداللہ کو ان پر امیر مقرر کیا اور گردونواح کے مشرکین سے جہاد کا حکم دیا۔ صرد نے مسلمانوں کی ایک جمعیت ساتھ لے کر شہر جرش کا محاصرہ کیا اسی حالت میں جب ایک مہینہ گزر گیا اور شہر فتح نہ ہوا تو صرد بن عبداللہ محاصرہ چھوڑ کر واپس ہوئے اہل جرش ان کی واپسی کو ہزیمت اور شکست خیال کر کے ان کے تعاقب میں نکلے۔ جب جبل شکر

پر پہنچے تو مسلمانوں نے پلٹ کران پر حملہ کردیا جس سے اہل جرش کو شکست ہوئی۔

جرش والوں کا وفد اور اسلام

اہل جرش پیشتر دو شخص تحقیق حال کے لئے مدینہ بھیج چکے تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو جبل شکر کے واقعہ کی اسی روز اطلاع دی جس روز یہ واقعہ پیش آ رہا تھا جب یہ لوگ واپس ہوئے اور اپنی قوم سے تمام واقعہ بیان کیا تو قوم جرش کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مشرف باسلام ہوئے۔

۱۰: بنی الحارث کا وفد

حضرت خالد کے ہاتھ پر بنی حارث کا مسلمان ہونا

بنی الحارث نجران کا ایک معزز خاندان تھا۔ ماہ ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو ان لوگوں کے پاس بھیجا کہ تین روز تک دعوت اسلام دیں اس کے بعد بھی اگر نہ مانیں تو مقابلہ کریں ان لوگوں نے فوراً ہی اسلام قبول کرلیا۔

وفد کی آمد

خالد بن ولید نے اطراف و جوانب میں بھی مبلغین اسلام بھیج دیئے۔ ہر جگہ لوگوں نے بغیر کسی مزاحمت کے دعوت اسلام کو قبول کیا۔ خالد بن ولید نے یہ خوشخبری لکھ کر آپ کی خدمت میں روانہ کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو لکھوا کر بھیجا کہ ان کا ایک وفد لے کر یہاں آؤ چنانچہ خالد بن ولید ان کا ایک وفد لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں قیس بن حصین اور یزید بن محجل اور شداد بن عبداللہ بھی تھے۔ جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے یہ فرمایا۔

یہ کون لوگ ہیں گویا کہ ہندوستان کے آدمی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو

عرض کیا ہم بنوالحرث ہیں گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی

معبود نہیں۔ چونکہ یہ لوگ بڑے بہادر تھے۔ مقابل پر ہمیشہ غالب رہتے تھے اس لئے آپ نے ان سے دریافت فرمایا تم کس بناء پر لوگوں پر غالب رہتے ہو۔ بولے کہ ہم ہمیشہ متفق رہتے ہیں۔ آپس میں اختلاف نہیں کرتے اور نہ آپس میں ایک دوسرے پر حسد کرتے ہیں اور کسی پر ابتداء ظلم نہیں کرتے۔ سختی اور تنگی کے وقت صبر کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا سچ کہتے ہو۔

ہدایت اور واپسی

قیس بن حصین کو ان پر امیر مقرر کیا اور ان کے جانے کے بعد عمرو بن حزم کو تعلیم دی اور صدقات وصول کرنے کے لئے ان کی طرف روانہ کیا۔ اور ایک تحریر جس میں صدقات و زکوٰۃ کے احکام تھے لکھوا کر ان کو مرحمت فرمائی۔

یہ وفد ماہ شوال یا ذی قعدہ میں اپنی قوم کی طرف واپس ہوا۔ واپسی کے بعد چار مہینے نہ گزرے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم سے رحلت فرما گئے۔ **فانا للہ و انا الیہ راجعون.**

۱۱: ہمدان والوں کا وفد

ہمدان والوں کا مسلمان ہونا

ہمدان یمن کا ایک بہت بڑا قبیلہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول خالد بن ولید کو دعوت اسلام کی غرض سے ان کی طرف بھیجا۔ چھ ماہ ٹھہرے رہے مگر کسی نے اسلام قبول نہ کیا۔ بعد ازاں آپ نے حضرت علی کو والا نامہ دے کر روانہ کیا اور یہ فرمایا کہ خالد کو واپس بھیج دینا۔ حضرت علی نے جا کر سب کو جمع کیا اور آپ کا والا نامہ سنایا اور دعوت اسلام دی ایک ہی دن میں تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ حضرت علی نے بذریعہ تحریر کے اس واقعہ کی آپ کو اطلاع دی۔ آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور جوش مسرت میں کئی بار یہ فرمایا السلام علی ہمدان۔

وفد کی حاضری

یہ ۸ھ کا واقعہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس ہوئے اس

کے ایک سال بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آئے تو عین اسی زمانہ میں ہمدان کا ایک وفد مدینہ منورہ پہنچا۔ یمن کی منقش چادریں اوڑھے ہوئے اور عدن کے عمامے باندھے ہوئے اور مہری اونٹوں پر سوار اس شان سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ آپ سے گفتگو کی۔ آپ سے جو درخواست کی آپ نے اس کو منظور کیا اور ایک تحریر لکھوا کر دی اور مالک بن النمط کو جو اس وفد کے ارکان میں سے تھے ان کو وہاں مسلمانوں پر امیر مقرر کیا۔ حسن بن یعقوب ہمدانی نے ذکر کیا ہے کہ اس وفد میں ایک سو بیس آدمی تھے۔ واللہ اعلم۔

۱۲: مزینہ والوں کا وفد

۵ھ میں قبیلہ مزینہ کے چار سو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ چلتے وقت آپ سے درخواست کی کہ ہمارے پاس کھانے کا سامان نہیں۔ کچھ زاد راہ ہم کو عطا فرمایئے۔ آپ نے حضرت عمر سے فرمایا ان کو زاد راہ دے دو۔ عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس بہت تھوڑی کھجوریں ہیں۔ ان کے لئے کافی نہیں ہو سکتیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ ان کو توشہ دے دو۔ حضرت عمر ان کو اپنے گھر لے گئے سب نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق کھجوریں لے لیں اور اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی۔

کثیر بن عبداللہ المزنی اپنے باپ سے اور وہ ان کے جد سے راوی ہیں کہ سب سے پہلا وفد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا وہ مزینہ کا وفد ہے کہ جس میں چار سو آدمی قبیلہ کے آئے۔

۱۳: دوس والوں کا وفد

۷ھ میں قبیلۂ دوس کے ستر اسی آدمی فتح خیبر کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مفصل واقعہ طفیل بن عمرو دوسی کے اسلام کے بیان میں گزر چکا ہے۔

۱۴: نجران کے عیسائیوں کا وفد

نجران کا تعارف

نجران۔ یمن میں ایک بہت بڑا (شہر ہے مکہ مکرمہ سے سات منزل کے فاصلہ پر ہے بہتر قصبے اور گاؤں اس کے تابع اور ملحق ہیں سب سے پہلے نجران بن زید بن یشجب بن یعرب بن قحطان یہاں آ کر آباد ہوا اس لئے اس کے نام سے یہ شہر موسوم ہوا۔ وہ اخدود (خندقیں) جس کا ذکر سورۃ بروج میں ہے۔ وہ علاقۂ نجران ہی کے کسی قصبہ یا گاؤں میں تھی۔

وفد کے اراکین

۹ھ میں نصارائے نجران کا ایک وفد آپ کی خدمت میں آیا جس میں ساٹھ آدمی تھے۔ ان میں سے چودہ آدمی ان کے اشراف اور سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے۔ رئیس الوفد اور امیر قافلہ عبدالمسیح عاقب تھا اور سید ایہم بمنزلہ وزیر و مشیر اور منتظم قافلہ تھا اور ان کا پیر پادری جس کو حبر اور اسقف کہتے تھے وہ ابو حارثہ بن علقمہ تھا۔ ابو حارثہ اصل میں عرب کا تھا قبیلہ بکر بن وائل سے تھا۔ عیسائی بن گیا تھا شاہان روم اس کے علم و فضل اور مذہبی صلابت اور دینی پختگی کی وجہ سے بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اور بڑی بڑی جاگیریں دے رکھی تھیں اور گرجا کا امام مقرر کر رکھا تھا۔

مدینہ آمد اور قیام

یہ وفد بڑی آن بان کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد نبوی میں اتارا۔ عصر کی نماز ہو چکی تھی کچھ دیر بعد جب ان لوگوں کی نماز کا وقت آیا تو ان لوگوں نے اپنی نماز پڑھنی چاہی۔ صحابہ نے روکا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑھنے دو چنانچہ مشرق کی طرف منہ کر کے ان لوگوں نے نماز پڑھی۔

مختلف مسائل پر گفتگو

دوران قیام میں مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی۔ سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور ابنیت کے بارے میں مباحثہ اور مکالمہ شروع ہوا۔ نصارائے نجران اگر حضرت

مسیح علیہ السلام ابن اللہ یعنی خدا کے بیٹے نہیں تو ان کا باپ کون ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم کو خوب معلوم ہے کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔

نصارائے نجران:۔ کیوں نہیں بے شک ایسا ہی ہوتا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں تو خدا کے مماثل اور مشابہ ہونے چاہئیں۔ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ بے مثل اور بے چون و چگون ہے۔

لیس کمثله شي و لم یکن له کفواً احد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: کیا تم کو معلوم نہیں کہ ہمارا پروردگار **حي لا یموت** ہے یعنی زندہ ہے کبھی اس پر موت نہیں آ سکتی ہے۔ **و ان عیسیٰ یاتي علیه الفناء** اور عیسیٰ علیہ السلام پر موت اور فنا آنے والی ہے۔

نصارائے نجران: بے شک صحیح ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: تم کو معلوم ہے کہ ہمارا پروردگار ہر چیز کا قائم رکھنے والا تمام عالم کا محافظ اور نگہبان اور سب کا رازق ہے کیا عیسیٰ علیہ السلام بھی ان میں سے کسی چیز کے مالک ہیں۔

نصارائے نجران: نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: تم کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر آسمان اور زمین کی کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ کیا عیسیٰ علیہ السلام کو اس سے کچھ زائد معلوم ہے جو ان کو خدا تعالیٰ نے بتلا دیا ہے۔

نصارائے نجران: نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: تم کو خوب معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو رحم مادر میں جس طرح چاہا بنایا اور تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے اور نہ اس کو بول و براز پیشاب و پاخانہ کی حاجت لاحق ہوتی ہے۔

نصارائے نجران: بے شک۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: تم کو خوب معلوم ہے کہ حضرت مریم اور عورتوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں اور مریم صدیقہ نے ان کو اسی طرح جنا جس طرح عورتیں بچوں کو جنتی ہیں اور پھر بچوں ہی کی طرح ان کو غذا بھی دی گئی۔ وہ کھاتے اور پیتے بھی تھے

اور بول و براز بھی کرتے تھے۔

نصارائے نجران: بے شک ایسا ہی تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: پھر خدا کیسے ہوئے۔

یعنی جن کی تخلیق اور تصویر رحم مادر میں ہوئی ہو اور ولادت کے بعد وہ غذا کا محتاج ہو اور بول و براز کی حاجت اس کو لاحق ہوتی ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔

حق واضح ہونے کے باوجود اسلام نہ لانا

نصارائے نجران پر حق واضح ہو گیا مگر دیدۂ دانستہ اتباع حق سے انکار کیا۔ اللہ عز و جل نے اس بارہ میں یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

الٓمّٓ. اللہ لآالٰہ الا ھو الحی القیوم. نزل علیک الکتاب بالحق مصدقاً لما بین یدیہ و انزل التورٰۃ و الانجیل. من قبل ھدی للناس و انزل الفرقان . ان الذین کفروا باٰیٰت اللہ لھم عذاب شدید و اللہ عزیز ذو انتقام. ان اللہ لا یخفیٰ علیہ شیء فی الارض ولا فی السمآء. ھو الذی یصور کم فی الارحام کیف یشآء لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ ہے اور سارے عالم کی حیات اور وجود کو قائم رکھنے والا اور تھامنے والا ہے اس نے آپ پر ایک کتاب حق کے ساتھ نازل کی جو تمام کتب سابقہ کی تصدیق کرنے والی ہے اور قرآن سے پہلے اس نے توریت اور انجیل لوگوں کی ہدایت کے لئے اتاری اور اس نے معجزات بھی اتارے۔ تحقیق جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اور بدلہ لینے والا ہے تحقیق اللہ پر آسمان اور زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہی ہے کہ جو رحم مادر میں تمہاری صورتیں اور شکلیں بناتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی غالب اور حکمت والا ہے۔

وفد والوں کا تعصب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نصارائے نجران پر اسلام پیش کیا۔ انہوں نے کہا ہم تو

پہلے ہی سے مسلمان ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہارا اسلام کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ جب کہ تم خدا کے لئے بیٹا تجویز کرتے اور صلیب کی پرستش کرتے ہو اور خنزیر کھاتے ہو۔ نصارائے نجران نے کہا آپ حضرت مسیح کو اللہ کا بندہ بتلاتے ہیں کیا آپ نے حضرت مسیح جیسا کسی کو دیکھا یا سنا بھی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ان مثل عیسیٰ عنداللہ کمثل اٰدم ' خلقه من تراب ثم قال له' کن فیکون الحق من ربک فلاتکن من الممترین فمن حآجک فیه من بعد ماجآءک من العلم فقل تعالوا ندع ابنآءنا و ابناء کم ونسآءنا ونسآء کم و انفسنا و انفسکم ثم نبتهل فنجعل لعنت الله علی الکٰذبین

تحقیق عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال کی طرح ہے کہ مٹی سے ان کو پیدا کیا پھر کہا کہ ہو جا سو ہو گیا۔ یہ بات اللہ کی طرف سے حق ہے پس شک کرنے والوں میں سے مت ہونا پس اس علم اور حقیقت کے بعد بھی آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کوئی جھگڑا کرے تو یہ کہہ دیجئے کہ آؤ بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو اور مباہلہ کریں یعنی اللہ سے عجز و زاری کے ساتھ دعا مانگیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مباہلہ کے لئے تیاری

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپ مباہلہ کے لئے تیار ہو گئے اور اگلے روز امام حسن اور امام حسین اور حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء اور حضرت علی کو اپنے ہمراہ لے کر باہر تشریف لے آئے۔

وفد والوں کا مقابلہ پر نہ آنا

نصارائے نجران مبارک اور نورانی چہروں کو دیکھ کر مرعوب ہو گئے اور آپ سے مہلت مانگی کہ ہم آپس میں مشورہ کرلیں اس کے بعد آپ کے پاس حاضر ہوں گے۔ علیحدہ جا کر

آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ سید ایہم نے عاقب عبدالمسیح سے کہا خدا کی قسم تم کو خوب معلوم ہے کہ یہ واقعی نبی مُرسل ہے تم نے اگر اس سے مباہلہ کیا تو بالکل ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے۔ خدا کی قسم میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ پہاڑ کے ٹلنے کی بھی دعا مانگیں تو پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔ خدا کی قسم تم نے ان کی نبوت اور پیغمبری کو خوب پہچان لیا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل قول فیصل ہے۔ خدا کی قسم کسی قوم نے کبھی کسی نبی سے مباہلہ نہیں کیا مگر ہلاک ہوئے لہٰذا تم مباہلہ کر کے اپنے کو ہلاک مت کرو تم اپنے ہی دین پر قائم رہنا چاہتے ہو تو صلح کر کے واپس ہو جاؤ۔

سالانہ جزیہ پر صلح

بالآخر انہوں نے مباہلہ سے گریز کیا اور سالانہ جزیہ دینا منظور کیا۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ عذاب اہل نجران کے سروں پر آ گیا تھا۔ اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو بندر اور سور بنا دیئے جاتے اور تمام وادی آگ بن کر ان پر برستی اور تمام اہل نجران ہلاک ہو جاتے۔ حتیٰ کہ درختوں پر کوئی پرندہ بھی باقی نہ رہتا۔

عہد نامہ کی تحریر

دوسرے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عہد نامہ تحریر کرایا۔ جس کا حاصل یہ تھا۔

(۱) اہل نجران کو سالانہ دو ہزار حلہ ادا کرنے ہوں گے ایک ہزار ماہ رجب میں اور ایک ہزار ماہ صفر میں اور ہر حلہ کی قیمت ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم ہوگی۔

(۲) اہل نجران پر آپ کے قاصد کی ایک مہینہ تک مہمانی لازم ہوگی۔

(۳) یمن میں اگر کوئی شورش یا فتنہ پیش آ جائے تو اہل نجران پر تیس زرہیں اور تیس گھوڑے اور تیس اونٹ عاریۃً (مانگے) دینے ہوں گے جو بعد میں واپس کر دیئے جائیں گے اور اگر کوئی شے گم یا ضائع ہو گی تو اس کا ضمان ہم پر ہوگا۔

(۴) اللہ اور اس کا رسول ان کے جان و مال کی حفاظت کا ذمہ دار ہے ان کے اموال واملاک ان کی زمین و جائیداد ان کے حقوق ان کے مذہب اور ملت اور ان کے قسیس اور

راہب اور ان کے خاندان اور ان کے متبعین میں کوئی تغیر اور تبدل نہ ہوگا جاہلیت کے کسی خون کا ان سے مطالبہ نہ ہوگا ان کی سرزمین میں کوئی لشکر داخل نہ ہوگا۔

(۵) جو شخص ان سے حق کا مطالبہ کرے گا تو ظالم و مظلوم کے درمیان انصاف کیا جائے گا۔

(۶) جو شخص سود کھائے گا تو میرا ذمہ اس سے بری ہے۔

(۷) اگر کوئی شخص ظلم اور زیادتی کرے گا تو اس کے بدلہ میں دوسرا شخص ماخوذ نہ ہوگا۔

یہ اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے جب تک وہ اس پر قائم رہیں ابوسفیان بن حرب اور غیلان بن عمرو اور مالک بن عوف اور اقرع بن حابس اور مغیرہ بن شعبہ نے اس عہد نامہ پر دستخط کئے۔

وفد کی واپسی

نصارائے نجران یہ عہد نامہ لے کر واپس ہوئے اور چلتے وقت آپ سے یہ درخواست کی کہ کسی امانت دار شخص کو آپ ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تا کہ وہ ہم سے مال صلح لے کر واپس آ جائے آپ نے فرمایا میں نہایت امانت دار شخص کو تمہارے ساتھ کروں گا یہ کہہ کر ابوعبیدۃ بن الجراح کو ساتھ جانے کا حکم دیا اور یہ اس امت کا امین ہے۔

ابوحارث اور کرز کا مکالمہ اور کرز کا مسلمان ہونا

یہ لوگ آپ کا فرمان لے کر نجران واپس ہوئے جب نجران ایک منزل رہ گیا تو وہاں کے پادری اور معززین نے ان کا استقبال کیا۔ وفد نے آپ کی تحریر پادری کے حوالے کی' پادری اس کے پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔

اسی اثناء میں ابوحارثہ کے خچر نے جس پر وہ سوار تھا ٹھوکر کھائی اس کے چچازاد بھائی کرز بن علقمۃ کی زبان سے نکلا **تعس الابعد** وہ کمبخت ہلاک ہو یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (عیاذاً باللہ) ابوحارثہ نے برہم ہو کر کہا تو ہی کمبخت ہے۔ خدا کی قسم وہ نبی مرسل ہے۔ یہ وہی نبی ہیں جن کی توریت اور انجیل میں بشارت دی گئی ہے۔ کرز نے کہا کہ پھر ایمان کیوں نہیں لے آتے۔ ابوحارثہ نے کہا ان بادشاہوں نے ہم کو جو کچھ مال و دولت دے رکھا ہے وہ سب واپس لے لیں گے۔ کرز نے کہا خدا کی قسم میں تو اپنی ناقہ کو مدینہ ہی جا کر

کھولوں گا۔ اور نہایت ذوق وشوق کے ساتھ اشعار پڑھتا ہوا مدینہ روانہ ہوا۔

یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور وہیں رہ پڑے اور کسی معرکہ میں شہید ہوئے انا للہ و انا الیہ راجعون

وفد کے امیر و مشیر کا مسلمان ہونا

چند روز بعد سید ایہم اور عبدالمسیح عاقب بھی مدینہ منورہ حاضر خدمت ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ آپ نے دونوں کو ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر ٹھہرایا۔

۱۵: فروۃ بن عمرو جذامی کی سفارت

فروۃ بن عمرو جذامی شاہ روم کی طرف سے معان اور ارض شام کا عامل اور والی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کو دعوت اسلام کا خط بھیجا تو مسلمان ہو گیا اور ایک قاصد کو کچھ ہدایات دے کر آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ رومیوں کو جب فروۃ بن عمرو کے اسلام کی خبر ہوئی تو اس کو پھانسی دے دی فروۃ کو جب پھانسی پر لٹکانے لگے تو یہ شعر پڑھا۔

بلغ سراۃ المسلمین باننی سلم لربی عظمی و مقامی

مسلمانوں کے سرداروں کو یہ خبر پہنچا دو کہ میں مسلمان ہوں اور میری ہڈیاں اور جائے قیام سب اللہ کی مطیع ہیں۔

۱۶: قبیلہ بنوسعد کے قاصد کی آمد

ضمام بن ثعلبہ کی مدینہ آمد

بنوسعد کی طرف سے ۹ھ میں ضمام بن ثعلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اونٹ کو مسجد کے دروازہ کے قریب باندھ دیا اور خود مسجد میں داخل ہوئے اور دریافت کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں۔ آپ اس وقت مجلس میں تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ صحابہ نے جواب دیا کہ یہ مرد مبارک جو تکیہ لگائے ہوئے ہے۔

ضمام بن ثعلبہ کی گفتگو اور مسلمان ہونا

اس شخص نے کہا اے عبدالمطلب کے بیٹے آپ نے فرمایا میں نے سن لیا ہے۔ اس نے کہا میں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں اور سختی سے سوال کروں گا۔ آپ اپنے دل میں ناراض نہ ہوں۔ آپ نے فرمایا تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو۔ اس نے کہا میں آپ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اے اللہ تو گواہ ہے پھر اس نے علیحدہ علیحدہ دریافت کیا کہ کیا اللہ نے دن رات میں پانچ نمازوں کا اور سال بھر میں ایک مہینہ کے روزوں کا اور مالداروں سے زکوٰۃ اور صدقہ لے کر فقراء پر تقسیم کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں اے اللہ تو گواہ ہے اس شخص نے کہا آپ جو کچھ اللہ کی طرف سے لائے ہیں میں اس سب پر ایمان لایا اور میں اپنی قوم کا قاصد اور فرستادہ ہوں اور میرا نام ضماد بن ثعلبہ ہے یہ صحیح بخاری کی روایت ہے صحیح مسلم میں ہے کہ اس شخص نے کہا قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں اس میں کوئی کمی اور زیادتی نہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا تو ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

ضمام کی واپسی اور پورے قبیلہ کا مسلمان ہو جانا

ضمام بن ثعلبہ جب آپ سے رخصت ہو کر اپنی قوم میں پہنچے تو سب کو جمع کر کے ایک تقریر کی سب سے پہلا جملہ یہ تھا لات اور عزیٰ بہت برے ہیں۔

لوگوں نے کہا اے ضمام یہ لفظ زبان سے مت نکالو۔ کہیں تم مجنون اور کوڑھی نہ ہو جاؤ۔ ضمام نے کہا افسوس صد افسوس خدا کی قسم لات وعزیٰ تم کو نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر۔ اللہ نے ایک رسول بھیجا اور اس پر ایک کتاب نازل کی جس نے تم کو ان خرافات سے چھڑایا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور میں آپ کے پاس سے یہ احکام سیکھ کر آیا ہوں۔ شام نہ ہونے پائی کہ قبیلہ کا کوئی مرد اور عورت ایسا باقی نہ رہا کہ جو مسلمان نہ ہو گیا ہو حضرت عمر اور ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے کسی قوم کے وافد اور قاصد کو ضمام بن ثعلبہ سے افضل اور بہتر نہ پایا۔

۱۷: وفد طارق بن عبداللہ محاربی و بنی محارب

طارق بن عبداللہ کا ایک مشاہدہ

طارق بن عبداللہ کا بیان ہے کہ بازار ذی المجاز میں تھا کہ ایک سامنے سے یہ کہتا ہوا نظر آیا۔

اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ گے۔

اور ایک شخص اس کے پیچھے پیچھے پتھر مارتا جاتا ہے اور یہ کہتا جاتا ہے۔

اے لوگو! یہ جھوٹا ہے اس کی تصدیق نہ کرنا۔

میں نے دریافت کیا یہ کون شخص ہے لوگوں نے کہا یہ بنی ہاشم میں کا ایک شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ پتھر مارنے والا ان کا چچا ابولہب ہے۔

بنی محارب کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک تجارتی معاملہ

طارق بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جب لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور آپ مدینہ ہجرت فرما گئے تو ہم مدینہ کی کھجوریں لینے کے لئے زبدہ سے چلے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر ایک باغ میں اترنے کا ارادہ کر رہے تھے ایک شخص دو پرانی چادریں اوڑھے ہوئے سامنے سے آیا اور ہم کو سلام کیا اور دریافت کیا کہ کہاں سے آ رہے ہو۔ ہم نے کہا کہ زبدہ سے' اس شخص نے کہا کہاں کا قصد ہے، ہم نے کہا مدینہ کا' اس نے کہا کس لئے' ہم نے کہا کھجوریں خریدنے کے لئے' ہم لوگوں کے پاس ایک سرخ اونٹ تھا۔ اس شخص نے ہم سے دریافت کیا کہ کیا اس اونٹ کو اتنی کھجوروں کے معاوضہ میں فروخت کرتے ہو۔ ہم نے کہا ہاں اتنی کھجوریں اس کے معاوضہ میں لے لیں گے۔ اس شخص نے اسی قیمت میں منظور کر لیا اور قیمت گھٹانے کی بابت کچھ نہیں کہا اور اونٹ لے کر چلا گیا۔ ہم آپس میں کہنے لگے کہ بغیر قیمت لئے اونٹ ایسے شخص کے حوالہ کر دیا کہ جسے ہم پہچانتے بھی نہیں۔ ان میں کی ایک ہودج نشین عورت نے کہا میں نے اس شخص کے چہرہ کو دیکھا ہے خدا کی قسم اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کا ایک ٹکڑا تھا۔ یہ چہرہ کسی جھوٹے غدار کا نہیں تم گھبراؤ نہیں میں قیمت کی ذمہ دار ہوں۔

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک شخص آیا اور کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں آپ نے یہ کھجوریں بھیجی ہیں ان کو کھاؤ اور ماپ لو ہم نے وہ کھجوریں خوب سیر ہو کر کھائیں اور پھر ماپا تو بالکل پوری پائیں۔

مدینہ میں حاضری

اگلے روز مدینہ میں داخل ہوئے آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے (غالباً) جمعہ کا دن تھا یہ کلمات ہم نے سنے۔

صدقہ اور خیرات کرو اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے۔ ماں اور باپ بہن اور بھائی اور قریبی رشتہ داروں کا زیادہ خیال رکھو۔

۱۸: تجیب والوں کا وفد

وفد کی آمد

تجیب یمن میں قبیلۂ کندہ کی ایک شاخ ہے۔ قبیلہ تجیب کے تیرہ آدمی صدقات کا مال لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا اس مال کو واپس لے جاؤ اور وہیں کے فقراء پر تقسیم کردو۔ انہوں نے کہا ہم وہی مال لائے ہیں جو وہاں کے فقراء پر تقسیم کرنے کے بعد بچ رہا ہے۔ صدیق اکبر نے کہا۔ یارسول اللہ تجیب جیسا وفد اب تک کوئی نہیں آیا۔ آپ نے فرمایا بے شک ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے۔ اس کا سینہ ایمان کے لئے کھول دیتا ہے۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد مسائل دریافت کئے۔ آپ نے ان کو جوابات لکھوا دیئے اور حضرت بلال کو تاکید کی کہ اچھی طرح ان کی مہمانی کی جائے۔

واپسی

چند روز ٹھہر کر واپسی کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا کیا جلدی ہے۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ دل یہ چاہتا ہے کہ آپ کے دیدار پرانوار اور آپ کی صحبت سے جو

فیوض اور برکات حاصل ہوئے ہیں اپنی قوم کو جا کر ان کی اطلاع دیں۔ آپ نے ان کو انعام واکرام دے کر رخصت فرمایا۔

ایک نوجوان کے لئے دعا

چلتے وقت پوچھا کہ تم میں سے کوئی باقی تو نہیں رہ گیا۔ انہوں نے کہا ایک نوجوان لڑکا رہ گیا ہے۔ جس کو ہم نے سامان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ آپ نے فرمایا اس کو بلاؤ۔ وہ حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ آپ نے میرے قبیلہ کے لوگوں کی حاجتیں پوری فرمائیں ایک میری حاجت ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کیا ہے۔ اس نوجوان نے کہا کہ میں فقط اس لئے گھر سے نکلا ہوں کہ آپ میرے لئے خدا تعالیٰ سے یہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے اور مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنی بنادے۔ آپ نے دعا فرمائی۔

اللهم اغفر له‘ و ارحمه و اجعل غناه فی قلبه

اے اللہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما اور اس کے دل کو غنی بنا اور اس کے بعد اس نوجوان کے لئے بھی انعام واکرام کا حکم دیا۔

دعا کا اثر

۱۰ھ میں جب اس قبیلہ کے لوگ حج کے لئے آئے اور منیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو آپ نے اس نوجوان کا حال دریافت فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ اس کے زہد اور قناعت کا عجب حال ہے۔ ہم نے اس سے بڑھ کر زاہد اور قانع نہیں دیکھا۔ کتنا ہی مال و دولت اس کے سامنے تقسیم ہوتا ہو مگر وہ کبھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ وفات کے بعد جب اہل یمن اسلام سے پھرنے لگے تو اس نوجوان نے لوگوں میں وعظ کیا جس سے سب اسلام پر قائم رہے اور بحمد اللہ کوئی شخص اسلام سے نہیں پھرا۔ صدیق اکبرؓ آنے جانے والوں سے ان کا حال دریافت کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک جب اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو زیاد بن ولید کو لکھ کر بھیجا کہ اس نوجوان کا خاص طور پر سے خیال رکھیں۔

۱۹: ھذیم والوں کا وفد

وفد کی حاضری

قبیلہ ہذیم کا وفد جب مسجد نبوی میں پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں مشغول تھے۔ یہ لوگ علیحدہ بیٹھ گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے ان کو بلایا اور پوچھا کیا تم مسلمان نہیں۔ انہوں نے کہا ہم مسلمان ہیں آپ نے فرمایا پھر اپنے بھائی کی نماز جنازہ میں کیوں شریک نہیں ہوئے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے یہ گمان کیا کہ جب تک آپ سے بیعت نہ کر لیں اس وقت تک ہمارے لئے جنازہ وغیرہ میں شرکت جائز نہیں۔ آپ نے فرمایا تم مسلمان ہو جہاں بھی ہو۔ بعدازاں ان لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور رخصت ہوئے۔

ایک نوجوان کے لئے دعا

ایک نوجوان جو سب سے کم عمر تھا اس کو سامان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ آپ نے ہم کو واپس بلایا وہ نوجوان آگے بڑھا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہم میں سب سے چھوٹا اور ہمارا خادم ہے۔ آپ نے فرمایا۔

قوم میں کا چھوٹا اپنے بزرگوں کا خادم ہوتا ہے اللہ تجھ پر اپنی برکتیں نازل فرمائے۔

واپسی: چنانچہ آپ کی دعا کی برکت سے وہی سب سے بہتر اور سب سے زیادہ قرآن کا عالم ہوا اور پھر آپ نے اسی کو ان پر امیر اور امام مقرر کیا اور آپ کے حکم سے چلتے وقت حضرت بلال نے ہم کو انعام واکرام دیا۔ جب وطن واپس ہوئے تو تمام قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا۔

۲۰: بنی فزارہ کا وفد

غزوۂ تبوک کی واپسی کے بعد بنی فزارہ کے تقریباً چودہ آدمی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے بلاد کا حال دریافت کیا۔ اُن لوگوں نے کہا یا رسول اللہ قحط کی وجہ سے تباہ ہیں۔ آپ نے باران رحمت کی دعا فرمائی۔

۲۱: بنی اسد کا وفد

۹ھ میں دس آدمی قبیلہ بنی اسد کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اول آپ کو سلام کیا بعد ازاں ان میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ بغیر آپ کے بلائے ہم خود بخود آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یمنون علیک ان اسلموا قل لا تمنوا علی اسلامکم بل الله یمن علیکم ان هدٰکم للایمان ان کنتم صادقین

آپ پر اپنے اسلام لانے کا احسان جتلاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان مت جتلاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان رکھتا ہے۔ کہ تم کو ایمان کی توفیق دی اگر تم سچے ہو۔ بعد ازاں لوگوں نے کہانت اور رمل کے متعلق آپ سے دریافت کیا۔ آپ نے منع فرمایا۔

۲۲: بہرآء والوں کا وفد

آمد و قیام

یمن سے قبیلہ بہراء کے تیرہ آدمی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مقداد بن اسودؓ کے مکان پر ٹھہرے حضرت مقداد نے ان کے آنے سے پہلے ایک بڑے پیالہ میں حیس بنایا تھا۔

میزبانی اور معجزہ

جب یہ مہمان آئے تو ان کے سامنے رکھ دیا۔ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ اس کے بعد بھی بچ رہا۔ حضرت مقداد نے اپنی باندی سدرہ کے ہاتھ یہ پیالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں بھیج دیا آپ نے خود بھی تناول فرمایا اور تمام اہل بیت کو کھلایا اور پیالہ واپس فرما دیا۔ جب تک مہمان مقیم رہے برابر اسی پیالہ سے دو وقت سیر ہو کر کھاتے رہے۔

ایک دن مہمانوں نے بطور تعجب کہا اے مقداد ہم نے سنا ہے کہ اہل مدینہ کی خوراک تو نہایت معمولی ہے اور تم ہم کو روزانہ اس قدر لذیذ اور عمدہ کھانا کھلاتے ہو جو ہم کو اپنے گھر روزانہ میسر نہیں آ سکتا۔ مقدادؓ نے کہا یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت ہے اور واقعہ کی اطلاع دی ان لوگوں کے ایمان وایقان میں اور زیادتی ہوگئی۔

واپسی

کچھ روز مدینہ ٹھہر کر مسائل واحکام سیکھے اور پھر اپنے گھر واپس ہوئے۔ چلتے وقت آپ نے ان کو زادراہ عطا فرمایا۔

۲۳: عذرہ والوں کا وفد

وفد کی آمد

عذرہ یمن کا ایک قبیلہ ہے ماہ صفر ۹ھ میں قبیلۂ عذرہ کے بارہ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اهلاً و مرحبا کہا۔

وفد والوں کا سوال

ان لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ وحدهٗ لا شریک لہ کی عبادت کرو اور اس امر کی شہادت دو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمام لوگوں کی طرف۔ بعد ازاں لوگوں نے فرائض اسلام دریافت کئے آپ نے فرائض اسلام سے ان کو خبر دی۔

وفد والوں کا مسلمان ہونا

ان لوگوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے ہم کو دعوت دی' اس کریم نے قبول کیا ہم دل وجان سے آپ کے اعوان وانصار اور یار و مددگار ہیں' یا رسول اللہ ہم تجارت کے لئے شام جاتے ہیں جہاں ہرقل رہتا ہے' کیا آپ پر اس بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا شام

عنقریب فتح ہو جائے گا اور ہرقل وہاں سے بھاگ جائے گا۔ اور کاہنوں سے سوال کرنے سے اوران کا ذبیحہ کھانے سے منع فرمایا اور کہا تم پر فقط قربانی ہے' چند روز رہ کر واپس ہوئے' چلتے وقت آپ نے ان کو ہدایا اور تحائف عطا فرمائے۔

۲۴: بلی والوں کا وفد

آمد و اسلام

ماہ ربیع الاول ۹ھ میں وفد بلی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا آپ نے فرمایا' **الحمد لله الذی هداکم للاسلام فکل من مآت علی غیر الاسلام فهو فی النار**

رئیس وفد کو ہدایات

رئیس الوفد ابوالضبیب نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو مہمانی کا شوق ہے کیا اس میں میرے لئے کوئی اجر ہے' آپ نے فرمایا ہاں اس میں بھی اجر ہے' غنی ہو یا فقیر جس پر بھی تو احسان کرے وہ صدقہ ہے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مہمانی کی مدت کتنی ہے' آپ نے فرمایا مہمانی تین دن ہے۔ اس کے بعد صدقہ ہے' مہمان کے لئے جائز نہیں کہ میزبان کو تنگی میں ڈالے۔

واپسی

تین روز ٹھہر کر یہ لوگ واپس ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چلتے وقت ان کو زاد راہ عطا فرمایا۔

۲۵: بنی مرہ کا وفد

وفد کی آمد

تبوک کے بعد ۹ھ میں بنی مرہ کے تیرہ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حارث بن عوف سردار وفد تھے۔ ان لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ ہی کی قوم کے ہیں لوئی بن غالب کی اولاد سے ہیں۔

حضورؐ کی دعا

آپ مسکرائے اور بلاد کا حال دریافت کیا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ قحط سالی کی وجہ سے حالت تباہ ہے۔ آپ نے اسی وقت بارش کے لئے دعا فرمائی۔ جب یہ لوگ اپنے گھر واپس ہوئے تو معلوم ہوا کہ جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اسی روز پانی برسا اور تمام بلاد سرسبز اور شاداب ہو گئے۔

واپسی

چلتے وقت ہر ایک کو آپ نے دس دس اوقیہ چاندی اور حارث بن عوف کو بارہ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

۲۶: خولان والوں کا وفد

حاضری

ماہ شعبان ۱۰ھ میں یمن سے قبیلہ خولان کے دس آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے' دور دراز سے سفر طے کر کے زیارت کے شوق میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہارا یہ سفر ضائع نہیں ہوا۔ ہر قدم پر تمہارے لئے نیکی ہے۔ جو شخص میری زیارت کے لئے مدینہ حاضر ہوا قیامت کے دن وہ میری پناہ اور امان میں ہوگا۔

بت پرستی کا خاتمہ

بعد ازاں خولان کے بت (جس کا نام عم انس تھا) کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کیا ہوا۔ وفد نے عرض کیا الحمد للہ آپ کی ہدایت و تعلیم اس بت پرستی کا نعم البدل ہو گئی۔ سوائے چند بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتوں کے کوئی پوچھنے والا نہیں رہا اور ان شاء اللہ تعالیٰ اب واپسی کے بعد اس کا نام و نشان ہی باقی نہ چھوڑیں گے۔

ہدایات' تحائف اور واپسی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دین کے فرائض سکھائے اور یہ نصیحت فرمائی کہ عہد کو

پورا کرنا، امانت کو ادا کرنا، پڑوسیوں کا خیال رکھنا، کسی پر ظلم نہ کرنا اور رخصت کے وقت بارہ اوقیہ چاندی ان کو عطا فرمائی۔ واپسی کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس بت کو منہدم کیا۔

۲۷: قبیلہ محارب والوں کا وفد

حاضری اور مشرف بہ اسلام ہونا

اس قبیلہ کے لوگ نہایت تندخو اور درشت مزاج تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ایام حج میں لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے تھے تو یہ لوگ نہایت سختی سے آپ کے ساتھ پیش آتے۔ اس قبیلہ کے دس آدمی اپنی قوم کے وکیل بن کر ۱۰ھ میں حاضر خدمت ہوئے اور مشرف با سلام ہوئے۔

وفد کے ایک رکن کی درخواست

ان میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ آپ کے مقابلہ میں میرے ساتھیوں میں مجھ سے زیادہ کوئی سخت اور اسلام سے دور نہ تھا۔ میرے ساتھی مر گئے اور صرف میں زندہ ہوں اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھ کو باقی رکھا تھا۔ یہاں تک کہ میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کی تصدیق کی۔ آپ نے فرمایا دل اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا سے میرے لئے دعا اور استغفار فرمایئے کہ میں نے جو کچھ آپ کی شان میں گستاخی کی اللہ اس کو معاف فرمائے۔ آپ نے فرمایا اسلام کفر کو اور جو کچھ کفر کی حالت میں ہوا ہے سب کو ڈھا دیتا ہے۔

واپسی

بعد ازاں یہ لوگ اپنے گھر واپس ہوئے۔

۲۸: صداء والوں کا وفد

صدا کی طرف لشکر کی روانگی

۸ھ میں جعرانہ سے واپسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجر بن ابی امیہ کو

صنعاء کی طرف اور زیاد بن لبید کو حضر موت کی جانب اور قیس بن سعد بن عبادہ خزرجی کو چار سو سواروں کے ہمراہ قناۃ کی جانب روانہ فرمایا اور قیس بن سعد کو یہ بھی حکم دیا کہ یمن کے علاقہ صداء پر بھی ضرور گزریں۔

زیاد بن حارث کی درخواست

زیاد بن حارث صدائی کو جب اس کا علم ہوا تو یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ لشکر کو واپس بلالیں میں اپنی قوم کے اسلام کا کفیل اور ذمہ دار ہوں۔

زیاد کے وفد کا اسلام لانا

آپ نے قیس بن سعد کو واپس بلالیا۔ زیاد بن حارث صدائی پندرہ آدمیوں کا وفد لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سب نے اسلام قبول کیا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ آپ نے زیاد سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔ اے زیاد تیری قوم تیری بہت مطیع اور فرمانبردار ہے۔ زیاد نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ اللہ اور اس کے رسول کا احسان ہے۔

تمام قبیلہ مسلمان ہوا

اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی ہدایت دی۔ بیعت کر کے یہ لوگ واپس ہوئے۔ تمام قبیلہ میں اسلام پھیل گیا۔ سو آدمی حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔

۲۹: غسان والوں کا وفد

ماہ رمضان المبارک ۱۰ھ میں غسان کے تین آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با سلام ہوئے اور عرض کیا کہ ہم کو معلوم نہیں کہ ہماری قوم ہمارا اتباع کرے گی یا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چلتے وقت ان کو زادراہ اور جائزہ عطا فرمایا۔ چونکہ ان کی قوم نے اسلام قبول نہ کیا تھا اس لئے ان لوگوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا۔ یہاں تک کہ دو آدمی تو اسی حالت میں وفات پا گئے اور تیسرے شخص جنگ یرموک میں ابوعبیدہ سے جا ملے اور ان کو اپنے اسلام کی اطلاع دی۔ ابوعبیدہ ان کا بہت اکرام واحترام کرتے تھے۔

۳۰: سلامان والوں کا وفد

ماہ شوال ۱۰ھ میں قبیلہ سلامان کے سات آدمیوں کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا قحط سالی کی شکایت کی۔ آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی۔ بعد ازاں زادراہ اور جائزدے کر آپ نے ان کو رخصت فرمایا گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ جس روز اور جس وقت آپ نے دعا فرمائی تھی اسی وقت یہاں پانی برسا۔

۳۱: بنی عبس کا وفد

بنی عبس کے تین آدمی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ہم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ اسلام بغیر ہجرت کے مقبول اور معتبر نہیں۔ ہمارے پاس کچھ مال اور مویشی ہیں جن پر ہمارا گزارا ہے۔ اگر اسلام بغیر ہجرت کے مقبول نہیں تو پھر ایسے مال میں کیا خیر و برکت ہو سکتی ہے ہم سب کو فروخت کر دیں اور ہجرت کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

"اللہ سے ڈرو جہاں کہیں بھی رہو اللہ تمہارے اعمال کے اجر میں کمی نہ کرے گا۔"

۳۲: غامد والوں کا وفد

وفد کی حاضری

غامد یمن کا ایک قبیلہ ہے ۱۰ھ میں دس آدمیوں کا ایک وفد آیا اور بقیع میں اترا۔ اور سامان پر ایک لڑکے کو چھوڑ کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔

ایک تھیلے کی چوری کی خبر

آپ نے دریافت فرمایا کہ سامان پر کس کو چھوڑا۔ وفد نے عرض کیا یارسول اللہ ایک کم عمر لڑکے کو چھوڑ آئے ہیں۔ فرمایا کہ ایک تھیلہ چوری ہو گیا ہے۔ ان میں سے ایک شخص بولا یارسول اللہ تھیلہ تو میرا تھا۔ آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں وہ مل گیا ہے۔ یہ لوگ اپنے سامان

کے پاس پہنچے معلوم ہوا کہ لڑکا سو گیا تھا۔ جب بیدار ہوا اور دیکھا کہ تھیلہ نہیں تو اس کی تلاش میں نکلا دور سے ایک شخص بیٹھا ہوا نظر آیا۔ جب یہ اس طرف بڑھا تو وہ شخص اس کو دیکھ کر بھاگا۔ اس مقام پر پہنچ کر دیکھا کہ زمین کھدی ہوئی ہے۔ اس میں سے وہ تھیلہ برآمد ہوا۔

اسلام لانا

ہم نے کہا بے شک آپ اللہ کے رسول برحق ہیں ابی بن کعب کو حکم دیا کہ ان کو قرآن سکھلائیں اور چلتے وقت شرائع اسلام لکھوا کر ان کو عطا فرمائے اور حسب معمول جائزہ دیا۔

۳۳: ازدوالوں کا وفد

وفد کی حاضری

قبیلہ ازد کے سات آدمیوں کا وفد خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ کو ان کی وضع اور ہیئت اور ان کا سکون و وقار پسند آیا۔

وفد والوں سے حضور اکرمؐ کی گفتگو

دریافت فرمایا کہ تم کون ہو۔ وفد نے عرض کیا ہم مومن ہیں۔ آپ مسکرائے اور فرمایا ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔ وفد نے کہا وہ پندرہ خصلتیں ہیں جن میں سے پانچ وہ ہیں جن پر آپ کے قاصدوں نے ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کا حکم دیا ہے اور پانچ وہ ہیں جن پر آپ کے قاصدوں نے ہم کو عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور پانچ وہ ہیں جن پر ہم زمانہ جاہلیت سے کاربند ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا وہ باتیں کونسی ہیں جن پر میرے مبلغین نے تم کو ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔ وفد نے عرض کیا وہ یہ ہیں۔ (۱) ایمان لائیں اللہ پر (۲) اور اس کے تمام فرشتوں پر (۳) اور اس کی اتاری ہوئی تمام کتابوں پر (۴) اور اس کے تمام پیغمبروں پر (۵) اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر یعنی قیامت اور یوم آخرت پر۔ آپ نے فرمایا وہ پانچ باتیں کونسی ہیں جن پر میرے قاصدوں نے تم کو عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ وفد نے عرض کیا وہ یہ ہیں۔ (۱) لا الٰہ الا اللہ

کہتے رہیں۔ (۲) نماز کو قائم رکھیں۔ (۳) زکوۃ ادا کریں۔ (۴) رمضان المبارک کے روزے رکھیں۔ (۵) اور اگر استطاعت ہو تو حج بیت اللہ کریں۔

آپ نے فرمایا وہ پانچ خصلتیں کونسی ہیں جن پر تم زمانہ جاہلیت میں کاربند تھے۔ وفد نے عرض کیا کہ وہ یہ ہیں۔

راحت اور فراخی کے وقت شکر اور مصیبت کے وقت صبر اور تلخ قضا پر بھی راضی رہنا اور مقابلہ کے وقت ثابت قدمی اور دشمنوں کی مصیبت پر خوش نہ ہونا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑے حکیم اور عالم ہیں۔ تفقہ اور سمجھ کی وجہ سے مقام نبوت سے بہت قریب ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات

پھر ارشاد فرمایا میں تم کو پانچ خصلتیں اور بتاتا ہوں تاکہ بیس خصلتیں پوری ہو جائیں۔ (۱) جس چیز کو کھانا نہ ہو اس کو جمع نہ کرو (۲) جس میں رہنا نہ ہو اس کو بناؤ نہیں۔ (۳) اور جس چیز کو کل چھوڑ کر جانے والے ہو اس میں ایک دوسرے پر حسد نہ کرو (۴) اور اس خدا سے ڈرو کہ جس کی طرف تم کو لوٹنا اور اس کے سامنے پیش ہونا ہے۔ (۵) اور اس چیز میں رغبت کرو جس میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے یعنی آخرت۔

واپسی

یہ لوگ آپ کی وصیت کو لے کر واپس ہوئے اور اس کو خوب یاد رکھا اور اس پر عمل کیا۔

۳۴: بنی المنتفق کا وفد

یہ وفد بارگاہ نبوی میں صبح کی نماز کے بعد حاضر ہوا اتفاق سے اس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کر کے ایک طویل وعریض خطبہ دیا جس میں حشر ونشر وجنت وجہنم کے احوال بیان فرمائے۔ خطبہ سے فارغ ہو کر ان لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور واپس ہوئے۔ مفصل خطبہ تقریباً دو ورق میں ہے جس کو حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں ذکر کیا ہے۔

۳۵: نخع والوں کا وفد

وفد کی حاضری

نخع یمن کا ایک قبیلہ ہے ماہ محرم الحرام ۱۱ھ کے درمیانی عشرہ میں اس قبیلے کے دوسو آدمی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔

وفد کے ایک آدمی کے خواب

ان میں ایک شخص زرارہ بن عمرو بھی تھے۔ انہوں نے اس سفر میں متعدد خواب دیکھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کئے اور آپ نے ان کی تعبیر دی منجملہ ان کے ایک یہ خواب دیکھا کہ زمین سے ایک آگ نمودار ہوئی ہے جو میرے اور میرے بیٹے کے درمیان حائل ہوگئی اور وہ آگ یہ پکار رہی ہے۔ میں آگ ہوں میں آگ ہوں کوئی بینا اور کوئی مجھ کو کھانے کو دو میں تم کو کھاؤں گی تم کو کھاؤں گی تمہارے اہل کو اور مال کو۔

ایک خواب کی تعبیر

آپ نے فرمایا ایک فتنہ ہوگا جس میں لوگ اپنے امام اور خلیفہ کو قتل کریں گے بدکار اپنے کو نیکوکار سمجھے گا۔ مومن کا قتل پانی پینے سے زیادہ لذیذ ہوگا۔ اگر تیرا بیٹا پہلے مرگیا تو تو اس فتنہ کو پائے گا اور اگر تو پہلے مرگیا تو تیرا بیٹا اس فتنہ کو پائے گا۔

دعا کی درخواست

زرارہ نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا سے دعا کیجئے کہ میں اس فتنہ کو نہ پاؤں۔ آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی زرارہؓ کا تو انتقال ہوا اور ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کا فتنہ پیش آیا۔ زرارہ کا بیٹا باغیوں کے ساتھ تھا واللہ اعلم۔

یمن میں تعلیم اسلام

۹ھ یا ۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبل کو یمن

کے لوگوں کو دین اسلام کی تعلیم دینے کی غرض سے روانہ فرمایا۔ مگر دونوں کو ایک جگہ نہیں بھیجا۔ ابو موسیٰ کو یمن کی مشرقی سمت میں اور معاذ کو مغربی سمت یعنی عدن اور جند کی اطراف و اکناف میں تعلیم و تبلیغ کا حکم دیا۔

نجران کی طرف حضرت خالدؓ کا سریہ

سریہ کی روانگی

۱۰ھ کے ماہ ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو ایک سریہ کا سردار مقرر کر کے نجران اور اس کے اطراف و جوانب کی طرف روانہ فرمایا۔

ہدایات

اور خالد کو یہ حکم دیا کہ قتال سے پہلے تین بار دعوت اسلام دینا اگر وہ اس دعوت کو قبول کریں تو تم بھی ان کو ے اسلام کو قبول کرنا اور اگر وہ دعوت اسلام کے قبول کرنے سے انکار کر دیں تب ان سے قتال کرنا۔

سب نجران والوں کا اسلام لانا

لیکن خالد بن ولید جب نجران پہنچے اور ان کو اسلام کی دعوت دی تو سب نے بے چوں و چرا سمعاً و طاعۃً اسلام قبول کیا۔ خالد بن ولید ٹھہر گئے اور ان کو اسلام کی تعلیم دینے لگے۔ اور ایک خط کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔

بنی حارث کے وفد کی آمد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں یہ تحریر کرایا کہ نجران کے قبیلہ بنی حارث بن کعب کا وفد ہمراہ لے کر مدینہ آئیں۔ آپ کی تحریر کے مطابق خالد بنی حارث کا وفد لے کر مدینہ حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کو نہایت عزت و تعظیم کے ساتھ ٹھہرایا۔

وفد کی واپسی اور عامل کا تقرر

شروع ماہ ذی قعدہ ۱۰ھ میں جس وقت یہ لوگ مدینہ سے نجران واپس ہونے لگے تو

آپ نے ان پر قیس بن حصن کو سردار مقرر کیا اور وفد کی روانگی اور واپسی کے بعد عمرو بن حزم کو بغرض تعلیم فرائض وسنن واحکام اسلام ووصولی صدقات ان کا عامل بنا کر روانہ کیا اور ایک فرمان لکھ کر ان کو عنایت کیا۔

"یہ اللہ اور اس کے رسول کا فرمان ہے۔ اے ایمان والو اپنے عہدوں کو پورا کرو یہ عہد نامہ ہے محمد رسول اللہ کا عمرو بن حزم کے لئے جب ان کو یمن کی طرف عامل مقرر کر کے بھیجا۔ ان کو حکم دیا کہ تمام امور میں تقویٰ اور پرہیز گاری کو ملحوظ رکھیں۔ تحقیق اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے اور نیکوکاروں کے ساتھ ہے اور ان کو حکم دیا کہ حق کو مضبوط پکڑیں جیسا کہ اللہ کا حکم ہے اور لوگوں کو خیر کا حکم دیں اور خیر کی بشارت سنائیں"۔

اور لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور اس کے معانی سمجھنے کا طریقہ بتلائیں اور لوگوں کو منع کر دیں کہ کوئی شخص قرآن کو بغیر طہارت کے ہاتھ نہ لگائے اور لوگوں کو ان کے منافع اور نقصانات سے باخبر کریں۔ حق اور راہ راست پر چلنے میں لوگوں پر نرمی کرنا اور ظلم کرنے کی حالت میں ان پر سختی کرنا تحقیق اللہ جل شانہ نے ظلم کو حرام کیا ہے اور اس سے منع کیا ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے کہ لعنت ہو اللہ کی ظالموں پر اور لوگوں کو جنت کی بشارت دینا اور اعمال جنت سے خبر دینا اور جہنم سے ڈرانا اور اعمال جہنم سے آگاہ کرنا اور لوگوں کو اپنے سے مانوس بنانا تاکہ لوگ تم سے دین سمجھ سکیں۔ اور لوگوں کو فرائض اور سنن اور احکام حج اور احکام عمرہ کی تعلیم دینا اور نماز کے متعلق لوگوں کو یہ بتلا دینا کہ کوئی شخص چھوٹے کپڑے میں اس کو پشت پر ڈال کر نماز نہ پڑھے۔ مگر یہ کہ وہ اس قدر کشادہ ہو کہ اس کے دونوں کنارے اس کے دونوں مونڈھوں کو ڈھانک لیں اور لوگوں کو اس طرح کپڑا پہننے سے منع کر دیں کہ آسمان کے نیچے اس کی شرم گاہ کھلی رہے اور اس سے منع کر دیں کہ کوئی شخص گردن کی جانب میں بالوں کا جوڑا نہ باندھے اور اس سے منع کر دیں کہ جب آپس میں لڑائی ہو تو قبیلہ اور خاندان قوم اور وطن کے نام پر نصرت اور حمایت کے لئے کوئی نعرہ نہ لگائیں بلکہ ایک خدا کی طرف اور اس کے حکم کی طرف آنے کی لوگوں کو دعوت دیں اور جو شخص اللہ کی طرف نہ بلائے بلکہ قبیلہ اور خاندان یعنی قوم اور وطن کی طرف بلائے تو ان کی گردنوں کو تلوار سے سہلایا جائے۔

یہاں تک کہ ان کا نعرہ اور آواز اللہ وحدہ لا شریک کے دین کی طرف ہو جائے یعنی قبیلہ اور خاندان اور قوم اور وطن کے نعرہ سے باز آ جائیں اور لوگوں کو وضو کو پورا کرنے کا اور نماز کو اپنے وقت میں ادا کرنے کا حکم دیں اور نماز میں رکوع وسجود پوری طرح کریں اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کریں اور صبح کی نماز غلس (تاریکی) میں پڑھیں اور ظہر کی نماز زوال کے بعد پڑھیں یعنی زوال سے پہلے نہ پڑھیں اور عصر کی نماز اس وقت پڑھیں کہ جب آفتاب زمین پر اپنی دھوپ ڈال رہا ہو اور غروب کی طرف جا رہا ہو۔ مغرب کی نماز رات کے آتے ہی پڑھیں اور اس قدر تاخیر نہ کریں کہ ستارے نکل آئیں اور عشاء کی نماز رات کے پہلے تہائی حصہ میں پڑھیں اور جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو دوڑ کر مسجد پہنچیں اور جمعہ میں جانے سے پہلے غسل کریں اور یہ حکم دیا کہ مال غنیمت میں سے اللہ کا حق خمس نکال لیں اور مسلمانوں کی زمین کی پیداوار میں سے صدقہ وصول کریں جس زمین کو چشمہ کے پانی یا بارش کے پانی سے سیراب کیا گیا ہو اس میں عشر (پیداوار کا دسواں حصہ) واجب ہے اور جس زمین کو کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا گیا ہو۔ اس میں نصف العشر ہے۔ یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہے اور دس اونٹوں میں دو بکریاں واجب ہیں اور بیس اونٹوں میں چار بکریاں واجب ہیں اور تیس گائیوں میں ایک گائے اور چالیس بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ واجب ہے۔ یہ اللہ کا فرض ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر فرض کیا ہے اور جو فریضہ سے زیادہ دیدے تو وہ اس کے لئے اور بہتر ہے اور جو یہودی یا نصرانی سچے دل سے دین اسلام کو قبول کرلے تو وہ اہل ایمان میں سے ہے اور اس کے حقوق اور احکام وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں اور جو اپنی یہودیت یا نصرانیت پر قائم رہے اور اسلامی حکومت کا رعایا بن کر رہنا منظور ہو۔ مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام ہو ہر بالغ پر جزیہ کا دینا یا اس کے عوض کپڑے دینا اس پر لازم ہوگا۔ پس جو شخص جزیہ ادا کردے وہ اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری میں رہے گا۔ یعنی اس کی جان اور مال اور آبرو سب محفوظ رہے گی۔ اور جو شخص جزیہ دینے سے انکار کرے وہ اللہ اور اس کے رسول اور تمام مومنین کا دشمن ہے اللہ کی صلاۃ وسلام اور رحمتیں اور برکتیں ہوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

یمن کی طرف حضرت علیؓ کا سریہ

روانگی اور ہدایات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے پہلے ماہ رمضان ۱۰ھ میں حضرت علی کو تین سو آدمیوں پر سردار مقرر کر کے یمن کی جانب روانہ فرمایا اور خود اپنے دست مبارک سے حضرت علی کے سر پر عمامہ باندھا۔ جس کے تین پیچ تھے۔ عمامہ کا ایک کنارہ بقدر ایک ہاتھ کے سامنے لٹکایا۔ اور بقدر ایک بالشت پیچھے چھوڑا اور یہ فرمایا کہ سیدھے چلے جاؤ کسی اور جانب توجہ مت کرنا اور وہاں پہنچ کر ابتداء بالقتال نہ کرنا اول ان کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو پھر ان سے کوئی تعرض نہ کرنا۔ خدا کی قسم تیرے ہاتھ سے ایک شخص ہدایت پا جائے تو یہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

مختلف قبائل پر حملے اور دعوت اسلام

حضرت علی رضی اللہ عنہ تین سو سواروں کے ساتھ روانہ ہوئے اور مقام قناۃ میں جا کر پڑاؤ ڈالا اور اسی جگہ سے صحابہ کی مختلف ٹولیاں' مختلف جوانب میں روانہ کیں۔ لشکر اسلام کے سوار سب سے پہلے علاقہ مذحج میں داخل ہوئے اور بہت سے بچے اور عورتیں اور اونٹ اور بکریاں پکڑ کر لائے ان تمام غنائم کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا بعد ازاں ایک دوسری جماعت سے مقابلہ ہوا۔ حضرت علی نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسائے۔ تب حضرت علی نے ان پر حملہ کیا جس میں ان کے بیس آدمی مارے گئے اور یہ لوگ منتشر ہو گئے۔ حضرت علی نے کچھ وقفہ کے بعد پھر ان کا تعاقب کیا اور دوبارہ ان کو اسلام کی دعوت دی' ان لوگوں نے اسلام کی دعوت کو اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے بھی قبول کیا۔ اور وعدہ کیا کہ ہم صدقات جو اللہ کا حق ہے وہ ادا کریں گے۔

حضرت علیؓ کی مکہ مکرمہ آمد

بعد ازاں حضرت علی نے مال غنیمت کو جمع کیا اور خمس نکال کر باقی چار خمس غانمین پر تقسیم فرما دیئے اور اپنے بجائے کسی کو لشکر کا امیر مقرر کر کے عجلت کے ساتھ اپنے رفقاء سے پہلے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ کیونکہ حضرت علی کو یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے حج کے لئے روانہ ہو گئے ہیں اس لئے حضرت علی یمن سے سیدھے مکہ مکرمہ پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔

حجۃ الوداع

حالات کی سازگاری

اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد آ چکی مکہ فتح ہو گیا۔ لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہو چکے کفر اور شرک کی بیخ کنی ہو چکی وفود اور قبائل دور و دراز سے آ آ کر کفر و شرک سے تائب اور توحید و رسالت کا صدق دل سے اقرار کر چکے۔ فرائض نبوت ادا ہو چکے احکام اسلام کی تعلیم قولاً اور عملاً مکمل ہو گئی۔ ۹ھ میں ابوبکر صدیق کو بھیج کر خانہ کعبہ کو مراسم جاہلیت سے بالکلیہ پاک کرا دیا گیا۔

اب وقت آ گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے فریضہ کو خود عملی طور پر انجام دیں تاکہ امت کو ہمیشہ کے لئے معلوم ہو جائے کہ حج کس شان سے ہونا چاہئے اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کا کیا طریقہ تھا۔ مناسک حج میں اول سے آخر تک توحید و تفرید تھا اور کلمات شرکیہ اور رسوم جاہلیت سے بالکلیہ پاک اور منزہ تھا۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تلبیہ لاشریک لک کا لفظ خاص طور پر کہتے تاکہ شرک کا ایہام بھی باقی نہ رہے۔ اس طرح تلبیہ کہتے۔ **لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک . ان الحمد والنعمة لک لاشریک لک**

ہجرت سے پہلے کے حج

ہجرت سے پیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد حج فرمائے ہیں جامع ترمذی میں جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل دو حج کئے ابن اثیر نہایہ میں فرماتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے آپ ہر سال حج کیا کرتے تھے۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ اس امر کا صحیح علم نہیں ہو سکا کہ آپ نے کتنے حج کئے۔ بہر حال یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ ہجرت کے بعد ایک ہی حج کیا۔

۹ھ میں حجاج کا وفد بھیجنا

۹ھ میں حج کی فرضیت نازل ہوئی اس سال آپ نے صدیق اکبر کو امیر الحاج بنا کر مکہ روانہ فرمایا اس سال مسلمانوں نے صدیق اکبر کی زیر امارت حج ادا کیا۔

حجۃ الوداع کیلئے تیاری اور روانگی

ماہ ذی القعدۃ الحرام ۱۰ھ میں آپ نے خود بنفس نفیس حج کا ارادہ فرمایا اور اطراف واکناف میں اعلان کرا دیا گیا کہ امسال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے تشریف لے جانے والے ہیں۔ چنانچہ ۲۵ ذی القعدۃ الحرام یوم شنبہ ۱۰ھ ظہر اور عصر کے درمیان میں آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مہاجرین وانصار اور اصحاب جاں نثار بے شمار گروہ آپ کے ہمراہ تھا۔ شمع نبوت کے اردگرد نوے ہزار یا ایک لاکھ چودہ ہزار یا اس سے بھی زائد پروانوں کا مجمع تھا۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ

۴ ذی الحجۃ الحرام یکشنبہ کے دن آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

ازواج مطہرات نو بیبیاں اور حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء آپ کے ہمراہ تھیں اور دیگر خواص اور خدام خاص بھی ہمرکاب تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جن کو آپ نے ماہ رمضان المبارک میں صدقات وصول کرنے کے لئے یمن بھیجا تھا وہ مکہ میں آپ سے آملے۔

میدان عرفات میں خطاب عام

بعدازاں آپ نے مناسک اور ارکان حج ادا فرمائے اور میدان عرفات میں ایک طویل خطبہ پڑھا اول خدا تعالیٰ کی حمد وثناء کی بعدازاں یہ ارشاد فرمایا۔

اے لوگو جو میں کہتا ہوں وہ سنو غالباً سال آئندہ تم سے ملنا نہ ہوگا۔ اے لوگو تمہاری جانیں اور آبرو اور اموال آپس میں ایک دوسرے پر حرام ہیں جیسا کہ یہ دن اور یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہے۔ جاہلیت کے تمام امور میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں اور جاہلیت کے تمام خون معاف اور ساقط ہیں۔ سب سے پہلے میں ربیعۃ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون جو بنی ہذیل پر ہے

معاف کرتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام سود ساقط اور لغو ہیں تمہارے لئے صرف راس المال ہے۔

سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کا ربوا ساقط اور باطل کرتا ہوں۔ بعدازاں یہ کہ اگر تم دو چیزوں کو ایک ساتھ پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا۔ بتلاؤ کیا جواب دو گے۔ صحابہ نے عرض کیا ہم یہ گواہی دیں گے کہ آپ نے ہم تک اللہ کا پیام پہنچا دیا اور خدا کی امانت ادا کی اور امت کی خیر خواہی کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار انگشت شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمایا۔ اے اللہ تو گواہ ہو۔

آپ خطبہ سے فارغ ہوئے اور حضرت بلال نے ظہر کی اذان دی۔ ظہر اور عصر دونوں نمازیں ایک ہی وقت میں ادا کی گئیں۔

تکمیل دین کی بشارت

بعدازاں آپ خداوند ذوالجلال کی حمد وثناء ذکر اور شکر استغفار اور دعاء میں مشغول ہوگئے اسی اثناء میں یہ آیت نازل ہوئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً

آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور ہمیشہ کے لئے دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا۔

منیٰ میں قربانی

۱۰ ذی الحجۃ الحرام کو منیٰ میں پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۳ اونٹ بقدر عمر شریف کے خود اپنے دست مبارک سے نحر فرمائے اور (۳۷) اونٹ حضرت علی نے آپ کی طرف سے قربانی کئے۔

مناسک حج سے فراغت اور پیشگوئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں تقریباً اسی مضمون کا خطبہ دیا۔ جو عرفات میں دیا

تھا۔ اخیر میں طواف الوداع کر کے اخیر ذی الحجہ میں مدینہ واپسی کا ارادہ ہوئے اور منیٰ میں سر مبارک منڈانے کے بعد موئے مبارک کو صحابہ میں تقسیم فرمایا تا کہ حضرات صحابہ کرام بطور تبرک ان کو اپنے پاس رکھیں چونکہ آپ کو اس حج کے بعد حج کی نوبت نہیں آئی اور منیٰ اور عرفات کے خطبوں میں اس طرف ارشاد فرمادیا کہ غالباً سال آئندہ تم سے ملنا نہ ہوگا۔ اس وجہ سے اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں کہ آپ اپنی امت سے رخصت ہوئے۔ اور اس حج کو حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں اس لئے کہ حج فرض ہونے کے بعد اسلام میں یہ پہلا حج تھا۔

غدیر خم پر خطاب

جب آپ حج سے واپس ہوئے تو راستہ میں حضرت بریدۂ اسلمی نے حضرت علی کی کچھ شکایت کی۔ آپ نے غدیر خم پر (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے) ایک خطبہ دیا جس میں یہ ارشاد فرمایا کہ میں ایک بشر ہوں ممکن ہے کہ عنقریب میرے پروردگار کی طرف سے کوئی قاصد مجھے بلانے کے لئے آ جائے اور میں اس دعوت کو قبول کروں' اشارہ اس طرف تھا کہ وفات کا زمانہ قریب آ گیا ہے بعد ازاں اہل بیت کی محبت کی تاکید فرمائی اور حضرت علی کی نسبت فرمایا۔ جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا دوست ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت

خطبہ کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت علی کو مبارک باد دی۔ اور حضرت بریدہ کا قلب بھی آپ سے صاف ہو گیا اور جو کدورت تھی وہ زائل ہوئی۔ اس خطبہ اور ارشاد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ بتلانا تھا کہ حضرت علی اللہ کے محبوب اور مقرب بندہ ہیں ان سے اور میرے اہل بیت سے محبت رکھنا مقتضائے ایمان ہے اور ان سے بغض اور عداوت یا نفرت اور کدورت سراسر مقتضائے ایمان کے خلاف ہے۔

فائدہ: حدیث غدیر خم کا مقصد

حدیث کا مقصد فقط حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا وجوب اور اس کی فرضیت بیان کرنا تھا اس کا امامت اور خلافت سے کوئی تعلق نہیں۔

محبت اور خلافت میں تلازم نہیں کہ جس سے محبت ہو وہ خلیفہ بلا فصل بھی ہو۔ محبت تو والدین اور اولاد اور بیبیوں اور سب دوستوں سب ہی سے ہوتی ہے کیا سب خلیفہ ہو جائیں گے۔ حضرت عباس اور حضرت فاطمہ اور امام حسن اور امام حسین سب ہی آپ کے محبوب نظر اور نور بصر ہونے کے علاوہ حضور پرنور کے لخت جگر بھی تھے اگر محبت' دلیل خلافت ہے تو امام حسن پہلے خلیفہ ہونے چاہئیں بلکہ اگر قرب قرابت پر نظر کی جائے اور یہ کہا جائے کہ خلافت کا دار و مدار قرب پر ہے تو اس لحاظ سے مقدم حضرت فاطمۃ الزہراء رہیں اور پھر امام حسن اور پھر امام حسین اور پھر درجۂ چہارم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔

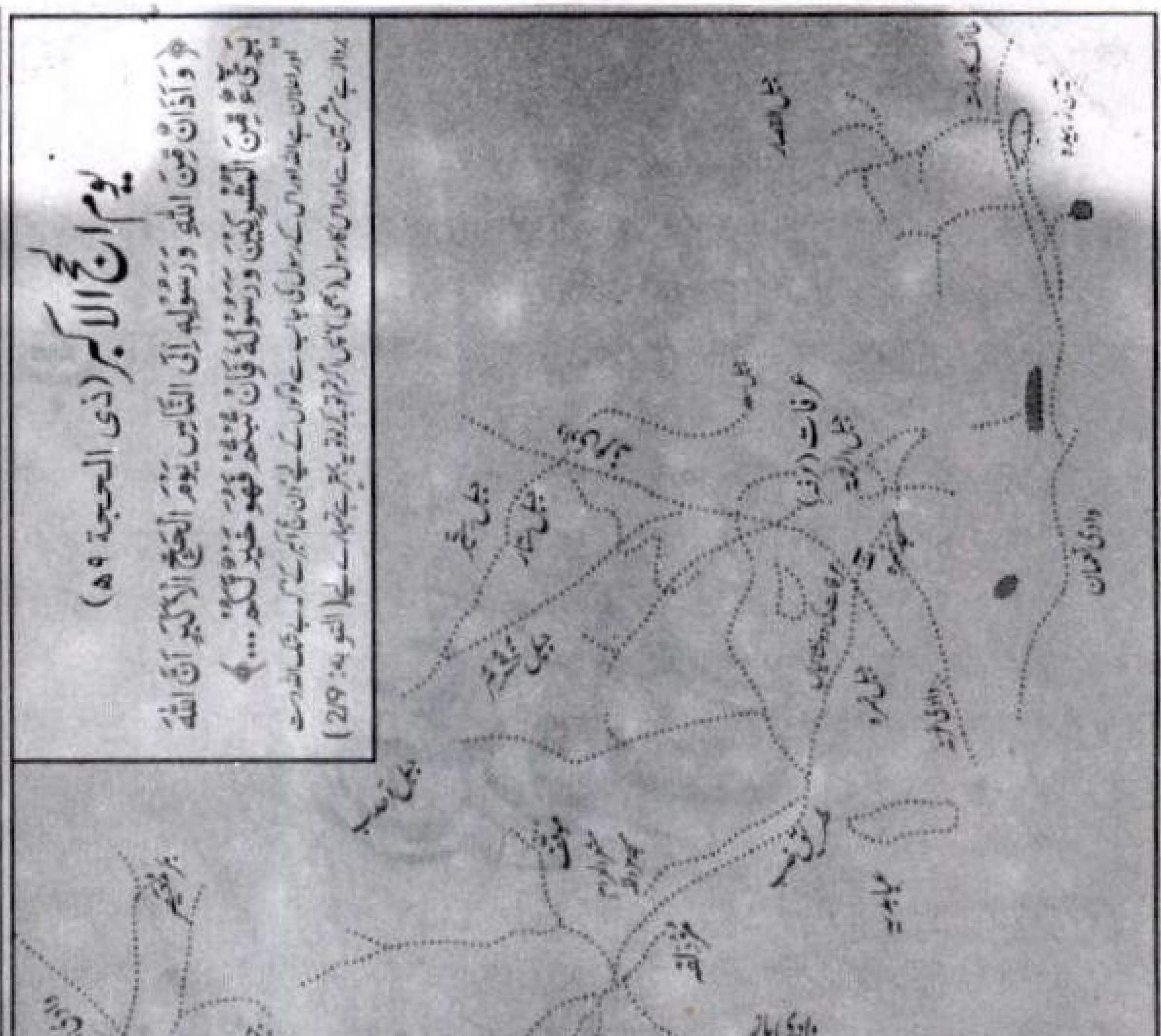
غرض یہ کہ غدیر خم کے خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور اہل بیت اور حضرت علی کی محبت کا حکم دیا ہے اور ان کی دشمنی سے منع فرمایا۔ سو الحمد للہ تمام اہل سنت والجماعت بہ ہزار دل و جان اہل بیت کی محبت اور تعظیم کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں۔

حجۃ الوداع سے واپسی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر اخیر ذی الحجہ میں مدینہ منورہ پہنچے چند ہی روز گزرے تھے کہ ۱۰ھ ختم ہو کر ۱۱ھ شروع ہو گیا۔

جبرئیل امین کی آمد

حجۃ الوداع سے واپسی کے کچھ روز بعد جبریل امین ایک غیر معروف شکل میں سفید کپڑے پہنے ہوئے بارگاہ نبوت میں تشریف لائے اور آپ کے قریب نہایت ادب کے ساتھ دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور ایمان اور اسلام اور احسان اور قیامت اور علامات قیامت کے متعلق سوالات کئے اور آپ نے جوابات دیئے۔ جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو آپ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا دیکھو کہ یہ کون شخص تھا۔ صحابہ دیکھنے کے لئے نکلے مگر کوئی نشان نہ پایا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جبریل امین تھے جو تم کو دین کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے اور میں ان کو ہمیشہ پہچان لیتا تھا لیکن آج نہیں پہچانا۔



اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ

وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جس شخص کے پاس صدقہ دینے کے لئے کوئی چیز نہ ہو وہ یہ درود شریف پڑھا کرے یہ اس کے لئے زکوٰۃ کے قائم مقام ہے۔

باب

۱۱ھ کے غزوات و واقعات

☆.... آخری فوج جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمائی

☆.... وفات حسرت آیات

☆.... خلیفہ مکرم کا انتخاب

☆.... تجہیز و تکفین وغیرہ

آخری فوج جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمائی

سریّہ

اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہ

مقام ابنیٰ پر لشکر کشی کا حکم

۲۶ صفر المظفر بروز سوموار ۱۱ھ کو آپ نے رومیوں کے مقابلہ کے لئے مقام ابنیٰ کی طرف لشکر کشی کا حکم دیا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں غزوۂ موتہ واقع ہوا اور جس میں حضرت اسامہ کے والد حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ وغیرہم شہید ہوئے۔

امیر لشکر

یہ آخری سریہ تھا اور آپ کی بھیجی ہوئی فوجوں کی آخری فوج تھی اسامۃ بن زید بن حارثہ کو آپ نے اس لشکر کا امیر اور سردار مقرر کیا اور اس لشکر میں مہاجرین اولین اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کو روانگی کا حکم دیا۔

سریہ کی روانگی

چارشنبہ سے آپ کی علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پنجشنبہ کے روز باوجود علالت کے آپ نے خود اپنے دست مبارک سے نشان بنا کر اسامہ کو دیا اور یہ فرمایا۔

"اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور اللہ سے کفر کرنے والوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کرو"۔

لشکر کا مدینہ سے باہر قیام

حضرت اسامہ نشان لے کر باہر تشریف لائے اور بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور فوج کو مقام جرف میں جمع کیا اور تمام جلیل القدر مہاجرین وانصار بسرعت وہاں آ کر جمع ہو گئے۔

حضرات کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمارداری کے لئے واپس آنا

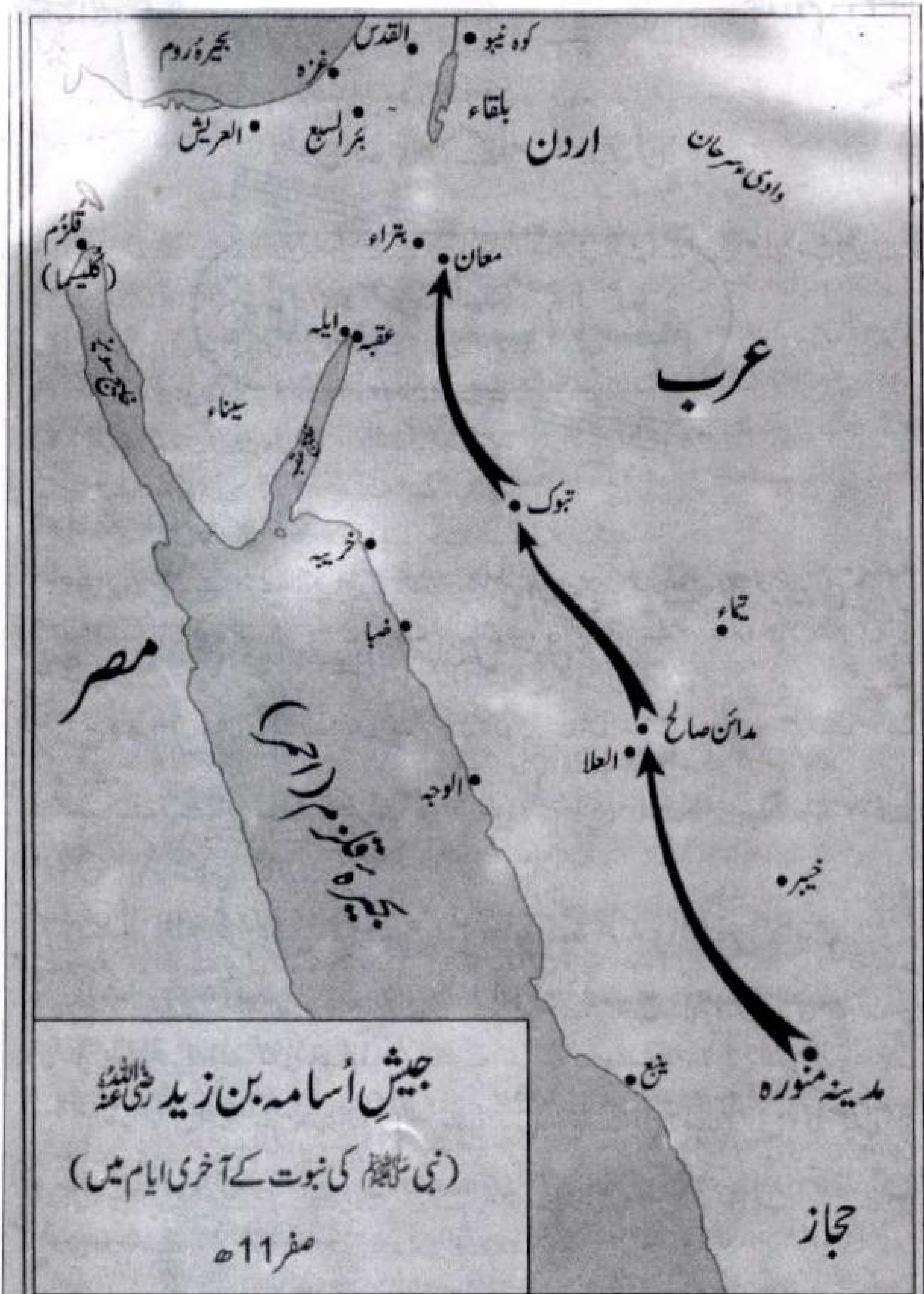
حضرت عباس اور حضرت علی تو آپ کی تیمارداری کی غرض سے مدینہ واپس آ گئے اور ابوبکر و عمرؓ اسامہ سے اجازت لے کر آپ کو دیکھنے کے لئے آتے تھے۔ جمعرات کے روز جب مرض میں شدت ہوئی اور آپ عشاء کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف نہ لا سکے تو ابوبکر صدیق کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور اپنی جگہ ان کو امام مقرر کیا۔ فوج مقام جرف میں جمع تھی جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے۔

وصال کی خبر اور لشکر کی واپسی

سوموار کی صبح کو جب آپ کو سکون ہوا اور صحابہ یہ سمجھے کہ حضور پرنور اچھے ہو گئے تو حضرت اسامہ نے روانگی کا قصد کیا۔ اسی تیاری میں تھے کہ حضرت اسامہ کی والدہ ام ایمن نے آدمی بھیجا کہ آپ حالت نزع میں ہیں کچھ دیر نہ گزری تھی کہ یہ خبر قیامت اثر کانوں میں پہنچی کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ تمام مدینہ میں تہلکہ پڑ گیا اور سب افتاں وخیزاں مدینہ واپس آئے۔ بریدہؓ نے نشان لا کر حجرہ مبارکہ کے دروازہ پر نصب کر دیا۔

حضرت ابوبکرؓ کا لشکر کو روانہ کرنا اور لشکر کا فتح یاب ہو کر لوٹنا

آپ کی وفات کے بعد جب صدیق اکبر خلیفہ ہوئے تو پہلا کام یہ کیا کہ باوجود مخالفت کے جیش اسامہ کو روانہ کیا اور جرف تک خود مشایعت کے لئے گئے اس طرح جیش اسامہ روانہ ہوا اور چالیس دن کے بعد مظفر و منصور واپس آیا۔ معرکہ میں جو بھی مقابلہ پر آیا اس کو تہ تیغ کیا اور اپنے باپ (زید بن حارثہ) کے قاتل کو قتل کیا اور چلتے وقت ان کے مکانات اور باغات کو نذر آتش کیا۔ صدیق اکبر نے مدینہ سے باہر جا کر ان کا استقبال کیا۔ جب مدینہ میں داخل ہوئے تو مسجد نبوی میں شکر کا دوگانہ ادا کیا اور پھر اپنے گھر تشریف لے گئے۔



جیشِ اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ
(نبی ﷺ کی نبوت کے آخری ایام میں)
صفر 11ھ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ

كَمَا اَمَرْتَنَا اَنْ نُّصَلِّيَ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا
هُوَ اَهْلُهٗ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى لَهٗ

جو شخص خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنا چاہتا ہو
تو وہ یہ درود شریف پڑھا کرے۔ (ص ۱۰۶)

وفات حسرت آیات

سفر آخرت کی تیاری

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر آخرت کی تیاری شروع فرمادی اور تسبیح وتحمید اور توبہ اور استغفار میں مشغول ہو گئے۔

قرب وصال کی پہلی علامت

سب سے پہلے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کا قریب آجانا منکشف ہوا وہ حق جل شانہ کا یہ ارشاد ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم. اذا جآء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان تواباً

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہورہے ہیں تو اب اللہ کی تسبیح وتحمید اور استغفار میں مشغول ہوجائیے تحقیق اللہ بڑا توجہ فرمانے والا ہے۔

یعنی جب فتح ونصرت آچکی جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا اور کفر اور شرک کا سر کچل دیا گیا اور توحید کا علم سربلند ہوا اور حق کو باطل کے مقابلہ میں فتح مبین حاصل ہوئی اور لوگ فوج کی فوج دین مبین میں داخل ہو گئے اور دنیا کو اللہ کا پیغام پہنچ گیا اور دین کی تکمیل ہو گئی تو آپ کے دنیا میں بھیجنے کا جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا اور آپ کا جو کام تھا وہ کر چکے۔ اب ہمارے پاس آنے کی تیاری کیجئے۔ بیت اللہ کا حج (زیارت) کر چکے اب رب البیت کے

حج (زیارت) کی تیاری کیجئے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو جس کام کے لئے دنیا میں بھیجا تھا وہ کام ختم ہوگیا جس نے آپ کو دنیا میں بھیجا تھا اب اس کے پاس واپس ہو جائے اور اس کے پاس جانے کی تیاری کیجئے یہ عالم فانی آپ کے رہنے کی جگہ نہیں آپ جیسی ارواح مقدسہ کے لئے ملاء اعلیٰ اور رفیق اعلیٰ کا لحوق اور اتصال مناسب ہے۔

چنانچہ آپ اٹھتے اور بیٹھتے اور آتے جاتے یہ پڑھتے تھے۔

سبحنک اللھم ربنا و بحمدک اللھم اغفرلی و تب علی انک انت التواب الرحیم اور کبھی **سبحان اللہ و بحمدہ استغفر اللہ و اتوب الیہ** پڑھتے اور کبھی یہ پڑھتے۔ **سبحانک اللھم و بحمدک استغفرک و اتوب الیک**

قرب وصال کی دوسری نشانی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے ایک بار فرمایا کہ جبرئیل امین ہر رمضان میں میرے ساتھ قرآن کریم کا صرف ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے لیکن اس رمضان میں دو مرتبہ دور فرمایا۔ میں گمان کرتا ہوں کہ میری روانگی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ ہر سال آپ رمضان المبارک میں ایک عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے مگر اس سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

تیسرا اشارہ

حجۃ الوداع میں جب یہ آیت **الیوم اکملت لکم دینکم** الخ نازل ہوئی تو آپ اشارۂ خداوندی کو سمجھ گئے۔

اس لئے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اعلان فرمایا کہ شاید اب اس کے بعد تم سے ملنا نہ ہو اور شاید پھر تمہارے ساتھ حج نہ کرسکوں اور پھر غدیر خم کے خطبہ میں فرمایا کہ میں بشر ہوں۔ (اور بشر کے لئے خلود و دوام نہیں۔ **و ما جعلنا لبشر من قبلک الخلد**) شاید عنقریب میرے رب کا قاصد مجھے بلانے اور لینے کے لئے آ جائے۔

صحابہؓ سے خطاب

اسی بناء پر حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد ایک دن آپ جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور آٹھ سال کے بعد شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے دعاء خیر فرمائی جیسا

کوئی کسی سے رخصت ہوتا ہے۔

بقیع سے واپس آ کر مسجد میں منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور خطبہ دیا کہ میں تم سے پہلے جا رہا ہوں تا کہ تمہارے لئے حوض وغیرہ کا انتظام کروں اور میرا تم سے حوض کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے اور میں اپنے اسی مقام پر حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں اور تحقیق مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں اور مجھ کو اپنے بعد اس کا اندیشہ نہیں کہ تم (مجموعی طور پر) سب کے سب شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ یعنی پہلے کی طرح پوری قوم مشرک بن جائے۔ یہ اندیشہ نہیں البتہ خوف یہ ہے کہ تم دنیا کی حرص اور طمع اور باہمی تنافس (مقابلہ) میں مبتلا ہو جاؤ گے اور آپس میں لڑو گے اور ہلاک ہو گے۔

علالت کی ابتداء

ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں آپ ایک بار شب کو اٹھے اور اپنے غلام ابو مویہبہ کو جگایا اور فرمایا کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع کے لئے استغفار کروں۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعۃً مزاج ناساز ہو گیا' سر میں درد اور بخار کی شکایت پیدا ہو گئی۔

یہ ام المومنین میمونہؓ کی باری کا دن تھا اور بدھ کا روز تھا۔ اسی حالت میں آپ باری باری ازواج مطہرات کے یہاں تشریف لے جاتے رہے۔

مرض کی شدت میں حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں منتقل ہونا

جب مرض میں شدت ہوئی تو ازواج مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہ کے یہاں تشریف لے آئے۔ پیر کے روز حضرت عائشہ کے حجرہ میں منتقل ہوئے اور آئندہ پیر کو حضرت عائشہ ہی کے حجرہ میں رحلت فرمائی۔ عالم آخرت کی طرف روانہ ہوئے۔ تیرہ یا چودہ روز آپ علیل رہے۔ جس میں سے آخری ہفتہ کی تیمارداری حضرت عائشہ صدیقہ کے حصہ میں آئی۔

جھوٹے مدعیان کی سرکوبی کا حکم فرمانا

اثناء علالت میں آپ کو اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب اور طلیحہ اسدی مدعیان نبوت اور لوگوں کے مرتد ہونے کی خبر معلوم ہوئی۔ آپ نے مرتدین سے جہاد کی وصیت اور تاکید فرمائی اور اسود عنسی کی سرزنش کے لئے انصار کی ایک جماعت روانہ فرمائی۔ آپ کی وفات سے ایک روز پیشتر اسود عنسی قتل کیا گیا۔

دوران علالت کی بعض تفصیلات

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ آپ مرض الوفات میں یہ فرماتے تھے کہ یہ اسی زہر کا اثر ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب بیمار ہوتے تو معوذات یعنی سورۂ اخلاص اور سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے اور پھر اپنا ہاتھ تمام بدن پر پھیر لیتے۔ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں آپ کی آخری علالت میں معوذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی مگر برکت کے لئے آپ ہی کا دست مبارک آپ کے بدن پر پھیر دیتی۔

حضرت فاطمہؓ سے خصوصی گفتگو

اسی بیماری میں آپ نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور سرگوشی کی۔ حضرت فاطمہ رو پڑیں اس کے بعد کچھ اور سرگوشی کی تو ہنس پڑیں۔ عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ ہم نے آپ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ سے اس کا سبب دریافت کیا تو یہ کہا کہ اول آپ نے مجھ سے یہ فرمایا کہ جبرئیل مجھ سے ہر سال رمضان میں قرآن کا ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے۔ اس سال دو مرتبہ دور کیا میرا خیال ہے کہ اسی بیماری میں میری وفات ہوگی۔ یہ سن کر میں رو پڑی بعدازاں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے گھر والوں میں تو سب سے پہلے مجھ سے آ ملے گی۔ یہ سن کر میں ہنس پڑی۔ چنانچہ چھ ماہ بعد ہی حضرت سیدہ اس عالم سے رحلت فرما گئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دوسری بار یہ فرمایا کہ تو بہشت کی تمام عورتوں کی سردار ہوگی۔

حضرت عائشہؓ سے گفتگو

عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بقیع سے تشریف لائے تو میرے سر میں درد تھا تو اس حالت میں میری زبان سے یہ لفظ نکلا۔ وارأساہ۔ ہائے میرے سر۔ کہ تو اب چلا یعنی شاید اس تکلیف میں موت آ جائے۔ آپ نے فرمایا۔ بل انا اقول وارأساہ بلکہ میں کہتا ہوں کہ ہائے میرا سر۔ مطلب یہ تھا کہ میرے سر میں شدید درد ہے شاید یہی درد میری موت کا پیش خیمہ ہو اور اس کے بعد فرمایا اے عائشہ اگر تو مجھ سے پہلے مر جائے تو میرا کیا نقصان ہے میں تیرے کفن اور دفن کا انتظام کروں گا اور تیری نماز جنازہ پڑھوں گا اور تیرے لئے دعا مغفرت کروں گا۔ عائشہ صدیقہ نے (بطور ناز) فرمایا گویا کہ میری موت چاہتے ہیں کہ اگر میں اس

جہاں سے رخصت ہوگئی تو آپ اسی روز میرے ہی گھر میں کسی اور زوجہ کے ساتھ آرام کرنے والے ہوں گے۔ مطلب یہ تھا کہ میرے مرنے کے بعد آپ مجھے بھول جائیں گے اور دوسری بیبیوں میں مشغول ہو جائیں گے۔ آپ یہ سن کر مسکرائے (کہ یہ غافلات المومنات میں سے ہے اسے خبر نہیں کہ میں ہی دنیا سے جارہا ہوں اور یہ میرے بعد زندہ رہے گی)

وصیت نامہ کی تحریر کا ارادہ

وفات سے چار یوم پیشتر بروز جمعرات جب مرض میں شدت ہوئی تو جو لوگ حجرۂ نبوی میں حاضر تھے ان سے فرمایا کاغذ قلم دوات لے آؤ تاکہ تمہارے لئے ایک وصیت نامہ لکھوا دوں۔ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ یہ سن کر اہل مجلس اختلاف کرنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ بیمار ہیں۔ درد کی شدت ہے ایسی حالت میں تکلیف دینا مناسب نہیں۔ کتاب اللہ ہمارے پاس ہے (جو ہم کو گمراہی سے بچانے کے لئے) کافی ہے۔ بعض نے حضرت عمر کی تائید کی اور بعض نے کہا کہ دوات قلم لاکر لکھوالینا چاہئے۔ اور یہ کہا اھجر استفھموہ کیا آپ نے بیماری کی شدت اور غفلت اور بیہوشی کی حالت میں معاذ اللہ کوئی لغو اور ہذیان کی بات کہی ہے خود آپ سے دریافت کرلو۔ یعنی آپ اللہ کے نبی ورسول ہیں۔ آپ کی زبان اور دل خطا اور غلط سے معصوم اور مامون ہے۔ معاذ اللہ اوروں کی طرح نہیں کہ جو بیماری کی حالت میں واہی تباہی بولنے لگتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اس زبان سے (کسی حالت میں) سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔

یہ جملہ (اھجر استفھموہ) حضرت عمر کا مقولہ نہیں بلکہ ان لوگوں کا ہے جن کی رائے حضرت عمر کے خلاف تھی۔ حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ حضور پرنور کو لکھنے کی تکلیف نہ دی جائے اور بعض لوگ جن کی رائے یہ تھی کہ دوات قلم لاکر لکھوالیا جائے ان لوگوں نے حضرت عمر کے جواب میں یہ کہا اھجر استفھموہ۔ اور مطلب یہ تھا کہ جب حضور پرنور حکم دے رہے ہیں تو کیوں نہ لکھوالیا جائے۔ معاذ اللہ حضور پرنور کی زبان مبارک سے کسی ہذیان یا لغویات کا نکلنا ناممکن ہے اسی وجہ سے ان لوگوں نے اہجر بطور استفہام انکاری الزاماً کہا۔ خود اس کے قائل نہ تھے اور جن روایتوں میں یہ جملہ بغیر حرف استفہام کے آیا ہے وہ بھی استفہام پر محمول ہیں اور حرف استفہام وہاں مقدر ہے۔

مجلس میں جب اختلاف زیادہ ہوا اور شور وشغب ہونے لگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس سے اٹھ جاؤ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں جس حالت میں ہوں وہ بہتر ہے اس سے کہ جس کی طرف تم مجھ کو بلا رہے ہو ے۔

زبانی وصیت

بعد ازاں باوجود اس تکلیف کے آپ نے لوگوں کو تین چیزوں کی زبانی وصیت فرمائی۔

(۱) مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو یعنی جزیرۂ عرب میں کوئی مشرک رہنے نہ پائے۔

(۲) وفود کو رخصت کے وقت ہدیہ وتحفہ دیا کرو جس طرح میں انکو دیا کرتا تھا۔

(۳) تیسری بات سے آپ نے سکوت فرمایا یا راوی بھول گیا (بخاری ومسلم)

بعض کہتے ہیں کہ تیسری بات یہ تھی کہ قرآن پر عمل کرنا یا جیش اسامہ کو روانہ کرنا۔ یا میرے بعد میری قبر کو بت اور سجدہ گاہ نہ بنانا۔ یا یہ کہ نماز کی پابندی کرنا اور غلاموں کا خیال رکھنا۔

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت

بخاری اور مسلم میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس بیماری کی حالت میں) یہ فرمایا کہ میرا ارادہ ہوا تھا ابوبکر اور ان کے فرزند (عبدالرحمٰن) کو بلانے کے لئے کسی کو بھیج دوں اور ان کو وصیت کردوں اور ان کو اپنا ولی عہد بنادوں تا کہ کہنے والے کچھ کہہ نہ سکیں اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کرسکیں لیکن پھر میں نے اپنا یہ ارادہ فسخ کردیا اور یہ کہا کہ وصیت کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ انکار کرے گا کہ سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کوئی اور خلیفہ ہو اور اہل ایمان بھی سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اور کسی کی خلافت کو قبول نہیں کریں گے۔

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دلی منشا یہ تھا کہ آپ کے بعد ابوبکر خلیفہ ہوں۔ لیکن آپ نے قضاء وقدر اور اجماع پر چھوڑ دیا کہ قضاء وقدر سے یہی ہوگا کہ ابوبکر ہی خلیفہ ہوں گے اور مسلمانوں کے اہل حل وعقد کے اجماع اور اتفاق سے ان کی خلافت منعقد ہوگی اور سب مسلمان انہی کی خلافت پر متفق ہوں گے امام بخاریؒ کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اس حدیث سے صدیق اکبر کی خلافت لکھوانا مراد ہے۔ اس لئے کہ امام بخاری نے کتاب الاحکام میں اس حدیث پر جو ترجمہ رکھا وہ یہ ہے باب الاستخلاف معلوم ہوا کہ اس حدیث سے اشارہ خلافت کی طرف ہے۔

آخری خطبہ

جس مجلس میں قرطاس کا واقعہ پیش آیا اور لوگوں کے اختلاف اور شور کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ پیغمبر خدا کے سامنے اختلاف اور شور مناسب نہیں لوگ اٹھ کر چلے گئے۔

لوگوں کے چلے جانے کے بعد آپ نے آرام فرمایا ظہر کی نماز کے وقت جب طبیعت کو کچھ سکون ہوا اور مرض کی شدت میں کچھ افاقہ ہوا تو یہ ارشاد فرمایا کہ سات مشکیں پانی کی میرے سر پر ڈالو شاید کچھ سکون ہو۔ اور میں لوگوں کو وصیت کرسکوں۔ چنانچہ حسب الحکم آپ پر پانی کی سات مشکیں ڈالی گئیں۔ اسی طرح غسل سے آپ کو ایک گونہ سکون ہوا اور آپ حضرت عباس اور حضرت علی کے سہارا سے مسجد تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ یہ ظہر کی نماز تھی اور بعد ازاں آپ نے خطبہ دیا اور یہ آپ کا آخری خطبہ تھا۔

آپ نماز سے فارغ ہوکر منبر پر رونق افروز ہوئے حق جل شانہ کی حمد وثناء کے بعد سب سے پہلے اصحاب احد کا ذکر فرمایا اور ان کے لئے دعا مغفرت کی۔ پھر مہاجرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم زیادہ ہوں گے اور انصار کم ہوں گے۔ دیکھو انصار نے مجھ کو ٹھکانہ دیا ان میں سے جو محسن اور نیکوکار ہو اس کے ساتھ احسان کرنا اور ان میں سے جو غلطی کر گزرے تم اس سے درگزر کرنا۔

پھر فرمایا۔ اے لوگو اللہ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو اختیار کرے یا خدا کے پاس کی نعمتوں یعنی آخرت کو اختیار کرے۔ لیکن اس بندہ نے خدا کے پاس کی نعمتوں کو یعنی آخرت کو اختیار کرلیا۔ ابوبکر چونکہ سب سے زیادہ علم والے تھے اس لئے سمجھ گئے کہ اس بندہ سے حضور پرنور ہی مراد ہیں۔ سنتے ہی رو پڑے اور کہنے لگے یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ نے فرمایا اے ابوبکر ٹھہرو اور قرار پکڑو۔ پھر مسجد کی طرف لوگوں کے جتنے دروازے کھلے ہوئے تھے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ سب دروازے بند کردئے جائیں۔ صرف ایک ابوبکر کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے جان ومال صحبت ورفاقت کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان کرنے والا مجھ پر ابوبکر ہے۔ ابوبکر سے بڑھ کر میرا کوئی محسن نہیں۔ جس جس نے میرے ساتھ کوئی احسان کیا میں نے اس کی مکافات کردی سوائے ابوبکر کے کہ اس کے احسانات کا بدلہ اور صلہ اللہ ہی اس کو قیامت کے دن دے گا۔ اگر میں اپنے پروردگار کے سوا کسی کو اپنا جانی دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن ان سے اسلامی اخوت اور مودت ہے۔

جس میں وہ سب سے افضل اور برتر ہیں اور اس اخوت اور مودت میں کوئی دوسرا انکا ہمسر نہیں۔

پھر اسی خطبہ میں یہ فرمایا کہ جیش اسامہ کو جلدی روانہ کرو اور فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ بعض لوگ (ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ منافقین تھے) اسامہ کی امارت اور سرداری پر معترض ہیں کہ بوڑھوں کے ہوتے ہوئے نوجوان کو یہ منصب کیوں عطا کیا گیا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ انہی لوگوں نے اس سے پہلے اس کے باپ (زید) کی امارت اور اس کی سرداری پر بھی اعتراض کیا تھا۔ خدا کی قسم اس کا باپ زید بھی امارت اور سرداری کا اہل تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا اسامہ بھی امارت کا اہل ہے اور میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہے۔

اور یہ فرمایا کہ لعنت ہو اللہ کی یہود اور نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ مقصود آپ کا اپنی امت کو آگاہ اور خبردار کرنا تھا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔

اور فرمایا' اے لوگو مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے خوف زدہ ہو کیا کوئی نبی مجھ سے پہلے اپنی امت میں ہمیشہ رہا ہے جو میں تم میں ہمیشہ رہوں۔

آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا سے ملنے والا ہوں اور آگاہ ہو جاؤ کہ تم بھی خدا سے ملنے والے ہو۔ میں تمام مسلمانوں کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے ساتھ خیر اور بھلائی کا معاملہ کریں اور مہاجرین اولین کو وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ اور عمل صالح پر قائم رہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنوا و عملوا الصٰلحٰت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔

اے مسلمانو میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ خیر اور حسن سلوک کا معاملہ کرنا۔ انصار نے اسلام اور ایمان کو ٹھکانہ دیا۔ اور مکانوں اور زمینوں اور باغوں اور پھلوں میں تم کو اپنا شریک بنایا اور باوجود فقر و فاقہ کے تم کو اپنے نفسوں پر ترجیح دی۔

اور فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ میں تم سے پہلے جا رہا ہوں اور تم بھی مجھ سے آ کر ملو گے حوض کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے۔ اس کے بعد منبر پر اتر آئے اور حجرہ مبارکہ میں تشریف لے گئے۔

آخری نماز جو مسجد شریف میں پڑھائی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جب تک طاقت رہی اس وقت تک آپ برابر مسجد میں

تشریف لاتے رہے اور نماز پڑھاتے رہے۔ سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ جمعرات کی مغرب کی نماز تھی جس کے چار روز بعد' بروز سوموار آپ کا وصال ہو گیا۔ صحیح بخاری میں ام فضلؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو مغرب کی نماز پڑھائی۔ جس میں والمرسلات پڑھی اس کے بعد آپ نے ہم کو کوئی نماز نہیں پڑھائی۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امامت کا حکم

جب عشاء کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ لوگ آپ کے منتظر ہیں۔ آپ نے کئی بار اٹھنے کا قصد فرمایا مگر مرض کی شدت کی وجہ سے بے ہوش ہو ہو جاتے تھے۔ اخیر میں فرمایا کہ ابوبکر کو میری طرف سے حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں عائشہ صدیقہ نے عرض کیا یارسول اللہ ابوبکر بہت رقیق القلب ہیں یعنی نرم دل ہیں جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو (ان پر ایسی رقت طاری ہوگی کہ) لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے اور گریہ وزاری کی وجہ سے لوگوں کو اپنی قرات نہیں سنا سکیں گے۔ لہذا آپ عمر کو نماز پڑھانے کے لئے کہہ دیں۔ حضرت عائشہ نے ظاہر تو یہ کیا مگر دل میں یہ تھا کہ جو شخص آپ کی جگہ کھڑا ہو گا لوگ اس کو منحوس سمجھیں گے' اس لئے آپ نے خفا ہو کر فرمایا کہ تم یوسف کے ساتھ والیاں ہو (کہ زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے) ابوبکر کو حکم دو کہ وہی نماز پڑھائیں۔

حضرت ابوبکر کی امامت پر حضرت عائشہؓ کی رائے

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے کے بعد عائشہ صدیقہ نے تین بار انکار کیا مگر آپ نے ہر بار تاکید اور اصرار کے ساتھ یہی فرمایا کہ ابوبکر کو حکم دو کہ وہی نماز پڑھائیں۔ چنانچہ ابوبکر نماز پڑھانے لگے۔

امام غزالی قدس اللہ سرہ نے احیاء العلوم میں عائشہ صدیقہ کا کلام نقل کیا ہے کہ وہ اپنے جلیل القدر باپ کی امامت کو کیوں ناپسند کرتی تھیں۔

عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ میں اپنے باپ کی امامت سے اس لئے انکار کرتی تھی کہ میرا

باپ دنیا سے بالکل علیحدہ رہے اس لئے کہ عزت و وجاہت خطرہ سے خالی نہیں ہوتی۔ اس میں ہلاکت کا اندیشہ ہے مگر جس کو اللہ صحیح وسالم رکھے وہی دنیا کے فتنہ سے بچ سکتا ہے اور نیز یہ بھی اندیشہ تھا کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ کی جگہ پر کھڑا ہوگا تو لوگ اس پر حسد کریں گے اور عجب نہیں کہ حسد میں اس پر کوئی زیادتی بھی کریں اور ان کو منحوس بھی سمجھیں۔ پس جب اللہ کا حکم اور اس کی قضا وقدر یہی ہے کہ میرا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام بنے اور ان کی جگہ پر امامت کرے تو پھر دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے باپ کو دنیا اور دین کے ہر خوفناک امر سے محفوظ اور مامون رکھے۔

اور باپ یعنی ابوبکر صدیق کا حال بیعت کے وقت کے خطبہ سے معلوم کرو۔

فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے اس امارت وخلافت کی نہ کبھی دل سے تمنا کی اور نہ کبھی زبان سے دعا مانگی مسلمانوں پر فتنہ کے خوف سے اسے قبول کرلیا۔

صدیق اور صدیقہ کی یہی شان ہوتی ہے کہ ان کا دل مال وجاہ کی طمع سے بالکل پاک اور منزہ ہوتا ہے۔ مگر سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ کا نبی اور اس کا رسول جس کے امام بنانے پر مصر ہو وہ بالیقین امام المتقین ہوگا اور اس کا ظاہر وباطن امارت اور خلافت کی طمع سے بالکل منزہ ہوگا اور کسی فتنہ کی مجال نہ ہوگی کہ اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

جس طرح کسی بادشاہ کا اپنی زندگی میں کسی کو اپنا تخت اور چتر سپرد کردینا اس کو ولی عہد بنانے کے مرادف ہے۔ اسی طرح امام المتقین کا کسی کو اپنے مصلے پر امامت کے لئے کھڑا کردینا یہ اس کے مرادف ہے کہ یہ شخص اللہ کے رسول کا ولی عہد اور اس کا جانشین ہے۔

مسجد شریف میں آخری تشریف آوری

ہفتہ یا اتوار کو مزاج مبارک کچھ ہلکا ہوا تو حضرت عباس اور حضرت علی کے سہارے آپ مسجد میں تشریف لائے ابوبکرؓ اس وقت ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ ابوبکر کی بائیں جانب جا کر بیٹھ گئے اور باقی نماز لوگوں کو آپ نے پڑھائی اب آپ امام تھے اور ابوبکر آپ کی اقتدا کرنے لگے اور باقی نمازی حضرت ابوبکر کی تکبیروں پر نماز ادا کرنے لگے۔ (بخاری شریف)

یہ ظہر کی نماز تھی اور حضور پر نور کی یہ امامت آخری امامت تھی اس کے بعد مسجد کی حاضری سے بالکلیہ انقطاع ہو گیا اور ام فضل کی روایت میں جو یہ گزرا ہے کہ حضور کی آخری نماز مغرب کی نماز تھی اس سے مستقل امامت کی نفی مراد ہے کہ از اول تا آخر جس نماز میں امامت اور قرات فرمائی ہو وہ مغرب کی نماز ہے۔

حضرت اسامہؓ اور دیگر حضرات کا آپ کی زیارت کو آنا

ہفتہ کے روز حضرت اسامہ اور دیگر صحابہ جن کو جہاد پر مامور فرمایا تھا۔ آپ سے ملنے کے لئے آئے اور آپ سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے۔ مدینہ سے ایک کوس چل کر مقام جرف میں پڑاؤ ڈالا۔ تعمیل ارشاد کے لئے روانہ ہو گئے مگر آپ کی علالت کی وجہ سے کسی کا قدم نہیں اٹھتا تھا۔

اتوار کو پھر مرض میں شدت ہوگئی حضرت اسامہ یہ خبر سنتے ہی پھر افتاں وخیزاں آپ کو دیکھنے کے لئے مدینہ واپس آئے دیکھا تو مرض کی شدت ہے آپ بات نہیں کر سکتے۔ حضرت اسامہ نے جھک کر پیشانی مبارک پر بوسہ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے پھر اسامہ پر رکھ دیئے اسامہ کہتے ہیں میں سمجھا کہ آپ میرے لئے دعاء فرما رہے ہیں بعد ازاں اسامہ جرف میں واپس آگئے جہاں پڑاؤ تھا۔

دوائی پلانا

ابن سعد طبقات میں اور زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ اسی روز یعنی اتوار کے دن لدود کا واقعہ پیش آیا۔

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ مرض کی شدت میں ذات الجنب سمجھ کر آپ کے منہ میں دوائی ڈالی۔ آپ اشارہ سے منع بھی فرماتے رہے مگر ہم یہ سمجھے کہ غالباً یہ طبعی ناگواری ہے جیسا کہ مریض عموماً دوا کو ناپسند کرتا ہے۔ بعد میں جب آپ کو افاقہ ہوا تو فرمایا کیا میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا۔ تمہاری سزا یہ ہے کہ سب کے منہ میں دوا ڈالی جائے سوائے عباس کے کہ وہ اس میں شریک نہ تھے۔

زندگی کا آخری دیدار

یہ سوموار کا روز ہے جس میں آپ نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت

فرمائی اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اسی سوموار کی صبح کو آپ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا دیکھا کہ لوگ صف باندھے ہوئے صبح کی نماز میں مشغول ہیں۔ صحابہ کو دیکھ کر آپ مسکرائے چہرۂ انور کا یہ حال کہ گویا مصحف شریف کا ایک ورق ہے۔ یعنی سپید ہو گیا ہے ادھر صحابہ کی فرط مسرت سے یہ حالت کہ کہیں نماز نہ توڑ ڈالیں۔

صدیق اکبر نے ارادہ کیا کہ پیچھے ہٹیں۔ آپ نے اشارہ سے فرمایا کہ نماز پوری کرو۔ ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے آپ زیادہ کھڑے نہ ہو سکے حجرہ کا پردہ ڈال دیا اور اندر واپس تشریف لے گئے۔

مرض میں افاقہ اور حضرات صحابہؓ کا اطمینان

صدیق اکبر جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو سیدھے حجرۂ مبارکہ میں گئے اور آپ کو دیکھ کر عائشہ صدیقہ سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اب سکون ہے جو کرب اور بے چینی پہلے تھی وہ اب جاتی رہی اور چونکہ یہ دن صدیق اکبر کی دو بیبیوں میں اس بیوی کی نوبت کا دن تھا جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر رہتی تھیں۔

اس لئے صدیق اکبر نے عرض کیا۔

یا نبی اللہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے اللہ کی نعمت اور فضل سے اچھی حالت میں صبح کی ہے اور آج میری ایک بیوی حبیبہ بنت خارجہ کی نوبت کا دن ہے اگر اجازت ہو تو وہاں ہو آؤں۔ آپ نے فرمایا ہاں چلے جاؤ۔

اور دوسرے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکون ہے تو وہ بھی اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔

حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کا ایک مشورہ

حضرت علی حجرۂ مبارکہ سے باہر آئے لوگوں نے آپ کے مزاج دریافت کئے۔ حضرت علی نے کہا بحمد اللہ آپ اچھے ہیں لوگ مطمئن ہو کر منتشر ہو گئے۔ حضرت عباس نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کے کہا۔ اے علی خدا کی قسم تین دن کے بعد تو عبد العصا (لاٹھی کا غلام) ہو گا یعنی

اور کوئی حاکم ہوگا۔ اور تم اس کے محکوم ہو گے۔ خدا کی قسم میں یہ سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بیماری میں وفات پائیں گے۔ بہتر ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں دریافت کرلیں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ اگر ہم میں سے ہوگا تو معلوم ہو جائے گا۔ ورنہ آپ اس کو ہمارے بارے میں وصیت فرماویں گے۔ حضرت علی نے کہا ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے متعلق انکار فرماویں تو پھر ہم ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جائیں گے۔ خدا کی قسم میں آپ سے اس بارہ میں ایک حرف بھی نہ کہوں گا۔

کیفیتِ نزع کا آغاز

لوگ تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو افاقہ اور سکون ہے منتشر ہو گئے کچھ دیر نہ گزری تھی کہ عالم نزع شروع ہو گیا۔ عائشہ صدیقہ کے آغوش میں سر رکھ کر لیٹ گئے۔ اتنے میں حضرت عائشہ کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر ہاتھ میں مسواک لئے آ گئے۔ آپ ان کی طرف دیکھنے لگے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کے لئے مسواک لے لوں۔ آپ نے اشارہ فرمایا ہاں۔ میں نے کہا اس کو نرم کر دوں۔ آپ نے اشارہ سے فرمایا ہاں۔ میں نے چبا کر وہ مسواک آپ کو دی اسی وجہ سے عائشہ صدیقہ بطور فخر اور بطور تحدیث بالنعمۃ یہ کہا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اخیر وقت میں میرا آب دہن آپ کے آب دہن کے ساتھ ملا دیا اور آپ کی وفات میرے حجرہ میں اور میری نوبت کے دن میں اور میرے سینہ اور ہنسلی کے درمیان ہوئی۔

آخری لمحات کے ارشادات

آپ کے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا درد سے بے تاب ہو کر بار بار ہاتھ اس پیالہ میں ڈالتے اور منہ پر پھیر لیتے اور یہ کہتے جاتے تھے۔ لآالٰہ الا اللہ ان للموت سکرات اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں۔ پھر چھت کی طرف دیکھا اور ہاتھ اٹھا کر یہ فرمایا فی الرفیق الاعلیٰ۔ اے اللہ میں رفیق اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں (یعنی حظیرۃ القدس جو انبیاء و مرسلین کا مسکن ہے وہاں جانا چاہتا ہوں)

حضرت عائشہؓ کو صدمہ کا یقین

عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں بار بار آپ سے سن چکی تھی کہ کسی پیغمبر کی روح اس وقت

تک قبض نہیں کی جاتی کہ جب تک اس کا مقام جنت میں اس کو دکھلا نہ دیا جائے اور اس کو اختیار نہ دیا جائے کہ دنیا و آخرت میں سے جس کو چاہے اختیار کرے۔

جس وقت آپ کی زبان سے یہ کلمات نکلے میں اسی وقت سمجھ گئی کہ اب آپ ہم میں نہ رہیں گے۔ آپ نے ملاء اعلیٰ اور قرب خداوندی کو اختیار کرلیا ہے۔

وفات حسرت آیات

الغرض آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات نکلے۔ **اللھم فی الرفیق الاعلیٰ** اور روح مبارک عالم بالا کو پرواز کرگئی اور دست مبارک نیچے گر گیا۔ (بخاری شریف) **انا للہ و انا الیہ راجعون . انا للہ و انا الیہ راجعون. انا للہ وانا الیہ راجعون.**

تاریخ وفات

یہ جان گداز اور روح فرسا واقعہ جس نے دنیا کو نبوت و رسالت کے فیوض و برکات اور وحی ربانی کے انوار و تجلیات سے محروم کردیا۔ بروز سوموار دوپہر کے وقت ۱۲ ربیع الاول کو پیش آیا۔

اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں کہ آپکی وفات ماہ ربیع الاول میں بروز سوموار کو ہوئی اختلاف دو امر میں ہے ایک یہ کہ کس وقت وفات ہوئی دوسرے اس امر میں کہ ربیع الاول کی کونسی تاریخ تھی۔

عمر مبارک

انتقال کے وقت آپ کی عمر شریف تریسٹھ سال کی تھی۔ یہی جمہور کا قول ہے اور یہی صحیح ہے اور بعض پینسٹھ اور بعض ساٹھ بتلاتے ہیں۔

شمع رسالت کے پروانوں پر کیا گزری

ہوش اڑ گئے

اس خبر قیامت اثر کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ قیامت آ گئی۔ سنتے ہی صحابہ کے ہوش اڑ گئے۔ تمام مدینہ میں تہلکہ پڑ گیا۔ جو اس جاں گداز واقعہ کو سنتا تھا۔ ششدر و حیران رہ جاتا تھا۔

روتے روتے بے ہوش

ذی النورین عثمان غنی ایک سکتہ کے عالم میں تھے۔ دیوار سے پشت لگائے بیٹھے تھے۔ شدت غم کی وجہ سے بات تک نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت علی کا یہ حال تھا کہ زار و قطار روتے تھے۔ روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔

غم کا پہاڑ گر پڑا

عائشہ صدیقہ اور ازواج مطہرات پر جو صدمہ اور الم کا پہاڑ گرا اس کا پوچھنا ہی کیا۔

سخت پریشانی

حضرت عباس بھی پریشانی میں سخت بے حواس تھے۔

حضرت عمرؓ کا صدمہ سب پر بھاری تھا

حضرت عمر کی پریشانی اور حیرانی سب ہی سے بڑھی ہوئی تھی۔ وہ تلوار کھینچ کر کھڑے

ہو گئے اور با آواز بلند یہ کہنے لگے کہ منافقین کا گمان ہے کہ حضور پرنور انتقال کر گئے۔ آپ ہرگز نہیں مرے بلکہ آپ تو اپنے پروردگار کے پاس گئے ہیں۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر خدائے تعالیٰ کے پاس گئے اور پھر واپس آ گئے۔ خدا کی قسم آپ بھی اسی طرح ضرور واپس آئیں گے۔ اور منافقوں کا قلع قمع کریں گے۔ حضرت عمر جوش میں تھے تلوار نیام سے نکالے ہوئے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا استقلال

ابوبکر صدیق وصال کے وقت موجود نہ تھے۔ سوموار کی صبح کو جب دیکھا کہ آپ کو سکون ہے تو عرض کیا یا رسول اللہ بحمد اللہ اب آپ کو سکون ہے اگر اجازت ہو تو گھر ہو آؤں۔ آپ نے فرمایا اجازت ہے۔ صدیق اکبر آپ سے اجازت لے کر گھر چلے گئے جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر تھا۔ صدیق اکبر تو گھر چلے گئے اور زوال کے وقت حضور پرنور کا وصال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر کو جب اس جانگداز حادثہ کی خبر پہنچی تو فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ پہنچے۔ مسجد نبوی کے دروازہ پر گھوڑے سے اترے اور حزین و غمگین حجرۂ مبارکہ کی طرف بڑھے اور عائشہ صدیقہ سے اجازت لے کر اندر داخل ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بستر مبارک پر تھے اور تمام ازواج مطہرات آپ کے گرد بیٹھی ہوئی تھیں۔ ابوبکر صدیق کی آمد کی وجہ سے سوائے عائشہ صدیقہ کے سب نے منہ ڈھک لیا اور پردہ کر لیا۔ صدیق اکبر نے چہرۂ انور سے چادر کو ہٹایا اور پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور روئے اور یہ کہا وانبیاہ واخلیلا۔ واصفیاہ تین مرتبہ ایسا کیا۔

اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو دو مرتبہ موت کا مزہ نہیں چکھائے گا جو موت آپ کے لئے لکھی گئی تھی وہ آ چکی۔

حضرت عمرؓ کو تسلی

حجرۂ شریفہ سے باہر آئے دیکھا کہ عمر جوش میں بھرے ہوئے ہیں۔ صدیق اکبر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کر گئے ہیں۔ اے عمر کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں

سنا۔ انک میت وانهم میتون. وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد

اب تمام لوگ حضرت عمر کو چھوڑ کر صدیق اکبر کے پاس جمع ہو گئے۔

تمام صحابہؓ سے حضرت ابوبکرؓ کا خطاب

صدیق اکبر منبر نبوی کی جانب بڑھے اور بآواز بلند لوگوں سے کہا کہ خاموش ہو کر بیٹھ جائیں۔سب لوگ بیٹھ گئے صدیق اکبر نے حمد وثنا کے بعد یہ خطبہ پڑھا۔

اما بعد. من کان منکم یعبدالله فان الله حی لایموت و من کان منکم یعبد محمد اصلی الله علیه وسلم فان محمدا قدمات قال الله تعالیٰ و ما محمد الا رسول قدخلت من قبله الرسل.

افائن مات او قتل انقلبتم علےٰ اعقابکم و من ینقلب علیٰ عقبیه فلن یضرالله شیئاً و سیجزی الله الشٰکرین و قد قال الله تعالیٰ یا محمد صلی الله علیه وسلم انک میت و انهم میتون وقال الله تعالیٰ کل شیء هالک الا وجهه له الحکم و الیه ترجعون. وقال الله تعالیٰ. کل من علیها فان و یبقیٰ وجه ربک ذوالجلال والاکرام وقال تعالیٰ کل نفس ذائقة الموت انما توفون اجورکم یوم القیامة وقال ان الله عمر محمد اصلی الله علیه وسلم وابقاه حتیٰ اقام دین الله و اظهرامر الله و بلغ رسالة الله و جاهد فی سبیل الله ثم توفاه الله علےٰ ذٰلک وقد ترککم علے الطریقة فلن یهلک هالک الامن بعد البینة والشفاء فمن کان الله ربه فان الله حی لایموت و من کان یعبد محمداً و ینزله الهافقدهلک الهه فاتقوا الله ایهاالناس واعتصموا بدینکم وتوکلواعلیٰ ربکم فان دین الله قائم و ان کلمة الله تامة و ان الله ناصر من نصره و معز دینه و ان کتاب

اللہ بین اظہر نا و ہو النور والشفاء و بہ ہدی اللہ محمداً صلی اللہ علیہ وسلم و فیہ حلال اللہ و حرامہ واللہ لا نبالی من اجلب علیہ من خلق اللہ ان سیوف اللہ لمسلولۃ ما وضعناھا بعد ولنجاھدن من خالفنا کما جاھدنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلایبغین احدالاعلی نفسہ

امابعد۔ جو شخص تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا تھا سو جان لے کہ تحقیق اللہ زندہ ہے اور اس پر موت نہیں آ سکتی اور اگر بالفرض کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور نہیں محمد مگر اللہ کے ایک رسول ہیں جن سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم دین اسلام سے واپس ہو جاؤ گے اور جو شخص دین اسلام سے واپس ہوگا تو وہ اللہ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو انعام دے گا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطب بنا کر یہ کہا ہے کہ بے شک آپ مرنے والے ہیں اور یہ سب لوگ بھی مرنے والے ہیں۔ سب چیز فنا ہونے والی ہے۔ صرف خداوند ذوالجلال والاکرام کی ذات بابرکات باقی رہے گی۔ ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ قیامت کے دن سب کو اعمال کا پورا پورا اجر ملے گا۔ اور ابوبکر صدیق نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی عمر دراز کی اور ان کو باقی رکھا۔ یہاں تک کہ اللہ کے دین کو قائم کر دیا اور اللہ کے حکم کو ظاہر کر دیا اور اللہ کے پیغام کو پہنچا دیا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو ایک سیدھے اور صاف راستہ پر چھوڑ کر دنیا سے گئے ہیں۔ اب جو ہلاک اور گمراہ ہوگا وہ حق واضح ہونے کے بعد گمراہ ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ جس کا رب ہو تو سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے اس کو کبھی موت نہیں آ سکتی اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا اور ان کو خدا جانتا تھا تو جان لے کہ اس کا معبود تو ہلاک ہو گیا۔ اے لوگو اللہ سے ڈرو اور اللہ کے دین کو مضبوط پکڑ و اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھو۔ تحقیق اللہ کا دین قائم اور دائم رہے گا اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور اللہ اس شخص کا

مددگار ہے جو اس کے دین کی مدد کرے اور اللہ اپنے دین کو عزت اور غلبہ دینے والا ہے اور اللہ کی کتاب ہمارے درمیان موجود ہے اور وہی نور ہدایت اور شفاء دل ہے۔ اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو راستہ بتلایا اور اس میں اللہ کے حلال وحرام کردہ چیزوں کا ذکر ہے۔ خدا کی قسم ہمیں اس شخص کی ذرہ برابر پرواہ نہیں جو ہم پر فوج کشی کرے (یہ باغیوں اور مرتدین کی طرف اشارہ تھا) تحقیق اللہ کی تلواریں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں وہ اس کے دشمنوں پر سونتی ہوئی ہیں۔ وہ تلوار ہم نے ابھی تک ہاتھ سے رکھی نہیں اور خدا کی قسم ہم اپنے مخالف سے اب بھی اسی طرح جہاد کریں گے جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی معیت میں کیا کرتے۔ پس مخالف خوب سمجھ لے اور اپنی جان پر ظلم نہ کرے۔

خطاب صدیقی کا اثر

صدیق اکبر کا ان آیات کی تلاوت کرنا تھا کہ یکلخت حیرت کا عالم دور ہو گیا اور غفلت کا پردہ آنکھوں سے اٹھ گیا اور سب کو یقین ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں نے اس سے پہلے یہ آیت سنی ہی نہ تھی جسے دیکھو وہ انہی آیتوں کی تلاوت کر رہا تھا۔

حضرت عمر فرماتے ہیں میری حالت بھی یہی ہوئی کہ گویا میں نے آج ان آیتوں کو پڑھا ہے اور اپنے خیال سے رجوع کیا۔

شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ فاروق اعظم خوب جانتے تھے کہ آپ پر ایک دن ضرور موت آنے والی ہے لیکن ان کا گمان یہ تھا کہ جو صورت حال پیش آئی ہے وہ موت نہیں بلکہ کسی باطنی مشغولی کی بناء پر فقط حواس ظاہری کا تعطل ہے جیسا کہ حضور پر نور کو اثناء وحی میں واقع ہوتا تھا۔ صدیق اکبر کے خطبہ سے فاروق اعظمؓ کا یہ خیال جاتا رہا اور حقیقت حال ان پر منکشف ہو گئی اور اپنے خیال سے رجوع فرمالیا۔ ایسے نازک وقت اور جانکاہ حادثہ میں ایسی ثابت قدمی اور ایسا استقلال صدیق اکبر ہی کا کمال تھا۔

جو عشق میں دل مضطر کو تھام لیتے ہیں ۔۔۔ ہم انکے زور کے قائل ہیں ہیں وہی شہ زور

خلیفۂ مکرمؓ کا انتخاب

خلیفہ کے انتخاب کی مجلس

کچھ دیر بعد یہ خبر ملی کہ انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور آپ کی جانشینی کا مسئلہ پیش ہے۔ مہاجرین نے صدیق اکبر سے کہا کہ آپ بھی سقیفہ میں تشریف لے جائیں ہم بھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔ ابوبکر اور عمر مع مہاجرین کے سقیفہ میں تشریف لے گئے۔

ابوبکر و عمر کو یہ اندیشہ ہوا کہ مبادا عجلت میں کسی کے ہاتھ پر بیعت کر بیٹھیں اور بعد میں وہ فتنہ کا سبب بنے اور مسلمانوں کے لئے مصیبت بن جائے۔

اس لئے ابوبکر و عمر کو یہ فکر ہوئی کہ آنحضرت کی وفات ہوتے ہی کوئی آپ کا جانشین مقرر ہو جائے تا کہ اسلام کی ریاست اور سیاست کا کام بدستور جاری رہے اور اسلام کی بات جوں کی توں بنی رہے۔ اور کوئی منافق اور دشمن اسلام (جو اسی تاک میں ہیں) سر نہ اٹھا سکے۔ اسی میں تمام امت کی صلاح اور فلاح مضمر ہے ابوبکر و عمر کو تو یہ فکر تھی اور تجہیز و تکفین کی طرف سے بسبب اہل بیت کے بے فکر تھے۔ نیز تمام صحابہ کرام کو یہ معلوم تھا کہ وفات سے انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ میں کوئی تغیر نہیں آتا۔ اس لئے تاخیر دفن کا کوئی اندیشہ نہ کیا اور کمال دانشمندی سے فتنہ اور فساد کا دروازہ بند کر دیا اور مسلمانوں کو افتراق سے بچا لیا۔ تجہیز و تکفین میں اگر کچھ تاخیر ہو جائے تو مضائقہ نہیں اگر اسلام کی ریاست کا انتظام نہ ہوا تو نہ معلوم کہ دم کے دم میں کیا کیا خرابیاں برپا ہو جائیں اور پھر تجہیز و تکفین بھی حلاوت سے نہ ہو سکے۔

حضرت ابوبکر و عمر نے اس طرف خاص توجہ کی اور جب جانشینی کا مسئلہ طے ہو گیا تب

اطمینان کے ساتھ تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔ رضی اللہ عنہم

خلیفہ کے انتخاب پر آراء اور فیصلہ

چنانچہ انصار اس بات پر آمادہ تھے کہ ایک سرداران میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے ہو یہ ایک عظیم فتنہ تھا۔ ایک سلطنت میں دو امیروں کا ہونا یہی سلطنت کی بربادی کا باعث ہے۔ اس لئے غور وفکر اور بحث و تمحیص کے بعد یہی طے پایا کہ خلیفہ ایک ہی ہو اور اس کے لئے بھی تمام حضرات کا اسی پر اجماع ہو گیا کہ عقلی و نقلی دلائل سے اس منصب کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت متعین ہے۔

ابوبکر صدیق تو سقیفہ میں رفع فتنہ کے لئے گئے تھے مگر تقدیر کی کسی کو کیا خبر لوگوں نے ابوبکر ہی کو گھیر لیا۔ اور زبردستی خلیفہ بنالیا۔ بتاؤ اس میں ابوبکر کا کیا قصور ہے۔ وہ بیچارے تو بہت کچھ ٹالتے رہے مگر ان کے ہوتے ہوئے لوگوں کی نظر میں کوئی جچا ہی نہیں ابوبکر صدیق کو تو اپنی خلافت کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ فقط رفع فتنہ مدنظر تھا ان کو کیا خبر تھی کہ خلافت کی ذمہ داری میرے اوپر آپڑے گی۔ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء

تجہیز و تکفین وغیرہ

غسل

صدیق اکبر کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد لوگ تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔ جب غسل کا ارادہ کیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ کپڑے اتارے جائیں یا نہیں۔ ہنوز ابھی کوئی تصفیہ نہیں ہوا تھا کہ یکلخت سب پر ایک غنودگی طاری ہوگئی اور غیبی طور پر یہ آواز سنائی دی کہ اللہ کے رسول کو برہنہ نہ کرو۔ کپڑوں ہی میں غسل دو چنانچہ پیراہن مبارک ہی میں آپ کو نہلایا گیا۔ اور بعد میں وہ نکال لیا گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ غسل دے رہے تھے اور حضرت عباس اور ان کے دونوں صاحبزادے فضل اور قثم کروٹیں بدلتے تھے اور اسامہ اور شقران پانی ڈال رہے تھے۔

تجہیز

غسل کے بعد سحول کے بنے ہوئے تین کپڑوں میں آپ کو کفن دیا گیا جن میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ اور وہ پیراہن جس میں آپ کو غسل دیا گیا وہ اتار لیا گیا۔

لحد مبارک کی تیاری

تجہیز و تکفین کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ کہاں دفن ہوں، صدیق اکبر نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پیغمبر اسی جگہ دفن ہوتے ہیں جہاں ان کی روح قبض ہوتی ہے۔

چنانچہ اسی جگہ آپ کا بستر ہٹا کر قبر کھودنا تجویز ہوا لیکن اس میں باہم اختلاف ہوا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے۔ مہاجرین نے کہا کہ مکہ کے دستور کے مطابق بغلی قبر کھودی جائے۔ انصار نے کہا مدینہ کے طریقہ پر لحد تیار کی جائے اور ابو عبیدہ بغلی قبر اور ابو طلحہ لحد کھودنے میں ماہر تھے یہ طے پایا کہ دونوں کو بلانے کے لئے آدمی بھیج دیا جائے جو نسا شخص پہلے آجائے وہ

اپنا کام کرے۔ چنانچہ ابوطلحہ پہلے آپہنچے اور آپ کے لئے لحد تیار کی۔ اور قبر کو کوہان کی شکل پر بنایا گیا جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

جنازہ شریف

سنن ابن ماجہ میں عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ منگل کے روز جب آپ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو جنازہ شریف کو قبر کے کنارہ پر رکھ دیا گیا ایک ایک گروہ حجرۂ شریفہ میں آتا تھا اور تنہا نماز پڑھ کر باہر واپس آ جاتا تھا کوئی کسی کی امامت نہیں کرتا تھا الگ الگ بغیر امام کے نماز پڑھ کے واپس آ جاتے تھے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ آپ پر حقیقۃ نماز جنازہ پڑھی گئی اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔ انتہی کلامہ اور اسی کو امام شافعیؒ نے کتاب الام میں جزم کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آپ پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی بلکہ لوگ حجرۂ شریف میں فوج فوج داخل ہوتے تھے اور صلوٰۃ وسلام اور درود و دعا پڑھ کر واپس آ جاتے تھے۔

جب مرد فارغ ہو گئے تو عورتوں نے اور عورتوں کے بعد بچوں نے اسی طرح کیا۔ ابن دحیہ فرماتے ہیں کہ تیس ہزار آدمیوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔

تدفین

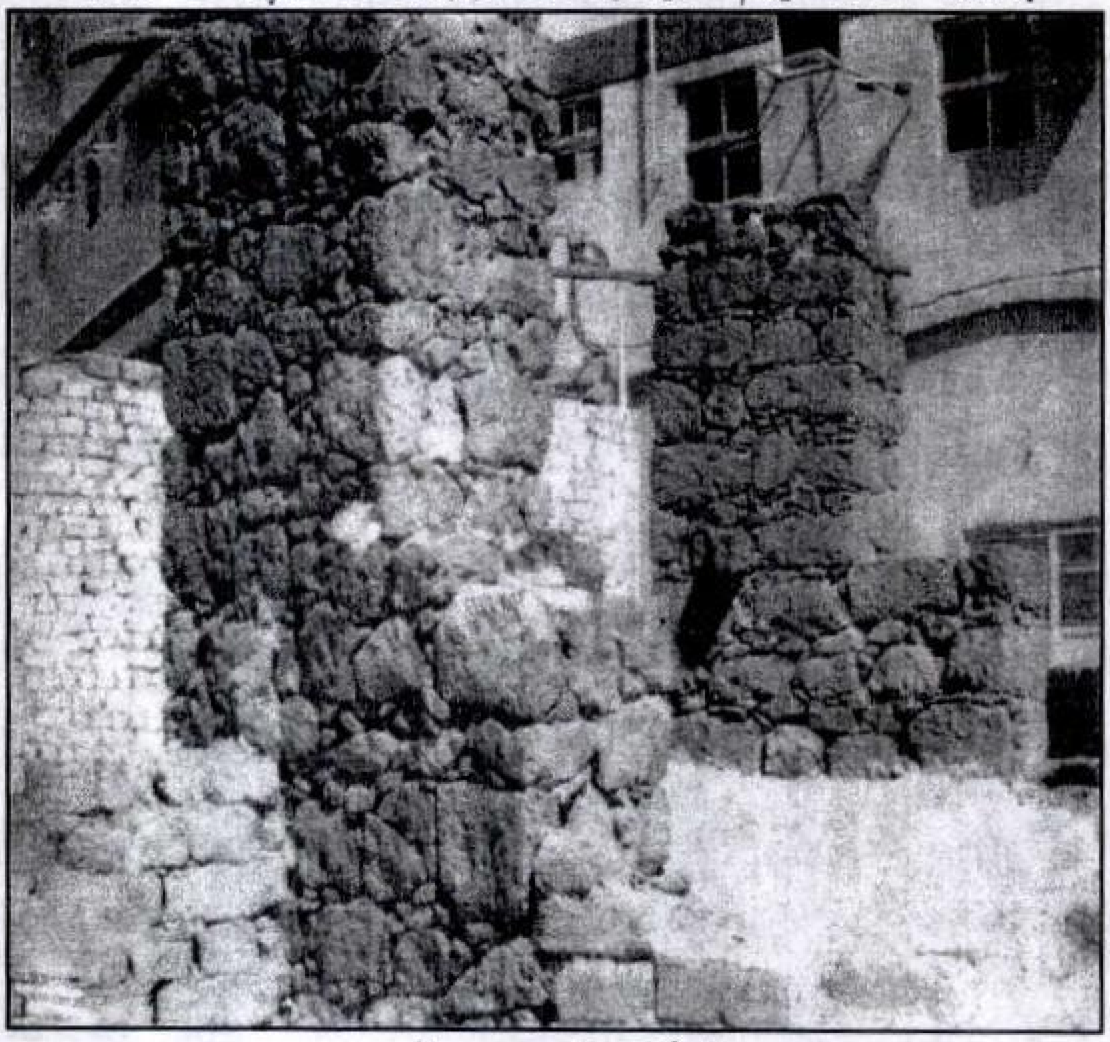
سوموار کو دوپہر کے وقت آپ کا وصال ہوا یہ وہی دن اور وہی وقت تھا کہ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ میں داخل ہوئے تھے۔ بدھ شب میں آپ دفن ہوئے۔ جمہور کا یہی قول ہے اور بعض روایات اس بارے میں صریح ہیں جن میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سہ شنبہ کو مدفون ہوئے۔

حضرت علی اور حضرت عباس اور ان کے دونوں صاحب زادے فضل اور قثم نے آپ کو قبر میں اتارا جب دفن سے فارغ ہوئے تو کوہان کی شکل آپ کی تربت تیار کی اور پانی چھڑکا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دفن سے فارغ ہو کر کف افسوس ملتے ہوئے اور خون کے آنسو بہاتے ہوئے اور اس مصیبت کبریٰ پر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے گھروں کو واپس ہوئے۔



بئرغرس: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم ترین کنوؤں میں سے ایک تھا۔ یہ کنواں اور اس کا قریبی علاقہ الغرس کہلاتا ہے ایک حدیث مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری وفات کے بعد بئرغرس کے سات ڈول پانی سے مجھے غسل دینا"۔



بئرغرس کی ایک قریبی اور نایاب تصویر

جدید سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مقدمہ

فقیہ العصر حضرۃ مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ

سیرت نگار شخصیات

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ

حکیم الامت حضرۃ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرۃ مولانا سید میاں اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رحمہ اللہ

حضرۃ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ

مفکر اسلام سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ

مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ

حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ

فقیہ العصر حضرۃ مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ



ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان Mob: 0322-6180738

www.ahlehaq.org

132

سیرت النبی ﷺ جدید

حصہ سوم

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

باب ۱

حلیہ مبارک لباس اور دیگر متعلقات

جمال و حسن کی الفاظ میں تعبیر ناممکن
مجسم نور کی کھینچے کوئی تصویر ناممکن
کوئی لغزش نہ ہو جائے الٰہی اس سے ڈرتا ہوں
بھروسہ پر ترے اس کام کا آغاز کرتا ہوں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال مبارک کو کماحقہ تعبیر کردینا ناممکن ہے۔ نورمجسم کی تصویرکشی قابو سے باہر ہے۔ چنانچہ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ آپ کا پورا جمال ظاہر نہیں کیا گیا ورنہ انسان حضور کو دیکھنے کی طاقت نہ رکھتے۔ بہرحال حضرات صحابہ کرامؓ کا امت پر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے آپ کے علوم ومعارف کے ساتھ ظاہری حسن وجمال کو بھی ضبط ومحفوظ فرما کر امت تک پہنچایا خداوند قدوس ان مقدس ہستیوں کو اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

نوٹ:۔ اس باب کی تفصیلات عموماً مفتی محمد سلیمان قاسمی خوشحال پوری کی کتاب خصائل مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے لی گئی ہیں۔

قدِ مبارک

آپ میانہ قامت تھے

حضرت علیؓ اور حضرت انس بن مالکؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دراز قد تھے نہ پستہ قد۔ بلکہ میانہ قد لوگوں میں سے تھے۔(لوگوں کے حساب سے درمیانہ قد کے تھے) بخاری ۵۰۲ ج ۱

زاد المعاد ص ۵۴ میں ہے کہ ہجرت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام معبد خزاعیہ کے خیمہ کے پاس سے گزرے تھے تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے بعد اپنے شوہر کے سامنے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کا نقشہ کھینچا تھا اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قد مبارک کے بارے میں فرماتی ہیں کہ درمیانہ قد نہ ٹاٹا کہ نہ جچے نہ لمبا کہ نا گوار لگے گویا دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ جو تینوں میں سب سے زیادہ خوش منظر اور پر رونق ہو۔

ہند بن ابی ہالہ جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پہلے شوہر کے صاحبزادے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرنے میں تمام صحابہؓ میں ماہر تھے۔ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد میانہ پن کے ساتھ کسی قدر لمبائی کی طرف مائل تھا۔ (شمائل ترمذی ص ۲)

مگر سب سے بلند

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مجمع میں ہوتے تو سب سے زیادہ بلند نظر آتے یہ آپ کا معجزہ تھا۔ یعنی جیسے معنوی کمالات میں آپ سے کوئی بلند مرتبہ نہیں اسی طرح صورت ظاہری میں بھی بلند محسوس نہ ہو۔

نہ پستہ قد نہ لانبے ہی کوئی مفہوم ہوتے تھے　　　میانہ قد سے کچھ نکلے ہوئے معلوم ہوتے تھے

مگر مجمع میں ہوتے تھے جب کبھی حضرت والا نمایاں اور اونچا ہوتا تھا سروقد بالا

رَنگ مُبارک

آپ ازہر اللون تھے

حضرت علیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رنگ گورا گلابی تھا۔(شمائل ترمذی)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازہر اللون تھے۔یعنی سرخی مائل سفیدی (رنگ والے تھے)(بخاری ص ۵۰۲ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مبارک بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر حسین اور صاف شفاف تھے گویا چاندی سے آپ کا بدن مبارک ڈھالا ہوا تھا(شمائل ترمذی)

مدارج النبوۃ میں ہے حضرت ابو ہریرہؓ ہی فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا۔گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک میں سورج تیر رہا ہے(صفائی و چمک کی وجہ سے)جب آپ مسکراتے تھے تو دیواروں پر اس کی چمک پڑتی تھی۔(اسوہ رسول ص ۴۸)

مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مبارک نہایت چمکدار سرخی مائل سفیدی والا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ مبارک کو بیان کرتے ہوئے ام معبد فرماتی ہیں۔ چمکتا رنگ دور سے دیکھنے میں سب سے زیادہ چمکدار و پر جمال قریب سے دیکھنے میں سب سے زیادہ خوبصورت۔

درخشاں جس طرح سیم مصفّیٰ کوئی پیکر وہ اک نور مجسم بدر کامل سے بھی روشن تر
جمیل و دلکش ایسے دور سے چوں مہر تابندہ جو ہوں نزدیک تو خوش منظر و شیریں و زیبندہ

نہ رنگت سانولی تھی اور نہ تھے اجلے بھبو کے سے — سفید اور سرخ گورے گندمی تھے اور چمکتے تھے
کبھی جب مسکرا دیتے تو بجلی کوند جاتی تھی — در و دیوار پر اک روشنی سی جگمگاتی تھی

جسامت مُبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ جسامت والے تھے

ام معبد خزاعیہ فرماتی ہیں خوب صورت ساخت نہ توندلے پن کا عیب نہ گنجے پن کی خامی۔ جمال جہاں تاب کے ساتھ ڈھلا ہوا پیکر۔

حضرت علیؓ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ شریف بیان فرماتے تو کہتے کہ آپ موٹے بدن والے نہ تھے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت ابوطفیل عامر بن واصلہؓ فرماتے ہیں کہ آپ درمیانہ جسم والے تھے۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ کا بیان ہے کہ آپ کا بدن مبارک گٹھا ہوا تھا۔ (شمائل ترمذی)

خلاصہ یہ ہے کہ نہ آپ اتنے موٹے تھے کہ دیکھنے میں ناگوار معلوم ہوں اور نہ ہی اتنے پتلے تھے کہ بھدے محسوس ہوں بلکہ درمیانہ جسم نیز گٹھا ہوا بدن جو قوت و شجاعت کی دلیل ہے۔

وہ بستان لطافت کا نہال آسماں پایہ — وہ قدرت کے خزانے کا دریکتا گرانمایہ
تعلیٰ کا صنوبر کے گلے میں نغمہ پھنس جائے — اگر دیکھے زمیں میں شرم سے شمشاد دھنس جائے

سَر مُبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہ اور حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک اعتدال کے ساتھ اور لوگوں کے مقابلہ میں قدرے بڑا تھا۔ (شمائل ترمذی)

یعنی اتنا بڑا تو نہ تھا کہ دیکھنے میں ناگوار لگے بلکہ معمولی سا اوروں سے بڑا تھا جو ہوشمندی اور دانائی کی علامت ہے۔ اس مضمون کی ترجمانی کرتے ہوئے مضطر صاحب فرماتے ہیں۔

سر اقدس جو نور عقل کامل سے منور تھا — کلاں بالا اعتدال آقائے عالی جاہ کا سر تھا

چہرہ مُبارک

چودھویں کا چاند

حضرت ہند بن ابی ہالہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ پرنور دیکھنے والوں کی نظر میں عظیم المرتبت اور دبدبہ والا تھا اور آپ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ **کان فی وجھہ تدویر ما** آپ کا چہرہ مبارک قدرے گولائی لئے ہوئے تھا۔ (شمائل ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ چہرہ مبارک نہ بالکل لانبا تھا نہ بالکل گول بلکہ درمیانی حالت پر تھا چنانچہ حضرت براءؓ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ کا چہرہ تلوار کی طرح شفاف تھا انہوں نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور گولائی لئے ہوئے تھا۔ (بخاری ص ۵۰۲ ج ۱)

چونکہ تلوار کے ساتھ مشابہت بتلانے میں زیادہ لمبا ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ تلوار کی چمک میں سفیدی غالب ہوتی ہے نورانیت نہیں۔ اس لئے حضرت براءؓ نے بدر سے تشبیہ دی کہ اس میں چمک اور نورانیت اور گولائی سب موجود ہوتی ہے۔

تنبیہ

باقی یہ سب تشبیہات سمجھانے کے لئے اور قریب الی الفہم کرنے کے لئے ہیں ورنہ ایک چاند تو درکنار میرے آقا جیسا نور ہزار چاندوں میں بھی نہیں ہوسکتا۔

حضرت عائشہؓ کے اشعار

حضرت عائشہؓ جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ چہیتی بیوی ہیں ان کے دو شعر ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ۔

زلیخا کی سہیلیاں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کو دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دلوں کو کاٹ ڈالتیں۔ یعنی حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر انہوں نے ہاتھوں ہی کو کاٹا تھا مگر آپ کو دیکھ لیتیں تو دل ہی کاٹ لیتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور کتنا پرکشش تھا اس مضمون

کی ترجمانی کرتے ہوئے مظفر صاحب فرماتے ہیں۔

وہ گول اور طول کو تھوڑا سا مائل چہرہ انور — مہ و خورشید جس کے سامنے شرمندہ و کمتر
اچانک دیکھ لیتا جب کوئی مرعوب ہو جاتا — مگر اللہ کا محبوب پھر محبوب ہو جاتا
وجاہت اور شوکت بھی جمال دلبرانہ بھی — جلال حسن بھی اور عظمت پیغمبرانہ بھی
وہ روئے پاک جیسے تیرتا ہو آفتاب اس میں — جمال حق کا مظہر آئینہ ام الکتاب اس میں
نمایاں حسن یوسف میں سفیدی تھی صباحت تھی — یہاں سرخی تھی گل گوں رنگ تھا جس میں ملاحت تھی
زنان مصر کی واں رہ گئی تھیں انگلیاں کٹ کر — یہاں قربان کر ڈالے ہیں مردان عرب نے سر

مُونہہ مُبارک

حضرت جابر بن سمرہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کا دہن مبارک کشادہ یعنی کھلا ہوا تھا۔ تنگ منہ نہیں تھا اور اہل عرب تنگ منہ کو برا سمجھتے ہیں۔ کشادہ اور فراخ دہنی کو ممدوح سمجھتے ہیں۔ (مسلم شریف ص ۲۵۸ ج ۲ مع شرح علامہ نو وی)

اور فراخ دہنی فصیح ہونے کی علامت بھی ہے اس لئے سرکار کا منہ مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا۔

دَندان مُبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ حلیہ مبارک کے ماہر فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مفلج الاسنان تھے۔ آپ کے دندان مبارک باریک تھے اور ان میں سے سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فاصلہ بھی تھا۔ سفیدی کے بارے میں دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ تبسم فرماتے وقت آپ کے دندان مبارک اولے کی طرح سفید چمک دار ظاہر ہوتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دانت الگ الگ تھے۔ یعنی ان میں ریخیں تھیں۔ گنجان نہیں تھے۔ جب سرکار تکلم فرماتے تو ان دانتوں کے درمیان سے نور جیسی

چمک نکلتی محسوس ہوتی تھی۔ (مشکوٰۃ ص ۵۸۱ ج ۲ و شمائل ترمذی)

خصائل نبوی میں علامہ مناویؒ کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی حسی چیز تھی جو بطور معجزہ کے سرکار کے دندان مبارک کے درمیان سے ظاہر ہوتی تھی۔

فراخی تھی دہن میں اور دردنداں کشادہ تھے　　جلاء وحسن میں جو موتیوں سے بھی زیادہ تھے
وہ نوری کوئی سانچہ تھا کہ جس میں نور ڈھلتا تھا　　بوقت گفتگو ریخوں سے چھن چھن کر نکلتا تھا

پیشانی مُبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک دو صفتوں کے ساتھ متصف تھی۔ایک تو برابر آگے کو ابھری ہوئی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت علیؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ پست پیشانی والے تھے۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واسع الجبین تھے۔یعنی آپ کی پیشانی مبارک اور لوگوں کے مقابلے میں قدرے کشادہ تھی۔ جو ہوشمندی کی علامت ہے۔ (خصائل نبوی)

کشادہ اور نورانی مبارک پاک پیشانی　　کہ جس سے عاریت شمس وقمر نے لی ہے تابانی

ناک مُبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ بیان فرماتے ہیں کہ آپ کی ناک مبارک (چپٹی پھیلی ہوئی نہ تھی) بلکہ بلندی مائل تھی۔ (اوپر کو اٹھی ہوئی تھی) اور اس پر ایک چمک اور نور تھا۔شروع میں دیکھنے والا آپ کو بڑی ناک والا خیال کرتا تھا۔مگر بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ حسن و چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے۔ (ورنہ فی نفسہٖ زیادہ بلند نہ تھی) (شمائل ترمذی)

چپٹی اور پست ناک چہرہ کے حسن میں کمی کر دیتی ہے اور جو زیادہ پھیلی ہوئی نہ ہو نیز اوپر کو اٹھی ہوئی ہو تو چہرہ کے جمال کو دوبالا کر دیتی ہے۔

وہ بینی مبارک جس پر نور اک جگمگاتا تھا　　کہ جو ظاہر میں بینی کی بلندی کو بڑھاتا تھا

آنکھیں مُبارک

آپ کی آنکھیں سرمگیں تھیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں طبعی طور پر سے سرمگیں تھیں۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں آپ کی زیارت کرتا تو دل میں یہ سوچتا کہ آپ سرمہ لگائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اس وقت سرمہ لگائے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت علیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ ادعج العیین تھے یعنی آپ کی آنکھوں کی پتلیاں خوب کالی اور سیاہ تھیں۔ (شمائل ترمذی)

حضرت ام معبد خزاعیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفید وسیاہ سرمگیں آنکھیں تھیں۔

یعنی پتلیاں سیاہ اس کے علاوہ کا حصہ سفیدی لئے ہوئے تھا لیکن اس سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے۔

آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ کی آنکھیں سرخی مائل تھی۔

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اشکل العین تھے۔ جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ آپ کی آنکھوں کی جو سفیدی تھی اس میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے اگرچہ اس حدیث کے ایک راوی نے اشکل کے معنی لمبی لمبی آنکھوں کے کئے ہیں مگر اہل لغت کے نزدیک یہ معنی غلط ہیں اگر یہ معنی لے بھی لئے جائیں تو کوئی خرابی نہیں۔ آنکھوں کا قدرے دراز ہونا اور پھر سفیدی میں سرخ رنگ کا ملا ہوا ہونا نیز پھر پتلیوں کا نہایت سیاہ ہونا آنکھوں کی خوبصورتی کا نمونہ ہے اور اس پر پھر آپ کا نگاہ کسی کے سامنے نہ جمانا اکثر گوشہ چشم سے دیکھتے تھے۔ جیسا کہ حیاء کے بیان میں آگے آجائے گا۔

خمار آلودہ آنکھوں پر ہزاروں میکدے قربان
وہ قاتل بے پیئے ہی رات دن مخمور رہتا ہے
چمکدار اور سیہ پتلی بڑی آنکھیں حسین آنکھیں
کہ بے سرمہ بھی رہتی تھیں ہمیشہ سرگیں آنکھیں
ذرا آنکھوں میں سرخی ارغوانی رنگ ہلکا سا
بہشتی ساغروں پر کوثر گل رنگ چھلکا سا
سفیدی میں تھے ڈورے سرخ جن پر ہوں فدا جانیں
گھنیری لمبی لمبی اور کالی کالی مژگانیں

پلکیں مُبارک

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اھدب الاشفار (یعنی لمبی لمبی پلکوں والے تھے) (شمائل ترمذی)

نیز پلکیں لمبی ہونے کے ساتھ گھنی گنجان بھی تھیں۔ اسی وجہ سے آپ کی آنکھیں دیکھنے میں ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے سرمہ لگائے ہوئے ہوں۔ جیسا کہ حضرت جابرؓ کی روایت بیان ہو چکی۔

نیز حضرت ام معبد خزاعیہؓ حلیہ کا نقشہ کھینچتے ہوئے ارشاد فرماتی ہیں کہ آپ کی لمبی اور سیاہ سرگیں پلکیں تھیں۔

رُخسار مُبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ حلیہ مبارک کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کے رخسار مبارک گداز اور ہلکے گوشت لٹکے ہوئے تھے۔ (شمائل ترمذی مع خصائل)

حضرت علی ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک نہ بہت زیادہ گوشت والے تھے اور نہ ہی آپ کی ٹھوڑی چھوٹی تھی۔ (بلکہ اعتدال کے ساتھ رخسار و

ٹھوڑی برابر تھی) الغرض چہرہ مبارک میں کسی طرح کا نقص نہ تھا کہ دیکھنے میں بدنما معلوم ہو۔
اس مضمون کے تحت مضطر صاحب فرماتے ہیں۔

تھے رخسار مبارک آپ کے ہموار اور ہلکے
وہ گویا تھے کھلے اوراق قرآن مکمل کے

داڑھی مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک گھنی اور گنجان تھی۔ شمائل ترمذی میں ہے کہ اتنی گہری اور گنجان تھی کہ سینہ مبارک کو بھر دیتی تھی۔ (اسوہ رسول بحوالہ شمائل ترمذی)

اسی طرح کتاب الشفاء للقاضی عیاض میں بھی ہے کہ آپ کی ریش مبارک کے بال اس کثرت سے تھے کہ سینہ مبارک کو بھر دیتے تھے۔ (اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کث اللحیۃ تھے۔ یعنی آپ کی داڑھی بھرپور اور گنجان بالوں کی تھی۔ (شمائل ترمذی)

آپ داڑھی مبارک کو بالکل نہیں کترواتے تھے۔ البتہ گاہ بگاہ جو بال زائد ہو جاتے تھے ان کو کتروا دیتے تا کہ صورت بدنما معلوم نہ ہو۔ (سیرت المصطفیٰ ۵۳۴ ج ۲)

فائدہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مونچھیں کترواتے تھے۔ آپ کے زمانہ میں مجوس مونچھیں بڑھاتے اور داڑھی کٹاتے تھے۔ حالانکہ یہ فعل خلاف فطرت ہے اس لئے آپ نے ان کے خلاف کرنے کا حکم دیا۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو۔ اور داڑھی کا رکھنا صرف سنت محمدیہ اور طریقہ اسلام ہی نہیں بلکہ تمام پیغمبروں جن کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے کی سنت ہے۔ اس لئے حدیث میں من سنن المرسلین کے الفاظ ہیں یعنی تمام انبیاء مرسلین کی سنت ہے۔

نیز داڑھی شعائر اسلام میں سے ہے اس لئے داڑھی کٹانا علی الاعلان شعائر اسلام کی

بے حرمتی اور گناہ کبیرہ ہے۔ حتیٰ کہ داڑھی کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ اس لئے کہ یہ صرف داڑھی کا ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء اور تمام امت کے علماء کا مذاق ہے۔ خدا مسلمانوں کو ہدایت عطاء فرمائے اکثر لوگ اس مہلک مرض میں مبتلا ہیں۔ ائمہ حضرات کے نزدیک داڑھی کی مقدار ایک مشت ہے اس سے کم نہ ہونی چاہئے۔ اس مضمون کے تحت مضطر صاحب فرماتے ہیں۔

گھنی ریش مبارک تھی کہ بھر دیتی تھی سینے کو
نظارے کو مسیح و خضر نے مانگا تھا جینے کو

اَبرو مُبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابرو کا حال بیان فرماتے ہیں کہ آپ کے ابرو خمدار باریک اور گنجان تھے۔ اور دونوں ابرو جدا جدا تھے۔ درمیان میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہ تھے۔ اور ان دونوں ابرو کے بیچ میں ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی۔ یعنی موٹی ہو جاتی تھی۔ (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی)

ابرو کا تلوار کی طرح خمدار اور باریک ہونا حسن میں زیادتی پیدا کرتا ہے۔

البتہ یہ خداداد چیز ہے۔ اگر پیدائشی ایسی حالت ہے توالحمد لله علی ذلک. ورنہ بازاروں میں یا خود تراش کر اس طرح کرنا یہ تخلیق خداوندی میں تغیر ہے۔ جو شیطان کا فریب ہے۔ جس کا ذکر خود شیطان کی زبانی قرآن میں موجود ہے۔ ولآمرنهم فليغيرن خلق الله. ترجمہ (شیطان کہتا ہے کہ اور میں ان کو سکھلاؤں گا کہ بدلیں صورتیں بنائی ہوئی اللہ کی ترجمہ (شیخ الہند) خلاصۃ السیر ص ۲۰۱۹ پر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو پیوستہ اور ایک دوسرے سے جدا جدا تھے۔

گھنے باریک اور خم دار تھے مثل کمان ابرو
ذرا کچھ فصل سے دونوں ہلال ضوفشاں ابرو
رگ پاک اک دونوں ابرووں کے درمیاں میں تھی
جو غصہ میں ابھر آتی تھی تیر اک دو کماں میں تھی

بال مُبارک

نہ سیدھے نہ بالکل پیچدار

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ بالکل پیچدار تھے (کہ بدنما معلوم ہوں اور نہ بالکل سیدھے بلکہ ہلکے سے پیچدار اور گھنگھریالہ پن لئے ہوئے تھے۔ (شمائل ترمذی) (بخاری ص۵۰۲ ج۱)

اسی طرح ام معبد خزاعیہ کا بیان ہے کہ آپ کے بال چمکدار اور سیاہ تھے۔

حضرت علیؓ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے تو فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک نہ بالکل پیچدار تھے نہ بالکل سیدھے۔ بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی لئے ہوئے تھے۔ (شمائل ترمذی)

تین طرح کے بال

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ بال رکھنے کی تھی۔ خصائل نبوی میں ہے کہ آپ کا سر منڈانا چند مرتبہ ثابت ہے۔ ورنہ اکثر بال رکھا کرتے تھے۔ البتہ بال ایک حالت پر رہنے والی چیز نہیں بلکہ کبھی زائد ہو جاتے ہیں اور کبھی کم رہتے ہیں۔ اسی طرح جان بوجھ کر بھی کم کئے جاتے ہیں۔ اسی لئے آپ کے بالوں کی لمبائی میں تین طرح کی روایات ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت براء بن عازبؓ کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کانوں تک آتے تھے۔ **له شعر يبلغ شحمة اذنيه** (بخاری ص۵۰۲ ج۱)

دوسری حالت حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور آپ ایک ہی برتن میں غسل کیا کرتے تھے اور آپ کے بال مبارک ایسے پٹھوں سے جو کان کی لو تک ہوں ان سے زیادہ تھے اور جو پٹھے مونڈھوں تک ہوتے ہیں ان سے کم تھے۔ یعنی نہ زیادہ لمبے تھے نہ چھوٹے بلکہ کانوں اور کندھوں کے درمیان تھے۔ (شمائل ترمذی)

اور یہ ہی حالت حضرت انسؓ سے (مسلم شریف ص۲۵۸ ج۲) پر منقول ہے۔

تیسری حالت حضرت براءؓ کی دوسری روایت میں ہے کہ (له شعر یضرب منکبیه) پوری حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ میں نے کسی پٹھوں والے کو سرخ جوڑے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا۔ آپ کے بال مبارک مونڈھوں کو چھو رہے تھے یعنی مونڈھوں تک آ رہے تھے۔ (شمائل ترمذی۔ بخاری ص ۸۷۶ ج ۲)

فائدہ

آپ سفید دھاریوں والا سرخ رنگ کا کرتہ زیب تن فرماتے تھے جو دور سے دیکھنے میں سرخ ہی محسوس ہوتا تھا اس لئے سرخ کہہ دیا ورنہ خالص تیز سرخ رنگ کا کپڑا پہننا مرد کے لئے حنفیہ کے ہاں مکروہ ہے۔

سیہ گنجان گیسو جس پہ صدقے ہوں دل و دیدہ
ذرا مائل بہ خم بالکل نہ سیدھے ہی نہ پیچیدہ
درازی میں پہنچ جاتے تھے نیچے کان کی لو سے
درخشاں مانگ روشن کہکشاں ہے جس کے پرتو سے

گردن مُبارک

صاف شفاف وخوبصورت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک نہایت صاف شفاف تھی۔ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ آپ کے حلیہ مبارک کا نقشہ کھینچتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک تھی جیسا کہ مورتی کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ

مورتی کی گردن سے تشبیہ دینے میں نکتہ یہ ہے کہ مورتی بنانے والا اس کے تراشنے میں اپنی پوری کاریگری کا ثبوت پیش کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ آپ کی تصویر بنانے والی ذات علی کل شیٔ قدیر اور فعال لما یرید ہے۔ یعنی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور جو

چاہتا ہے کرڈالتا ہے۔تب خوبصورتی میں کیا کمی رہی ہوگی۔ یہ تشبیہات صرف سمجھانے کے لئے ہیں ورنہ مورتی کا آپ سے کیا مقابلہ

بلند و دلفریب و خوش نما تھی آپ کی گردن
بت سیمیں کی جیسے ہو تراشی یا ڈھلی گردن

کندھے مُبارک

زادالمعاد ص۵۴ ج ۲ میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی بڑی تھیں۔

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ موٹی اور پر گوشت تھی (شمائل ترمذی)

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ بیان فرماتے ہیں کہ آپ کے دونوں مونڈھوں کے اوپر بال بھی تھے۔ **اشعر المنکبین** (شمائل ترمذی)

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے مابین کچھ زیادہ فصل تھا۔ (بخاری ص۵۰۲ ج ۱)

سِینہ مُبارک

حضرت براءؓ کی روایت سے جو بخاری کے حوالہ سے ذکر کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونڈھوں کے درمیان دوری زیادہ تھی اس سے سینہ مبارک کا کشادہ ہونا بھی معلوم ہوگیا۔

اسی طرح ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم **عریض الصدر** (یعنی چوڑے سینے والے تھے۔اور آپ کے سینہ مبارک کے بالائی حصہ پر بال بھی تھے۔البتہ دونوں چھاتیاں بالوں سے خالی تھیں۔ (شمائل ترمذی)

تھے چوڑے دونوں شانے فصل کچھ ان میں زیادہ تھا
ذرا ابھرا ہوا تھا سینہ پاک اور کشادہ تھا

پیٹ مُبارک

سینہ سے ہموار

ہند بن ابی ہالہؓ بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواء البطن والصدر تھے یعنی بطن مبارک سینہ کے ہموار تھا۔ تو ند نکلی ہوئی نہ تھی (شمائل ترمذی)

نیز ام معبد خزاعیہ نے جو اپنے شوہر کو نقشہ بتلایا تھا وہ فرماتی ہیں کہ آپ میں توندلے پن کا عیب نہ تھا بلکہ آپ کا جسم مبارک جمال جہاں تاب کے ساتھ ڈھلا ہوا پیکر تھا۔ یعنی ایسی کوئی کمی و نقص نہ تھا کہ بدنما معلوم ہو۔

بالوں کی لکیر

حضرت علیؓ اور ہند بن ابی ہالہؓ دونوں بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لبہ (حلق) سے لے کر ناف تک سینہ اور بطن کے درمیان بالوں کی ایک باریک لکیر تھی جس طرح چھڑی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بطن مبارک بالوں سے بالکل صاف تھا۔ (شمائل ترمذی)

شکم اور سینہ ہموار ایک نمائش تھی جمالوں کی
تھی سینے سے لکیر ایک ناف تک باریک بالوں کی
تھے کچھ بال اوپری حصہ میں بازو اور سینے کے
بقیہ کل بدن بے بال تھا مثل آبگینے کے

بازو مُبارک

ہند بن ابی ہالہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اشعر الزراعین تھے۔ یعنی دونوں بازوؤں پر بال تھے اور فرماتے ہیں آپ طویل الذندین تھے۔ یعنی لمبی کلائیوں والے تھے۔ اسی طرح خلاصۃ السیر ص ۲۰۱۹ پر ہے کہ آپ کی کلائیاں بڑی بڑی یعنی لمبی تھیں یہ مضبوطی و قوت کی علامت ہے۔

ہتھیلیاں مُبارک

ہند بن ابی ہالہؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلیاں فراخ یعنی کشادہ اور پر گوشت یعنی گداز تھیں۔ (شمائل ترمذی)

حضرت انسؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص بیان کرتے ہیں کہ میں نے کبھی ریشمی کپڑا یا خالص ریشم یا کوئی اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو آپ کی بابرکت ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔ (بخاری شریف ص ۵۰۳ ج ۱)

دستِ مُبارک کی اُنگلیاں

ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لانبی تھیں۔ (شمائل ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ اور لوگوں کے اعتبار سے قدرے طول کی طرف مائل تھیں۔ البتہ حد سے زائد لمبی نہ تھیں کہ بڑی معلوم ہوں اور انگلیوں کی گرہیں مضبوط اور بڑی تھیں۔ حضرت علی اور ہند بن ابی ہالہؓ دونوں کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوڑوں کی ہڈیاں موٹی موٹی تھیں۔ تو اس میں انگلیوں کے جوڑ بھی داخل ہیں۔ (شمائل ترمذی)

کف دست اور پہنچے پائے اطہر کے کشادہ تھے
گداز و نرم دیبا اور ریشم سے زیادہ تھے
کلاں تھیں ہڈیاں مربوط اور پرگوشت تھے اعضاء
تھے لانبے ہاتھ لمبی انگلیاں متناسب و زیبا

بغلیں مُبارک

صاف شفاف و چمکدار

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلیں مبارک بالکل صاف شفاف اور چمکدار تھیں۔ چنانچہ حضرت

انسؓ فرماتے ہیں کہ دعاء استسقاء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اتنے زیادہ بلند فرماتے تھے کہ آپ کی بغل مبارک کی سفیدی چمکتی تھی۔ اسی طرح ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک مرتبہ دعا فرمائی تو ہاتھ اتنے اوپر اٹھائے کہ آپ کی بغل نظر آنے لگی۔ (بخاری ص ۵۰۳ ج ۱)

فائدہ

سفید ہونے سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آپ کی بغل میں بال نہیں تھے۔ یا تو قدرۃً نہیں تھے یا پھر آپ کے ان کے اکھاڑے پر پابندی کرنے کی وجہ سے البتہ بغل مبارک صاف اور چمکدار تھی۔ (حاشیہ بخاری شریف ص ۵۰۳ ج ۱)

بغل میں تھی سفیدی جسم اطہر کی طرح تاباں
بدن تھا مشک و عنبر سے بھی خوشبودار بے پایاں

پنڈلیاں مُبارک

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں کسی قدر باریک تھیں اور آپ کی پنڈلی مبارک پر بال بھی تھے۔ (شمائل ترمذی)

یہ صفت مردوں میں اچھی شمار ہوتی ہے اور عورتوں کی پنڈلی کا موٹا ہونا اور بالوں سے خالی ہونا حسن کی علامت ہے۔ لیکن مرد کے لئے ہلکی پنڈلی ہی قابل مدح ہے۔ نیز پنڈلی مبارک چمکدار تھی عون بن ابی جحیفہؓ نے ایک قصہ بیان فرمایا اس میں فرماتے ہیں کہ آپ خیمہ سے باہر تشریف لائے آپ کی پنڈلی چمک رہی تھی گویا میں اب بھی اس پنڈلی کی چمک کو دیکھ رہا ہوں۔ (یہ جملہ حدیث بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں) (بخاری ص ۵۰۳ ج ۱)

تھیں پتلی پنڈلیاں ہموار اور شفاف   لطافت کا وہ عالم شاخ طوبیٰ جس سے شرمندہ

قدم مُبارک

حضرت علیؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک گداز اور

پر گوشت تھے اور ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ آپ کے قدم مبارک (پر گوشت ہونے کے ساتھ ساتھ) ہموار اور ستھرے (چکناہٹ لئے ہوئے) تھے۔ان کی ملاست اور ستھرائی کی وجہ سے پانی ان پر سے فوراً ڈھل جاتا تھا۔ٹھہرتا نہیں تھا۔ (شمائل ترمذی)

دونوں قدموں کا پر گوشت ہونا یہ صفت مردوں میں ممدوح ہوتی ہے نہ کہ عورتوں میں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کی انگلیاں بھی تناسب کے ساتھ اوروں کے مقابلہ میں دراز تھیں جیسا کہ ہاتھ کی انگلیوں کے متعلق گزرا ہے۔

ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوے قدرے گہرے تھے۔

کان خمصان الاخمصین (شمائل ترمذی)

خلاصۃ السیر ص ۲۰۱۹ پر آپ کے حلیہ مبارکہ کا بیان ہے اس میں ہے کہ آپ کے تلوے خالی تھے۔تلوؤں کا گوشت سے خالی اور گہرا ہونا سخاوت کی علامت ہے۔

کف دست اور پنجے پائے اطہر کے کشادہ تھے
گداز و نرم دیبا اور ریشم سے زیادہ تھے
قدم آئینہ سا قطرہ نہ پانی کا ذرا ٹھہرے
تھیں کم گوشت اور ہلکی ایڑیاں تلوے ذرا گہرے

بدن مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوڑوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ہند بن ابی ہالہ اور حضرت علیؓ دونوں بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضخم الکرادیس دوسری جگہ ہے جلیل المشاش تھے یعنی جوڑوں کے ملنے کی ہڈیاں مضبوط اور بڑی بڑی تھیں۔ یہ قوت وطاقت کی دلیل ہے (شمائل ترمذی)

خلاصۃ السیر میں ہے کہ آپ کے سب اعضاء بڑے بڑے تھے۔

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن پر معمولی طور سے زائد

(غیر معمولی) بال نہیں تھے۔ (شمائل ترمذی)

بعض آدمیوں کے بدن پر بہت بال ہوتے ہیں۔ آپ کے بدن مبارک کے خاص خاص حصوں پر بال تھے بقیہ جسم بالوں سے بالکل خالی اور صاف تھا وہ مقام جس پر بال تھے دیگر روایات کی روشنی میں یہ ہیں۔ (۱) دونوں بازوؤں پر بال تھے۔ (۲) دونوں پنڈلیوں پر (۳) دونوں مونڈھوں پر (۴) سینہ کے بالائی حصہ پر (۵) اور حلق سے لے کر ناف تک ایک باریک دھاری تھی جیسے کوئی نرم ٹہنی ہوتی ہے۔

تھے کچھ بال اوپری حصے میں بازو اور سینے کے
بقیہ کل بدن بے بال تھا مثل آ بگینے کے

سفید بال

کتنے بال سفید تھے

حضرت انسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ لم یر من الشیب الا قلیلا یعنی آپ کے بالوں میں سفیدی زیادہ نہیں تھی۔ بلکہ چند ہی بال سفید ہوئے تھے۔ (مسلم شریف ص ۲۵۹ ج ۲)

جابر بن سمرہؓ سے معلوم کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال سفید ہوئے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ اتنے کم تھے کہ جب آپ تیل کا استعمال فرماتے تو معلوم نہیں ہوتے اور اگر تیل لگائے ہوئے نہ ہوتے تو معلوم ہوتے تھے۔ (مسلم شریف ص ۲۵۹ ج)

مطلب یہ ہے کہ آپ کے بال بہت کم سفید ہوئے تھے لیکن کتنے تھے ان کی گنتی کسی نے کم بتلائی کسی نے زائد۔ البتہ بیس سے زائد کسی حدیث سے ثابت نہیں ہیں اور چودہ سے کم بھی ثابت نہیں ہیں۔ چودہ اور بیس کے مابین تھے پھر جس صحابی کو جتنے معلوم ہوئے بیان کر دیئے یہ گننے کا فرق ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں چودہ سے زائد سفید بال نہیں گنے (یہ سب سے کم مقدار ہے) حضرت ابن عمرؓ

فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال بیس تھے۔ (یہ سب سے زائد مقدار ہے۔) (شمائل ترمذی)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات تک آپ کے بیس بال سفید نہیں ہوئے تھے۔ یعنی بیس سے کم ہی رہے۔ (بخاری ص ۵۰۲)

سفید بال کہاں کہاں تھے

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی سفیدی کچھ تو بچہ ریش (داڑھی بچہ) میں تھی۔ کچھ صدغین یعنی کن پٹیوں میں کچھ سر میں تھی۔ (مسلم ص ۲۵۹ ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ اولاً تو سفید بالوں کی تعداد ہی کم تھی پھر وہ بھی تین جگہ منتشر تھے۔ کچھ سر میں کچھ پنڈلیوں میں اور کچھ داڑھی بچہ میں۔

لباس مبارک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس نہایت سادہ اور معمولی ہوتا تھا۔ فقیرانہ اور درویشانہ زندگی تھی۔ عام لباس آپ کا تہمد اور چادر اور کرتہ اور جبہ اور کمبل تھا۔ جس میں پیوند لگا ہوتا تھا۔

اکثر حالتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس چادر اور ازار یعنی تہبند ہوتا تھا جو سخت اور موٹے کپڑے کا ہوتا تھا۔ مدارج النبوۃ میں ہے کہ آپ میلے اور گندے کپڑے کو مکروہ و ناپسند فرماتے تھے۔ (اسوہ رسول ص ۱۱۹)

حضرت سمرہ بن جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑا پہنا کرو اس لئے کہ وہ زیادہ پاک وصاف رہتا ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفنایا کرو۔ (شمائل ترمذی)

زاد المعاد میں ہے کہ آپ نے یمنی چادریں، جبہ، قباء، قمیص، تہبند، موزہ اور جوتا ہر چیز استعمال فرمائی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دھاری دار سیاہ اور سادہ کپڑا بھی پہنا ہے (اسوہ رسول)

لباس اکثر رہا کرتا سفید اور کھردرا موٹا
جو ہوتا نصف پنڈلی تک نہ لانبا ہی نہ تھا چھوٹا

کبھی پوشش تھی لنگی اور چادر دھاریوں والی
کبھی کملی بھی جسم پاک پر اوڑھے ہوئے کالی

قمیص مبارک

وضع قطع

ملا علی قاری نے دمیاطیؒ سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتہ سوت کا بنا ہوا تھا۔ جو زیادہ لمبا نہ تھا اور اس کی آستین بھی زیادہ لمبی نہ تھی۔ اسی طرح مناوی نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ کا کرتہ ٹخنوں سے اونچا ہوتا تھا۔ (خصائل نبوی ص ۴۹) اور شمائل میں ہے کہ آپ کے کرتہ کا گریبان سینہ پر ہوتا تھا کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم گریبان کھولے رکھتے کہ سینہ اطہر صاف نظر آتا اور اسی حالت میں نماز پڑھ لیتے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ آپ کے کرتہ کی آستین پہنچے تک ہوتی تھی۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ

اس کے علاوہ پہنچوں سے آگے تک کی آستین بھی آپ نے چوغہ میں بنوائی ہے یہ بیان جواز کے لئے تھا مطلب یہ ہے کہ افضل اور سنت تو یہی ہے کہ آستین گٹوں تک ہوں اور جائز آگے تک بھی ہے۔ لیکن انگلیوں سے متجاوز نہ ہونی چاہئے اور کرتہ کی لمبائی کے متعلق علامہ شامی نے لکھا ہے کہ آدھی پنڈلی تک ہونی چاہئے زیادہ نہیں لیکن یہ افضل ہے ورنہ ٹخنوں تک جائز ہے۔ مگر مناسب نہیں ہے۔

آستین

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کرتہ کی آستین نہ بہت تنگ رکھتے نہ بہت چوڑی۔ بلکہ درمیانی ہوتی۔ اور آستین ہاتھ کے گٹوں تک رکھتے۔ اور چوغہ وغیرہ کی پہنچے تک۔ مگر انگلی سے متجاوز نہ ہوتا تھا۔ (اسوہ رسول ۱۲۲)

لنگی مُبارک

باندھنے کی کیفیت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ لنگی باندھنے کی تھی پائجامہ کے بارے میں اختلاف ہے جیسا کہ ابھی آتا ہے مدارج النبوۃ میں ہے کہ آپ اپنی تہبند کو آگے کی جانب لٹکاتے اور پیچھے کا حصہ اونچا رکھتے۔ (اسوہ رسول ص ۱۱۹)

آپ کی لنگی آدھی پنڈلی تک رہتی تھی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ اپنی لنگی آدھی پنڈلی تک رکھتے تھے اور فرماتے کہ یہ ہی ہیئت تھی میرے آقا کی لنگی کی۔ (شمائل ترمذی)

لنگی کی حد

حضرت حذیفۃ بن الیمانؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یا اپنی پنڈلی کے گوشت کا حصہ پکڑ کر فرمایا کہ یہ حد ہے لنگی کی۔ اگر تجھے صبر نہ ہو تو اور نیچے سہی اور اگر تجھے اس پر صبر نہ ہو تو لنگی کا ٹخنوں پر کوئی حق نہیں۔ (شمائل ترمذی)

ٹخنوں سے نیچے پائجامہ یا لنگی رکھنا حرام ہے۔

ٹخنوں سے نیچے نہ ہو

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹخنوں سے نیچے جتنے حصہ پر کپڑا لٹکتا ہے وہ آگ میں جلایا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ان دونوں کانوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص متکبرانہ لنگی لٹکائے گا قیامت میں حق تعالیٰ اس کی طرف نظر نہیں کریں گے۔ (بخاری ص ۹۶۱ ج ۲ مسلم ص ۱۹۵ ج ۲)

لنگی کی پیمائش

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی کی پیمائش چار ہاتھ ایک بالشت لمبی اور چوڑائی تین ہاتھ ایک بالشت۔ یا بعض روایات کے مطابق دو ہاتھ ایک بالشت چوڑی تھی۔ (خصائل نبوی)

صحابہ کو پائجامہ کی اجازت

ترمذی شریف میں واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پائجامہ خریدا ہے البتہ پہننا کسی روایت سے ثابت نہیں۔لیکن آپ کے پاس موجود تھا۔اور صحابہ کرام آپ کی اجازت سے پہنتے بھی تھے۔

چنانچہ حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہود پائجامہ پہنتے ہیں لنگی نہیں باندھتے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس کے خلاف کرو پائجامہ بھی پہنو اور لنگی بھی باندھو۔(خصائل نبوی ص ۹۵)

چَادر مُبارک

پسندیدہ چادر

یہ بات گزر چکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر معمول لنگی باندھنے اور چادر اوڑھنے کا تھا۔اس لئے کہ اس کے اندر تواضع ہے۔دوسری بات یہ کہ اس میں تکلف نہیں کرنا پڑتا ہے۔

سفید لباس تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھا ہی لیکن رنگین لباس میں سبز رنگ کا لباس طبیعت پاک کو بہت پسند تھا۔چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یمنی منقش چادر کپڑوں میں زیادہ پسندیدہ تھی۔(مسلم ص ۱۹۳ ج ۲ شمائل ترمذی)

یہ یمنی چادریں دھاری دار سبز رنگ کی ہوتی تھیں۔جنتی لباس بھی سبز رنگ کا ہی ہوگا۔
(بخاری مع حاشیہ ص ۸۶۵ ج ۲)

اوڑھنے کی کیفیت

ابو رمثہؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو سبز رنگ کی چادریں اوڑھے ہوئے دیکھا۔(شمائل ترمذی)

کبھی آپ چادر کو اس طرح اوڑھتے کہ دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیتے تھے۔(اسوہ رسول اکرم)

چادر مبارک کی لمبائی اور چوڑائی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی ڈھائی ہاتھ تھی۔ اور ایک دوسرے قول کے مطابق چھ ہاتھ لمبی اور تین ہاتھ ایک بالشت چوڑی بتائی جاتی ہے۔ (خصائل نبوی ص ۹۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کالی کملی بھی اوڑھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ایک مرتبہ صبح صبح باہر تشریف لے گئے تو آپ کے بدن پر ایک سیاہ بالوں کی چادر تھی۔ (مسلم ص ۱۹۴ ج ۲)

ٹوپی مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفید رنگ کی ٹوپی استعمال فرماتے تھے۔ لیکن سفر وحضر میں مختلف ہوتی۔ جب آپ وطن میں ہوتے تو سر سے چپٹی ہوئی ٹوپی اوڑھا کرتے۔ نیز آپ نے سوزنی نما سلے ہوئے کپڑے کی گاڑھی ٹوپی بھی اوڑھی ہے اور جب سفر میں ہوتے تو اٹھی ہوئی باڑ دار ٹوپی استعمال فرماتے۔ اور کبھی کبھی اس کو سفر ہی میں سترے کی جگہ بھی استعمال فرماتے۔
(اسوہ رسول ص ۱۲۴ بحوالہ سراج المنیر۔ نبوی لیل ونہار ص ۲۱۱)

عمامہ مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر عمامہ استعمال فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے کہ عمامہ باندھا کرو۔ اس سے حلم میں بڑھ جاؤ گے۔ عمامہ نہ ہوتا تو سر اور پیشانی مبارک پر ایک پٹی بھی باندھ لیا کرتے تھے۔

عمامہ مبارک کا رنگ

حضرت عمر بن حریثؓ فرماتے ہیں کہ وہ منظر گویا میری آنکھوں کے سامنے ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے اور سیاہ رنگ کا عمامہ مبارک آپ کے سر مبارک پر تھا۔ (مسلم ونسائی)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکے میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر سیاہ رنگ کا عمامہ تھا۔ (شمائل ترمذی)

شملہ مبارک

تقریباً ایک بالشت کا ہوتا تھا اور اکثر شملہ چھوڑ کر ہی عمامہ باندھتے تھے۔ اور اکثر شملہ کو پیچھے دونوں مونڈھوں کے درمیان رکھتے تھے۔ (خصائل نبوی و نبوی لیل و نہار ص ۲۱۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اس کے شملہ کو دونوں مونڈھوں کے درمیان پچھلی جانب ڈال لیتے۔ (شمائل ترمذی)

عمامہ کی لمبائی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ تقریباً سات گز کا ہوتا تھا۔ (خصائل نبوی و نبوی لیل و نہار ص ۲۱۱)

عمامہ کے نیچے کپڑا رکھنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک پر اکثر کپڑا رکھا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کپڑا چکناہٹ کی وجہ سے تیلی کا کپڑا معلوم ہوتا تھا۔ (شمائل ترمذی)

یہ کپڑا آپ عمامہ کے نیچے رکھتے تھے تاکہ تیل کی وجہ سے عمامہ خراب نہ ہو۔ لیکن اس کے باوجود یہ کپڑا میلا نہ ہوتا تھا۔

فائدہ

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ نہ آپ کے کپڑوں میں جوئیں پڑتی تھیں نہ کھٹمل خون چوس سکتا تھا اور علامہ رازی سے منقول ہے کہ آپ کے بدن مبارک پر کبھی مکھی نہیں بیٹھی۔ (خصائل نبوی ص ۱۰۰)

موزے مبارک

موزوں پر مسح

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزے پہنے ہیں اوران پرمسح بھی فرمایا ہے۔

نجاشی کا ہدیہ

حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے آپ کے پاس سیاہ رنگ کے دو سادے موزے ہدیہ بھیجے تھے۔آپ نے ان کو پہنااور وضو کے بعدان پرمسح بھی فرمایا۔(شمائل ترمذی)

حضرت دحیہؓ کا ہدیہ

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ دحیہ کلبیؓ نے دوموزے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کونذر کئے تھے۔آپ نے ان کو پہنا یہاں تک کہ وہ پھٹ گئے۔(شمائل ترمذی)

فائدہ

موزے کے آداب میں سے ہے کہ پہلے دائیں پاؤں میں پہنے۔پھر بائیں پاؤں میں اور یہ بھی موزے کے آداب میں سے ہے کہ پہننے سے قبل موزہ کوجھاڑ لے۔جس کی وجہ یہ ہے کہ معجزات میں طبرانی نے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ جنگل میں ایک موزہ پہنا دوسرا پہننے کا قصد فرمارہے تھے کہ ایک کوادوسراموزہ اٹھالے گیا۔اور پھر اوپر سے جا کراس کو پھینک دیااس میں سانپ گھسا بیٹھا تھاوہ گرنے کی چوٹ سے باہر نکلا۔آپ نے شکر خداوندی ادا کیااورامت کے لئے یہ قانون جاری کردیا کہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ جب موزہ پہننے کا قصد کرے تواس کوجھاڑلیا کرے۔(خصائل نبوی ص۶۰)

نعلین مُبارک

نعلین مبارک کی ساخت

عرب کا جوتاایسانہیں ہوتا تھا جیسا کہ یہاں ہند میں متعارف ہے بلکہ ایک چمڑے کی چپٹی پردو تسمے ہوتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپل نمایا کھڑاوں نماجوتا پہنا کرتے تھے۔(خصائل نبوی واسوہ رسول)

حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ آپ کے جوتے کیسے تھے

تو حضرت انسؓ نے فرمایا کہ ہر ایک جوتا میں دو دو تسمے تھے۔ (بخاری ص ۸۷۱ ج ۲)

یعنی نیچے چپل کے سول کی طرح چمڑا ہوتا تھا اس پر دو تنی لگی رہتی تھی ایک انگوٹھے اور اس کے پاس والی انگلی کے بیچ میں دوسری تنی بیچ کی انگلی اور اس کے پاس والی انگلی کے درمیان میں اور دو تنیاں پشت پر ہوتی تھیں یہ دونوں تسمے ان سے مل جاتے تھے۔

بغیر بالوں والے چمڑے کا جوتا

عرب میں اکثر بغیر بال اتارے چمڑے کا جوتا بنا لیا کرتے تھے لیکن آپ صاف کئے ہوئے چمڑے کا جوتا استعمال کرتے تھے۔ جیسا کہ اگلی روایت سے ثابت ہے۔

عبید بن جریج نے ابن عمرؓ سے معلوم کیا کہ آپ بغیر بالوں کے چمڑے کا جوتا پہنتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی پہنتے ہوئے دیکھا ہے اس لئے اس کو پسند کرتا ہوں۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ

جوتے کے آداب میں سے ہے کہ دائیں پاؤں میں پہلے پہنے پھر بائیں پاؤں میں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی شخص تم میں سے جوتا پہنے تو دائیں سے ابتداء کرنی چاہئے اور جب کوئی نکالے تو بائیں سے پہلے نکالے یعنی دایاں پاؤں جوتا پہننے میں مقدم ہونا چاہئے اور نکالنے میں موخر۔

(بخاری ۸۷۰ ج ۲ مسلم ۱۹۷ ج ۲ شمائل ترمذی)

یہ صرف جوتے کی تخصیص نہیں بلکہ ہر وہ چیز جسکا پہننا زینت ہو اس کے پہننے میں دائیں کو قدم کرنا چاہئے۔ نیز ایک جوتا پہن کر چلنے سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک جوتی پہن کر کوئی نہ چلے یا دونوں پہن کر چلے یا دونوں نکال دے۔ (بخاری ص ۸۷۰ ج ۲ - مسلم ص ۱۹۷ ج ۲ - شمائل ترمذی)

خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ ایک جوتہ پہننے کی نہیں تھی۔ اس لئے کہ جب دوسروں کو منع فرما رہے ہیں تو خود ایسا کاہے کو کرتے اور بظاہر اس حدیث میں ممانعت سے مقصود عادۃً ایسا کرنا ہے۔ لہذا اگر کسی عذر کی وجہ سے ایسا کر لے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مثلاً جوتا ٹوٹ جائے یا اور کوئی عارض پیش آ جائے۔ غرض یہ کہ معتاد و مہذب انداز پر ہر چیز کو پہننا چاہیے۔ بے تمیزی سے احتراز کرنا چاہیے۔ (خصائل نبوی ص ۶۴)

نعلین مبارک کی پیمائش

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف ایک بالشت اور دو انگل لمبے اور سات انگل چوڑے تھے اور نیچے سے دونوں تسموں کے درمیان کا فاصلہ دو انگل تھا۔ (اسوہ رسول ص ۱۲۶)

زبان کی شکل کی ہیئت تھی جو چرم مصفی کی
تھی چپل کی طرح کی ساخت نعلین معلیٰ کی

لگیں تھی پشت پا پر بیچ میں دو پٹیاں جس میں
تلہ دوہرا تھا اور دوہرے تھے تسمے دو جگہ اس میں

انگوٹھے کے بھی پاس ایک بیچ کی انگلی کے بھی اندر
وہ تسمے ڈال لیتے انگلیوں میں اپنی پیغمبر

بستر مبارک

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک کبھی صرف ٹاٹ کا ہوتا تھا کبھی بوریا ہوتا تھا کبھی چمڑے کا ہوتا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے اور آرام فرمانے کا بستر چمڑے کا ہوتا تھا جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی ہوتی تھی۔

(بخاری ص ۹۵۶ ج ۲ مسلم ص ۱۹۴ ج ۲ شمائل ترمذی)

حضرت حفصہؓ جو آپ کی بیوی اور حضرت عمرؓ کی صاحبزادی ہیں ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کیسا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا جس کو دوہرا کر کے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھا دیا جائے تو زیادہ نرم ہو جائے تو میں نے چار تہہ کر کے بچھا دیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کو دریافت فرمایا کہ میرے نیچے رات کو کیا چیز بچھائی تھی میں نے عرض کیا کہ وہ روزمرہ کا بستر تھا آج رات اسے چوہرا کر دیا تھا تا کہ زیادہ نرم ہو جائے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو پہلے حال پر رہنے دو۔ اس کی نرمی رات کو مجھے تہجد سے مانع ہوئی۔ (شمائل ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوا آپ بوریئے پر آرام فرما رہے تھے جس کے نشانات جسد اطہر پر ظاہر ہو رہے تھے۔ میں یہ دیکھ کر رونے لگا۔ حضور نے فرمایا کہ کیا بات ہے کیوں رو رہے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ حضور قیصر وکسریٰ تو مخمل اور ریشم کے گدوں پر سوئیں اور آپ بوریئے پر آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ رونے کی بات نہیں ہے ان کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت ہے۔ (خصائل نبوی ص ۲۷۹)

حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی اس طرح کا قصہ پیش آیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسی طرح سوال و جواب حضور سے ہوئے۔ اس کا مفصل ذکر بخاری شریف میں ص ۷۹۲ ج ۲ پر موجود ہے۔

بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ صحابہؓ جب نرم بستر بنانے کی درخواست کرتے تو میرے آقا یہ ارشاد فرماتے کہ مجھے دنیاوی راحت و آرام سے کیا کام میری مثال تو اس راہ گیر جیسی ہے جو چلتے چلتے راستہ میں ذرا آرام کرنے کے لئے کسی درخت کے سایہ کے نیچے تھوڑی دیر بیٹھ کر چل دیا ہو۔ (خصائل نبوی ص ۲۷۸) یہ تھا ہمارے آقا دوجہاں کے سردار کا حال جس کو سن کر ہر امتی کا دل بھر آتا ہے اور ہم امتیوں کے فرشوں اور قالینوں کا جو حال ہے وہ نگاہوں کے سامنے ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہمارے گھر ایک انصاری عورت آئی اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر دیکھا کہ عباء بچھا رکھا ہے تو گھر واپس جا کر ایک بستر تیار کیا۔

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو ایک تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا۔ (شمائل ترمذی)

زاد المعاد میں ہے کہ آپ تکیہ پر ٹیک لگاتے تھے اور کبھی رخسار کے نیچے ہاتھ رکھ لیتے۔

(اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے تو میں نے آپ کے واسطے تکیہ رکھا جو چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

(بخاری شریف ص ۹۲۸ ج ۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو

خوشبو کا کثرت سے استعمال

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کی چیز اور خوشبو کو بہت پسند فرماتے اور کثرت سے استعمال کرتے۔ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے۔ (نشرالطیب)

عطردان

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سکہ یعنی عطردان یا مرکب عطر تھا۔ اس میں سے خوشبو استعمال فرماتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے عمدہ خوشبو لگاتی تھی یہاں تک کہ اس خوشبو کی چمک میں آپ کا سر اور داڑھی دیکھتی تھی۔ (بخاری ص ۸۷۷ ج ۲)

خوشبو کی خاصیت

زادالمعاد میں صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوشبو کی خاصیت یہ ہے کہ ملائکہ معطر آدمی سے محبت کرتے ہیں۔ اور شیاطین اس سے نفرت کرتے ہیں شیاطین کے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ مکروہ اور بدبودار چیز ہے۔ چنانچہ طیب اور پاک روحوں کو پاک اور طیب بو ہی پسند ہوتی ہے اور ارواح خبیثہ کو خبیث بو ہی پسند ہوتی ہے ہر روح اپنی پسند کی طرف مائل ہوتی ہے۔ (اسوہ رسول ص ۴۳۰)

یہ ہی وجہ ہے کہ آپ کثرت سے خوشبو استعمال کرتے ورنہ آپ کے بدن سے خوشبو مہکتی تھی گو آپ خوشبو کا استعمال نہ فرمائیں۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جس کوچہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گزرتے بعد کے گزرنے والے لوگ اس کوچہ کو خوشبو سے مہکتا ہوا پاکر سمجھ جاتے کہ ابھی اس راہ سے حضور کا گزر ہوا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۱۷ ج ۲)

دست مبارک کی برکت

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک پر دم فرما کر حضرت عقبہؓ کی کمر پر پھیرا جس سے اس قدر خوشبو ان کی پیٹھ سے مہکتی تھی کہ ان کی چار بیویاں تھیں ہر ایک بے حد خوشبو لگاتی تا کہ ان کے برابر خوشبو ہو جائے مگر حضرت عقبہؓ کی خوشبو غالب رہتی تھی۔ (خصائل نبوی ص ۱۶۱)

پسینہ مبارک کی خوشبو

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ سے زیادہ خوشبودار چیز کوئی نہ تھی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی قسم کا مشک یا کوئی عطر حضور کے پسینہ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔ (بخاری ص ۵۰۳ ج ۱ مسلم ص ۲۵۷ ج ۲)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر آرام فرما رہے تھے اور آپ کے جسد اطہر سے پسینہ نکل رہا تھا۔ میری والدہ نے اس کو ایک شیشی میں جمع کرنا شروع کر دیا۔ آپ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ نے پسینہ جمع کرنے کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگیں کہ اس کو ہم اپنی خوشبو میں ملائیں گے۔ یہ سب سے زیادہ معطر ہے۔ (مسلم شریف ص ۲۵۷ ج ۲)

خوشبو کا ہدیہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اگر خوشبو پیش کی جاتی تو اس کو ضرور قبول کر لیتے۔ خوشبو کی چیز واپس کرنے کو ناپسند فرماتے۔ (بخاری ص ۸۷۸ ج ۲)

خوشبو لگانے کے اوقات

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو سر مبارک پر بھی لگایا کرتے اور سونے سے بیدار ہوتے تو قضائے حاجت سے فارغ ہو کر وضو فرماتے پھر خوشبو لباس پر لگاتے خوشبو میں سب سے زیادہ مشک اور عود اور ریحان کو محبوب رکھتے تھے۔ (اسوہ رسول ص ۱۲۷)

کسی کوچے سے ہوتا جب گزر محبوب باری کا
تو چلتا کارواں اک نکہت بار نہاری کا
فضا ساری مہک جاتی تھی وہ جس راہ سے جاتے
نکلتے جستجو میں جو وہ خوشبو سے پتہ پاتے
پسینہ پونچھ کر رکھتے صحابہ جسم اطہر کا

جو خوشبو میں گلاب و مشک و عنبر سے بھی بہتر تھا
مصافحہ جس کو ہونے کی سعادت ہاتھ آتی تھی
تو پورا دن گزر جاتا مگر خوشبو نہ جاتی تھی
کسی بچے کے سر پر دست رحمت پھیر گر دیتے
تو سب بچوں میں خوشبو سے اسے ممتاز کر دیتے

انگوٹھی مبارک

چاندی کی انگوٹھی

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی مبارک چاندی کی تھی۔ یعنی پوری انگوٹھی نگینہ سمیت چاندی کی تھی جیسا کہ حضرت انسؓ ہی سے دوسری روایت میں ہے اور اسکا نگینہ حبشی انداز پر بنا ہوا تھا۔ (بخاری ص ۸۷۲ ج ۲ مسلم ص ۱۹۷ ج ۲)

آپ نے انگوٹھی کیوں بنوائی

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عجم کے بادشاہوں کے پاس خطوط لکھنے کا قصد فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ عجمی بادشاہ بغیر مہر کے خطوط قبول نہیں کرتے۔ اس لئے آپ نے ایک انگوٹھی بنوائی جس کی سفیدی گویا اب میری نظر کے سامنے ہے۔ (بخاری ص ۸۷۳ جلد ۲ مسلم ۱۹۶ ج ۲)

سفیدی سے چاندی کی ہونے کی طرف اشارہ ہے اور قصہ کے خوب یاد ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کی صلح سے واپس لوٹے تو آپ نے مختلف بادشاہوں کے نام خطوط لکھوا کر انہیں اسلام کی دعوت دی اور معلومات رکھنے والے تجربہ کار صحابہ کو قاصد منتخب فرمایا اور ان کو خطوط دے کر بادشاہوں کے پاس روانہ فرمایا۔ چنانچہ

۱- نجاشی شاہ حبش کے نام جس کا اصل نام اصحمہ تھا۔ عمرو بن امیہ ضمریؓ کے ذریعہ روانہ کیا۔

۲- اور مقوقش شاہ مصر کے نام جس کا اصل نام جرتج متی تھا۔ حاطب بن ابی بلتعہؓ کے ذریعہ روانہ کیا۔

۳- اور کسریٰ شاہ فارس کے نام جس کا نام خسرو پرویز تھا۔ عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کے ذریعہ روانہ کیا۔

۴- اور قیصر شاہ روم کے نام جس کا نام ہرقل تھا۔ دحیہ کلبیؓ کے ذریعہ روانہ کیا۔

۵- اور حاکم بحرین منذر بن ساوی کے نام علاء بن الحضرمیؓ کے ذریعہ روانہ کیا۔

۶- اور حاکم یمامہ ہوزہ بن علی کے نام سلیط بن عمرو عامریؓ کے ذریعہ روانہ کیا۔

۷- اور حاکم دمشق حارث بن ابی شمر غسانی کے نام شجاع بن وہبؓ کے ذریعہ روانہ کیا۔

۸- اور شاہ یمامہ جیفر اور اسکے بھائی عبد پسران جلندی کے نام عمرو بن العاصؓ کے ذریعہ روانہ کیا۔

(فائدہ) فیض الباری میں عبد کے بجائے عیاض لکھا ہے۔

ان خطوط کے ذریعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت روئے زمین کے اکثر بادشاہوں تک پہنچادی۔ اور اس کے جواب میں کوئی ایمان لایا تو کسی نے کفر کیا۔ لیکن اتنا ضرور ہوا کہ کفر کرنے والوں کی توجہ بھی اس جانب مبذول ہوگئی اور ان کے نزدیک بھی آپ کا دین آپ کا نام ایک جانی پہچانی چیز بن گیا۔

انگوٹھی مبارک کا نقش

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی مبارک پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ (اس طرح) محمد ایک سطر میں رسول ایک سطر میں اور اللہ ایک سطر میں (بخاری شریف ص ۸۷۳)

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلا کہ انگوٹھی پر اپنا نام یا اللہ کا نام یا اور کوئی حکمت کا کلمہ لکھوانا جائز ہے۔ (نووی شرح مسلم ص ۱۹۶ ج ۲)

لیکن محمد رسول اللہ لکھانا ممنوع ہے جیسا کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بخاری میں موجود ہے کہ ہم نے چاندی کی انگوٹھی بنائی ہے اور اس میں رسول اللہ لکھایا ہے۔ لہذا کوئی بھی یہ نقش نہ کرائے جو ہماری انگوٹھی کا نقش ہے۔ (بخاری شریف ص ۸۷۳ ج ۲)

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ محمد رسول اللہ کے علاوہ اپنا نام یا اللہ کا نام یا اور کوئی اچھا کلمہ انگوٹھی پر نقش کرانا درست ہے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کی انگوٹھی پر یہ نقش تھا نعم القادر اللہ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی انگوٹھی کا یہ نقش تھا۔ کفی بالموت واعظاً اور حضرت عثمان غنیؓ کی انگوٹھی کا نقشہ تھا۔ لتصبرن او لتندمن اور حضرت علیؓ کی انگوٹھی کا یہ نقش تھا۔ الملک للہ اسی طرح حضرت امام اعظمؒ کی انگوٹھی کا یہ نقش تھا۔ قل الخیر والا فاسکت اور امام ابو یوسفؒ کی انگوٹھی کا یہ نقش من عمل برأیہ فقد ندم! اور امام محمدؒ کی انگوٹھی کا یہ نقش تھا من صبر ظفر (شامی لبنانی ص ۲۳۰ ج ۵) اسی طرح حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی انگوٹھی کا یہ نقش تھا۔ از گروہ اولیاء اشرف علی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی انگوٹھی کا یہ نقش تھا "رشید احمد" اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیو بندی کی انگوٹھی کا یہ نقش تھا۔ الٰہی عاقبت محمود گرداں"۔

انگوٹھی کس ہاتھ میں پہنی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں میں پہنتے رہتے تھے۔ کسی ایک ہاتھ کی تخصیص نہ تھی۔ چنانچہ احادیث میں دونوں طرح وارد ہوا ہے۔ لہذا دونوں ہاتھوں میں سے ہر ایک میں پہننا جائز ہے۔ حافظ ابن حجر جو فن حدیث کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ مجھے اس بارے میں کل احادیث کے دیکھنے سے جو محقق ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اگر زینت کے ارادے سے پہنے تو دایاں ہاتھ موزوں ہے اور اگر مہر لگانے کی غرض سے انگوٹھی بنوائی ہے تو بایاں ہاتھ موزوں ہے تا کہ دائیں ہاتھ سے نکال کر مہر لگانے میں سہولت ہو۔ (خصائل نبوی ص ۸۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی انگوٹھی اس میں ہوتی تھی اور حضرت انسؓ نے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔ (مسلم ص ۱۹۷ ج ۲)

دوسری حدیث میں حضرت انسؓ ہی فرماتے ہیں کہ آپ نے انگوٹھی بنوائی اور فرمایا کہ ہم نے انگوٹھی بنوائی ہے اور اس میں نقش کرایا ہے۔ لہذا ان الفاظ کو کوئی نقش نہ کرائے۔ (تا کہ امتیاز رہے مہر کا) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (گویا کہ) میں اس انگوٹھی کی چمک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خنصر یعنی چھوٹی انگلی میں دیکھ رہا ہوں۔ (بخاری شریف ص ۸۷۳ ج ۲)

اور دو انگلیوں میں پہننے سے آپ نے منع بھی فرمایا ہے۔

چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو منع فرمایا کہ میں اپنی اس

اوراس انگلی میں انگوٹھی پہنوں اور اشارہ کیا حضرت علیؓ نے بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی کی جانب۔(مسلم شریف ص ۱۹۷ ج ۲)

لہذا ان دونوں انگلیوں میں پہننا مکروہ ہے اسی حدیث کی وجہ سے علامہ نووی نے کہا ہے کہ مکروہ سے تنزیہی مراد ہے اور سنت جو ہے وہ اسی چھوٹی انگلی میں پہننا ہے۔اور علامہ نووی نے اس کے سنت ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔(شرح مسلم للنووی ص ۱۹۷ ج ۲)

اور علامہ شامی نے بھی لکھا ہے کہ انگوٹھی اسی انگلی میں ہونی چاہئے۔(شامی لبنانی ص ۲۳۰ ج ۵)

انگوٹھی پہننے کی کیفیت

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی جانب رکھتے تھے۔(بخاری شریف ص ۸۷۳ ج ۲)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی جانب رکھتے تھے۔ مسلم شریف ص ۱۷۱ ج ۲) شمائل ترمذی میں ابن عمرؓ سے یہ ہی الفاظ مروی ہیں۔چونکہ یہ ہی اکثر روایات میں وارد ہوا ہے۔اس لئے نگینہ کا ہتھیلی کی جانب رکھنا زیادہ صحیح ہے اس میں تکبر وعجب سے بھی حفاظت ہے نیز نگینہ بھی محفوظ رہتا ہے۔علماء نے لکھا ہے کہ نگینہ کو ہتھیلی کی جانب اور اوپر دونوں طرح رکھنا جائز ہے۔البتہ افضل اندر رکھنا ہی ہے اتباع نبوی کی وجہ سے۔(شرح مسلم ص ۱۹۶ ج ۲)

اور علامہ شامی نے لکھا ہے کہ مردوں کو انگوٹھی میں نگینہ ہتھیلی کی طرف رکھنا چاہئے اور عورتوں کو اوپر کی جانب۔اس لئے کہ عورت کا پہننا زینت کے لئے ہے اور زینت اوپر رکھ کر ہے اور مردوں کو زینت کی ضرورت نہیں ہے۔(شامی لبنانی ص ۲۳۰ ج ۵)

سونے کی انگوٹھی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی تھی اس کا نگینہ آپ ہتھیلی کی جانب رکھتے تھے اور اس میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا تو آپ کی دیکھا دیکھی صحابہ نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوائیں۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صورت حال دیکھی تو اس کو نکال کر پھینک دیا اور فرمایا کہ اس کو کبھی نہیں پہنوں گا۔تو یہ دیکھ کر لوگوں نے بھی اپنی سونے کی انگوٹھیاں نکال کر پھینک دیں۔پھر آپ

نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔ (بخاری شریف ص۸۷۲ ج ۲ مسلم شریف ص۱۹۶ ج ۲)

شروع اسلام میں سونا مرد کے لئے حلال تھا پھر بعد میں حرام کر دیا گیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا۔ (بخاری شریف ص۸۷۱ ج ۲)

اب تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مرد کے لئے سونے کا استعمال حرام ہے البتہ عورت سونے کا زیور استعمال کر سکتی ہے۔

وفات حسرت آیات کے بعد

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی آپ کی وفات کے بعد شروع میں حضرت ابوبکرؓ نے پہنی پھر حضرت عمرؓ نے پہنی پھر حضرت عثمانؓ نے پہنی۔ پھر حضرت عثمانؓ ہی کے زمانے میں بیر اریس میں گر گئی۔ (بخاری شریف ص۸۷۲ ج ۲ مسلم شریف ص۱۹۶ ج ۲)

بیر اریس مسجد قبا کے قریب ایک کنواں ہے۔ حضرت معیقیب ایک صحابی تھے جو حضور کے زمانے سے اس انگوٹھی کے محافظ تھے۔ جس وقت آپ انگوٹھی پہنے ہوئے نہیں ہوتے تو انہی کے پاس رہتی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر کے دور خلافت میں بھی یہ ہی محافظ رہے۔ اور حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں بھی یہ ہی صورت حال تھی۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت معیقیبؓ اور حضرت عثمانؓ اس کنوئیں پر بیٹھے تھے جیسا کہ عرب کی عادت ہے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے پاؤں کنوئیں پر لٹکا کر منڈیر پر بیٹھ جاتے ہیں اسی دوران معیقیبؓ حضرت عثمانؓ کو انگوٹھی دے رہے تھے۔ یا ان سے لے رہے تھے کہ انگوٹھی کنوئیں میں جا پڑی۔ حضرت عثمان غنی نے اس کو ہر چند تلاش کرایا تین روز تک برابر اس کا گارا پانی نکلوا کر تلاش کرایا مگر وہ نہیں ملی۔

یہ انگوٹھی چھ برس تک حضرت عثمانؓ کے پاس رہی اس کے بعد اتفاق سے اس کنوئیں میں گر گئی۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ یہ انگوٹھی حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی کی طرح تھی کہ جیسے ہی وہ انگوٹھی حضرت سلیمانؑ سے غائب ہوئی حکومت میں اختلاط ہوا۔ اسی طرح علماء نے لکھا ہے کہ جو فتنے حضرت عثمان غنیؓ کے آخر دور میں ظہور پذیر ہوئے وہ اس انگوٹھی کے کنوئیں میں گرنے کے بعد ہی سے شروع ہوئے تھے۔ (حاشیہ بخاری ص۸۷۳ ج ۲ خصائل نبوی ص۳۸ شامی لبنانی ص۲۲۹ ج ۵)

فائدہ

ایسی انگوٹھی جس پر کوئی متبرک نام یا عبارت لکھی ہوئی ہو پہن کر قضائے حاجت نہیں کرنی چاہئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تھے تو اپنی انگوٹھی نکال کر تشریف لے جاتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

علامہ شامی نے لکھا ہے اور جمہور احناف کا بھی یہ ہی مسلک ہے کہ بادشاہ قاضی متولی وغیرہ جن لوگوں کو مہر لگانے کی ضرورت پڑتی ہے انکے لئے انگوٹھی بنوانا سنت ہے۔ مہر نما انگوٹھی بنوالیں۔ انکے علاوہ اور لوگوں کیلئے بھی جائز ہے لیکن ترک کرنا افضل ہے۔ (شامی لبنانی ص ۲۳۱ ج ۵)

اور مرد کے لئے صرف چاندی کی انگوٹھی جائز ہے مذہب احناف میں البتہ عورتوں کے لئے ہر طرح کی انگوٹھی جائز ہے۔ چنانچہ ابن بطال کہتے ہیں کہ انگوٹھی عورت کیلئے دیگر زیورات کی طرح ہے۔ جیسے وہ سب قسم کے جائز ہیں یہ بھی جائز ہے۔ (حاشیہ بخاری ص ۸۷۳ ج ۲)

مہر نبوت

ختم نبوت کی نشانی

مہر نبوت ایک معجزہ اور علامت نبوت کے قبیل سے ہے اس لئے اہتمام کی وجہ سے اس کو علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تھے اس وجہ سے آپ پر اللہ نے ختم نبوت کی مہر چسپاں کی تھی۔

یہ مہر نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی خاص نشانی تھی جس کا ذکر کتب سابقہ اور انبیاء سابقین کی بشارتوں میں تھا۔ علماء بنی اسرائیل اسی علامت کو دیکھ کر پہچان لیتے تھے۔ کہ حضور پرنور وہی نبی آخر الزماں ہیں کہ جن کی انبیاء سابقین نے بشارت دی ہے اور جو علامت (مہر نبوت) بتلائی تھی وہ آپ میں موجود ہے۔ گویا یہ مہر نبوت آپ کی نبوت کے لئے من جانب اللہ خدا تعالیٰ کی مہر اور سند تھی۔ دیکھو مدارج النبوۃ ص ۲۱ ج ۱

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ مہر نبوت حضور کے بائیں شانہ کی ہڈی کے قریب تھی وجہ اس کی یہ ہے کہ جسم انسانی میں شیطان کے داخل ہونے کی یہی جگہ ہے پیچھے ہی سے آکر شیطان دل میں وسوسے ڈالتا ہے اس لئے آپ کے جسم مبارک میں اس جگہ مہر نبوت لگادیگئی۔ تاکہ شیطان کی آمد کا دروازہ بند ہو جائے اور آپ کے قلب منور میں کسی راہ سے شیطان کا کوئی

وسوسہ نہ داخل ہو سکے۔ (خصائص کبریٰ صفحہ ۶۰ جلد۱)

مہر نبوت کہاں تھی؟

سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کی جانب گھوما تو میں نے مہر نبوت دیکھی آپ کے دونوں شانوں کے درمیان۔ (بخاری ص ۵۰۱ جلد ۱، مسلم ص ۲۵۹ ج۲)

مہر نبوت دونوں شانوں یعنی کندھوں کے بیچ میں تھی۔ آپ کی پشت پر البتہ بائیں کندھے کی ہڈی سے زیادہ قریب تھی یعنی بائیں طرف قلب ہوتا ہے پشت پر بالکل قلب کے مقابل تھی۔ عبداللہ بن سرجسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا بھی کھایا۔ آپ کی زیارت بھی کی اور آپ سے دعا کی درخواست کی پھر میں آپ کی پشت کی جانب گھوما تو میں نے مہر نبوت کو دیکھا دونوں مونڈھوں کے درمیان میں بائیں مونڈھے کی نرم ہڈی سے قریب تھی۔ (مسلم ص ۲۶۰ ج۲)

حضرت علیؓ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات بیان کرتے تو یہ بھی بیان فرماتے کہ حضور کے دونوں مونڈھوں کے مابین مہر نبوت تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تھے۔ (شمائل ترمذی)

وفات کے بعد مہر غائب ہوگئی

مہر نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر پیدائش ہی کے وقت سے ہی تھی جیسا کہ فتح الباری میں حضرت عائشہؓ کی حدیث سے نقل کیا ہے اور وفات کے وقت تک مہر نبوت باقی رہی۔ وفات کے بعد باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ آپ کی وفات پر جب بعض صحابہ کو تردد ہوا تو حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے حجرہ میں جا کر آپ کی مہر نبوت کو دیکھا تو وہ غائب ہو چکی تھی۔ اس سے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اعتماد واستدلال کیا تھا۔ (ملخصا خصائل نبوی ص ۲۱)

مہر نبوت کی تحریر

ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ اس پر **محمد رسول اللہ** لکھا ہوا تھا۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس پر یہ جملہ لکھا ہوا تھا۔ **سر فانت المنصور** یعنی تم جہاں جا ہو جاؤ

آپ کی مدد کی جائے گی۔ لیکن محدثین کے یہاں اس (دوسری بات کے) بارے میں صحیح اور پختہ روایت ثابت نہیں ہے۔ (خصائل نبوی ص ۲۱)

مہر مبارک کی شکل وکیفیت

اس کی کیفیت کے بارے میں کئی طرح کی روایات ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جو قرطبیؒ نے کہی ہے کہ مہر نبوت گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ نیز رنگ میں بھی مختلف ہوتی رہتی تھی۔ اس لئے جس صحابی نے جس حالت پر دیکھا بیان کر دیا۔ دوسری بات جو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے کہی ہے کہ ہر شخص چیز کو دیکھ کر اپنے ذہن کے اعتبار سے جس چیز کے ساتھ تشبیہ دینا مناسب سمجھتا ہے اس لئے مختلف کیفیات بیان کر دی گئیں۔ (خصائل نبوی ص ۲۳)

چنانچہ جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ کی مہر نبوت کو دوشانوں کے درمیان دیکھا تو رنگ میں سرخ رسولی جیسی تھی اور مقدار میں کبوتری کے انڈے جیسی شکل۔ (شمائل ترمذی مسلم ص ۲۵۰)

حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے کہ میں نے دونوں مونڈھوں کے مابین مہر نبوت دیکھی جو چھپر کھٹ (مسہری) کی گھنڈیوں جیسی تھی۔ (بخاری شریف ص ۳۱۔۵۰۱)

پہلے دلہن اور دلہا کی پہلی رات کے لئے ایک پلنگ مزین کیا کرتے تھے جس کو کپڑے سے ڈھانپ کر ایک مکان کی شکل کا بنایا جاتا ہے۔ اور پھر چھت والے پردے میں کبوتری کے انڈے کے برابر اسی کی گھنڈیاں لٹکائی جاتی تھیں۔ خوبصورتی کے لئے حدیث میں وہی گھنڈیاں مراد ہیں۔ دونوں روایتیں اس پر تو موافق ہیں کہ اس کی مقدار اور بناوٹ کبوتری کے انڈے جیسی تھی اس لئے کہ گھنڈی بھی کبوتری کے انڈے ہی کی مثل ہوتی ہے۔ (فیض الباری)

اور اس کے چاروں طرف تل بھی تھے جو مسوں کے مانند تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سرجسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مہر نبوت کو دیکھا جو (مقدار میں) مٹھی کے مانند تھی اور اس کے چاروں طرف تل تھے جو مسوں کی طرح لگتے تھے۔

مسلم ص (۲۶ ج ۲) اور مہر نبوت کے چاروں طرف بال بھی تھے۔ چنانچہ علماء بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو حضرت عمر بن اخطب انصاریؓ نے یہ قصہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو کمر ملنے کے لئے ارشاد فرمایا میں نے کمر ملنی شروع کی تو اتفاقاً میری انگلی مہر نبوت پر لگ گئی تو علماء نے پوچھا کہ مہر نبوت کیا تھی۔ تو حضرت عمر بن اخطبؓ نے جواب دیا کہ بالوں کا مجموعہ تھا۔ (شمائل چونکہ ان کا ہاتھ بالوں پر لگا تھا اس لئے بیان کر دیا کہ بالوں کا مجموعہ تھا۔

میان ہر دو شانہ پشت پر مہر نبوت تھی
کبوتر کے جو انڈے کی طرح تھی سرخ رنگت تھی

باب ۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد والدین، چچا، پھوپھیاں ازواجِ مطہرات و دیگر متعلقین وغیرہ

اس باب کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور چچا و پھوپھیوں وغیرہ اعزاء کے حالات سیرت رحمۃ اللعالمین سے اور دیگر متعلقین غلام باندیاں اور قاصدین وغیرہ آخر تک کا سارا مواد سیرت الرسول (حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے ماخوذ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب

نام و پیدائش اور القاب

ان کا نام عامر اور لقب شیبہ ہے۔ شیبہ کا ترجمہ زال یا بوڑھا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ لقب صرف تفاول کے لئے تھا کہ عمر دراز پائی اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ جب پیدا ہوئے تو اس وقت ان کے سر کی چوٹی میں چند بال سفید موجود تھے۔

جب ان کے والد ''ہاشم'' کا انتقال ہوا یہ اپنے ننھیال (یثرب) میں تھے۔ ان کے چچا مطلب ان کو یثرب سے جا کر لے آیا اور بیٹوں سے بڑھ کر ناز و نعم سے ان کی پرورش و تربیت کی۔ اس احسان مندی کی قبولیت و اظہار میں یہ بھی تمام عمر ''عبدالمطلب'' مطلب کا غلام کہلاتے رہے۔ اصلی نام اور لقب پر یہ آخری لقب اس قدر غالب آ گیا تھا کہ عبدالمطلب ہی اصلی نام سمجھا جاتا ہے۔ اُن کو شیبۃ الحمد اور فیاض اور معظم طیر السما بھی کہا کرتے تھے نیز سید قریش اور شریف قریش کے نام سے عام طور پر ملک میں نامزد تھے۔ قریش میں سے بھی کوئی شخص ان کے اس خطاب کا منکر نہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) ان ہی نے تجویز کیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت تا آٹھ سال کا شرف بھی ان ہی کو حاصل ہوا۔ ان ہی کی سرداری کے عہد میں واقعہ فیل کا ظہور ہوا تھا۔

فضائل واخلاق

عبدالمطلب کی عام نصیحت یہ ہوتی تھی ''ظلم و بغاوت نہ کرو اور مکارم الاخلاق حاصل کرو''۔ عبدالمطلب کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ چاہ زم زم جسے عمرو بن حرث جرہمی نے بند کر دیا تھا اور لمبا زمانہ گذرنے سے کسی کو یاد بھی نہ رہا تھا کہ یہ کنواں کہاں تھا۔ عبدالمطلب ہی نے نکالا۔ کہتے ہیں کہ عبدالمطلب تین شب متواتر یہ خواب دیکھتے رہے کہ کنواں نکالو' پھر خواب ہی میں ان کو چاہ زم زم کی جگہ بھی دکھائی گئی۔ عبدالمطلب اور ان کے فرزند اکبر ''حارث'' نے اس کی جگہ کو کھودا۔ تین دن کی کھدائی کے بعد ان کو بنو جرہم کی مدفونہ اشیاء ملنے لگیں۔ تلواریں زرہیں ہرن کے سینگ وغیرہ۔ قریش کے لوگ اب تک تو عبدالمطلب کے فعل کو لغو ہی سمجھتے تھے۔ لیکن مدفونہ اشیاء کی برآمدگی نے ان کو بھی یاد کرا دیا اور تب وہ درخواست کرنے لگے کہ اس شرف میں ان کو بھی شامل کر لیا جائے مگر عبدالمطلب نے کسی کو اپنے ساتھ شامل کرنا پسند نہ کیا۔

یہ چشمہ جس سے اب لاکھوں زوار اور صادر و وارد سیراب ہو رہے ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے لئے ظاہر فرمایا تھا۔ عبدالمطلب کی بھی یادگار ہے۔

آل واولاد

اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب کو کثیر الاولاد کیا تھا۔ حضرت عبدالمطلب کی چھ بیویاں تھیں جن میں سے آپ کے اکیس بچے پیدا ہوئے آپ کی ایک اہلیہ صفیہ بنت جیند بن جحیر بن زباب بن سواۃ بن عامر بن صعصعہ از نسل نضر ہیں جن سے صرف ایک بیٹا ہوا جس کا نام حارث رکھا گیا۔

دوسری اہلیہ فاطمہ بنت عمرو بن عایذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ ہیں جن کے بطن سے چار بیٹے زبیر' ابوطالب' عبدالکعبہ' عبداللہ اور چھ بیٹیاں ام حکیم' بیضاء' امیمہ' اروی' برہ اور عاتکہ ہوئیں۔

آپ کی تیسری اہلیہ لبنیٰ بنت ہاجر (از بطن خزاعہ) ہیں جن سے ابولہب ہوا۔

چوتھی اہلیہ ہالہ بنت وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب ہے جس سے چار بیٹے ہوئے۔ مقوم، حجل، مغیرہ اور حمزہ۔

حضرت عبدالمطلب کی پانچویں اہلیہ تنیلہ بنت خباب بن کلیب (از نسل ربیعہ بن نزار) ہیں جن کے بطن سے تین بیٹے ہوئے ضرار، قثم اور حضرت عباس۔

چھٹی بیوی منعمہ بنت عمرو بن مالک (از بطن خزاعہ) ہیں جن سے دو بیٹے تھے غیداق اور مصعب۔

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمطلب ۱۵ بیٹوں اور ۶ بیٹیوں کا والد تھا۔ مگر بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ غیداق وہی ہے جس کا نام حجل ہے اور عبدالکعبہ وہی ہے جس کا نام مقوم ہے اور قثم کوئی بھی نہ تھا اندریں صورت عبدالمطلب کے نرینہ فرزندوں کی تعداد بارہ ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا گیارہ ہوئے۔ زیادہ صحیح یہی ہے کہ عبدالمطلب کے بیٹے ۱۲ تھے۔ ان میں سے ہم کو دس کے حالات ملے ہیں اور سات کے حالات کا اسلامی تاریخ سے بھی تعلق ہے۔ آٹھویں ضرار، قریش کے قابل فخر جوانوں میں سے تھے اور جود و جمال میں مشہور، آغاز بعثت ہی میں انتقال کیا اولاد نہ تھی۔

۹۔ مقوم اولاد صلبی تھی۔ مگر نسل جاری نہ ہوئی۔ ہند بنت المقوم کے پسر عبدالرحمٰن بن ابی عمرو کا ذکر علامہ ذہبی نے کیا ہے۔

۱۰۔ حجل کے فرزند قسرہ کے اشعار طبعات الکبیر میں موجود ہیں جس میں اس نے اپنے بارہ چچوں کے نام شمار کئے ہیں۔ غیداق، قثم۔ عبدالکعبہ کے حالات سے کتب تواریخ خاموش ہیں۔ ممکن ہے کہ مقوم ہی کا نام عبدالکعبہ ہو۔

وفات

عبدالمطلب نے ۸۲ سال کی عمر پائی ان کا سال ولادت ۴۹۷ء اور سال وفات ۵۷۹ء اندازہ کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ

باپ کی منت

باپ کے لاڈلے فرزند تھے۔ عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ اسے دس رضائے عطا فرمائے گا تو وہ ایک کو تقرب الٰہی کے لئے ذبح کرے گا۔

جب عبدالمطلب کے گھر دس فرزند پیدا ہو چکے۔ تب انہوں نے اپنی منت کو پورا کرنے کا ارادہ کیا۔ قرعہ ڈالا گیا تو عبداللہ کے نام کا قرعہ نکلا۔ عبداللہ نے باپ کی خوشنودی اور رضائے الٰہی کے لئے قربان ہونا منظور کرلیا۔ لیکن ابوطالب نے اپنے برادر شفیق کے لئے مزاحمت کی اور اشعار ذیل میں اپنا مدعا باپ سے بیان کیا۔

کلاورب البیت ذی الانصاب   ما ذبح عبدالله بالتلعاب
یا شیب ان الریح ذوعقاب   ان لنا جره فی الخطاب
احوال صدق کا سودا الغاب

حضرت عبداللہ کے ننھیال بھی اس مزاحمت میں شریک ہو گئے۔

مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم نے کہا۔

یا عجباً من فعل عبدالمطلب   و ذبحه' ابناً کتمثال الذهب
کلاً و بیت الله مستور الحجب   ما ذبح عبدالله فینا باللعب

آخر فیصلہ ہوا کہ ایک مشہور کاہنہ جو کہہ دے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ کاہنہ نے کہا کہ قرعہ اونٹوں پر ڈالنا چاہئے اور عبداللہ کو چھوڑ کر اونٹوں کا قرعہ نکلے۔ اتنے اونٹ قربانی کر دینے چاہئیں۔

قرعہ کا آغاز دس اونٹوں سے کیا گیا۔ پھر بیس، تیس، چالیس، پچاس، ساٹھ، ستر، اسی، نوے تک بڑھاتے گئے۔ ہر دفعہ عبداللہ کا نام نکلا۔ لیکن جب اونٹوں کی تعداد ایک سو کر دی گئی تب قرعہ اونٹوں کا نکل آیا۔ اور عبدالمطلب نے بیٹے کے فدیہ اور اپنی منت کے بدلے میں سو اونٹ قربان کر دیئے۔

حضرت عبدالمطلب کا جذبۂ اخلاص وایثار

اس میں شک نہیں کہ انسانی قربانی ایک وحشیانہ رسم ہے۔ لیکن یہ رسم اس زمانہ تک ہر ایک ملک میں پائی جاتی تھی۔ اور ہند، یونان، مصر و ایران، چین وافریقہ کے ممالک میں برابر جاری تھی۔

عبدالمطلب کے اس فعل میں اگر کوئی ندرت ہے تو یہ ہے کہ اس نے یہ منت خالص خدائے تعالیٰ کے لئے مانی تھی۔ کسی دیوتا یا بت کے لئے نہیں جیسا کہ اس رسم کے پابند لوگ کلیتاً غیر اللہ ہی کے لئے کیا کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ سردار عبدالمطلب کے دل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کا شوق پیدا ہوا ہو اور اس شوق میں مامور و غیر مامور کے فرق کو نہ سمجھ کر انہوں نے یہ باور کر لیا ہو کہ ہر ایک باپ کو قربانی فرزند کا حق حاصل ہے۔

اللہ عز وجل نے احسان فرمایا کہ عبدالمطلب کو بھی ایفائے نذر سے سرخرو کیا اور عبداللہ کو بھی بچایا۔

انسان کی قدر افزائی

اس واقعہ سے پیشتر عرب میں انسانی دیت (خون بہا) کے لئے دس اونٹ مقرر تھے لیکن اس واقعہ کے بعد دیت کی مقدار عام طور پر سو اونٹ ہوگئی۔ گویا عبدالمطلب کے خلوص اور سردار عبداللہ کی اطاعت پدری کا یہ نتیجہ نکلا کہ سارے ملک میں انسان کی قدر و قیمت بڑھ گئی اور یہ ظاہر ہے کہ دیت کی مقدار میں دہ چند ترقی ہو جانے سے واردات قتل کے شمار میں ضرور نمایاں کمی ہوگئی ہوگی اور اس طرح یہ واقعہ تمام ملک اور بنی نوع انسان کے لئے یمن و

برکت کا موجب بن گیا۔

بیشک جس گرامی سردار کے فرزند کو رحمۃ للعالمین بننا تھا اس کے آبائے کرام کا بھی بنی نوع انسان کے لئے ایسا ہی محسن ہونا ضروری تھا۔

حضرت عبداللہ کی پاکدامنی

سردار عبداللہ کی عفت نفس کا ایک واقعہ ابو نعیم وخرائطی وابن عسا کر نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کیا ہے کہ فاطمہ بنت مر الخثعمیہ نے ان سے اظہار محبت کیا اور اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے سو اونٹوں کا عطیہ بھی ان کو دینا چاہا۔ لیکن انہوں نے اس درخواست کے جواب میں یہ قطعہ پڑھ کر سنایا۔

اما الحرام فالممات دونه والحل لاحل فاستبينه،
فكيف الى الا الذى تبغينه يحمى الكريم عرضه و دينه،

نکاح، تجارت اور وفات

سردار عبداللہ کا نکاح سیدہ آمنہ سے ہوا تھا۔ اس نکاح کے بعد وہ ملک شام کو تجارت کے لئے چلے گئے تھے اور واپسی کے وقت مدینے میں اس لئے ٹھہرے تھے کہ اپنے باپ کے حکم کے موافق وہاں سے کھجوروں کا سودا کریں۔ وہیں بیمار ہوئے اور عالم آخرت کو سدھار گئے۔

پیدائش سے پہلے معجزہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے اسماء پر نظر کرو۔ اس زمانہ کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہوئے ہر ایک مؤرخ تعجب کرے گا کہ ایسے پاک نام کیوں کر رکھے گئے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ بھی ارہاص نبوت تھا جس بچے کو باپ کے خون سے عبودیت الٰہی اور ماں کے دودھ سے امن عامہ کی گھٹی ملی ہو۔ کچھ تعجب نہ کرنا چاہئے کہ وہ محمود الافعال حمید الصفات ہوا اور تمام دنیا کی زبان سے محمد کہلائے صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

سردار عبداللہ کا انتقال ۲۵ سال کی عمر میں ہوا تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی شکم مادر ہی میں تھے۔

حضرۃ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ہیں۔ ان کے والد بنو زہرہ کے سردار۔ قریش میں نہایت محترم تھے۔ سیدہ آمنہ نے اپنے چچا وہیب کی حضانت میں پرورش پائی تھی۔ وہیب بھی اپنے بھائی کی طرح قوم کا سید اور مطاع تھا۔

سلسلۂ نسب یہ ہے

سیدہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب اور والدہ کی طرف سے یوں ہے۔
سیدہ آمنہ بنت برہ بنت قیلہ بنت جمل بنت فاطمہ

سیدہ کا لال

سیدہ آمنہ نکاح کے پہلے ہی ہفتہ میں امانت دار نور نبوی (محمدی) بن گئی تھیں۔ ان کا بیان ہے کہ مجھے بوڑھی عورتوں نے کہا کہ حمل کے دنوں میں کچھ لوہا گردن میں لٹکا لو اور کچھ بازوؤں پر باندھ لو۔ میں نے ایسا ہی کر لیا مگر چند روز کے بعد دیکھا کہ وہ لوہے کی چیزیں کہیں گر پڑی تھیں۔ پھر میں نے کچھ بھی نہ باندھا۔

سیدہ آمنہ کو خواب میں بتایا گیا تھا کہ پیٹ کے بچے کا نام احمد رکھنا۔ چنانچہ ماں نے

آنحضرت صلی کا نام احمد رکھا اور دادا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجویز کیا۔ پس محمد و احمد دونوں مبارک نام حضورؐ کے ذاتی نام ہیں۔

اس خواب کے بعد ہی سیدہ آمنہ کو یقین ہو گیا تھا کہ ان کا مولود نہایت مبارک و مسعود ہو گا۔ چنانچہ جب حلیمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں لینے سے اس لئے تامل کیا کہ حضور یتیم بچے ہیں تو سیدہ نے فرمایا تھا:۔

اے دایہ! اس بچے سے مطمئن رہو اس کی بڑی شان ہونے والی ہے۔

حضورؐ حضرت حلیمہ کے ہاں

حلیمہ بچے کو لے کر چلیں تو سیدہ آمنہ نے یہ اشعار کہے۔

اعیذ بالله ذی الجلال   من شر ما مر علی الجبال

حتی اراہ حامل الحلال   ویفعل العرف الی الموالی

و غیر هم من حشوة الرجال

دو سال کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ چھڑایا گیا تو مائی حلیمہ حضورؐ کو مکہ میں لائیں۔ اس وقت مکہ میں وبائی بیماری تھی۔ دانش مند والدہ نے حضور کو پھر واپس بھیج دیا۔

حضرت سیدہ کے ہاں واپسی اور یثرب روانگی

پانچ سال کی عمر کے بعد مائی حلیمہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھر واپس لائیں۔ اس وقت ماں نے اس آنکھوں کے نور کو جس نے تمام دنیا کے سامنے نور حق روشن فرمایا۔ اپنے پاس رکھ لیا اور پھر ان کو ساتھ لے کر یثرب گئیں۔ ننھیال کے ملنے کا بہانہ تھا اور غالباً بے وطن متوفی شوہر کی مٹی دیکھنے کا شوق دل میں پیدا ہوا تھا۔

وہاں ایک مہینہ تک دار النابغہ میں قیام کیا۔ اس سفر میں دو اونٹ سواری کے لئے اور ام ایمن لونڈی بھی ساتھ تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ۴۷ سال کے بعد مدینہ میں ہجرت فرما کر تشریف لے گئے تو بچپن کی سب باتوں کو یاد کر کے ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ یہاں ایک لڑکی انیسہ ہوتی تھی جو ہمارے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔ اور اس گھر میں میرے والد کی قبر اس

جگہ بنائی ہوئی تھی اور بنو عدی بن النجار کے تالاب میں میں خوب تیرنا سیکھ گیا تھا۔ اس قلعہ کے اوپر پرندہ آ بیٹھا کرتا تھا بچے اسے اڑایا کرتے تھے اس گھر میں میری ماں یہاں بیٹھا کرتی تھی۔

واپسی اور وفات

سیدہ آمنہؓ ایک ماہ قیام یثرب کے بعد مکہ کو واپس ہوئیں تو مقام ابواء پہنچ کر ان کا انتقال ہو گیا۔ غالباً پیارے شوہر کی مفارقت کا وہ اندوہ جو قبر کے دیکھنے سے بڑھ گیا اور قلب پر چھا گیا تھا۔ اپنا کام کر گیا۔ اور یہ پیکر محبت پھر زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکی۔ اور اللہ تعالیٰ کی وہ حکمت کاملہ پوری ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی تربیت میں پدر و مادر (ہر دو) کے بار منت سے سبکدوش رہے۔

شوہر کی وفات پر سیدہ کے اشعار

سیدہ آمنہ کے اشعار اپنے شوہر کی وفات پر درج ذیل ہیں:۔

عفا جانب البطحاء من ابن هاشم	وجاور لحد اخارجا فی الغماغم
دعته المنايا دعوة فاجابها	وماتركت فی الناس مثل ابن هاشم
عشية راحوا يحملون سريره'	تعاوره' اصحابه فی التراحم
فان یک غالته المسايا وريها	فقد كان معطاءً كثير التراحم

ترجمہ:۔ ہاشم کا ایک فرزند بطحا کی جانب جا کر چھپ گیا وہ لحد میں بہادروں کی بانگ وخروش کے ساتھ جا سویا۔ موت نے اسے پکارا اور وہ چلا گیا۔ افسوس کہ موت نے اس کا نظیر بھی دنیا میں کوئی نہ چھوڑا۔ اس کے دوست شام کے وقت اس کی لاش اٹھالے چلے اور از راہ محبت وہ نوبت بہ نوبت کاندھا بدلتے اور اس کے اوصاف باری باری بیان کرتے تھے۔ خواہ موت نے اسے ہم سے دور ہی کر دیا مگر اس میں تو شک نہیں کہ وہ بہت زیادہ سخی اور غریبوں کا بہت زیادہ ہمدرد تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حارث، ابوجہل قثم، زبیر، حمزہ، عباس، ابوطالب، عبدالکعبہ، حجل، غیداق، ابولہب گیارہ چچا تھے اور صفیہ، عاتکہ، اروے، ام حکیم، برہ، امیمہ چھ پھوپھیاں تھیں۔ ان تمام سے صرف حضرت حمزہ اور حضرت عباسؓ اور صفیہ تین مشرف با اسلام ہوئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور پھوپھیوں کی درج بالا تفصیل امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وسلم کی کتاب سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لی گئی ہے۔ آئندہ صفحات میں جو مفصل حالات ہیں وہ سیرت رحمۃ للعالمین سے ماخوذ ہیں۔

۱: حارث بن عبدالمطلب

عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے ہیں۔ ان ہی کے نام پر عبدالمطلب کی کنیت ابو الحارث تھی۔ یہ اپنے والد کی حیات ہی میں مر گئے تھے۔ مگر ان کے چار فرزند نوفل و عبداللہ، ربیعہ و ابوسفیان مغیرہ جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ مسلمان ہوئے۔ ہر ایک کا مختصر حال درج کیا جاتا ہے۔

(الف) نوفل بن حارث

جنگ بدر میں کفار کی جانب تھے، پھر جنگ خندق یا فتح مکہ میں مسلمان ہوئے۔ جنگ حنین

میں تین ہزار نیزے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لشکر اسلام کی مدد کے لئے پیش کئے تھے۔ اس وقت یہ ہاشمی مسلمانوں میں سب سے زیادہ عمر کے تھے۔۲۵ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔

ان کے تینوں فرزند مغیرہ' عبداللہ' حارث بھی صحابی ہیں۔

مغیرہ بن نوفل حضرت عثمانؓ کے عہد میں قاضی مدینہ تھے۔ ابن ملجم شقی نے جب سیدنا علیؓ کو زخمی کیا تو خود بھاگ چلا تھا۔ مغیرہ ہی نے اسے گرفتار کیا تھا اور سیدہ امامہ بنت زینب بنت رسول کا نکاح بھی بعد انتقال حضرت علیؓ ان ہی کے ساتھ حسب وصیت مرتضویؓ ہوا تھا۔ جن سے یحییٰ بن مغیرہ پیدا ہوئے تھے۔

عبداللہ بن نوفل کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاکم کوفہ کیا تھا' ان کا چہرہ کسی قدر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتا تھا۔

حارث بن نوفل کو عمر فاروقؓ نے حاکم مکہ کر دیا تھا۔ آخر میں یہ بصرہ جا رہے تھے۔ یزید کے بعد اہل بصرہ ان کو امیر بنانا چاہتے تھے۔۶۳ھ میں انتقال ہوا۔ ان کا فرزند عبداللہ المعروف بَبَّہ بھی صحابی ہے۔

(ب) عبداللہ بن حارث

حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں انتقال فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خطاب ''سعید'' سے مشرف فرمایا تھا۔

(ج) ربیعہ بن حارث

ابواروے کنیت تھی۔ ان ہی کا نام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے خطبہ میں لیا تھا اور فرمایا تھا۔ وان اول دم اضعه' دم ابن ربیعة بن الحارث " پہلا مطالبہ خون کا جسے میں ملیامیٹ کرتا ہوں وہ ربیعہ بن الحارث کا مطالبہ ہے''۔ اس کی شرح یہ ہے کہ ربیعہ کا ایک فرزند شیر خوار دشمنوں نے مار ڈالا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلے جھگڑوں کا خاتمہ کرنے کے لئے اس مطالبہ کو ملیامیٹ کر دیا اور اس کا خون بہانہ دلایا۔ ان کا انتقال ۲۳ھ میں ہوا۔

ان کے دو فرزند عبدالمطلب اور مطلب بھی صحابی ہیں۔

عبدالمطلب نے دمشق میں بعہد حکومت یزید وفات پائی۔

مطلب حیات نبویؐ میں بالغ نہ ہوئے تھے۔

(ذ) ابوسفیان مغیرہ بن الحارث

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر رضاعی بھی ہیں کیونکہ انہوں نے بھی حلیمہ السعدیہ کا دودھ پیا تھا۔ عرب کے مشہور شعراء وصحابہ میں سے ہیں۔

ابتدائے اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے مخالف بنے رہے مگر فتح مکہ سے چند یوم پیشتر جذبہ توفیق ربانی سے خدمت اقدس میں حاضر ہوگئے۔

جنگ حنین میں جو صحابہ ثابت قدم رہے تھے ان میں ابوسفیان کو بھی امتیاز حاصل ہے۔ یہ تو رکاب نبویؐ سے علیحدہ ہی نہیں ہوئے تھے۔

وفات حسرت آیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اشعار میں اکثر دردِ دل کا اظہار کیا کرتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان سے بہت محبت تھی۔ ایک حدیث میں ہے۔

ابو سفیان بن الحارث من شباب اهل الجنة

ابوسفیان بہشتی جوانوں میں سے ہے۔

یا سید فتیان اهل الجنة یا بہادران بہشتی کا سردار ہے۔

ایک حدیث میں ہے

ابو سفیان خیر اهلی ابوسفیان میرے اہل میں اچھا ہے۔

یا من خیر اهلی یا میرے اچھے اہل میں سے ہے۔

علماء کا قول ہے کہ کل الصید فی جوف الفراء کی مثل بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان میں فرمائی تھی۔ ۲۰ھ میں وفات پائی۔

ان کے فرزند عبداللہ اور جعفر دونوں صحابی ہیں۔ جعفر بن ابوسفیان غزوہ حنین میں بھی شامل تھے اور عہد سلطنت امیر معاویہؓ میں وفات پائی۔

۲: ابوطالب

ان کا اصلی نام عبد مناف ہے۔ مگر کنیت نام پر غالب آ گئی تھی۔

ان کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کمال محبت تھی اور تادم زیست (۱۰ نبوت) یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناصر وفدائی رہے۔

ان کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔اور باستثناء طالب صحابی ہیں۔طالب باپ کے بعد اور قبل از ایمان مر گیا تھا۔اس کی جائے وفات کا بھی پتہ نہیں لگا۔

(الف) عقیل بن ابی طالب

طالب سے دس برس چھوٹے اور جعفر سے دس برس بڑے تھے۔جنگ بدر میں دشمنوں کی جانب تھے اور اسیر ہوئے تھے۔صلح حدیبیہ سے پیشتر اسلام لائے اور غزوۂ موتہ میں شریک ہوئے۔

عقیل واقعات اور انساب عرب کے بڑے واقف تھے۔اس علم میں ان کو امتیاز خاص حاصل تھا ابو یزید کنیت تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا۔

یا ابایزید انی احبک حبین حباً لقرابتک و حباً لما کنت اعلم من حب عمی ایاک

اے ابو یزید! میں تم سے دو گونہ محبت رکھتا ہوں۔ایک تو محبت قرابت۔دوم اس لئے کہ مجھے علم ہے کہ میرے چچا کو تم سے محبت تھی۔

ان کا انتقال سلطنت امیر معاویہ میں ہوا تھا۔مسلم بن عقیل جو امام حسین رضی اللہ عنہ کے نائب ہو کر کوفہ گئے تھے اور بروز جمعرات ۳ ذی الحجہ ۵۹ھ کو شہید ہوئے ان ہی کے فرزند ہیں۔عقیل کے دو فرزند محمد و عبدالرحمٰن ایک پوتا عبداللہ بن مسلم بھی کربلا میں شہید ہوئے تھے۔

(ب) جعفر (طیار) بن ابو طالبؓ

علی مرتضیٰؓ کے حقیقی بھائی ان سے دس سال بڑے قدیم الاسلام تھے۔اول ہجرت حبشہ کی اور وہاں جملہ مہاجرین حبشہ کے سردار رہے۔اس ملک میں ان کے ہاتھ پر خوب اشاعت اسلام ہوئی۔انہوں نے بادشاہ حبشہ کے دربار میں اسلام پر فرمائی تھی ۷ھ میں حبش سے مدینہ تشریف لائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ خیبر کو تشریف لے گئے تھے۔ حضرت جعفر بھی خیبر ہی میں جاملے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نہیں کہہ سکتا کہ

مجھے خیبر کی خوشی زیادہ ہے یا جعفر کی۔

۸ھ میں جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔تلوار اور نیزے کے نوے سے زیادہ زخم ان کے سامنے کی جانب موجود تھے۔دونوں بازو جڑ سے کٹ گئے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی منقبت میں فرمایا۔

اشبھت خلقی و خلقی

جعفر تم صورت اور سیرت میں مجھ سے مشابہت رکھتے ہو۔

عمر مبارک بہ وقت شہادت ۴۱ سال کی تھی۔ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ مسکین کے حق میں جعفر طیار سب سے بہتر ہے۔وہ اہل صفہ کی خبر رکھا کرتے تھے اور انہیں کھلایا کرتے تھے جو کچھ بھی ان کے گھر میں ہوتا۔کبھی کبھی وہ ہمارے پاس عکہ ہی لے آتے جس میں اور کچھ نہ ہوتا ہم اس میں سے علق کر جاتے۔ان کے چار فرزند تھے۔

(ا) عبداللہ یہ پہلے مولود ہیں جو مسلمانوں کے گھر حبش میں پیدا ہوئے۔کثرت سخاوکرم سے ان کا لقب بحرالجود تھا۔عبادت گزار بھی حد درجہ کے تھے۔۸۰ھ میں بہ عمر ۹۰ سال مدینہ منورہ میں وفات پائی۔علی مرتضیٰؓ کی دختر سیدہ زینب کبریٰ ان ہی کے گھر میں تھیں۔عدی بن عبداللہ بن جعفر کربلا میں شہید ہوئے۔ابن نہشل تیمی نے ان کو شہید کیا تھا۔

(ب) عون بن جعفر۔(ج) محمد بن جعفر یہ دونوں تُستر میں شہید ہوئے۔

(ج) سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس امام ہادیٔ انام ابوالائمۃ العظام کے محاسن وفضائل کے لئے دفتر درکار ہیں۔

حضرت ابن عباس اور سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب ہے کہ خدیجۃ الکبریٰ کے بعد سب سے پہلے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایمان لائے تھے۔اس وقت عمر مبارک ۸ سال کی تھی۔

حضور کے شاندار کارنامے شب ہجرت' بدر' احد' خندق' صلح حدیبیہ' خیبر و حنین کے واقعات میں نہایت مشہور ہیں۔شجاعت اور فصل قضایا میں بین الاماثل ممتاز تھے۔سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے زوج اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے والد بزرگوار تھے۔ابوالحسن کنیت فرماتے تھے اور ابوتراب کنیت پر جو عطیہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

نہایت شادماں ہوتے تھے۔عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد بہ ماہ ذی الحجہ ۳۵ھ خلیفہ ہوئے اور جمعہ کی صبح جمعہ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کو اشقی الناس ابن ملجم کے ہاتھ سے مسجد کوفہ میں زخمی ہو کر واصل بحق ہوئے۔

امام حسنؓ و امام حسینؓ کے علاوہ (دیگر ازواج سے) ان کے سولہ فرزند تھے۔

زخم کہ جس پر شہادت ہوئی، کثیر بن عمرو السکونی نے جو شاہان ایران کا طبیب خاص رہ چکا تھا۔نے بتایا کہ زخم ام دماغ تک پہنچ گیا ہے اور اب صحت محال ہے۔

حضرت علی و جعفر و عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہے جو اسلام لا کر ہجرت سے مشرف ہوئیں۔مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کفن میں اپنا کرتا عطا فرمایا اور جب ان کو لحد میں اتارا گیا تو آنحضرت بھی لحد میں ان کے ساتھ لیٹ گئے، فرمایا:

میں نے قمیص اس لئے دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو حلہ جنت پہنائے اور ساتھ اس لئے لیٹا کہ قبر کی وحشت جاتی رہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں فرمایا کرتے کہ ابو طالب کے بعد ان سے بڑھ کر میرے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا اور کوئی نہ تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ کی اولاد کے متعلق مؤرخین نے چند اقوال نقل کئے ہیں:

۱۔۱۸ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں تھیں۔

۲۔۱۹ بیٹے تھے جن میں سے چھ والد کے سامنے گزر گئے تھے۔باقی ۱۳ میں سے چھ کربلا میں شہید ہوئے تھے۔دنیا میں اس وقت صرف ۵ بیٹوں امام حسنؓ، امام حسینؓ، محمد حنفیہ، عباس، عمر اطراف کی نسل موجود ہے۔

دختران جواری

ام ہانی، میمونہ، زینب الصغریٰ، رملۃ الصغریٰ، فاطمہ، امامہ، خدیجہ، ام الکرام، ام سلمہ، جمانہ، نفیسہ، ام جعفر

عباس بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

میدان کربلا میں علمبردار امام ہمام تھے۔ان کا خطاب سقائے اہل بیت بھی ہے۔۳۴

سال کی عمر میں شہید ہوئے تھے۔

عمر (اطراف) بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

عباس علمبردار کے برادر حقیقی ہیں۔ اختلاف یہ ہے کہ ان میں سے بڑا کون ہے۔ ۷۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔ بعض کا بیان ہے کہ مصعب بن زبیرؓ کی طرف سے مختار ثقفی کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

ابوالقاسم محمد بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کی والدہ خولہ ملقب حنفیہ قبیلہ حنفیہ بن لجیم سے ہیں۔ اس قبیلہ نے عہد صدیقی میں ارتداد کیا تھا۔ یہ جنگ میں اسیر ہو کر آئیں اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملیں۔ محمد بن علی ۲۱/۸ھ خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے اور یکم محرم ۸۱ھ کو انتقال فرمایا۔ ان کے زہد و ریاضت اور زور و قوت کی حکایات بہت سی مشہور ہیں۔ لشکر مرتضیٰ کے علمبردار یہی ہوا کرتے تھے۔ کسی نے ان سے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ تمہارے والد حسن و حسین کو جنگ میں نہیں بھیجتے اور تم کو ہر ایک سخت کام پر مامور کرتے ہیں۔ فرمایا وہ علیؓ کی آنکھیں ہیں اور میں علیؓ کا ہاتھ ہوں۔ شیعہ کے ایک فرقہ کا اعتقاد ہے کہ حضرت علیؓ کے بعد امامت ان کو ملی۔ ایک شاخ کا اعتقاد ہے کہ امام حسین کے بعد امامت ان کو ملی پھر ہر دو کا اتفاق ہے کہ آئندہ امامت ان ہی کی نسل میں جاری ہوئی۔ مختار ثقفی جس نے قاتلان حسین سے سخت انتقام لئے اپنے آپ کو انہی کا مختار بتایا کرتا تھا۔ ابن الحنفیہ کے غلام کا نام کیسان ہے' وہ بھی ایک فرقہ کا امام ہے کیسانیہ کا اعتقاد ہے کہ محمد بن علی مرتضیٰ کوہ رضوی پر رہتے ہیں۔ شیر و پلنگ ان کے پہرہ دار ہیں۔ شہد اور پانی کے چشمے ان کے متصل جوش زن ہیں۔ قرب قیامت میں مہدی کے لقب سے وہی ظہور پذیر ہوں گے۔

ابن الحنفیہ بن علی مرتضیٰ کی اولاد کی تعداد ۲۴ ہے جن میں سے ۱۴ نرینہ فرزند تھے تین سے نسل جاری ہے۔

محمد بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کی والدہ سیدہ امامہ بنت سیدہ زینب بنت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کربلا میں

ایک شخص قبیلہ بنی ابان بن دارم کے تیر سے شہید ہوئے۔

ابوبکر بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود ہیں۔ جنگ کربلا میں شہید ہوئے۔ بعض نے ان کی شہادت میں اختلاف بھی کیا ہے۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دیگر فرزندوں عبداللہ وعون و یحییٰ وعمر (فرزند حبیبہ) کے حالات نہیں ملے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کو علوی بھی کہتے ہیں۔

(د) ام ہانی رضی اللہ عنہا دختر ابی طالب

یہ حضرت علی مرتضیٰ کی حقیقی بہن ہیں۔ ابوطالب کی سب اولاد طالب، عقیل، جعفر، علی، ہند، جمانہ ایک ہی والدہ فاطمہ اسدیہ سے ہیں۔

ام ہانی کا نام ہند تھا۔ بعض نے فاختہ بھی لکھا ہے۔ ان کا نکاح ہبیرہ بن ابی وہب بن عمرو بن عایذ بن عمران بن مخزوم سے ہوا تھا۔ ام ہانی کے بطن سے ہانی، عمرو، یوسف اور جعدہ دختر پیدا ہوئے تھے۔ ام ہانی عام الفتح کو اسلام لائی تھیں۔ ہبیرہ نجران کو بھاگ گیا تھا۔ اس کی واپسی از نجران اور قبولیت اسلام کی کوئی روایت نہیں ملی۔ ہبیرہ نے اپنے فرار کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار مکہ میں لکھ کر بھیجے تھے۔

لعمرک ماولیت ظهری محمداً — و اصحابه جبنا ولا خيفة القتل

ولکننی قلبت امری فلم اجد — لسیفی غناء ان ضربت ولانبل

وقفت فلما خفت ضيعة موقفی — رجعت لعود كالهزبر الى الشبل

ترجمہ:۔ سچ سمجھو تو میں نے محمدؐ اور اصحاب محمدؐ کے سامنے سے بوجہ نامردی یا خوف قتل پیٹھ نہیں دی بلکہ میں نے دیکھا کہ میرا کام الٹ گیا اور میری تلوار، میرا نیزہ اب کچھ کام نہیں بنا سکتے۔ پہلے تو میں ٹھہرا لیکن جب دیکھا کہ موقف بھی نکل رہا ہے۔ تب لوٹ کر چلا آیا۔ جیسا کہ شیر اپنے بچوں کی طرف واپس آیا کرتا ہے۔

(ھ) جمانہؓ دختر ابی طالب

اولاد ابی طالب میں جمانہ کا نام ملتا ہے۔ مگر ان کے حالات سے کوئی آگاہی نہیں ملتی۔ ابن اسحاق امام اہل السیر نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیداوار خیبر میں سے تیس وسق خرما جمانہ دختر ابی طالب کے لئے مقرر فرمائے تھے۔

اس فقرہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ خلعت اسلام سے مشرف تھیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ فتح خیبر تک وہ حیات تھیں۔

۳: حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خدمات وشہادت

امیر المؤمنین اور اسد اللہ ورسولہ ان کے خطاب ہیں۔ ۶ھ نبوت میں اسلام لائے اور پھر ہمیشہ ناصر اسلام رہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادر رضاعی بھی تھے۔ یعنی ہر دو نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ ابوعمارہ ابو یعلیٰ کنیت فرمایا کرتے تھے۔ جنگ بدر میں نہایت شجاعت اور مردانگی کے کرشمے دکھائے اور جنگ احد میں دشمنوں کے بڑے بڑے بہادروں کو خاک میں ملا کر وحشی کے ہاتھ سے جس نے پتھر کے پیچھے چھپ کر بزدلانہ حملہ کیا تھا شہید ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سید الشہداء کا خطاب عطا فرمایا۔ ان کی لاش پر کھڑے ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

چچا' خدا تم پر رحم کرے' تم قرابت کا حق خوب ادا کرنیوالے اور بکثرت نیکی کرنیوالے تھے۔

دشمنوں نے ان کا جگر نکالا' کان کاٹے' چہرہ بگاڑا' پیٹ چاک کر ڈالا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لاش کی حالت دیکھ کر اس قدر غمزدہ اور اندوہگین ہوئے تھے کہ اتنا رنج آپ نے کبھی بھی نہ فرمایا تھا۔

اولاد

ان کے دو فرزند تھے۔ عمارہ اور یعلیٰ۔ عمارہ کا فرزند حمزہ ہوا اور یعلیٰ کے پانچ فرزند ہوئے۔ مگر پھر ان کی نسل آگے نہ چلی۔ دو لڑکیاں تھیں۔ ام الفضل اور امامہ۔ ام الفضل دختر حمزہ سے ایک

حدیث عبداللہ بن شداد نے روایت کی ہے' وہ فرماتی ہیں ہمارا ایک آزاد کردہ غلام مر گیا تھا۔ اس کے ایک بیٹی ایک بہن تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کو نصفا نصف ورثہ دلایا تھا۔

امامہ وہی ہے جن کے حق حضانت کی بابت حضرت زید اور جعفر طیار اور علی مرتضیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اپنے اپنے دلائل پیش کیے تھے۔

حضرت زید کہتے تھے حمزہ مواخات میں میرے بھائی تھے۔ اس لئے لڑکی پرورش کے لئے مجھے ملنی چاہیے۔

حضرت علی کہتے تھے لڑکی میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس نے مکہ سے مدینہ تک ہودج فاطمہ ؓ میں سفر کیا ہے۔

حضرت جعفر طیار کہتے تھے کہ لڑکی میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کے حق میں فیصلہ فرمایا تھا۔ یہ واقعہ ۶ ھ کا ہے اور صحاح میں تفصیل سے مذکور ہے۔ امامہ کا نکاح ام المؤمنین ام سلمہ کے فرزند سلمہ کے ساتھ ہوا تھا۔

۴ - ابولہب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے توحید کی وجہ سے عداوت رکھتا تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بازاروں میں وعظ فرمایا کرتے تھے ابولہب قریب ہی کھڑے ہو کر چلایا کرتا لوگو! اس کی نہ سنو' دیوانہ ہے۔

ہلاکت

ابولہب جنگ بدر سے ۸ دن بعد طاعون سے ہلاک ہوا۔ تین دن تک اس کا جثہ سڑتا رہا۔ لیکن جب سڑاندھ سے سارا محلہ تکلیف پانے لگا تب اس کے اقارب نے اس کی لاش کو لمبی لمبی لاٹھیوں سے چارپائی سے نیچے گرا دیا اور دیوار کے اوپر چڑھ کر اتنے پتھر اس ناپاک جثہ پر پھینکے کہ وہ پتھروں کے ڈھیر میں چھپ گیا۔ الناس والحجارۃ دونوں کا لقمہ ایک ہی وقت میں نار کو مل گیا۔

اولاد

اس کے چار بیٹے تھے دو بہ حالت کفر بری طرح تباہ ہوئے اور دو عقبہ اور معقب عام الفتح کو مسلمان ہو کر جنگ حنین میں ہمرکاب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوئے۔ اس جنگ میں معقب کی ایک آنکھ بھی جاتی رہی تھی۔ دونوں بھائی مکہ ہی میں رہے۔

درہ بنت ابی لہب بھی مسلمان ہوئی یہ حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کے نکاح میں آئی۔ عتبہ اور ولید اور ابومسلم درہ ہی کے بطن سے ہیں۔ درہ نے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

انه سئل ای الناس خیر فقال اتقاهم الله و امرهم بالمعروف و انهاهم عن المنکر و اوصلهم لرحمه

لوگوں میں بہتر کون ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں فرمایا وہ جسے خدا کا تقویٰ زیادہ ہو۔ جو لوگوں کو نیک کاموں کا حکم کرتا برے کاموں سے روکتا اور قرابت مندوں سے سلوک کرتا ہے۔

یہ حدیث بھی درہ بنت ابی لہب سے مروی ہے۔

لایؤذی حی بمیت

کسی مردہ کے افعال کے بدلے کسی زندہ کو اذیت نہیں دی جاسکتی۔

۵: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خصائل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دو سال آگے تھے۔ ان کی والدہ کا نام نتیلہ بنت خباب تھا۔ یہ پہلی عربی خاتون تھیں جنہوں نے بیت الحرام کو حریر اور دیباج کا لباس پہنایا۔

حضرت عباس جاہلیت میں بھی رئیس قریش تھے۔ عمارۃ المسجد الحرام اور سقایہ ان ہی سے متعلق تھی۔ سقایہ کے معنی تو مشہور ہی ہیں (پیاؤ لگوانا) مگر عمارت سے مطلب یہ ہے کہ بیت الحرام کے اندر کسی شخص کو گالی گفتار نہ ہونے دیتے تھے اور کوئی شخص خانہ کعبہ کے اندر

بیہودہ بات زبان پر نہ لا سکتا تھا۔

جنگ بدر میں قید ہونا

جنگ بدر میں یہ قریش کی جانب تھے اور پکڑے گئے تھے۔ان کی مشک بندی زور سے کر دی گئی تھی جس کی تکلیف سے وہ ہائے پکار کرتے تھے۔

یہ آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک تک آتی تھی اور آپ ادھر سے ادھر کروٹیں بدلتے تھے۔کسی نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آرام کیوں نہیں فرماتے۔فرمایا عباس کے کراہنے سے مجھے نیند نہیں آتی۔تھوڑی دیر ہو چکی تو یہ آواز حضور نے نہ سنی۔فرمایا عباس کا کیا حال ہے۔اس نے عرض کیا کہ میں نے ان کی مشک بندی کھول دی ہے فرمایا جاؤ سب اسیروں کے ساتھ یہی برتاؤ کرو۔

اسلام

حجاج بن علاط کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عباس قدیم الاسلام تھے۔لیکن انہوں نے اپنا اسلام چھپا رکھا تھا اور حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔کفار کی خبریں حضور تک پہنچایا کرتے اور غریب مسلمانان مکہ کی امداد فرمایا کرتے۔ اظہار اسلام کے بعد حنین طائف اور تبوک کے غزواۃ میں شامل ہوئے۔

اظہار اسلام سے پیشتر بیعت عقبہ ثانیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں حاضر تھے۔ بدر میں عقیل اور نوفل برادر زادوں اور حارث برادر خود کا فدیہ انہوں نے خود ادا کیا تھا۔جنگ حنین میں حضرت عباس برابر رکاب نبویؐ سے چمٹے رہے۔

فضائل ومناقب

اسلام کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی نہایت حرمت وعزت فرمایا کرتے اور ارشاد فرماتے ھذا عمی و صنو ابی (یہ میرے چچا ہیں اور میرے باپ کے برابر ہیں)۔

حضرت عباس جواد و مطعم' اہل قرابت سے سلوک کرنے والے صاحب رائے وتدبیر اور صاحب دعائے مستجاب تھے۔

وفات

انہوں نے ۱۲ رجب (یا رمضان) ۳۲ھ میں بعمر ۸۸ سال وفات پائی حضرت عثمان غنیؓ نے نماز جنازہ ادا کی اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے۔

اولاد

ان کے فرزند یہ ہیں۔

فضل، عبداللہ، عبیداللہ، معبد، قثم، عبدالرحمٰن (ام حبیب دختر) یہ سب توام الفضل کے بطن سے ہیں اور عون بن عباس ایک دوسری ماں سے اور تمام وکثیر ایک اور ماں سے حارث ایک اور ماں سے ہیں۔

۱- فضل بن عباس سب سے بڑے ہیں۔ باپ کی کنیت ابوالفضل اور ان کی ماں (لبابۃ الصغریٰ) کی کنیت ام الفضل انہی کے نام پر ہے۔ یہ غزوہ حنین میں شریک اور حجۃ الوداع میں حاضر ہوئے اور غسل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شامل تھے اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر پانی ڈالتے تھے۔

خلافت صدیقی ۱۳ھ یا فاروقی ۱۸ھ میں شہید ہوئے۔ ایک لڑکی ام کلثوم باقی چھوڑی۔ اس کا نکاح اول امام حسنؓ کے ساتھ پھر ابوموسیٰ شعری کے ساتھ ہوا تھا۔ عبداللہ بن عباسؓ اور ابوہریرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

۲: عبداللہ بن عباس حضرت عباس کے فرزندوں میں سب سے زیادہ مشہور، حبر امت اور ربی امت کے لقب سے ملقب ہیں۔ ۶۸ھ میں ستر سال کی عمر میں طائف میں وفات پائی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ **اللھم علمہ الحکمۃ و تاویل القراٰن** ایک حدیث میں دوسرے الفاظ دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ہیں: **اللھم بارک فیہ و انشر منہ واجعلہ من عبادک الصالحین**

مسروق کہتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر میں کہتا تھا کہ سب سے زیادہ حسین ہیں۔ گفتگو سن کر یقین ہوتا تھا کہ یہ سب سے زیادہ فصیح ہیں اور ان کی روایات سن کر معلوم

ہوتا تھا کہ یہ سب سے بڑھ کر عالم ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو حاکم بصرہ مقرر کیا تھا۔ جنگ جمل وصفین و نہروان میں یہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی خدمت میں مع اپنے فرزندان حسن وحسین اور محمد کے حاضر رہے تھے۔ آخر عمر میں ان کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ اس پر ان کے اشعار ہیں۔

ان یا خذاللہ من عینی نور ھما   ففی لسانی و قلبی منھما نور

قلبی ذکی و عقلی غیر ذی دخل   و فی فمی صارم کالسیف ماثور

علوم شعر وانساب اور ایام عرب اور وقائع عرب اور علم حدیث وفقہ وتفسیر میں امام تھے۔ خلفاء عباسیہ انہی کی اولاد ہیں ابن عباس نے ڈیڑھ ہزار سے کچھ زائد احادیث کی روایت کی ہے۔ خلفائے بغداد جن کی حکومت ۱۳۲ھ سے ۶۵۰ھ تک رہی انہی کی نسل سے تھے۔ بہاولپور کے عباسی نواب اسی شاخ عالی سے ہیں۔

۳: عبیداللہ بن عباس' یہ اپنے بھائی عبداللہ سے ایک سال چھوٹے تھے۔ علی مرتضیٰ نے ان کو اپنے عہد خلافت میں حاکم یمن بنایا تھا اور ۳۶ھ و ۳۷ھ میں یعنی دو سال تک حضرت علی مرتضیٰ کے حکم سے امیر الحاج بھی بنے رہے۔ ۵۸ھ میں وفات پائی۔ اجود الناس مشہور تھے۔

۴: معبد عہد نبوی میں پیدا ہوئے اور ۳۵ھ میں بعہد خلافت عثمان غنی ملک افریقہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے ان سے کوئی حدیث مروی نہیں۔

۵: قثم بن عباس' عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ میں' عبیداللہ اور قثم کھیل رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے۔

مجھے آگے اور قثم کو اپنے پیچھے سوار کر لیا اور ہمارے لئے دعا بھی فرمائی۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنے عہد خلافت میں حاکم مکہ کر دیا تھا اور شہادت مرتضوی تک یہ اسی جگہ مامور رہے۔ قثم سعید بن عثمان غنی کے ساتھ سمرقند کے جہاد کو گئے تھے۔ وہیں شہید ہوئے۔

ایک شاعر ان کی مدح میں لکھتا ہے

کم صارخ بک مکروب و صارخۃ   یدعوک یا قثم الخیرات یاقثم

بہت سے مصیبت زدہ مرد اور عورتیں قثم بخی قثم کو پکارا کرتے ہیں۔

سب سے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی الگ ہوئے تھے۔یعنی لحد مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لٹانے کے بعد سب سے آخر میں یہی باہر نکلے تھے۔

۶: کثیرؓ وفات نبوی سے چند ماہ پیشتر ۱۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔فقیہ ذکی وفاضل تھے ان کی ماں رومیہ (یورپین) تھیں۔

۷: تمامؓ کثیر کے مادر زاد بھائی اولاد عباس میں سب سے چھوٹے ہیں۔ بڑے بہادر حملہ آور تھے۔حضرت علیؓ کی جانب سے حاکم مدینہ بھی رہے۔ان کی اولاد باقی ہے۔

۸: عبدالرحمٰن عہد نبوی میں پیدا ہوئے اور اپنے بھائی معبد کے ساتھ افریقہ میں شہید ہوئے۔

۹: ام حبیبؓ دختر عباسؓ کا نکاح اسود بن سفیان عبدالاسد مخزومی سے ہوا تھا۔سفیان ام المومنین ام سلمہؓ کا حقیقی برادر ہے۔

۶: زبیر بن عبدالمطلب

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۳۴ سال کے تھے جب ان کا انتقال ہوا۔حلف الفضول کے قیام میں انہوں نے بہت سعی کی تھی۔اس سے ان کی نیکی اور رحم دلی کا حال معلوم ہوتا ہے۔زبیر شاعر فصیح البیان تھے۔اپنے والد کے وصی تھے ان کا ایک فرزند عبداللہ اور دو لڑکیاں صباعہ اور ام حکیم صحابی ہیں۔

عبداللہ ابن زبیرؓ

جنگ اجنادین میں جو بعہد خلافت صدیقی ہوا۔شہید ہوئے تھے۔ان کی لاش کے گرد دشمنوں کی لاشوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔جس سے واضح تھا کہ کیسی شجاعت کے بعد انہوں نے جان بجاں آفریں دی تھی۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو (ابن عمی و حبی) میرے چچا کا بیٹا اور میرا پیارا فرمایا کرتے تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی پھوپھیاں

۱: ام حکیم بیضا بنت عبد المطلب

حضرت عبداللہ وابوطالب وزبیر کی حقیقی بہن ہیں۔

ان کا نکاح کزیر بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن مناف سے ہوا تھا۔ ان کے فرزند کا نام عامر تھا۔ جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے ان کا بیٹا عبداللہ بن عامر بھی صحابی ہے جسے حضرت عثمان غنیؓ نے والی خراسان بنایا تھا۔ ام حکیم کی دختر اروی ہیں جو عثمان ذوالنورین کی والدہ ہیں۔

۲: امیمہ بنت عبد المطلب

ان کا نکاح جحش بن رباب سے ہوا تھا۔ ام المومنین زینب اور ام حبیبہ اور حمنہ دختر ان اور عبداللہ بن جحش ان کے پسر ہیں۔

ام حبیبہ عبدالرحمٰن بن عوف کی اہلیہ ہیں۔

حمنہ کا پہلا نکاح مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسرا نکاح حضرت طلحہ بن عبداللہ سے ہوا۔ اس نکاح سے محمد اور عمران دو فرزند ہوئے جو اپنی ماں سے روایت کرتے ہیں۔

عبداللہ بن جحش یوم احد کو شہید ہوئے اور اپنے ماموں حمزہ کے ساتھ مدفون ہوئے۔

۳: عاتکہ بنت عبدالمطلب

انہوں نے جنگ بدر سے چند یوم پہلے ایک خواب دیکھا تھا۔ کافروں نے یہ خواب سنا تو خوب ہنسی اڑائی کہ اب تو ہاشم کی لڑکیاں بھی نبوت کرنے لگیں۔ لیکن نتیجہ وہی نکلا جیسا کہ خواب میں ان کو دکھایا گیا تھا۔ خواب یہ تھا کہ ایک سوار ہے۔ اس نے کوہ بوقبیس سے ایک پتھر اٹھایا ہے اور رکن کعبہ پر کھینچ مارا ہے۔ اس پتھر کے ذرہ ذرہ ریزے ہو گئے۔ ہر ایک ریزہ قریش کے ہر ایک گھر میں جا پہنچا۔ البتہ بنوزہرہ بچے رہے۔ عاتکہ بمعنی طاہرہ ہے۔

۴: حضرت صفیہ عمۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی بہن ہیں۔

ان کا پہلا نکاح حارث بن حرب بن امیہ سے ہوا تھا۔ وہ مر گیا تو نکاح ثانی عوام بن خویلد بن اسد سے ہوا۔ عوام حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے برادر حقیقی تھے۔ اس نکاح سے حضرت زبیر پیدا ہوئے جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں یعنی حضرت زبیر حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پھپھیرے بھائی ہیں۔

سائب بن العوام بھی ان کے فرزند ہیں۔ جو غزوات بدر و خندق میں اور جنگ یمامہ میں نبرد آزما ہوئے تھے۔ صفیہ حضرت حمزہ کی حقیقی بہن ہیں انہوں نے جنگ خندق میں ایک یہودی کو قتل بھی کیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مال غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا تھا۔

انہوں نے اپنی قوت ایمانیہ کے کمال کا ثبوت جنگ احد میں دیا تھا۔ حمزہؓ جیسے بھائی کو خاک وخون میں دیکھا۔ ان کی لاش کو بے حرمت شدہ پایا۔ پھر بھی نہ روئیں۔ نہ چلائیں بلکہ دعا کر کے چلی آئیں۔

۵: برہ عمۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ان کا نکاح عبدالاسد بلال بن عبداللہ بن عمرو بن خزوم القرشی سے ہوا تھا ابوسلمہ عبداللہ

ان ہی کے فرزند ہیں۔ جوام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر اول ہیں۔ ابو سلمہ کا شمار اسلام میں داخل ہونے والوں میں گیارہواں ہے۔ ابو سلمہ کا حال ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے احوال میں ہے۔

۶: اروی عمۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کی حقیقی بہن ہیں۔ ابن سعد اور ابن القیم نے ان کے اسلام کی تصدیق کی ہے اور واقدی نے روایت کیا ہے کہ جب ان کے فرزند طلیب نے ماں کو اپنے اسلام کی خبر سنائی تو اروی خاتون نے کہا:

تیرے لئے تیرے ماموں کا بیٹا سب سے بڑھ کر خدمت اور مدد کا حق دار ہے۔ بخدا اگر ہم عورتوں کو مردوں جیسی طاقت ہوتی تو ہم اس کا بچاؤ کیا کرتیں اور اس کے دشمنوں کا جواب دیا کرتیں۔

اروی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر مندرجہ ذیل اشعار کہے تھے۔

الا یا رسول اللہ کنت رجائنا — و کنت بنا برا ولم تک جافیا

کان علیٰ قلبی لذکر محمد — و ماجمعت من النبی المحاویا

اروی کا نکاح عمیر بن وہیب بن عبد بن قصی سے ہوا تھا۔ ان کے فرزند طلیب قدیم الاسلام تھے۔ ان کا شمار مہاجرین اول میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اول ہجرت حبشہ کی اور پھر ہجرت مدینہ۔ بعض کے نزدیک طلیب پہلے شخص تھے جنہوں نے راہ خدا میں خون بہایا۔ بعض کے نزدیک سعد بن ابی وقاص ہیں۔ جنگ بدر میں حاضر ہوئے واقعہ اجنادین میں شہید ہوئے اولاد نہیں چھوڑی۔

نبی آخر الزماں ﷺ کے غلام

زید ابن الحارثہ اور ان کے بیٹے اسامہ اور ثوبان اور ابو کبشہ اور یہ جنگ بدر میں موجود تھے اور جس روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے وفات پائی اور انیسہ اور شقران ایک روایت یہ ہے کہ شقران کو اپنے والد ماجد سے وراثت میں پایا تھا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ شقران کو عبدالرحمٰن بن عوف سے خریدا تھا اور رباح اور یسار اور ان کو قبیلہ عرینیہ کے بعض باغیوں نے قتل کر دیا تھا اور ابو رافع ان کو حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش فرمایا تھا۔ انہوں نے جس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی۔ آنحضرتؐ نے ان کو آزاد فرمادیا اور اپنی باندی سلمہ سے ان کا عقد فرمایا ان سے عبداللہ نامی فرزند تولد ہوئے جو حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ کے محرر تھے۔

ابو مویہبہ اور فضالہ' فضالہ کا شام میں انتقال ہوا اور رافع ان تمام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد فرمادیا۔ اور مدعم جن کو افاعہ جذامی نے پیشکش فرمایا تھا۔ یہ وادی القریٰ میں شہید ہوئے اور کرکرہ ان کو ہوزہ بن علی یمانی نے پیشکش فرمایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی آزاد فرمادیا۔ اور زید جد ہلال بن یسار' اور عبیدہ اور طہمان اور بالور قبطی جن کو شاہ مقوقس نے ہدیۃً دیا تھا اور واقد یا ابوالواقد اور ہشام اور ابوضمیر جو مال فئی میں سے تھے۔ غزوۂ حنین میں ان کو آزاد کر دیا اور عسیب احمر اور عبید اور سفینہ یہ پہلے ام سلمہ کے غلام تھے۔ انہوں نے ان کو آزاد کر دیا اور یہ شرط لگائی کہ جب تک زندہ رہیں انہوں نے ان کو آزاد کر دیا اور یہ شرط لگائی کہ جب تک زندہ رہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر یہ شرط نہ بھی کی جاتی تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مفارقت اختیار نہ کر سکتا تھا۔

ابو ہند اور انجشہ جو اونٹوں پر حدی کہتے تھے۔ اور ابو امامہ یہ کل ستائیس نفر ہیں، بعض اہل سیر نے اس سے زیادہ تعداد بتلائی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باندیاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سترہ باندیاں تھیں۔ سلمیٰ ام رافع رضوی امیمہ ام ضمیر اور ماریہ، شیریں، ام ایمن، جس کا نام برکہ تھا۔ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی تھی۔ اور چھ عورتیں بنی قریضہ کی اور میمونہ بنت سعد، خضرہ، خویلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ خادم، انس بن مالک اور حارثہ کی دو لڑکیاں ہند اور اسماء اور ربیعہ بن کعب سلمیٰ اور عبداللہ بن حو، عقبہ بن عامر اور بلال اور سعد اور ذوالخمر یا ذومخبر جو کہ نجاشی کے بھتیجے یا بھانجے تھے اور بکیر بن شداخ لیثی اور ابوذر غفاری تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہبانی کرنیوالے

غزوہ بدر میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہبانی فرمائی اور غزوۂ احد میں ذکوان بن عبد قیس اور محمد بن مسلمہ انصاری نے اور غزوۂ خندق میں حضرت زبیر نے اور غزوۂ وادی القریٰ میں عبادہ بن بشیر اور سعد بن ابی وقاص اور ابی ایوب اور حضرت بلال نے اور جب کہ آیت واللہ یعصمک من الناس نازل ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سے نگہبانی اٹھا دی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد

عمر ابن امیہ کو نجاشی کے پاس بھیجا (نجاشی ملک حبشہ کے بادشاہ کا لقب ہے) جس کا نام اصحمہ تھا جس کے معنی عربی میں عطیہ اور بخشش کے ہیں۔ جس وقت نامۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نجاشی کے پاس پہنچا نامۂ اقدس دونوں آنکھوں پر رکھا اور تعظیماً تخت سے نیچے اتر گیا

اور زمین پر بیٹھ گیا اور اسلام لے آیا۔ ۹ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی انتقال ہوا۔ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔

فائدہ

یہ غائبانہ نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی امت کے لئے جائز نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

اور دحیہ کلبی کو شاہ روم کے پاس جس کا نام ہرقل تھا۔ بھیجا۔ اس نے دلائل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تسلیم کر لی اور اسلام لانا چاہا لیکن قوم راضی نہ ہوئی۔ یہ اس خوف سے کہ اگر قوم کی خلاف مرضی اسلام لے آیا تو سلطنت جاتی رہے گی۔ اسلام نہ لایا۔ اور عبداللہ بن حذافہ کو کسریٰ شاہ فارس کے پاس بھیجا۔ اس بے ادب نے نامۂ مبارک کو پارہ پارہ کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بادشاہت کو پارہ پارہ کر دے گا۔ چنانچہ بہت جلد ہی مار ڈالا گیا۔

اور حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس کے پاس (مقوقس مصر اور اسکندریہ کے بادشاہ کا لقب ہے) مقوقس نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ماریہ قبطیہ اور شیریں کنیز پیش کیں اور ایک خچر سفید دلدل نامی ہدیہ بھیجا' اور ایک روایت ہے کہ ہزار دینار اور بیس کپڑے بھی ہدیہ بھیجے۔

اور عمرو بن العاص کو جیفر اور عبداللہ پسران جلندی عمان کے بادشاہوں کے پاس دونوں نے اسلام قبول کیا اور عمرو کو رعایا سے زکوٰۃ لینے اور ان کے معاملات فیصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی چنانچہ عمرو آنحضرت کی وفات تک وہیں مقیم رہے۔

اور سلیط بن عمرو کو ہودہ بن علی حاکم یمامہ کے پاس' اس نے حضرت کی تعظیم کی اور خدمت اقدس میں پیغام دیا کہ جس طرف آپ مجھ کو بلا رہے ہیں مبارک چیز ہے لیکن میں اپنی قوم کا خطیب و شاعر ہوں اس لئے مجھ کو امر خلافت میں تصرفات عنایت کئے جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا اور یہ بھی مسلمان نہ ہوا۔

اور شجاع ابن وہب کو شاہ بلقا حارث غسانی کی جانب روانہ فرمایا۔ (بلقا شام کے علاقوں

میں سے ایک شہر کا نام ہے) حارث نے نامۂ مبارک کی کچھ عظمت نہ کی۔ اور کہا کہ مع لشکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب روانہ ہوتا ہوں۔ شاہ روم نے اس کو اس حرکت سے باز رکھا۔ اور مہاجر بن امیہ کو یمن میں حارث حمیری کی جانب روانہ فرمایا اور علاء بن حضرمی بحرین کے بادشاہ منذر بن ساوہ کی جانب یہ مسلمان ہو گیا اور ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو یمن کی جانب روانہ فرمایا۔ وہاں کے بادشاہ اور رعایا بغیر جنگ و جدل کے مسلمان ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محررین

چار خلیفہ رضی اللہ عنہم اور عامر بن فہرہ اور عبداللہ بن ارقم اور ابی کعب اور ثابت بن قیس بن شماس اور خالد بن سعید اور حنظلہ بن قا ور زید بن ثابت اور معاویہ اور شرجیل بن حسنہ یہ تیرہ محرر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص اصحاب

وہ اصحاب جو کہ زیادہ عنایت سے مخصوص تھے وہ چاروں خلفائے راشدین حضرت حمزہ اور حضرت جعفر اور حضرت ابوذر اور حضرت مقداد اور حضرت ...... اور حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمار اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم اجمعین تھے۔

اسمائے عشرۂ مبشرہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس میں دس صحابہ کے متعلق یہ خبر دی تھی کہ وہ جنتی ہیں اس کے علاوہ بعض صحابہ کے لئے بھی یہ بشارت مذکور ہے مگر وہ اس مجلس میں نہ تھے۔ اس لئے وہ اس شمار میں نہیں۔ چاروں خلفاء اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت زبیر ابن عوام اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور ابو عبیدہ ابن الجراح اور سعید بن زید۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواریاں اور مویشی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں دس گھوڑے تھے۔ اس عدد میں اختلاف بھی ہے۔ سکب جس پر غزوۂ احد میں سوار تھے۔

اس کا رنگ کمیت تھا لیکن پیشانی اور تین پاؤں سفید تھے اور ایک داہنا پاؤں ہم رنگ جسم تھا۔ اس کی فربہی مناسب جسم کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر گھوڑ دوڑ فرمائی اور بازی لے گئے اور مسرور ہوئے۔ مرتجز یہ وہی گھوڑا ہے کہ خزیمہ بن ثابت نے جس کے لئے گواہی دی تھی۔ لزاز یہ یہ مقوقس کے ہدایہ میں سے تھا۔ لحیف یہ ربیعہ نے ہدیہ پیش کیا تھا ضریس، ملاوح، سبحہ، جو یمن کے تاجروں سے خریدا تھا اور تین مرتبہ اس پر دوڑ فرمائی اور دست اقدس اس کے چہرے پر پھیرا اور ماانت الا بحر ارشاد فرمایا اور بحر قدماء تیز رو گھوڑے کو کہتے ہیں۔

اور تین خچر دلدل نامی جو مقوقس کے ہدایہ میں سے تھا اور یہ پہلا خچر ہے کہ اسلام میں اس پر سواری ہوئی۔ فضہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیش فرمایا تھا۔ ایلیہ شاہ ایلہ نے پیش کیا تھا۔

اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار میں ایک دراز گوش بھی تھا جس کا نام یعفور تھا اور گائے بھینس کا ہونا سرکار والا میں ثابت نہیں ہے۔

اور بیس اونٹنیاں شیر دار موضع غابہ میں جو مدینہ طیبہ کے قریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھیں اور ایک دودھ والی اونٹنی سعد بن عبادہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی تھی۔ جو بنی عقیل کے مواشی میں سے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قصویٰ نامی اونٹنی بھی تھی اور اسی پر ہجرت فرمائی تھی جس وقت وحی نازل ہوتی تھی سوائے قصویٰ کے کوئی چیز ان کا وزن برداشت نہیں کر سکتی تھی اور قصویٰ کو عضاراور جدعاء کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک اعرابی کے اونٹ کے ساتھ دوڑ ہوگئی۔ اور اعرابی کا اونٹ بازی لے گیا یہ بات مسلمانوں پر شاق گزری حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (بمقتضائے حکمت) یہ لازم کر دیا ہے کہ دنیا میں جس چیز کو غالب کیا جاتا ہے۔ اس کو کسی نہ کسی وقت مغلوب بھی کیا جاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو بکرے بکریاں بھی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہتھیار اور آلات

سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نو تلواریں تھیں ان میں سے ایک کا نام ذوالفقار تھا جو غزوۂ بدر میں بنی الحجاج کے مال غنیمت سے دستیاب ہوئی تھی۔

ایک مرتبہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ اس تلوار کے دونوں جانب کچھ دندانے پڑ گئے۔ آپ نے یہ تعبیر لی کہ مسلمانوں کو ایک گونہ ہزیمت پیش آئے گی۔ چنانچہ غزوۂ احد میں اس کی تعبیر واقع ہوئی۔

اور تین تلواریں قلعی اور بتار اور حتف بنی قینقاع (ایک یہودی قبیلہ) سے مال غنیمت میں دستیاب ہوئی تھیں اور دو تلواریں مخذم اور رسوب تھیں اور ایک تلوار جو والد ماجد سے میراث میں پائی تھی اور تلوار مسمی بہ عضب جو سعد بن عبادہ نے پیش فرمائی تھی اور ایک تلوار قضیب تھی یہ سب سے پہلی تلوار ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حمائل فرمائی اور ذات اقدس کے قبضہ میں چار نیزے تھے۔ جن میں سے ایک کا نام مثنیٰ تھا اور بقیہ تین نیزے بنی قینقاع سے غنیمت میں دستیاب ہوئے تھے اور ایک چھوٹا نیزہ تھا جو عیدین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (بغرض سترہ) کھڑا کیا جاتا تھا اور ایک لاٹھی سرکج (یعنی مڑی ہوئی موٹھ) کی ایک ہاتھ لمبی تھی اور ایک نیم عصا تھا جس کو عرجون کہا جاتا تھا۔ اور ایک پتلی چھڑی جس کا نام ممشوق لیا جاتا تھا اور چار کمان اور ایک ترکش تھا اور ایک ڈھال تھی صحاری اور ایک کرتا سحولی اور ایک جبہ یمنی اور چادر منقش اور تین چار کوفیہ یعنی چھوٹی پست ٹوپیاں اور ایک لحاف ورس کا رنگا ہوا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چمڑے کی تھیلی تھی جس میں آئینہ اور ہاتھی دانت کا کنگھا اور سرمہ دانی اور قینچی اور مسواک رکھا کرتے تھے اور بچھونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چمڑے کا تھا جس میں درخت کھجور کا گودا بھرا ہوا تھا۔

اور ایک پیالہ تھا جس میں تین پترے چاندی کے لگے ہوئے تھے اور ایک پیالہ پتھر کا تھا اور ایک برتن کانسی کا تھا جس میں مہندی اور وسمہ بناتے تھے اور اس کو سر اقدس پر رکھ لیتے تھے جس سے مہدی اور وسمہ جلد رنگ چھوڑ دیتے تھے اور کانچ کا پیالہ بھی تھا اور برتن کانسی کا غسل کے لئے تھا اور ایک بادیا بھی تھا اور ایک پیانہ بھی تھا (اور ایک برتن) چوتھائی صاع کا جس سے صدقۂ فطر ناپ کر دیا کرتے تھے۔ اور انگوٹھی چاندی جس کا نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا اور جس پر محمد رسول اللہ کندہ تھا موجود تھی اور ایک روایت ہے کہ انگوٹھی لوہے کی تھی اور نگینہ چاندی سے جوڑا گیا تھا۔ جس پر کرگس کی تصویر بنی ہوئی تھی اور بطور ہدیہ آئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اس پر رکھ دیا وہ تصویر غائب ہوگئی۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نعل اور قبیعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلواروں کا چاندی کا تھا اور نعل اور قبیعہ کے درمیان بھی چند حلقے چاندی کے تھے۔ قبیعہ وہ چیز ہے جو قبضۂ تلوار کے قریب چاندی وغیرہ سے بنائی جاتی ہے اور اسی طرح نعل وہ چیز ہے جو تلوار کی باریک جانب میں چاندی وغیرہ سے بناتے ہیں۔

اور دو زرہیں جو بنی قینقاع کے ہتھیاروں سے دستیاب ہوئی تھیں ایک کا نام سعدیہ اور دوسری کی فضہ تھا اور ایک زرہ جو غزوۂ حنین میں پہنی تھی اس کا نام ذات الفضول تھا۔

اور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک زرہ حضرت داؤد علیہ السلام کی (جو انہوں نے جالوت کے قتل کے وقت پہنی تھی) بھی موجود تھی۔ اور ایک خود تھا جس کا نام ذوالسبوغ لیا جاتا تھا اور ایک پٹکا چمڑے کا تھا جس میں تین کڑے چاندی کے پڑے ہوئے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کا رنگ سفید تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ حسب ذیل اشیاء چھوڑیں۔

دو عدد جبرہ (جبرہ یعنی چادر کو کہتے ہیں) اور تہبند یمنی اور دو کپڑے اور نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دو موزے سادہ پیش کش کئے تھے۔ حضورؐ ان کو استعمال فرماتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سیاہ کمبل تھا اور ایک عمامہ تھا جس کا نام سحاب لیا جاتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس استعمالی کپڑوں کے علاوہ دو اور کپڑے بھی تھے جو نماز جمعہ میں استعمال فرماتے تھے اور ایک رومال تھا جس سے بعد وضو روئے انور پونچھتے تھے۔

اَزواجِ مُطہّرات

رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین

حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور اولاد مبارک کے بارے میں تمام تر تفصیلات ''سیرۃ المصطفےٰ''صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہیں۔

فضائل ومناقب

ازواج مطہرات' مومنین کی مائیں ہیں

ارشاد الٰہی ہے۔

النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم وازواجهٔ امهاتهم

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نبی کو اہل ایمان کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ تعلق اور لگاؤ ہے اور پیغمبر کی بیویاں مومنین کی محترم مائیں ہیں۔

مومن کا وجود ایمانی اور اس کی حیات روحانی پیغمبر کے تعلق اور اتصال سے ہے اس لئے پیغمبر مومنین کے حق میں بمنزلۂ روحانی باپ کے ہے۔

(۱) امہات المومنین کا عظیم الشان لقب انہیں ازواج کے ساتھ مخصوص ہے کہ جو آپ کی زوجیت میں رہیں باقی جن عورتوں سے آپ نے نکاح تو فرمایا لیکن عروسی اور مقاربت سے پیشتر ہی ان کو طلاق دیدی ان کے لئے یہ لقب استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

اور اسی وجہ سے کہ ازواج مطہرات۔ مومنین کی محترم مائیں قرار دی گئی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی شخص کا ان سے نکاح کرنا ناجائز اور حرام قرار دیا گیا۔

جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔

وما كان لكم ان تؤذوا رسول الله ولا ان تنكحوا ازواجهٔ من بعدهٖ ابداً ان ذٰلكم كان عندالله عظيماً ان تبدوا شيئاً او تخفوه فان اللّٰه كان بكل شئ عليماً

تمہارے لئے یہ ہرگز روا نہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی ایذاء اور تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ کبھی بھی آپ کے بعد آپ کی بیبیوں سے نکاح کرو البتہ تحقیق اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ اگر تم اس قسم کی کوئی شے ظاہر یا دل میں پوشیدہ رکھو تو جان لو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہر شئے کو خوب جاننے والا ہے۔

ازواج مطہرات کا خصوصی مقام ومرتبہ

یٰنسآء النبی لستن کاحد من النساء ان تقیتن فلا تخضعن با لقول فیطمع الذی فی قلبه مرض و قلن قولاً معروفاً و قرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرجا الجاهلیة الاولیٰ واقمن الصلوٰة واٰتین الزکوٰة و اطعن الله و رسوله انما یرید اللّٰه لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهر کم تطهیراً واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکن من اٰیات اللّٰه والحکمة ان الله کان لطیفاً خبیراً

اے پیغمبر کی عورتو! تم مثل اور عورتوں کے نہیں۔ اگر تم تقویٰ پر قائم رہو۔ پس تمہارے تقویٰ کا مقتضٰی یہ ہے کہ تم بات کرتے وقت نرمی سے کام نہ لینا۔ مبادا کوئی دل کا روگی تمہاری نرمی سے طمع اور لالچ میں پڑ جائے اور کھو بات بات کے طریقے کے مطابق جس میں نہ نرمی ہو اور نہ سختی ہو اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور پہلی جاہلیت کی طرح اپنی زینت کا اظہار نہ کرو اور قائم رکھو نماز کو اور زکوٰۃ دیتی رہو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگی رہو۔

اے پیغمبر کے گھر والو۔ اللہ تعالیٰ صرف یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کر دے اور تم کو خوب اچھی طرح سے پاک صاف کر دے اور جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں ان کو خوب یاد رکھو بیشک اللہ تعالیٰ بھیدوں کا جاننے والا اور خبردار ہے۔

آیت تطہیر دراصل ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی جیسا کہ آیت کا سیاق وسباق اس کے لئے شاہد عدل ہے۔ جس کے لئے نہ کسی تاویل کی حاجت اور نہ کسی توجیہ کی ضرورت اول سے آخر تک خطاب ازواج مطہرات کو ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور امام حسن اور حسین اور حضرۃ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرہ کو بھی اس حکم میں داخل

فرمایااوران کوجمع کر کے یہ دعافرمائی اللھم ھٰؤلاء اھل بیتی اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیراً اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان سے بھی تو گندگی کودورفرمااوران کوپاک کر جس طرح آیۃ لمسجد اسس علی التقویٰ من اول یوم دراصل مسجدقبا کے بارے میں نازل ہوئی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدنبوی کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا کیونکہ وہ بدرجۂ اولیٰ اس کی مستحق ہے۔ اسی طرح آیۂ تطہیر دراصل ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی مگر چونکہ آپ کی آل واولاد بدرجۂ اتم اس کی مستحق تھی۔ اس لئے آپ نے ان کو بھی اس میں شامل فرمایاباقی ازواج تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہیں۔ان کوعبا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں ان آیات کانزول ہی ازواج مطہرات کے بارے میں ہوا آیات میں اول سے آخرت تک تمام خطابات ازواج مطہرات ہی کو ہیں۔ بلکہ اصل مقتضائے لغت یہ ہے کہ ازواج اصالتاً داخل ہوں اور ذریت تبعا کیونکہ اہل بیت کے معنی لغت میں گھروالوں کے ہیں اور گھروالوں کے مفہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے اورلفظ آل اصل میں اہل تھااس لئے اس کااصل مصداق بھی بیوی ہے۔

ازواج مطہرات کی تعداد

آپ کی ازواج مطہرات گیارہ تھیں جن میں سے دو نے آپ کی حیات ہی میں انتقال کیا۔ ایک حضرت خدیجہ دوسری حضرت زینب بنت خزیمہ اورنو بیبیاں حضور کی وفات کے وقت تھیں۔

حضرت ابوسعید حذری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے نہ اپنا نہ اپنی کسی بیٹی کا اس وقت تک نکاح نہیں کیا جب تک جبریل امین اللہ عزوجل کے پاس سے وحی لے کر میرے پاس نہیں آ گئے۔

متعدد نکاح کرنے سے آپ کا مقصد صرف دین کی تعلیم تھا۔ کہ جو مسائل اوراحکام عورتوں سے متعلق ہیں وہ ازواج مطہرات کے توسط سے امت کی عورتوں تک پہنچ جائیں۔ ازواج مطہرات کیا تھیں حقیقت میں مدرسۃ النسوان کی طالبات تھیں مسجد نبوی میں مردوں کوتعلیم دی جاتی تھی اور گھر میں ازواج مطہرات کو کیونکہ یہی ازواج مطہرات آئندہ چل کر امت کی عورتوں کی معلمات بننے والی ہیں۔ ہر بیوی نے اپنی اپنی استعداد کے موافق علم حاصل کیا۔

ام المومنین

۱

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

ام المومنین خدیجہؓ بالاجماع آپ کی پہلی بیوی ہیں اور بالاجماع پہلی مسلمان ہیں کوئی مرد اور کوئی عورت اسلام لانے میں آپ سے مقدم نہیں۔ حضرت خدیجہ قبیلۂ قریش سے تھیں۔ والد کا نام خویلد اور ماں کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔

سلسلۂ نسب قریش تک اس طرح پہنچتا ہے۔ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی۔ قصی پر پہنچ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلۂ نسب مل جاتا ہے۔

لقب

چونکہ حضرت خدیجہ جاہلیت کے رسم ورواج سے پاک تھیں اس لئے بعثت نبوی سے پیشتر وہ طاہرہ کے نام سے مشہور تھیں۔

پہلا نکاح

آپ کا پہلا نکاح ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوا جن سے ہند اور ہالہ دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ہند اور ہالہ دونوں مشرف باسلام ہوئے دونوں صحابی ہیں۔ ہند بن ابی ہالہ نہایت فصیح وبلیغ تھے۔ حلیہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مفصل روایت انہی سے مروی ہے۔

دوسرا نکاح

ابوہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عائذ مخزومی کے نکاح میں آئیں جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی

جس کا نام ہند تھا۔ ہند بھی اسلام لائیں اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ مگر ان سے کوئی روایت منقول نہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد عتیق کا بھی انتقال ہوگیا اور حضرت خدیجہ پھر بیوہ کی بیوہ رہ گئیں۔

دوسری دفعہ کی بیوگی

نفیسہ بنت منیبہ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ بڑی شریف اور مالدار عورت تھیں۔ جب بیوہ ہو گئیں تو قریش کا ہر شریف آدمی ان سے نکاح کا متمنی تھا لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ کا مال تجارت لے کر سفر میں گئے اور عظیم نفع کے ساتھ واپس ہوئے تو حضرت خدیجہ آپ کی طرف راغب ہوئیں اور مجھے آپ کا عندیہ معلوم کرنے کیلئے بھیجا۔

سب کو معلوم ہے کہ نبوت و رسالت کوئی بادشاہی نہیں۔ دنیا کی عیش و عشرت سے اسے ذرہ برابر تعلق نہیں۔ درہم و دینار کی یہ مجال نہیں کہ پیغمبر کے گھر میں کوئی شب گزار سکے۔ الا یہ کہ کسی قرض خواہ کے انتظار میں ایک آدھی شب ٹھہر جائے۔ ہفتے اور مہینے گزر جائیں کہ دن میں چولہا نہ سلگے۔ اور راتیں گزر جائیں کہ گھر میں چراغ روشن نہ ہوا اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ مال و دولت عیش و عشرت زر اور زیور کی محبت عورتوں کی فطرت میں داخل ہے۔

مگر با ایں ہمہ حضرت خدیجہ کا تمام اشراف اور روساء مکہ کو باوجود ان کی تمنا اور آرزو کے چھوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مائل ہونا آپ کی طہارت اور نزاہت کی روشن دلیل ہے اور اسی سے حضرت خدیجہ کے فہم اور فراست کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ پیغمبر کی زوجیت کی خواہش اور تمنا کرنا معمولی عقل کا کام نہیں۔ انتہائی دور بین اور دور اندیش عقل اس تمنا پر آمادہ کر سکتی ہے۔ کیونکہ عقل بتلاتی ہے کہ پیغمبر کی زوجیت میں جانے کے لئے یہ شرط ہے کہ دنیا سے ہاتھ دھوئے اور فقر اور فاقہ کے لحاف اور بچھونے کو کمخواب اور زربفت کے لحاف بچھونے سے زیادہ بہتر سمجھے۔ پیغمبر کی زوجیت کی تمنا فقر و فاقہ کی تمنا ہے اور مصائب و آلام کو دعوت دینا ہے۔

حضرت خدیجہ کا نام طاہرہ رکھا نہیں گیا۔ بلکہ من جانب اللہ لوگوں سے ان کو طاہرہ کہلوایا گیا تھا تاکہ ان کی طہارت و نزاہت مشہور ہو جائے جس طرح کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو امین کہلوایا گیا۔ تاکہ آپ کی امانت اور دیانت مسلم ہو جائے اور کسی کو اس میں کلام کی گنجائش نہ رہے۔ ایسے ہی موقعہ کے لئے کہا گیا ہے کہ زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ چونکہ حضرت خدیجہ اپنے زمانہ کی مریم تھیں اس لئے حضرت مریم کی طرح ان کو بھی و طھرک واصطفاک

علیٰ نسآء العالمین سے خاص حصہ ملا اور طاہرہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔اب ظاہر ہے کہ ایسی طاہرہ اور مطہرہ خاتون کا میلان کسی طاہر اور مطہر ہی کی طرف ہو سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور اس سے بڑھ کر کون سچا ہو سکتا ہے۔ **الطیبات للطیبین و الطیبون للطیبات**

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

حضرت خدیجہ نے یہ سب جان بوجھ کر اور خوب سوچ سمجھ کر اپنی طرف سے پیام کی ابتداء کی۔اور رؤساء مکہ کی آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا۔

آپ نے اپنے شفیق چچا ابو طالب کے مشورہ سے اس پیام کو قبول کیا۔حضرت خدیجہ کے والد خویلد کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کے چچا عمر بن اسد نکاح کے وقت زندہ تھے وہ اس تقریب میں شریک ہوئے۔

تاریخ معین پر ابو طالب معہ اعیان خاندان کے جن میں حمزہ بھی تھے۔حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے اور شادی کی رسم ادا ہوئی۔ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھا اور پانسو درہم مہر مقرر ہوا۔نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال کی اور آنحضرت کی عمر ۲۵ سال تھی۔

مجلس عقد میں ورقہ بن نوفل بھی تھے۔ابو طالب جب خطبۂ نکاح سے فارغ ہوئے تو ورقہ بن نوفل نے مختصر سی تقریر کی جو زرقانی میں مذکور ہے۔

بعض روایات میں مذکور ہے کہ ایجاب وقبول کے بعد حضرت خدیجہ نے ایک گائے ذبح کرائی اور کھانا پکوا کر مہمانوں کو کھلایا۔

حضرت خدیجہؓ کی دانائی وحق پرستی

ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت خدیجہ کے پاس گئے۔حضرت خدیجہ دیکھتے ہی آپ کو لپٹ گئیں اور سینہ سے لگا لیا۔اور کہا

میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔اس فعل سے میری کوئی غرض نہیں مگر یہ کہ مجھ کو یہ امید ہے کہ شاید آپ ہی وہ نبی ہوں جو عنقریب مبعوث ہونے والے ہیں۔پس اگر آپ ہی وہ نبی ہوئے تو بعثت کے بعد میرے حق کو یاد رکھیں اور جو خدا آپ کو نبوت سے سرفراز فرمائے اس سے میرے لئے دعا فرمائیں آپ نے جواب دیا اگر وہ نبی میں ہی ہوا تو جان لے کہ تو نے میرے ساتھ وہ احسان کیا ہے کہ جس کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔اور اگر میرے سوا کوئی اور ہوا تو سمجھ لے کہ جس خدا کے لئے تو یہ عمل کر رہی ہے وہ کبھی تیرے عمل کو ضائع نہ کرے گا۔حضرت خدیجہ بار

بار ورقہ بن نوفل کے پاس جاتیں اور آپ کے متعلق دریافت کرتیں۔ ورقہ یہ جواب دیتے۔
میرا گمان یہ ہے کہ یہ وہی نبی ہیں کہ جن کی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے بشارت دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جبریل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ خدیجہ آپ کے لئے کھانا لئے آ رہی ہیں جب آپ کے پاس آئیں تو ان کے پروردگار کی طرف سے اور پھر میری طرف سے ان کو سلام کہہ دیجئے اور ان کو جنت کے ایک محل کی بشارت دیدیجئے جو ایک ہی موتی کا بنا ہوا ہو گا۔ اور اس محل میں نہ کوئی شور وغل ہوگا اور نہ کسی قسم کی مشقت اور تکلیف ہوگی۔

حضرت خدیجہ نے سن کر یہ جواب دیا۔

تحقیق اللہ تعالیٰ تو خود ہی قدوس اور سلام ہیں۔ یعنی اللہ پر کیا سلام بھیجا جائے۔ البتہ اے جبریل آپ پر سلام ہو اور یا رسول اللہ آپ پر بھی اللہ کا سلام ہو اور اس کی رحمتیں اور برکتیں آپ پر نازل ہوں (کہ جن کے طفیل میں مجھ پر یہ رحمتیں اور برکتیں نازل ہو رہی ہیں۔ ابن سنی کی روایت میں اس قدر اور اضافہ ہے کہ اس پر بھی سلام ہو جو اس کو سن رہا ہو۔ سوائے شیطان کے۔

اولاد

انہیں کے بطن سے آپ کے چار صاحبزادیاں زینب و رقیہ و ام کلثوم و فاطمہ اور دو لڑکے پیدا ہوئے (جن کا مفصل بیان اولاد کے بیان میں آئندہ آئے گا)

اولاد ذکور صغر سنی ہی میں انتقال کر گئی البتہ صاحبزادیاں بڑی ہوئیں اور بیاہی گئیں۔

وفات

جب تک حضرت خدیجہ زندہ رہیں اس وقت تک آپ نے دوسرا عقد نہیں کیا۔ ۱۰ نبوی میں ہجرت سے تین سال پیشتر مکہ میں انتقال کیا اور حجون میں دفن ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود قبر میں اتارا۔ نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی۔ پچیس سال آپ کی زوجیت میں رہیں۔ پینسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

ام المومنین

۲

سیدہ سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: حضرت خدیجہ کے انتقال کے کچھ ہی روز بعد حضرت سودہ آپکے نکاح میں آئیں۔
یہ بھی اشراف قریش میں سے تھیں ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی۔
لوئی بن غالب پر پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلسلۂ نسب مل جاتا ہے والدہ کا نام شموس بنت قیس بن عمرو بن زید انصاریہ ہے۔ انصار میں سے قبیلۂ بنی النجار کی تھیں۔ ابتداء نبوت میں مشرف باسلام ہوئیں۔

حلیہ ومزاج: حضرت سودہ کا قد لانبا اور بدن بھاری تھا۔ مزاج میں ظرافت تھی کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنساتیں۔

پہلا نکاح اور بیوگی

پہلا نکاح ان کے چچازاد بھائی سکران بن عمرو سے ہوا۔ صحابہ نے جب دوسری بار حبشہ کی طرف ہجرت کی تو سودہ اور سکران بھی ان مہاجرین میں تھے۔ جب مکہ واپس ہوئے تو راستہ میں سکران کا انتقال ہوگیا۔ ایک بیٹا عبدالرحمٰن نامی یادگار چھوڑا۔ عبدالرحمٰن مشرف باسلام ہوئے اور جنگ جلولہ میں شہید ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ کے انتقال سے نہایت غمگین اور پریشان تھے۔ ایک دن خولہ بنت حکیم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو خدیجہ کے نہ ہونے سے پریشان دیکھتی ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں بال بچوں کی پرورش

اور گھر کا انتظام سب اسی سے تھا۔ خولہ نے کہا کیا میں آپ کے لئے کہیں پیام نہ دوں۔ آپ نے فرمایا مناسب ہے اور عورتیں ہی اس کام کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔ آپ نے فرمایا کس جگہ پیام دینے کا خیال ہے خولہ نے کہا اگر کنواری سے نکاح کرنا چاہیں تو آپ کے نزدیک تمام مخلوق میں جو سب سے زیادہ محبوب ہے اس کی بیٹی عائشہ سے نکاح فرمائیں اور اگر بیوہ سے چاہیں تو سودہ بنت زمعہ موجود ہے جو آپ پر ایمان لائی اور آپ کا اتباع کیا۔ آپ نے فرمایا دونوں جگہ پیام دیدو۔ خولہ اول سودہ کے پاس گئیں اور کہا مجھ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارا پیام دے کر بھیجا ہے۔ سودہ نے کہا مجھ کو کوئی عذر نہیں مگر میرے باپ سے اس کا تذکرہ کرلو اور جاہلیت کے طریقہ پر ان کو سلام کرنا خولہ کہتی ہیں کہ میں ان کے باپ کے پاس پہنچی اور جاہلیت کے طریقہ پر انعم صباحاً کہا پوچھا کون ہے۔ میں نے کہا خولہ ہوں۔ آپ نے مرحبا کہہ کر دریافت کیا کہ کیسے آنا ہوا۔ میں نے کہا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کا آپ کی بیٹی سے پیام لے کر آئی ہوں۔ آپ نے سن کر کہا ہاں بیشک وہ شریف کفو ہیں۔ لیکن معلوم نہیں کہ سودہ کی کیا رائے ہے۔ میں نے کہا وہ بھی آمادہ ہے۔ چنانچہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور نکاح پڑھا گیا۔

حضرت سودہ کے بھائی عبداللہ بن زمعہ کو جو اس وقت تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے۔ جب انکو اسکا علم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی جب مشرف باسلام ہوئے تو اپنی اس حرکت پر بہت نادم ہوئے اور جب کبھی اس کا خیال آجاتا تو یہ کہتے کہ میں اس روز بڑا ہی نادان تھا کہ جس روز میں نے اپنے سر پر اس وجہ سے خاک ڈالی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری بہن سے نکاح فرمایا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کے لئے ایثار

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سودہ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت سودہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو اپنی زوجیت میں رہنے دیجئے۔ میری تمنا یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ کو آپ کی ازواج میں اٹھائے اور چونکہ میں بوڑھی ہوگئی ہوں اس لئے اپنی باری حضرت عائشہ کو ہبہ کئے دیتی ہوں۔ آپؐ نے اس کو منظور فرمایا۔

وفات: ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عمر کے اخیر زمانہ خلافت میں وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ ۵۴ھ میں وفات پائی۔ واقدی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

ام المومنین ۳

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

نام وکنیت

حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ابوبکر صدیق کی صاحب زادی ہیں۔ والدہ ماجدہ کا نام زینب اور ام رومان کنیت تھی۔ حضرت عائشہ کے خود کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ لیکن اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے نام سے ام عبداللہ اپنی کنیت رکھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح اور رخصتی

ماہ شوال ۱۰ نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔ خولہ بنت حکیم نے آپ کی طرف سے جاکر پیام دیا۔ ابوبکر صدیق نے کہا کہ مطعم بن عدی نے اپنے بیٹے جبیر سے عائشہ کا پیام دیا تھا جس کو میں منظور کر چکا ہوں۔ اور خدا کی قسم ابوبکر نے کبھی کوئی وعدہ خلافی نہیں کی۔

ابوبکر صدیق یہ کہہ کر سیدھے مطعم کے گھر پہنچے اور مطعم سے مخاطب ہو کر کہا کہ نکاح کے متعلق کیا خیال ہے۔ مطعم کی بیوی بھی سامنے تھی مطعم نے بیوی سے مخاطب ہو کر کہا تمہاری کیا رائے ہے۔ مطعم کی بیوی نے ابوبکر سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارے یہاں نکاح کرنے سے مجھ کو قوی اندیشہ ہے کہ کہیں میرا بچہ صابی یعنی بے دین نہ ہو جائے اور اپنا آبائی دین چھوڑ کر تمہارے دین میں نہ داخل ہو جائے۔ ابوبکر صدیق مطعم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے مطعم تم کیا کہتے ہو۔ مطعم نے کہا میری بیوی نے جو کہا وہ آپ نے سن لیا۔ جس عنوان سے مطعم اور اس کی بیوی نے متفقہ طور پر انکار کیا۔ ابوبکر اس کو سمجھ گئے اور یہ محسوس کرلیا کہ

وعدہ کی ذمہ داری اب مجھ پر باقی نہیں رہی۔ابوبکر وہاں سے اٹھ کر گھر آئے اور خولہ سے کہہ دیا کہ مجھ کو منظور ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت چاہیں تشریف لے آئیں۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور نکاح پڑھا گیا۔چار سو درہم مہر مقرر رہوا۔"

ہجرت سے تین سال قبل ماہ شوال ۱۰ نبوی میں نکاح ہوا۔آپ کی عمر اس وقت چھ سال کی تھی۔ہجرت کے سات آٹھ مہینہ بعد شوال ہی کے مہینہ میں رخصتی اور عروسی کی رسم ادا ہوئی۔اس وقت آپ کی عمر نو سال اور کچھ ماہ کی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ سے نکاح کر دیا ہے

عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے اور یہ کہا کہ اللہ عزوجل نے آپ کا نکاح ابوبکر کی بیٹی سے کر دیا اور جبریل کے ساتھ عائشہ کی ایک تصویر بھی تھی جو مجھ کو دکھائی اور کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں۔

حضرت عائشہؓ کا علم

زہری فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عائشہ کے علم کا تمام امہات المومنین اور تمام عورتوں کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو حضرت عائشہ کا علم سب سے بڑھا رہے گا۔

فصاحت و بلاغت کا یہ عالم تھا کہ حضرت معاویہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی خطیب کو حضرت عائشہ سے زیادہ فصیح و بلیغ نہیں دیکھا۔

صدقہ وخیرات

ام درہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن زبیر نے دو بوریوں میں روپے بھر کر حضرت عائشہ کے پاس بھیجا جو تقریباً ایک لاکھ اسی ہزار درہم تھے۔حضرت عائشہ اسی وقت ان کو تقسیم کرنے کے لئے بیٹھ گئیں۔جب شام ہوئی تو ایک درہم بھی باقی نہ تھا۔روزے سے تھیں۔جب شام ہوئی تو خادمہ سے افطاری منگائی خادمہ نے روٹی اور زیتون کا تیل لا کر رکھ دیا۔ام درہ نے کہا اگر آپ ایک درہم کا گوشت منگا لیتیں تو اچھا ہوتا۔عائشہ صدیقہ نے فرمایا اگر یاد دلاتی تو منگا لیتی۔

عروہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ عائشہ صدیقہ ستر ستر ہزار درہم تقسیم کر دیتی تھیں اور کرتی میں پیوند لگا ہوا تھا۔

حضرت جبریلؑ کا سلام عرض کرنا

حضرت عائشہ راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ یہ جبریل ہیں تم کو سلام کہتے ہیں۔ میں نے کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ دیکھتے ہیں اور میں نہیں دیکھتی۔

امت کی عورتوں پر فضیلت

حضرت ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مردوں میں سے بہت لوگ کمال کو پہنچے مگر عورتوں میں سے سوائے مریم بنت عمرانؑ اور آسیہ زوجۂ فرعون کے کوئی عورت کمال کو نہیں پہنچی اور عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسا کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ان دونوں حدیثوں کو امام بخاری نے کتاب المناقب باب فضل عائشہ میں ذکر کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حضرت عائشہ سے محبت رکھتے تھے اگر محض باکرہ ہونے کی وجہ سے محبت ہوتی تو حضرت خدیجہ کو بھول جاتے۔ مگر آپ کا حال یہ تھا کہ ہمیشہ حضرت خدیجہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اور جب کبھی کوئی جانور ذبح فرماتے تو حضرت خدیجہ کی ہمنشیں عورتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کے پاس ہدیۃً گوشت بھیجتے۔ جب تک وہ زندہ رہیں کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا اور حضرت عائشہؓ کے ہوتے ہوئے آپ نے آٹھ نکاح فرمائے اور سب بیواؤں سے۔ معاذ اللہ اگر کوئی نفسانی خواہش ہوتی تو ایک بیوہ سے بھی نکاح نہ فرماتے۔ نیز حضرت ام سلمہ اور حضرت صفیہ حسن و جمال میں حضرت عائشہ سے کہیں بڑھ کر تھیں۔

حضرت عائشہؓ کی خصوصیات

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ چند خصلتیں مجھ کو من جانب اللہ عطا کی گئیں۔ سوائے حضرت مریم کے اور کسی عورت کو نہیں عطا کی گئیں اور خدا کی قسم میں بطور فخر نہیں کہتی یعنی اللہ کی نعمت کو بیان اور ظاہر کرنا مقصود ہے وہ خصلتیں یہ ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے سوا کسی باکرہ سے نکاح نہیں فرمایا۔

(۲) نکاح سے پیشتر فرشتہ میری تصویر لے کرنازل ہوااور آپ کو دکھا کر کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں اللہ کا حکم ہے کہ آپ ان سے نکاح کریں۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ مجھ سے محبت فرماتے تھے۔

(۴) اور جو شخص آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھا میں اس کی بیٹی ہوں۔

(۵) آسمان سے میری برأت میں متعدد آیتیں نازل ہوئیں اور میں طیبہ اور پاکیزہ پیدا کی گئی اور طیب اور پاکیزہ کے پاس ہوں اور اللہ نے مجھ سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا۔

(۶) میں نے جبریل کو دیکھا میرے سوا آپ کی ازواج میں سے کسی نے جبریل کو نہیں دیکھا۔

(۷) جبریل آپ پر وحی لے کر آتے تھے اور میں آپ کے پاس ایک لحاف میں ہوتی تھی۔ میرے سوا اور کہیں اس طرح وحی نازل نہیں ہوئی۔

(۸) میری باری کے دودن اور دورات تھے اور باقی ازواج کی باری ایک دن اور ایک رات تھی۔ ایک دن اور ایک رات تو خود حضرت عائشہ کی باری کا تھا ہی اور دوسرا دن حضرت سودہ کی باری کا تھا جو انہوں نے سن رسیدہ ہوجانے کی وجہ سے حضرت عائشہ کو ہبہ کردیا تھا۔

(۹) انتقال کے وقت آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔

(۱۰) وفات کے بعد میرے حجرے میں مدفون ہوئے۔

وفات

۹ سال آنحضرت کی زوجیت میں رہیں۔ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت عائشہ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ اڑتالیس سال آپ کے بعد زندہ رہیں۔ اور ۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور وصیت کے مطابق دیگر ازواج مطہرات کے پہلو میں رات کے وقت بقیع میں دفن ہوئیں۔

وفات کے وقت ٦٦ سال کی عمر تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قاسم بن محمدؒ اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن اور عبداللہ بن ابی عتیق اور حضرت زبیر کے دونوں صاحبزادے عروہ اور عبداللہ ان لوگوں نے آپ کو قبر میں اتارا۔

ام المومنین ۴

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

پیدائش اور نام ونسب

حضرت حفصہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ والدہ کا نام زینب بن مظعون رضی اللہ عنہا ہے۔ حضرت حفصہ بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ جس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔

پہلا نکاح اور بیوگی

پہلا نکاح خنیس بن حذافہ سہمیؓ کے ساتھ ہوا اپنے شوہر خنیس کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئیں غزوۂ بدر کے بعد خنیسؓ کا انتقال ہوگیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

جب حضرت حفصہ بیوہ ہوگئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان غنی سے مل کر کہا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپؐ سے کر دوں۔ حضرت عثمان نے کہا سوچ کر جواب دوں گا۔ اس کے بعد پھر ملاقات ہوئی حضرت عثمان نے عذر کر دیا کہ میرا ارادہ نہیں ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابوبکر سے ملا اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا

نکاح آپؐ سے کر دوں ابوبکر صدیق سن کر خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ جس سے مجھ کو ملال ہوا۔ تین چار ہی دن گزرے ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے پیام دیا۔ میں نے حفصہ کا نکاح آپؐ سے کر دیا۔ اس کے بعد ابوبکر صدیق سے ملنا ہوا حضرت ابوبکر نے کہا اے عمر شاید تم مجھ سے رنجیدہ ہو میں نے اس لئے جواب نہیں دیا تھا کہ مجھ کو یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود پیام دینے کا خیال ہے۔ اس لئے سکوت کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ سے نکاح نہ کرتے تو میں ضرور قبول کر لیتا۔ مشہور اور راجح قول یہ ہے کہ ۳ھ میں آپ نے حفصہ ؓ سے نکاح فرمایا۔

اللہ کے ہاں مقبولیت

ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاق دیدی جبریل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوئے۔

حفصہ سے رجوع کر لیجئے وہ بڑی روزہ رکھنے والی اور عبادت گزار عورت ہے اور جنت میں آپ کی بیوی ہے۔ آپ نے رجوع فرمالیا۔

ام المومنین ۵

سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

نام اور لقب

زینب آپ کا نام تھا۔ چونکہ آپ بہت سخی اور فیاض تھیں اس لئے ایام جاہلیت ہی سے ام المساکین کہہ کر پکاری جاتی تھیں۔ باپ کا نام خزیمہ بن الحارث ہلالی تھا۔

پہلا نکاح و بیوگی

پہلا نکاح عبداللہ بن جحش ؓ سے ہوا۔ ۳ھ میں عبداللہ بن جحش ؓ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

عدت گزرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح فرمایا۔ پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔

وفات

نکاح کے دو تین ہی مہینے گزرے تھے کہ انتقال ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ انتقال کے وقت ۳۰ سال کی عمر تھی۔

ام المومنین ٦

سیدہ ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

ام سلمہ آپ کی کنیت تھی۔ ہند آپ کا نام تھا ابوامیہ قریشی مخزومی کی بیٹی تھیں۔ ماں کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ تھا۔

پہلا نکاح اور اسلام

پہلا نکاح اپنے چچا زاد بھائی ابوسلمۃ بن عبدالاسد مخزومی سے ہوا۔ انہی کے ساتھ مشرف باسلام ہوئیں اور انہی کے ساتھ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر وہاں سے مکہ واپس آ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

بیوگی

ابوسلمہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں بازو پر ایک زخم آیا ایک مہینہ تک اس کا علاج کرتے رہے زخم اچھا ہوگیا یکم محرم الحرام ۴ھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسلمہ کو ایک سریہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ ۲۹ روز کے بعد واپس ہوئے واپسی کے بعد وہ زخم پھر جاری ہوگیا۔ اسی زخم سے ۸ جمادی الآخری ۴ھ میں انتقال کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ایک بار میرے شوہر ابوسلمہ گھر میں آئے اور کہا کہ آج میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سن کر آیا ہوں جو میرے نزدیک دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہے وہ یہ کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ انا للہ پڑھے اور اس کے بعد یہ دعا مانگے۔

اللّٰھم عندک احتسب مصیبتی ھٰذہ اللّٰھم اخلفنی فیھا بخیر منھا

اے اللہ میں تجھ سے اپنی اس مصیبت میں اجر کی امید رکھتا ہوں اے اللہ تو مجھ کو اس کا نعم البدل عطا فرما۔

تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔

ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ابو سلمہ کے انتقال کے بعد یہ حدیث مجھ کو یاد آئی جب دعا پڑھنے کا ارادہ کیا تو یہ خیال آیا کہ مجھ کو ابو سلمہ سے بہتر کون ملے گا۔ مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا اس لئے پڑھ لیا۔ چنانچہ اس کا یہ ثمرہ ظاہر ہوا کہ عدت گزرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کا پیام دیا جن سے دنیا میں کوئی بھی بہتر نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نکاح کا پیام دیا تو ام سلمہؓ نے چند عذر پیش کئے۔

(۱) میرا سن زیادہ ہے۔

(۲) میں عیالدار ہوں۔ یتیم بچے میرے ساتھ ہیں۔

(۳) میں بہت غیور ہوں۔ (مبادا آپ کو میری وجہ سے کوئی ناگواری پیش آئے) آپؐ نے جواب دیا میرا سن تم سے زیادہ ہے اور تمہاری عیال اللہ اور اس کے رسول کی عیال ہیں۔ اور میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ غیرت (یعنی وہ نازک مزاجی اور شک کا مادہ جس کا تم کو اندیشہ ہے) تم سے جاتی رہے گی۔ چنانچہ آپ نے دعا فرمائی اور ویسا ہی ہوا۔

ماہ شوال ۴ھ میں آپ سے نکاح ہوا تو شوال کا آخر تھا کچھ راتیں باقی تھیں۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر میں کچھ سامان بھی دیا جس کی قیمت دس درہم تھی۔

ابن اسحاق راوی ہیں کہ ایک بستر بھی دیا جس میں بجائے روئی کے کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ایک رکابی اور ایک پیالہ اور ایک چکی دی۔

حسن و جمال

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہؓ سے نکاح کیا تو

مجھ کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے بہت رشک ہوا۔

فہم وفراست

ام المومنین ام سلمہؓ کا فضل اور کمال حسن اور جمال فہم اور فراست عقل اور دانائی مسلم تھی۔ حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو ہدی ذبح کرنے اور حلق کرانے کا تین بار حکم دیا۔ مگر کسی نے نہ ہدی ذبح کی اور نہ سر منڈایا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جب خبر ہوئی تو فرمایا۔ یارسول اللہ صحابہ اس صلح سے بہت افسردہ دل ہیں آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں۔ آپ اپنی ہدی ذبح کرلیں اور حلق کرالیں چنانچہ آپ کا ہدی ذبح کرنا تھا کہ صحابہ نے فوراً اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کرلیا اور حلق بھی کرالیا۔ یہ عقدہ ام المومنین ام سلمہؓ کے رائے اور مشورہ سے حل ہوا۔

وفات

سن وفات میں بہت اختلاف ہے امام بخاری تاریخ کبیر میں فرماتے ہیں کہ ۵۸ھ میں انتقال کیا۔ واقدی کہتے ہیں کہ ۵۹ھ میں انتقال کیا۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ ۶۱ھ میں انتقال کیا جب امام حسنؓ کی شہادت کی خبر پہنچی ابونعیم کہتے ہیں ۶۲ھ میں انتقال کیا۔ حافظ عسقلانی نے اصابہ اور تقریب میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے ازواج مطہرات میں سب سے بعد میں حضرت ام سلمہ نے انتقال فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی انتقال کے وقت ۸۴ سال کی عمر تھی۔

پہلے شوہر کے دونوں بیٹوں عمر اور سلمہ نے اور عبداللہ بن عبداللہ ابن ابی امیہ اور عبداللہ بن وہب بن زمعہ نے قبر میں اتارا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

ام المومنین
۷

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری

حضرت زینب بنت جحش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ یعنی آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

پہلا نکاح اور طلاق

آپ کی زوجیت میں آنے سے پہلے آپ کے متبنٰی اور آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے عقد میں تھیں باہمی موافقت نہ ہونے کی وجہ سے زید نے ان کو طلاق دے دی۔ حضرت چونکہ موالی میں سے تھے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا ایک نہایت شریف اور معزز خاندان سے تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور عرب کا یہ دستور تھا کہ موالی (آزاد کردہ غلاموں) سے مناکحت کو اپنے لئے باعث ننگ وعار سمجھتے تھے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت زینب سے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کا پیغام دیا تو حضرت زینب اوران کے بھائی نے صاف انکار کردیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللّٰہ و رسولہ امراً ان یکون لھم الخیرة من امرھم و من یعص اللّٰہ و رسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً

اس آیت میں مومن سے عبداللہ بن جحش یعنی حضرت زینب کے حقیقی بھائی مراد ہیں اور مومنہ سے خود حضرت زینب مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کسی مومن اور مومنہ کے لئے یہ زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو اس پر راضی نہ ہوں۔ اس آیت کے نزول کے بعد یہ دونوں راضی ہو گئے اور خدا کے حکم کے موافق زینب کا نکاح زید کے ساتھ ہو گیا۔ نکاح تو ہو گیا مگر گھر میں باہم لڑائی ہوتی اور موافقت مزاجی نہ ہوئی اور زید ہمیشہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زینب کی بے اعتنائی کا شکوہ کیا کرتے اور عرض کرتے کہ میں زینب کو چھوڑ دیتا ہوں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زید کو طلاق دینے سے منع فرماتے۔

جب بار بار یہ جھگڑے پیش آتے رہے تو آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر زید نے زینب کو طلاق دیدی تو زینب کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کروں۔ لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ یہ لوگ یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے بیٹے کی بیوی کو گھر میں رکھ لیا۔ یعنی اس سے نکاح کرلیا۔ حالانکہ لے پالک یعنی متبنیٰ کسی طرح بیٹے کے حکم میں نہیں اور عرب میں مدت سے یہ ایک بڑا دستور چلا آ رہا تھا کہ جس کو منہ بولا بیٹا بنا لیں اس کی مطلقہ عورت سے نکاح کرنے کو غایت درجہ معیوب سمجھتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس بری رسم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور عمل سے توڑ دیں اور آپ کو بذریعہ وحی آسمانی مطلع کر دیا گیا کہ زید کے طلاق دینے کے بعد زینب آپ کی زوجیت میں آئے گی تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کا وہ حکم نہیں کہ جو صلبی بیٹے کی بیوی کا حکم ہے۔ غرض یہ کہ آپ کو بذریعہ وحی کے مطلع کر دیا گیا کہ زینب تمہارے نکاح میں آئے گی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدباطنوں کے طعن و تشنیع کے خیال سے کہ یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے متبنیٰ کی مطلقہ سے نکاح کرلیا۔ شرم کے مارے اس پیشگوئی کو کسی پر ظاہر نہیں فرمایا بلکہ اس کو دل ہی میں پوشیدہ رکھا اور خیال کیا کہ خدا کی خبر بالکل حق اور صدق ہے۔ اپنے وقت آنے پر خود ظاہر ہو جائے گی۔ نیز خدا تعالیٰ کی طرف سے فی الحال اس پیشگوئی کے اظہار اور اعلان کا بھی کوئی حکم اور اشارہ نہ تھا اس لئے آپ نے اس امر تکوینی کو تو دل میں مخفی رکھا اور تشریعی طور پر زید کو یہ مشورہ دیتے رہے کہ زینب کو طلاق نہ دینا اس لئے کہ شریعت کا حکم یہی ہے کہ شوہر کو یہی مشورہ دیا جائے کہ اپنی بیوی کو

طلاق نہ دو اور بیوی کی بے اعتنائی اور چیرہ دستی پر صبر کرو اگر کسی کو بذریعہ وحی اور الہام یہ معلوم ہو جائے کہ تکوینی طور پر آئندہ چل کر یہ ماجرا پیش آنے والا ہے اور قضاء وقدر میں یہ مقدر ہو چکا ہے تو فی الحال تشریعی حکم کا اتباع کرنا ہوگا۔ قضاء وقدر اپنے وقت پر خود ظاہر ہو جائے گی۔ آخر کار ایک دن زید نے آ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ میں تنگ آ گیا ہوں اور طلاق دیدی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

حضرت انس سے مروی ہے کہ جب زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید ہی کو حکم دیا کہ تم خود جا کر زینب سے میرے نکاح کا پیغام دو (تا کہ یہ امر خوب واضح ہو جائے کہ یہ جو کچھ ہوا وہ زید کی رضامندی سے ہوا ہے) حضرت زید آپ کے نکاح کا پیغام لے کر زینب کے گھر گئے اور دروازہ کی طرف پشت کر کے کھڑے ہوئے۔ (حالانکہ حجاب اور پردہ کا حکم ابھی نازل نہ ہوا تھا مگر یہ ان کا کمال تقویٰ تھا) اور کہا اے زینب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے اپنے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ حضرت زینب نے فی البدیہہ جواب دیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتی جب تک میں اپنے پروردگار عزوجل سے مشورہ یعنی استخارہ نہ کرلوں۔ اسی وقت اٹھیں اور گھر میں جو ایک جگہ مسجد کے نام سے عبادت کے لئے مخصوص کر رکھی تھی وہاں جا کر مشغول استخارہ ہو گئیں۔ چونکہ حضرت زینب نے اس بارہ میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا بلکہ خدائے عزوجل سے مشورہ چاہا اور اسی سے خیر طلب کی کیونکہ وہی اہل ایمان کا ولی ہے۔ اس لئے خدائے عزوجل نے اپنی خاص ولایت سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب سے کر دیا۔ آسمانوں میں تو اعلان ہو ہی گیا۔ اب ضرورت ہوئی کہ زمین پر بھی اس کا اعلان ہو چنانچہ جبریل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

فلما قضا زید منها وطراً زوجنا کها

پس جب زید زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے اور ان کو طلاق دے دی تو اے نبی کریم ہم نے زینب کا نکاح تم سے کر دیا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کے گھر تشریف لے گئے اور بلا اذن

داخل ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ یہ آیتیں نازل ہوئیں جب وحی کا نزول ہو چکا تو آپ مسکراتے ہوئے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کون ہے کہ جو جا کر زینب کو بشارت سنائے۔ اور **اذ تقول للذی انعم اللہ علیہ** اخیر تک یہ آیتیں آپؐ نے ہم پر تلاوت فرمائیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب یہ آیتیں تلاوت فرما چکے تو مجھ کو یہ خیال آیا کہ حضرت زینب میں جمال تو تھا ہی اب وہ اس بات پر بھی فخر کریں گی کہ ان کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا۔

چونکہ حضرت زینب کو اس حکم ربانی اور وحی آسمانی کی خبر پہنچ چکی تھی اس لئے اس اطلاع کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مکان میں بغیر اذن کے داخل ہوئے کیونکہ زوجنا کہا۔ نکاح آسمانی کا یہ اعلان اور حضرت کا اطلاع کے بعد قولاً اور عملاً اس کو قبول کر لینا اور سجدۂ شکر بجا لانا اور پیغام نکاح حضرت زید کے ذریعہ پہلے ہی جا چکا تھا یہ رسمی نکاح سے بڑھ کر نکاح ہے۔

گھر میں داخل ہونے کے بعد آپ نے دریافت کیا کہ تمہارا نام کیا ہے چونکہ حضرت زینب کا اصلی نام برہ تھا۔ تو یہی کہا کہ میرا نام برہ ہے۔ آپ نے بجائے برہ کے زینب نام تجویز کیا۔

نکاح کا سنہ اور عمر

حافظ ابن سید الناس فرماتے ہیں کہ حضرت زینب ؓ ۳ھ میں آپ کی زوجیت میں آئیں اور بعض کہتے ہیں ۵ ہجری میں آپ سے نکاح ہوا۔ نکاح کے وقت حضرت زینبؓ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ مہر چار سو درہم مقرر رہا۔

ولیمہ

چونکہ یہ نکاح اللہ عزوجل نے اپنی خاص ولایت سے فرمایا اور پھر اس کے بارے میں قرآن کی آیتیں نازل فرمائیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نکاح کے ولیمہ میں خاص اہتمام فرمایا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیوی کے ولیمہ میں اس قدر اہتمام نہیں فرمایا۔ جس قدر کہ حضرت زینب بنت جحش کے ولیمہ میں فرمایا ایک بکری ذبح فرمائی اور لوگوں کو مدعو کیا اور پیٹ بھر کر لوگوں کو گوشت اور روٹی کھلائی۔

ولیمہ کے موقعہ پر نازل ہونے والی آیات

لوگ کھانا کھا کر چلے گئے مگر تین آدمی بیٹھے باتیں کرر ہے تھے۔ آپ نے شدۃ حیاء کی وجہ سے زبان سے تو کچھ نہیں فرمایا لیکن مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے تا کہ سمجھ جائیں اور حضرت عائشہ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ نے آپ کو مبارکباد دی یکے بعد دیگرے تمام ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے گئے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

یآ یھاالذین آمنوا لا تدخلوا بیوت النبی الآ ان یؤذن لکم الیٰ طعام غیر ناظرین اناہ ولکن اذادعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث ان ذلکم کان یؤذی النبی فیستحیی منکم واللّٰہ لا یستحیی من الحق و اذا سألتموھن متاعاً فاسئلوھن من ورآء حجاب ذلکم اطھر لقلوبکم و قلوبھن

اے ایمان والو نبی کے گھروں میں مت داخل ہومگر جبکہ تم کواذن دیا جائے کھانا کھانے کے لئے درآنحالیکہ اس کے پکنے کا انتظار نہ کرو۔ لیکن تم کو بلایا جائے کہ اب کھانا تیار ہو گیا تو آ جاؤ اور جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اٹھ کر چلے جاؤ اور باتوں میں مت لگ جاؤ اس سے خدا کے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ کہنے سے شرماتے ہیں اور اللہ کو حق بات کے کرنے سے کوئی حجاب نہیں اور اگر تم بیبیوں سے کوئی ضرورت کی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو۔ اس میں تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی طہارت اور صفائی ہے۔

حضرت زینب کی خصوصیات

حضرت زینبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتی تھیں کہ یا رسول اللہ میں تین وجہ سے آپ پر ناز کرتی ہوں۔

(۱) میرے اور آپ کے جدامجد ایک ہی ہیں۔ یعنی عبدالمطلب' ایک روایت میں ہے کہ میں آپ کی پھوپھی کی بیٹی ہوں۔ اس کا بھی مطلب وہی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح مجھ سے آسمان پر فرمایا۔

(۳) جبریل امین اس بارہ میں کوشش کرتے رہے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ زینب بنت جحش مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی ہیں۔ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک وہ میری ہم پلہ تھیں میں نے ان سے زیادہ کسی عورت کو دیندار اور خدا سے زیادہ ڈرنے والی اور سب سے زیادہ سچ بولنے والی اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی اور سب سے زیادہ صدقہ اور خیرات کرنے والی نہیں دیکھی۔

اور نہ ان سے زیادہ محنت کر کے صدقہ کرنے والی اور اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے والی عورت کو دیکھا۔

عبادت کا خاص ذوق

عبادت کا خاص ذوق تھا۔ نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ جس وقت زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیام لے کر گئے فوراً نماز استخارہ میں مشغول ہو گئیں۔

حضرت میمونہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ مال فئے مہاجرین پر تقسیم فرما رہے تھے کہ درمیان میں حضرت زینب بول پڑیں۔ حضرت عمر نے جھڑک دیا۔ آنحضرت نے فرمایا اے عمر تم ان کو رہنے دو۔ یعنی زینب سے کچھ تعرض مت کرو۔

انها اواهة تحقیق یہ بڑی اواہ ہیں۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اواہ کے کیا معنی آپ نے فرمایا کہ اواہ کے معنی خاشع اور متضرع کے ہیں۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وان ابراهيم لحليم اواه منيب

تحقیق ابراہیم بڑے بردبار اور نرم دل اور خدا کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

تقویٰ وزہد

حضرت عمرؓ نے جب پہلی مرتبہ حضرت زینب کا سالانہ نفقہ بھیجا تو یہ سمجھیں کہ یہ سب ازواج مطہرات کا ہے اور یہ فرمایا اللہ عمر کی مغفرت فرمائے۔ بہ نسبت میرے وہ زیادہ تقسیم کرنے پر قادر تھا۔

لوگوں نے کہا یہ سب آپ کا ہے حضرت زینب نے فرمایا۔ سبحان اللہ اور اپنے اور اس مال کے درمیان میں کپڑے کا ایک پردہ ڈال دیا ہے۔ تا کہ وہ مال نظر نہ آئے کیونکہ وہ اجنبی اور نامحرم ہے۔

اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا کہ اس کو ایک طرف ڈال دو اور ایک کپڑا اس پر ڈھانک دو اور فرمایا کہ اس کپڑے کے نیچے سے مٹھی بھر کر فلاں یتیم کو دے آؤ اور پھر مٹھی بھر فلاں کو دے آؤ۔ جب اس طرح وہ مال تقسیم ہوتا رہا اور برائے نام کچھ باقی رہ گیا تو برزہ نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے آخر ہمارا بھی اس مال میں کچھ حق ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا جو اس کپڑے کے نیچے ہو وہ تم لے لو برزہ کہتی ہیں جب میں نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو پچاسی درہم تھے جب مال سب تقسیم ہو چکا تو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی۔

اے اللہ اس سال کے بعد عمر کا وظیفہ مجھ کو نہ پائے۔ چنانچہ سال گزرنے نہ پایا تھا کہ انتقال ہو گیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زینب کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار درہم تھے۔ جو صرف ایک سال کے لئے لیا۔ جب وہ بارہ ہزار درہم بیت المال سے آپ کے پاس آئے تو بار بار کہتی تھیں۔

اے اللہ یہ مال سال آئندہ میرے پاس نہ آئے بتحقیق یہ بڑا فتنہ ہے۔ اور یہ کہہ کر اسی وقت تمام مال اپنے اقارب اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر کو جب اطلاع ہوئی تو یہ فرمایا کہ کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے خیر اور بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ فوراً ایک ہزار درہم اور روانہ کئے اور سلام کہلا کر یہ پیغام بھیجا کہ وہ آپ نے خیرات کر دیا۔ یہ ایک ہزار آپ اپنی ضرورتوں کے لئے رکھ لیں۔ حضرت زینب نے وہ ایک ہزار بھی اسی وقت تقسیم کر دیئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی

صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنی

ازواج مطہرات سے یہ فرمایا کہ تم میں سب سے جلد مجھے وہ ملے گی جس کا ہاتھ تم میں سب سے زیادہ لانبا ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ سخاوت اور فیاضی کی طرف تھا لیکن ازواج مطہرات نے اس کو ظاہر پر محمول کیا چنانچہ آپ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات جب جمع ہوتیں تو باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتیں کہ کس کا ہاتھ لانبا ہے۔ حضرت زینب جو قد میں چھوٹی تھیں جب سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تب معلوم ہوا کہ حضرت زینب کا ہاتھ صدقہ اور خیرات میں سب سے لانبا تھا کیونکہ وہ اپنے دست و بازو سے کماتی تھیں چمڑا رنگنے کا کام جانتی تھیں اس سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ سب خدا کی راہ میں خیرات کر دیتی تھیں۔

پہلے سے کفن کی تیاری

کفن بھی زندگی ہی میں تیار کر لیا تھا۔ قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے۔ غالباً عمرؓ بھی میرے لئے کفن بھیجیں گے۔ ایک کفن کام میں لے آنا اور دوسرا صدقہ کر دینا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے وفات کے بعد پانچ کپڑے خوشبو لگا کر کفن کے لئے بھیجے۔ حضرت عمر ہی کے بھیجے ہوئے کفن میں ان کو کفنایا گیا اور وہ کفن جو خود حضرت زینب نے تیار کر رکھا تھا ان کی بہن حمنہ نے صدقہ کر دیا۔

وفات

سن بیس ہجری میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔ حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی انتقال کے وقت پچاس یا ترپن سال کی عمر تھی اور جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح ہوا تھا اس وقت آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔

حضرت عمرؓ کا خراج تحسین

افسوس آج ایسی عورت گزر گئی جو بڑی پسندیدہ اوصاف والی اور عبادت گزار اور یتیموں اور بیواؤں کا ٹھکانہ تھی۔

ام المؤمنین ۸

سیدہ جویریہ

بنت حارث بن ضرار رضی اللہ عنہا

خاندان

حضرت جویریہ بنت حارث بن ضرار سردار بنی المصطلق کی بیٹی تھیں۔ پہلا نکاح مسافح بن صفوان مصطلقی سے ہوا تھا۔ جو غزوہ مریسیع میں مارا گیا۔

گرفتاری

اس غزوہ میں جہاں اور بہت سے بچے اور عورتیں گرفتار ہوئے۔ ان میں جویریہ بھی تھیں۔

آزادی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا اور چار سو درہم مہر مقرر کیا۔ ۵ ہجری میں آپ کی زوجیت میں آئیں اس وقت آپ بیس سال کی تھیں۔

وفات

ربیع الاول ۵۰ ہجری میں انتقال کیا۔ اس وقت آپ کا سن ۶۵ سال تھا مروان بن حکم

نے جو اس وقت امیر مدینہ تھے نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

عبادت کا خاص ذوق

عبادت کا خاص ذوق تھا۔ عبادت کے لئے مسجد کے نام سے گھر میں ایک جگہ مخصوص کر رکھی تھی۔ چنانچہ آپ فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی الصبح تشریف لائے اور میں اپنی مسجد میں مشغول عبادت تھی۔ آپ واپس چلے گئے قریب نصف النہار کے پھر تشریف لائے اور مجھ کو اسی طرح مشغول عبادت دیکھا۔ فرمایا کیا تم اس وقت سے اس وقت تک اسی حالت میں ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا میں تم کو کچھ کلمات بتلائے دیتا ہوں وہ پڑھا کرو۔ وہ کلمات یہ ہیں۔

سبحان اللّٰہ عدہ خلقہ ۳ بار سبحان اللّٰہ رضا نفسہ ۳ بار،
سبحان اللّٰہ وزنۃ عرشہ ۳ بار، سبحان اللّٰہ مداد کلماتہ ۳ بار

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے تیرے بعد چار کلمے تین بار کہے ہیں۔ اگر ان کو تیری تمام تسبیحوں کے ساتھ تولا جائے جو تو نے صبح سے اس وقت تک پڑھی ہیں تو وہ چار کلمات وزن میں بڑھ جائیں گے۔ وہ کلمات یہ ہیں۔

سبحان اللّٰہ وبحمدہ عدد خلقہ و رضا نفسہ وزنۃ عرشہ و مداد کلماتہ

ام المومنین ۹

سیدہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا

پیدائش اور نام ونسب

رملہ آپ کا نام اور ام حبیبہ آپ کی کنیت تھی۔ ابوسفیان بن حرب اموی قریش کے مشہور سردار کی بیٹی تھیں والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص تھا۔ جو حضرت عثمان کی پھوپھی تھیں۔ بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں۔

نکاح' اسلام اور ہجرت حبشہ

پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا ام حبیبہؓ ابتداء ہی میں مسلمان ہوئیں اور ان کے شوہر بھی اسلام لے آئے اور دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہاں جا کر ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہ رکھا اور اسی کے نام پر ام حبیبہ کنیت رکھی گئی اور پھر اسی کنیت سے مشہور ہوئیں۔ چند روز کے بعد عبیداللہ بن جحش تو اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی بن گیا۔ مگر ام حبیبہؓ برابر اسلام پر قائم رہیں۔

خواب اور بیوگی

ام حبیبہ کہتی ہیں کہ عبیداللہ کے نصرانی ہونے سے پہلے اس کو نہایت بری اور بھیانک شکل میں خواب میں دیکھا بہت گھبرائی جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ عیسائی ہو چکا ہے۔ میں نے یہ خواب بیان کیا (کہ شاید متنبہ ہو جائے) مگر کچھ توجہ نہیں کی اور شراب و کباب میں برابر منہمک رہا۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں انتقال ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نجاشی کے نام پیغام

چند روز کے بعد خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص یا ام المومنین کہہ کر آواز دے رہا ہے۔ جس

سے میں گھبرائی عدت کا ختم ہونا تھا کہ یکا یک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچا۔
ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی شاہ حبشہ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ اگر ام حبیبہ مجھ سے نکاح کرنا چاہیں تو تم بطور وکیل نکاح پڑھوا کر میرے پاس بھیج دو۔

نجاشی کا بطور وکیل آپکا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرنا

نجاشی نے اپنی باندی ابرہ کو ام حبیبہ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک والا نامہ اس مضمون کا یعنی پیام کا آیا ہے اگر تم کو منظور ہو تو اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنالو۔ ام حبیبہؓ نے اس پیام کو منظور کیا۔ اور خالد بن سعید بن العاص اموی کو اپنا وکیل مقرر کیا اور اس بشارت اور خوشخبری کے انعام میں ہاتھوں کے دونوں کنگن اور پیروں کی پازیب اور انگلیوں کے چھلے جو سب نقرئی تھے ابرہ کو دے دیئے۔ جب شام ہوئی تو نجاشی نے حضرت جعفر اور تمام مسلمانوں کو جمع کر کے خود خطبۂ نکاح پڑھا۔ وہ خطبہ یہ ہے۔

الحمد للہ الملک القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار اشهد ان لآالٰه الا اللّٰه و ان محمداً عبده و رسوله' و انه الذی بشر به عیسیٰ بن مریم صلی اللّٰه علیهما و سلم

اما بعد. فان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کتب الی ان ازوجه ام حبیبة بنت ابی سفیان فاجبت الیٰ مادعا الیه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وقد اصدقتها اربعمأته دینار

حمد ہے خداوند قدوس اور خدائے غالب اور عزیز اور جبار کی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندہ اور رسول برحق ہیں۔ اور آپ وہی نبی ہیں جن کی عیسےٰ بن مریم صلے اللہ علیہما وسلم نے بشارت دی ہے۔
امابعد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ کا نکاح ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے کردوں۔ میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کا نکاح ام حبیبہ سے کردیا اور چار سو دینار مہر مقرر کیا ہے۔

اور اسی وقت وہ چار سو دینار خالد بن سعید اموی کے حوالے کر دیئے اس کے بعد خالد بن سعید کھڑے ہوئے اور یہ تقریر فرمائی۔

الحمد للّٰہ احمدہ واستعینہ‘ واستغفرہ واشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ‘ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ ارسلہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون.

اما بعد. فقد اجبت الی مادعا الیہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و زوجت ام حبیبہ بنت ابی سفیان فبارک اللّٰہ لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم.

الحمدللہ۔ میں اللہ کی حمد وثناء کرتا ہوں اور اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور رسول برحق ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین برحق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔

امابعد میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیام کو قبول کیا اور آپ سے ام حبیبہ کا نکاح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔

ولیمہ

لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا۔ نجاشی نے کہا کہ ابھی بیٹھئے۔ حضرات انبیاء کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد ولیمہ بھی ہونا چاہئے۔ چنانچہ کھانا آیا اور دعوت سے فارغ ہو کر سب رخصت ہوئے مہر کی رقم جب حضرت ام حبیبہ کے پاس پہنچی تو ابرہ کو بلا کر پچاس دینار اور دیئے ابرہ نے یہ پچاس دینار اور وہ زیور جو پہلے دیا گیا تھا یہ کہہ کر سب واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجھ کو تاکید کر دی ہے کہ آپ سے کچھ نہ لوں۔ اور آپ یقین کیجئے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیرو ہو چکی ہوں اور اللہ عزوجل کے لئے دین اسلام کو قبول کر چکی ہوں اور آج بادشاہ نے

اپنی تمام بیگمات کو حکم دیا کہ ان کے پاس جو خوشبو اور عطر ہو اس میں سے ضرور آپ کے پاس ہدیہ بھیجیں۔ چنانچہ دوسرے روز ابرہ بہت سا عود اور عنبر وغیرہ لے کر آپ کے پاس آئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آمد

ام حبیبہ فرماتی ہیں کہ میں نے وہ عود اور عنبر سب رکھ لیا اور اپنے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائی۔ اس کے بعد ابرہ نے کہا کہ میری ایک درخواست ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میرا سلام کہہ دینا اور یہ عرض کر دینا کہ میں آپ کے دین کی پیرو ہو گئی ہوں۔ میری روانگی تک ابرہ کا یہ حال رہا کہ جب آتی تو یہی کہتی کہ دیکھو میری درخواست کو بھول نہ جانا چنانچہ جب مدینہ پہنچی تو یہ تمام حالات اور واقعات آپ سے بیان کئے۔ آپ مسکراتے رہے اخیر میں ابرہ کا سلام پہنچایا آپ نے فرمایا وعلیہا السلام ورحمۃ اللہ برکاتہ

انتقال

۴۴ ہجری میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا اور بعض کہتے ہیں کہ دمشق میں انتقال ہوا مگر صحیح یہی ہے کہ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔

کل عمر

چونکہ بعثت سے سترہ سال پہلے پیدا ہوئیں لہذا اس حساب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح کے وقت آپ کی عمر ۳۷ سال تھی اور وفات کے وقت ۷۴ سال کی تھی۔

حضرت عائشہؓ سے آخری گفتگو

عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ام حبیبہ نے انتقال کے وقت مجھ کو بلایا اور کہا کہ باہم سوکنوں میں جو کچھ پیش آتا ہے وہ تم کو معلوم ہے۔ جو کچھ ہوا ہو وہ معاف کرنا۔ اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ میں نے کہا سب معاف ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ ام حبیبہؓ نے فرمایا اے عائشہ تم نے مجھ کو خوش کیا۔ اللہ تعالیٰ تم کو خوش رکھے اور پھر ام سلمہ کو بلایا اور ان سے بھی یہی گفتگو ہوئی۔

ام المومنین
١٠

سیدہ صفیہ بنتِ حُیَی بن اخطب رضی اللہ عنہا

خاندان: حضرت صفیہ حیی بن اخطب سردار بنی نضیر کی بیٹی تھیں۔ حیی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ ماں کا نام ضرہ تھا۔

پہلا نکاح

پہلا نکاح سلام بن مشکم قرظی سے ہوا۔ سلام کے طلاق دے دینے کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق سے نکاح ہوا۔ کنانہ غزوۂ خیبر میں مقتول ہوا۔

گرفتاری، آزادی اور حرم نبوی میں شمولیت

غزوۂ خیبر ہی میں ان کا خاوند قتل ہوا اور یہ گرفتار ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا اور یہی ان کا مہر قرار پایا۔ خیبر سے چل کر آپ مقام صہبا میں اترے جو خیبر سے ایک منزل ہے وہاں پہنچ کر عروسی فرمائی اور یہیں ولیمہ فرمایا۔

عجیب شان کا ولیمہ

ولیمہ عجب شان سے ہوا۔ چمڑے کا ایک دستر خوان بچھا دیا گیا اور حضرت انس سے فرمایا کہ اعلان کر دو کہ جس کے پاس جو کچھ سامان جمع ہو وہ لے آئے۔ کوئی کھجور لایا اور کوئی پنیر اور کوئی ستو لایا اور کوئی گھی لایا۔ جب اس طرح سامان جمع ہو گیا تو سب نے ایک جگہ بیٹھ کر کھا لیا اس ولیمہ میں گوشت اور روٹی کچھ نہ تھا۔ مقام صہبا میں تین روز آپ نے قیام کیا اور حضرت صفیہ پردہ میں رہیں۔ جب آپ وہاں سے روانہ ہوئے تو خود حضرت صفیہ کو اونٹ پر سوار کرایا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا کہ کوئی دیکھ نہ سکے گویا کہ یہ اعلان تھا کہ حضرت صفیہ ام المومنین ہیں ام ولد نہیں۔

خواب

حضرت صفیہ جب آپ کی زوجیت میں آئیں تو آپ نے حضرت صفیہ کی آنکھ پر ایک سبز نشان دیکھا۔ فرمایا یہ کیسی سبزی ہے۔ حضرت صفیہ نے کہا ایک روز میں اپنے شوہر کی گود میں سر رکھے ہوئے سو رہی تھی کہ یہ خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آکر گرا ہے۔ یہ خواب میں نے اپنے شوہر سے بیان کیا۔ اس نے زور سے میرے ایک طمانچہ مارا اور کہا تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے۔ اشارہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف تھا۔

حضرت صفیہؓ کی خصوصیت

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت صفیہ رو رہی ہیں۔ فرمایا کیوں روتی ہو کہا کہ عائشہ اور حفصہ مجھ کو چھیڑتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں زیادہ مکرم اور محترم ہیں۔ ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کے چچا کی بیٹیاں بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ تم مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتی ہو باپ میرے ہارون ہیں اور چچا میرے موسیٰ ہیں اور شوہر میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جانثاری

ایک بار تمام ازواج مطہرات مرض الوفات میں آپ کے پاس جمع ہوئیں۔ حضرت صفیہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی میری یہ تمنا اور آرزو ہے کہ آپ کے بدلہ میں یہ تکلیف مجھ کو ہو جائے ازواج مطہرات نے آپس میں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا۔

خدا کی قسم البتہ تحقیق یہ سچی ہے۔

اپنے زیور کی تقسیم

سعید بن مسیب سے مرسلاً مروی ہے کہ جب حضرت صفیہ مدینہ آئیں تو آپ کے کانوں میں سونے کا کچھ زیور تھا۔ اس میں سے کچھ تو حضرت فاطمہ کو دیا اور کچھ اور عورتوں کو۔ (اخرجہ ابن سعد بہ سند صحیح)

سبحان اللہ۔ پیغمبر کی زوجیت میں آئیں اور دنیا کا قصہ ختم کیا۔

وفات: ماہ رمضان المبارک ۵۰ ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

أُمُّ المؤمنین ۱۱

سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

نام ونسب

میمونہ آپ کا نام ہے۔ باپ کا نام حارث اور ماں کا نام ہند تھا۔

نکاح

ماہ ذی قعدہ ۷ ہجری میں جب آپ عمرۂ حدیبیہ کی قضاء کرنے کے لئے مکہ تشریف لائے اس وقت آپ کی زوجیت میں آئیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ آپ کی آخری بیوی تھیں۔ جن کے بعد آپ نے پھر کسی اور سے نکاح نہیں فرمایا۔ آپ سے پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں۔ ابورہم کے انتقال کے بعد آپ کی زوجیت میں آئیں۔ پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت میمونہ سے پیام دیا تو حضرت میمونہ نے حضرت عباس کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے حضرت میمونہ سے آپ کا نکاح کر دیا۔ (رواہ احمد والنسائی)

روایات اس بارہ میں بہت مختلف ہیں کہ نکاح کے وقت آپ محرم تھے یا حلال تھے امام

بخاری کے نزدیک یہی راجح ہے کہ نکاح کے وقت آپ محرم تھے۔

مکہ سے چل کر آپ مقام سرف میں ٹھہرے اور وہاں پہنچ کر عروسی فرمائی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اور عروسی دونوں مقام سرف ہی میں ہوئے۔

وفات

۵۱ ہجری میں مقام سرف میں اسی جگہ انتقال کیا جہاں عروسی ہوئی تھی۔ اور وہیں دفن ہوئیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قبر میں عبداللہ بن عباس اور یزید بن اصم اور عبداللہ بن شداد اور عبیداللہ خولانی نے اتارا۔ تین اول الذکر آپ کے بھانجے تھے اور چوتھے آپ کے پروردہ یتیم تھے۔

یہ گیارہ ازواج مطہرات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں رہیں اور امہات المومنین کے لقب سے مشہور ہوئیں اور چند عورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن سے آپ نے نکاح تو فرمایا لیکن مقاربت سے پہلے ہی ان کو اپنی زوجیت سے جدا کر دیا۔ جیسے اسماء بنت نعمان جونیہ اور عمرہ بنت یزید کلابیہ۔

کنیزیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار کنیزیں تھیں۔

۱: ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

یہ آپ کی ام ولد ہیں آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم انہی کے بطن سے ہیں۔ ماریہ قبطیہ کو مقوقس شاہ اسکندریہ نے بطور نذرانہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔

ماریہ قبطیہ نے حضرت عمر کے زمانۂ خلافت ۱۶ ہجری میں انتقال کیا اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

۲: ریحانۃ بنت شمعون رضی اللہ عنہا

ریحانہ۔ خاندان بنوقریظہ یا بنی نضیر سے تھیں۔ اسیر ہو کر آئیں اور بطور کنیز آپ کے حضور میں رہیں۔ حجۃ الوداع کے بعد ۱۰ ہجری میں انتقال کیا۔ اور بقیع میں دفن ہوئیں اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ان کو آزاد کر کے نکاح فرمایا تھا۔ واللہ اعلم۔

۳: نفیسہ رضی اللہ عنہا

نفیسہ اصل میں ام المومنین زینب بنت جحش کی جاریہ تھیں۔ حضرت صفیہ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صفیہ کے بارے میں حضرت زینب سے ناراض ہو گئے تھے۔ دو تین مہینہ تک آپ ناراض رہے۔ جب آپ راضی ہوئے تو حضرت زینب نے اس خوشی میں اپنی باندی نفیسہ آپ کو ہبہ کر دی تھی۔

ان کے علاوہ ایک اور کنیز تھیں جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن سلوک

حدیث میں ہے۔ خیر کم خیر کم باھلہ وانا خیر کم باھلی سب لوگوں میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی (کنبہ) کے ساتھ اچھا ہے اور میں تم سب سے بڑھ کر اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک شوہر کے لئے ضروری بتایا کرتے تھے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش مذاق ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول یہ تھا کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو السلام علیکم خود فرمایا کرتے۔ رات کے وقت سلام ایسی آہستگی سے فرماتے کہ بیوی جاگتی ہو تو سن لے اور سوگئی ہو تو جاگ نہ پڑے۔

کھانے' پہننے' مکان اور گزارہ اور ملاقات میں ہر ایک بیوی کے ساتھ برابر سلوک فرمایا کرتے۔ عموماً بعد عصر ہر ایک کے مکان پر تشریف لے جا کر ان کی ضروریات کو معلوم فرماتے اور بعد نماز مغرب سب بیویوں سے ایک مکان میں مختصر ملاقات فرماتے۔ شب کو نوبت بہ نوبت ہر ایک کے گھر میں استراحت فرمایا کرتے۔

بیویوں کی سہیلیوں کی عزت فرمایا کرتے اور ان کے عزیز و اقارب کو حسن سلوک سے خوش رکھتے۔ سفر میں روانہ ہونے کے وقت قرعہ اندازی کی جاتی۔ جس بیوی کا نام نکلتا اسی کو ساتھ لیتے۔ ہر ایک بیوی کے رہنے کا مکان الگ تھا اور یہ سب مکان جن کو اللہ پاک نے حجرات اور بیوت النبیؐ اور بیوتکن فرمایا ہے باہم پیوستہ تھے۔ مکان نہایت مختصر تھے۔ مثلاً عائشہ طیبہؓ کا حجرہ جس کا دریچہ مسجد نبوی کے اس حصہ پر کھلتا ہے جسے روضة من ریاض الجنة خیابانان جنت میں سے ایک چمن فرمایا گیا ہے۔ اس قدر تھا کہ جب نماز جنازۂ مطہر کے لئے لوگ اندر داخل ہونے لگے تو دس آدمیوں سے زیادہ کی اس میں گنجائش نہ تھی۔ حجرات کے اندر سامان برائے نام ہوتا تھا۔ مثلاً حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں حضورؐ کے آرام فرمانے کے لئے ایک ٹاٹ کا ٹکڑا تھا۔ جسے دوتہہ کر کے بچھا دیا گیا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر میں حضورؐ کا بستر چمڑے کا تھا۔ جس کے اندر کھجور کے پٹھے بھرے ہوئے تھے۔

ام سلمہؓ کو ام المومنین ہونے کے بعد ام المساکین زینبؓ کا گھر ملا تھا۔ ان کو اس گھر میں جو اثاث البیت نظر آیا وہ ایک چکی اور چند سیر جو تھے۔ ابن عباسؓ نے بتایا ہے کہ ان کی خالہ ام المومنین میمونہؓ کے گھر میں پانی ایک مشک میں ہوتا تھا۔ حضرت انسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پیالہ چوبی کا ذکر کیا ہے۔ جسے مختلف اشربہ میں برتا جاتا تھا۔ فتح خیبر کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک بیوی کے لئے ۸۰ وسق کھجور کے اور ۲۰ وسق جو کے سالانہ مقرر کر دیئے تھے۔ دودھ کے واسطے عموماً ہر ایک بیوی کو ایک ایک دودھ والی اونٹنی ملا کرتی تھی۔ ازواج مطہرات بھی ہر ایک شے میں ضرورت کی مقدار رکھ کر باقی سب چیزوں کو بیواؤں اور یتیموں پر خیرات کر دیا کرتی تھیں۔

باوجود اس قدر دلداری اور اور مہربانی کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گوارا نہ تھا کہ کسی بیوی کے منہ سے اپنی سوکن کی نسبت کوئی ایسا لفظ بھی نکلے جو ان کی شان بلند سے گرا ہوا ہو۔

ام المومنین زینبؓ بنت جحش نے ایک بار ام المومنین صفیہؓ کو یہودن کہہ دیا۔ کچھ شک نہیں کہ ان کا نسب یہود بن یعقوب تک منتہی ہوتا تھا۔ مگر کہنے کا انداز اور لہجہ حقارت آمیز تھا۔ اتنی بات پر حضورؐ کچھ عرصہ تک ام المؤمنین زینبؓ کے گھر نہ گئے۔ جب انہوں نے توبہ کی تو خطا بخشی ہوئی۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ چھوٹی سی بات یہودن کہنا بھی مرویات میں نقل کی گئی ہے تو ہم کو ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کا صحیح تصور بندھ جاتا ہے۔ کیونکہ اس سے زیادہ کوئی بات تلخ بھی کہی گئی ہوتی تو وہ بھی ضرور روایت میں آجاتی۔ اللہ اکبر یہ نتیجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان عالیہ کا تھا کہ زوجات کو تاثرات طبعی وجنسی سے ارفع واعلیٰ بنا کر محبت صادقہ ایمانیہ میں متفق ومتحد بنا دیا تھا۔

اس راز کے سمجھنے سے وہ افراد قاصر ہیں جو تعلقات زوجین کی حقیقت صرف خواہشات طبعی کے نفاذ کو سمجھا کرتے ہیں غالباً یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں نے بہشت میں زن وشوہر کے زن وشوہر ہو کر رہنے سے انکار کیا ہے۔

امہات المومنین کے کام

زنان امت کی خواتین کو تعلیم دینا۔ ان کے معروضات کو حضور نبویؐ میں پہنچانا۔ پھر جواب سمجھانا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واقوال وعبادات کو جو حجرات کے اندر کیا کرتے تھے۔ حفظ واتقان کے ساتھ امت تک پہنچانا مشکلات علمیہ میں فرزندان امت کی رہبری کرنا تھا۔

سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد مبارک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے بارے میں اقوال مختلف ہیں سب سے زیادہ معتبر اور مستند قول یہ ہے کہ تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔

قاسم' عبداللہ جن کو طیب اور طاہر کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ ابراہیم' زینب' رقیہ' ام کلثوم' فاطمۃ الزہرہ صاحبزادیوں کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ بالاتفاق چار تھیں چاروں بڑی ہوئیں۔ بیاہی گئیں۔ اسلام لائیں۔ ہجرت کی۔ حضرت ابراہیم کے بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ یہ بالاتفاق آپ کی ام ولد ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ حضرت ابراہیم کے سوا تمام اولاد حضرت خدیجہ ہی کے بطن سے ہے اور کسی بیوی سے آپ کو کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت خدیجہ کے بطن سے جس قدر لڑکے پیدا ہوئے وہ سب بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئے۔ اس لئے ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ جمہور علماء سیر کا قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے ایک قاسم اور دوسرے عبداللہ اور حضرت عبداللہ ہی کا دوسرا نام طیب و طاہر بھی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ طیب اور طاہر آپ کے دو صاحبزادے تھے جو حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ کے علاوہ تھے۔ اس قول کی بناء پر حضرت خدیجہ کے بطن سے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد برابر ہو جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے چھ صاحبزادے ہوئے پانچویں اور چھٹے صاحبزادے کا نام مطیب اور مطہر تھا۔ واللہ اعلم۔

حضرت قاسم

آپ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے اور بعثت نبوی سے پیشتر ہی انتقال کر گئے۔ صرف دو سال زندہ رہے اور بعض کا قول ہے کہ سن تمیز کو پہنچ کر وفات پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم انہی کے انتساب سے تھی۔

۱۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا

پیدائش

حضرت زینب آپ کی صاحبزادیوں میں بالاتفاق سب سے بڑی ہیں۔ بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں اور اسلام لائیں۔

شادی، ہجرت اور وفات

بدر کے بعد ہجرت کی اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے بیاہی گئیں۔ حضرت زینب کی ہجرت کا مفصل واقعہ اسیران بدر کے بیان میں گزر چکا ہے۔ شروع ۸ ہجری میں انتقال کیا۔

اولاد

ایک لڑکا اور ایک لڑکی اپنی یادگار چھوڑی۔ لڑکے کا نام علی تھا اور لڑکی کا نام امامہ تھا۔

علی کے متعلق روایتیں مختلف ہیں۔ مشہور قول یہ ہے کہ سن تمیز کو پہنچ کر اپنے والد ابوالعاص کی حیات ہی میں انتقال کر گئے اور ایک قول یہ ہے کہ معرکہ یرموک میں شہید ہوئے۔

امامہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

امامہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت محبت فرماتے تھے۔ امامہ آپ سے بہت مانوس تھیں۔ بعض اوقات نماز میں آپ کے دوش مبارک پر چڑھ جاتی تھیں۔ آپ آہستہ سے ان کو اتار دیتے تھے۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہدیہ میں سونے کا ایک ہار آیا۔ تمام ازواج مطہرات اس وقت جمع تھیں۔ اور امامہ گھر کے ایک گوشہ میں مٹی سے کھیل رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا یہ ہار میں اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ سب کا گمان یہ تھا کہ

حضرت عائشہ کو عطا فرمائیں گے۔لیکن آپ نے امامہ کو بلایا اور اول ان کی آنکھوں کو اپنے دست مبارک سے پونچھا اور پھر وہ ہار ان کے گلے میں ڈالا۔

حضرت امامہؓ کا نکاح

حضرت فاطمہ کے انتقال کے بعد حضرت علی نے امامہ سے نکاح کیا اور جب حضرت علی نے شہادت پائی تو مغیرہ بن نوفل کو وصیت کی کہ تم امامہ سے نکاح کر لینا۔بعض کہتے ہیں کہ مغیرہ کے حضرت امامہ سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام یحیٰی تھا۔بعض کہتے ہیں کہ امامہ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔اور حضرت امامہ نے مغیرہ کے یہاں وفات پائی۔

۲-حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

ابولہب اور اس کے بیٹوں کی بدبختی

حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم۔آپ کی یہ دونوں صاحبزادیاں ابولہب کے بیٹوں سے منسوب تھیں۔رقیہ عتبہ بن ابی لہب سے اور ام کلثوم عتیبہ بن ابی لہب سے فقط نکاح ہوا تھا۔عروسی نہیں ہوئی تھی۔جب تبت یدابی لهب و تب نازل ہوئی ابی لہب نے بیٹوں کو بلا کر کہا کہ اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو گے تو سمجھ لو کہ تمہارے ساتھ میرا سونا اور بیٹھنا حرام ہے۔دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی اور عروسی سے پہلے ہی آپ کی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دیدی۔

نکاح ،ہجرت اور اولاد

آپ نے حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔حضرت عثمان نے جب حبشہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت رقیہ بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔کچھ عرصہ تک آپ کو ان دونوں کی کچھ خبر معلوم نہ ہوئی۔ایک عورت آئی اور اس نے یہ خبر دی کہ میں نے دونوں کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا۔

اللہ ان دونوں کے ساتھ ہو تحقیق عثمان لوط علیہ السلام کے بعد پہلا شخص ہے جس نے مع اہل وعیال کے ہجرت کی ہے۔

وہاں جا کر ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔چھ سال زندہ رہ کر انتقال کر گیا۔

وفات

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت رقیہ بیمار تھیں اسی وجہ سے حضرت عثمان غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے ان کی تیمارداری میں رہے۔ عین اسی روز کہ جس روز حضرت زید بن حارثؓ اسلام کی فتح اور مشرکین کی ہزیمت کی بشارت اور خوشخبری لے کر مدینہ آئے۔ حضرت رقیہؓ نے انتقال فرمایا۔ حضرت رقیہ کی علالت کی وجہ سے اسامہ بن زید بھی بدر میں شریک نہیں ہوئے صاحبزادی کے دفن میں مشغول تھے کہ یکا یک تکبیر کی آواز سنائی دی۔ حضرت عثمان نے پوچھا اے اسامہ یہ کیا ہے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ زید بن حارثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناقہ پر سوار ہیں اور مشرکین کے قتل کی بشارت لے کر آئے ہیں۔ انتقال کے وقت بیس سال کی عمر تھی۔

۳۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا

نام

ام کلثومؓ اسی کنیت کے ساتھ مشہور تھیں بظاہر یہ کنیت ہی آپ کا نام تھا۔ اس کے علاوہ آپ کا کوئی نام ثابت نہیں۔

نکاح

حضرت رقیہ کی وفات کے بعد ماہ ربیع الاول ۳ ہجری حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں۔ چھ سال حضرت عثمان کے ساتھ رہیں اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

وفات

ماہ شعبان ۹ ہجری میں انتقال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت علی اور فضل بن عباس اور اسامہ بن زید نے قبر میں اتارا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

عتیبہ کی بدبختی

حضرت ام کلثوم۔ پہلے ابولہب کے بیٹے عتیبہ سے منسوب تھیں۔ باپ کے کہنے پر

طلاق دیدی۔ طلاق تو دوسرے بیٹے عتبہ نے بھی حضرت رقیہ کو دیدی تھی۔ مگر عتیبہ نے فقط طلاق پر اکتفانہ کی بلکہ طلاق دیکر آپ کے پاس آیا اور یہ کہا۔

کہ میں آپ کے دین کا منکر ہوں اور آپ کی بیٹی کو طلاق دیدی ہے وہ مجھ کو پسند نہیں کرتی اور میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے بعد آپ پر حملہ کیا اور آپ کا پیراہن چاک کر دیا۔ آپ نے بد دعا فرمائی کہ اے اللہ اس پر کوئی درندہ اپنے درندوں میں سے مسلط فرما۔ چنانچہ ایک مرتبہ قریش کا تجارتی قافلہ شام کی طرف گیا جا کر مقام زرقاء میں اترا ابولہب اور عتیبہ بھی اس قافلہ میں تھے۔ رات کے وقت ایک شیر آ گیا وہ شیر قافلہ والوں کے چہروں کو دیکھتا جاتا تھا اور سونگھتا جاتا تھا۔ جب عتیبہ پر پہنچا تو فوراً اس کا سر چبالیا۔ عتیبہ کا اسی وقت دم نکل گیا اور شیر ایسا غائب ہوا کہ کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔

حضرت عثمان غنیؓ کی عظمت

حضرت ام کلثوم کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر میرے دس لڑکیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمان کی زوجیت میں دیتا رہتا۔

۴۔ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا

نام ولقب

فاطمہ آپ کا نام اور زہراء اور بتول یہ دو آپ کے لقب تھے۔ حضرت سیدہ کو بتول اس لئے کہا جاتا ہے کہ بتول بتل بمعنی قطع سے مشتق ہے کہ اپنے فضل وکمال کی وجہ سے دنیا کی عورتوں سے منقطع تھیں یا یہ کہ ماسوائے اللہ سے منقطع اور علیحدہ تھیں اور بوجہ باطنی زہرت و بہجت وصفاء ونورانیت زہراء کہلاتی تھیں۔

پیدائش

ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ بعثت کے پہلے سال میں پیدا ہوئیں ابن جوزی کہتے ہیں کہ بعثت سے پانچ سال پیشتر پیدا ہوئیں جبکہ قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔

آپ کی تمام صاحبزادیوں میں حضرت فاطمۃ الزہراء سب سے چھوٹی ہیں۔ سب سے بڑی

حضرت زینب ہیں۔ پھر حضرت رقیہ پھر حضرت ام کلثوم پھر حضرت فاطمہؓ اس ترتیب سے پیدا ہوئیں۔

نکاح

۲ ہجری میں حضرت علی کے ساتھ آپ کا نکاح ہوا۔ پہلے قول کی بناء پر حضرت فاطمہ اس وقت پندرہ سال اور ساڑھے پانچ مہینہ کی تھیں۔ اور دوسرے قول کی بنا پر انیس سال اور ڈیڑھ مہینے کی تھیں۔ حضرت علیؓ کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ کس سن میں اسلام لائے۔ ایک قول یہ ہے کہ آٹھ سال کی عمر میں اور دوسرا قول یہ ہے کہ دس سال کی عمر میں اسلام لائے۔ پہلے قول کی بناء پر نکاح کے وقت حضرت علی کی عمر اکیس سال اور پانچ مہینہ ہوگی اور دوسرے قول کے بناء پر چوبیس سال اور ڈیڑھ مہینہ ہوگی۔ حضرت فاطمہ کے نکاح کی تفصیل ۲ ہجری کے واقعات میں گزر چکی ہے۔

فضائل ومناقب

حضرت فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ بار بار آپ نے یہ فرمایا ہے کہ اے فاطمہ کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تو جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ تو تمام عالم کی عورتوں کی سردار ہے۔ سوائے مریم کے آپ کا معمول تھا کہ جب آپ سفر میں جاتے تو سب سے اخیر میں حضرت فاطمہ سے ملتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ کے پاس جاتے۔

اولاد

حضرت فاطمہ کے پانچ اولاد ہوئیں۔ تین لڑکے اور دو لڑکیاں۔ حسن، حسین، محسن، ام کلثوم، زینب

سوائے حضرت فاطمہ کے اور کسی صاحب زادی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل کا سلسلہ نہیں چلا۔

محسن تو بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ حضرت ام کلثوم سے حضرت عمر نے نکاح فرمایا اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اور حضرت زینب کا نکاح عبداللہ بن جعفر سے ہوا اور ان سے اولاد ہوئی۔

وفات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے چھ مہینہ بعد ماہ رمضان ۱۱ ہجری میں فاطمۃ الزہرا نے انتقال فرمایا۔ حضرت عباس نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور حضرت علی اور حضرت عباس اور فضل بن عباس نے قبر میں اتارا۔

حضرت ابراہیمؓ

پیدائش، عقیقہ

حضرت ابراہیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری اولاد ہیں۔ جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے ماہ ذی الحجہ ۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ساتویں روز آپ نے عقیقہ کیا۔ عقیقہ میں دو مینڈھے ذبح کرائے سر منڈوایا گیا۔ بالوں کے برابر چاندی تول کر صدقہ کی گئی اور بال زمین میں دفن کئے گئے اور ابراہیم نام رکھا۔

رضاعت

اور عوالی میں ایک دودھ پلانے والی کے حوالے کیا۔
کبھی کبھی آپ تشریف لے جاتے اور گود میں لے کر پیار کرتے۔

انتقال

تقریباً پندرہ سولہ مہینہ زندہ رہ کر ۱۰ ہجری میں انتقال کیا۔ جس روز انتقال ہوا اتفاق سے اس روز سورج گہن ہوا۔ عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرتا ہے تو سورج گہن ہوتا ہے۔ اس لئے آپ نے اس عقیدۂ فاسدہ کے رد کرنے کے لئے خطبہ دیا کہ چاند اور سورج اللہ کی نشانیاں ہیں کسی کے مرنے یا جینے سے ان کو گہن نہیں لگتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کہ جب ایسا دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو۔ اور صدقہ دو۔

تعداد ازواج

از

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

تاریخ انسانیت میں متعدد شادیاں

تاریخ عالم کے مسلمات میں سے ہے کہ اسلام سے پہلے تمام دنیا میں یہ رواج تھا کہ ایک شخص کئی کئی عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھتا تھا اور یہ دستور تمام دنیا میں رائج تھا۔ حتیٰ کہ حضرات انبیاء کرام بھی اس دستور سے مستثنیٰ نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیویاں تھیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بھی متعدد بیویاں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھی کئی بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بیسیوں بیویاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے سو بیویاں تھیں اور توریت وانجیل اور دیگر صحف انبیاء میں حضرات انبیاء کی متعدد ازدواج کا ذکر ہے اور کہیں بھی تعداد ازدواج کی ممانعت کا ادنیٰ اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔

اسلام کا کارنامہ

اسلام آیا اور اس نے تعداد ازدواج کو جائز قرار دیا۔ مگر اس کی حد مقرر کر دی کہ چار سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ نکاح سے مقصود پاک دامنی اور شرمگاہ کی زنا سے حفاظت مقصود ہے۔ چار عورتوں میں جب ہر تین شب کے بعد عورت کی طرف رجوع کرے گا تو اس کے حقوق زوجیت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

شریعت اسلامیہ نے غایت درجہ اعتدال اور توسط کو ملحوظ رکھا نہ تو جاہلیت کی طرح غیر محدود کثرت کی اجازت دی کہ جس سے شہوت رانی کا دروازہ کھل جائے اور نہ اتنی تنگی کی کہ ایک سے زائد کی اجازت ہی نہ دی جائے۔ بلکہ بین بین حالت کو برقرار رکھا کہ چار تک اجازت دی۔

متعدد نکاح کی اجازت کے اسباب

۱: عفت کا تحفظ

نکاح کی غرض و غایت یعنی عفت اور حفاظت نظر اور تحصین فرج اور تناسل اور اولاد بسہولت حاصل ہو سکے۔ اور زنا سے بالکلیہ محفوظ ہو جائے اس لئے کہ قدرت نے بعض لوگوں کو ایسا قوی اور تندرست اور فارغ البال اور خوشحال بنایا ہے کہ ان کے لئے ایک عورت کافی نہیں ہو سکتی اور بوجہ قوت اور توانائی اور پھر خوشحالی اور تونگری کی وجہ سے چار بیویوں کے بلا تکلف حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو دوسرے نکاح سے روکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان سے تقویٰ اور پرہیزگاری اور پاکدامنی تو رخصت ہو جائے گی اور بدکاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔

۲: عورتوں کی خوشحالی

ایسے قوی اور توانا جن کے پاس لاکھوں اور کروڑوں کی دولت موجود ہے اگر وہ اپنے خاندان کے چار غریب عورتوں سے اس لئے نکاح کریں کہ ان کی تنگدستی ختم ہو جائے اور وہ غربت کے گھرانہ سے نکل کر ایک راحت اور دولت کے گھرانے میں داخل ہوں اور حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر کریں تو امید ہے کہ ایسا نکاح اسلامی نقطۂ نظر سے بلاشبہ عبادت اور عین عبادت ہوگا اور قومی نقطۂ نظر سے اعلیٰ ترین قومی ہمدردی کا ثبوت ہوگا۔ جس دولت مند اور زمیندار اور سرمایہ دار کے خزانے سے ہر مہینہ دس ہزار مزدور اور دس ہزار خاندان پرورش پاتے ہوں تو اگر دولت مند کے خاندان کی چار عورتیں بھی اس کی حرم سرائے میں داخل ہو جائیں اور عیش و عشرت اور عزت و راحت کے ساتھ ان کی عزت اور ناموس بھی محفوظ ہو جائے تو عقلاً و شرعاً اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔

۳: عورت کی مجبوری کے ایام میں تحفظ

نیز عورت ہر وقت اس قابل نہیں رہتی کہ خاوند سے ہم بستر ہو سکے کیونکہ اول تو لازمی طور پر ہر مہینہ میں عورت پر پانچ چھ دن ایسے آتے ہیں یعنی ایام ماہواری جس میں مرد کو پرہیز کرنا لازمی ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایام حمل میں عورت کو مرد کی صحبت سے اس لئے پرہیز ضروری ہوتا ہے کہ جنین کی صحت پر کوئی برا اثر نہ پڑے۔ تیسرے یہ کہ بسا اوقات ایک

عورت امراض کی وجہ سے یا حمل اور توالد اور تناسل کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہتی کہ مرد اس سے منتفع ہو سکے۔ تو ایسی صورت میں مرد کے زنا سے محفوظ رہنے کی عقلاً اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ اس کو دوسرے نکاح کی اجازت دی جائے ورنہ مرد اپنی خواہش کے پورا کرنے کے لئے ناجائز ذرائع استعمال کریں گے۔

۴: عورتوں کی تعداد کی کثرت

نیز تجربہ اور مشاہدہ سے اور مردم شماری کے نقشوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعداد قدرتاً اور عادۃً ہمیشہ مردوں سے زیادہ رہتی ہے جو کہ قدرتی طور پر تعدد ازدواج کی ایک واضح دلیل ہے۔ مرد بہ نسبت عورتوں کے پیدا کم ہوتے ہیں۔ اور مرتے زیادہ ہیں۔ لاکھوں مرد لڑائیوں میں مارے جاتے ہیں اور ہزاروں مرد جہازوں میں ڈوب کر مر جاتے ہیں۔ اور ہزاروں مرد کانوں میں دب کر اور تعمیرات میں بلندیوں سے گر کر مر جاتے ہیں اور عورتیں پیدا زیادہ ہوتی ہیں اور مرتی کم ہیں۔ پس اگر ایک مرد کی کئی شادیوں کی اجازت نہ دی جائے تو یہ فاضل عورتیں بالکل معطل اور بے کار رہیں کون ان کی معاش کا کفیل اور ذمہ دار ہے اور کس طرح یہ عورتیں اپنی فطری خواہش کو دبائیں اور اپنے کو زنا سے محفوظ رکھیں۔

بس تعدد ازدواج کا حکم بے کس عورتوں کا سہارا ہے اور ان کی عصمت اور ناموس کی حفاظت کا واحد ذریعہ ہے اور ان کی جان آور آبرو کا نگہبان اور پاسبان ہے۔

۵: تقویٰ کا حصول

تعدد ازدواج کے جواز اور استحسان کا اصل سبب یہ ہے کہ تعدد ازدواج عفت اور پاکدامنی اور تقویٰ اور پرہیزگاری جیسی عظیم نعمت اور صفت کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ تعدد ازدواج کے مخالف ہیں وہ اندرونی خواہشوں اور بیرونی افعال کا مطالعہ کریں۔ جو قومیں زنا سے پاک تعدد ازدواج کے منکر ہیں وہ عملی طور پر ناپاک تعدداد ازدواج یعنی زنا اور بدکاری میں مبتلا اور گرفتار ہیں ان کی خواہشوں کی وسعت اور دست درازی نے یہ ثابت کر دیا کہ فطرت میں تعدد اور تنوع کی آرزو موجود ہے۔ ورنہ ایک عورت پر قناعت کرتے۔ پس خداوند علیم وحکیم نے اپنے قانون میں انسانوں کی وسیع خواہشوں اور اندرونی میلانوں کی رعایت فرما کر ایسا قانون تجویز فرمایا کہ جو مختلف جذبات والی طبائع کو بھی عفت اور تقویٰ اور طہارت کے دائرہ میں محدود رکھ سکے۔

اہل مغرب کا تعصب

اہل مغرب اسلام کے اس جائز اور سراپا مصلحت آمیز تعدد ازدواج پر تو عیش پسندی کا الزام لگائیں اور غیر محدود ناجائز تعلقات اور بلا نکاح کی لاتعداد آشنائی کو تہذیب اور تمدن سمجھیں زنا جو کہ تمام انبیاء و مرسلین کی شریعتوں میں حرام اور تمام حکماء کی حکمتوں میں قبیح اور شرمناک فعل رہا۔ مغرب کے مدعیان تہذیب کو اس کا قبح نظر نہیں آتا۔ اور تعدد ازدواج کہ جو تمام انبیاء و مرسلین اور تمام حکماء اور عقلاء کے نزدیک جائز اور مستحسن رہا وہ ان کو قبیح نظر آتا ہے۔ ان مہذب قوموں کے نزدیک تعدد ازدواج تو جرم ہے اور زنا اور بدکاری اور غیر عورتوں سے آشنائی جرم نہیں۔ ان مہذب قوموں میں تعدد ازدواج کی ممانعت کا تو قانون موجود ہے مگر زناء کی ممانعت کا کوئی قانون نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد نکاحوں کی حکمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو ہلاکت اور گرداب مصیبت سے نکالیں۔ اس کے لئے حق جل شانہ نے ایک مکمل قانون اور دستور العمل یعنی قرآن نازل فرمایا کہ جس کے بعد قیامت تک کسی قانون کی ضرورت نہ رہے اور دوسرے آپ کی زندگی کو لوگوں کے لئے اسوۂ اور نمونہ بنایا کہ اس کو دیکھ کر عمل کریں۔ اس لئے کہ محض قانون لوگوں کی اصلاح کے لئے کافی نہیں جب تک کوئی عملی نمونہ سامنے نہ ہو کہ جو لوگوں کو اپنی طرف مائل کر سکے اور دنیا یہ دیکھ لے کہ اللہ کا نبی جس چیز کی دعوت دے رہا ہے اس کے قول اور فعل میں ذرہ برابر اختلاف نہیں۔

ہر انسانی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک بیرونی اور ایک اندرونی کسی کی عملی حالت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں رخوں کے حالات بے نقاب کئے جائیں۔

بیرونی زندگی اس حالت کا نام ہے جو انسان عام لوگوں کے سامنے بسر کرتا ہے اس حصہ کے متعلق انسان کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے کثرت سے شواہد دستیاب ہو سکتے ہیں۔

اور اندرونی زندگی سے خانگی زندگی مراد ہے جس سے انسان کی اخلاقی حالت کا صحیح پتہ چل سکتا ہے ہر فرد اپنے گھر کی چہار دیواری میں آزاد ہوتا ہے اور اپنی بیوی اور اہل خانہ سے بے تکلف ہوتا ہے۔ انسان کی اخلاقی اور عملی کمزوریاں اہل خانہ سے پوشیدہ نہیں ہوتیں۔

پس ایسی صورت میں انسان کی صحیح زندگی کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے بہتر کسوٹی یہی ہے کہ اس کے خانگی حالات دنیا کے سامنے آ جائیں۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے دو پہلو تھے ایک بیرونی زندگی اور ایک خانگی زندگی۔ بیرونی زندگی کے حالات کو بتمام وکمال صحابہ کرام کی جماعت نے دنیا کو پہنچائے جس کی نظیر کسی ملت اور مذہب میں نہیں کسی امت نے اپنے نبی کی زندگی کے حالات اس تفصیل وتحقیق اور تدقیق کے ساتھ تو کیا اس کا عشر عشیر بھی دنیا کے سامنے نہیں پیش کیا۔

اور خانگی اور اندرونی زندگی کے حالات کو امہات المومنین یعنی ازواج مطہرات کی جماعت نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ جس سے اندرون خانہ آپ کی عبادت اور تہجد اور شب بیداری اور فقیری اور درویشی اور اخلاقی اور عملی زندگی کے تمام اندرونی اور خانگی حالات دنیا کے سامنے آ گئے۔ جس سے حضور پرنور کی خدا ترسی اور راست بازی اور پاکدامنی روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ رات کی تاریکیوں میں جبکہ سوائے عالم الغیب کے کوئی دیکھنے والا نہ تھا کس طرح آپ اللہ کی عبادت میں ذوق وشوق کے ساتھ مشغول رہتے تھے۔ جس کے لئے سورۂ مزمل شاہد عدل ہے۔

حضور پرنور نے سوائے خدیجۃ الکبریٰ کے دس عورتوں سے نکاح فرمایا تاکہ عورتوں کی ایک کثیر جماعت آپ کی خانگی زندگی دنیا کے سامنے پیش کر سکے۔ اس لئے کہ بیوی جس قدر شوہر کے رازوں سے واقف ہوسکتی ہے کوئی دوسرا شخص ہرگز ہرگز واقف نہیں ہوسکتا۔ اس لئے حضور نے متعدد نکاح فرمائے تاکہ آپ کی خانگی زندگی کے تمام حالات نہایت وثوق کے ساتھ دنیا کے سامنے آ جائیں اور ایک کثیر جماعت کی روایت کے بعد کسی قسم کا شک اور شبہ باقی نہ رہے اور شریعت کے وہ احکام ومسائل جو خاص عورتوں سے متعلق ہیں اور مردوں سے بیان کرنے میں حیا اور حجاب مانع ہوتا ہے ایسے احکام شرعیہ کی تبلیغ ازواج مطہرات کے ذریعہ سے ہو جائے اور حضور پرنور کا متعدد عورتوں سے نکاح کرنا معاذ اللہ حظ نفس کے لئے نہ تھا اس لئے کہ حضور نے سوائے ایک شادی کے تمام شادیاں بیواؤں سے کی ہیں جو نہ اپنے حسن وجمال کی خاطر مشہور تھیں اور نہ مال ودولت کے اعتبار سے بلکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اور نہ آپ کے یہاں کوئی عیش وعشرت کا سامان تھا۔ بلکہ فقط مقصود یہ تھا کہ عورتوں کے متعلق جو شریعت کے احکام ہیں ان کی تبلیغ عورتوں ہی کے ذریعے ہوسکتی ہے

اورازواج مطہرات کے حجرے درحقیقت امت کی امہات اور معلمات کے حجرے تھے۔

جس ذات بابرکات کے گھر میں دو دو مہینہ توا نہ چڑھتا ہو اور پانی اور کھجور پر اس کا اور اس کی بیویوں کا گزارہ ہو اور جس کا دن مسجد میں اور رات مصلے پر کھڑے ہوئے۔ اس طرح گزرتی ہو کہ اللہ کے سامنے کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آ جائے۔ وہاں عیش و عشرت کا تصور ہی محال ہے۔

ایک عورت کے لئے متعدد خاوند کیوں ممنوع ہیں؟

ا: ایک عورت کے لئے متعدد خاوند ہونے کی ممانعت کی وجہ (۱) اگر ایک عورت چند مردوں میں مشترک ہو تو بوجہ استحقاق نکاح ہر ایک کو قضاء حاجت کا استحقاق ہوگا اور اس میں غالب اندیشہ فساد اور عناد کا ہے۔ شاید ایک ہی وقت میں سب کو ضرورت ہو اور عجب نہیں کہ قتل تک نوبت پہنچے۔

۲: نیز مرد فطرۃً حاکم ہوتا ہے اور عورت محکوم اس لئے کہ طلاق کا اختیار مرد کو ہے جب تک وہ آزاد کر لے نہ کرے تو عورت دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی۔ جیسے باندی اور غلام خود آزاد نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ مالک کی طرف سے اعتاق (آزاد کرنا) نہ ہو۔ اسی طرح عورت بھی بغیر مرد کے آزاد کرنے کے خود بخود نکاح سے آزاد نہیں ہو سکتی جب تک طلاق نہ ہو۔ غلاموں میں اگر اعتاق ہے تو یہاں طلاق ہے۔ پس اگر ایک عورت کے متعدد خاوند ہوں گے تو یوں کہو کہ ایک عورت کے حاکم متعدد ہوں گے اور جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم میں ذلت بھی زیادہ ہوگی۔ اس لئے کہ ایک حاکم کے تحت متعدد محکوم ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ایک ایک حاکم کے تحت میں سو سو اور ہزار ہزار محکوم ہوتے ہیں۔ ایک بادشاہ کے تحت ملک کی رعایا ہوتی ہے اس میں نہ کوئی ذلت ہے نہ کوئی مشقت۔ لیکن اگر محکوم ایک ہو اور حاکم متعدد ہوں تو جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم کی ذلت بھی زیادہ ہوگی۔ معلوم ہوا کہ ایک عورت کا متعدد شوہروں کے تحت میں رہنا عورت کے لئے انتہائی تحقیر اور تذلیل کا سبب ہے۔ نیز متعدد شوہروں کی خدمت بجالانا اور سب کو خوش رکھنا ناقابل برداشت مشقت ہے۔ اس لئے شریعت اسلامیہ نے ایک عورت کو دو یا چار مردوں سے نکاح کی اجازت نہیں دی تاکہ عورت تحقیر اور تذلیل اور ناقابل برداشت مشقت سے محفوظ رہے پھر نہ معلوم کہ ایک عورت کے یہ چار شوہر ایک ہی مکان میں سکونت پذیر ہوں گے یا ایک محلّہ میں یا ایک شہر میں

یا دوسرے شہر میں اور یہ ایک عورت ان چاروں شوہروں کی کس طرح خدمت بجالائے گی۔ جو عورتیں تعدد شوہر کی جواز کی قائل ہیں وہ ان سوالات کا جواب دیں۔

۳: نیز اگر ایک عورت کے متعدد شوہر ہوں تو متعدد شوہروں کے تعلق سے جو اولاد پیدا ہوگی تو وہ کس کی اولاد ہوگی مشترکہ ہوگی یا منقسمہ۔ اور تقسیم کس طرح ہوگی۔ اگر ایک ہی فرزند ہوا تو چار باپوں میں کس طرح تقسیم ہوگا اور اگر متعدد اولاد ہوئیں اور نوبت تقسیم کی آئی تو بوجہ اختلاف ذکورت وانوثت و بوجہ تفاوت شکل وصورت اور بوجہ تباین خلق وسیرت اور بوجہ تفاوت قوت و ہمت اور بوجہ تفاوت فہم وفراست موازنہ ممکن نہیں۔ جو ایک ایک کو لے کر اپنے دل کو سمجھائے اس تفاوت کی وجہ سے تقسیم اولاد کا مسئلہ غایت درجہ پیچیدہ ہو جائے گا اور نہ معلوم کہ باہمی نزاع سے کیا کیا صورتیں رونما ہوں۔

پھر چونکہ سب اولاد سے برابر محبت ہوتی ہے اس لئے ایک دوسری دقت پیش آئے گی کہ ایک کے وصال سے اتنا سرور نہ ہوگا جتنا کہ اوروں کے فراق سے رنج اٹھانا پڑے گا۔ پھر اس وجہ سے کہ خدا جانے کیا کیا فتنے برپا ہوں۔ بہرطور اس نظام میں خرابیوں اور بربادیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس لئے شریعت حقہ نے ایک عورت کے لئے متعدد شوہروں کو ممنوع قرار دیا۔ ہندوؤں کی بعض قوموں میں ایک عورت کا پانچ پانڈوں کے نکاح میں ہونا جائز اور روا ہے۔ ان بے غیرتوں کو اس کا احساس نہیں کہ ایک عورت کا کبھی کسی سے اور کبھی کسی سے ہم آغوش اور ہم کنار ہونا سراسر بے غیرتی اور بے حیائی ہے۔ اسلام عزت اور عفت اور عصمت کا مذہب ہے اس میں اس بے غیرتی کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہاں اگر کوئی عورت بے غیرت بن جائے تو اس کو اپنے نفس کا اختیار ہے۔ ہندوؤں کی طرح اگر اس کو پانچ پانڈے میسر آجائیں اور وہ اس کو قبول بھی کرلیں تو کرلے۔ تمام انبیاء کرام کے مسلمہ حکمتوں میں ایک حکمت یہ ہے کہ **اذا فاتک الحیآء فاصنع ماشئت** جب تجھ سے حیاء جاتی رہی تو پھر جو چاہے کر۔

ازواجِ مطہرات اور غیر مسلم حلقوں کے اعتراضات وشبہات کا جواب

تعدد ازواج کا آغاز اسلام نے نہیں کیا

تعدد ازواج کا مسئلہ دین اسلام کا پیدا کردہ نہیں، نہ ہی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے (معترض حلقوں کے بقول) تعدد ازواج کا راستہ کھول کر دین اسلام کی اشاعت اور جنسیت کو فروغ دیا۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

مختلف مذاہب اور اقوام کی مذہبی قانونی اور تاریخی سند اس امر کی واضح دلیل ہے کہ تعدد ازواج کی رسم اسلام سے قبل بھی مختلف مذاہب اور اقوام میں رائج تھی۔ چنانچہ معروف فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاؤلی بان اپنی تصنیف (Civilization De Arabs) میں ''تعدد ازواج'' پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''مؤرخین یورپ کی نظروں میں تعدد ازواج گویا عمارت اسلامی کی بنیاد کا پتھر اور اشاعت دین اسلام کا بڑا سبب ہے۔''

مزید لکھتے ہیں: ''تعدد ازواج کی رسم اسلام سے بالکل الگ ہے کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کل اقوام مشرق، یہود، ایرانی، عربوں وغیرہ میں موجود تھی اور جن اقوام نے مذہب اسلام قبول کیا انہیں خاص اس مسئلہ میں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔''

(ڈاکٹر گستاؤلی بان تمدن عرب صفحہ ۳۷۰ و ۳۷۱ مترجم سید علی بلگرامی، مطبع مفید عام آگرہ ۱۸۹۶ء)

انسائیکلوپیڈیا ٹانیکا کے مطابق مشہور ماہر انسانیات جارج مرڈاک (Murdock) کی رپورٹ ۱۹۴۹ء کے مطابق دنیا کی ۵۵۴ قوموں میں سے ۴۱۵ میں تعدد ازواج کا رواج پایا جاتا ہے۔

(Encyclopaedia Britannica, Vol. 7,P-155.)

جارج مرڈاک ہی کی ایک اور رپورٹ کے مطابق ۲۵۰ کلچروں یا معاشروں میں سے ۱۹۳ میں تعدد ازواج (Polygramy) کا رواج پایا گیا ہے۔ (حوالہ سابقہ)

مذاہب عالم کی تاریخ اور ذخیرہ کتب اس حقیقت پر شاہد عدل ہیں کہ تعدد ازواج تمام مذاہب میں خواہ وہ الہامی ہوں یا غیر الہامی ہمیشہ رائج اور جائز رہا ہے۔ اسے صرف اسلام یا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے دین اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عفت وعصمت کو ہدف تنقید بنانا واقعیت کی تکذیب ہے۔

غیر الہامی مذاہب میں تعدد ازواج

غیر الہامی مذاہب میں سب سے زیادہ معروف اور قابل ذکر حیثیت کا حامل ''ہندو مت'' ہے اس مذہب کا ذخیرہ کتب اور تاریخ اس حقیقت کا اعتراف کرتی نظر آتی ہے کہ تعدد ازواج ''ہندو مت'' میں ہمیشہ رائج رہی ہے۔ ہندو دھرم میں زمانہ قدیم سے نہ صرف اس کی اجازت رہی ہے بلکہ آج بھی ہندوستان میں مسلمانوں کی نسبت ہندوؤں میں اس کا رواج زیادہ ہے۔ (The Position of Women in Hindu Civilization) کے مصنف ڈاکٹر الٹیکر (Dr. A.S. Altekar) اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ویدک لٹریچر میں تعدد ازواج (Poly Gamy) کے حوالے سے قطعی طور پر زیادہ ہیں دیکھئے (کتاب مذکور صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ دہلی ۱۹۸۳ء)

ذیل میں ہندومت کی قابل احترام مذہبی وتاریخی شخصیات کی فہرست دی جاتی ہے جس سے ہندومت میں تعدد ازواج کی اجازت اور عملاً رواج کا پتہ چلتا ہے''۔

ہندو دھرم کے پیرو ''رام چندر جی'' کو اپنا بھگوان تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے والد

راجہ دسرتھ کی متعدد بیویاں تھیں۔

(۱) پٹ رانی کوشلیا والدہ رام چندر جی۔

(۲) رانی سمترا والدہ لچھمن جی۔

(۳) رانی کیکئی والدہ بھرت جی۔

سری کرشن جی کی جو اوتاروں میں سولہ کلاں سپورن تھے سینکڑوں بیویاں تھیں۔

راجا پانڈو مشہور پانڈوں کا جد اعلیٰ ہے اس کی دو بیویاں تھیں۔

(۱) کنتی والدہ یدبشتر و بھیم سین وارجن۔

(۲) مادری والدہ نکل و سہدیو۔

راجا شنتن کی دو بیویاں تھیں۔

(۱) گنگا والدہ بھیکم۔

(۲) سیتہ دتی والدہ چترا مگد و دیگر۔

بچھترا یرج کی دو بیویاں اور ایک لونڈی تھی۔

(۱) امبکا والدہ دھرتراشیٹ، پسر بیاس جی۔

(۲) امبانکا والدہ پانڈو پسر بیاس جی۔

(۳) لونڈی والدہ بدر، بن بیاس جی۔

بحوالہ (قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جلد دوم، ص ۱۳۸، ۱۳۹ دارالاشاعت کراچی، ۱۴۱۱ ہجری)

علاوہ ازیں پدرمنوں کی دس بیویاں مانی جاتی ہیں، جبکہ آ ئنا یار برہمن کے راجہ ہریش چندرا کی سو بیویاں تھیں۔ ملاحظہ ہو۔

(The Position of Women in Hindu Civilization, P-105)

ڈاکٹر الٹیکر نے سنسکرت کے مستند حوالوں سے لکھا ہے کہ مؤخر ویدک لٹریچر میں متعدد شہادتیں ملتی ہیں کہ تعدد ازواج کا رواج معاشرے کے بعض طبقات میں پوری طرح سرایت کئے ہوئے تھا۔ (حوالہ سابقہ)

معروف مسلمان مؤرخ اور جغرافیہ دان ابوریحان البیرونی جنھوں نے کئی سالوں تک

ہندوستان میں مقیم رہ کر سنسکرت زبان سیکھی اور یہاں کے علوم وفنون اور رسم ورواج کا مشاہدہ کر کے مستند ترین کتاب ہندی تہذیب وثقافت پر "تحقیق ماللھند" نامی تصنیف کی موصوف مذکورہ کتاب میں لکھتے ہیں۔

"اہل ہند میں سے بعض کی نظر میں طبقاتی اعتبار سے متعدد عورتیں ہوسکتی ہیں۔ چنانچہ برہمن کے لئے چار، چھتری (کشتر) کے لئے تین، درویش کے لئے دو اور شودر کے لئے ایک بیوی ہوگی"۔ (البیرونی کتاب الہند صفحہ ۴۷۰ حیدرآباد دکن ۱۹۵۸ء)

جدید ہندو معاشرے میں تعدد ازواج کے اعداد وشمار مولانا محمد شہاب الدین ندوی کی کتاب "تعدد ازواج پر ایک نظر" صفحہ ۲۲ وصفحہ ۲۳ (مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۹۴ء) پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

یہ تو غیر الہامی مذہب ہندومت میں تعدد ازواج کا تاریخی اور علمی مطالعہ تھا۔ غیر الہامی مذاہب میں قابل ذکر حیثیت کا حامل ہندومت ہی ایسا مذہب ہے جس کے پیرو آج بھی بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

یہودیت اور تعدد ازواج

الہامی مذاہب میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام تینوں تعدد ازواج کے جواز کے قائل ہیں اور تینوں مذاہب کی دینی ومذہبی تاریخ تعدد ازواج کے جواز پر عامل نظر آتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ومرتبہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام تینوں مذاہب میں مسلم اور قابل احترام ہے، مذکورہ تینوں مذاہب سماوی آپ کو اپنا روحانی پیشوا اور ابوالانبیاء مانتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ازواج حضرت سیدہ ہاجرہ اور سیدہ سارہ پر تینوں مذاہب متفق ہیں۔

یورپین مصنف ویسٹرک مارک (Wester Marck) لکھتا ہے:

"بہت سے مواقع پر لوتھر نے کثرت ازواج کی بابت کافی نرم رویہ اپنایا۔ خدا نے اس سے منع نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ کی جو ایک کامل انسان تھے دو بیویاں تھیں۔ خدا نے عہد نامہ قدیم کے بعض لوگوں کو خاص حالات میں ایسی شادیوں کی اجازت دے رکھی تھی۔

(Wester Marck/ The Future Marrage in Western Civilization london, 1936 P-173)

یہودی مصنف ابراہیم لیون ''تاریخ یہود'' میں لکھتا ہے کہ تعدد ازواج کی کوئی قانونی ممانعت نہ تھی۔ یہاں تک کہ قرون وسطیٰ میں (Rabbi Gershom) نے فتویٰ جاری کر دیا جس کے مطابق ایک شخص اتنی بیویاں رکھ سکتا تھا جتنی کہ اس کے بس میں ہوتیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ (Gideon) کی ستر بیویاں تھیں۔ اور ہم داؤد کی بیویوں میں کم از کم سات کے نام جانتے ہیں۔ یہودی تاریخ میں سب سے بڑا حرم غالباً سلیمان کا ہی تھا۔

(Abram leon Sachar/ A History of The Jews, New York, 1972, P.94)

ہارپر (Horper,s) کی بائبل ڈکشنری میں لکھا ہے کہ:

''عہد نامہ قدیم کے زمانہ میں تعدد ازواج کی اجازت تھی اور توریتی قانون نے بھی اس کی ممانعت نہیں کی۔ داشتاؤں، کنیزوں اور دوسری بیویوں کی کثرت ایک معمول تھا۔ حضرت ابراہیمؑ، یعقوبؑ اور یوسفؑ ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے تھے۔ بادشاہوں کی بہت سی بیویاں ہوتیں۔ جیسے داؤد اور سلیمان نے سیاسی اتحادوں کے لئے کیں۔ بحوالہ Horper,s Bible Dictionary by Madeleine Smillier Etc P421) بنی اسرائیل کے انبیاء تعدد ازواج کے جواز پر عملاً عامل رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں۔

(۱) سفورہ خاتون۔ (کتاب خروج ۲/۱۳)

(۲) جشیر (۳) قینی۔ (قاضیون ۲٬۱۶) (۴) حباب۔ (قاضیون ۴/۱۶)

علاوہ ازیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے لاتعداد بیویوں کے جواز کا پتہ ذیل کے حوالہ جات سے ملتا ہے۔

''جب تو لڑائی کے لئے اپنے دشمنوں پر خروج کرے اور خداوند تیرا خدا ان کو تیرے ہاتھوں سے گرفتار کرے اور تو انہیں اسیر کر لائے، اور ان اسیروں میں خوبصورت عورت کو دیکھے اور تیرا جی چاہے کہ تو اسے اپنی جورو بنائے۔ ۱۲ تو تو اسے اپنے گھر میں لا اس کا سر منڈا

اور ناخن کٹوا' ۱۳۔ تو وہ اپنا اسیری کا لباس اتارے گھر میں رہے۔ اور ایک مہینہ بھر اپنے باپ اور اپنی ماں کے سوگ میں بیٹھے بعد اس کے ساتھ تو خلوت کر اور اس کا خصم بن اور وہ تیری جورو بنے۔ (کتاب استثناء ۱۰ تا ۲/۱۳)

عیسائیت اور تعدد ازواج

انجیل کے زمانہ نزول میں (تعدد ازواج) کثیر از دواجی قبول عام کا درجہ رکھتی تھی اور اس کا عام رواج تھا۔ اور اسے مذہبی معاشرتی اور اخلاقی طور پر نہ صرف تسلیم کیا جاتا تھا بلکہ اس پر کسی قسم کی تنقید یا اعتراض وارد نہ ہوتا تھا۔ اسی بناء پر انجیل میں اس موضوع سے بحث نہیں کی گئی۔ کیونکہ یہ اس وقت امر واقعہ تھا اور اسے بالکل درست اور فطری سمجھا جاتا تھا۔ انجیل نے نہ اسے ممنوع قرار دیا اور نہ اسے ضابطہ بند کیا اور نہ اس پر کوئی پابندی عائد کی گئی۔

عیسائیت میں اس امر کی گواہی ملتی ہے کہ دس کنواریاں اپنے ہونے والے دولہا سے ملنے کے لئے گئیں اور بائیبل کی بہت سی تفاسیر میں ہونے والے دولہا سے مراد یسوع مسیح ہی لئے گئے ہیں۔

جبکہ انجیل متی باب ۲۵ کے مطابق حضرت مسیحؑ نے اپنی آمد کی خبر میں دس کنواریوں کا ذکر کیا ہے کہ پانچ نے دولہا کے ساتھ شادی کی۔ گھر میں گئیں' اور پانچ جو پیچھے رہ گئی تھیں ان کے لئے دروازہ نہ کھولا گیا۔

یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کبھی اس تمثیلی بیان کو زبان پر نہ لاتے اگر ان کے نزدیک ایک سے زیادہ بیوی کا ہونا پسندیدہ نہ تھا۔

عیسائیت کے بعد کئی سو برس تک کلیسا کی کسی مجلس نے تعدد ازواج کی مخالفت نہیں کی اور کئی عیسائی امراء اور سلاطین نے ایک سے زیادہ بیویاں رکھیں۔ لیکن کلیسا نے کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔ چنانچہ شارلمین نے دو عورتوں سے بیک وقت نکاح کرنے کے علاوہ کئی ایک داشتہ عورتیں رکھ چھوڑی تھیں۔

یورپین مصنف ویسٹر مارک (Wester marck) کے مطابق بعض عیسائی فرقے

تعدد ازواج کی بڑی شدت سے وکالت کرتے رہے ہیں۔ ۱۵۳۱ء میں عیسائیوں کے ایک فرقہ نے اس بات کی تبلیغ کی کہ جو سچا عیسائی بننا چاہتا ہے اس کی بہت سی بیویاں ہونی چاہئیں' ایک دوسرے فرقے میں معاشی حالات کی اجازت دینے کی صورت میں کثرت ازواج فرض تھی۔ تاکہ آخرت اور دنیا میں بھلائی پا سکے۔ ملاحظہ ہو۔

(Wester Marck/ The Future Marrage in Western Civilization london, 1936 P-173)

انبیائے کرام اور تعدد ازواج

انبیائے سابقین کی عظمت و تقدس پر تینوں آسمانی مذاہب یہودیت' عیسائیت اور اسلام متفق ہیں۔ ان کی سوانحی تاریخ تعدد ازواج کے جواز اور اس پر عامل رہنے کی گواہ ہے۔ اور تعدد ازواج کے عدم جواز پر کسی پیغمبر یا نبی کی جانب سے اس کی ممانعت یا عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں ملتی انبیائے سابقین میں معروف انبیاء تعدد ازواج پر عامل رہے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سوانحی تاریخ تعدد ازواج پر عامل رہنے کی واضح دلیل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام و مرتبہ یہودیت' عیسائیت اور اسلام تینوں مذاہب میں مسلم ہے اور مذکورہ تینوں مذاہب میں آپ ابوالانبیاء اور روحانی پیشوا مانے جاتے ہیں۔ تینوں مذاہب کا سلسلہ آپ ہی پر منتہی ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویاں حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ معروف ہیں۔ حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے۔ جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی اور دوسری بیوی حضرت ہاجرہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی جو عربوں کے جدامجد ہیں۔

(۱) سیدہ ہاجرہ...... (کتاب پیدائش ۱۶/۴) والدہ حضرت اسماعیل علیہ السلام)

(۲) سیدہ سارہ...... (کتاب پیدائش ۱۵/ ۱۸) والدہ اسحاق علیہ السلام)

(۳) قتورہ خاتون...... (کتاب پیدائش ۱/ ۲۵) والدہ زمران)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی مندرجہ ذیل بیویوں کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) لیاہ...... (کتاب پیدائش ۲۳/ ۲۹) والدہ روبن شمعون' لاوی' یہودہ' آشکار' زبلون۔

(۲) زلفہ...... (کتاب پیدائش ۳۴/ ۲۹) والدہ جد' آشر۔

(۳) رافل (ایضاً کتاب پیدائش ۲۸/ ۲۹) والدہ یوسف علیہ السلام و بن یامین۔

(۴) بلہہ...... (کتاب پیدائش ۲۹/ ۲۹) والدہ دان ونفتال۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار بیویوں کے نام ملتے ہیں۔

(۱) سفورہ خاتون (کتاب خروج ۲/۳۱) والدہ جیرسوم' العیز ر۔

(۲) جشیر۔

(۳) ان کے والد کا نام قینی تھا۔ (قاضیون ۱/۱۶)

(۴) ان کے والد کا نام حباب تھا۔ (قاضیون ۴/۱۶)

علاوہ ازیں (کتاب استثناء ۱۰ تا ۲۱/۱۳) سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تعدد ازواج کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی درج ذیل بیویاں تھیں۔

(۱)......اخنوعم۔ (۱۔سموئیل ۲۳/ ۲۶) والدہ امنون۔

(۲)......ابی جیلی والدہ کلیاب۔

(۳)......میکل بنت سادہ شاہ اسرائیل' (۱۔سمویل ۲۷/ ۱۸)

(۴) معکہ بنت تلمی شاہ جسور۔ (۲۔سمویل' ۳ باب) والدہ اسلوم

(۵) حجیت۔ والدہ بی سلوم وادونیاہ

(۶) ابیطال والدہ سقطیاہ

(۷) عجلاہ والدہ تیرعام۔

(۸) بنت سبع دختر ابیعام۔ (۲۔سموئیل ۳/ ۲۶/ ۱۱) والدہ سلیمان علیہ السلام۔

(۹) الی شاک (۲۔سموئیل)

(۱۰) دس حرمیں۔ (۲۔سموئیل' ۳۰/ ۲۰) علاوہ ازیں دیگر حرمیں و جورئیں۔ (۲۔سموئیل ۱۳/ ۵)

انبیائے سابقین میں تعدد ازواج کے حوالہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیگر تمام انبیاء پر سبقت حاصل تھی۔ آپ کی سات سو بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں۔ (سلاطین ۳/ ۱۱)

جبکہ آپ کے بڑے بیٹے رجعام کی ۱۸ بیویاں اور ۶۰ حرمیں تھیں۔ (تواریخ ۱۱/۲۱)

عیسائیوں اور یہودیوں کی ہٹ دھرمی

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ انبیاء و مرسلین سابقین تعدد ازواج کے جواز کے قائل اور اس پر عمل پیرا تھے۔ تینوں الہامی مذاہب یعنی یہودیت' عیسائیت اور اسلام مذکورہ تمام انبیاء کی عفت و عصمت اور عظمت و تقدس کے قائل ہیں اور ان کی شان میں گستاخی اور کسی قسم کا اہانت آمیز کلمہ ناجائز اور ناقابل برداشت تصور کرتے ہیں۔ اب اگر مذکورہ انبیاء سابقین کی تعدد ازواج عفت و عصمت' پاکدامنی اور پرہیزگاری کا ذریعہ تھیں تو نبی عفت و عصمت' پیغمبر رحمت' صاحب خلق عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعدد ازواج پر غیر مسلم حلقوں بالخصوص عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے کیا جواز ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عفت و عصمت کو شہوت پرستی اور جنسی جنون کے نام پر داغدار کریں۔ اگر وہ انبیائے سابقین کا عمل باوجود تعدد ازواج کے جائز اور عفت و عصمت پر مبنی قرار دیتے ہیں تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو گروہ انبیاء کے سردار و امام ہیں۔ اگر ان کا عمل تعدد ازواج ہدف تنقید قرار نہیں پاتا تو نبی صادق و امین ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آثار مقدسہ کو کیوں داغدار کیا جاتا ہے یہ ضد اور ہٹ دھرمی سراسر مبنی برناانصافی ہے۔ اگر تعدد ازواج شہوت پرستی اور جنسی جنونیت کا نام ہے تو نعوذ باللہ صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم شہوت پرست اور جنسی جنونی قرار نہیں پائیں گے بلکہ تمام انبیائے سابقین تعدد ازواج پر عامل رہے اور الہامی و غیر الہامی مذاہب جن کی مذہبی کتب تعدد ازواج کے جواز و استحسان کے دلائل و براہین فراہم کرتے ہیں وہ سب انبیاء اور مذاہب کے بانی شہوت پرست جنسی جنونی اور شہوت و جنسیت کے علمبردار تصور کئے جائیں گے۔ (نعوذ باللہ)

(از ڈاکٹر حافظ محمد ثانی فاضل علوم اسلامی ایم اے' ایل ایل بی' پی ایچ ڈی)

پیغمبرِ اسلام اور تعداد ازواج

مستشرقین کی تنقید

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زائد شادیاں (تعداد ازواج) امت مسلمہ کے لئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عفت و عصمت، زہد پرور زندگی اور حیات طیبہ کے ہر دور سے واقفیت رکھتے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اس امر کے معترف ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیاں پیغمبرانہ زندگی کا حصہ تھیں۔ جس میں لذات نفسانی کا شائبہ تک نہ تھا۔

لیکن غیر مسلم حلقوں کے لئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیاں قابل بحث قرار پاتی ہیں۔ غیر مسلم معترضین، مستشرقین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں کے حقائق و اسباب کو مسخ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار کو تعداد ازواج (Poly Gamy) کے حوالہ سے ہدف تنقید بناتے ہوئے شہوت پرستی اور لذات نفسانی کے شرمناک بے بنیاد الزامات عائد کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد شادیوں کا پس منظر

ذیل میں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد ازواج کے حقائق پیش کرتے ہیں۔ جن سے قارئین پر واضح ہو جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زائد شادیاں کن وجوہات کے تحت عمل میں آئیں۔

۱۔...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے اس گرم خطہ زمین سے تعلق رکھتے تھے جہاں فطری خواہشات انسان پر غالب ہوتی ہیں۔ جہاں لوگ کم عمری میں جسمانی پختگی کو پہنچ جاتے ہیں اور جہاں خواہشات جسمانی کی آزادانہ تسکین ہر طبقے کے لوگوں میں عام تھی۔

اس کے باوجود محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس برس کی عمر تک جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی شادی کی کسی عورت کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ سارے عرب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلند کردار اور اعلیٰ اخلاق کی بناء پر ''الامین'' کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی زندگی کا اعلیٰ معیار واضح ہوتا ہے۔

۲- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی شادی اس گرم آب وہوا میں اتنی غیر معمولی تاخیر سے حضرت خدیجہؓ سے ہوئی جو دوبار بیوہ ہونے والی نسبتاً ایک عمر رسیدہ خاتون تھیں۔ جبکہ عمر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پندرہ برس بڑی تھیں۔ شادی کا پیغام بھی خود حضرت خدیجہؓ نے دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود عمر کے اس واضح فرق اور دوبار بیوہ ہونے کے قبول کرلیا۔ اس وقت اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے کہیں زیادہ حسین وجمیل اور نوعمر لڑکیاں شادی کے لئے مل جاتیں اگر نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شہوت پرستی یا لذات نفسانی کا غلبہ ہوتا۔

۳- جس مقدس ہستی نے ۲۵ سے ۵۰ سال تک عین شباب کا عرصہ ایک ایسی خاتون کے ساتھ بسر کیا ہو جو عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۵ سال بڑی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل دو شوہروں کی بیوی رہ کر کئی بچوں کی ماں بن کر معمر ہو چکی ہو اور پھر اس ربع صدی کے زمانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل بستگی ومحبت میں ذرا کمی نہ آئی ہو۔ بلکہ ان کے وفات پا جانے کے بعد بھی ہمیشہ ان کی یاد کو تازہ رکھا ہو۔ کیا اس مقدس ہستی کی نسبت کسی کے دل میں گمان بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ ان کی شادی کی وجہ وہی تھی جو عام طور پر حسن پرستوں کی شادیوں میں پائی جاتی ہے۔

انہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولادیں ہوئیں۔ سوائے ایک صاحبزادے حضرت ابراہیم کے' وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زندگی بسر کرتی رہیں۔ حتیٰ کہ ان کی عمر ۶۵ سال سے متجاوز ہوگئی۔ ان کی زندگی میں نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شادی کی اور نہ اپنی ان بیوی کے سوا کسی اور سے تعلق رکھا۔

رسوائے زمانہ آریہ سماج لیڈر راج پال جس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے

عصبیت اور جنون نوازی کے اظہار کے لئے بدنام زمانہ کتاب لکھی۔ جس کا نام نقل کرنا بھی کلمہ کفر ہے۔ اپنی زہر افشانیوں اور فتنہ انگیزیوں کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عائلی زندگی کے بارے میں اس اعتراف سے باز نہ رہ سکا۔

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں ہوا۔ یہاں تو آریہ سماجیوں کو ماننا پڑے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شاستر کے مطابق زندگی کا پہلا حصہ مجرد رہ کر گزارا وہ برہم چاری تھے اوران کا حق تھا کہ شادی کریں۔ معیار خانہ داری کے پچیس برس وہ ایک ہی بیوی پر قانع رہے اور وہ بھی دو خاوندوں کی بیوہ جو نکاح کے وقت چالیس برس اور انتقال کے وقت پینسٹھ برس کی تھیں۔ اس بوڑھی عورت سے اس جوان مرد نے نباہ کی۔ یہ بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی پر دلالت کرتی ہے۔

(محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ/ ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قانون توہین رسالت صفحہ ۲۷ مطبوعہ الفیصل لاہور ۱۹۹۴ء)

معروف یورپین دانشور جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب اپالوجی فار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اینڈ قرآن (Apology for Muhammad and the Kuran) میں اعتراف حقیقت کے طور پر لکھتا ہے:۔

''کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی خدیجہؓ کی وفات کے بعد گیارہ یا بارہ نکاح کئے۔ اس بناء پر بعض مخالف مؤرخ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت اعتراض کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو شہوت پرستی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ (معاذ اللہ) مگر علاوہ اس بات کے کہ اہل عرب اور مشرقی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک سے زیادہ نکاح کیا کرتے تھے اوران کا یہ فعل قبیح خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پچیس برس کی عمر سے پچاس برس تک ایک ہی بیوی پر قانع رہے۔ اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص شہوت پرست ہو اور ایسے ملک کا باشندہ ہو جہاں ایک سے زیادہ نکاح کرنے جائز ہوں اور وہ شخص پچاس برس کی عمر تک صرف ایک ہی بیوی پر قانع رہے۔

(John Daven Port/ Apology for Muhammad and the Kuran, Lahore, 1975, P. 25,26)

۴- ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے سانحہ ارتحال کے وقت جبکہ ان کی عمر ۶۵ برس اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۵۰ برس تھی ان کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ عرصہ تجرد کی زندگی گزارتے رہے تب ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں' جو اپنے شوہر سکران بن عمرو کے ساتھ ہجرت حبشہ ثانیہ سن ۵ نبوی میں (جو کہ مشرکین مکہ کی طرف سے صحابہ کرامؓ کے لئے ایذاء رسانی کا دور تھا) کر گئی تھیں۔ حبشہ سے وطن واپسی کے موقعہ پر ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا۔ اب انہیں پناہ اور تحفظ درکار تھا ان کے لئے فطری راہ یہی تھی کہ وہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آ جائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر کے انہیں تحفظ اور پناہ فراہم کی۔ وہ نہ تو نوعمر تھیں اور نہ ظاہری حسن و جمال کی مالک' ایک عام بیوہ عورت تھیں۔ اسی سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق خاص حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لئے پیغام نکاح بھیجا۔ ان دونوں شادیوں کے پس پردہ کارفرما محرکات کا کوئی تعلق شہوت اور جسمانی کشش سے ہرگز نہیں تھا۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ برس ان کے ساتھ گزارے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۵۵ برس ہو گئی اور کوئی نکاح اس مدت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا۔

۵- پچپن سال سے انسٹھ سال کی عمر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ شادیاں کیں۔ جبکہ حیات طیبہ کے آخری چار سالوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت سے نکاح نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشتر شادیاں ان پانچ سالوں میں ہوئیں۔ جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا آخری اور اسلام کی تاریخ کا اہم ترین دور تھا۔ یہ دور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ مشن کا مشکل ترین اور آزمائشی دور تھا۔ دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوات میں صحابہ کرامؓ کی قیادت فرما رہے تھے۔ یہی وہ وقت تھا جبکہ اسلامی قانون سازی جاری تھی اور اسلامی معاشرے کی بنیادیں رکھی جا رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشتر نکاح اسی مخصوص دور میں کیے۔

ان حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں کی تعبیر محض شہوانی جذبات اور جسمانی

کشش کی اصطلاحات کے تحت کرنا واقعیت کی تکذیب ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر مسلم سیرت نگار جان بیگٹ (المعروف جنرل گلپ پاشا) (John Bagot) اپنی کتاب The Life And Times Of Muhammad میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ۵۵ سے ۵۹ سال تک کے عرصہ میں کی گئیں شادیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اپنی ازواج میں اضافہ کیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۵۵ برس تھی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ سوائے بی بی عائشہؓ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویاں بیوہ تھیں اور ان میں سے بھی کئی ایک ادھیڑ عمر اور حسن سے عاری تھیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضور کو نرینہ اولاد کی خواہش تھی۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کے بعد دوسری شادی کرتے رہے۔ اگر لوگوں کا یہ خیال صحیح تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بجائے ادھیڑ عمر کی عورتوں سے شادی کرنے کے نوجوان لڑکیوں سے شادی کرتے تاکہ اولاد نرینہ کی تکمیل بہتر طریقے پر ہوسکتی۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شادیاں سیاسی مصلحت کی بناء پر کیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء ان عورتوں اور بچوں کی سرپرستی کرنا تھا۔ جن کے خاوند جنگوں میں مارے گئے۔“

موصوف مزید لکھتے ہیں:

”یہاں ایک بات قابل توجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جوان تھے بی بی خدیجہؓ کے بطن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ بچے پیدا ہوئے۔ یہاں بارہ بیویوں سے ایک بھی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ صرف مصری لڑکی ماریہ کے بطن سے ایک لڑکا تولد ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں اکثریت اگرچہ جوان نہیں تھیں پھر بھی تولید کے قابل تھیں۔ مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا وقت بھی نہیں ملتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے اس پہلو پر زیادہ توجہ دیتے۔ یوں بھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچاس برس سے تجاوز کر گئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذہنی اور جسمانی طور پر اپنے آپ کو امت کے لئے وقف کر چکے تھے۔ جہاں انہیں وقت کی اہم ترین گتھیوں کو سلجھارہا ہو اور مختلف قسم کے نازک

حالات میں گھرا ہوا ہو وہاں جنسی خواہشات کی تکمیل جو بچوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جان بوجھ کر ادھوری چھوڑ دی جاتی ہے اور یہ امت کے لئے ایک قسم کی قربانی ہے''۔

مزید لکھتے ہیں: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ۶۳ سال کی عمر میں ہوا' وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیویاں تھیں ان بیویوں کی تعداد کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نفس پرستی کا الزام لگانا سراسر زیادتی ہے۔ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۰۷'۳۰۸ ترجمہ کتاب مذکور سٹیزن پبلشرز کراچی)

۶- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ جس سادگی اور تنگی میں بسر ہوتی تھی وہ نعوذ باللہ کسی تعیش پسند اور شہوت پرست انسان کی زندگی نہیں ہو سکتی۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے بیان کے مطابق جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو تھوڑے سے جو کے سوا گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا''۔

چنانچہ دشمن بھی اس امر کے معترف نظر آتے ہیں۔

لین پول (Lane Poole) (Life Muhammad) میں لکھتے ہیں! یہ کہنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوس کا بندہ تھے۔ غلط ہے ان کی روزمرہ کی زندگی ان کا تخت بوریا جس پر وہ سوتے تھے ان کی معمولی غذا' کمتر سے کمتر کام اپنے ہاتھ سے سرانجام دینا ظاہر کرتا ہے کہ وہ نفسانی خواہشات سے بلند و بالا تھے۔ (Lane Pool, Stanley/ Studies in A Mosque, 1966, P. 77) یورپ کا مشہور دانشور تھامس کارلائل (Thomas Carlyle) اعتراف حقیقت کے طور پر کہتا ہے:۔

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم عیش و عشرت اور شہوانیت کے دلدادہ نہ تھے یہ وہ الزام ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان ناعاقبت اندیش افراد نے لگایا جن کے ضمیر تاریک ہو چکے تھے۔ یہ بہت بڑی گمراہی ہوگی کہ اس شخص کو ایک بندہ ہوس تصور کیا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھریلو ساز و سامان معمولی اور خوراک بہت سادہ اور عام قسم کی تھی بعض اوقات ایسا بھی رہا کہ مہینوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں چولہا روشن نہ ہو سکا وہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار اور پیروکار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے دل سے خدا کا نبی تسلیم کرتے

تھے۔اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ان کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح تھی۔کوئی راز اور اسرار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ وابستہ نہیں تھا۔

بحوالہ (On Heroes. Worship and Heroic in History, London, 1965)

۷- وہ ازواج مطہرات جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح میں قبول فرمایا سوائے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سب ہی بیوائیں یا مطلقہ تھیں ان بیواؤں میں سے کوئی بھی کسی خاص دل کشی یا حسن صورت کی حامل نہ تھیں، ان میں سے بعض عمر میں بڑی تھیں اور بیشتر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام نکاح دیا۔

یہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد ازواج (متعدد شادیوں) کا عمومی پس منظر اس سے کبھی یہ تاثر قائم نہیں ہوسکتا کہ یہ شادیاں جسمانی ضروریات کی آسودگی کی غرض سے یا حیاتیاتی تقاضوں کے تحت عمل میں آئی تھیں۔یہ بات ناقابل فہم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کی اتنی بڑی تعداد ذاتی اغراض اور جسمانی ضروریات کی آلودگی کے لئے رکھ چھوڑی تھی۔

معترضین سے سوالات

دوست یا دشمن جو بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی سالمیت یا روحانی برتری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں کی بناء پر شک کرتا ہے اس پر مندرجہ ذیل سوالات کے اطمینان بخش جوابات دینے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

۱- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار بیوہ ہونے والی معمر خاتون کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پندرہ سال بڑی تھیں اپنی زوجیت کے لئے کیوں پسند فرمایا۔

۲- آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ کی تاحیات رفاقت پر جو پچیس برس کے طویل عرصہ پر محیط ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عین مرحلہ شباب کا دور تھا کس طرح قانع اور مطمئن رہے اور دوسری شادی کا خیال تک ذہن میں نہ آیا۔

۳- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بے سہارا بیوہ اور مطلقہ عورتوں سے جو کوئی خاص دلکشِ یا حسن صورت کی حامل نہ تھیں کیوں شادیاں کیں۔جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبائل

عرب کی حسین ترین کنواری دوشیزاؤں سے شادی کر سکتے تھے۔

۴- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی عسرت اور تنگی کی زندگی کیوں بسر کی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاصی آسودہ حالی اور آرام کی زندگی گزار سکتے تھے۔

۵-آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشتر نکاح حیات طیبہ کے آخری دور میں کیوں کئے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مصروف ترین دور تھا۔

۶- اگر نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نفسانی خواہشات کا غلبہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ حیثیت اور اخلاقی برتری کا معیاری مقام کس طرح قائم رہ سکتا تھا۔ اور بھی بہت سے سوالات اٹھائے جاسکتے ہیں۔

بہر حال یہ معاملہ اتنا سادہ نہیں کہ اسے شہوت پرستی اور خواہشات نفسانی کے بے بنیاد الزامات اٹھا کر حل کیا جا سکے۔ یہ سنجیدہ اور دیانت دارانہ غور وفکر کا مستحق ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد شادیوں کے اسباب

ذیل میں ان اسباب و وجوہات کو بیان کیا جاتا ہے جن کی بناء پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد شادیاں کیں۔

۱- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد شادیوں' تعدد ازواج کے اسباب و وجوہات اور حکمتوں کے متعلق حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے علمی رسالہ ''کثرت الازواج لصاحب المعراج'' میں جو خاص اسی موضوع سے متعلق ہے۔ نہایت مدلل انداز میں معترضین کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہر انسان کی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں' کسی کی عملی حالت کا اندازہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان دونوں رخوں کو بے نقاب کیا جائے ورنہ اس کے متعلق کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی امید کرنا امر لا حاصل ہوا کرتا ہے۔

وہ دو پہلو یہ ہیں بیرونی زندگی یہ زندگی کا وہ حصہ ہے جو انسان لوگوں کے سامنے بسر کرتا ہے۔ اس حصہ کے متعلق ہر انسان کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کیلئے بکثرت شواہد دستیاب ہو سکتے ہیں۔'' دوسرا پہلو انسانی زندگی کا وہ پہلو ہے جسے خانگی زندگی کے نام سے موسوم کیا

جاتا ہے یہ حیات انسانی کا وہ حصہ ہے جس سے ایک انسان کی اخلاقی حالت کا صحیح پتہ چل سکتا ہے۔ ہر فرد چار دیواری کے حالات' خانہ داری کے نشیب وفراز خانگی تعلقات' اور دیگر راز و نیاز کی باتوں کو پردہ راز میں رکھنا چاہتا ہے کس وجہ سے؟

اس لئے کہ وہ انسانی کمزوریوں کا نقشہ پیش کرنے سے خائف ہے اور اس کی زندگی کا یہ پہلو افراط و تفریط کا ایک کمزور مجموعہ ہوا کرتا ہے۔ پس ایسی صورت میں دنیا کے ہر انسان کی صحیح زندگی کا اندازہ کرنے کے لئے جو سب سے بہتر کسوٹی ہوسکتی ہے۔ وہ یہی ہے کہ اس کے خانگی حالات بھی دنیا کے سامنے اسی آب و تاب کے ساتھ پیش ہوسکیں جس طرح اس کی عام زندگی عوام کے روبرو موجود ہو۔

بس یہی وجوہ تھیں کہ دنیا کے انسان کامل اللہ کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے سردار اور کائنات عالم کے مختار کی حیات طیبہ کا ہر لمحہ بہ تمام وکمال دنیا کے روبرو پیش کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام اور خانگی زندگی دنیا کو معلوم ہو جائے تا کہ عاشقان حق کے قلوب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وصداقت کا سکہ جم جائے۔ عاشقین صادق اپنی زندگی کے لمحوں کو اس الٰہی سانچے میں ڈھال سکیں اور آنے والی نسلیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کو اپنا دستور العمل بنا سکیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات من وعن اس زبردست تحقیق وصحت کے ساتھ دنیا کے سامنے آئے کہ جس کی نظیر دنیا کا کوئی مذہب کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔

انبیائے سابقین میں سے بھی کسی کی زندگی کے حالات اس تفصیل و تدقیق کے ساتھ دنیا کے سامنے نہیں آئے کہ انسانی زندگی ہر الجھن اور شعبہ حیات کے ہر مسئلہ میں ان سے سبق حاصل کر سکے۔

یہ صرف پیغمبر آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ ہی تھا جس نے مسلمانوں کو ہر انسانی فلسفہ سے مستغنی بنا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیرونی اور خانگی زندگی کے عمل کو سرانجام دینے کے لئے خداوند قدوس نے خاص خاص وسائل اور اسباب مہیا کر دیئے چنانچہ ایسی دو جماعتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے اس ضروری امر اور فرض کو ایسی خوش اسلوبی

اور احتیاط کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچایا کہ دنیا کے دانشور دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ پہلی جماعت صحابہ کرامؓ کی تھی اور دوسری حضرات امہات المومنینؓ کی۔

حکیم الامت مزید لکھتے ہیں۔

''حضرات صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیرونی زندگی کو بالتفصیل دنیا کے سامنے پیش کیا۔ لیکن خانگی حالات کا ضروری حصہ دنیا کے روبرو پیش ہونا باقی رہ گیا تھا۔ جس کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ادھوری اور نامکمل رہنے کا اندیشہ تھا اور معترضین کے لئے اعتراضات کی گنجائش باقی رہتی۔ اس کام کے لئے ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو تنہائی کے اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیق ہوتی جو راتوں کی تاریکیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیتی۔ چنانچہ ازواج مطہرات نے اس سلسلہ میں وہ خدمات انجام دیں جو خداوند کریم کو اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس شعبہ زندگی کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے مناسب معلوم ہوئیں۔ اس مبارک جماعت کی بدولت سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مخفی اور ضروری ذخیرہ دستیاب ہوا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور صداقت پر چار چاند لگا دیئے۔ اور حقیقت میں تعدد ازواج کے لئے سب سے بڑا موجب یہی ضرورت تھی۔ کسی کو کیا معلوم ہوتا کہ اللہ کے سچے مرسل اور توحید کے علمبردار اوقات تنہائی کن مشاغل میں گزارتے ہیں۔ خلوت کی گھڑیاں کن کاموں میں بسر ہوتی ہیں۔ (مولانا اشرف علی تھانویؒ کثرت الازواج لصاحب المعراج صفحہ ۳، ۵ مطبوعہ دہلی)

ازواج مطہرات نے خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے اہم حصہ خانگی گھریلو زندگی کو امت کے سامنے پیش کر کے درحقیقت دین کے نصف حصہ کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سے زائد نکاح نہ فرماتے تو دین نامکمل رہ جاتا۔ ازواج مطہرات کے حجرے درحقیقت امت کی دینی تربیت گاہ اور ازواج مطہرات امت کی امہات اور معلمات تھیں۔ جنہوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار اور دینی تعلیمات کا وہ شعبہ جو خاص عورتوں سے متعلق

تھا یہ تمام وکمال محفوظ کر کے امت کے سامنے پیش کر کے تعلیمات دنیوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج واشاعت میں قابل ذکر اور اہم کردار ادا کیا۔

۲- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازواج ایک سے زائد شادیوں کا ایک سبب ان عورتوں کو جن کے شوہر غزوات یا تبلیغ اسلام کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے جام شہادت نوش کر چکے تھے یا دیگر اسباب کی بناء پر وہ عورتیں بیوہ یا مطلقہ ہوگئی تھیں۔ ان کی داد رسی، انہیں تحفظ فراہم کرنا تھا، ان کی دلجوئی کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا جس میں سے بیشتر نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عفت وعصمت میں تحفظ اور پناہ کی خواہش ظاہر کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کی پیشکش کی تھی۔

۳- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض نکاح سیاسی اسباب کی بناء پر کئے جن کا مقصد دین اسلام کی تبلیغ واشاعت، اور دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا خاتمہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن وحریف طبقوں کو اپنا حلیف بنا کر اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے ہر ممکن اقدامات کرنا تھا۔

مشہور عیسائی متعصب سیرت نگار مارگولیوتھ (Margolioth D.S) جو سیرت طیبہ پر تنقید اور نکتہ چینی کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اسے بھی اعتراف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زائد شادیوں میں کئی مصلحتیں اور سیاسی وجوہات غالب تھیں۔

(Margolioth D.S/ Encyclo-pedia of Religion And Ethics. Edenburg, 1967, Vol. VIII. P.878,)

☆...... ام المومنین حضرت صفیہ مشہور یہودی قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیی ابن اخطب کی بیٹی تھیں۔ حضرت صفیہؓ کی پہلی شادی سلام بن مشکم قرظی سے ہوئی اس نے طلاق دیدی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں، کنانہ جنگ خیبر ۷ ہجری میں مقتول ہوا اور یہ گرفتار ہوکر آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ ام المومنین حضرت صفیہؓ سے نکاح سے قبل اسلام اور کفر کے مابین بیشتر جنگوں میں یہود کفار کا ساتھ دیتے رہے تھے لیکن ام المومنین حضرت صفیہؓ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح

میں آ جانے کے بعد اسلام اور مسلمانوں سے سخت بغض وعناد اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہر قسم کی سازشوں میں مصروف عمل یہودیوں کا ایک بڑا حصہ غیر جانبدار ہو گیا اور یہود مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شریک وسہیم نہ ہوئے۔

ام المومنین حضرت صفیہؓ سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نکاح کے فوائد اور سیاسی اثرات کا اعتراف مشہور متعصب مستشرق منٹگمری واٹ (Montgomery Watt) کو بھی ہے۔

(Watt. W. Montgomery/ Mohammad at Madina, Oxford, 1956, P.288)

☆......ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ابوسفیان بن حرب اموی قریش کے مشہور سردار کی صاحبزادی تھیں۔

ابتدائی دعوت اسلام کے موقعہ پر اپنے شوہر عبیداللہ بن جحش کے ہمراہ دعوت اسلام پر لبیک کہتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں اور حبشہ کی جانب ہجرت ثانیہ کی۔ ان کا شوہر عبیداللہ بن جحش اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی بن گیا۔ مگر ام حبیبہؓ برابر دین اسلام پر قائم رہیں۔ اختلاف مذہب کی بناء پر عبیداللہ بن جحش سے علیحدگی ہوئی اور بعد ازاں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔

ام المؤمنین ام حبیبہؓ کے والد ابوسفیان بن حرب اموی قریش کے مشہور سردار تھے۔ اسلام سے قبل قریش کے تین اشخاص بہت ذی اثر اور صاحب الرائے تھے۔ عتبہ، ابوجہل اور ابوسفیان، قریش کا فوجی علم ''عقاب'' ابوسفیان کے پاس رہتا تھا۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مشہور جنگوں میں مشرکین وکفار مکہ کے امیر الجیش وامیر العسکر کے طور پر شریک ہوئے۔

ابن سعد کی روایت کے مطابق ام حبیبہؓ کے نکاح کی خبر ابوسفیان کو مکہ میں ملی اس وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محارب اور دشمن تھے مگر اس نکاح کو ناپسند نہیں کیا۔

ام حبیبہؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے بعد ابوسفیان مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کرتے نظر نہیں آتے اور تھوڑے ہی عرصہ بعد دائرہ اسلام میں داخل ہو کر ''مــــن

دخل دار ابو سفیان فهو امن " کے الفاظ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ان کے لئے ادا ہوتے ہیں۔

The Life and Times of Mrhammad کا مصنف غیر مسلم سیرت نگار جان بیگٹ (John Bagot) حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

" یہ واقعہ ہمارے ذہنوں پر عجیب وغریب اثر کرتا ہے کہا یہ جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف خاندان کی لڑکیوں سے شادیاں محض اس لئے کیں کہ ان خاندان والوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات استوار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر حبشہ کے شہنشاہ کو لکھ کر ام حبیبہؓ کو مدینہ بلوایا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف ایک عورت کا حصول ہی تھا تو ایک سے بڑھ کر ایک حسین وجمیل اور خوبصورت سے خوبصورت لڑکی عرب ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مل سکتی تھی۔ سینکڑوں خوبصورت لڑکیاں عرب ہی میں موجود تھیں۔ ان ساری پری پیکروں کو چھوڑ کر خاص طور سے ام حبیبہؓ کو جو بیوہ بھی تھیں، حبشہ سے بلوا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شادی کرنا، اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غالباً ام حبیبہؓ کے توسط سے ابوسفیان سے اپنے تعلقات بہتر بنانا چاہتے تھے۔

(The life and times of محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۰۴، ترجمہ Muhammad) اس حقیقت کا اعتراف سر ولیم میور کو بھی ہے وہ لکھتا ہے:

" پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو توقع تھی کہ ام حبیبہ کے والد ابوسفیان اس طرح (نکاح) سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد کے قریب تر ہو جائیں گے۔

(Muir. Sir William/ the Life of Mahomet. London, 1861. Vol iv. P.59)

☆...... ام المومنین حضرت جویریہؓ قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا خاوند مسافع بن صفوان غزوہ مریسیعؓ بنو مصطلق ۵ ہجری میں قتل ہوا۔ اس غزوہ میں بکثرت لونڈیاں اور غلام مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آئے، نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ انکا قبیلہ بنو مصطلق (جس کے سردار ان کے والد حارث بن ضرار تھے) انتہائی جنگ جو، طاقتور اور رہزنی اور لوٹ مار میں غیر معمولی شہرت رکھتا تھا۔ اسلام اور کفر کے درمیان معرکہ آرائیوں میں یہ قبیلہ ہمیشہ کفار کے حلیف کے طور پر مسلمانوں کے خلاف دشمنوں کی صف میں شریک رہا۔

غزوۂ بنو مصطلق شعبان ۵ ہجری بذات خود اس قبیلہ کے ساتھ پیش آیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ام المومنین حضرت جویریہؓ کے نکاح کے بعد صورتحال یکسر بدل جاتی ہے۔ قبیلہ کے بیشتر افراد بشمول سردار قبیلہ حارث بن ضرار کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ڈاکہ زنی اور رہزنی سے تائب ہو جاتے ہیں اور قبیلہ بنو مصطلق اور اس کے حلیف قبائل کی حمایت اسلام کے لئے حاصل ہو جاتی ہے اور پھر کبھی یہ قبیلہ مسلمانوں کے خلاف صف آراء نظر نہیں آتا۔

جان بیگٹ (John Bagot) اس نکاح کے سیاسی فوائد اور ثمرات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

> اس (نکاح) نے بنی مصطلق کو جنگ سے بڑھ کر کامیابی سے اسلام کے لئے جیت لیا۔
> (John Bagot/ The Life and Times of Muhammad, New York, 1971. P/263)

☆...... ام المومنین حضرت میمونہؓ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح سے قبل مسعود بن عمرو بن عمیر الثقفی کے نکاح میں تھیں اس سے طلاق کے بعد ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں آئیں اس کے انتقال کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔

ام المومنین حضرت میمونہؓ سردار نجد کی بیوی کی بہن تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت میمونہؓ سے نکاح کی بدولت مسلمانوں کے اہل نجد سے بہتر تعلقات قائم اور نجد کی سرزمین میں دعوت اسلام کی راہ ہموار ہوئی۔ جبکہ نجد ہی وہ علاقہ تھا جہاں کے لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نجد کی سرزمین میں دعوت اسلام کے لئے ستر (۷۰) حفاظ قرآن لے جا کر دھوکہ سے ان تمام کو شہید کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں اسلام اور مسلمانوں کو اہل نجد سے متعدد مواقع پر فتنہ و فساد کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لیکن حضرت میمونہؓ سے نکاح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو امن ہو گیا اور نجد کی سرزمین میں اشاعت اسلام کا آغاز ہوا۔

اس نکاح کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ اسلامی تاریخ کے دو عظیم سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اسلامی فتوحات اور اشاعت اسلام کا ہراول دستہ اور اسلامی تاریخ کے مثالی کردار قرار پائے۔ مغربی سیرت نگار واشنگٹن اروِنگ (Irving, Washington) اس نکاح کے فوائد اور اثرات پر تبصرہ یوں کرتا ہے۔

''یہ نکاح بھی بلاشبہ مصلحتوں پر مبنی تھا۔ جبکہ میمونہ اکیاون سال کی بیوہ تھیں۔ مگر اس تعلق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو طاقتور جانثار مل گئے۔ ایک ان بیوہ کے بھانجے اور بہادر سپہ سالار خالد بن ولید، اور دوسرے جاں نثار خالد کے دوست عمرو بن عاص''۔

(Irving, Washington/ The Life of Mahomed, London, 1949, P.160, 161

۴۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زائد شادیوں کا ایک سبب خاندانی، علاقائی نسلی اور قبائلی عصبیت کا عملاً خاتمہ تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل اور خاندان کی عورتوں سے شادی کر کے امت کے سامنے عملی نمونہ پیش کر کے ان تمام لعنتوں کا جو عرب کا سرمایہ افتخار سمجھی جاتی تھیں خاتمہ فرما دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بزرگی اور تقرب کے تصور پارینہ کو پارہ پارہ اور نسلی اور قومی احساس برتری کے بتوں کو پاش پاش کر دیا، مروجہ امتیازات مٹ گئے۔ اختلاف قومیت، تخصیص رنگ و نسل خاندانی و قبائلی بت فنا ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلی کبر و نخوت پر ضرب کاری لگاتے ہوئے انسانی غرور و عصبیت کو کچل کر رکھ دیا فرمایا:

''وہ قومیں جو اپنے مردہ آباؤ اجداد پر فخر کرتی ہیں ان کو اس سے باز آنا چاہئے وہ جہنم کے کوئلے بن چکے ہیں۔ ورنہ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نجاست کے ان کیڑوں سے بھی ذلیل تر ہوں گے جو اپنی ناک سے نجاست کو دھکیلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم سے یقینی طور پر جاہلیت کی عصبیت اور باپ دادا پر فخر کرنے کو مٹا چکے ہیں۔

مشکوٰۃ باب المفاخرۃ صفحہ ۴۱۷، نور محمد اصح المطابع کراچی)

ظہور اسلام کے وقت مذاہب عالم اور اقوام و امم پر عصبیت، قومیت، اور علاقائی و قبائلی

اثرات چھائے ہوئے تھے جو انسان کے فکر و نظر پر غالب اور اس کے شعبہ حیات پر حاوی اور اس کی زندگی کا لازمی عنصر بن کر رہ گئے تھے۔

یہودی اور نصرانی خود کو اللہ کی چہیتی اولاد قرار دیتے تھے' فراعنہ مصر سورج دیوتا کے اوتار کی صورت اختیار کئے ہوئے تھے۔ شاہان ایران اپنی رگوں میں خدائی خون کے دعویدار تھے۔ چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا فرزند تصور کرتے تھے اور ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کی نسبت سورج اور چاند سے قائم کی گئی تھی۔ ایرانی اپنے رنگ کے فخر سے اتنے مغلوب تھے کہ وہ حبشیوں اور ہندوؤں کو کوے کہتے تھے۔ عرب اپنی نخوت اور شوکت کے مدنظر ساری دنیا کو عجم یا بے زبان سمجھتے تھے۔ اور ہندوؤں نے طبقاتی تفرق کے لئے ذات پات کا نظام وضع کر رکھا تھا۔

جہاں تک عرب کا تعلق تھا وہاں بھی یہی صورت حال پوری شدت کے ساتھ نظر آتی ہے۔ عدنانی اور قحطانی قبائل کا باہمی تعصب کچھ اتنا شدید تھا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی ان کے اثرات گہرے تھے۔ پھر عدنانیوں میں مضر اور ربیعہ کی کشاکش اتنی ہی شدید تھی اسی طرح قریش اور غیر قریش کی کشمکش ایک مستقل مسئلہ تھا اور خود قریش کے اندر بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابتیں قدیم تھیں۔

اس باہمی تعصب نے نہ صرف آپس کی جنگ و خونریزی کو روا رکھا تھا بلکہ نفرت و حقارت کا ایک ایسا سیلاب جاری کیا ہوا تھا جو تھمتا تھا اور نہ رکتا تھا۔ اس حالت نے عربی قبائل کے اندر انفرادیت پسندی اتنی بڑھا دی تھی کہ ازدواجی تعلقات عموماً قبیلہ کے اندر ہی قائم کئے جاتے تھے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیوں سے جاری مذاہب و اقوام کی ان جاہلی اور خودساختہ اقدار و روایات کا مختلف قبائل و اقوام میں شادیاں کر کے عصبیت کا قدیم حصار خاک آلود کر دیا۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں۔

''عربوں میں چونکہ قبیلہ داری نظام عام طور پر رائج تھا لہذا رشتہ داری سے زیادہ موثر کوئی اور وجہ دوستی اور حلیفی کی نہیں ہو سکتی تھی چاہے خود یہ بھی کتنی ہی کمزور چیز کیوں نہ ہو۔

لیکن اور اسباب کے مقابلے میں یہ بہر حال زیادہ مستحکم و مستقل امر تھا۔

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ/ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی ص ۳۱۶' دار الاشاعت کراچی ۱۹۸۸ء)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ جغرافیائی اعتبار سے جزیرہ نمائے عرب کے مختلف قبائل کی نمائندگی کر رہی تھیں۔ ساتھ ہی اعلیٰ نسب اور بڑے رتبہ والے خاندانوں کے فرد ہونے کی حیثیت سے اہم اقتدار و اثرات کی حامل تھیں۔

چنانچہ مکہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تعلق بنو تیم سے' حضرت حفصہؓ کا تعلق بنو عدی سے' حضرت ام سلمہ کا تعلق بنو مخزوم سے' حضرت زینب بنت جحش کا تعلق بنو اسد بن خزیمہ سے' حضرت ام حبیبہؓ کا تعلق بنو امیہ سے تھا۔ اور مکہ میں ان سے زیادہ بااثر کوئی خاندان نہ تھا۔

مکہ سے باہر ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہؓ اور حضرت میمونہؓ دونوں کا تعلق یمن کے طاقتور قبیلہ صعصعہ سے تھا۔ حضرت جویریہؓ وسط عرب کے بنی مصطلق کے سردار کی اور حضرت صفیہؓ شمالی عرب کے بنو نضیر کے سردار کی بڑی صاحبزادی تھیں۔

مذکورہ بالا حقائق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد شادیاں قبائلی عصبیت کے خاتمہ اور پوری عرب اور مسلمان قوم کو وحدت اسلامی کی لڑی میں پرو کر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے راہیں ہموار کرنے کے لئے کیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کوششیں پوری طرح بار آور ثابت ہوئیں۔

۵- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زائد شادیوں کا ایک سبب غیر اسلامی رسوم و رواج کا خاتمہ تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنیٰ منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہؓ کی مطلقہ حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح کر کے عملاً اس کا خاتمہ کر دیا۔ دنیا کی مختلف اقوام میں رسم تبنیت رائج تھی۔ عربوں میں بھی اس فرسودہ رسم کو سماجی و مذہبی سند حاصل تھی۔ عرب معاشرہ بھی دیگر اقوام کی تابعداری میں رسم تبنیت پر کاربند تھا۔ جس کی رو سے متبنیٰ (لے پالک/ منہ بولا بیٹا) کو حقیقی بیٹے کا مقام دیا جاتا تھا۔ اور متبنیٰ کی مطلقہ سے نکاح کو حد درجہ معیوب اور ذلت و عار کا باعث سمجھا جاتا تھا۔

عہد جاہلیت کی دیگر فرسودہ روایات اور رسوم و رواج کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ رسم تبنیت کا خاتمہ بھی ضروری تھا' چنانچہ اس مصنوعی رسم کے خاتمہ کے لئے مشیت ایزدی کے بموجب

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب کیا گیا۔

قرآن کریم نے رسم تبنیت کا بطلان واشگاف الفاظ میں کرتے ہوئے اعلان کیا۔

وما جعل ادعیاء کم ابناء کم ذٰلکم قولکم بأفواهکم واللّٰه یقول الحق وهو یهدی السبیل ٥ ادعوهم لا بآئهم هو اقسط عنداللّٰه فان لم تعلموا اٰبآء هم فاخوانکم فی الدین و موالیکم. (الاحزاب ۳۳: ۴-۵)

اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے۔ یہ صرف تمہارے اپنے منہ کی کہی ہوئی بات ہے اور اللہ حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔ اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔

حضرت زینب بنت جحش سے شادی پر مستشرقین کے سخت غصہ کے اسباب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت زینب بنت جحشؓ کے ساتھ شادی پر مغربی حلقے اور معترضین بالخصوص مستشرقین رنگ آمیزی کر کے اور من گھڑت قصہ پیش کر کے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عفت وعصمت کو داغدار کرنے میں سب سے آگے نظر آتے ہیں۔

۱- یہ کہ نعوذ باللہ ایک روز محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے گھر ان کی غیر موجودگی میں داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش کو دیکھ کر کہا سبحان اللہ کتنی حسین خاتون ہیں اور نعوذ باللہ انہیں دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر فریفتہ ہو گئے۔ زید کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت زینب کو طلاق دے دی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کر لی۔ معترض حلقوں اور مستشرقین کی کذب بیانی اور بدباطنی کی واضح ترین دلیل یہ ہے کہ یہ ایک ایسا من گھڑت قصہ ہے کہ جس کا ثبوت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باعفت حیات طیبہ میں نہیں ملتا۔ جمہور مفسرین نے اس قصہ کے موضوع ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ قصہ بے اصل بے سند اور خلاف عقل بھی ہے۔ اس لئے کہ حضرت زینب بنت جحش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور بچپن سے جوانی تک کا زمانہ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بسر ہوا اگر نعوذ باللہ ایسی کوئی بات ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید سے ان کی شادی کیوں کراتے جبکہ اس شادی پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اصرار بھی رہا۔ حضرت زینب کو بچپن سے جوانی تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار ہا دیکھا ہوگا جبکہ یہ امر بھی متعین ہے کہ اس زمانہ میں آیات حجاب بھی نازل نہیں ہوئی تھیں اور پردے کا رواج بھی نہ تھا۔ یہ تمام قرائن مذکورہ قصہ کے موضوع اور مضحکہ خیز ہونے کے لئے کافی ہیں۔ پھر یہ بھی واضح حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زید کے نکاح سے قبل حضرت زینب سے شادی کوئی مسئلہ نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس شادی میں کوئی امر مانع نہ تھا بلکہ خود حضرت زینب اور ان کے ورثاء کے لئے سرمایہ افتخار بات تھی۔

۲- دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنیٰ زید کی مطلقہ زینب سے شادی کر کے نعوذ باللہ قابل اعتراض اور باعث عار امر سرانجام دیا ہے۔

اس مسئلہ میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا شریعت موسوی میں توراۃ نے تبنیت کے درست ہونے کے لئے کوئی دلیل فراہم کی ہے یا مسیحیت نے تبنیت کے جواز کو تسلیم کیا ہے؟ نہیں توراۃ یا انجیل میں ایسی کوئی تعلیم نہیں ملتی۔

معترض حلقوں بالخصوص عیسائیوں کو اس شادی پر بطور خاص اس لئے اعتراض ہے کہ اس کے ذریعہ نہ صرف تبنیت کی رسم کا بطلان ہوا بلکہ ان کے خود ساختہ عقیدہ تثلیث پر بھی چوٹ پڑتی ہے وہ بھی باطل قرار پاتا ہے کیونکہ رسم تبنیت کے خاتمہ کے اعلان کے بعد اسلام نے واشگاف اعلان عام کر دیا کہ ایک انسان کو دوسرے انسان کا بیٹا کہنا ایسی حالت میں کہ دونوں کے درمیان خونی رشتہ نہ ہو بالکل جھوٹ افتراء اور بہتان ہے۔ تب ہی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک انسان کو خدا کا بیٹا کہنا قطعاً وحتماً باطل، صریح افتراء اور بہتان ہے۔ انسان کو خدا کے ساتھ کوئی مشابہت ہے ہی نہیں۔ جسم اور روح سے مرکب ہزاروں حاجتوں اور ضرورتوں کا محتاج انسان جو ایک دن پیدا ہو کر پیوند زمین بن جاتا ہے کس طرح اس حی و قیوم کا فرزند ہوسکتا ہے۔ جس کی ذات سرمدی ازل سے بھی اول اور ابد سے بھی آخر ہے۔ یہی وہ راز اور سبب ہے جس کی بنیاد پر عیسائی حلقے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے متبنیٰ حضرت زید کی مطلقہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی پر معترض اور افتراء پردازیاں کرتے نظر آتے ہیں۔

سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح کیوں کئے؟

ہڈی جوڑ کے ماہر ایک ڈاکٹر کا واقعہ

کافی عرصہ کی بات ہے جب میں لیاقت میڈیکل کالج جامشورو میں سروس کر رہا تھا تو وہاں لڑکوں نے سیرت کانفرنس منعقد کرائی اور تمام اساتذہ کرام کو مدعو کیا۔ چنانچہ میں نے ڈاکٹر عنایت اللہ جوکھیو (جو ہڈی جوڑ کا ماہر تھا) کے ہمراہ اس مجلس میں شرکت کی۔ اس مجلس میں ایک اسلامیات کے لیکچرار نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پرائیویٹ زندگی پر مفصل بیان کیا اور آپ کی ایک ایک شادی کی تفصیل بتائی کہ یہ شادی کیوں کی اور اس سے امت کو کیا فائدہ ہوا۔ یہ بیان اتنا موثر تھا کہ حاضرین مجلس نے اس کو بہت سراہا۔ کانفرنس کے اختتام پر ہم دونوں جب جامشورو سے حیدرآباد بذریعہ کار آ رہے تھے تو ڈاکٹر عنایت اللہ جوکھیو نے عجیب بات کی۔ اس نے کہا کہ آج رات میں دوبارہ مسلمان ہوا ہوں۔ میں نے تفصیل پوچھی تو اس نے بتایا کہ آٹھ سال قبل جب وہ FRCS کے لئے انگلستان گیا تو کراچی سے انگلستان کا سفر کافی لمبا تھا۔ ہوائی جہاز میں ایک ایئر ہوسٹس میرے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔ ایک دوسرے کے حالات سے آگاہی کے بعد اس عورت نے مجھ سے پوچھا کہ

تمہارا مذہب کیا ہے؟ میں نے بتایا اسلام۔ ہمارے نبی کا نام پوچھا میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتایا پھر اس لڑکی نے سوال کیا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے نبی نے گیارہ شادیاں کی تھیں؟ میں نے لاعلمی ظاہر کی تو اس لڑکی نے کہا یہ بات حق اور سچ ہے۔ اس کے بعد اس لڑکی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دو تین اور باتیں کیں جس کے سننے کے بعد میرے دل میں (نعوذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نفرت پیدا ہوئی۔ جب میں لندن کے ہوائی اڈے پر اترا تو میں مسلمان نہیں تھا۔ آٹھ سال انگلستان میں قیام کے دوران میں کسی مسلمان کو نہیں ملتا تھا حتیٰ کہ عید کی نماز تک میں نے ترک کر دی۔ اتوار کو میں گرجوں میں جاتا اور وہاں کے مسلمان مجھے عیسائی کہتے تھے۔ جب میں آٹھ سال بعد واپس پاکستان آیا تو ہڈی جوڑ کا ماہر بن کر لیاقت میڈیکل کالج میں کام شروع کر دیا۔ یہاں بھی میری وہی عادت رہی۔ آج رات اس لیکچرار کا بیان سن کر میرا دل صاف ہو گیا اور میں نے پھر سے کلمہ پڑھا ہے۔

ہماری ذمہ داری

☆......ایک عورت کے چند کلمات نے مسلمان کو کتنا گمراہ کیا اور اگر ڈاکٹر عنایت اللہ یہ بیان نہ سنتا تو پتہ نہیں اس کا کیا بنتا۔ اس کی وجہ ہم مسلمانوں کی کم علمی ہے۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے متعلق نہ پڑھتے ہیں اور نہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ کئی میٹنگوں میں جب کوئی ایسی بات کسی نے کی تو مسلمان کوئی جواب نہیں دیتے۔ ٹال دیتے ہیں جس سے اعتراض کرنے والوں کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں۔ اس لئے بہت اہم ہے کہ ہم اس موضوع کا مطالعہ کریں اور موقع پر صحیح بات لوگوں کو بتائیں۔

ایک دفعہ بہاولپور سے ملتان بذریعہ بس میں سفر کر رہا تھا کہ ایک آدمی لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں کے بارے میں گمراہ کر رہا تھا۔ میں نے اس کے قریب جانے کی کوشش کی اور بات شروع کی تو وہ چپ ہو گیا اور باقی لوگ بھی ادھر ادھر ہو گئے۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کی خاطر جانیں قربان کی ہیں کیا ہمارے پاس اتنا

وقت نہیں کہ ہم اس موضوع کے چیدہ چیدہ نکات کو یاد کرلیں اور موقع پر لوگوں کو بتائیں۔

چیدہ چیدہ نکات

اس بات کا احساس مجھے ایک دوست ڈاکٹر نے دلایا جو انگلستان میں ہوتے ہیں اور یہاں ایک جماعت کے ساتھ آئے تھے۔ انگلستان میں ڈاکٹر صاحب کے کافی دوست دوسرے مذاہب سے تعلق رکھتے تھے وہ ان کو اس موضوع پر صحیح اطلاع کرتے رہتے ہیں۔

اتوار کے دن ڈاکٹر صاحب اپنے دوستوں کے ذریعے "گرجا گھر" چلے جاتے ہیں، وہاں اپنا تعارف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کراتے ہیں۔ عیسائی لوگ خاص کر مستورات آپ کی شادیوں پر اعتراض کرتی ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے جوابات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم شباب میں (۲۵ سال کی عمر میں) ایک سن رسیدہ بیوہ خاتون حضرت خدیجہؓ سے شادی کی۔ حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال تھی اور جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔ ۵۰ سال کی عمر تک آپ نے ایک بیوی پر قناعت کی۔ (اگر کسی شخص میں نفسانی خواہشات کا غلبہ ہو تو وہ عالم شباب کے ۲۵ سال ایک بیوہ خاتون کے ساتھ گزارنے پر اکتفا نہیں کرتا) حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد مختلف وجوہات کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کئے۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے سب کو بتایا کہ جو گیارہ شادیاں آپؐ نے کی ہیں سوائے ایک کے باقی سب بیوگان تھیں۔ یہ سن کر سب حیران ہوئے۔ پھر مجمع کو بتایا کہ جنگ احد میں ستر صحابہؓ شہید ہوئے۔ نصف سے زیادہ گھرانے بے آسرا ہو گئے۔ بیوگان اور یتیموں کا کوئی سہارا نہ رہا۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بیوگان سے شادی کرنے کو کہا، لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہ، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے مختلف اوقات میں نکاح کئے۔ آپ کی دیکھا دیکھی صحابہ کرامؓ نے بیوگان سے شادیاں کیں جس کی وجہ سے بے آسرا گھرانے آباد ہو گئے۔

☆...... ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ عربوں میں دستور تھا کہ جو شخص ان کا داماد بن جاتا

اس کے خلاف جنگ کرنا اپنی عزت کے خلاف سمجھتے۔ جناب ابوسفیانؓ اسلام لانے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین مخالف تھا مگر جب ان کی بیٹی ام حبیبہؓ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا تو یہ دشمنی کم ہوگئی۔ ہوا یہ کہ ام حبیبہؓ شروع میں مسلمان ہو کر اپنے مسلمان شوہر کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلجوئی فرمائی اور بادشاہ حبشہ کے ذریعے ان سے نکاح کیا۔

☆...... حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا والد قبیلہ مصطلق کا سردار تھا۔ یہ قبیلہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان رہتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ سے جہاد کیا' ان کا سردار مارا گیا۔ حضرت جویریہؓ قید ہو کر ایک صحابی کے حصہ میں آئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہا نے مشورہ کر کے سردار کی بیٹی کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور اس نکاح کی برکت سے اس قبیلہ کے سو گھرانے آزاد ہوئے اور سب مسلمان ہو گئے۔

☆...... خیبر کی لڑائی میں یہودی سردار کی بیٹی حضرت صفیہؓ قید ہو کر ایک صحابی کے حصہ میں آئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشورے سے ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرا دیا۔ اسی طرح حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی وجہ سے نجد کے علاقہ میں اسلام پھیلا۔ ان شادیوں کا مقصد یہ بھی تھا کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ سکیں۔ اخلاق نبی کا مطالعہ کر سکیں تا کہ انہیں راہ ہدایت نصیب ہو۔

اسی طرح حضرت زینب بنت جحش سے نکاح سے ایک جاہلانہ رسم کا ختم کرنا مقصود تھا وہ یہ کہ لوگ اپنے منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کے برابر سمجھتے اور اس کی مطلقہ سے نکاح کو عیب سمجھتے تھے حضرت زینب بنت جحش کا نکاح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ کے نکاح میں تھیں۔ میاں بیوی کی اَن بن ہوئی اور حضرت زید نے طلاق دے دی تو حضور صلی اللہ علیہ ولم نے نکاح کر لیا اور ثابت کر دیا کہ متبنیٰ ہرگز حقیقی بیٹے کے ذیل میں نہیں آتا۔

اپنا کلام جاری رکھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ علوم اسلامیہ کا سرچشمہ قرآن پاک اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک ہے۔ آپ کی سیرت پاک کا ہر ایک

پہلو محفوظ کرنے کے لئے مردوں میں خاص کر اصحاب صفہؓ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ عورتوں میں اس کام کے لئے ایک جماعت کی ضرورت تھی۔ ایک صحابیہ سے یہ کام کرنا مشکل تھا۔ اس کام کی تکمیل کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی نکاح کئے۔ آپ نے حکماً ازواج مطہراتؓ کو ارشاد فرمایا تھا کہ ہر اس بات کو نوٹ کریں جو رات کے اندھیرے میں دیکھیں۔

حضرت عائشہؓ جو بہت ذہین، زیرک اور فہیم تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نسوانی احکام و مسائل کے متعلق آپ کو خاص طور پر تعلیم دی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد حضرت عائشہؓ ۴۵ سال تک زندہ رہیں اور ۲۲۱۰ احادیث آپؓ سے مروی ہیں۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ جب کسی مسئلے میں شک ہوتا تو حضرت عائشہؓ کے پاس اس کا علم ہوتا۔ اسی طرح حضرت ام سلمہؓ کی روایات کی تعداد ۳۶۸ ہے۔

ان حالات سے ظاہر ہوا کہ ازواج مطہراتؓ کے گھر عورتوں کی دینی درسگاہیں تھیں کیونکہ یہ تعلیم قیامت تک کے لئے تھی اور ساری دنیا کے لئے تھی اور ذرائع ابلاغ محدود تھے۔ اس لئے کتنا جانفشانی سے یہ کام کیا گیا ہوگا اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

آخر میں ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ یہ تمام مذکورہ بالا بیان میں گرجوں میں لوگوں کو بتاتا ہوں اور وہ سنتے ہیں۔ باقی ہدایت دینا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر پڑھے لکھے مسلمان ان نکات کو یاد کر لیں اور کوئی بدبخت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر حملہ کرے تو ہم سب اس کا دفاع کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے اور عمل کرنے والا بنائے۔

(آمین) (بشکریہ ماہنامہ الخیر رجب المرجب ۱۴۲۵ھ- از محترم جناب ڈاکٹر نور احمد نور فزیشن ملتان)

باب ۳

گلزارِ سنت

مسنون شب و روز
مسنون دعائیں
ارشاداتِ نبوی ﷺ

اس باب کے مندرجات ولی کامل حضرت مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب گلزار سنت سے ماخوذ ہیں۔

مَسنُون شب و روز

صبح اٹھتے ہی

جب صبح سو کر اٹھو تو تین دفعہ الحمد للہ، الحمد للہ، الحمدللہ کہو۔کلمہ شریف پڑھوں اور یہ دعا پڑھو:۔

الحمد لله الذی ردعلی روحی ولم یمسکها فی منامی

ترجمہ: ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میری روح کو مجھے واپس لوٹا دیا اور اس کو میری نیند کی حالت میں روکا نہیں ہے''

یا صبح اٹھنے کی دوسری مسنون دعا پڑھ لے۔ مثلاً:

الحمد لله الذی احیانا بعدما اماتنا و الیه النشور

ترجمہ: ''اس اللہ تعالیٰ کا (بہت بہت) شکر ہے جس نے ہمیں مارنے (سلانے) کے بعد (دوبارہ) زندہ کیا (جگایا)۔ اور ہمیں موت کے بعد اس کی طرف جانا ہے۔''

پہلے ہاتھ دھولو

برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کو تین دفعہ دھولو۔

اشراق کی نماز

اگر فرصت ہو تو صبح کی نماز کے بعد جس جگہ نماز پڑھی ہے اشراق تک بیٹھا رہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے۔ جب اشراق کا وقت ہو جائے تو دو یا چار رکعت نفل پڑھے، جس کا ثواب ایک حج اور ایک عمرہ کے برابر ملتا ہے۔ ان شاء اللہ۔ اشراق کا وقت سورج نکلنے کے دس، پندرہ منٹ بعد ہوتا ہے۔)

پھر کام میں لگو

پھر کسی حلال روزی کے شغل میں لگ جائے۔ تمام دن نمازیں وقت پر پڑھتا رہے تو یہ تمام دن عبادت میں لکھا جائے گا۔

قیلولہ

جس آدمی کو اللہ تعالیٰ فرصت دے وہ دو پہر کو تھوڑی دیر کے لئے لیٹ جائے' سونا ضروری نہیں۔ لیٹ جائے خواہ نیند آئے یا نہ آئے۔

کھانے پینے کے مسنون اعمال

ہاتھ دھونا

ہاتھ دھونے کی سنت بھی بہت ثواب کا ذریعہ ہے۔ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا مستحب اور مسنون ہے۔

دستر خوان

کوئی دستر خوان یا کوئی کپڑا رومال بچھا کر کھانا سنت ہے۔ اگر دستر خوان چمڑے کا ہو تو بہت ہی عمدہ اور مسنون ہے۔

بسم اللہ پڑھنا

کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بڑی ضروری سنت ہے۔ اگر بسم اللہ پڑھ کر نہیں کھایا تو کھانے میں شیطان شامل ہو جاتا ہے اور کھانا بے برکت ہو جاتا ہے۔ اگر کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آئے اسی وقت کہہ لے اس کھانے میں برکت واپس آ جاتی ہے۔

اکٹھے کھانے کا طریقہ

اگر کئی آدمی ساتھ کھانے والے ہوں تو ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ اپنے آگے سے کھائے۔ اگر کئی قسم کی چیزیں ملی ہوئی ہیں تو ہر ایک کے لئے جس طرف سے بھی کھائے

جائز ہے۔اسی طرح جو شخص اکیلا کھانا کھائے اس کے لئے بھی سنت یہی ہے کہ اپنی طرف سے کھانا کھائے اور درمیان سے کھانا نہ کھائے کیونکہ درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے۔

بیٹھنے کا طریقہ

کھانا کھاتے وقت بیٹھنے کی سنت یہ ہے کہ اوکڑوں بیٹھ کر کھانا کھائے۔ یا ایک پاؤں بچھائے اور ایک کو کھڑا رکھے۔ دوزانوں بیٹھ کر کھانا کھانا بھی سنت ہے اور کھانے کے لئے بلاضرورت چارزانو نہیں بیٹھنا چاہئے۔

دائیں ہاتھ سے کھاؤ

دائیں ہاتھ سے کھانا چاہئے۔کھانے کے بعد کچھ دانے وغیرہ گرے ہوئے ہوں تو اٹھا کر کھالینا چاہئے اور کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لینی چاہئیں اس میں بہت بڑا ثواب ہے۔اگر بائیں ہاتھ سے کھانے کی عادت ہوتو اس کو چھوڑنا چاہئے۔

گرا ہوا لقمہ اٹھا لو

اگر کسی کا لقمہ گر گیا ہوتو اس کو چاہئے کہ لقمہ کو صاف کر کے کھالے اس لقمہ کو شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔

سرکہ

سرکہ کا کھانا سنت ہے جس گھر میں سرکہ ہو اس میں (مزید) سالن کی ضرورت نہیں۔ (یعنی سرکہ بھی سالن ہے)

گندم میں جو ملانا

گندم میں کچھ جو ملا لینا سنت ہے۔جیسے اگر خالص گندم پانچ کلو استعمال کرتا ہے تو اس میں آدھا کلو یا ایک پاؤ جو ملالے تا کہ جو کھانے کی سنت کا ثواب حاصل ہو۔

گوشت کھانا

گوشت کھانا سنت ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گوشت دنیا اور آخرت کے کھانوں کا سردار ہے۔

برتن کو صاف کرنا

کھانا کھانے کے بعد برتن کو اچھی طرح چاٹ لینا اور صاف کر لینا چاہئے۔ اس سنت کا بھی بہت ثواب ہے۔ جس نے برتن کو صاف کیا وہ برتن صاف کرنے والے کے لئے مغفرت کی دعا کرتا ہے۔

کھانے کے بعد شکر کرنا

کھانے کے بعد پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور یہ دعا پڑھنی چاہئے۔

الحمد لله الذی اطعمنا و سقانا

حدیث شریف میں ایک اور دعا آئی ہے جس سے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں:

الحمد لله الذی اطعمنی هٰذا الطعام و رزقنیه من غیر حول منی ولاقوة

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور میری طاقت اور قوت کے بغیر مجھے عطا فرمایا۔"

اور اگر کسی دعوت میں کھانا کھائے ہو تو یہ دعا پڑھے۔

اللهم اطعم من اطعمنا واسق من سقانا

ترجمہ: "اے اللہ! آپ اس کو کھلایئے جس نے ہمیں کھلایا اور اس کو پلایئے جس نے ہمیں پلایا۔"

پینے کا طریقہ

پینے کی سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے تین سانس میں پیئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے (یعنی الحمد للہ کہے)

کھانے میں عیب نہ نکالو

کھانے کو نہ برا کہنا چاہئے اور نہ اس میں عیب نکالنا چاہئے اگر پسند نہ آئے تو کھانا چھوڑ دینا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی تھی۔

زمزم پینا

کسی چیز کو پینے کی ایک سنت یہ ہے کہ بیٹھ کر پیئے۔ کھڑے ہو کر صرف زم زم یا وضو کا بچا ہوا پانی پینا سنت ہے۔

لباس کے مسنون اعمال

سفید لباس

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید رنگ کا کپڑا پسند تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیاہ رنگ کا کپڑا پہننا بھی ثابت ہے۔

عمامہ

سیاہ عمامہ باندھنا مسنون ہے۔سفید عمامہ باندھنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔شملہ ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ بھی مسنون ہے۔

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے خصائل نبوی میں تحریر فرمایا ہے کہ عمامہ باندھنا دائمی سنت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمامہ باندھنے کا حکم بھی نقل کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے عمامہ باندھا کرو اس سے حلم میں بڑھ جاؤ گے۔

پہننے کا طریقہ

کپڑے اور جوتے دائیں پاؤں میں پہلے پہننا مسنون ہے۔مگر میت کو کفن میں پہلے بائیں طرف سے لپیٹا جائے گا پھر دائیں طرف سے لپیٹا جائے گا۔

نئے کپڑے کی دعا

نئے کپڑے کی سنت یہ ہے کہ اس کو پہن کر یہ دعا پڑھے۔

الحمد لله الذی کسانا هذا

ترجمہ: ”تمام تعریف اور شکر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہمیں یہ (کپڑا) پہنایا ہے۔“

لنگی و پاجامہ کی سنت

لنگی شلوار یا پاجامہ کی سنت یہ ہے کہ ٹخنے سے اوپر رہے نیچے ہرگز نہ لٹکائے۔اس سے اللہ جل جلالہٗ کو بہت سخت غصہ آتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص

پاجامہ کو ٹخنوں سے نیچے رکھے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کی نظر نہ ڈالیں گے۔

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے ستر کا ڈھانکنا زیادہ ضروری ہے اس لئے اگر ستر کھلنے کا ڈر ہو تو سلی ہوئی لنگی پہنیں۔

ٹوپی پر عمامہ باندھنا

عمامہ ٹوپی پر باندھنا سنت ہے۔ اگر کسی نے بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھا تو یہ سنت کے خلاف ہے۔ اسی طرح اگر بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھا اور درمیان سے سر کھلا رہ گیا تو نماز مکروہ ہوگی۔ ان مسائل کو یاد رکھو دنیا اور آخرت میں فائدہ ہوگا۔

لنگی باندھنے کا طریقہ

لنگی باندھنی چاہئے تاکہ سنت کا ثواب حاصل ہو۔ لنگی باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ٹخنوں سے اوپر رہے اور اگر کھل جانے کا خوف ہو تو سلی ہوئی پہنو۔ مسلمان اور کافروں کے لباس میں فرق ہونا چاہئے۔

مسنون تکیہ

وہ تکیہ جس میں کسی درخت کی چھال بھری ہوئی ہو مسنون ہے۔ اگر کھجور کی چھال بھری ہوئی ہو تو بہت بہتر ہے۔

انگوٹھی

مرد کے لئے انگوٹھی پہننے میں سنت یہ ہے کہ ساڑھے چار ماشے چاندی کی انگوٹھی پہنے۔ اس سے زیادہ وزن کی انگوٹھی پہننا مرد کے لئے جائز نہیں ہے۔ بعض بہت زیادہ وزن کی بلکہ دو دو چار انگوٹھیاں پہنتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ طریقہ عورتوں کے لئے ہے۔

بالوں میں تیل لگانا

جس شخص کے سر پر بال ہوں اس کو چاہئے کہ کبھی کبھی ان کو دھویا کرے اور کنگھا کیا کرے۔ سر اور ڈاڑھی کو تیل لگانا بھی سنت ہے کہ پہلے بھوؤں کو اور پھر ڈاڑھی کو لگائے۔ (از خصائل نبوی)

بہتر یہ ہے کہ سر اور ڈاڑھی میں روزانہ کنگھا نہ کرے بلکہ ایک دن آڑ یعنی درمیان میں ایک دن چھوڑے۔

مہندی کا خضاب

جس کے بال سفید ہوں اس کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ مہندی اور نیل کے ساتھ خضاب کرے۔ سیاہ خضاب نہ کرے کیونکہ سیاہ خضاب مکروہ ہے۔

داڑھی بڑھانا' مونچھیں کترانا

مونچھوں کو کترنا اور ڈاڑھی کو بڑھانا سنت ہے۔ ایک مشت (مٹھی) سے داڑھی کم کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح داڑھی کو ایک مشت سے کم کٹوانا یا منڈوانا بالکل حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے بچائے۔ داڑھی رکھنا سنت ہے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا واجب ہونا سنت (حدیث پاک) سے ثابت ہے۔ جب ہی تو ایک مشت سے کم کترنا جائز نہیں ہے۔ (اس موضوع پر حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کا رسالہ "داڑھی کا وجوب" دیکھا جا سکتا ہے)

اگر لبوں کو کاٹ لے تو مونچھوں کا رکھنا اور سبالین کا بڑھانا نا جائز ہے۔

عورتوں کے لئے مہندی

حدیث میں آیا ہے کہ عورتوں کو مہندی لگانا سنت ہے۔ (ابوداؤد)

سرمہ لگانا

مرد اور عورت کے لئے سرمہ لگانا سنت ہے۔ سرمہ رات کو لگانا سنت ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر آنکھ میں تین تین سلائی لگائے۔ (ترمذی)

بال رکھنا یا مونڈنا

سر کے تمام بال رکھنا یا تمام بال مونڈنا سنت ہے۔ اسی طرح کچھ بال رکھنا اور کچھ کترنا یا مونڈنا سخت حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے بچائے۔

عورتوں کے لئے قمیص و کرتہ

عورتوں کے لئے قمیص یا کرتہ پہننے میں سنت یہ ہے کہ اس کے آستین پورے ہاتھ تک ہوں

صرف کہنیوں تک نہ ہوں۔ جو عورتیں کہنیوں تک آستین پہنتی ہیں وہ سخت گناہگار ہوتی ہیں۔

اسی طرح عورتوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسا لباس نہ پہنیں جس میں سے بدن کی بناوٹ نظر آئے اور نہ ایسا لباس پہنیں جس میں سے بدن نظر آئے کیونکہ ایسی عورتوں کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ننگی اٹھیں گی۔

نکاح کے مسنون اعمال

سادگی سے ہو

نکاح میں سنت یہ ہے کہ سادگی سے ہو نہ اس میں بہت زیادہ تکلف ہو اور نہ بہت زیادہ سامان کا لین دین ہو۔

نکاح کا مسنون دن

نکاح کے لئے جمعہ کا دن مسنون ہے کیونکہ یہ دن بھلائی اور برکت والا ہے۔

نکاح کا مسنون مہینہ

شوال کے مہینہ میں نکاح کرنا مسنون ہے اور برکت والا ہے۔

نکاح کی جگہ

مسجد میں نکاح کرنا مسنون ہے۔

اعلان

نکاح کا اعلان (مشہور) کرنا سنت ہے۔ اعلان کے لئے دف بھی بجا سکتے ہیں۔ دف ایسا باجا ہے جو ایک طرف سے کھلا ہوا ہوتا ہے جس کو دھپرا بھی کہتے ہیں۔

چھوارے بانٹنا

نکاح کے بعد چھوارے لٹانا اور تقسیم کرنا سنت ہے۔

شب زفاف

نکاح کے بعد جب پہلی رات کو بیوی کے پاس جائے تو سنت ہے کہ اس کے پیشانی کے

بال پکڑ کر یہ دعا پڑھے۔

اللهم انی اسئلک خیرها و خیرمافیها و اعوذبک من شرها و شرمافیها

ولیمہ

جب پہلی رات بیوی کے ساتھ گزار لے تو ولیمہ کرنا اور اپنے رشتہ داروں اعزہ اقرباء دوستوں کو کھانا کھلانا سنت ہے۔ ولیمہ میں بہت زیادہ اہتمام کرنا ضروری نہیں بلکہ تھوپا سا پکا کر رشتہ داروں کو کھلانے سے بھی ولیمہ کی سنت ادا ہو جائے گی۔

وہ ولیمہ بہت برا ہے جس میں صرف امیروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اس لئے جب ولیمہ کیا جائے تو سب امیروں اور غریبوں کو بلایا جائے۔ ولیمہ صرف سنت ادا کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ جو شخص ولیمہ ناموری کے لئے کرتا ہے اس کو سنت کا کچھ ثواب نہیں ملتا ہے بلکہ اس بات کا ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غصہ کا سبب نہ بن جائے۔

دعوت قبول کرنا

اگر کوئی شخص دعوت کرے تو دعوت قبول کرنا سنت ہے۔ اگر دعوت کرنے والے کا مال حرام ہو جیسے وہ رشوت، سود اور بدکاری وغیرہ میں مبتلا ہو تو اس کی دعوت قبول نہیں کرنی چاہئے۔ اگر دو شخص ایک ساتھ دعوت کریں تو جس کا گھر تمہارے گھر سے قریب ہو اس کی دعوت قبول کرو۔

سفر کے مسنون اعمال

رفیق سفر

سفر میں دو آدمیوں کا جانا مسنون ہے۔ ایک آدمی کا جانا بہتر نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی ضرورت یا مجبوری ہو تو ایک آدمی کے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

آغاز سفر کا دن

جمعرات اور ہفتہ کے دن سفر شروع کرنا سنت ہے۔

قیام کرنا

سفر میں ٹھہرنے کی سنت یہ ہے کہ راستے کے درمیان جہاں مسافروں کے چلنے کی جگہ ہو

وہاں نہ ٹھہرے بلکہ ایک طرف ہٹ کر ٹھہرے۔

فوراً واپس لوٹ آنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس مقصد کے لئے سفر کیا تھا جب وہ حاصل ہو جائے تو واپس لوٹ آئے۔ بلا ضرورت سفر میں نہیں رہنا چاہئے۔“

گھر واپسی کی اطلاع دے

اگر کہیں دور سفر پر گیا تھا تو اچانک گھر نہ چلا جائے بلکہ پہلے آنے کی خبر کر دے پھر کچھ ٹھہر کر جائے۔ اگر رات کو تاخیر سے واپس آؤ تو رات ہی کو گھر نہ چلے جاؤ بلکہ کہیں (قریب) ٹھہر کر صبح کو گھر جاؤ۔ لیکن اگر گھر والوں کو آنے کی خبر ہو اور وہ لوگ انتظار میں ہوں تو رات ہی کو جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ طریقے سنت کے ہیں جن پر عمل کرنے سے دنیا و آخرت کی بھلائیاں ملتی ہیں۔

گھر سے پہلے مسجد

سفر سے واپسی پر گھر میں داخل ہونے سے پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نفل پڑھنا سنت ہے۔ سفر میں کتا اور گھونگرو ساتھ نہ رکھنا بھی سنت ہے ورنہ شیطان پیچھے لگ جاتا ہے اور سفر بے برکت ہو جاتا ہے۔

مجلس و ملاقات کے مسنون اعمال

ہر ایک کو سلام

سلام بھی ایک بڑی اور اہم سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ ہر مسلمان کو سلام کرنا چاہئے خواہ اسے جانتا ہو یا نہ جانتا ہو کیونکہ سلام اسلام کا حق ہے جو جاننے پر موقوف نہیں ہے۔

بچوں کو سلام

چھوٹے بچوں کو سلام کرنا بھی سنت ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹے بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام کیا۔ (بخاری ومسلم)

الوداعی سلام

جب لوگوں سے رخصت ہونے لگو تو ان کو سلام کر کے رخصت ہو۔

مصافحہ کرنا

جب کسی مسلمان بھائی سے ملو تو مصافحہ کرنا سنت ہے۔ مرد مرد سے اور عورت عورت سے مصافحہ کرے۔ مرد کا عورت سے اور عورت کا مرد سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔

چھینک کا جواب

جب چھینک آئے تو "الحمد للّٰہ" کہو۔

جب کسی کو چھینک کے بعد الحمد للّٰہ کہتے ہوئے سنو تو اس کو جواب میں یرحمک اللّٰہ ضرور کہو۔ اس کا بہت خیال کرو کہ یہ اسلام کا ضروری حق ہے۔

جمائی کا طریقہ

جب جمائی آئے تو سنت یہ ہے کہ منہ کو بند کر لے۔ اگر منہ کو بند نہ کر سکے تو منہ پر ہاتھ رکھ لے۔

دیندار کی تعظیم

جب کوئی بڑا دیندار شخص تمہارے پاس آئے تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ لیکن کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس بات کو پسند کرے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوں۔

مجلس کا ادب

جب کسی مجلس میں جاؤ تو جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جاؤ۔ کسی کو جگہ سے اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا مکروہ ہے۔

آنے والے کا ادب

جب کوئی شخص مجلس میں آئے اور جگہ نہ ہو تو بیٹھنے والوں کے لئے سنت ہے کہ ذرا مل مل کر بیٹھ جائیں اور آنے والے کے لئے جگہ بنا دیں۔

سرگوشی

جب تین آدمی بیٹھے ہوں تو دو آدمیوں کے لئے جائز نہیں کہ تیسرے کو چھوڑ کر خود باتیں

کریں۔ کیونکہ اس سے تیسرے آدمی کو تکلیف ہوگی اور کسی مسلمان کو تکلیف دینا جائز نہیں ہے۔

پہلے اجازت لو

کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا سنت ہے۔ اجازت حاصل کر کے داخل ہونا چاہئے۔

پسندیدہ نام

اپنی اولاد کا نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن رکھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ (اس کے علاوہ نام رکھنا بھی جائز ہے لیکن یہ دونوں نام افضل ہیں)

مرض و مریض کے مسنون اعمال

بیمار پرسی

جب کوئی بیمار ہو جائے تو اس کی بیمار پرسی کو ملنے جانا سنت ہے۔

بیمار پرسی کا طریقہ

بیمار پرسی میں سنت یہ ہے کہ بیمار کے پاس سے جلد واپس آئے۔ تاکہ وہ رنجیدہ نہ ہو اور اس کے گھر والوں کے کام میں خلل واقع نہ ہو۔

تسلی دینا

بیمار کے پاس جا کر اس کو تسلی دینا سنت ہے۔ مثلاً اس سے یوں کہنا کہ ان شاء اللہ تم جلد صحت مند ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والے ہیں۔ غرض کسی قسم کی بھی ڈرانے والی بات نہ کرے۔

رات کو جانا

رات کو بیمار پرسی کرنا جائز ہے۔ بعض لوگ رات کو بیمار پرسی کرنے کو منحوس سمجھتے ہیں یہ غلط ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ جب بیمار آدمی تین دن بیمار رہے پھر بیمار پرسی کرنی چاہئے بلکہ جب چاہے بیمار پرسی کرے خواہ ایک دن ہی بیمار رہا ہو۔

علاج کرنا

بیماری میں دوا و علاج کرنا سنت ہے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے (کہ شفا اللہ تعالیٰ ہی دیں گے) اور علاج کرتا رہے۔

کلونجی اور شہد کا استعمال

کلونجی اور شہد سے دوا تیار کرنا سنت ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں میں شفا رکھی ہے۔ ان دونوں کے بہت سے فوائد حدیث میں آئے ہیں۔

نیک فال

جب کوئی اچھا نام یا کوئی اچھی بات سنو تو اس کو اپنے لئے اچھی بات سمجھو۔ (کہ ان شاء اللہ کوئی اچھی بات میرے ساتھ ہوگی) اور خوش ہو جاؤ۔ یہی فال لینا ہے۔ بد فالی سخت منع ہے۔ مثلاً سفر میں جاتے وقت اگر گیدڑ راستہ سے گزر جائے تو اس دن سفر نہ کرنا بلکہ کسی اور دن سفر کرنا یا صبح کو بندر کا نام نہیں لیتے اور اس کو برا سمجھتے ہیں یہ سب باتیں غلط ہیں۔ کسی آدمی یا جگہ کو منحوس سمجھنا بھی غلط ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ اس مکان کی نحوست کی وجہ سے ہم کو یہ بیماری یا نقصان ہوا غلط ہے۔

میت کو جلدی دفن کرو

میت کے بارے میں سنت یہ ہے کہ جلدی دفن کریں۔

قبر

قبر کے بارے میں سنت یہ ہے کہ اس پر پانی ڈالیں بہت اونچی اور پکی نہ بنائیں۔

میت والوں کو کھانا کھلانا

میت کے رشتہ داروں کو کھانا کھلانا سنت ہے۔ صرف ان لوگوں کو جو میت کے گھر والوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہیں نہ کہ ساری برادری کو کھلانا سنت ہے۔ اسی وقت جو موجود ہو حاضر کر دیا جائے ناموری دکھلانا جائز نہیں ہے۔

جمعہ کے دن کے سنت اعمال

۱- غسل کرنا' اور غسل میں خطمی استعمال کرنا۔

۲- ناخن کٹوانا' ہاتھ کے ناخن کاٹنے میں ترتیب مسنون یہ ہے سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی' بیچ کی انگلی' اس کے برابر والی انگلی' چھنگیا' پھر الٹے ہاتھ کی چھنگیا' اس کے برابر والی انگلی' بیچ والی انگلی' اس کے برابر والی انگلی' انگوٹھا' پھر سیدھے ہاتھ کا انگوٹھا۔

اور پاؤں کے ناخن کاٹنے میں ترتیب مسنون یہ ہے کہ دائیں پاؤں کی چھنگلی سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کرنا۔ ۳-خوشبو لگانا ۴-سورۂ کہف پڑھنا۔

۵-جمعہ کی آخری ساعت میں دعاؤں کا اہتمام کرنا۔ ۶- کثرت درود شریف۔

۷- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے اسی مرتبہ یہ درود شریف پڑھے:۔

اللھم صل علیٰ محمد ن النبی الامی و علیٰ آلہ و سلم تسلیماً

اس کے اسی (۸۰) سال کے گناہ معاف ہوں گے اور اسی (۸۰) سال کی عبادت کا ثواب اس کے لئے لکھا جائے گا۔

شام کے وقت کے سنت اعمال

بچوں کو باہر نہ نکلنے دو

جب شام ہو جائے تو بچوں کو باہر نہ نکلنے دو۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اس وقت شیطان کا لشکر زمین پر پھیلتا ہے۔

دروازہ بند کرو

جب رات کو عشاء کی نماز کے بعد گھر میں آ ؤ تو گھر دروازہ زنجیر' کواڑ یا پٹی سے بند کرلو۔ (یعنی تالا یا کنڈی لگادو)

عشاء کے بعد گفتگو

عشاء کے بعد طرح طرح کے قصے کہانی مت کہو ایسا نہ ہو کہ صبح کی نماز قضاء ہو جائے‘ بلکہ عشاء کے بعد جلدی سو جانا چاہئے۔ ہاں اگر نصیحت کی باتیں کی جائیں یا انبیاء اور اولیاء کا ذکر کیا جائے (یعنی ان کے دین پر چلنے کے حالات سنائے جائیں جس سے دین پر چلنے کا شوق پیدا ہو) تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کام کرنے والا (کاریگر) اپنا کام کرے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

چراغ و چولہے گل کر دو

جب رات کو سونے لگو تو چراغ گل کر دو۔ جلتا نہ رہنے دو کیونکہ اس سے آگ لگ جانے کا خطرہ ہے۔ اس سے سنت کا بھی ثواب ملے گا اور حفاظت بھی ہو گی۔ اسی طرح اگر چولہے میں آگ ہو تو اس کو مٹی یا راکھ ڈال کر بجھا دو کھلی نہ چھوڑو۔

بستر جھاڑنا

سونے سے پہلے بستر جھاڑنا سنت ہے تا کہ خدانخواستہ اس میں کوئی موذی چیز نہ پڑی ہو۔

سونے کا طریقہ

سونے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں کروٹ پر لیٹیں۔ دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھ لیں اور بایاں بازو بائیں کروٹ پر سیدھا رکھ کر سو جائیں۔

مسنون دعائیں

سو کر اٹھے تو یہ دعا پڑھے

الحمد لله الذی احیانا بعد مآ اماتنا و الیه النشور

ترجمہ: ''اس اللہ تعالیٰ کا (بہت بہت) شکر ہے جس نے ہمیں موت دینے (یعنی سلانے) کے بعد دوبارہ زندہ کیا (یعنی جگایا) اور ہمیں (قبروں سے اٹھ کر) اللہ تعالیٰ ہی کی طرف جانا ہے۔''

بیت الخلاء جانے کی دعا

بسم الله اللّٰهم انیّ اعوذبک من الخبث و الخبآئث

ترجمہ: ''اے اللہ! میں تکلیف دینے والے اور ناپاک جنوں اور جنیوں سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔''

بیت الخلاء سے نکلنے کی دعا

غفرانک الحمد للّٰه الذیّ اذهب عنی الاذٰی وعافانی

ترجمہ: ''اے اللہ! میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کیا اور مجھے عافیت عطا فرمائی۔''

وضو شروع کرنے کی دعا

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: ''میں اللہ تعالیٰ جو بہت مہربان اور بڑے رحم والے ہیں کے نام سے (وضو) شروع کرتا ہوں۔''

وضو کے درمیان کی دعا

اللّٰهم اغفرلی ذنبی ووسع لی فی داری و بارک لی فی رزقی

ترجمہ: ''اے اللہ! آپ میرے گناہ معاف فرمادیں اور میرے (دنیا اور آخرت کے) گھر میں وسعت عطا فرمادیں اور میرے (دینی اور دنیوی) رزق میں برکت عطا فرمادیں''۔

وضو کے بعد کی دعا

اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ' واشھد ان محمداً عبدہ' و رسولہ'. اللّٰھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین. سبحٰنک اللھم و بحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک و اتوب الیک

ترجمہ: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ! آپ مجھے کثرت سے توبہ کرنے والوں اور خوب پاک وصاف رہنے والوں میں شامل فرمادیں۔ اے اللہ! آپ پاک ہیں اور میں آپ کی تعریف کرتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ میں آپ سے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور اے اللہ! میں (اپنے گناہوں سے) توبہ کرتا ہوں''۔

گھر سے نکلنے کی دعا

بسم اللّٰہ توکلت علی اللّٰہ ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ

ترجمہ: ''میں اللہ تعالیٰ ہی کا نام لے کر گھر سے نکلتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ پر جو میرے رب ہیں بھروسہ کرتا ہوں۔ گناہوں سے بچنے کی طاقت اور نیکیوں کے کرنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے''۔

مسجد میں داخل ہونے کی دعا

بسم اللّٰہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ . اللّٰھم اغفرلی ذنوبی وافتح لیّ ابواب رحمتک

ترجمہ: ''میں اللہ تعالیٰ ہی کا نام لے کر مسجد میں داخل ہوتا ہوں اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود وسلام ہوں۔ اے اللہ! آپ میرے گناہوں کو معاف فرما دیجئے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجئے''۔

مسجد سے باہر نکلنے کی دعا

بسم اللّٰہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ. اللّٰھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک

ترجمہ: ”میں اللہ تعالیٰ ہی کا نام لے کر مسجد سے باہر نکلتا ہوں اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود و سلام ہوں۔ اے اللہ! آپ میرے گناہوں کو معاف فرما دیجئے اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دیجئے۔

فائدہ:۔کشائش رزق کے لئے اس دعا کے بعد راستہ چلتے ہوئے **اللّٰھم انی اسئلک رزقاً واسعاً حلالاً طیباً** اور **اللّٰھم اکفنا بحلالک عن حرامک و اغننا بفضلک عمن سواک** اور درود شریف پڑھ لے۔

ترجمہ: ”اے اللہ! میں آپ سے ایسے رزق کا سوال کرتا ہوں جو کشادہ، حلال اور پاکیزہ ہو۔ اے اللہ! آپ مجھے اپنا حلال رزق عطا فرما کر حرام سے بچا دیجئے اور مجھے اپنے فضل سے آپ کے علاوہ سے بے نیاز فرما دیجئے۔“

اذان کے بعد کی دعا

اللّٰھم رب ھٰذہ الدعوۃ التآمۃ والصلوٰۃ القائمۃ اٰت محمد ن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاماً محمود ن الذی وعدتہ انک لا تخلف المیعاد

ترجمہ: ”اے اللہ! اس دعوت کاملہ اور (اس کے نتیجے میں) کھڑی ہونے والی نماز کے مالک آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (مقام) وسیلہ وفضیلت عطا فرمائیے اور ان کو اس مقام محمود پر پہنچا دیجئے جس کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ بلاشبہ آپ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے۔“

نماز سے فارغ ہو تو یہ دعا پڑھے

بسم اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم اذھب عنی الھم والحزن

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جس کے علاوہ کوئی اور عبادت کے لائق نہیں ہے وہ بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے، اے اللہ! آپ میرے ہر غم اور

میری ہر پریشانی کو مجھ سے دور فرمادیں۔"

کھانا شروع کرنے کی دعا

بسم اللّٰہ وعلیٰ برکۃ اللّٰہ

ترجمہ: "(ہم یہ کھانا) اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی برکت سے (کھاتے ہیں)۔"

کھانے سے فارغ ہونے کی دعا

الحمد للّٰہ الذی اطعمنا و سقانا و جعلنا من المسلمین

ترجمہ: "تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمانوں میں بنایا۔"

جب دعوت کا کھانا کھائے تو یہ دعا پڑھے

اللّٰھم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی

ترجمہ: "اے اللہ! آپ اس کو کھلایئے جس نے ہمیں کھلایا اور آپ اس کو پلایئے جس نے ہمیں پلایا۔"

جب کپڑا پہنے تو یہ دعا پڑھے

الحمد للّٰہ الذی کسانی مآ اواری بہ عورتی واتجمل بہ فی حیاتی

ترجمہ: "تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے وہ کپڑے پہنائے جن میں اپنا ستر ڈھانکتا ہوں اور ان سے اپنی زندگی میں زینت حاصل کرتا ہوں۔"

دعا استخارہ

دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد:

اللّٰھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک و اسئلک من فضلک العظیم فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم و انت علام الغیوب اللھم ان کنت تعلم ان ھٰذا۔

یہاں پر اس مقصد کا ذکر یا تصور کرے

الامر خیر لی فی دینی و معاشی و عاقبة امری فاقدرہ لی ویسرہ لی ثم بارک لی فیہ و ان کنت تعلم ان ھٰذا

(یہاں پر اس مقصد کا ذکر یا تصور کرے)

الامر شرلی فی دینی و معاشی و عاقبة امری فاصرفه عنی واصرفنی عنه واقدرلی الخیر حیث کان ثم ارضنی به

کسی کو رخصت کرنے کی دعا

استودع اللّٰہ دینک و امانتک و خواتیم عملک

ترجمہ:۔ میں تمہارے دین، تمہاری امانت اور تمہارے عمل کے انجام کار کو اللہ تعالیٰ کے سپرد و حوالے کرتا ہوں۔"

سوار ہونے لگے تو یہ دعا پڑھے

بسم اللّٰہ

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ (میں سوار ہوتا ہوں)۔"

سواری کی پیٹھ پر بیٹھے تو یہ دعا پڑھے

الحمد للّٰہ سبحان الذی سخرلنا ھٰذا وما کناله مقرنین. وانا الٰی ربنا لمنقلبون.

ترجمہ: "تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ پاک ہیں جس نے اس (سواری) کو ہمارے قابو میں کر دیا (ورنہ) ہم اس کو قابو میں نہیں لا سکتے تھے۔ اور بلاشبہ ہم (مرنے کے بعد) اپنے رب کے پاس ضرور لوٹ کر جائیں گے۔"

سفر سے واپس آنے کی دعا

آئبون تآئبون عابدون لربنا حامدون

ترجمہ: "ہم (اب سفر سے) لوٹ رہے ہیں (اپنے گناہوں سے) توبہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اپنے رب کی تعریف بیان کرتے ہیں۔"

شہر میں داخل ہونے لگے تو یہ دعا پڑھے

اللّٰهم بارک لنا فیها (تین بار) اللّٰهم ارزقنا جناها و حببنآ الیٰ اهلها و حبب صالحیٓ اهلهآ الینا

ترجمہ: "اے اللہ! آپ ہمیں اس بستی میں خیر و برکت عطا فرمائیں۔ اے اللہ! آپ ہمیں اس بستی کے ثمرات (ومنافع) عطا فرمایئے اور اس بستی والوں میں ہماری محبت ڈال دیجئے اور اس بستی کے نیک لوگوں کی محبت ہمیں عطا فرمایئے۔"

جب کسی منزل پر اترے تو یہ دعا پڑھے

اعوذ بکلمات اللّٰه التآمات من شر ما خلق

ترجمہ: "میں ہر اس چیز کے شر سے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کے ذریعے پناہ چاہتا ہوں۔"

جب کوئی مصیبت پیش آئے تو یہ دعا پڑھے

انا للّٰه و انا الیه راجعون اللّٰهم عندک احتسب مصیبتی فاخرجنی فیها و ابدلنی منها خیراً

ترجمہ: "بے شک ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کے (بندے) ہیں اور بے شک ہم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! میں آپ کی بارگاہ میں یہ مصیبت پیش کرتا ہوں۔ پس آپ مجھے اس مصیبت پر اجر عطا فرمائیں اور اس کے بدلے اس سے بہتر (نعمت) عطا فرمائیں۔"

جب کوئی مشکل پیش آئے تو یہ دعا پڑھے

اللّٰهم لاسهل الا ماجعلته سهلاً و انت تجعل الحزن سهلاً اذاشئت

ترجمہ: "اے اللہ! صرف آسان وہی چیز ہے جس کو آپ آسان بنائیں۔ اور آپ

جب چاہیں غم کو آسان کردیں۔''

جب نیا چاند دیکھے تو یہ دعا پڑھے

اللّٰھم اھلہ' علینا بالیمن والایمان والسلامۃ والاسلام والتوفیق لما تحب وترضٰی ربی و ربک اللّٰہ

ترجمہ:''اے اللہ! آپ اس چاند کو برکت وایمان' سلامتی واسلام اور ہر اس نیک عمل کی توفیق کے ساتھ نکالئے جو آپ کو پسند ہو اور جس سے آپ راضی ہوں۔ اے چاند! میرا اور تیرا دونوں کا رب اللہ تعالیٰ ہے۔''

جب آئینہ دیکھے تو یہ دعا پڑھے

اللّٰھم انت حسنت خلقی فحسن خلقی

ترجمہ:''اے اللہ! آپ ہی نے میری صورت اچھی بنائی ہے۔ آپ ہی میرے اخلاق اچھے بنادیجئے۔''

جب کوئی خوشی کی بات دیکھے تو یہ دعا پڑھے

الحمد للّٰہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات

ترجمہ:''تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس کے انعام سے نیک کام پورے ہوتے ہیں۔''

جب کوئی ناگواری پیش آئے تو یہ دعا پڑھے

الحمد للّٰہ علٰی کل حال

ترجمہ:''ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تمام تعریفیں''۔

جب غصہ آئے تو یہ دعا پڑھے

اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیمo

ترجمہ:''میں شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔''

جب مجلس سے فارغ ہوکر اٹھے تو یہ دعا پڑھے

سبحان اللہ وبحمدہ سبحنک اللّٰھم و بحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک و اتوب الیک

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور انہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں' اے اللہ! میں آپ ہی کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کرتا ہوں۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے' میں آپ ہی سے مغفرت چاہتا ہوں اور آپ ہی کی طرف سے رجوع کرتا ہوں۔ (توبہ کرتا ہوں)۔''

جب مغرب کی اذان سنے تو یہ دعا پڑھے

اللّٰھم ھٰذا اقبال لیلک و ادبار نھارک واصوات دعاتک فاغفرلی

ترجمہ: ''اے اللہ! یہ آپ کی رات کے آنے' دن کے جانے اور آپ کے پکارنے والوں کی پکار کا وقت ہے (اس کی برکت سے) مجھے معاف فرما دیجئے۔''

جب گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے

اللّٰھم انیّ اسئلک خیر المولج و خیر المخرج بسم اللہ ولجنا وبسم اللہ خرجنا و علی اللہ ربنا توکلنا

ترجمہ: ''اے اللہ! میں آپ سے گھر میں داخل ہونے اور نکلنے کی خیر و برکت مانگتا ہوں۔ (یعنی میرا گھر میں داخل ہونا اور نکلنا خیر کا ذریعہ بنے) اللہ تعالیٰ ہی کے نام کے ساتھ ہم گھر میں داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ ہی کے نام کے ساتھ گھر سے نکلے اور اللہ تعالیٰ ہی جو ہمارے رب ہیں ہم نے ان پر بھروسہ کیا۔''

جب سونے لگے تو یہ دعا پڑھے

اللّٰھم باسمک اموت و احییٰ

ترجمہ: ''اے اللہ! میں آپ کے نام سے ہی مروں گا اور آپ کے نام سے ہی جیتا ہوں۔''

ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

مہمان کا ادب

مہمان کے ساتھ خود بھی کھانا کھاؤ۔

مہمان

مہمان کے لئے حد سے زیادہ تکلف نہ کرو۔

مسجد

مسجد کے دروازہ پر پیشاب نہ کرو (ورنہ مسجد میں بدبو ہو جائے گی)

عورتوں کی تابعداری

مرد عورتوں کی تابعداری کرنے لگیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

موت

موت کی آرزو نہ کرو۔ (کیونکہ زندگی میں نیکوں کی نیکیاں بڑھتی ہیں اور بدکار کو توبہ نصیب ہونے کی امید ہے)۔ موت کو یاد کرنے میں صدقہ کے برابر ثواب حاصل ہوتا ہے۔ مردوں کو برا نہ کہا کرو۔

مریض کے سامنے بیٹھ کر مت کھاؤ

مسواک والی نماز: مسواک کئے ہوئے وضو سے دو رکعتیں پڑھنا بغیر مسواک کی چالیس رکعتوں سے بہتر ہے۔

مریض

مرض دفعۃً آ جاتا ہے اور تندرستی آہستہ آہستہ آتی ہے۔

مظلوم

مظلوم کی بددعا سے بچو یعنی ظلم اور ایسے کام نہ کرو جس سے کوئی مظلوم تمہارے لئے بددعا کرے

مکار و دھوکہ باز

مکاری اور دھوکہ بازی کی سزا دوزخ ہے۔

انبیاءؑ کا تذکرہ

انبیاء کا یاد کرنا عبادت کی طرح ہے۔ (یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے دینی کمالات کا تذکرہ کرنا جس سے ایمان وعمل میں قوت پیدا ہوتی ہے)

قبر

یاد کرنا قبر کا تم کو جنت سے قریب کرے گا۔

خاموشی

خاموشی اختیار کرو اس سے شیطان مغلوب ہوتا ہے۔

جنت کا راستہ

ہر شے کے لئے ایک راستہ ہوتا ہے اور جنت کا راستہ علم ہے۔

قناعت

قناعت ایسا مال ہے جو کبھی تمام ہی نہیں ہوتا اور ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم ہی نہیں ہوتا۔

فکر و درد

قرض کی فکر کے برابر کوئی فکر نہیں ہے اور آنکھ کے درد کے برابر کوئی درد نہیں ہے۔

پہلی منزل

قبر آخرت کی منزلوں میں سے ایک پہلی منزل ہے۔

طواف

طواف بھی (اکثر احکام اور ثواب میں) نماز کی طرح ہے پس اس میں کلام بہت کم کیا کرو۔

طلب حلال

طلب کرنا حلال کا جہاد کے مانند (فرض اور باعث ثواب) ہے۔

عمامہ

عمامہ پہن کر نماز پڑھنے کا ثواب بغیر عمامہ کے نماز سے ستر درجہ زیادہ ہے۔

علم

علم کا طلب کرنا (بقدر ضرورت) فرض ہے۔

علم کو روکنا (یعنی باوجود ضرورت کے بخل کرنا) جائز نہیں۔

شوال کے روزے

عیدالفطر کے بعد (شوال کے مہینے میں) جس نے چھ روزے رکھے اس نے گویا تمام سال روزے رکھے (یعنی اسی قدر ثواب ملے گا)

برکت والی

عورتوں میں جس کا مہر سب سے ہلکا ہو وہ سب سے زیادہ برکت والی ہے۔

ظلم وظالم

ظلم کرنے والے اور ان کے مددگار سب دوزخ میں جائیں گے۔

ظلم کرنا قیامت کے دن اندھیرے کا باعث ہوگا (نیک بندوں کے لئے پل صراط پرنور ہوگا اور ظالم اندھیرے میں ٹھوکریں کھائیں گے)۔

خاتمہ

صرف خاتمہ پر عمل کا اعتبار ہے یعنی موجودہ حالت کو دیکھ کر کوئی قطعی حکم نہیں لگا سکتے معلوم نہیں انجام کیا ہو۔

صبر

صبر کرنا مصیبت پر بڑی عبادت ہے یعنی اس میں بھی عبادت کے برابر ثواب ہے۔

قتل نہ کرو

ضعیف، بوڑھے، بچے اور عورت کو (جہاد میں) قتل نہ کرو۔

مال کا زمانہ

ضرور تم پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں دینار و درہم ہی نفع دے گا۔ یعنی بغیر مال کے کام ہی نہ چلے گا۔

امانت

ضمان نہیں ہے امانت رکھنے والے پر یعنی اگر کوئی شخص کسی کی چیز امانت رکھ لے اور وہ اتفاقیہ بلا اس کی غلطی کے ضائع ہو جائے تو اس پر تاوان نہیں ہے۔

بیوی کا خرچ

شوہر جو کچھ اپنی بیوی کو دیتا ہے اس میں صدقہ کے برابر ثواب ہے۔

قرض

شہید ہونے سے قرض کے علاوہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

کفایت شعاری

خدا تعالیٰ اس بندہ پر رحم فرمائے۔ جو حلال روزی کمائے اور کفایت شعاری سے خرچ کرے اور اپنی حاجت اور ضرورت کے دن کے واسطے پس انداز کرے۔

پاک مال

خدا تعالیٰ خود بھی پاک ہے۔اور پاک مال ہی کو قبول فرماتا ہے۔یعنی حرام سے صدقہ دینا خدا کی جناب میں مقبول نہیں بلکہ سخت گناہ کا باعث ہے۔

خط کا جواب

خط کے جواب کا بھی ایسا ہی حق ہے جیسے سلام کے جواب کا حق ہے۔یعنی سلام کی طرح خط کا جواب بھی ضروری دینا چاہئے۔

بال بچوں کا حق

خرچ کرنے میں اپنے اہل وعیال سے شروع کرو(یہ نہ ہو وہ تنگی اور فاقہ میں بسر کریں اورتم مال لٹاؤ) خدا تعالیٰ کو وہ بندہ بہت عزیز ہے جو اپنے عیال کو زیادہ نفع پہنچائے۔

دھوپ میں نہ بیٹھو

دھوپ میں (زیادہ دیر تک) نہ بیٹھا کرو۔اس سے کپڑے خراب ہو جاتے ہیں (بدن میں سے) بدبو آنے لگتی ہے اور چھپی ہوئی بیماریاں نکل آتی ہیں۔

دو آوازیں

دو آوازیں دنیا اور آخرت میں لعنت کا سبب ہیں' خوشی کے وقت راگ باجا اور مصیبت کے وقت چیخنا چلانا۔

دوست

دو دوستوں میں کبھی جگہ تنگ نہیں ہوتی یعنی وہ ذرا سی جگہ میں مل کر آرام سے بہ خوشی بیٹھ جاتے ہیں۔

نابینا کا حق

نابینا کو سلام نہ کرنا بڑی خیانت ہے یعنی یہ سمجھ کر کہ یہ تو نابینا ہے ہمارے پاس کو گزرنے کی اس کو کیا خبر ہو گی

نماز

نماز سے بڑے بڑے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

زنا کا وبال

زنا کے وبال سے مفلسی آ جاتی ہے۔

افضل اعمال

اعمال میں زیادہ افضل نماز کو وقت پر پڑھنا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا ہے۔

مومن کا زیور

مؤمن کا زیور وہاں تک پہنچے گا۔ جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔ یعنی قیامت کے روز جنتی زیور ہاتھ پاؤں میں وہاں تک پہنائے جائیں گے جہاں تک وضو میں دھوئے جاتے ہیں۔

سونا اور ریشم

سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لئے حلال ہے مردوں پر حرام ہے۔

اہل وعیال کا تحفہ

سفر سے واپس آ ؤ تو اپنے اہل وعیال کے لئے کچھ تحفہ ضرور لیتے آ ؤ۔ کچھ نہ ملے تو پتھر ہی اٹھالاؤ۔ (یہ بطور تاکید اور مبالغہ کے فرمایا)

سچا تاجر

سچا تاجر جنت کے دروازوں سے نہ روکا جائے گا۔

ولد الزنا

ولد الزنا اگر ماں باپ کی طرح برے عمل کرے تو یہ تینوں میں سب سے زیادہ بدتر ہے۔

ولد الزنا پر اس کے ماں باپ کا کچھ گناہ نہیں ہے۔

خلال کرنا

وضو کرتے ہوئے (انگلیوں میں) اور کھانے کے بعد (دانتوں میں) خلال کرے

والوں پر خدا تعالیٰ رحم فرمائے گا۔

وعظ کا ادب

لوگوں کو (وعظ و نصیحت کی یا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی) باتیں سناؤ تو اس طرح نہ سناؤ جس سے وہ گھبرا جائیں اور ان کے لئے ان باتوں یا احادیث پر عمل کرنا دشوار ہو جائے۔

بچے اور پاگل

بچوں اور مجنونوں کو مسجد سے علیحدہ رکھو۔ (یعنی ان کو مسجد میں نہ آنے دو)

لعنتی عورتیں

لعنت ہوگی خدا کی ان عورتوں پر جو قبروں پر جاتی ہوں۔

فقراء پر احسان

فقیروں پر دنیا میں احسان کرو قیامت میں ان کے لئے بڑی دولت اور مرتبہ ہوگا وہاں تم پر احسان کریں گے۔

حاجی کا ظلم

جس نے حج کیا اور (خواہ مخواہ بلا عذر) میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

جمعہ کی موت

جو مسلمان جمعہ کے روز مر جائے قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔

کسی کے کام آنا

جو شخص اپنے (اسلامی) بھائی کی حاجت (پوری کرنے) میں کوشش کرے گا خدا تعالیٰ اس کا بھی کام پورا کرے گا۔

گرم کھانا نہ کھاؤ

کھانا جب تک ٹھنڈا نہ ہو نہ کھاؤ یعنی اتنا تیز گرم نہ کھاؤ جس میں گرمی کی شدت ہو اور

ہاتھ منہ جلنے کا خطرہ ہو۔

دستر خوان کا ادب

کھانا جب تک سامنے سے نہ اٹھا لیا جائے دستر خواں سے نہ اٹھو۔

چیز لینے کا ادب

کسی سے جب کوئی چیز لو تو اس کو دکھا کر لو۔ (مثلاً کسی نے کہہ دیا کہ میرا صندوق کھول کر ایک روپیہ لے جاؤ تو وہاں سے نکال کر اسے دکھا دو اس میں بڑی مصلحت ہے۔ دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی کیسی اچھی تعلیم دی ہے)

دعوت کھانے کا ادب

کھانا رکھا جائے تو پہلے قوم کا سردار شروع کرے یا کھانے کا مالک یا جو شخص مجمع میں سب سے بہتر ہو۔

طلب حلال

حلال روزی طلب کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

حلال روزی طلب کرنا بھی ایک طرح کا جہاد ہے یعنی اس میں بھی بہت بڑا ثواب ملتا ہے۔

ناپسندیدہ حلال

حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز خدا تعالیٰ کے نزدیک طلاق ہے (اگر بلاضرورت ہو)۔

حق کہو

حق بات کہو اگرچہ لوگوں کو تلخ (کڑوی) معلوم ہو۔

آسان روزہ

جو شخص تین کام کرے وہ آسانی سے روزہ رکھ لے گا۔ کھانا کھانے کے بعد پانی پیے

(پیاس کے غلبہ میں پہلے ہی بہت سا پانی نہ پی جائے جس سے بڑا نقصان ہوتا ہے) سحر کا کھانا کھائے۔ قیلولہ کرے (دوپہر کو ذرا آرام کرے)

ساقط کا نام

جو حمل گر جائے اس کا بھی نام رکھ دیا کرو۔

سر نہ رہا تو تصویر نہ رہی

جب سر کٹ گیا تو تصویر نہ رہی۔ یعنی وہ کراہت اور ممانعت کا حکم نہ رہا جو تصویر میں ہوتا ہے

عالم نافع

جس عالم کے علم سے مخلوق کو نفع پہنچے وہ ہزار عابدوں سے بہتر ہے۔

مروت وصلہ رحمی

جو شخص تمہاری عیادت (بیمار پرسی) کو نہیں آتا (تم) اس کی بھی عیادت کرو۔ اور جو شخص تم کو تحفہ نہیں دیتا (تم) اس کو بھی تحفہ دو۔

جری گناہ گار

جو شخص ہنستے ہوئے گناہ کرتا ہے وہ روتا ہوا دوزخ میں جائے گا۔ یعنی گناہ سے شرمندہ نہیں ہوتا ہے بلکہ بڑی جرأت اور بے باکی سے ہنسی مذاق اڑاتا ہوا گناہ کرتا ہے۔

محبوب کا ذکر

جو شخص جس چیز سے محبت رکھتا ہے اس کا ذکر اکثر کرتا ہے۔

اہل بیت سے بھلائی

جو شخص میرے اہل بیت کے ساتھ کوئی بھلائی اور احسان کرے گا میں اس کو قیامت میں (اس کا) بدلہ دوں گا۔

سچا عشق

عشق (صادق) میں مر جانے سے شہادت کا ثواب ملتا ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کے عشق میں)

عصر کے بعد سونا

جو شخص عصر کے بعد سوئے اگر اس کی عقل ماری جائے تو اپنے آپ ہی کو ملامت کرے یعنی نہ اس وقت سوتا نہ عقل میں فتور آتا۔

دس محرم کا دن

جو شخص عاشورہ کے دن (۱۰ محرم کو) اپنے اہل وعیال پر وسعت کرے (کھانے پینے کا سامان ہر روز سے کسی قدر زیادہ اور اچھا کرے) خدا تعالیٰ تمام سال اس پر وسعت اور فراغت کریں گے۔

استاد وشاگرد کی تعظیم

جس سے علم سیکھتے ہو۔ اس کی تعظیم کرو۔ جس کو سکھلاتے ہو اس کی بھی توقیر کرو۔ یعنی جس طرح استاد کی تعظیم شاگردوں پر واجب ہے اسی طرح استاد بھی شاگردوں کو ذلیل نہ سمجھے۔

گھر کی برکت

جس گھر میں بچے نہیں ہوتے اس گھر میں برکت نہیں ہوتی۔

توبہ کیا کرو

تم خدا سے توبہ کیا کرو (دیکھو باوجود نبی ہونے کے) میں خود ہر روز سو مرتبہ توبہ کرتا۔

عفت کی حفاظت

تم زنا سے بچو گے تو تمہاری عورتیں بھی بچی رہیں گی۔

والد سے حسن سلوک

تم اپنے باپ سے اچھا سلوک کرو تمہاری اولاد تم سے اچھا سلوک کرے گی۔

مسواک کے فوائد

مسواک کرنے سے منہ صاف رہتا ہے اور خدا تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔

مقروض قیدی ہے

مقروض شخص قبر میں قیدی کی طرح پڑا ہوا خدا تعالیٰ سے رہائی کی فریاد کرتا رہتا ہے۔ یعنی جب تک قرض ادا نہ ہو جائے یا قرض دینے والا معاف نہ کر دے۔

سردار کی تعظیم

کسی قوم کا سردار اگر تمہارے پاس آئے تو اس کی تعظیم کرو۔

میزبان کی رعایت

کسی کے گھر مہمان ہو تو ان کی اجازت کے بغیر (نفل) روزہ نہ رکھو۔ (شاید تمہارے روزہ سے ان کو دقت ہو۔)

مزدور کو مزدوری بتلا دو

مزدور کو مقرر کرو تو اس کی اجرت (پہلے ہی) بتلا دو تاکہ (بعد میں) جھگڑا نہ ہو جائے۔

دنیا

پانی پر چل کر جس طرح کسی کے پاؤں خشک نہیں رہ سکتے اسی طرح دنیا میں سے بچ کر رہ نہیں سکتا۔

برے ہم نشین سے تنہائی بہتر ہے۔

بہتر شخص

بہتر وہ شخص ہے جو آخرت کو دنیا کے لئے نہ چھوڑے اور دنیا کو آخرت پر نہ چھوڑے اور لوگوں پر بوجھ نہ بنے یعنی دینی کام کرنے کے ساتھ دنیا کے کاروبار کرتا رہے اور بے کار محتاج بن کر دوسروں پر اپنا بوجھ نہ ڈالے۔

جاہل و بدکار سے بچو

بہت سے عابد جاہل ہوتے ہیں اور بہت سے عالم بدکار ہوتے ہیں۔ تم جاہل عابدوں اور بدکار عالموں سے بچتے رہنا۔

بڑا بخیل

بڑا بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

بکری پالنا

بکری پالنا برکت کا سبب ہے۔

جاہل مفتی

بغیر علم کے جو شخص لوگوں کو فتویٰ دے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔

اچھا شخص

اچھا وہ شخص ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے۔

آدمی کا اول و آخر

آدمی خاک سے پیدا ہوا ہے اور خاک ہی میں مل جائے گا۔

رحم کرو

تم اہل زمین پر رحم کرو خدا تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔

اللہ سے مانگو

تم حاجتوں کو خدا تعالیٰ سے مانگو یہاں تک کہ نمک بھی (اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو۔)

بڑا بھائی

بڑے بھائی کا رتبہ باپ کی طرح ہے۔

بڑی نالائقی

بازار میں کھانا بڑی نالائقی ہے۔

پہلے سلام بعد میں کلام

بات کرنے سے پہلے سلام کرنا چاہئے جو شخص سلام کرنے سے پہلے ہی بات شروع کر دے اس کو جواب نہ دو۔

رزق

آدمی کی موت جیسے ہر جگہ اس کو تلاش کر لیتی ہے ایسے ہی اس کا رزق بھی ہر جگہ تلاش کر کے پہنچ جاتا ہے۔

دنیا و آخرت کا ساتھ

آدمی جن لوگوں کو دوست رکھتا ہے (دنیا اور آخرت میں انہیں کے ساتھ ہوگا)

ماں کا حق

اگر ماں اور باپ دونوں ایک ساتھ پکاریں تو پہلے ماں کو جواب دینا چاہئے۔

تحفہ دیا کرو

ایک دوسرے کو تحفہ دیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے۔

عیال پر تنگی

اپنے اہل وعیال پر جو شخص (باوجود قدرت کے) تنگی کرے وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک نہایت مبغوض (جس پر اللہ تعالیٰ کا غصہ ہو) اور ناپسندیدہ ہے۔

اے تاجرو!

اے تاجرو! جھوٹ سے بچتے رہو۔

باب ۱

مُعجزات

مُعجزہ کیا ہے؟

مُعجزہ کی اقسام

مُعجزہ اور جادو میں فرق وغیرہ

معجزہ کیا ہے؟

معجزات کیوں دکھائے جاتے ہیں؟:

واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام اس عالم میں تشریف لا کر عالم انسانی کو ایک ایسے غیر محسوس عالم سے خبردار کرتے ہیں جو عام نظروں میں صرف غیر محسوس ہی نہیں ہوتا، کچھ غیر معقول بھی ہوتا ہے، وہ یہ بتاتے ہیں کہ اس عالم کے ماوراء ایک دوسرا عالم بھی ہے جو اس سے کہیں زیادہ وسیع، کہیں زیادہ پائیدار اور پر از عجائبات ہے اور یہ تمام عالم ایک ایسی ہستی کی مخلوق ہیں جو ان سب سے ماوراء ہے۔ جس کے قبضہ میں ذرہ ذرہ کا وجود و عدم ہے، اس عجیب دعویٰ کے ساتھ وہ دوسرا عجیب دعویٰ یہ بھی کرتے ہیں کہ اس "وراء الوراء" ہستی کی جانب سے وہ اس کے پیغمبر ہیں اور اب دارین کی فلاح و صلاح صرف ان ہی کی اتباع پر منحصر ہے۔

چونکہ انسان ہمیشہ سے صرف اپنے مشاہدات و تجربات پر یقین کرنے کا عادی رہا ہے اور محض عقلی طور پر کسی بات کا اگر وہ یقین کرتا بھی ہے تو اسی کا جو اس کے مشاہدات کا ثمرہ ہوتی ہے، اس لئے رسولوں کے ان غائبات پر جزم و یقین حاصل کرنے کے لئے وہ کسی نہ کسی سائنٹیفک طریقہ کا متلاشی رہتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس کے سامنے یہاں کوئی ایسا طریقہ موجود نہیں ہوتا اس لئے وہ دعوت انبیاء کی فوری تصدیق کرنے میں کچھ معذوری سی محسوس کرتا ہے اس لئے یہ ضروری ہوا کہ انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر دنیا کے سامنے ایک "جدید طریقہ استدلال" کا آغاز کریں جو عالم "غائبات" پر ایمان لانے کے لئے انسانی فطرت کو بہت آسانی کے ساتھ مطمئن کر سکے اور وہ یہی ہے کہ ان کی فطرت کے مطابق ایسے

دلائل پیش کریں جن کا تعلق مشاہدات ہی سے ہو، ان ہی کا نام ”معجزات وخوارق عادات“ ہے، جب ایک سلیم الفطرت انسان اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لیتا ہے کہ اشیاء میں خواص وتاثیر کا جو اصول اس نے اپنے ذہن سے تراش رکھا تھا وہ خود باطل تھا تو اب اس میں ایک ایسی بالاتر طاقت کے تسلیم کرنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے جو خود مادہ کا خالق ہو اور اس کے تمام خواص کا بھی خالق ہو، اور چونکہ ایک مشاہدہ دوسرے مشاہدہ کی تکذیب کر سکتا ہے اس لئے اس کو یہ یقین کر لینا آسان ہو جاتا ہے کہ جس طرح مادہ کے یہ خواص مادہ میں کسی قدرت کی جانب سے پوشیدہ رکھے گئے تھے اسی طرح اس کی قدرت سے سلب بھی ہو سکتے ہیں اور اس طرح رفتہ رفتہ اس میں تمام ”غائبات“ پر یقین لانے کا رجحان پیدا ہونے لگتا ہے اور کم از کم اتنا تو ضرور ہے کہ اس کے دماغ میں ان سے کوئی انحراف باقی نہیں رہتا۔

پھر جب وہ یہ دیکھ لیتا ہے کہ ان عجائبات کا رشتہ ان انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مربوط ہے تو اب اس کے لئے ان کے دعویٰ رسالت کی تصدیق کرنے اور غیب کے صحیح ترجمان ہونے میں بھی کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی، اگر معجزات وخوارق عادات بھی ”عالم اسباب“ ہی کے محکوم ٹھہریں تو پھر جس طرح تمام عالم ان ہی کے اردگرد حرکت کر رہا ہے یہ بھی اسی جنس کی ایک نوع ہوں گے جن کا راز اگر آج نہیں تو کل فاش ہو کر رہے گا، جنہوں نے خوارق عادات کو ”نوامیس طبعیہ“ ہی کے تحت لانے کی کوشش کی ہے انہوں نے اس طرف نظر نہیں کی کہ اس صورت میں پھر معجزہ وخوارق کو ”آیات ودلائل“ نبوت ٹھیرانے کا مطلب کیا رہے گا، اگر قادر مطلق کی قدرت کا متلاشی اس کی قدرت علی الاطلاق کے مظاہر کا مشاہدہ کرنا چاہے تو آخر وہ کہاں جا کر کرے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ”احیاء وامانۃ“ کے معجزات کا جا بجا تذکرہ فرمایا ہے تا کہ ان واقعات کی تصدیق کرنے والا دیگر خوارق عادات کی بھی تصدیق کر سکے، جنہوں نے ان حقائق کی قرآن کریم میں بھی تاویل کر ڈالی ہے، انہوں نے قدرت علی الاطلاق کے ان مظاہر کے مٹانے کی کوشش کی ہے۔

معجزات کا صحیح عنوان ”آیات وبراہین نبوت“ ہے:

حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی متعدد تصانیف میں بہت اصرار کے ساتھ اس پر زور دیا ہے

کہ معجزات وخوارق کا صحیح عنوان ''آیات وبراہین'' ہیں اور یہی عنوان قرآن کریم اور سلف نے اختیار فرمایا ہے اور معجزہ کی صحیح حقیقت سمجھنے کے لئے یہی تعبیر آسان بھی ہے، لفظ آیت کا ترجمہ ''علامت اور نشانی'' ہے تو اب یہ ایک بالکل سیدھی سی بات ہے کہ جس طرح ہر شے کی شناخت کے لئے کچھ مخصوص علامات ہوتی ہیں جس سے وہ شے بہت جلد اور آسانی کے ساتھ پہچان لی جاتی ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی کچھ ایسی ''علامات و نشانیاں'' ہوتی ہیں جن کو دیکھ کر بآسانی ان کی نبوت ورسالت کا یقین حاصل ہوسکتا ہے بس ان ہی کا نام ''آیات نبوت'' ہے، اور چونکہ یہ علامات ان کے ''فرستادۂ الٰہی'' ہونے کا واضح ثبوت ہیں اس لئے قرآن کریم نے ان کا نام ''برہان'' بھی رکھا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ''عصا اور ید بیضاء'' کے دو معجزات عطا فرما کر ارشاد ہوتا ہے: فذٰنک برھانٰن من ربک، لیکن یہ ظاہر ہے کہ علامت اور جس چیز کی وہ علامت مقرر ہو اس کے درمیان کوئی خصوصیت ہونی چاہئے تا کہ اس علامت کو دیکھ کر فوراً اس دوسری چیز کا یقین حاصل ہو سکے، منطق کی اصطلاح میں ایسی علامت کا نام ''خاصہ'' ہے، مثلاً ہم افق کی سفیدی کو دیکھتے ہیں تو فوراً طلوع نہار کا یقین حاصل کر لیتے ہی، اسی طرح افق پر تاریکی نمودار ہوتی ہے تو اس کو دیکھتے ہی ہم کو شب کی آمد کا یقین ہو جاتا ہے، پس جس طرح ان محسوسات اور ان کی علامات کے درمیان ایک ایسا محکم ''ربط'' موجود ہے کہ ایک کے وجود سے دوسرے پر استدلال کرنا معقول سمجھا جاتا ہے، اسی طرح ضروری ہے کہ ''نبوت ورسالت'' اور ان کی ''علامات وآیات'' کے درمیان بھی کوئی ایسا خاص ''ربط'' موجود ہو جس کو دیکھ کر ایک مادہ پرست کے لئے بھی نبوت ورسالت کی معرفت کا دروازہ کھل جائے، یہ ظاہر ہے کہ نبی ورسول کی ہستی خود اگرچہ محسوس اور مشہود ہوتی ہے لیکن اس کی نبوت ورسالت محسوسات اور مشاہدات میں داخل نہیں، یہ ایک ''غیبی'' حقیقت ہے اس لئے جو چیز اس کی علامت اور نشانی کی حیثیت سے مقرر کی جائے اس کو بھی ''عالم غیب'' سے کوئی صاف علاقہ ہونا چاہئے خود مادہ اور مادہ کے خواص میں یہ صفت موجود نہیں، وہ سب ایک عادی نظام کے تحت ہوتے ہیں اس لئے ان کو دیکھ کر نبوت کے اقرار کرنے کا کوئی داعیہ پیدا

نہیں ہوتا، لہذا قدرت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کچھ ایسے خارق عادات افعال بھی ظاہر فرماتی ہے، جن کو فطرت انسانی ''نوامیس طبیعیۃ'' سے خارج دیکھ کر ایک دم چونک پڑتی ہے اوران کے اسباب وعلل کی جستجو میں پڑ جاتی ہے اور جب ان کو ''اسباب عادیہ'' سے خارج دیکھتی ہے تو اس میں کسی ''غیبی طاقت'' کے اقرار کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، علم کلام کی اصطلاح میں ایسے ہی افعال کا نام ''معجزات'' ہے اگر یہ بھی ظاہری علل واسباب کے مطابق ہوں تو وہ پیغمبر اور خدا کے باہمی ربط وعلاقہ کی دلیل کیوں کر بن سکتے ہیں؟ کفار ان کو دیکھ کر آج نہیں تو کل یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو فلاں سبب سے تھے، اسی لئے انبیاء علیہم السلام یہ اعلان کرتے رہتے ہیں کہ جتنے معجزات ان سے ظاہر ہوتے ہیں یہ سب ان کی قدرت سے نہیں بلکہ ''خدا کی قدرت'' سے ہیں، امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں ان کا عنوان ''علامات نبوت'' رکھا ہے اور جن مؤلفین نے اس موضوع پر مستقل تصانیف فرمائی ہیں انہوں نے اپنی مؤلفات کا نام ''دلائل نبوت'' رکھا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ ''معجزہ'' کے عنوان سے یہاں بہت سی الجھنیں پیدا ہوگئی ہیں جو سینکڑوں صفحات لکھنے کے بعد بھی سلجھ نہیں سکیں، ہم یہاں ان مباحث کا نقل کرنا موجب طوالت سمجھتے ہیں، بالخصوص جبکہ بڑی بڑی بحثوں کے بعد بھی ارباب قلم کا قلم کسی ایک رائے پر جم نہیں سکا، کوئی کہتا ہے ''معجزہ'' اگرچہ ان ہی اسباب وعلل کی ایک کڑی ہوتی ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ ان اسباب کا علم ہم کو اس وقت بھی حاصل ہو ہوسکتا ہے کہ آئندہ زمانے میں اس کے اسباب ہم کو معلوم ہو جائیں اور کسی کا خیال ہے کہ ''وہ اس سلسلۂ اسباب ہی سے باہر ہوتا ہے'' پھر ان بیانات کے ضمن میں جو مقدمات استعمال کئے گئے ہیں، ان سب کی انتہاء بھی صرف تجربیات اور ظنیات پر ہے، بلکہ کسی کسی نے تو یہاں تک بھی لکھ ڈالا ہے کہ ''معجزات کا وجود خارج میں تسلیم کرنا ہی کیا ضروری ہے، ہوسکتا ہے کہ صرف مخاطبین کے ذہنوں میں ایک صورت قائم ہو جاتی ہو اور دیکھنے والا اس کو یہ سمجھتا ہو کہ یہ اس کا خارجی وجود ہے'' ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا سب کارخانہ ''وجود خارجی'' کے ساتھ قائم ہے پھر ان کی دعوت کے مخاطبین بھی سب خارج میں موجود ہوتے

ہیں اور ذہنی و خارجی وجود میں بدیہی فرق بھی سمجھتے ہیں، پھر ان کی شریعت کا تعلق بھی تمام تر ''خارجی وجود'' سے ہوتا ہے، اس لئے ہم ان مباحث کو دعوت انبیاء علیہم السلام ہی کے خلاف سمجھتے ہیں اور اس منطق پر اپنا وقت صرف کرنا اضاعت وقت تصور کرتے ہیں۔

معجزہ کی حقیقت سمجھنے کا صحیح راستہ:

اب رہا یہ مسئلہ کہ پھر معجزہ کی حقیقت سمجھنے کا راستہ کیا ہے؟ تو ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ معجزہ کی حقیقت کا پورے طور پر حل کر دینا نبوت کی طرح مشکل ہی ہے بلکہ معجزات کی صحیح تفہیم ''نبوت'' کے اقرار کے بغیر ممکن ہی نہیں، جس طرح کہ نبوت کی صحیح تفہیم ''الوہیت'' کے اقرار کے بغیر ممکن نہیں ہاں جو شخص پہلے خدائی تسلیم کرلے، پھر اس کے لئے نبوت کا اقرار کچھ مشکل نہیں رہتا، اور اسی طرح جو نبوت کا اقرار کرلے، اس کے لئے معجزہ کی تصدیق کچھ مشکل نہیں رہتی، ہمارے نزدیک معجزہ کی حقیقت سمجھنے کے لئے سب سے صحیح راستہ صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ حدیثی اور قرآنی معجزات پر ''بحث و مناظرہ'' کئے بغیر اور ان کی ''تاویلات'' کے درپے ہوئے بغیر بار بار نظر ڈالی جائے تو کچھ عرصہ کے بعد معجزہ کی اجمالی حقیقت خود بخود ذہن میں منقش ہو جائے گی، گو اسکے اظہار پر پوری قدرت حاصل ہو یا نہ ہو، اس لئے یہاں ایک ''دہریہ'' کو جو نہ الوہیت کا قائل ہو نہ نبوت کا براہ راست معجزہ کی تفہیم ناممکن ہے، جیسا کہ اقلیدس کی کسی ''شکل'' کی تفہیم، اس کے ''مقدمات اور موقوف علیہ اشکال'' کے بغیر ناممکن ہے، اب اگر اس کا نام ''جہل'' اور ''اعتراف عجز'' ہے تو اس حقیقت کے اعتراف کر لینے میں ہم کو کوئی تامل نہیں ہے۔

آیات الوہیت:

آیئے! ایک چھوٹا سا قدم ہم آگے بڑھائیں اور شرعی روشنی میں ''آیات نبوت'' کا مفہوم کچھ سمجھنے کی کوشش کریں، اس کے لئے ایک مختصر راستہ یہ ہے کہ پہلے ہم ''آیات الوہیت'' کا مطالعہ کریں پھر معجزات یعنی آیات نبوت کو آیات الوہیت کے پہلو بہ پہلو رکھ کر سمجھ لیں، قرآن کریم نے ''آیات الوہیت'' کو اتنی شرح و بسط سے بیان فرمایا ہے کہ ان پر

تفصیلی نظر کرنی ایک طویل اور مستقل موضوع پر نظر کرنی ہے، لیکن جہاں تک اجمال سے دیکھا جاتا ہے وہ یا تو خود اس کی ''خالقیت'' سے متعلق ہیں یا ان ''تصرفات'' سے متعلق ہیں جو اس کی مخلوقات میں مقدور بشری سے خارج نظر آتے ہیں، مثلاً زمین کو نسل انسانی کے لئے قابل استقرار و رہائش بنا دینا اور اس غرض کے لئے اس کے اطراف و جوانب میں مناسب طور پر پہاڑوں کا نصب کر دینا، حیات حیوانی کی بقاء کے لئے اس میں پانی کے چشمے بہا دینا اور ایک ہی زمین میں اس کی مختلف غذاؤں کا سامان ودیعت فرما دینا، آسمان کو کسی ستون کے بغیر ایک مضبوط اور مزین چھت بنا دینا، آفتاب و ماہتاب کا انسانی معیشت کے مطابق ایک نظام مقرر پر طلوع ہونا اور غروب ہو جانا، انسانی کاشت کے لئے پانی کے معلق بادلوں کو مسخر کر دینا وغیرہ وغیرہ، یہ سب افعال وہ ہیں جو انسانی قدرت سے خارج ہیں، جب انسان اپنی علمی وسعت کے باوجود اس عظیم الشان اور غیر متبدل نظام کو دیکھتا اور کچھ سمجھ لیتا ہے پھر اس کی ذرہ برابر تبدیلی پر اپنے اندر کوئی قدرت نہیں رکھتا تو بے اختیار ہو کر کسی بالاتر ہستی کے تسلیم کر لینے پر مجبور ہو جاتا ہے، اسی لئے ان کا نام ''آیات الوہیت'' رکھا گیا ہے، یعنی ایک ''مافوق ہستی'' کے وجود کے لئے شاہد صدیق ہیں۔

مذکورہ بالا یہ تمام آیات اگرچہ ''مقدور بشری'' سے خارج ہیں، مگر انسان ان کو ''خارق عادت'' نہیں سمجھتا اگرچہ یہ صرف ایک ''مغالطہ'' ہے کیونکہ بلحاظ حقیقت ہمارے اس ''نظام عادی'' اور خارق عادت میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے، پس جو نظام ابتداء عالم سے محض قدرت کی فیاضی سے ہمارے مشاہدہ میں چلا آتا ہے ہم اس کو ''نظام عادت'' سے تعبیر کرنے لگتے ہیں اور اسی کا نام ''نوامیس طبعیہ'' رکھ دیتے ہیں، اگر ابتداء سے عالم کی عادت اس کے برخلاف ہوتی تو اسی کو ہم ''نظام عادی'' کہنے لگتے، مثلاً اب جو ''نظام ولادت'' انسان کی دو صنفوں کے اتصال سے قائم ہے، ہم اس کو ''طبعی نظام'' سمجھتے ہیں، لیکن اگر ابتداء ہی سے انسانی پیدائش صرف ایک صنف سے ہوا کرتی تو یقیناً ہم اسی کا نام ''نظام عادی'' رکھتے، آخر بہت سے حشرات الارض اب بھی ایسے موجود ہیں جو اتصال جنسی کے بغیر پیدا ہو جاتے ہیں اور دنیا اسی کو ان کا ''عادی نظام'' سمجھتی ہے، پس ''عادی'' اور ''غیر

عادی'' کا فرق خالق کی نظر میں کچھ نہیں صرف ہمارے تجربے اور مشاہدہ کا فرق ہے۔

خرق عادت کا مفہوم:

تاہم قدرت ہمارے تجربیات اور مشاہدات کے برخلاف بھی انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر ہمیشہ ایسے افعال ظاہر فرماتی رہی ہے جن کو ہم بھی خارق عادت سمجھتے ہیں اگرچہ جب ''مجموعۂ عالم'' میں کچھ ''شخصیات بارزہ'' کے ذریعہ سے ہمیشہ ایسے افعال کا نمودار ہوتے رہنا عالم کی ''عادت'' میں داخل ہے تو پھر مجموعۂ عالم کے لحاظ سے ان کو بھی خارق عادت کہنا محل تأمل ہونا چاہئے، اب اگر ان کو ''خارق عادت'' کہا جاسکتا ہے تو صرف اس معنی سے کہ وہ عالم کی روزمرہ کی عادت نہیں، بلکہ خاص خاص زمانے اور خاص خاص افراد کے دور کی ''عادت'' ہیں لہذا اب ایک بحث یہ بھی ضروری ہے کہ ''خارق عادت'' کا مفہوم کیا ہے؟ دیکھئے یہ کسوف وخسوف عالم روزمرہ کی عادت تو نہیں تاہم ان کو بھی ہم عالم کی ''عادت'' میں شمار کر لیتے ہیں اور ''خارق عادت'' نہیں کہتے اسی طرح ہمارے اصطلاحی خوارق کا ظہور بھی جب عالم کی مجموعی تاریخ میں مختلف زمانوں میں ثابت ہے تو ان کا نام بھی ''خارق عادت'' کیوں رکھا جائے، یہاں کسوف وخسوف کے ساب معلوم ہونے اور انبیاء علیہم السلام کے خوارق کے اسباب معلوم نہ ہونے سے ان کے خوارق عادات ہونے میں کیا فرق پڑتا ہے، بالفرض اگر ہم کو کسوف وخسوف کے اسباب معلوم بھی ہوں تو کیا ان کے تغیر وتبدیل پر کسی کو کسی نوع کی ادنیٰ قدرت بھی حاصل ہے؟ پھر جن اسباب عالم کا ہم کو گھمنڈ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح وہ ''نظام'' آج حرکت ارضی کی بناء پر درست ثابت ہوتا ہے اسی طرح ہیئت بطلیموسی کی بناء پر بھی صحیح اترتا ہے، مشاہدہ کا دعویٰ دونوں ہی نے کیا ہے، ہمیں اس وقت ان دونوں فریق کے ''نظریات'' سے کوئی بحث کرنی نہیں ہے، ان میں جو بھی صواب پر ہو، کہنا صرف یہ ہے کہ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ''متضاد اسباب'' کے ساتھ ان کے مسببات کا نظام درست رہتا ہے تو اب اس لحاظ سے خارق عادت کا لفظ اور بھی ''مبہم'' بن جاتا ہے اب اگر خارق عادت کا کوئی مفہوم ہوسکتا ہے تو یہی کہ وہ عالم کی روزمرہ کی عادت نہیں ہے، اس لحاظ سے کسوف وخسوف بھی خوارق میں داخل ہوں گے اور اسی لحاظ سے حدیث میں ان کو بھی

''آیات الوہیت'' میں شمار کرایا گیا ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحبزادۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم وفات پر جب کسوف شمس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر تشریف لاکر ایک بلیغ خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ ان الشمس و القمر ایتان من ایات الله الخ یعنی یہ آفتاب اور ماہتاب کسی کی موت پر ماتم کرنے کیلئے گہن نہیں لگتے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کی ایک کھلی ہوئی علامت ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دو بڑے بڑے کرأت جو کبھی کسی کے حکم کے تحت نظر نہیں آئے تھے، وہ بھی کسی قادر مطلق ہستی کے محکوم ہیں وہ جب ارادہ فرمائے تو ان کے اس نظام کو توڑ ڈالے۔

نظام فطرت اور نظام قدرت:

سلسلۂ ''اسباب وعلل'' جتنا بھی ہے وہ سب عالم کے لئے ہے، خالق عالم کے لئے نہیں کیونکہ خود عالم بھی اور اس کے اسباب بھی سب کے سب اس کی مخلوق ہیں، ہم نے جب دنیا میں قدم رکھ کر اپنے ماحول میں ایک مقرر نظام دیکھا اور حق میں اس کو غیر متبدل پایا تو بس اٹھا کر اسی کا نام ''نظام فطرت'' رکھ ڈالا اور طرہ یہ کہ خالق کے حق میں بھی اس کو غیر متبدل قرار دے ڈالا، یہاں ایک حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے اور وہ یہ کہ دین اسلام میں نظام فطرت، نظام قدرت سے بالاتر نظام نہیں ہے بلکہ خود قدرت ہی نے ''نظام فطرت'' بنایا ہے یعنی اشیاء کی فطرت میں جو نظام بھی ہمارے مشاہدہ میں آتا ہے یہ سب نظام، نظام قدرت کے ماتحت ہے، اسی لئے ''فطرت'' ہمہ وقت ''قدرت'' کی محتاج ہے، عالم میں اشیاء جس طرح خود مخلوق ہیں، اسی طرح ان کی فطرت بھی خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، آگ اگر جلاتی ہے تو بیشک یہ اس کی فطرت ہے مگر اس میں جلانے کی فطرت پیدا کس نے کی؟ اس کے خالق نے یہ آگ کی فطرت کا کوئی طبعی اقتضاء نہ تھا، اس لئے جب یہ ہے تو اگر وہ چاہے تو اپنے خلیل کی خاطر اس خاصیت کو بدل بھی سکتا ہے، دیکھئے آگ ہمیشہ جلانے کا کام کرتی تھی، مگر جب حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ نہ صرف یہ کہ سرد پڑ گئی، بلکہ ان کے حق میں سلامتی کی ایک محل سرا بن گئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام ہاتھ میں ایک لاٹھی لئے کھڑے ہیں اور اس کے متعلق صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ وہ ان کے لئے سہارا اور بکریوں

کے لئے پتے جھاڑنے کا ایک معمولی سا آلہ ہے، یہاں ان کو کسی خاص جنگل کی لکڑی کے متعلق حکم نہیں ہوا کہ اس میں پھر سوطرح کے شبہات پیدا ہو جاتے، بلکہ اسی معمولی سی لکڑی کے متعلق ارشاد ہوا اس کو زمین پر ڈال دو پھر دیکھو کہ اس کا پیدا کرنے والا کس طرح اس کی فطرت بدل کر اس کو حیوان مہیب بنا سکتا ہے، اسی طرح پانی کی فطرت سیلان ہے، مگر اس کی یہ فطرت پانی کی طرح خود اس کی مخلوق ہے، اس لئے اگر وہ چاہے تو اپنے کلیم کے لئے اس کو انجماد سے تبدیل کر سکتا ہے، چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنی لاٹھی ماری تو وہ پھٹ کر پہاڑوں کے دو ٹکڑوں کی طرح الگ الگ ہو کر کھڑا ہو گیا، قرآن کریم نے بھی فطرت کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور حدیث میں اس کی تشریح یہ کی گئی ہے کہ ہر انسان کی فطرت اسلام پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی صلاحیتوں پر پیدا کیا گیا ہے کہ اگر خارجی اثرات اس پر اثر انداز نہ ہوں تو وہ دین اسلام کے سوا کسی اور دین کو قبول نہ کرے، اسی طرح آگ کی فطرت جلانا ہے تو اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ اس کو اسی صفت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے کہ اگر مشیت الٰہی اس کے خلاف نہ ہو تو جب کوئی چیز اس میں ڈالی جائے تو وہ اس کو جلا دے۔

فطرت کے مفہوم میں ایک مغالطہ:

قائلین مادہ کے نزدیک اشیاء اور ان کی فطرت میں لزوم عقلی ہے، جس طرح یہ نہیں ہوسکتا کہ آفتاب طلوع کرے اور دھوپ نہ نکلے، اسی طرح یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ کوئی شے موجود ہو اور اس کی فطرت اس سے متخلف ہو جائے، ان کے نزدیک فطرت اور اس کی تاثیرات یہ سب اضطراری ہیں، بلکہ کہیں غیر شعوری بھی ہیں، اسی لئے ''نوامیس طبیعیہ'' اور قائلین فطرت کے نزدیک نظام عالم کے لئے کسی خارجی ''فاعل بالارادہ'' کی ضرورت ہی نہیں ہے، بس نظام عالم کے لئے خود اس کی فطرت ہی کافی ہے، اس کے بعد جب اسلامی دور آیا تو اس کے صحیح معنی سمجھے بغیر یہ لفظ مسلمانوں میں بھی مستعمل ہو گیا اور شدہ شدہ غیر شعوری طور پر دوسرا مقدمہ یعنی نظام فطرت کا کافی ہونا بھی ان کے ذہن نشین ہوتا چلا گیا، حتیٰ کہ جب کہیں فطرت کے ساتھ قدرت کا ذکر آتا تو اس کو فطرت کے مرادف سمجھا جانے لگا، حالانکہ دین اسلام میں ''نظام فطرت'' مخلوق ہے اور نظام قدرت کے تحت چلتا ہے، جب اسلامی عقائد اور اسلامی لٹریچر سے

بیگانگی پیدا ہوئی تو کفر و اسلام میں جوڑ لگانے والوں نے یہ بہانہ تراش لیا کہ نظام فطرت اگرچہ نظام قدرت کے تحت سہی، مگر خود قدرت کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ اس نظام کو بدلے گی نہیں، حالانکہ اس پر بھی غور کر لینا ضروری تھا کہ اس مسئلہ کی شاخیں اور کہاں کہاں تک پھیلتی ہیں کیا صرف اتنا کہنے سے آئندہ بھی وہ قائلین فطرت کا ساتھ دیں گے کیا وہ اس عالمی نظام کو کسی ''فاعل بالارادہ'' سے مستغنی تسلیم کر لیں گے، کیا ''خواص اشیاء'' کو مادہ کا اقتضاء طبعی کہہ دیں گے؟ اگر نہیں تو پھر پیچھے لوٹ کر اصل سوال کا جواب سوچئے کہ کیا ہونا چاہئے، کیا یہ خواص اشیاء ان کی طبیعت کا تقاضا ہیں یا یہ کہ خالق کی حکمت کا تقاضا ہیں اور اس کی مخلوق ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے فرق ضالہ کی ایک خصوصیت ہی یہ لکھی ہے کہ وہ عجائبات قدرت کو خالق کا تصرف نہیں سمجھتے، بلکہ ان کو ''قوی نفسانیہ'' اور ''اسباب طبیعیہ'' میں منحصر سمجھتے ہیں، اس کے برخلاف جماعت حق ہے وہ ان اسباب کا انکار بھی نہیں کرتی، لیکن اسی کے ساتھ وہ ایک ایسی بالاتر ہستی کا اقرار بھی کرتی ہے جو ہر ضابطہ و قاعدہ سے باہر ہے خود مادہ اور اس کے خواص سب اس کی قدرت کے ماتحت ہیں، وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کی صداقت و اکرام کے لئے اپنی عام عادات کا خلاف بھی کرتی رہتی ہے اور اپنے مومن بندوں کی خاطر ایسے ایسے افعال بھی ظاہر فرماتی رہی ہے، جو ان کی قوت نفس اور جسم و روح کے تصرفات سب سے بالاتر ہوتے ہیں۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۶۲)

نظام فطرت کی تبدیلی ممکن ہے اور نظام قدرت کی تبدیلی محال ہے

قرآن کریم نے جہاں کہیں ''فطرت'' کی تبدیلی کا انکار کیا ہے اس میں اس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ اس میں اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں، اسی طرح فطرت عالم کی پیدائش میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں، یہ ایک جگہ بھی نہیں فرمایا کہ وہ خود بھی اس کی تبدیلی نہیں کر سکتا، بیشک اس نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ سنۃ اللہ میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا اور نہ خود وہ اس کو بدلتا ہے، اس میں بھی الجھنا بالکل بے وجہ ہے، قرآن کریم نے جابجا قوموں کی اطاعت اور ان

کی نافرمانیوں کے عواقب بیان فرمائے ہیں اور اس کے بعد یہ اعلان کیا ہے کہ ہماری اس سنت کی تبدیلی نہیں ہوتی اس کا مطلب صاف یہ ہے کہ مطیعین اور عاصیین کے ساتھ ہمارا یہی ہمیشہ سے دستور رہا ہے اور نہ وہ بدلا جا سکتا ہے اور نہ پلٹا جا سکتا ہے، اس کی تبدیلی یہ ہے کو جو عاصیین اور مستحق عذاب ہوں ان پر انعام کیا جائے اور جو مطیعین ہوں ان پر انعام کی بجائے عذاب نازل کیا جائے اور اس کی تحویل اور پلٹنا یہ ہے کہ مکذبین سے اس کا رخ پھیر کر غیر مکذبین کی طرف کر دیا جائے، لہذا عذاب آ کر رہے گا اور ضرور ان ہی پر آ کر رہے گا جو اس کے مستحقین ہیں، پھر استعمال کرنیوالوں نے ''سنت اللہ'' اور ''فطرت اللہ'' دونوں کو ہم معنی سمجھ کر دوسری غلطی یہ کہ ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کرنا شروع کر دیا، اور حکم درحقیقت ''نظام قدرت'' کا تھا وہ ''سنت اللہ'' کا سمجھ لیا، دین اسلام یہ کہتا ہے کہ ''جو فاعل بالارادہ چاہے اس کی تبدیلی محال ہے'' اور ہم کہنے یہ لگے کہ ''جو نظام فطرت ہے اس کی تبدیلی محال ہے، حتیٰ کہ خود خالق کے لئے بھی'' والعیاذ باللہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل اسلام بھی فطرت اور سنت کا لفظ استعمال کرتے ہیں، مگر ان کے نزدیک یہ سب ''قدرت مطلقہ'' کے افعال اور تصرفات ہیں، آخر ان کے عقائد کا ایک اہم رکن ''قیامت'' ہے جو اس تمام سلسلہ اسباب و عالم کے بکھر جانے ہی کا دوسرا نام ہے، ان کے نزدیک مادہ اور اس کے مقتضیات میں لزوم عقلی کہاں ہو سکتا ہے، یہ دونوں قدرت کی مخلوق ہیں اور اسی کی محکوم ہیں۔

آیات الوہیت کی دوسری قسم جو ہماری نظروں میں بھی خارق عادت ہیں

خلاق عالم نے عالم کے گوشہ گوشہ میں اپنی آیات الوہیت و خالقیت پھیلائیں تو اس لئے تھیں کہ انسان ان میں ''تدبر و تفکر'' کے راستے سے بہت جلد ان کو پہچان لیتا مگر ان سب میں سے گزر کر یہ کوتاہ عقل ایسی کیچڑ میں جا پڑا جہاں جواہرات کی بجائے سنگریزے اس کے ہاتھوں میں آئے، اس نے اس پر از حکمت نظام کو دیکھا اور اس سب کو اٹھا کر ایک بے شعور

مادہ کے حوالہ کر دیا اور یہ سمجھ لیا کہ اس کارخانہ کا یہ سب اندرونی نظام خود اسی کی گردش سے گھوم رہا ہے، اس لئے حق تعالیٰ کی حکمت ورحمت کا تقاضا ہوا کہ اسی عالم میں وہ اپنی الوہیت کی کچھ ایسی نشانیاں بھی دکھلاتا رہے، جو خارق عادت ہوں تا کہ ان کو دیکھ کر اسباب کا سارا بھرم کھل جائے اور اس کو یہ معلوم ہو سکے کہ مسببات کی دنیا اسباب کے ساتھ صرف ایک ظاہری اور کمزور رشتہ رکھتی ہے، ان کا قائم رکھنے والا دراصل کوئی اور ہی ہے، اس نے بنی آدم کو دو صنفوں کے اتصال سے پیدا فرمایا اور اس کو اس کی نسل کی سنت مستمرہ قرار دیا، پھر اس کو توڑ کر بھی دکھلا دیا، اور اس کی آنکھوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ایک صنف سے اتصال جنسی کے بغیر پیدا فرما کر بھی دکھلا دیا، اب اس کی دو انواع جو باقی رہ گئی تھیں، ان کے متعلق یہ اطلاع دیدی کہ ہم پہلے ایسا بھی کر چکے ہیں، تخلیق کی ان چار قسموں میں سے یہ بات اس کی مرضی پر رہی کہ کس نوع کو وہ عالم انسانی کا دستور العمل بنائے اور کس کو اس کی خلقت سے پہلے ظاہر فرمائے اور اس کو عام عادت خرق کر کے اس کی آنکھوں کے سامنے بھی دکھلا دے، ایک ناقص العقل انسان بھی اتنا تو سمجھ سکتا ہے کہ انسان جب عدم محض سے وجود میں آیا تھا تو جو دو قسمیں اس کے وجود میں آنے سے پہلے ظاہر فرمائیں یہی اس وقت کے مناسب تھیں کیونکہ اس کے سوا اور چارۂ کار ہی کیا تھا کہ سب سے پہلے اس کو بلا واسطہ یا صرف ایک صنف سے پیدا کیا جاتا، پھر جو نوع کہ عالم اسباب کے مناسب تھی وہ یہی نوع تھی۔ جو آج اس کی ''عادت'' ہے، اب خرق عادت کے لئے صرف ایک ہی قسم باقی تھی اس کو بھی پورا فرما کر دکھلا دیا گیا، مگر افسوس کے مکذبین نے اس کو بھی تسلیم کرنے میں شبہ کیا فویل للذین کفروا من الخ، اب آپ کو اختیار ہے کہ اس کو جس عنوان سے چاہیں تعبیر کریں، مگر قادر مطلق کے لئے نہ وہ پیدائش کچھ مشکل ہے، حضرت زکریا علیہ السلام خود بوڑھے اور بیوی بانجھ جب ان کو ایک مبارک نونہال کی بشارت ملی تو ششدر رہ گئے، اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کو جب انتہائی پاکبازی اور نا کتخدائی کے عالم میں ایک مبارک فرزند کی بشارت پہنچی تو وہ بھی حیرت زدہ ہو کر رہ گئیں، لیکن ان دونوں کو جو جواب ملا وہ کچھ زیادہ لمبا چوڑا نہ تھا، بلکہ صرف ایک ہی کلمہ تھا جو ان دونوں کے فطری تعجب کو ختم کرنے کے لئے کافی ہو گیا اور وہ یہ تھا ''ھو علی

ھین ''ہمارے لئے یہ بھی بہت آسان ہے''، لیکن قدرت مطلقہ نے کبھی کبھی کسی ادنیٰ سے عجز کے بغیر اپنی عام عادت کو بھی خرق کر کے دکھلا دیا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ جس طرح اس پر قادر تھا، اس پر بھی قادر ہے، اس کے نزدیک یہ دونوں باتیں آسان ہیں۔

حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نمرود کا ایک مکالمہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو فہمائش کرتے ہوئے سب سے پہلے تو اپنے رب کی ''علامت'' میں یہی موت وحیات کا عادی نظام رکھا، لیکن اپنی غباوت سے جب وہ اتنی موٹی بات بھی نہ سمجھ سکا تو پھر اس کے نظام کے خرق کا مطالبہ کیا اور وہ یہ کہ اچھا تو پھر تو اس کے قائم کردہ نظام شمسی کو خرق کر کے دکھلا، یعنی مشرق کی بجائے مغرب سے آفتاب نکالدے، اس پر وہ لاجواب ہو کر رہ گیا، اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ خرق نظام اور نظام اگرچہ دونوں ''علامات الوہیت'' میں سے ہیں، مگر خرق نظام اور زیادہ بدیہی علامت ہے۔

حدیثوں میں آتا ہے کہ قیامت کی علامتوں میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ آفتاب مشرق کی بجائے ایک بار مغرب سے طلوع کر آئے گا، غالباً اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ عالم کی عمر میں ایک بار یہ مشاہدہ بھی ہونا چاہئے کہ نمرود جس بات پر لاجواب ہو کر رہ گیا تھا رب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر بھی قادر ہے، پس جب خوارق کا وجود ہمارے مشاہدہ میں کسی انکار کے باوجود ''آیات الوہیت'' میں ثابت ہے اور ان میں ایسی علامت تو ایک بھی نہیں ہے جو بشری قدرت کے تحت ہو تو اب آیات نبوت کا مفہوم سمجھنا بھی آسان ہے، ان کو خوارق عادات سے نکالنے کی سعی کرنی بالکل ایک عبث اور خلاف واقع سعی ہے۔

آیات نبوت:

آیات نبوت کیا ہے؟ یعنی قدرت کی وہ نشانیاں جن کو وہ انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے لئے خرق عادت کے طور پر ظاہر فرماتی ہے، اب اگر آپ ان کے تمام معجزات کو قدرت کے ان افعال کے مقابلہ میں رکھ کر دیکھیں جو انبیاء علیہم السلام کے واسطہ کے بغیر عالم میں موجود ہیں تو دونوں آپ کو ایک ہی جنس کے نظر آئیں گے، نہ وہ مقدور بشری ہیں نہ یہ مقدور

بشری ہوتے ہیں، اسی طرح جیسے وہ خارق عادت ہیں یہ بھی خالق عادت ہوتے ہیں، فرق یہ ہے کہ جب وہ افعال کسی رسول کے واسطہ کے بغیر ظاہر ہوتے ہیں تو قدرت مطلقہ کے شاہد صدق اور ''آیات الوہیت'' کہلاتے ہیں اور جب رسولوں کے واسطہ سے ظاہر ہوتے ہیں تو ان کے لئے شاہد صدق اور ''آیات نبوت'' کہلاتے ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ ''معجزات'' پر بحثیں کرنے والے اگر اس طرف بھی نظر کر لیتے کہ معجزات رسول کی طاقت سے نہیں خدا تعالیٰ کی قدرت سے ظاہر ہوتے ہیں تو آیات نبوت کو ''نوامیس طبیعیۃ'' کی بجائے ''نوامیس الٰہیۃ'' پر قیاس کر کے دیکھتے اور یہ تمام بحثیں جو ایک محکوم مادہ کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہیں، خود بخود ساقط ہو کر رہ جاتیں، اسی لئے امام رازی نے لکھا ہے کہ جس طرح رسولوں کی بعثت خدا تعالیٰ کی صفت ''ملوکیت'' کا تقاضہ ہے، اسی طرح رسولوں کے معجزات یہ صرف اس کی صفت ''قدرت'' کا تقاضہ ہیں جو شخص رسولوں کے معجزات کا قائل نہیں وہ درحقیقت حق تعالیٰ کی صفت قدرت کا بھی قائل نہیں ہے۔

مؤلف تفسیر المنار ایک بلند پایہ روشن خیال محقق ہونے کے باوجود معجزات کی حقیقت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

''معجزہ کی حقیقت کے متعلق سب سے زیادہ مشہور اور تحقیقی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عادی نظام کے خلاف صرف اپنی قدرت سے ظاہر فرماتا ہے تاکہ یہ بات ثابت کردے کہ نوامیس طبیعیہ خود اس کے محکوم ہیں وہ ان کا محکوم نہیں۔ جس طرح وہ چاہے ان میں تصرف کر سکتا ہے''۔ (ص ۳۱۵ ج ۱)

امور عادیہ کے درمیان عقلی طور پر کوئی لزوم نہیں اس لئے خرق عادت کو محال سمجھنا صحیح نہیں

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ:

''انبیاء علیہم کی تشریف آوری سے قبل انسان اپنے ماحول میں چونکہ ہمیشہ اسباب و مسببات کا ایک مسلسل نظام مشاہدہ کرتا چلا آتا ہے اور کسی خارجی قدرت کے تحت اس کے محکوم

ہونے کا اس کو تصور بھی نہیں ہوتا، اس لئے وہ ان کے درمیان عقلی لزوم سمجھنے لگتا ہے اور اسی لئے وہ خرق عادت کو محال کہہ دیتا ہے، اگر کہیں انبیاء علیہم السلام تشریف نہ لاتے تو شاید اس کا علم یہیں تک محدود ہو کر رہ جاتا لیکن جب انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر کچھ خوارق عادت بھی ظاہر فرماتے ہیں تو اب اسباب کا راز فاش ہو جاتا ہے اور ایک جدید علم بڑی آسانی کے ساتھ یہ حاصل ہو جاتا ہے کہ ان امور عادیہ کے درمیان لزوم عقلی کچھ بھی نہ تھا، بلکہ یہ صرف صانع حقیقی کی خالقیت کا ایک کرشمہ تھا جب اسباب میں تاثیر اسی نے پیدا فرمائی تھی تو یقیناً وہ اس کے سلب کرنے پر بھی قادر ہے، بھلا یہ کون ثابت کر سکتا ہے کہ آتش کا جلانا ایک دائمی تجربہ کے سوا کسی عقلی دلیل کا تقاضہ ہے، لہذا جب امور عادیہ کے درمیان یہ ارتباط کسی عقلی دلیل کا تقاضہ نہ ہوا تو اب خرق عادت کو محال سمجھنا بھی غلط ٹھہرا'' (دیکھو الاعتصام ص ۲۸۰ ج ۲ و کتاب الفصل لا بن حزم)

اگر آپ یہ سمجھ گئے ہیں تو اب آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزات پر نظر ڈالئے وہ معاندین کی نظروں میں خواہ کتنے ہی خلاف عقل اور محال ہوں، لیکن قدرت مطلقہ کے قائلین کے نزدیک وہ سب معقول ہی معقول ہیں، ان کے کانوں میں ہر ہر معجزہ سے جو صدا آئے گی وہ صرف ایک ہی صدا آئیگی هو علی هين (ہمارے لئے یہ بھی بہت آسان بات ہے)۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا حال دیکھئے تو وہ بھی حیرت انگیز ہے، قدرت نے یہاں ظہور اعجاز کے لئے کسی خاص بن کی لکڑی ان سے طلب نہیں کی، جس میں منحرف طبائع کسی مستور مادی خاصیت کا احتمال نکال کھڑا کرتیں، بلکہ جو عصا وہ اس وقت اپنے ہاتھ میں لئے کھڑے تھے، اسی کے زمین پر ڈالنے کا حکم دیا، عصا کا ڈالنا تھا کہ جو ابھی ابھی ان کی بکریوں کے ہانکنے اور پتے جھاڑنے کی لاٹھی تھی اور ان کے چلنے کا سہارا تھی وہ ایک خوفناک اژدہا بن گئی، جس قدرت کے لئے اس لکڑی کی پیدائش میں کوئی دشواری نہ تھی اس کے سامنے اس کے اژدھا بنا دینے میں بھی کوئی دشواری نہ ہوئی، پھر جب اس اژدھے کو ہاتھ میں اٹھانے کا حکم ہوا تو فطری ضعف کی بناء پر یہ مرحلہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے بہت خوفناک تھا، مگر قدرت کے سامنے جس طرح لاٹھی کا اژدھا بنا دینا آسان تھا، اسی طرح اژدھے کا پھر لاٹھی بنا دینا

آسان رہا، عام طور پر اس کو صرف ایک ہی معجزہ سمجھا جاتا ہے، مگر یہ بھی ان دو معجزوں پر مشتمل تھا، جس میں سے ہر ایک سے یہی آواز آتی تھی هو علی هین، کون ہے جو خالق کے ان خارق عادات افعال کو مادی قوانین کے شکنجے میں کسنے کی کوشش کر سکے؟ دیکھئے پانی کی اصل خاصیت سیلان ہے اور آگ کی خاصیت جلانا، مگر خدا تعالیٰ کے دو مقدس رسولوں کے لئے دونوں جگہ ان کی مادی خاصیتیں بدل دی گئیں یا نہیں؟ تعجب ہے کہ یہاں ہماری نظریں تقاضائے فطرت کی طرف تو جاتی ہیں، تقاضائے قدرت کی طرف کیوں نہیں جاتیں؟۔

قرآن کریم کی نظر میں معجزہ کی حقیقت

نصوص قرآنیہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معجزہ خدائی فعل ہوتا ہے خود رسولوں کا فعل نہیں ہوتا، اس کا ظہور بھی خدا تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہوتا ہے، رسولوں کے ارادے سے نہیں ہوتا، رسولوں میں ''معجزہ نمائی'' کی کوئی طاقت بھی نہیں ہوتی اور معجزہ میں ان کی قدرت یا نفسی تاثیر کا بھی کوئی دخل نہیں ہوتا یہ ''ایجابی'' اور ''سلبی'' دونوں نسبتیں قرآن کریم میں جا بجا موجود ہیں۔

معجزہ رسالت کی طرح موہوب الٰہی ہوتا ہے، رسولوں کے کسب سے نہیں ہوتا:

یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن کریم جب معجزات کا تذکرہ کرتا ہے تو ہمیشہ اسی تنبیہ کے ساتھ کرتا ہے کہ وہ رسالت کی طرح رسولوں کو اپنی طرف سے دے کر بھیجے جاتے ہیں، یہ حقیقت کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگذشت سے بہت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے جب ان کو نبوت عطا ہوئی تو اس کے ساتھ ساتھ رب العالمین کی طرف سے ان کو خاص طور پر دو معجزے بھی مرحمت ہوئے اور ارشاد ہوا فذنک برھانن۔

یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جب رسولوں کو اپنی جانب سے رسول بنا کر بھیجتا ہے تو ضرور ان کو کچھ اشیاء عطا ہونی چاہئیں جن کو وہ اس عظیم الشان دعوے کے لئے بطور دلیل و حجت پیش کر سکیں، اس لئے جب ان کو قوموں کی دعوت کے لئے بھیجا گیا تو ہمیشہ ''برہان و حجت'' دیکر بھیجا گیا ہے، اب آیات ذیل پر غور فرمائیے:

۱-وما منعنا ان نرسل بالایت الا ان كذب بها الاولون (بنی اسرائیل)
اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لئے موقوف کیں کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا۔
۲- وما نرسل بالأیات الا تخویفا (ایضاً)
اور ہم جو نشانیاں بھیجتے ہیں تو ڈرانے کو۔،
۳- قل ان الله قادر علی ان ینزل ایة (الانعام)
کہدے کہ اللہ کو اس بات پر قدرت ہے کہ نشانی اتارے۔
۴- وما تاتیهم من ایة من ایت ربهم الا كانوا عنها معرضین. (الانعام)
اور ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر اس سے تغافل کرتے ہیں۔
۵-انی قد جئتكم باية من ربكم. (آل عمران)
بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لے کر آیا ہوں۔
۶-فلما جاء هم بایٰتنا اذا هم منها یضحكون (الزخرف)
پھر جب وہ (موسیٰ) ان کے پاس ہماری نشانیاں لایا تو لگے ان پر ہنسنے۔
اسی طرح جب کبھی کفار نے معجزات کی فرمائش کی ہے تو اسی نکتہ کو سمجھ کر کی ہے اور کہا ہے کہ جس طرح پہلے رسولوں کو ان کے رب کی طرف سے ان کی نبوت کی کچھ نشانیاں اور معجزات ملتے رہے ہیں، آپ بھی اپنے رب کی طرف سے ہم کو کچھ نشانیاں دکھلائیں۔
۱-لولا انزل علیه ایت من ربه (العنكبوت)
کیوں نہ اس پر اس کے رب سے نشانیاں اتریں۔
۲-لولا انزل علیه اية من ربه (یونس)
کیوں نہ اس پر اس کے رب سے ایک نشانی اتری۔
۳- لولا یأتینا باية من ربه (طه)
یہ ہمارے پاس اپنے رب کی کوئی نشانی کیوں نہیں لے آتے۔
۴-لولا انزل علیه آیة من ربه. (الرعد)

کیوں نہ اس پر اس کے رب سے ایک نشانی اتری۔

ان سب آیات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے نزدیک بھی معجزات رسول کا اپنا فعل نہیں ہوتے، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو خود اپنی جانب سے دیکر بھیجتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب کسی کسب کے بغیر ''رسالت'' وہی عطا کرتا ہے تو اس کیلئے براہین و حجج بھی اسی کو عطا کرنے چاہئیں، جیسا کہ ایک موقعہ پر جب جنگ کا میدان لشکر اسلام پر تنگ ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک کی ایک مٹھی اٹھا کر دشمنوں کے لشکر کی طرف پھینک دی، قدرت خدا کا کرشمہ کہ ان میں کوئی فرد بھی ایسا نہ بچا جس کی آنکھ میں وہ جا نہ پڑی ہو آخر کار دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے اور میدان چھوڑ کر بھاگ جانا پڑا، ظاہر ہے کہ یہ خاک کی مٹھی پھینکی تو آپ نے ہی تھی مگر اس کا اعجازی کرشمہ آپ کی قدرت سے نہ تھا، اس لئے ارشاد ہوا:-

وما رميت اذ رميت ولكن الله رمىٰ۔

اور خاک کی مٹھی جس وقت کو پھینکی تھی تو نے نہیں پھینکی تھی، لیکن اللہ نے اس کو پھینکا۔

گذشتہ آیات میں ''ایجابی'' نسبتوں کے ساتھ جب اس ''سلبی'' نسبت کو ملا لیجئے تو یہ حقیقت اور زیادہ عیاں ہوجاتی ہے کہ معجزات خود رسولوں کا فعل نہیں ہوتے، اسی طرح جب کبھی رسولوں سے معجزہ کی فرمائش کی گئی ہے تو ان کو ہمیشہ یہی ایک جواب تعلیم کیا گیا ہے:-

قل انما الأيات عند الله (الانعام و العنكبوت)

تو کہدے کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معجزہ کا ظہور ارادہ الٰہی پر موقوف ہے، رسولوں کے ارادہ پر معجزہ ظاہر نہیں ہوتا۔

رسولوں میں معجزہ دکھانے کی کوئی قدرت نہیں ہوتی اور نہ ان میں کسی نفسی تاثیر کا کوئی دخل ہوتا ہے:

کفار نے حسب عادت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص خاص معجزات دکھانے کی فرمائش کی تو جواب میں یہ ارشاد ہوا۔

قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا.

تو کہہ سبحان اللہ میں کون ہوں، مگر بھیجا ہوا ایک آدمی ہوں۔

اسی طرح جب آپ کے قلب میں یہ جذبہ زیادہ ابھرا کہ اگر ان کی حسب فرمائش معجزات دکھلا دیئے جائیں تو شاید یہ نافہم اسلام قبول کرلیں تو تلطف آمیز لہجہ میں آپ کو یہ تنبیہ کی گئی۔

فان استطعت ان تبتغی نفقاً فی الارض او سلماً فی السمآء فتأتیھم باٰیۃ (انعام)

تو اگر تجھ سے ہو سکے کہ کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں ڈھونڈ نکالے، پھر ان کے پاس ایک معجزہ لائے۔

آیات بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص خاص معجزات کی فرمائش کی گئی ہے تو آپ نے ہمیشہ یہی ایک جواب دیا کہ "معجزات کا دکھانا میرے قبضۂ قدرت میں نہیں" بلکہ جب کبھی رسولوں سے کوئی معجزہ ظاہر ہوا ہے تو اس وقت بھی وہ یہی اعلان کرتے رہے ہیں کہ معجزہ ہماری طاقت سے نہیں صرف حکم الٰہی سے صادر ہوا ہے، اگر معجزات آپ کے قبضے میں ہوا کرتے تو احد کے میدان میں شکست کیوں ہوتی، بلکہ جنگ کی ضرورت ہی کیا رہتی اور دشمنوں پر ایک مٹھی خاک پھینک کر ہمیشہ فتح نصیب ہوجایا کرتی، مگر یہ کیسے ہوسکتا تھا جبکہ معجزہ آپ کی قدرت واختیار ہی کی چیز نہ تھی، اسی نکتہ کو سمجھ کر ہرقل نے جب ابوسفیان سے یہ سن لیا کہ آپ کو شکست بھی ہوتی ہے تو آپ کی رسالت کے دلائل میں اس کو بھی شمار کرلیا تھا، اسی طرح کب کبھی کفار کے اسلام قبول کرنے کا جذبہ آپ کے قلب میں زیادہ موجزن ہوا تو آپ کو یہی ارشاد ہوا کہ تم اپنی پوری جدوجہد صرف کر کے دیکھ لو پھر ہو سکے تو کوئی معجزہ لاکر ان کو دکھلا دو" اس سے ثابت ہوا کہ معجزات میں رسولوں کی "نفسی توجہ" کا ادنیٰ سا بھی دخل نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات ان کو یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ قدرت ابھی ابھی ان کے ہاتھوں سے کیا معجزہ دکھانے والی ہے، حضرت موسیٰ کو حکم ہوا اپنا عصا ڈال دو، انہوں نے عصا ڈال دیا، اچانک وہ ایک خوفناک اژدہا بن گیا، موسیٰ علیہ السلام خوفزدہ ہوکر پیچھے ہٹنے لگے، ارشاد ہوا موسیٰ ڈرومت اور اپنا عصا پھر ہاتھ میں اٹھالو"، اب سوچئے کہ یہاں ان کی توجہ یا تاثیر نفسی کا کیا دخل ہوسکتا تھا وہ توجہ کرنا تو کجا خود ہی اس

سے خوفزدہ نظر آرہے ہیں، اسی لئے ان کی تسلی کے لئے یہ ارشاد ہوا۔

سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ۔ .... ہم اس کو پھر پہلی فطرت پر لوٹا دیں گے۔

ہمارے لئے نہ وہ کچھ مشکل تھا نہ یہ کچھ مشکل ہے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ایک طرف فرعونی لشکر اور دوسری طرف خوفناک سمندر کی دو موتوں کے درمیان گھر گئے تو موسیٰ علیہ السلام گو یقین تو رکھتے ہیں کہ ضرور ان کو نجات ملے گی مگر ان کو کچھ خبر نہیں ہے کہ تقدیر اس کی صورت کیا پیدا کرے گی، کہ اچانک ان پر وحی آتی ہے۔

فاوحینا الیٰ موسیٰ ان اضرب بعصاک البحر فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم (الشعراء)

ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو لاٹھی کا مارنا تھا کہ وہ پھٹ کر الگ الگ پہاڑ کے بڑے بڑے دو ٹکڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا۔

ظہور معجزہ کی یہ شکل یقیناً اس سے بڑھ کر تھی کہ سمندر اپنی اصلی حالت پر رہتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مع اپنے ہمراہیوں کے اس پر بالا عبور کر جاتے لیکن چونکہ یہاں نجات موسیٰ کے ساتھ دوسرا اعجاز ''غرق فرعون'' بھی دکھانا منظور تھا، اس لئے یونہی مناسب تھا کہ پہلے ایک کشادہ اور خشک راستہ بنا دیا جائے تا کہ فرعون اور اس کے ساتھی بھی بے کھٹکے اس میں قدم ڈال سکیں اگر سمندر اپنی اصلی حالت پر رہتا تو موسیٰ علیہ السلام کے عبور کر جانے کے بعد شاید فرعونیوں کو اس کے عبور کرنے کی ہمت نہ ہوتی، اس لئے یہ معجزہ ایک ہی معجزہ (یعنی نجات موسیٰ علیہ السلام کا) کا بن کر رہ جاتا اور اب نجات موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ غرق فرعون کا دوسرا معجزہ بھی بن گیا، اب آپ یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ قرآن کریم نے نجات موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ غرق فرعون کو علیحدہ کیوں ذکر فرمایا ہے، نیز جس طرح عصائے موسیٰ علیہ السلام دو معجزوں پر مشتمل تھا، یعنی لاٹھی کا اژدھا بن جانا اور پھر اژدھے کا لاٹھی بن جانا اسی طرح یہ ایک معجزہ بھی دو معجزوں پر مشتمل تھا' یعنی لاٹھی کا اژدھا بن جانا اور پھر اژدہے کا لاٹھی بن جانا اسی طرح یہ ایک معجزہ بھی دو معزوں پر مشتمل ہو گیا یعنی ایک بار سیال

پانی کا منجمد چیز کی طرح پھٹ کر الگ الگ کھڑا ہو جانا پھر اسی منجمد چیز کا صفت انجماد سے سیلان کی صفت اختیار کر لینا ہم کو یہ امید نہیں کہ یہاں کوئی بے عقل اس عظیم واقعہ کو برف کی چٹان پر قیاس کریگا اس لئے اس کی تردید میں وقت صرف کرنا عبث سمجھا۔

یہاں ایک صورت یہ بھی ممکن تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دریا کے پہنچنے پر اوران کے عصا مارنے سے قبل ہی سمندر میں یہ شاہراہ کھول دی جاتی، مگر کسی معاند کو اس میں یہ شبہ رہ سکتا تھا کہ یہ کوئی حسن اتفاق ہوگا اس لئے ہوا یوں کہ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنا عصا مارا، عصا مارنا تھا کہ فوراً سمندر دو ٹکڑے ہو کر الگ الگ ہو گیا، اعجاز کی اس واضح سے واضح صورت میں بھی تاویل کئے بغیر منحرف طبائع باز نہ آئیں اور اس خرق عادت کو بھی آخر انہوں نے دریا کے عام ''مدوجزر'' کے ماتحت دیا، غرض اس صورت اعجاز کو جس پہلو سے دیکھئے اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ اس معجزہ میں موسیٰ علیہ السلام کا ذرہ برابر بھی دخل تھا، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب آگ میں ڈالے گئے تو رضا و تسلیم کے علاوہ ان سے بھی کوئی اور عمل ثابت نہیں ہوتا، اس کے بعد ''نار'' کا ''گلزار'' بن جانا بنص قرآن اس حکم ربانی کے ذریعہ سے ہوا جو براہ راست خالق نار سے نار کو پہنچا تھا۔ **قلنا ینار کونی بردا و سلاماً علیٰ ابراھیم. (الانبیاء)** .... ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور آرام ابراہیمؑ پر۔

اس باب کو اور کہاں تک طول دیجئے! انبیاء علیہم السلام کے جتنے معجزات ہیں وہ ایک سے ایک بڑھ کر اس کی دلیل ہیں کہ معجزات میں خود رسولوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا حتیٰ کہ آخر میں جب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نوبت آئی تو آپ کا سب سے درخشاں معجزہ ''قرآن کریم'' تھا یہاں اس حقیقت کے اظہار کے لئے قدرت نے یہ اہتمام فرمایا کہ خود آپ کو ''امی'' بنایا اور جس ملک میں پیدا فرمایا اس کو بھی ''امی'' کا لقب دیا، پھر اس اعجاز کی حالت بھی یہ تھی کہ اس کا مثل لانے سے جس طرح ساری دنیا عاجز تھی، آپ خود بھی اسی طرح اس سے عاجز تھے، اور یہی اس کے کلام الٰہی ہونے کی سب سے بڑی دلیل تھی، حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کا وہ تمام ذخیرہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کی تشریح میں اپنے صحابہ کے سامنے بیان فرمایا ہے، آج بھی محفوظ

ہے، لیکن جب اس کو نظم قرآن کے سامنے رکھا جاتا ہے تو وہ یہ وہم بھی نہیں گزرتا کہ یہ دونوں ایک ہی متکلم کے کلام ہوسکتے ہیں، صاف واضح ہوتا ہے کہ ان کے متکلم بالکل الگ الگ ہیں، تعجب ہے کہ لغت ایک، کلمات ایک، نوع ترکیبی ایک، لیکن جب ان کو دوجگہ بالمقابل بشکل کلام دیکھا جاتا ہے تو دونوں میں نسبت تبائن کی نظر آنے لگتی ہے، اگر قرآن پاک میں ذرا سا بھی آپ کا کوئی دخل ہوتا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ جس کلام کو آپ نے خدا تعالیٰ کا کلام کہہ کر تلاوت فرمایا تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمر بھر کے کلام سے کہیں ذرا سا بھی ملتا جلتا نظر نہ آتا (الجواب الصحیح ص ۵۷، ج ۴)

اب ایک ایک آیت کو حدیثوں کے دفتروں سے ملا ملا کر دیکھ لیجئے کیا مجال ہے کہ کوئی آیت قرآنی ذرہ برابر بھی کسی حدیث سے ملتی جلتی نظر آسکے، اس لئے یہ سمجھنا کس قدر غلط ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں ان کے کسی عمل کا دخل ہوسکتا ہے۔

معجزہ کبھی اضافی نہیں ہوسکتا:

مذکورہ بالا بیان سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ معجزہ خدائی فعل ہوتا ہے اس میں رسول کی قدرت اس کے اختیار اس کے ارادہ اس کی توجہ وتاثیر نفسی کا کوئی دخل نہیں ہوتا تو پھر یہ فیصلہ بدیہی ہے کہ معجزہ کبھی اضافی بھی نہیں ہوسکتا یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ جو کل تک کسی نبی کا معجزہ ہو وہ مادی ترقی کے بعد معجزہ باقی نہ رہے۔ مثلاً دوسرے ملک کی آواز سن لینا اگر کل معجزہ تھا تو وہ ''لاسلکی'' کی ایجاد کے بعد بھی معجزہ رہے گا کیونکہ معجزہ کی حقیقت میں اس کا ''بلا واسطہ اسباب ظاہری'' ہونا رکن لازم ہے، لہٰذا اگر آج بھی آلات کے بغیر کوئی شخص دوسرے ملک کی آواز سن لیتا ہے تو بیشک وہ آج بھی معجزہ کہلائے گا اور اگر بالفرض کل جو آواز سنی گئی تھی وہ اسی لاسلکی اصول پر تھی خواہ اس وقت لوگوں کو اس کا علم تھا یا نہ تھا تو جس طرح وہ آج اس ایجاد کے بعد معجزہ نہیں، کل بھی اس کو معجزہ نہیں کہا جاسکتا۔

یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کے جتنے معجزات ہوئے آپ سب پر نظر ڈال جایئے، نبی کے فعل اور اس کے معجزہ کے درمیان آپ کو کوئی علاقہ تاثیر نظر نہیں آئے گا اور اسی حیثیت سے ہمیشہ ان کو معجزہ سمجھا بھی گیا ہے، مثلاً ملاحظہ فرمایئے کہ انگلی

کے ایک اشارہ اور چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے میں کیا علاقہ تاثیر ہے، مثلاً لاٹھی کے ڈالنے اور اس کے اژدہا بن جانے میں کیا سببیت ظاہر ہے؟ اسی طرح آپ کے انگشتان مبارک سے پانی کے چشمے ابل پڑنے میں کیا علاقۂ تاثیر کا دخل کہا جاسکتا ہے؟ لہذا یہ افعال جب بھی اسباب کی دنیا سے بالاتر ظاہر ہوں تو ہمیشہ انکو معجزہ ہی سمجھا جائے گا اور اسی حقیقت کو بتانے کے لئے علمائے کلام نے معجزہ کو ''خارق عادت'' سے تعبیر کیا ہے یعنی وہ اس نظام ہی کے خلاف ہوتا ہے اس لئے زمانے کے کسی انکشاف سے ان کے معجزہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا، یہ کہنا صرف معجزہ کی حقیقت سے لاعلمی کا ثمرہ ہے کہ ''زمانہ کی ترقیات کے ساتھ چونکہ ہر معجزہ کی مادی توجیہ نکل آنے کا امکان موجود ہے، لہذا معجزہ اضافی ہوسکتا ہے''، اگر بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ انکشافات جدید معجزات کے اعجاز پر کچھ اثر انداز ہوسکتے ہیں تو کیا اس کا صاف یہ مطلب نہیں کہ جو شے کل تک کسی رسول کے رسالت کی دلیل تھی وہ زمانے کی ترقیات کے بعد اس کی دلیل باقی نہ رہے اور اس طرح معجزات کی توجیہات کے ظہور کے ساتھ ساتھ تمام رسولوں کی رسالت بھی مشتبہ ہوتی چلی جائے۔ والعیاذ باللہ۔

پھر اس کی بھی کیا ضمانت ہے کہ جن اسباب وعلل کے تحت کسی معجزہ کی آج توجیہ کی گئی ہے، آئندہ چل کر ان کی وہی تاثیر مسلم رہے گی پس اگر بالفرض آج کسی اصول کے ماتحت کسی معجزہ کی توجیہ کر بھی دی جائے تو یہ اطمینان کیسے دلایا جاسکتا ہے کہ اس کے خلاف دوسرے جدید انکشافات کے بعد بھی وہ توجیہ قائم رہ سکے گی، اس کے علاوہ اگر چند معجزات میں یہ طفل تسلیاں کسی حد تک کارآمد ہو بھی جائیں تو اکثر معجزات میں توجیہات کی یہ ترقی بھی تمام ہوجاتی ہے، اب یہاں اس کا انتظار کرنا کہ شاید زمانے کے ترقیاتی آئندہ چل کر ان کی بھی کوئی نہ کوئی توجیہ منصۂ شہود پر لے آئیں گی، ٹھیک ایسا ہی انتظار ہے جیسا کہ منکرین الوہیت کو آیات ربوبیت کے متعلق لگ رہا ہے، شمس وقمر کا یہ مقرر نظام، ہواؤں کی یہ الٹ پلٹ، سمندروں کے طوفان، زمین کے زلزلے اور آسمان کے بادلوں پر بھی قابو پالینا ان کے نزدیک مستقبل قریب یا بعید میں متوقع ہے، ان کے نزدیک اس عام تسخیر کو ''آیات الوہیت'' میں سمجھ لینا بھی صرف اشیاء کے خواص وتاثیر سے بے علمی کا ثمرہ ہے، آیات نبوت

اور آیات الوہیت کی ان توجیہات کے نکالنے والوں کو چاہئے کہ وہ اس سے پہلے قیامت کا انتظار کریں فانتظروا انا منتظرون.

اب آپ یہاں ان چند کلمات کو سامنے رکھئے جو ہمارے دور میں منکرین معجزات کے لئے لکھے گئے ہیں، مثلاً ایک صاحب لکھتے ہیں:-

''معجزہ صرف اسی حد تک معجزہ ہوتا ہے جب تک کہ اس کے نفسی یا مادی قوانین وعلل کا انکشاف نہیں ہوتا، ''لاسلکی'' کے انکشاف سے پہلے اگر کوئی شخص ہندوستان میں بیٹھ کر امریکہ کا کوئی واقعہ معلوم کر لیتا تو یہ کسی معجزہ سے کم نہ ہوتا، لیکن اب معمولی بات ہے''۔

اس کے جواب میں یہ لکھنا کہ:

''بے شبہ اس معنے کر کے معجزہ یقیناً اضافی شے ہے اور ہمیشہ رہے گا کوئی معجزہ ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جو اس احتمال اضافیہ سے خالی ہو کیونکہ انسان کا علم ہی تمامتر اضافی ہے اگر اس کا علم قطعی اور مختتم طور پر تمام قوانین فطرت کا احاطہ کر سکتا تو البتہ کسی حد تک معجزہ کی نسبت یہ مطالبہ بجا ہو سکتا تھا کہ ابد الآباد تک کسی قانون فطرت سے اس کی توجیہ نہ ہونی چاہئے، لیکن جب ہمارا علم ہی اضافی ہے تو کوئی معجزہ احتمال اضافیہ سے کیسے خالی ہو سکتا ہے......... لہذا جو شے آج معجزہ ہے، بالفرض کل وہ طبعی واقعہ ثابت ہو جائے تو بھی اس سے آج اس کے معجزہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور معجزہ کی غرض وغایت کو پورا کرنے کے لئے اسی قدر کافی ہے''۔

عبارت مذکورہ میں ایک طرف قطعی اور مختتم'' کی قید لگانا اور دوسری طرف اس کے بعد بھی ''کسی حد تک'' کا لفظ لکھنا اور آخر میں کسی معجزہ کے طبعی واقعہ ثابت ہو جانے کے بعد بھی اس کے معجزہ باقی رہنے کو تسلیم کر لینا، یہ سب ایسے امور ہی جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ معجزات کی طرف سے ان جوابدہی کرنے والوں کے خود اپنے ذہن میں ہی معجزہ کی حقیقت منقح نہیں ہے۔

یا مثلاً ان لوگوں کے جواب میں جو معجزہ اور نظر بندی اور سحر میں کچھ فرق نہیں کرتے یہ کہنا کہ:

''معجزہ بجائے خود نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے، بلکہ جس شخص میں ظاہری و باطنی کمالات یعنی اصلی خصائص نبوت واوصاف حمیدہ عام انسانوں کے مقابلوں میں فوق العادت حد

تک مجتمع ہوجاتے ہیں، اس کے حق میں معجزہ محض ایک طرح کی مزید تائید کا کام دے سکتا ہے"۔

اس عبارت میں بھی عجیب طریقے پر اپنے عجز وضعف کا اظہار ہے کیونکہ، یہاں معجزہ کو صرف ایک طفل تسلی کے درجے میں تسلیم کرلیا گیا ہے، حالانکہ شریعت میں اس کا دلائل نبوت رکھا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں معجزات دکھانے کی ایک حکمت یہ بھی بیان کی ہے کہ اس سے خصوم حجت ختم ہوجاتی ہے، اب غور فرمایئے کہ قرآن کی نظر میں جس امر کو "قاطع حجت" سمجھا جائے اس کو دلائل کی فہرست سے خارج کرکے صرف ایک تائید کا مقام دے دینا کتنی نادانی ہے، درحقیقت یہ معجزہ کی قاہرانہ حقیقت تک نارسائی کا نتیجہ ہے پھر فرض کرلو کہ ان لچر جوابات سے کسی سادہ لوح منکر کی تسلی ہو بھی جائے مگر کیا اس سے معجزہ کی وہ حقیقت بھی ثابت ہوسکے گی جو شریعت کی نظر میں اس کی صحیح حقیقت ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ پھر ایک دہریہ کو معجزہ کی حقیقت اور اس کا امکان سمجھانے کی اور صورت کیا ہے؟ تو ہمارے نزدیک نبوت اور الوہیت کے اثبات کے بغیر اس موضوع پر اس سے گفتگو کرنا عبث ہے اور اگر یونہی کرنا ہے تو اس کا مختصر راستہ یہ ہے کہ پہلے خود اسی سے معجزات کے محال ہونے کا ثبوت طلب کیا جائے، آخر خرق عادت عقلاً محال ہے کیوں؟ اور اگر یہ محال نہیں تو ممکن کا وقوع فرض کرنے سے کوئی محال کیسے لازم آسکتا ہے؟ امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں معجزہ کے لئے حسب ذیل پانچ شرائط لکھی ہیں جن سے اس کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔

معجزہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اس جنس کا ہونا چاہئے جس پر سوائے اللہ کے کسی کو قدرت نہ ہو۔

دوم یہ کہ خارق عادت ہو لہذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرا معجزہ یہ ہے کہ رات کے بعد دن آئیگا تو یہ معجزہ نہیں ہوگا، اگرچہ اس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو قدرت نہیں ہے، لیکن یہ خارق عادت بات نہیں ہے۔

سوم یہ کہ مدعی رسالت اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے کہنے پر یہ معجزہ دکھلا دے گا، مثلاً وہ یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تصدیق کے لئے اس پانی کو تیل بنادے گا یا جب وہ زمین کو حکم دے گا کہ وہ حرکت میں آجائے تو فوراً ہلنے لگے گی۔

چہارم یہ کہ وہ معجزہ مدعی رسالت کے دعویٰ کا مؤید بھی ہوتا کہ وہ اس کو اپنی نبوت کی دلیل بنا سکے، پس اگر کوئی جانور اس کے حکم سے بولنے لگے مگر یہ بولے کہ یہ شخص جھوٹا ہے نبی نہیں ہے تو اگر چہ نور کا بولنا خارق عادت ہے مگر اس کے دعویٰ کے برخلاف ہے۔

پنجم یہ کہ مقابلہ میں کوئی شخص اس کی مثل نہ لا سکے، اگر کوئی شخص اس کے مقابلہ میں اس جیسا عمل دکھلا دے تو پھر بھی اس کو معجزہ نہیں کہہ سکتے.........

دجال اگر چہ ان شروط خمسہ کے مطابق عجائبات دکھلائے گا مگر وہ خدائی کا دعویٰ کریگا اور ظاہر ہے کہ ان دونوں دعووں میں بینا اور نابینا کا سا فرق ہے۔

کون نہیں جانتا کہ ہزار خوارق دکھا کر بھی کوئی شخص خدا نہیں بن سکتا، اس لئے خوارق عقلاً اس کے دعویٰ کے موید نہیں ہو سکتے، اس کے برخلاف اگر کوئی نبی خوارق دکھلائے تو نبی چونکہ انسان ہی ہوتا ہے اس لئے قدرت کسی کاذب کے ہاتھ پر کبھی ایسے امور ظاہر نہیں کرتی ورنہ اس سے ایک باطل دعویٰ باطل کی تائید ہوگی اور معجزہ صرف حق کی تائید کے لئے ہوتا ہے۔

امام قرطبیؒ اور قدماء محققین کی ان نقول کی روشنی میں جو اس مضمون میں جا بجا پیش کی گئی ہیں، معجزہ کی اسلامی حقیقت بڑی حد تک واضح ہو جاتی ہے، اس کے ساتھ میری تمنا یہ تھی کہ اگر اس کے متعلق متاخرین علماء کی رائے بھی معلوم ہو جاتی تو جدید و قدیم علماء کے اتفاق آراء سے یہ مسئلہ ہمارے لئے اور زیادہ قابل اطمینان ہو جاتا، خوش قسمتی سے ہماری نظر سے اس سلسلہ میں مولانا تھانویؒ کی ایک تحریر گزری جس میں نہایت اختصار کے ساتھ وہ سب کچھ موجود ہے جو ان قدما محققین کے کلمات میں مذکور ہو چکا ہے اور جو کچھ ہم نے ان کی مراد سمجھ کر اپنی جانب سے ان کی توضیح کی ہے وہ بھی تقریباً اسی طرح حضرت کی عبارت میں موجود ہیں، الحمد اللہ کہ اب احقر کو یہ اطمینان ہے کہ جو کچھ میں نے سلف کی مراد سمجھی ہے، وہ انشاء اللہ تعالیٰ صحیح ہے۔

حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کے نزدیک معجزہ کی حقیقت

”معجزہ صرف یہ ہے کہ ان کے صدور میں اسباب طبیعیہ کو اصلاً دخل نہیں ہوتا نہ جلیہ کو نہ خفیہ کو نہ صاحب معجزہ کی کسی قوت کو نہ خارجی قوت کو، وہ براہ راست حق تعالیٰ کی مشیت سے بلا

توسط اسباب عادیہ کے واقع ہوتا ہے، جیسا صادر اول بلا کسی واسطہ کے صادر ہوا ہے (یعنی فلاسفہ کے نزدیک) پھر قیامت تک بھی کوئی شخص اس میں سبب طبعی نہیں بتلاسکتا کیونکہ معدوم کو موجود کون ثابت کرسکتا ہے، ورنہ اگر معجزہ سے کسی زمانۂ خاص میں صاحب معجزہ کی تائد ہوجاتی تو دوسرے زمانے میں اس کے سبب خفی بتلانے سے اس کی تکذیب ہوجاتی تو کسی نبی کی نبوت پر یقین مؤید نہیں ہوسکتا، وھذا کما تریٰ یہی سبب ہے کہ معجزہ پر اس کے بظاہر ہم جنس کے ماہرین نے کوئی سبب خفی بتلا کر باقاعدہ شبہ نہیں کیا، نہ اس کی مثل کو ظاہر کر کے مقاومت کرسکے، بالخصوص اگر نبی کی قوت اس کا سبب ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام اپنے معجزہ سے خود نہ ڈر جاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض فرمائشی معجزات کی تمنا پر یہ نہ فرمایا جاتا **فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض او سلما فی السماء فتأتیھم باٰیۃ** اور **استناد الی الاسباب الخفیہ** کے احتمال پر معجزہ و دیگر عجائب طبعیہ میں کوئی فرق واقعی نہیں رہتا............اور انضمام اخلاق و کمالات کے ساتھ جو اس کو دلیل کہا گیا ہے تو ان اخلاق کی کو مخصوصہ نوعیت کو پہچاننے میں جتنی غلطی ہوسکتی ہے، وہ معجزات کے متعلق غلطی ہونے سے کہیں زیادہ ہے (بوادر النوادر ص ۳۸۲ ج ۲)

حضرت قدس سرہ نے ان مختصر کلمات میں وہ سب کچھ فرمادیا ہے جو اس سے قبل کے اوراق میں لکھا جاچکا ہے، بلکہ ان کی تقریر و توضیح میں کچھ اضافہ بھی فرمادیا ہے، جملہ ۴ سے یہ صاف واضح ہے کہ معجزہ کبھی اضافی نہیں ہوسکتا اور انسان کے علم کے اضافی ہونے کے باوجود یہ حقیقت پھر اپنی جگہ ثابت رہتی ہے کہ قیامت تک کوئی شخص اس کا سبب طبعی نہیں بتلاسکتا، چھٹے جملے میں اس کی پوری وضاحت کردی گئی ہے کہ کسی نبی کے اخلاق و کمالات میں اگرچہ اعجاز کی کتنی ہی روح موجود ہو لیکن ان کا یہ اعجاز نظری ہوتا ہے، لہذا ان کو معجزہ بنا کر پیش نہیں کیا جاسکتا، اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہوجاتا ہے کہ حسی معجزات کا سطحی اور اخلاق و کمالات کا حقیقی معجزہ نام رکھنا ان کی صحیح تعبیر نہیں ہے، بلکہ بہت زیادہ غلطی میں ڈالنے والی ہے۔

حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ العزیز کی کتاب حجۃ الاسلام کے چند ضروری اقتباسات

حضرت مولانا قدس سرہ فرماتے ہیں کہ "مدار نبوت تین باتوں پر ہے اول یہ کہ محبت اور اخلاص خداوندی اسقدر ہو کہ ارادۂ معصیت کی گنجائش نہ ہو، لہذا لازم ہے کہ انبیاء علیہم

السلام معصوم ہوں اور مرتبۂ تقرب سے برطرف بھی نہ کئے جائیں، دوسرے یہ کہ اخلاق حمیدہ و پسندیدہ ہوں اور اخلاق کا اچھا یا برا ہونا اس پر منحصر ہے کہ خدا تعالیٰ کے اخلاق کے موافق یا مخالف ہو، جو خدا تعالیٰ کے خلق کے موافق ہوگا وہ اچھا سمجھا جائیگا جو مخالف ہوگا وہ برا سمجھا جائیگا، تیسری بات عقل وفہم ہے۔

معجزہ ثمرہ نبوت نہ مدار نبوت:

الغرض اصل نبوت تو ان دونوں باتوں کی مقتضی ہے کہ پہلے فہم سلیم اور اخلاق حمیدہ اسقدر، رہے ہوں معجزات تو وہ نبوت کے بعد عطاء فرمائے جاتے ہیں، یہ نہیں ہوتا کہ جس نے اظہار معجزات کے امتحان میں نمبر اول پایا اس کو نبوت عطا کی ورنہ ناکام رہا۔

معجزات علمیہ وعملیہ:

معجزات عملی اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص دعوئے نبوت کر کے ایسا کام کر دکھائے کہ اور سب اس کام کے کرنے سے عاجز آجائیں، اس صورت میں معجزات علمی اس کا نام ہوگا کہ کوئی شخص دعوئے نبوت کر کے ایسے علوم ظاہر کرے کہ دوسرے افراد اس کے مقابلہ میں عاجز آجائیں (از ص ۲۹ تا ص ۳۳ مختصرا)

معجزات حدیثیہ کا ثبوت تورات وانجیل سے کم نہیں:

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات میں تو تورات وانجیل کے مساوی ہیں کہ مضامین دونوں کے الہامی ہیں اور یہود ونصاریٰ اس بات کے قائل ہیں کہ الفاظ تورات و انجیل کے بھی الہامی نہیں، مگر باوجود اس تساوی کے فرق ہے کہ اہل اسلام کے پاس حدیث کی سندیں من اولہ الیٰ آخرہ موجود ہیں اور توراۃ وانجیل کی سند کا آج تک پتہ نہیں پھر جب حضرات نصاریٰ سے مقابلہ ہو تو ان حدیثوں کے پیش کر دینے میں بھی حرج نہیں، جن کی ہمارے پاس کوئی سند نہ ہو، یہ کیا انصاف ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات تو ان روایات کے بھروسہ پر تسلیم کر لئے جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات باوجودیکہ ان کی سندیں متصل ہوں تسلیم نہ کئے

جائیں، پھر تماشہ یہ کہ یہ بے معنی حجتیں نکالی جائیں، کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ معجزے قرآن میں مذکور نہیں، عجب اندھیر ہے کہ تاریخوں کی باتیں تو جن کے منصف اکثر سنی سنائی لکھتے ہیں اور راویوں کی کچھ تحقیق نہیں کرتے، حضرات نصاریٰ کے دل میں نقش کالحجر ہو جائیں اور نہ مانیں تو احادیث محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانیں۔

علاوہ بریں اگر مطلب یہ ہے کہ کوئی معجزہ قرآن میں مذکور نہیں تو ''یہ دروغ گویم بر روئے تو'' کا مصداق ہے اور اگر مطلب یہ ہے کہ سارے معجزات قرآن میں موجود نہیں تو ہماری یہ گذارش ہے کہ ایمان کے لئے ایک بھی کافی ہے، علاوہ ازیں مدار قبول صحت سند پر ہے، نہ خدا کے نام لگ جانے پر اور جب یہ ہے تو احادیث نبویہ واجب التسلیم ہوں گی اور سنئے کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن میں معجزات دکھلانے سے انکار ہے، اتنا نہیں سمجھتے کہ وہ ایسا ہی انکار ہے جیسا انجیل میں معجزہ دکھلانے سے انکار موجود ہے (از ص ۴۷ تا ۴۸ مختصراً)

معجزہ کی اقسام

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی مشہور تاریخ البدایہ والنہایہ میں معجزہ کی دو قسمیں تحریر فرمائی ہیں، حسی اور معنوی۔

۱۔معنوی معجزات:

معنوی معجزہ سے مراد مدعی نبوت کے وہ نمایاں اوصاف وملکات ہوتے ہیں جو قدرت کسی کسب کے بغیر شروع سے اس میں ودیعت فرماتی ہے، مثلاً اس کی صداقت وامانت، اس کے معالی اخلاق فطرت اس کے علو ہمتی اور اس کی تعلیم و تزکیہ وغیرہ، بے شبہ یہ سب امور ایسے ہیں جو خالق فطرت اور ایک مدعی نبوت کے درمیان رابطہ کے ثبوت کے لئے کافی ہیں، لیکن ادھر بڑی مشکل یہ ہوتی ہے کہ جس دور میں انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے ہیں اس میں طغیان وفساد اور ضد وعناد کی باد صرصر اتنی تیز وتند ہو جاتی ہے کہ عام عقول یکسر غور وفکر سے عاری ہو کر رہ جاتی ہیں، باطل عقائد دماغوں میں اس طرح پیوست اور راسخ ہو جاتے ہیں کہ ان صفات وملکات پر غور کرنا تو کجا اپنے عقائد کے خلاف ذرا سی آواز سننا بھی کسی کو گوارا نہیں ہوتا، ان حالات میں خود نبی اور اس کی تعلیمات وتزکیہ یہی چیزیں سب سے پہلے مورد نزاع بن جاتی ہیں اب ایسے بدمذاقوں کے سامنے بھلا ان امور کو بطور معجزہ وبرہان کیسے پیش کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں انسانی دماغ کے انحطاط وارتقاء کے لحاظ سے ان سب امور کا کوئی خاص معیار مقرر کرنا بھی مشکل ہے، اعمال واخلاق کا اگر چہ کچھ حصہ ایسا ہے جس میں کبھی کسی کو اختلاف نہیں رہا تو اس کا ایک حصہ وہ بھی ہے جس میں زمانہ، انسانی طبائع اور بلاد کے

اختلاف سے بڑا اختلاف رہا ہے، مثلاً ''عریانی'' بنی اسرائیل میں کوئی عیب نہ تھی اور عہد جاہلیت میں بھی اس کو ادنیٰ سی بد اخلاقی بھی تصور نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ موجودہ دور میں آج تو بہت سے ایسے افراد ہیں، جو عریانی کو ایک فیشن سمجھتے ہیں، اس کے علاوہ عہد جاہلیت میں جن امور کو شجاعت کا جوہر اور شرف کا معیار سمجھا جاتا تھا یہ وہی امور تھے جن کو اسلام نے بدترین جرائم اور بد اخلاقی قرار دیا ہے، رہا تعلیم کا مسئلہ تو آج بھی اس میں جتنے مختلف نظریات موجود ہیں، وہ محتاج بیان نہیں، اب رہی انبیاء علیہم اسلام کی نصرت و تائید تو یہ بھی گو ان کی حقانیت کا واضح ثبوت ہو، مگر اس کو بھی فیصلہ کن ٹھہرانا مشکل ہے، کیونکہ نصرت کے ساتھ ہزیمت کے واقعات بھی ان کی زندگیوں میں ملتے ہیں، بلکہ کوئی کوئی نبی ایسا بھی گزرا ہے جس کے متبعین صرف معدودے چند افراد ہی ہوئے ہیں ان سب امور سے اگر قطع نظر بھی کر لی جائے تو اخلاق کا معاملہ قدرت کی ایک ایسی عام بخشش ہے جس میں بہت سے کفار بھی شریک رہے ہیں، ان کا کوئی ایسا معیار مقرر کرنا جس سے انبیاء علیہم السلام کی فوقیت اس قسم کے انسانوں پر اعجازی رنگ میں ثابت کی جا سکے، الفاظ کی حدود میں سمانا مشکل ہی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ایک سطحی علم کا شخص کہیں تاریخ میں اس قسم کے افراد کا تذکرہ دیکھ لیتا ہے تو وہ بے جھجک ان کے متعلق نبوت کا حسن ظن کرنے لگتا ہے، حالانکہ ان چند اوصاف کے علاوہ اس کے پاس ان کے ایمان کے لئے بھی کوئی شہادت نہیں ہوتی، بلکہ اس کے خلاف ان کے کفر کا ثبوت ملتا ہے، لیکن اس پر بھی اس کا قلم چاہتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے ان کے اس پہلو کو دبا دیا جائے، پھر یہ امر بھی قابل فراموشی نہیں ہے کہ ''ملکات حسنہ'' اور ''اخلاق طیبہ'' کا اعجاز صرف مشاہدہ کرنے والوں تک ہی محدود ہوتا ہے جو لوگ غائب ہوں، ان کے حق میں ان اخلاقی صفات کی صرف حکایت کرنی تشفی بخش نہیں ہوتی، اس کا سبب بھی یہی ہے کہ ان صفات کی اعجازی صورت کا تصور عام اذہان میں آنا مشکل ہوتا ہے، غالباً اسی وجہ سے جب حضرت ابوذرؓ کے قاصد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے واپس آ کر ان سے بیان کیا کہ ''میں نے ایک شخص دیکھا جو بلند اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور ایک ایسا کلام سناتا ہے جو شعر معلوم نہیں ہوتا'' تو صرف اتنی بات سے ابوذرؓ کی تشنگی بجھ نہ سکی، لیکن جب انہوں نے خود حاضر ہو کر آپ کے روئے انور کا مشاہدہ کر لیا تو اب ان کے سامنے ایک ایسا ظاہر و باہر معجزہ تھا، جس کے بعد

وہ کسی اور معجزہ کے محتاج نہ تھے، رخ انور پر نظر پڑی، حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

غالباً انہیں اسباب وعلل کی بناء پر جب انبیاء علیہم السلام سے معجزات طلب کئے گئے تو انہوں نے گو اپنی زندگیوں پر غور وفکر کی دعوت دی مگر اپنی صفات کو اپنا معجزہ بنا کر پیش نہیں فرمایا، ظاہر ہے کہ نبوت خود ایک عقلی شے ہے، آنکھوں سے نظر آنیوالی چیز نہیں، اب اگر اس کا ثبوت یعنی معجزات بھی صرف علمی اور عقلی رہ جائیں تو بتایئے کہ معجزات سے نبی کی معرفت میں سہولت کی بجائے کتنی الجھن اور بڑھ جائے، اس لئے انہوں نے اپنی قوموں کے سامنے ہمیشہ ایسے ہی معجزات پیش کئے ہیں جو بدیہی اور فیصلہ کن ہوں اور یہ وہی اشیاء ہو سکتی ہیں جو قابل بحث ہی نہ ہوں اور وہ صرف حس ومشاہدہ کی اشیاء ہیں جو کسی غور وفکر کی محتاج نہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نبی کی صفات اور اس کے اخلاق وملکات میں اعجاز کی روح نہیں ہوتی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ منکرین اور خصوم کے سامنے ان کو بطور اعجاز پیش کرنا فیصلہ کن نہیں ہو سکتا۔

۲- حسی معجزات:

حسی معجزات وہ کہلاتے ہیں، جو قدرت الٰہی کے قاہرانہ افعال وعجائبات رسولوں کے ہاتھوں پر ان کے دعوے نبوت کی تصدیق کے لئے ظاہر ہوں، ان کو حسی اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کا ادراک کرنا کسی بڑی عقل وفہم کا محتاج نہیں ہوتا، بلکہ ادنیٰ سا حس وشعور بھی اس کے لئے کافی ہوتا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ معنوی معجزات بھی نبی کی صداقت کا بڑا ثبوت ہوتے ہیں، مگر ان میں پھر غور وفکر کرنے کا محل باقی رہتا ہے، اس کے برخلاف حسی معجزات ہیں، جب وہ اسباب ظاہری کا پردہ چاک کر کے سامنے آتے ہیں تو اب غور وفکر کا میدان تنگ ہونے لگتا ہے اور جتنا یہ میدان تنگ ہونے لگتا ہے، اتنا ہی ایمان لانے والوں کے لئے عذر ومہلت کا میدان تنگ ہوتا چلا جاتا ہے اور اب ایمان نہ لانا قابل معافی نہیں رہتا، بلکہ یہ قلوب پر مہر ہونے کی علامت ہوتی ہے، کیونکہ ان کا دیکھ لینا گویا قدرت علی الاطلاق کا مشاہدہ کر لینا ہے، اگر کہیں رسولوں کے ''توسط'' کا ذرا سا حجاب درمیان میں حائل نہ ہو جاتا تو شاید موت کے وقت ایمان لانے کی طرح ان معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان لانا قابل قبول نہ ہوتا اور خاص معجزات کی فرمائش کر کے پھر ایمان نہ لانا تو گویا عذاب الٰہی کو آخری دعوت دینا

ہے، اس لئے معجزات کی یہ نوع روح اعجاز میں معنوی معجزات سے کسی طرح کم نہیں، بلکہ معجزات اگر پیغمبر وقت کے فرستادۂ الٰہی ہونے کی دلیل ہیں تو اس میں کیا شبہ ہے کہ اس کیلئے ''محسوسات'' ''معقولات'' سے زیادہ کھلی ہوئی دلیل ہیں اس لئے معجزات حسی ہوں یا معنوی یہ دونوں قسمیں نبی کی صداقت کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ کر دلائل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے وجود کی تصدیق کے لئے عالم میں حسی اور معنی دونوں ہی قسم کے دلائل پیدا فرمائے ہیں **سنریھم ایاتنا فی الآفاق و فی انفسھم**) اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے لئے بھی دونوں قسموں کے دلائل و معجزات ظاہر فرمائے ہیں اور جس طرح خالق کی تصدیق کے لئے حسی آیات، معنوی آیات سے کچھ کم نہیں اسی طرح یہاں بھی حسی معجزات کا پلہ معنوی معجزات سے ہلکا نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فہم و عقل کے لحاظ سے چونکہ انسانوں کے طبقات مختلف ہیں پھر کفر و شرک کے اثرات سے جو ہر عقل کا ادراک اور ناقص ہوجاتا ہے اور اس کا تمام ادراک اپنے محسوسات و مشاہدات ہی میں منحصر ہوکر رہ جاتا ہے اور ''مجردات'' کے فہم کی قابلیت بہت ناقص اور ضعیف پڑجاتی ہے، اس لئے حکمت الٰہیہ کا تقاضہ یہ ہوا کہ وہ اپنی ربوبیت کی معرفت کی طرح اپنے رسولوں کی معرفت کے لئے بھی دونوں قسموں کے دلائل ظاہر فرمائے تا کہ اس وقت کے ہر طبقہ کے لئے سامان ہدایت میں سہولت پیدا ہوا اور ایک جاہل کے لئے بھی ان کی معرفت میں کسی قسم کی دشواری باقی نہ رہے، اگر ایک طرف ذی فہم طبقہ ان کے صفات و اخلاق پر نظر کر کے ان کی نبوت کا یقین لا سکے تو دوسری طرف ایک کم فہم شخص کے لئے بھی ایمان و یقین کا سامان موجود ہو۔

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ می دارد ۔۔۔ برنگ اصحاب صورت را ببوار باب معنی را

لہٰذا یہاں ''حسی معجزات'' کو ہلکا کرتے کرتے شمار ہی نہ کرنا یہ ''باب معجزات'' میں ایک اصولی بلکہ خطرناک غلطی ہے۔

کتب کلام میں معجزہ اور نبوت کا ربط:

یہاں حدیث و قرآن کے بیانات سے صرف نظر کر کے علم کلام کے متقدین نے صرف اپنے مقصد کی تائید اور معجزات کی تاویل کے لئے ایک اور منطق چلائی ہے کہ علماء کلام

کے نزدیک معجزات لوازم نبوت ہی میں سے نہیں اگر کوئی نبی ایک معجزہ بھی نہ دکھلاتا تو بھی اس پر ایمان لانا واجب ہوتا اور اس ''علمی طریقہ'' سے معجزات کے باب کو دھکا لگانے کی ایک اور سعی ناکام کی ہے، شاید ان کلمات کے لکھنے کے وقت ان کو اس بات سے ذہول ہو گیا ہوگا کہ ان علماء کے نزدیک حق تعالیٰ کی معرفت کے لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت بھی کوئی ضروری امر نہیں ہے، کیونکہ منعم حقیقی کی معرفت عقلاً واجب ہے، لہذا اگر ایک بھی نبی کی بعثت نہ ہوتی جب بھی حق تعالیٰ کا وجود تسلیم کرنا واجب ہوتا، اب فرمایئے کہ علماء کلام کے ان عقلی گدوں کی بناء پر انبیاء علیہم السلام کی بعثت یا اس کی ضرورت میں کیا کوئی ادنیٰ سا تردد بھی کرنے کا حق رکھتا ہے، لہذا جس طرح منعم حقیقی نے اپنی معرفت کے لئے کسی لزوم عقلی کے بغیر انبیاء علیہم السلام اور دیگر ڈرانے والوں کو بھیجا اور اتنی وسعت کے ساتھ بھیجا کہ ایک جگہ یہ بھی ارشاد فرمایا:

وان من امة الا خلافیها نذیر

اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔

اب اگر اسی ذات وحدہ لاشریک لہ نے اپنی رافت ورحمت سے اپنے انبیاء ورسل کے لئے کسی لزوم عقلی کے بغیر معجزات بھی دکھلائے تو پھر یہاں لزوم عقلی کا ایک اور شاخسانہ نکال کھڑا کرنے سے سوائے ان نعمات الٰہیہ کی ناقدری کرنے کے اور کیا فائدہ ہے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ حمد وثناء کی زبان بے ساختہ کھل جاتی اور شکر کے دونوں ہاتھ بے اختیار اٹھ جاتے، انصاف کیجئے کہ جس قادر علی الاطلاق ذات نے حیلہ جو انسان کے لئے اس عذر کا موقع نہیں چھوڑا کہ وہ یہ کہہ سکے کہ **ماجاء نا من بشیر ولا نذیر** (ہمارے پاس نہ آیا کوئی خوشی یا ڈر سنانے والا) وہ ان کو یہ موقع کب دے سکتی تھی، جنہوں نے معجزات پر معجزات کا مشاہدہ کر لینے کے بعد بھی یہی رٹ لگائے رکھی **لولآ اوتی مثل مآ اوتی موسیٰ** (کیوں نہ دیا گیا اس کو مثل اس کے جو موسیٰ کو دیا گیا) اور کبھی یہ کہا **لولا یأتینا باٰیة من ربه** (یہ ہمارے پاس اپنے رب سے کوئی نشانی نہیں لے آتے) ایسے ہٹ دھرموں کے لئے بھلا آپ کے علم کلام کی ''لزوم عقلی'' یا ''عدم لزوم'' کی بحثیں کیا تشفی بخش ہو سکتی تھیں، حقیقت یہ ہے کہ علماء کلام کے یہ سب مباحث اپنے موضوع فن کے لحاظ سے صرف عقلی

بحثیں تھیں، خارجی دنیا سے ان مباحث کا کوئی علاقہ نہیں، اسی لئے ان عقلی موشگافیوں کے باوجود اس کو کیا کیجئے کہ نبوت کی تاریخ سے ان میں ایسا لزوم ثابت ہوتا ہے کہ کسی نبی کی زندگی ان معجزات سے خالی نہیں ملتی'' بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو نبی جتنا اولوالعزم ہوا ہے اس کے معجزات بھی اتنے ہی عظیم الشان ہوئے ہیں اور اسی تاریخ کی بناء پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ سے بھی معجزات طلب کئے گئے۔

فلیأتنا بایٰة کما ارسل الاولون (الانبیاء)

اس کو چاہئے کہ ہمارے پاس کوئی نشانی لائے، جیسے پہلے پیغمبر نشانیاں (معجزات) لیکر آئے تھے۔

اسی کیساتھ صحیح بخاری میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی ان الفاظ میں موجود ہے:-

مامن نبی من الانبیاء الااعطی من الأیات الخ

کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس کو کچھ نہ کچھ معجزات نہ دیئے گئے ہوں۔

پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ''حسی معجزات اور نبوت کے درمیان کوئی ربط ہی نہیں ہے'' ہاں یہ ضرور ہے کہ حسی معجزات خود انبیاء علیہم السلام کی صفات نہیں ہوتیں وہ قدرت قاہرہ کے افعال ہوتے ہیں جو رسولوں کے واسطہ سے ظاہر ہوتے ہیں اور ان کا ظہور بھی خود رسولوں کی قدرت و اختیار سے نہیں ہوتا اور وہ قوموں کے لئے ''اسوہ حسنہ'' بننے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے اور رسولوں کے ساتھ ہمیشہ قائم نہیں رہتے، اس کے برخلاف معنوی معجزات ہیں، وہ خود رسولوں کی صفات ہوتے ہیں اور ہمیشہ ان کے ساتھ قائم رہتے ہیں اور مخلوق کیلئے بہترین نمونہ بھی ہوتے ہیں، امتوں کو ان کی اتباع کی دعوت بھی دی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ علماء کلام نے حسی معجزات کو مقاصد نبوت میں شمار نہیں کیا اور ان معجزات میں اور نبوت میں تلازم نہیں لکھا مگر اسی کے ساتھ۔

علم کلام کی اصطلاح میں حقیقی معجزات صرف معنوی معجزات نہیں:

ساتھ دوسری طرف سے اس سے یہ نتیجہ بھی برآمد ہوتا ہے کہ ان کی اصطلاح میں

معجزات صرف ''حسی معجزات'' ہی کا نام ہے، ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ معنوی معجزات اور نبوت میں بھی کوئی تلازم نہیں ہے، کیا ہر نبی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اعلیٰ اخلاق و ملکات اور عمدہ تعلیم وتزکیہ کا مالک ہو، صدق وامانت کا مرقع ہو اور رحمت ورافت کا مجسمہ ہو؟ اگر اس میں یہ صفات نہیں تو یقیناً وہ نبی بھی نہیں پس اگر اصطلاح میں حقیقی معجزات صرف معنوی معجزات ٹھہریں اور حسی معجزات صرف سطحی اور ظاہری معجزات ہوں تو پھر یہ دوسرا مسئلہ بالکل غلط ہو کر رہ جائے گا کہ نبوت اور معجزہ میں کوئی تلازم نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ جب نااہل قومیں اپنے رسولوں کی صفات دیکھ کر متاثر نہیں ہوتیں تو پھر ''شان مہر'' کی بجائے ''شان قہر'' کا ظہور ہوتا ہے، تاکہ اگر وہ ایک صحیح راستہ سے فائدہ نہ اٹھا سکیں تو اب ڈر کر ہی ایمان قبول کرلیں اور درحقیقت یہ بھی رحمت کا ایک کرشمہ ہوتا ہے! **وما نرسل بالاٰيات الا تخويفا۔**

اس کے بعد جب کتب حدیث وسیر کا تتبع کیا جاتا ہے، تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ حقیقی معجزات محدثین کی اصطلاح میں بھی صرف ''حسی معجزات'' ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس باب میں انہوں نے صرف آپ کے حسی معجزات ہی جمع کئے ہیں، حافظ ابن کثیر بھی معجزات کی تقسیم کر کے آپ کے معنوی معجزات کی طرف صرف دو تین صفحات میں اشارات کر کے چل دیئے ہیں، اس کے بعد چھٹی جلد کا بڑا حصہ ان ہی حسی معجزات پر صرف کیا ہے، ان سب سے بڑھ کر جب قرآن پاک پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس میں بھی انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ کے ساتھ سب سے زیادہ نمایاں انکے حسی معجزات ہی کا تذکرہ نظر آتا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ حسی معجزات کو مادی اور ظاہری کے الفاظ سے تعبیر کرنا کس قدر غلط تعبیر ہے اور ان کلمات سے تو ایک مسلمان کی روح کانپ اٹھتی ہے کہ قرآن کریم کی نظر میں حسی معجزات کی کوئی حیثیت ہی نہیں، کیا یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ حسی معجزات خود رسولوں کے افعال نہیں ہوتے، بلکہ ہمیشہ الٰہی افعال ہوتے ہیں، کوئی قلم یہ تحریر کرنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ کلام الٰہی کی نظروں میں خود افعال الٰہیہ کی کوئی حیثیت ووقعت نہیں ہے، والعیاذ باللہ۔

قرآن کریم کی نظر میں حسی معجزات کی حیثیت

ایک غلط فہمی:

بعض اہل علم کو یہ دیکھ کر کہ قرآن کریم معجزہ طلبی کی ممانعت کرتا ہے، یہ مغالطہ لگ گیا ہے کہ شاید یہ ممانعت اس لئے ہے کہ حسی معجزات میں اصل اعجاز کی روح نہیں ہوتی یا کمزور ہوتی ہے، اس کے بعد علم کلام میں یہ دیکھ کر کہ نبوت اور معجزہ میں کوئی تلازم نہیں ہے، یہ مغالطہ اور زیادہ پختہ ہوگیا ہے، بلکہ زور قلم میں یہاں تک بھی نکل گیا ہے کہ حسی معجزات کی قرآنی نظر میں کوئی حیثیت و وقعت ہی نہیں حالانکہ سب سے پہلے ایک موٹی سی بات قابل غور یہی تھی کہ قرآن کریم جن معجزات کے مطالبہ کی ممانعت کرتا ہے کیا وہ رسولوں کے معنوی معجزات ہیں؟ اگر وہ معنوی معجزات نہیں صرف حسی معجزات ہیں اوان ہی کے مطالبہ کی وہ ممانعت کرتا ہے تو کیا اس سے یہ نتیجہ صاف برآمد نہیں ہوتا کہ ہمیشہ سے معجزات صرف حسی معجزات ہی کو سمجھا جاتا تھا، پھران کے اعجاز کو پھیکا کرنا کہاں تک درست اور معقول بات ہے۔

حسی معجزات کی طلب کی ممانعت کی وجہ:

یہاں قرآن کریم کی اصل مراد سمجھنے سے پہلے اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل ہر رنگ کے رسول گزر چکے تھے اور ان کے ساتھ واضح سے واضح معجزات بھی ظاہر کئے جاچکے تھے جن کو دنیا یا تو خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرچکی تھی یا ان کی تاریخ مستند طریقوں سے مسلسل سنتی چلی آئی تھی اور جس طرح ہر تاریخ آئندہ نسلوں میں اپنے کچھ نہ کچھ اثرات چھوڑ جاتی ہے، اسی طرح ان معجزات کی تاریخ نے بھی انسانوں کے قلوب پر شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے کچھ نہ کچھ اثرات چھوڑ دیئے تھے، پھران ''فرمائشی معجزات'' کے دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لانے والوں کا جوحشر ہوا وہ قرآن کریم میں جا بجا مذکور ہے، اس لئے منصفانہ نظر میں اب حسی معجزات پر زور دینے کی کوئی ضرورت ہی باقی نہ

رہی تھی، لہذا آخر میں عالم کی ہدایت کا جو دستور العمل تھا، خود وہی ایک مجسم اور دائمی بلکہ حسی اور علمی معجزہ بنا کر عالم انسانی کے سامنے بھیج دیا گیا، یعنی قرآن کریم اور جب کبھی کسی نے حسی معجزہ کی فرمائش کی تو ان کو گذشتہ تاریخ کی طرف متوجہ کر کے تنبیہ کر دی گئی کہ جب واضح سے واضح معجزات پر بھی قوموں نے فائدہ نہیں اٹھایا تو اب پھر اس مطالبہ سے کیا فائدہ، پس قرآن کریم کا حسی معجزات کے مطالبہ سے منع کرنا ہرگز اس لئے نہیں کہ اس کی نظر میں ان کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ دنیا کے خاتمہ پر اگر مخلوق اب بھی مخلوق اسی بحث میں الجھی رہی اور فرصت عمل کو ضائع کر بیٹھی تو پھر یہ ان کا ناقابل تلافی نقصان ہوگا، کیونکہ اگر آج تک عاقبت نااندیش انسان اس فرصت کو ضائع کرتا رہا تو بعد میں پھر ایک بار ان کو فرصت عمل مل گئی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ اب نہ کوئی رسول تھا، نہ کوئی شریعت اور اب یہ ان کے لئے آخری فرصت تھی، اس لئے ان کے بارے میں رحمت الٰہی کا تقاضہ یہی تھا کہ انسانی دماغ کو ان فضول مطالبات سے ہٹا کر اصل مقصود کی طرف متوجہ کر دیا جائے، اپنے اسی مقصد کی وضاحت خود قرآن کریم نے ان الفاظ میں کر دی۔

وما منعنا ان نرسل بالأيات الا ان كذب بها الاولون. اور ہم کو نشانیاں (معجزات) کے بھیجنے سے صرف یہ امر مانع رہا ہے کہ پہلوں نے ان کو جھٹلا دیا۔

ان تمام آیات کی روح تھی تو درحقیقت عالم انسانی کی سراسر ہمدردی وفلاح، اس کو فنا کر کے ان سب کا رخ بالکل دوسری طرف پلٹ دیا گیا ہے اور پھر اس کو اس طرح پھیلایا گیا ہے کہ عوام تو درکنار ایک مرتبہ تو سطحی علم والے شخص کو بھی یہ وہم ہونے لگتا ہے کہ قرآن کریم کی نظر میں بھی ان حسی معجزات کی کوئی وقعت نہ ہوگی (والعیاذ باللہ) حالانکہ ان کی روح میں یہ عظیم الشان موعظت ہے کہ معجزات منکرین کے لئے ہوتے ہیں، پھر منکرین کی درشت طبائع ان سے مستفید بھی نہیں ہوتیں، لہذا یہ کتنا نامناسب ہے کہ اس کے نتائج وعواقب دیکھ لینے کے بعد بھی آج پھر اپنے آپ کو منکرین اور عاقبت نااندیشوں ہی کی صف میں کھڑا کر لیا جائے اور وہی مطالبات جاری رکھے جائیں جو ہمیشہ پورے کئے جاتے رہے ہیں، اور ان کے عواقب بھی ہمیشہ سامنے آتے رہے ہیں، اب اتنی کھلی ہوئی حقیقت کے بعد بھی معجزات

طلبی کی ممانعت سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ یہ حسی معجزات کی بے وقعتی پر مبنی تھا کہاں تک صحیح ہے۔

قیصر روم اور ابوسفیان کے مکالمہ کی حقیقت:

اسی طرح قیصر وابوسفیانؓ کے ''مکالمہ'' کو بھی اس حقیقت پر چپکانا کہ اہل کتاب کے نزدیک حسی معجزات کی کوئی حیثیت نہ تھی، بالکل خلاف واقع ہے، آیئے ملاحظہ فرمایئے کہ اس مکالمہ میں آپ کے متعلق جن اوصاف کا سوال کیا گیا ہے وہ کیا ہیں؟ یہی امور تو ہیں کہ آپ کے خاندان اور اس میں کسی بادشاہ کا ہونا، آپ کی راست بازی، آپ کا وفائے عہد، آپ کے جنگی نتائج اور آپ کے تعلیم وتزکیہ کی تفصیلات، فرمایئے، کہ اگر یہ نبوت کے حقیقی اجزاء ہوں تو کیا صرف ان کے ثبوت سے کسی کا نبی ہونا ضروری ہے، یا ان میں سے بعض کے موجود نہ ہونے سے کسی نبی کی نبوت سے انکار کیا جاسکتا ہے؟ کیا سلیمان علیہ السلام یوسف علیہ السلام بادشاہ نہ تھے، کیا کذب وعہد شکنی دنیا کے دوسرے افراد کے نزدیک بھی معیوب نہیں؟ خود اسی مکالمہ میں ابوسفیانؓ کا یہ مقولہ موجود ہے کہ اگر کفار کی طعنہ زنی کا خطرہ مجھ کو لاحق نہ ہوتا تو اس موقعہ پر میں ضرور جھوٹ بول کر رہتا، اسی طرح شکست وفتح کا تذکرہ بھی دوسرے ملوک اور انبیاء علیہم السلام دونوں کی تاریخوں میں موجود ہے، وغیرہ وغیرہ، پس اس مکالمہ سے یہ سمجھ لینا کہ اس کی بنیاد صرف اس پر تھی کہ معنوی معجزات ہی اصل معجزات ہوتے ہیں، حسی معجزات کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، محض خوش فہمی ہے، ان صفات کو تو نبوت کے اجزاء حقیقی بھی نہیں کہا جاسکتا، البتہ یہ ضرور ہے کہ جو نبی ہوگا اس میں یہ صفات ضرور ہوں گی، مگر یہ ضروری نہیں کہ ہے کہ جس میں بھی یہ صفات موجود ہوں وہ ضرور رسول ہوگا، جیسا کہ یہ ضروری ہے کہ ہر نبی سے خوارق ظاہر ہوں، مگر یہ بالکل ضروری نہیں کہ جس سے بھی خوارق ظاہر ہوں بس صرف اتنی سی بات سے اس کو رسول بھی سمجھ لینا چاہئے، ان سوالات کی بنیاد پر دراصل اس پر تھی کہ ایک آنیوالے رسول کی بشارت پہلے سے کتاب سابقہ میں چلی آرہی تھی، اور اس کی آمد آمد کا اہل کتاب کو انتظار لگ رہا تھا اور اس لئے وہ چھانٹ چھانٹ کر ایسے ہی سوالات کرتے تھے، جو ان کی کتب میں اس آنے والے رسول کے لئے مرقوم تھے، ان کے سامنے نبوت ورسالت کی عقلی کوئی بحث نہ تھی، بلکہ ایک آنے

والے رسول کی صرف معرفت کا سوال درپیش تھا، چنانچہ اسی گفتگو کے آخر میں خود قیصر کے اپنے بیان میں یہ نکتہ بصراحت موجود ہے وہ کہتا ہے کہ ”میں پورے یقین کے ساتھ ایک رسول کی آمد کا علم رکھتا تھا مگر مجھ کو یہ علم نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا“ لہذا اس کے لئے صرف مختصر سا اشارہ کافی ہوگیا، قرآن کریم بھی اسی حقیقت کی بناء پر ان کو یہ الزام دیتا ہے اور آپ کی صفات میں صاف یہ کہتا ہے کہ:

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونهٔ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل ...... وہ لوگ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں، جو نبی امی ہے کہ جس کو اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

بہر حال اہل کتاب کے سامنے اہم سوال یہی تھا کہ وہ آنے والے پیغمبر کو ان صفات پر جانچیں، جو ان کی کتابوں میں اس کی صفات بیان ہوئی ہیں، ان کے سامنے حسی معجزات کے اعجاز وعدم اعجاز کا کوئی سوال نہ تھا، ورنہ یہ کون نہیں جانتا کہ یہود ونصاریٰ ہی تو تھے جنہوں نے اپنے اپنے رسولوں سے وہ وہ احمقانہ معجزات طلب کئے ہیں، جن کو کسی رسول کی صداقت سے دور کا بھی کوئی علاقہ نہیں ہوسکتا، اب آپ ایک بار ان کی تاریخ قرآن کریم میں اٹھا کر پڑھ لیجئے، اس سب کا اعادہ موجب طوالت ہوگا، اس لئے ہم یہاں اس کو نقل نہیں کرتے، اس کے بعد جب آپ کا دور آیا تو کیا انہوں نے ہی نے آپ سے یہ مطالبہ نہیں کیا تھا؟

یسئلک اھل الکتٰب ان تنزل علیھم کتاباً من السماء (النساء)

اہل کتاب تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ تو ان پر لکھی ہوئی کتاب آسمان سے اتار لاوے

کیا ان کا یہ سوال کرنا اسی معجزہ طلبی کی عادت پر مبنی نہ تھا؟ ان کے خیال کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ ان کو آسمان سے تورات عنایت ہوئی تھی، اس لئے وہ چاہتے تھے کہ جیسا پہلے نبیوں نے معجزات دکھائے ایسے ہی معجزات آپ بھی دکھائیں۔

فلیأتنا بایٰة کما ارسل الاولون

اس کو چاہئے کہ ہم کو کوئی ایسا معجزہ دکھائے جیسے پہلے رسولوں نے دکھائے۔

اس لئے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ایسی قوم کے نزدیک حسی معجزات کی کوئی حیثیت نہ تھی؟

حسی معجزات حقیقی معجزات ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ حسی معجزات عوام اور خواص سب کی اصطلاح میں حقیقی معجزات ہوتے ہیں وہ کسی کے نزدیک بھی صرف سطحی اور ظاہری نہیں ہوتے خود قرآن کریم نے ان کا نام ''آیات'' ہی رکھا ہے یعنی ''معجزات وخوارق'' اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیں، ان حسی معجزات ہی کا ذکر فرمایا ہے، محدثین نے بھی ان ہی کو ہمیشہ اعتناء کے ساتھ جمع فرمایا ہے اور کتب دلائل کا بیشتر حصہ ان ہی کے لئے وقف ہوا ہے، اہل کتاب اور منکرین کی طرف سے بھی ان ہی کا مطالبہ ہوتا رہا ہے اور اس بنیاد پر ہوتا رہا ہے کہ یہی وہ نوع تھی، جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوتوں میں ثابت ہوتی رہی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں شق القمر، اسطوانۂ حنانہ، انگشتان مبارک سے پانی کے چشمے ابلنا، کھانوں میں برکت، پانی میں برکت وغیرہ وغیرہ جو تواتر سے ثابت شدہ واقعات ہیں، یہ سب آپ کے حسی ہی معجزات تھے، پھر کون کہہ سکتا ہے کہ حسی معجزات صرف سطحی اور ظاہری ہوتے ہیں اور قرآن پاک کی نظر میں ان کی کوئی حیثیت ووقعت نہیں اور وہ آپ کی زندگی میں نمایاں طور پر موجود نہ تھے؟

ان کے علاوہ آپ کی ولادت سے قبل یا ولادت کے وقت جن عجائبات کا ظہور ہوا تھا وہ سب حسی ہی واقعات تھے۔

حسی معجزات کی اسنادی حیثیت:

''اسنادی'' لحاظ سے جس درجہ کی اسناد تاریخی واقعات کے لئے ہوسکتی ہے، اس سے زیادہ مضبوط اسانید باعتراف محدثین ان کے لئے بھی موجود ہیں، پھر محض ایک غلط بنیاد پر ان کو قبول نہ کرنا بلکہ ان کو ''موضوع'' قرار دینا اور ان کے راویوں کے سر ''وضع'' کی تہمت لگا دینا یہ اسلامی تاریخ پر کتنا بدنما داغ ہے، ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ ان کی اسناد علیٰ درجہ کی نہیں ہیں، مگر یہ لکھ ڈالنا تو اسلامی تاریخ کے متعلق ایک بڑی جسارت ہے کہ:

''مثلاً آپ کے زمانہ میں بت پرستی کا استیصال ہوگیا، کسریٰ وقیصر کی سلطنتیں فنا ہوگئیں، ایران کی آتش پرستی کا خاتمہ ہوگیا، شام کا ملک فتح ہوا، ان واقعات کو معجزہ اس طرح بنایا گیا کہ جب

آپ کی ولادت ہوئی تو کعبہ کے تمام بت سرنگوں ہوگئے، قیصر و کسریٰ کے کنگرے ہل گئے، آتش کدہ فارس بجھ کے رہ گیا، نہر ساوہ خشک ہوگئی، ایک نور چمکا جس سے شام کے محل نظر آنے لگے"۔

اب سوچئے کہ صرف زور قلم میں آکر محض اپنی بے تکی قیاس آرائی پر یہ لکھ دینا کہ واقعات تو یہ تھے، مگر راویوں نے ان کو خود معجزہ بنالیا ہے، کیا یہ شرعاً واخلاقاً درست ہے؟ یہاں راویوں پر صرف ایک وضع ہی کی تہمت نہیں بلکہ ان کے سر اس حماقت کا الزام بھی ہے کہ جو واقعات آپ کے عہد نبوت کے بعد کے تھے، انہوں نے ان کو آپ کے زمانۂ ولادت کا بنا ڈالا۔

منکرین معجزات کی نفسیات:

اگر آپ ذرا غور کریں گے تو یہ تمام نتائج اسی کے ہیں کہ حسی معجزات چونکہ مادی دنیا کو ایک بڑا زبردست چیلنج ہوتے ہیں، اس لئے کمزور طبائع ہمیشہ ان کے مقابلے سے عاجز آکر چاروں طرف کوئی نہ کوئی سہارا تکا کرتی ہیں، ظاہر ہے کہ کسی قدیم رسم کا خاتمہ کردینا یا اپنی سیاست سے کسی سلطنت کا فنا کردینا یا علم وعدالت، صداقت وامانت اور عفت و دیانت اس نوع کا اعجاز تسلیم کرنا مادی عقول کے لئے بھی کچھ مشکل نہیں مگر یہاں دوسری مشکل یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ اعجاز دکھانا گو مشکل نہ ہو، مگر ان کی بناء پر نبوت کا تسلیم کرنا یہ سب سے بڑی مشکل ہے، اس کے برخلاف حسی معجزت ہیں جیسے چاند کا شق ہوجانا یا لکڑی کا چیخ پڑنا وغیرہ یہ ایسے معجزات ہیں جن کو "عقول سافلہ" محالات میں سمجھتی ہیں، تعجب اور صد تعجب ہے کہ اگر دنیا میں یہی واقعات کسی اتفاقیہ صورت میں پیش آجاتے ہیں تو کسی کے نزدیک بھی قابل انکار نہیں ہوتے، بلکہ ان کی تحقیقات کے لئے فوراً ایک کمیٹی بیٹھ جاتی ہے، لیکن جہاں ان حوادث کا رشتہ ذرا بھی مذہب سے وابستہ ہوتا نظر آتا ہے، بس فوراً وہ لغویات کی فہرست میں شمار ہوکر تحقیق سے پہلے قابل انکار سمجھ لئے جاتے ہیں، لہذا معنوی معجزات پر زور دینے والے صرف حسی معجزات کی حقیقت ناشناسی کے جرم کے ہی مرتکب نہیں بلکہ غیر شعوری طور پر "انکار" یا "تاویل معجزات" کی دلدل میں پھنس گئے ہیں اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم نے بہت سے معجزات کی حیثیت نظروں سے گرا کر ایک طرف تو مادی عقول کو اسلام کے قریب کردیا ہے اور دوسری طرف علمی واخلاقی معجزات کا پایہ نظروں میں بلند کردیا ہے۔ ان هم الا يخرصون.

معجزات کی ایک غلط تقسیم وتحلیل

جس طرح کے معجزات کے حقیقی اور اضافی ہونے کی تقسیم غلط ہے، یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ جو کل تک معجزہ تھا وہ علوم جدیدہ اور اکتشافات جدیدہ کے بعد معجزہ باقی نہ رہے، اسی طرح معجزہ کی یہ تحلیل بھی غلط ہے کہ ''معجزہ کا خارق عادت ہونا''۔

(۱) ''کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ نفس واقعہ تو خلاف عادت نہیں ہوتا مگر اس کا وقت خاص پر رونما ہونا خارق عادت ہوتا ہے، مثلاً طوفان آنا، آندھی آنا، زلزلہ آنا، کفار کا باوجود کثرت تعداد کے بے یار ومددگار اہل حق سے خوف کھا جانا وغیرہ تمام تائیدات الٰہیہ اسی قسم میں داخل ہیں''۔

(۲) ''کبھی اس واقعہ کے ظہور کا وقت بھی خارق عادت نہیں ہوتا مگر اس کا طریقہ ظہور خلاف عادت ہوتا ہے، مثلاً انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں سے پانی برسنا، بیمار کا اچھا ہوجانا، آفتوں کا ٹل جانا، کہ نہ تو پانی کا برسنا یا بیمار کا اچھا ہونا، یا کسی آتی ہوئی آفت کا ٹل جانا خلاف عادت ہے اور نہ اس کے ظہور کا کوئی خاص وقت ہے، لیکن جس طریقہ سے اور جن اسباب وعلل سے یہ معجزات ظاہر ہوئے وہ خارق عادت ہیں، استجابت دعا کی قسم اسی میں داخل ہے''۔

(۳) ''کبھی نہ تو واقعہ خارق عادت ہوتا ہے اور نہ اس کا طریق ظہور خارق عادت ہوتا ہے، بلکہ اس کا قبل از وقت علم خارق عادت ہوتا ہے، مثلاً انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیاں''۔

''اس تقسیم کی تفصیل یہ ہے کہ معجزہ کا سبب اور علت براہ راست حق تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ ہے عادات جاریہ اور ظاہری علل واسباب کے پردہ میں ظاہر ہوتا ہے، مثلاً قوم نوح علیہ السلام کے لئے طوفان آنا، قوم ہود کے لئے کوہ آتش فشا کا پھٹنا، یا زلزلہ آنا، حضرت ایوب علیہ السلام کا چشمہ کے پانی سے صحیح وتندرست ہوجانا، قوم صالح کے لئے آندھی آنا، مکہ میں قحط عظیم کا رونما ہونا، غزوۂ خندق میں آندھی چلنا، یہ تمام نشانیاں ظاہری اسباب اور عادات

جاریہ کے خلاف نہیں، لیکن ان اسباب کے ظہور کا سبب جس میں حق کی فتح اور باطل کی شکست ہو محض بخت واتفاق نہیں بلکہ ارادہ ومشیت الٰہی نے خاص ان موقعوں کے لئے بطور نشان کے ان کو پیدا کیا اور کبھی یہ مشیت الٰہی عادات جاریہ اور اسباب ظاہری کا نقاب اوڑھ کر نہیں بلکہ بے پردہ نشان بن کر سامنے آتی ہے، مثلاً عصا کا سانپ بن جانا، انگلیوں سے چشمہ کا جاری ہو جانا، مردہ کا جی اٹھنا، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، پتھر سے چشمہ کا ابلنا، درختوں کا اپنی جگہ سے حرکت کرنا، بے جان چیزوں میں آواز پیدا کرنا کہ ان چیزوں کی تشریح موجودہ علم اسباب وعلل کی بناء پر نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی ان کو عادات جاریہ کے مطابق کہا جا سکتا ہے''۔

معجزہ کی مذکورہ بالا تحلیل پر نظر کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معجزہ کی تینوں قسموں میں سے کوئی ایک قسم بھی خارق عادت نہیں ہوتی، بلکہ کبھی کبھی اس کے ظہور کا وقت بھی خارق عادت نہیں ہوتا، اور کبھی نہ نفس واقعہ خارق عادت ہوتا ہے نہ اس کے ظہور کا وقت، اور نہ اس کے ظہور کا طریقہ کار خارق عادت ہوتا ہے، بلکہ صرف اس کا قبل از وقت علم یہ خارق عادت ہوتا ہے اس بناء پر معجزات کی سب اقسام کا تجزیہ اور تحلیل کر کے یہ ثابت کرنا کہ یہاں نفس معجزات میں کوئی امر خارق عادت نہیں ہوتا، معجزات کی روح کو فنا کر دینا ہے، پھر جس پہلو میں خرق عادت تسلیم کیا گیا ہے، وہ اس کا مادی پہلو ہی نہیں، ایک علمی سا پہلو ہے، مثلاً وقت یا طریق ظہور یا اس کا قبل از وقت علم ہونا ان میں بحث ونظر کو بہت گنجائش مل سکتی ہے، کیا اس تجزیہ وتحلیل کا حاصل قدرت کے بدیہی نشانات کو پھر نظری بنا دینا نہیں؟

پھر جب اس تقسیم کی تفصیل پر نظر کی جاتی ہے تو انسانی عقل اور متحیر ہو کر رہ جاتی ہے کہ کس بیباکی کے ساتھ اس میں نوح علیہ السلام کے طوفان کو عالم کی عادت جاریہ میں داخل کر لیا گیا ہے، وہ طوفان جس کی ابتداء ایک تنور سے شروع ہوئی، یعنی صرف آسمان ہی سے بارش نہیں ہوئی، بلکہ زمین سے بھی پانی ابل پڑا، وہ طوفان جس میں جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ عالم انسانی کی تمام آبادی کو محیط تھا وہ طوفان جو کفار کے اس طرح تعاقب میں تھا کہ اگر کوئی کافر پہاڑ کی چوٹی پر جا چڑھا تو اس نے وہاں بھی اس کو جا پکڑا، وہ طوفان جس سے پناہ کی صورت ''رحمت'' کے سوا ''نبی'' وقت کے سامنے بھی کوئی نہ تھی لا عاصم الیوم من امر اللّٰہ

الا من رحم. اور وہ طوفان جس نے اس وقت تک دم نہ لیا جب تک کہ ایک ایک کافر کو ختم نہ کر لیا اور جب تک کہ اس کو خالق زمین و آسمان کا خطاب ان الفاظ میں براہ راست نہیں پہنچ گیا یآ ارض ابلعی مآئک ویسمآء اقلعی وغیرہ وغیرہ کتنی بڑی جرأت ہے کہ اس طوفان کو دنیا کی عادت جاریہ میں دھر گھسیٹا جائے یا مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بارش کا آنا کتنا تعجب ہے کہ واقعہ کا مشاہدہ کرنے والا صحابی تو اس معجزانہ بارش پر ششدر رہے وہ قسمیں کھا کر کہتا ہے کہ مدتوں سے آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا کہیں نظر نہ آتا تھا، بس ادھر آپ کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے اور ادھر ایک چھوٹی سی بدلی پہاڑ کے پیچھے سے اٹھی وہ تمام آسمان پر پھیلی اور ابھی آپ کے دعا کے ہاتھ نیچے نہ ہونے پائے تھے، کہ ریش مبارک سے بارش کا پانی ٹپکنا شروع ہو گیا، یہ موسلا دھار بارش اگلے ہفتہ تک مسلسل رہی یہاں تک کہ قحط کا شاکی اب بارش کا شاکی بن گیا، وہی ہاتھ پھر اٹھے اور وہی بادل جو حیرت میں ڈال دینے والی صورت سے آ گھرے تھے، اسی حیرتناک صورت سے چھٹنے شروع ہو گئے، راوی پھر قسمیں کھا کر کہتا ہے کہ بس جس طرف انگشت مبارک کا اشارہ ہوتا تھا، فوراً اسی سمت سے بادل پھٹ پھٹ کر مدینہ کے چاروں طرف کا رخ کرتے جاتے تھے حتیٰ کے آپ کی دعاء کے مطابق:

اللھم حوالینا و لا علینا

خدایا اب بارش ہمارے ارد گرد رہے اور ہم پر نہ ہو۔

بارش نے درمیان سے ہٹ کر مدینہ کا حلقہ باندھ لیا، راوی کا پھر حیرت سے بیان ہے کہ اب مدینہ کا نقشہ ایک تاج کی طرح تھا کہ درمیان سے مدینہ خالی تھا اور چاروں طرف بادل کھڑے تھے، اب آپ کو اختیار ہے کہ اگر آپ ہمت کریں تو اس کے متعلق بھی یہ کہہ ڈالیں کہ نہ یہ بارش خارق عادت تھی نہ وقت خاص پر اس کا ہونا یہ خلاف عادت تھا بلکہ جن اسباب وعلل سے یہ بارش ہوئی بس وہ خارق عادت تھے۔

مذکورہ بالا تقسیم میں ''بیمار کا اچھا ہونا'' بھی اسی دوسری قسم میں شمار کیا گیا ہے، اب اس باب کے دو ایک معجزات بھی ملاحظہ فرمایئے، صحیح بخاری میں ہے کہ فتح خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو طلب فرمایا تو اس وقت ان کی آنکھوں میں سخت آشوب تھا،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن مل دیا، پس ان کو ایسا معلوم ہوا کہ آنکھوں میں کبھی آشوب تھا ہی نہیں، اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عتیکؓ جو ابورافع یہودی کے قتل کے لئے گئے تھے، واپسی پر زینہ سے گر پڑے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی، آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیر دیا اور فوراً یہ معلوم ہونے لگا کہ کبھی ان کے چوٹ لگی ہی نہ تھی، اسی طرح سلمۃ بن الاکوعؓ کے تلوار کا زخم لگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر دم کیا اور وہ بھی فوراً صحت یاب ہوگئے، ایک مرتبہ عثمان بن حنیفؓ نابینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور بینائی کے لئے عرض کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دعا تعلیم فرمائی، وہ کہتے ہیں کہ اسی مجلس میں بینائی پیدا ہوگئی، کیا ان سب قسم کے معجزات کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ فی نفسہ یہ واقعات خارق عادت نہ تھے اور ان واقعات کے ظہور کا وقت بھی خارق عادت نہ تھا، صرف اس کا سبب خارق عادت تھا؟

معلوم نہیں جو لوگ معجزات کے قائل ہیں ان کو معجزات میں اتنی تحلیل اور اتنی کتر بیونت کی ہمت اور اہمیت کیوں ہے؟ یہی حال ان زلازل اور آندھیوں کا ہے، جو منکر اقوام کی ہلاکت کے لئے نمودار ہوئیں، یہاں سب سے اہم بات یہ ہے کہ پہلے ان کے متعلق صرف قرآنی پوری تفصیلات ہی کو سامنے رکھئے جو ان واقعات کی اس نے ذکر کی ہیں، پھر جو اسلوب بیان ان کے متعلق اختیار کیا ہے، وہ بھی پیش نظر رکھئے تو آپ پر بداہتاً واضح ہوجائے گا کہ یہ طوفان روزمرہ کے ہوائی جھکڑ نہ تھے، بلکہ کرہ ہوائی کا کوئی خاص تمرد تھا یہ زلزلے زمین میں معمول کے مطابق کسی بخار کی لہر کا اثر نہ تھے، بلکہ خدائی طاقت کا ایک انتقامی جھٹکا تھے، اس کے علاوہ یہاں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ جو واقعات عالم کی عادت جاریہ میں داخل ہوں ان کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ وہ کسی رسول کی تکذیب کا نتیجہ تھے، کیا منکرین پر کچھ حجت ہوسکتا ہے؟ چہ جائے کہ ان کو معجزہ قرار دیا جائے، یہاں صرف اسباب وعلل کی بحث اٹھانی یہ پھر ایک عقلی بحث ہے جس میں مخالف کے لئے بڑی گنجائش نکل سکتی ہے، اگر صورت واقعہ اور وقت کی بحث ختم کردی جائے تو کیا ایک معاند کے لئے یہ تشفی بخش ہوسکتا ہے کہ اس بارش کے برسنے میں یا اس بیمار کی شفایابی میں صرف میری دعا کا دخل ہے۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ ''تمام تائیدات الٰہیہ'' کے متعلق بھی یہ لکھ ڈالنا کہ ان سب صورتوں میں نفس واقعہ، یعنی نفس فتوحات میں کوئی اعجاز کی صورت نہ تھی اور ان میں بھی منطقی تحلیل شروع کردینی درحقیقت ان تمام آیات ربانیہ کی روح فنا کرڈالنی ہے ''غزوۂ بدر'' کے متعلق جو آیات ہیں، آپ ذرا آنکھ کھول کر ان پر نظر ڈالئے، مگر خالی الذہن ہو کر ''فتح حنین'' کی آیات پڑھئے، مگر منصفانہ نظر سے، کیا ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تصور دماغ میں آسکتا ہے کہ یہ فتوحات کچھ خارق عادت نہ تھیں صرف ایک بخت و اتفاق تھا؟ اور بس اسی تفاق کا نام یہاں خرق عادت رکھ دیا گیا تھا پھر ہمارے تعجب کی حد نہیں رہتی جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی بے سروسامانی کی حالت میں بہادر کفار کا مرعوب ہونا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو نہ صرف یہ کہ اس کو معجزات میں شمار فرمائیں، بلکہ اس کو اپنی خصوصیات میں شمار کریں اور لکھنے والے اس کو بھی دنیا کے معمولی واقعات کی صف میں دھر گھسیٹیں، نامنصف قلموں نے تو صرف ایک آپ ہی کے ساتھ قدرت کی تائید کو عام واقعات میں داخل نہیں کیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک عظیم الشان تائید کو بھی یعنی غرق فرعون کو بھی عالم کی عادت جاریہ میں داخل کرنے کی سعی کی ہے، اور اس کو بھی سمندر کے جوار بھاٹے کی ایک عام شکل کہہ کر ڈال دیا ہے۔

پیشگوئیوں کی غلط تحلیل:

اب رہیں انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیاں تو میں بھی قطع برید کے لئے مقراض لگا دینا بہت زیادہ تعجب خیز ہے، جبکہ خود اس کا عنوان ہی پیشگوئی ہے، یعنی دنیا کے معمول کے مطابق جو واقعات پیش آمدہ یا پیش آمدنی ہیں، نہ صرف قبل از وقت بلکہ کسی کی تعلیم وعلم کے بغیر ان کی اطلاع دیدینا، ظاہر ہے کہ اگر ''نبی وقت'' ان کی اطلاع نہ دیتا تو جو واقعات ان میں سے گزر چکے تھے، وہ تو گزر ہی چکے تھے اور جو آنے والے ہیں وہ پیش آکر ہی رہتے، ان دونوں قسموں میں خود نبی کے تصرف کا کوئی دخل نہیں ہوتا اسی لئے کسی نبی نے خود ان واقعات ہی کو اپنا معجزہ قرار نہیں دیا ہے، پہلی دونوں قسموں کی نوعیت اس سے بالکل مختلف ہے وہاں خود ان واقعات ہی کو معجزہ قرار دیا ہے اور ان میں بظاہر نبی کے تصرف کا دخل بھی ہوا ہے، مثلاً اگر نوح علیہ السلام منکرین کے حق میں عام ہلاکت کی بددعا نہ فرماتے، اسی

طرح دیگر انبیاء علیہم السلام خاص خاص عذابوں کا وعدہ نہ فرماتے تو نہ وہ طوفان آتا نہ وہ زلزلے اور آندھیاں آتیں، یہاں ان تمام تائیدات الٰہیہ کی بھی تحلیل کر ڈالنی درحقیقت ان کی اصل روح کو فنا کر دیتی ہے، اگر اس تقسیم کی بجائے معجزات کی تقسیم یوں کی جاتی کہ بعض معجزات ''علمی'' ہوتے ہیں اور بعض ''عملی'' تو بہت صحیح اور مناسب ہوتا، یعنی بعض معجزات وہ ہوتے ہیں جن میں نبی کے تصرف کا کچھ دخل نظر آتا ہے اور بعض وہ ہوتے ہیں جن میں نبی کے تصرف کا کوئی دخل نہیں ہوتا، وہ صرف علمی معجزات ہیں، جیسے نبی کی پیشگوئیاں وغیرہ، لیکن مذکورہ بالا تقسیم کی بناء پر تو اکثر معجزات میں اعجاز کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہتی اور جب وہاں ارادۂ الٰہیہ کا ظہور صرف عادت جاریہ کے ماتحت قرار دیا جائے تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان معجزات کے ''معجزات'' ہونے کا ثبوت ہی کیا رہتا ہے؟ کسی واقعہ کے متعلق یہ اقرار کر لینے کے بعد کہ ''نفس واقعہ میں تو کوئی امر خارق عادت نہ تھا، صرف وقت خاص پر اس کا ظہور یا صرف اس کا طریق ظہور خارق عادت تھا'' اس کے معجزہ ہونے میں کتنا تردد کا باعث بن سکتا ہے، اس کا مقصد غالباً یہ ہے کہ ''تمام تائیدان الٰہیہ''، ''اخبار غیب'' اور ''استجابت دعا'' کی انواع جن میں ہزاروں معجزات داخل ہیں، ایسی سطح پر کھینچ لائے جائیں جن میں عقول مادیہ کے لئے کوئی تعجب کی جگہ باقی نہ رہے، مگر جبکہ ان کی تحلیل منطقی کرنے کے بعد خرق عادت کا ''شاخسانہ'' کسی نہ کسی مرتبہ میں پھر بھی لگا ہی رہے تو ایک فہیم انسان کے لئے اس تقسیم کا فائدہ تطویل مسافت کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا۔

آیئے اب ان معجزات پر نظر کریں جن کے متعلق یہ لکھا گیا ہے کہ ان میں مشیت الٰہیہ عالم کی عادت جاریہ کے خلاف پس پردہ نہیں بے پردہ ہو کر سامنے آ گئی ہے، اس کی مثالوں میں سے پتھر سے پانی کا نکلنا، بے جان چیزوں میں آواز پیدا ہونا شمار کیا گیا ہے۔

ہم کو معلوم نہیں کہ اس سے کیا مراد ہے، کیونکہ پتھروں سے پانی نکلنا یہ بھی عالم کی عادت جاریہ میں داخل ہے، خود قرآن کریم میں ہے وان منها لما يتفجر منه الانهار و ان منها لما يشقق فيخرج منه الماء و ان منها لما يهبط من خشية الله۔

غیر ذی روح میں آواز کا پیدا ہو جانا تو آج کل ٹیلیفون، تار، گراموفون اور ریڈیو

وغیرہ میں عام بات ہے اگر چہ وہ کسی ذریعہ سے ہو، اور سامری کے ''گوسالہ'' میں آواز کا پیدا ہونا اور اس کی علت اور سبب خود قرآن پاک میں بھی مذکور ہے، اسی طرح ''شق القمر'' کی توجیہ ''تاویل معجزات'' کے عنوان کے تحت ان ہی اوراق میں آپ کے سامنے آنے والی ہے، تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ کہ جب کبھی معجزات کا ظہور ہوا ہے تو ہمیشہ بہیئت مجموعی کسی بھی تحلیل کے بغیر ان کو معجزہ تسلیم کیا گیا ہے اور کبھی ان کی تحلیل کی طرف کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوا، خدانکردہ اگر اسی قسم کا تجزیہ اور تحلیل آیات قرآنیہ میں بھی شرع کردی جائے تو نوبت الحاد تک بھی پہنچ سکتی ہے، اگر یہ تمام تفصیلات اور تقسیم کسی منکر معجزات کے قلم سے ہوتیں تو ہم کو کچھ تعجب نہ ہوتا، تأسف افسوس تو یہ ہے کہ یہ ایسے قلم سے نکلی ہیں جو منکرین کے مقابلے کے لئے میدان میں نکلا ہے۔ یفعل اللّٰہ مایشاء ویحکم ما یرید۔

ایک اور مغالطہ کی اصلاح:

یہاں ایک اور ''مغالطہ'' کا رفع کردینا بھی ضروری ہے جو نہ صرف عوام کو بلکہ بعض خواص کو بھی پیش آسکتا ہے، ایک انسان جب صفحات تاریخ میں خطرناک زلزلے اور ہیبتناک آندھیوں کا تذکرہ پڑھتا ہے اور کسی نبی کی تکذیب سے ان کا تعلق نہیں دیکھتا اور آج بھی جب تباہ کن طوفانوں کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ ان اشیاء کو عالم کی ''عادت جاریہ'' سمجھنے پر مجبور ہوجاتا ہے اور ان کے متعلق کسی نبی کی تکذیب کا نتیجہ کہنے میں تأمل کرنے لگتا ہے ادھر جب ایک مذہبی دماغ ان ہی واقعات کو انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی فہرست میں پاتا ہے تو وہ اس پر مجبور ہوجاتا ہے کہ ان کے معجزہ بنانے کی کوئی ایسی معقول ''توجیہ'' پیدا کرے جو ایک آزاد دماغ کے لئے بھی قابل تسلیم ہوسکے۔

ہمارے نزدیک یہ فکر معجزہ کی صحیح حقیقت تک نارسائی پر مبنی ہے، سب سے پہلے تو ہمیں یہ کہدینا کافی ہے کہ ان واقعات کو نبی کے معجزات سے الگ شمار کرنا ہی درست نہیں بلکہ یہ حوادث بھی نبی کی پیشگوئیوں میں داخل ہیں، حدیثوں میں آخر زمانے میں ''زلازل'' اور ''حوادث'' کی کثرت بصراحت موجود ہے اور اس کے اسباب تک بھی مذکور ہیں، پھر ان کو بھی کیوں نہ معجزات کی فہرست میں شمار کیا جائے، لیکن اگر اس سے بھی تشفی نہ ہو تو پھر یہ

سمجھئے کہ معجزہ کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت، معجزہ کی صورت وہ ہوسکتی ہے جو عالم کے اور واقعات کی صورت ہوتی ہے، لیکن اس کی حقیقت ہر جگہ اور ہمیشہ ان سے مختلف ہوتی ہے اور کبھی ان سے متحد نہیں ہوسکتی، اس صوری اشتراک کی وجہ سے ہمیشہ مغالطہ پیدا ہوجاتا ہے اور جب تک حقیقت کے انکشاف کا وقت نہیں آتا یہ مغالطہ باقی ہی چلا جاتا ہے، مثلاً عصائے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھئے جس کو عالم کی عادت جاریہ کے خلاف شمار کیا گیا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ظاہر فرمایا تو ساحرین فرعون نے اس کو یہی سمجھا کہ وہ بھی ان ہی کی سحر کی ایک نوع ہے حتیٰ کے اس کے مقابلہ کے لئے ایک دن بھی مقرر کرلیا اور اپنی رسیاں لے کر آدھمکے اور ایسا تماشا دکھلایا کہ ایک مرتبہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی فرعونیوں کی ''غلط فہمی'' کا خطرہ پیدا ہونے لگا، لیکن جونہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا اور دونوں حقیقتیں بالمقابل ہوئیں تو یہ بات صاف ہوگئی کہ معجزہ کی حقیقت کچھ اور تھی اور ساحرین کے تماشہ کی کچھ اور یہی وجہ تھی کہ فرعونیوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے وہی تھے جو سب سے پہلے مقابلے کے لئے نکلے تھے، انہوں نے دیکھ لیا کہ یہ معجزہ حقیقت میں ان کے تماشے سے بالکل علیحدہ حقیقت رکھتا ہے، پس صورت تو دونوں کی سانپ ہی کی تھی، مگر حقیقت میں دونوں کے درمیان وہی فرق تھا جو سونے اور ملمع میں ہوتا ہے، اسی طرح بارش، زلزلے اور آندھیاں اور استجابت دعاء کو سمجھ لیجئے ان سب مقامات پر معجزہ اور حوادث جاریہ میں گو صوری اشتراک نظر آتا ہے مگر ان کی حقیقتوں میں کوئی مناسبت نہیں ہوتی، یہی وجہ تھی کہ جب کبھی گھٹا آتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل وحرکت میں پریشانی کے اثرات نمایاں ہونے لگتے تھے، یہاں تک کے بارش ہوکر برس نہ لیتی تھی، آپ فرماتے تھے ''عائشہ! مجھ کو خوف ہوتا ہے کہ کہیں یہ وہ بادل نہ ہوں جو ''وافد عاد''[1] لے کر اپنی قوم کے پاس گیا تھا'' اور جب بارش ہونے لگتی تو آپ مطمئن ہوجاتے اور یہ بات صاف ہوجاتی کہ یہ وہ خاص بادل تھے یا عالم کی عادت جاریہ والے بادل۔

---

[1] یہ شخص عاد کی قوم نے بارش کے دعا کے لئے روانہ کیا تھا، مکہ مکرمہ قدیم سے استجابت دعا کی جگہ مشہور تھی، مختصر یہ کہ اس کی دعا پر دو بادل اٹھے اس نے ایک سیاہ بادل کو یہ سمجھ کر پسند کیا کہ اس میں زیادہ پانی ہوگا، جب وہ اس کو ساتھ لے کر اپنی قوم کے پاس آیا تو اس میں سے عذاب کی بارش برسی اور سب قوم ہلاک ہوگئی۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک سے پانی ابلا، صحابہؓ نے اپنی اپنی ضرورت کے لئے اس کو محفوظ کرنا شروع کر دیا، مگر حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ میں تو کوشش کر کے جتنا مجھ سے ہو سکا اس کو پیٹ میں ڈالتا رہا، کیونکہ میں یہ سمجھ گیا تھا کہ یہ عام پانی سے الگ کوئی برکت والا پانی ہے، حضرت ابن مسعودؓ کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ وہ اس اعجازی پانی کو عام پانی سے ممتاز سمجھ رہے تھے، اسی حقیقت کو ادراک نہ کرنے کی وجہ سے بہت سے علماء کو معجزات اور کرامات میں فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے، آخر انہوں نے لکھا ہے کہ ولی کی کرامات جس نبی کی اتباع سے حاصل ہوتی ہیں وہ اس نبی کا معجزہ ہوتی ہیں، یہ بھی درست ہے لیکن حافظ ابن تیمیہؒ نے یہ تنبیہ کی ہے کہ نبی کا ایک معجزہ کسی ولی کی مدت العمر کی کرامات کے مقابلے میں زیادہ وزنی ہوتا ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ ولی کی کرامت گو نبی کا معجزہ سہی، مگر حقیقت اس کرامت کی پھر بھی اس معجزہ کے برابر نہیں ہوتی، جو نبی سے بلا واسطہ ظاہر ہوتا ہے، اس فرق کو ایسا ہی سمجھئے جیسا، وحی اور الہام، الہام اگرچہ نبی کے اتباع ہی کا نتیجہ ہوتا ہے، لیکن پھر ''وحی'' کہاں اور ''الہام'' کہاں، وحی کی شوکت اور قطعیت کے مقابلے میں الہام میں نہ وہ شوکت ہوتی ہے نہ قطعیت نہ وزن نہ اتنی صفائی یہی وجہ ہے کہ وحی حجت ہے اور الہام حجت نہیں، اگر اس تحقیق کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو بہت سے اشکالات رفع ہو سکتے ہیں اور اگر یہ حقیقت سمجھنی بھی آپ کو مشکل ہو تو ایک سیدھی سی بات یہ ہے کہ ''معجزہ'' اور ''آیات'' میں اصطلاحاً کچھ فرق ہے، آیت کا ترجمہ نشانی ہے پہلے گزر چکا ہے کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے سب معجزات کا نام ''آیات'' رکھنا ہی پسند فرمایا ہے، اس لحاظ سے اس قسم کے زلازل اور آندھیاں وغیرہ تاریخی جتنے واقعات بھی ہیں وہ بہت آسانی کے ساتھ آیت (نشانی) کی فہرست میں آ جاتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ جب یہی واقعات انبیاء علیہم السلام کے توسط کے بغیر ظاہر ہوں تو وہ ''آیات اللہ'' یعنی خدا تعالیٰ کے وجود کی نشانی اور آیات کہلاتے ہیں اور جب انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے ظاہر ہوں تو وہ ان کی تصدیق کیلئے نشانی اور ''آیت نبوت'' کہلاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج کل بھی ان غیر معمولی حوادث کا نام دنیا میں خدائی عذاب رکھا جاتا ہے اور اس قسم کے واقعات کو قرآن کریم میں جا بجا قدرت کی آیات کے ذیل میں شمار کرایا گیا ہے۔

معجزہ اور جادو

قدرت نے اس عالم کو روز اول سے ''خیر وشر'' کا مجموعہ بنا کر پیدا فرمایا ہے کہ ایک طرف اپنے ''مقرب فرشتے'' پیدا کیے تو اس کے بالمقابل ''شیاطین'' کا ناپاک گروہ بنایا اسی طرح ایک انبیاء علیہم السلام کی مقدس جماعت مبعوث فرمائی تو اس کے بالمقابل ''دجالوں'' کا ناپاک گروہ بھی ظاہر فرمایا پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ نبوت کے مقابلے میں کوئی دوسری شے پیدا نہ فرمائی جاتی، اور وہ ''کہانت وسحر'' تھی، خیر وشر کی ان مرکزی طاقتوں میں بھلا کیا مناسبت تھی، مگر اس ''دارالالتباس''[۱] میں آ کر ان میں پھر اتنا التباس رہا کہ ایک ملعون جماعت نے مسیح ہدایت کو دجال قرار دے ڈالا اور دجال مسیح ہدایت ٹھہرانے کا فیصلہ کرلیا۔

ترجمان السنہ کی جلد سوم میں آپ یہ معلوم کر چکے ہیں کہ معجزہ وسحر میں کوئی التباس ہی نہیں ہے یہ دونوں چیزیں اپنی ماہیت، اپنے فاعل اور اپنی غایت ہر لحاظ سے ممتاز ہیں، معجزہ کا ظہور وتضرع وابتہال اور کلمات طیبہ وغیرہ سے ہوتا ہے اور سحر کا کلمات شرکیہ، نفسی توجہ اور ارواح خبیثہ کی استعانت سے، صاحب معجزہ قدسی صفات کا ہوتا ہے اور ساحر خبیث النفس، معجزہ کی غایت وغرض معرفت ربوبیت اور نجات آخرت ہے اور سحر کا مقصد متاع دنیا صاحب معجزہ کا انجام نجاح وفلاح ہے اور ساحرین کا خیبت وخسران۔

آپ نے دیکھا کہ یہ دونوں مقابل حقیقتیں کتنی علیحدہ علیحدہ وممتاز ہیں، لیکن اس دنیا کے نہاد میں چونکہ التباس رکھا ہوا تھا، اس لئے پھر ان میں اتنا التباس باقی رہ گیا کہ تصنیف کا قلم جتنی جتنی اس کی وضاحت کرتا رہا یہ مشکل نافہموں کے لئے اتنی ہی اور الجھتی چلی گئی مگر یہ کشمکش جتنی بھی رہی صرف ذہنی اور کاغذی حد تک ہی رہی اور جب کبھی نبی ودجال اور معجزہ وسحر مقابل آ گئے تو یہ دونوں حقیقتیں نور وظلمت کی طرح ہر خواندہ وناخواندہ کے لئے ایسی ممتاز ہو گئیں کہ کسی کو ان کے درمیان کوئی اشتباہ باقی نہ رہا، اس لئے اگر آپ کے ذہن میں معجزہ وسحر

---

[۱] اشتباہ کی دنیا ۱۲

کے درمیان کچھ التباس باقی ہے تو اس کو ان کی حقیقتوں کا اشتباہ نہ سمجھئے بلکہ اس عالم کی فطرت کا نتیجہ سمجھئے تمیز اور امتیاز کامل کا مقام آخرت ہے، جہاں خیر وشر کے درمیان پورا پورا امتیاز بدیہی ہو کر سامنے آجائے گا اگر یہ قطعی فیصلہ کلیۃً آج یہیں ہو جائے تو عالم غیب وشہادت کا فرق ختم ہو جائے، ثواب وعذاب کا سارا فلسفہ غیب کے ذرا سے پردہ ہی میں تو مستور ہے اس کے باوجود اگر آپ اس کو الفاظ کے حدود میں سمجھنا چاہتے ہیں تو یوں سمجھ لیجئے کہ

(۱) معجزہ قدرت کا فعل اور ایک آیت ربانیہ ہوتا ہے اور سحر ساحر کا اپنا بنایا ہوا کھیل۔

(۲) معجزہ نبی کے اپنے ارادے کے تابع نہیں ہوتا کہ جب وہ چاہے دکھا سکے اور سحر ساحر کے اپنے ارادہ کے تابع ہوتا ہے اور جب وہ چاہے اس کو دکھا سکتا ہے اسی لئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساحر قرار دیا گیا تو جس طرح ہر بشری صنعت کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اسی طرح ان کے مقابلہ کرنے کے لئے بھی ساحرین کو دعوت دی گئی مگر جب ساحرین نے آکر یہ دیکھ لیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ قدرت بشری سے خارج ہے اور ایک ”آیت ربوبیت“ ہے تو وہ فوراً رب موسیٰ وہارون پر ایمان لانے کے لئے مجبور ہو گئے، پھر اس فیصلہ کے لئے کوئی مدت خرچ نہیں ہوئی بلکہ جونہی معجزہ وسحر مقابل ہوئے بس فوراً اسی وقت دونوں حقیقتیں نور وظلمت کی طرح ممتاز ہو گئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر ایک اجمالی نظر جس سے معجزہ اور جادو وغیرہ کے درمیان امتیاز کرنے میں مدد ملتی ہے

(۱) کسی واقعہ سے ثابت نہیں ہوتا کہ کسی معجزہ کے اظہار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد کبھی اظہار برتری تھا اور نہ کبھی نام ونمود کے لئے اس کا تذکرہ کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتا ہے، ہاں اگر آپ کی پیشگوئی کے مؤید کوئی واقعہ اتفاقیہ طور پر ظاہر ہو گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور اس کو اپنی نبوت کی صداقت کے ظہور کے لئے بنگاہ استحسان دیکھا ہے۔

(۲) یہ کبھی ثابت نہیں ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے معجزات کے لئے ہمیشہ

کسی بڑے مجمع کی تلاش کی تھی بلکہ سب مشیت ایزدی کبھی جماعتوں میں اور کبھی بہت ہی محدود افراد میں اور کبھی ایک ہی شخص کے سامنے معجزہ کا ظہور ہوا ہے، ایک بار قضائے حاجت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دو درختوں کا بغرض ''سترہ'' اپنی جگہ سے ہٹ کر آجانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فراغت کے بعد پھر ان کا اپنی اپنی جگہ واپس ہو جانا صرف اس صحابی کا بیان ہے جو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھا۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات اس قسم کے بھی ہیں جن میں نباتات و جمادات وحیوانات نے ازخود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام یا حفاظت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یا آپ کے کسی صحابی کے لئے حصہ لیا ہے اور ظاہری طور پر وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل نہ تھا، مثلاً مکڑی کا غار ثور پر جالا تننا یا شہد کی مکھیوں کا عامرؓ یا عاصمؓ کے جسم کی حفاظت کرنا۔

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے برکات سے متعلق ہیں، جیسا کہ ''لعاب دہن'' سے حضرت علیؓ کی آنکھوں کا آشوب دور ہو جانا، سلمہ بن الاکوعؓ کی ٹانگ کا درست ہو جانا وغیرہ، مگر جب جنگ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود زخمی ہوئے تو ایسے نازک وقت میں بھی پھر اس اعجاز کا ظہور نہ ہوا۔

(۵) کھانے، پینے میں برکت اور انگشتان مبارک سے پانی کے چشمے ابلنے کی برکات خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی بجائے اکثر سفروں میں یا دوسروں کے گھروں میں ظاہر ہوئی ہیں اور زیادہ تر اس کا فائدہ دوسروں ہی نے اٹھایا ہے۔

(۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تک بھی باقی رہے ہیں اور بعض ایسے ہیں، جن کا ظہور ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہوا ہے، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی کھجوروں میں برکت پہلی قسم کی اور ''اخبار غیب'' کا ایک بڑا حصہ دوسری قسم کی مثال ہے، سحر میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوتیں وہ ساحر کے وجود کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔

(۷) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا جو حصہ ''اخبار غیب'' سے متعلق ہے اس میں عالم کے حوادث کے علاوہ اشراط ساعت، مبدأ ومعاد اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے اہم

حالات زندگی بھی شامل ہیں، جن میں قیاس و تخمین کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا، اور نہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرا کوئی شخص ان کے متعلق لب کشائی کر سکا ہے۔

(۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں ایک بڑا حصہ آپ کی ''استجابت دعا'' سے متعلق ہے۔

(۹) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے، جو کسی شدید ضرورت میں ظاہر ہوا تھا مگر اس سے بڑھ کر ضرورتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو صرف صبر و سکون کی تلقین فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔

(۱۰) قرآن کریم کے علاوہ کسی اور معجزہ کے متعلق یہ یاد نہیں آتا کہ آپ نے کبھی کافروں کو اس کے مقابلے کی دعوت دی ہو۔

(۱۱) آپ کے معجزات میں کھانے پینے کی اشیاء میں برکت ہمیشہ اس وقت ظاہر ہوئی ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تھوڑا سا پانی یا کھانا وغیرہ منگا لیا ہے، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ یونہی محض عدم سے کھانا یا پانی موجود ہو گیا ہو اور کھانے کے ڈھیر لگ گئے ہوں یا پانی کے چشمے پھوٹ پڑے ہوں، جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:-

اور اسی طرح جن بھی بسا اوقات لوگوں کے پاس ایسی کھانے پینے اور خرچ کرنے وغیرہ کی چیزیں لاتے ہیں جو وہ لوگوں کے اموال میں سے لیتے ہیں اور یہ اسی قسم کی چیزیں ہوتی ہی جو ایک انسان چرا کر دوسرے انسان کے پاس لاتا ہے، لیکن جن یہ کھانے پینے کی چیزیں اس جگہ لاتے ہیں جہاں وہ نہیں ہوتیں، اسی لئے اس قسم کے تصرفات نبی کے تصرفات کبھی نہیں ہوتے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزہ کی صورت تو یہ ہوا کرتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کسی برتن وغیرہ کے) پانی کے اندر دست مبارک رکھ دیتے تھے اور پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے (چشمے کی طرح) پھوٹ نکلتا تھا، یہ ہے وہ معجزہ جس پر نہ کوئی انسان قدرت رکھتا ہے نہ جن، اسی طرح تھوڑا سا کھانا (آپ کے ہاتھ لگانے سے) بہت سا ہو جاتا تھا، اس پر بھی نہ کوئی انسان قادر ہے نہ جن، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بطور معجزہ) غیب سے کوئی کھانے پینے کی چیز کبھی نہیں لائے، ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

بعض صحابہؓ سے کبھی کبھی اس قسم کے واقعات ظہور میں آئے ہیں، جیسا کہ حضرت خبیب بن عدیؓ کے پاس جبکہ وہ کفار کی قید میں تھے، انگوروں کے خوشے مہیا کر دیئے گئے، اس قسم کے امور حضرات انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات میں سے نہیں ہیں (دیکھئے) حضرت مریم علیہا السلام نبی نہ تھیں مگر ان کے پاس کھانے کی چیزیں (اور بے فصل میوے) مہیا کر دیئے جاتے تھے۔ (کتاب النبوت ص ۱۱۵)

غرض سحر اور عمل تنویم وغیرہ سب کسبی فنون ہیں ہر کسی کو کسب سے حاصل ہو سکتے ہیں اور دیگر ملکات کی طرح ہر وقت وہ انسان کے اختیار میں ہوتے ہیں، ان میں آخرت کی فلاح کا کوئی تصور نہیں ہوتا اور اسی لئے خدا تعالیٰ کی مخلوق کی نظروں میں ساحر یا عمل تنویم کرنے والوں کا کوئی احترام نہیں ہوتا، سحر اور عمل تنویم کی تفصیلات معجزات کی مذکورہ بالا تفصیلات سے بالکل جدا ہیں۔

(۱۲) سحر کا بیشتر تعلق دنیوی معاملات یا دنیوی تصرفات و اخبار سے ہوتا ہے، ''مبداء و معاد'' سے اس کا تعلق بالکل نہیں ہوتا، اس کے برخلاف نبوت ہے کہ اس کا تمام تر تعلق مبداء و معاد سے ہوتا ہے، اس کی دعوت ''الوہیت و وحدانیت'' کی اور اسی طرح صفات الوہیت کی تفصیلات کے بیان کرنے سے ہوتا ہے، سحر کا ان اہم امور سے کوئی ادنیٰ راستہ بھی نہیں ہوتا۔

نبیٔ اکرم ﷺ کے معجزات دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی طرح قرآن میں مذکور کیوں نہیں؟

ہمارے نزدیک یہ سوال ہی ساقط ہے سب سے پہلے تو اس لئے کہ اگر سوال کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام معجزات کیوں مذکور نہیں ہیں تو یہ سوال ہی لغو ہے اور اگر مطلب یہ ہے کہ کوئی معجزہ بھی مذکور نہیں'' تو یہ غلط ہے، جبکہ حسی اور معنوی ہر قسم کے معجزات اس میں موجود ہیں، کیا شق القمر، معراج جسمانی اور عظیم الشان پیشگوئیاں وغیرہ وغیرہ اس میں مذکور نہیں، لیکن چونکہ اس مہمل سوال پر بھی علماء کا قلم اٹھ چکا ہے، بناء بریں چند سطریں ہم بھی یہاں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:-

پہلی وجہ:

ہمارے نزدیک انبیاء سابقین کے معجزات کا اہتمام قرآن کریم میں اگر کیا گیا ہے کہ اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ سب عملی تھے ان کا ثبوت مستقبل زمانوں اس کے سوا اور کیا تھا کہ خود وحی سماوی ان کی تصدیق کر دیتی ورنہ وہ معجزات اپنے اپنے زمانوں میں ظاہر ہو کر خود بھی معدوم ہو چکے تھے اور گذشتہ امتوں کے ہاتھ میں ان کے ثبوت کے مستند ذرائع بھی سب معدوم ہو چکے تھے اس لئے اب یہی ایک صورت باقی تھی کہ قرآن کریم ان پر مہر تصدیق ثبت کرتا، اس کے برخلاف آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی معجزات کو تو خود دنیا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہی تھی اور مستقبل میں اس کے لئے انبیاء سابقین کے معجزات کی تصدیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان معجزات کی تصدیق کیلئے بھی کافی تھی، کیونکہ دونوں

ایک ہی جنس کے تھے، جب قرآن کریم نے ایک باران کی تصدیق فرمادی تو اب اس کی اہمیت کیا رہی کہ ان ہی انواع کے معجزات کا تذکرہ بار بار پھر کیا جاتا۔

دوسری وجہ:

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ خیال ہی درست نہیں کہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا تذکرہ ان کے اصل مقصود ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے، بلکہ اصل مقصد انبیاء سابقین کا تذکرہ کرنا تھا اور جب ان کی نبوتوں کا ذکر کیا گیا تو اب ان کے دلائل نبوت کا ذک کرنا بھی خود بخود لازم ہوگیا اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تھی اس کی تصدیق کے لئے ایک طرف قرآن کریم درخشاں ثبوت موجود تھا اور آپ کے دوسرے معجزات کے لئے تواتر اور احادیث معتبرہ گواہی دے رہی تھیں اس لئے آپ کی نبوت حال و مستقبل میں یکساں ثابت تھی آپ کے دوسرے معجزات کے ذکر کرنے کی احتیاج ہی کیا رہی تھی۔

تیسری وجہ:

انبیاء علیہم السلام کے جن معجزات کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے وہ ان کے خاص خاص معجزات ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ''خاص معجزہ'' قرآن کریم ہے اس لئے جب ان کے عام معجزات قرآن کریم میں مذکور نہیں تو پھر آپ کے عام معجزات مذکور کیوں ہوں؟

چوتھی وجہ:

جب آپ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل یعنی سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم تھا تو شاید اب حکمت الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ دوسرے معجزات اسی نمبر پر نہ آئیں، خواہ اپنی اپنی جگہ وہ کتنے ہی عظیم الشان تھے مگر ظاہر ہے کہ وہ پھر ''افعال الٰہیہ'' تھے اور یہ ''کلام الٰہی'' ہے اور جو نسبت کلام کو متکلم کے ساتھ حاصل ہوتی ہے وہ افعال کو نہیں ہوتی اسی لئے پہلی امتوں کو خدا تعالیٰ کی ذات کا جو تعارف کرایا گیا تھا وہ اس کے خاص خاص افعال سے کرایا گیا اور جب ان میں کچھ استعداد پیدا ہوگئی تو آخر میں ''تعارف ایزدی'' کے لئے خود ''کلام ایزدی'' نازل ہوگیا جس سے بڑھ کر اس عالم میں رب العالمین کے تعارف کی کوئی اور صورت ممکن نہیں،

اس کے بعد اگر کوئی نمبر ہے تو وہ مشاہدہ کا ہے جو اس عالم میں ایک مقدس اور بزرگ ترین ہستی کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوا اور وہ برگزیدہ ہستی وہی تھی جس پر یہ کلام نازل ہوا ہے، صلوات اللہ وسلامہ علیہ، لہذا یہی ایک معجزہ ہر معجزہ سے مستغنی کرنے والا تھا۔

پانچویں وجہ:

انبیاء سابقین کی نبوت دائمی نہ تھی اور مستقبل زمانوں کے ساتھ ان کا تعلق بجز ان پر ایمان لانے کے اور کچھ باقی نہ رہا تھا، اس لئے ان کو وہی معجزات عطاء ہوئے جو اپنے زمانوں میں ایمان لانے کے لئے کافی تھے، پھر ان کی نبوتوں کا دور ختم ہو جانے اور ان کے ان معجزات کے معدوم ہو جانے کے بعد یہ مناسب تھا کہ کم از کم ان کا تذکرہ بیان میں آتا رہتا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت دائمی تھی، اس لئے آپ کا سب سے بڑا معجزہ بھی ایسا ہی ہونا چاہئے تھا جو دائمی ہو اور خود بے شمار[1] معجزات پر مشتمل ہو دوسرے معجزات جو آپ سے سرزد ہوئے وہ ان کے مشاہدہ کرنے والوں کی حد تک محدود رہے ان میں سے کچھ تو منکرین کی فرمائش پر ظاہر ہوئے جیسا ''شق القمر'' اور بہت سے کسی شدید ضرورت میں ظہور پذیر ہوئے، گو وہ کتنے ہی عظیم الشان تھے، مگر پھر بھی آپ کی نبوت کے ثبوت کا اصل مدار نہ تھے، یہ شان تھی تو ایک قرآن کریم کی تھی، اب اگر ان سب حسی معجزات کو نظم قرآنی میں لے لیا جاتا تو مستقبل میں خود ان کا وجود باقی نہ رہنے کی وجہ سے ان میں عقلی بحثیں شروع ہو جاتیں اور بدنصیبوں کے لئے ان کے ایمان لانے میں نہ معلوم کتنی بیشمار رکاوٹوں کا باعث بن جاتیں اس لئے رحمت الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ ایک بار ان کا مشاہدہ کرا کے حدیثوں تک ان کو محدود رکھا جائے اور ان سب کو قرآن کی قطعیت کے رتبہ میں نہ پہنچایا جائے، جہاں پہنچ کر چوں و چرا کا میدان ختم ہو جاتا ہے اس کے باوجود آپ دیکھتے ہیں کہ ان حدیثی معجزات میں کافر نہیں خود مسلمان آج تک کتنا الجھ رہے ہیں، اگر یہ سب معجزات قرآن کریم میں مذکور ہو جاتے تو بولئے آج ان متشککین مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا، اس کے برخلاف قرآن کریم ہی وہ آفتاب آمد دلیل آفتاب بن کر خود صفحۂ عالم پر جگمگا رہا ہے جس کو دیکھ کر کفار بھی حیرت زدہ

---

[1] حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ تنہا قرآن کریم دس ہزار معجزات پر مشتمل ہے (دیکھو الجواب الصحیح)

خاموش ہیں، اس کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ اگر یہ فرسودہ کہانیاں ہیں تو جاؤ تم سب مل کر اس کا مثل، اس کی ایک سورۃ کا مثل، بلکہ ایک آیت ہی کا مثل لے آؤ، تاریخ سے پوچھ دیکھو دوسرے قسم کے معجزات میں شبہات نکالنے والے یہاں پہنچ کر کیسے مبہوت اور لاجواب کھڑے ہیں، اس معجزہ کے بعد کسی اور معجزہ کے ذکر کی حاجت ہی باقی نہیں رہی فبای حدیث بعدہٗ یؤمنون۔

چھٹی وجہ:

چھٹی وجہ جو سب سے بڑی بات ہے وہ یہ ہے کہ ''کلام الٰہی'' دراصل دنیا میں یہ روح پھونک دینا چاہتا ہے کہ اب ''عجائب پرستی'' کا شوق ختم ہو جانا چاہئے، دنیا کی آنکھوں کے سامنے قدرت کے عجیب سے عجیب کرشمے آچکے اب ان کے بجائے ''خدا پرستی'' کا شوق پیدا ہو جانا چاہئے، کہ ان عجائبات کے ظہور کا اصل منشاء یہی خدا پرستی کا شوق تھا، جب اصل مقصد منظر عام پر آچکا ہے تو اب اسباب و ذرائع کی طرف نظریں کیوں تک رہی ہیں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام معجزات کا ایک ایک کر کے تذکرہ کر دیا جاتا تو بقول ''دیوانہ راہ ہوئے بس است'' پھر دنیا اپنے اسی قدیم ذوق میں جا پھنستی، اس لئے جب اس قسم کے عجائبات کا تذکرہ آیا تو قصۂ ماضی بن کر آیا، اب خدائے تعالیٰ کی ''تازہ وحی'' آنکھوں کے سامنے ہے جس کی ایک ایک آیت سے عجوبہ پرستی کی بجائے خدا پرستی کا نشہ پیدا ہو جاتا ہے فسبحان اللّٰہ حین تمسون و حین تصبحون و له الحمد فی السمٰوٰت والارض وعشیاً و حین تظھرون.

ساتویں وجہ:

آخر میں ساتویں یہ وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ قرآن پاک کے علاوہ جتنے ''عملی معجزات'' ہیں ان میں اور سحر میں ہر پہلو سے امتیاز ہونے کے باوجود پھر ذرا سا التباس بھی موجود رہتا ہے، حتیٰ کے آج تک کتب کلام وغیرہ میں ان کے درمیان کوئی ایسا واضح فرق مذکور نہیں ہے جس کے بعد مادی طبائع کے لئے بھی کوئی تشنگی باقی نہ رہے لیکن قرآن کریم ایک ایسا معجزہ ہے کہ اس میں اور سحر میں کسی قسم کا کوئی التباس ہی نہیں ہے، نہ سلیم طبائع کیلئے اور نہ مادی طبائع کے لئے یہی وجہ ہے کہ اس معجزہ پر کسی کی زبان کھل نہیں سکی کہ ''یہ بھی ایک سحر اور جادو ہے'' اس کے علاوہ جو اعتراضات اس پر کئے گئے، اس کی جواب دہی کا تکفل

خود قرآن کریم نے کرلیا ہے اور اس کے دندان شکن جوابات خود دیدیئے ہیں، حتی کے بقول "دروغ گو را تا بخانہ باید رسانید" یہ بھی کہدیا ہے کہ اگر یہ "قدیم افسانوں کا مجموعہ" ہے تو جاؤ تم بھی ایسے ہی "من گھڑت افسانے" بنا کر اس کے مقابلے پر لے آؤ، ان حالات میں اگر دوسری نوع کے عملی معجزات کے قرآن کریم استیعاب کی نیت کر لیتا تو یقیناً ان میں پھر بحث کھڑی ہو جاتی، آخر ضدی مزاجوں نے "شق القمر" کو بھی سحر کہہ ہی دیا۔

اقتربت الساعة وانشق القمر و ان یروا ایة یعرضوا ویقولوا سحر مستمر۔

اس لئے مناسب یہ تھا کہ جو معجزہ خود ہزاروں معجزات اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے، اس کو اپنی نوع میں یکتا ہی رہنے دیا جائے اور اس میں دوسری قسم کے معجزات کا بار بار ذکر کر کے آپ کی نبوت میں کسی کے لئے لب کشائی کا موقع ہی باقی نہ رہنے دیا جائے، رہ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے عملی معجزات تو ان کی طرف سے صرف اس مدافعت کو کافی سمجھا جائے، جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے جواب دہی میں ایک سے زیادہ بار کردی گئی ہے، ان کے علاوہ اس مہمل سوال کے جو عیسائیوں کی طرف سے بے وجہ دہرایا جاتا رہا ہے اور جوابات بھی ہو سکتے ہیں، مگر ہم نے یہاں فرصت وقت کے لحاظ سے ان ہی چند جوابات پر کفایت کرنا مناسب سمجھا ہے۔

فریق مخالف کے دلائل کا تجزیہ:

ہمارے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے معجزات کی قرآن کریم میں مذکور نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ حسی تھے، اور حسی معجزات کی قرآن کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں اور نہ یہ ہے کہ احادیث کے مستند ذخیروں میں ان کی موجودگی کو کافی سمجھ لیا گیا ہے اور عدم اہتمام کی وجہ سے ان کو اس قابل ہی نہیں سمجھا گیا کہ قرآن کریم میں ان کو جگہ دی جاتی (والعیاذ باللہ) اور یہ وجہ بھی نہیں کہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے پاس صرف وہی گنے چنے معجزات تھے، اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اتنے "متنوع" تھے کہ ان کے تذکرہ کے وقت ایک ہی معجزہ کو بار بار دہرانے کی حاجت نہ تھی اور نہ یہ وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو کر نہیں، بلکہ قدرت الٰہیہ کی طرف منسوب ہو کر بیان ہوئے ہیں، اس لئے عام لوگوں کا خیال

ان کو دلائل محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھنے کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

یہ سب وجوہات معجزہ کی حقیقت تک نارسائی اور ان کی تاریخ سے ناآشنائی کے ثمرات ہیں۔

ہم یہ پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ حسی معجزات کی قرآن کی نظر میں بڑی اہمیت ہے، بلکہ معجزات کے ذیل میں جب کہیں تذکرہ آتا ہے تو ان ہی کا آتا ہے، لہذا پہلی اور دوسری وجہ جو اسی پر مبنی ہے وہ دونوں صحیح نہیں اور یہ فقرہ تو کسی طرح نوک قلم پر آنے کے قابل نہیں ہے کہ ''آپ کے دوسرے درخشاں معجزات صفات قرآنی پر آنے کے قابل ہی نہیں تھے'' (والعیاذ باللہ) آخر یہ معجزات کیا قدرت مطلقہ ہی کے مظاہر نہ تھے؟ تیسری وجہ اس لئے صحیح نہیں کہ وہ اس پر مبنی ہے کہ انبیائے سابقین کے پاس گویا اتنے ہی گنے چنے معجزات تھے، حالانکہ قرآن کریم میں ان کے جن معجزات کا ذکر کیا گیا ہے یہ معجزات صرف وہی ہیں جو ہر نبی کو خاص خاص عطا ہوئے ہیں، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ان کے علاوہ اور کوئی معجزہ کسی نبی سے ظاہر ہی نہیں ہوا اسی لئے، جب آپ آیات قرآنیہ پر نظر فرمائیں گے تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ ان میں جو معجزات ایک نبی کے ذکر کئے گئے ہیں، وہ دوسرے کسی نبی کے ذکر نہیں کئے گئے، یہ اس کا ثبوت ہے کہ یہاں ان کے خاص خاص معجزات کا ہی ذکر کرنا مقصود ہے، یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب اپنے ''خاص معجزہ'' کا تذکرہ فرمایا ہے تو صرف ایک قرآن پاک کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کی روایات میں صاف موجود ہے، کیا اس کا مطلب بھی یہ سمجھا جائے گا کہ آپ کے پاس بھی صرف ایک ہی معجزہ یعنی قرآن کریم ہے، پس جس طرح صحیح بخاری کی حدیث کا مطلب یہی ہے کہ آپ کا خاص معجزہ قرآن کریم ہے، اسی طرح انبیائے سابقین کے معجزات کا مطلب سمجھ لینا چاہئے، ترجمان السنہ جلد ثالث میں حافظ ابن تیمیہؒ کی شہادت سے یہ گزر چکا ہے کہ ''احیاء موتی'' کا معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ثابت ہے، حالانکہ قرآن کریم میں ان کے معجزات میں اس کا کہیں ذکر نہیں پھر جب حسب بیان حفاظ ابن تیمیہؒ ''احیاء موتی'' اولیاء کرام سے بھی کرامت کے طور پر ثابت ہے تو اس اولوالعزم نبی کے متعلق شک وشبہ کرنے کی کس کو گنجائش ہوسکتی ہے، اگر تھوڑا سا اس پر غور کرلیا جائے کہ ان خاص خاص معجزات کی عطا کچھ

صرف بخت و اتفاق کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ انبیاء علیہم السلام کے الگ الگ ماحول اور جدا جدا فطری مناسبات کا ثمرہ تھی تو پھران کے ان معجزات کے خاص طور پر ذکر کرنے کی ایک لطیف وجہ اور بھی نکل آتی ہے، دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ایک طرف ان کی ''درشت مزاج'' قوم اور دوسری طرف ان کی ''شان جلالی'' کے کتنے مناسب تھے، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات، ان کے عہد ''طبی ارتقاء'' اور ان کی ''شان روحانیت'' سے کس قدر ملتے جلتے تھے، اس تناسب سے یہ معجزات ان کو عطا ہوئے تھے اور اسی تناسب سے وہ قرآن کریم میں مذکور بھی ہوئے ہیں، اگر یہ بات اور پیش نظر رکھیں کہ جب انبیاء علیہم السلام کی کتب وصحف کے صرف خلاصوں ہی پر اکتفا کیا گیا حالانکہ یہی ان کے سب سے عظیم کمالات تھے تو اب ان کے عام معجزات کے احاطہ واستیعاب کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے، لہذا صرف ان کے چند گنے چنے معجزات کا تذکرہ دیکھ کر یہ سمجھ لینا کہ ان کے علاوہ ان کے پاس کچھ اور معجزات نہ تھے، تاریخ انبیاء علیہم السلام سے بڑی غفلت ہے۔

یہ بات بالکل درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کثرت میں سب سے بڑھ کر تھے مگر یہ لکھنا صحیح نہیں کہ ''دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں کثرت ہی نہ تھی، اس لئے ان کے ایک ہی معجزہ کو بار بار دوہرایا گیا ہے'' یہ فقرہ بھی حقیقت سے کتنا بعید ہے کہ، دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ایک ہی معجزہ کو بار بار دوہرایا گیا ہے، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات خود قرآن کریم نے شمار کر کے نو معجزات بتلائے ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں بھی متعدد انواع شمار کرائی گئی ہیں، اگر ان انواع کے الگ الگ وقائع اور افراد شمار کئے جائیں تو خدا تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ ان کی تعداد کیا ہوگی ان کثیر التعداد معجزات کو صرف ایک سوال کے جواب کے سیدھا کرنے میں حذف کر کے اس طرح ادا کر جانا گویا دوسرے انبیاء علیہم السلام کے پاس کچھ معجزات ہی نہ تھے، کتنی بڑی خطرناک غلطی ہے، یہی غلطی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں تقلیل ثابت کرنے کی ایک بنیاد بن گئی ہے۔

چوتھی وجہ سب سے زیادہ عجیب ہے کسی نبی کے معجزہ کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف ہونی یہی تو اعجاز کی اصل روح ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سب معجزات میں ''باذن اللہ'' کی قید لگی ہوئی ہے اور یہی قید ان کے معجزات ہونے کا سب سے واضح ثبوت ہے، عجیب بات ہے

کہ اگر یہ کھلے ہوئے "قدرت مطلقہ" کے افعال (جن سے قوت بشری عاجز ہو) عوام کی نظروں میں بھی دلائل نبوت نہ ہوں تو پھر یہ دلائل ہیں کس کے لئے؟ اہل علم وفہم تو پہلے ہی ان کے متلاشی نہیں ہوتے ان کی نظریں سب سے اول "اخلاق وتعلیم" پر جاتی ہیں اب اگر یہ عوام کی نظروں میں بھی دلائل باقی نہ رہیں تو پھر ان کا فائدہ کس طبقہ کے لئے ہوگا؟ اس کے علاوہ یہ بھی تو سوچئے کہ اگر ان کی نظروں میں یہ افعال معجزہ نہ تھے، تو پھر وہ ان ہی معجزات کی انبیاء علیہم السلام سے فرمائشیں کیوں کیا کرتے تھے، پھر یہ بات بھی غلط ہے کہ آپ کے معجزات کی نسبت آپ کی ذات ستودہ صفات سے کچھ نہ تھی، حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ "حجۃ الاسلام" میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات پر آپ کے معجزات کی برتری ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ میں پتھر میں سے پانی نکلنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جسم مبارک موسوی کا یہ کمال تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک سے پانی نکلنے میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ دست مبارک محمدی صلی اللہ علیہ وسلم منبع فیوض الانہار ہے...... علی ہذا القیاس کنوئیں میں آپ کے لعاب دہن ڈالنے سے پانی کا زیادہ ہوجانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال جسمی پر دلالت کرتا ہے اور فقط یونہی روٹیوں کا زیادہ ہوجانا...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کمال جسمی پر دلالت نہیں کرتا...... ہاں یہ مسلم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے ان امور کا ظہور میں آنا ان کے تقرب پر دلالت کرتا ہے اور اسی وجہ سے ان کا معجزہ سمجھا جاتا ہے...... اسی طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ لگانے سے ٹوٹی ہوئی ٹانگ اور بگڑی ہوئی آنکھ کا اچھا ہوجانا بیماریوں کے یونہی اچھا ہوجانے سے کہیں زیادہ ہے، کیونکہ وہاں تو اس سے زیادہ کیا ہے کہ خداوند عالم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہتے ہی بیماروں کو اچھا کردیا، کچھ برکت جسمانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نہیں پائی جاتی اور یہاں دونوں موجود ہیں (حجۃ الاسلام ص ۴۲، ۴۳ مختصراً)

ان عبارات سے ظاہر ہے کہ ذات نبی کی طرف معجزات کی نسبت بھی جتنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں نمایاں تھی اتنی دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں نمایاں نہ تھیں اب ہم کو معلوم نہیں کہ وہ کون سے عوام تھے جو یہ نسبت دیکھ کر ان کو دلائل محمدی شمار کرنے کی طرف مائل نہ ہوتے تھے، شاید عوام کے پردہ میں کہیں یہ کچھ خواص ہی نہ ہوں۔

ظہورِ قدسی سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ملوک و راہبین میں غائبانہ تعارف

نہ دانم آں گل رعنا چہ رنگ و بو دارد　　　　که مرغ ہر چمنے گفتگوئے او دارد

کتب سابقہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف:

آپ کی بعثت سے قبل کتب سابقہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف اتنی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکا تھا کہ وہ ”شاہان تخت نشین ہوں“ یا ”راہبین گوشہ نشین“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد کسی کے لئے بھی آپ کے انکار کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی تھی، اہل کتاب اس کو چھپانے کی ہزار کوششیں کرتے تھے، مگر چھپا نہ سکتے تھے، اسی بناء پر قرآن کریم میں جا بجا ان کو قائل کیا ہے اور اس تعارف کے کتمان وتحریف کا مجرم بھی قرار دیا ہے، علماء نے اس موضوع پر بھی مستقل تصانیف فرمائی ہیں اور کتب شروح وتفاسیر میں جہاں جہاں اس پر ضمنی بحث آ گئی ہے، اس کا تو شمار ہی نہیں کیا جا سکتا، حافظ ابن تیمیہؒ اور ان کے لائق تلمیذ کا بھی اس میں بڑا حصہ ہے، حافظ موصوف لکھتے ہیں کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سو مقامات سے بھی زیادہ بشارات موجود ہیں جن کا تھوڑا سا تفصیلی تذکرہ انہوں نے اپنی کتاب الجواب الصحیح میں بھی کیا ہے، لیکن جن لوگوں کو کتب سابقہ کا مطالعہ حاصل نہ ہو وہ

حافظ موصوف کی بات کو کب باور کر سکتے ہیں وہ تو اس کو "مبالغہ" یا "خوش عقیدگی" کہہ کر ٹال دیں گے، ہم یہاں صرف صحیح بخاری کی چند حدیثیں اور قرآن کریم کی چند آیات نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، جن سے آپ کو یہ یقین ہو جائے گا کہ کتب سابقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعارف میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، حتیٰ کہ جب آپ دنیا میں تشریف لائے تو اس طرح تشریف لائے جیسا کہ پہلے سے ایک "بڑی متعارف شخصیت" تھے، صحیح بخاری میں ہے کہ "ورقہ بن نوفل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور جبریل علیہ السلام کے نزول کے حالات سن کر فوراً آپ کی رسالت کی شہادت دی اور کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی لے کر نازل ہوا تھا" اس کے بعد آپ کی حیات طیبہ کے ایک جزئی واقعہ یعنی ہجرت کا بھی اس طرح ذکر کیا گویا آپ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کے سامنے ہے اور بڑی حسرت کے ساتھ کہا "اے کاش میں بھی اس وقت زندہ ہوتا تو آپ کی جو خدمت مجھ سے بن پڑتی میں بھی اس کو سو جان سے ادا کرتا"۔ "وطن" قدرۃً محبوب ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سن کر رہا نہ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے تأثر کے انداز میں ان سے پوچھا "او مخرجی هم" "کیا میری قوم مجھ کو وطن سے بے وطن کرے گی" اب اندازہ فرمایئے کہ "نبوت" اور "نزول ملکی" کا معاملہ کوئی معمولی بات نہ تھی جس کا فیصلہ صرف ایک مختصر سی سرگذشت پر فوراً کر دیا جاتا، مگر یہاں یہ زبردست نصرانی عالم یہ فیصلہ اس طرح فوراً کر گزرتا ہے، گویا اس کے نزدیک وہ ایک طے شدہ بات تھی اور اس ضمن میں آپ کی زندگی کے ایک ایسے جزئی واقعہ کا بھی ذکر کر جاتا ہے، جو آپ کی فتح و نصرت کا ایک "نیاباب" تھا۔

اسی طرح ہرقل و ابوسفیان کی گفت و شنید بھی صحیح بخاری میں موجود ہے، اس کے حرف حرف سے آپ کو یقین ہوتا چلا جائیگا کے ہرقل کے علم میں ضرور آپ کی بعثت کا وقت آچکا تھا اور بڑے اضطراب کے ساتھ وہ آپ کی آمد کا منتظر تھا، اسی لئے یہاں وہ آپ کا "نامہ مبارک" کھولتا بھی نہیں اور چند تحقیقی سوالات شروع کر دیتا ہے اور کسی بحث و تمحیص کے بغیر وہ بھی اسی فیصلہ پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے وہی رسول ہیں جن کی آمد کا اس کو انتظار لگ رہا تھا، سوال و جواب کے بعد آخر میں وہ یہ تصریح بھی کر دیتا ہے کہ "کتب سابقہ سے مجھ کو آپ کی بعثت کا پورا یقین پہلے سے حاصل تھا"، اس کے آخری فقروں سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس

کا قلب آپ کی بزرگی اور عظمت وشان سے کس درجہ معمور تھا، وہ کہتا ہے، اگر ہوسکتا تو میں ضرور آپ کی خدمت میں پہنچتا اور آپ کے مبارک قدم اپنے ہاتھوں سے دھوتا"۔

نجوم کے ماہرین کے ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف:

یہ واقعہ بھی صحیح بخاری میں ابن ناطور کی زبانی منقول ہے، شاہ ہرقل "علم نجوم" کا بھی ماہر تھا، ایک دن ایسا ہوا کہ وہ بہت سراسیمہ حال اٹھا اور دریافت کرنے پر بڑی پریشانی کے ساتھ اس نے یہ کہا کہ "جو قوم ختنہ کرتی ہے، ان کا بادشاہ ظاہر ہوگیا"، ابھی یہ گفت وشنید چل رہی تھی کہ ادھر سے شاہ غسان کا قاصد بھی آپہنچا اور اس نے خبر دی کہ "عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے"، اسی درمیان میں ہرقل نے ایک دوست کو اس کے متعلق لکھا، جو رومیہ میں اسی کی ٹکر کا عالم تھا" اس نے بھی شاہ روم کی رائے سے موافقت کی، اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ علم نجوم رکھنے والے آپ کی بعثت کے اثرات ستاروں میں بھی مشاہدہ کررہے تھے، یہ بحث یہاں نہیں ہے کہ شرعی طور پر علم نجوم کی حیثیت کیا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ ملوک وراہب ہوں یا کاہن ونجومی وہ آپ کی بعثت سے قبل صرف آپ کی معرفت ہی نہیں، بلکہ آپ کی زندگی کے جزئی جزئی واقعات کی معرفت، حتیٰ کے آپ کا "وقت بعثت" اور "دارالہجرت" کی معرفت بھی کتنی رکھتے تھے، کیا یہ معرفت صرف "اجمالی" اور استعارہ وکنایات والی پیشگوئیوں سے حاصل ہوسکتی تھی؟

ہر قسم کے لوگوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف تھا:

سلمان فارسیؓ کی سرگذشت کا اجمالی تذکرہ بھی بخاری میں موجود ہے، وہ کس طرح احبار و رہبان کی مسلسل ہدایت کے تحت مدینہ طیبہ پہنچے اور کس طرح مدینہ طیبہ کو دیکھ کر پہلی نظر میں پہچان گئے، کہ یہ مقام وہی ہے جو آپ کا "دارالہجرت" ہے، شاہ تبع کا سینکڑوں سال قبل مدینہ طیبہ سے گزرنا اور آپ کی یہاں تشریف آوری کی بشارت دینا، سیرت کے مسلم حقائق میں سے ہے، غرض آپ کی بعثت کے اثرات سے خدا تعالیٰ کی کوئی مخلوق نہ تھی جو متاثر نہ ہو، اگر خدا تعالیٰ کے آسمانوں میں آپ کا ذکر خیر رہتا تھا تو اس کی زمین پر بھی آپ کی آمد کی بشارتوں کا غلغلہ مچا ہوا تھا، آسمانوں پر شیاطین کی بندش سے "جنات اور کاہنوں" میں الگ الگ ایک ہل چل پڑی

ہوئی تھی، اس کا ثبوت بھی قرآن اور صحیح حدیثوں میں موجود ہے اس کے علاوہ متفرق طور پر شیاطین کی سراسیمگی اوران کی گفتگو کا تذکرہ حدیثوں میں مروی ہے، اور درحقیقت ایک ایسے اولوالعزم رسول کے لئے جس کے بعد پھر کوئی اور رسول نہ ہو، ایسے ہی تعارف کی ضرورت بھی تھی۔

قرآن کریم کی صراحتیں:

اب ان صحیح حدیثوں کے ساتھ قرآن کریم کی آیات قطعیہ بھی ملاحظہ فرمایئے اوران کی روشنی میں یہ فیصلہ فرمالیجئے کہ ''کتب سابقہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کیا صرف استعارات وکنایات اوراجمالی پیشگوئیوں کی صورت میں ہوگا؟

قرآن کریم کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اورآپ کی خاص خاص صفات کا تذکرہ تورات وانجیل میں موجود تھا اوراتنی وضاحت کے ساتھ موجود تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ان کا مصداق کوئی اور ہو نہیں سکتا تھا اور یہ تذکرہ بھی اشارۃً نہیں بلکہ صاف صاف لکھا ہوا موجود تھا، جس کے لئے کسی بڑی فہم ودانائی کی ضرورت بھی نہیں، بلکہ صرف آنکھوں سے ان کا دیکھ لینا ہی کافی ہے، اور یہ تمام نوشتے ابھی تک ان کے پاس موجود بھی ہیں، ارشاد ہے:-

(۱) الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہٗ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم. (الاعراف)

جو ہمارے اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں، جن کی بشارت وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں وہ رسول ان کو اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور برے کام سے ان کو منع کرتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں اور سخت احکام کے بوجھ جو ان کے سروں پر لدے ہوئے تھے اور پھندے جو ان پر پڑے ہوئے تھے ان سب کو ان پر سے دور کرتے ہیں۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی مشہور تصنیف میں اسی آیت کے تحت نقل کرتے ہیں کہ

بعض بادشاہوں کے پاس آپ کی تصاویر تک موجود تھیں اور اس روایت کو قابل اعتبار قرار دیتے ہیں، جیسا کہ تفصیلی معجزات کے بیان میں آپ کے ملاحظہ سے گزرے گا۔

(۲) وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جآء ھم ما عرفوا کفروا بہ. (البقرۃ)

اور پہلے تو وہ کافروں کے مقابلہ میں آپ کے وسیلہ سے فتح وکامیابی کی دعائیں مانگا کرتے تھے، لیکن جب ان کے پاس وہ ذات آ گئی جسے دیکھ کر پہچان گئے تو وہ لوگ ان کا انکار کر بیٹھے۔

(۳) الذین اتیناھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابنآء ھم. (الانعام)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اسی طرح ہمارے ان پیغمبر کو بھی پہچانتے ہیں۔

دنیا میں باپ اور بیٹے کی معرفت سے زیادہ کوئی اور رابطۂ معرفت نہیں ہوتا، پھر جبکہ قرآن کریم نے اس آخری رابطۂ معرفت کو استعمال کیا ہو تو اس کو "استعارہ" اور "مجاز" کیسے کہا جا سکتا ہے۔

(۴) ومبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد (الصف)

اور میں ایک پیغمبر کی خوشخبری دے رہا ہوں جو میرے بعد آئیں گے اور ان کا اسم مبارک "احمد" ہوگا۔

آیت سورۃ الصّف سے معلوم ہوا کہ آپ کی بشارت آپ کی خاص خاص صفات کے علاوہ آپ کے نام کے ساتھ بھی دیدی گئی تھی اور اسی تنبیہ کے لئے یہاں "اسمہ" کے لفظ کا اضافہ فرمایا گیا ہے۔

تنبیہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی تصریح کے ساتھ دوسری اہم بات یہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بتلائی گئی ہے، لہذا ضروری ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی بعثت کے درمیان کوئی اور رسول نہ ہوتا کہ "بعدیت" کا لفظ صادق آ جائے یہی وجہ ہے کہ کتب سابقہ

میں آپ کی بشارت کے ساتھ یہ بھی تنبیہ کی گئی تھی کہ اس رسول کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی اور رسول نہ ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ صحیح حدیث میں بھی انا اولی الناس بعیسی ابن مریم لیس بینی و بینه نبی کا لفظ آیا ہے اس نکتہ کو اہمیت سے سمجھ لیجئے اس طرف کم اذہان ہیں جو متوجہ ہوئے ہوں (ملاحظہ فرمایئے ترجمان السنہ ج ۳ ص ۳۱۷ احدیث نمبر ۱۷۹)

اس میں مغیرہ بن شعبہؓ ایک بڑے پادری کے بیان میں آپ کے اسم مبارک احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی صفات اور آپ کی امت کی صفات خاصہ کے ساتھ یہ بھی نقل کرتے ہیں ''ان کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے''، اس پادری کے بیان کی تصدیق آج آپ کے سامنے اس نص قرآنی میں موجود ہے، اس کے بعد آپ کو حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان کی انا اولی الناس بعیسی بن مریم لیس بینی و بینه نبی اہمیت محسوس ہوگئی ہوگی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ یہی تنبیہ فرمائی ہے کہ میرے اور عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں، ہمیشہ اس نفی کی اہمیت دل میں کھٹکتی ہی رہی، کیونکہ دو رسولوں کے درمیان کسی نبی کے ہونے نہ ہونے کی بحث چنداں قابل اہتمام معلوم نہ ہوتی تھی، مگر جب آیت بالا پر نظر گئی تو اب یہ واضح ہوگیا کہ جو رسول بشارت عیسوی کا مصداق ہو اس کے لئے یہ اعلان کرنا کتنا ضروری تھا، یعنی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی بشارت میں ''میرے بعد'' کا لفظ فرمایا تھا تو آپ کا یہ اعلان کرنا بھی بہت ضروری تھا کہ ''ان کے بعد میں آنے والا رسول میں ہی ہوں''، وللہ الحمد، پھر جب مغیرہ ابن شعبہ کی حدیثوں میں پادریوں کے بیان میں بھی ان کا تذکرہ دیکھا تو اس کی ''اہمیت اور بڑھ گئی اب جس رسول کے متعلق اتنی اتنی سی بات مذکور ہو اس کے دوسرے حالات کے تذکرہ کو آپ خود ہی قیاس فرمالیں کہ کیا وہ ''استعارات اور مجاز'' کے رنگ میں ہی ہوگا فیا للعجب و لضیعة الادب۔

خلاصہ یہ کہ آیات بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات وانجیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خاص صفات کا نقشہ اتنا مکمل کھینچ دیا گیا تھا کہ اہل کتاب اگر آپ کی صورت دیکھنا چاہیں تو ان کے

آئینہ میں صاف صاف دیکھ سکتے تھے، اتنی صاف کہ آپ کی معرفت کو اگر بیٹوں کی معرفت سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے، شاید قرآنی لفظ ''یجدونہ مکتوبا'' میں بھی اس طرف کچھ اشارہ نکلتا ہے، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ نے نصرانی بادشاہوں کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر موجود ہونے کی روایت اسی آیت کی تفسیر میں نقل فرمائی ہے اور اس پر معتبر ہونے کا حکم بھی نقل کیا ہے، تفاسیر میں منقول ہے کہ ''جب کسی نصرانی سے مسلمانوں کے بعد یہ سوال کیا گیا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت تم کو فی الواقع اولاد کی سی ہی معرفت حاصل تھی'' تو انہوں نے جواب دیا'' بلکہ اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر کیونکہ اپنی اولاد کا یقین تو ہم کو صرف ایک عورت یعنی اس کی والدہ کے بیان پر ہوتا ہے جس کی دیانت اور صداقت میں شبہ کی گنجائش نکل سکتی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت تو ہم کو ان ''مصحف سماویہ'' کے ذریعہ سے حاصل تھی جس میں شک وتردد کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی۔

آپ کے اسی سابق تعارف کی بناء پر کتب سیر وتاریخ سے ''اہل کتاب کا آپ کا منتظر رہنا بلکہ معین وقت پر تلاش کے لئے نکل کھڑا ہونا'' بھی ثابت ہے، اور آپ کے اسی تعارف کی وجہ سے ظہور قدسی سے قبل اہل کتاب میں بڑی گرما گرمی سے آپ کا چرچا تھا'' بلکہ ایک دوسرے کے مقابلے کے وقت آپ کے ساتھ مل کر دوسروں کو جنگ کی دھمکیاں دیا بھی ثابت ہے، اگر یہ تعارف غیر معمولی اور اتنا عام نہ تھا تو تمام مدینہ ہمہ وقت آپ کے ظہور کے انتظار میں آسمان کی طرف نظریں لگائے کیوں بیٹھا تھا؟

کیا اب بھی شبہ کی گنجائش باقی ہے؟

ہم یہاں صحیحین کی ان احادیث اور آیات قرآنیہ کا پورا استیعاب کرنا باعث تطویل سمجھتے ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے سامنے آپ کے تعارف کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا گیا تھا بلکہ ان ہی چند احادیث اور آیات کی روشنی میں یہ سوال کرنا چاہتے ہیں کہ ان حالات میں کیا یہ لکھنا ممکن ہے کہ ''کتب سابقہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف صرف مجمل اور استعارات وکنایات کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے؟'' پھر یہاں یہ لکھ ڈالنا کتنا تعجب انگیز ہے اور بعید از حقیقت ہے کہ:

''اس واقعہ کو دروغ گو راویوں نے یہاں تک وسعت دی کہ یہودیوں کو دن، تاریخ، سال، وقت اور مقام سب کچھ معلوم تھا، چنانچہ ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل علماء یہود ان سب کا پتہ بتایا کرتے تھے اور عیسائی راہبوں کو تو ایک ایک خط و خال معلوم تھا بلکہ پرانے گھرانوں اور دیروں اور کنیسوں میں ایسی مخفی کتابیں موجود تھی جن میں آپ کا تمام حلیہ لکھا تھا اور اگلے لوگ ان کو بہت چھپا چھپا کر رکھا کرتے تھے، بلکہ بعض دیروں میں تو آپ کی تصویر تک موجود تھی، تورات و انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بعض پیشگوئیاں حقیقت میں موجود تھی اور وہ آج بھی ہیں، لیکن وہ استعارات و کنایات اور مجمل عمارتوں میں ہیں، ان کو ضعیف اور موضوع روایتوں میں صاف صاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ک نام و مقام کی تخصیص و تعین کے ساتھ پھیلایا گیا ہے''۔

وہ روایات جن سے آپ کی تصاویر کا ملوک ارو راہبین کے پاس ہونا ثابت ہوتا ہے، آئندہ آپ کے سامنے آنیوالی ہیں اور محدثین نے جو حکم ان پر لگایا ہے وہ بھی آپ کے ملاحظہ سے گزرنے والا ہے اسکے بعد یہ فیصلہ آپ خود فرما سکتے ہیں کہ ان روایات کو کیا صرف دروغ گوراویوں کی وسعت کا نتیجہ کہد ینا آسان ہے؟

شاید یہاں آپ کے ظہور سے قبل آپ کی تصاویر میں یہ شبہ کھٹکے کہ جب ابھی تک آپ عالم وجود میں تشریف فرما ہی نہ ہوئے تھے تو پھر یہ آپ کی تصاویر کیسی؟ پھر یہ کہنا تو اور زیادہ مشکل ہوگا کہ یہ تصاویر ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کے پاس تھیں، گویا ایک طرح سے وہ بھی آسمانی تحائف میں داخل تھیں، آل موسیٰ علیہ السلام کے تحائف تو تابوت سکینہ میں محفوظ رہ سکتے ہیں جس کو خدائی فرشتے لئے پھرتے ہوں۔

وبقية مما ترک ال موسیٰ

پھر کیا تعجب تھا اگر یہ تصاویر بھی پہلے انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں میں سماوی طور سے موجود ہوں، لیکن جب فن تصویر کشی کا کمال یہ ہو کہ کسی شخص کا حلیہ غائبانہ کھینچ دیا جائے بلکہ تخیل کا مصور کرنا تو آج بھی موجود ہے تو پھر ہمارے انکار کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی، اگر اسانید کے ساتھ ان تصاویر کا ثبوت نہیں ملتا ہے تو کم از کم تاریخی درجہ میں اس کو تسلیم کر لینے میں کوئی کلام نہ ہونا چاہئے۔

تواتر معجزات

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ "یہ خیال محض غلط ہے کہ حدیثوں میں جتنے معجزات مذکور ہیں وہ سب کے سب ظنی ہی ہیں، بلکہ بہت سے معجزات ایسے بھی ہیں جو تواتر سے ثابت ہیں۔

تواتر عام:

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ بعض معجزات کا تواتر تو عام مسلمانوں کو بھی معلوم ہے اور بعض کا تواتر صرف خاص افراد ہی کو معلوم ہے، مثلاً آپ کے انگشتان مبارک سے پانی کا جاری ہونا، یا تھوڑا سا کھانا بڑی بڑی جماعتوں کے لئے کافی ہوجانا یا ایک کھجور کے درخت کا جس کو "خسانہ" کہتے ہیں، آپ کے فراق میں گریہ وزاری کرنا اس قسم کے معجزات اعلیٰ درجہ کے تواتر سے ثابت ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معجزات بڑے بڑے مجمعوں کے سامنے ظاہر ہوئے، جن کی تعداد بالاتفاق اتنی عظیم الشان تھی کہ یہ تعداد دوسرے متواتر امور کے لئے جمع نہیں ہوسکی، یا مثلاً حدیبیہ کے کنویں کا پانی جب خشک ہوگیا اور ایک قطرہ بھی اس میں باقی نہ رہا تو صحابہؓ کے صورت حال عرض کرنے پر آپ نے اپنے وضو کا پانی کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا، اس کے بعد فوراً پانی میں وہ کثرت نمایاں ہوئی کہ ڈیڑھ ہزار کا لشکر اس سے بخوبی سیراب ہوگیا، اسی طرح کا واقعہ غزوہ ذات الرقاع، غزوہ تبوک اور خیبر سے واپسی میں بھی پیش آیا جن میں لشکر کی تعداد ہزاروں تک تھی ان مواقع پر چونکہ صحابہ کی بڑی تعداد ایک ہی جگہ جمع تھی، اس لئے بیک وقت اس کے مشاہدہ کرنے والے اور نقل کرنے والے اس کثرت کے ساتھ موجود تھے کہ دوسرے متواترات کے لئے نہیں ہوسکے اس قسم کے تواتر کو تواتر عام کہتے ہیں۔

تواتر خاص:

تواتر کی دوسری قسم، تواتر خاص ہے، اس کا علم ہر شخص کے لئے ضروری نہیں، مثلاً انبیاء علیہم السلام کا وجود جو جماعت ان کی قائل ہی نہیں ہے اس کو ان کے اسمائے مبارکہ کی بھی کوئی

اطلاع نہیں ہے جیسا کہ بہت سے مسلمانوں کو جو تاریخی معلومات نہیں رکھتے وہ اپنے بہت سے خلفاء اور ملوک کے ناموں سے بھی آشنا نہیں اور نہ ان کو مشہور معرکوں کی خبر ہے، جو خود مسلمانوں سے گزر چکے ہیں، مثلاً جنگ یرموک، واقعہ حرہ، فتنہ ابن المہلب، فتنہ ابی الاشعث وغیرہ حالانکہ اصحاب تاریخ کی نظروں میں یہ سب واقعات تواتر سے ثابت ہیں'' خلاصہ یہ کہ بعض خبریں جو غیر اصحاب کے فن کے نزدیک خبر واحد کا درجہ رکھتی ہیں وہ خود اصحاب فن کے نزدیک متواتر ہوتی ہیں، مذہبی دنیا کے لحاظ سے اگر دیکھئے تو بہت سے علماء کو ان واقعات کی کوئی خبر تک نہیں جو اہل کتاب کے نزدیک تواتر سے ثابت ہو چکے ہیں، اسی طرح اہل فن کو لے لیجئے تو اس فن کے کارنامے اس فن والوں کے نزدیک آپ کو تواتر سے ثابت ملیں گے، حالانکہ دوسرے لوگوں کے کان بھی ان سے آشنا نہ ہوں گے، دیکھئے اطباء میں جالینوس، بقراط، محمد بن زکریا وغیرہ، فن ہیئت میں بطلیموس، ثابت بن قرہ اور ابوالحسین صوفی، اہل نحو میں سیبویہ، اخفش، مبرد، زجاج، فراء و کسائی، اہل تجوید میں ابوعمرو، ابن کثیر، حمزہ، کسائی، ابن عامر، یعقوب، اسحاق، خلف بن ہشام اور ابوجعفر اور اسی طرح جملہ فنون میں جو جو اس کے ماہرین گزرے ہیں ان کے جو جو کارنامے خود ان فن والوں کے نزدیک ثابت ہیں، دوسرے اصحاب فن بسا اوقات ان کو مبالغہ آمیز داستانیں تصور کر سکتے ہیں، اس کا باعث ان واقعات کا خفا اور عدم ثبوت نہیں بلکہ اپنی اپنی توجہ اور التفات کا فرق ہے جس کی توجہ ان خبروں کی طرف ہوگئی اس کو ان کے ''تواتر'' کا علم ہو گیا اور جس نے اس طرف توجہ نہ کی وہ اپنی اسی لاعلمی کے عالم میں پڑا رہا اور اگر زیادہ جسارت پر اترا تو ان کا مضحکہ بھی اڑانے لگا۔

فائدہ:

اس موقعہ پر یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہئے کہ بعض باتیں عوام کی محض خوش عقیدگی کی بناء پر بھی مشہور ہو جاتی ہیں، مگر خود ان کے مشاہدہ کرنے والوں میں ان کی کوئی شہرت ثابت نہیں ہوتی تو اس قسم کی شہرت اور تواتر ہر گز قابل اعتبار نہیں ہو سکتا، بالخصوص جب کہ اس کے برعکس تواتر ثابت ہو مثلاً کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حج کے علاوہ کوئی اور حج بھی کیا تھا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ آپ کے مشاہدہ

کرنے والوں میں ایک شخص بھی اس کا راوی نہیں ملتا، دوم جو اس فن کے ماہرین ہیں ان کے نزدیک اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا، بلکہ اس کے برعکس ثبوت ملتا ہے، اس قسم کی جتنی خبریں ہیں وہ جاہلوں کے نزدیک اگرچہ کتنی بھی مشہور ہوں مگر ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوسکتا۔

تواتر معنوی:

تواتر کی تیسری قسم تواتر معنوی ہے، یعنی اگر واقعات پر علیحدہ علیحدہ نظر کی جائے تو ان کو تواتر کا رتبہ حاصل نہ ہو لیکن کسی ایک مشترک بات پر یہ سب واقعات متفق ہوں، جیسا خالد بن ولیدؓ اور عنترہ کی ''شجاعت'' کی داستانیں یا حاتم و معن بن زائدہ کی ''سخاوت'' کی حکایات، یا امرء القیس، نابغہ اور غالب و ذوق و داغ کے ''اشعار'' یا عمر فاروقؓ اور نوشیرواں کا ''عدل وانصاف'' ان سب کے واقعات اگرچہ علیحدہ علیحدہ تواتر سے ثابت نہ ہوں، مگر ان کے مجموعہ پر نظر کرنے سے ان کی اپنی اپنی صفات میں با کمال ہونا اس درجہ متواتر ہے کہ آج عوام میں بھی یہ شخصیتیں ان صفات میں ضرب المثل ہیں اگر آپ یہاں اسنادی تواتر کا مطالبہ کریں تو اس کا ثبوت مشکل ہے۔

استفاضہ:

تواتر کی چوتھی قسم یہ ہے کہ کوئی واقعہ کسی بڑے مجمع کے سامنے پیش آئے پھر وہ اس کو دوسروں کے سامنے بیان کرے اور اسی طرح ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے بیان کرتا چلا آئے جس میں کسی سازشی روایت کا احتمال بھی پیدا نہ ہو سکے اور کسی سے اس کا انکار بھی منقول نہ ہو تو اس کو بھی ''متواتر'' کہا جائے گا اور یہ بھی اس کی صحت وصداقت کا بدیہی ثبوت ہوگا، اس تواتر کا نام ''استفاضہ'' ہے، قرآن کریم اور شریعت مطہرہ کا ایک بڑا حصہ بطریق استفاضہ بھی ثابت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور اس کے بعد عہد صحابہ میں قرآن کریم اور شریعت کا بڑا حصہ پڑھنے پڑھانے والوں کے اور عمل کرنے والوں کے سامنے آتا رہا اور ہر طبقہ دوسرے طبقہ کی ''روایات'' اور ''عمل'' کو کسی انکار کے بغیر تسلیم کرتا رہا، پس یہ صورت بھی یقین کرنے کے لئے کافی ہے، یہاں بھی اگر آپ اس حصہ کی روایت

کیلئے علیحدہ علیحدہ شہادت طلب کریں تو اگر چہ وہ متواتر نہ ہوگی، لیکن طبقہ بہ طبقہ روایات کے لحاظ سے متواتر کہلائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفس معجزات کا ثبوت تو اس درجہ متواتر ہے کہ اس میں مسلمان وکافر کی بھی کوئی تفریق نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کافروں کی ایک اچھی مردم شماری ایسی ملتی ہے جو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہی کو دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئی، اگر چہ فہیم اور سمجھدار طبقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی زندگی اور تعلیمات سے متاثر ہوا، جیسا کہ بادشاہوں اور عمائد کفار کی تاریخ سے ثابت ہے لیکن جن طبعیتوں میں اس باریک بینی کی استعداد نہ تھی وہ پہلے صرف ان ''خوارق'' ہی سے متاثر ہوئیں اور اگر وہ اسلام میں داخل نہ ہوئیں تو کم از کم ان کی قائل ضرور ہوگئیں، آج بھی جو مخالفین اسلام منصف ہیں اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ رکھتے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''خوارق'' کے قائل نظر آتے ہیں، اگر چہ ان معجزات کے اس وقت سامنے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان کے سمجھنے سے قاصر ہوں اور ان کو اپنے دائرہ فہم میں لانے کی سعی کر رہے ہوں۔

اب رہ گئے آپ کے خاص خاص معجزات تو ان میں بھی ایک بڑا حصہ وہ ہے جو تواتر کے ان چاروں طریقوں سے ثابت ہے اور ان میں سے ایسے ایسا معجزہ تو بہت ہی کم ہے جس کو شہرت کا کوئی نہ کوئی درجہ حاصل نہ ہو۔

اس کے بالمقابل جب آپ دوسری قوموں کے نقل کردہ ''عجائبات'' بلکہ اہل کتاب کے اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ''معجزات'' کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے موازنہ فرمائیں گے تو بشرط انصاف آپ کو یہ روز روشن کی طرح ثابت ہو جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہر اعتبار سے اور ہر میزان میں ان سب سے زیادہ درخشاں اور وزنی ہیں، ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ دنیا کے ملوک وسلاطین کے واقعات کا یقین جن جن طریقوں سے حاصل ہوا ہے آپ کے معجزات کا ثبوت ان سب سے زیادہ محکم اور واضح طریقوں سے موجود ہے یہ دوسری بات ہے کہ ان پر غور وخوض کی نظر ہی نہ ڈالی جائے۔ (دیکھو الجواب الصحیح از ص ۲۲۳ ج ۴ تا ۲۴۹ ج ۴)

معجزات کی تعداد

ذات نبوی سرتاپا معجزہ ہی معجزہ تھی:

حق یہ ہے کہ چشم بیناء کے لئے تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات از سرتاپا "آیت نبوت" اور معجزہ ہی معجزہ تھی، لیکن اس کو کیا کیجئے کہ عوام کی نظریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے صرف چند غیر معمولی واقعات ہی کا نام "معجزہ" رکھنا چاہتی ہیں بے شبہ آپ کے علمی کمالات و اخلاق اور آپ کے دیگر معجزانہ خصائل وشمائل کے مقابلے میں دوسرے قسم کے معجزات وہ نسبت بھی نہیں رکھتے جو ایک قطرہ دریا کے سامنے رکھتا ہے، مگر جب اس قطرہ کو علیحدہ اٹھا کر دیکھا جاتا ہے تو وہ بھی ایک بحر بیکراں نظر آتا ہے، سچ کہا ہے حافظ ابن تیمیہؒ نے کہ "اللہ تعالیٰ نے جس طرح عالم میں اپنی ربوبیت کی معرفت کیلئے فرش سے لیکر عرش تک آیات ونشانیاں پھیلائی ہیں، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کے لئے بھی آیات نبوت عالم کے گوشہ گوشہ میں بکھیر دی ہیں جن کو اگر کوئی شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کرسکتا" (دیکھو الجواب الصحیح ص ۲۴۸ ج ۴)

بیشک جس عہد میمون کے عام برکات یہ ہوں کہ عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ بیان ہو کہ "ہم کھانا کھاتے تھے اور اپنے کھانے کی تسبیح کی آواز اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے" اس زمانے کے معجزات اور آیات کا بھلا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، مگر اس کی مثال ٹھیک ایسی سمجھئے جیسی سمندر کی متلاطم موجوں کی کہ ان کا اندازہ وہ شخص نہیں لگا سکتا جو خود ان موجوں میں پڑا کھیل رہا ہو ان کا اندازہ وہ شخص لگا سکتا ہے جو ساحل پر کھڑے ہو کر دور سے ان کا تماشہ دیکھے، اسی طرح صحابۂ کرامؓ کا حال تھا وہ جس عہد مبارک میں تھے، اس میں آیات و معجزات کا بحر ذخار موجیں مار رہا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک جو ان تمام معجزات و برکات کا سرچشمہ تھی، وہ خود ہمہ وقت ان کے مشاہدہ میں جلوہ گر تھی ان حالات میں ان کی توجہ کی دوسری طرف کیسے منعطف ہوسکتی تھی یہی وجہ ہے کہ معجزات کا

بہت بڑا حصہ وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات، عبادات اور اشراط ساعت وغیرہ کے ابواب میں ضمنی طور پر ذکر میں آجاتا ہے اس کے علاوہ ایک بڑا ذخیرہ وہ بھی ہے، جو کسی معمولی واقعہ کے ضمن میں اتفاقی طور پر کسی کی زبان پر آگیا ہے جیسا دو صحابیوں کا آپ کی مبارک محفل سے ایک تاریک شب میں نکلنا اور راستہ میں ان کے عصا کا روشن ہو کر ان کے لئے مشعل راہ بن جانا، یہ اور تسبیح طعام جیسے واقعات صحیح بخاری میں موجود ہیں، پھر تسبیح طعام کے متعلق حضرت ابن مسعودؓ کا بیان صرف ایک اپنے گھر کا نہیں ہے، بلکہ اس انداز میں ہے گویا اس وقت یہ ایک عام بات تھی، اس کے باوجود ان واقعات کا اور اس قسم کے دوسرے واقعات کا کوئی چرچا صحابہ کے درمیان عام طور پر آپ کو نہیں ملے گا، اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کے ثبوت اور معجزہ ہونے میں کوئی ضعف تھا، بلکہ اصل بات یہی تھی کہ اس وقت ان کی تمام تر توجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور آپ کے لائے ہوئے دین کے جمع کرنے کی طرف رہا کرتی تھی، اس لئے ان کی حیات میں معجزات کا موضوع ایک مستقل موضوع بنتا تو کیسے بنتا، یوں بھی دنیا کا طریقہ ہے کہ دنیا کی کسی عظیم شخصیت کے فضائل وکمالات کا باب ہمیشہ اس کی وفات کے بعد ہی مرتب ہوا کرتا ہے، پھر یہاں ایک بڑا حصہ تو وہ ہے جو جرح وتعدیل کی زد میں آکر ساقط ہو چکا ہے اور بقیہ ایک حصہ وہ بھی ہوگا جو ہم تک پہنچ ہی نہیں سکا اس کا اندازہ ہی کیا لگایا جا سکتا ہے، ان حالات میں جو معجزات قید روایت میں آچکے ہیں ان کو ایک بحر بیکراں کے چند قطرات ہی سمجھنا چاہئے۔

معجزات کی تعداد ۳۰۰۰ ہے:

اب رہ گئیں وہ آیات وبراہین جو قید وضبط میں حد ثبوت کو پہنچ چکی ہیں تو ان کی تعداد حافظ ابن حجرؒ نے ایک ہزار سے تین ہزار تک لکھی ہے (فتح الباری ص ۴۷۶ ج ۶)

یہ تعداد کچھ اتنی بڑی تو نہ تھی کہ اس کی ''نسبت'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم القدر رسول کی طرف ''مبالغہ آمیز'' سمجھی جاتی اگر ایک ہزار کا عدد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد نبوت ہی پر پھیلا جائے تو ہفتہ میں صرف ایک معجزہ اور اگر پوری عمر پر پھیلایا جائے تو ایک ماہ میں تقریباً ایک معجزہ کا اوسط آتا ہے اور اگر اس میں آپ کی ولادت سے قبل کے

عجائبات بھی شامل کر لئے جائیں تو یہ اوسط بھی مشکل سے آئیگا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے ذوق نہ رکھنے والے اصحاب پر یہ عدد بھی گراں ہے وہ چاہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں صرف آپ کے ''اخلاق وشمائل'' ہی کا ایک باب نظر آئے اور دوسرے عجائبات جو ہر نبی کی زندگی میں ثابت ہوتے ہیں وہ یہاں سے قلم زد کردیئے جائیں ورنہ کم از کم ان کو پھیکا ضرور کردیا جائے، انا اللہ۔

درحقیقت ''اصحاب دلائل'' نے آپ کے معجزات کی یہ تعداد صرف تکثیر معجزات کے شوق میں جمع نہیں کی بلکہ اس لئے جمع کی ہے کہ وہ حقیقتاً تھی ہی بہت، بلکہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو انہوں نے یہاں اس کے برعکس اور تقلیل کی سعی کی ہے، اگر وہ صرف عام شہرت پر اکتفا کر لیتے اور ''اسانید'' کی قید و بند اٹھا دیتے تو یہ باب آپ کو اس سے کئی حصے زیادہ پھیلا ہوا نظر آتا، مگر افسوس ہے کہ آج مذکورہ بالا عدد بھی ہماری نظروں میں کھٹکتا ہے اور ''خرق عادت'' کا ہوا سر پر اس طرح سوار ہے کہ مستند سے مستند معجزات میں بھی ہمارا قلم کتر بیونت کی مقراض لگائے بغیر نہیں رکتا، ممکن ہے کہ کسی کے دماغ پر یہاں وزن اس کا بھی ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا عدد قرآن پاک میں صرف نو ہی بتایا گیا ہے، اس لئے ہمارے علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا جو عدد لکھا ہے وہ صرف آپ کی ''خوش عقیدگی'' ہوگی حالانکہ سرے سے ان کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ مذکورہ بالا عدد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ''مجموعۂ معجزات'' کا عدد ہے، بلکہ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ عدد صرف ان خاص معجزات کا ہے جو خاص طور پر ان کو عطا ہوئے تھے، اس کے علاوہ جو دیگر معجزات ان سے ظاہر ہوئے ہیں، ان میں تمام کا عدد نہیں ہے، اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ معجزہ جو خاص طور پر آپ کو مرحمت ہوا وہ صرف ایک قرآن پاک ہے اور اسی لئے صحیح بخاری کی حدیث میں آپ نے اسی ایک معجزہ کو ذکر فرمایا ہے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے عدد سے ''گھبرانے'' سے قبل اگر یہاں محدثین کی ''اصطلاح'' کا تھوڑا سا لحاظ کر لیا جائے تو شاید اس گھبراہٹ میں کچھ تخفیف ہو سکتی ہے، اصل اصطلاح کے لحاظ سے معجزہ صرف ان خارق عادت امور کا نام ہے جو کسی نبی و

رسول کے ہاتھ پر اس کے دعوائے نبوت کی تصدیق کیلئے ظاہر ہوں، جو خوارق اس کے دعوائے نبوت سے قبل ظاہر ہوں، اصل اصطلاح میں وہ معجزہ نہیں "ارہاص" کہلاتے ہیں، اس کے بعد پھر آپ کے دیگر عام فضائل و کمالات پر بھی معجزہ کا اطلاق کر دیا گیا ہے اور ان علمی "توسعات" کی بنا پر معجزات کا باب اور زیادہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے یہ تمام "توسعات" کتب دلائل کے ادنیٰ ملاحظہ سے واضح ہو سکتے ہیں، بلکہ اس کے بعد بہت سے وہ اعتراضات جو صرف اس نکتہ کے فروگذاشت کرنے سے پیدا ہو گئے ہیں دفع ہو جاتے ہیں، مثلاً آپ کے فضائل کے بہت سے وہ واقعات جو معجزہ کے صرف اپنے دماغی معیار پر نہ اترنے سے پیدا ہو گئے ہیں اور اس لئے ان کو دنیوی معمولی واقعات کی فہرست میں داخل کر دیا گیا ہے وہ سب دفع ہو جاتے ہیں، اس کے ساتھ ہی یہاں جو مذکورہ بالا "توسع" حافظ ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے، اگر اس کا بھی لحاظ کر لیا جائے تو پھر معجزات کا نقشہ کچھ اور ہی بدل جاتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ تکثیر معجزات کے شوق میں صرف "متساہل مزاج" محدثین مبتلا نہیں ہیں، بلکہ "متشدد" سے متشدد مزاج بھی اس میں گرفتار ہیں، حافظ موصوف لکھتے ہیں:-

آیات نبوت کا ظہور صرف رسول کی زندگی کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے چہ جائے کہ اس کے دعوائے نبوت کے ساتھ خاص ہو یا "تحدی" اور مقابلے کے ساتھ خاص ہو جیسا کہ بعض علمائے کلام کا گمان ہے، بلکہ آیات نبوت اس کی زندگی میں، بلکہ اس کی ولادت سے قبل اور وفات کے بعد بھی ظاہر ہوتی ہیں (الجواب الصحیح ص ۲۴۹ ج ۴)

دوسری جگہ اور وسعت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی درخشاں علامات صداقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اور بعثت کے دوران میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی، بلکہ وفات کے بعد قیامت تک جاری ہیں۔ (الجواب الصحیح ج ۴ ص ۲۶۴)

اب اندازہ فرمائیے کہ اگر آیات نبوت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ معجزات بھی شمار کر لئے جائیں جو تا قیامت ہر زمانے میں ظاہر ہوتے رہیں گے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا عدد کیا ہوگا، عجیب بات ہے کہ یہاں شق صدر کو معجزات کی فہرست میں

شمار کرنے سے کی کا قلم بھی نہیں رکا، حالانکہ یہ واقعات ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور طفولیت میں بھی پیش آیا تھا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ ولادت کو سب ہی نے معجزانہ ولادت میں شمار کیا ہے، حالانکہ وہ بھی ولادت سے قبل کا واقعہ ہے، پھر اگر یہ کوئی معجزہ ہے تو حق جل شانہ کی قدرت کا معجز نما نمونہ ہے، یہاں ضرورت کیا تھی کہ اس کی تاویلات پر خامہ فرسائی کی جاتی؟ جس خدا نے کسی تاٴویل کے بغیر حضرت آدم علیہ السلام کو دونوں صنفوں کے بغیر صرف حرف ''کن'' سے پیدا فرمادیا تھا، اسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ایک صنف سے پیدا فرمادیا، اس کے باوجود اس کو ان عام معجزات کی فہرست میں شمار کرنا جو انبیاء علیہم السلام سے بظاہر خود صادر ہوئے ہیں کیا یہ اسی توسع پر مبنی نہیں جو حافظ موصوف نے سطور بالا میں تحریر فرمایا ہے؟

اسی طرح آپ کے مختون پیدائش کا شمار بھی ایک نادر خصوصیت کے ذیل میں آگیا ہے، بشرطیکہ یہ ثابت کردیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بھی ایسی ولادتیں ہوتی رہی ہیں، رہی آپ کے بعد مختون ولادت تو بعد کے دور میں اس کا ثبوت ملتا ہے، مگر آج بھی ایسے مولود کا لقب عام و خاص عرف میں ''رسولیہ ولادت'' مشہور ہے، اس ولادت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک پر قیاس کرنے کی گنجائش ہے، علماء نے لکھا ہے کہ آپ سے قبل عرب میں **محمد صلی اللہ علیہ وسلم** نام کسی نے نہیں رکھا تھا، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا زمانہ قریب آتا گیا تو چند لوگوں نے اس تمنا میں کہ اس نام کا مبارک اور اولوالعزم مولود ہمارے گھر میں پیدا ہو، اپنے بچوں کا یہ نام رکھنا شروع کردیا تھا، حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق دنیا میں سب سے پہلا نام ہونے کی شہادت تک خود قرآن پاک نے دی ہے۔ **لم نجعل له من قبل سميا۔**

اس قسم کے معجزات میں قلم کی شدت دکھانے سے کسی خاص حقیقت کا انکشاف نہیں ہوتا اور اگر اس کو عشق نبوت کا اثر بھی کہا جائے تو اسلامی نقطہ نظر سے اس کو عیب بھی نہیں سمجھا جاسکتا، اگر جابر بن سمرۃؓ صحابی نے (عشق نبوی میں ڈوب کر) حسب روایت ترمذی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چودھویں رات کے چاند سے زیادہ حسین کہہ دیا تو کسی نے ان

کی تکذیب نہیں کی بلکہ لاکھوں نہیں بیشمار قلوب کو ان پر ''غبطہ'' ہے کہ کاش عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تڑپ کا کوئی ذرہ ان کو بھی نصیب ہو جاتا، عالم میں محبت اور حقیقت کے بازار گو الگ الگ ہیں مگر کوئی میدان ایسا بھی ہے جہاں یہ دونوں دریا ایک جگہ جا کر مل جاتے ہیں، یہاں پہنچ کر ہی حقیقت کا کچھ سراغ لگتا ہے، اور جو اس حقیقت کا پیاسا ہو اس کو محبت کی موجوں میں کھیلنا ہی پڑتا ہے و من لم یذق لم یدر۔

ذوق ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی

حافظ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت اس کے درپے ہوئی ہے کہ جتنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات قرآن کریم سے مستفاد ہو سکتے ہیں، تلاش کر کے ان کا صحیح عدد لکھے تو انہوں نے ان کی تعداد دس ہزار سے متجاوز بیان کی ہے، جیسا کہ اپنے محل میں اس کی تفصیل موجود ہے:

یہ بیان ایسے ''متشدد مزاج حافظ حدیث'' کا ہے جس پر غلط جذبۂ محبت کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا اور وہ ہے بھی ایسی کتاب میں جو ''مولود خوانوں'' کی صرف گرمی محفل کے لئے نہیں لکھی گئی بلکہ نصاریٰ کی تردید کے لئے تالیف کی گئی تھی، اب اگر ان جیسے حضرات بھی کسی غلط فہمی کا شکار ہو سکتے ہیں تو ہم کو بھی اسی کا شکار ہونا چاہئے، بقول امام شافعیؒ۔

ان کان رفضا حب الٰ محمد — فلیشهد الثقلان انی رافض

معجزات کی تعداد سے گھبرانے والوں کی غلط فہمیاں:

یہاں یہ تنبیہ کر دینی بھی ضروری ہے کہ معجزات کی تعداد شمار پر حیرت کرنے والوں نے ایک طرف تو معجزات کا مفہوم ہی اپنے ذہنوں میں بہت محدود قرار دے لیا، ہے دوسری طرف اکثر ''اخبار غیب'' کو اس فہرست سے عمداً یا سہواً خارج سمجھ لیا ہے، مثلاً

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ ''غیوب'' میں تاریخ کے معمولی یا غیر معمولی واقعات کے سوا ایک بہت بڑا حصہ وہ ہے جس کو انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا جیسے پیدائش عالم کے حالات حضرت آدم علیہ السلام اور سجود ملائکہ کا واقعہ، ابلیس کی عداوت اور شجرہ ممنوعہ کے کھانے کے لئے وسوسہ اندازی اور اس میں کامیابی، حضرت

آدم علیہ السلام کا زمین پر نازل ہونا، نوح علیہ السلام کا ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو دعوت دینا اور ان کی بد دعا سے خارق عادت پانی کے طوفان سے ان کی قوم کا تباہ ہو جانا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آتش نمرود کا واقعہ، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا مفصل تذکرہ پھر فرشتوں کا مہمان کی صورت میں ان کے پاس آنا اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی ان کو بشارت دینا، پھر فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس جانا اور ان کی قوم کا ہلاک ہونا، حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کا واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام اور مصر میں ان کی ''اسارت'' اس کے بعد ''حکومت'' کی مفصل سرگذشت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے ساتھ معرکہ آرائیاں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی مناجات اور سرگوشیاں اور ان کے معجزات عصا، ید بیضاء، مینڈک، جوں، خون کا عذاب، دریائے نیل کا دو ٹکڑے ہو جانا، فرعون کا غرق ہونا اور بنی اسرائیل کا صحیح و سالم پار لگ جانا، بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ فگن رہنا اور ان کے لئے ''من و سلویٰ'' کا نازل ہونا، ان کے پانی کے انتظام کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک پتھر پر اپنا عصا مارنا اور اس سے بارہ چشموں کا پھوٹ نکلنا، بنی اسرائیل کا گوسالہ پرستی کرنا اور ان کی توبہ قبول ہونے کے لئے بعض کا بعض کو قتل کرنا، ایک قاتل کی سراغ رسانی کے لئے گائے کے ذبح کا حکم ملنا اور اس کے گوشت کا میت کی لاش کے ساتھ لگا دینا اور قاتل کا سراغ لگ جانا، ایک بڑی جماعت کا موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل پڑنا اور سب پر موت واقع ہو جانا اور پھر ان کا جی اٹھنا، ایک شخص پر سو سال تک موت کا طاری رہنا پھر اس کا زندہ ہونا، حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کے فرزند یحییٰ علیہ السلام کا تذکرہ اور اس کے سواء بنی اسرائیل کے دوسرے واقعات و حالات کا مفصل تذکرہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے معجزات اور اپنی قوم کے لئے ان کا دعا کرنا، ان کا ''بجسدہ العنصری'' زندہ آسمانوں پر اٹھایا جانا اور آخر زمانہ میں نازل ہونا اور ان کی حیات طیبہ کے دوسرے مفصل حالات، اس کے علاوہ اصحاب کہف، ذوالقرنین اور دوسرے صالحین اور نیک لوگوں کے تذکرے وغیرہ وغیرہ پھر ان سب کا ایسے ماحول میں بیان کرنا، جہاں ان واقعات کا عالم کوئی نہ تھا، خود ''امی'' تھے اور

ساری قوم بھی امی تھی، مزید براں یہ کہ سب جانی دشمن، اس لئے اگر خفیہ طور پر ان معلومات کو حاصل فرماتے تو اس کا کوئی امکان نہ تھا کہ یہ راز مخفی رہ سکتا، چنانچہ قرآن کریم نے متعدد سورتوں میں اسی معقول بات کی طرف توجہ دلائی ہے، سورۂ یوسف کے آخر میں اشارہ ہے:

ذلک من انباء الغیب نوحیه الیک و ما کنت لدیهم اذ جمعوا امرهم و هم یمکرون.

یہ بعض غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھے، جبکہ انہوں نے اپنا ارادہ پختہ کیا اور وہ تدبیریں کر رہے تھے۔

سورۂ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کی پوری تفصیلات بیان فرما کر ارشاد ہوا:

تلک من انبآء الغیب نوحیها الیک ما کنت تعلمها انت ولا قومک من قبل هذا فاصبر ان العاقبة للمتقین۔

یہ قصہ من جملہ اخبار غیب کے ہے، جس کو ہم وحی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاتے ہیں، اس کو اس سے قبل نہ آپ جانتے تھے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم، سو صبر کیجئے، یقیناً نیک انجام متقیوں ہی کے لئے ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی سرگذشت کا ذکر فرما کر ارشاد ہے:

ذلک من انبآء الغیب نوحیه الیک و ما کنت لدیهم اذ یلقون اقلامهم ایهم یکفل مریم وما کنت لدیهم اذ یختصمون .

یہ قصے منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جن کی وحی ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجتے ہیں اور آپ ان لوگوں کے پاس نہ تو اس وقت موجود تھے، جب وہ اپنے قلم ڈالنے لگے کہ کون مریم علیہا السلام کی کفالت کرے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منصب نبوت سے سرفرازی کا واقعہ ذکر فرما کر ارشاد ہوا:

وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الی موسیٰ الامر وما کنت من الشاهدین.

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغربی جانب میں موجود نہ تھے، جبکہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھنے والوں میں سے نہیں تھے۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ آیات بالا کے نزول کے بعد تاریخ سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ ''آیات بالا کے سننے کے بعد کسی نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ ہم ان واقعات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جانتے چلے آئے ہیں'' یا فلاں شخص نے آپ کو ان کی تعلیم دی ہے'' ظاہر ہے کہ اس قسم کے خفیہ راز مدت دراز تک پوشیدہ نہیں رہا کرتے اور بالفرض اگر وہ عام لوگوں پر پوشیدہ رہیں بھی تو آپ کے خاص اصحاب سے تو اس راز کا پوشیدہ رہنا ناممکن تھا، لیکن یہاں تو جو جتنا زیادہ خاص تھا وہ آپ کی تصدیق میں اتنا ہی زیادہ پیش پیش تھا، بھلا یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ اگر العیاذ باللہ وہ آپ کو کاذب جانتے تو وہ آپ کی خاطر اپنا دین ترک کردیتے، اہل وطن اور قوم کے طعنے سہتے اور اپنی ساری عیش وعشرت کو خاک میں ملا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فداکاروں میں داخل ہو جاتے، بیشک کسی کسی نے آپ پر دوسروں سے تعلیم حاصل کرنے کی تہمت لگائی ہے مگر اس کی حیثیت صرف ایسی ہی ہے جیسا کہ آپ پر مجنون وساحر کے افتراء کی ہے، قرآن کریم نے ان سب کی مفصل تردید کردی ہے۔

(۲) وہ معجزات جو اشراط ساعت کی خبروں کے متعلق ہیں، ان میں علی الخصوص امام مہدی کے ظہور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور دجال اکبر کے مفصل حالات، ان میں سے ہر ایک واقعہ بیسیوں پیشگوئیوں پر مشتمل ہے، اور ان میں سے امام مہدی کی حدیثوں کے علاوہ اکثر صحیحین میں موجود ہیں، اور امام مہدی کی حدیثیں بھی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں۔

(۳) وہ پیشگوئیاں جو ''عالم غائبات'' سے متعلق ہیں، مثلاً جنت دوزخ، حشر ونشر اور حساب وکتاب وغیرہ، اسی طرح وہ تمام غائبات جو ''عالم برزخ'' سے متعلق ہیں وہ سب غیوب ہیں جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی ہے، اور کم از کم ایک مسلمان کے لئے تو واجب التسلیم ہیں اور پہلے دو نمبر تو ایسے ہیں جو ساری دنیا کے لئے بھی معجزہ ہیں اہل کتاب نے آکر بھی کچھ سوالات ایسے کئے ہیں جن کا تعلق قصص ماضیہ سے اور بعض بعض کا ''حشر ونشر'' کی کیفیات سے تھا اور ان کا جواب سن کر وہ لاجواب ہو گئے ہیں اور بعض اسلام بھی قبول کر چکے ہیں۔

(۴) معراج کا ایک واقعہ ہی خود بہت سے معجزات پر مشتمل ہے، جیسا کہ اصحاب سیر پر مخفی نہیں ہے، لیکن اس کو بھی بمشکل ایک معجزہ تسلیم کیا گیا ہے، کاش کہ اس کی تفصیلات کو پھیلایا جاتا اور بتایا جاتا کہ یہ ایک معجزہ ہی کتنے کتنے عظیم معجزات پر مشتمل تھا، یہ تو وہ معجزات ہیں جن میں سے اکثر کو اصولاً نظر انداز کر دیا گیا ہے، حالانکہ ان میں سے نمبر اول کے معجزات تو تمام قرآن کریم کے بیان کردہ ہیں، عام محدثین نے ان ابواب کے لئے علیحدہ علیحدہ عنوانات بھی قائم کر دیئے ہیں، پھر جب خاص خاص موضوعات پر تصانیف کا دور آیا تو بہت سے محدثین نے معجزت کا باب اپنے اپنے مذاق کے مطابق مستقل طور پر بھی قائم کیا ہے، کتب ستہ کا اہم موضوع چونکہ ابواب احکام تھے، اس لئے ان میں اس موضوع کے استیعاب کا ارادہ نہیں کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ امام بخاری جیسے شخص نے ''علامات نبوت'' کا باب رکھا ہے، مگر اس میں صرف چند ایک معجزات ہی کے ذکر کرنے پر کفایت کر لی ہے، حالانکہ ان ہی کی کتاب میں بیسیوں معجزات اور موجود ہیں جو دوسرے ابواب کے ضمن میں پھیلے پڑے ہیں، لہذا کتب ستہ میں بہت سے صحیح معجزات کا تذکرہ نہ دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھنا کہ وہ ان کے نزدیک ثابت شدہ نہیں ہیں، بڑی غلط فہمی ہے، ان کے علاوہ بہت سے جزئی معجزات اور بھی ہیں جن کی طرف نظریں نہیں گئیں، یا ان کو مصلحتاً نظر انداز کر دیا ہے، ہم نے ان سب کو نمونۃً معجزات میں ذکر کیا ہے، کیونکہ ہمارے نزدیک یہ سب خارق عادت اور معجزات کی تعریف میں داخل ہیں، اب سوچئے کہ اگر اس سارے ذخیرہ کو بھی آپ کے ''اخبار غیب'' کے معجزات میں شمار کر لیا جائے تو پھر معجزات کی تعداد میں کتنا عظیم الشان اضافہ اور ہو جائے گا، ہم ہرگز اس کے درپے نہیں ہیں، کہ آپ کے معجزات کی فہرست خواہ مخواہ بڑھا دیں، صرف شکوہ ان کا ہے جنہوں نے آپ کے معجزات کے استقصاء کا دعویٰ کر کے پھر چند اوراق میں ان کو محصور کرنے کی خواہ مخواہ سعی کی ہے۔

معجزات کو کم کر کے دکھلانے کی کوشش

ناقابل تحسین کوشش:

اس میں شبہ نہیں کہ موضوع روایات ملا ملا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی کثرت کا دعویٰ کرنا کوئی مستحسن عمل نہیں، بلکہ ''مستند معجزات'' کو مشتبہ بنا دینے کے مرادف ہے، لیکن مستند معجزات کو گرا کر تقلیل معجزات کی سعی کرنی بھی کوئی مقبول عمل نہیں ہے، بلکہ یہ بھی صحیح معجزات کو مشتبہ بنانے کا ایک نیا طریقہ ہے، یہاں پوری علمی جرأت کے ساتھ پوری ''اُمتیانہ'' غیرت بھی درکار ہے، یہ کتنا مکروہ عمل ہے کہ تقلیل معجزات کی بنیاد زیادہ گہری قائم کرنے کے لئے سب سے پہلے اس کی حقیقت کو کھوکھلا کر دیا جائے حتیٰ کہ معجزہ کا اضافی ہونا تسلیم کر کے لکھ دیا جائے کہ ''علمی ترقی کے بعد کسی زمانے میں چل کر مادی قواعد کے تحت ہر معجزہ کی توجیہ کرنی بھی ممکن ہے''، پھر کسی معجزہ کی مجموعی صورت کی ''تحلیل'' کر کر کے یہ کوشش کی جائے کہ قدرت کے ان قاہرانہ نشانات میں کوئی ایک بھی ایسا نہ بچ سکے جو دنیا کے روزمرہ کے حوادث کی صف میں شامل نہ کیا جا سکے یا کم از کم ان کی قریبی صف میں جگہ نہ پا سکے اور اس طرح قدرت کے ان بلاواسطہ قاہرانہ مظاہر کو بھی زبردستی مادی قوانین کے تحت داخل کر دیا جائے اور معجزات کی عمیق حقیقت صرف نام کا ایک ڈھونگ بن کر رہ جائے اس کے بعد معجزات کی معنوی قسم پر اتنا زور صرف کر دیا جائے کہ حسی معجزات کا نام صرف ظاہری اور سطحی رکھ کر خواص کی نظروں میں بھی ان کو گرا دیا جائے بلکہ یہاں تک بھی لکھ مارا جائے کہ ''قرآن کی نظر میں ان کی کوئی حیثیت ہی

نہیں ہے" پھر ان ناقص بحثوں کو اس انداز میں پھیلایا جائے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت میں جو حصہ کہ "حسی معجزات" کا ہے اگر چہ وہ مستند ہو مگر اس کی وقعت نظروں سے خود بخود گر جائے، اس کے بعد ان کا کچھ حصہ تو اسنادی بحثوں کی لپیٹ میں لے لیا جائے اور جو حصہ بچا کھچا رہ جائے اس کو بڑی آسانی سے من مانی تاویلات کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔

طریقۂ واردات:

پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ اس کو اور ضابطہ شکل دینے کے لئے طرح طرح کی صورتیں اختیار کی جائیں، مثلاً:-

(۱) معجزات کی صحت کے لئے وہ معیار مقرر کرنا جو صحیحین کی حدیثوں کا ہے اور جو اس معیار پر ثابت نہ ہوں ان میں سے اکثر پر جمہور محدثین کے خلاف غیر معتبر ہونے کا حکم لگا دینا۔

(۲) علمائے رجال میں سے صرف ان کی رائے کو ترجیح دینا جنہوں نے اس کے راوی پر جرح کی ہے اور دوسروں کی رائے کو بالکل نظر انداز کر دینا۔

(۳) معجزات کی روایات میں سے صرف اسی ایک پہلو کو نمایاں کرنا جس میں اعجاز کی کوئی بات نظر نہ آئے اور اس کے دوسرے پہلو کو جس میں کھلا ہوا اعجاز موجود ہو نظر انداز کر دینا۔

(۴) ایک ہی نوع کا معجزہ اگر متعدد روایات میں مذکور ہو تو کسی دلیل کے بغیر ان سب کو ایک ہی واقعہ قرار دینا حالانکہ جب ایک نوع کے متعدد افراد بھی مسلمہ طور پر ثابت ہیں تو کسی دلیل کے بغیر دوسرے مقامات میں جزم کے ساتھ یہ حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے کہ "یہ معجزہ آپ سے متعدد بار ظہور پذیر نہیں ہوا"، یہی وجہ ہے کہ جب تک اس کا ثبوت نہیں ملتا، حافظ ابن حجرؒ جیسے شخص ایک ہی نوع کے چند معجزات پر یہ حکم نہیں لگاتے کہ یہ سب واقعات درحقیقت ایک ہی واقعہ ہیں، لیکن جو لوگ تقلیل معجزات کے درپے ہیں وہ اس حافظ الدنیا کے متعلق بھی اپنی رائے یہ ظاہر کرتے ہیں:-

"چار موقعوں کو (یعنی شق صدر کے) حافظ ابن حجرؒ نے جو ہر اختلاف روایت کو ایک نیا واقعہ تسلیم کر کے مختلف روایتوں میں توفیق و تطبیق کی کوشش کرتے ہیں تسلیم کیا ہے، لیکن یہ بات ہر شخص کو کھٹک سکتی ہے کہ سینہ مبارک کا آلودگیوں سے پاک وصاف ہو کر منور ہو جانا ایک ہی دفعہ میں ہو سکتا ہے، پھر دوبارہ پاکی و طہارت کا محتاج نہیں ہو سکتا"۔

لیکن اگر شق صدر روایات سے متعدد بار ثابت ہوتا ہے تو ہمارے نزدیک یہ صرف عقلی بات اسی وقت دل میں کھٹک سکتی ہے جبکہ دنیا میں خدا تعالیٰ کے عام ''قانون تدریج'' سے قطع نظر کرلی جائے، یوں کھٹکنے والوں کے دلوں میں تو یہ بات اس سے پہلے کھٹکے گی کہ جب یہ ممکن تھا کہ آلودگی کا یہ حصہ جو شق صدر کے بعد آپ کے صدر مبارک سے علیحدہ کیا گیا اگر وہ شروع سے پیدا ہی نہ کیا جاتا تو پھر اس شق صدر کی ایک بار بھی ضرورت کیا تھی۔

غالباً کچھ اسی ذوق یکتائی کی بناء پر یہاں شق صدر کو بھی صرف ایک ہی بار تسلیم کیا گیا ہے، حالانکہ دوسرا واقعہ آپ کی طفولیت کا صحیح مسلم سے ثابت ہے، مگر جب کسی بات کا انکار کرنا ہی ٹھہر گیا ہو تو پھر اس کے لئے راستہ نکال لینا بھی کیا مشکل ہے، حیرت ہے کہ یہاں شق صدر کے اس واقعہ کا بھی انکار کردیا گیا ہے جس کو جمہور محدثین نے صحیح مسلم وغیرہ کی بنیاد پر تسلیم کرلیا ہے، اور جس میں بعض محدثین سے کچھ تردد منقول ہے، اسی کو ترجیح دینے کی سعی کی گئی ہے، پس اگر معراج کے واقعہ کو ان بعض محدثین کے تردد ...... کی وجہ سے مشکوک سمجھ لیا جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد طفولیت کا واقعہ بھی صحیح مسلم سے ثابت ہے، آپ کی تحقیقات کی بنا پر مشکوک سمجھ لیا جائے تو پھر شق صدر کا ایک واقعہ بھی باقی نہیں رہتا، جو بلا تردد متفقہ طور پر قابل تسلیم ہوسکے اور اس طرح آپ کا یہ ظاہر و باہر معجزہ ہی معدوم کردیا جائے۔

یہاں کچھ اسی پر اکتفا نہیں کی گئی، بلکہ مزید براں شق صدر کو صرف ایک روحانی واقعہ بنانے کی بھی سعی کی گئی ہے، اس لئے اس کا عنوان ''شق صدر'' کی بجائے ''شرح صدر'' بدل دیا گیا ہے جس کا دوسرے لفظوں میں نام ''علم لدنی'' رکھ دیا گیا ہے، پھر اس علم لدنی کو سب انبیاء علیہم السلام میں مشترک انعام بتلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ممتاز صفت سے انکار کی یہ آخری سعی بھی کرلی گئی ہے، اس کا نام ''شق صدر'' کی تحقیق نہیں بلکہ ایک ثابت شدہ حدیثی اور تاریخی واقعہ کی تحریف ہے، جیسا کہ تاویلات معجزات کی بحث میں اس کی تفصیل ابھی آپ کے ملاحظہ سے گزرنے والی ہے۔

(۵) بعض معجزات کی چھانٹ چھانٹ کرکے وہی روایات نقل کرنا جو اس باب میں سب سے زیادہ ''اسنادی'' لحاظ سے ساقط ہوں اور جن کو محدثین نے معتبر قرار دیا ہے ان کی طرف اشارہ تک نہ کرنا اور اس طرح گویا واقعہ کی اصلیت ہی کا انکار ذہن نشین کرانا۔

(۶) بعض محدثین نے کسی مضمون کو موضوع کہدیا ہے ایسے مقام پر صرف ''وضع'' کا حکم نقل کر دینا اور جن محدثین نے تلاش کر کے اس کو دوسری قابل اعتماد سند سے ثابت کیا ہے اس کا ''اخفاء'' کرنا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ''فضلات'' پر امام بیہقی نے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے، حالانکہ دار قطنی کے ''افراد'' میں اس کی ایک قابل اعتبار اسناد بھی موجود تھی۔

(۷) فضائل و معجزات کے باب میں جمہور محدثین کے خلاف اعتبار وہ وہی معیار مقرر کرنا جو عقائد واحکام کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

یہ اچھی طرح واضح رہنا چاہئے کہ اگر بالفرض کچھ ''تسامح'' کر کے آپ کے معجزات میں تکثیر کی سعی کرنی محدثین کا کوئی جرم ہے تو پھر بھی یہ جرم اتنا خطرناک جرم نہیں ہے، جتنا کے دلائل نبوت پر تنقید کی مقراض لگا کر اس میں تقلیل کی سعی کرنا خطرناک ہے، یہاں صرف ایک ہی جانب کو یہ سمجھ لینا کہ ہم نے کوئی احتیاط کا قدم اٹھایا ہے، یکطرفہ نظر ہے، حیرت ہے کہ ''ابوطالب کی جاں نثاری کا دم بھرنے والے'' دلائل نبوت کے باب میں اس قدر سرد کیوں نظر آتے ہیں۔

نامبارک کوشش کے نتائج وعواقب:

دنیا اور تاریخ دنیا کا یہ ایک بدیہی طریقہ ہے کہ جب وہ کسی غائب شخصیت کے جاہ و حشم کا سکہ قلوب پر جمانا چاہتی ہے تو وہ اس کے کارناموں اور صفات جمیلہ ہی کا ذکر کر کر کے جماتی ہے، اب اگر دیگر ادیان سماویہ کے متبعین کے سامنے ''نبی امی'' کا کوئی معظم اور موقر نقشہ لایا جا سکتا ہے تو وہ آپ کے یہی معجزات ہیں، لہذا یہاں ثابت شدہ معجزات کے حذف و تقلیل وتاویل کا نتیجہ یہ نکلنا ممکن ہے کہ دیگر مذاہب کے متبعین کے سامنے آپ کی غیر معمولی شخصیت کہیں معمولی نظر نہ آنے لگے، ظاہر ہے کہ اس وقت خود آپ بنفس نفیس دنیا کے سامنے تشریف فرما نہیں ہیں، اب ایک طرف ہمارے سامنے یہود موجود ہیں اور دوسری طرف نصاریٰ جن کو عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق خاتم الانبیاء ہونے کا گمان ہے اور جن کے معجزات کلام اللہ میں بصراحت موجود ہیں، اب اگر اس رسول امی کے معجزات کو بے وجہ زیادہ پھیکا کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا جو انجام بد نکل سکتا ہے اس کی طرف بھی ہماری نظریں کچھ نہ کچھ رہنی چاہئیں۔

تاویلِ معجزات

ولادت کے وقت کے معجزات میں تاویل:

انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسے باب میں آ کر جس کا عنوان ہی معجزات ہو ان عجائبات کی کوئی تاویل بھی نہ کی جاتی جو کسی رسول کی سیرت میں ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ جب اس قسم کے بلند روحانی انسانوں میں اس قسم کے عجائبات ہونا مسلمات میں سے ہو تو اب اگر کہیں ان کا ادنیٰ سا ثبوت بھی ملتا ہے تو وہ کافی ہونا چاہئے، اسکو سخت سے سخت ''سوہان'' لگانا اور اس کو جھوٹ وافتراء قرار دینے پر اتر آنا نہ یہ علم کی بات ہے، نہ عقل کی، پھر اگر ان کی تاویل کرنی ناگزیر ہی ہے تو کم از کم وہ ایسی تو ہونی چاہئے کہ سو فیصدی نہ سہی پچاس فیصدی تو ان الفاظ کا مصداق باقی رہ جائے، ان کی ایسی تاویلات کر ڈالنا جس کے بعد ان الفاظ کا کوئی مصداق باقی نہ رہے اس کا نام ''تاویل'' نہیں، انکار بھی نہیں بلکہ ''تحریف'' ہے، مثلاً جن روایات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت کچھ عجائبات کا ثبوت ملتا ہے جیسے حضرت آمنہ کا دیکھنا کہ ان سے ایک نور جدا ہوا یا مثلاً اس شب میں کسریٰ کے محل کے کنگروں کا گر جانا، یا آتشکدۂ فارس کا گل ہو جانا اس کے متعلق یہ تاویل کہ:

''اگلے واعظوں اور میلاد خوانوں اس واقعہ کو شاعرانہ انداز میں اس طرح ادا کیا کہ آمنہ کا کاشانہ نور سے معمور ہو گیا، بعد کے واعظوں اور میلاد خوانوں نے اس شاعرانہ انداز بیان کو واقعہ سمجھ لیا اور روایت تیار ہو گئی''۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں یا بعد کو جو اہم واقعات ہونے والے تھے، مثلاً بت پرستی کا استیصال، قیصر وکسریٰ کی سلطنتوں کا فنا ہو جانا، ایران کی آتش پرستی

کا خاتمہ، ان واقعات کو معجزہ اس طرح بنایا گیا کہ جب آپ کی ولادت ہوئی تو کعبہ کے تمام بت سرنگوں ہو گئے، قیصر و کسریٰ کے کنگرے ہل گئے، آتشکدہ فارس بجھ کے رہ گیا وغیرہ۔

اب اس سے اندازہ فرمایئے کہ آپ کی ولادت کے کچھ عجائبات تو صرف شاعرانہ انداز کی نذر ہو گئے اور کچھ وہ تھے جو مستقبل میں ہونے والے تھے، تو فرمایئے کہ جن عجائبات کا ہر ممتاز شخصیت کی ولادت پر ثابت ہونا مسلمات میں سے رہا ہے، اس سرتاج عالم کی ولادت میں ان میں سے کونسا واقعہ تھا جو رونما ہوا؟ کیا بالفاظ دیگر اس کا حاصل صاف انکار کرنا ہی نہیں؟ یہاں طفل تسلی کے لئے یہ کہہ دینا کہ وہ واقعات یہاں بھی ضرور ظہور پذیر ہوئے ہوں گے، مگر ان کا ثبوت ہمارے پاس کچھ نہیں، یہ کتنا مضحکہ خیز ہے، مخالفین کے نزدیک اس کی حیثیت صرف ایک خوش عقیدگی کے سوا اور کیا ہے اور جب وہ میلاد خوانوں کی من گھڑت ہی ٹھہری تو پھر مسلمانوں کے لئے بھی ان میں جاذبیت کیا ہے۔ یہ کتنا ظلم ہے کہ اس قسم کی خلاف واقع باتوں سے اس عالم کے سردار کی ولادت کو ان تمام عجائبات سے خالی کر کے دکھایا جائے جو روحانی رہنما تو درکنار معمولی افراد کی ولادتوں پر مسلم طور پر ثابت ہوتے ہیں، پھر کیا کسی میں یہ ہمت ہے کہ وہ کسی کی سیرت میں ان عجائبات کا ثبوت اس سے زیادہ مستحکم طور پر پیش کر سکے، جو رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے لئے موجود ہیں۔

''شق صدر'' میں تاویل:

یا مثلاً ''شق صدر'' یوں تو وہ متعدد مرتبہ ثابت ہے، لیکن دو مرتبہ صحیحین میں بھی مذکور ہے اور جمہور محدثین کا یہی مختار ہے، اس کے متعلق یہ تحریر کرنا:-

''بعض محدثین اس کو ایک ہی واقعہ سمجھتے ہیں، یعنی وہ صغر سنی میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حلیمہؓ کے ہاں پرورش پا رہے تھے اور معراج کے موقع پر شق صدر کے واقعہ کو راویوں کا سہو جانتے ہیں''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور طفولیت کی روایت کو اس کے صحیح مسلم میں موجود ہونے کے باوجود اپنی رائے سے مجروح قرار دے ڈالنا اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے شق صدر کے دو واقعات کو جو صحیحین سے ثابت ہیں پہلے تو ایک واقعہ قرار دیا جائے اور وہ بھی اس

طریق سے کہ معراج کے واقعہ کو تو بعض محدثین کے اختلاف سے کمزور بنادیا جائے اور دور طفولیت کے واقعہ کو خود مجروح کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ یہاں جو ایک واقعہ بچ رہے وہ بھی زیر بحث آجانے کی وجہ سے مشکوک بن جائے اور اس کے بعد یہ لکھا جائے کہ:-

''ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے، جس کے معنی سینہ کھول دینے کے ہیں اور کلام عرب میں اس سے مقصود بات کا سمجھا دینا اور اس کی حقیقت کا واضح کردینا ہوتا ہے، قرآن مجید اور احادیث میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے.......... رب اشرح لی صدری .... انبیاء علیہم السلام جو کچھ جانتے ہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں اس کا مأخذ تعلیم الٰہی، القائے ربانی اور فہم ملکوتی ہوتا ہے، اسی کا نام ''علم لدنی'' ہے۔ جس کا ثبوت سب انبیاء علیہم السلام میں ملتا ہے،'' چونکہ معراج ہجرت کا اعلان اور اسلام کے مستقبل کا عنوان تھا جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کی طاقت عطا کی جانے والی تھی، اس لئے شرح صدر کے عطیہ کے لئے یہی مناسب موقعہ تھا''۔

اس مضمون کو اتنے پیچ دار طریقے سے پھیلایا گیا ہے کہ جس سے صحیح مفہوم اخذ ہونا ہی مشکل ہو جاتا ہے، مگر اس تمام رام کہانی سے جو نقش آخر میں ذہن میں قائم ہو کر رہ جاتا ہے وہ یہی ہے جو ان سطور میں آپ کے سامنے موجود ہے۔

اب غور فرمایئے کہ اس تاویل کے سیدھا کرنے کے لئے پہلے کس طرح متعدد واقعات کو صرف ایک واقعہ ثابت کرنے کی سعی کی گئی، پھر اس کو روحانی معاملہ ذہن نشین کرنے کے لئے یہ طرح ڈالی گئی ہے:-

''صحیح مسلم کی اس روایت میں ایسے معنوی وجوہ بھی ہیں جن کی تائید کسی دوسرے ذریعے سے نہیں ہوتی، مثلاً یہ کہ شق صدر کی یہ کیفیت کس عمر میں بھی ہوا مگر بہرحال اس کا تعلق روحانی عالم سے تھا.......... بااین ہمہ اس روایت میں حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ کے سینہ پر زخم کے ٹانکے کے نشان مجھ کو نظر آتے تھے.......... علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشمائل کا ایک ایک حرف جسم اطہر کے ایک ایک خط وخال کی کیفیت صحابہؓ نے بیان کی ہے، مگر کسی نے سینۂ مبارک کے ان نمایاں ٹانکوں کا نام تک نہیں لیا، ایسی حالت

میں واقعہ کی یہ صورت کیوں کر تسلیم ہو سکتی ہے''۔

صحیح مسلم کی اس روایت سے ایک طرف تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور طفولیت میں بھی شق صدر کا ثبوت ملتا ہے، دوسری طرف اس واقعہ کا جسمانی ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، لیکن چونکہ مقصد اس کا انکار کرنا ہے اس لئے پہلے تو کسی دلیل کے بغیر یہ تسلیم کر لیا گیا کہ اس واقعہ کا تعلق روحانی عالم سے تھا مگر یہاں ایک تو شق صدر کا لفظ ہی اسکے خلاف نظر آتا تھا، دوسرے حضرت انسؓ کا اپنا عینی مشاہدہ اس کی تردید کے لئے کافی تھا، اس لئے حضرت انسؓ کے اس عینی مشاہدہ کو تو اس طرح رد کر دیا گیا کہ ''اس واقعہ کو اور صحابہ نقل نہیں کرتے'' حالانکہ جسم کا جو حصہ اکثر اوقات ملبوس رہتا ہے اور عام مجمع میں اس کے کھولنے کی نوبت شاذ و نادر ہی آتی ہے، اس کا مشاہدہ کرنے والا حضرت انسؓ جیسا طویل الصحبت کوئی بے تکلف خادم ہی ہوسکتا ہے، اس کے علاوہ اس وقت اس کے ہمہ وقت مشاہدہ میں نہ آنے کی وجہ سے اگر اس کے بیان کا عام اہتمام نہ ہوا تو کیا اس شخص کے عینی مشاہدہ کا انکار کر دینا معقول ہوگا، جو دس سال کی خدمت میں اپنا بارہا کا مشاہدہ بیان کرتا ہے، بالخصوص جبکہ اس کا یہ مشاہدہ صحیح مسلم میں صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے، اس کا حاصل بھی وہی ''معتزلہ کی تائید'' نکلتی ہے کہ کسی حدیث کی صحت کے لئے اس کا متعدد طریقوں سے مروی ہونا بھی لازم ہے'' پھر اس بناء پر آپ کی جو جو صفات صرف ایک صحابیؓ سے ثابت ہیں ان سب ہی کا انکار کرنا لازم ہوگا، اس مقام پر یہ غور کرنا ضروری ہے کہ اگر یہاں حضرت انسؓ کے مساعد کوئی شہادت نہیں ہے تو کیا ان کے اس صریح اور واضح بیان کے مخالف کوئی شہادت اس کی تردید یا تشکیک کی موجود ہے؟ اگر جواب نفی میں ہو تو فرمائیے کہ یہاں ایک عینی مشاہدہ کی تکذیب کی ہمت پھر کیسے کی جائے؟

اب رہا شق صدر کا لفظ تو اس کے روحانی معاملہ بنانے کے لئے یہ بنیاد قائم کی گئی، ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے، حالانکہ صحیح حدیثوں میں شق کا لفظ ہی موجود ہے، اور پھر شرح صدر کا لفظ بہت آسانی کے ساتھ علم لدنی پر حمل کر کے اس کا نکتہ بھی تراش لیا گیا، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور طفولیت میں شق صدر تو صحت ہی کو نہ پہنچا اور جو شب معراج میں پیش آیا وہ ایک روحانی انعام ٹھہرا، اب انصاف فرمائیے کہ اگر ساری شریعت پر غور کرنے کا

ڈھنگ یہی پڑ جائے تو دین کی صورت کیا سے کیا بن جائے گی؟ پھر اس تاویل میں حضرت شاہ ولی اللہ کو زبردستی اپنا شریک ٹھہرالینا اور بھی زیادہ تعجب خیز ہے، جیسا کہ یہ لکھنا کہ:

''علمائے ظاہر بیں اس واقعہ کے ظاہر الفاظ کے جو عام اور سیدھے سادھے معنی سمجھتے ہیں کہ واقعی سینۂ مبارک چاک کیا گیا اور قلب اقدس کو اسی آب زمزم سے دھو کر ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا، اس کو ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے، لیکن صوفیائے حقیقت بیں اور عرفائے رمز شناس ان الفاظ کے کچھ اور ہی معنی سمجھتے ہیں اور ان تمام غیر متحمل الالفاظ معنی کو تمثیل کے رنگ میں دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم برزخ کے حقائق ہیں جہاں روحانی کیفیات جسمانی اشکال میں اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح حالت خواب میں تمثیلی واقعات جسمانی رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں اور جہاں معنی اجسام کی صورت میں متمثل ہوتے ہی، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:-

لیکن سینہ کا چاک کرنا اور اس کو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت انوار ملکہ کا روح پر غالب ہو جانا اور طبیعت (بشری) کے شعلہ کا بجھ جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہوتا ہے اس کے قبول کے لئے طبیعت کا آمادہ ہو جانا ہے (ج ۲ص ۱۵۴)

ان کے نزدیک معراج بھی اسی عالم کی چیز تھی، اس لئے شق صدر بھی اسی دنیا کا واقعہ ہوگا۔

لیکن اس کو کیا کیجئے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اسی حجۃ اللہ کے معجزات کے باب میں آپ کے صدر مبارک میں ٹانکوں کے نشانات کا نظر آنا خود ہی بتصریح بیان کرتے ہیں، پھر اسی کتاب میں ان کے نزدیک معراج اور معراج کے تمام واقعات کا آپ کے جسم پر پیش آنا صاف صاف الفاظ میں موجود ہے:

آپ کو معراج میں مسجد اقصیٰ لے جایا گیا، پھر سدرۃ المنتہیٰ اور اس کے بعد جہاں تک خدا نے چاہا اور یہ تمام سیر آپ کے جسم مبارک کے لئے تھی اور بیداری کی حالت میں تھی، لیکن اس مقام میں جو عالم مثال اور عالم ظاہر کے بیچ میں ہے اس لئے جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے اور روح پر معاملات روحانی جسم کی صورت میں نمایاں ہوئے اور اسی لئے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک تعبیر ظاہر ہوئی۔

عجیب بات ہے کہ تاویل کرنے والے حضرات شاہ صاحبؒ کی یہ عبارت خود معراج کے باب میں لکھتے ہیں تو وہاں اس کو اس طرح نقل کرتے ہیں، گویا وہ خود اس کے قائل نہیں ہیں:

''ہم نے ارباب حال اور محدثین کے یہ انکشافات وحقائق اور جسم وروح کے یہ گوناگوں احوال ومناظر خود ان ہی کی زبانوں سے بتائے اور دکھائے ہیں ورنہ ہم خود اس باب میں سلف صالح کا عقیدہ رکھتے ہیں''۔

لیکن جب وہی شق صدر کے باب میں تفصیلی بحث کرنے پر آتے ہیں تو بقول خود حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ہم خیال بن کر ''علماء محدثین'' کی نظروں کو سطحی قرار دیتے ہیں، جیسا کہ پہلی عبارت سے ظاہر ہے۔

ہم یہاں سب سے پہلے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس باب میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کا خیال بھی ٹھیک وہی ہے جو سلف صالحین کا خیال ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک بلند پایہ محدث ہو کر حدیثی باب میں وہ سلف سے علیحدہ ہو سکتے جب وہ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ سب واقعات آپ کے جسم اور بیداری کے ہیں تو اب صرف چند اصطلاحات کی بناء پر ان کو سلف سے علیحدہ کیسے سمجھا جا سکتا ہے، عالم مثال کے باب میں شاہ صاحب یہ تصریح بھی فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص اس قسم کی باتوں کے متعلق یہ خیال رکھے کہ یہ سب باتیں صرف بطور تمثیل کے بیان کی گئی ہیں، جن سے مقصود کچھ اور ہے اور وہ صرف اسی احتمال پر بس کرے، میں اس کو اہل حق میں شمار نہیں کرتا''۔

ان تصریحات کے بعد یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور سلف صالح میں سر مو بھی کوئی فرق نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ صوفیائے کرام اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک بہت سے ظاہری واقعات کی بھی اسی طرح تعبیر ہوتی ہیں جیسا کہ عام لوگوں کے نزدیک عالم خواب کی مرئیات کی، اس حقیقت کو انہوں نے بہت جگہ استعمال کیا ہے ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کنوئیں کی مینڈھ پر اپنی ٹانگیں لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے، صدیق اکبرؓ اور ان کے بعد عمر فاروقؓ آئے تو آپ نے ان دونوں کو اپنے برابر بٹھالیا، اس کے بعد عثمان غنیؓ آئے تو ادھر جگہ نہ تھی، وہ سامنے آ کر دوسری طرف

بیٹھ گئے، ظاہر ہے یہ واقعہ بالکل بیداری کا اور جسمانی واقعہ تھا جس کی تفصیلات روایات میں موجود ہیں، لیکن حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک بیٹھنے کی اس اتفاقی صورت کے لئے بھی عالم تقدیر میں ایک تعبیر تھی اور وہ ان اصحاب کے آئندہ قبور کی صورت تھی، یعنی شیخین کی قبروں کا موجودہ نشست کی طرح آئندہ آپ کے ساتھ ہونا اور حضرت عثمان غنیؓ کی قبر ان تینوں صاحبوں سے علیحدہ ہونا، چنانچہ آئندہ اسی طرح ان کی تعبیر ظاہر ہوئی۔

اسی بناء پر معراج اور شق صدر کی بیداری کے واقعات ہونے کے باوجود پھر انہوں نے ان کی خاص خاص تعبیرات بھی بیان فرمائی ہیں، ان واقعات کو خارج میں اور جسمانی طور پر تسلیم کر لینے کے بعد صرف ان کی تعبیرات ذکر کرنے یا اس کا نام عالم برزخ رکھنے سے ان کو سلف کے مخالف سمجھنا ان کے طریق سے ناواقفی ہے، اگر یہاں ہم حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کلام کی مفصل تشریح کریں تو بے وجہ طول ہوگا کیونکہ جب ان معجزات کو ان ہی تفصیلات کے ساتھ اپنی کتاب حجۃ اللہ میں درج فرمالیا تو اب تمام بحثیں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔

اچھا اگر آپ شاہ ولی اللہؒ کے اس واقعہ کے عالم برزخ اور عالم مثال میں کہنے سے ن کو اپنا شریک حال بنانا چاہتے ہیں تو کیا یہ بھی دکھلا سکتے ہیں کہ انہوں نے ''شق صدر'' کی حقیقت صرف ''شرح صدر'' اور ''علم لدنی'' بنا کر رکھ دی تھی؟ لہذا ان کا حوالہ دینے سے آپ کو کیا فائدہ؟ بہت سے بہت اگر کوئی احتمال پیدا ہو سکتا ہے تو وہ یہی کہ بقول آپ کے ''علماء ظاہرین'' کے خلاف اس کو جسمانی واقعہ قرار دے کر اس کی کوئی تعبیر بھی سمجھتے ہیں، یہ ثابت تو نہیں ہوتا کہ وہ ٹانگوں کے چشم دید نشانات کی تکذیب کرنے پر آمادہ ہیں، اور شق صدر کی آپ کی ذاتی خصوصیت کو ایک عام علم لدنی کا واقعہ سمجھتے ہیں، جس میں حضرت خضر علیہ السلام بھی پہلے سے شریک ہیں، جیسا کہ وعلمنه من لدنا علما سے ظاہر ہے، حالانکہ ان کی نبوت میں بھی بہت اختلاف ہے۔

اب آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم شق صدر کی پوری سرگذشت نقل کر کے آپ کے سامنے رکھ دیں تاکہ پہلے آپ مفصل واقعہ اور صورتحال کا اندازہ کر لیں اور اس کے بعد اس واقعہ کی صرف علم لدنی ہونے کی تشریح کے متعلق خود فیصلہ کر لیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کھیل تماشا دیکھنے میں مشغول تھے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چت لٹا دیا اور قلب مبارک چیر کر اس میں سے خون بستہ کا ایک ٹکڑا نکال دیا اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ تھا شیطان کا حصہ (جس کو میں نے نکال کر پھینک دیا ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو زمزم کے پانی سے ایک سونے کے طشت میں ڈال کر دھویا پھر اسکو سی دیا اور اپنی جگہ رکھدیا، بچے آپ کی دودھ پلائی کے پاس دوڑے ہوئے آئے اور اطلاع دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو قتل کر دیئے گئے، لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے لئے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ فق پڑ تھا، انسؓ کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ اس سلائی کا نشان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں دیکھا کرتا تھا۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں چند امور بتفصیل مذکور ہیں (۱) اس واقعہ میں ایک فرشتہ کی آمد (۲) اس کا آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چت لٹا دینا (۳) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو چاک کر کے اس میں سے تھوڑے سے جمے ہوئے خون کا ٹکڑا نکال پھینکنا (۴) اور یہ کہہ کر پھینکنا کہ یہی وہ حصہ ہے جس کی وجہ سے شیطانی تاثیر ہوتی ہے (۵) پھر اس قلب کو سونے کے ایک طشت میں آب زمزم سے دھونا (۶) پھر چاک شدہ حصہ جسم کو سینا اور جوڑ دینا اور قلب مبارک کا اپنی جگہ رکھ دینا۔ (۷) اس پر جو بچے یہاں موجود تھے، ان کا بھاگتے ہوئے آپ کی دایہ کے پاس آنا اور یہ بیان دینا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو قتل کر ڈالے گئے (۸) اس پر لوگوں کا یہ ماجرا سن کر لپکنا (۹) محل وقوع پر آپ کو سہا ہوا پانا اتنا کہ آپ کا رنگ مبارک اس وقت بھی فق پڑا ہوا تھا (۱۰) حضرت انسؓ کا ان ٹانکوں کے نشانات کا خود اپنا مشاہدہ بیان کرنا۔

یہ تو وہ سرگذشت ہے جو صحیح مسلم میں موجود ہے، اب آپ کو ان تفصیلات کو ''شرح صدر'' یا ''علم لدنی'' کہہ ڈالنے کی ہمت ہو تو کہہ دیں، مگر یہاں لفظ اس صورت واقعہ کے خلاف ہی خلاف نظر آتا ہے۔

یہاں عالم مثال اور برزخ کی وہ تحقیقات جو صوفیا نے اپنے فن میں کی ہیں وہ انہیں کی شان اور موضوع فن کے مناسب ہیں، ہم اپنے قارئین کرام کو ان ''معموں'' میں ڈالنا پسند

نہیں کرتے، ان کے سمجھنے کے لئے "علم حقائق" کی سیر ضروری ہے جب بات بالکل واضح ہے اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان نبوت سے معرض بیان میں آ چکی ہے تو کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ ان کو اصطلاحات کی پیچیدگیوں میں ڈال کر بدیہی کو نظری بنا دیا جائے۔

یہاں یہ غور کرنا بھی ضروری ہے کہ "علم لدنی" جو سب انبیاء علیہم السلام کو ملتا ہے، اگر یہ وہی ہو تو کیا انبیاء علیہم الصلوۃ کی سیرت میں ان تمام تفصیلات کا بھی ثبوت ملتا ہے؟ پھر اس شق صدر کو شرح صدر اور شرح صدر کو علم لدنی، پھر عالم مثال اور برزخ کہہ کر اس کو چیستاں بنانے سے کیا حاصل ہے، چلئے اگر آپ شاہ ولی اللہؒ سے بیان سے متفق ہیں تو اس واقعہ کو جسمانی اور عالم مثال ہی میں انہیں تفصیلات کے ساتھ تسلیم کر لیجئے ورنہ اولیاء اللہ کی آڑ میں شکار کھیلنے سے کیا فائدہ۔

تاویل کرنے والوں نے یہاں صرف انہیں قیاس آرائیوں پر بس نہیں کی بلکہ انہوں نے ایک قدم اور آگے بڑھا کر فن حدیث کے لحاظ سے بھی اس مستحکم قلعہ کو مسمار کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ لکھ دیا ہے کہ "اس واقعہ کا راوی حماد بن سلمہ ہے، جس پر آخری عمر میں "سوء حفظ" طاری ہو گیا تھا اور کسی نقل کے بغیر محض اپنے ظن و تخمین سے صحیح مسلم کی اس روایت کو اسی زمانے کی روایت قرار دے ڈالا ہے۔

یہ واضح رہنا چاہئے کہ امام مسلم تو امام مسلم ہیں، عام محدثین کو بھی اس قسم کے راویوں کی روایات کے متعلق یہ تمیز حاصل ہوتی ہے کہ وہ روایات جو سوء حفظ سے پہلے کی ہیں وہ کونسی ہیں؟ اور جو بعد کی ہیں وہ کونسی ہیں، اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ ان کو یہ علم شیوخ و تلامذہ پر غور کرنے سے حاصل ہوتا ہے کہ کس راوی نے کس شیخ سے کس زمانہ میں تلمذ حاصل کیا ہے اگر وہ راوی ایسا ہو جس نے سوء حفظ طاری ہونے سے قبل روایات اخذ کی ہیں تو وہ روایات بے تامل حجت اور معتبر سمجھی جاتی ہیں اور اگر اس کو ایسے زمانے میں تلمذ حاصل ہوا ہے جبکہ اس پر سوء حفظ طاری ہو چکا تھا تو پھر اس کی یہ روایات زیر نقد و تبصرہ آ جاتی ہیں، اس لئے محدثین کے نزدیک اس قسم کے شیوخ و تلامذہ کی روایات کے اخذ و ترک میں کوئی دشواری نہیں رہتی، امام مسلم خود اس درجہ کے امام ہیں کہ کسی روایت کا اپنی صحیح میں درج کر لینا یہی اس کے لئے

کافی ضمانت ہوتی ہے کہ وہ یقیناً سوء حفظ کے زمانے سے پہلے کی روایت ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر اگر کوئی روایت مسلم یا بخاری میں نہ ہو، مگر ایسی اسانید اور ایسے رجال سے مروی ہو جو ان میں موجود نظر آئیں تو ان پر بھی محدثین ''رجالہ رجال الصحیحین'' یا ''احدہما'' کہہ کر صحت کا حکم لگا دیتے ہیں، الا یہ کہ اس جگہ کوئی خصوصی علت نکل آئے ان دقائق کو وہ شخص کیسے ادراک کر سکتا ہے جو مؤرخین کی صف میں سے نکل کر محدثین کی جماعت میں گھسنے کی کوشش کرتا ہوں اور ''فجواء لکل فن رجال'' اس کو یہ علم کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ کسی شیخ کو سوء حفظ کس زمانے میں اور کیوں طاری ہوا تھا اور یہ تمیز کیسے حاصل ہو سکتی ہے کہ اس نے کس شیخ سے کس زمانے میں روایات اخذ کی ہیں، اس لئے اس بیچارہ کو صرف اپنے ظن وتخمین سے حکم لگا دینے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔ وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔

ہم یہاں صرف اس پر کفایت نہیں کرتے کہ یہ روایت چونکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں درج کر دی ہے اس لئے یقیناً وہ حماد بن سلمہ کے سوء حفظ کے زمانہ سے پہلے کی ہے، بلکہ خصوصی طور پر اہل فن کی شہادت بھی پیش کر دینا چاہتے ہیں کہ یہاں ان کا شیخ ثابت ہے اور جو روایات حماد بن سلمہ کی ثابت سے روایت کردہ ہیں وہ سب معتبر شمار ہوتی ہیں، یعنی ان کے ''سوء حفظ'' کے زمانے سے قبل کی روایات ہیں، ابن مدینی جنکا اس فن کے چوٹی کے علماء میں شمار ہے لکھتے ہیں کہ ثابت کے تلامذہ میں سے حماد بن سلمہ سے بڑھ کر معتبر اور قابل اعتماد کسی کی روایات نہیں ہیں، اور جن ائمہ نے حماد بن سلمہ کی روایت کو مطلقاً نہیں لیا، یہ محض ان کا تشدد اور ناانصافی ہے اور آگے چل کر لکھا ہے۔

امام بیہقی کہتے ہیں کہ حماد بن سلمہ مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک امام ہیں، لیکن آخری عمر میں ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا، اس لئے امام بخاری نے تو ان کو بالکل ترک کر دیا لیکن امام مسلم نے کوشش کر کے ان کی وہ احادیث اپنی صحیح سے نکال لیں جو انہوں نے ثابت سے اپنے سوء حفظ کے زمانے سے قبل روایت کی تھیں اور اس کے سواء جو حدیثیں انہوں نے ثابت سے روایت کی ہیں جن کی تعداد بارہ حدیثوں تک بھی نہیں پہنچتی وہ صرف شواہد میں روایت کی ہیں (اصول میں نہیں)، امام احمد فرماتے ہیں کے ثابت کے شاگردوں میں سب سے زیادہ قابل

اعتماد شخص حماد بن سلمہ ہے، ابن مدینی کہتے ہیں جو شخص بھی حماد بن سلمہ میں کلام کرے، اس کو دین میں قابل تہمت سمجھو...... اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اصحاب ثابت میں سب سے زیادہ قابل اعتبار حماد بن سلمہ ہیں، پھر سلیمان پھر حماد بن زید اور یہ سب روایات صحیح ہیں۔

اس عبارت سے یہ بات صاف ہوگئی کہ ثابت کے شاگردوں میں حماد بن سلمہ سے بڑھ کر قابل اعتماد اور کوئی شخص نہیں لہذا یہاں ان کی روایت پر یہ حکم لگادینا کہ وہ سوء حفظ کے زمانے کی ہے یہ اہل فن کی تصریح کے خلاف ہے، اب رہا امام بخاری کا ان کو علی الاطلاق ترک کردینا یہ محض ان کی ''شان احتیاط'' اور ''شرائط کے تشدد'' کی بات ہے، اسی لئے صحت میں مسلم کو صحیح بخاری کے ہم پلہ قرار نہیں دیا جاتا باوجودیکہ صحیح مسلم کو صحیح کہنے سے ایک متنفس نے بھی اپنا قدم پیچھے نہیں ہٹایا، لہذا امام بخاریؒ کسی کتاب میں کوئی خاص شرائط مقرر کرلیں تو اس سے یہ فیصلہ نہیں ہوسکتا کہ اب جو راوی ان کی کتاب میں نہیں آیا اس میں کسی قسم کا سقم ہے ورنہ تو پھر صحیح مسلم کی ایک حماد بن سلمہ کی روایات نہیں، بلکہ وہ تمام روایات جو علی شرط البخاری نہیں ہیں چھوڑ دینی پڑیں گی۔

''شق القمر'' کی توجیہات:

یا مثلاً ''شق القمر'' کے متعلق یہ توجیہ:

''لیکن اصل یہ ہے کہ عمل تنویم کے تجربات میں تھوڑی سے قیاسی وسعت اور پیدا کرلی جائے تو شق القمر وغیرہ تقریباً ہر قسم کے خوارق کی توجیہ ہوسکتی ہے کیونکہ اس عمل کا دارومدار تمام عامل کی قوت اثر آفرینی اور معمول کی اثر پذیری پر ہے''۔

یا اس کی دوسری یہ توجیہ:۔

''اسی طرح اضافہ کی بجائے حذف کی مثال یہ ہوسکتی ہے کہ چاند کے مختلف اجزاء جس کیمیاوی جذب واتصال کی قوت سے آپس میں پیوستہ ہیں، اس میں صرف اس حصۂ قوت کو جو چاند کے نصفین میں موجب اتصال ہے، تھوڑی دیر کے لئے خدا حذف یا سلب کرلے، جس سے شق قمر کا معجزہ ظاہر ہوسکتا ہے''۔

یا اس کی تیسری اور آخری یہ توجیہ:۔

''ہم ان تمام پر پیچ راستوں سے گزر کر صرف ایک سیدھی سی بات کہہ دینا چاہتے ہیں، شق القمر اہل مکہ کی طلب پر ایک آیت الٰہی تھی، یعنی ان منکروں کو ان کی خواہش کے مطابق نبوت کی ایک نشانی دکھائی گئی تھی، احادیث میں ہے کہ ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا، خواہ دراصل چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ہیں، یا خدا تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں ایسا تصرف کر دیا ہو کہ ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا، جو خدا انسانوں کی آنکھوں میں خلاف عادت تصرف پیدا کر سکتا ہے وہ خود چاند میں بھی خلاف عادت تصرف کر سکتا ہے، پھر چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نشانی اہل مکہ کے لئے ظاہر کی تھی اور ان ہی کے لئے یہ آیت نبوت تھی، اس لئے تمام دنیا میں اس کے ظہور اور روایت کی حاجت نہ تھی''۔

اب آپ ان ہر سہ تاویلات پر بار بار نظر ڈالئے یہاں سب سے پہلے جو بات آپ کے ذہن میں آئے گی، وہ یہی آئے گی کہ جو فضلاء اس معجزہ کو مادی طریق پر حل کرنا چاہتے ہیں خود ان ہی کے ذہنوں میں اس کا کوئی صحیح حل موجود نہیں، ان هم الا یظنون ، وہ صرف اٹکل کے تیر چلا رہے ہیں، زیادہ غور سے دیکھا جائے تو یہ سب تاویلات باہم متناقض بھی ہیں، پہلی توجیہ تو معجزہ کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کی بجائے اس میں اور تاریکی پیدا کرنے والی ہے، کیونکہ ''عمل تنویم'' سحر کی طرح معجزہ کے مقابل کی چیز کا نام ہے، معجزہ میں صاحب معجزہ کی قوت اثر آفرینی کا ذرہ برابر دخل نہیں ہوتا۔

دوسرے جواب کا حاصل پھر یہی رہا کہ شق القمر قدرت خداوندی سے ظاہر ہوا اب یہاں جذب و اتصال اور کیمیا کے اصطلاحی الفاظ استعمال کرنے سے اس خرق عادت کا کوئی حل نہیں ہوتا، یہ سوال اپنی جگہ پھر قائم رہتا ہے کہ انگلی کے ایک اشارہ سے اس قوت اتصال کا سلب ہو جانا، کیا عادۃً ہوتا ہے، اگر نہیں تو پھر یہ خرق عادت ہی تو ہوا، اس جواب سے مسافت طویل ہو جانے کے سوا اور نتیجہ کیا نکلا۔

تیسری تاویل سب سے زیادہ پر پیچ ہے، اس کو یہاں سب سے زیادہ ''حمد و شکر'' کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور ہمارے نزدیک وہی سب سے زیادہ قابل ''استعاذہ'' ہے یعنی اہل مکہ کی آنکھوں میں کسی ایسے تصرف کا احتمال جس کی وجہ سے صرف ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آنے لگا، خواہ اس واقعہ میں اس کے دو ٹکڑے ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، ہمارے

نزدیک اس کی صحیح تعبیر "نظر بندی" ہے، کیا نظر بندی آنکھوں میں تصرف کا ہی نام نہیں؟ کیا انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں اس قسم کی نظر بند کا احتمال جائز تصور کیا جاسکتا ہے، اگر یہاں بھی یہ تصور جائز سمجھا جائے تو دین کا سارا کارخانہ ہی درہم برہم ہو جائے، رسولوں کے متعلق یہ شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ لوگوں کے سامنے کوئی عمل کر کے دکھائیں اور خارج میں اس کا کوئی وجود بھی نہ ہو، وہ حقیقت کے صحیح ترجمان ہوتے ہیں، اس لئے ان کا کوئی قول و فعل حقیقت سے سر مو متجاوز نہیں ہوسکتا، چہ جائیکہ وہ امور جو قدرت ان کی صداقت کے لئے نشانی اور دلیل قرار دے، اس مقدس گروہ کو احتمالات کی بجائے واقعات کی دنیا میں دیکھنا چاہئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جو کچھ دیکھا وہ بجا دیکھا، حالانکہ "سیر معراج" عالم غیب کا مشاہدہ کرانے کے لئے تھی، اس کے باوجود جنہوں نے یہاں انکار کی راہ اختیار کی ان کی تحمیق قرآن کریم نے اپنے ان الفاظ میں کی ہے:

افتما رونه علیٰ ما یریٰ .... تم کیا اس سے جھگڑتے ہو، اس پر جو اس نے دیکھا۔

پس جس طرح رسول کے دیکھنے میں یہ احتمال پیدا نہیں ہوسکتا، کہ جو اس نے دیکھا وہ حقیقت کے خلاف تھا، اسی طرح اس کے معجزات میں بھی یہ شبہ نکالا نہیں جاسکتا کہ جو اس نے دکھایا وہ حقیقت کے خلاف دکھایا تھا، معجزہ حق و باطل کے تمیز کے لئے ہوتا ہے، نہ کہ اور "تلبیس" کے لئے اب اس تاویل کو ایک طرف رکھئے اور دوسری طرف قرآنی الفاظ سامنے رکھئے، "انشق القمر" قرآن کریم کے اس لفظ سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ یہاں جو تصرف ہوا وہ خود چاند ہی کے اندر ہوا اور حقیقتاً ہوا، لغت عرب میں خود چاند کے پھٹنے کے لئے اس سے زیادہ صاف اور صریح لفظ کوئی اور نہیں ہے، یہاں اس کا اشارہ بھی نہیں ہے کہ چاند میں تصرف کے سوا اس واقعہ میں دیکھنے والوں کی نظر میں کوئی بھی تصرف ہو گیا تھا، پھر چونکہ یہ تصرف خارق عادت تصرف تھا اس لئے آپ نے بغرض تاکید فرمایا "اشھدوا اشھدوا" (گواہ رہو گواہ رہو) اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہاں اہل مکہ کی آنکھوں میں بھی کوئی تصرف ہو گیا تھا تو چاند کی طرف اشارہ کر کے کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل مکہ کو گواہ بنانا درست ہوگا؟

پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ یہاں اہل مکہ نے جس معجزہ کے دیکھنے کی فرمائش کی تھی کیا

وہ ایسا معجزہ تھا، جس کا تعلق خود ان کی آنکھوں سے ہو یا وہ کوئی واقعی معجزہ چاہتے تھے؟ روایات میں موجود ہے کہ اس معجزہ کی صحت کے لئے انہوں نے باہر والوں سے شہادت کو ایک معیار مقرر کرلیا تھا، کیونکہ آنکھوں کا تصرف اگر ہوگا تو وہ صرف حاضرین پر ہوسکتا ہے غائبین پر نہیں ہوسکتا، اس لئے اگر باہر سے آنے والے قافلے بھی ''شق القمر'' کی شہادت دیں تو اس معجزہ کے صحیح ہونے پر یقین کر لینے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں رہتا، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی اس صورت کو معجزہ سمجھتے تھے جس میں ان کی آنکھوں کے تصرف کا کوئی احتمال پیدا نہ ہوسکے، نیز معجزہ اگر طلب کیا تھا تو منکرین قریش نے طلب کیا تھا اگر یہاں کوئی تصرف ہوتا تو ان کی آنکھوں میں ہوتا جو منکرین تھے، مخلصین صحابہ نہ اس کے طالب تھے نہ ان کی آنکھوں میں یہ تصرف مناسب تھا، حالانکہ یہاں حضرت ابن مسعودؓ اور ان کے چند ہمراہی بھی اس کے مشاہدہ کرنے والوں میں شریک ثابت ہوتے ہیں، حیرت ہے کہ صورت واقعہ کے نقل کرنے والے نے اس واقعہ کے حقیقی ہونے کے لئے جتنے واضح سے واضح الفاظ استعمال کئے تاویل کرنے والوں نے اتنے ہی بعید سے بعید احتمالات اس میں نکال کھڑے کئے، رواوی کہتا ہے کہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہوا اور اتنا صاف ہوا کہ اس کا ایک ٹکڑا پہاڑی کے اس طرف اور دوسرا دوسری طرف نظر آنے لگا، آپ نے حاضرین کو اس پر گواہ بھی بنایا اس کے بعد بھی کیا یہ کہنا معقول ہوسکتا ہے کہ یہاں جو تصرف ہوا وہ صرف اہل مکہ کی آنکھوں تک ہی محدود تھا اور اسی لئے اس کا مشاہدہ صرف ان ہی تک محدود رہا، بلکہ ان ہی کی ذات تک محدود رہنا چاہئے تھے، کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ اس کے بعد ہمیشہ اس معجزہ کا ذکر بھی ہوتا رہا، مگر مدۃ العمر یہ عقدہ کھل ہی نہ سکا کہ اس شب میں صرف آنکھوں کی الٹ پھیر ہوگئی تھی اور کچھ نہ تھا، اگر اس معجزہ کی حقیقت یہی ہے تو پھر اس کا نام ''شق القمر'' کے بجائے ''اعماء البصر'' مناسب تھا، کما قال تعالیٰ فی سورۃ محمد، اولٰئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم واعمیٰ ابصارھم (ترجمہ) یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے اپنی رحمت سے دور کردیا، پھر ان کو بہرا کردیا اور ان کی انکھوں کو اندھا کردیا۔

یہاں اس معجزہ کو کفار کی آنکھوں میں تصرف قرار دیکر یہ لکھ ڈالنا کہ ''جو خدا انسان کی

آنکھوں میں خلاف عادت تصرف الخ" کا اضافہ دیکھ کر یہ بالکل ایک آنکھ مچولی کھیلنا معلوم ہوتا ہے، کیا مصنف مؤول اب پھر لوٹ کر اس کو آنکھوں کے تصرف کے بجائے پھر اس کو چاند ہی کا پھٹنا تسلیم کرتے ہیں، یہ بھول بھلیاں کی طرح عجیب عبارت ہے جس کا کوئی مطلب اخذ کرنا ہی ممکن نہیں، جیسا کہ بھول بھلیاں میں داخل ہو کر پھر نکلنا کارے دارد ہے، اور اگر بالفرض یہ باطل احتمالات تسلیم بھی کر لئے جائیں تو اب سوال یہ رہتا ہے کہ کیا یہی احتمال دوسرے معجزات میں بھی جاری ہوگا، مثلاً یہ کہ "اسطوانہ حنانہ" میں کیا قدرت نے فی نفسہٖ گریہ زاری کی صفت پیدا فرما دی تھی؟ یا مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشتان مبارک سے کیا فی الواقع پانی کے چشمے ابلے تھے، یا مثلاً حیوانات و نباتات میں کیا حقیقتاً آپ کی تسخیر کا اثر ظاہر ہوا تھا یا مثلاً کھانے اور پینے کی اشیاء میں کیا درحقیقت کوئی برکت پیدا ہو گئی تھی، یا ان سب معجزات میں بھی حاضرین کے صرف کانوں اور آنکھوں میں ایسا تصرف کر دیا گیا تھا کہ "اسطوانہ" سے گریہ وزاری کی آواز آنے لگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشتان مبارک سے پانی امنڈتا ہوا نظر آنے لگا اور حیوانات و نباتات آپ کے مسخر محسوس ہونے لگے اور کھانے پینے کی چیزں میں بڑی برکت نظر آنے لگی؟ اگر ان سب معجزات میں جواب صرف ایک ہے اور ایک ہی ہونا چاہئے کہ یہاں نہ کسی کے کانوں میں کوئی تصرف کیا گیا تھا نہ آنکھوں میں عمل تنویم کا یہاں کوئی دخل تھا، بلکہ جو کچھ سامعہ نے سنا اور جو کچھ باصرہ نے دیکھا وہ ٹھیک حقیقت ہی حقیقت تھا تو پھر شق القمر کے متعلق بھی جواب صرف یہی ہوگا کہ یہاں چاند حقیقتاً ہی دو ٹکڑے ہو گیا تھا، یہاں ضروری تاریخی شہادت موجود ہونے کے باوجود اس سے بچنے کے لئے اس درخشاں معجزہ کو اتنا مکدر کر دینا تھوڑے سے فائدہ کے احتمال کے بجائے خود اپنا کتنا بڑا نقصان گوارا کر لینا ہے۔

انبیاء سابقہ کے معجزات میں تاویلات:

یہ تو چند تاویلات وہ تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قطعی اور درخشاں معجزات میں پیدا کی گئی ہیں اب چند وہ تاویلات بھی ملاحظہ فرمایئے جو انبیاء سابقین کے بعض معجزات میں کی گئی ہیں۔

مثلاً عصائے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ تاویل

''جس وقت عمل تنویم کے نفی قوانین فطرت کا انکشاف نہیں ہوا تھا، عصائے موسیٰ کا اژدھا بن جانا معجزہ تھا، لیکن آج اس نفسی قانون کے جاننے والوں کے لئے کرسی کا شیر بن جانا فطری واقعہ ہے اور عصائے موسیٰ کے اژدھا نظر آنے کی بھی اس سے توجیہ کی جاسکتی ہے''۔

یہ ''تاویل'' اول تو معجزہ کے اضافی ہونے کے مفروضے پر موقوف ہے، یعنی معجزہ صرف کسی محدود زمانے تک ہی معجزہ رہتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ معجزہ رہے، دوم اس کو ''عمل تنویم'' پر قیاس کیا گیا ہے، یہ دونوں باتیں معجزہ کی حقیقت کے بالکل خلاف ہیں، جو معجزہ ہے وہ ہمیشہ معجزہ ہی رہے گا اور عمل تنویم کا تو معجزات سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں، سحر عمل تنویم سے کہیں قوی چیز ہے، فرق یہ ہے کہ عمل تنویم میں نفسی ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے اور سحر میں اکثر ارواح خبیثہ کے ساتھ استعانت بھی ہوتی ہے، معجزہ ان دونوں سے بالاتر حقیقت ہے ان امور کو معجزات کی حقیقت سمجھنا ان کی تفہیم کے لئے استعمال کرنا ایک خطرناک غلطی ہے، علمی غلطی بھی ہے اور مذہبی غلطی بھی ہے، معجزہ کی تفہیم میں ان امور سے مدد لینے کی بجائے ان کی نفی کرنی لازم ہے، سحر و معجزہ میں جس طرح دو متضاد حقیقتیں ہیں، ٹھیک اسی طرح معجزہ اور علم تنویم بھی دو متضاد حقیقتیں ہیں پھر ارباب نظر کے لئے علم تنویم کے متعلق ''کرسی کے شیر بن جانے'' اور معجزہ موسوی کے متعلق ''عصاء کے اژدھا نظر آنے'' کا لفظ بھی بہت زیادہ قابل غور ہے۔

یا مثلاً حضرت یوشع علیہ السلام کے حق میں ایک مرتبہ تھوڑی دیر کے لئے آفتاب کے غروب ہونے میں تاخیر ہو جانے کی یہ تاویل:

''ایک مدعی نبوت یہ اعجاز دکھا سکتا ہے کہ ایک ہفتہ تک آفتاب غروب نہ ہو، لیکن اس کا قطعی یقین کیسے دلایا جاسکتا ہے کہ آگے چل کر علم ہئیت کے انکشاف سے اس اعجاز کی توجیہ نہ ہو سکے گی''۔

یہ تاویل بھی معجزہ کے اضافی ہونے کے مفروضے پر مبنی ہے پھر صرف اس ''برات عاشقاں برشاخ آہو'' سے اس معجزہ کا کیا حل نکلتا ہے؟ اس ''امید'' کا نام اگر علمی وسعت رکھا جائے تو کمینسٹوں کو یہی امید ''آیات الوہیت'' کے متعلق بھی قائم ہے وہ بھی شب و روز اسی جدوجہد میں مصروف ہیں کہ قدرت کی جتنی آیات اور نشانیاں ہیں ان کے اسباب معلوم

کر کے سب کو اپنی قدرت کے تحت لے آئیں، عالم تکوین میں قدرت کی یہ ایک بہت بڑی آزمائش ہے کہ وہ اول ہی قدم پر انسان کو ناکام نہیں کرتی اور بہت دور تک اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہے، اس درمیان میں عاجز انسان کو بڑی بڑی غلط فہمیاں لگ جاتی ہیں، آخر ایک حد پر پہنچ کر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کے پاس سرمایۂ اعجاز کے سوا کچھ نہ تھا، اور زمام قدرت صرف ایک "وحدہ لاشریک لہ" کے ہاتھ میں تھی، قرآن کریم میں قدرت کے یہ فیصلے اقوام دنیا کی تاریخ میں جا بجا مذکور ہیں۔

یا مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے متعلق یہ توجیہ:۔

"عام قانون فطرت ہے کہ انسان کا بچہ بلا اتصال جنسی نہیں پیدا ہوتا بلکہ اس اتصال جنسی سے جو مادہ تولید رحم مادر میں داخل ہوتا ہے اس کو اگر خدا تعالیٰ رحم کے اندر ہی پیدا کر دے جس طرح کہ اور بہت سی رطوبات جسم میں پیدا ہوتی رہتی ہیں، تو بلا اتصال جنسی لڑکا پیدا ہو سکتا ہے، اور مداخلت خداوندی کی یہ صورت فطرت میں ایک نئے عارضی اضافہ کی وساطت پر مبنی ہوگی، ممکن ہے کہ "ولادت مسیح" میں خدا نے اپنی مداخلت کی اسی صورت سے کام لیا ہو"۔

مذکورہ بالا صورت میں بھی جب آخر کار خداوندی مداخلت کا سہارا لینا ہی پڑا تو پھر قانون فطرت میں کسی نئے اضافہ کے تسلیم کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ اگر شروع سے ہی اس میں مداخلت خداوندی تسلیم کر لی جائے تو بے وجہ ایک واسطہ اور بڑھانے کی ضرورت؟ پھر قانون فطرت میں اس اضافہ کو عارضی کہہ کر یہ سمجھ لینا کہ ہم نے حضرت مسیح کی ولادت کے عام قانون سے استثناء کا حل نکال لیا ہے صرف ایک خوش فہمی ہے کیونکہ یہ سوال پھر اپنی جگہ اسی طرح موجود رہتا ہے، کہ یہ اضافہ بھی خارق عادت ہوگا، لہٰذا اگر کسی خارق عادت کا صرف عارضی ہونا یہاں اس کیلئے وجہ جواز بن سکتا ہے، تو پھر تمام معجزات میں بھی خاص خاص اضافات کو عارضی کہہ دینا کافی ہونا چاہئے، اس کے علاوہ تاویل مذکور کا حاصل یہ ہے کہ ولادت مسیح بھی اسی قانون کے تحت قرار دی جائے جو عام انسانوں کے لئے مقرر ہے، یعنی مادہ تولید سے بچہ کا بننا، فرق صرف اتنا ہوگا کہ مادہ تولید کے داخل ہونے کا جو عام طریقہ ہے، ولادت مسیح میں نہ ہوگا تو آج بھی دنیا میں مادہ تولید دوسرے طریقوں سے رحم

مادر میں داخل کر کے بچہ حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اس کی مثال ایسی ہی ہے، جیسی کہ مشین کی حرارت سے مرغی کے انڈوں سے بچوں کی پیدائش، لیکن قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ "ولادت مسیح" عام انسانوں کی طرح مادہ تولید سے نہیں بلکہ آدم علیہ السلام کی طرح صرف حرف "کن" سے وجود میں آئی ہے ان مثل عیسیٰ عنداللّٰہ کمثل اٰدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون۔

مذکورہ بالا آیت میں ولادت مسیح میں جو صورت پیش آئی اس کا حل مع ایک نظیر کے حوالہ کے مذکور ہے اور اسکا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو کسی واسطہ کے بغیر صرف "حرف کن" سے بھی تخلیق پر قادر ہے اس کیلئے یہ تولید اور عام طریقہ سے تولید دونوں برابر ہیں، آخر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش دونوں صنفوں کے مادوں سے بالاتر تھی تو جس قانون فطرت کے تحت اس کو تسلیم کرلیا گیا اس کی ایک صنفی تخلیق کو بھی اسی قانون فطرت سے کیوں نہ تسلیم کرلیا جائے۔

تعجب ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کی تفصیلات جب خود قرآن کریم میں موجود تھی تو پھر یہاں امکانات اور تخمینے لگانے کی جرأت کیسے کی گئی، یعنی حضرت مریم علیہ السلام کے سامنے جبرئیل علیہ السلام کا بصورت بشری متمثل ہو کر آنا اور اپنی آمد کی غرض وغایت بتانا، حضرت مریم علیہا السلام کا اس پر اظہار تعجب کرنا اور فرشتہ کا یہ جواب دینا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے یہ سب کرشمے آسان ہیں" آخر فرشتے کا ان کے گریبان میں پھونک مارنا اور ان کا حاملہ ہوجانا یہ سب قرآنی بیان ہے اب آپ کو اختیار ہے کہ ولادت مسیح کو قانون فطرت میں ایک عارضی اضافہ سے حل کیجئے یا براہ راست قدرت کے حوالہ کر کے حل کیجئے، لیکن یہاں ہمارے دور کے عقلاء کے لئے نفخۂ جبرئیلی سے ولادت ایک اور نئی مشکل کا باعث ہوجائے گی اور معلوم نہیں کہ اس کا حل وہ کیا تلاش کریں گے کیا صرف "والد کے بغیر ولادت" ایک نام تمام ٹکڑے کے حل کرنے سے اس مفصل اعجازی ولادت کا کوئی حل نکلتا ہے؟

یہ جملہ معجزات تقریباً وہ تھے جو قرآن کریم اور صحیحین میں موجود ہیں، جن میں کلام کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی لیکن معجزات حسیہ جن کی نظروں میں صرف "سطحی اور

ظاہری معجزات'' ہوں ان کے لئے ان کی تاویل کر دینی بھی کیا مشکل تھی، ان تاویلات کے بعد ان عظیم الشان معجزات کی جتنی حیثیت رہ جاتی ہے وہ بھی ظاہر ہے یعنی یہ کہ ''شق القمر اور عصاء موسیٰ علیہ السلام تو صرف دیکھنے والوں کی نظروں میں ایک تصرف تھا'' ''شق صدر ایک علم لدنی تھا'' اور ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بھی اسی عامہ مادہ سے تھی، مگر وہ رحم مادر میں دیگر رطوبات کی طرح خود بخود پیدا ہو گیا تھا'' اب یہ غور کر لینا چاہئے کہ اگر ان چند تاویلات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو کیا ان سے معجزات کے باب کا کوئی اصل حل نکلتا ہے؟ یا ان تاویلات کی ''ریاضت'' کا اثر صرف انکار معجزات ہی نکلتا ہے، جملہ ''بالاتر از عقول'' حقائق کی من مانی تاویلات کرنے کا بھی دروازہ کھل جاتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ جو اہل علم ان حقائق کو مادی عقول سے بالاتر سمجھتے ہیں ان کی ''بے علمی'' نظروں میں سما جائے اور جب انسان بڑے بڑے محدثین کی طرف سے اس بدظنی کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنے علم پر نازاں ہو کر دین کو جس سانچے میں چاہے ڈھالنے پر دلیر بن جاتا ہے۔

یہاں اس پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ ان معجزات کی مرادیں سلف صالحین اور اہل سنت والجماعۃ نے آج تک یہی سمجھی تھیں، ہمارے دین کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ صرف لغت کے سہارے نہیں چلتا بلکہ تعامل کے سہارے نقل ہوا ہے، ہم کو صحابہ کرامؓ سے جو ان معجزات کے مشاہدہ کرنے والے تھے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے ایک بالادست قدرت کے سوا ان کو کچھ اور سمجھا تھا، حدیثوں میں موجود ہے کہ جب کبھی کھانے میں برکت کے متعلق ان سے سوال ہوا ہو کہ یہ کہاں سے ہوتی تھی؟ تو انہوں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر صرف اتنا کہہ دیا ''من ھھنا'' یعنی آسمان کی طرف سے، آپ نے دیکھا کہ ایک مذاق تو وہ تھا اور ایک یہ ہے ع وللناس فیما یعشقون مذاھب

تاویل معجزات کے اسباب

انسانی دماغ کے فیصلوں پر اس کی ''مسموعات'' و ''مبصرات'' اور اس کی معلومات سے بڑھ کر ہمیشہ اس کے ''ماحول'' کا اثر پڑا کرتا ہے جس ماحول میں وہ زمانہ طفولیت سے پرورش پاتا چلا آتا ہے وہ غیر شعوری طور پر اس سے اتنا متاثر ہو جاتا ہے کہ اسکے مقابلہ میں

اس کے لئے اپنی مبصرات و مسموعات کی تاویل کرنی کوئی مشکل نہیں رہتی، صرف انبیاء علیہم السلام ہی کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنی حیات کے دور اول سے لے کر آخر تک کبھی ذرہ برابر اس سے متاثر نہیں ہوتے، بلکہ قدرت کی عطا کردہ فطری طاقت سے اس ماحول ہی کو بدل دیتے ہیں، اس ''انقلابی صفت'' میں ان ''نفوس قدسیہ'' کو دنیا کی دوسری ''انقلابی شخصیتوں'' کے مقابلہ میں کیا اور کتنا امتیاز حاصل ہوتا ہے؟ اس وقت اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے، اکبرالہ آبادی کہتا ہے۔

فخر کیا ہے جو بدلا ہے زمانہ نے تمہیں ''مرد'' وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

اصل یہ ہ کہ دنیا کے عام عجائبات اور واقعات کا یقین بھی صرف دو صورتوں سے حاصل ہوتا ہے یا خود ان کے مشاہدہ سے یا کثرت کے ساتھ ان کے تذکرہ سے، دیکھئے روسی اور ''امریکی سیاروں'' کو دیکھتے دیکھتے اب ہمارے ذہن ان سے اتنے مانوس ہو چکے ہیں کہ اب جتنی عجیب سے عجیب باتیں ان کے متعلق کہی جائیں ان میں ذرا بھی کسی کو تردد نہیں ہوتا، ہمارے دور میں ایک ایک طرف تو ''مسیحی'' اعتراضات کی بھرمار دوسری طرف ''مادی ترقیات'' کا غلغلہ اتنا بلند ہو چکا ہے کہ اب ''عالم غیب'' کے عجائبات کی آوازیں مذہبی گھرانوں میں بھی بہت ''دھیمی'' سنائی دیتی ہیں اور بڑی آفت یہ کہ گھروں میں، عام محفلوں میں، اور خاص مواعظ کی مجلسوں میں بھی ان امور کا چرچا تقریباً نابود ہو گیا ہے اور اس سے بڑھ کر مصیبت یہ کہ حدیث و قرآن کا مطالعہ سلف کے عقائد کی روشنی میں باقی نہیں رہا، نتیجہ یہ ہے کہ جن دماغوں پر پہلے سے عالم غیب کے نقوش پختہ نہیں تھے وہ جب اس ماحول میں آنکھ کھولتے ہیں تو ان کی طبیعتیں خواہ مخواہ ان بلند حقائق کی تاویل کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور وہ ان تاویلات کو ایک ''جدید اکتشاف'' و ریسرچ تصور کر لیتے ہیں، کہنے والا بڑی آسانی سے یہ کہہ سکتا ہے کہ اسکا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو لوگ جدید معلومات نہیں رکھتے اور جدید ضروریات سے نا آشنا ہیں وہ بھی اپنی محدود معلومات کی غلط فہمی میں معجزات کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور اپنے ان ہی دقیانوسی خیالات پر ان کو ڈھالتے چلے جاتے ہیں۔

ہمارے نزدیک ان دونوں کے درمیان فیصلہ کا صحیح راستہ یہ ہے کہ ایک بار آپ

بالکل خالی الذہن ہو کر انبیائے سابقین کے معجزات جو قرآن کریم میں مذکور ہیں، سرسری طور پر پڑھ جائیے اس کے بعد پھر صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معجزات مذکور ہیں ان کا بار بار مطالعہ فرمالیجئے اور ان سب کو بیک وقت سامنے رکھ کر خود فیصلہ کر لیجئے کہ یہ عجائبات ''خارق عادت'' یا ''فطری قوانین'' کے تحت تھے اور جنہوں نے یہاں ان کے حل کرنے کی سعی کی ہے، کیا ان کو کامیابی حاصل ہوئی ہے، مثلاً حضرت یوشع علیہ السلام کے عہد میں ''آفتاب کا تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جانا'' کیا اس کے متعلق صرف یہ لکھ دینا کہ ''آگے چل کر علم ہیئت کے اکتشافات سے شاید اس اعجاز کی توجیہ بھی ہو جائے'' اس معجزہ کا کوئی تشفی بخش حل ہے یا اس سے پہلے عنوان کے تحت معجزات کی جو تاویلات ذکر کی گئی ہیں ان سے صرف چند احتمالات کے سوا تحقیق کی کوئی روشنی ملتی ہے؟ ظاہر ہے کہ صرف احتمالات سے معجزات پر قلب میں یقین کی کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی، بلکہ معجزہ کی حقیقت کے برعکس یقین پیدا ہوتا ہے یہ علمی بدنصیبی ہے کہ انسان صرف احتمالات سے اپنی سابقہ قوت یقین بھی کھو بیٹھتا ہے اور اس سے بڑھ کر بدنصیبی یہ کہ اس کے خلاف پر یقین کرنے لگتا ہے، حالانکہ محض امکانات اور احتمالات یقین کی کیفیت پیدا کرنے کے لئے کیا مفید ہو سکتے ہیں۔ وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔

واضح رہے کہ یہاں ہمارا خطاب ان مومنین کے ساتھ ہے جو اپنی مذہبی ناواقفی کی وجہ سے شک وتردد کا شکار ہو چکے ہیں، ان مادہ پرستوں سے نہیں، جو نہ خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین رکھتے ہیں نہ رسولوں پر۔

معجزات پر تصنیفات اور اُن کی محدثانہ حیثیت

اس موضوع کا اکابر محدثین نے ہمیشہ سے اہتمام فرمایا ہے اور اس پر مستقل تصانیف بھی فرمائی ہیں، جیسا کہ حافظ ابوبکر بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، حافظ ابونعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ، امام ابو اسحاق حربی متوفی ۲۵۵ھ، شیخ ابوبکر عبداللہ بن ابی الدنیا متوفی ۲۸۱ھ، حافظ ابوجعفر فریابی متوفی ۳۰۱ھ، حافظ ابوزرعہ رازی متوفی ۲۶۴ھ، حافظ ابوالقاسم طبرانی متوفی ۳۶۰ھ، حافظ ابن الجوزی ۵۹۷ھ، حافظ عبداللہ المقدسی ۶۴۳ھ، ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ وغیرہم، ان سب حفاظ نے اپنی اپنی تصانیف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات وفضائل کا اسنادوں کے ساتھ ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے، ان میں سے بیہقی، ابن جوزی اور ابوعبداللہ مقدسی نے تو صحیحین وغیر صحیحین کی حدیثیں علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کا بھی اہتمام فرمایا ہے لیکن ابوزرعہ جو مسلم کے شیخ ہیں، ابوالشیخ اور ابونعیم وغیرہ نے یہ اہتمام نہیں کیا، صرف حدیثوں کے طرق ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں اور کہیں کہیں ان پر کچھ محدثانہ کلام بھی کر دیا ہے، ان میں سے اکثر کے مؤلفات کا نام "دلائل النبوۃ" رکھا ہے، ان کے علاوہ اور ائمۂ حدیث نے بھی اس موضوع پر تصنیفات فرمائی ہیں اور آخر میں ان سب کا خلاصہ، علامہ سیوطیؒ متوفی ۹۱۱ھ نے "خصائص الکبریٰ" میں جمع کر دیا ہے، بعض محدثین نے یہاں ایک اور مختصر اسلوب اختیار کیا ہے یعنی اسانید حذف کر کے صرف روایات کے مآخذ ذکر کرنے پر کفایت کی ہے، جیسا کے قاضی عیاض نے (متوفی ۵۴۴ھ) شفا" میں، بعض علماء نے اسانید اور ماخذ دونوں حذف کر دیئے ہیں اور صرف شہرت پر اکتفاء کر کے آپ کے معجزات ذکر کر دیئے

ہیں، جیسے قاضی عبدالجبار متوفی ۴۱۵ھ، قاضی ماوردی متوفی ۴۵۰ھ، جاحظ متوفی ۲۵۶ھ، ابوالفتح سلیم بن ایوب رازی متوفی ۴۴۷ھ (دیکھو الجواب الصحیح ص ۲۴۲ جلد چہارم)۔

معجزات وفضائل میں صرف مصطلحہ صحیح حدیثوں پر اقتصار کرنا جمہور کا طریقہ نہیں رہا:

مذکورہ بالا محدثین میں تیسری صدی سے لیکر چھٹی اور ساتویں صدی تک کے مشاہیر محدثین شامل ہیں، ان محدثین کی شخصیات اور اپنی اپنی تصانیف میں ان کے اس اہتمام سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ارباب علم کی نظروں میں اس ''باب'' کی اہمیت ہمیشہ کتنی تھی اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس باب میں صرف صحیحین کے ذکر کردہ معجزات پر اقتصار کرنا، یہ اکابر محدثین کا طریقہ نہیں رہا، اس کی وجہ اسانید سے ان کی ناواقفی نہیں، بلکہ موضوع فن کا اختلاف تھا، جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آئے گی۔

ان تصنیفات کی حیثیت سمجھنے کے لئے چند امور کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے سب سے پہلے یہ کہ جب ان تصانیف سے محدثین کا مقصد آپ کے دلائل نبوت جمع کرنا تھا تو یہ کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس اہم باب کی بنیاد دیدہ و دانستہ صرف ''موضوعات'' اور جعلی دفتروں پر قائم کرتے، لہذا اگر انہوں نے ضعیف حدیثیں جمع کی ہیں تو یقیناً ان کے نزدیک ان کی کوئی اصلیت ضرور ہوگی، اس بات کو زیادہ وضاحت سے سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ فن حدیث کی تصانیف میں محدثین کے اسالیب مختلف رہے ہیں، ان سب کے اصطلاحی نام، اصول حدیث میں بہ تفصیل مذکور ہیں، مثلاً تصنیف کی ایک قسم وہ ہے جس میں صرف مصطلحہ صحیح صحیح حدیثیں جمع کی گئی ہیں، اس قسم کی تصنیف کا نام الصحیح ہے۔

''الصحیح'' کے علاوہ حدیث کی جملہ مصنفات میں ضعیف اور حسن حدیثیں بھی روایت کرنا جائز سمجھا گیا ہے

مثلاً صحیح ابن عوانہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن السکن وغیرہ، پھر صحت میں بھی ہر

ایک کا مختلف معیار رہا ہے، ہر مصنف کی تالیف پر ''الصحیح'' کا اطلاق اسی کے معیار کے لحاظ سے ہوتا ہے ان میں بخاری و مسلم کو سب پر فوقیت حاصل ہے، حتیٰ کہ اگر بخاری کے معیار سے بقیہ محدثین کی ''الصحیح'' پر نظر ڈالی جائے تو وہ ''الصحیح'' کی تعریف سے خارج ہو جائیں گی، بلکہ بخاری کے معیار سے مسلم کی بعض صحیح حدیثوں کو بھی ''الصحیح'' کی تعریف سے خارج کرنا پڑے گا۔

اس کے علاوہ مسانید و معاجم و سنن کے عنوانات سے تصانیف ہوئی ہیں، مگر ایک ''الصحیح'' کے علاوہ جتنی قسمیں بھی تصنیف ہوتی رہیں، ان سب میں صحیح کے ساتھ حسن اور ضعیف کا ذخیرہ بھی شامل ہوتا رہا ہے، امت نے کسی وقت بھی یہ ہمت نہیں کی کہ ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد وغیرہ کو اس لئے ساقط الاعتبار قرار دیدیا جائے کہ ان میں ''ضعیف'' حدیثیں بھی موجود ہیں حالانکہ ان کتب کا اہم موضوع، احکام کا حصہ تھا، اس لئے اگر اصحاب دلائل نے بھی اپنی تصنیفات میں ضعیف حدیثیں ذکر کی ہیں تو ان پر زیادہ برہم ہونے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے، بالخصوص جبکہ انہوں نے ہر روایت کی اسناد بھی ذکر کر دی ہے، اس لئے جب شدت پسند محدثین نے ان پر اعتراض کیا تو علامہ ذہبی نے ان کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ ''اگر ان کی کوئی کوتاہی ہو سکتی ہے تو زیادہ سے زیادہ یہی کہ انہوں نے ان روایات پر جو ''موضوع'' تھیں تنبیہ کیوں نہیں کی اور سکوت کیوں کیا؟''۔

مگر اس تنقید کا حق بھی ان کو پہنچتا ہے جو علم و تقویٰ میں ایک دوسرے کی نظیر تھے، ہم جیسے بے علموں کو یہ سمجھنا کافی ہے کہ ''علم'' کے عروج کے دور میں اگر مستقبل میں ''جہل'' کے عواقب کسی کے پیش نظر نہ رہیں تو کیا یہ قابل اعتراض ہو سکتا ہے؟ بڑی بڑی معتبر تصنیفات میں اور بڑے بڑے اماموں کے کلام میں چند جملے ایسے بھی مل جاتے ہیں جن کو آئندہ چل کر گمراہوں نے اپنی گمراہی کی بنیاد بنا لیا مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اس وقت ان اکابر کو اس انجام کا وسوسہ بھی گزرا ہوگا، یہاں پہنچ کر یہی کہنا پڑتا ہے یضل به کثیراً و یهدی به کثیراً۔ ایک صحیح بات کسی کے حق میں ضلالت اور کسی کے حق میں باعث ہدایت بن جاتی ہے۔

اس کے علاوہ جب ہم اس پر نظر ڈالتے ہیں کہ ان اکابر نے کتب دلائل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اس حصہ کے جمع کرنے کا ارادہ کیا تھا، جو احکام و عقائد سے نہیں

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''فضائل'' سے متعلق ہے تو پھر ان میں ضعیف حدیثوں کا تذکرہ جمہور محدثین کے نزدیک قابل اعتراض نہیں رہتا۔

سیرت کے تین حصے اور ان کے مراتب کے لحاظ سے ان کے معیار صحت کا تفاوت:

اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تین حصے سامنے آتے ہیں ۱- ولادت سے قبل،۲-ولادت کے بعد اور نبوت سے قبل،۳- تیسرا نبوت و بعثت کے بعد ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور اس سے قبل کے حالات یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے یا خاندان کے دوسرے افراد یا کسی راہب یا کسی ہاتف جن یا کسی کاہن یا منجم کے ذریعے سے منقول ہوئے ہیں اور یہی ہو بھی سکتا تھا یا عام شہرت پر اس کی بنیاد ہوئی ہے اور یہ تمام طریقے دنیا میں سیرت کی نقل وترتیب کے لئے کافی سمجھے جاتے ہیں، یہاں شہادت وروایت کی دیگر شرائط تو درکنار سب سے پہلی شرط ''اسلام'' ہی مفقود ہے، ان کے لئے کون شخص ہے جو روایت کے اسلامی دور کی شرائط کو لازم بلکہ معقول سمجھے، اس کے بعد پھر جب اسلامی دور آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ صفت موصوف شخصیت ''آفتاب آمد دلیل آفتاب'' بن کر سب کے سامنے موجود تھی، ہر شخص اپنے اپنے معیار پر اس کو پرکھ رہا تھا اور بڑی آسانی کے ساتھ منزل مقصود پر پہنچ رہا تھا، کس کو ضرورت تھی کہ وہ روزمرہ کے چشم دید واقعات کو نقد وتبصرہ کی میزان میں تولنے بیٹھتا، ان حالات میں یہ کون قیاس کرسکتا ہے کہ سیرت کے اس حصہ کے متعلق بھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، بلکہ ولادت سے بھی۔ پہلے کا ہے، کوئی اسناد ہاتھ لگ سکتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کے حالات کیلئے سند کا مطالعہ کرنا صرف محدثین کا امتیاز ہے

اس لئے بہت ممکن تھا کہ دنیا کے دیگر مشاہیر بزرگوں کی طرح اس کو بھی صرف ''عام شہرت'' کی بناء پر مدون کردیا جاتا اور اگر ایسا کیا جاتا تو جس طرح دنیا کی ان شخصیتوں کے حالات جن پر دنیا کی تاریخ کا مدار ہے، آج تک معتبر

سمجھے جاتے رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بھی معتبر سمجھے جاتے، مگر ہمارے محدثین کی سخت گیری نے آپ کی سیرت کے معاملے میں یہاں بھی سند کا مطالبہ سامنے رکھ لیا اور اپنے زمانے سے لیکر آخر تک جن جن افراد سے وہ واقعات منقول ہوئے تھے ان کو دنیا کے گوشہ گوشہ سے لاکر سب کو ایک جگہ جمع کر دیا اب آپ کو اختیار ہے کہ ان کے اس تشدد پر آپ محدثین کے ذمہ الزامات لگائیں یا ان کی داد دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا تیسرا حصہ وہ ہے جو بعثت کے بعد کے زمانہ سے متعلق ہے اس کے بھی دو حصے ہیں ایک حصہ ''عقائد و اعمال'' کا ہے اور دوسرا حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''عام زندگی'' کا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی میں بھی ہم کو دو قسمیں نظر آتی ہیں، ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''خصوصیات'' جیسے صوم وصال وغیرہ اور دوسری ''اتفاقیہ عادات'' اسی بناء پر فقہ میں بھی سنن ھدیٰ اور سنن زوائد کے دو عنوان الگ الگ قائم کر دیئے گئے ہیں، سنن ھدیٰ سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شریعت ہے جس کی اتباع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بھی مامور ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتفاقی عادات تھیں، وہ سنن زوائد میں داخل ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان کی اتباع کی مکلف نہیں، یہ الگ بات ہے کہ صحابہ میں ایک جماعت ایسی بھی نظر آتی ہے جنہوں نے اپنے جذبات اور شغف اتباع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''اتفاقیات'' میں بھی اتباع کی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے اس حصہ پر جب نظر کی جاتی ہے جو سنن ھدیٰ کہلاتا ہے تو اس کے بھی دو پہلو نظر آتے ہیں، ایک وہ جو امت کے متعلق ہے، مثلاً کسی چیز کا حلال، حرام، واجب اور مستحب ہونا، دوسرا وہ جو بندوں کے اعمال کے ثواب و عقاب سے متعلق ہے، مثلاً کسی عبادت کا ثواب یا کسی گناہ کے عذاب کی مقدار یا جنت و دوزخ کے راحت و آلام کا تذکرہ، اگرچہ دین مجموعی لحاظ سے ان دونوں اجزاء کو شامل ہے لیکن جہاں تک اعمال امت کا تعلق ہے وہ صرف پہلی قسم ہے دین کا یہ حصہ جو عمل یا عقیدہ سے متعلق ہے، اس میں بال برابر فرق آنے سے ''دین'' اور ''تحریف دین'' یعنی سنت اور بدعت کا فرق پڑ جاتا ہے، اس کے برخلاف اگر کوئی شخص بالفرض کسی عبادت کے ثواب یا کسی گناہ کے عذاب میں کچھ نشیب و فراز کر گزرتا

ہے تو اگرچہ بلا شبہ وہ ایک بڑی غلطی کا مرتکب ہے لیکن اس سے دین کے عملی حصہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اس کے برے عواقب کی ذمہ داری تنہا اسی کی ذات تک محدود رہتی ہے۔

اس تفصیل کے بعد جب آپ سلف کے حالات پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ ان تمام اقسام اور ان میں فروق کی رعایت کرتے تھے، جہاں ان کے سامنے کسی عقیدہ کی بحث آگئی، بس یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہاں ان کو لفظی ترمیم کرنی بھی برداشت نہ تھی، اور جب کوئی عمل کا باب آیا بس وہیں کب، کیسا اور کتنا کی بحث شروع ہوگئی، ''رفع یدین'' و ''آمین'' کے مسائل ہمارے آجکل کے تعلیمی دماغوں کے لئے تو معمولی مسائل ہیں مگر جب آپ صحابہ اور محدثین کے حالات پر نظر ڈالیں گے تو ان کے نزدیک یہ معرکۃ الآرا مسائل میں داخل نظر آئیں گے، یہ دوسری بات ہے کہ ان کی وجہ سے ان میں نزاعات نہ تھے، جنگ و جدل نہ ہوتا تھا، اور صرف ان فروعی اختلافات کی بناء پر کوئی فرقہ بندی نہ کی جاتی تھی، ان کا یہ اہتمام جو کچھ بھی تھا وہ صرف ایک سنت کی تلاش اور دین کی زیادہ سے زیادہ اتباع کے لئے تھا، حدیثوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جب کبھی وہ احکام و عقائد کی حدیث روایت کرتے تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا، گلے کی رگیں پھول جاتیں، آواز کانپنے لگتی اور اسی پر بس نہیں بلکہ روایت حدیث کے بعد احتیاط کے جتنے کلمات وہ استعمال کر سکتے تھے کر لیتے، مثلاً ''او کما قال'' ''نحوہ'' ''مثلہ'' سلام کا ایک معمولی سا مسئلہ جب حضرت عمرؓ کے سامنے آپ کی طرف نسبت کے ساتھ ذکر کیا گیا تو فوراً انہوں نے تہدید آمیز لہجہ میں اس پر شہادت پیش کرنے کا مطالبہ فرمایا، حتیٰ کہ اسی قسم کے واقعات سے محدثین کے ہاں یہ بحث پیدا ہوگئی کہ ''خبر واحد'' سلف میں حجت سمجھی جاتی تھی یا نہیں، اس کے برخلاف آپ کی زندگی کے عام واقعات تھے وہ ان پر اسی طرح یقین کر لیتے تھے، جس طرح ہمیشہ ان پر دنیا یقین کرتی چلی آئی ہے اور اسی طرح ان کی روایت کرنے میں بھی عرف و عادت کے مطابق آزاد نظر آتے تھے صحابہ کے اس طرز عمل سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کے ان مختلف حصوں کی روایت کرنے میں ان کے نزدیک بھی سختی و نرمی کا فرق ملحوظ رہتا تھا، یہ بات الگ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا پہلا حصہ بھی اسناد کے بغیر قابل قبول نہ سمجھا گیا تو نبوت کے بعد کا حصہ کب قابل قبول ہو سکتا تھا، ان ہی فروق کو جو درحقیقت سلف

صالحین کے اپنے صحیح تاثرات تھے، محدثین نے اصطلاحی الفاظ میں ادا فرمایا ہے، ہمارے نزدیک گو مجموعی دین سند کے ساتھ ہی منقول ہوا ہے، مگر جس طرح اس مجموعہ کے اجزاء میں مراتب کا تفاوت تھا، اسی طرح اس کی نقل بھی مراتب تفاوت کا لحاظ رہا ہے اور یہ صرف محدثین کا تساہل ہی نہیں، بلکہ ان کی مراتب شناسی کا نتیجہ تھا اور بالکل معقول تھا، وہ خوب جانتے تھے کہ ہر جگہ شدت اختیار کرنے سے سیرت اور فضائل اعمال کا بڑا حصہ ضائع ہوجائے گا اور ہر جگہ تساہل کرنے سے احکام وعقائد کا بڑا بنیادی حصہ بھی مشتبہ ہوجائے گا اس لئے سیرت کے اس حصہ پر بھی وہی نقد وتبصرہ شروع کردینا، جو احکام وعقائد کی حدیثوں پر محدثین کا معمول رہا ہے، ان کے طریقے سے بالکل ناواقفی ہے۔

احکام وعقائد اور معجزات وفضائل کی حدیثوں کی روایت کے متعلق محدثین کی تصریحات:

محدث صابونی، معجزہ کی ایک روایت پر جرح کر کے لکھتے ہیں:۔

"هو في المعجزات حسن (زرقانی ج ۱ص ۱۲۷)

یعنی معجزات میں وہ روایت اچھی ہے۔

حافظ ابن کثیر اسی سلسلہ کی ایک روایت نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

اس واقعہ کی اسناد میں اگرچہ ایسے راوی ہیں جن میں کلام کیا گیا ہے، بااین ہمہ یہاں ایسے قرائن موجود ہیں جس کی وجہ سے اس روایت پر صدق وصفا کا نور چمک رہا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ص ۳۱۹ ج ۲)

حافظ زرقانی شرح مواہب میں اصول کے طور پر لکھتے ہیں:۔

یہ اس لئے کہ محدثین کی عادت ہے کہ عقائد واحکام کے علاوہ دوسری روایتوں میں وہ نرمی برتتے ہیں۔ (زرقانی ص ۱۷۲)

حافظ ابن تیمیہؒ کی محدثانہ طبیعت سے کون واقف نہیں مگر وہ بہت تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں:۔

احکام وعقائد کے متعلق ان ضعیف حدیثوں پر اعتماد کرنا جو صحیح بھی نہ ہوں اور حسن

بھی نہ ہوں جائز نہیں ہے، لیکن امام احمد وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال میں ایسی حدیثیں روایت کی جا سکتی ہیں جن کے متعلق ثبوت کا یقین نہ ہو، بشرطیکہ یہ یقین حاصل ہو کہ وہ جھوٹی نہیں ہیں، بات یہ ہے کہ جب کسی عمل کا مشروط ہونا کسی شرعی دلیل سے پہلے ثابت ہو چکا ہو تو اس کے بعد اگر کسی ایسی حدیث میں جس کا جھوٹا ہونا معلوم نہ ہو اس کے متعلق کوئی فضیلت مذکور ہو تو اس صواب کے صحیح ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے، لیکن کسی ضعیف حدیث سے کسی عمل کا واجب یا مستحب قرار دینا یہ کسی امام کے نزدیک بھی جائز نہیں اور جس نے یہ کہا ہے اس نے اجماع کے خلاف کیا۔

حدیث کے متعلق جب یہ معلوم نہ ہو کہ وہ جھوٹی ہے تو فضائل میں اس کی روایت کرنا قرین قیاس ہے، لیکن جب یہ معلوم ہو کہ وہ جھوٹی ہے تو پھر اس کی روایت صرف اس شرط سے جائز ہے کہ اس کے ساتھ اس کا حال بھی بیان کر دیا جائے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۰۱)

ملا علی قاریؒ اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں لکھتے ہیں:-

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ علماء حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ موضع روایت خواہ وہ کسی باب کی بھی ہو، بیان کرنا جائز نہیں بجز اس صورت کے کہ اس کا موضوع ہونا بھی ساتھ ساتھ بیان کر دیا جائے، بخلاف ضعیف حدیث کے کہ احکام وعقائد کے علاوہ دوسرے ابواب میں اس کا روایت کرنا جائز ہے، امام نووی، ابن جماعہ، طیبی، بلقینی اور عراقی کا مختار بھی یہی ہے۔

حافظ ابن الصلاح اپنی مشور تصنیف مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

اہل حدیث اور دوسرے اصحاب کے نزدیک بھی اسانید میں نرمی برتنی جائز ہے، بلکہ موضوع حدیثوں کے علاوہ ہر قسم کی روایت کرنا درست ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ شریعت کے احکام اللہ تعالیٰ کی صفات کے علاوہ ان ضعیف حدیثوں کے ضعف پر تنبیہ کرنا بھی لازم نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ مواعظ اور فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب کی حدیثوں میں جن کا احکام سے تعلق نہ ہو ضعیف حدیثیں روایت کرنی یہ سب درست ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح)

ان کبار علماء کی تصریحات سے ظاہر ہے کہ عام سیرت تو درکنار اعمال کے متعلق فضائل کی حدیثوں میں بھی ضعیف حدیثیں روایت کی جا سکتی ہیں اور یہ کہ حدیث، ''من کذب علی الخ'' کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہاں یہ لکھ ڈالنا کہ ''معجزات'' ہوں یا

فضائل ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جس چیز کی بھی نسبت کی جائے وہ شک و شبہ سے پاک ہو" یہ بالکل خلاف تحقیق ہے، پھر اس کی نسبت امام نووی، ابن جماعہ، عراقی اور بلقینی وغیرہ محدثین کی جانب کرنی یہ ایک علمی سہو ہے اور خلاف واقعہ ہے، فضائل تو درکنار، حلال وحرام کی تمام حدیثوں کے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ان کی نسبت ہر جگہ شک وشبہ سے پاک، یہ صرف معتزلہ کی ایک "خوش کن" تعبیر ہے اور بس، علماء شرع کے نزدیک یقین کے ساتھ ظن بھی حجت ہے، تفصیل ہمارے مضمون "حجیت حدیث" میں دیکھ لی جائے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ کتب دلائل ے میں اگر ضعیف حدیثیں آگئی ہیں تو یہ اس لئے نہیں کہ یہاں کے مصنفین کا علمی قصور یا تساہل ہے، بلکہ اس لئے کہ ان کا موضوع تصنیف ہی، وسیع ہے اگر یہاں امام بخاریؒ بھی آجائیں تو ان کا مشرب بھی آپ کو اتنا ہی وسیع نظر آئے گا، اسی طرح اگر یہی اصحاب دلائل احکام وعقائد کے باب میں چلے جائیں تو وہاں آپ کو وہ بھی شدت پسند نظر آئیں گے، آخر "الصحیح" کو چھوڑ کر "ادب المفرد" اور تاریخ صغیر وکبیر اور جزء رفع الیدین وغیرہ امام بخاریؒ ہی کی تصانیف تو ہیں، پھر ان کے تشدد کا معیار یہاں وہ کیوں نہیں رہا؟ کیا یہاں ان پر تساہل کا الزام لگایا جاسکتا ہے۔

حدیث موضوع اور اس کی روایت کرنا:

یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جس حدیث کو اصطلاح میں موضوع کہا جاتا ہے، محدثین نے کسی تنبیہ کے بغیر اس کی روایت کرنے کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے، اس میں کسی حصہ کی کوئی تفریق نہیں ہے، اور کیسے تفریق کی جاسکتی تھی، جبکہ کذب، شریعت میں یوں بھی ایک بدترین جرم سمجھا گیا ہے، اور جب اس جرم کا ارتکاب حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہو تو اس کی قباحت اور شناعت کا خود اندازہ کر لیجئے اسی کا نام عرف محدثین میں "موضوع" ہے اور اس کے وضع پر تنبیہ کئے بغیر اس کی روایت کرنا بھی بڑی فروگذاشت ہے، اس میں احکام وعقائد ہوں یا اعمال وفضائل کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تو درکنار دنیا کے کسی عام سے عام شخص کے متعلق بھی جان بوجھ کر جھوٹ بولنا شرعاً حرام ہے اور درحقیقت من کذب علی متعمداً کا مصداق یہی تعمد کی صورت ہے، یعنی جان

بوجھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کسی جھوٹ کی نسبت کی جائے خواہ وہ آپ کے کسی بھی شعبۂ زندگی کے متعلق ہو، ضعیف حدیثوں کو بھی اسی لپیٹ میں لے لینا جن کا ایک ایک راوی بیان کر دیا جائے یہ بالکل خلاف تحقیق اور مذہب جمہور کے مخالف ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ امام احمدؒ کی مسند میں حدیثوں کے روایت کرنے کے معیار کو اپنے ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:۔

امام احمد کا جو طریقہ روایت ان کی مسند میں نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ کسی حدیث کو موضوع یا موضوع سے قریب پاتے ہیں، پھر اس کی روایت نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بہت سے راویوں کی حدیثیں قلمزد کر دیں اور انہیں مسند میں ذکر نہیں کیا۔

(اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۵۷)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسند میں جو حدیثیں امام احمد نے قلمزد کی ہیں، وہ صرف وہی ہیں جو موضوع یا اس کے قریب تھیں، عام ضعیفی حدیثیں اپنی مسند سے خارج نہیں کیں، پھر ہر ضعیف حدیث کی روایت کو حرام قرار دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے، کیا مصنفین ''دلائل'' کے ساتھ امام احمدؒ کو بھی اسی فہرست میں داخل کرنے کی جرأت کی جا سکتی ہے؟

محدثین کی اصطلاح میں ضعیف حدیث کی تعریف:

محدثین کے نزدیک ہر حدیث جس میں صحیح وحسن کی شراط میں سے ایک شرط بھی نہ ہو تو وہ ''ضعیف کہلاتی ہے، مگر اس پر موضوع کا اطلاق اس وقت تک ہرگز نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس میں راوی کا کذب ثابت نہ ہو جائے، لہذا یہاں زور قلم میں آکر ہر ضعیف حدیث پر ''موضوع'' کا اطلاق کر دینا محدثین کی اصطلاع سے لاعلمی ہے، اور ہر ضعیف حدیث کی روایت کو لغو، جھوٹ اور جعلی دفتر کہہ کر حرام قرار دے دینا بھی فن کے معمولی قواعد سے انتہائی ناواقفی ہے۔

حدیث ضعیف کی دو قسمیں مقبول اور مردود:

محدثین نے ضعیف حدیث کی بھی دو قسمیں کی ہیں اور اس کے حالات بھی مختلف لکھے ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ضعیف حدیث کے ساتھ کچھ قرائن اور شواہد ایسے جمع ہو جاتے

ہیں جو اہل فن کے نزدیک اس کو قابل اعتبار بنادیتے ہیں، اور کبھی ایسے قرائن جمع نہیں ہوتے، پہلی صورت میں وہ ضعیف ہونے کے باوجود "حدیث مقبول" کی قسم میں داخل ہوجاتی ہے اور وہ بھی قابل عمل سمجھی جاتی ہے، جیسا کہ حافظ ابن تیمیہؒ میت کو دفن کرنے کے بعد تلقین کرنے کے متعلق لکھتے ہیں:۔

وروی فی تلقین المیت بعد الدفن حدیث فیه نظر لکن عمل به رجال من اهل الشام الاولین مع روایتهم له فلذلک استحبه اکثر اصحابنا وغیرهم (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۲٦)

دفن کے بعد تلقین میت کے بارے میں جو حدیث مروی ہیں اس میں کلام کیا گیا ہے، مگر چونکہ شام کے اہل علم اس کی روایت کے ساتھ اس پر عمل بھی کرتے ہیں اس لئے اکثر حنبلی علماء نے اس کو مستحب سمجھا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ فضائل تو درکنار بعض مرتبہ ضعیف حدیث احکام ومسائل کے باب میں بھی قابل عمل سمجھی جاتی ہے بشرطیکہ وہاں قرائن ایسے موجود ہوں اور جہاں یہ قرائن جمع نہیں ہوتے، اس کو اصطلاح میں "مردود" کہتے ہیں، محدثین کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ اس پر لغو، جھوٹ جیسے قبیح الفاظ کا اطلاق کرنا درست ہے، بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ جب تک اس کا حال واضح نہ ہوجائے، اس پر عمل نہ کیا جائے (دیکھو شرح نخبۃ الفکر وغیرہ)

صحیح وضعیف کے معنی میں محدثین کی اصطلاح اور اردو کے استعمال میں فرق کرنا لازم ہے:

یہاں صحیح وضعیف کے اطلاق کرنے یا انکار کرنے میں اردو کے استعمال کا فرق ملحوظ رکھنا بھی بہت اہم ہے، اردو کے استعمال میں ہر اس بات کو جو اہل فہم وعقل کے نزدیک قابل اعتبار ہو کسی اعتراض کے بغیر صحیح کہہ دیا جاتا ہے، خواہ محدثین کی اصطلاح کے مطابق کسی ہلکے سے ہلکے معیار پر بھی اس کو صحیح نہ کہا جاسکے، اس کے مقابلے میں صحیح نہ ہونے کا مطلب اردو میں یہ ہوتا ہے کہ وہ بات ناقابل اعتبار ہے، لیکن محدثین کی اصطلاح میں صحت

کے لئے خاص خاص شرائط ہیں اور پھر اس کے اندر بھی مختلف مراتب ہیں اس کے بعد پھر حسن کا درجہ ہے اور اس کے بھی بیشمار مدارج ہیں، اس کے بعد پھر ضعیف کا درجہ ہے اور اس میں بھی مراتب کا حال یہی ہے، جن میں سے ضعیف حدیث کبھی کبھی مقبول بھی شمار ہو جاتی ہے، اس لحاظ سے محدثین کی اصلاح کے مطابق کسی حدیث پر یہ حکم دیکھ کر کہ وہ صحیح نہیں ہے، اس کا مردود ہونا سمجھ لینا یہ بالکل غلط ہوگا اس کے برخلاف اردو کے محاورہ میں اس کے صحیح نہ ہونے کا یہی مطلب سمجھا جائے گا کہ وہ ناقابل اعتبار ہے اور مردود ہے، بلکہ اگر کسی کے سامنے یہ کہا جائے کہ امام بخاری و مسلم نے اس کی صحت کا انکار کیا ہے تو ایک اردو خواں اس مغالطہ میں بھی بجا طور پر پھنس سکتا ہے کہ جب یہ بات ان جیسے اکابر محدثین کے نزدیک صحیح نہیں تو وہ یقیناً بالکل جھوٹ، لغو اور افترا ہوگی، حالانکہ یہاں معاملہ یہ ہے کہ اس کی صحت کا انکار جتنے بڑے محدث سے منقول ہوگا، اسی قدر اس سے ہلکے معیار والے محدث کے نزدیک اس بات کی صحت کا احتمال باقی رہے گا، اس لئے معجزات کی حدیثوں پر جہاں محدثین کی جانب سے ''لایصح'' کا حکم منقول ہے، اس کے اردو ترجمہ کرنے میں بڑی احتیاط لازم ہے، ورنہ محدثین کی اصطلاحات سے ناواقف لوگوں کو ہمیشہ یہاں یہ مغالطہ رہ سکتا ہے کہ یہ روایات سب بے سروپا اور لغو ہیں، بلکہ اسی مغالطہ میں بعض تعلیم یافتہ بھی مبتلا ہو سکتے ہیں اور ان کو بھی اس نکتہ سے غفلت رہ سکتی ہے کہ محدث کے کسی حدیث کی صحت سے انکار کا مطلب وہ نہیں ہے جو اردو میں اس سے انکار کا مطلب سمجھا جاتا ہے۔

ضعیف یا موضوع ہونے سے حدیث کا مطلقاً موضوع یا ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا:

ان علمی مباحث اور فنی اصطلاحات کو ایک اردو تصنیف میں اور کہاں تک طول دیا جائے اصول حدیث میں اس کی بھی تصریح ہے کہ کسی حدیث پر کسی محدث کے ضعف کا حکم لگا دینے سے اس حدیث کا مطلقاً ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات وہ حکم صرف اس اسناد کے لحاظ سے ہوتا ہے جو اس وقت اس محدث کے سامنے ہوتی ہے، لہذا ہو سکتا ہے

کہ ایک ہی حدیث کو ایک اسناد کے لحاظ سے ''ضعیف'' کہہ دیا جائے اور دوسری اسناد کے لحاظ سے وہ ''قوی'' ہو، یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی نے بعض حدیثوں پر ضعف کا حکم لگایا ہے حالانکہ خارج میں وہ صحیح اسناد سے ثابت ہیں، یہاں ایک ناوقف شخص تو حیرت میں پڑ جاتا ہے، مگر اہل فن سمجھ لیتا ہے کہ امام موصوف کا یہ حکم اس خاص اسناد پر ہے۔

نکتہ:

اور یہی وجہ ہے کہ بعض حدیثوں پر بڑے بڑے محدثین نے موضوع ہونے کا حکم لگا دیا ہے لیکن جن حفاظ کو اس کی اچھی سند مل گئی ہے، انہوں نے اس حکم کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ صرف اسی سند تک محدود سمجھا جو اس وقت موضوع کہنے والوں کے سامنے تھی اس کے شواہد اسی کتاب میں آئندہ آپ کے ملاحظہ سے گزریں گے۔

محدثین کی اصطلاح میں ''لا یصح'' اور ''لا یثبت'' کے درمیان بڑا فرق ہے اور اس سے بھی حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا:

مولانا عبدالحی صاحبؒ اپنے رسالہ ''الرفع والتکمیل'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

''بسا اوقات محدثین کسی حدیث کے متعلق لا یصح اور لا یثبت کا لفظ فرما دیتے ہیں، ناواقف اس سے یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک موضوع یا ضعیف ہے، یہ خیال ان کی اصطلاح سے جہالت اور ان کی تصریحات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

چنانچہ حافظ نور الدین فرماتے ہیں:

امام احمدؒ نے اس حدیث کے متعلق جو عاشورا کے دن اپنے عیال پر وسعت کرنے کے متعلق وارد ہوئی ہے لا یصح کا لفظ فرما دیا ہے، مگر ان کے اس قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ باطل ہو، کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک حدیث گو صحت کے رتبہ کی نہ ہو مگر قابل استدلال ہوتی ہے، کیونکہ صحیح اور ضعیف کے درمیان ایک درجہ ''حسن'' کا بھی ہے۔

اسی طرح حافظ زرکشی نکت ابن صلاح میں فرماتے ہیں کہ:

ہمارے "لا یصح" اور "موضوع" کہنے میں بہت بڑا فرق ہے، کیونکہ "موضوع" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں راوی کا جھوٹ اور وضع ثابت ہو گیا اور "لا یصح" کے لفظ میں صرف اپنے علم میں صحت کی نفی کا حکم ہے، یعنی فلاں حدیث ہمارے علم میں ثابت نہیں ہوئی، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ "اس کا نہ ہونا" یہ ہمارے علم میں ثابت ہے، یہی بات ان تمام حدیثوں کے متعلق کہی جا سکتی ہے جن کے بارے میں ابن جوزی نے "لا یصح" کا حکم لگا دیا ہے۔

اسی طرح حافظ قسطلانی نے شب نصف شعبان کی حدیث کے متعلق حافظ ابن رجب سے یہ نقل کیا ہے کہ ابن حبان اس کو صحیح کہتے تھے۔

حافظ زرقانی کہتے ہیں کہ:

ابن حبان کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن دحیہ کا اس شب کی فضیلت کے متعلق مطلقاً یہ حکم لگا دینا کہ "لم یصح فیھا شیء" یعنی اس کے متعلق کوئی حدیث بھی صحت کو نہیں پہنچی، درست نہیں تھا، ہاں ابن دحیہ کا یہ حکم اس وقت قابل تسلیم ہو سکتا ہے کہ جبکہ "لم یصح" میں صحت سے مراد "صحت اصطلاحی" کی نفی لی جائے، کیونکہ بلاشبہ معاذؓ کی جو حدیث اس شب کی فضیلت میں روایت ہوئی ہے وہ صحت کے درجہ کو نہیں پہنچتی، لیکن وہ "حسن" ضرور ہے (دیکھو ترجمان السنہ مقدمہ ص ۲۶)

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

محدثین جب کسی حدیث کے متعلق یہ حکم لگاتے ہیں کہ وہ "ضعیف" ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس پر صدق کا حکم لگایا نہیں جا سکتا، اس کی مراد یہ ہرگز نہیں ہوتی کہ صرف اتنی بات سے اس کے راوی پر کذب کا حکم لگا دیا جائے اور جو مضمون اس نے نقل کیا ہے اس کی نفی کر دی جائے، اگرچہ اس نفی کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل بھی نہ ہو، لہذا اس قسم کے مقامات پر ہم سکوت کریں گے، نہ اس کے ثبوت کا حکم لگائیں گے اور نہ نفی کا، اس قاعدہ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، کیونکہ بہت سے لوگ کسی بات کی مدلل نفی کرنے میں اور

بے دلیل بات پر ثبوت کا حکم نہ لگانے میں کوئی فرق ہی نہیں کرتے، اور ہر ایسی بات کی نفی کر ڈالتے ہیں، جس کا ثبوت ان کے علم میں نہیں ہوتا اور "**لا تقفف ما لیس لک به علم** کے خلاف کرتے ہیں (دیکھو ترجمان السنہ ج ۳ ص ۳۰۸)

اگر مذکورہ بالا امور کو پیش نظر رکھا جاتا تو کتب دلائل کی حدیثوں کے متعلق لغو، جھوٹ کے الفاظ جس کثرت سے استعمال کئے گئے ہیں یقیناً وہ اس سے کئی درجہ گھٹ جاتے اور اگر اس کی رعایت بھی کر لی جائے کہ بعض مرتبہ وضع وضعف کا حکم پوری روایت پر نہیں ہوتا بلکہ صرف کسی زیادتی کے اعتبار سے ہوتا ہے، جو بعض راویوں نے بڑھا دی ہے تو ضعیف حدیثوں کی تعداد اور بھی کم ہو جائے گی، خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو دین تیرہ سو ۱۳۰۰ سال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ لیکر منتقل ہو رہا ہے اس کے متعلق ہر جگہ اعلیٰ معیار کی شرط صرف وہ شخص لگا سکتا ہے جو نہ تو دین کی تفصیلات پر نظر رکھتا ہو نہ اس کی تبلیغ کی ذمہ داری محسوس کرتا ہے، وہ صرف لفظی دنیا میں بسر کرتا ہے وہ صرف مذبذین کے قلوب کو ان خوش کن تعبیرات سے مسخر تو کر سکتا ہے لیکن عملی دنیا میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا، بلکہ چلنا چاہتا بھی نہیں، اسی لئے محدثین نے مختلف مراتب اور مختلف شرائط کی تصانیف فرمائی ہیں ان میں صحیح سے صحیح اور اعلیٰ سے اعلیٰ معیار کی بھی ہیں اور متوسط معیار کی بھی ہیں اور وہ بھی ہیں جن میں ضعیف حدیثیں شامل ہیں اگر چہ ان کی ضعیف حدیثیں بھی مورخین دنیا کی صحیح سے صحیح خبروں سے بھی کہیں زیادہ قابل اعتبار ہیں، بلکہ موضوعات پر بھی مبسوط اور مستقل تصانیف فرمائی ہیں جن میں ان احادیث کے متعلق اپنی اپنی آراء کو ظاہر فرمایا ہے، اور ان احادیث کے موضوع ہونے یا نہ ہونے کے متعلق بھی کلام کیا ہے۔

تنبیہ:

حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبۃ الفکر میں لکھا ہے کہ ہمارا کسی حدیث پر موضوع کا حکم لگانا بھی قطعی نہیں ہوتا، بلکہ صرف اپنے علم پر مبنی ہوتا ہے اور اس کی تفصیل بیان کی ہے، مراجعت کی جائے، اس کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ فن حدیث بازیچۂ اطفال نہیں، لہذا یہاں احتیاط میں ضعیف حدیثوں کو مطلقاً لغو اور جھوٹ کا دفتر قرار دے دینا صرف نظر کا

قصور ہے، جس طرح صحت کا حکم لگانا، علم وتقویٰ کا محتاج ہے، اسی طرح کذب اور باطل کا حکم لگانا بھی علم وتقویٰ کا محتاج ہے، یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ کے سامنے جب کوئی ضعیف حدیث آتی اور اس کے معارض کوئی دوسری حدیث نہ ہوتی تو اگر چہ وہ ان کا مختار نہ ہوتی، مگر کم از کم ایک مرتبہ وہ اس پر بھی عمل کر لیتے، مبادا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہو اور ہمارے قصور علم کی وجہ سے صحیح طریقہ پر ہم کو نہ پہنچا ہو۔

امام احمد اور دیگر ائمہ کی نظروں میں حدیث ضعیف کی اہمیت کی وجہ

ہمارے مذکورہ بالا بیان سے یہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہئے کہ حدیث ضعیف کی ائمہ و محدثین کے نزدیک اہمیت کیوں ہے؟ وہ خوب جانتے ہیں کہ ضعیف ہونے کا حکم جس معیار پر لگا دیا جاتا ہے اس سے کسی خبر کا نفس الامر میں باطل اور بے اصل ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ ان کا ثبوت کبھی دنیا کی معتبر خبروں سے زیادہ مضبوط طریق پر موجود ہوتا ہے، مگر چونکہ محدثین کے اس سخت معیار پر وہ پورا نہیں اترتا جو انہوں نے خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے لئے مقرر کیا ہے، اس لئے وہ اس معیار کے مطابق اس کو اصطلاحاً ''صحیح'' نہیں کہہ سکتے اور بعض مرتبہ اس کے ضعیف ہونے کے اقرار کے ساتھ ساتھ وہ یہ تصریح بھی کر جاتے ہیں کہ اس کو ضابطہ میں گو صحیح نہ کہا جا سکے مگر دوسرے قرائن کے لحاظ سے وہ قابل تسلیم ہے، اس لئے ضعیف حدیثوں کی وجہ سے کتب دلائل کی حیثیت آج کل کے مولود شریف کی موضوع کتابوں کے برابر سمجھ لینا اصطلاحات سے ناواقفیت کے سوا ان کی علمی ناقدری بھی ہے اور اس قیمتی ذخیرہ کا تلف کر دینا جو ہمارے دین سے متعلق ہے، کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ حکم شرعی اپنی جگہ ثابت شدہ ہو اور جو ''ضعف'' ہم کو اس میں نظر آ رہا ہے وہ ہماری روایت اور درایت کے مطابق ہو۔

کتب دلائل کو مروجہ میلاد شریف کے دور کی تالیفات سمجھنا ایک علمی اور تاریخی فروگذاشت ہے

جہاں تک ہم کو معلوم ہے مولود شریف کی مجالس کے سب سے پہلے باضابطہ سجانے

والے ملک مظفر ابو سعید ہیں، جن کی وفات ۶۳۰ھ میں ہوئی ہے (دیکھو شرح المواہب ج ۱ص ۱۳۹)

اس لحاظ سے ان مجالس کا رواج بظاہر چھٹی صدی کے آخر سے شروع ہوا ہوگا، اس کے بعد پھر الناس علیٰ دین ملوکھم کے ضابطہ کے موافق شدہ شدہ ان کا رواج عام پڑ گیا ہوگا، چونکہ کتب دلائل کی اکثر تالیفات تیسری صدی کے آخر یا چوتھی صدی کے ابتداء میں ہوئی ہیں، اس لئے ان کا زمانہ بظاہر مولود شریف کے رواج عام سے پہلے پہلے کا زمانہ ہے، لہذا ان ائمہ حدیث کے متعلق حسب ذیل کلمات لکھ دینا ان کے حق میں ناحق کی بدگمانی تو ہے ہی، ایک تاریخی فروگزاشت بھی ہے۔

(کتاب دلائل) ''یہی کتابیں ہیں جنہوں نے معجزات کی جھوٹی اور غیر مستند روایتوں کا ایک انبار لگا دیا ہے اور ان ہی سے میلاد و فضائل کی تمام کتابوں کا سرمایہ مہیا کیا گیا ہے''۔

''ان روایتوں کی تدوین میں ضروری احتیاطیں مدنظر نہیں رکھیں یا یوں کہو کہ عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے فضائل ومناقب کی کثرت کے شوق میں ہر قسم کی روایتوں کے قبول کرنے پر ان کو آمادہ کر دیا''۔

''ان روایتوں کا بڑا حصہ انہیں کتابوں کے ذریعہ سے پھیلا ہے جو ان مجالس کی غرض سے وقتاً فوقتاً لکھی گئیں''

''بیہقی اور ابونعیم نے دلائل میں اور سیوطی نے خصائص میں علانیہ دوسرے انبیاء کے معجزات کے مقابل میں انہیں کے مثل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے...... ظاہر ہے کہ اس مماثلت اور مقابلے کے لئے تمام تر صحیح روایتیں دستیاب نہیں ہوسکتیں، اس لئے لوگوں نے انہیں ضعیف اور موضوع روایتوں کے دامن میں پناہ لی، کہیں شاعرانہ تخیل کی بلند پروازی اور نکتہ آفرینی سے کام لیا''۔

''یہ ایک معمولی واقعہ ہے مگر کتاب دلائل کے مصنفین نے اس کو بھی معجزہ قرار دیا ہے''۔

''معجزات کی تعداد بڑھانے کے شوق میں کتب دلائل کے مصنفین نے یہ بھی کیا ہے کہ ایک ہی واقعہ کی روایت .... میں ذرا سا بھی اختلاف نظر آیا تو اس کو چند واقعات قرار دیا ہے''۔

یا مثلاً حافظ ابن عساکرؒ جیسے شخص کو ضعیف روایتوں کا سرپرست یا مثلاً حافظ ابن حجرؒ جس کو محدثین نے ''حافظ الدنیا'' کا لقب دیا ہے، ان کے متعلق یہ لکھنا:-

''ابن حجرؒ جیسے کمزور روایتوں کا سہارا اور پشت پناہ''۔

روایات پر تنقید علیحدہ چیز ہے اور محدثین کبار کی شان میں یہ آزادانہ کلمات بالکل دوسری بات ہے، اس کا نتیجہ محدثین سے بداعتمادی کے سوا اور کیا ہے۔ انا لله وانا اليه راجعون۔

مستدرک حاکم کا صحیح مقام محدثین کی نظروں میں:

بعض شدت پسند محدثین کی مستدرک پر سخت نکتہ چینی کی وجہ سے یہ غلط خیال پھیل گیا ہے کہ عام محدثین کے ہاں بھی مستدرک کا گویا کوئی وزن ہی نہیں حتیٰ کہ کسی روایت کا مستدرک میں ہونا بس یہی اس کے ضعف کا سب سے بڑا ثبوت ہے، حالانکہ یہاں حاکم کا علمی پایہ اور مستدرک کی تعریف کا لحاظ رکھنا بھی لازم تھا، اتنے بڑے شخص کی اتنی بڑی ضخیم تصنیف کو صرف ضعیف اور موضوعات کا ذخیرہ سمجھ لینا یہ بڑی حقیقت ناشناسی ہے، حافظ ذہبیؒ، جنھوں نے خود تلخیص المستدرک کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے، اس غلط فہمی کو دور فرمادیا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:-

مستدرک حاکم میں ایک بڑا حصہ وہ ہے جو ''صحیحین کی شرط'' پر ہے اور ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو ان دونوں میں صرف ''ایک کی شرط'' پر ہے ان دونوں کے مجموعہ کی مقدار تقریباً نصف کتاب کے ہوگی، اس کے علاوہ چوتھائی کتاب دوسری ''صحیح حدیثوں'' پر مشتمل ہے جس میں کچھ کلام کی گنجائش ہوسکتی ہے، اب رہی، بقیہ چوتھائی تو بیشک اس میں منکر اور واہیات حدیثیں ہیں جو صحیح نہیں اور ان ہی میں کچھ موضوعات بھی شامل ہیں، امام سیوطیؒ نے ان کی تعداد تدریب میں کل سو حدیث لکھی ہے۔ (تدریب الراوی ص ۳۱)

اور ان سے قبل حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی اپنے الفاظ میں اس کا ازالہ فرمادیا ہے:-

اور اسی طرح حاکم بھی ہیں جو اپنی مستدرک میں بہت سی حدیثوں کو صحیح لکھ جاتے ہیں، اور محدثین کے نزدیک وہ ''موضوع'' ہوتی ہی اور بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو حاکم نے مرفوع بنادیا ہے اور در حقیقت تھیں وہ موقوف یہی وجہ ہے کہ محدثین صرف حاکم کی تصحیح پر

حدیث کا فیصلہ نہیں کرتے اگر چہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ جس حدیث کو حاکم صحیح کہتے ہیں وہ صحیح ہوتی ہے، لیکن ان کی مثال اس ثقہ شخص جیسی ہے جو بہت غلطی کھاتا ہو، اگر چہ عام طور پر اس کا حکم صحیح ہو۔ (التوسل والوسیلہ ص ۸۱،۸۰)

ان دو حافظوں کے بیان سے یہ بخوبی واضح ہوگیا ہے کہ مستدرک کی صحت، اگر چہ بخاری و مسلم کی طرح علی الاطلاق مسلم نہ ہو، لیکن اتنی بے بنیاد بھی نہیں جتنا کہ عام لوگوں میں اس کی شہرت اڑ گئی ہے، بلکہ حاکم کی تصحیح اکثر مقامات پر صحیح اور معتبر ہے اور جہاں صحیح نہیں ہے، ان میں بھی سب حدیثیں موضوع نہیں ہیں، بلکہ بعض جگہ حاکم نے صرف تساہل کیا ہے کہ موقوف حدیث کو مرفوع کر دیا ہے اور بیشک بعض حدیثیں موضوع بھی ہیں مگر ان کی تعداد بہت قلیل ہے، ہمارے نزدیک اصل بات یہ ہے کہ اگر حاکم اپنی تالیفات کے متعلق ''استدراک علی الصحیحین'' کا دعویٰ نہ کرتے تو اعتراضات کی جو بوچھاڑ ان پر اب ہوئی ہے یہ شاید نہ ہوتی، اب ایک طرف تو ان کا دعویٰ استدراک علی الصحیحین کا ہے، جن کی صحت ضرب المثل ہو چکی ہے، دوسری طرف تمام حدیثوں میں وہ معیار قائم نہیں رہا، اس لئے فطرۃً ان کی تصحیح پر نظریں سخت ہو گئیں ہیں، ورنہ اگر حاکم، مستدرک کا نام صرف ''الصحیح'' رکھتے اور ان حدیثوں کے صحیحین کے معیار پر ہونے کا دعویٰ نہ کرتے تو جس شدت سے ان پر اب تنقید کی گئی ہے، یہ نہ کی جاتی، اسلئے آپ دیکھیں گے کہ ذہبی تعقبات میں کہیں تو صرف یہ لکھ دیتے ہیں کہ لیس علیٰ شرطھما یعنی یہ حدیث صحیحین کی شرط پر نہیں ہے اور کہیں لیس علیٰ شرط مسلم یا علیٰ شرط الصحیح کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پیش نظر ہر جگہ حدیث پر فی نفسہ حکم لگانا نہیں بلکہ یہ تنبیہ کرنی بھی ہوتی ہے کہ فلاں حدیث بخاری یا مسلم کی شرط یا دونوں کی شرطوں پر نہیں ہے، اس لئے اس کو مستدرک میں درج کرنا صحیح نہیں، لہذا ان کے معاوضہ سے ہر جگہ یہی اخذ کر لینا کہ وہ اس حدیث کے خلاف ہیں بہت سطحی نظر ہے، لہذا جو معجزات مستدرک میں مذکور ہیں، ان کے متعلق شروع سے یہی بدگمانی کر لینی کہ وہ ضرور ضعیف ہونگے، اور تلاش کر کے ان میں اسباب ضعف نکالنا یہ صرف مزاجی خشکی کا نتیجہ ہے، یہاں اگر صرف ایک طرف حاکم کے متعلق تصحیح احادیث

میں تساہل کی شہرت ہے تو دوسری طرف شدت پسندی میں ابن جوزی کی شہرت بھی اس سے کم نہیں ہے، حتیٰ کہ بعض بخاری کی حدیثوں پر بھی انہوں نے ''وضع'' کا حکم لگادیا ہے، اس لئے یہاں بھی محدثین کو ان حدیثوں کو علیحدہ ذکر کرنا پڑا ہے جو درحقیقت صرف ابن جوزیؒ کے مزاجی تشدد کی بناء پر موضوعات کی فہرست میں درج کردی گئی ہیں، پھر اسی پر بس نہ کرنا بلکہ یہاں وضاعین وکذابین کی اس تمام تاریخ کو لکھ ڈالنا جس سے ان مقدس محدثین کے دامن کے بھی ملوث ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوسکتا ہے کتنی بڑی کوتاہی ہے اور تصنیفی لحاظ سے بھی بے محل بحث ہے، میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ کتب دلائل میں ضعیف حدیثیں نہیں آئیں اور نہ ضعیف حدیثوں کی علی الاطلاق تائید کرنا چاہتا ہوں، بلکہ میرا مقصد صرف یہ تنبیہ کرنا ہے کہ علمی لحاظ سے کتب دلائل کا صحیح مقام پہچاننے اور اس کے ادا کرنے میں جو طرز نگارش اختیار کیا جائے وہ ایسا نہ ہونا چاہئے جو خلاف واقع بھی ہو اور خطرناک بھی ہو۔

کسی غیر ثابت شدہ واقعہ کی یقینی طور پر تصدیق نہ کرنے کے اعتذار میں اور جزم کے ساتھ اس کا انکار کردینے کے دلائل جمع کرنے میں بہت بڑا فرق ہے، اگر عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بدذوق شخص یہاں معجزات کے لئے بھی احکام وعقائد کی حدیثوں کی طرح صحت کے شرائط لگانا چاہتا ہے تو لگائے، مگر جمہور کے خلاف یہاں انکار معجزات کو ایک ''فن'' بناڈالنا اور اس کے ابواب وفصول کو اس طرح مدون اور مبرہن کرتے چلے جانا کہ نہ صرف ان معجزات سے بلکہ تمام کتب دلائل سے اور نہ صرف کتب دلائل سے بلکہ ان کے مسلم مولفین سے بھی بداعتقادی پیدا ہوجائے یہ بہت مہلک غلطی ہے یہاں ایک سیدھی اور سچی سی بات بھی لکھی جاسکتی تھی کہ مولودخوانوں اور عام واعظوں نے صرف عوام کی دلچسپی کی خاطر کتب دلائل میں سے چھانٹ چھانٹ کر صرف وہی روایات پھیلانی شروع کردیں جو ان میں سب سے زیادہ ضعیف اور ان محدثین کے نزدیک بھی غیر معتبر تھیں، بس اتنی بات سے ایک صحیح حقیقت بھی ادا ہوجاتی اور کتب دلائل اور ان کے مصنفین سے کوئی بدظنی بھی پیدا نہ ہوتی، اس کے برعکس ضعیف اور موضوع روایتوں کے ساتھ معجزات کی معتمد روایات کو لپیٹ لینا، بلکہ ان کے مصنفین پر بھی سخت سے سخت نکتہ چینی کرجانا بلکہ اگر کوئی محدث ان پر

نکتہ چینی کی جوابدہی کرتا نظر آئے تو اس کو بھی قبول نہ کرنا اور یہ لکھدینا کہ:-

''لیکن ثقات محدثین کی بارگاہ میں یہ کوئی معمولی گناہ نہیں اس کی خاموشی (یعنی حدیثوں کے متعلق صحت وضعف کا حکم بیان نہ کرنا، خدا انہیں معاف کرے) آج ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی گمراہی کی بنیاد بن گئی ہے''۔

بہت زبردست مواخذہ ہے، بلکہ ہم جیسے علم وفہم رکھنے والے کیلئے چھوٹا منہ بڑی بات ہے "ان لحوم العلماء مسمومة"۔(علماء کے خون زہریلے ہیں' ان کی غیبت وتوہین اپنا اثر دکھا کر رہتی ہے)

یہاں ایک عجیب بات یہ ہے کہ معجزات میں سے جو سب سے زیادہ بعید از عقل معجزات نظر آتے ہیں وہ قرآنی معجزات ہیں، اس کے بعد وہ ہیں جو صحیحین میں مذکور ہیں اور اس کے بعد ان معجزات کا نمبر ہے جو اور کتب میں مذکور ہیں، اس لئے کتب دلائل پر بے وجہ ہاتھ صاف کرنے کا کوئی خاص نتیجہ بھی نہیں نکلتا، اگر قرآنی اور صحیحین کے وہ بالاتر از عقل معجزات قابل تسلیم ہوں تو پھر ''ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر'' سمجھ لیجئے، مگر افسوس اور صد افسوس یہ کہنا پڑتا ہے کہ جن اصحاب کو علم نبوت سے مناسبت نہیں تھی، انہوں نے قرآنی معجزات کو بھی نہیں بخشا اور ان کو بھی ایسا بنا ڈالا ہے کہ اگر کوئی پیاسا کلام اللہ میں اس کے متکلم کی صفات کا جلوہ دیکھنا چاہتا ہے تو وہ اس میں بھی نہ دیکھ سکے، یہ داستان بہت دردناک ہے اور تفصیل چاہتی ہے، اس لئے اس داستان غم کا لپیٹ دینا ہی بہتر ہے۔ واللہ المستعان۔

اب آیئے آخر میں ہم آپ کے سامنے کتب دلائل کے متعلق بعض ان علماء کی رائے بھی نقل کرتے ہیں جو نقد وتبصرہ میں ضرب المثل ہیں، حافظ ذہبیؒ امام بیہقی کی دلائل النبوۃ کے متعلق فرماتے ہیں:-

(۱) علیک به فانه کله هدی و نور. (شرح المواہب ج۱ص۶۲)

دیکھو اس کتاب سے ذرا غفلت نہ کرنا کیونکہ وہ از اول تا آخر ہدایت ہی ہدایت اور نور ہی نور ہے۔

(۲) حافظ سبکیؒ اس کے متعلق قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ وہ بے نظیر کتاب ہے۔

(۳) حافظ ابن تیمیہؒ جو اپنی ناقدانہ نظر میں مشہور ہیں کتب دلائل کے متعلق فرماتے ہیں:-

یہ وہ کتابیں ہیں، جن میں معجزات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت کی وہ حدیثیں بھی اتنی کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ اگر ان کو متواتر کہد و تو بھی بیجا نہیں، مثلاً حجۃ الوداع اور عمرہ حدیبیہ کی حدیثیں۔ (الجواب الصحیح ج ۴ص ۲۴۳)

حافظ ابن تیمیہؒ نے ان کتب کی روایات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے ''تواتر'' کے ثبوت میں پیش کیا ہے اور ان کا یہ بیان بھی اس تصنیف میں ہے جو انہوں نے ایک بڑے پادری کی تردید میں لکھی ہے اور ان تمام معجزات کا ذکر کیا ہے، جن کو ہمارے دور کے ناقدین مجروح کر کے چلدیئے ہیں، کیونکہ حافظ موصوف پوری بصیرت کے ساتھ یہ جانتے ہیں کہ دوسرے مذاہب عجائبات کا جو انبار اپنے پیشواؤں کی طرف منسوب کرتے اور ان پر یقین رکھتے ہیں، وہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے مقابلہ میں ثبوت کا کوئی پایہ نہیں رکھتے اور نہ کمیت و کیفیت کے اعتبار سے ان کے برابر ثابت ہو سکتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہؒ جنہوں نے کتب محدثین کے طبقات لکھے ہیں، انہوں نے بھی کتب دلائل کے ذکر کردہ معجزات کو اعتبار کے ساتھ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں درج فرمایا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ اسی قسم کی ایک روایت لکھ کر فرماتے ہیں:-

''اس واقعہ کی اسناد میں اگرچہ ایسے راوی موجود ہیں جن میں کلام کیا گیا ہے بااین ہمہ یہاں ایسے قرائن بھی موجود ہیں جن کی وجہ سے اس پر صدق و صفا کا نور چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ (البدایہ ج ۳۱۹)

اس بیان سے حافظ موصوف کے علم اور ان کی دیانت کے ساتھ ان کی فہم و فراست اور محدثانہ تجربے کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ بخاری شریف کی شروح میں اس وقت جو سب سے عمدہ شرح سمجھی گئی ہیں وہ دنیا کے دو بڑے حافظوں کی ہیں یعنی حافظ بدرالدین عینیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ رہی شرح حافظ قسطلانی تو وہ ان دونوں شرحوں پر مبنی ہے جو شخص ان شروح کا مطالعہ کرے گا وہ یہ دیکھے گا کہ ان حفاظ نے کیسے کیسے آڑے موقعوں پر اور کتنی کثرت کے ساتھ کتاب دلائل

کی روایات سے مدد لی ہے، کسی روایت سے راوی کا نام، کسی سے مقام کا نام اور کسی سے بعض ضروری تفصیلات علم میں آجاتی ہیں، ان کے علاوہ ''متابعات'' اور ''شواہد'' کا بڑا ذخیرہ ان ہی کتب سے فراہم ہوتا ہے یہ دیکھ کر ان کتب کے مصنفین کے لئے ہمارے دل سے تو بے ساختہ دعائیں نکلتی ہیں، ہمارے نزدیک عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر رطب و یابس (بقول ناقدین) کا انبار لگانے والے یہ محدثین وہی ہیں جنہوں نے طبقات حدیث مقرر فرمائے اور فن جرح وتعدیل کی بنیاد ڈالی ہے تو پھر انصاف کی نظروں میں ان کا لگایا ہوا یہ انبار قابل صد تحسین وشکر یہ ہونا چاہئے۔

حافظ ابن حجرؒ شرح نخبہ میں لکھتے ہیں:-

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حدیث ظاہری حالت کے لحاظ سے سقیم ہوتی ہے مگر ایک محدث اپنے طویل تجربہ اور حدیثی ذوق کے لحاظ سے اس کو درست سمجھتا ہے اگر چہ اس کے پاس اس کے لئے کوئی واضح دلیل بھی نہیں ہوتی، اس کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کہ ایک صراف کہ وہ ایک زنگ آلود اور بظاہر کھوٹے روپیہ کو چٹکی لگا کر پہچان لیتا ہے کہ اگر چہ اسکی آواز خراب ہے، مگر اس کی چاندی کھری ہے۔

اس کا حاصل تمام قواعد کو بیکار اور معطل ٹھہرا دینا نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ جنہوں نے اپنے تجربے کی بناء پر قواعد مرتب کئے ہیں اگر وہی اپنے تجربے کی بناء پر اپنے ذوق سے کسی ضعیف حدیث کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں تو ان کے مقررہ قواعد کی طرح ان کا یہ حکم بھی قابل تسلیم ہونا چاہئے، اصل یہ ہے کہ منتشر جزئیات اور ذوقی امور، ضبط وقید میں کبھی نہیں آسکتے، اس لئے ایک طرف قواعد کی حکومت اپنی جگہ چلتی رہتی ہے اور دوسری طرف وجدان ذوق کا حکم بھی اپنی جگہ نافذ رہا کرتا ہے، بدذوق بے علم دونوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور صاحب ذوق عالم دونوں سے برابر کا فائدہ اٹھاتا رہتا ہے، اسی طرح بعض مرتبہ ایک حدیث کی اسناد بالکل کھری نظر آتی ہے، لیکن اس میں کوئی ایسا خفیہ ''روگ'' ہوتا ہے جو علم وضوابط کے تحت نہیں آتا اس کو بھی محدثین ہی پہچانتے ہیں اور اس کی بناء پر اس اچھی خاصی حدیث کو ''معلول'' قرار دیدیتے ہیں، حتیٰ کے محدثین نے اس کو بھی فن کا ایک اہم جزو قرار دیا ہے، اور مختلف محدثین

نے ''کتاب العلل'' کے نام سے مختلف تصانیف فرمائی ہیں، اس لئے میرا عقیدہ تو ان محدثین کے متعلق طویل تجربہ کے بعد اب وہی ہے جو کسی شاعر کا اپنے رندوں کے متعلق ہے۔

رند جو ظرف اٹھالیں وہی پیمانہ بنے جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ بنے

(اصغر گونڈوی)

جس شخص کے قلب میں ان محدثین کے لئے شکر گزاری کے ہزاروں جذبات موجزن ہوں اسکے قلم میں ان پر نکتہ چینی کے لئے بھلا روشنائی کہاں؟ **یغفر الله لهم ورفع درجاتهم فی اعلی العلیین مع النبیین و الصدیقین و الشهداء والصالحین۔**

معجزات اور صاحب معجزات کے دور کا ذوق

یہاں ایک کھلی ہوئی بات پر تنبیہ کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جو بدیہی ہونے کے باوجود پھر نظری بن گئی ہے، یعنی یہ کہ صحابیت کا دور بعثت کے بعد سے ہی شروع ہوتا ہے، اس لئے آپ کی سوانح حیات کے قبل از بعثت واقعات کا علم اور ان کے بلا واسطہ روایت کرنے والے اصحاب کب مل سکتے ہیں، پھر جب اس دور کی بنیاد پڑی تو مکی زندگی جس صورت سے گزری وہ سب کے علم میں ہے اس کے بعد جب ہجرت کا دور آیا تو لیل و نہار ''غزوات'' اور ''سرایا'' کا تانتا لگا رہا، بھلا ان حالات میں معجزات کا غلغلہ بلند کرنے کی فرصت کس کو تھی، ہاں ان ہی غزوات و سرایا کے تذکرہ میں جہاں جب کوئی محیر العقول واقعہ نظر آ گیا تو وہ اسی سلسلۂ بیان میں آ گیا ہے پھر اس قسم کے واقعات جب شب و روز ان کی آنکھوں کے سامنے رہا کرتے تھے تو صاحب معجزات کی عظمت سے قلوب اتنے معمور ہوتے رہتے تھے کہ ان واقعات کا دیکھنا ان کے لئے ایک عادت بن گئی تھی، آج بھی اگر کوئی صاحب کرامات ہوا ہے تو اس کی حیات میں ان کا ڈھول کبھی نہیں پیٹا گیا، ہاں اگر ان کا ذکر کبھی آیا بھی تو صاحب کرامات کے کمالات کے ذکر میں ضمنی طور پر آ گیا ہے، حدیث میں ایسا واقعہ خال خال ہی نظر پڑتا ہے کہ صحابہ کرام مستقل ان تذکروں کے لئے کبھی بیٹھے ہوں، وہ یا تو شغل جہاد میں منہمک نظر آتے اگر پھر ان کو فرصت ملتی تو حدیثوں کی تکرار اور علمی شغل یا عبادات میں مصروف رہا کرتے اور سب سے زیادہ اس شوق میں لگے رہتے کہ بیت نبوت

سے کب آفتاب نبوت طلوع ہو اور کب وہ اس کی زیارت سے مشرف ہوں، آپ کی ذرا سی غیبت ان کے لئے ایک مصیبت کا پہاڑ تھی۔

یہاں معجزات دیکھنے کی نہ کسی کو ضرورت تھی، نہ فرصت کفار اس کی رٹ لگایا کرتے اگر ان کی خاطر کوئی معجزہ ظاہر ہو جاتا تو اس کو صحابہؓ کی مشتاق آنکھیں بھی دیکھ لیتیں یا کبھی کسی موقعہ پر کسی وقتی ضرورت سے یہ صورت پیدا ہو جاتی تو آپ کے رخ انور کے شیدائی معجزہ سے پہلے بھاگ بھاگ کر خود صاحب معجزہ کے ارد گرد اسی کے دیدار کی خاطر جمع ہو جاتے جب کسی کے کمال کا علم یقین پہلے سے حاصل ہو چکا ہو تو اب اس کے ظہور کمال پر حیرت کیا؟

ایک مرتبہ ''شق القمر'' جیسا عظیم الشان معجزہ کفار قریش کی فرمائش پر منیٰ میں ظاہر ہوا، لیکن وہاں تو ایسی جماعت بھی کھڑی ہوئی تھی جو اس کمال کو اس باکمال کا صرف ایک ذرا سا پرتو سمجھتی تھی، ان کو اس پر تحیر کیا ہوتا، ہاں اس عظیم الشان واقعہ کے دیکھنے والے حسب الاتفاق چونکہ چند جاں نثار بھی موجود تھے، اس لئے انہوں نے اپنی نظروں میں سب سے محبوب ہستی کے ذکر میں اس ایک واقعہ کا بھی ذکر کر دیا لیکن اس کے بعد جگہ جگہ نہ اس کا تذکرہ کرتے پھرنا ثابت ہوتا ہے نہ اس کو کوئی غیر معمولی واقعہ بنا کر اس کے لئے محفلیں قائم کرنا نظر آتا ہے، ورنہ تو اس کے راوی آپ کو سینکڑوں صحابہ ملتے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ جب کسی کی نظروں میں کسی کی نفس شخصیت ہی سمائی ہو تو اس کو دوسری طرف نظر اٹھانے کی فرصت کہاں؟

اسی طرح صحیح بخاری میں ہے کہ دو صحابیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھے اور واپسی کے وقت شب تاریک میں ایک کی لاٹھی مشعل کی طرح خود بخود روشن ہو گئی، پھر جب دونوں کے گھر کا راستہ جدا جدا پھٹنے لگا تو ہر ایک کی لاٹھی الگ الگ روشن ہو گئی، لیکن اس عجیب و غریب واقعہ کو نہ خود انہوں نے نہ دوسروں نے کسی رنگ آمیزی سے بیان کیا اور نہ کسی نے اس کو زیادہ تعجب سے سنا، بس ایک بات تھی جو آئی گئی ہو گئی۔

اسی طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں جو روز مرہ پیش آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں اس لئے ان غیر معمولی سے غیر معمولی واقعات کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے مدون کر ڈالنا اس وقت کا ذوق ہی نہ تھا اور نہ صاحب نبوت جیسے آفتاب کی درخشانی کے زمانے میں یہ

ذوق ہونا ممکن تھا، جہاں جمع قرآن ہی کی طرف وہ توجہ نہ ہوئی جو عہد صدیقی پھر عہد فاروقی اور آخر میں عہد عثمانی میں نظر آئی بھلا وہاں دوسرے روزمرہ کے عجائبات کے بیان کا ذوق کب ہوسکتا تھا، تعجب ہے کہ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک شق صدر کے واقعہ پر جو آپ کی عہد طفولیت کا تھا، یہ حیرت قابل حیرت ہے کہ ''اس کو بیان کرنے والے اور صحابہؓ کیوں نہیں''، بات تو دیکھنے اور سمجھنے کی یہ تھی کہ جس خادم نے اس کو بیان کیا وہ بھی صرف ضمنی طور پر اور اس واقعہ کی صحت اور مزید تشریح کیلئے بیان کیا ہے، حدیثوں سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ پھر وہ جگہ جگہ اس کو دہراتے رہے ہوں یا اس کو آپ کے دیگر کمالات کے سامنے کوئی غیر معمولی کمال تصور کرتے ہوں، آفتاب درخشاں خود کامل ہوتا ہے اس لئے اس کی ایک عام ضوفشانی کے کمال پر کسی کا ذہن ہی نہیں جاتا، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبین صحابہ کرامؓ کی نظروں کے سامنے بڑا کمال آپ ہی کا وجود مجمع کمالات تھا وہ ہر محفل میں ان ہی کا دم بھرتے اور ان ہی کے علوم و معارف کا چرچا کیا کرتے، اس ضمن میں اگر کہیں کسی معجزہ کا ذکر آجاتا تو اس کو بھی اپنے محبوب کی یادگار سمجھ کر ذکر میں لے آتے، اس لئے سینکڑوں معجزات وہ ہی جو دوسرے ابواب میں ضمنی طور سے نظر پڑ جاتے ہیں، لیکن جب آپ کا یہ مبارک دور ختم ہوگیا اور اب وہ ماہ کامل ہی نظروں سے غائب ہوگیا تو اب عشق و محبت سے معمور سینوں میں اس کے کمالات کی تلاش پیدا ہوئی، اس تلاش میں جو چیز سب سے پہلے ان کے سامنے آئی وہ آپ کے علوم و معارف تھے، جب وہ ایک ایک کر کے جمع کرنے والوں نے جمع کر ڈالے تو اب جو بعد میں آتا وہ اس راہ میں کسی نہ کسی خدمت کا ارادہ کرتا، حتیٰ کہ یہ ذوق دلوں میں پیدا ہوا کہ دین کا ہر گوشہ تو پہلی اور دوسری صدی ہی میں مدون ہو چکا، اب ہم کوئی خدمت اپنے سر لے کر انگلی کٹا کر شہیدوں میں داخل ہو جائیں، تو پھر ہر ہر باب کی احادیث علیحدہ علیحدہ مدون ہوں اور آپ کو معلوم ہے کہ کتب حدیث میں ان سب تصانیف کے علیحدہ علیحدہ نام بھی موجود ہیں، یعنی جوامع، سنن، مستدرکات، مفردات، مسلسلات، عیلانیات، حتیٰ کے موضوعات وغیرہ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، اسی ذوق کے مطابق اصحاب دلائل نے ایک نئی لائن اختیار کی اور معجزات و فضائل میں اسانید اور کتب

کے حوالجات کے ساتھ تصانیف کر ڈالیں تو اب آپ اس کی تلاش نہ لگائیں کہ فلاں فلاں معجزہ کا راوی چونکہ ایک ہی صحابی ہے، اس لئے یہ اس کے ضعف کی دلیل ہے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر عدم ثبوت اور ثبوت عدم میں خدارا کچھ تو رحم کھا کر فرق کریں، اور اپنے علم کی بجائے، ان محدثین پر اعتماد کریں، جن کے واسطہ سے ہم کو دین پہنچا ہے، ہم کو تعجب ہے کہ مسلم جو حافظ و محدث ہونے کے ساتھ ساتھ امامت کے رتبہ پر فائز ہو چکے ہیں ان کی رائے کے مقابل ہم اس شخص کی رائے پر کیا غور کریں جو صدیوں بعد کی پیدائش ہے اور اصطلاحی لحاظ سے ایک لحہ کے لئے بھی محدث کی فہرست میں شمار نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ حافظ و امام پھر امام بھی وہ جو امام مسلم کے بالمقابل آ سکتا ہو، اگر یہ کورانہ تقلید رہے تو بیشک ہم اسکے قائل ہیں اور بحمد اللہ ساری عمر اسی دشت کی سیاحی کر لینے کے بعد قائل ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی جامعیت اور اس میں حسن بصریؒ اور امام شافعیؒ کا ذوق موازنہ

آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم تھا اور جب وہ صحف سماویہ کا جامع تھا تو پھر یہ بالکل قرین قیاس تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں بھی وہ شان جامعیت نظر آتی، یعنی جس قسم کے معجزات دیگر انبیاء علیہم السلام سے ظہور پذیر ہوئے ان کی مثالیں کم وبیش آپ کے معجزات میں بھی نمایاں ہوتی ہیں، اسی حقیقت ثابتہ کے پیش نظر بڑے بڑے محدثین نے (جیسے امام بیہقی اور ابو نعیم) اپنی مولفات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے مابین کہیں کہیں یہ موازنہ مستند روایات سے ذکر کیا ہے اور آخر میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ اس میں کچھ زیادہ شرح وبسط سے حصہ لیا ہے، یہاں معجزات کے خلاف ایک محاذ قائم کرنے والوں نے ان محدثین کے متعلق یہ بھی لکھ ڈالا ہے کہ ''اس خوش عقیدگی کی بناء پر جب ان کو روایات کا مستند ذخیرہ ہاتھ نہ آسکا تو انہوں نے اس موازنے کے اثبات کے لئے موضوعات اور غیر مستند روایات جمع کر ڈالی ہیں''، اگرچہ بڑے بڑے محدثین اور حفاظ کے متعلق یہ لکھ دینا بہت بڑی جرأت تھی مگر جب مادی عقول کے ہموار کرنے کی خاطر معجزات کے انکار یا تاویل میں اسلام کی تائید نظر آئی تو پھر

اتنی بڑی جرأت کرنی بہت آسان ہوگئی، اب ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس حسن عقیدت کے شکار صرف حفاظ اور محدثین ہی نہیں بلکہ حسن بصریؒ اور امام شافعیؒ جیسے بھی ہیں کیا ان پر بھی آپ یہی حرف گیری فرمائیں گے؟ حافظ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں:

بیہقی کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے، جو معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے گئے وہ کسی نبی کو عطا نہیں کئے گئے، اس پر راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا عیسیٰ علیہ السلام تو مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، اس پر امام شافعی نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے مقابلہ میں یہ معجزہ عطا ہوا کہ منبر بننے سے پہلے جس ستون سے لگ کر آپ خطبہ دیا کرتے تھے جب آپ نے اس کی بجائے منبر پر خطبہ دینا شروع کیا تو وہ ستون نالہ وفغاں کرنے لگا، یہاں تک کہ اس کے رونے کی آواز صحابہ نے بھی سنی اور یہ مردہ زندہ کرنے سے بڑھ کر تھا (کیونکہ حیات جسم انسانی کی صفت ہو سکتی ہے مگر اس شعور کی حیات جمادات کی صفت نہیں) (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۶ ج ۶)

البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۷۶ میں اتنا اضافہ اور ہے کہ امام شافعیؒ تک یہ اسناد صحیح ہے اور میں اپنے استاد ابوالحجاج المزیؒ کو امام شافعیؒ سے یہ ذکر کرتے ہوئے سنتا تھا کہ یہ معجزہ اس معجزہ سے بڑا ہے کیونکہ کھجور کا تنا حیات کا محل نہیں اور با ایں ہمہ اس کو اتنا شعور حاصل ہوگیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بجائے خطبہ دینے کے لئے منبر پر تشریف لائے تو اس نے اس طرح آواز نکالی جیسے دس مہینے کی اونٹنی جس کے دن پورے ہوگئے ہوں کراہنے کی آواز نکالتی ہو، یہاں تک کے اس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور اس کو گلے لگائے رکھا اور تسکین دی یہاں تک کہ وہ خاموش ہوگیا، حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ کھجور کا تنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں چیخا تو وہ اس کے زیادہ حقدار تھے، کہ اس کی نقلیں اتارتے، اب رہا کسی ایسے مردہ جس میں اللہ کے حکم سے حیات کا لوٹ آنا جس میں پہلے سے حیات موجود تھی تو یہ بھی ایک بڑی بات تھی، لیکن جس میں کہ حیات وشعور پہلے کبھی پیدا نہ ہوئی ہو اس میں شعور وحیات کا پیدا ہو جانا یہ یقیناً اس سے زیادہ عجیب اور بڑی بات ہے۔ فسبحان اللہ رب العلمین۔

حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی برتری دیکھ کر جب دشمنان اسلام

اور بالخصوص عیسائی خاموش نہ رہ سکے اور انہوں نے ان میں طرح طرح کی نکتہ چینیاں شروع کیں اور چاہا کہ جس طرح بھی ممکن ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درخشاں معجزات کا پلہ عیسوی اور موسوی معجزات سے گھٹا ہوا رہے تو اب علماء ربانیین کے لئے ساکت رہنا ممکن نہ ہوا، اور آپ کے معجزات کی نقاب اٹھا کر ان کو یہ دکھا دینا پڑا کہ تم ہو کس فکر میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا پلہ تو سب کے معجزات سے زیادہ بھاری ہے اس کے بعد ہمارے دور کے مصنفین اور علماء میں جس نے بھی رد نصاریٰ میں حصہ لیا ہے اس نے بھی ان کے اس نا منصفانہ طریق کے مقابلے میں موازنہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی جامعیت ثابت کی چنانچہ اپنے عصر میں حضرت مولانا نانوتویؒ نے بھی عیسائیوں کے مقابلے میں اس موضوع کو اپنی تصانیف میں اتنا مدلل اور مبرہن فرمایا کہ عیسائیوں کی زبانوں سے بھی صل علی محمد صلی اللہ علیه وسلم نکل گیا اس تمام کھلی ہوئی تاریخ سے صرف نظر کر کے یہ سمجھ لینا کہ ''یہ صرف مولود خوانوں کا ہی جذبہ تھا'' بہت بڑا ظلم ہے، ہماری مذکورہ بالا تحریر سے ظاہر ہے کہ آپ کی برتری اور فضیلت کے اس نہج کے بانی صرف کبار علماء و محدثین ہی نہیں بلکہ خود حسن بصریؒ اور شافعیؒ جیسے امام بھی ہیں اگر وہ بھی کسی مبالغہ آمیزی میں مبتلا تھے تو ہم بھی کسی طرح اس سے الگ رہنا نہیں چاہتے، بقول امام شافعیؒ

ان كان رفضا حب آل محمدً فليشهد الثقلان انی رافض

اس موازنہ کے حل کرنے کیلئے اپنے سامنے آپ وہ کلمات رکھئے جو عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ''الوہیت'' کے اثبات میں لکھ مارے ہیں، یقیناً اگر عیسائیوں کا یہ افتراء اور مبالغہ آمیزی نہ ہوتی تو علماء کرام کے قلم سے وہ کلمات بھی نہ نکلتے جو بجا طور پر حق ہی تھے اور معجزات کے باب میں جو موازنہ کیا گیا ہے وہ تو ایک مومن کے لئے اقتضاء ایمانی بھی ہونا چاہئے۔

معجزات اور آیات بینات کے فرق پر نظر ثانی

احادیث متنازعہ فیہا کے شروع کرنے سے پہلے ایک مرتبہ پر آپ کے ذہن میں ان دونوں لفظوں کا فرق متحضر کر لیں، معجزہ کے معنی میں عام طور پر ''تحدی'' کا مفہوم سمجھا جاتا ہے اور پھر معارض و معاند کا اس کے مقابلہ کرنے سے عاجز رہنا یہ بھی اس کے مفہوم کا ایک

جزو ہے، اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بہت سے اجزاء کے معجزہ نہ ہونے میں بعض اہل نظر کو بھی مغالطہ لگ گیا ہے، اس کی وجہ سب سے پہلے تو معجزہ کی حقیقت سے عدم معرفت ہے، پھر انہوں نے آیت کا لفظ استعمال تو کیا ہے مگر اس میں اور ''معجزہ'' کے لفظ میں جو فرق تھا وہ غیر شعوری طور پر ذہن میں ملحوظ نہیں رہا، صرف یہ دیکھ کر کہ ایک بڑے شخص نے معجزہ کی اصطلاح چھوڑ کر اس کا نام ''آیت'' اخیار کیا ہے، اس لفظ کا استعمال شروع کر دیا ہے اور چونکہ علم کلام اور درسی کتب کی مزاولت کرتے کرتے مفہوم ذہن میں اسی معجزہ کا رہا ہے، اس لئے جو شبہات معجزہ کے لفظ میں رہ سکتے تھے وہ جوں کے توں باقی رہ گئے، اگر ادھر بھی خیال چلا جاتا کہ آیت کے معنی صرف نشانی کے ہیں اور اس لئے آیات نبوت کا لفظ بہت وسعت رکھتا ہے تو پھر اس میں آپ کی ولادت سے قبل اور بعد کے حالات اور آپ کے بہت سے فضائل کو آیات نبوت میں شمار کرنے میں ایک لمحہ کے لئے بھی تامل نہ ہوتا، اس فرق کے عدم استحضار کی وجہ سے یہاں بہت سے شکوک وشبہات پیدا ہو گئے ہیں، مثلاً آپ کی ولادت یا آپ کے فضائل اور اسی قسم کی دوسری خصوصیات میں معجزہ کا کوئی مفہوم اپنے صحیح معنی میں ان کو نظر نہیں آیا اس لئے یہاں بنیادی طور پر جو کتب دلائل میں مسلم طور پر معجزات شمار کر لئے گئے ہیں، ان کو معجزات کی فہرست سے خارج کر ڈالنا پڑا، پھر اس پر تقلیل معجزات کی طرف ذہن منتقل ہونا ایک لازمی سا امر تھا اس کے بعد تاویل معجزات کی طرف انتقال ذہن صرف ایک علمی تقاضہ تھا، اور اس طریق پر ایک فاسد بنیاد پر اور دوسری فاسد بنیاد قائم ہوتی چلی گئی، آخر یہ ساری تعمیر جتنی بلند ہوتی رہی اتنی ہی کج ہوتی چلی گئی۔

خشت اول چوں نہد معمار کج   تاثریا می رود دیوار کج

اب اگر آیت کا صحیح مفہوم ذہن میں ہوتا اور معجزہ کے مشہور اور عام لفظ کو چھوڑ کر آیت کے لفظ کو اختیار کرنے کی وجہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی تو پھر ان عجائبات کو جو آپ کی ولادت کے وقت اور اس سے قبل و بعد عالم میں رونما ہوئے، آپ کے معجزات میں داخل کرنے میں کوئی الجھن نہ رہتی، اسی طرح آپ کے ممتاز جسمانی فضائل اور دیگر فضائل کے باب کو بھی معجزات کے اندر شمار کرنے میں کوئی خلجان نہ رہتا۔

اس بنا پر آپ کی ''مختون ومسرور'' پیدائش آپ کے دست مبارک کی خنکی ونرمی وخوشبو اور آپ کیلئے حیوانات کی تعظیم اور دیگر فضائل کے ابواب کا آپ کی آیات نبوت میں شمار کرنا آپ کا ایک قلبی جذبہ ہوتا اور پھر آپ کو اسی کے ساتھ تقلیل معجزات کی بجائے تکثیر معجزات کی دھن لگ جاتی، اس کے بعد آپ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات پر نظر کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کو نو معجزات بنص قرآن عطا ہوئے، لیکن کیا ایک عصاء کے سوا کسی اور معجزہ کی ''تحدی'' کرنے کا قرآن سے ثبوت ملتا ہے، پھر خود ہی سوچ لیجئے کہ الدم والقمل والضفادع والجراد وغیرہ کا ان کے معجزات میں شمار کرنا کیا معنی رکھتا ہے، کیا یہی نہیں کہ وہ ان کے لئے آیات نبوت تھیں، اس کے بعد اب آئندہ احادیث کو پڑھئے تو بآسانی آپ کو ان میں درخشاں معجزات نظر آئیں گے اور ان کے آیات نبوت شمار ہونے میں ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی شبہ نہیں رہے گا۔

بعض وہ معجزات جن کی عام اسانید گو ضعیف ہیں لیکن حفاظ وائمہ کے نزدیک وہ دوسری قابل اعتبار اسانید سے ثابت ہیں

حافظ ابن حجرؒ نے باب علامات نبوت کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت ''خانۂ آمنہ'' کا منور ہو جانا اور قصور شام کا روشن ہونا، آسمان سے ستاروں کا جھکتا ہوا معلوم ہونا، شب ولادت میں ایوان کسریٰ کے بعض کنگروں کا گر جانا، آتش کدۂ فارس کا بجھ جانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دودھ پلانے والی عورت کے دودھ میں بڑی برکت ہونی اور اس کے علاوہ ان کے گھر میں قسم قسم کی دوسری برکات کا ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری)

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ ہے، پھر ان کی انواع واقسام کا اجمالی تذکرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ جیسے قرآن مجید، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، اہل کتاب کی شہادت، کاہن کی پیشگوئی غیبی آوازیں، انبیاء علیہم السلام کی آپ کے متعلق بشارتیں، قصہ اصحاب فیل اور اس کے علاوہ آپ کے سن ولادت میں دیگر عجائبات کا ظہور اور آسمان پر غیر معروف طریقے پر بکثرت ستاروں کا ٹوٹنا، گذشتہ اور مستقبل کی ایسی خبروں کا بیان کرنا جن کا علم اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کسی کو نہیں ہوسکتا، جیسے آدم علیہ السلام اور بقیہ انبیاء علیہم السلام کی زندگی کے واقعات بالخصوص جبکہ مکہ

مکرمہ میں علماء اہل کتاب کا وجود بھی نہ ہو، ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عربی کے سوا اور کوئی زبان جانتے نہ ہوں، بلکہ خود ''امی'' بھی ہوں، اور عربی کی نوشت وخواند سے بھی ناواقف ہوں اور نبوت سے قبل کہیں باہر تشریف بھی نہ لے گئے ہوں، تاریخ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کل دو سفر معلوم ہوتے ہیں، ایک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور کسی مقام پر بھی ان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ ہونا ثابت نہیں اور نہ کسی اہل کتاب یا غیر اہل کتاب عالم کے ساتھ علیحدہ ملاقات کرنا ثابت ہے، ان کے علاوہ بحیرا راہب کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دینا، بارہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک سے پانی کا جاری ہونا اور بارہا تھوڑے سے کھانے میں اتنی برکت ہو جانا کہ بڑی سے بڑی جماعتیں اس سے شکم سیر ہو جائیں، اسی طرح پانی میں وہ برکت نمایاں ہونی کہ لشکر کا لشکر اس سے سیراب ہو جائے، دشمن کے مقابلے میں حالات کی نامساعدت کے باوجود اپنی فتح ونصرت کا قطعی اعلان کر دینا وغیرہ وغیرہ۔ (الجواب الصحیح از ۱۴۵ تا ۱۵۵ ج ۱)

رسول اللہ کے عہد طفولیت میں بہت سے علامات و دلائل کے ضمن میں اس قسم کے اشارات ظہور میں آتے رہے ہیں، مثلاً وہ واقعات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ کیساتھ پیش آئے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی حجۃ اللہ کے کل تین اوراق میں حیرت انگیز اختصار کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ذکر فرماتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے:-

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کیلئے دعائیں مانگیں اور آپ کی جلالت شان کی بشارت سنائی، اسی طرح حضرت عیسیٰ وموسیٰ علیہما السلام اور بقیہ انبیاء علیہم السلام نے بھی آپ کی بشارت دی، آپ کی والدہ ماجدہ نے یہ نظارہ دیکھا کہ ایک نوران سے جدا ہوا جس سے ساری زمین جگمگا اٹھی اس کی انہوں نے یہ تعبیر دی کہ ان کے ایک ایسا مبارک فرزند ہوگا جس کا دین مشرق ومغرب میں پھیلے گا، آپ کے وجود کی جنات نے بھی غیبی اطلاع کا ہنوں اور نجومیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی بیان کی اور دوسرے انقلابی وفضائل حالات سے بھی آپ کے ظہور کی شہادت ملی جیسے کسریٰ کے محل کے کنگروں کا ٹوٹ کر گر جانا ان کے علاوہ دوسرے طریق پر بھی آپ کی نبوت کے وہ دلائل جمع

نظر آئے جیسا ہرقل روم نے آپ کی اطلاع دی اور آپ کی ولادت اور رضاعت میں آثار برکت کا مشاہدہ ہوا اور زمانہ طفولیت میں ملائکۃ اللہ نے آپ کے سینۂ مبارک کو چاک کر کے اس کو نور سے بھر دیا اور اس کے ٹانکوں کا اثر صدر مبارک میں نمایاں رہا اور جب آپ ایک سفر میں ابو طالب کے ساتھ روانہ ہوئے تو ایک خدا رسیدہ نصرانی عالم نے آپ میں نبوت کی علامات دیکھ کر آپ کی نبوت کی گواہی دی۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج۲ ص ۲۰۵)

محدثین و اکابر کی ان تصریحات کے بعد جن میں مراتب حدیث کے عارف بھی ہیں اور خوش نگار اہل سیرت بھی اب یہ شبہ کس کو رہ سکتا ہے کہ مذکورہ بالا حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کا وہ حصہ نہیں ہیں جن کو محض جھوٹ اور محض بے سروپا واقعات کی فہرست میں درج کیا جا سکے، جن کی تفصیلات ہم صفحات گذشتہ میں بیان کر چکے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جن واقعات کے لئے روایات اور اسانید موجود ہوں خواہ وہ ضعیف سہی، کیا ان کو صرف اپنی ایک رائے کی بناء پر، آپ کی سیرت سے خارج کر دیا جائے حالانکہ اس کے خلاف نہ کوئی ضعیف سے ضعیف سند ہو اور نہ روایت اس کی موید ہو، بیشک اگر کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں یہ مل جاتا کہ اصل واقعہ کی صورت یہ تھی تو پھر اب دونوں روایتوں میں موازنہ کرنے کیلئے اس قیاس آرائی کی کوئی گنجائش نکل آتی لیکن یہاں جو روایت ہے وہ واقعہ کی ایک ہی صورت بیان کرتی ہے اور اس کے خلاف دوسری کوئی روایت موجود نہیں ہے اس لئے یہ کہنا تو درست ہوسکتا ہے کہ چونکہ اس کا روایتی پہلو ضعیف ہے اس لئے ہم کو مسلم نہیں لیکن اپنی جانب سے یہاں ایک مستقل افسانہ بنا کر اس کو اصل روایت کی جگہ دے ڈالنا شاید یہ بھی بے اصل ہے، یہاں یہ مغالطہ نہ لگے کہ جو تاویلات ان روایات کی کی گئی ہیں، خود واقعات ان کے مصدق ہیں، لہذا ان کو صحیح کہنا پڑے گا، کیونکہ کسی واقعہ کے صحیح ہونے اور اوپر سے اس کے مروی ہونے میں بڑا فرق ہے، بہت سی صحیح باتیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں لیکن ان کے لئے کوئی روایت تیار کر کے کھڑی کر دینا، یہ صحیح نہیں یہی تو ''وضع'' کرنا کہلاتا ہے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ معجزات کے بیان کرنے سے قبل ہم ان معجزات پر سند

کے لحاظ سے قدرے روشنی ڈال دیں جن پر جھوٹ، افتراء اور مزخرفات کا حکم لگا دیا گیا ہے، آپ ان کی ان اسانید پر محدثین وحفاظ نے جو حکم لگائے ان کو ملاحظہ فرمالیجئے پھر آپ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ان کو مستند ومعتبر قرار دیں یا نہ دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل تک میں ان کو شمار کریں یا نہ کریں، مگر خدارا یہ تو انصاف کریں کہ کیا ان حدیثوں کو من کذب علی متعمدا کے مصداق میں داخل کرڈالنا صحیح ہوگا، میں تو اگر تساہل کرنے کے لئے مسلم ابواب میں تشدد کا پہلو اختیار کروں تو ڈرتا ہوں کہ میرے ان معجزات کے انکار کی بنیاد کہیں میری بدعقیدگی نہ ٹھہرے اس سے زیادہ کہ محدثین کی اتباع میں ان کے تسلیم کرنے کی حقیقت صرف میری خوش عقیدگی اور عشق نبوی کو قرار دے ڈالا جائے، اب آپ بسم اللہ کہہ کر ان فضائل ومعجزات کی حیثیت ملاحظہ فرمائیں پھر غور کریں کہ ہیں وہ کتنے بعید از عقل کہ نہ صرف ان کی دھجیاں اڑانا قابل فخر ''ریسرچ'' سمجھی جائے بلکہ ان کتب اور مسلم محدثین کو کھلم کھلا ''مجرمین'' کی صف میں شمار کرڈالا جائے، ہمارے دل اور آنکھیں تو بجز ان کے احترام وتوقیر کے اور کوئی مقام نہیں۔ فاکرم اللہ مثواھم فی الفردوس الاعلی، آمین۔

انگشتانِ مبارک سے پانی کا ابل پڑنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کھانے کا تسبیح پڑھنا

حضورؐ کی انگلیوں سے چشمہ ابلنا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم تو معجزات کو برکت سمجھتے تھے اور تم ان کو خوف کی چیز سمجھتے ہو۔ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ پانی کی کمی ہوگئی۔ آپ نے فرمایا تلاش کرو کسی کے پاس کچھ پانی بچا ہو تو لے آؤ۔ لوگ ایک برتن لے آئے جس میں ذرا سا پانی تھا۔ آپؐ نے برتن میں اپنا دست مبارک ڈالا اور فرمایا چلو اور وضو کا پانی اور خدا کی برکت لو۔ میں نے بچشم خود دیکھا کہ آپؐ کی انگلیوں سے پانی چشمہ کی طرح پھوٹ رہا ہے اور آپؐ کے عہد مبارک میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ ہم کھانا کھایا کرتے تھے اور کھانے کی تسبیح اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

فائدہ

ملا علی قاریؒ اس حدیث کے یہ معنی بیان فرماتے ہیں کہ عام لوگوں کو یہ معجزات سودمند ہوتے ہیں جن میں عذاب اور خوف کا ظہور ہو اور صحابہ کرام کو یہ معجزات نافع ہوتے تھے جو موجب برکت ہوتے۔

امام طحاویؒ نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ صحابہ کرام کے قلوب میں معجزات دیکھ کر حق تعالیٰ کی ہیبت پیدا ہوتی اور اس سے ان کے ایمانوں میں اور ترقی ہوتی اس لئے

معجزات ان کے لئے موجب برکت ہوتے تھے۔ تم معجزات دیکھ کر صرف ڈرتے تو ہو مگر تمہارے ایمانوں میں ان سے نہ تو کوئی ترقی ہوتی ہے اور نہ اعمال کا کوئی نیا جذبہ ابھرتا ہے اس لئے وہ تمہارے حق میں موجب برکت نہیں ہوتے۔ (المختصر ص ۶)

چشمہ کے پانی میں زیادتی

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ غزوۂ تبوک کے لئے چلے آپ اس سفر میں دو دو نمازیں ملا ملا کر ادا فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن آپ نے نماز میں (کچھ) تاخیر کی پھر تشریف لائے۔ پہلے ظہر وعصر کی نمازیں پڑھیں اس کے بعد اندر تشریف لے گئے اور باہر تشریف لا کر مغرب وعشا ملا کر پڑھیں۔ اس کے بعد فرمایا ان شاء اللہ کل تم لوگ تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے اور اس وقت تک نہیں پہنچو گے جب تک کہ دن چڑھ نہ جائے تو جو شخص بھی وہاں پہنچے وہ تاوقتیکہ میں نہ آلوں پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔ ہم سے پہلے دو شخص تبوک کے چشمے پر پہنچ چکے تھے۔ جب ہم پہنچے دیکھا تو چشمہ تاگے کی طرح باریک بہہ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے پوچھا تم نے اس کے پانی کو ہاتھ تو نہیں لگایا۔ انہوں نے عرض کی جی لگایا تو ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار ناگواری فرمایا۔ اس کے بعد صحابہؓ نے چلو بھر بھر کر اس چشمے سے تھوڑا تھوڑا پانی جمع کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنا دست مبارک اور چہرۂ مبارک دھویا اور وہ پانی اس چشم میں ڈال دیا۔ اسی وقت وہ ایک بڑے چشمے کی طرح بہہ پڑا اور لوگوں نے خوب پانی پیا۔ اس کے بعد فرمایا معاذ اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم اس جگہ اتنا پانی دیکھو گے کہ اس سے باغات پر ہوں گے۔ (مسلم)

مبارک انگلیوں سے پانی کا جوش مار کر نکلنا

جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس کو عبادۃ بن الولید نے روایت کیا ہے جس کی ابتداء میں دو درختوں کے مل جانے ان کے مطیع ہونے اور الگ ہونے اور حضورؐ کے دو قبروں پر دو شاخیں لگانے کا ذکر ہے اور جس کے اخیر میں مذکور ہے کہ ہم اپنے لشکر میں پہنچے تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان سے وضو کے لئے پانی طلب فرمایا جب نہ ملا) تو آپؐ نے فرمایا لشکر میں تلاش کرو۔ میں نے عرض کی قافلہ بھر میں ایک قطرہ پانی بھی مجھ کو نہیں ملا۔ انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنی مشکوں میں پانی ٹھنڈا کیا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اس کے پاس ہی جا کر دیکھو اس کی مشک میں کچھ بھی پانی ہے۔ میں گیا تو ان کے مشک میں بھی اتنا سا پانی ملا کہ اگر میں اس کو انڈیلتا تو جو حصہ اس کا خشک تھا وہ اس کو پی جاتا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ان کی مشک میں تو صرف اتنا ہی پانی ہے کہ اگر میں اس کو انڈیلوں تو وہ اس کے خشک حصہ میں جذب ہو کر رہ جائے گا۔ آپ نے فرمایا اور جا کر وہی لے آؤ۔ میں اس کو لے آیا۔ آپ نے اس کو اپنے دست مبارک میں لیا اور اس پر کچھ پڑھنے لگے مجھ کو معلوم نہیں کہ آپ نے کیا پڑھا تھا اور اس کو اپنے ہاتھ سے ملنے لگے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا جس کسی کے پاس اتنا بڑا پیالہ ہو جو پورے قافلے کے لئے کافی ہو جائے اس کو آواز دو۔ میں نے اعلان کر دیا کہ جس کے پاس بھی ایسا پیالہ ہو وہ لے آئے چنانچہ اتنا ہی بڑا ایک پیالہ پیش کیا گیا جس کو لوگ اٹھا کر لائے۔ میں نے اس کو آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ آپ نے اس میں اپنا دست مبارک ڈال کر اپنی انگلیاں پھیلا دیں اور اس کو طشت کے اندر رکھ دیا اور فرمایا کہ جابر الو اور بسم اللہ کہہ کر میرے ہاتھ پر ڈالو۔ میں نے بسم اللہ کہہ کر پانی ڈالا۔ میں نے دیکھا کہ پہلے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی امنڈ آیا پھر پورے پیالہ میں پانی جوش سے چکر لگانے لگا حتیٰ کہ پیالہ پانی سے لبریز ہو گیا۔ آپ نے فرمایا جابر اعلان کر دو جس کو پانی کی ضرورت ہو وہ آ کر لے لے۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ (دوڑ دوڑ کر) آتے رہے اور پی پی کر سیراب ہوتے گئے۔ یہ بیان کرتے ہیں میں نے کہا کوئی شخص ایسا اور ہے جس کو پانی کی ضرورت ہو؟ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ سے اپنا ہاتھ باہر نکال لیا اور پیالہ تھا کہ جوں کا توں بھرا کا بھرا تھا۔ (مسلم)

فائدہ

یہاں آپ کے انگشتان مبارک سے پانی کا جوش مار کر پھوٹنے کا تذکرہ ہے اور وہ بھی

اس حد تک کہ اس وقت خدا تعالیٰ کی جتنی مخلوق تھی وہ سب اس سے سیراب ہوگئی مگر یہ تنبیہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میمون میں برتن بہت بڑے بڑے بنائے جایا کرتے تھے۔ اس لئے یہاں پیالہ کے بڑے ہونے کی وجہ سے چند لوگوں کو اس کو اٹھا کر لانا پڑا اور اس بارے میں اب تک بھی شہر اور گاؤں کے برتنوں میں فرق ہوتا ہے گاؤں کے برتن شہر کے برتنوں کی نسبت اکثر بڑے ہوتے ہیں۔

مشکیزوں سے پانی ابلنا

حضرت عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں میں ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھا۔ ہم ساری رات چلتے رہے صبح کے قریب آرام کے لئے اترے اور (ایسے غافل سو گئے کہ) ہماری آنکھ نہ کھل سکی یہاں تک کہ آفتاب چمک اٹھا۔ جو شخص ہم سب میں پہلے بیدار ہوئے وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ ہمارا دستور یہ تھا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوتے میں جگایا نہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ خود ہی بیدار نہ ہو جاتے کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ وہ نئی بات کیا ہے جو بحالت خواب آپ کو پیش آ رہی ہے۔ اس کے بعد عمرؓ بیدار ہوئے اور اللہ اکبر اللہ اکبر کہنے لگے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جاگ اٹھے۔ آپ نے جب سر اٹھایا اور دیکھا کہ آفتاب چمک اٹھا ہے تو فرمایا یہاں سے نکل چلو اور ہم کو لے کر روانہ ہو گئے یہاں تک کہ اب دھوپ میں سفیدی آ گئی تھی۔ (یعنی کراہت کا وقت نکل گیا تھا) آپؐ نے اتر کر ہم کو نماز پڑھائی۔ ہمارے ساتھ ایک شخص تھا کہ وہ علیحدہ جا کر بیٹھ گیا اور اس نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر اس سے سوال کیا ہمارے ساتھ تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی۔ اس نے عرض کی کہ مجھ کو غسل کی ضرورت پیش آ گئی تھی اور پانی تھا نہیں۔ آپؐ نے اس سے فرمایا مٹی سے تیمم کر لے وہ تیرے لئے کافی ہے۔ اس نے تیمم کیا اور نماز ادا کی۔ پھر ہم کو سخت پیاس لگی تو آپؐ نے پانی کی تلاش کے لئے ایک قافلہ جو آگے جا رہا تھا اس کی طرف جلدی سے ہم کو روانہ کیا۔ ہم چل دیئے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت اپنی چھاگلوں کے درمیان اونٹنی پر پیر لٹکائے

جارہی ہے۔ہم نے اس سے پوچھا پانی کا چشمہ کہاں ملے گا۔اس نے جواب دیا ارے پانی کہاں۔ہم نے اس سے پوچھا تیرے گھر اور پانی کے درمیان کتنا فاصلہ ہوگا۔اس نے کہا ایک دن رات کا۔ہم نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چل۔اس نے کہا رسول اللہ کس کو کہتے ہیں۔ہم اس کے ساتھ اور کوئی بات نہ کر سکے۔پس اس کو ساتھ لے کر چل دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر اس کو پیش کر دیا۔آپؐ نے پانی کے متعلق اس سے دریافت کیا اس نے آپ کو بھی وہی جواب دیا جو ہم کو دیا تھا اور یہ کہنے لگی کہ میں ایک بیوہ عورت ہوں اور میرے بچے یتیم ہیں۔آپ نے حکم دیا کہ اس کی اونٹنی بٹھا دی جائے چنانچہ تعمیل ارشاد کی گئی۔آپؐ نے اس کی چھاگلوں کے اوپر کے دہانے میں دہن مبارک سے کلی کر کے پانی ڈال دیا اور اس کی اونٹنی کو کھڑا کر دیا (تاکہ نیچے کے دہانے سے پانی لے لیا جاسکے) اس وقت ہم چالیس شخص تھے سب پیاسے تھے۔سب نے شکم سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے اپنے پانی کے اونٹ اور مشکیزے اور جتنے برتن تھے سب پانی سے بھر لئے۔اور ہمارے اس رفیق نے غسل بھی کر لیا۔مگر صرف اتنا کیا کہ اپنے اونٹوں کو پانی نہیں پلایا۔لیکن چھاگلیں تھیں کہ پانی کے جوش کے مارے پھٹی جارہی تھیں۔اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ اب تھوڑا بہت جو کچھ کھانے کا سامان تمہارے پاس ہو وہ اس کے لئے لے آؤ۔ہم نے اس عورت کے لئے کچھ روٹی کے ٹکڑے اور کھجوریں جمع کر دیں۔آپؐ نے ان کو ایک تھیلی میں ڈال کر اس سے کہا جا یہ اپنے بچوں کو جا کر کھلا دے اور یہ یاد رکھنا کہ ہم نے تیرے پانی کا کچھ نقصان نہیں کیا ہے۔جب وہ اپنے گھر آئی تو اس نے کہا میں نے ایسا بڑا جادوگر کوئی نہیں دیکھا ورنہ تو تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ شخص سچا نبی ہے۔جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے اس نے یہ یہ کرشمے دکھائے۔راوی بیان کرتا ہے کہ اس عورت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اس کے قبیلے کے قبیلے کو ہدایت نصیب فرمائی چنانچہ خود وہ اور اس کا سب خاندان مسلمان ہو گیا۔(بخاری و مسلم)

فائدہ

اس حدیث میں پانی کے معجزہ کے سوا کچھ اور بھی امور ہیں جو بہت زیادہ قابل

یادداشت ہیں۔ پہلی بات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیدار نہ کرنے کے متعلق صحابہؓ کی عادت میں منقول ہے۔ وہ ترجمان السنہ کی تیسری جلد میں قوم انبیاء کے زیر عنوان باوجود تلاش کے ہم کو حدیث میں نہ مل سکی اس لئے اس کا تذکرہ ہم نے علماء کے حوالہ سے پیش کیا ہے۔ حالانکہ وہ خود صحابہؓ کی عادت میں منقول ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ پہلے بیدار ہونے والوں میں کون شخص تھے۔ روایت مذکورہ سے حضرت ابوبکرؓ کا نام معلوم ہوتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ جب نماز قضا ہو جائے تو اس کی قضا وقت مکروہ میں نہ کرنی چاہئے۔ یہاں راوی نے حتی ابیضت الشمس اور بزعت کے لفظ فرما کر اس بات کو صاف کر دیا ہے بقیہ طرق میں سب جگہ اجمال ہے اس کو اسی تفصیل پر حمل کر لینا چاہئے۔

برتن سے پانی کا نکلتے رہنا

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ تم لوگ آج شام اور ساری رات سفر کرنے کے بعد کل انشاء اللہ تعالیٰ چشمہ پر جا پہنچو گے بس لوگ چل پڑے اور ایک دوسرے کی طرف کوئی توجہ نہ کرتا تھا۔ بس سفر طے کرنے میں مشغول تھے۔ اس کے بعد وادی میں پہنچنے اور وہاں غفلت کی نیند سو جانے کا قصہ بیان کیا۔ اس کے بعد یہ کہتے ہیں کہ وضو کے پانی کا جو برتن میرے ساتھ تھا۔ آپؐ نے اس کو منگایا اس میں تھوڑا سا پانی تھا آپؐ نے اس پانی سے مختصر سا وضو فرمایا اور جو پانی بچا اس کے متعلق فرمایا کہ اس کو محفوظ رکھنا آئندہ چل کر اس سے ایک بڑا معجزہ ظاہر ہوگا۔ یہ کہتے ہیں کہ جب صبح ہوگئی تو انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک تشریف نہیں لائے۔ اس پر ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدہ فرمائیں اور پھر اس کا خلاف کریں۔ لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے سامنے ہیں۔ ادھر ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسے بڑے اصحاب موجود ہیں اگر ان کی رائے پر عمل کرو گے تو کامیاب ہوگے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ ہم ان لوگوں سے اس وقت آکر ملے جب کہ دن چڑھ چکا تھا

اور آفتاب کی تمازت سے ہر چیز جلنے لگی تھی۔ لوگوں نے آپ سے فریاد کی یارسول اللہ ہم تو پیاس سے مرے۔ آپؐ نے فرمایا ہمیں ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ یہ کہہ کر اپنے وضو کے پانی کا برتن منگایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برتن سے پانی ڈالتے تھے اور ابوقتادہؓ لے کر لوگوں کو پلاتے جارہے تھے۔ لوگوں کا برتن کے پانی کو دیکھنا تھا کہ اس پر ٹوٹ پڑے۔ آپؐ نے فرمایا اپنے اخلاق درست رکھو۔ تم میں سے ہر ہر فرد پانی پی کر سیراب ہوگا۔ چنانچہ فوراً لوگوں نے تعمیل ارشاد کی اور آپ بدستور پانی ڈالتے رہے اور ابوقتادہؓ لے لے کر لوگوں کو پلاتے رہے۔ یہاں تک کہ مجمع بھر میں میرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی نہ رہا۔ آپؐ نے فرمایا اب تم بھی پی لو۔ میں نے عرض کی جب تک آپ نہ پی لیں میں کیسے پی سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا طریقہ یہی ہے کہ جو تقسیم کرنے والا ہوتا ہے اس کا نمبر سب سے آخر ہی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے پانی پی لیا اور آپ نے بھی نوش فرمالیا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر لوگ (اگلے روز) چین سے پانی پر پہنچے اور وہ خوب سیراب تھے۔ عبداللہ بن رباحؓ کہتے ہیں کہ میں اس حدیث کو جامع مسجد میں بیان کر رہا تھا کہ دفعۃً عمران بن حصینؓ نے مجھ کو ٹوکا اور فرمایا ذرا سوچ کر حدیث بیان کرو۔ کیونکہ اس شب کے قافلہ میں میں بھی شریک تھا۔ میں نے عرض کی آپ مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں انہوں نے پوچھا تم کس قبیلے کے آدمی ہو۔ میں نے کہا انصار میں کا۔ عمران بن حصینؓ نے فرمایا کہ تم اپنی حدیث کو بہتر جانتے ہو۔ عمرانؓ کہتے ہیں کہ اس شب میں میں بھی شریک تھا اور مجھ کو یہ خیال نہ تھا کہ اس واقعہ کو جس طرح تم نے محفوظ کیا ہے اس طرح کسی اور نے محفوظ کیا ہوگا۔ (شیخین)

کنوئیں کے پانی میں زیادتی

حضرت زیاد بن حارث صدائی سے روایت ہے جس میں امام احمدؒ اور ترمذی اور ابوداؤد نے اتنا اضافہ اور نقل کیا ہے جس کے آخر میں ہے کہ اس کے بعد ہم نے عرض کی یارسول اللہؐ ہمارا کنواں ہے جب جاڑوں کا موسم آتا ہے تو اس کا پانی ہم کو کافی ہوتا ہے۔ اور ہم اس کے گرد آباد ہوجاتے ہیں اور جب گرمی کا موسم آتا ہے تو اس میں پانی بہت کم رہ جاتا ہے اور ہم اپنے اردگرد

کے پانیوں پر پھیل کر متفرق ہو جاتے ہیں اور ہمارے چاروں طرف ہمارے دشمن آباد ہیں۔ آپ ہمارے کنویں کے لئے دعا فرما دیجئے کہ اس کا پانی ہمیشہ ہم کو کافی ہو جایا کرے اور ہم کو ادھر ادھر متفرق ہونے کی ضرورت نہ ہو۔ آپؐ نے سات کنکریاں منگائیں اور ان کو اپنے ہاتھ میں ملا اور ان پر کچھ دعا پڑھی اور فرمایا اچھا ان کنکریوں کو لے جاؤ اور جب اپنے کنویں پر جانا تو ان کو بسم اللہ کہہ کر ایک ایک کر کے ڈالنا۔ صدائی بیان کرتے ہیں ہم نے آپؐ کے حکم کی تعمیل کی تو کنویں میں اتنا پانی ہو گیا کہ ہم کوشش کر کے بھی اس کی تہہ کو نہ دیکھ سکتے تھے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ لشکر میں کسی کے پاس پانی نہ رہا تھا۔ آپؐ نے پوچھا تمہارے پاس کچھ پانی ہے اس نے کہا کہ ہے۔ فرمایا اس کو میرے پاس لے آؤ۔ وہ ایک برتن لے آیا اس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپؐ نے اپنی انگلیاں برتن کے اوپر پھیلائیں۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں میں سے پانی کے چشمے ابل پڑے۔ آپؐ نے بلالؓ سے فرمایا آواز دے دو کہ وضو کے لئے برکت کا پانی لے لیں۔ (مسند امام احمد)

چند قطرے پانی کا چودہ سو کے لئے کافی ہو جانا

حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی حدیث میں بھی اسی طرح ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک غزوہ میں تھے تو ہمیں بھوک سے تکلیف ہونے لگی یہاں تک کہ ہمارا ارادہ یہ ہوا کہ اپنی سواری کے ایک آدھ اونٹ کو ذبح کر دیں۔ تب ہم کو اللہ کے نبی نے حکم دیا کہ ہم سب اپنے اپنے ناشتہ دانوں کو اکٹھا کریں تو ہم نے چمڑے کا ایک دستر خوان بچھایا اور سب لوگوں کا توشہ اسی دستر خوان پر اکٹھا ہوا تو میں نے گردن اٹھائی کہ اس کا اندازہ کروں کہ کل ملا کر کتنا جمع ہو گیا۔ تو میں نے اندازہ کیا کہ وہ کل اتنا ہو گا جیسا کہ بکری کی ٹیک ہوتی ہے۔ (یعنی اس کی نشست گاہ) اور ہماری تعداد چودہ سو تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم سب نے کھایا اور پیٹ بھر بھر کر کھایا۔ پھر ہم سب نے اپنے اپنے توشہ دان بھی بھر لئے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہیں کچھ پانی بھی ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ ایک شخص ایک برتن لے کر آیا جس میں چند قطرے پانی تھا تو آپ نے اسے ایک برتن میں انڈیل لیا تو ہم سب چودہ سو آدمیوں نے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر وضو کیا۔ اس کے بعد آٹھ

آدمی اور آئے اور انہوں نے پوچھا کچھ اور پانی وضو کے لئے بچا ہے یا نہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس اب پانی ختم ہو گیا۔ (بخاری)

تھوڑے سے پانی کا تین سو کو کافی ہو جانا

حضرت انسؓ سے یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ مقام زوراء میں تھے یہ مدینہ طیبہ میں بازار کے پاس ایک مقام کا نام تھا اور وہاں مسجد بھی تھی۔ آپ نے پیالہ منگایا، جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈالا تو پانی آپ کی انگلیوں سے پھوٹ پھوٹ کر ابلنے لگا یہاں تک کہ آپؐ کے سب ہمراہیوں نے وضو کر لیا۔ میں نے پوچھا اے ابوحمزہ (حضرت انسؓ کی کنیت ہے) آپ کے ان ساتھیوں کی کل تعداد کتنی ہو گی؟ انہوں نے جواب دیا تقریباً تین سو کے قریب صحابہؓ ہوں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ پانی اتنا تھا کہ آپ کی انگلیاں بھی اس میں نہ ڈوبتی تھیں۔ (شیخین)

انگلیوں سے پانی ابلتا رہا اور صحابہ وضو کرتے رہے

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اس وقت نماز عصر کا وقت آ چکا تھا۔ لوگوں نے وضو کے لئے پانی تلاش کیا تو نہ ملا۔ آپؐ کے سامنے تھوڑا سا پانی پیش کیا گیا آپ نے اس برتن میں اپنا دست مبارک ڈالا اور لوگوں سے کہا کہ وضو کریں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے آپؐ کی انگلیوں سے پانی ابل ابل کر نکلتا ہوا دیکھا اور تمام حاضرین نے ایک ایک کر کے وضو کر لیا۔ (شیخین)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھا۔ میں نے دیکھا کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا ہے اور ہمارے پاس پانی نہیں ہے۔ صرف جو کسی کے پاس بچا کھچا رہ گیا تھا بس وہی تھا تو وہ ایک برتن میں ڈال کر آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اپنا دست مبارک اس میں ڈالا اور اپنی انگلیاں پھیلا دیں۔ اس کے بعد فرمایا لوگو چلو اور وضو کا پانی اور اللہ کی طرف سے برکت لوٹو۔ میں نے دیکھا کہ پانی تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر آپ کی انگلیوں سے ابل رہا تھا۔ حتیٰ کہ تمام صحابہؓ نے وضو بھی کر لیا اور خوب پی بھی لیا اور میں نے تو جتنا پانی میرے

پیٹ میں سما سکتا تھا وہ بری طرح پی ڈالا کیونکہ میں جان چکا تھا کہ یہ برکت ہی برکت کا پانی ہے۔ میں نے جابرؓ سے سوال کیا اس وقت تم کتنے صحابہ تھے انہوں نے کہا ایک ہزار اور چار سو (شیخین)

یہ روایت بھی جابرؓ ہی سے ہے کہ صلح حدیبیہ میں ہم کو پانی نہ مل سکا اور ہم کو سخت پیاس لگی۔ آپ کے سامنے ایک چمڑے کا تھیلا تھا۔ آپؐ نے اس سے پانی لے کر وضو کیا پھر کیا تھا لوگ پانی دیکھ کر بے تابی کے ساتھ اس کی طرف لپکے۔ آپؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ انہوں نے عرض کی ہمارے پاس نہ وضو کے لئے پانی ہے نہ پینے کے لئے بس یہی ہے جو آپ کے سامنے ہے۔ آپؐ نے اس تھیلے میں اپنا دست مبارک ڈالا۔ بس پانی تھا کہ آپؐ کی انگلیوں سے چشمے کی طرح ابل ابل کر نکلنے لگا۔ ہم نے خوب پیا بھی اور وضو بھی کیا۔ میں نے پوچھا تم کتنے تھے۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی کا عالم یہ تھا کہ ان کو بھی کافی ہوتا۔ مگر اس وقت ہم پندرہ سو تھے۔ (شیخین)

فائدہ

بخاری کے واقعات متفرق ہیں ان کے اجزاء میں کہیں کہیں تفاوت بھی ہے آپ چاہیں ان سب کو ایک واقعہ کہہ سکتے ہیں۔ اس میں اگر کچھ نقصان ہوگا تو آپ ہی کا نقصان ہے کہ پیغمبر خداؐ کے معجزات کی تقلیل لازم آئے گی اور تکلف بھی اختیار کرنا پڑے گا۔ بہر حال اپنے نبیؐ کے معجزات کو لطف اندوزی کے لئے یہاں سب کو نہیں تو بعض طرق کو جمع کر دیا ہے ان میں کہیں انگلیوں کا کرشمہ ہے تو کہیں لعاب دہن کا۔

خشک کنوئیں میں پانی بھر آنا

حضرت براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں کہ تم لوگ تو فتح مکہ کے ''فتح عظیم'' کا مصداق سمجھتے ہو اور کسی شک وشبہ کے بغیر وہ بڑی فتح تھی لیکن ہم تو بیعت الرضوان کو جو صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوئی تھی بڑی فتح سمجھتے ہیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو صحابہ تھے اور حدیبیہ وہاں ایک کنواں تھا۔ جس کا پانی ہم نے سب کھینچ کھینچ کر نکال لیا تھا۔ حتیٰ کہ اس میں پانی کا ایک قطرہ تک باقی نہیں چھوڑا تھا۔ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

بھی پہنچ گئی۔ آپ تشریف لائے اور اس کی منڈیر پر آ کر بیٹھ گئے اور ایک برتن میں کچھ پانی منگایا اور وضو فرمایا اور کلی کر کے وہ پانی اس کنویں میں ڈال دیا۔ ہم نے کچھ زیادہ دیر بھی نہیں کی تھی کہ اس میں اتنا پانی بڑھ گیا کہ جتنا ہو سکا ہم نے خود پانی پیا اور اپنے اونٹوں کو بھی پلایا اس وقت ہماری تعداد چودہ سو ہوگی یا اس سے کچھ زیادہ۔ (بخاری شریف)

ایک پیالہ پانی ستر اسی آدمیوں کا وضو کر لینا

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پانی طلب فرمایا۔ آپؐ کے سامنے ایک کشادہ پیالہ پیش کیا گیا اور لوگوں نے اس سے وضو کرنا شروع کر دیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے اندازہ لگایا تو کوئی ستر اور اسی کے درمیان لوگ تھے۔ (شیخین)

یہی واقعہ بعض روایات میں اس طرح ہے کہ آپؐ کسی سفر میں باہر تشریف لے گئے اور اس سفر میں آپؐ کے ہمراہ آپؐ کے کچھ صحابہ بھی تھے وہ چلتے رہے یہاں تک کہ نماز کا وقت آ گیا اور وضو کے لئے پانی نہ مل سکا۔ قافلہ میں سے ایک شخص گیا اور ایک پیالہ میں تھوڑا سا پانی لے کر آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے کر وضو فرمایا اور اپنی چاروں انگلیاں پانی کے پیالے پر پھیلا دیں اور فرمایا لوگو اٹھو اور وضو کرلو۔ یہ لوگ ستر یا کچھ کم و بیش ہوں گے۔

فائدہ

اس واقعہ میں کل ستر اور اسی افراد موجود ہونے کا پتہ لگتا ہے۔ آپ کا دل گوارا کرے تو اس کو علیحدہ واقعہ شمار کر لیجئے یا ایک ہی بنا دیجئے۔ ہمارا مقصد تو صرف معجزات شماری کا ایک نمونہ پیش کرنا ہے۔

کھانے میں تین گنا اضافہ

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ تہی دست لوگ تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہوا سے چاہئے کہ تیسرے کو اپنے ساتھ لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہوا سے

چاہئے کہ پانچویں یا چھٹے آدمی کو اپنے ساتھ (کھانا کھلانے) لے جائے۔ اور حضرت ابوبکر تین آدمیوں کو ساتھ لے کر گھر آئے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کو ہمراہ لے کر چلے اور خود حضرت ابوبکرؓ نے بھی رات کا کھانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کھالیا۔ پھر ٹھہرے رہے۔ یہاں تک کہ عشاء کی نماز پڑھ لی گئی پھر نماز سے لوٹے اور اتنی دیر ٹھہرے رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رات کا کھانا کھالیا اور ابوبکر رات کا اتنا حصہ گزرنے کے بعد گھر پہنچے جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ان کی بیوی نے ان سے پوچھا کہ اپنے مہمانوں کو چھوڑ کر آپ اتنی دیر کہاں رک گئے؟ تو ابوبکرؓ نے پوچھا یہ بتاؤ کہ تم نے ان کو کھانا کھلا دیا یا نہیں؟ کہنے لگیں کہ ان لوگوں نے کہا کہ اس وقت تک نہ کھائیں گے جب تک تم نہ آ جاؤ گے تو حضرت ابوبکرؓ کو غصہ آیا اور انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم میں تو کھانا نہ کھاؤں گا۔ تو ان کی اہلیہ نے بھی قسم کھا کر کہا کہ پھر میں بھی کھانا نہ کھاؤں گی اس پر ان مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ پھر ہم بھی یہ کھانا نہ کھائیں گے۔ اب حضرت ابوبکرؓ کو تنبیہ ہوا اور فرمانے لگے کہ یہ سب کچھ شیطان کی وجہ سے ہوا اس کے بعد انہوں نے کھانا منگوایا اور خود کھایا تو مہمانوں نے بھی کھانا کھایا تو یہ حال تھا کہ جب وہ لوگ ایک لقمہ اٹھاتے تھے تو اس کے نیچے اس سے زیادہ کھانا ازخود اضافہ ہو جاتا تھا۔ تو انہوں نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ اے بنو فراس کی خاتون! دیکھ یہ کیا ہے؟ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! ارے یہ تو پہلے سے تین گنا زیادہ ہو گیا ہے۔ تو ان سب نے خوب کھایا اور ابوبکرؓ نے وہ کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھجوایا۔ راوی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں سے کھایا۔ (شیخین)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُراقہ جاسُوس مُشرکین پر بددُعا اور اُسکے گھوڑے کا سنگستانی زمین میں دھنس جانا پھر آپکی دُعا مُبارک سے اس کا زمین سے نکل جانا

حضرت براء کا بیان

حضرت براء بن عازبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کی مکہ مکرمہ سے ہجرت کا واقعہ نقل کرتے ہوئے خود سراقہ بن مالک کا یہ بیان نقل کرتے ہیں وہ کہتا ہے کہ ہم سخت پتھریلی زمین میں تھے تو ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو اب پکڑے گئے۔ آپ نے فرمایا فکر نہ کرو یقین جانو اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر حضورؐ نے اسے بددعا دی تو اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ اس نے کہا اچھا میں سمجھ گیا تم دونوں نے مجھے بددعا دی ہے۔ اچھا اب آپ دونوں میرے لئے نجات کی دعائے خیر کرو۔ خدا کی قسم آپ دونوں کا احسان میرے اوپر ہے اور اس کے لئے میں اب یہ کروں گا کہ تمہیں ڈھونڈھنے والوں کو یہیں سے لوٹا دوں گا۔ تب حضورؐ نے اس کے حق میں دعا فرمائی تو وہ اس مصیبت سے نجات پا گیا۔ پھر سراقہ وہاں سے لوٹا اور راستے میں جس سے بھی ملتا سب کو وہیں سے واپس کر دیتا کہ جاؤ کچھ فکر کی ضرورت نہیں وہ ادھر تو نہیں گئے۔ غرض جس سے بھی ملتا سب کو لوٹا دیتا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا تو وہ کود پڑا اور کہنے لگا کہ اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں سمجھ گیا یہ آپ ہی کا کام ہے۔ اب اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے اس مصیبت سے جس میں میں ہوں چھڑا دے اور میں آپ کے لئے یہ کروں گا کہ جو شخص بھی میرے پیچھے آئے گا اس کو دھوکے میں ڈال کر راستہ نہ بتاؤں گا۔

خود سراقہ کا اپنا بیان

ابن شہاب سراقہ بن مالک کا خود اپنا بیان اس طرح نقل کرتے ہیں کہ ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد یہ پیام لے کر آئے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کو قتل کرے یا قید کرے تو ان کو ان میں سے ہر ایک کے عوض میں ایک دیت کی برابر مال ملے گا۔ یہ کہتے ہیں کہ ابھی کچھ دیر گزرنے نہ پائی تھی کہ میں اپنی قوم بنی مدلج میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص سامنے سے آیا اور کہنے لگا اے سراقہ دریا کے کنارے میں نے ابھی ابھی کچھ لوگ دیکھے ہیں جن کے متعلق میرا غالب گمان یہی ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے رفیق ہوں گے۔ اس کے پتہ دینے پر میں سمجھ تو گیا کہ ہوں نہ ہوں یہ وہی ہیں مگر بات ٹالنے کے لئے میں نے اس سے کہہ دیا وہ بھلا کہاں ہوتے شاید تو نے فلاں فلاں کو دیکھا ہوگا۔ پھر ذرا سا وقفہ دے کر میں وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے گھر جا کر اپنی باندی سے کہا کہ میرا گھوڑا باہر نکالے۔ وہ ایک ٹیلہ کے پیچھے تھا اور اس کو لے کر کھڑی رہے ادھر میں اپنا نیزہ لے کر گھر کی پشت کی طرف سے نکلا اور اس کی پھال زمین کی طرف کر دی اور اس کے اوپر کے حصہ کو نیچا کر دیا (تاکہ کسی کی نظر نہ پڑے) یہاں تک کہ اپنے گھوڑے پر آ کر سوار ہو گیا اور اس کو تیز کر دیا تاکہ وہ جلد ان کو جا پکڑے۔ جب میں ان کے نزدیک جا پہنچا تو میرا گھوڑا دفعۃً پھسلا اور میں اس کے اوپر سے جا پڑا۔ کھڑے ہو کر میں نے اپنے فال کے تیر نکالے اور ان کا پانسا گھمایا تاکہ یہ دیکھوں کہ میں ان کو نقصان پہنچا سکوں گا یا نہیں تو اس میں ایسی بات نکلی جس کو میں ناپسند کرتا تھا۔ مگر پھر بھی میں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور پھر گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے نزدیک جا پہنچا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے کی آواز آ رہی تھی آپ کسی طرف توجہ نہ فرماتے تھے اور ابوبکر بار بار مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ جب میں اتنا قریب جا پہنچا تو اس مرتبہ میرے گھوڑے کے دونوں ہاتھ یعنی اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے یہاں تک کہ گھٹنوں تک جا پہنچے اور میں پھر اس کی پشت سے جا پڑا۔ میں پھر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کو زور سے ڈانٹا مگر وہ اپنے ہاتھ زمین سے نہ نکال سکا۔ پھر جب بمشکل وہ سیدھا کھڑا ہوا تو زمین سے دھوئیں کی طرح ایک غبار نکلا میں نے پھر اپنے تیر گھمائے مگر پھر وہی بات نکلی جو مجھ کو پسند نہ تھی اس پر میں نے امن کے

لئے آواز دی وہ ٹھہر گئے۔ میں گھوڑے پر سوار ہو کر جب بالکل ان کے پاس پہنچ گیا تو اپنے روک دئے جانے کی وجہ سے میرے دل میں اب یہ یقین ہو گیا کہ آپ کا دین ضرور غالب ہو کر رہے گا۔ اس کے بعد پورا واقعہ نقل کیا۔ (متفق علیہ)

فائدہ

ہجرت کا یہ واقعہ صحیح بخاری وغیرہ میں مختلف جگہ موجود ہے ہم نے صرف اس کے دو طریقے پیش کئے ہیں تا کہ آپ یہ اندازہ فرما سکیں کہ کہنے کو تو یہ ایک ہی واقعہ ہے مگر نہ معلوم کتنے معجزات کا حامل ہے اور کیوں نہ ہو کہ آج خدا کا محبوب اپنے وطن مالوف و محبوب سے خدا کے لئے باہر کیا جا رہا ہے ایک ذی حسن انسان تصور کرے کہ ان حالات میں اس کے اوپر کیا گزر سکتی ہے پھر اس کی تسلی کے لئے قدرت جو کرشمے اپنی رافت و رحمت کے دکھائے ان کا تصور خود فرما لیجئے۔ اپنی خوابگاہ پر کس طرح حضرت علیؓ کو لٹایا کس طرح دشمنوں کے جھرمٹ میں سے صاف آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گئے کس طرح تعاقب کرنے والے دشمنوں کا حشر ہوا کس طرح غار ثور میں محفوظ رہے کس طرح ام معبد پر گزر ہوا۔ کس طرح دودھ کے متعلق دوسرے واقعات ظاہر ہوئے۔ یہ سب واقعات ان ہی اوراق میں آپ کی نظروں سے گزر چکے ہیں اور جو جو معجزات ہماری نظروں سے اب تک ہماری لاعلمی کی وجہ سے غائب رہے یا راویوں کے سہو و نسیان کی نذر ہو گئے یا ان کے زمانے کے وقعات ہونے کی وجہ سے ان کے نزدیک قابل بیان نہ تھے۔ یا سند کی بحثوں نے ان کو سرے سے ساقط ہی کر دیا ان کی تعداد اس قدر زائد ہے کہ ان کے بیان کے لئے کئی ضخیم جلدیں چاہئیں۔

سرورِ کونین ﷺ اور آپؐ کی دعائے مبارکؐ کی شانِ قبولیت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے دعا

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ مجھے قاضی و منصف بنا کر بھیج رہے ہیں حالانکہ میں ابھی کم عمر ہوں اور مجھے جھگڑے چکانا نہیں آتا۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو صحیح بات ہی کی طرف رہنمائی فرمادیا کرے گا اور تمہاری زبان کو حق بات پر جما کر رکھے گا۔ لہذا جب بھی تمہارے پاس دو فریق آئیں تو تم ایک ہی شخص کی باتوں کو سن کر فیصلہ نہ کردیا کرنا جب تک کہ تم فریق ثانی کی بات بھی نہ سن لو۔ کیونکہ اس صورت میں معاملہ تمہارے سامنے خوب اچھی طرح واضح ہوجائے گا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد مجھے کسی معاملہ میں شک و شبہ نہیں ہوا۔ (ترمذی)

ابی بن خلف کا جہنم رسید ہونا

کعب بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ابی بن خلف نے جو بنو جمح کا بھائی لگتا تھا مکہ مکرمہ میں اس پر قسم اٹھائی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور قتل کرکے چھوڑے گا۔ جب اس کی اس قسم کی خبر آپ کو ہوئی تو آپؐ نے فرمایا ''ان شاء اللہ میں ہی اس کو قتل کروں گا''۔ چنانچہ جب اُبی چاروں طرف سے ہتھیاروں سے سج کر میدان جنگ میں آیا تو اس نے پکار کر کہا ''آج کے دن اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بچ گئے تو خدا کرے میں زندہ نہ بچوں''۔ یہ کہہ کر اس نے آپؐ کے اوپر حملہ کیا۔ مصعب بن عمیر جو بنو عبدالدار کے بھائی لگتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے فوراً سامنے آ گئے اور شہید ہو گئے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو اس کے خود اور لمبی چوڑی درع کے درمیان اس کی ہنسلی کے پاس ذرا سی جگہ کھلی ہوئی تھی۔ آپؐ نے ایک نیزہ لے کر اس جگہ پر مارا بس نیزہ لگنا تھا کہ ابی اپنے گھوڑے سے گر پڑا اور حال یہ تھا کہ آپ کے نیزہ سے ذرا سا خون بھی نہ نکلا۔ اس کے ساتھی اس کو اٹھا کر لے گئے اور وہ بیل کی سی آواز نکال رہا تھا۔ اس پر اس کے رفقاء نے کہا کتنا بزدل شخص ہے یہ کیا زخم ہے صرف ایک معمولی سی خراش ہے۔ یہ سن کر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کا ذکر کیا کہ آپؐ نے فرمایا تھا میں ہی ابی کو قتل کروں گا۔ اس کے بعد کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ تکلیف مجھے وہ ہے کہ اگر یہ ساذی المجاز (ایک بازار کا نام ہے) والوں کو ہوتی تو وہ سب اس کی وجہ سے ختم ہو جاتے۔ یہ کہہ کر وہ واصل جہنم ہو گیا۔ (مستدرک وغیرہ)

ابوجہل' ولید عتبہ وغیرہ کو بددعا

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کے پاس نماز ادا فرما رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے رفقاء جو وہاں جمع تھے ان میں سے کسی نے ایک اونٹ ذبح کیا تھا اس کی اوجھڑی وہاں پڑی ہوئی تھی۔ ابوجہل بولا تم میں سے ہے کوئی شخص جو اٹھ کر اس اونٹ کی اوجھڑی لے آئے اور جب محمدؐ سجدہ کریں تو ان کے شانوں پر جا کر رکھ دے۔ آخر جو ان میں سب سے زیادہ بدنصیب تھا اس نے یہ ہمت کی اور جب آپ سجدہ میں تشریف لے گئے تو اس نے وہ اوجھڑی لا کر آپ کے شانوں پر ڈال دی پھر کیا تھا ایک قہقہہ لگا کہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر جا جا کر گرنے لگا۔ میں یہ سب ماجرا کھڑا دیکھ رہا تھا۔ کاش میرے ساتھ کوئی چھوٹی سی جماعت بھی ہوتی تو میں آپؐ کے شانوں سے اس کو اٹھا کر پھینک دیتا ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور سر بسجود تھے اور اپنا سر مبارک نہ اٹھاتے تھے۔ اتنے میں کسی نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو اس کی خبر کی' یہ اس وقت بہت کم سن تھیں بھاگ کر آئیں اور آپؐ کے شانوں سے وہ اوجھڑی اٹھا کر پھینک دی پھر ان بدکرداروں کو برا بھلا کہنے لگیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہو گئے تو بآواز بلند ان پر بددعا

فرمائی۔ اور آپ کا دستور مبارک یہ تھا کہ جب بد دعا فرماتے تو تین بار فرماتے اسی طرح جب کوئی دعا مانگتے تو تین بار مانگتے پھر تین بار فرمایا الٰہی قریش سے انتقام لے“۔ جب انہوں نے آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمہ سنا تو ان کی سب ہنسی خوشی غائب ہوگئی اور سہم کر رہ گئے۔ اس کے بعد آپؐ نے نام لے لے کر بد دعائیں فرمائیں الٰہی ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید، امیہ اور عقبہ سے اور ایک ساتویں شخص کا نام لیا جو اس وقت مجھ کو یاد نہیں رہا۔ انتقام لے اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا ہے جن جن مشرکین کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لئے تھے میں نے ان میں سے ایک ایک کو جنگ بدر کے میدان میں مقتول پڑا ہوا دیکھا اس کے بعد وہ گھسیٹ کر وہاں ایک کنویں میں ڈال دیئے گئے۔ (بخاری ومسلم)

جب ابولہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہو گیا تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحبزادیوں رقیہؓ اور ام کلثومؓ کو رخصتی سے قبل ہی طلاق دیدیں۔ تو عتیبہ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کر بدتمیزی سے یوں کہا کہ میں تمہارے دین کو نہیں مانتا اور میں نے تمہاری لڑکی کو چھوڑ دیا کہ نہ وہ میرے بلانے پر آئے نہ میں اس کے بلانے پر آؤں۔ (یا نہ وہ مجھے جواب دے نہ میں اسے جواب دوں) پھر اس بدبخت نے حضور کو ایذا دینے کا قصد کیا اور آپ کا پیراہن مبارک پھاڑ دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بد دعا فرمائی کہ اے میرے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دیجئے۔ کچھ دنوں کے بعد قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ وہ لڑکا کسی سفر کو نکلا۔ ملک شام میں ایک مقام پر جس کا نام زرقا تھا وہ قافلہ رات کو اترا۔ ایک شیر رات میں ان کے پاس سے گھوم گیا تو عتیبہ کہنے لگا اے بھائی بڑا غضب ہو گیا۔ یہ شیر بخدا مجھے کھا جائے گا۔ جیسا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ پر بد دعا کی ہے حالانکہ وہ اس وقت مکہ میں ہیں اور میں شام میں ہوں۔ بس پھر اس شیر نے قافلہ کے بیچ میں سے گزر کر اسی پر حملہ کیا اور اس کا سر پکڑا اور اسے مار ڈالا۔ اور ہشام نے اپنے والد عروہ سے یوں روایت کی ہے کہ جب شیر اس رات میں ان کے پاس سے گھوم گیا تو قافلے والے اٹھ بیٹھے اور وہ عتیبہ کو بیچ میں کر کے چاروں طرف خود پھیل گئے تو وہ شیر سب کے بیچ میں سے گزرتا ہوا آگے آیا اور اس نے عتیبہ کا سر پکڑا اور اسے توڑ ڈالا۔ اہل سیر کے یہاں اسی طرح مشہور ہے۔ ابن تیمیہؒ نے اس کا ذکر الجواب الصحیح میں کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور فیض تاثیر سے دُنیا میں حصولِ ہدایت اور آخرت میں عزّت و کرامت

عمیر بن وہب کا واقعہ

عمیر بن وہب الجمحی جب مشرکین مکہ مکرمہ کے پاس واپس آیا اور جنگ بدر میں جن کفار کو قتل ہونا تھا وہ قتل ہو گئے تو اب عمیر' صفوان بن امیہ کے پاس حجر میں آ کر بیٹھا اور بولا صفوان! جنگ کے مقتولین کے بعد ہماری اس زندگی پر تف ہے اس نے کہا بیشک اس کے بعد جینے کا کوئی مزا نہیں۔ اگر میرے ذمہ قرض نہ ہوتا جس کی ادائیگی کا میرے پاس کوئی سامان نہیں ہے اور یہ بچے نہ ہوتے جن کے لئے میرے بعد کوئی سرمایہ نہیں ہے تو میں جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیتا اگر تم میرے بچوں اور قرض کی طرف سے مجھ کو مطمئن کر دیتے تو میرے لئے ان سے اس وقت بہانہ کرنے کا ایک موقعہ بھی ہے۔ میں ان سے یہ کہوں گا کہ میں اپنے قیدی کا فدیہ دینے کے لئے آیا ہوں۔ اس کی اس بات سے صفوان بڑا خوش ہوا اور بولا کہ اچھا تیرا قرض میرے ذمہ ہے اور تیرے بچوں کے سب اخراجات میرے بچوں کے برابر رہیں گے۔ صفوان نے اس کو سواری دی اور سب ساز و سامان کے ساتھ لیس کر دیا اور حکم دیدیا کہ صفوان کی تلوار صیقل کر کے زہر میں بجھا دیجائے۔ اب عمیر روانہ ہو گیا مدینہ پہنچا اور مسجد شریف کے دروازہ پر آ کر اترا اور اپنی سواری باندھی اور تلوار لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا۔ عمرؓ نے اس کو دیکھ لیا اس وقت وہ جماعت انصار کے درمیان بیٹھے ہوئے کچھ گفتگو فرما رہے تھے۔ اس کو دیکھ کر انہوں نے فرمایا یہ وہی

کتا خدا کا دشمن اب تمہارے سامنے ہے۔ جس نے جنگ بدر میں ہمارے درمیان جنگ کی سازش مرتب کی تھی اور لوگوں کو ہمارے خلاف ابھارا تھا۔ اس کے بعد عمرؓ کھڑے ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس کے بعد آپ سے پورا واقعہ بیان کیا۔ بات یہاں تک پہنچی کہ آپؐ نے عمیر سے پوچھا تم کیوں آئے ہو؟ وہ بولا میرا ایک قیدی آپؐ کے پاس ہے لہذا مجھ سے اس کا فدیہ قبول کر لیجئے۔ آخر آپؐ ہمارے قبیلہ و کنبہ ہی کے تو ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا تو تمہاری گردن میں یہ تلوار کیسی لٹک رہی ہے۔ عمیر نے کہا خدا تعالیٰ اس کا ستیاناس کرے جنگ بدر ہی میں اس نے ہم کو کیا نفع دیا۔ جب میں اترا تو اس کو لٹکا ہوا بھول گیا اور میری گردن میں لٹکی رہ گئی۔ آپؐ نے پھر پوچھا اچھا سچ سچ بتادو کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا میں تو صرف اسی مقصد کے لئے آیا ہوں کہ اپنے قیدی کا فدیہ دے دوں۔ آپؐ نے فرمایا بھلا تم نے حجر میں بیٹھ کر صفوان کے ساتھ کس معاملہ پر شرط باندھی تھی؟ اب تو وہ گھبرا اٹھا اور بولا میں نے تو کسی بات پر شرط نہیں باندھی تھی۔ آپؐ نے فرمایا اس بات پر کہ تم مجھے قتل کر دو گے اور وہ تمہارے بچوں کے مصارف کا کفیل رہے گا اور تمہارا قرض ادا کرے گا اور اللہ تعالیٰ میرے اور تیرے اس ارادہ کے درمیان حائل ہے۔ (تو مجھے قتل نہیں کر سکتا) یہ سن کر عمیر نے فوراً کلمہ شہادت پڑھا اور کہا بیشک آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ ہم وحی اور ان تمام باتوں کو جو آسمان سے آپ کو بتائی جاتی ہیں جھٹلایا کرتے تھے لیکن یہ بات جو حجر میں بیٹھ کر میرے اور صفوان کے درمیان ہوئی تھی اس کی خبر میرے اور اس کے سوا کسی کو بھی نہیں۔ لہذا ضرور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو اس کی خبر دی ہے۔ (طبرانی)

حضرت عامر بن فہیرہؓ کا آسمان پر اٹھایا جانا

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ بنی سلیم کے ستر ۷۰ اشخاص کو قبیلۂ بنو عامر کے پاس بھیجا جب وہ وہاں پہنچے تو میرے ماموں نے کہا میں تم سے آگے جاتا ہوں اگر انہوں نے مجھ کو امن دیا یہاں تک کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے تعارف کراؤں تو فبہا ورنہ تو تم میرے نزدیک ہی تو ہو گے چنانچہ یہ آگے چلے گئے۔ بنو عامر نے ان کو امن دیا اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ابھی ان سے مصروف

گفتگو ہی تھے کہ انہوں نے چپکے سے ایک شخص کو اشارہ کیا اس نے ان کے نیزہ مارا اور پار کر دیا۔ یہ والہانہ انداز میں بول اٹھے رب کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد بنو عامر نے ان کے اور ساتھیوں پر حملہ کر دیا اور سب کو قتل کر ڈالا بجز دو صحابی کے ایک تو لنگڑے تھے جو پہاڑ پر چڑھ گئے تھے اور دوسرے ان کے ساتھ تھے۔ حضرت جبرئیلؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ تقریباً وہ سب شہید ہو چکے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور اس نے ان کو بھی خوش کر دیا۔ (جس کی اطلاع) پہلے ہم قرآن کریم کی اس آیت میں بایں الفاظ پڑھا کرتے تھے۔ **بلغوا عنا قومنا انا لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا** یعنی ہماری قوم کو یہ خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے آ ملے اور وہ ہم سے خوش ہو گیا اور ہم کو بھی اس نے خوش کر دیا۔ اس کے بعد اس آیت کی تلاوت منسوخ کر دی گئی۔ ان مقتولین میں عامر بن فہیرہ بھی شامل تھے۔ اس واقعہ پر قبیلۂ رعل وذکوان اور عصیہ وبنی لحیان پر جنہوں نے اللہ ورسول کی نافرمانی کی تھی چالیس دن تک آپؐ نے بددعا فرمائی۔ عامر بن طفیل بیان کرتے ہیں کہ عامر بن فہیرہ کی شہادت کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی نعش آسمان کی طرف اٹھائی گئی اور میں اس کو آسمان اور زمین کے درمیان اپنی آنکھوں سے اٹھتا ہوا دیکھتا رہا۔ (بخاری)

فائدہ

اس میں ایک عامرہ بن فہیرہ کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے سوا اور بھی معجزات ہیں جو تفصیلی روایات میں موجود ہیں۔ یہاں رفع الی السماء کو محال کہنے والے دیکھیں کہ یہ جو معجزہ ان کے نزدیک ہزاروں سوالات کے بعد بھی اب تک طے نہ ہو سکا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد خدام کے ساتھ پیش آ چکا ہے۔ اور آج تو جدید تحقیقات کی نظر میں یہ ایک مضحکہ خیز ہے۔ جبکہ مریخ پر راکٹ جا رہے ہوں کرۂ نار و کرہ زمہر پر ایک افسانہ پارینہ قرار دیا جا چکا ہو۔ ان کا ایسے لوگوں کا پیش کرنا جو وحی کے بھی مدعی ہوں خود ان کی وحی کے بطلان کے لئے کافی اور وافی ہے۔

لُعابِ دہن اور دستِ مُبارک کی برکت و تاثیر

حضرت قتادہؓ کی آنکھ کا درست ہونا

عاصم بن عمر بن قتادہؓ اپنے والد قتادہ بن نعمان سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ لڑتے ہوئے ان کی آنکھ میں زخم لگا اور وہ رخسار پر لٹک آئی۔ لوگوں نے چاہا کہ اسے کاٹ کر پھینک دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کے لئے پوچھا آپؐ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو۔ پھر ان کو بلایا اور اپنی ہتھیلی سے ان کی آنکھ کے حلقہ کو ذرا دبا دیا تو انہیں معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ ان کی کونسی آنکھ میں زخم آیا تھا اور وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر آپؐ نے آنکھ کے ڈھیلے کو اوپر اٹھایا اور اس کو اس کی جگہ پر جما دیا پھر اسے اپنی ہتھیلی سے ذرا دبا دیا اور یوں دعا فرمائی اے الٰہی! اس کو خوبصورتی اور جمال عطا فرما تو پھر ان کے انتقال تک یہ حال رہا کہ ان سے جو بھی ملتا اس کو کبھی یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ ان کی کس آنکھ میں زخم لگا تھا۔ (بخاری مسلم)

حضرت عبداللہ بن عتیک کی ٹانگ کا درست ہونا

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع یہودی کے قتل کے لئے چند انصاریوں کو مقرر کیا اور ان پر عبداللہ بن عتیک کو امیر بنایا۔ یہ ابورافع حضورؐ کو بہت ایذا دیا کرتا اور آپؐ کے خلاف لوگوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ سرزمین حجاز میں اس کی ایک

زمین تھی وہیں وہ رہا کرتا تھا۔ جب یہ لوگ اس کے قریب پہنچ گئے اور سورج ڈوب گیا اور لوگ اپنے اپنے ڈھوروں کو لے کر چلے گئے تو عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آپ لوگ یہیں بیٹھیں میں اکیلا جاتا ہوں اور دربان سے ملاطفت اور بہلانے کی باتیں کروں گا شاید میں اندر جاسکوں۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے یہاں تک کہ پھاٹک کے قریب پہنچے پھر چادر سے ڈھاٹا باندھا گویا وہ قضائے حاجت کرنے گئے تھے۔ بہت سے لوگ اندر جا چکے تھے تو دربار نے ان کو دیکھ کر پکار کر کہا' اے اللہ کے بندے اگر اندر آنا چاہتے ہو تو جلد آ جاؤ میں اب پھاٹک بند کرنا چاہتا ہوں۔ میں اندر داخل ہو گیا اور ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب اور لوگ بھی اندر داخل ہو لئے تو اس نے پھاٹک بند کر دیا۔ پھر کنجیوں کا گچھا ایک کھونٹی پر لٹکا دیا۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے کنجیوں کے پاس جا کر ان پر قبضہ کیا اور پھاٹک کا قفل کھول دیا ابو رافع کے پاس رات کو کہانیاں کہی جاتی تھیں۔ وہ اپنے ایک اوپر کے کمرے میں تھا۔ جب ابو رافع کے پاس سے اس کے افسانہ گو بھی اٹھ کر چلے گئے تو میں اس کے کوٹھے پر چڑھا اور جس دروازہ کو کھول کر میں اندر جاتا اندر سے اسے بند بھی کرتا جاتا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ میرے ساتھیوں کو اگر میرے متعلق کچھ خطرہ بھی گزرے اور وہ میری مدد کو میرے پاس آنا چاہیں گے تو وہ میرے پاس پہنچنے بھی نہ پائیں گے کہ اس وقت تک ان شاء اللہ میں اسے قتل کر چکا ہوں گا۔ غرض میں اس کے پاس پہنچ گیا تو معلوم ہوا کہ ایک اندھیرے کمرہ میں اپنے اہل و عیال کے بیچ میں ہے مگر میں نہیں سمجھ سکتا تھا کہ وہ اس کوٹھڑی میں کس جگہ پر ہے تو میں نے اس کا نام لے کر پکارا۔ ابو رافع! وہ بولا کون ہے؟ بس میں آواز پر انداز سے بڑھا اور میں نے اس پر تلوار کا ایک وار کیا۔ میں کچھ گھبرایا ہوا تھا۔ اس لئے کام پورا کر نہیں سکا اور وہ چیخا تو میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ بس تھوڑی دیر ٹھہر کر میں پھر کوٹھڑی کے اندر گیا اور میں نے (آواز بدل کر) پوچھا اے ابو رافع یہ آواز کیسی تھی؟ کیا ہوا؟ وہ بولا ارے تیری ماں پر مصیبت آ ٹوٹے۔ گھر میں کوئی آدمی ابھی ابھی مجھے تلوار مار گیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اس پر ایک وار اور کیا۔ جس سے اس کا خون بہت بہہ گیا۔ مگر ابھی وہ مرا نہیں تھا۔ اس کے بعد میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ میں جھونک دی کہ پیٹھ تک دھنستی چلی گئی تب میں نے سمجھ لیا کہ اب میں نے

اسے مار ڈالا پھر میں ایک ایک کر کے تمام دروازے کھولنے لگا یہاں تک کہ میں سیڑھی کے ختم تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد میں نے اپنا پیر یہ سمجھ کر رکھا کہ میں (سیڑھیاں ختم کر چکا اور) زمین پر پیر رکھ رہا ہوں تو چاندنی رات میں میں زمین پر گر پڑا کہ میری پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ میں نے اسے اپنے عمامہ سے کس کر باندھا پھر میں چلا اور پھاٹک کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور دل میں یہ سوچا کہ میں اس وقت تک یہاں سے نہ ٹلوں گا جب تک کہ یقینی طور پر نہ معلوم کر لوں کہ میں نے قتل بھی کر دیا۔ جب صبح کے وقت مرغ نے بانگ دی تو ایک خبر مرگ دینے والے نے فصیل پر چڑھ کر پکار کر کہا کہ میں حجاز والوں کے تاجر ابو رافع کی موت کی خبر سناتا ہوں۔ تب میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور میں نے کہا بس اب بھاگ چلو۔ اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو قتل کر دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم سب حضورؐ کے پاس پہنچے اور آپ سے سارے واقعات بیان کئے۔ آپؐ نے فرمایا اپنی ٹانگ پھیلاؤ تو میں نے اپنی ٹانگ پھیلا دی۔ آپؐ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیر دیا۔ بس ایسا معلوم ہوا کہ جیسے اس میں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ (رواہ البخاری)

حضرت عمرو بن ابی العاصؓ کی بیماری کا دور ہونا

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھ کو طائف پر عامل مقرر کر کے بھیجا تو وہاں پہنچ کر مجھ کو یہ شکایت ہوگئی کہ نماز میں میری ایسی حالت ہو جاتی کہ مجھ کو یہی خبر نہ رہتی کہ میں کیا پڑھتا ہوں۔ جب میں نے یہ حالت دیکھی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے تعجب سے فرمایا ابن ابی العاصؓ؟ ضرور کسی ضرورت سے آئے ہو۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ نماز میں میرے سامنے کوئی چیز ایسی آجاتی ہے کہ مجھ کو یہی خبر نہیں رہتی کہ میں کیا پڑھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا یہ شیطان ہے۔ ذرا قریب آؤ۔ میں آپؐ کے قریب آ گیا اور اپنے دونوں پیروں پر بیٹھ گیا۔ آپؐ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور فرمایا۔ ''او خدا کے دشمن نکل جا''۔ تین بار ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد فرمایا: اچھا جاؤ اب اپنے کام پر جاؤ۔ عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ اس کے بعد پھر کبھی مجھ کو اس کا اثر نہیں ہوا۔ (ابن ماجہ)

فائدہ

آپؐ کے دست مبارک اور لعاب دہن کا یہ اعجازی اثر دوسرے مقامات میں بھی نظر آتا ہے۔اس لئے اس کو آپؐ کے جسمانی برکات ومعجزات میں بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔

بیمار بچہ کا صحت مند ہونا

ام جندبؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے دسویں تاریخ کو وادی کے اندر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمرۃ العقبہ کی رمی کرتے ہوئے دیکھا۔جب آپؐ واپس ہوئے تو آپؐ کے پیچھے پیچھے قبیلہ خثعم کی ایک عورت اپنا بچہ لئے ہوئے آئی جو کچھ بیمار تھا اور بول نہیں سکتا تھا اس نے عرض کی یارسول اللہؐ یہ میرا بچہ ہے اور خاندان بھر میں بس یہی رہ گیا ہے اور اس کو کوئی بیماری ہے جس کی وجہ سے یہ بولتا نہیں۔آپؐ نے فرمایا اچھا تو تھوڑا سا پانی لاؤ۔پانی حاضر کیا گیا آپؐ نے اپنے دونوں دست مبارک دھوئے اور منہ میں پانی لے کر کلی کی اور وہ پانی اس کو دیدیا اور فرمایا کہ یہ پانی بچہ کو پلا اور کچھ اس پر چھڑک اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے اس کی صحت کی دعا کر۔میں نے ان سے درخواست کی کہ اس پانی میں سے ذرا سا مجھ کو دیدیجئے۔انہوں نے فرمایا کہ یہ تو صرف اس بیمار بچہ کے لئے ہے یہ بیان کرتی ہیں کہ آئندہ سال میری اس عورت سے پھر ملاقات ہوئی تو میں نے اس سے اس کے بچہ کا حال پوچھا اس نے کہا وہ بالکل اچھا ہو گیا اور ایسا سمجھدار ہو گیا کہ عام لوگ ایسے سمجھدار نہیں ہوتے۔(ابن ماجہ)

حضرت سلمہ بن اکوعؓ کے زخم کا صحیح ہونا

یزید بن عبید بیان کرتے ہیں کہ سلمہ بن اکوع کی پنڈلی میں ایک زخم کا نشان دیکھا تو میں نے کہا اے ابو مسلم۔یہ زخم کیسا ہے؟ کہنے لگے یہ اس زخم کا نشان ہے جو میں نے جنگ خیبر میں کھایا تھا تو لوگوں نے شور مچایا کہ لو سلمہ تو کام آ گئے۔ان کا بیان ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس میں تین بار پھونک ماردی۔اُس وقت سے آج تک مجھے کوئی تکلیف ہی نہیں ہوئی۔

حضرت علیؓ کی آنکھ کا تندرست ہونا

حضرت سہلؓ روایت کرتے ہیں کہ جنگ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ خیبر کی فتح نصیب فرمائے گا اور اس کو اللہ اور اس کا رسول پیارے ہیں اور وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کا پیارا ہے۔ اس بشارت کو سن کر لوگ تمام شب بے چین رہے کہ دیکھئے کل جھنڈا کس کو ملتا ہے۔ (یہ بشارت کس کے نصیب میں ہے) دوسرے دن ہر شخص اسی امید میں آپؐ کے سامنے حاضر ہوا مگر آپؐ نے پوچھا علیؓ کہاں ہیں۔ لوگوں نے عرض کی ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ آپؐ نے ان کو بلایا وہ آئے۔ آپؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی بس اسی وقت وہ ایسی صاف ہو گئیں گویا ان میں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ پھر جھنڈا ان کے حوالے فرما دیا۔ (بخاری شریف)

فائدہ

مسند احمد، نسائی، ابن حبان اور حاکم میں ہے کہ شروع میں جھنڈا صدیق اکبرؓ کے ہاتھ میں رہا پھر دوسرے دن حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رہا مگر خیبر فتح نہ ہو سکا اور کیسے فتح ہوتا جبکہ عالم تقدیر میں فاتح خیبر حضرت علیؓ قرار پا چکے تھے بالآخر تیسرے دن آپؐ نے جھنڈا ان کے حوالہ فرمایا اور عالم تقدیر کی بشارت پہلے سنا دی کہ خیبر کی فتح ان ہی کے ہاتھوں پر مقدر ہے۔ سبحان اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی کیسی جامع صفات تھی کہ جب ان کی تجلیات صحابہ میں نظر آتی ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا ان میں ہر شخص جدا جدا افضل و کمال کا مالک ہے۔ ان کے لعاب دہن پر ماں باپ قربان جس کی معجزانہ تاثیر سے حضرت علیؓ آن کی آن میں شفایاب ہو گئے۔

آنحضور ﷺ کے لئے شجر و حجر اور بہائم کا مسخر و مطیع ہونا

پہاڑ کا ساکت ہونا

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے اور اس وقت آپؐ کے ساتھ ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمان رضی اللہ عنہ تھے تو پہاڑ ہلنے لگا۔ آپؐ نے اس پر پیر مار کر فرمایا ٹھہر جا، تیرے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہی تو ہیں۔۔

اونٹوں کی تابعداری

حضرت عبداللہ بن قرطؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن یوم النحر (قربانی کا دن دسویں ذی الحجہ) ہے اس کے بعد یوم القر (۱۱ ذی الحجہ) یعنی دوسرے دن کا درجہ ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانچ یا چھ اونٹ لائے گئے تو وہ سب کے سب حضورؐ کی طرف جھوم جھوم کر بڑھنے لگے۔ کہ جس سے چاہیں ابتداء فرمائیں تو جب ان کے پہلو زمین سے لگ گئے تو راوی کہتے ہیں کہ حضورؐ نے کوئی کلمہ آہستہ سے فرمایا جسے میں سمجھ نہیں سکا تو میں نے کہا کہ حضورؐ نے کیا فرمایا تھا تو کہا جو شخص چاہے لے لے (ابوداؤد)

فائدہ

اسی حدیث کا شاید صحیح نقشہ وہ ہو جو کسی شاعر نے کہا ہے

ہمہ آہوان صحراء سر خود نہادہ بر کف   بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

سبحان اللہ جانوروں کی یہ جاں نثاری ہو اور انسانوں میں یہ خصلت ہو سخت افسوس ہی افسوس ہے۔ یہاں معجزات کے منکر تاویل سوچیں کہ یہ نوخرید کردہ جانور کس مادی قانون سے اپنی اپنی جانوں کے قربان کرنے میں پیش قدمی کر رہے تھے؟ اگر دیکھا جائے تو ایک مومن کے لئے تو آپ کی ہر ہر ادا معجزہ ہی معجزہ ہے۔ مگر ایک منکر کے لئے کیا فائدہ؟ وہ ان کے اسانید ہی پر مطمئن نہیں ہوتا حالانکہ اپنی زندگی کے کسی عملی شعبہ میں وہ ان شقوں اور احتمالات کے نکالے بغیر غرق جدو جہد نظر آتا ہے۔ لیکن آپ کے معجزات میں وہ سو طرح کے حیلے تراشتا ہے اور آخر انکار کے بغیر چین نہیں آتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سرکش اونٹ کا جھک کر حاضر ہونا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر سے مدینہ واپس ہوئے یہاں تک کہ جب قبیلہ بنی نجار کے باغوں میں سے ایک باغ کے پاس پہنچے تو اس میں ایک اونٹ تھا جو شخص بھی اس باغ میں گھستا وہ اس پر حملہ آور ہوتا۔ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کی گئی۔ آپ باغ کے پاس تشریف لائے اور اونٹ کو آواز دی وہ اپنا ہونٹ زمین پر لٹکائے ہوئے آیا اور آپؐ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی مہار لاؤ۔ آپؐ نے مہار لے کر اس کی ناک میں ڈال دی اور اونٹ کو مالک کے حوالے کر دیا۔ پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا زمین و آسمان میں ایسا کوئی نہیں جس کو اس کا یقین نہ ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوائے کافر جنات اور کافر انسانوں کے (امام احمد والدارمی)

درختوں کا اپنی جگہ سے ہٹ آنا

حضرت جابرؓ روایت فرماتے ہیں کہ ہم ذات الرقاع (مقام کا یا غزوہ کا نام ہے) میں غزوہ کے ارادہ سے نکلے اور ایسا ہوا کہ جب (مقام) حرہ واقم میں پہنچے تو سامنے سے ایک دیہاتی عورت اپنا بچہ لئے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور

بولی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میرا لڑکا ہے۔ شیطان نے اس کا ایسا پیچھا کیا ہے کہ مجھے تنگ کر دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اچھا اس بچہ کو ذرا میرے قریب لاؤ وہ قریب لے کر آ گئی آپؐ نے فرمایا۔ اس کا منہ کھول۔ اس نے بچہ کا منہ کھول دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال کر یہ الفاظ فرمائے۔ ''او اللہ کے دشمن تجھ پر پھٹکار۔ دفع ہو جا''۔ اور میں ہی اللہ کا رسول ہوں تین بار یہی کلمات فرما کر کہا لے اب اپنے بچہ کو لے جا۔ اب یہ بالکل اچھا ہو گیا اور آئندہ یہ تکلیف اس کو نہ ہو گی۔ اس کے بعد راوی حدیث نے دو درختوں کا واقعہ بیان کیا وہ کہتا ہے کہ پھر ہم چلے اور ایک جنگل بیابان میں پہنچے۔ جس میں کہیں کوئی درخت نہ تھا۔ آپؐ نے جابرؓ سے فرمایا جابر! جاؤ اور قضائے حاجت کے لئے کوئی مناسب جگہ جا کر دیکھو میں دیکھنے چلا مگر مجھے کہیں کوئی پردہ کی جگہ نہ ملی صرف دو درخت نظر آئے جو علیحدہ علیحدہ تھے اگر وہ ایک جگہ ہو جائیں تو آپؐ کے لئے پردہ بن سکتے تھے۔ میں واپس ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ مجھے تو علیحدہ علیحدہ صرف دو درخت ہی ایسے نظر پڑے ہیں اگر وہ ایک جگہ ہوتے تو آپ کے لئے پردہ بن سکتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ اور ان سے جا کر کہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم دونوں مل جاؤ۔ یہ بیان کرتے ہیں۔ میں گیا اور آپ کا حکم میں نے ان کو سنا دیا وہ فوراً ایک دوسرے سے مل گئے اور ایسے مل گئے گویا وہ دونوں ایک ہی جڑ میں لگے ہوئے درخت ہیں۔ میں واپس ہوا اور آپ سے صورتحال بیان کی۔ آپ تشریف لائے اور جب اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو مجھ سے فرمایا ان سے جا کر کہہ دو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ جاؤ پھر اپنی اپنی جگہ چلے جاؤ اور جیسے پہلے تھے اسی طرح علیحدہ علیحدہ ہو جاؤ۔ چنانچہ میں گیا اور میں نے جا کر ان سے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب تمہیں یہ حکم فرمایا ہے کہ پھر جا کر اسی طرح علیحدہ علیحدہ ہو جاؤ جیسے پہلے تھے۔ چنانچہ حسب الحکم وہ اسی طرح واپس ہو گئے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اس کے بعد ہم بنو محارب کی ایک وادی میں پہنچے تو یہاں بنو محارب کا ایک شخص جس کا نام غورث بن الحارث تھا۔ سامنے سے آیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تلوار گلے میں لٹکائے ہوئے

تھے وہ بولا یا محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) ذرا اپنی یہ تلوار مجھے دینا۔ آپؐ نے وہ تلوار میان سے نکال کر اس کے حوالہ کر دی وہ کچھ دیر تو آپ کو دیکھتا رہا اس کے بعد بولا یا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بولو اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر اس کے ہاتھ میں رعشہ پڑ گیا۔ یہاں تک کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اٹھا کر فرمایا اے غورث اب تم بتاؤ میرے ہاتھ سے تم کو کون بچائے گا؟ وہ بولا کوئی نہیں۔ (اس کے بعد اس کا قصہ یہاں مذکور نہیں ہے)۔ راوی بیان کرتا ہے کہ پھر ایسا ہوا کہ جب ہم واپس ہوئے تو ایک صحابی ایک پرندہ کا گھونسلہ اس کے بچوں سمیت اٹھا کر لے آئے۔ ان کے ماں باپ بھی (اڑتے ہوئے) پیچھے پیچھے آ گئے۔ اور اس صحابی کے ہاتھ پر گرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کے پاس وہ گھونسلہ تھا۔ اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ان بچوں کے ساتھ ان کے ماں باپ کی محبت دیکھ کر کیا تم تعجب کرتے ہو؟ ایک روایت میں اس جگہ یہ زیادتی اور ہے کہ آپؐ نے فرمایا تمہارا پروردگار تم پر ان بچوں پر ان کے ماں باپ سے کہیں زیادہ مہربان ہے۔ اس کے بعد جب ہم پھر مقام حرۂ واقم پر واپس ہوئے تو وہی عورت جو پہلے اپنا (آسیب زدہ) بچہ لے کر آئی تھی اس مرتبہ تازہ کھجوریں اور بکری کے دودھ کا ہدیہ لے کر آئی اور آپؐ کے سامنے پیش کیا۔ آپؐ نے پوچھا بولو تمہارا بچہ کیسا ہے اس کو وہ شکایت جو پہلے ہوا کرتی تھی پھر تو نہیں ہوئی؟ وہ بولی اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا ہے۔ وہ شکایت تو اس کو پھر کبھی نہیں ہوئی۔ آپؐ نے اس کا ہدیہ قبول فرمالیا۔ اس کے بعد جب ہم اس سنگستان کے نشیب میں اترے تو ایک اونٹ دوڑتا ہوا آیا۔ آپؐ نے فرمایا جانتے ہو اس اونٹ نے کیا کہا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کی اس کو تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانیں۔ آپؐ نے فرمایا میرے پاس یہ اونٹ اپنے مالک کی زیادتی کی شکایت لے کر آیا تھا۔ یہ کہتا تھا کہ اس کا مالک سالہا سال تو اس سے کھیتی کا کام لیتا رہا یہاں تک کہ جب اس کو خارشتی بنا دیا اور دبلا کر ڈالا اور جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اب اس کو ذبح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ جابر! جاؤ اس کو ساتھ لے کر اس کے مالک کے پاس جاؤ اور اس کو میرے پاس لے آؤ۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں اس کے

مالک کونہیں پہچانتا۔ آپؐ نے فرمایا یہ اونٹ ہی تم کو بتادے گا۔ یہ کہتے ہیں وہ تیز تیز میرے آگے آگے چلنے لگا یہاں تک کہ بنو خطمہ کی ایک مجلس میں لاکر مجھ کو کھڑا کر دیا۔ میں نے پوچھا اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ لوگوں نے کہا فلاں آدمی ہے میں اس کے پاس آیا اور میں نے کہا چلو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں وہ میرے ساتھ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا تیرا اونٹ تیری زیادتی کی شکایت کرتا ہے کہتا ہے کہ مدتوں تو نے اس سے کھیتی کا کام لیا اور جب اس کو خارشتی بنادیا اور دبلا کر ڈالا تو اب تو اس کے ذبح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا واقعہ تو اسی طرح سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا اچھا کیا تو اس کو میرے ہاتھ فروخت کرے گا؟ وہ بولا یا رسول اللہؐ جی ہاں۔ چنانچہ آپؐ نے اس کو خرید لیا اور درختوں میں اس کو آزاد چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس کا کوہان (فربہی کی وجہ سے) ابھر آیا۔ اس کے بعد پھر جب کبھی کسی مہاجر یا انصاری کا اونٹ بیمار پڑتا تو آپ وہی اونٹ اس کو دیدیا کرتے۔ یہ اونٹ اسی طرح بہت دنوں تک زندہ رہا۔

فائدہ

یہ روایت ہم نے اس لئے ذکر کی ہے کہ اس کے متفرق معجزات صحت کے ساتھ متفرق طور پر صحیح حدیثوں میں علیحدہ علیحدہ مذکور ہیں۔ یہاں سب ایک سلسلہ میں دہرا دیئے گئے ہیں۔ یہ تمام ایک سے ایک عجیب معجزہ ہیں مگر اس کو کیا کیجئے کہ اس کے اجزاء الگ الگ صحیح طریقوں سے ثابت ہیں۔ اس لئے ان کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارۂ کار بھی نہیں۔ ہم نے یہ بات پہلے کئی بار تنبیہاً بیان کی ہے کہ کوئی معجزہ ایسا کم ہوگا جس کی پشت پر اسی جنس کا دوسرا قوی تر معجزہ موجود نہ ہو یا وہی دوسری قوی سند ثابت نہ ہو۔ اب کسی ضعیف سند کو لے کر اسی کو اپنے سامنے رکھ لینا یہ طریق انصاف نہیں۔

گھوڑے کی رفتار کا تیز ہو جانا

حضرت انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک بار مدینہ میں (دشمن کے آمد کی) خوفناک افواہ اڑی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوطلحہ کا گھوڑا عاریۃً لے کر (تحقیق حال کے لئے خود تشریف لے گئے)

یہ گھوڑا اٹھا تھا جب آپ واپس ہوئے تو فرمایا (اطمینان رکھو کوئی بات نہیں ہے) اور اس کو تو ہم نے دریا کی طرح تیز رو پایا۔ اس کے بعد سے دوڑ میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ (متفق علیہ)

درختوں کا حضورؐ کے ساتھ چلنا

حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چلے یہاں تک کہ ایک چٹیل وادی میں اترے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کو چلے تو میں بھی ایک لوٹے میں پانی لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلا تو حضورؐ نے ادھر ادھر نظر ڈالی تو کوئی ایسی جگہ نہ ملی۔ جس سے آپؐ پردہ کر سکتے دیکھا تو وادی کے کنارے دو درخت نظر آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک کے پاس پہنچے اور اس کی دو ٹہنیاں پکڑ کر فرمایا۔ اللہ کے حکم سے میرے کہنے پر چل اور میرا حکم مان۔ وہ درخت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پا کر آپؐ کے ہمراہ اس طرح چلا آیا جیسے کوئی اونٹ اپنی نکیل کھینچنے والے کے ساتھ ساتھ چلتا ہو۔ اس کے بعد دوسرے درخت کے پاس پہنچے اور اس کی ایک ٹہنی پکڑ کر یہی فرمایا۔ اللہ کے حکم سے میرے کہنے پر چلا آ۔ وہ آپ کے حکم کو مان کر اسی طرح چلا آیا۔ جب آپؐ نے ان دونوں کے بیچ میں آ کر دونوں کو ملایا اور فرمایا تم دونوں اللہ کے حکم سے پاس پاس جڑ جاؤ تو وہ دونوں آپؐ کے آس پاس جڑ گئے تو میں وہاں سے تیزی سے کھسک گیا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا قریب ہونا محسوس نہ فرمالیں تو میں دور چلا گیا اور میں بیٹھ کر دل سے باتیں کرنے لگا۔ بس میں تھوڑی ہی دیر ذرا غافل ہوا ہوں گا کیا دیکھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے تشریف لا رہے ہیں اور وہ دونوں درخت الگ الگ ہو کر اپنے اپنے تنہ پر پہلے کی طرح کھڑے ہیں۔ (مسلم)

فائدہ

غیب کو غیب قائم رکھنے کے لئے قدرت کبھی کبھی اسی طرح کی باتیں کھڑی کر دیتی ہے تاکہ وہ عالم شہادت کی طرح کھل نہ جائے اس لئے ضروری تھا کہ یہاں چھپ کر راوی واقعہ نے جو کچھ دیکھا تھا اس پر بھی آخر کار بات مبہم رہ جائے اس لئے بالآخر وہ درختوں کی

علیحدگی نہ دیکھ سکا۔ قدرت نے درختوں کی فرمانبرداری دکھلا کر شان نبوت بھی کیا خوب عیاں دکھلا دی۔ لیکن جو اس کے علاوہ غیبی بات تھی اس کو عجیب انداز میں مخفی بھی فرمادیا۔ وہ جانتا تھا کہ جو شان اس کو نظر آئی وہ شان نبوت تھی اور جو شان الٰہی تھی وہ فہیم انسان کے ایمان کے لئے پہلے ہی کافی مشاہدہ میں آ چکی تھی۔

اب بے پردہ ہو کر قدرت کو اپنا کرشمہ دکھانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہاں پہلی روایت میں جو واقعہ مذکور ہے اس میں درختوں کی واپسی کا مشاہدہ بھی موجود ہے اب دل چاہے تو آپ اس کو مستقل اسی جنس کا علیحدہ واقعہ تسلیم کریں یا ترجیح کے ٹھہرائیں لیکن مسلم شریف کا یہ واقعہ بہرکیف تسلیم ہی کرنا پڑے گا تھوڑا بہت فرق تو روایات احکام میں بھی ملتا ہے اور اپنے ضوابط کے ماتحت وہ بھی طے ہو کر قابل انکار نہیں ہوتا۔

خدمت اقدس میں اونٹ کی شکایت کرنا

حضرت یعلیٰ بن مرہ ثقفیؓ کہتے ہیں ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین عجیب باتیں دیکھیں۔ ایک دفعہ تو ہم سب آپؐ کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے ایک اونٹ کے پاس سے گزر ہوا جس سے کھیتی کو پانی دیا جاتا تھا۔ تو اونٹ نے جب آپ کو دیکھا تو بلبلایا اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس کھڑے ہو گئے اور پوچھا کہ اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟ وہ آیا تو آپؐ نے فرمایا تم اسے میرے ہاتھ بیچ دو اس نے عرض کیا جی نہیں بلکہ میں اسے آپ کو ہدیۃً پیش کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تم اسے میرے ہاتھ بیچ دو۔ اس نے وہی کہا نہیں بلکہ میں اسے آپ کو ہدیۃً پیش کرتا ہوں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ وہ اونٹ ایسے گھرانہ کا ہے جن کے پاس روزی کا سہارا اس کے سوا کچھ اور ہے نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا جب تم نے اس کا حال بتا دیا تو سنو یہ اونٹ مجھ سے شکایت کر رہا تھا کہ مجھ سے کام بہت لیا جاتا ہے اور چارہ کم دیا جاتا ہے تو دیکھو اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا کرو۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے اس کے ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ (احمد)

درخت کا حاضر ہو کر سایہ کرنا

اور شرح السنہ میں ہے کہ پھر ہم چلے یہاں تک کہ ایک پڑاؤ پر اترے اور وہاں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم سو گئے تو ایک درخت زمین چیرتا ہوا وہاں تک آیا اور اس نے آپ کو ڈھانک کر آپ پر سایہ کر لیا پھر کچھ دیر بعد اپنی جگہ پر واپس چلا گیا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو میں نے آپ سے یہ حال بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا ہاں یہ وہ درخت ہے، جس نے اپنے پروردگار سے اجازت مانگی تھی کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دیدی تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم لوگ وہاں سے چلے اور ایک تالاب پر پہنچے تو ایک عورت آپؐ کے پاس اپنا ایک لڑکا لے کر آئی جس کا دماغ خراب ہو گیا تھا۔ (یا جس پر آسیب کا اثر تھا) تو حضورؐ نے اس کی ناک پکڑی اور فرمایا نکل دور ہو جا۔ سن میں اللہ کا رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ پھر ہم آگے چلے جب لوٹنے لگے تو اسی تالاب پر پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے اس کے لڑکے کے متعلق دریافت فرمایا تو اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو دین حق دے کر بھیجا ہم نے آپ کے جانے کے بعد کچھ اثر اس پر نہیں دیکھا۔ (مشکوۃ)

چڑیا کا حاضر ہو کر فریاد کرنا

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے ایک آدمی ایک جھاڑی میں گھسا اور وہاں سے چڑیا کا انڈا اٹھا لایا تو وہ چڑیا بھی پھڑ پھڑاتی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے سروں پر آ کر منڈلانے لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کس نے اسے ستایا ہے؟ مجمع میں سے ایک شخص بولا میں اس کا انڈا لے آیا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں اس پر ترس کھا کر وہ انڈا واپس رکھ آؤ۔ (ابوداؤد طیالسی)

اونٹ کی فریاد

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور چپکے سے ایک بات مجھ سے کہی جو کسی شخص پر میں ظاہر نہیں کروں گا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ رفع حاجت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پردہ کی جگہ پسند تھی۔ وہ باغ ہوں یا کھجور کے درخت ہوں۔ چنانچہ آپ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ دفعۃً ایک اونٹ آپ کے سامنے آیا جب اس نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو ایک آواز نکالی اور اس کی دونوں آنکھوں سے پانی جاری ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور آپؐ نے اس کے سر اور کنپٹی پر دست مبارک پھیرا وہ خاموش ہوگیا اس کے بعد آپؐ نے فرمایا یہ اونٹ کس کا ہے؟ ایک انصاری نوجوان آگے آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس جانور پر جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ملکیت میں دے رکھا ہے تم کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں آتا۔ اس اونٹ نے اس بات کی مجھ سے شکایت کی ہے کہ تو اس کو بھوکا رکھتا ہے اور اس کو مار مار کر گھلائے دیتا ہے۔ (مسلم شریف)

فائدہ

اس حدیث میں جانور سے کلام کرنے کے معجزہ کے سوا ایک بڑی موعظت و عبرت یہ سکھائی گئی ہے کہ جانور اللہ تعالیٰ نے ہی ہمارے لئے مسخر فرمائے ان کا بھی ہم پر حق ہے جس کو پہچاننا ضروری ہے پھر انسانوں کو باہم حق شناسی کی اہمیت کیا ہوسکتی ہے۔ یہ بات تو بہت مختصر ہے لیکن اس کا ملحوظ رکھنا مشکل ہے اور اسی حق شناسی پر نظام عالم موقوف ہے اور جتنی اس میں حق ناشناسی پیدا ہوتی چلی جائے اتنا ہی نظام عالم درہم برہم ہوتا چلا جائے گا۔

خچر کا جھکنا

شیبہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا۔ عباس! کچھ کنکریاں اٹھا کر مجھ کو دینا۔ فوراً آپ کی خچری اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیچی ہو کر اتنی جھک گئی کہ اس کا پیٹ زمین سے لگنے کے قریب ہوگیا۔ آپؐ نے تھوڑی سی کنکریاں اٹھا لیں اور دشمن کی جانب ان کو پھینکا اور فرمایا شاھت الوجوہ الخ (بغوی بیہقی)

ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے خچری سے کہا نیچی ہو جا تو اس نے اپنا پیٹ زمین پر رکھ دیا۔ تو آپؐ نے ایک مٹھی لی اور اسے قبیلۂ ہوازن کے منہ پر پھینک مارا۔ (عمدۃ القاری)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب جنگ حنین میں مسلمان شکست کھا گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس گلابی رنگ کے خچر پر سوار تھے جسے دلدل کہتے ہیں تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا اے دلدل جھک جاتو اس نے اپنا پیٹ زمین سے لگا دیا اتنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھالی اور اسے دشمن کے منہ پر پھینک مارا اور فرمایا۔ حم لا ینصرون راوی کہتے ہیں کہ پھر تو وہ جماعت بھاگ کھڑی ہوئی۔ حالانکہ نہ ہم نے ان پر کوئی تیر چلایا نہ ان کو نیزہ مارا اور نہ ہی تلوار کا کوئی وار کیا اور اسی روایت میں عثمان کے بیٹے شیبہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین میں اپنے چچا عباسؓ سے فرمایا کہ تم مجھے ذرا کنکریاں تھوڑی سی اٹھادو تو اللہ تعالیٰ نے اس خچر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گفتگو سمجھادی تو وہ خچر خود ہی اتنا جھک گیا کہ اس کا پیٹ زمین سے لگنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی کچھ کنکریاں اٹھالیں اور کفار کے منہ پر پھینک ماریں اور شاھت الوجوہ فرمایا (طبرانی ونیز حیوٰۃ الحیوان در مادہ ب غ ل)

اشارہ سے بتوں کا گرنا

حضرت عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اس وقت بیت اللہ شریف کے اردگرد ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپؐ اپنے ہاتھ کی لکڑی سے ان کی طرف اشارہ کرتے اور یہ فرماتے جاتے تھے۔ جاء الحق وزھق الباطل الخ فاکہی کی روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ آپ کی لکڑی بت کو لگتی بھی نہ تھی اور وہ خود بخود فوراً نیچے آ پڑتا تھا۔

فائدہ

یہ واقعہ جتنا صحیح بخاری میں آیا ہے اگرچہ صرف اس کے الفاظ سے اس میں کوئی اعجاز نظر نہ آئے لیکن فاکہی کی روایت پر نظر ڈالنے سے وہ کھلا ہوا معجزہ ثابت ہوتا ہے۔ پھر اس زیادتی کے صحیح کہنے والے ابن حبان ہیں جن کی تصحیح معترضین کی نظروں میں ہلکی سمجھی گئی ہے لیکن افسوس ہے کہ جب بڑے بڑے محدثین اس قسم کی زیادتیوں کی بنا پر کسی واقعہ کو معجزات کی فہرست میں شمار کرتے ہیں تو بے وجہ ان پر ملامت شروع کردی جاتی ہے اور جب خود اس کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ تو اس پر ذرا نظر نہیں کی جاتی۔ اس قسم کے واقعات سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ محدثین اگر کسی واقعہ کو معجزہ کہتے ہیں تو ضرور کسی بنیاد ہی پر کہتے ہیں۔ یہاں تحقیق کے بغیر ان کو ملامت شروع کردینا سخت ناانصافی اور ظلم ہے۔

چٹان کا ریزہ ریزہ

جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں ہم خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت پتھر کی چٹان نکل آئی (جس کو ہم نہ توڑ سکے) لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی دیکھئے۔ یہ ایک سخت چٹان نکل آئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تو میں خود اترتا ہوں یہ کہہ کر آپ کھڑے ہو گئے اور اس وقت آپ ﷺ کے پیٹ سے پتھر بندھا ہوا تھا۔ (صحابہؓ کہتے ہیں) ہم لوگوں کو کوئی چیز چکھے ہوئے بھی تین دن گزر چکے تھے۔ آپ ﷺ نے پہنچ کر کدال اپنے دست مبارک میں لیا اور ایک ضرب لگائی تو چٹان ریت کی طرح ریزہ ریزہ ہو گئی۔ (بخاری شریف)

فائدہ

تعجب ہے کہ ایک ایک معجزہ پر عقل کی ترازو لگانے والوں نے اس واقعہ کو کسی چوں و چرا کے بغیر معجزہ کیسے تسلیم کر لیا ہے۔ یہاں بھی یہ کہنا ممکن نہ تھا کہ صحابہؓ کی ضربوں سے چٹان کمزور پڑ چکی ہو پھر آپ کی ضرب سے وہ ٹوٹ گئی ہو اور کثیب ھیل کہنا صرف ایک عرفی مبالغہ ہو مگر صحابہ کے مزاج شناس اور حدیثوں پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس واقعہ کی پوری سرگذشت از اول تا آخر خارق عادت تھی۔ یہاں احتمال کے گھوڑے دوڑانا صرف ایک وہمی شخص کا کام ہو سکتا ہے۔ اب اس کے ساتھ آپ آئندہ واقعہ کی پوری تفصیل ملا کر یہ اندازہ کر لیجئے کہ آپ ﷺ کے معجزانہ افعال کو کوشش کر کے عام واقعات میں شامل کرتے رہنا کتنا بڑا ظلم ہے۔

چٹان سے روشنی کا نکلنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو خندق کھودنے والوں کے سامنے ایک سخت چٹان نکل آئی جس کو وہ توڑ نہ سکے یہ سن کر آپ تشریف لے گئے اور کدال خود ہاتھ میں لی اور اپنی چادر خندق کے کنارے پر رکھ کر ایک ضرب لگائی اور یہ کلمات زبان پر لائے۔ وتمت کلمة ربک صدقا وعدلا

آپ ﷺ کا ضرب لگانا تھا کہ چٹان کا ایک تہائی پتھر ٹوٹ کر اڑ گیا اس وقت سلمان فارسیؓ وہاں کھڑے دیکھ رہے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرب کے ساتھ بجلی

کی سی ایک چمک نظر آئی جو انہوں نے آنکھوں سے دیکھی اس کے بعد پھر دوسری ضرب لگائی اور پھر وہی کلمات پڑھے تو تہائی چٹان اور ٹوٹ گئی اور آپ کی ضرب کے ساتھ پھر ایک چمک پیدا ہوئی جس کو سلمان فارسیؓ نے آنکھوں سے دیکھا۔ تیسری بار وہی کلمات پڑھ کر آپؐ نے پھر ضرب لگائی تو اس کا بقیہ ٹکڑا ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد آپ اپنی چادر لے کر خندق سے باہر تشریف لے آئے اور بیٹھ گئے۔ سلمانؓ نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے دیکھا تھا جب آپؐ پتھر پر ضرب لگاتے تھے تو بجلی کی سی ایک چمک نکلتی تھی۔ آپؐ نے فرمایا۔ سلمانؓ کیا تم نے یہ دیکھا تھا؟ انہوں نے عرض کی جی ہاں اس خدا ئے پاک کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا جب میں نے پہلی ضرب لگائی تھی تو میرے سامنے کسریٰ کی سلطنت اور اس کے اردگرد کی سب بستیاں کر دی گئی تھیں یہاں تک کہ میں نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حاضرین نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان ملکوں کے فتح کرنے والے کون لوگ ہوں گے؟ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہمارے سامنے فتح کرا دے اور ان کی بستیاں ہمارا مال غنیمت بنا دے اور ہمارے ہاتھوں سے ان کو تباہ و برباد کرا دے۔ آپؐ نے اس بات کے لئے دعا فرما دی۔ پھر جب میں نے دوسری بار ضرب لگائی تھی تو قیصر کی سلطنت اور اس کے اردگرد کے شہر سامنے کئے گئے یہاں تک کہ ان کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہمارے سامنے فتح کرا دے اور ہماری غنیمت بنا دے اور ہمارے ہاتھوں سے ان کو برباد کرا دے۔ آپؐ نے اس کے لئے بھی دعا فرما دی پھر میں نے تیسری بار ضرب لگائی تو حبشہ کی سلطنت میرے سامنے کی گئی اور جو اس کے اردگرد کی بستیاں تھیں یہاں تک کہ میں نے ان کو بھی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ جب تک اہل حبشہ تم سے کچھ نہ کہیں تم بھی ان سے کچھ نہ کہنا اور اسی طرح جب تک ترک خاموش رہیں تم بھی خاموش رہنا۔ (نسائی شریف)

فائدہ

معجزات کو پھیکا کرنے والے شاید یہاں بھی یہ لکھ دیں کہ پتھر کے اوپر لوہے کی ضرب

سے چمک پیدا ہو جانا روزمرہ کا معمولی واقعہ ہے اس میں اعجاز کیا ہے لیکن سلمان فارسیؓ کی آنکھوں سے پوچھو جنہوں نے نہ معلوم کتنی بار خندقیں دیکھی ہوں گی اور پتھروں سے چنگاریاں بھی نکلتی دیکھی ہوں گی کہ وہ اس چمک کو دیکھ کر متحیر ہوتے رہے۔ آخر کار اس عجیب چمک کا راز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر رہ نہ سکے اور جب آپؐ نے وہ تفصیلات جو سلمانؓ کے خواب وخیال میں نہ تھیں بتائیں تو یہ واضح ہوگیا کہ آپؐ کی ایک ایک ضرب میں مادی دنیا کے کتنے بڑے بڑے انقلابات پنہاں تھے۔ اگر سلمانؓ یہاں یہ سوال نہ کر لیتے تو معجزہ کے شوقین بھی شاید اس کو ایک ہی معجزہ سمجھتے لیکن اب معلوم ہوا کہ آپؐ کی ضرب میں صرف ایک چٹان کے تودہ خاک بن جانے کا معجزہ نہ تھا بلکہ قیاس وگمان سے بالاتر واقعات کو عظیم الشان پیشگوئی کے علاوہ ان کو آنکھوں سے دیکھ لینے کے معجزات بھی شامل تھے۔ سبحان اللہ نبی ورسول بھی ایک بشر ہی ہوتے ہیں لیکن قدرت ان کے ساتھ کبھی کبھی ایسے کرشمے بھی ظاہر فرماتی ہے جن میں سے ہر کرشمہ مادی دنیا کی شکست دینے کے واسطے کافی ہے اسی کا نام معجزہ ہے۔

حیرت ہے کہ معجزہ مادی طاقت کی شکست کا ثبوت ہوتا ہے اور معجزہ کی حقیقت سے ناآشنا اسے جرثقیل لگا کر مادہ ہی کی سرپرستی میں رکھنا چاہتے ہیں۔

حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرتِ کاملہ کی وہ نشانیاں جو آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر ظاہر ہوئیں

آناً فاناً بارش برسنا

انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں ایک شخص جمعہ کے دن اس دروازہ کی جانب سے داخل ہوا جو دار القضا کی جانب تھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے یہ شخص آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ قحط کی وجہ سے ہمارے مال سب تباہ و برباد ہو گئے اور (سواریاں ہلاک ہو جانے کی وجہ سے) سب راستے بند ہو گئے۔ آپؐ اللہ سے دعا فرما دیجئے کہ وہ بارش برسا دے یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا اے اللہ باران رحمت نازل فرما اے اللہ باران رحمت نازل فرما۔ انسؓ قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ ہم کو آسمان پر بادل کا کوئی ٹکڑا بھی نظر نہ آتا تھا اور آسمان آئینہ کی طرح صاف پڑا ہوا تھا اور ہمارےؓ اور سلع پہاڑ کے درمیان ایک گھر بھی نہ تھا۔ بس ایک کھلا میدان تھا (ایسی حالت میں آپ نے دعا فرمائی) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے ابھی آپؐ نے دعا فرما کر اپنے ہاتھ نیچے کئے بھی نہ تھے کہ پہاڑوں کے برابر بادل اٹھے اور ابھی آپ منبر سے اترنے بھی نہ پائے تھے کہ بارش برسنا شروع ہو گئی یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ آپ کی ریش مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے

کہ آپ کی پشت کی جانب سے ایک چھوٹا سا بادل کا ٹکڑا اٹھا جو شروع میں ڈھال کی طرح نظر آ رہا تھا۔ پھر جب آسمان کے درمیان پہنچا تو چاروں طرف پھیل گیا پھر برسا اور ایسا برسا کہ بخدا ایک ہفتہ تک ہم نے آفتاب کی شکل نہیں دیکھی۔ راوی کہتا ہے کہ آئندہ جمعہ میں پھر وہی شخص اسی دروازہ سے آیا اور آپ اس وقت کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے وہ آپؐ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور اس مرتبہ اس کی شکایت یہ تھی کہ یا رسول اللہؐ بارش کی کثرت کے مارے ہمارے مال سب تباہ و برباد ہو گئے اور (ندی نالے بھر جانے کی وجہ سے) آمد و رفت بند ہو گئی لہٰذا اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیجئے کہ اب تو وہ بارش بند کر دے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا فرمائی۔ اے اللہ اب بارش ہمارے اردگرد ہو اور ہماری بستی پر نہ ہو۔ اے اللہ اب بارش پہاڑیوں پر ٹیلوں پر وادیوں اور جنگلوں میں ہو۔ راوی بیان کرتا ہے کہ آپؐ اپنے دست مبارک سے جس جانب بھی اشارہ کرتے جاتے اسی جانب سے بادل پھٹتے جاتے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ بادل چاروں طرف سے پھٹ گئے اور مدینہ بیچ میں اس طرح نظر آنے لگا جیسے تاج ہوتا ہے اور وادی قناۃ ایک مہینے تک بہتی رہی اور جس جانب سے بھی کوئی شخص آتا وہ بارش کی ہی خبر لے کر آتا۔ (شیخین)

فائدہ

یہاں بھی بارش کا ہونا آپ کی بہت بڑی برکت کا ظہور تھا اور وہ بھی پانی ہی سے متعلق تھا۔ مگر اس قسم کے متعدد واقعات کی شان الگ تھی۔ اس لئے ہر برکت کے ظہور کی شان ہر جگہ علیحدہ ملحوظ رکھئے تاکہ دیگر مقامات پر آپ کو اس کے الگ واقعہ شمار کرنے میں دماغی تکلیف نہ ہو۔ بیشک جہاں واقعہ ایک ہو اس کا متعدد بنانا بھی لاحاصل ہے مگر جن مقاصد کے لئے امام بخاریؒ نے ایک واقعہ کو متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے آپ بھی اگر ان کو مستحضر رکھیں تو مضائقہ نہیں۔

مٹھی بھر مٹی سے تمام دشمنوں کا اندھا ہو جانا

حضرت سلمہ بن الاکوعؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین میں جنگ کی۔ جب دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھ گیا اور

ایک ٹیلہ پر چڑھا تو سامنے سے دشمنوں کا ایک آدمی آیا میں نے اس کے ایک تیر مارا تو وہ کہیں چھپ گیا اور میں نہ معلوم کر سکا کہ وہ کیا ہوا۔ جب میں نے اس جماعت کی طرف دیکھا تو نظر آیا کہ وہ دوسرے ٹیلے سے چڑھ رہے ہیں اور اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بھڑ گئے ہیں تو ان کی سخت تیراندازی کی وجہ سے آپؐ کے صحابہ تتر بتر ہو رہے تھے اور میں بھی بھاگتا ہوا پلٹ پڑا۔ میں ایک چادر کمر سے نیچے باندھے ہوئے اور ایک چادر اوپر اوڑھے ہوئے تھا۔ تو میری لنگی کھل گئی۔ میں نے اسے سمیٹ کر باندھا اور بھاگتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرا۔ سب پر تو شکست کے آثار تھے۔ لیکن آپؐ اپنے سرخ خچر پر بڑے مطمئن سوار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن اکوع کوئی خطرہ دیکھ کر گھبرایا ہوا آیا ہے جب دشمنوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا تو آپؐ اپنے خچر پر سے اتر گئے اور ایک مٹھی بھر مٹی لے کر دشمنوں کے چہروں کی طرف پھینک کر فرمایا شاھت الوجوہ (یہ چہرے خراب و برباد ہوں) پھر تو اللہ تعالیٰ نے ان میں کسی انسان کو جس کو اس نے پیدا فرمایا تھا ایسا نہ چھوڑا کہ جس کی دونوں آنکھوں میں اسی ایک مٹھی سے مٹی نہ بھر گئی ہو تو وہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست دی۔ (مسلم)

کنکریاں پھینکنے سے تلواریں کند ہو گئیں

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں جنگ حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ میں اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی لگے رہے۔ آپؐ سے الگ نہیں ہوئے اور آپ اپنے سفید خچر پر سوار تھے۔ جسے فروہ بن نقاشہ جذامی نے آپ کو ہدیہ بھیجا تھا۔ جب مسلمان اور کفار بھڑ گئے اور مسلمان سراسیمہ ہو کر ادھر ادھر ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا خچر کفار کی طرف بڑھائے چلے جا رہے تھے۔ عباسؓ کہتے ہیں کہ میں حضورؐ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھا اور اسے روک رہا تھا اس خیال سے کہ کہیں وہ تیز چل کر کفار کے جھرمٹ میں آپ کو نہ لے جائے اور ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب پکڑے ہوئے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عباسؓ! اصحاب سمرہ کو آواز دو خدا کی قسم جوں ہی انہوں نے میری آواز سنی تو اس طرح لبیک لبیک

کہتے ہوئے جلدی سے لوٹ پڑے ہیں جیسے گائے اپنے بچوں کی طرف پلٹ پڑتی ہے۔ عباسؓ کہتے ہیں کہ پھر مسلمان کفار سے جم کر لڑے۔ دوسرا اعلان انصار میں ہوا یامعشر الانصار کا نعرہ شروع ہوا۔ ہوتے ہوتے یہ نعرہ یابنی الحارث بن الخزرج پر ختم ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خچر پر سوار ادھر ادھر اپنی گردن بڑھا بڑھا کر لڑائی کی تیزی دیکھ کر فرمایا اب گھما گھمی کی جنگ ہو رہی ہے پھر آپؐ نے چند کنکریاں لیں اور کافروں کے چہروں پر پھینک ماریں۔ عباسؓ کہتے ہیں کہ رب کعبہ کی قسم پھر تو کفار بھاگ نکلے۔ کہتے ہیں کہ میں آگے بڑھا تھا کہ ذرا رنگ دیکھوں تو جنگ میری نظر میں اسی طرح جاری تھی مگر خدا کی قسم جوں ہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر وہ کنکریاں ماری ہیں تو میں دیکھنے لگا کہ ان کی تلوار کی دھاریں گوٹھل ہو گئیں اور جنگ کا رخ پلٹ گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دی اور اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے قصہ میں فرمایا تھا کہ **ومارمیت الخ** یعنی جب تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں بلکہ خدا نے پھینکی تھیں۔ (مسلم)

غزوۂ بدر میں کافروں کے منہ میں خاک

ایک جماعت سے جن میں عروہ، زہری، عاصم بن عمر وغیرہ شامل ہیں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ بدر میں عریش (سائباں) میں تھے۔ ان کے سوا کوئی تیسرا نہ تھا اور فوجیں آپس میں گتھ گئی تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار سے وہ نصرت عطا کرنے کی التجا کر رہے تھے جس کا اس نے وعدہ فرمایا تھا اور یہ فرما رہے تھے اے میرے اللہ اگر آپ اس تھوڑی سی جماعت کو ہلاک کر دیں گے تو پھر آپ کی پرستش نہ ہو سکے گی اور ابوبکرؓ یہ حال دیکھ کر فرما رہے تھے یا رسول اللہ بس کیجئے۔ آپؐ نے اپنے رب کے سامنے بہت التجا کر لی اب یقیناً اللہ تعالیٰ اس وعدہ کو جو انہوں نے آپؐ سے کیا ہے ضرور پورا فرمائیں گے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کچھ لگ سی گئی۔ آپ بیدار ہوئے تو فرمایا، ابوبکرؓ خوش ہو جاؤ تمہارے پاس اللہ کی امداد آ پہنچی۔ جبرئیلؑ ہیں جو اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے لا رہے ہیں اس کے دانتوں پر غبار پڑا ہوا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو جنگ کے موقع موقع سے کھڑا کیا اور ان کو سامان جنگ جو کچھ بھی تھا اس سے لیس کیا پھر فرمایا تم میں سے کوئی شخص لڑائی شروع کرنے میں اس وقت تک جلدی نہ کرے جب تک کہ

اس کو اس کی اجازت نہ ملے۔ ہاں جب دشمن تمہارے قریب آ جائیں تب تم ان کو تیروں پر رکھ لینا۔ پھر لوگ آپس میں گتھ گئے تو جب بعضے آدمی بعض کے بالکل قریب پہنچ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکریاں اٹھائیں پھر ان کو لے کر آپؐ نے قریش کی طرف منہ کیا اور ان کو ان کے منہ پر پھینک مارا اور فرمایا شاھت الوجوہ چہرے بگڑ جائیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مسلمانوں کی جماعت ان پر ٹوٹ پڑو تو مسلمانوں نے ان پر دھاوا بول دیا اور اللہ تعالیٰ نے قریش کو شکست دی اور ان کے معزز اور شرفاء میں سے جو قتل ہوئے وہ قتل ہوئے اور جو قید ہوئے وہ قید ہوئے۔ (ابن اسحاق) اور ابن ابی طلحہ والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں روایت کی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ مٹی کی ایک مٹھی لیجئے تب آپؐ نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی اور اس کو ان کے چہروں پر پھینک مارا تو مشرکین میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا جس کی آنکھوں میں نتھنوں میں اور منہ میں اس ایک مشت کی مٹی نہ پڑی ہو اس پر وہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگے۔

ابو جہل کا ناکام ہونا

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو جہل بولا کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا سر مٹی پر رگڑتے ہیں اور تم کھڑے دیکھا کرتے ہو (ملعون کا مطلب سجدہ کرنا تھا) لوگوں نے کہا ایسا تو ہوتا ہے اس پر وہ بولا لات اور عزیٰ کی قسم اگر میں نے اس کو ایسا کرتے دیکھ پایا تو میں اس کی گردن رگڑ دوں گا۔ (والعیاذ باللہ) اتفاق سے ایک بار آپ کو نماز پڑھتے اس نے بھی دیکھ لیا تو اپنے اسی بیہودہ ارادہ سے آگے بڑھا تو لوگوں نے کیا دیکھا کہ ناگہاں وہ پیروں کے بل اپنے پیچھے لوٹ رہا ہے اور اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے ہوئے سامنے کسی چیز سے بچ رہا ہے۔ اس سے پوچھا گیا یہ کیا ماجرا تھا وہ بولا میرے اور آپؐ کے درمیان ایک خندق نظر آتی ہے جس میں آگ اور طرح طرح کی خوفناک چیزیں تھیں اور کچھ مخلوق ایسی ہے جس کے بازو اور پر ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اگر وہ میرے ذرا قریب آتا فرشتے اس کو اچک کر لے جاتے اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے۔ (مسلم شریف)

بچھو کے کاٹے ہوئے کا فوراً تندرست ہونا

حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی ایک جماعت ایک سفر

میں چلی تو عرب کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ میں جا کر اترے اور صحابہؓ نے ان سے ضیافت چاہی اور کچھ کھانے کو مانگا تو انہوں نے ضیافت سے انکار کر دیا۔ اتفاق سے اس قبیلے کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا تو لوگوں نے ہر قسم کی دوڑ دھوپ کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ تو ان میں سے کسی نے کہا کاش تم اسی جماعت کے پاس چلے جاتے ہو یہاں آ کر اترے ہوئے ہیں شاید ان میں سے کسی کے پاس کوئی چیز کام کی ہو۔ تو وہ لوگ ان صحابہؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے لوگو! ہمارے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا ہے اور ہم نے بہت دوڑ دھوپ کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا تو کیا آپ لوگوں میں سے کسی کے پاس کوئی جھاڑ پھونک ہے؟ ایک نے کہاں ہاں بخدا میں جھاڑ پھونک کرتا ہوں لیکن جب ہم نے تم سے کھانا مانگا تھا تب تو تم نے ہمیں کچھ کھان یکو دیا نہیں تو اب خدا کی قسم میں بھی اب دم نہ کروں گا جب تک تم لوگ ہم کو کچھ معاوضہ نہ دو گے ان لوگوں نے صحابہؓ سے بکریوں کی ایک ٹکڑی پر صلح کر لی تو وہ صحابی گئے اور مریض پر تھتکارنے لگے اور سورۂ الحمدللہ رب العالمین پڑھ کر پھونکنے لگے پھر تو وہ ایسا چنگا ہو گیا جیسے جانور کی پچھاڑی کھول دی جائے (وہ اچھی طرح چلنے پھرنے لگا) اسے کوئی تکلیف نہ رہی۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے صحابہ کو جو معاوضہ طے ہوا تھا پورا پورا دیدیا۔ صحابہؓ نے کہا کہ آؤ یہ بکریاں آپس میں بانٹ لیں مگر جھاڑنے والے نے کہا نہیں ایسا نہ کرنا۔ پہلے ہم حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ سارا واقعہ جو گزرا ہے بیان کر لیں پھر یہ معلوم کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں۔ وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تم کیسے سمجھے کہ یہ سورت ایک منتر کا کام بھی دیتی ہے۔ پھر فرمایا تم لوگوں نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔ لے جاؤ اور ان کو آپس میں بانٹ لو اور دیکھو اپنے ساتھ میرا بھی اس میں سے حصہ لگانا۔ یہ کہہ کر آپ ہنس دیئے صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بخاری شریف)

فائدہ

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات عملی طور پر بھی ہوتی ہیں آپ نے ان کی کے دل کا شک ختم کرنے کیلئے یہ حکم فرمایا کہ میرا حصہ بھی لگاؤ تا کہ وہ اس کی حلت میں کوئی تردد نہ کریں۔ اس

قسم کے متعدد واقعات حدیثوں میں نظر پڑتے ہیں جن میں خود آپ نے اپنا حصہ بھی مقرر فرمایا یا اس میں سے کچھ تناول فرمایا ہے۔ یہاں اس عہد میمون کی یہ نزاہت قابل یادداشت ہے کہ قرآن کریم پر اجرت لینے کا سوال ہی ان کے سامنے نہ تھا۔ جب ان کی بداخلاقی پر یہ صورت سامنے آ گئی تو اب اس کی حلت کو اتنی اہمیت دی گئی کہ معاملہ آپ کی عدالت تک جا پہنچا۔ یہ واضح رہے کہ کسی دم پر اجرت لینا الگ بات ہے اور تعلیم پر اجرت لینا بالکل الگ بات ہے۔ ہمارے زمانے میں اب بڑے عالم ہونے کا معیار ہی یہ قائم ہو گیا ہے کہ اس کی تنخواہ سب سے ڈبل ہو۔ افسوس صد افسوس۔ والد مرحوم نے کیا خوب فرمایا۔

کبھی قطرہ میں گردش تھی اور اب صحراء میں تنگی ہے
مجھے حیرت ہے ہستی پر کہ کل کیا تھی اور اب کیا ہے

میں نے یہ سطور فتویٰ دینے کی غرض سے نہیں لکھیں البتہ میں نے استاد الاساتذہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کو آخری عمر میں پونے دو سو تنخواہ بمشکل قبول کر کے روتے دیکھا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

کھانے کا غیبی انتظام

حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے گھر میں داخل ہوا جب اس نے اپنے گھر والوں کی تنگی دیکھی تو جنگل کی طرف نکل گیا جب اس کی بیوی نے یہ حال دیکھا تو چکی کے پاس پہنچی تو اوپر کا پاٹ اس پر رکھ کر درست کیا۔ پھر چولہے کے پاس جا کر اسے جلایا۔ اس کے بعد اس نے دعا کی کہ اے اللہ! ہم کو روزی دے۔ اس کے بعد جو اس کی نظر پیالہ پر پڑی تو دیکھا کہ وہ کھانے سے بھرا ہوا ہے۔ چولہے کے پاس جو گئی تو دیکھا وہ (روٹیوں سے) بھرا ہوا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اتنے میں شوہر لوٹ کر آیا تو اس نے پوچھا کیا تم کو میرے جانے کے بعد کوئی چیز نہیں پہنچی؟ وہ بولیں ہاں پہنچی اور ہمارے رب کے پاس سے پہنچی۔ پھر وہ چکی کی طرف بڑھے (اور اس کے اوپر کا پاٹ اٹھا کر الگ رکھ دیا) تو یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر انہوں نے بیان کی۔ آپؐ نے فرمایا اگر وہ اس چکی کا پاٹ نہ اٹھاتے تو وہ قیامت کے دن تک برابر چلتی رہتی۔ (رواہ احمد)

فائدہ

یہ قدرت کے راز ہیں کہ وہ کبھی کبھی اس قسم کے برکات بھی ظاہر فرماتی رہتی ہے مگر کسی اتفاق سے پھر از خود ایسے سامان مہیا فرما دیتی ہے کہ وہ قائم نہیں رہتے۔ گذشتہ اوراق میں آپ اس قسم کے دوسرے واقعات بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ظاہر تو اس لئے فرماتی رہتی ہے کہ ماننے والے اس کی قدرت کاملہ کا اپنی آنکھوں سے گاہ گاہ مشاہدہ بھی کرتے رہیں پھر ان کو صفحۂ ہستی سے گم اس لئے کر دیتی ہے کہ مومنین کے لئے غیبی ایمان لانے پر پردہ پڑا رہے۔

چھ ماہ بعد بھی شہید صحیح وسالم تھا

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جب غزوۂ احد شروع ہوا تو میرے والد بزرگوار نے شب کو مجھ سے کہا کہ آپ کے صحابہ میں سے جو سب سے پہلے شہید ہونے والے ہیں میرا خیال ہے کہ میں ان میں سب سے پہلا شخص ہوں گا اور دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تم سے زیادہ مجھ کو کوئی شخص پیارا نہیں۔ جو میں اپنے بعد چھوڑتا ہوں۔ دیکھو میرے ذمہ کچھ قرض رہ گیا ہے اس کو تم ادا کر دینا اور تمہاری کچھ بہنیں ہیں ان کے ساتھ ہمدردی کا سلوک رکھنا۔ جب صبح ہوئی تو وہی شہداء میں سب سے پہلے شخص تھے۔ میں نے شہداء کی کثرت کی وجہ سے شروع میں دوسرے شخص کے ساتھ ایک ہی قبر میں ان کو دفن کر دیا مگر بعد میں میرا دل اس پر راضی نہ ہو سکا کہ میں ان کو دوسروں کے ساتھ رکھوں تو میں نے ان کو چھ ماہ کے بعد نکال کر ایک قبر میں علیحدہ دفن کیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اتنی طویل مدت میں کان کے ذرا سے حصہ کے سوا ان کا سارا جسم اس طرح موجود تھا گویا کہ آج ہی ان کو دفن کیا ہو۔ (بخاری شریف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مبارک سے حصولِ ہدایت اور علم و مال میں خیر و برکت

حضرت جریر کے لئے دعا

حضرت جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مجھ کو خطاب کر کے فرمایا کیا تم اس ''ذی الخلصہ'' (بت کدہ) کو نیست و نابود کر کے مجھ کو راحت نہیں پہنچا سکتے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ضرور میں گھوڑے پر جم کر سوار نہیں ہو سکتا تھا اس لئے میں نے آپؐ سے اپنی اس شکایت کا تذکرہ کر دیا۔ آپؐ نے میرے سینے پر اپنے دست مبارک کی ایک ضرب لگائی جس کا اثر میں نے اپنے سینے میں محسوس کیا پھر یہ دعا دی ''خداوندا اس کو جم کر بیٹھنے کی قوت عطا فرما اور اس کو ہادی و مہدی بنا دے''۔ یہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آج کا دن ہے کہ میں اپنے گھوڑے سے کبھی نہیں گرا۔ الغرض قبیلہ احمس کے ڈیڑھ سو سوار لے کر یہ گئے اور اس بت کدہ کو توڑ پھوڑ کر جلا کر خاک سیاہ کر کے چلے آئے۔ (متفق علیہ)

صحیح بخاری میں اتنا اور ہے کہ جب ہم نے آپ کو اطلاع دی تو آپؐ نے مجھ کو اور قبیلۂ احمس کو دعا دی۔

فائدہ

یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی موجود ہے لیکن ہمارے بعض سیرت نگاروں نے اس کو صرف صحیح مسلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے باب مناقب جریر بن عبداللہ میں اس واقعہ کو کچھ تغیر کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے لئے دعا کا کرشمہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی اے

میرے اللہ! عمر بن الخطاب ؓ یا ابوجہل بن ہشام میں سے تجھے جو شخص محبوب اور پیارا ہو اس کو اسلام کی توفیق دے کر اسلام کی قوت اور غلبہ عطا فرما۔ تو بس عمر بن الخطاب ؓ ہی اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارے اور محبوب تھے اور حضرت عمر ؓ مسلمان ہوئے۔ روایت میں ہے کہ یہ دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدھ کے دن فرمائی تھی اور حضرت عمر ؓ جمعرات کو اسلام لے آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اسلام کو سر بلند فرمایا۔ عبداللہ بن مسعود ؓ کہتے ہیں کہ جب سے حضرت عمر ؓ اسلام لائے ہم سب باعزت اور سر بلند ہو گئے۔ (بخاری شریف)

فائدہ

تقدیر الٰہی سے اسلام ان دو میں سے صرف ایک ہی کا مقدور طے تھا اس وجہ سے پیغمبرؐ خدا کی زبان مبارک سے دعا کا عنوان بھی اسی کے مطابق صادر ہوا کہ اے اللہ اسلام کو عزت دے ان دو میں سے اس ایک کے اسلام کے ذریعہ جو تیری بارگاہ میں زیادہ محبوب ہو عمر بن الخطاب ؓ کے ذریعہ یا ابوجہل بن ہشام کے ذریعے۔

حضرت ابن عباس ؓ کے لئے دعا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے لئے پانی رکھ دیا اور اس وقت خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلا تشریف لے گئے تھے۔ جب آپ تشریف لائے تو دریافت فرمایا یہ پانی کس نے رکھا ہے؟ تو عرض کیا گیا کہ ابن عباس ؓ نے۔ آپؐ نے دعا فرمائی کہ اے میرے اللہ ان کو دین کی سمجھ اور علم تفسیر عطا فرما۔ (ایک دوسری روایت میں ہے کہ) ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک سے لگا کر پھر یہ دعا فرمائی۔ الٰہی ان کو قرآن کا علم دے اور ایک روایت میں ہے کہ کتاب اور حکمت کا علم دے۔ پھر آپ کی دعا کی مقبولیت کے آثار ظاہر ہوئے کہ لوگ ان کو "حبر امت" کہنے لگے۔ ان کے بارہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ابن عباس ؓ ہم لوگوں کی عمر کے ہوتے تو ہم میں سے کوئی بھی ان کو دس بہترین آدمیوں میں سے (عشرہ مبشرہ) خارج نہ کر سکتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر

معاملات میں ان کو آگے بڑھاتے تھے اور ان کو اکابر صحابہ میں داخل کیا کرتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا علم تو لوگوں میں مشہور ہی ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کے لئے دعا

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ مشرکہ تھیں اور میں ان کو دعوت اسلام دیا کرتا تھا ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں نے ان سے اسلام قبول کرنے کے لئے کہا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مجھ کو ایک ایسی بات سنائی جس کو میں سن نہ سکا۔ اور آپؐ کی خدمت میں روتا ہوا پہنچا اور بولا یا رسول اللہ میں اپنی والدہ کو ہمیشہ اسلام کی دعوت دیا کرتا مگر وہ اس کے قبول کرنے سے انکار کرتی رہیں لیکن آج کا واقعہ ہے کہ میں نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے آپؐ کے متعلق مجھ کو ایسی بات سنائی جس کو میں سن نہ سکا تو اب اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیجئے کہ وہ ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما دے۔ آپؐ نے فوراً یہ دعا دی کہ الٰہی ابو ہریرہؓ کی ماں کو اسلام کی توفیق بخش دے۔ پھر کیا تھا آپ کی دعا کی وجہ سے میں خوش ہوتا ہوا گھر کے دروازے کے پاس پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بھڑا ہوا ہے میری والدہ نے میرے پیروں کی آہٹ پائی تو فرمایا ابو ہریرہؓ باہر ہی رہنا۔ ادھر مجھ کو پانی بہانے کی آواز آئی وہ غسل فرما چکی تھیں اور اپنا کرتہ پہن رہی تھیں۔ فوراً اپنی اوڑھنی اوڑھنے کے لئے جھپٹیں اور فوراً دروازہ کھول دیا اور مجھ کو آواز دے کر بولیں۔ **اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ** اس مرتبہ خوشی کے مارے روتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور میں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعا قبول فرمالی۔ اور ابو ہریرہؓ کی والدہ کو اسلام قبول کرنے کی ہدایت نصیب فرمائی۔ اسی وقت آپؐ نے خدا کی تعریف اور دعا کے کلمات فرمائے۔ یہ سماں دیکھ کر میں بول پڑا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اب یہ دعا بھی کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میری والدہ کو مسلمانوں میں محبوب بنا دے۔ اور ان کو ہماری نظروں میں محبوب بنا دے۔ آپؐ نے پھر اسی وقت دعا دی الٰہی اپنے اس بندہ یعنی ابو ہریرہ کو اور اس کی والدہ کو اپنے مومن بندوں کی نظروں میں محبوب بنا

دے اور مومنوں کو ان کی نظروں میں محبوب بنا دے۔ اس کے بعد پھر کوئی مومن نہ بچا جو مجھ کو دیکھے بغیر صرف میرا نام سن کر مجھے محبوب نہ رکھتا ہو۔ (مسلم شریف)

فائدہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں اکثر یہ اثر دیکھا گیا ہے کہ پلک جھپکنے نہ پاتی کہ وہ دراستجابت پر جا پہنچتی ادھر آپ دعا فرماتے ادھر آثار قبولیت و برکات نظروں کے سامنے آ جاتے۔ اس کے تجربے صرف ایک دو بار نہیں شب و روز صحابہؓ دیکھا کرتے تھے اور ان میں سے کچھ خوش نصیب آنکھیں آج بھی دیکھتی رہتی ہیں۔ ابو ہریرہؓ کی والدہ کو کہاں وہ ضد اور آن کی آن میں کہاں یہ کایا پلٹ۔ اب اگر ابو ہریرہؓ خوشی کے چند آنسو نہ بہا دیتے تو اور کیا کرتے۔ غلاموں کا ناز دیکھئے کہ دوسری دعا کے لئے بکھر پڑے اور آقا کی ناز برداری دیکھئے کہ اسی وقت فوراً دعا کے لئے تیار ہو گئے۔ پھر رب السموٰات والارضین کی رحمت کا نظارہ کیجئے کہ کس طرح اس نے دراجابت وا کر دیئے کہ آپ کی دونوں دعاؤں کے اثر۔ اس طرح ابو ہریرہؓ نے دیکھ لئے جیسا ہاتھ کی انگلیاں جس میں نہ کوئی استعارہ تھا نہ مجاز نہ کوئی آنکھوں کی الٹ پھیر۔ اسی لئے یہاں معتزلہ بیچارے بھی اقرار کر لینے پر مجبور ہو گئے اور استجابت دعا کے معجزہ ہونے کے وہ بھی قائل ہو گئے۔

حضرت رافع کی بچی کا واقعہ

حضرت رافع بن سنانؓ کہتے ہیں کہ میں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور میری بیوی نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ہماری ایک لڑکی تھی اس کے بارے میں جھگڑا ہوا اس کو کون لے۔ میری بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی یہ بالکل بچی ہے ابھی ابھی اس کا دودھ چھوٹا ہے۔ رافع نے کہا یہ میری لڑکی ہے مجھ کو ملنی چاہئے یہ دیکھ کر آپؐ نے رافع سے کہا جاؤ ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ جاؤ اور عورت سے کہا تم بھی دوسرے گوشہ میں جا کر بیٹھ جاؤ پھر لڑکی کو ان دونوں کے درمیان بٹھا دیا اس کے بعد اس کے والدین سے فرمایا اس کو بلاؤ وہ جدھر چلی جائے اسی کے پاس لڑکی رہے گی۔ وہ لڑکی اپنی

ماں کی طرف جانے لگی۔ آپؐ نے دعا فرمائی خداوندا اس کو ہدایت عطا فرما۔ بس وہ فوراً اپنے باپ کی طرف آ گئی اور فیصلہ کے مطابق انہوں نے اپنی لڑکی لے لی۔

فائدہ

کسی نے اس کو اسلامی فیصلہ سمجھ کر تخییر کا حکم باقی رکھا ہے۔ اور کسی کا خیال یہ ہے کہ یہ کھلا ہوا آپؐ کی دعا کا اثر تھا۔ منظور یہ تھا کہ اسلام و کفر کے اختلاف کے ہوتے ہوئے بچی مسلمان رہے اور طرف داری بھی ثابت نہ ہو۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے لئے برکت

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ پر (زعفرانی) زردی کا اثر دیکھا تو آپؐ نے دریافت فرمایا یہ کیسا رنگ ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کس قدر مہر اس کو دیا ہے۔ عرض کیا (یا رسولؐ اللہ) گٹھلی بھر سونا۔ آپؐ نے دعائے برکت دی اور فرمایا ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری سے ہی کر سکو۔ (بخاری ومسلم)

عبدالرحمٰن بن عوفؓ روایت کرتے ہیں کہ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کے دستور کے مطابق ان کا اور سعد بن الربیعؓ کا بھائی چارہ کرا دیا اس کے بعد سعد نے چاہا کہ اس رشتہ کے موافق عبدالرحمٰن ان کے مال اور بیویوں میں نصف نصف کے شریک ہو جائیں (حتیٰ کہ وہ ایک بیوی کو طلاق دیدیں اور عبدالرحمٰن اس سے نکاح کر لیں) عبدالرحمٰن نے اس بے نظیر پیشکش کے جواب میں کہا اللہ تمہارے اہل و مال میں برکت عطا فرمائے مجھ کو تو تم بازار بتا دو کدھر ہے۔ یہ گئے اور معمولی سی تجارت کر کے اتنا نفع حاصل کر لیا کہ اس سے کچھ گھی اور کچھ پنیر خرید کر اپنے گھر واپس آئے۔ دوسرے دن پھر گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت کا پورا قصہ نقل کیا۔ آپؐ کی دعا کے اثر سے عبدالرحمٰن بن عوفؓ اتنے مالدار ہو گئے کہ حسب بیان زہری چار لاکھ دینار تو انہوں نے صدقہ و خیرات میں صرف کئے اور پانچ سو گھوڑے اور پانچ سو

اونٹ جہاد کے لئے لوگوں کو دیئے تھے۔ زہری کہتے ہیں کہ ان کا یہ سب مال تجارت کی کمائی کا تھا۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ ان کی بیبیوں نے جب ان کے ترکہ میں اپنا آٹھواں حصہ باہم تقسیم کیا تو ہر ایک کے حصہ میں ۳۲۰۰۰۰ آیا۔

زہریؒ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰنؓ نے بدری صحابہ کے لئے وصیت کی ان میں ہر شخص کو چار سو دینار دیئے جائیں وہ اس وقت شمار کئے گئے تو اس وقت وہ سو کی تعداد میں موجود تھے۔ عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں کہ ام بکر کا بیان ہے کہ عبدالرحمٰن نے چالیس ہزار دینار کی ایک زمین فروخت کی تھی اور اس کو فقراء مہاجرین اور بنوزہرہ کے محتاج اور امہات المومنین میں تقسیم کر دیا تھا۔ محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے امہات المومنین کے لئے ایک باغ کی وصیت کی تھی جس کی قیمت لگائی گئی تو چار لاکھ تھی۔

مہمانوں سے پہلے کھانے کا انتظام

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فرزند ابومحمد بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ محتاج لوگ تھے۔ ان کا انتظام مدت تک یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرا شخص اپنے ہمراہ لے جائے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے شخص کو ساتھ لے جائے اور پھر اسی حساب سے بقیہ لوگ بھی اصحاب صفہ میں سے اپنے ہمراہ لے جائیں۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ابوبکرؓ اپنے ساتھ لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کو اپنے گھر لے گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس دن شب کا کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی تناول فرمایا اور عشاء کی نماز بھی وہیں ادا فرمائی۔ پھر بڑی رات گئے اپنے گھر آئے ان کی اہلیہ نے دریافت کیا کہ آپ کو اپنے مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانے میں اتنی دیر کیوں ہوگئی؟ انہوں نے تعجب سے فرمایا ارے کیا اتنی رات گئے تک تم نے مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا؟ انہوں نے عرض کی کھانا تو ان کے سامنے پیش کر دیا گیا تھا مگر انہوں نے آپ کے آنے سے پہلے اس کا کھانا گوارا نہ کیا۔ میں یہ باتیں سن کر صدیق اکبرؓ کا غصہ سمجھ گیا اور گھر کے کسی گوشہ میں جا چھپا انہوں نے غصہ کے لہجہ میں مجھے آواز دی خوب برا بھلا کہہ کر فرمایا کہ تم سب کھانا کھاؤ اور خود کھانا کھانے پر قسم

کھا بیٹھے۔ آخر کار اس قسما قسمی کے بعد کھانا شروع ہو گیا اور بخدا جو لقمہ ہم اٹھاتے اس میں ایسی برکت نظر آتی کہ وہ جتنا کم ہوتا نیچے سے اس سے زیادہ ابھر جاتا۔ یہاں تک کہ ہم سب شکم سیر بھی ہو گئے اور کھانا جتنا تھا وہ پہلے سے زیادہ نظر آتا تھا۔ ابوبکرؓ یہ ماجرا دیکھ کر اپنی بی بی سے بولے او بنی فراس کی بیٹی یہ کیا تماشہ ہے انہوں نے جواب دیا میرے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ یہ تو پہلے سے بھی سہ گنا زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس پر ابوبکرؓ نے بھی اس میں سے کھایا اور اپنی اس ناگواری پر کہا کہ یہ سب شیطان کی بات تھی۔ مطلب یہ کہ میرا قسم کھا بیٹھنا ایک فعل شیطانی کا نتیجہ تھا۔ پھر ایک لقمہ لے کر اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے وہ صبح تک آپ کے یہاں ہی رہا۔ اتفاق سے ہمارے اور کفار کے درمیان معاہدہ تھا اس کی مدت ختم ہو گئی اور ہم بارہ اشخاص متفرق طور پر چل دیئے۔ ہر شخص کے ساتھ کچھ لوگ ہو لئے۔ یہ پورا اندازہ خدا تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ ہر ہر شخص کے ساتھ کتنے کتنے آدمی ہوں گے۔ مگر سب نے ہی وہ کھانا کھالیا۔

فائدہ

اس ایک واقعہ سے عرب کی تہذیب واخلاق کی بلندی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ چند دن قبل اسلام سے پیشتر وہ کس حالت میں پڑے ہوئے تھے اور اب کہاں سے کہاں جا پہنچے تھے۔ میزبانی کس انداز کی تھی اور مہمانوں کی تہذیب کس حد تک۔ یہ معجزہ کچھ کم قابل اعتناء نہیں یہاں غصہ میں ابوبکرؓ کے قسم کھالینے اور بعد میں اس کے توڑ دینے سے ایک شرعی مسئلہ بھی معلوم ہو گیا۔ اصحاب صفہ کی احتیاج اور ان کی اتنی باعزت طور پر ضیافت کا اندازہ بھی فرمایئے پھر اسی کے ساتھ اسلامی نظم ونسق کا حال بھی کچھ معلوم کیجئے کہ اب بھی کوئی ایسا نظام قائم کر سکتا ہے جو محتاجوں کو اپنے ابناء جنس بنا کر اس اکرام کے ساتھ ہمدردی کرتا ہو۔ آج جدید تعلیم کی بلند پروازیوں کے بعد بھی ایک دوسرے کی عزت ومال کا بھیڑیا بنا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ کوئی دنیوی قانون نہ تھا۔ بلکہ صرف خوف الٰہی کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا اور جب تک قوم میں پھر یہی خوف پیدا نہ ہوگا اس نظم کا قائم ہونا مشکل ہے۔ آپ ہزار قواعد بنائے جایئے وہ سب بددیانتی کے لئے خوشنما الفاظ سے زیادہ ثابت نہیں ہو سکتے۔

اب رہا کھانے میں برکت یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک روزمرہ کی بات تھی اور غریبوں کے لئے یہ خوان یغما ن یونہی بچھا رہا کرتا تھا کبھی کم اور کبھی بیش۔ ہم کو حیرت اس پر ہے کہ معجزات کا مادی حل نکالنے والے بے چارے یہاں کیا حل تلاش کریں گے اگر وہ معذور نظر آئیں تو شروع سے ہی کسی دردسری کی بجائے ان کو معجزات کا باب انسانی قوانین سے الگ سمجھنا چاہئے۔

حضرت انسؓ کے لئے دعا

بخاری نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار ام سلیمؓ کے یہاں تشریف لے گئے تو وہ آپ کے پاس کچھ کھجوریں اور گھی لے آئیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ گھی اس کے برتن میں اور یہ اپنی کھجوریں اس کے تھیلے میں واپس رکھ دو۔ پھر حضورؐ اس گھر کے ایک کونہ میں جا کھڑے ہوئے اور آپؐ نے نفل نمازیں پڑھیں پھر ام سلیمؓ کے لئے اور ان کے گھر والوں کے لئے دعا فرمائی۔ ام سلیم نے کہا یا رسول اللہ! مجھے ایک خاص بات عرض کرنی ہے آپؐ نے فرمایا کہو وہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا وہ آپ کی خدمت گزار لڑکا انس ہے! راوی کہتے ہیں کہ حضورؐ نے دنیا اور آخرت کی کوئی چیز نہ چھوڑی جس کی ان کے لئے دعا نہ کردی ہو۔ اے اللہ ان کو مال اور اولاد دے اور ان کو اس میں برکت بھی دے۔ بس یہی وجہ ہے کہ میں آج تمام انصاریوں میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ اور مجھ سے میری لڑکی امینہ کہتی تھی کہ جب حجاج بصرہ کا حکم بن کر آیا ہے اس وقت تک کچھ اوپر ایک سو بیس تو خود میرے بچے دفن کئے جا چکے تھے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں تین باتوں کی دعا فرمائی۔ ان میں سے دو کا پورا ہونا تو میں نے دیکھ لیا اب آخرت میں تیسری دعا دیکھنے کی امید رکھتا ہوں۔

ابوخلدہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالعالیہ سے کہا کہ انسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت انہوں نے دس سال تک کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا بھی فرمائی ہے ان کا پھلوں کا ایک باغ تھا اس میں سال بھر میں دو بار پھل آتے تھے اس میں ایک پیڑ تلسی (ریحان) کا بھی تھا جس میں سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔

اونٹ کے لئے دعا

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک اونٹ پر سفر کر رہا تھا اور وہ بہت تھک گیا تھا۔ تو میں چاہتا تھا کہ اسے چھوڑ دوں کہتے ہیں کہ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے برابر آ گئے اور آپؐ نے اسے چلانے کے لئے مارا اور اس کے لئے دعا بھی فرمائی تو پھر وہ ایسی چال چلنے لگا کہ پہلے اس طرح نہیں چل سکتا تھا۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ آپؐ نے دریافت کیا کہ تمہارے اونٹ کو کیا ہو گیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضورؐ یہ بیمار ہے۔ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذرا اپنی جگہ سے پیچھے کو ہٹے اور اس کے لئے دعا فرمائی۔ بس پھر وہ ہر اونٹ سے آگے ہی آگے چلنے لگا۔ تو آپؐ نے فرمایا اچھا تمہارا اونٹ اب اچھا ہو گیا؟ میں نے کہا جی ہاں اب ٹھیک ہو گیا آپ کی دعاؤں کی برکتیں اسے مل گئیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا اسے میرے ہاتھ بیچ دو۔ (پھر پوری حدیث بیان کی) اور ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے اللہ جب جب یہ سعد تجھ سے دعا مانگے تو ان کی دعا قبول فرما۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ اے میرے اللہ تو ان کی دعا قبول فرما اور ان کا نشانہ ٹھیک بٹھا۔ پھر یہ حال تھا کہ حضرت سعدؓ کا ہر تیر نشانہ پر بیٹھتا تھا۔ اور ہر دعا قبول ہوتی تھی۔

حضرت علیؓ کے لئے دعا

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک بار میں بیمار پڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو آئے اس وقت میں یہ دعا کر رہا تھا کہ اے میرے اللہ اگر میرا وقت آ گیا ہے تو مجھے بیماری سے نجات دے کر راحت دے اور اگر ابھی نہیں آیا تو مجھے آرام کی زندگی عطا فرما اور اگر یہ ابتلا اور آزمائش ہے تو مجھے صبر عطا فرما۔ حضورؐ نے دعا فرمائی الٰہی ان کو مرض سے شفا دے۔ پھر فرمایا اٹھ کھڑے ہو تو بس میں اٹھ کھڑا ہوا پھر وہ درد مجھے دوبارہ کبھی نہیں ہوا۔ (حاکم)

مجاہدین بدر کے لئے دعا

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر میں تین سو پندرہ صحابہ کے ساتھ میدان بدر میں نکلے جن کے حق میں آپؐ نے یہ دعا فرمائی الٰہی یہ سب پیادہ پا ہیں ان کو سواری عطا فرما۔ الٰہی یہ سب ننگے ہیں ان کو لباس دے۔ الٰہی یہ سب

بھوکے ہیں ان کو پیٹ بھر کر رزق دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے ایسی دعا قبول فرمائی کہ فتح نصیب ہوئی اور ایک شخص بھی نہ بچا کہ جب وہ لوٹا تو اس کے پاس سواری کے لئے ایک یا دو اونٹ نہ ہوں اور سب کو پوشش بھی نصیب ہوئی اور سب شکم سیر بھی ہو گئے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابومحذورہؓ کے لئے دعا

حضرت ابومحذورہؓ (مؤذن مکہ اپنے اسلام اور مؤذن ہونے کا قصہ) بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے نکلے تو اہل مکہ میں سے دس افراد ان کی تلاش میں نکلے جن میں دسواں میں تھا۔ ہم نے نماز کے لئے آپؐ کے رفقاء کی اذانیں سنیں تو کھڑے ہو کر ان کا مذاق اڑانے کے لئے ہم نے بھی اذانیں دینی شروع کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں ایک شخص کی اذان میں نے سنی جس کی آواز بہت اچھی تھی اور ہمارے بلانے کے لئے ایک شخص کو بھیجا۔ آپؐ کے سامنے حاضر ہو کر ہم میں سے ہر ہر شخص نے اذان دی۔ سب سے آخر میں میں نے اذان دی۔ جب میں اذان دے چکا تو آپؐ نے مجھ کو بلایا اور سامنے بٹھا کر میری پیشانی کے اوپر اپنا دست مبارک پھیرا اور تین بار برکت کی دعا فرمائی اس کے بعد مجھ کو حکم دیا جاؤ اور بیت اللہ کے پاس جا کر اذان دیا کرو۔ (نسائی)

حضرت عبداللہ بن ہشامؓ کے لئے دعا

حضرت عبداللہ بن ہشامؓ بازار میں نکلتے تھے تو ان سے ابن زبیر اور ابن عمرؓ ملتے تو یہ دونوں ان سے کہتے ہم کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیجئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے برکت کی دعا فرمائی تھی تو وہ ان کو بھی شریک کر لیتے۔ تو بسا اوقات تجارت میں ان کو اتنا نفع ہوتا کہ وہ اپنی اونٹنی سامان سے بھری ہوئی جوں کی توں اپنے گھر واپس کر دیتے۔ (بخاری)

حضرت عروہؓ کے لئے دعا

حضرت عروہ بن ابی الجعدؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دودھار بکری پیش ہوئی تو آپؐ نے مجھے ایک دینار عطا فرمایا اے عروہ! دودھ کے جانوروں میں جا کر ایک بکری خرید لاؤ۔ تو میں جانوروں میں گیا اور اس کے مالک سے بھاؤ تاؤ کیا تو

میں نے اس سے ایک دینار میں دو بکریاں خریدیں اور میں انہیں ہنکاتا ہوا لایا۔ راستے میں مجھے ایک آدمی ملا اس نے مجھ سے ان کا بھاؤ تاؤ کیا تو میں نے اس کے ہاتھ ایک بکری ایک دینار میں بیچ دی اور ایک بکری اور ایک دینار ساتھ لایا اور عرض کیا یا رسول اللہ لیجئے یہ آپ کا دینار ہے اور یہ آپ کی بکری ہے۔ آپؐ نے فرمایا ارے یہ تم نے کیا تدبیر کی تو میں نے آپؐ سے سارا قصہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا اے اللہ! ان کی خرید و فروخت میں برکت دیجئے۔ میں نے بچشم خود دیکھا کہ میں کوفہ کے کباڑ خانے میں جا کھڑا ہوتا تھا اور بال بچوں کے پاس پہنچنے سے پہلے پہلے چالیس ہزار منافعہ کما لیتا تھا۔ (احمد)

حضرت ام خالدؓ کے لئے دعا

حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ کپڑے لائے گئے جن میں ایک کالی اوڑھنی (یا قمیص) بھی تھی تو آپؐ نے فرمایا تم لوگوں کا کیا خیال ہے۔ یہ اوڑھنی میں کس کو پہنانا چاہتا ہوں؟ سب لوگ چپ رہے۔ اکبارگی آپؐ نے فرمایا ام خالد کو بلاؤ۔ لوگ مجھے حضورؐ کے پاس بلا کر لے گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اوڑھنی مجھے پہنائی اور دوبار یہ دعا دی۔ خوب پرانا کر اور خوب پہن۔ پھر اوڑھنی کی دھاریوں کو دیکھنے لگے اور اپنے دست مبارک سے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا اے ام خالد! یہ ''سنا'' ہے۔ سنا حبشی لفظ ہے اس کے معنی ہیں بہت اچھا تو وہ اوڑھنی بہت دنوں تک چلتی رہی اور یہاں تک باقی رہی کہ بوسیدہ ہوگئی۔ (بخاری، مسلم)

فائدہ

بعض روایات میں ''حتی ذکرت'' کا لفظ یاد آتا ہے کہ وہ اتنے دنوں تک باقی رہی کہ اس کی شہرت اڑ گئی۔ کہتے ہیں کہ اس مدت میں وہ ان کے قامت کے ساتھ ساتھ ان کے جسم پر راست آتی رہی۔ یہ بھی عجیب سے عجیب تر ہے کہ ایک غیر نامی چیز نامی شے کی طرح بڑھتی رہے۔

حضرت یزید کے لئے دعا

حضرت یزید عمرو بن اخطب انصاریؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ذرا میرے قریب آؤ۔ تو آپؐ نے اپنا دست مبارک میرے سر اور داڑھی پر پھیرا پھر فرمایا اے اللہ ان کو حسن و جمال عطا فرما اور ان کے حسن و جمال کو قائم رکھ۔ راوی ان کا

حال یہ بتاتے ہیں کہ ان کی عمر کچھ اوپر اسی کی ہوئی مگر ان کی داڑھی میں بس چند ہی بال سفید ہوئے تھے۔ وہ بہت ہنس مکھ تھے اور مرتے مرتے ان کے چہرے پر جھریاں نہ پڑیں۔ (احمد)

ترمذی نے یوں روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرے پر دست مبارک پھیرا اور میرے حق میں یہ دعا فرمائی۔ عروہ کہتے ہیں کہ وہ ایک سو بیس برس تک زندہ رہے مگر ان کے سر میں بس چند ہی بال سفید ہونے پائے تھے۔

حضرت حنظلہ کے لئے دعا

حزیمؒ بیان کرتے ہیں کہ (حنظلہ کے والد حنظلہ کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور) عرض کی یا رسول اللہ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں اور یہ میرا سب سے چھوٹا لڑکا ہے۔ میں نے اپنا مال اسے بانٹ کر دے دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا میاں لڑکے آگے آؤ۔ پھر آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی کہ اللہ تجھ میں برکت دے۔ یا یوں فرمایا کہ تجھ میں برکت ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت حنظلہؓ کا یہ حال دیکھا کہ ان کے پاس ورم والا انسان (اور دوسری روایت بکری اور اونٹ بھی ہے) لایا جاتا اور حنظلہ اس پر بسم اللہ کہہ کر ہاتھ پھیر دیتے تو ورم اور سوجن اسی وقت ختم ہو جاتی اور ابوسفیانؓ (جن کا نام مدلوک ہے) بیان کرتے ہیں کہ وہ حنظلہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے تو وہ اسلام لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمادی اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ تو جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک ان کے سر کے اگلے حصہ پر رکھا تھا صرف وہ سیاہ رہا۔ (یعنی ضعیف العمری میں) بقیہ سر سفید ہو گیا تھا۔ (بخاری)

دست مبارک کی برکت

ابو العلیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں قتادہ بن ملحان کے پاس ان کے مرض الموت میں ان کے پاس موجود تھا تو ایک شخص گھر کے آخری حصہ سے گزرے تو میں نے اس کا عکس حضرت قتادہ کے چہرہ پر دیکھا انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرہ پر دست مبارک پھیر دیا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ اس سے پہلے جب بھی میں ان کو دیکھتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ان کے چہرہ پر روغن ملا گیا ہو۔ (امام احمد)

علاماتِ قیامت اور کچھ دیگر پیشگوئیاں

حجاز کی آگ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ حجاز کی زمین سے ایک آگ ظاہر نہ ہو جس کی روشنی سے بصرہ کے اونٹوں کی گردنیں چمکنے لگیں گی۔ (شیخین)

فائدہ

یہ آگ ۶۵۰ھ کے قرب میں ظاہر ہو چکی ہے۔ عجیب تر یہ ہے کہ پتھر اس سے جل کر خاک ہو جاتے تھے مگر اس پر گوشت نہ پک سکتا تھا۔

حضرت عمارؓ کے لئے پیشگوئی

حضرت ابو سعید و اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپؐ نے عمار بن یاسرؓ کے حق میں فرمایا اس بیچارے کو مسلمانوں کی ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ (چنانچہ ایسا ہی ہوا) (شیخین)

قیصر و کسریٰ کے بارے پیشگوئی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کسریٰ ہلاک ہوگا اور اس کے بعد اس کا نام ونشان اس طرح مٹے گا کہ پھر کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور قیصر بھی ضرور ہلاک ہوگا اس کے بعد پھر دوسرا قیصر نہ ہوگا اور یقین کرو کہ اس کے خزانے تم لوگ اللہ کے راستے میں لٹادو گے۔ (شیخین)

فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ یقیناً مسلمانوں کی ایک جماعت یا مؤمنوں کی (راوی کو ان دونوں لفظوں میں سے اصل لفظ کے متعلق شک ہے) شاہ کسریٰ کا وہ خزانہ جو اس کے قصر ابیض میں ہے فتح کرے گی۔ (شیخین)

کسریٰ کی ہلاکت

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن حذافہؓ کی معرفت اپنا فرمان کسریٰ کو بھیجا اور ان سے کہا کہ وہ اس کو بحرین کے حاکم کو دے دیں۔ بحرین کے حاکم نے اس کو کسریٰ کے حوالہ کر دیا جب اس نے فرمان مبارک کو پڑھا تو غصہ میں آ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ مجھ کو خیال آتا ہے کہ ابن المسیبؒ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر یہ بددعا کی کہ وہ بھی پارہ پارہ کر دیئے جائیں۔ (چنانچہ یہی ہوا) (بخاری شریف)

یاجوج ماجوج کا فتنہ

حضرت زینب بنت جحشؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے تو آپ کی زبان پر یہ کلمات تھے۔ لا الہ الا اللہ خاص طور پر عرب کے لئے افسوس ہے اس فتنے کی وجہ سے جو نزدیک آ پہنچا ہے۔ یاجوج وماجوج کی سد کا اتنا حصہ کھل چکا ہے اور آپؐ نے انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنا کر بتلایا۔ زینبؓ بولیں یارسول اللہؐ کیا ہم لوگوں پر یہ ہلاکت ایسے وقت آسکتی ہے کہ ہم میں نیک لوگ بھی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں جب گندگی بہت زیادہ پھیل پڑے (للاکثر حکم الکل)

نوعمر لڑکوں کے ذریعہ ہلاکت

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے ایک ایسے راست باز کی زبان مبارک سے جن کی صداقت کا جہان قائل ہے۔ یہ حیرتناک بات سنی ہے کہ میری امت کی ہلاکت چند قریشی

لڑکوں کے ہاتھ پر ظہور پذیر ہوگی۔ مروان نے تعجب سے پوچھا کیا نوعمر لڑکوں کے ذریعے؟ ابو ہریرہؓ نے کہا جی ہاں مجھ کو اسی طرح معلوم ہے اگر چاہوں تو نام لے کر ان کے باپ دادا تک کا نسب بھی بیان کر دوں۔ (بخاری شریف)

دو جماعتوں کے خلاف جنگ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ مسلمانوں کی ایسی دو جماعتوں میں جنگ نہ ہولے جن کا دعویٰ ایک ہی ہو (بخاری شریف)

کعبہ کو تاراج کرنے والا

حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ کعبۃ اللہ کو تباہ کرنے والا ایک حبشی شخص ہوگا جس کی پنڈلیاں چھوٹی ہوں گی۔ (بخاری شریف)

حضرت سراقہؓ کے لئے پیشگوئی

حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالکؓ سے فرمایا اس وقت تیری مسرت وخوشی کا عالم کیا ہوگا جب تو کسریٰ کے دو کنگن پہنے گا۔ راوی کہتا ہے کہ جب عمرؓ کے سامنے کسریٰ کے وہ دو کنگن ایران کی فتح کے بعد پیش کئے گئے تو انہوں نے سراقہ بن مالکؓ کو بلا بھیجا اور ان کے ہاتھوں میں وہ کنگن ڈال دیئے اور فرمایا کہ اب اس خدا کی تعریف کرو جس نے کسریٰ کے ہاتھوں سے یہ کنگن نکال کر سراقہ جیسے دیہاتی کو پہنا دیئے۔

فائدہ

سوچئے کہ یہ پیشینگوئی ایک ریگستان کو گلزار بنا دینے والے نے کس کے متعلق اور کن حالات میں کی تھی کیا ظاہری اسباب اس کی تائید کر سکتے تھے مگر آج آپ کے سامنے وہ ایک واقعہ بن کر نظر آ رہے ہیں۔ کیا اس کو معجزات کی فہرست سے خارج کر ڈالنا معقول ہے یا معجزہ صرف ان ہی اعمال تک محدود ہے جو آپؐ کے عہد مبارک میں آپؐ سے ظاہر ہوں۔

فارس کا خاتمہ

حضرت ابن محیریزؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فارس تو

بس ایک ٹکر دو ٹکر میں ختم ہو جانے والا ہے اس کے بعد فارس کا تو نام ونشان بھی باقی نہ رہے گا ہاں روم کچھ باقی رہے گا ایک قرن ختم ہوگا اس کے بعد دوسرا باقی رہے گا۔

حضرت ابوذرؓ کے لئے پیشگوئی

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا پھر فرمایا اگر کسی زمانے میں لوگ بھوک کی شدت میں مبتلا ہوں ایسی بھوک کہ اس کی وجہ سے تم اپنے بستر سے اٹھ کر نماز کی جگہ بھی نہ آسکو تو بتاؤ اس وقت تم کیا کرو گے۔ انہوں نے عرض کی یہ تو خدا تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جان سکتے ہیں۔ فرمایا دیکھو اس وقت بھی کسی سے سوال نہ کرنا۔ اچھا ابوذر بتاؤ اگر لوگوں میں موت کی ایسی گرم بازاری ہو جائے کہ ایک قبر کی قیمت ایک غلام کے برابر جا پہنچے۔ بھلا ایسے زمانے میں تم کیا کرو گے؟ یہ بولے کہ اس کو تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں فرمایا دیکھو صبر کرنا اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اگر لوگوں میں ایسا قتل وقتال ہو کہ خون ''حجار زیت'' تک بہہ جائے بھلا اس وقت تم کیا کرو گے انہوں نے عرض کی یہ بات تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں فرمایا' بس اپنے گھر میں گھسے رہنا اور اندر سے اپنا دروازہ بند کر لینا۔ انہوں نے عرض کی اگر اس پر بھی چھوٹ نہ سکوں۔ فرمایا کہ پھر جس قبیلے میں ہو وہاں چلے جانا۔ انہوں نے عرض کی اگر میں بھی اپنے ہتھیار سنبھال لوں۔ فرمایا تو تم بھی فتنے میں ان کے شریک سمجھے جاؤ گے۔ اس لئے شرکت ہرگز نہ کرنا اور اگر تم کو ڈر ہو کہ تلوار کی چمک تم کو خوفزدہ کر دے گی تو اپنی چادر کا پلہ اپنے منہ پر ڈال لینا اور قتل ہونا گوارا کر لینا۔ تمہارے اور قاتل کے گناہ سب کے سب قاتل ہی کے سر پڑ جائیں گے۔ (ابن حبان)

مستقبل کے حالات کی پیشگوئی

حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ' ابوعبیدہؓ اور معاذؓ یہ تینوں اصحاب' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اس دین کی ابتداء نبوت اور رحمت سے ہوئی پھر کچھ دن خلافت اور رحمت رہے گی۔ اس کے بعد خلافت کا دور ختم ہو جائے گا اور کاٹنے والا ملک بن جائے گا۔ سرکشی اور

جبر و تشدد اور امت میں فساد کا دور دورہ ہو جائے گا تا آنکہ حرامکاری، شراب خوری اور ریشم کو لوگ حلال بنا لیں گے اور ان حالات میں بھی قدرت کی یہ ڈھیل ہو گی کہ فتح و نصرت اور رزق کی فراغت برابر ان پر رہے گی یہاں تک کہ ان کی موت آ جائے گی۔ (ابوداؤد طیالسی)

تیس سالہ خلافت

حضرت سفینہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میرے بعد تیس سال تک خلافت منہاج نبوت پر رہے گی۔ اس کے بعد پھر خلافت نہیں ہو گی بلکہ ملک گیری ہو جائے گی۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

فائدہ

سفینہ اس کی تفسیر کرتے ہیں کہ خلافت صدیقی دو سال رہی اس کے بعد دس سال تک خلافت فاروقی کا دور رہا پھر بارہ سال عثمان غنیؓ کی خلافت رہی اور چھ سال حضرت علیؓ کی خلافت چلی۔ یہ مجموعہ تیس سال ہو گئے۔ حضرت امام حسنؓ کے دور کے چھ ماہ کی مدت ملا کر خلفائے اربعہ کی خلافت کی مدت ٹھیک تیس سال ہوتی ہے۔ جس کو خلافت راشدہ کہا جاتا ہے اس کے بعد پھر ملک گیری مطمح نظر ہو گیا اور رشد و ہدایت کا وہ دور ختم ہو گیا جس کو خلافت نبوت کہا جا سکتا تھا۔

ایک مرتبہ ارادہ کے بغیر خیال اس طرف منتقل ہوا کہ خلافت علی منہاج النبوۃ کی مدت کل تیس سال ہونے میں شاید حکمت یہ ہو کہ بحکم حدیث چونکہ ہر تاریخی نبی کی عمر پہلے نبی سے نصف ہوتی چلی آئی ہے اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر نزول سے پہلی اور بعد کی ملا کر ایک سو بیس ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری عمر ساٹھ سال ہو گی چنانچہ بحذف کسر آپ کی عمر یہی ہوئی۔ اس حساب سے اگر آپؐ کے بعد نبوت باقی ہوتی اور کوئی نبی آنا مقدر ہوتا تو اس کی عمر آپ کی عمر کے نصف ہونی چاہئے تھی وہ تیس ہی ہے۔ چونکہ یہاں نبوت اب ختم ہو چکی تھی اس لئے خلافت نبوت علی منہاج النبوۃ کی عمر تیس سال مقدر ہوئی وللہ الحمد۔

یہاں یہ امر قابل یادداشت ہے کہ جو لوگ اس حدیث سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرتے ہیں ان کو سوچنا چاہئے کہ اسی حدیث کے ماتحت کیا کسی مدعی نبوت کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر سے بھی متجاوز ہو سکتی ہے؟

بدعملی کا زمانہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جبکہ دین کی حالت ایسی کمزور ہو جائے گی کہ دین پر عمل کرنا ایسا مشکل ہوگا جیسا ہاتھ میں انگارہ پکڑنا۔ (ترمذی)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس وقت اسلام کے پر شوکت زمانے میں ہو جو شخص تم میں سے اسلامی احکام کا دسواں حصہ بھی چھوڑے گا وہ ہلاک ہوگا اور آگے اسلام کے ضعف کا وہ دور آنے والا ہے کہ اس میں جو شخص اس کے دسویں حصہ پر بھی عمل کرے گا وہ بھی نجات پا جائے گا۔ (ترمذی)

امت کے مغضوب لوگ

حضرت ابو عامرؓ اور ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ میری امت میں کچھ لوگ ضرور ایسے آئیں گے جو خالص اور غالب ریشم کے کپڑوں اور شراب اور باجوں کو حلال بنا کر رہیں گے اور یہ بھی ہوگا کہ ایک پہاڑ کے دامن میں ایک قافلہ آ کر اترے گا جب شام کو ان کے مویشی ان کے پاس آئیں گے تو ایک شخص اپنی حاجت لے کر ان کے پاس آئے گا وہ جواب دیں گے تم کل آنا۔ اللہ تعالیٰ رات ہی میں ان پر عذاب نازل فرمائے گا۔ پہاڑ ان پر گر پڑے گا اور کچھ لوگوں کو ہمیشہ قیامت تک کے لئے بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ کر دے گا۔ (بخاری)

دین کا حجاز کی طرف سمٹنا

حضرت عمرو بن عوفؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانے میں دین تمام اطراف سے سکڑ کر حجاز کی طرف اس طرح لوٹ آئے گا جیسا کہ سانپ دور دور جا کر پھر اپنے ہی سوراخ کی طرف لوٹ آتا ہے اور آخر میں دین حجاز میں آ کر اس طرح پناہ لے گا جیسا کہ پہاڑی بکرا پہاڑ کی چوٹی پر جا کر پناہ لیتا ہے۔ بے شبہ جب اسلام دنیا میں آیا تھا تو وہ ایک پردیسی شخص کی طرح اپنے خیال کا اکیلا تھا اور آخر میں پھر اسی

طرح پردیسی بن جائے گا تو مبارک ہوان کو جو دین کی خاطر اپنے دیس میں بھی پردیسی کی طرح بن جائیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جو اصلاح کریں گے میری سنت کی ان باتوں کی جو بدعتیوں نے میرے بعد آ کر خراب کردی ہوں گی۔ (ترمذی شریف)

جنت کی بشارت

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے ایک باغ میں رونق افروز تھے اور اس وقت آپ ایک تر زمین میں ایک لکڑی کا سہارا لئے ہوئے تھے کہ دفعتہً کسی شخص نے دروازے پر دستک دی۔ آپؐ نے فرمایا دروازہ کھولو اور اس کو جنت کی بشارت دے دو۔ دیکھا تو وہ ابوبکرؓ تھے۔ میں نے فوراً دروازہ کھولا اور ان کو جنت کی بشارت دیدی۔ اس کے بعد پھر کسی نے دروازہ کھلوانا چاہا تو آپؐ نے فرمایا دروازہ کھول دو اور اس کو بھی جنت کی بشارت دے دو۔ میں گیا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ عمرؓ تھے۔ میں نے ان کے لئے بھی دروازہ کھولا اور ان کو بھی جنت کی بشارت سنا دی۔ اس کے بعد پھر ایک شخص نے دروازہ کھلوایا۔ آپؐ نے فرمایا دروازہ کھول دو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک آزمائش پر ان کو بھی جنت کی بشارت دے دو۔ میں نے دیکھا تو وہ عثمانؓ تھے۔ میں گیا اور ان کو بھی جنت کی بشارت سنا دی اور ان سے وہ بات بھی کہہ دی جو ان کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ انہوں نے فوراً یہ دعا فرمائی الٰہی اس پر صبر کی توفیق عطا فرما۔ اور اللہ ہی کی ذات پاک وہ ہے جس سے ہر معاملہ میں مدد طلب کی جاتی ہے۔

فائدہ

ایک جگہ خود راوی کا بیان ہے کہ یہ نشست اس طرح پر تھی کہ میں نے اسی سے ان کی قبروں کا اندازہ کر لیا تھا۔ یعنی عثمان غنیؓ جہاں بیٹھے تھے وہ ایک جگہ ان حضرات سے ایک جانب میں بیٹھے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا کہ بعض بیداری کے واقعات بھی خواب کی طرح تعبیر طلب ہوتے ہیں پھر اس واقعہ کی بھی تعبیر تحریر فرمائی ہے۔ بعض نافہموں کو اس سے کچھ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے لئے پیش گوئی

حضرت ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے جبرئیل علیہ السلام کو کسی اپنی خاص صورت میں دیکھ پایا تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی زیارت جس شخص کو بھی ہو وہ آخر کار نابینا ہو جاتا ہے۔ مگر صرف ایک نبی اس سے مستثنیٰ ہے لیکن آخر عمر میں ہوتا ہے فوراً نہیں۔ ایک روایت میں ابن عباسؓ کا یہ بیان اور ہے کہ میں ان کو گاہ بگاہ اس طرح دیکھ لیتا تھا جیسا کوئی شخص اپنے پاس والے شخص کو پس پردہ پر چھائیں کی طرح دیکھ لیتا ہے یعنی بالکل آمنے سامنے صاف دیدار نہیں ہوتا تھا اور نہ معلوم نہیں کہ عام بشر کی کیا گت بنتی۔ (مستدرک)

یہ دیدار روحانی قرب وخصوصیات پر مبنی ہے۔ ابن عباسؓ تو ایک عظیم القدر فرشتے کے اتنے سے دیدار کی تاب نہ لا سکے اور اپنی آخر عمر میں نابینا ہو گئے۔ پھر دیدار الٰہی کو اس پر قیاس کر لیجئے۔ آخر موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کو ہزار اشتیاق کے باوجود "لن ترانی" کا جواب سننا ہی پڑا۔ ایسا ایک جبرئیل علیہ السلام کے حق میں کیوں ارشاد فرمایا گیا۔ یہ بہت تفصیل کا محتاج ہے۔ پھر بھی حقیقت حال کا علم تو اس علام الغیوب کو ہے۔ عالم شہادت کے بسنے والے عالم غیب سے بھلا کیسے آشنا ہوں۔ الا ان یشاء اللہ۔

حضرت حاطبؓ کے خط والا واقعہ

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور ابو مرثدؓ اور زبیر بن العوامؓ اور مقدادؓ ہم سب سواروں کو ایک گرفتاری کے سلسلہ میں بھیجا اور فرمایا جاؤ اور جب مقام روضہ خاخ پر پہنچو تو وہاں تم کو ایک مسلمان عورت ملے گی اس کے پاس ایک خط ہو گا جو حاطب نے مشرکین مکہ کے نام لکھا ہے۔ ہم چلے آخر ہم نے اس کو پکڑ لیا وہ اونٹ پر سوار اس کو تیز دوڑائے لئے جا رہی تھی۔ اور ہم نے اس سے کہا "خط کہاں ہے"؟ وہ بولی میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کا اونٹ بٹھا دیا اور اس کے کجاوہ میں خط تلاش کیا مگر کوئی خط ہماری نظر نہ پڑا۔ ہم نے کہا یہ امر تو یقینی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف واقع نہیں فرمایا تجھ کو خط نکالنا ہو گا۔ نہیں تو ہم تجھے ننگا کرتے ہیں وہ ایک کمبلی

پہنے ہوئے تھے۔ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کو ننگا کرنے کے لئے اس کے تہ بند کی جگہ کی طرف بڑھا تو اس نے بالوں میں سے خط نکال کر دیدیا ہم نے وہ خط لے لیا اور اس کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کو کھول کر دیکھا تو خلاف توقع حاطب کی جانب سے مشرکین مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض جنگی رازوں کی اطلاع دی گئی تھی۔ آپؐ نے پوچھا کہو حاطب یہ کیا حرکت ہے؟ کہا۔ ذرا میری بات سن لیں اور میرے معاملہ میں جلدی نہ فرمائیں میں خود اہل مکہ سے نہ تھا بلکہ باہر کا آدمی تھا جوان میں آ کر بس گیا تھا۔ اور یہ جو مہاجرین ہیں ان کی وہاں رشتہ داری تھی جس کے ذریعہ ان کے عزیزوں کی وہاں نگہداشت ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ جب میرا ان سے کوئی رشتے ناطے کا تعلق نہیں تو لاؤ ان پر کوئی احسان ہی کر دوں۔ جس کی رعایت سے وہ میرے خاندان والوں کی بھی حفاظت کریں۔ بس اتنی ہی بات ہے ورنہ میں نے یہ حرکت نہ تو کفر کی وجہ سے کی ہے اور نہ اس لئے کہ میں مرتد ہو گیا ہوں یا کفر سے خوش ہوں۔ میرا بیان سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انہوں نے جو بات تھی وہ سچ سچ کہدی ہے۔ عمرؓ غصہ میں بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اس منافق کا سر تن سے جدا کرنے دیں؟ آپؐ نے فرمایا یہ جنگ بدر میں شریک ہو چکا ہے اور تم کو کیا معلوم ہے کہ شرکائے بدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ فرما چکا ہے کہ جو عمل چاہو کرو میں تم سب کو بخش چکا۔ (شیخین)

فائدہ

اسالیب کلام کو نہ جاننے والا اور فصاحت و بلاغت کے انداز بیان سے ناآشنا یہاں محض لفظی چکر میں پڑ کر حیران رہ جاتا ہے اور بے وجہ دماغ سوزی کر کے سوال و جواب کی الجھن میں پھنس جاتا ہے اور ایک کلام کا ذوق رکھنے والا جانتا ہے کہ یہ صرف تشریف و اکرام کا ایک پیرایہ ہے جس میں لفظی وسعت ہوتی ہے مگر وہ مراد نہیں ہوا کرتی۔ دیکھئے ایک موقعہ پر اپنی شان بے نیازی کے اظہار کے لئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فمن شآء فلیؤمن و من شآء فلیکفر

اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

اب یہاں کون کہہ سکتا ہے کہ کفر وایمان کا بندہ کو اختیار دیدیا گیا ہے اور یہ دونوں باتیں اس کے لئے جائز کر دی گئی ہیں۔ بلکہ صاف ظاہر ہے کہ شان ربوبیت کے استغناء اور اس کی بے نیازی کا یہ ایک پیرایہ بیان ہے۔ جس کا اصل مقصد یہ ہے کہ بندہ کا ایمان و کفر اس کے حق میں سب برابر ہے۔ اسی طرح مثلاً ایک طبیب اپنے مریض کی صحت کے بعد کہہ دیتا ہے کہ اب جو چاہو کھاؤ۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان کلمات سے اس نے زہر اور مضر اشیاء کی بھی اجازت دیدی ہے بلکہ ظاہر ہے کہ یہ بھی مریض کے صحت کا ایک پیرایہ بیان ہے۔ اسی طرح **اعملوا ماشئتم** کا لفظ اہل بدر کے حق میں اس کا اعلان ہے کہ تم اپنے اس عمل کی بدولت یقین کرلو کہ بخشے جا چکے لہذا اب جو عمل چاہو کرو۔ یہ دوسری بات ہے کہ خدائی کلمات چونکہ بڑی حقیقت کے حامل ہوتے ہیں اس لئے اس کی فطرت پر اتنے اثر انداز ہو جاتے ہیں کہ پھر اس کی فطرت سے دوزخ کے اسباب کرنے کی صلاحیت ہی معدوم ہو جاتی ہے اس لئے یہ لفظی توسیع ایک طرف تو اکرام وتشریف کا پیغام ہوتی ہے اور دوسری طرف کبائر سے ان کی حفاظت کی بشارت بھی ہوتی ہے۔ اب دیکھ لیجئے یہاں حاطب کے عمل کی صورت کتنی مہلک تھی حتیٰ کہ اس پر نفاق وارتداد تک کا شبہ بھی پیدا ہو سکتا تھا لیکن جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس کی حقیقت انسان کی ایک فطرت کی کمزوری سے ذرا بھی آگے نہ تھی۔

شان نبوت بھی کمالات ربانی کی کیسی مظہر ہوتی ہے کہ یہاں اب بھی یہ نہیں فرمایا جاتا کہ یہ کوئی کفر کی بات ہی نہیں یہ تو صرف ایک انسانی کمزوری ہے۔ جس سے بشر جب تک وہ بشر ہے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا مبادا اس تشریح سے اس تشریف میں کمی پیدا ہو جو اکرم الاکرمین کو ان کلمات سے اہل بدر کی مقصود تھی۔

مصلحت اور مفسدہ میں جب تعارض واقع ہو جائے تو کہاں مصلحت کو مقدم کرنا چاہئے اور کہاں مفسدہ کو یہ شریعت کا ایک بہت بڑا اہم باب ہے۔ جس کو حضرت علیؓ جیسا شخص ہی پورا اندازہ کر سکتا ہے اب دیکھئے کہ یہاں ایک طرف مصلحت چاہتی ہے کہ اس عورت کے انکار پر اس کو اگر عریاں بھی کرنا پڑے تو اس صورت سے بھی اس کی تلاشی ضرور لے لی جائے دوسری طرف اجنبی عورت کے ستر کشف کرنے کی مضرت بھی کچھ کم نہ تھی۔ مگر حضرت علیؓ کو

یہاں مخبر صادق کی خبر کا یقین تھا اور وہ اس کے لئے مامور بھی تھے کہ جو خط اس کے پاس ہے وہ لے کر آئیں اس لئے انہوں نے کسی ظنی اور تخمینی بات پر اس مفسدہ پر جرات نہیں کی بلکہ آپ کے صریح حکم کی تعمیل کی جب کوئی صورت باقی نہ رہی تو آخر ایسی بات کی بھی دھمکی دیدی جس کے بعد اس کے لئے خط کے حوالہ کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ جو توازن کے ساتھ حالات کا اندازہ نہیں لگاتے وہ یا تو مصلحت کی خاطر کھلے محرکات میں بے باک ہو جاتے ہیں یا پھر مفسدہ کا اندازہ نہ لگا کر اجتماعی مصالح کو معمولی سی باتوں پر قربان کر ڈالتے ہیں۔ جب تک شریعت کا پورا پورا علم اور اس کے ساتھ خدا تعالیٰ کے خوف سے قلب پورا معمور نہ ہو اس توازن کو نبھانا مشکل ہے۔

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اس کو نہ تو نیک بخت' نادان بنا سکتا ہے اور نہ شرعی مزاج سے ناواقف دانا۔

نجاشی کی وفات

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے انتقال کی خبر آنے سے پہلے جس دن اس کا انتقال ہوا تھا اسی دن لوگوں کے سامنے بیان فرما دی تھی اس کے بعد آپؐ نے باہر تشریف لا کر نماز جنازہ ادا فرمائی اور چار تکبیریں کہیں۔ جابرؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحمہ نجاشی کی نماز جنازہ ادا کی اور ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے اصحمہ کی وفات ہوگئی ہے اور اس پر نماز ادا فرمائی اور ہماری امامت فرمائی۔ اور عمران بن حصینؓ کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا تمہارا ایک اسلامی بھائی انتقال کر گیا ہے۔ پس اس پر نماز جنازہ پڑھو۔ یعنی نجاشی پر۔

حضرت زیدؓ کے متعلق پیشگوئی

حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ حضرت زیدؓ بیمار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیمار پرسی کو تشریف لائے اور فرمایا اس بیماری سے تو تمہیں کوئی اندیشہ نہیں لیکن یہ بتاؤ کہ جب تم میرے بعد طویل عمر پاؤ گے اور نابینا ہو جاؤ گے تو تمہارا کیا حال ہوگا؟ انہوں نے

عرض کیا کہ میں صبر کروں گا اور طلب ثواب کی نیت اور توقع رکھوں گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تب تو پھر تم جنت میں بغیر حساب کتاب کے پہنچ جاؤ گے۔ انیسہ بنت زید کہتی ہیں کہ واقعی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد نابینا ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا بھی دی کہ بینا ہو گئے اس کے بعد ان کا انتقال ہوا۔ (بیہقی)

ایک مرتد عیسائی کا انجام

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک عیسائی ایمان لایا اور مسلمان ہوا اور اس نے سورۂ بقرہ اور آل عمران پڑھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب ہو گیا تھا۔ مگر پھر عیسائی بن گیا۔ وہ کہنے لگا تھا کہ محمد کو (صلی اللہ علیہ وسلم) انہی باتوں کا علم ہوتا ہے جو میں ان کے لئے لکھ دیا کرتا ہوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی۔ اے اللہ اس کو ایسی سزا دیجئے کہ آپ کی قدرت کی نشانی بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی پھر اس کا یہ حال ہو گیا کہ اس کی لاش زمین نے باہر پھینک دی۔ ان لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ ہو نہ ہو یہ کام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کا ہے کہ جب وہ ان کے گروہ سے الگ ہو گیا تو انہوں نے اس کی قبر کھود ڈالی اور اس کی لاش باہر ڈال دی۔ عیسائیوں نے پھر اس کی قبر کھودی اور جتنی گہری کھود سکتے تھے اتنی گہری کھودی پھر صبح کو دیکھا تو زمین نے اس کی لاش باہر پھینک دی تھی۔ پھر عیسائیوں نے پہلے کی طرح الزام دیا پھر اس کے لئے تیسری بار قبر کھودی اور خوب گہری کھودی پھر بھی زمین نے اس کی لاش اگل دی۔ تب لوگ سمجھے کہ یہ کام آدمیوں کا نہیں ہو سکتا تو اسے یونہی باہر پڑا چھوڑ دیا۔ (بخاری و مسلم)

بیمثال حلم و درگزر

قریش کی طرف سے اذیتیں اور بائیکاٹ

ابن شہاب سے قصہ صحیفہ (یعنی بنو ہاشم کے مقابلے پر مشرکین قریش کا باہم عہد نامہ) جس کو عروۃ بن الزبیرؓ نے بیان کیا۔ منقول ہے اور محمد بن اسحاق (مشہور مورخ) نے بھی اس کا خلاصہ نقل کیا ہے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ پر مشرکین کی ایذائیں اور سختیاں پہلے سے بھی کہیں زیادہ بڑھ گئیں یہاں تک کہ مسلمان سخت تنگی میں مبتلا ہو گئے اور ان پر شدائد و مصائب کے پہاڑ ٹوٹنے لگے۔ ادھر قریش اس پر متفق ہو گئے کہ آپ کو کسی تدبیر سے کھلم کھلا قتل کر دیں۔ جب ابو طالب نے قوم کا یہ ظلم دیکھا تو انہوں نے بنو عبدالمطلب کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ٹھکانے میں لے جائیں اور جو شخص بھی آپؐ کے قتل کا ارادہ کرے اس کو اس ارادۂ بد سے منع کریں۔ ابو طالب کے اس کہنے پر عبدالمطلب کا سارا قبیلہ کیا مسلمان اور کیا کافر سب کے سب متفق ہو گئے۔ یہ دوسری بات تھی کہ آپؐ کی یہ حمایت کسی کی تو صرف حمیت قومی کی بناء پر تھی اور کسی ایمان و یقین کی بناء پر۔ ادھر قریش نے جب یہ دیکھا کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر

متفق ہو چکے ہیں تو مشرکین قریش بنو عبدالمطلب کے مقابلے پر بائیکاٹ کے لئے متفق ہو گئے کہ نہ ان کے ساتھ نشست و برخاست کریں گے اور نہ خرید وفروخت اور نہ ان کے گھروں میں آمد و رفت رکھیں گے۔ یہاں تک کہ وہ قتل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد نہ کر دیں اور اس سلسلہ میں انہوں نے ایک عہد نامہ لکھا جس میں یہ ذکر کیا کہ بنو ہاشم سے اس وقت تک ہرگز کوئی صلح نہ کریں گے اور نہ ان پر رحم کھائیں گے جب تک کہ وہ قتل کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے سپرد نہ کر دیں اس کے بعد بنو ہاشم تین سال تک اسی طرح اپنی جگہ محبوس رہے۔ سختیوں اور مصائب کا دوران پر زیادہ سے زیادہ شدید ہوتا رہا۔ مشرکین قریش نے ان کے لئے بازاروں کی آمد و رفت بند کر دی اور جب باہر سے کھانے کا کوئی سامان مکہ مکرمہ آتا تو فوراً لپک کر اس کو خرید لیتے اور مقصد یہ تھا کہ اس ایذا رسانی کی تدبیر سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خون بہانے میں کسی نہ کسی طرح کامیاب ہو جائیں۔ اس جگہ ابن اسحاق نے اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ بنو ہاشم پر بھوک کی شدت کا عالم یہ ہو گیا تھا کہ ان کے بچوں کی آواز بنو ہاشم والی گھاٹی کے باہر سے کانوں میں آتی تھی کہ وہ بھوک سے بلبلا رہے ہیں۔ دوسری طرف جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے ان کو باندھ کر ڈال دیا تھا اس پر ان کو طرح طرح کی تکالیف دیتے تھے غرض کہ عظیم آزمائش کا وقت تھا اور مسلمانوں پر گویا قیامت برپا تھی۔ یہاں موسیٰ بن عقبہ اس واقعہ کا تتمہ میں بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ اپنے اپنے بستروں پر چلے جاتے تو ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ وہ ان کے بچھونے پر جا لیٹیں یہاں تک کہ جو بدکردار آپؐ کے قتل کا ارادہ رکھتا ہو وہ یہ دیکھ لے۔ پھر جب لوگوں کو سلا دیتے تو اپنے کسی بچے یا بھانجے یا بھتیجے سے کہتے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر جا سوئے جب اس دور پر تیسرا سال ہونے لگا تو بنو عبد مناف اور بنو قصی اور ان کے علاوہ قریش کے اور لوگوں نے جو بنو ہاشم کی اولاد تھے باہم ایک دوسرے کو ملامت کی اور انہوں نے سمجھا کہ انہوں نے باہم رشتہ داری کا تعلق ختم کر کے حق کے خلاف کیا اور قطع رحم کے جرم کے مرتکب ہو گئے اور اسی رات میں ان کا یہ مشورہ ٹھہر گیا کہ غداری اور بائیکاٹ کے جو منصوبے انہوں نے گانٹھ رکھے تھے وہ یکلخت توڑ ڈالیں ادھر جس عہد نامے میں انہوں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادۂ بد کا ذکر کیا تھا اس کو قدرت نے دیمک لگا دی اور وہ اس عہد نامہ کو چاٹ گئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ عہد نامہ بیت اللہ کی چھت میں لٹکا ہوا تھا۔ دیمک نے اس عہد نامے میں جہاں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک لکھا ہوا تھا تمام جگہ سے اس کو چاٹ لیا تھا اور جو جو شرک یا ظلم یا قطع رحم کی باتیں تھیں وہ سب چھوڑ دی تھیں عہد نامہ کا یہ سارا راز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر کھول دیا تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب ابوطالب سے ذکر کر دیا۔ ابوطالب نے قسم کھا کر کہا آپؐ نے مجھ سے جھوٹ نہیں فرمایا اور بنو عبدالمطلب کی ایک جماعت ساتھ لے کر چل پڑے یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہو گئے اس وقت مسجد قریش سے بھری ہوئی تھی جب انہوں نے ابوطالب کو اپنی جماعت کے ساتھ اپنی طرف آتا دیکھا تو ان کو نئی سی بات معلوم ہوئی اور انہوں نے گمان کیا کہ یہ لوگ اب تکالیف سے تنگ آ کر یہاں آئے ہیں تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سپرد کر دیں اس پر ابو طالب بولے تمہارے معاملے میں کچھ جدید باتیں ایسی پیش آئی ہیں جو ابھی ہم نے تم کو نہیں بتائیں تو اب وہ کاغذ لاؤ جس پر تم نے باہم عہد کیا ہے شاید کہ ہمارے اور تمہارے مابین صلح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ انہوں نے یہ مجمل بات اس لئے فرمائی کہ کہیں وہ لوگ صحیفے کے لانے سے پہلے ہی پہلے اس کی دیکھ بھال نہ کر لیں وہ بڑے فخر کے ساتھ اس صحیفے کو لے آئے اور ان کو اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج ان کے حوالے کر دیئے جائیں گے انہوں نے اس کو لا کر درمیان میں رکھ دیا اور بولے وقت آ گیا کہ تم لوگ ہماری بات قبول کر لو اور اس راہ کی طرف لوٹ آؤ جو تمہاری قوم میں پھر اتفاق پیدا کر دے کیونکہ ہمارے اور تمہارے درمیان صرف ایک ہی شخص پھوٹ کا باعث بنا ہے۔ جس کی خاطر تم نے اپنی قوم اور اپنے قبیلے کی بربادی اور باہمی فساد کا خطرہ مول لیا ہے۔ اس پر ابوطالب نے کہا دیکھو میں تمہارے سامنے انصاف کی صرف ایک بات پیش کرنے آیا ہوں میرے بھتیجے نے مجھے بتایا ہے اور یقیناً اس نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا کہ جو صحیفہ تمہارے ہاتھوں میں ہے اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہے اور اس نے جہاں جہاں اپنا نام تھا اس کو ہر ہر جگہ سے مٹا دیا ہے اور تمہاری غداری اور ہمارے ساتھ قطع رحمی اور ہمارے برخلاف ظلم پر تمہارے باہم اتفاق

کو باقی رکھا ہے۔ اب اگر حقیقت اسی طرح نکلے جس طرح میرے بھتیجے نے کہی ہے تو ہوش میں آ جاؤ خدا کی قسم ہم اس وقت تک ان کو ہرگز تمہارے سپرد نہیں کر سکتے جب تک کہ ہمارا بچہ بچہ موت کے گھاٹ نہ اتر جائے اور اگر آپ کی بات غلط نکلے تو ہم ان کو تمہارے حوالے کر دیں گے پھر خواہ ان کو تم قتل کر دینا یا زندہ رہنے دینا' وہ بولے ہم اس فیصلہ پر راضی ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے عہد نامہ کھولا دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے سچے تھے جو معاملہ تھا وہ پہلے بتا چکے تھے جب قریش نے دیکھا کہ بات وہی نکلی جو ابو طالب فرما چکے تھے تو کہنے لگے خدا کی قسم یہ تو تمہارے ساتھی کا جادو معلوم ہوتا ہے اور پھر لوٹ کر اپنے کفر اور آپؑ کی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں اور دو نے بڑھ گئے اور اپنے پہلے عہد پر اور پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئے بنو عبد المطلب کی اس جماعت نے کہا کہ جھوٹ بولنے اور جادوگری کے مستحق تو ہم سے پہلے کہیں اور لوگ نہ ہوں۔ یہ بات یقینی ہے کہ ہمارے ساتھ قطع رحمی کے جرم پر تم ہی لوگ متفق ہوئے ہو۔ اب اس بات کو خباثت یا جادو کہنا زیادہ مناسب ہے یا اس صلح و آشتی کو جو ہمارا طرز عمل رہا ہے۔ اگر تم لوگ متفق ہو کر جادو نہ چلاتے تو تمہارا عہد نامہ کبھی دیمک نہ کھاتی اب دیکھتے ہو کہ یہ تمہارے ہی قبضہ میں تھا اور اس کے باوجود اس میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک تھا وہ سب اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا ہے اور جس جس جگہ تمہارے ظلم کی باتیں تھیں وہ سب رہنے دی ہیں۔ بولو اب جادو چلانے والے تم ہوئے یا ہم۔ یہ سن کر کچھ لوگ قبیلہ بنو عبد مناف بنو قصی کے اور قریش کے وہ لوگ جو بنو ہاشم کی عورتوں سے پیدا شدہ تھے بولے جن میں ان کے بڑے بڑے مشاہیر شامل تھے جیسے ابو البختری' مطعم بن عدی' زہیر بن ابی امیہ' زمعۃ بن الاسود اور ہشام بن عمرو ان ہی کے قبضہ میں یہ عہد نامہ تھا اور یہ بنو عامر بن لوئی کی اولاد تھے۔ یہ اور دوسرے سربر آوردہ لوگ کہنے لگے کہ ہم سب لوگ اس عہد نامہ سے اپنی علیحدگی کا اظہار کرتے ہیں اس پر ابو جہل بولا اچھا یہ سازش رات میں کی گئی ہے اس عہد نامہ کے بارے میں اور اس جماعت کی شان میں جنہوں نے اس عہد نامہ سے علیحدگی ظاہر کر دی تھی اور اس میں جو عہد مذکور تھا اس کو توڑ دیا تھا۔ ابو طالب نے مدحیہ اشعار بھی کہے ہیں۔ اور نجاشی بادشاہ کے متعلق بھی مدحیہ اشعار کہے ہیں (کیونکہ وہ بھی مسلمانوں کا ہمدرد تھا)

موسیٰ ابن عقبہ (صاحب مغازی) بیان کرتے ہیں کہ جب اس عہد نامہ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح محو و اثبات کر کے خراب کر دیا تو اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے باہر تشریف لے آئے اور لوگوں کے ساتھ پھر ملنے جلنے لگے۔

فائدہ

اس واقعہ کو حافظ ابن تیمیہؒ نے بطور آپؐ کے ایک معجزہ ہونے کے نصاریٰ کے سامنے رکھا ہے لیکن ہمارے بعض علماء نے اس کو بھی مرسل کہہ کر آپؐ کے معجزات میں سے علیحدہ کر دیا ہے۔ معلوم نہیں کہ مرسل کی حیثیت اس عالم کے نزدیک اتنی کمتر کیوں ہے جبکہ مراسیل کا احکام کے باب میں حجت ہونا تسلیم کر لیا گیا ہو۔ بالخصوص حنفیہ کے نزدیک پھر مسلمہ آئمہ حدیث نے مراسیل پر مستقل تصانیف لکھی ہیں۔ امام شافعیؒ گو مراسیل کے منکر ہیں مگر وہ بھی علی الاطلاق نہیں ان کے ہاں بھی استثناء موجود ہے ہمارے نزدیک امام زہریؒ کی جلالت قدر اور متاخرین میں حافظ ابن تیمیہؒ کا اس کو نقل کر دینا اس کے معتبر ہونے کے لئے کافی ضمانت ہے۔ بالخصوص جبکہ دوسرے طرق سے بھی یہ واقعہ ثابت ہے۔ ابن لہیعہ کو گو ضعیف کہا گیا ہے مگر ان کے بارے میں اختلاف آراء کے علاوہ اس درجہ ضعف کہ ان کا بیان ساقط الاعتبار ہو قابل تسلیم نہیں۔

چلئے اگر اس ایک واقعہ کو حدیث کہنے میں کوئی تامل ہو تو بہت سی احکام کی حدیثوں میں بھی ان پر حدیث کا حکم لگانا مشکل ہوگا حالانکہ محدثین نے ان کو بالاتفاق اپنی مصنفات میں صرف ذکر ہی نہیں کیا بلکہ اپنا مختار بھی بنا لیا ہے۔ اسی لئے حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی خشک مزاجی کے باوجود اس کے دلائل نبوت ہونے میں ادنیٰ سے تامل کئے بغیر دنیا کے سامنے اس کو پیش کر دیا ہے اور ان ہی کے اتباع میں اس کو اسلامی تاریخ کے عجائبات میں شمار کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا۔ جبکہ اس ایک واقعہ کو الگ رکھ کر بھی ہمارے پاس آپؐ کے بیشمار دلائل نبوت جو زبردست دشمنوں کے واسطے بھی قابل انکار نہیں موجود ہیں تو ان ہی انبار کے درمیان اس کو تحریر کر دینے میں ہمارا قلم کیوں جھجکے۔

ایک نوجوان کی گستاخی پر حلم و درگزر

ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ ایک نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور

کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو زنا کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ اس نازیبا سوال پر صحابہؓ نے چاروں طرف سے اس کو ڈانٹ پھٹکار شروع کر دی اور خاموش خاموش' کا شور مچ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا ذرا قریب آ جا اور آپ کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد آپؐ نے اس سے فرمایا بتا تو اپنی ماں کے ساتھ یہ فعل گوارا کرے گا؟ اس نے کہا آپ پر قربان جاؤں بخدا ہرگز نہیں' آپؐ نے کہا اچھا تو پھر اور لوگ اس کو اپنی ماؤں کے حق میں کیسے گوارا کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے اس کی بیٹی کے متعلق یہی سوال کیا اور اسی طرح بہنوں' پھوپھیوں اور خالاؤں اس کے سب محارم کے متعلق یہی سوال کیا اور ہر ایک کے جواب میں وہ یہی کہتا رہا میری جان آپ پر قربان ہرگز نہیں۔ اور آپ بھی یہی فرماتے رہے کہ جس عورت کے ساتھ بھی تو اس فعل کا ارادہ کرے گا وہ بھی ضرور کسی کی ماں' بیٹی' بہن' پھوپھی اور خالہ ہو گی تو پھر اور لوگ اس کو کیسے گوارا کر سکتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد آپؐ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھا اور یہ دعا کی خداوندا اس کے گناہ بخش دے اور اس کا دل پاکیزہ بنا دے اور اس کو پاک دامن بنا دے۔ بس وہ دن تھا کہ پھر وہی نوجوان کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا تھا۔ (مسند احمد)

فائدہ

اس کا نام ہے نبوت' آپ نے دیکھا کہ ایک طرف کس حکیمانہ انداز میں اس کو نصیحت فرمائی اور دوسری طرف کیسی مستجاب دعا دی۔ اگر آپ صرف دعا پر اکتفا فرما لیتے تو یہ معجزہ صرف اسی کے حق میں معجزہ ہو کر رہ جاتا مگر اب آپؐ کے یہ ناصحانہ کلمات ہر ذی حس کے لئے تا قیامت معجزہ کا اثر دکھاتے رہیں گے۔ دل چاہتا ہے کہ اس مرض میں مبتلا لوگ پورے اعتقاد کے ساتھ نمازوں کے بعد یہی دعا کر کے شفایاب ہوتے رہیں۔

حضرت حمزہؓ کے قاتل سے درگزر

امام بخاریؒ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ قتل میں وحشی قاتل حمزہؓ کا بیان نقل فرماتے ہیں کہ جب سب لوگ مکہ کی طرف لوٹے تو میں بھی مکہ میں مقیم ہو گیا یہاں تک

کہ (فتح مکہ کے بعد) اسلام پھیل گیا پھر میں طائف کی جانب نکل کھڑا ہوا تو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قاصد روانہ کئے اور مجھ سے کسی نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ کسی قاصد کو پریشان نہ کرتے۔ اتفاق سے ایک جماعت قاصد بن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہی تھی، اس لئے میں بھی ان ہی کے ساتھ جا شامل ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا جب آپ نے مجھ کو بھی دیکھا تو فرمایا کیا وہ ''وحشی'' تو ہی ہے؟ میں نے عرض کی جی ہاں آپ نے فرمایا کیا اس بے رحمی کے ساتھ تو نے ہی حمزہؓ کو شہید کیا ہے؟ میں نے کہا کہ جو کچھ خبر آپ کو میری جانب سے پہنچی، سچی سچی بات تو وہی ہے آپ نے فرمایا اچھا کیا تو اتنی سی بات کر سکتا ہے کہ اپنے چہرے کو میرے سامنے سے ہٹا لے (تاکہ تجھے دیکھ کر میرا غم تازہ نہ ہو اور مجھ کو اپنے پیارے چچا یاد نہ آئیں) یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کے اس فرمان پر شرمندہ ہو کر باہر چلا گیا اور آپ کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ جب آپ کی وفات ہو گئی تو مسیلمہ کذاب کا فتنہ شروع ہو گیا میں نے دل میں کہا کہ میں بھی اس کے مقابلے کے لئے چلوں اور شاید اس کے قتل میں کامیاب ہو کر (کم از کم روز حشر میں تو آپ کو منہ دکھانے کے قابل ہو جاؤں) اور اس عمل سے شاید حمزہؓ کے قتل کی کچھ مکافات کر سکوں۔ چنانچہ میں نے جانچ کر اس کی طرف اپنا نیزہ پھینکا بس وہ ٹھیک اس کے سینہ سے نکل کر اس کے پشت کی جانب سے نکل گیا۔ (بخاری شریف)

فائدہ

آخر میں وہ کہا کرتے تھے کہ زمانہ کفر میں اگر ایک بہترین سنی کو قتل کیا ہے تو اپنے اسلامی دور میں ایک بدترین شخص کو داخل جہنم کیا ہے شاید وہ اس طرح اس عمل شر کا کچھ بدلہ ہو جائے۔

ختم نبوت کا معنیٰ

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ. اما بعد

سرورِ دو عالم فخرِ بنی آدم آقائے دو جہاں نبی عالمین امام النبیین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین حضرت سیدنا ومولانا وشفیعنا محمد صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وسلم محض نبی ہی نہیں بلکہ خاتم النبیین ہیں۔ اور ختم کے معنی انتہا کر دینے اور کسی چیز کو انتہا تک پہنچا دینے کے ہیں۔ اس لیے خاتم النبیین کے معنی نبوت کو انتہا تک پہنچا دینے کے ہوئے اور کسی چیز کے انتہا تک پہنچ جانے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی آخری حد پر آ جائے کہ اس کے بعد کوئی اور درجہ اور حد باقی نہ رہے جس تک وہ پہنچے۔ اس لیے ختم نبوت کے معنی یہ ہوئے کہ نبوت اپنے تمام درجات و مراتب کی آخری حد تک آ گئی اور نبوت کا کوئی درجہ اور مرتبہ باقی نہیں رہا کہ جس تک وہ آئے اور اِس کے لیے حرکت کر کے آگے بڑھے۔ اِس لیے ''خاتم النبیین'' کے حقیقی معنی یہ نکلے کہ خاتم پر نبوت اور کمالات نبوت کے تمام مراتب پورے ہو گئے اور نبوتی اپنے علمی و اخلاقی کمالات کے ایک ایسے انتہائی مقام پر آ گئی کہ بشریت کے دائرہ میں نہ علمی کمال کا کوئی درجہ باقی رہا نہ اخلاقی قدروں کا کوئی مرتبہ کہ جس کے لیے نبوت خاتم سے گزر کر آگے بڑھے اور اس درجہ یا قدر تک پہنچے۔

خاتم النبیین وہ ہے جس پر کمالات کی انتہاء ہو گئی

اِس سے واضح ہو گیا کہ ختم نبوت کے معنی قطع نبوت یا انقطاع رسالت کے نہیں کہ نبوت کی نعمت باقی نہ رہی یا اِس کا نور عالم سے زائل ہو گیا بلکہ تکمیلِ نبوت کے ہیں جس کا حاصل

یہ ہوا۔ کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر تمام کمالاتِ نبوت اپنی انتہا کو پہنچ کر مکمل ہو گئے جواب تک نہ ہوئے تھے اور اب جو نبوت دنیا میں قائم ہے وہ خاتم کی ہے۔ اور اس کامل نبوت کے بعد کسی نئی نبوت کی ضرورت باقی نہیں رہی، نہ یہ کہ نبوت دنیا سے منقطع ہو گئی اور چھین لی گئی، معاذ اللہ۔ اس کا قدرتی ثمرہ یہ نکلتا ہے کہ نبوت جب سے شروع ہوئی اور جن کمالات کو لے کر شروع ہوئی اور آخر کار جس حد پر آ کر رکی اور ختم ہوئی اِس کے اوّل سے لے کر آخر تک جس قدر بھی کمالاتِ نبوت دنیا میں وقتاً فوقتاً آئے اور طبقہ انبیاء میں سے کسی کو ملے وہ سب کے سب خاتم النبیین میں آ کر جمع ہو گئے۔ جو خاتم سے پہلے اِس کمال جامعیت کے ساتھ کسی میں جمع نہیں ہوئے تھے ورنہ جہاں بھی یہ اجتماع ہوتا وہیں پر نبوت ختم ہو جاتی اور آگے بڑھ کر یہاں تک نہ پہنچتی۔ اسلیے ''خاتم النبیین'' کا جامع علومِ نبوت جامع اخلاقِ نبوت جامع احوالِ نبوت اور جامع جمیع شئونِ نبوت ہونا ضروری ٹھہرا جو غیر خاتم کے لیے نہیں ہو سکتا تھا ورنہ وہی خاتم بن جاتا۔

خاتم النبیین کی شریعت

اور ظاہر ہے کہ جب ان ہی کمالات علم و عمل پر شریعتوں کی بنیاد ہے جو اپنی انتہائی حدود کے ساتھ خاتم النبیین میں جمع ہو کر اپنے آخری کنارہ پر پہنچ گئے جن کا کوئی درجہ باقی نہ رہا کہ اسے پہنچانے کے لیے خدا کا کوئی اور نبی آئے تو اِس کا صاف مطلب یہ نکلا کہ شریعت اور دین بھی آ کر خاتم پر ختم یعنی مکمل ہو گیا اور شریعت و دین کا بھی کوئی تکمیل طلب حصہ باقی نہیں رہا کہ اسے پہنچانے اور مکمل کرنے کے لیے کسی اور نبی کو دنیا میں بھیجا جائے۔ اِس لیے خاتم النبیین کے لیے خاتم الشرائع خاتم الادیان اور خاتم الکتب یا بالفاظ دیگر کامل الشریعت کامل الدین اور کامل الکتاب ہونا بھی ضروری اور قدرتی نکلا۔ ورنہ ختم نبوت کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکے تھے اور ظاہر ہے کہ کامل ہی ناقص کے لیے ناسخ بن سکتا ہے نہ کہ برعکس۔ اسلیے شریعت محمدی بوجہ اپنے انتہائی کمال اور ناقابل تغیر ہونے کے سابقہ شرائع کو منسوخ کرنے کی حقدار ٹھیرتی ہے اور ظاہر ہے کہ ناسخ آخر میں آتا ہے اور منسوخ اِس سے مقدم ہوتا ہے۔ اسلیے اس شریعت کا آخر میں آنا اور اِس کے لانے والے کا سب کے آخر میں مبعوث ہونا

بھی ضروری تھا۔ اِس لیے خاتم النبیین ہونے کے ساتھ آخرالنبیین بھی ثابت ہوئے کہ آپ کا زمانہ سارے انبیاء کے زمانوں کے بعد میں ہو۔ کیونکہ آخری عدالت جو ابتدائی عدالت کے فیصلوں کو منسوخ کرتی ہے آخر ہی میں رکھی جاتی ہے۔

آپ کمالاتِ بشری کے منتہا بھی ہیں اور مبداء بھی

پھر ساتھ ہی جب کہ خاتم النبیین کے معنی منتہائے کمالات نبوت کے ہوئے کہ آپ ہی پر آ کر ہر کمال ختم ہو جاتا ہے تو یہ ایک طبعی اصول ہے کہ جو وصف کسی پر ختم ہوتا ہے اسی سے شروع بھی ہوتا ہے جو کسی چیز کا منتہا ہوتا ہے وہی اِس کا مبدا بھی ہوتا ہے اور جو کسی شے کے حق میں خاتم یعنی مکمل ہوتا ہے۔ وہی اِس کے حق میں فاتح اور سر چشمہ بھی ہوتا ہے ہم سورج کو کہیں کہ وہ خاتم الانوار ہے جس پر نور کے تمام مراتب ختم ہو جاتے ہیں تو قدرتاً اسی کو سر چشمہ انوار بھی ماننا پڑیگا کہ نور کا آغاز اور پھیلاؤ بھی اسی سے ہوا ہے اور جہاں بھی نور اور روشنی کی کوئی جھلک ہے وہ اسی کی ہے اور اسی کے فیض سے ہے اِس لیے روشنی کے حق میں سورج کو خاتم کہہ کر فاتح بھی کہنا پڑے گا یا جیسے کسی بستی کے واٹر ورکس کو ہم خاتم المیاہ (پانیوں کی آخری حد) کہیں جس پر شہر کے سارے نلوں اور ٹینکیوں کے پانی کی انتہا ہو جاتی ہے تو اسی کو ان پانیوں کا سر چشمہ بھی ماننا پڑے گا کہ پانی چلا بھی یہیں سے ہے جو نلوں اور ٹینکیوں میں پانی آیا اور جس براسکاگ کو بھی پانی ملا وہ اسی کے فیض سے ملا جیسے ہم حضرت آدم علیہ السلام کو خاتم الآبا کہیں کہ باپ ہونے کا وصف ان پر جا کر ختم ہو جاتا ہے کہ ان کے بعد کوئی اور باپ نہیں نکلتا بلکہ سب باپوں کے باپ ہونے کی آخری حد سلسلہ وار پہنچ کر حضرت آدم علیہ السلام پر ختم ہو جاتی ہے تو قدرتی طور پر وہی فاتح الآبا بھی ثابت ہوتے ہیں کہ باپ ہونے کی ابتدا بھی ان ہی سے ہو۔ اگر وہ باپ نہ بنتے تو کسی کو بھی باپ بننا نہ آتا۔ یا جیسے ہم حق تعالیٰ شانہ کو خاتم الوجود جانتے ہیں کہ ہر موجود کے وجود کی انتہا اسی پر ہوتی ہے تو اصول مذکورہ کی رو سے وہی ذات واجب الوجود ان وجودوں کا سر چشمہ اور مبدا بھی ثابت ہوتی ہے کہ جسے بھی وجود کا کوئی حصہ ملا وہ اسی ذات اقدس کا فیض اور طفیل ہے۔ پس وجود کے حق میں ذاتِ خداوندی ہی اوّل و آخر اور مبدا و منتہا ثابت ہوتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح

جب کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ''خاتم النبیین'' ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہوا۔ اور اس کے معنی بھی واضح ہو گئے کہ نبوت اور کمالاتِ نبوت آپ پر پہنچ کر ختم ہو گئے اور آپ ہی کمالاتِ علم و عمل کے منتہا ہوتے تو اصولِ مذکورہ کی رو سے آپ ہی کو ان کمالاتِ بشری کا مبداء اور سرچشمہ بھی ماننا پڑے گا کہ آپ ہی سے ان کمالات کا افتتاح اور آغاز بھی ہوا اور جسے بھی نبوت یا کمالاتِ نبوت کا کوئی کرشمہ ملا وہ آپ ہی کے واسطہ اور فیض سے ملا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اصلی ہے اور باقی انبیاءؑ کی بالواسطہ ہے

پس جیسے آدم کی ابوّت اوّل بھی تھی اور وہی لوٹ پھر کر آخری بھی ثابت ہوتی تھی۔ ساتھ ہی اصلی اور بلاواسطہ بھی تھی۔ بقیہ سب باپوں کی ابوت ان کے واسطہ اور فیض سے تھی۔ ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اوّل بھی ہوئی اور لوٹ کر پھر آخری بھی اور ساتھ ہی اصلی اور بلاواسطہ بھی ہے کہ بقیہ سب انبیاء کی نبوتیں آپ کے واسطہ اور فیض سے ہیں۔ پس جیسے فلاسفہ کے یہاں ہر نوع کا ایک رب النوع مانا گیا ہے جو اس نوع کے لیے نقطہ فیض ہوتا ہے۔ ایسے ہی نبوت کی مقدس نوع کا نقطہ فیض اور جوہر فرد حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے۔ اِس لیے آپ کی نبوت اصلی ہے اور دوسرے انبیاء کی نبوت بواسطہ خاتم النبیین ہے۔ پس ہر کمالِ نبوت خواہ علمی ہو یا عملی۔ اخلاقی ہو یا اجتماعی حال کا ہو یا مقام کا، وہ اوّلاً آپ میں ہوگا اور آپ کے واسطہ سے دوسروں کو پہنچے گا۔ اِس لیے اصولِ مذکورہ کی رو سے دائرہ نبوت میں جب آپ خاتم نبوت ہوئے تو آپ ہی فاتح نبوت بھی ہوئے۔ اگر نبوت آپ پر رکی اور منتہی ہوئی تو آپ ہی سے یقیناً چلی بھی اور شروع بھی ہوئی، اسلیے آپ نبوت کے خاتم بھی ہیں اور فاتح بھی ہیں، آخیر بھی ہیں اور اوّل بھی ہیں۔ مبدا بھی ہیں اور منتہا بھی ہیں۔ چنانچہ جہاں آپ نے اپنے آپ کو خاتم النبیین فرمایا کہ:۔

انی عبد اللہ و خاتم النبیین

میں اللہ کا بندہ اور خاتم النبیین ہوں۔ (البیہقی والحاکم عن عرباض بن ساریہ)

اور جہاں آپ نے نبوت کو ایک قصر سے تشبیہ دے کر اپنے کو اِس کی آخری اینٹ بتایا جس پر اس عظیم الشان قصر کی تکمیل ہو گئی۔

فانا سددت موضع اللبنة و ختم بی البینات و ختم بی الرسل

(کنزالعمال)

پس میں نے ہی (قصرِ نبوت کی آخری) اینٹ کی جگہ کو پر کیا اور مجھ ہی پر یہ قصر مکمل کر دیا گیا اور مجھ ہی پر رسول ختم کر دیئے گئے کہ میرے بعد اب کوئی رسول آنے والا نہیں۔

وہیں آپ نے اپنے کو قصرِ نبوت کی اولین خشت اور سب سے پہلی اینٹ بھی بتایا۔ فرمایا:

کنت نبیا والادم بین الروح و الجسد

میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم ابھی روح و بدن ہی درمیان ہی میں تھے۔

یعنی ان میں ابھی روح بھی نہیں پھونکی گئی تھی کہ میں نبی بنا دیا گیا تھا۔ جس سے واضح ہے کہ آپ خاتم ہونے کے ساتھ ساتھ فاتح بھی تھے۔ اوّل بھی تھے اور آخر بھی۔ چنانچہ ایک روایت میں اِس فاتحیت اور خاتمیت کو ایک جگہ جمع فرماتے ہوئے ارشاد ہوا (جو حدیث قتادہ کا ایک ٹکڑہ ہے) کہ:۔

جعلنی فاتحاً و خاتماً

اور مجھے اللہ نے فاتح بھی بنایا اور خاتم بھی۔ (خصائص کبریٰ ۱۹۷/۳۴۰)

پھر چونکہ خاتم ہونے کے لیے اوّل و آخر ہونا بھی لازم تھا تو حدیثِ ذیل میں اسے بھی واضح فرما دیا گیا اور آدم علیہ السلام کو حضورؐ کا نور دکھلاتے ہوئے بطور تعارف کہا گیا کہ:۔

هذا ابنک احمد هو الاول و الاخر (کنزالعمال)

یہ تمہارا بیٹا احمد ہے جو (نبوت میں) اوّل بھی ہے اور آخر بھی ہے۔

پھر حدیث ابی ہریرہ میں اِس اولیت و آخریت جیسی اضداد کے جمع ہونے کی نوعیت پر روشنی ڈالی گئی کہ:۔

کنت اول النبیین فی الخلق و آخرهم فی البعث (ابونعیم فی الدلائل)

میں نبیوں میں سب سے پہلا ہوں بلحاظ پیدائش کے اور سب سے پچھلا ہوں بلحاظ بعثت کے۔

اِس لیے حقیقی طور پر آپ کی امتیازی شان محض نبوت نہیں۔ بلکہ ''ختم نبوت'' ثابت

ہوتی ہے جس سے آپ کے لیے یہ فاتح وخاتم اوراول وآخر ہونا ثابت ہوااورآپ سارے طبقہ انبیاء میں ممتاز اور فائق نمایاں ہوئے اور ظاہر ہے کہ جب نبوت ہی سارے بشری کمالات کا سرچشمہ ہے اوراسی لیے سارے انبیاء علیہم السلام سارے ہی کمالاتِ بشری کے جامع ہوئے ہیں تو قدرتی طور پر ''خاتم نبوت'' کے لیے صرف جامع کمالات ہونا کافی نہیں بلکہ خاتم کمالات ہونا بھی ضروری ہے یعنی آپ کا ہر کمال انتہائی کمال کا نقطہ ہونا چاہیے۔ ورنہ ختم نبوت کے کوئی معنی ظاہر نہیں ہوسکتے۔

تمام انبیاء کے کمالات آپؐ میں علی وجہ الاتم موجود تھے

اندریں صورت جہاں یہ ماننا پڑے گا کہ جو کمال بھی کسی نبی میں تھا۔ وہ بلاشبہ آپ میں بھی تھا وہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آپ میں وہ کمال سب سے پہلے تھا اور سب سے بڑھ چڑھ کر تھا اور امتیاز وفضیلت کی انتہائی شان لیے ہوئے تھا اور یہ کہ وہ کمال آپ میں اصلی تھا اور اوروں میں آپ کے واسطہ سے تھا۔ پس آپ جامع کمالات ہی نہیں بلکہ خاتم کمالات اور خاتم کمالات ہی نہیں فاتح کمالات ......اور سرچشمہ کمالات اور فاتح کمالات ہی نہیں بلکہ منتہائے کمالات اور منتہائے کمالات ہی نہیں بلکہ اعلیٰ الکمالات اور افضل الکمالات ثابت ہوئے کہ آپ میں کمال ہی نہیں بلکہ کمال کا آخری اور انتہائی نقطہ ہے جس کے فیض سے اگلے اور پچھلے باکمال بنے۔

عقلی طور پر اس کی وجہ یہ ہے کہ جس پر عنایت ازلی سب سے پہلے اور بلاواسطہ متوجہ ہوئی۔ وہ جس درجہ کا اثر اِس سے قبول کریگا یقیناً ثانوی درجہ میں اور بالواسطہ فیض پانے والے اس درجہ کا اثر نہیں لے سکتے۔ پس اوّل مخلوق یعنی اوّل ماخلق اللہ نوری کا مصداق، نور الٰہی کا جو نقشِ کامل اپنی اِستعداد کامل سے قبول کرسکتا ہے۔ اِس کی توقع بالواسطہ اور ثانوی نقوش سے اثر لینے والوں سے نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ آپ کی سیرت مبارکہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ جو کمالات انبیاء سابقین کو الگ الگ دیئے گئے وہ سب کے سب اکٹھے کر کے اور ساتھ ہی اپنے انتہائی اور فائق مقام کے ساتھ آپ کو عطا کئے گئے اور جو آپ میں مخصوص کمالات ہیں وہ الگ ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

چنانچہ ذیل کی چند مثالوں سے جو شانِ خاتمیت کی ہزاروں امتیازی خصوصیات میں سے چند کی ایک اجمالی فہرست اور سیرت خاتم الانبیاء کے بے شمار ممتاز اور خصوصی مقامات میں سے چند کی موٹی موٹی سرخیاں ہیں۔ اِس حقیقت کا اندازہ لگایا جا سکے گا کہ اولین و آخرین میں سے جس باکمال کو جو کمال دیا گیا اِس کمال کا انتہائی نقطہ حضور کو عطا فرمایا گیا، اپنی ہر جہتی حیثیت سے ممتاز و فائق اور افضل تو ہے۔ مثلاً

باقی انبیاء ہیں، آپ خاتم الانبیاء ہیں

(۱) اگر اور انبیاء نبی ہیں تو آپ خاتم النبیین ہیں"۔ ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله و خاتم النبيين (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ نہیں تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین تھے۔

اور حدیث سلمان کا حصہ ذیل کہ ان كنت اصطفيت آدم فقد ختمت بك الانبياء وما خلقت خلقا اكرم منك علي۔ (خصائص کبری ۲/۱۹۳)

ترجمہ:۔ اور ارشاد حدیث کہ جبریل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کا پروردگار فرماتا ہے کہ (اگر میں نے آدم کو صفی اللہ کا خطاب دیا ہے تو آپ پر تمام انبیاء کو ختم کر کے آپ کو خاتم النبیین کا خطاب دیا ہے) اور میں نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کہ جو مجھے آپ سے زیادہ عزیز ہو۔

باقی اقوام کے نبی ہیں آپ نبی الانبیاء ہیں

(۲) اگر اور انبیاء کی نبوتیں مرجع اقوام و ملل ہیں تو آپ کی نبوت اس کی ساتھ ساتھ مرجع انبیاء و رسل بھی ہے۔

واذ اخذ الله ميثاق النبيين لما آتيتكم من كتاب و حكمة ثم جاء كم رسول مصدق لما معكم لتؤمنن به و لتنصرنه (القرآن الحكيم)

ترجمہ:۔اور یاد کرو کہ جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا۔ کتاب ہو یا حکمت، پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتاوے تمہاری پاس والی کتاب کو تو اِس پر ایمان لاؤ گے اور اِسکی مدد کرو گے یہ مدد بلاواسطہ ہوگی اگر کوئی رسول دورۂ محمدی کو پا جائیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام آپ ہی کی نبوت کے دورہ میں آسمان سے اتریںگے اور اتباع محمدی کرینگے) یا بواسطہ امم واقوام ہوگی اگر خود رسول دورۂ محمدی نہ پائیں جیسے تمام انبیاء سابقین جو دورۂ محمد سے پہلے گزر گئے اور آپ کا دورۂ شریعت انہوں نے نہیں پایا۔

باقی عابد ہیں آپ امام العابدین ہیں

(۳) اگر اور انبیاء عابد ہیں تو آپ کو ان عابدین کا امام بنایا گیا۔ **ثم دخلت بيت المقدس فجمع لي الانبياء فقدمني جبريل حتىٰ امتهم** (نسائی عن انس)

ترجمہ:۔شب معراج کے واقعہ کا ٹکڑا ہے کہ پھر میں داخل ہوا بیت المقدس میں اور میرے لیے تمام انبیاء کو جمع کیا گیا۔ تو مجھے جبرائیل نے آگے بڑھایا یہاں تک میں نے تمام انبیاء کی امامت کی۔

باقی ظہور کے بعد نبی ہیں آپؐ وجود سے پہلے نبی ہیں

(۴) اگر اور انبیاء اپنے ظہور کے وقت نبی ہوئی تو آپ اپنے وجود ہی کے وقت سے نبی تھے جو تخلیق آدم کی تکمیل سے بھی قبل کا زمانہ ہے۔ **كنت نبيا و ادم بين الروح و الجسد** (مسند احمد)

ترجمہ:۔ میں نبی تھا اور آدم ابھی تک روح اور بدن کے درمیان ہی تھے (یعنی ان کی تخلیق ابھی مکمل نہ ہوئی تھی۔)

باقیوں کی نبوت حادث تھی آپ کی قدیم ہے

(۵) اگر اوروں کی نبوت حادث تھی تو حضور کی نبوت عالمِ خلق میں قدیم تھی۔

قال ابوهريرة متى وجبت لك النبوّة؟ قال بين خلق آدم و نفخ الروح فيه. (مستدرک حاکم و بیہقی و ابو نعیم)

ترجمہ:۔ابو ہریرہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی؟

آپ نے فرمایا۔ آدم کی پیدائش اور ان میں روح آنے کے درمیان میں۔

باقی انبیاء کائنات تھے آپ سبب تخلیقِ کائنات ہیں

(۶) اگر اور انبیاء اور ساری کائنات مخلوق ہیں تو آپ مخلوق ہونے کے ساتھ ساتھ سبب تخلیقِ کائنات بھی ہیں۔

فلولا محمد ما خلقت آدم ولا الجنة ولا النار (مستدرک)

ترجمہ:۔ اگر محمدؐ نہ ہوں (یعنی میں انہیں پیدا نہ کروں) تو نہ آدم کو پیدا کرتا نہ جنت و نار کو۔

باقی مُقرّب تھے تو آپؐ اولؐ المقربین ہیں

(۷) اگر عہد الست میں اور انبیاء مع تمام اولاد کے بلیٰ کے ساتھ مقر تھے تو حضور اول المقربین تھے جنہوں نے سب سے پہلے بلیٰ کہا اور بلیٰ کہنے کی سب کو راہ دکھلائی۔ **کان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اول من قال بلی و لذلک صار یتقدم الانبیاء وھو آخر من بعث** (خصائص کبری)

ترجمہ:۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے (عہد الست کے وقت) بلیٰ فرمایا۔ اسی لیے آپ تمام انبیاء پر مقدم ہو گئے درحالیکہ آپ سب کے آخر میں بھیجے گئے ہیں۔

آپؐ اول المبعوثین ہوں گے

(۸) اگر روز قیامت اور انبیاء قبروں سے مبعوث ہونگے تو آپ اول المبعوثین ہوں گے۔

انا اول من تنشق عنه الارض (مسند احمد عن ابن عباس)

ترجمہ:۔ میں سب سے پہلا ہوں گا کہ زمین اس کے لیے شق ہو گی یعنی قبر سے سب سے پہلے میں اٹھونگا۔

آپ کو سب سے پہلے بلایا جائے گا

(۹) اگر اور انبیاء ابھی عرصاتِ قیامت ہی میں ہونگے تو آپ کو سب سے پہلے پکار بھی

لیا جائے گا۔ کہ مقامِ محمود پر پہنچ کر اللہ کی منتخب حمد و ثنا کریں۔ فیکون اول من یدعیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فذا لک قولہ تعالیٰ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محمودا (مسند بزار و بیہقی)

ترجمہ:۔ پس جنہیں (میدانِ محشر میں) سب سے پہلے پکارا جائے گا۔ (کہ مقام محمود پر آ جائیں اور حمد و ثنا کریں۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ یہی معنی ہیں اللہ کے اِس قول کے کہ قریب ہے بھیجے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر۔

آپؐ قیامت میں سب سے پہلے ساجد ہوں گے

(۱۰) اگر اور انبیاء کو روز قیامت ہنوز سجدہ کی جرات نہ ہوگی تو آپ سب سے پہلے ہوں گے جنہیں سجدہ کی اجازت دی جائے گی۔ انا اوّل من یوذن له بالسجود یوم القیمة

(مسند احمد عن ابی الدرداء)

ترجمہ:۔ میں سب سے پہلا ہونگا۔ جسے قیامت کے دن سجدہ کی اجازت دیجائیگی۔

آپؐ سب سے پہلے سجدہ سے سر اٹھائیں گے

(۱۱) اگر اور انبیاء اجازتِ عامہ کے بعد ہنوز سجدہ ہی میں ہوں گے تو آپ کو سب سے اول سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت دے دی جائیگی انا اول من یرفع رأسه فانظر الی بین یدی . (مسند احمد عن ابی الدرداء)

وفی مسلم: . فیقال یا محمد ارفع رأسک سل تعط واشفع تشفع

ترجمہ:۔ میں سب سے پہلے سجدہ سے سر اٹھاؤں گا اور اپنے سامنے نظر کروں گا۔ (جب کہ سب کی نگاہیں نیچی ہوں گی) کہا جائے گا۔ محمد! سر اٹھاؤ جو مانگو گے دیا جائے گا (جس کی شفاعت کرو گے قبول کی جائیگی۔

آپؐ اول الشافعین واول المشفعین ہوں گے

(۱۲) اگر اور انبیاء روز قیامت شافع اور مشفع ہوں گے تو آپ اوّل شافع اور اول مشفع ہوں گے۔ انا اوّل شافع و اول مشفع (ابونعیم فی الحلیہ عن جابر)

ترجمہ:۔ میں سب سے پہلا شافع اور سب سے پہلا مشفع ہونگا (جس کی شفاعت قبول کی جائیگی)

آپ کو شفاعت کبریٰ ملے گی

(۱۳) اگر اور انبیاء کو شفاعت صغریٰ یعنی اپنی اپنی قوموں کی شفاعت دی جائے گی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ یعنی تمام اقوام دنیا کی شفاعت دی جائے گی۔

اذهبوا الیٰ محمد فیاتون فیقولون یا محمد انت رسول الله وخاتم النبیین غفرلک الله ما تقدم من ذنبک وما تاخر فاشفع لنا الیٰ ربک الحدیث (مسند احمد عن ابی هریره)

ترجمہ:۔ شفاعت کے سلسلہ میں اس حدیث طویل میں ہے کہ جب اولین و آخرین کی سرگردانی پر اور طلبِ شفاعت پر سارے انبیاء جواب دیں گے کہ ہم اِس میدان میں نہیں بڑھ سکتے اور لوگ آدم سے لے کر تمام انبیاء و رسل تک سلسلہ وار شفاعت سے عذر سنتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچیں گے اور طالب شفاعت ہونگے تو فرمائیں گے کہ) جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو آدم کی ساری اولاد آپکے پاس حاضر ہوگی اور عرض کرے گی کہ اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں (گویا آج سارے عالم کو رسالت محمدی اور ختمِ نبوت کا اقرار کرنا پڑیگا) آپکی اگلی اور پچھلی لغزشیں سب پہلے ہی معاف کر دی گئی ہیں (یعنی آپکے لیے اِس عذر کا موقع نہیں جو ہر نبی نے کیا کہ میرے اوپر فلاں لغزش کا بوجھ ہے میں شفاعت نہیں کر سکتا کہیں مجھ سے ہی باز پرس نہ ہونے لگے اِس لیے آپ پروردگار سے ہماری شفاعت فرمائیں تو آپ اسے بلا جھجک اور بلا معذرت کے قبول فرمالیں گے اور شفاعت کبریٰ کریں گے۔

آپ ﷺ شفاعتِ عامہ کا مقام سنبھالیں گے

(۱۴الف) اگر انبیاء قیامت کی ہولناکی کے سبب شفاعت سے بچنے کی کوشش کریں گے اور لست لها لست لها میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں) کہہ کر پیچھے ہٹ جائیں گے

توحضور کے دعوے کے ساتھ انا لھا انا لھا (میں اس کا اہل ہوں) کہہ کرآگے بڑھیں گےاور شفاعت عامہ کا مقام سنبھال لیں گے (مصنف ابن ابی شیبہ عن سلمان)

ترجمہ:۔ اِس روایت کی بھی وہی تفصیل ہے جو ۱۳ا میں گزری۔

آپؐ سب سے پہلے پلصراط عبور کریں گے

(۱۴ب) اگر اور انبیاء ابھی میدان حشر میں ہوں گے تو آپ سب سے پہلے ہونگے جو پل صراط کو عبور بھی کر جائیں گے

یضرب جسر جھنم فاکون اول من یجیز (بخاری ومسلم عن ابی ہریرہ)

ترجمہ:۔ جہنم پر پل تان دیا جائے گا تو سب سے پہلے اسے عبور کرنے والا میں ہوں گا۔

آپؐ سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے

(۱۵) اگر اور انبیاء اور اولین وآخرین ہنوز پیش دروازۂ جنت ہی ہوں گے تو آپ سب سے پہلے ہوں گے جو دروازہ جنت کھٹکھٹائیں گے۔ انا اوّل من یقرع باب الجنه (ابونعیم عن ابو ہریرہ)

ترجمہ:۔ میں سب سے پہلے دروازہ جنت کھٹکھٹاؤں گا۔

آپؐ کے لئے سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلے گا

(۱۶) اگر اور انبیاء اور اقوام انبیاء ہنوز داخلہ جنت کی اجازت ہی کے مرحلہ پر ہوں گے تو آپ کے لیے سب سے پہلے دروازہ جنت کھول بھی دیا جائے گا۔ انا اول من تفتح له ابواب الجنه (ابونعیم وابن عساکہ عن حذیفہ)

ترجمہ:۔ میرے لئے سب سے پہلے دروازہ جنت کھولا جائے گا۔

آپؐ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے

(۱۷) اگر اور انبیاء باب جنت کھلنے پر ابھی داخلہ کے آرزومند ہی ہوں گے تو آپ سب سے پہلے اول جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ وانا اول من یدخل الجنه یوم

القیمہ ولا فخر (بیہقی وابونعیم عن انس)

ترجمہ:۔ روزِ قیامت میں ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا۔ مگر فخر سے نہیں کہتا۔

آپ ﷺ کو اولین وآخرین کے علوم عطا ہوئے

(۱۸) اگر اور انبیاء کو علوم خاصہ عطا ہوئے تو آپ کو علم اولین وآخرین دیا گیا۔

اوتیت علم الاولین والآخرین (خصائص کبریٰ ۲/۱۸۷)

ترجمہ:۔ مجھے علم اولین وآخرین دیا گیا ہے جو الگ الگ انبیاء کو دیا گیا تھا جیسے آدمؑ کو علم اسماء، یوسفؑ کو علم تعبیر خواب، سلیمانؑ کو علم منطق الطیر خضرؑ کو علم لدنی، عیسیٰؑ کو حکمت وغیرہ۔

آپ ﷺ کو خُلقِ عظیم عطا ہوا

(۱۹) اگر اور انبیاء کو خلق حسن عطا ہوا۔ حسن کے معنی معاملات میں حدود سے نہ گزرنے کے ہیں اور خلق کریم عطاء جس کے معنی عفو مسامحہ کے ہیں تو آپ کو خلق عظیم دیا گیا جس کے معنی دوسروں کی تعدی پر نہ صرف ان سے درگزر کرنے اور معاف کردینے کے ہیں بلکہ ان کے ساتھ احسان کرنے اور حسنِ سلوک سے پیش آنے کے ہیں جو تمام محاسن اخلاق اور مکارم اخلاق دونوں کا جامع ہے۔ وانک لعلیٰ خلق عظیم (القران الحکیم)

ترجمہ:۔ خلق حسن یہ ہے کہ ظلم کرنے والے سے اپنا حق پورا پورا لیا جائے۔ چھوڑا نہ جائے مگر عدل وانصاف جس میں کوئی تعدّی اور زیادتی نہ ہو۔ یہ مساوات ہے اور خلافِ رحمت نہیں۔ خلقِ کریم یہ ہے کہ ظالم کے ظلم سے درگزر کر کے اپنا حق معاف کردیا جائے یہ کریم النفس ہے اور فی الجملہ رحمت بھی ہے کہ اگر دیا نہیں تو لیا بھی نہیں اور خلق عظیم یہ ہے کہ ظالم سے نہ صرف اپنے حق کی ادائیگی معاف کردی جائے بلکہ اوپر سے اس کے ساتھ سلوک واحسان بھی کیا جائے جب کہ وہ حق تلفی کر رہا ہو۔ اِس خلق کی روح غلبہ رحمت وشفقت اور کمال ایثار ہے اسی کو فرمایا کہ اے نبی! آپ خلقِ عظیم پر ہیں۔

آپ ﷺ متبوع الانبیاء ہیں

(۲۰) اگر اور انبیاء متبوع امم اقوام تھے تو حضور متبوع انبیاء ورسل تھے۔ لو کان

موسیٰ حیا ما وسعه الاتباعی (مشکوٰۃ)

ترجمہ:۔اگر موسیٰ آج زندہ ہوتے تو انہیں بھی میرے اتباع کے سوا چارۂ کار نہ تھا۔

آپ ﷺ کو ناسخ کتاب ملی

(۲۱) اگراور انبیاء کو قابل نسخ کتابیں ملیں تو آپ کو ناسخ کتاب عطا ہوئی۔

ان عمراتی النبی صلی اللہ علیه وسلم نبسخة من التوارة فقال یا رسول هذه نسخة من التوراة. فسکت. فجعل یقرأو وجه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یتغیر فقال ابوبکر ثکلتک الثواکل ما تری ما بوجه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم؟ فنظر عمرا لیٰ وجه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسوله رضینا باللہ ربا و بالاسلام دینا وبحمد نبیًا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم والذی نفس محمد بیدهٖ لو بدالکم موسیٰ فاتبعتموه و ترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیًا و ادرک نبوتی لاتبعنی (دارمی عن جابر)

ترجمہ:۔حضرت عمرؓ تورات کا ایک نسخہ حضور کے پاس لے آئے اور عرض کیا کہ یہ تورات ہے۔ آپ خاموش رہے تو انہوں نے اسے پڑھنا شروع کر دیا اور آپ کا چہرہ مبارک غصہ سے متغیر ہونا شروع ہو گیا تو صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا تجھے گم کر دیں گم کرنے والیاں کیا چہرہ نبوی کا اثر تمہیں نظر نہیں آ رہا ہے؟ تب حضرت عمرؓ نے چہرہ اقدس کو دیکھا اور دہل گئے، فوراً زبان پر جاری ہو گیا) میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے غضب سے اور اس کے رسول کے غضب سے ہم راضی ہوئے اللہ سے بلحاظ رب ہونے کے اور راضی ہوئے اسلام سے بلحاظ دین ہونے کے اور راضی ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بلحاظ نبی ہونے کے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر آج تمہارے پاس موسیٰ آ جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کرنے لگو تم بلاشبہ سیدھے راستہ سے بھٹک جاؤ گے اور اگر آج موسیٰ زندہ ہو کر آ جائیں اور میری نبوت کو پالیں تو وہ یقیناً میرا ہی اتباع کریں گے۔

آپ ؐ کو کمال دین عطا ہوا

(۲۲) اگر اور انبیاء کو دین عطا کیا گیا تو آپ کو کمال دین دیا گیا جس میں نہ کمی کی گنجائش ہے نہ زیادتی کی۔

الیوم اکملت لکم دینکم (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا (جس میں نہ اب کمی کی گنجائش ہے، نہ زیادتی کی)۔

(۲۳) اگر اور انبیاء کو ہنگامی دین دیئے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوامی دین عطا کیا گیا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ آج کے دن میں نے دین کو کامل کر دیا (جس میں کوئی کمی نہیں رہی تو کسی نئے دین کی ضرورت نہیں رہی پس وہ منسوخ ہو گیا جس سے اِس دین کا دوامی ہونا ظاہر ہے اور پہلے ادیان میں کمی تھی جس کی اِس دین سے تکمیل ہوئی تو پچھلے کسی ناتمام دین کی اب حاجت نہیں رہی پس وہ منسوخ ہو گیا جس سے اس کا ہنگامی ہونا ظاہر ہے۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ دین عطا ہوا

(۲۴) اگر اور انبیاء کو دین عطا ہوا تو آپ کو غلبہ دین عطا کیا گیا۔

هو الذی ارسل رسولهٗ بالهدیٰ و دین الحق لیظهرهٗ علی الدین کله

(القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ وہی ذات ہے جس نے اپنا رسول بھیجا ہدایت و دین دے کر تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔

آپ ؐ کے دین میں تجدید رکھی گئی

(۲۵) اگر اور انبیاء کے دین میں تحریف و تبدیل راہ پا گئی جس سے وہ ختم ہو گئے تو آپ کے دین میں تجدید رکھی گئی جس سے وہ قیامت تک تازہ بہ تازہ ہو کر دواماً باقی رہے گا۔

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل ماۃ سنہ من یجدد لھا دینھا (مشکوۃ)

ترجمہ:۔ بلاشبہ اللہ تعالےٰ اٹھاتا رہے گا اِس امت کیلئے وہ لوگ جو ہر صدی کے سرے پر دین کو تازہ بہ تازہ کرتے رہیں گے۔

شریعت محمدی میں جلال و جمال کا کمال غالب ہے

(۲۶) اگر شریعت موسوی میں جلال اور شریعت عیسوی میں جمال غالب تھا۔ یعنی حکم کی صرف ایک ایک جانب کی رعایت تھی۔ تو شریعت محمدی میں جلال و جمال کا مجموعی کمال غالب ہے۔ جس کا نام اعتدال ہے۔ جس میں حکم کی دونوں جانبوں کے ساتھ درمیانی جہت کی رعایت ہے جسے توسط کہتے ہیں۔ وجعلنکم امۃ وسطاً.

ترجمہ:۔ اور بنایا ہم نے تم کو (بحیثیت دین) کے امت اعتدال۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں تنگی ختم کردی گئی

(۲۷) اگر دینوں میں تشدد اور تنگی اور شاق شاق ریاضتیں تھیں، جسے تشدد کہا جاتا ہے تو اس دین میں نرمی اور توافق طبائع رکھ کر تنگ گیری ختم کردی گئی ہے۔

لا تشدد وعلیٰ انفسکم فیشدد اللہ علیکم فان قوماً شددو علیٰ انفسھم فشدد اللہ علیھم فتلک بقایا ھم فی الصوامع والدیار

(ابو داؤد عن انس)

ترجمہ:۔ اپنے اوپر سختی مت کرو (ریاضت شاقہ اور ترکِ لذات میں مبالغے مت کرو) کہ اللہ بھی تم پر سختی فرمانے لگے اس لیے کہ جنہوں نے اپنے اوپر تشدد کیا۔ رہبانیت سے یعنی یہود و نصاریٰ تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی سو یہ مندروں اور خانقاہوں میں کچھ انہی کے بچے بچائے لوگ پڑے ہوئے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں اعتدال ہے

(۲۸) اگر بسلسلہ خصومات شریعت موسوی میں تشدد ہے یعنی انتقام فرض ہے۔ عفو و درگذر جائز نہیں۔

وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین الآیۃ.

ترجمہ:۔اور ہم نے ان بنی اسرائیل پر فرض کر دیا تھا تورات میں نفس کا بدلہ نفس، آنکھ کا بدلہ آنکھ۔
اور شریعت عیسوی میں تساہل ہے یعنی عفو و درگذر فرض ہے انتقام جائز نہیں۔ نص انجیل گال پر تھپڑ کھا کر دوسرا گال بھی پیش کر دو انجیل میں فرمایا گیا ہے کہ کوئی تمہارے بائیں گال پر تھپڑ مارے تو تم دایاں گال بھی پیش کہ بھائی ایک اور مارتا چل۔ خدا تیرا بھلا کرے گا۔

تو شریعتِ محمدی میں توسط و اعتدال فرض ہے کہ انتقام جائز اور عفو و درگذر افضل ہے جسمیں یہ دونوں شریعتیں جمع ہو جاتی ہیں۔

وجزاء سیئة مثلها فمن عفا و اصلح فاجرهٗ علی الله انه لا یحب الظّٰلمین (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اور برائی کا بدلہ اسی جیسی اور اتنی ہی برائی ہے یہ خلق حسن ہے اور جو معاف کرے اور درگزر کرے تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ اور اللہ ظالموں کو جو حدود (سے گزر جانے والے ہوں) پسند نہیں کرتا۔

شریعت محمدی میں ظاہر کی طہارت بھی ہے باطن کی بھی

(۲۹) اگر شریعت عیسوی میں صرف باطنی صفائی پر زور دیا گیا ہے، خواہ ظاہر گندہ ہی کیوں نہ رہ جائے نہ غسلِ جنابت ہے نہ تطہیر اعضاء، دوسری ملتوں میں صرف ظواہر کی صفائی پر زور دیا گیا ہے کہ غسل بدن روزانہ ضروری ہے خواہ میں باطن میں خطرات کفر و شرک کچھ بھی بھرے پڑے رہیں تو شریعت محمدی میں طہارت ظاہر و باطن دونوں کو جمع کیا گیا ہے۔ **وثیابک فطهر** (القرآن الحکیم)
حضرت عمر رضی اللہ نے فرمایا۔ **فتیٰ ارفع ازارک فانه انقی لثوبک واتقی لربک** ارشاد حدیث ہے۔ **السواک مطهرة للفم مرضاة للرب۔**

ترجمہ:۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے قریب ایک نوجوان مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوا جس کی ازار ٹخنوں سے نیچی زمین پر گھسٹتی ہوئی آ رہی تھی۔ تو فرمایا کہ اے جوان لنگی ٹخنوں سے اوپر اٹھا کہ یہ کپڑے کے حق میں صفائی اور پاکی اور پروردگار کی نسبت سے تقویٰ (باطنی پاکی) کا سبب ہوگی جس سے ظاہری و باطنی دونوں پاکیوں کا مطلوب ہونا واضح ہے اور حدیث میں ہے کہ مسواک کرنا منہ کی تو پاکی ہے اور

پروردگار کی رضا ہے۔ یعنی مسواک ظاہری اور باطنی دونوں پاکیاں پیدا کرتی ہے جس سے ظاہر و باطن کی صفائی اور پاکی کا مطلوب ہونا نمایاں ہے۔

دین محمدی میں پوری انسانیت کی آزادی ہے

(۳۰) اگر اور ادیان میں اپنی اپنی قومیتوں اور ان ہی کے چھٹکارے کی رعایت ہے۔ مقولہ موسوی ہے۔

ان ارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبهم

ترجمہ:۔ بھیج میرے ساتھ بنی اسرائیل کو اور نہیں ستامت۔

مقولہ عیسوی ہے کہ میں اسرائیلی بھیڑوں کو جمع کرنے آیا ہوں" وغیرہ تو دین محمدی میں نفس انسانیت کی رعایت اور پورے عالم بشریت پر شفقت سکھلائی گئی ہے۔

الخلق عیال الله فاحب الخلق الی الله من یحسن الیٰ عیاله (مشکوٰۃ)

ترجمہ:۔ ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کو سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ احسان سے پیش آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت و حقیقت دونوں عطا ہوئیں

(۳۱) اگر اور انبیاء نے صرف ظاہر شریعت یا صرف باطن پر حکم کیا تو آپ نے ظاہر و باطن دونوں پر حکم کیا اور آپ کو شریعت و حقیقت دونوں کی عطا کی گئیں۔

عن الحارث بن حاطب ان رجلا سرق علیٰ عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فاتی به فقال اقتلوه فقالوا انما سرق قال فاقطعوه (فقطع) ثم سرق ایضا فقطع ثم سرق علی عهد ابی بکر فقطع ثم سرق فقطع حتیٰ قطعت قوائمه ثم سرق الخامسه فقال ابوبکر کان رسول الله علیه وسلم اعلم بهذا حیث امر بقتله اذهبوا به فاقتلوه (مستدرک، حاکم و صححه)

ترجمہ:۔ خضر علیہ السلام نے صرف باطن شریعت یعنی حقیقت پر حکم کیا جیسے کشتی توڑ دی۔ ناکردہ گناہ لڑکے کو قتل کر دیا یا بخیل گاؤں کی دیوار سیدھی کر دی اور موسےٰ علیہ السلام نے

صرف ظاہر شریعت پر حکم کیا کہ ان تینوں امور میں حضرت خضر علیہ السلام سے مواخذہ کیا۔ جب انہوں نے حقیقت حال ظاہر کی تب مطمئن ہوئے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر شریعت پر بھی حکم فرمایا جیسا کہ عام احکام شرعیہ ظاہر ہی پر ہیں اور کبھی کبھی باطن اور حقیقت پر بھی حکم فرمایا جیسا کہ حدیث میں اس کی نظیر یہ ہے کہ حارث بن حاطب ایک چور کو لائے تو حضورؐ نے فرمایا کہ اسے قتل کر دو حالانکہ چوری کی ابتدائی سزا قتل نہیں تو صحابہؓ نے موسیٰ صفت بن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس نے تو چوری کی ہے (کسی کو قتل نہیں کیا جو قتل کا حکم فرمایا جاوے) فرمایا اچھا اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ اس نے پھر چوری کی تو اس کا (بایاں پیر) کاٹ دیا گیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اس نے پھر چوری کی تو اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا چوتھی بار اس نے پھر چوری کی تو دایاں پیر بھی کاٹ دیا گیا۔ لیکن چاروں ہاتھ پیر کاٹ دیئے جانے کے باوجود جب اس نے پانچویں دفعہ پھر چوری کی تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اسکے بارہ میں علم حقیقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھا کہ آپ نے پہلی ہی بار ابتدا ہی میں جان لیا تھا کہ چوری اس کا جزوِ نفس ہے یہ چوری کی سزاؤں سے باز آنے والا نہیں اور ابتدا ہی میں اس کے باطن پر حکم لگا کر قتل کا حکم دیدیا تھا۔ ہمیں اب خبر ہوئی جب کہ وہ ظاہر میں ضابطہ سے قتل کے قابل بنا۔ لہٰذا اسے قتل کر دو۔ تب وہ قتل کیا گیا۔ اس قسم کے بہت سے واقعات احادیث میں جا بجا ملتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اجتہادی مذاہب عطا کئے گئے

(۳۲ الف) اگر انبیاء سابقین کو شرائع اصلیہ دی گئیں تو آپ کو آپ کی امت کے راسخین فی العلم کو شرائع وضعیہ یعنی اجتہادی مذاہب عطا کیے گئے جن میں تشریع کی شان رکھی گئی کہ آئمہ اجتہاد اصل شریعت کے احکام وعلل واوصاف اور اسرار وحکم میں شرعی ذوق سے غور وتدبیر کر کے نئے نئے حوادث کے احکام کا استخراج کریں اور باطن شریعت کھول کر نمایاں کر دیں۔

لعلمه الذين يستنبطونه منهم (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔اور جب ان کے پاس کوئی بات امن کی یا خوف کی پہنچتی ہے تو اسے پھیلا دیتے ہیں حالانکہ اگر اسے وہ پیغمبر کی طرف یا راسخین فی العلم تک پہنچا دیتے تو جولوگ اِس میں سے استنباط کرتے ہیں وہ اسے جان لیتے (جس سے استنباطی اوراجتہادی شرائع ثابت ہوتی ہیں)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے

(۳۲ب) اگر اور انبیاء کے ادیان میں ایک نیکی کا اجر ایک ہی ہے تو آپ کے دین میں ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے اور ایک نیکی برابر دس نیکیوں کے ہے۔**من جاء بالحسنة فله عشر امثالها** (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔جس نے ایک نیکی کی تو اس کے لیے دس گنا اجر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ نمازیں ملیں

(۳۳) اگر اور انبیاء کو ایک ایک نماز ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ نمازیں عطاء ہوئیں۔

عن محمد بن عائشه ان آدم لما یتب علیه عند الفجر صلیٰ رکعتین فصارت الصبح وفدی اسحٰق عند الظهر فصلی ابراهیم اربعا فصارت الظهر وبعث عزیر فقیل له کم لبثت قال یوما فرای الشمس فقال اوبعض یوم فصلیٰ اربع رکعات فصارت العصر و غفر لداؤد عند المغرب فقام فصلیٰ اربع رکعات فجهد فجلس فی الثالثة فصارت المغرب ثلثا و اول من صلی العشاء الاخرة نبینا محمدٌ صلی الله علیه وسلم (طحاوی بحواله خصائص کبریٰ ۲/۲۰۴)

ترجمہ:۔محمد بن عائشہؒ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی توبہ جس دن فجر کے وقت قبول ہوئی تو انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں تو صبح کی نماز کا وجود ہوا اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کا جب ظہر کے وقت فدیہ دیا گیا اور انہیں ذبح سے محفوظ رکھا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار رکعتیں بطورِ شکر نعمت پڑھیں تو ظہر ہوگئی اور حضرت عزیر علیہ السلام کو جب زندہ کیا گیا اور کہا گیا کہ تم کتنے وقت مردہ رہے؟ کہا، ایک دن، پھر جو سورج دیکھا تو کہا یا کچھ حصہ دن (جو عصر کا وقت ہوتا ہے) اور چار رکعت پڑھی تو عصر ہوگئی اور مغفرت کی گئی۔حضرت داوٗد علیہ

السلام کی غروب کے وقت تو وہ کھڑے ہوئے چار رکعت پڑھنے کے لیے تین پڑھی تھیں کہ تھک گئے تو تیسری ہی میں بیٹھ گئے تو مغرب ہوگئی اور سب سے پہلے جس نے عشاء کی نماز پڑھی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مذکورہ چاروں نمازیں بھی آپ کو دی گئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ نمازیں پچاس کے برابر ہیں

(۳۴) اگر اور انبیاء کی ایک نماز ایک ہی رہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ نمازیں پچاس کے برابر رکھی گئیں۔

ھی خمس بخمسین (نسائی عن انس)

ترجمہ:۔ شب معراج میں آپ کو پچاس نمازیں دی گئیں جن میں موسیٰ علیہ السلامؑ کے مشورہ سے آپ کمی کی درخواستیں کرتے رہے اور پانچ پانچ ہر دفعہ کم ہوتی رہیں جب پانچ رہ گئیں اور آپ نے حیاءً ان میں کمی کی درخواست نہیں فرمائی۔ تو ارشاد ہوا بس یہ پانچ نمازیں ہی آپ پر اور آپ کی امت پر فرض ہیں مگر یہ پانچ پچاس کے برابر رہیں گی اجر وثواب میں۔

(۳۵) اگر اور انبیاء نے بطور شکر نعمت خود سے اپنی اپنی نمازیں متعین کی تو آپ کو آسمان پر بلا کر اپنی تعیین سے نمازیں خود حق تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائیں۔ (**کما فی حدیث المعراج المشھور**)

ترجمہ:۔ جیسا کہ حدیث معراج میں تفصیلاً مذکور ہے اور حاشیہ ۲۸ میں اس کا مختصر تذکرہ آچکا ہے۔

آپؐ کے لئے پوری زمین مسجد ہے

(۳۶) اگر اور انبیاء کی نمازیں مخصوص مواقع کے ساتھ مقید تھیں جیسے محراب یا صومعہ یا کنیسہ وغیرہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے لیے پوری زمین کو مسجد بنایا گیا۔

جعلت لی الارض مسجدا وطھورا (بخاری ومسلم) وحدیث جابر **ولم یکن احد من الانبیاء یصلی حتی یبلغ محرابه** (خصائص کبریٰ ۲/۱۸۷)

ترجمہ:۔ انبیاء میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ اپنی محراب (مسجد) میں آئے بغیر نماز ادا کرتا ہو یعنی بغیر مسجد کے دوسری جگہ نماز ہی ادا نہ ہوتی تھی۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئیں ہیں جو سابقہ انبیاء نہیں کو دی گئیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میرے لئے ساری زمین کو مسجد اور ذریعہ پاکی بنا دیا گیا ہے کہ اس سے تیمّم کرلوں جو حکم میں وضو کے ہو جائے یا تیمّم جنابت کرلوں جو حکم میں غسل جنابت کے ہو جائے جب کہ پانی موجود نہ ہو یا اس پر قدرت نہ ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اقوام کی طرف بھیجے گئے

(۳۷) اگر اور انبیاء اپنے اپنے قبیلوں اور قوموں کی طرف مبعوث ہوئے تو آپ تمام اقوام اور تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے۔

کان النبی یبعث الی قومه خاصه و بعثت الی الناس کافة (بخاری و مسلم عن جابر)

وفی التنزیل وما ارسلنٰک الا کافةً للناس۔

ترجمہ:۔ ہر نبی خصوصیت سے اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں سارے انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں اور قرآن شریف میں ہے اور نہیں بھیجا ہم نے تمہیں اے پیغمبر مگر سارے انسانوں کے لیے۔

آپ کی دعوت عام ہے

(۳۸) اگر اور انبیاء کی دعوت خصوصی تھی تو آپ کو دعوتِ عامہ دی گئی۔

یایها الناس اعبدوا ربکم وقال اللہ تعالیٰ یایها الناس اتقوا ربکم (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اے انسانو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ اے انسانو! اپنے رب سے ڈرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں

(۳۹) اگر اور انبیاء محدود حلقوں کے لیے رحمت تھے تو آپ سارے جہانوں کے لیے رحمت تھے۔

وما ارسلنٰک الا رحمة للعلمین (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔

(۴۰) اگر اور انبیاء اپنے اپنے حلقوں کو ڈرانے والے تھے۔ تو حضورؐ جہانوں کیلئے نذیر تھے۔

وان من امة الا خلافيها نذير اور حضورؐ کے لیے ہے۔ ليكون للعلمين نذيراً (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اور کوئی امت نہیں گزری جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو اور حضور کے لیے فرمایا گیا تا کہ ہوں آپ سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے ہادی ہیں

(۴۱) اگر اور انبیاء اپنی اپنی قوموں کے لیے مبعوث اور ہادی تھے ولكل قوم هاد (ہر ہر قوم کے لیے ایک ایک ہادی ضرور آیا) تو حضورؐ سارے انسانوں کے لیے ہادی تھے۔

وما ارسلناک الا كافة للناس (القرآن الحکیم)

وبعثت انا الى الجن والانس (بخاری و مسلم حسن جابر)

ترجمہ:۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سارے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے اور ارشاد حدیث ہے کہ میں بھیجا گیا ہوں، جنوں اور انسانوں سب کی طرف۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رفعتِ ذکر عطا ہوا

(۴۲) اگر اور انبیاء کو ذکر دیا گیا کہ مخلوق انہیں یاد رکھے تو آپ کو رفعتِ ذکر دی گئی کہ زمینوں اور آسمانوں، دریاؤں اور پہاڑوں، میدانوں اور غاروں میں آپ کا نام علی الاعلان پکارا جائے۔ اذانوں اور تکبیروں، خطبوں اور خاتموں، وضو و نماز اور ادواشغال اور دعاؤں کے افتتاح و اختتام میں آپ کے نام اور منصبِ نبوت کی شہادت دی جائے۔

ورفعنا لک ذکرک (القرآن الحکیم)

وحدیث ابوسعید خدری۔

قال لى جبريل قال الله اذا ذكرت ذكرت معى (ابن جریر و ابن حبان)

ترجمہ:۔ اور ہم نے اپنے پیغمبر تمہارا ذکر اونچا کیا۔ حدیث میں ہے کہ مجھے جبرائیل نے کہا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا (اے پیغمبر) جب آپ کا ذکر کیا جائے گا۔ تو میرے ساتھ کیا جائے گا اور جب میرا ذکر ہوگا تو میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر ہوگا جیسا کہ اذانوں،

تکبیروں، خطبوں اور دعاؤں کے افتتاح واختتام کے درود شریف سے واضح ہے اور امت میں معمول بہ ہے جیسا فرمایا گیا۔

اطیعوا الله واطیعوا الرسول. واطیعوا الله ورسوله ان کنتم مومنین. ویطیعون الله ورسوله. انما المومنون الذین آمنوا بالله ورسوله. براء ة من الله ورسوله. واذان من الله ورسوله. استجیبوا لله والرسول. ومن یعص الله ورسوله. اذا قضیٰ الله ورسوله امرًا. وشاقوا الله ورسوله. ومن یشاقق الله ورسوله. ومن یحادد الله ورسوله. ولم یتخذوا من دون الله ولا ورسوله. یحاربون الله ورسوله. ما حرم الله ورسوله قل الانفال لله والرسول. فان لله خمسه وللرسول. فردوه الی الله والرسول. ما اتاهم الله ورسوله. سیؤتینا الله من فضله ورسوله. اغناهم الله ورسوله. کذبوا الله و رسوله. انعم الله علیه و انعمت علیه. الذین یومنون بالله و رسوله. لا تقدموا بین یدی الله رسوله.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ کے ذکر کے ساتھ ہے

(۴۳) اگر اور انبیاء کا محض ذکر حق تعالیٰ نے فرمایا تو آپ کا ذکر اپنے نام کے ساتھ ملا کر فرمایا۔ دیکھو سابقہ حاشیہ کی دو درجن سے زائد آیتیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت اور جلوت میں کمال دیا

(۴۴) اگر اور انبیاء نے روحانیت کے کمال کو خلوت وانقطاع اور رہبانیت کا پابند ہو کر دکھلایا۔ تو آپ نے اسے جلوتوں کے ہجوم جہاد، جماعت، سیاحت وسفر، شہری زندگی، معاشرت اور حکومت وسیاست کے سارے اجتماعی گوشوں میں سمو کر دکھلایا۔ لا رهبانیة فی الاسلام (الحدیث) وسیاحة امتی الجهاد (الحدیث) قل سیروا فی الارض (القرآن الحکیم) لا اسلام الا بجماعة ..... (مقولہ عمر رضی اللہ عنہ)

ترجمہ:۔ اسلام میں رہبانیت (گوشہ گیری، انقطاع) نہیں اور میری امت کی سیاحت وسیر جہاد ہے۔ کہہ دیجئے اے پیغمبر! کہ چلو پھرو زمین میں۔ اور اسلام جماعتی اور اجتماعی چیز ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عملی معجزات بھی دیئے اور علمی بھی

(۴۵) اگراور انبیاء کو عملی معجزات (عصاء موسیٰ، ید بیضا، احیاء عیسیٰ، نار خلیل ناقہ صالح، ظلہ شعیب، قمیض یوسف وغیرہ) دیئے گئے جو آنکھوں کو مطمئن کر سکے تو آپ کو ایسے سینکڑوں معجزات کے ساتھ علمی معجزہ (قرآن) بھی دیا گیا، جس نے عقل، قلب اور ضمیر کو مطمئن کیا۔ انا انزلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ ہم نے قرآن اتارا تا کہ عقل سے سمجھو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوامی معجزات ملے

(۴۶) اگراور انبیاء کو ہنگامی معجزات ملے جو ان کی ذوات کے ساتھ ختم ہو گئے کیونکہ وہ ان ہی کے اوصاف تھے تو حضور کو دوامی معجزہ قرآن کا دیا گیا۔ جو تا قیامت اور بعد القیامت باقی رہنے والا ہے۔ کیونکہ وہ خدا کا وصف ہے جو لازوال ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔

ترجمہ:۔ ہم نے ہی یہ قرآن اتارا ہے۔ اور ہم ہی اِس کے نگہبان ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب محفوظ ہے

(۴۷) اگراور حضرات کو وہ کتابیں ملیں جن کی حفاظت کا کوئی وعدہ نہیں تھا۔ اسلیے وہ بدل سدل گئیں تو آپ کو وہ کتاب دی گئی جس کے وعدۂ حفاظت کا اعلان کیا گیا جس سے وہ کبھی نہیں بدل سکتی۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ ہم ہی نے یہ ذکر قرآن اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ اور فرمایا نہیں اِس کے پاس پھٹک سکتا باطل، نہ آگے سے نہ پیچھے سے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع کتاب ملی

(۴۸) اگراور انبیاء سابقین کی کتابیں ایک ہی مضمون مثلاً صرف تہذیب نفس یا صرف

معاشرت یا صرف، سیاست مدن یا وعظ وغیرہ اور ایک ہی لغت پر نازل شدہ دی گئیں تو حضورؐ کو سات اصولی مضامین پر مشتمل کتاب دی گئی جو سات لغات پر اتری۔

كان الكتاب الاول ينزل من باب واحد على حرف واحد و نزل القرآن من سبعة ابواب على سبعة احرف زاجر و آمر و حلال حرام ومحكم ومتشابه و امثال. (مستدرک حاکم و بیهقی عن ابن مسعود)

ترجمہ:۔ پہلی کتابیں ایک ایک خاص مضمون اور ایک ایک لغت میں اترتی تھیں اور قرآن سات مضامین میں سات لغت کے ساتھ اترا ہے۔ زجر امر حلال، حرام، محکم متشابہ اور امثال۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جوامع کلم عطا ہوئے

(۴۹) اگر اور حضرات کو صرف ادا مطلب کے کلمات دیئے گئے تو آپ کو جوامع الکلم و جامع اور فصیح و بلیغ ترین تعبیرات دی گئیں جس سے اوروں کی پوری پوری کتابیں آپکی کتاب کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں ادا گئیں اور ان میں سما گئیں۔

اعطيت جوامع الكلم (مسند احمد عن جابر) خصائص ۲/۱۹۳)

اعطيت مكان التوراة السبع الطوال ومكان الزبور المئين و مكان الانجيل . المثاني و فضلت بالمفصل (بیهقی و اثلة ابن الاسقع)

ترجمہ:۔ مجھے جوامع کلم دیئے گئے ہیں یعنی مختصر اور جامع ترین جملے جن میں تہ کی بات کہہ دی گئی ہو اور ارشاد حدیث ہے مجھے دیئے گئے ہیں توراۃ کی جگہ سبع طوال (ابتداء کی سات سورتیں آل عمران، مائدہ، نساء، انعام، انفعال، توبہ) اور زبور کی جگہ مئین (سوسو آیتوں والی سورتیں اور انجیل کی جگہ مثانی سورہ فاتحہ) اور صرف مجھے ہی جو فضیلت دی گئی ہے وہ مفصل کی جس میں طوال مفصل وساط مفصل اور قصار مفصل سب شامل ہیں اور سورۂ ق یا سورۂ فتح یا سورۂ محمدؐ سے علی اختلاف الروایات شروع ہوکر ختم قرآن تک چلی گئیں ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء کا ذکر فرمایا

(۵۰) اگر قرآن میں حق تعالےٰ نے اور انبیاء کی ذوات کا ذکر فرمایا۔ تو حضورؐ کے ایک ایک عضو اور ایک ایک اداء کا پیار و محبت سے ذکر کیا ہے۔ چہرہ کا ذکر فرمایا، قد نریٰ تقلب وجهک

فی السماء ۔آنکھ کا ذکر فرمایا، ولا تمدن عینیک ۔زبان کا ذکر فرمایا، فانما یسرناہ بلسانک ۔ہاتھ اور گردن کا ذکر فرمایا، ولا تجعل یدک مغلولۃ الٰی عنقک ۔سینہ کا ذکر فرمایا، الم نشرح لک صدرک ۔پیٹھ کا ذکر فرمایا، ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک ۔قلب کا ذکر فرمایا، نزلہ علٰی قلبک ۔آپ کی پوری زندگی اور عمر کا ذکر فرمایا جس میں تمام ادائیں اور احوال بھی آ جاتے ہیں۔لعمرک انہم لفی سکرتہم یعمہون۔

آیات اعضاء کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں تیرا چہرہ گھما گھما کر آسمان کو دیکھنا۔

اور آنکھیں اٹھا کر مت دیکھ۔

بلاشبہ ہم نے (قرآن کو) آسان کر دیا ہے تیری زبان پر۔

اور مت کر اپنے ہاتھ کو سکڑا ہوا اپنی گردن تک۔

کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا؟

اور ہم نے اتار دیا تجھ سے بوجھ تیرا جس نے تیری کمر توڑ رکھی تھی۔

اتارا اللہ نے قرآن تیرے دل پر۔

تیری زندگی کی قسم! یہ (کفار) اپنی (بے عقلی کی) مدہوشیوں میں پڑے بھٹک رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتماعی عبادت ملی

(۵۱) اگر اوروں کو انفرادی عبادتیں ملیں تو آپ کو ملائکہ کی طرف صف بندی کی اجتماعی عبادت دی گئی جس سے یہ دین اجتماعی ثابت ہوا۔فضلت علی الناس بثلاث الٰی قولہ وجعلت صفوفنا کصفوف الملئکۃ (بیہقی عن حذیفہ رضی اللہ عنہ)

ترجمہ:۔(مجھے فضیلت دی گئی ہے لوگوں پر تین باتوں میں) جن میں سے ایک یہ ہے کہ کی گئی ہیں ہماری صفیں (نماز میں) مثل صفوف ملائکہ کے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ نے عالم کو جھکا دیا

(۵۲) اگر اور انبیاء کے عملی معجزات اپنی اپنی قوموں کی اقلیتوں کو جھکا کر رام کر سکے تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تنہا ایک ہی علمی معجزے قرآن حکیم نے عالم کی اکثریت کو جھکا کر مطیع بنا لیا۔ کروڑوں ایمان لے آئے اور جو نہیں لائے وہ اس کے اصول ماننے پر مجبور ہو گئے پھر بعض نے انہیں اسلامی اصول کہہ کر تسلیم کیا اور بعض نے عملاً قبول کر لیا تو ان کی زبانیں ساکت رہیں۔

ما من الانبیاء نبی الا اعطی ما مثله آمن علیه البشر و انما کان الذی اوتیته وحیاه او حاه الله الی فارجو ان اکون اکثرهم تابعاً
(بخاری عن هریره)

ترجمہ:۔ کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا کہ اسے کوئی ایسا اعجازی نشان نہ دیا گیا ہو جس پر آدمی ایمان لا سکے اور مجھے خدا نے وہ اعجازی نشان وحی کا دیا ہے (یعنی قرآن حکیم) جس سے مجھے امید ہے کہ میرے ماننے والے اکثریت میں ہوں گے (خصائص کبریٰ ۲/۱۸۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت کے دوران مخاطب بنایا گیا

(۵۳ الف) اگر اور انبیاء کو عبادت الٰہی میں اس جہت سے بھی مخاطب نہیں بنایا گیا تو حضور کو عین نماز میں تحیت وسلام میں مخاطب بنایا گیا۔ السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته۔

ترجمہ:۔ (الف) سلامتی ہو تم پر اے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لواء الحمد ملے گا

(۵۳ ب) اگر محشر میں اور انبیاء کے محدود جھنڈے ہوں گے جن کے نیچے صرف انہی کی قومیں اور قبیلے ہوں گے تو آپ کے عالمگیر جھنڈے کے نیچے جس کا نام لواء الحمد ہو گا۔ آدم اور ان کی ساری ذریت ہو گی۔

آدم ومن دونه تحت لوائی یوم القیٰمة ولا فخر (مسند احمد)

ترجمہ:۔ (ب) آدم اور ان کی ساری اولاد میرے جھنڈے کے تلے ہوں گے قیامت کے دن۔ مگر فخر سے نہیں کہتا بلکہ تحدیثِ نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اولین وآخرین کے خطیب ہونگے

(۵۴) اگر انبیاء وامم سب کے سب قیامت کے دن سامع ہوں گے۔ تو آپ اس دن

اولین وآخرین کے خطیب ہوں گے۔ فلیراجع (خصائص کبریٰ)

ترجمہ:۔ خصائص کبریٰ کی ایک طویل حدیث کا یہ ٹکڑا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اپنی ذاتی پہچان عطاء ہوئی

(۵۵) اگر قیامت کے دن تمام انبیاء کی امتیں اپنے انبیاء کے نام اور انتساب سے پہچانی جاویں گی تو آپ کی امت مستقلاً خود اپنی ذاتی علامت اعضاء وضو کی چمک اور نورانیت سے پہچانی جائے گی۔ **قالوا یارسول اللہ اتعرفنا یومئذ ؟ قال نعم لکم سیما لیست لاحد من الامم تردون علی غراً محجلین من اثر الوضوء** (مسلم عن ابی ہریرہ)

ترجمہ:۔ صحابہ نے عرض کیا جبکہ آپ حوض کوثر کا ذکر فرما رہے تھے) یارسول کیا آپ ہمیں اس دن پہچان لیں گے؟ (جبکہ اولین وآخرین کا ہجوم ہوگا) فرمایا ہاں تمہاری ایک علامت ہوگی جو امتوں میں سے کسی اور میں نہ ہوگی اور وہ یہ کہ تم میرے پاس (حوض کوثر پر) اس شان سے آؤ گے کہ تمہارے چہرے روشن اور پاؤں نورانی اور چمکدار ہوں گے وضو کے اثر سے (یعنی اعضاء وضو کی چمک دمک سے میں تمہیں پہچان لوں گا۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو القاب سے خطاب فرمایا

(۵۶) اگر اور انبیاء کو حق تعالیٰ نے نام لے لے کر خطاب فرمایا کہ **یـآدم اسکن انت وزوجک الجنة. ینوح اهبط بسلم منا و برکت. یا ابراهیم اعرض عن هذا. یموسیٰ انی اصطفیتک علی الناس برسلٰتی. یداؤد انا جعلنٰک خلیفة فی الارض ...... یزکریا انا نبشرک بغلٰم اسمه یحییٰ. یٰحییٰ خذ الکتاب بقوة. یعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیَّ.**

ترجمہ:۔ اے آدم! تو اور تیری زوجہ جنت میں ٹھیرو۔

اے نوح (کشتی سے) اُتر ہماری ہوئی سلامتی اور برکات کے ساتھ۔

اے ابراہیم! اس سے درگزر کر۔

اے موسیٰ! میں نے تجھے لوگوں میں منتخب کیا اپنی پیغامبری کے ساتھ۔

اے داؤد! میں نے تجھے زمین پر خلیفہ بنایا۔

اے زکریا! ہم تجھے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔

اے یحیٰ! کتاب کو مضبوط تھام۔

اے عیسیٰ! مجھے تجھے پورا پورا لینے والا اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔

تو حضورؐ کو تکریماً نام کے بجائے آپکے منصبی القاب سے خطاب فرمایا جس سے آپ کی کامل محبوبیت عنداللہ نمایاں ہوتی ہے۔

یایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک. یایها النبی انا ارسلنٰک شاهدا. یایها المزمل قم اللیل الا قلیلا. یایها المدثر. قم فانذر.
(القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پہنچادے اس چیز کو جو میں نے تیری طرف اتاری۔

اے نبی! میں نے تجھے گواہ بنا کر بھیجا ہے۔

اے کملی والے! قیام کر رات بھر۔ مگر کچھ کم۔

اے چادر والے! کھڑا ہو اور لوگوں کو ڈرا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر پکارنے سے روکا گیا

(۵۷) اگر اور انبیاء کو ان کی امتیں اور ملائکہ نام لے لے کر پکارتے تھے۔ کہ **یموسیٰ اجعل لنا الٰها کما لهم اٰلهة. یعیسی ابن مریم هل یستطیع ربک؟ یلوط انا رسل ربک۔** تو اس امت کو ادباً حضورؐ کا نام لے کر مخاطب بنانے سے روکا گیا۔ **لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعا بعضکم بعضاً۔**

ترجمہ:۔ اے موسیٰ! ہمیں بھی ویسے ہی خدا بنا دے جیسے ان (صنعا والوں) کے ہیں۔

اے عیسیٰ! ابن مریم! کیا تیرا رب اِس کی قوت کر لیتا ہے۔

اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے فرستادہ ہیں۔

مت پکارو رسول کو اپنے درمیان مثل آپس میں ایک دوسرے کو پکارنے کے کہ بے تکلف نام لے لے کر خطاب کرنے لگو، بلکہ ادب و تعظیم کے ساتھ منصبی خطابات یا رسول

اللہ، یا نبی اللہ، یا حبیب اللہ وغیرہ کہہ کر پکارو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے اعلیٰ معراج کرایا گیا

(۵۸) اگر اور انبیاء کو معراج روحانی یا منامی یا جسمانی مگر درمیانی آسمانوں تک دی گئی۔ جیسے حضرت مسیحؑ کو چرخِ چہارم تک، حضرت ادریسؑ کو پنجم تک تو حضور کو روحانی معراجوں کے ساتھ جسمانی معراج کے ذریعہ ساتوں آسمانوں سے گزار کر سدرۃ المنتہیٰ اور مستویٰ تک پہنچا دیا گیا۔ ثم صعد بی فوق سبع السمٰوٰت واتیت سدرۃ المنتھٰی (نسائی عن انس)

ترجمہ:۔ پھر مجھے چڑھایا گیا ساتوں آسمان سے بھی اوپر اور میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع خود اللہ نے کیا

(۵۹) اگر اور انبیاء نے اپنی مدافعت خود کی اور دشمنانِ حق کو خود ہی جواب دے کر اپنی برات بیان کی۔ جیسے نوح علیہ السلام پر قوم نے ضلالت کا الزام لگایا تو خود ہی فرمایا۔ یٰقوم لیس بی ضلالۃ۔ قوم ھاد نے حضرت ہودؑ پر کم عقلی کا الزام لگایا تو خود ہی فرمایا۔ یٰقوم لیس بی سفاھۃ۔ ابراہیم علیہ السلام پر قوم نے شکست اصنام کا الزام لگا کر ایذا دینی چاہی تو خود ہی توریہ کے ساتھ مدافعت فرمائی۔ بل فعلہ کبیرھم ھذا۔ حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان صورت فرشتوں کو قوم نے قبھانے کی کوشش کی تو خود ہی اپنے لیے قوت مدافعت کی آرزو ظاہر فرمائی۔ لو ان لی بکم قوۃ اور اٰوی الیٰ رکن شدید۔ تو حضور کی طرف سے ایسے مواقع پر مدافعت خود حق تعالیٰ نے فرمائی اور کفار کے طعنوں کی جواب دہی خود ہی کر کے آپ کی برات بیان فرمائی۔ کفار مکہ نے آپ پر ضلالت و گمراہی کا الزام لگایا تو فرمایا۔ ماضل صاحبکم وما غویٰ۔ کفار نے آپ کو بے عقل اور مجنوں کہا تو فرمایا۔ ما انت بنعمۃ ربک بمجنون۔ اور وما صاحبکم بمجنون۔ کفار نے آپ کی پاکیزہ باتوں کو ہوائے نفسانی کی باتیں بتلایا تو فرمایا۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ ۔ کفار نے آپ کی وحی کو شاعری کہا تو فرمایا۔ وما ھو بقول شاعر اور فرمایا وما علمنٰہ الشعر وما ینبغی لہ ۔ کفار

نے آپ کی ہدایتوں کو کہانت کہا فرمایا۔ وما ھو بقول کاھن ۔کفار نے آپ کو مشقت زدہ اور معاذ اللہ شقاوت زدہ کہا تو فرمایا۔ ما انزلنا علیک القرآن لتشقی۔

ترجمہ:۔اے قوم مجھ میں گمراہی نہیں ہے۔ میں رب العٰلمین کا رسول ہوں۔

اے قوم! مجھ میں سفاہت (کم عقلی) نہیں ہے۔ میں تو رب العٰلمین کا فرستادہ ہوں۔

بلکہ یہ بت شکنی تو ان میں کے بڑے کا کام ہے (یعنی میرا) مگر بلحاظ بڑے بت کا۔

اے کاش! مجھے تمہارے مقابلہ میں زور ہوتا یا جا بیٹھتا کسی مضبوط پناہ میں نہ تمہارا ساتھی گمراہ نہ کج راہ۔

تم اپنے رب کی دی ہوئی نعمتوں سے مجنون نہیں اور تمہارا ساتھی جنونی نہیں ہے۔

اور پیغمبر ہوائے نفس سے کچھ نہیں کہتا۔ وہ تو وحی ہوتی ہے۔ جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔

اور وہ قول شاعر کا نہیں اور ہم نے انہیں (حضور کو) شاعری کی تعلیم نہیں دی اور نہ یہ ان کی شان کے مناسب تھا۔

اور وہ قول کاہن کا نہیں ہے۔

ہم نے قرآن تم پر اس لیے نہیں اتارا کہ تم تعب اور محنت میں پڑ جاؤ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحیت خود اللہ نے کی

(۶۰) اگر حضرت آدم کی تحیت کے لیے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو حضورؐ کی تحیت بصورت درود و سلام خود حق تعالےٰ نے کی جس میں ملائکہ بھی شامل رہے اور قیامت تک امت کو اس کے کرتے رہنے کا حکم دیا اور اسے عبادت بنا دیا۔

ان اللہ وملئکتہ، یصلون علی النبی یایھا الذین آمنو اصلّوا علیہ وسلموا تسلیما (القرآن الحکیم) اور السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ترجمہ:۔ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر۔ اے ایمان والو! تم بھی درود و سلام اس نبی پاک پر بھیجو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان مسلمان ہو گیا

(۶۱) اگر حضرت آدمؑ کا شیطان کافر تھا اور کافر ہی رہا تو حضورؐ کا شیطان آپ کی قوت

تاثیر سے کافر سے مسلم ہوگیا۔

کما فی الروایة الاتیة۔

ترجمہ:۔ جیسا کہ اگلی روایت میں آ رہا ہے۔

ازواج مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معین بنیں

(۶۲) اگر حضرت آدمؑ کی زوجہ پاک (حواء) ان کی خطا میں معین ہوئیں تو حضورؐ کی ازواج مطہرات آپ کے کارِ نبوت میں معین ہوئیں۔

فضلت علیٰ آدم بخصلتین کان شیطانی کافر افا عاننی اللہ علیه حتیٰ اسلم و کن ازواجی عونالی. و کان شیطان آدم کافر. وزوجته عونا علی خطیئته (بیهقی عن ابن عمر)

ترجمہ:۔ مجھے دو باتوں میں آدم علیہ السلام پر فضیلت دی گئی ہے میرا شیطان کافر تھا جس کے مقابلہ میں اللہ نے میری مدد فرمائی یہانتک کہ وہ اسلام لے آیا اور میری بیویاں میرے (دین کے) لیے مددگار بنیں (حضرت خدیجہؓ نے احوالِ نبوت میں حضورؐ کو سہارا دیا۔ ورقہ ابن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وقتاً فوقتاً آپ کی تسلی تشفی کی۔ حضرت عائشہؓ نصف نبوت کی حامل ہوئیں اور دوسری ازواج مطہرات قرآن کی حافظہ اور حدیث کی راوی ہوئیں) درحالیکہ آدمؑ کا شیطان کافر ہی تھا۔ اور کافر ہی رہا اور ان کی زوجہ ان کی خطیہ میں ان کی معین ہوئیں کہ شجرہ ممنوعہ کھانے کی ترغیب دی جس کو خطاء آدم کہا گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روضہ جنت عطاء ہوا

(۶۳) اگر حضرت آدمؑ کو حجرِ جنت (حجرِ اسود) دیا گیا جو بیت المقدس میں لگا دیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روضہ جنت عطاء ہوا جو آپ کی قبر مبارک اور ممبر شریف کے درمیان رکھا گیا۔ **ما بین قبری و منبری روضه ریاض الجنة** (بخاری ومسلم)

ترجمہ:۔ میری قبر اور ممبر کے درمیان ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳۶۰ بت نکلوائے

(۶۴) اگر حضرت نوح علیہ السلام نے مساجد اللہ میں پانچ بت نکلوانے چاہے مگر نہ نکلے تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں سے تین سو ساٹھ بت نکالے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکل گئے اور نہ صرف بیت اللہ سے بلکہ اس کے حوالی اور مضافات سے بھی نکال پھینکے گئے۔

وقالوا لا تذرن الھتکم ولا تذرن ودًا ولا سواعا ولا یغوث و یعوق ونسرا (القرآن الحکیم)

ان الشیطٰن قدیئس ان یعبدہ المصلون فی جزیرۃ العرب (مشکوٰۃ)

یایھا الذین آمنوا انما الخمر و المیسر والانصاب والازلام رجس من عَمَلِ الشیطٰن فاجتنبوہ. (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔اور (قوم نوح نے) کہا کہ دیکھو اپنے خداؤں (یعنی پانچ بتوں) وہ سواع یغوث یعوق اور نسر کو نوح کے کہنے سے ہرگز مت چھوڑنا (چنانچہ نہیں چھوڑا تا آنکہ طوفان میں غرق ہو گئے) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو ساٹھ بتوں کی ناپاکی کو ہمیشہ کے لیے نکال پھینکا (جیسا کہ سیر میں مرقوم ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود عطا ہوا

(۶۵) اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقام ابراہیم دیا گیا جس سے بیت اللہ کی دیواریں اونچی ہوئیں تو حضور کو مقام محمود عطا ہوا۔ جس سے ربُّ البیت کی اونچائی نمایاں ہوئی اور **عسٰی ان یبعثک ربک مقاماً محموداً** (القرآن الحکیم)۔اور ساتھ ہی مقام ابراہیم کی تمام برکات سے پوری امت کو مستفید کیا گیا۔**واتخذو امن مقام ابراھیم مصلیٰ**۔

ترجمہ:۔قریب ہے کہ اللہ آپ کو (اے نبی کریم) مقام محمود پر بھیجے گا۔ جس پر پہنچ کر حضور حق تعالےٰ کی عظیم ترین حمد وثنا کریں گے اور اِس کی رفعت و بلندی بیان فرمائیں گے اور مقام ابراہیم کے بارہ میں قرآن نے فرمایا۔ **فیہ آیات بینات مقام ابراھیم** (بیت اللہ میں مقام ابراہیم ہے جو جنت سے لایا ہوا ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ بیت اللہ کی تعمیر کرتے تھے اور جوں جوں تعمیر اونچی ہوتی جاتی وہ پتھر اتنا ہی اونچا ہو جاتا اور جب حضرت کا اترنے کا وقت ہوتا تو پھر اصلی حالت پر آ جاتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقائق الٰہیہ دکھلائیں

(۶۶) اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حقائق ارض وسما دکھلائی گئیں۔ وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموٰت والارض۔ تو حضور کو ان آیات کے ساتھ حقائق الٰہیہ دکھلائی گئیں۔ لنریہٗ من اٰیتنا۔ (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اور ایسے ہی دکھلائیں ہم ابراہیمؑ کو آسمان وزمین کی حقیقتیں اور تا کہ ہم دکھلائیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (شب معراج میں) اپنی خاص نشانیاں قدرت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر مشاہدات کرائے

(۶۷) اگر حضرت خلیل اللہ کو آیات کونیہ زمین پر دکھلائیں گئیں تو حضور کو آیات الٰہیہ (آیات کبریٰ) کا مشاہدہ آسمانوں میں کرایا گیا۔ لقد راٰی من اٰیت ربہ الکبریٰ (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو آگ نہ جلا سکی

(۶۸) اگر حضرت ابراہیمؑ پر نار نمرود اثر نہ کر سکی تو حضورؐ کے کئی صحابہ کو آگ نہ جلا سکی جس پر آپؐ نے فرمایا۔

الحمد للّٰہ الذی جعل فی امتنا مثل ابراھیم الخلیل

(ابن رجب عن ابن لہیعہ خصائص کبریٰ ۲/۷۹)

ترجمہ:۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہماری امت میں ابراہیم خلیل کی مثالیں پیدا فرمائیں عمار بن یاسر کو مشرکین مکہ نے آگ میں پھینک دیا۔ حضورؐ ان کے پاس سے گزرے تو ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ ینار کونی برداً وسلاماً علی عمار کما کنت علیٰ ابراھیم۔ (عن عمر بن میمون خصائص کبریٰ ۲/۸۰)

اے آگ عمار پر بردو سلام ہو جا جیسے تو ابراہیم پر ہوگئی۔ ذویب ابن کلیب کو اسود عنسی نے آگ میں ڈال دیا۔ اور آگ اثر نہ کر سکی تو آپ نے وہ سابقہ جملہ ارشاد فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہماری امت میں ابراہیم علیہ السلام کی مثالیں پیدا فرمائیں۔ ایک خولانی

شخص کو (جو قبیلہ خولان کا فرد تھا) اسلام لانے پر اس کی قوم نے اسے آگ میں ڈال دیا تو آگ اسے نہ جلا سکی ابن عساکر عن جعفرابی وحشیہ) وغیرہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محشر میں بلند مقام عطا ہوگا

(۶۹) اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو محشر میں سب سے اول لباس پہنا کر انکی کرامت کا اعلان کیا جائیگا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی دائیں جانب ایسے بلند مقام پر کھڑا کیا جائیگا کہ اولین وآخرین آپ پر غبطہ کریں گے جبکہ وہاں تک کوئی نہ پہنچ سکے گا۔

اول من یکسی ابراھیم یقول اللہ تعالیٰ اکسوا خلیلی قیوتیٰ بریطتین بیضا وین من رباط الجنه ثم اکسیٰ علٰی اثره ثم اقوم عن یمین اللہ مقاماً یغبطنی الاولون والاخرون . (رواہ الدارمی عن بن مسعود)

ترجمہ:۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو روز محشر لباس پہنایا جائیگا۔ فرمائیں گے حق تعالیٰ میرے خلیل کو لباس پہناؤ تو دو سفید براق چادریں جنت سے لائی جاویں گی اور پہنائی جاویں گی۔ پھر ان کے بعد مجھے بھی لباس پہنایا جائیگا۔ پھر میں کھڑا ہونگا۔ اللہ کی جانب یمین ایک ایسے مقام پر کہ اولین وآخرین مجھ پر غبطہ کریں گے، یعنی میری کرامت سب پر فائق ہوجائیگی جن میں ابراہیم علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے پانی جاری ہوا

(۷۰) اگر حضرت اسمٰعیلؑ کے لیے پرِ جبریل سے زمزم کا سوت جاری ہوا جس سے وہ سیراب ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے پانی کے سوت پھوٹے۔ جس سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سیراب ہوئے۔

بینما الحسن مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذ عطش فاشتد ظماه فطلب له النبی صلی اللہ علیه وسلم ماءً فلم یجده فاعطاه لسانه فمصه حتی روی . (ابن عساکر عن ابی جعفر)

ترجمہ:۔ اسی اثناء میں کہ حضرت امام حسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ اچانک انہیں پیاس لگی اور شدید ہوگئی تو حضورؐ نے ان کے لیے پانی طلب فرمایا مگر نہ مل سکا تو آپ نے اپنی

زبان ان کے منہ میں دے دی جسے وہ چوسنے لگے۔ اور چوستے رہے یہاں تک کہ سیراب ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع حسن عطاء ہوا

(۷۱) اگر حضرت یوسف علیہ السلام کو شطر حسن یعنی حسن جزئی عطاء ہوا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن کل یعنی حسن جامع عطا کر دیا گیا جس کی حقیقت جمال ہے جو سر چشمہ حسن اور صفت خداوندی ہے۔ فلما اکبر نه وقطعن ایدیھن . جس کی شرح حضرت عائشہؓ نے فرمائی کہ زنانِ مصر نے یوسف کو دیکھا تو ہاتھ قلم کر لیے۔ اگر میرے محبوب کو دیکھ پاتیں تو دلوں کے ٹکڑے کر ڈالتیں جو حضورؐ کے حسن و جمال کی افضلیت اور کلیت کی طرف اشارہ ہے۔ (مشکوٰۃ)

ترجمہ:۔ جب زنانِ مصر نے یوسفؑ کو دیکھا تو اپنے ہاتھ قلم کر ڈالے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس کلام فرمایا

(۷۲) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے کوہ طور اور وادی مقدس میں کلام کیا۔ تو حضورؐ سے ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک کلام فرمایا۔ فاوحیٰ الیٰ عبده ما اوحیٰ ۔ (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس خدا نے اپنے بندے پر وحی کی جو اسے کرنا تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتانِ مبارک سے چشمے پھوٹے

(۷۳) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء سے بارہ چشمے جاری ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک سے شیریں پانی کے کتنے ہی چشمے پھوٹ پڑے۔ فرایت الماء ینبع من بین اصابعه فجعل القوم تیوضا ون فخرزت من توضا ما بین السبعین الی الثمانین (بخاری و مسلم عن انس)

ترجمہ:۔ میں دیکھتا ہوں کہ پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان میں سے جوش مار کر نکل رہا ہے۔ یہاں تک کہ پوری قوم نے اِس سے وضو کر لی تو میں نے جو وضو کرنے والوں کو شمار کیا تو وہ ستر اور اسی کے درمیان تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدارِ جمال سے مشرف فرمایا

(۷۳) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کانوں کو لذتِ کلام دی گئی اور اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقام خلت سے نوازا گیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کو دیدار جمال سے مشرف کیا گیا۔

ان اللہ اصطفیٰ ابراھیم بالخلہ واصطفیٰ موسیٰ بالکلام واصطفیٰ محمدا بالرویۃ. (بیھقی عن ابن عباس)

ماکذب الفواد ماراٰی (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اللہ نے منتخب کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنانے کے لیے اور منتخب کیا موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے لیے اور منتخب کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدار کیلئے۔ قرآن نے فرمایا کہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے) دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاسوال دیدار کرایا گیا

(۷۴) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال دیدار پر بھی انہیں **لن ترانی** تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے کا جواب دے دیا گیا تو حضور کو بلاسوال آسمانوں پر بلا کر دیدار کرایا گیا۔

ما کذب الفواد ماراٰی قال ابن عباس راہ مرۃ ببصرہ و مرۃ بفوادہ

(فتح الملھم فی التفسیر سورۃ النجم)

ترجمہ:۔ دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا اِس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے حق تعالیٰ کو ایک بار آنکھوں سے اور ایک بار دِل سے دیکھا۔

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات تو عین ذات می نگرمی در تبسمی

صحابہؓ نے دریاءِ دجلہ کو پار کیا

(۷۵) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو بحرِ قلزم میں راستے بنا کر بمعیت موسوی گزار دیا گیا تو حضورؐ کے صحابہ کو بعد وفاتِ نبوی دریائے دجلہ کے بہتے ہوئے پانی میں سے راہیں بنا کر گھوڑوں سمیت گذارا گیا۔

لما عبر المسلمون یوم مدائن اقتحم الناس دجلۃ انح

(خصائص کبریٰ ۲/۲۸۳) کامل ابن اثیر عن العلا بن الحضرمی)

ترجمہ:۔ فتح مدائن کے موقعہ پر مسلمانوں نے دریائے دجلہ کو عبور کیا اور اس میں لوگوں نے ہجوم کیا تو صحابہ کی کرامتوں کا ظہور ہوا۔ اِس میں روایت کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ جب بغداد و عراق پر مسلمانوں نے فوج کشی کی تو بغداد کے کنارہ پر اِس ملک کا سب سے بڑا دریا دجلہ ہے جو بیچ میں حائل ہوا۔ حضرات صحابہ کے پاس نہ کشتیاں تھیں اور نہ پیدل چل کر یہ گہرا پانی عبور کیا جا سکتا تھا۔ اِس موقعہ پر بظاہر اسباب ان حضرات کو فکر دامن گیر ہوا تو حضرت علاء بن الحضرمی نے دعا کا مشورہ دیا۔ خود دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور سارے صحابہ نے مل کر دعا کی۔ ختم دعا پر حکم دیا کہ سب مل کر ایک دم گھوڑے دریا میں ڈال دیں تو ان حضرات نے جوش ایمانی میں خدا پر بھروسہ کر کے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ گھوڑے ہانپ ہانپ گئے۔ پانی بہت زیادہ تھا تو حق تعالیٰ نے ان کے دم لینے کے لیے مختلف سامان فرمائے۔ بعض صحابہؓ کے گھوڑوں کے لیے جا بجا پانی گہرائیوں میں خشکی نمایاں کر دی گئی۔ بعض کے گھوڑے پانی ہی میں رُک کر اور کھڑے ہو کر دم لینے لگے اور پانی انہیں ڈبو نہ سکا۔ بعض کے گھوڑوں کو پانی کی سطح کے اوپر سے اس طرح گزارا گیا جیسے وہ زمین پر چل رہے ہیں جس پر اہلِ فارس نے ان مقدسین کی نسبت یہ کہا تھا کہ یہ انسان نہیں جنات معلوم ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ صحابہ موسوی (بنی اسرائیل) کو بحرِ قلزم میں بمعیت موسوی راستے بنا کر قلزم سے گزارا گیا تھا تو اِس امت میں اس کی نظیر یہ واقعہ ہے جس میں صحابہ نبوی کے لیے دجلہ میں راستے بنائے گئے اور ایک انداز کے نہیں۔۔ بلکہ مختلف اندازوں سے۔ اور صحابہ بھی شکر نعمت کے طور پر اس کو واقعہ موسوی کی نظیر ہی کے طور پر دیکھتے تھے۔ پس جو معاملہ بنی اسرائیل کے ساتھ نبی کی موجودگی میں کیا تو وہ معجزہ تھا اور یہاں وہی معاملہ بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر نبی خاتم کے صحابہؓ کے ساتھ نبی کی وفات کے بعد کیا گیا جس سے ان کی کرامت نمایاں ہوئی اور امت محمدیہ کی فضیلت امت موسوی پر اِس واقعہ خاص میں بھی نمایاں رہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین بھر کے خزانے عطاء ہوئے

(۷۶) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارضِ مقدس (فلسطین) دی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مفاتیح ارض (زمین کی کنجیاں) عنایت کی گئیں۔

او تیت مفاتیح خزائن الارض۔

ترجمہ:۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں سپرد کردی گئیں۔

معجزۂ نبوی کا کوئی مقابلہ نہ کرسکا

(۷۷) اگر عصاء موسوی کے معجزے کے مقابلہ میں ساحرانِ فرعون نے بھی اپنی اپنی لاٹھیوں کو سانپ بنا کر دکھلایا یا صورۃ معجزے کی نظیر لے آئے گو حقیقتاً وہ تخیل اور نقشبندی خیال تھی۔

فالقو احبالهم وعصيهم يخيل اليه من سحرهم انها تسعى.

ترجمہ:۔ ساحرانِ فرعون نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور دیکھنے والوں کے خیال میں یوں گزرنے لگا کہ وہ سانپ بن کر دوڑ رہی ہیں۔) تو معجزۂ نبوی قرآن حکیم کے مقابلہ میں اللہ کے بار بار چیلنجوں کے باوجود آج تک جن وانس ساحر وغیر ساحر، کاہن وغیر کاہن، اور شاعر وغیر شاعر مل کر بھی اس کی کوئی نظیر ظاہری صورت کی بھی نہ لا سکے۔

قل لئن اجتمعت الانس و الجن علٰى ان ياتوا بمثل هذا القرآن لا ياتون بمثله ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا. (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ کہہ دیجئے اے پیغمبر کہ اگر جن وانس اس پر جمع ہو جائیں کہ وہ اِس قرآن کا مثل لے آئیں گے تو وہ نہیں لا سکیں گے اگرچہ سب مل کر ایک دوسرے کی مدد پر بھی کھڑے ہو جائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے سورج واپس ہوا

(۷۸) اگر حضرت یوشع ابن نون (حضرت موسیٰ) کے لیے آفتاب کی حرکت روک دی گئی کہ وہ کچھ دیر غروب ہونے سے رکا رہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ صاحبِ نبوی کے لیے غروب شدہ آفتاب کو لوٹا کر دن کو واپس کر دیا گیا۔

نام رسول الله صلى الله عليه وسلم و راسهٗ فى حجر على ولم يكن صلى العصر حتىٰ غربت الشمس فلما قام النبى صلى الله عليه وسلم دعالهٗ فردت عليه الشمس حتىٰ صلىٰ ثم غابت ثانيه.

(ابن مردویه عن ابی هریره و ابن منده و ابن شاهین والطبرانی عن اسماء بنت عمیس)

ترجمہ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور آپ کا سر مبارک حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ

عنہ کی گود میں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر نہیں پڑھی تھی۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کے خیال سے نماز کے لیے نہ اٹھ سکے) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جاگے اور یہ صورت حال ملاحظہ فرمائی) تو حضرت علی کے لیے دعا فرمائی۔ جس سے آفتاب لوٹا دیا گیا (دن نمایاں ہوا۔ یہاں تک کہ حضرت علی نے نماز پڑھی اور سورج دوبارہ غروب ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا

(۷۹) اگر حضرت یوشع ابن لوق کے لیے سورج روک کر اس کی روانی اور حرکت کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے تو حضورؐ کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر ڈالے گئے۔ اقتربت الساعة وانشق القمر (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ قیامت قریب آ گئی اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بریت خود خدا نے کی

(۸۰) اگر حضرت داؤد علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ہوائے نفس کی پیروی سے روکا کہ لا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ.

ترجمہ:۔ (اے داؤد) ہوائے نفس کی پیروی مت کرنا کہ وہ تمہیں راہِ حق سے بھٹکا دے گی۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس ہوائے نفس کی پیروی کی نفی فرمائی اور خود ہی بریت ظاہر کی۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہوائے نفس سے نہیں بولتے۔ وہ وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

محمدی انگوٹھی کی تاثیر

(۸۱) اگر انگشتری سلیمانی میں جنات کی تاثیر تھی کہ وہ کسی وقت گم ہوئی تو جنات پر قبضہ نہ رہا تو انگشتری محمدی میں تسخیر قلوب وارواح کی تاثیر تھی کہ جس دن وہ عہدِ عثمانی میں گم ہوئی۔ اسی دن سے قلوب وارواح کی وحدت میں فرق آ گیا اور فتنہ اختلاف شروع ہو گیا۔

بئر اریس؟ وما بئر اریس؟ سوف تعلمون۔

ترجمہ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ( ) انتقال کے بعد جبکہ ان کا جنازہ رکھا ہوا تھا تو اچانک ان کے ہونٹوں میں حرکت ہوئی یہ کلمات نکلے۔ اریس کا کنواں؟ کیا ہے وہ اریس کا کنواں؟ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ صحابہ حیران تھے کہ ان جملوں کا کیا مطلب ہے؟ کسی کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ دور عثمانی میں ایک دن حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ اریس کے کنویں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انگلی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طشتری تھی جسے آپ طبعی حرکت کے ساتھ ہلا رہے تھے کہ اچانک انگشتری طشتری میں سے نکل کر کنویں میں جا پڑی۔ قلوب عثمانی اور تمام صحابہ کے قلوب میں اضطراب و بے چینی پیدا ہوئی کنویں میں آدمی اترے۔ سارے کنویں کو کنگھال ڈالا۔ مگر انگشتری نہ ملنا تھی نہ ملی۔ آخر صبر کر کے سب بیٹھ رہے۔ اسی دن فتنوں کا آغاز ہو گیا اور بندھے ہوئے قلوب میں انتشار کی کیفیات آنے لگیں جو بعد کے فتنہ تخرب واختلاف کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوگئی کہ **اذا وضع السیف فی امتی لم یرفع عنها الیٰ یوم القیٰمة** (میری امت میں جب تلوار نکل آ ئے گی) پھر وہ قیامت تک میان میں نہ جائے گی) چنانچہ اس فتنہ کے سلسلہ میں سب سے پہلا مظلمہ اور ہولناک ظلم حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی صورت میں نمایاں ہوا۔ اب سب کی سمجھ میں آیا کہ بیر اریس کا کیا مطلب تھا۔ یہ درحقیقت اشارہ تھا کہ قلوب کی وحدت انگشتری محمدی کی برکت سے قائم تھی۔ اس کا بیر اریس میں گم ہونا تھا کہ قلوب کی وحدت اور امت کی یگانگت پارہ پارہ ہوگئی۔ جو آج تک واپس نہیں ہوئی۔ پس جنات کا مسخر ہو جانا آسان ہے۔ جو آج تک بھی ہوتا رہتا ہے۔ لیکن انسانوں کے دلوں کی تالیف مشکل ہے جو گم ہو کر آج تک نہیں مل سکی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانوروں کی بولی کا علم عطاء ہوا

(۸۲) اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو منطق الطیر کا علم دیا گیا جس سے وہ پرندوں کی بولیاں سمجھتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عام جانوروں کی بولیاں سمجھنے کا علم دیا گیا۔ جس سے آپ ان کی فریادیں سنتے اور فیصلے فرماتے تھے۔ اونٹ کی فریاد سنی اور فیصلہ فرمایا (بیہقی

عن حماد بن مسلمہ) بکری کی فریاد سنی اور اسے تسلی دی (مصنف عبدالرزاق) ہرنی کی فریاد سنی اور حکم فرمایا (طبرانی عن ام سلمہ) چڑیا کی بات سنی اور معالجہ فرمایا (بیہقی وابونعیم عن ابن مسعود)

سیاہ گدھے سے آپ نے کلام فرمایا اور اسکا مقصد سنا (ابن عساکر عن ابن منظور)

ترجمہ:۔ ان روایات کے تفصیلی واقعات یہ ہیں ایک اونٹ آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر گر پڑا اور رونے لگا اور کچھ بلبلاتا رہا تو آپ نے اس کے مالک کو بلا کر فرمایا کہ یہ شکایت کر رہا ہے کہ تو اسے ستاتا ہے۔ اور اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادتا ہے۔ خدا سے ڈر۔ اس نے اقرار کیا اور توبہ کی۔ ایک بکری کو قصاب ذبح کرنا چاہتا تھا۔ جو جائز ذبیحہ تھا۔ وہ اس سے چھوٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھاگ آئی اور پیچھے پیچھے ہولی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے بکری! صبر کر حکم خداوندی پر۔ اور اے قصاب اسے نرمی سے ذبح کر۔ آپؐ جنگل میں تھے کہ اچانک یا رسول اللہ کی آواز آپؐ نے سنی۔ آپؐ نے دیکھا کوئی نظر نہ آیا ایک جانب دیکھا تو ایک ہرنی بندھی ہوئی دیکھی۔ جس نے کہا۔ یا رسول اللہؐ ذرا میرے قریب آیئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا بات ہے؟ اس نے کہا میرے دو بچے اس پہاڑی میں ہیں۔ ذرا مجھے کھول دیجئے کہ میں انہیں دودھ پلا دوں۔ اور میں ابھی لوٹ آؤں گی فرمایا تو ایسا کرے گی کہ لوٹ آئے؟ کہا اگر ایسا نہ کروں تو خدا مجھے عذاب دے۔ آپؐ نے کھول دیا اور وہ حسب وعدہ دودھ پلا کر لوٹ آئی اور آپؐ نے اسے وہیں باندھ دیا۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک درخت پر چڑیا کے دو بچے گھونسلے میں دیکھے۔ ہم نے انہیں پکڑ لیا۔ تو ان کی ماں حضورؐ کے پاس آئی اور سامنے آ کر فریادی کی سی صورت اختیار کرتی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کے بچوں کو پکڑ کر کس نے اسے درد میں مبتلا کیا ہے؟ عرض کیا گیا ہم نے فرمایا جہاں سے یہ بچے پکڑے تھے وہیں چھوڑ آؤ۔ تو ہم نے چھوڑ دیئے۔

بھیڑیئے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دی

(۸۳) اگر حضرت سلیمان علیہ السلام بعض حیوانات کی بولیاں سمجھ جاتے تھے تو حضورؐ کی برکت سے جانور انسانی زبان میں کلام کرتے تھے۔ جسے ہر انسان سمجھتا تھا۔ بھیڑیئے نے

آپ کی رسالت کی شہادت عربی زبان میں دی۔ (بیہقی عن ابن عمر)۔ گوہ نے فصیح عربی میں نبوت کی شہادت دی۔ (طبرانی وبیہقی عن)

ترجمہ:۔ بھیڑیئے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دی اور لوگوں کو اسلام لانیکی دعوت بھی دی۔ لوگ حیران تھے کہ بھیڑیا آدمیوں کی طرح بول رہا ہے۔ نیز ایک بھیڑیا بطور وفد کے خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور اپنے رزق کے بارے میں کہا۔ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ یا تو ان بھڑیوں کے لیے اپنی بکریوں میں سے خود کوئی حصہ مقرر کر دو یا انہیں ان کے حال پر رہنے دو۔ صحابہؓ نے بات حضورؐ پر چھوڑ دی۔ آپؐ نے رئیس الوفد بھیڑیئے کو کچھ اشارہ فرمایا اور وہ سمجھ کر دوڑتا ہوا چلا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوانوں کو بات سمجھا دی

(۸۴) اگر حضرت سلیمانؑ پرندوں کی بات سمجھ لیتے تھے تو حضورؐ اپنی بات حیوانات کو سمجھا دیتے تھے۔ بھیڑیئے کو آپؐ نے بات سمجھا دی اور وہ راضی ہو کر چلا گیا۔ (طبرانی عن عمر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کا اقتدار عطاء ہوا

(۸۵) اگر حضرت سلیمانؑ نے پرندوں کی بات سمجھ لیتے تھے تو حضورؐ کو پوری زمین کی کنجیاں سپرد کر دی گئیں جس سے مشارق و مغارب پر آپ کا اقتدار نمایاں ہوا۔ اعطیت مفاتیح الارض (مسند احمد بن علی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر مانگے ملک عطاء ہوا

(۸۶) اگر حضرت سلیمانؑ نے ملک یہ کہہ کر مانگا کہ وہ میری ساتھ مخصوص رہے میرے بعد کسی کو نہ ملے۔ چنانچہ ان کی امت اور رعیت میں سے کسی کو نہیں ملا۔ رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی ۔ تو حضورؐ کو مشارق و مغارب کا ملک بے مانگے بلکہ انکار کے باوجود دیا گیا جسے آپؐ نے اپنی امت کا ملک فرمایا جو آپ کے بعد امت کے ہاتھوں ترقی کرتا رہا۔ اور دنیا کے آخری دور میں امت ہی کے ہاتھوں پوری دنیا پر چھائے گا۔

ان اللہ روی فی الارض مشارقھا و مغاربھا و سیبلغ ملک امتی مازوی لی منھا ۔ (بخاری)

ترجمہ:۔ اللہ نے زمین کا مشرق و مغرب مجھے دکھلایا اور میری امت کا ملک وہیں تک پہنچ کر رہے گا جہاں تک میری نگاہیں پہنچی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے براق مسخر ہوا

(۸۷) اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا مسخر ہوئی کہ اپنے قلمرو میں جہاں چاہیں اڑ کر پہنچ جائیں تو حضورؐ کے لیے براق مسخر ہوا کہ زمینوں سے آسمانوں اور آسمانوں سے جنتوں اور جنتوں سے مستوی تک پل بھر میں پہنچ جائیں۔

ترجمہ:۔ جیسا کہ معراج کی مشہور حدیث میں اس کی تفصیلات موجود ہیں جن میں براق کی ہیئت اور قد و قامت تک کی بھی تفصیلات فرمادی گئی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر آسمان میں بھی تھے

(۸۸) اگر سلاطین انبیاء کے وزراء زمین تک محدود تھے جو ان کے ملک کے بھی زمین تک محدود ہونے کی علامت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو وزیر زمین کے تھے ابوبکرؓ و عمرؓ اور دو وزیر آسمانوں کے تھے جبرئیل و میکائیل جو آپ کے ملک کے زمین و آسمان دونوں تک پھیلے ہوئے ہونے کی علامت ہے۔ ولی وزیر ای فی الارض وزیرای فی السماء اما وزیر ی فی الارض فابوبکر و عمر. واما وزیر ای فی السماء فجبریل ومیکائیل۔ (الریاض النضرۃ)

ترجمہ:۔ میرے دو وزیر زمین میں ہیں اور دو آسمان میں زمین کے وزیر ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں اور آسمان کے وزیر جبرئیل و میکائیل ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو احیائے قلوب عطاء ہوا

(۸۹) اگر حضرت مسیح علیہ السلام کو احیاء موتی کا معجزہ دیا گیا۔ جس سے مردے زندہ ہو جاتے تھے تو آپ کو احیاء موتی کے ساتھ احیاء قلوب و ارواح کا معجزہ بھی دیا گیا جس سے مردہ دل جی اٹھے اور صدیوں کی جاہل قومیں عالم و عارف بن گئیں۔

ولن یقبضه الله حتی یقیم به الملة العوجاء بان یقولوا لا اله الا الله ویفتح به اعیننا عمیاء واذا ناصماً وقلوبا غلفا (بخاری عن عمرو ابن العاص)

ترجمہ:۔ عمر بن عاص فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تورات میں یہ فرمائی

گئی ہے کہ حق تعالیٰ آپ کو اس وقت تک دنیا سے نہیں اٹھائے گا جب تک کہ آپ کے ذریعہ سے ٹیڑھی قوم (عرب) کو سیدھا نہ کر دے کہ وہ توحید پر نہ آ جائیں اور کھولے گا آپ کے ذریعہ ان کی اندھی آنکھیں اور بہرے کان اور اندھے دل۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے کھجور کے تنہ کو جان ملی

(۹۰) اگر حضرت روح اللہ کے ہاتھ پر قابلِ حیات پیکروں مثلاً پرندوں کی ہیئت نما انسانوں کی مردہ نعش میں جان ڈالی گئی تو حضورؐ کے ہاتھ پر نا قابلِ حیات کھجور کے سوکھے تنہ میں حیات آفرینی کی گئی۔ فصاحت النخلہ صیاح الصبی۔ (بخاری عن جابر) نیز آپ کے اعجاز سے دروازہ کے کواڑوں نے تسبیح پڑھی اور دست مبارک میں کنکریوں کی تسبیح کی آوازیں سنائی دیں۔ (خصائص کبریٰ)

ترجمہ:۔ جابر سے روایت ہے کہ کھجور کا ایک سوکھا تنا جس پر ٹیک لگا کر حضورؐ خطبہ ارشاد فرماتے تھے جب ممبر بن گیا اور آپؐ اِس پر خطبہ دینے کے لیے چڑھے تو وہ سوکھا ستون اس طرح رونے چلانے لگا اور سکنے لگا جیسے بچے سکتے ہیں تو آپ نے شفقت و پیار سے اس پر ہاتھ رکھا تب وہ چپ ہوا۔ (خصائص ۲/۷۵)

کھجور کے تنہ میں انسانوں کی سی حیات آئی

(۹۱) اگر مسیح کے ہاتھ پر زندہ ہونے والے پرندوں میں پرندوں ہی کی سی حیات آئی اور وہ پرندوں ہی کی سی حرکات کرنے لگے تو آپؐ کے ہاتھ پر جی اٹھنے والے کھجور کے سوکھے تنے میں انسانوں بلکہ کامل انسانوں کی سی حیات آئی کہ وہ عازمانہ گریہ و بکا اور عشق الٰہی میں فنائیت کی باتیں کرتا ہوا اٹھا۔ وہاں حیوان کو حیوان ہی نمایاں کیا گیا اور یہاں سوکھی لکڑی کو کامل انسان بنا دیا گیا۔ (کما فی الحدیث السابق)

ترجمہ:۔ جیسا کہ حدیث بالا میں گزرا۔

استن حنانہ از ہجر رسولؐ   نالہ ہامی زد چو ارباب عقول

امت محمدیہ کے لوگ کھانے پینے سے مستغنی ہوں گے

(۹۲) اگر حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمانوں میں رکھ کر کھانے پینے سے مستغنی بنایا گیا تو حضرت خاتم الانبیاء کی امت کے لوگوں کو زمین پر رہتے ہوئے کھانے پینے سے مستغنی کر دیا گیا۔ یاجوج ماجوج کے خروج اور ان کے پوری زمین پر قابض ہو جانے کے وقت مسلمین ایک محدود طبقہ زمین میں پناہ گزیں ہوں تو ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔

قالوا فما طعام المومنين يومئذٍ؟ قال التسبيح و التكبير و التهليل

(مسند احمد عن عائشہ)

وفي روايت اسماء بنت عميس نحو وفيه يجزئهم ما يجزى اهل السماء من التسبيح و التقديس (خصائص کبریٰ ۲/۲۱۵)

ترجمہ:۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آج کے دن یعنی یاجوج ماجوج کے قبضہ عمومی کے زمانہ میں) مسلمانوں کے کھانے پینے کی صورت کیا ہو گی؟ فرمایا۔ تسبیح و تکبیر اور تہلیل یعنی ذکر اللہ ہی غذا ہو جائے گا۔ جس سے زندگی برقرار رہے گی اور اسماء بنت عمیس کی روایت میں ہے کہ مسلمانوں کے لیے کھانے پینے کی حد تک وہی چیز کفایت کرے گی جو آسمان والوں (ملائکہ) کو کفایت کرتی ہے۔ یعنی تسبیح و تقدیس۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ خود اللہ تھے

(۹۳) اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی حفاظت کے لئے روح القدس (جبریل) مقرر تھے تو حضور کی حفاظت خود حق تعالےٰ فرماتے تھے۔ واللہ یعصمک من الناس (القرآن الحکیم)

ہو کیوں جبریل دربانِ محمدؐ خدا خود ہے نگہبانِ محمدؐ

(حضرت شیخ الہندؒ)

ترجمہ:۔ اور اللہ بچاؤ فرمائے گا تمہارا (اے محمدؐ) لوگوں (کے شر) سے۔

امت محمدیہ مجتہد بنائی گئی

(۹۴) اگر اور انبیاء کی امتیں پابند رسول و جزئیات اور بندھی جُری رسموں کے اتباع میں مقلد جامد بنائی گئیں کہ نہ ان کے یہاں ہمہ گیر اصول تھے کہ ان سے ہنگامی احکام کا استخراج

کریں اور نہ انہیں تفقہ کے ساتھ ہمہ گیر دین دیا گیا تھا کہ قیامت تک دنیا کا شرعی نظام اس سے قائم ہو جائے تو امت محمدی مفکر، فقیہ اور مجتہد امت بنائی گئی تا کہ اصول وکلیات سے حسب حوادث و واقعات احکام کا استخراج کر کے قیامت تک کا نظم اسی شریعت سے قائم کرے جس سے اس کے فتاویٰ اور کتب فتاویٰ کی تعداد ہزاروں اور لاکھوں تک پہنچی۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم ولعلھم یتفکرون
(القرآن الحکیم)

فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین.

ترجمہ:۔اور ہم نے آپ کی طرف اے پیغمبر ذکر (قرآن) اتارا تا کہ آپ کھول کھول کر لوگوں کے لیے وہ چیزیں بیان کر دیں جو ان کی طرف اتاری گئیں اور تا کہ لوگ بھی (ان بین المراد امور میں) تفکر اور تدبر کریں اور فرمایا کیوں ایسا نہیں ہوتا) (یعنی ضرور ہونا چاہیے) کہ ہر جماعت اور ہر طبقہ میں سے کچھ کچھ لوگ نکلیں اور دین میں تفقہ اور سمجھ پیدا کریں۔

امت محمدیہ کے راسخین فی العلم مفروض الاطاعۃ ہیں

(۹۵) اسی لیے اگر انبیاء سابقین مفروض الطاعۃ تھے تو اللہ ورسول کے بعد اِس امت کے راسخین فی العلم علماء ہی مفروض الاطاعۃ بنائے گئے۔**یایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعواالرسول و اولی الامر منکم** (القرآن الحکیم)

امت محمدیہ کے علماء کو انبیاء بنی اسرائیل کا لقب ملا

(۹۶) اگر علماء بنی اسرائیل کو احبار ورہبان کا لقب دیا گیا تھا۔**اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ** تو اس امت کے راسخین فی العلم کو **کانبیا بنی اسرائیل** کا لقب دیا گیا۔**علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** (ترجمہ:۔میری امت کے علماء مثل بنی اسرائیل کے ہیں (نورانیت اور آثار کی نوعیت میں) یہ حدیث گو ضعیف ہے مگر فضائل اعمال میں قبول کی گئی ہے۔ چنانچہ امام رازیؒ نے اس سے دو جگہ استشہاد کیا ہے۔) اور انہیں انبیاء کی طرح دعوتِ عام اور تبلیغ عمومی کی طرح دعوتِ عام اور تبلیغ عمومی کا منصب دیا گیا۔ اسی لیے ایک حدیث میں علماء امت کے انوار کو انوارِ انبیاء سے تشبیہ دی گئی۔**ونورھم یوم القیٰمۃ**

مثل نور الانبیاء ۔(بیہقی عن وہب ابن منبہ) نیز امت کے کتنے ہی اعمال کو اعمال انبیاء سے تشبیہ دی گئی کہ وہ اعمال یا انبیاء کو دیئے گئے یا اس امت کو عطاء ہوئے دوسرے امتوں کو نہیں ملے۔یعنی خصوصیات انبیاء سے صرف یہ امت سرفراز ہوئی۔

وامتہ امة مرحومہ اعطیتھم من النوافل مثل اعطیت الانبیاء وافترضت علیھم الفرائض التی افترضت علی الانبیاء. والرسول حتی یاتونی یوم القیٰمة ونورھم مثل نور الانبیاء وذلک انی افترضت علیھم ان یتطھروا فی کل صلوۃ کما افترضت علی الانبیاء و امرتھم بالغسل من الجنابة کما امرت الانبیاء وامرتھم بالحج کما امرت الانبیاء وامرتھم بالجھاد کما امرت الرسل. (بیھقی عن وھب ابن منبہ)

ترجمہ:۔یہ امت امت مرحومہ ہے میں نے اسے نوافل دیں جیسے انبیاء کو دیں ان کے فرائض وہ رکھے جو انبیاء ورسل کے رکھے حتیٰ کہ جب وہ قیامت کے دن آئیں گے تو ان کی نورانیت انبیاء کی نورانیت جیسی ہوگی (جیسے اعضاء وضو چمکتے ہوئے ہونگے) کیونکہ میں نے ان پر پاکیزگی ہر نماز کے لیے وہی فرض کی ہے جو انبیاء پر فرض ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ (ھــــذا وضوئی و وضوء الانبیا من قبل جس سے تین تین بار اعضاء وضو کا دھونا امت کے لیے سنت قرار دیا گیا جو اصل میں انبیاء کا وضو ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انبیاء کے اعضاء وضو بھی اس طرح چمکتے ہوں گے مگر یہ وضو اور امتوں کو نہیں دیا گیا۔بجز امتِ مرحومہ کے تو اسی کا نور مشابہ ہوگیا انبیاء کے نور کے)اور میں نے امت کو امر کیا ہے غسلِ جنابت کا جیسا کہ انبیاء کو دیا تھا اور امت کو امر کیا حج کا جیسا کہ انبیاء کو کیا تھا۔چنانچہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے حج نہ کیا ہو اور امر کیا امت کو جہاد کا جیسا کہ رسولوں کو امر کیا۔حدیث علـمـاء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا بعض علماء نے انکار کیا ہے۔لیکن اس انکار کا مطلب زیادہ سے زیادہ ان الفاظ کا انکار ہوسکتا ہے۔ لیکن حدیث کے معنی یعنی علماء امت بعد امت کی تشبیہ انبیاء سے بلحاظ مضمون ثابت شدہ ہے۔ اس لیے حدیث اگر لفظاً ثابت نہ ہو تو بھی معناً ثابت ہے۔اسی لیے علماء نے جگہ جگہ اس حدیث سے اِستدلال کیا ہے جیسے امام رازیؒ نے آیت کریمہ یایھا الناس قد جاء تکم موعظة من ربکم کے تحت میں مراتب بیان کرتے ہوئے اِس حدیث سے استدلال کیا ہے۔پھر ایسے ہی

آیت کریمہ **قالت لھم رسلھم ان نحن الابشر مثلکم** کے نیچے مراتب وکمال ونقصان بیان کرتے ہوئے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

امت محمدیہ کی توبہ دل سے ہے

(۹۷) اگر امم سابقہ (جیسے یہود) میں توبہ قتل سے ہوتی تھی۔ **یقوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الیٰ بارئکم فاقتلوا انفسکم۔** (القرآن الحکیم)

تو اس امت کی توبہ قلبی ندامت رکھی گئی۔ **الندم توبة.**

ترجمہ:۔ اے قوم بنی اسرائیل! تم نے گئوسالہ کو اپنا معبود بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کر۔

ترجمہ:۔ ندامت ہی توبہ ہے جب بندہ دل میں پشیمان ہو گیا اور آئندہ اس بدی سے باز رہنے کا عزم باندھ لیا تو توبہ ہو گئی نہ قتل نفس کی ضرورت رہی نہ ترک مال کی۔

امت محمدیہ کو دونوں قبلے عطاء ہوئے

(۹۸) اگر امت موسیٰ وعیسیٰ کا صرف ایک قبلہ (بیت المقدس) تھا۔ اور اگر اہل عرب کا صرف ایک قصبہ (کعبہ معظمہ) تھا تو امت محمدیہ کو یکے بعد دیگرے یہ دونوں قبلے عطاء کئے گئے جس سے یہ امت جامع امم ثابت ہوئی۔

قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلة ترضٰھا. (القرآن الحکیم)

امت محمدیہ کا کفارہ استغفار سے ہوتا ہے

(۹۹) اگر اور امتوں کی سیئات کا کفارہ دنیا یا آخرت کی رسوائی بغیر نہ ہوتا تھا کہ وہ سیئہ در و دیوار پر مع صورت کفارہ لکھ دی جاتی تھی تو اِس امت کے معاصی کا کفارہ توبہ استغفار اور ستاری ومسامحت کے ساتھ نمازوں سے ہو جاتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

کانت بنو اسرائیل اذا اصاب احدھم الخطیئة وجدھا مکتوبا علی بابه و کفارتھا فان کفرھا کانت له خزی فی الدنیا وان یکفرھا کانت له خزی فی الاخرة و قد اعطاکم اللہ خیرا من

ذالک قال تعالیٰ ومن یعمل سوءً او یظلم نفسه ثم یستغفر الله یجد الله غفورا رحیما و الصلوات الخمس والجمعة الی الجمعة کفارات لما بینهن . (ابن جریر عن ابی العالیه)

ترجمہ:۔ بنی اسرائیل جب گناہ کرتے تو ان کے دروازوں پر وہ گناہ اور اس کا کفارہ لکھ کر انہیں رسوا کر دیا جاتا تھا اگر کفارہ ادا کرتے تو دنیا کی اور نہ کرتے تو آخرت کی رسوائی ہوتی لیکن تمہیں اے امت محمدیہؐ اس سے بہتر صورت دی گئی اللہ نے فرمایا کہ جو کوئی بری حرکت کرے اور اپنے نفس پر ظلم کرے اور پھر اللہ سے مغفرت چاہے تو اللہ کو غفور رحیم پائے گا (عام رسوائی اور فضیحتی نہ ہوگی) اور پھر پانچ نمازیں اور جمعہ دوسرے جمعہ تک درمیانی گناہوں کا کفارہ ہوں گے۔

امتِ محمدیہ کے کمال اِطاعت کا ثبوت دیا

(۱۰۰) اگر امت موسیٰ نے دعوتِ جہاد کے جواب میں اپنے پیغمبر کو یہ کہہ کر صاف جواب دے دیا کہ اے موسیٰ تو اور تیرا پروردگار لڑ لو۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں تو امت محمدیؐ نے کمال اطاعت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے نہ صرف ارض حجاز بلکہ شرق و غرب میں دینِ محمدیؐ کے علم کو سربلند کیا اور **اعظم درجة عند الله** کا بلند مرتبہ حاصل کیا۔

امتِ محمدیہ اور انبیاء کی شہادت دے گی

(۱۰۱) اگر اور انبیاء کی امتیں محشر میں اپنی شہادت میں اپنے انبیاء کو پیش کریں گی تو انبیاء اپنی شہادت میں اس امت کو اور یہ امت اپنی شہادت میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کرے گی۔

یجاء بنوح یوم القیٰمة فیقال له هل بلغت؟ فیقول نعم یارب فتسال امته هل بلغکم؟ فیقولون ما جاء نا من نذیر فیقول من شهودک؟ فیقول محمدٌ وامتهٖ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم فیجاء بکم فتشهدون انه قد بلغ ثم قرا رسول الله صلی الله علیه وسلم وکذالک جعلنٰکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس ویکون

الرسول علیکم شهیدا. (بخاری عن ابی سعید)

ترجمہ:۔قیامت کے دن نوحؑ لائے جائیں گے اور پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی امت کو تبلیغ کی؟ کہیں گے کی ہے اے میرے رب تو ان کی امت سے پوچھا جائیگا کہ کیا نوحؑ نے تمہیں تبلیغ کی؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا آیا نہیں۔ نوحؑ سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا گواہ کون ہے؟

عرض کریں گے محمدؐ اور ان کی امت۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس وقت تم (اے امت والو) بلائے جاؤ گے اور تم گواہی دو گے کہ نوحؑ نے تبلیغ کی۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت پڑھی اور ہم نے تمہیں اے امت محمدیہؐ! درمیانی اور معتدل امت بنایا ہے تا کہ تم اقوام عالم پر گواہ بنو اور رسول کریم تم پر گواہ ہوں۔

امت محمدی اول بھی ہے آخر بھی

(۱۰۲) اگر اور انبیاء کی امتیں نہ اول ہوں نہ آخر بلکہ بیچ میں محدود ہوگی تو امت اول بھی ہوگی اور آخر بھی۔ جعل امتی هم الاخرون وهم الاولون. (ابونعیم عن انس)

آخر میں دنیا میں اور اول قیامت میں حساب و کتاب میں بھی اول اور داخلہ جنت میں بھی اول۔

نحن الآخرون من اهل الدنیا والاولون یوم القیٰمة المقضی لهم قبل الخلائق. (ابن ماجه ابن هریرة وحذیفه)

ترجمہ:۔ میری ہی امت آخر بھی رکھی ہے اور اول بھی۔ دوسری حدیث ہے ہم آخر ہیں دنیا میں اور اول ہیں آخرت میں کہ سب خلائق سے پہلے ہمارا فیصلہ سنایا جاوے گا۔

امت محمدی کو اولین وآخرین پر فضیلت دی گئی

(۱۰۳) اگر موسیٰؑ امت کو اپنے دور کے جہانوں پر فضیلت دی گئی وانی فضلتکم علی العٰلمین تو امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاطلاق اولین وآخرین پر فضیلت دے کر افضل الامم فرمایا گیا۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس. (القرآن الحکیم)

و حدیث جعلت امتی خیر الامم. (مسند بزار عن ابو هریرة)

وحديث وفي الزبور يا دائود انی فضلت محمدا و امته علی الامم كلهم. (خصائص کبریٰ ۱/۱۴)

یا رب تو کریمی و رسولؐ تو کریم صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

ترجمہ:۔تم بہترین امت ہو جو انسانوں کے لیے کھڑی کی گئی ہے اور حدیث ہے میری امت بہترین امم بنائی گئی ہے اور حدیث ہے زبور میں کہ حق تعالےٰ نے فرمایا۔اے داوٗد! میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاطلاق فضیلت دی اور اس کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عالم فتح کر ڈالا

(۱۰۴) اگر صحابہ موسیٰؑ باوجود معیت موسیٰؑ کے بیت قدس یعنی خود اپنے قبلہ کو اپنے ہی وطن (یعنی فلسطین کو بھی فتح کرنے سے جی چھوڑ بیٹھے اور صاف کہدیا۔ **اذهب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون** ۔تو صحابہ محمدیؐ نے اپنے پیغمبر کی اطاعت کرتے ہوئے اپنے وطن (حجاز) کے ساتھ عالم کو فتح کر ڈالا۔ **انا فتحنا لک فتحاً مبینا.** کا ظہور ہوا اور **ليستخلفنهم فی الارض** کا وعدہ خداوندی پورا کر دیا گیا۔ (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔موسیٰ علیہ السلام! تو اور تیرا پروردگار لڑلو ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں (ہم سے یہ قتال و جہاد کی مصیبت نہیں سہی جاتی) اس امت کے بارے میں ہے کہ ہم نے تمہیں اے نبی! فتح مبین دی۔(مکہ فتح ہو گیا) اور آیت میں ہے کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کی خلافت وسلطنت ضرور بخشے گا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پہلے مکہ فتح ہوا۔ پھر خیبر اور بحرین فتح ہوا۔ پھر پورا جزیرہ عرب کا اکثر حصہ فتح ہوا۔ پھر یمن کا پورا ملک فتح ہوا۔ پھر ہجوس کے مجوس سے خرید لیا گیا۔ اطراف شام وروم ومصر و اسکندریہ وحبشہ پر اثرات قائم ہوئے کہ بادشاہ روم (قیصر) باشادہ حبش (نجاشی) شاہ مصرو اسکندریہ مقوش شاہان عمان وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بھیج کر اپنی فرمانبرداری اور نیازمندی کا ثبوت دیا۔ پھر صدیق اکبرؓ خلیفہ رسولؐ اللہ نے جزیرہ عرب پورا کا پورا لے لیا۔ فارس پر فوج کشی کی۔ شام کے اہم علاقے بصریٰ وغیرہ فتح ہوئے۔ پھر فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں پورا شام پورا مصر، فارس وایران اور پورا روم اور قسطنطنیہ فتح ہوا۔ پھر عہد عثمانی میں اندلس،

قبرص، بلاد قیران وسبتہ اقصائے چین وعراق وخراسان، اہواز اور ترکستان کا ایک بڑا علاقہ فتح ہوا اور پھر امت کے ہاتھ پر ہندو، سندھ، یورپ وایشیاء کے بڑے بڑے ممالک فتح ہوئے۔ جن پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور بالآخر زمانہ آخر میں پوری دنیا پر بیک وقت اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ وعدہ امت کو دیا گیا جو پورا ہو کر رہے گا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

جنت میں امتِ محمدیہ کی اسی صفیں ہوں گی

(۱۰۵) اگر جنت میں ساری امتیں چالیس صفوں میں ہوں گی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا امت اسی (۸۰) صفیں پائے گی۔

اهل الجنة عشرون ومائة صف ثمانون منها من هذا الامة واربعون من سائر الامم. (ترمذی ودارمی بیہقی بریدۃ)

امتِ محمدیہ کے صدقات سے غرباء مستفید ہوتے ہیں

(۱۰۶) اگر اور امتوں کے صدقات اور انبیاء کے خمس نذر آتش کئے جانے سے قبول ہوتے تھے جس سے امتیں مستفید نہیں ہو سکتی تھیں تو امتِ محمدیؐ کے صدقات وخمس خود امت کے غرباء پر خرچ کرنے سے قبول ہوتے ہیں جس سے پوری امت مستفید ہوتی ہے۔

وكانت الانبياء يعزلون الخمس فتجئ النار وتاكله وامرت انا ان اقسم بين فقراء امتي. (بخاری فی تاریخه عن ابن عباس)

ترجمہ:۔ اگر اور انبیاء علیہم السلام اپنا خمس کا حق چھوڑ دیتے تھے تو آگ آتی تھی اور اسے جلا ڈالتی تھی (یہی اس کی قبولیت کی علامت تھی۔ بجوائے قرآن حکیم **حتى ياتينا بقربان تاكله النار**) اور مجھے امر کیا گیا ہے کہ میں اس خمس کو تقسیم کر دوں اپنی امت کے فقراء میں۔

(خصائص کبریٰ ۲/۱۸۷)

امتِ محمدیہ کے لئے الہام ہے

(۱۰۷) اگر اور انبیاء پر وحی آتی تھی جس سے اصلی تشریع کا تعلق تھا تو اِس امت کے ربانیوں پر الہام اترا جس سے اجتہادی شریعتیں کھلیں۔

واذا جاء هم امر من الامن او الخوف اذا عوابه ولو ردوه الى الرسول

والیٰ اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہٗ منھم.

ترجمہ:۔اور جب ان کے پاس کوئی بات امن کی یا خوف کی آتی ہے تو اسے پھیلا دیتے حالانکہ اگر وہ اسے رسول یا اپنے میں سے **اولو الامر** کی طرف لوٹا دیتے ہیں اسے ان میں سے استنباط کرنے والے جان لیتے (جو اس میں سے نئی چیزیں مستنبط کر کے نکال لیتے۔)

امتِ محمدیہ عامہ گمراہی سے محفوظ ہے

(۱۰۸) اگر اور انبیاء کی امتیں ضلالتِ عامہ سے نہ بچ سکیں تو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہی عامہ سے ہمیشہ کے لئے مطمئن کر دیا گیا۔

لاتجمع امتی علی الضلالۃ۔

ترجمہ:۔میری امت (ساری کی ساری مل کر کبھی بھی) گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔

امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجماع حجت ہے

(۱۰۹) اگر اور انبیاء کی امتوں کا مل کر کسی چیز کا جمع ہو جانا عند اللہ حجت شرعیہ نہیں تھا کہ وہ گمراہی عامہ سے محفوظ نہ تھیں تو امتِ محمدیہ کا اجماع حجتِ شرعیہ قرار دیا گیا کہ وہ عام گمراہی سے محفوظ کی گئی ہے۔

وما راٰہ المومنون حسناً فھو عند اللہ حسن و حدیث انتم شھداء اللہ فی الارض ولتکونوا شھداء علی الناس.

ترجمہ:۔جسے مسلمان اچھا سمجھ لیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے اور حدیث تم اللہ کے سرکاری گواہ ہو زمین میں۔اور آیتِ کریمہ ہم نے تمہیں اے امت محمدیہ درمیانی درجہ کی امت بنایا ہے (تمہیں بھی اس کا دھیان چاہیے) اور حدیث تم اللہ کے سرکاری گواہ ہو زمین پر) اور آیت کریمہ ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا ہے تا کہ تم گواہ بنو دنیا کے انسانوں پر۔

امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عذابِ عام نہ ہوگا

(۱۱۰) اگر اور انبیاء کی امتیں گمراہی عامہ کی وجہ سے معذب ہو ہو کر ختم ہوتی رہیں تو امتِ محمدیہ کو عذابِ عام اور استیصال عام سے دائمی طور پر بچا لیا گیا۔

وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم وما كان الله معذبهم وهم يستغفرون (القرآن الحکیم)

امتِ محمدیہ کودس گنا اعلیٰ مقام ملیں گے

(۱۱۱) اگراور انبیاء کی امتوں کو جنت میں نفس مقامات سے نوازا جائے گا تو امتِ محمدیہ کو ہر مقام کا دہ گنہ درجہ دیا جائے گا تا آنکہ اس امت کے ادنیٰ سے ادنیٰ جنتی کا ملک بہ نص حدیث دس دنیا کی برابر ہوگا۔ فما ظنك باعلاهم؟

ترجمہ:۔ جیسا کہ آیت کریمہ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها اس پر شاہد ہے۔

امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صلحاء بھی شفاعت کریں گے

(۱۱۲) اگر امم سابقہ کی شفاعت صرف ان کے انبیاء ہی کریں گے تو اس امت کی شفاعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اِس امت کے صلحاء بھی کریں گے اور ان کی شفاعت سے جماعتیں کی جماعتیں نجات پا کر داخل ہوں گی۔

ان من امتى من يشفع للفئام ومنهم من يشفع للقبيلة ومنهم من يشفع للعصبة ومنهم من يشفع للرجل حتىٰ يدخلوا الجنه. (ترمذی عن ابی سعید)

ترجمہ:۔ میری امت میں ایسے بھی ہوں گے جو کئی کئی شفاعتیں کریں گے اور ایک خاندان بھر کی، بعض خاندان کے ایک حصہ کی اور بعض ایک شخص کی، تا آنکہ یہ لوگ اس کی شفاعت سے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اللہ کے نام سے ہے

(۱۱۳) اگراور انبیاء کی امتوں کے نام ان کے وطنوں اور قبیلوں یا انبیاء کے ناموں سے رکھے گئے، جیسے عیسائی، یہودی، ہندو وغیرہ تو امت محمدیہ کے دو نام اللہ نے اپنے ناموں سے رکھے۔

مسلم اور مومن، يا يهود تسم الله باسمين وسمى الله بهما امتى هو السلام وسمىٰ بها امتى المسلمين وهو المومن وسمىٰ بها امتى المومنين. (مصنف ابن ابی شیبہ عن مکحول)

ترجمہ:۔اے یہودی! اللہ نے اپنے دو نام رکھے۔ اور پھر ان دونوں ناموں سے نام میری آیت کا رکھا۔ اللہ تعالیٰ سلام ہے تو اس نام پر اس نے میری امت کو مسلمین کہا اور وہ مومن ہے تو اپنے اس نام پر اس نے میری امت کو مؤمنین فرمایا۔

تمام امتیازات کی بنیاد ختم نبوت ہے

یہ سارے امتیازی فضائل وکمالات جو جماعت انبیاء میں آپ کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت غلامی سے امتوں میں اس امت کو دیئے گئے تو اس کی بناء ہی یہ ہے کہ اور انبیاء نبی ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں اور امتیں امم واقوام ہیں اور یہ امت خاتم الامم اور خاتم الاقوام ہے اور انبیاء کی کتب آسمانی کتب ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب خاتم الکتب ہے اور ادیان ادیان ہیں اور یہ دین خاتم الادیان ہے اور شرائع شریعتیں ہیں اور یہ شریعت خاتم الشرائع ہے۔ یعنی آپ کی خاتمیت کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے ہی کمالات وآثار میں رچا ہوا ہے۔ پس یہ امتیازی خصوصیات محض نبوت کے اوصاف نہیں بلکہ ختم نبوت کی خصوصیات ہیں۔ اِس لیے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء میں ختم نبوت کے مقام سے ممتاز اور افضل ہیں۔ ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خاتمیت کی ممتاز سیرت تمام انبیاء کی سیرتوں سے ممتاز اور افضل ہے چنانچہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ختم نبوت اور خاتمیت کو اپنی خصوصیات میں شمار فرمایا ہے۔ حدیث ابوہریرہؓ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنی چھ امتیازی خصوصیات جوامع کلم اور غیر معمولی رعب وغیرہ ارشاد فرمائی۔ وہیں ان میں سے ایک خصوصیت یہ بھی فرمائی کہ:۔

وختم بی النبیون. (بخاری ومسلم)۔ مجھ سے نبی ختم کردیئے گئے۔

ختم نبوت کا منکر تمام کمالات نبوی کا منکر ہے

اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضور کی یہ خصوصیات اور ممتاز سیرت ختم نبوت کے تسلیم کیے بغیر زیر تسلیم نہیں آسکتی۔ ان خصوصی فضائل کو وہی مان سکے گا جو ختم نبوت کو مان رہا ہو۔ ورنہ ختم نبوت کا منکر درحقیقت ان تمام فضائل وکمالات اور خصوصیات نبوی کا منکر ہے۔ گو

زبان سے وہ حضورؐ کی افضلیت کا دعویٰ کرتا رہے۔ مگر یہ دعویٰ ختم نبوت کے انکار کے ساتھ زمانہ سازی اور حیلہ بازی ہوگا۔ بہر حال حضورؐ کے کمالات کے دائرہ میں ہر کمال کا یہ انتہائی نقطہ آپ کی خاتمیت کا اثر ہے نہ محض نبوت کا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء بھی ہیں اور جامع کمالاتِ انبیاء بھی

اس سے یہ اصولی بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ شے کی انتہا میں اس کی ابتداء لپٹی ہوتی ہے اور کمال کے ہر انتہائی نقطہ میں اس کے تمام ابتدائی مراتب مندرج ہوتے ہیں۔ سورج کی روشنی سارے عالم میں درجہ بدرجہ پھیلی ہوئی ہے جس کے مختلف اور متفاوت مراتب ہیں۔ لیکن اس کے انتہائی مرتبہ نور میں اس کے ابتدائی نور کے تمام مراتب کا جمع رہنا قدرتی ہے۔ مثلاً اس کے نور کا ادنیٰ درجہ ضیاء اور چاندنا ہے جو بند مکانوں میں بھی پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ اس سے اوپر کا مرتبہ دھوپ ہے جو کھلے میدانوں اور صحنوں میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے جس سے میدان روشن کہلاتے ہیں۔ اس سے اوپر کا مرتبہ شعاعوں کا ہے جس کا باریک تاروں کی طرح فضائے آسمانی میں جال پھیلا ہوا ہوتا ہے اور فضا ان سے روشن رہتی ہے۔ اس سے بھی اوپر کا مرتبہ اصل نور کا ہے جو آفتاب کی ٹکیہ کے چوگرد اس سے لپٹا ہوا اور اس سے چمٹا ہوا ہوتا ہے جس سے آفتاب کا ماحول منور ہوتا ہے اور اس سے اوپر ذات آفتاب ہے جو بذات خود روشن ہے لیکن یہ ترتیب خود اس کی دلیل ہے کہ آفتاب سے نور صادر ہوا، نور سے شعاع برآمد ہوئی، شعاع سے دھوپ نکلی اور دھوپ سے چاندنا نکلا گویا ہر اعلیٰ مرتبہ کا اثر ادنیٰ مرتبہ ہے جو اعلیٰ سے صادر ہو رہا ہے۔ اس لیے بآسانی یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ضیاء و روشنی دھوپ میں تھی جب ہی تو اس سے برآمد ہوئی دھوپ شعاعوں میں تھی جب ہی تو اس سے نکلی۔ شعاعیں نور میں تھیں جب ہی اس سے صادر ہوا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ روشنی کے یہ سارے مراتب آفتاب کی ذات میں جمع تھے جب ہی تو واسطہ بلا واسطہ اس سے صادر ہو ہو کر عالم کے طبقات کو منور کرتے رہے۔ پس آفتاب خاتم الانوار ہونے کی وجہ سے جامع

الانوار ثابت ہوا۔ اگر نور کے سارے مراتب اس پر پہنچ کر ختم نہ ہوتے تو اس میں یہ سب کے سب مراتب جمع بھی نہ ہوتے تو قدرتی طور پر خاتمیت کے لیے جامعیت لازم نکلی۔

ٹھیک اسی طرح حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ خاتم الکمالات ہیں جن پر نبوت کے تمام علمی و عملی اور اخلاقی و احوالی مراتب ختم ہو جاتے ہیں تو آپ ہی ان سارے کمالات کے جامع بھی ثابت ہوتے ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نبوت کا ہر کمال جس جس رنگ میں جہاں جہاں اور جس جس پاک شخصیت میں موجود تھا وہ آپ ہی سے نکلا اور آخر کار آپ ہی پر آ کر منتہی ہوا تو یقیناً وہ آپ ہی میں جمع بھی تھا۔ اس لیے وہ تمام امتیازی کمالات علم و اخلاق اور کمالات احوال و مقامات جو مذکورہ بالا دفعات میں پیش کئے گئے ہیں اور جو آپ کے لیے وجہ امتیاز و فضیلت ہیں جب کہ آپ ہی پر پہنچ کر ختم ہوئے تو وہ بلاشبہ آپ ہی میں جمع شدہ بھی تھے ورنہ آپ پر پہنچ کر ختم نہ ہوتے اور جب آپ کی ذات بابرکات جامع الکمالات بلکہ منبع کمالات ثابت ہوئی اور آپ کے سارے کمالات انتہائی ہو کر جامع مراتب کمالات ثابت ہوئے۔

ہستیش غایت ہمہ غایات　　　مصحفے گشت جامع آیات

تو یقیناً آپ کی شریعت جامع الشرائع آپ کا دین جامع الادیان، آپکا لایا ہوا علم جمع علوم اولین و آخرین، آپ کا خلق عظیم یعنی جامع اخلاق سابقین و لاحقین اور آپ کی لائی ہوئی کتاب جامع کتب سابقین ہے جو آپ کی خاتمیت کی واضح دلیل ہے۔ اس لیے آپ کی خاتمیت کی شان سے آپ کی جامعیت ثابت ہوگئی۔

مُصَدِّقیّت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاءؑ اور اُن کی شریعتوں کے مُصدِق ہیں

اب اس جامع سے آپ کی افضلیت کا ایک اور مقام نمایاں ہوتا ہے۔ اور وہ شان مصدّقیت ہے کہ آپ سابقین کی ساری شریعتوں اور ان کی لائی ہوئی ساری کتابوں کے تصدیق کنندہ ثابت ہوتے ہیں جس کا دعویٰ قرآنِ حکیم نے فرمایا ہے:۔

ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم.

ترجمہ:۔ پھر تمہارے پاس (اے پیغمبران الٰہی) وہ عظیم رسول (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) آ جائیں تو تمہارے ساتھ کی ہر چیز (سماوی کتب نبوت، معجزات تعلیمات وغیرہ) کے تصدیق کنندہ ہوں (تو تم ان پر) ایمان لانا اور ان کی نصرت کرنا۔

اور فرمایا:۔ **بل جاء بالحق و صدق المرسلین.**

ترجمہ:۔ بلکہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آئے اور رسولوں کی تصدیق کرتے ہوئے۔

مُصدِّقیت کی توجیہ

وجہ ظاہر ہے کہ جب آپ کی شریعت میں تمام پچھلی شریعتیں جمع ہیں اور آپ کی لائی ہوئی کتاب (قرآن) میں تمام پچھلی کتب سماویہ مندرج ہیں تو ان کی تصدیق خود اپنی تصدیق ہے۔ جس کی بنا سورج کی مثال سے کھل چکی ہے کہ جیسے ہر انتہا میں اس کے ابتدائی مراتب جمع ہو جاتے ہیں۔ ویسے ہی وہ سارے ابتدائی مراتب نکلتے بھی اس انتہائی مرتبہ

سے ہیں۔ اِس لیے سابق شریعتیں درحقیقت اس انتہائی شریعت کے ابتدائی مراتب ہونے کے سبب اسی میں سے نکلی ہوئی مانی جاویں گی ورنہ یہ شریعت انتہائی اور وہ ابتدائی نہ رہیں گی جو مشاہدہ اور عقل ونقل کے خلاف ہے۔ وہ اپنی جگہ مسلم شدہ ہے پس اس جامع شریعت کی تصدیق کے بعد ممکن ہی نہیں کہ ابتدائی شریعتوں کی تصدیق نہ کی جائے بلکہ خود اس مصدقہ شریعت میں جمع شدہ ہیں۔ ورنہ خود اس شریعت کی تصدیق بھی باقی نہ رہے گی۔ اس لیے جب یہ آخری اور جامع شریعت آپ کے اندر سے ہو کر نکلی تو سابقہ شریعتیں بھی بالواسطہ آپ ہی کے اندر سے ہو کر آئی ہوئی تسلیم کی جاویں گی۔ وانهٔ لفی زبر الاولین اور یہ قرآن پچھلوں کی کتابوں میں بھی (لپٹا ہوا) موجود تھا) اس لیے اس شریعت کی تصدیق کے لیے پچھلی شریعتوں کی تصدیق ایسی ہی ہوگی جیسے اپنے اجزا و اعضاء کی تصدیق اور ظاہر ہے کہ اپنے اعضاء و اجزا اور بالفاظ دیگر خود اپنی تکذیب کون کرسکتا ہے؟ ورنہ یہ معاذ اللہ خود اپنی شریعت کی تکذیب ہو جائے گی۔ جب کہ یہ ساری شریعتیں اسی آخری شریعت کے مبادی اور مقدمات اور ابتدائی مراتب تھے تو کل کی تصدیق کے اس کے تمام صحیح اجزاء کی تصدیق ضروری ہے ورنہ وہ کل کی ہی تصدیق نہ رہے گی۔ اس لیے سارے پچھلے ادیان کے حق میں آپ کے مصدق ہونے کی شان نمایاں تر ہو جاتی ہے۔

اسلام تمام شریعتوں کے اقرار کا نام ہے

اور واضح ہو جاتا ہے کہ ''اسلام'' اقرار شرائع کا نام ہے، انکار شرائع کا نہیں۔ تصدیق مذاہب کا نام ہے۔ تکذیب مذاہب کا نہیں۔ توقیر ادیان کا نام ہے۔ تحقیر ادیان کا نہیں۔ تعظیم مقتدایان مذاہب کا نام ہے۔ توہین مقتدایان کا نام نہیں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام کا ماننا درحقیقت ساری شریعتوں کا ماننا اور اس کا انکار ساری شریعتوں کا انکار ہے اور اسلام آ جانے کے بعد اس سے منکر درحقیقت کسی بھی دین و شریعت کے مقر تسلیم نہیں کیے جاسکتے۔

تمام غیر مسلموں کے مسلمان ہونے کی آرزو

اِس بناء پر اگر ہم دنیا کے سارے مسلم اور غیر مسلم افراد سے یہ امید رکھیں کہ وہ حضرت

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جامع وخاتم سیرت کے مقامات کوسامنے رکھ کر اس آخری دین کو پوری طرح سے اپنائیں اوراس کی قدروعظمت کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں تو یہ بے جا آرزو نہ ہوگی مسلمانوں سے تو اس لیے کہ حق تعالیٰ نے انہیں اسلام دے کر دین ہی نہیں دیا بلکہ سرچشمہ ادیان دے دیا اورایک جامع شریعت دے کر دنیا کی ساری شریعتیں ان کے حوالہ کر دیں۔ جب کہ وہ سب کی سب شاخ در شاخ ہوکر اسی آخری شریعت سے نکل رہی ہیں جس سے مسلمان بیک وقت گویا سارے ادیان وشریعت پر عمل کرنے کے قابل اوراس جامع عمل سے اپنے لیے جامعیت کا مقام حاصل کرنے کے قابل بنے ہوئے ہیں اوراس طرح وہ ایک دین نہیں بلکہ تمام ادیان عالم پر مرتب ہونے والے سارے ہی اجروثواب اوردرجات ومقامات کے مستحق ٹھہر جاتے ہیں۔

اسلام اقرارومعرفت کا دین ہے

اندریں صورت اگر ہم یوں کہیں تو خلافِ حقیقت نہ ہوگا۔ اگر وہ صحیح معنی میں عیسائی، موسائی، ابراہیمی اورنوحی بھی ہیں کہ آج انہی کے دم سے سچی نوحیت، ابراہیمت، موسائیت اور عیسائیت دنیامیں زندہ ہے جب کہ بلااستثناءان سب کے ماننے اوران کی لائی ہوئی شرائع کوسچا تسلیم کرنے کی روح انہوں نے ہی دنیا میں پھونک رکھی ہے بلکہ اپنی جامع شریعت کے ضمن میں ان سب شریعتوں پرعمل پیرا بھی ہیں۔ ورنہ آج ابراہیمؑ کے ماننے والے براہمہ اپنے کواس وقت تک براہمہ نہیں سمجھتے جب تک کہ وہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ ومحمد علیہم السلام کی تکذیب وتوہین نہ کرلیں۔ اسی طرح آج کی عیسائیت کو ماننے والے بزعم خوداپنی عیسائیت کواس وقت تک برقرار نہیں رکھ سکتے۔ جب تک کہ وہ محمدیت کی تکذیب نہ کرلیں۔ گویاان کے مذاہب کی بنیاد ہی تکذیب پر ہے تصدیق پرنہیں۔ انکار پر ہے اقرار پرنہیں۔ توہین پر ہے توقیر پرنہیں۔ جہالت پرہے معرفت پرنہیں۔ حالانکہ مذہب نام اقرار کا ہے۔ انکار کانہیں۔ ایمان نام معرفت کا ہے جہالت کانہیں، دین نام محبت کا ہے عداوت کانہیں، پس تسلیم واقرار، تعظیم وتوقیر، علم ومعرفت اورایمان ودین کا کارخانہ سنبھلا ہوا ہے توصرف اسلام ہی سے سنبھلا ہوا ہے۔

غلبہ اسلام

اور اسی کی تسلیم عام اور تصدیق عام کی بدولت تمام مذاہب کی اصلیت اور توقیر محفوظ ہے۔ ورنہ اقوام دنیا نے مل کر تعصبات کی راہوں سے اس کارخانہ کو درہم برہم کرنے میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی۔ بنا بریں اسلام کے ماننے والے تو اس لیے اسلام کی قدر پہچانیں اور اسے دستور زندگی بنائیں کہ اللہ نے انہیں تعصبات کی دلدل سے دور رکھ کر دنیا کی تمام قوموں، امتوں اور ان کے تمام مذاہب اور شریعتوں کا رکھوالا اور محافظ بنایا اور ان میں سے غل وغش کو الگ دکھا کر اصلیت کا راز داں تجویز کیا۔ دوسرے انکار اقرار و تسلیم صرف ان ہی کی شریعت تک محدود نہیں بلکہ شاخ در شاخ بنا کر دنیا کی تمام شریعتوں تک پھیلا دیا جس سے اگر ایک طرف ان کے دین کی وسعت و عمومیت اور جامعیت نمایاں کی جو خود دین والوں کی جامعیت اور وسعت کی دلیل ہے تو دوسری طرف اسلامی دین کا غلبہ بھی تمام ادیان پر پورا کر دیا۔

جس کی قرآن نے **لیظھرہٗ علی الدین کلہ** (تا کہ اسلامی دین کو اللہ تمام دینوں پر غالب فرمائے) خبر دی تھی۔

کیونکہ غلبہ دین کی اس سے زیادہ نمایاں اور واضح دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ دین اسلام تمام ادیان کا مصدق بن کر ان میں روح کی طرح دوڑا ہوا انہیں تھامے ہوئے ہے، ان کا قیوم اور سنبھالنے والا ہے۔ اور اسی کے دم سے ان کی تصدیق و توثیق باقی ہے ورنہ اقوام عالم تو مذاہب کی تردید و تکذیب کر کے انہیں لاشئے محض بنا چکی تھیں۔ **وقالت الیھود لیست النصارٰی علی شیء. وقالت النصارٰی لیست الیھود علی شئی** (یہود نے کہا کہ نصاریٰ لاشئے محض ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود لاشئی محض ہیں) اور اس طرح ہر قوم اپنے سوا دوسرے مذاہب کو تردید و تکذیب سے دفن کر چکی تھی۔ مصدق عام اور قیوم عمومی بن کر تو اسلام ہی آیا جس نے ہر مذہب کی اصلیت نمایاں کر کے اس کی تصدیق کی اور اسے باقی رکھا جس سے مذاہب سابقہ اپنا دورہ پورا کر دینے کے بعد بھی دلوں اور ایمانوں میں محفوظ رہے اور کون نہیں جانتا کہ کسی چیز کا سنبھالنے اور تھامنے والا ہی اس چیز پر غالب ہوتا ہے، جسے وہ تھام رہا ہے۔ ورنہ بلا غلبہ کے تھامتا کیسے؟ اور تھمی شے تھامنے والے کے سامنے مغلوب اور ضعیف ہوتی

ہے۔ ورنہ اسے تھامنے والے کے سہارے کی ضرورت کیوں پڑتی؟ پس جب کہ ادیان سابقہ کی اصلیت اسلام کے سہارے تھمی ہوئی ہے تو ادیان سابقہ اس کے محتاج ثابت ہوئے اور وہ ان کے لحاظ سے غنی رہا۔ اور ظاہر ہے کہ محتاج غنی پر غالب نہیں ہوتا۔ بلکہ غنی محتاج پر غالب ہوتا ہے۔ اس لیے اسلام کا غلبہ اس قومیت کے سلسلہ سے تمام ادیان پر نمایاں ہو جاتا ہے۔

ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ.

ترجمہ:۔ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس اسلامی دین کو تمام دینوں پر غالب فرمائے۔

پس اسلام کا غلبہ جہاں حجت و برہان سے اس نے دکھلایا۔ جہاں تیغ و سنان سے اس نے دکھلایا جو باہر کی چیزیں ہیں وہیں خود دین کی ذات سے ہی دکھلایا اور وہ اس کی عمومیت، قومیت اور مصدقیت عام ہے۔ جس سے اس نے روح بن کر ادیان کو سنبھال رکھا ہے جس سے اس دین کا بین الاقوامی دین ہونا بھی واضح ہو جاتا ہے۔

اسلام مسلم وغیر مسلم سب کے لئے نعمت ہے

بہر حال اسلام والے تو اس لیے اسلام کی قدر کرتے ہیں کہ وہ کامل، جامع مصدق عالمگیر دین اور روح ادیان عالم ہے۔ جو انہیں پشتینی طور پر ہاتھ لگ گیا ہے۔

اور غیر مسلم اس لیے اس کی طرف بڑھیں اور اس کی قدر پہچانیں کہ آج کی ہمہ گیر دنیا میں اول تو جزوی اور مقامی ادیان چل نہیں سکتے۔ جیسا کہ مشاہدہ میں آ رہا ہے کہ ہر ایک مذہب کو یا منظر عام سے ہٹ کر چھپنے کے لیے پہاڑوں اور غاروں کی پناہ لینی پڑتی ہے اور یا باہر آ کر زمانہ کے تقاضوں کے مطابق اپنے اندر ترمیمیں کرنی پڑ رہی ہیں اور وہ بھی اسلام ہی سے لے کر تاکہ دنیا میں اس کے گاہک باقی رہیں۔ مگر ان میں سے کوئی چیز بھی ان ادیان کے محدود اور مقامی اور محض قومی ہونے کو نہیں چھپا سکتی۔ ان کے پیوندوں سے خود ہی پتہ چل جاتا ہے کہ لباس کو نمائش کی حد تک صحیح دکھلانے اور جاذب نظر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی لیے ان قومیتوں کی حد بندیوں کے مذاہب سے دلوں کی توجہ ہٹتی جا رہی ہے جیسا کہ مشاہدہ میں آ رہا ہے۔ اندریں صورت تقاضائے دانش و بینش اور مقتضائے فطرت صرف یہ ہے کہ اجزاء سے

ہٹ کر کل اور مجموعہ کو اپنایا جائے جس کے ضمن میں یہ جزوی دین اپنی اصلیت کی حد تک خود بخود آ جائیں اور ظاہر ہے کہ جب اصلیت کی حد تک اسلام نے تمام شرائع اور ادیان کو اپنے ضمن میں لے رکھا ہے تو اسلام قبول کرنے والے ان ادیان سے بھی محروم نہیں رہ سکتے۔

تمام ادیان کا بقاء اسلام سے ہے

بلکہ اگر وہ اپنے ادیان کی حفاظت چاہتے ہیں تو اب بھی انہیں اسلام ہی کا دامن سنبھالنا چاہیے۔ کیونکہ اسلام ہی نے ان ادیان کو تا بحد اصلیت اپنے ضمن میں سنبھال رکھا ہے۔ اگر وہ اپنے ادیان کی موجودہ صورتوں پر جمے رہتے ہیں تو اول تو وہ بے سند ہیں، ان کی کوئی حجت سامنے نہیں، اسلام ان کی سند تھا۔ تو اسے انہوں نے اختیار نہیں کیا۔ اسلام سے ہٹ کر دوسرے مذاہب میں دین کی سند و استناد کا کوئی سسٹم ہی نہیں جس سے ان کی اصلیت کا پتہ نشان لگ سکے اور ظاہر ہے کہ بے سند بات بحث نہیں ہو سکتی اور اگر کسی حد تک کوئی اپنی سلائی فطرت سے اصلیت کا کوئی سراغ نکال بھی لے تو زیادہ سے زیادہ وہ ایک جزئی، قومی اور مقامی دین کا پیرو رہا جو آج کے بین الاقوامی، بین الاوطانی اور عمومیت و کلیت کے دور میں چل نہیں سکتا۔ اسی لیے ارباب ادیان ایسے دینوں میں ترمیمات کے مسودے لا رہے ہیں اور آئے دن اِس قسم کی خبروں سے اخبارات کے کالم بھرے رہتے ہیں۔ البتہ اگر وہ اسلام سنبھال لیں تو اس پر چلنا درحقیقت تمام ادیان پر چلنا ہے اور ہر دین کی جتنی واقعی اصلیت ہے اسے تھامے رہنا ہے اِس لیے نفس دین کا تھامنا ضروری ہو تب اور اپنے اپنے ادیان کا تھامنا ضروری ہو۔ تب بہر دو صورت اسلام ہی کا تھامنا عقلاً اور نقلاً ضروری نکلتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہر چیز خاتم ہے

بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے سے آپ کی لائی ہر چیز شریعت۔ کتاب۔ قوم۔ امت۔ اصول قواعد اور احکام وغیرہ ساری چیزیں خاتم ٹھہرتی ہیں۔ اسی لیے جس طرح آپ کو خاتم النبیین فرمایا گیا اسی طرح آپ کے دین کو خاتم الادیان بتایا گیا۔ ارشاد ربانی ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم.

ترجمہ:۔آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا۔

اور ظاہر ہے کہ اکمال اور تکمیلِ دین کے بعد نئے دین کا سوال پیدا نہیں ہوسکتا اِس لیے یہ کامل دین ہی خاتم الادیان ہوگا کہ کوئی تکمیل طلب ایسے ہی آپ کی امت کو خاتم الامم کہا گیا جس کے بعد کوئی امت نہیں۔حدیث قتادہؓ میں ہے۔

نحن اخرها و خيرها. (درمنثور)

ترجمہ:۔ہم (امتوں میں) سب سے آخر ہیں اور سب سے بہتر ہیں۔

حدیث ابی امامہ میں ہے:۔

يايها الناس لا نبی بعدی ولا امة بعد کم . (مسند احمد)

ترجمہ:۔اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔

(یعنی میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔یہی وہ خاتمیت ہے)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد کے بارہ فرمایا جو حدیث عبداللہ بن ابراہیم میں ہے کہ

فانی آخر الانبياء مسجدی آخر المساجد۔(مسلم)

ترجمہ:۔میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخر المساجد ہے (وہی آپ کی خاتمیت مسجد میں آئی)

حدیث عائشہؓ میں یہ دعویٰ خاتمیت کے الفاظ کے ساتھ ہے۔

انا خاتم الانبياء و مسجدی خاتم مساجد الانبياء. (کنزالعمال)

ترجمہ:۔میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری مسجد مساجد الانبیاء میں خاتم المساجد ہے۔

اور جب کہ آپ کی آوردہ کتاب (قرآن) ناسخ الادیان اور ناسخ الکتب ہے تو یہی معنی اِس کے خاتم الکتب ہونے کے ہیں۔کیونکہ ناسخ ہمیشہ آخر میں اور ختم پر آتا ہے اور اسی لیے آپ کو دعوت عامہ دی گئی کہ دنیا کی ساری اقوام کو آپ اللہ کی طرف بلائیں۔کیونکہ اس دین کے بعد کوئی اور دین کسی خاص قوم یا دنیا کی کسی بھی قوم کے پاس آنے والا نہیں۔جس کی دعوت آنے والی ہوتو اسی ایک دین کی دعوت عام ہوگئی کہ وہ خاتم ادیان اور آخر ادیان ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ساری خاتمیتیں درحقیقت آپ کی ختم نبوت کے آثار ہیں۔

خاتمیت سے جامعیت نکلی تو یہ تمام چیزیں جامع بن گئیں اور جامعیت سے آپ کی مصدقیت کی شان پیدا ہوئی جو ان سب چیزوں میں آتی چلی گئی۔ قرآن کو مصدق لما معکم کہا گیا امت کو بھی مصدق انبیاء بنایا گیا کہ سب اگلے پچھلے پیغمبروں پر ایمان لاؤ۔ دین بھی مصدق ادیان ہوا۔

سیرۃ نبوی کے جامع نقاط

یہی وہ سیرت نبوی ہے کہ جامع اور انتہائی نقاط ہیں۔ جن سے یہ سیرت مبارک تمام سیر انبیاء پر حاوی و غالب اور خاتم السیر ثابت ہوئی۔ اسی لیے آپ کی سیرت کا بیان محض کمال کا بیان نہیں بلکہ امتیازی کمالات اور ان کے بھی انتہائی نقاط کا بیان ہے جو اسی وقت ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کو مانا جائے کہ یہ امتیازات اور امتیازی کمالات مطلق نبوت کے آثار نہیں بلکہ ختم نبوت کے آثار ہیں۔ کیونکہ ختم نبوت خود ہی نفس نبوت سے ممتاز اور افضل ہے کہ سرچشمہ نبوات ہیں۔ اس لیے اس کے امتیاز آثار بھی مطلق آثار نبوت سے فائق اور افضل ہونے ناگزیر تھے۔ پس سیرتِ خاتمیت کے چند نمونے ہیں جو اس مختصری فہرست میں پیش کئے گئے ہیں۔

ان میں اولاً چند دفعات میں خاتم النبیینؐ کے دین کا تفوق و امتیاز دوسرے ادیان پر دکھلایا گیا ہے۔

پھر چند نمبروں میں طبقہ انبیاء کے کمالات و کرامات اور معجزات پر خاتم النبیینؐ کے کمالات و کرامات اور معجزات کی فوقیت دکھلائی گئی ہے۔

پھر چند نمبروں میں خصوصی طور پر نام بنام حضرات انبیاء علیہم السلام کے خصوصی احوال و آثار اور مقامات پر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و آثار اور مقامات کی عظمت واضح کی گئی ہے۔

پھر چند شماروں میں اور انبیاء کی امتوں پر امت خاتم کی عظمت و برگزیدگی واضح کی گئی ہے۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر جہتی عظمت و فوقیت کاملیت و جامعیت، اولیت و آخریت روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے جو آپ کی خاتمیت کے آثار و لوازم ہیں۔

مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت

اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کو آپ کی خاتمیت کے اثبات میں کس درجہ اہتمام ہے کہ ختم نبوت کا دعوٰے قرآن کریم میں کر کے سینکڑوں سے متجاوز احادیث میں ختم نبوت کے دلائل و آثار اور شواہد و نظائر شمار کرائے گئے ہیں جن میں سے چند کا انتخاب ان مختصر اوراق میں پیش کیا گیا۔ بس ختم نبوت سے متعلق پہلی قسم کی آیات و روایات پر مشتمل کتابیں دعوٰے ختم نبوت کی کتابیں لکھی جائیں گی اور یہ رسالہ جس میں آثار و لوازم ختم نبوت کے نمونے اور خصوصیات ختم نبوت کے شواہد و نظائر پیش کئے گئے ہیں۔ دلائل ختم نبوت کی کتاب کہی جائے گی۔ جس سے صاف روشن ہو جاتا ہے کہ ختم نبوت کا مسئلہ اسلام میں سب سے زیادہ اہم، سب سے زیادہ بنیادی اور اساسی مسئلہ ہے۔ جس پر اسلامی شریعت کی خصوصیت کی بنیاد قائم ہے اگر اس مسئلہ کو تسلیم نہ کیا جائے یا اس میں کوئی رخنہ ڈال دیا جائے تو اسلامی خصوصیات کی ساری عمارت آپڑے گی اور مسلم کے ہاتھ میں کوئی خصوصی خرمہرہ باقی نہ رہے گا۔ جس سے وہ اسلام کو دنیا کی ساری اقوام کے سامنے پیش کرنے کا حق دار بنا تھا۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بغیر قابل تسلیم ہی نہیں بن سکتیں کہ ختم نبوت کو تسلیم کیا جائے کہ اس پر خصوصیات نبوی کی عمارت بھی کھڑی ہوئی ہے۔ پس اس مسئلہ کا منکر درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا منکر اور اِس مسئلہ کو مٹا دینے کا ساعی، حضور اکرمؐ کی امتیازی فضائل کو مٹا دینے کی سعی میں لگا ہوا ہے۔

ختم نبوت کا منکر پورے اسلام کا منکر ہے

اِس لیے جو طبقات بھی ختم نبوت کے منکر ہیں۔ خواہ صراحتاً اس کے منکر ہوں یا تاویل کے راستہ سے، دین کے اس بدیہی اور ضروری مسئلہ کے انکار پر آئیں۔ ان کا اسلام کا شریعت اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں مانا جا سکتا اور نہ وہ اسلامی برادری میں شامل سمجھے جا سکتے ہیں جس طرح سے توحید کا منکر قولی ہو یا مصرح، اسلام سے خارج اور اس سے بے واسطہ ہے اسی طرح سے ختم رسالت کا منکر خواہ انکار سے ہو یا تاویل سے اسلام سے

خارج مانا جاوے گا۔ کیونکہ وہ صرف کسی ایک مسئلہ کا منکر نہیں بلکہ اسلام کے سارے امتیازات، سارے ممتاز فضائل، ساری ہی خصوصیات اور صدہا دینی روایات کا منکر ہے جن کا قدر مشترک تواتر کی حد سے نیچے نہیں رہتا۔

یہ مقالہ

بہر حال ختم نبوت کے درخشاں آثار اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی شمائل وفضائل یا بالفاظ دیگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کے ہزاروں وجوہ دلائل میں سے یہ چند نمونے ہیں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے **خاتم النبیینؐ** ہونے کی تفسیر اور تشریح کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ مختصر مقالہ سیرت خاتم النبیین منہیں بلکہ سیرت خاتمیت کی چند موٹی موٹی سرخیوں کی ایک مختصر سے فہرست ہے جس کے نیچے اس بلند پایہ سیرت کی امتیازی حقائق و تفصیلات پیش کی جاسکتی ہیں۔ اگر ان روایات کی روشنی میں سیرت خاتمیت کی ان تفصیلات اور ان کے مالہ وما علیہ کو کھولا جائے۔ تو بلاشبہ محدثانہ اور متکلمانہ رنگ کی ایک نادر سیرت مرتب ہو سکتی ہے۔ جو تاریخی رنگ کی تو نہ ہوگی اور تاریخ محض سیرت ہے بھی نہیں۔ بلکہ پیغمبرانہ مقامات اور خاتمانہ امتیازات کی حامل محدثانہ رنگ کی سیرت ہوگی جو اپنے رنگ کی ممتاز سیرت کہلائی جائے گی۔ میں نے اس مختصر مضمون میں اس وقت صرف عنوانات سیرت کی نشاندہی کا فرض انجام دیا ہے۔ شاید کسی وقت ان تفصیلات کے پیش کرنے کی توفیق میسر ہو جائے جو ابھی تک ذہن کی امانت بنی ہوئی ہیں۔ جن سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے متفاوت درجات ومراتب اور خاتمیت کے انتہائی درجات ومراتب کا فرق اور تفاضل باہمی بھی کھل کر سامنے آ سکتا ہے۔ جس کی طرف تلک الرسل **فضلنا بعضهم علٰی بعض**. میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

یہ عقیدہ رکھنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روح مبارک علیین میں ہے آپ کا اپنی قبر اور جسد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا آپ کی قبر مبارک پر درود وسلام پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے لیکن آپ سنتے نہیں کیا ایسا عقیدہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اور غلط ہونیکی صورت میں بدعت سئیہ ہے یا نہیں؟ اور ایسے عقیدے والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب: مبسملا و محمد لا و مصلیا و مسلما

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں آپکے مزار کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں ہمارے کان نہیں کہ ہم سنیں آپ اپنے مزار میں حیات ہیں مزار مبارک کے ساتھ آپ کا تعلق بجسدہ وبروحہ ہے جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے وہ بدعتی ہے خراب عقیدے والا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے حدیث میں ہے۔

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیا (الحدیث)

" مشکوۃ فی الجمعۃ رواہ ابن ماجہ ای باسناد جید عن المنذری ولہ طرق کثیرۃ بالفاظ مختلفۃ مرقات جدید" (ج ۳ ص ۲۳۸)

ترجمہ:۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔

یہ حدیث مشکوۃ باب الجمعہ میں ہے اسکو ابن ماجہ نے عمدہ سند کے ساتھ منذری سے روایت کیا ہے اور یہ بہت سے طرق سے مروی ہے۔

وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی

الله علیه وسلم من صلی علی عند قبری ومن صلی علی من بعید اعلمته (رواه ابو الشیخ و سنده جید) القول البدیع ص۱۱٦)

"**مشکوة رواه البیهقی فی شعب الایمان وفی حاشیة اللمعات الجلیده** (ج۲ص ۱۹۸)

اخرجه ابوبکر ابن ابی شیبه والعقیلی والطبرانی وفی المرقات رواه ابو الشیخ وابن حیان بسند جید. (ج۳ ص ۳۴۳)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے میری قبر کے پاس، میں اس کو سنتا ہوں اور جو درود پڑھے مجھ پر دور سے اسکی اطلاع کی جاتی ہے (اسکو ابوالشیخ نے روایت کیا اسکی سند عمدہ ہے) مشکوۃ میں ہے بیہقی نے اسکو روایت کیا ہے شعب الایمان میں اور لمعات میں ہے کہ ابوبکر بن ابی شیبہ اور عقیلی اور طبرانی نے بھی یہ حدیث ذکر کی ہے اور مرقات میں ہے کہ اسکو ابوالشیخ اور ابن حیان نے عمدہ سند سے روایت کیا ہے۔

عن انس رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الانبیاء (صلوة الله علیهم) احیاء فی قبورهم یصلون

(رواه ابن عدی رحمه الله والبیهقی رحمه الله) وغیرهما (شفاء السقام ص ۱۳۴) اخرجه ابو یعلی فی مسنده والبیهقی انباء الاذکیا للسیوطی.

ترجمہ:۔ حضرت انس سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں (اسکو عدی اور بیہقی نے اور انکے علاوہ نے روایت کیا کتاب شفاء السقام میں ص ۱۳۴ پر یہ حدیث ذکر کی ہے ابو العلی نے اپنی مسند میں اور بیہقی سے انباء الاذکیا جو سیوطی کی ہے۔

دو تین حدیثیں نقل کر دی ہیں اس بات میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو انکار کرتا ہے بدعتی ہے خارج از اہل سنت والجماعت ہے غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپؐ سنتے بھی ہیں اور آپ اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ السید مہدی حسن نقی دارالعلوم دیو بند

الجواب صحیح جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور ۲۱ شوال ۱۳۷۶ھ اجاب المجیب واجاد محمد ضیاء الحق کان اللہ لہٗ مدرسہ جامعہ اشرفیہ، الجواب صواب، محمد رسول خان عفا اللہ عنہ.

ترجمہ:۔ مذکورہ جواب درست ہے جسکی تصحیح مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ مولانا ضیاء الحق صاحبؒ اور استاد الکل حضرت مولانا رسول خان صاحب نے کی ہے۔

الجواب: مبسملا و محمد لا و مصليا و مسلما

حیات شہداء کے معنی

(۱) آیت شریفہ" **ولا تقولوا لمن يقتل فی سبيل الله اموات. بل احياء ولكن لا تشعرون** (پ۲ع۳) (ترجمہ:۔اور جولوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں انکی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے۔ (بیان القرآن ج اص ۸۷) سے معلوم ہوا کہ شہدا کو مردہ یعنی مستمر الموت کہنا جائز نہیں حرام ہے ورنہ یقتل سے موت بیان ہو چکی ہے "**اموات**" مقولہ ہے جس کیلئے جملہ ہونا ضروری "**هم اموات**" جملہ اسمیہ استمرار پر دال ہے۔تو حرمت یہاں موت مستمر کہنے کی ہے۔

چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ ماتوا کہنا تو جائز ہے میت وموتی کہنا جائز نہیں ہے ایسے ہی" **احياء**" یعنی "**هم احياء**" کے معنی یہ کہ وہ مستمر الحیات ہیں۔

یہ شبہ کہ ہم انکو زندہ نہیں دیکھتے اسکا استدراک" **ولكن لا تشعرون**" سے کردیا گیا ہے کہ حیات کیلئے دوسروں کا احساس ضروری نہیں ہیں حی ہیں مگر تم لوگ محسوس نہیں کر سکتے شعور احساس کو یعنی ادراک بالحواس کو کہتے ہیں ان کی آواز سن کر، نبض چھو کر، آنکھ سے دیکھ کر، تم محسوس نہیں کر سکتے صرف وحی سے سے معلوم ہوگا اور ہو گیا۔ یہاں محض موت کی نفی نہیں موت مستمر کی نفی اور

حرمت ہے ورنہ یقتل سے خود موت با مجارحہ ثابت شدہ ہے (روح المعانی ج ۲ص ۱۹) پر ہے۔

ولیس فی الایة نهی عن نسبة الموت الیهم بالکلیة بحیث انهم ماذاقوه اصلا ولا طرفة عین والالقال تعالیٰ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله ماتوا فحیث عدل عنه الیٰ ما تریٰ، علم انهم امتازوا بعد ان قتلوا بحیاة لائقة بهم مانعة ان یقال فی شانهم اموات .

ترجمہ:۔آیت میں اس بات کی بالکلیہ نفی نہیں ہے کہ انہوں نے موت کا مزہ لمحہ بھر کیلئے بھی نہیں چکھا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ ماتوا۔ پس جب اس سے عدول ان الفاظ کی طرف کیا گیا جو تم دیکھتے ہو سو معلوم ہوا کہ وہ لوگ قتل کئے جانے کے بعد ممتاز ہو گئے ایک ایسی حیات سے جو انکی شان کے لائق ہے لہٰذا ان کے حق میں مردہ کہنا مناسب نہیں۔

لہٰذا ایسی حیات ہے کہ مر گئے کہنا گو جائز ہے مگر مردہ کہنا حرام ہے یعنی انکی موت مستمر ہے یہ کہنا حرام ہے بلکہ حیات مستمر ہے گو ان پر موت کا واقع ہو جانا کہنا جائز ہے "یقتل" میں یہی فرمایا ہے "بل احیاء" کا عطف جیسے کہ قرب کا تقاضا ہے اموات پر ہے جیسے وہ مقولہ تھا یہ بھی مقولہ ہے جیسے وہ جملہ استمراریہ تھا یہ بھی جملہ استمراریہ ہے اور "بل" نے پہلے سے اعراض کا فائدہ دیا تو یہ معنی ہو گئے بلکہ یوں کہو کہ حیات مستمرہ سے زندہ ہیں نہی کے صیغہ "ولا تقولوا" سے اضراب امر بن جائے گا تو جیسے ان کو مستمر الموت کہنا حرام تھا اب مستمر الحیات کہنا واجب ہوا یہ تو شہیدوں کیلئے ہوا۔ اب حضرت انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی مستقل مردہ کہنا حرام ہے اور مستقل زندہ کہنا واجب وضروری ہوا یا نہیں اس پر غور کرنا ہے۔

انبیاء کو مستقل مردہ کہنا حرام ہے

(الف) انبیاء کا سب کا درجہ شہداء سے بالا در بالا ہے جو حکم شہیدوں کیلئے باعث اعزاز و امتیاز بنا ہے ان کے لئے بدرجہ اولی ہے ہر شخص جانتا ہے کہ انبیاء کا درجہ ومقام تمام شہداء سے بہت بالا ہے اور آیت "اولٰئک مع الذین انعم الله علیهم من النبیین والصدیقین والشهداء والصلحین" کی ترتیب ذکری نے جو حکمت بالغہ سے خالی

نہیں ہوسکتا بتا دیا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا درجہ سب سے اول ہے اور سب سے اعظم۔ لہذا انکو بھی مستقل مردہ کہنا حرام ہے اور مستقل زندہ کہنا واجب ہے۔

سب انبیاء شہید ہیں

(ب) انبیاء علیہم السلام سب کے سب شہید ہیں جو "فی سبیل اللہ" (اللہ کے راستے میں تمام عمر مصائب اٹھاتے رہے ہیں اور کچھ قتل بھی ہوئے ہیں اور اگر قتل نہ بھی ہوں تو بھی شہید حکمی "فی سبیل اللہ" کی وجہ سے ضرور ہیں۔

علامہ سیوطی کا قول ہے وما نبی الاوقد جمع معی النبوۃ وصف الشھادۃ
(الحاوی للفتاوی، ج ۲ ص ۱۴۸)

ترجمہ:۔ کوئی نبی ایسا نہیں کہ اسکے ساتھ وصف شہادت کا جمع نہ کیا گیا ہو۔) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی شہادت حاصل ہے علامہ کے رسالہ انبا الاذکیاء میں ہے امام احمد وابو یعلی وطبرانی اور مستدرک میں حاکم اور دلائل النبوۃ میں امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت بیان کی ہے فرمایا۔ لان احلف تسعا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل قتلا احب الی من ان احلف واحدۃ انہ لم یقتل وذلک ان اللہ اتخذہ نبیا واتخذہ شھیدا.

ترجمہ:۔ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میرے لئے ۹ مرتبہ یہ قسم کھانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا گیا ہے اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ ایک مرتبہ یہ قسم کھاؤں کہ آپ کو قتل نہیں کیا اور یہ اسلئے ہے کہ اللہ نے آپ کو نبی بنایا ہے اور شہید بنایا ہے۔

زہر اور رگ پھٹنے سے واقع ہونے والی موت شہادت ہے

(ج) (حوالہ مذکور) امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے فرماتی ہیں۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی مرضعہ الذی توفی فیہ لم ازل اجد الم الطعام الذی اکلت بخیبر فھذا او ان انقطع ابھری من ذلک السم.

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض وفات میں فرماتے تھے جو (زہر آلود) کھانا میں نے خیبر میں کھایا تھا اسکی تکلیف مسلسل محسوس کرتا ہوں

بس میری رگ اس زہر کی وجہ سے پھٹی ہے۔

اور سب جانتے ہیں کہ زہر سے اور پھر رگ پھٹ جانے سے جو موت ہے وہ شہادت ہے اور شہیدوں کی حیات جاوید ثابت ہے ان کو مستقل مردہ کہنا حرام ہے اور مستقل زندہ کہنا واجب ہے تو تمام انبیاء حضرات خصوصاً ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم'' کو زندہ مستقل کہنا واجب ہے اور مستقل مردہ کہنا حرام ہے۔

'' ولکن لا تشعرون '' کے معنی کی تحقیق

(د) ''لاتشعرون'' شعور سے بنا ہوا ہے جو ادراک بالحواس کا نام ہے اور صیغہ مخاطبین کا ہے یعنی تم جن وانس زندہ لوگ حواس سے محسوس نہیں کر سکتے اب اور کوئی کر سکتا یا نہیں؟ کشف و رفع حجابات سے معلوم ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یا صرف وحی والہام سے ہی معلوم ہوگا۔ یہ مسئلے ہی یہاں سے غور طلب ہیں۔

پھر نفی صرف اس بات کی مفید ہو سکتی ہے جو عقلا و عادۃ ممکن ہو مگر وہ واقع نہ ہوئی ہو جو چیز عقلا وعادۃ ناممکن ہو اس کی نفی لغو عبث ہوتی ہے جو کلام الٰہی میں نہیں ہوگی کسی کا یہ کہنا کہ میں آسمان پر چھلانگ نہیں لگاتا۔ یا سارا کا سارا سمندہ نہیں پی جاتا ایک لغو جملہ ہے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ معلوم ہے نہ کر سکتے تھے نہ کیا ہے۔ اس عام قاعدہ سے معلوم ہوا کہ حیات ایسی ہے کہ حواس بھی اس کا ادراک ممکن ہے مگر تم لوگوں کو بجز مستثنیٰ کے عام طور سے وہ ادراک حاصل نہیں۔ اس سے حیات کی نوعیت معلوم ہوگئی کہ وہ ایسی نوع جس کا ادراک حواس سے ہونا ممکن ہو، یعنی جسم و روح کے مجموعہ کی حیات نہ کہ صرف روح کی آگے ان شاء اللہ اس پر دلائل قائم کئے جائیں گے۔

اور پھر نفی بھی مخاطبین سے کی جا رہی ہے کہ تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے گو فی الواقع ممکن ہو مگر اور مخلوق ادراک کر سکتے ہیں مثلاً فرشتے جانور وغیرہ۔ اور نفی حواس سے ادراک کرنے کی ہے عقل سے نہیں جس کا یقینی طریقہ وحی الٰہی ہے اور ظنی طریقہ کشف ہے۔ ان کی نفی نہیں اور تخمینی وتوہمی تو کالعدم ہے۔ لہذا وحی متلو آیات سے اور وحی غیر متلو احادیث سے اور کشف سے ادراک ممکن ہو۔ بلکہ واقع میں ہو رہا ہے اور غیر ثقلین (جن وانس) کے علاوہ کو حواس سے بھی ہوگا کہ دوسری مخلوقات کو جیسے کہ احادیث میں ہے حواس سے ادراک ہوتا

ہے اور مرنے کے بعد ثقلین ثقل والے نہیں رہتے ان کو بھی ادراک ہوتا ہے یہ بھی حدیثوں میں ہے ایسے ہی مجاہدات وریاضات والے ثقل سے بالا ہوتے ہیں، انکو گاہ گاہ ادراک ممکن ہے۔ جس کے بہت سے واقعات شاہد ہیں۔ کشف سے بھی آنکھ سے بھی۔

انبیاء کیلئے موت مستمر کا قول حرام اور حیات مستمر کا قول واجب ہے

آیت کریمہ **ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا بل احیاء عند ربهم یرزقون فرحین بما اٰتاهم الله من فضله ویستبشرون بالذین لم یلحقوبهم من خلفهم الاخوف علیهم ولا هم یحزنون ☆ یستبشرون بنعمة من الله وفضل وان الله لا یضیع اجر المؤمنین** (پ ۴ ع ۸ آیت ۱۶۹)

ترجمہ:۔ اور جولوگ اللہ کی راہ میں قتل کیئے گئے انکو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں انکو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں اس چیز سے جو انکو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطاء فرمائی اور جولوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں انکی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں اور ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہونگے وہ خوش ہوتے ہیں بوجہ نعمت وفضل خداوندی کے اور بوجہ اسکے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتے (بیان القرآن آل عمران آیت ۱۷۱)

حکم بواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کو ہے یا ایسے ہی ہر مخاطب کو ہے کہ ان کو مستقل مردہ بھی مت گمان کرو۔ کیونکہ امواتا فعل "قتل" کا مفعول ثانی ہے اور افعال قلوب جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں جس سے استمرار کے معنی پیدا ہو گئے اس سے معلوم ہوا کہ کہنا تو کہنا، ایسا گمان کرنا بھی حرام ہے۔

اور احیاء بھی **هم احیاء** جملہ اسمیہ خبریہ استمرار یہ ہے جو حیات مستمرہ ومستقلہ کو ثابت کرتا ہے دونوں آیات سے جب موت مستمر کا قول اور موت دائم کا گمان کرنا حرام معلوم ہو گیا تو اسکی نقیض عدم قول وعدم گمان موت مستمر واجب قرار پائی۔ اور جیسے اوپر کی آیت میں

الف، ب، ج، د، جاری ہیں یہاں بھی جاری ہونگے اور حضرات انبیاء خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء میں موت مستمر کا قول اور موت مستقل کا گمان حرام اور حیات مستمر کا قول وگمان واجب قرار پاتا ہے۔

" لا تحسبن " صیغہ نہی ہے اور نون تاکید ثقیلہ سے اس کی بہت تاکید کر کے موت مستمر کے گمان کرنے کے حرام ہونیکا حکم دیا ہے اور زبان سے کہنا تعبیر ہے ذہنی خیال کی۔ جس کو اصطلاح یہ کہتے ہیں کہ قضیہ ملفوظہ حکایت ونقل ہے قضیہ معقولہ، کی جیسے کہ وہ واقعہ کی نقل ہے جب اصل ذہنی تخیل ہی حرام ہے تو زبان اور لفظوں سے نکالنا بھی حرام ہے دونوں خلاف واقع ہیں کذاب ہیں حرام ہیں۔

حیات انبیاء کی حقیقت اور اس کے دلائل

" احیاء " کے بعد یہاں چند صفتیں بھی ہیں جن سے حیات کی نوعیت کی تشخیص ہوجاتی ہے۔ لہٰذا اب اس پر غور کرنا ہے کہ جس حیات کا عقلی تخیل اور لفظوں میں بیان واجب ہے وہ کونسی حیات ہے۔

سنئے حیات کے حقیقی معنی زندگی مراد ہو سکتے ہیں یا مجازی معنی علم یا ایمان یا شہرت ونام مراد ہو۔

اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جب تک حقیقی معنی بن سکتے ہوں ان سے ہٹانے والی کوئی بات نہ ہو مجازی معنی مراد لینا غلط ہے۔ اس لئے یہاں زندگی ہی کے معنی مراد ہوں گے پھر اس زندگی کی دو ہی صورتیں ہیں آخرت میں ہونا مراد ہوگا یا قبر میں ہونا مراد ہوگا، پھر قبر میں ہونے والی زندگی کی بھی دو ہی صورتیں ہیں صرف روح کی زندگی یا جسم وروح دونوں کی زندگی۔ عقلاً صرف یہی چار صورتیں بن سکتی ہیں۔ کیونکہ پانچویں صورت کہ صرف جسم بلا روح کی زندگی ہو یہ ناممکن عادی ہے۔ اب اس حیات سے آخرت کی حیات مراد لینا تو درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ " اموات " کہنے کی ممانعت کے بعد " احیاء " فرمایا ہے یہ کہنے کی ممانعت دنیا ہی میں ہے اور حیات ہونا اسی کی دلیل ہے جو دنیا ہی میں ہوسکنی ضروری ہے۔

دوسری دلیل

پھر بقول امام رازیؒ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو رہی ہے شہیدوں کو دنیا ہی

میں فرمایا جارہا ہے کہ احیاء ہیں تو اسی وقت کی حیات مراد ہوگی۔

تیسری دلیل

تیسرے یہ کہ یہاں انکی عزت اور امتیاز کا بیان ہے آخرت کی ابدی حیات تو سب کو حاصل ہوگی کافروں کو بھی خلود فی النار کی حیات ہوگی تو امتیاز اسی میں ہے کہ ابھی دنیا میں وقبر میں حیات ہے۔

چوتھی دلیل

چوتھے ثواب عذاب سے افضل ہے جب عذاب کیلئے اسی وقت کی حیات ہوگی تو ثواب کیلئے بدرجہ اولی ہوگی۔ کفار کیلئے ہے "**اغرقوا فادخلو نارا**" فا کی تعقیب بتاتی ہے کہ غرق ہوتے ہی نار میں داخل ہو گئے اور عذاب کیلئے حیات ضروری ہے قیامت سے پہلے غرق ہوتے ہی نار میں داخل ہوں تو یہ عذاب قبر اور حیات قبر ہی ہے۔

پانچویں دلیل

پانچویں آیت "**النار يعرضون عليها غدوا وعشيا**" صبح وشام کے نار پر پیش کرنے کے لئے جب حیات ہے تو ثواب کیلئے بدرجہ اولی ہے۔ آگے کی آیت "**يوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب** " سے معلوم ہوگیا کہ یہ قیامت سے پہلے ہے۔ جو قبر ہی میں ہے حیات کے ساتھ ہے ورنہ جامدات کو کیا عذاب۔

چھٹی دلیل

چھٹے اگر قیامت کی زندگی مراد ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو " **لاتحسبن** " نہ فرماتے جبکہ تمام مومنین کی حیات قیامت میں کی معلوم ہے۔

ساتویں دلیل

ساتویں " **يستبشرون** " آیت میں ان لوگوں کے حال سے بشارت ہے جو ابھی تک ان سے نہیں ملے یہ دنیا میں ان کے حال سے بشارت حاصل کرنا بھی دنیا ہی میں قبل قیامت

ہے اور حدیثوں سے دلیل حاصل ہے (تفسیر کبیر، ج ۳ ص ۱۳۸)

روح مع الجسم کی حیات کے دلائل

بلکہ امام صاحب نے فرمایا ہے۔ **والروایات فی هذا الباب کانها بلغت حد التواتر فکیف ممکن انکارها.**

ترجمہ:۔ اس باب (حیات النبی کے مسئلہ) میں روایات حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں ان سے انکار کیوں کر ممکن ہے۔

صرف روح کی زندگی مراد نہیں ہوگی کیونکہ یہ اعزاز وامتیاز کا موقعہ ہے اور وہ تو کافروں کو بھی حاصل ہوگی تو پھر امتیاز کیا ہوا۔

دوسری دلیل

دوسرے ایسا ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "لا تحسبن " نہ فرمایا جاتا، موت کا عدم گمان حیات کا گمان ہوتا ہے حالانکہ خلود مومن وکافر سے یقینی حیات ہونا معلوم تھا صرف گمان نہ تھا۔

تیسری دلیل

تیسرے پہلی آیت میں "احیاء " کے بعد "لا تشعرون " ہے اگر صرف روحی حیات ہوتی تو ہر مسلمان جانتا کہ روحیں سب کی زندہ خلود جنت دوزخ سے ہونگی۔ پھر عدم شعور کیسا، وہاں تو شعور ہی شعور ہوگا۔

چوتھی دلیل

چوتھے اس آیت کا لفظ "یستبشرون بالذین لم یلحقوا بهم" دلیل ہے اسکی کیونکہ حصول بشارت جو خاصہ مجموعہ کا ہے زندہ لوگوں کے متعلق ہی کہا جا سکتا ہے کہ بشرہ جسم میں ہی تو ہے بشرہ کھال کو کہتے ہیں۔ استبشار اسی کا کھلوانا ہے یعنی خوشی ہے۔

پانچویں دلیل

پانچویں "یرزقون " فرمایا ہے۔ رزق کی ضرورت روح مع الجسم کو ہی ہوتی ہے۔

چھٹی دلیل

چھٹے جس قدر آیات واحادیث عذاب قبر کے بارے میں اور قبر میں جسم ہی ہوتا ہے مع الروح جمہور کے نزدیک اور بغیر روح کے عذاب وثواب کا فادہ ہی نہیں نہ نقصان ہے نہ ثواب نہ عذاب۔ یہ سب دلیل ہیں کہ یہ حیات مجموعہ روح وجسم کی ہوتی ہے اور یہ مسئلہ تو تواتر سے ثابت ہے امام رازی کہتے ہیں۔ الاخبار فی ثواب القبر و عذابه کالمتواترة (ج۲ ص۵۳ تفسیر کبیر)

ترجمہ:۔ثواب اور عذاب قبر کے بارے میں روایات مثل متواتر کے ہیں۔

آگے کچھ آیات نفس مسئلہ کے متعلق آنے والی ہیں جن سے روح وجسم کے مجموعہ کی حیات بھی ثابت ہوتی ہے بلکہ انبیاء اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بلکہ مومن کی بھی خصوصیت نہیں کافر تک کو بھی ایک قسم کی حیات جسمی حاصل ہے۔

حیات برزخی کا ثبوت

(۳) عینی شرح بخاری جدید (ج۸ ص۱۴۵) پر ہے کہ آیت شریفہ "ربنا امتنا اثنتين و احييتنا اثنتين

ترجمہ:۔اے ہمارے رب آپ نے ہم کو دو بار مردہ رکھا اور دوبارہ زندگی عطاء کی۔

میں، اللہ تعالیٰ نے دو موتوں کا ذکر کیا ہے اور وہ اسطرح متحقق ہوسکتی ہیں کہ قبر کے اندر زندگی ہو اور موت ہوتا کہ ایک موت تو وہ ہو جو حیات دینوی کے بعد حاصل ہوئی اور دوسری وہ ہو جو اس حیات قبری کے بعد ہوگی۔"

جب تک حقیقی معنی موت وحیات کے ممکن ہوں مجاز کا کوئی قرینہ نہ ہو مجازی معنی لینا یقیناً درست نہیں حقیقی دو موتیں اسی طرح ہوسکتی ہیں ایک دینوی حیات کے بعد ایک قبر کی قبری حیات کے بعد لہذا اس سے حیات قبری ثابت ہے۔

شرح مواقف، ج۸ ص۳۱۸ پر ہے۔

وما المراد بالا ماتتين والا حيائين فی هذه الاية الا الا ماته قبل مزار

القبور ثم الاحياء فی القبر ثم الاماتة فيه ايضا بعد مسئلة منكر و نكير ثم الاحياء للحشر هذا هو الشائع المستفيض من اصحاب التفسير .

ترجمہ:۔اس آیت میں دوموتوں اوردوحیاتوں سے کیامراد ہے سوائے اس کے کہ ایک موت قبر میں جانے سے پہلے ہو پھر قبر میں زندہ کہا جاتا ہو پھر اس میں موت واقع ہو منکر نکیر کے سوال جواب کے بعد پھر حیات ہو حشر کیلئے ،اصحاب تفسیر سے یہی معنی مشہور و شائع ہیں۔

اس عبارت کی مزید توضیح وتشریح کیلئے کتاب کے آخر میں ضمیمہ ملاحظہ فرمائیں

(خلیل احمد تھانوی)

ثبوت عذاب قبر دلیل حیات ہے

(۴) عینی میں اس سے اوپر بیان ہے آیت ''**وحاق بآل فرعون سوء العذاب النار يعرضون عليها غدوا و عشيا**''

ترجمہ:۔سورۃ مومن آیت ۴۶ ترجمہ اور فرعون والوں پر موذی عذاب نازل ہوا وہ لوگ صبح وشام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں (بیان القرآن ،ج ۱۰ص ۳۹)

میں، بتایا ہے کہ یہ آیت اس باپ میں صریح ہے کہ کافروں کو مرنے کے بعد ہی عذاب ہوگا عذاب قبر ہوگا۔آگے اس پر دلیل دی ہے کہ اس کے بعد جو ہے "**ويوم تقوم الساعة ادخلو آل فرعون اشد العذاب**''۔

ترجمہ:۔اور جس روز قیامت قائم ہوگی فرعون والوں کو نہایت سخت آگ میں داخل کردو۔

اس میں عذاب آخرت کا عطف اس پر ہونا اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کے علاوہ ہے یعنی وہ عذاب جو قبل قیامت ہے عذاب قبر ہے پھر دلیل کی تکمیل کی ہے کہ جب عذاب دینا ثابت ہے اور زندہ کرنا اور قبر کا سوال جواب بھی ثابت ہے۔

کیونکہ **كل من قال بعذاب القبر قال بهما** جب ہر قائل عذاب قائل حیات ہے اور عکس نقیض موجبہ کلیہ کا موجبہ کلیہ لازم ہے یعنی **كل من لم يقل بهما لم يقل بعذاب القبر** تو منکر حیات منکر عذاب قبر ہوگا اور عذاب قبر تمام اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک قطعی دلائل سے ثابت ہے آیات سے بھی اور احادیث متواترہ سے بھی۔

علامہ خود آگے عذاب قبر کی احادیث کیلئے کہتے ہیں **ولنا ايضا احاديث صحيحة و اخبار متواترة.**

ترجمہ:۔ ہمارے لئے اس باب میں بھی احادیث صحیحہ اوراخبار متواترہ ہیں۔

پھر احادیث دراحادیث (پھر بہت سی حدیثیں درج کی گئی ہیں۔) درج ہیں۔ صحیحہ و متواترہ کہنے کے بعد کسی حدیث کے کسی راوی کو کسی نے ضعیف کہہ بھی دیا ہو تو تواتر پر تو اسکا اثر ہو ہی نہیں سکتا۔ علامہ کے صحیح کہنے کے بعد ہو قابل اعتناء ہی نہیں ہوگا لہذا کسی کی بھی حیات کا انکار متواتر سے ثابت شدہ عذاب کا انکار ہوگا۔ جس سے اس کے اسلام کو بھی خطرہ کیونکہ ظاہر ہے کہ عذاب قبر ایسی چیز کو ہی ہوسکتا ہے جو قبر میں ہے اس لئے روح قبر میں ہونی ضروری ہے یہی تو حیات ہے ورنہ جسم خالی تو جمادات میں سے ہے عناصر اربعہ جامدہ کا مجموعہ ہے اس کو عذاب کے کیا معنی؟ عذاب تو تفعیل کا اسم مصدر خاصیت سلب ہے عذوبۃ یعنی شرینی حیات (زندگی کی مٹھاس کو) کو سلب کرنا عذوبۃ حیات حیات کو ہی تو حاصل ہوگی اسی کا تو سلب عذاب ہے یہ جمادات میں کیسے ممکن ہے (شرح مواقف، ج ۸ ص ۳۱۸) پر ہے۔

واما ما ذهب اليه الصلحى من المعتزلة والطبرى وطائفة من الكرامية من تجويز ذٰلک التعذيب على الموتٰى من غير احياء فخروج من المعقول لاان الجماد لاحس له فيكف يتصور تعذيبه.

ترجمہ:۔ اور یہ بات کہ جس کی طرف معتزلہ میں سے صلحی طبری اور کرامیۃ کی ایک جماعت گئی ہے کہ اموات کو بغیر زندہ کے عذاب دیا جائیگا یہ عقل سے خارج ہے اس لئے جماد میں حس نہیں ہوتی پس اس میں عذاب کا تصور کیسے ہوگا۔

ہر انسان کا قبر میں زندہ ہونا

(۵) سورۃ براءۃ میں کفار منافقین کے ذکر میں ہے "**سنعذبهم مرتين ثم يردون الٰى عذاب عظيم**"۔

ترجمہ:۔ التوبۃ آیت ۱۰۱ ترجمہ ہم ان کو دہری سزا دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔

عذاب قیامت سے پہلے دو عذاب ہیں ایک عذاب دنیا کا ایک عذاب قبر کا ہے۔

"عینی شرح بخاری، ج ۸ ص ۱۹۹ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ **فهذا**

العذاب الاول حین اخرجهم من الجسد والعذاب الثانی عذاب القبر" ۔

ترجمہ:۔ پو یہ پہلا عذاب ہے جب کہ انکو جسم سے نکالا جائیگا اور دوسرا عذاب عذاب قبر ہے۔

اور "فتح الباری، ج ۳ ص ۱۸۰" پر اس روایت کے بعد حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے مرتین عذاب دنیا وعذاب قبر ہے اور چونکہ قبر میں جسم موجود ہے اس لئے عذاب قبر جسم کو ہوگا اور جسم میں روح نہ ہو تو عذاب عذاب ہی نہیں رہتا جیسے بالوں اور ناخنوں کو کاٹنا باعث تکلیف نہیں ہے۔ ایسے ہی بے حیات کی کانٹ چھانٹ بھی عذاب نہیں ہے اس لئے عذاب قبر کی کل آیات واحادیث متواترہ سے ہر انسان میں خواہ وہ کافر ہی ہو حیات قبر ثابت ہو رہی ہے گو نوعیت اس حیات کی کچھ مختلف ہی ہو مگر جب تواتر سے عذاب قبر ثابت ہے تو تواتر سے ہی حیات قبر بھی ثابت ہے اس لئے شیخ ابن حجر فرماتے ہیں۔ واستدل بها لی ان الارواح باقیة بعد فراق الاجساد وهو قول اهل السنة۔ (فتح الباری، ج ۳ ص ۱۸۰)

ترجمہ:۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ روح جسموں سے جدا ہونے کے بعد باقی رہتی ہے اور یہی قول اہل سنت کا ہے۔

بلا حیات عذاب قبر ہونے کی نفی

(۶) سورۃ انعام میں ہے "ولو ترى اذ الظلمون فی غمرات الموت والملائکة باسطوا ایدیهم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الهون ".

ترجمہ:۔ الانعام آیت ۹۴ اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہونگے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہونگے ہاں اپنی جانیں نکالو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائیگی (بیان القرآن)

الیوم کا عذاب قبل قیامت کا عذاب عذاب قبر ہے جو بلا حیات نہیں ہوتا بعض معتزلہ نے بلا حیات عذاب قبر تسلیم کیا ہے اس کے جواب میں علامہ عینی، ج ۸ ص ۱۴۷ پر کہتے ہیں۔ وهذا خروج عن المعقول لان الجماد لاحس له فکیف یتصور تعذیبه ۔ یہ اوپر شرح مواقف سے بھی نقل ہے۔

ترجمہ:۔ اور یہ بات عقل سے خارج ہے اس لئے کہ جماد میں حس نہیں ہوتی پس اس

کے لئے عذاب کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔

تشریح آیت واثبات حیات فی القبر

(۷) یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرۃ.

ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات سے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے (سورۃ ابراھیم آیت ۲۷)

بخاری شریف کی حدیث میں ہے۔

عن البراء بن عازبؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا اقعد المؤمن فی قبرہ اتی ثم شھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ فذالک قولہ " یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرۃ " اوراس کے بعد ہے . حدثنا شعبۃ بھذا وزاد " یثبت اللہ الذین آمنوا" نزلت فی عذاب القبر.

ترجمہ:۔ براء بن عازب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جب بٹھایا جاتا ہے مومن اپنی قبر میں آتے ہیں اس کے پاس فرشتے پھر وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں پس یہ معنی ہیں اس آیت کے کہ "یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرۃ. " اور اس کے بعد اسی روایت کو شعبہ سے بھی نقل کیا ہے اس میں یہ الفاظ بھی زیادہ ہیں کہ "یثبت اللہ الذین آمنوا " کی آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی (بخاری ج ۱ ص ۸۳)

علامہ عینی نے مسلم سے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس سے اوپر ذکر ہے کہ ابن مردویہ وغیرہ کی حدیث میں لفظ یہ ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکر عذاب القبر فقال ان المسلم اذا شھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ الی آخر الحدیث.
(ج ۷ ص ۲۰۰)

ترجمہ:۔ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا عذاب قبر کو پس فرمایا کہ بیشک مسلمان

جب گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ محمد اللہ کے رسول ہیں آخر حدیث تک۔
ان سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں قبر کا ہی معاملہ ہے اور مسمانوں کو ثابت و قائم رکھنا قبر میں کا ہے جو دلیل ہے حیات فی القبر کی۔ یہ حدیثیں اس لئے پیش کی ہیں کہ آیت میں تاویل نہ کی جا سکے اور تیسری روایت سے معلوم ہوا کہ یہ عذاب قبر کے متعلق ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

قبر میں روح کے جسم سے تعلق اور عذاب قبر کی نوعیت

(۸) "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضٰی علیھا الموت ویرسل الاخرىٰ الی اجل مسمی۔" ترجمہ:۔ اللہ ہی قبض کرتا ہے جانوں کو انکی موت کے وقت اور ان جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آتی ان کے سونے کے وقت پھر ان جانوں کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا اور باقی جانوں کو ایک معیاد معین تک کیلئے رہا کر دیتا ہے (الزمر آیت ۴۲ بیان القرآن ج ۱۰ ص ۲۵)
"یتوفی" قبض کرنا ہے اس کے بذریعہ عطف دو مفعول ہیں ایک نفس (روح) حین موتھا دوسرے نفس (روح) نوم کے اندر یہ فعل دونوں پر وارد ہے ایک ہی فعل کے دونوں معمول ہیں لہٰذا جو بات یہاں ہے وہ وہاں ہے جو وہاں ہے جو یہاں ہے۔ اور سب دیکھتے ہیں کہ سونے میں باوجود قبض روح کے روح کو جسم سے اتنا تعلق رہتا ہے کہ پاؤں پر ضرب تک کو محسوس کرتا ہے اس لئے بعد موت بھی گو روح جسم سے باہر ہی ہو جیسے کہ سونے میں بھی جسم سے اس قدر تعلق رہنا ضروری ہے جس سے ادراک ہو سکے جیسے سونے میں ادراک ہوتا ہے گو کامل تعلق نہ ہو جیسے سونے میں نہیں ہوتا الا ماشاء اللہ اور پھر آیت "وھو الذی یتوفاکم باللیل"
ترجمہ:۔ وہ ایسا ہے کہ رات میں تمہاری روح کو ایک گونہ قبض کر دیتا ہے۔ الانعام آیت ۶۰ سے بھی قبض روح معلوم ہوتا ہے علامہ علی قاری نے کمالین علی الجلالین میں لکھا ہے۔

عن علی قال: یخرج الروح عند النوم ویبقی شعاعه فی الجسد فاذا انتبه من النوم عاد الروح الی جسده باسرع من لحظة. ترجمہ:۔ حضرت علی سے روایت ہے فرماتے ہیں نکلتی ہے روح نیند کے وقت اور اسکی شعاعیں باقی رہتی ہیں جسم میں پس جب آدمی بیدار ہوتا ہے نیند سے تو لوٹ آتی ہے اس کی روح جسم میں ایک لحہ سے بھی کم وقت میں۔ اور حاکم و طبرانی سے حضرت علیؓ کی مرفوع حدیث بھی روح ہی کیلئے ہے کہ روح عرش تک جاتی ہے جو عرش کے قریب جاگتی ہے اس کو خواب سچا ہوتا ہے اور جو عرش سے نیچے ہو اس کا خواب جھوٹا ہوتا ہے اور نفس سے روح ہی مراد ہے۔ تفسیر روح المعانی، ج ۲۴ ص ۸ میں احادیث سے اسکو ثابت کیا ہے کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں سونے کے وقت کی دعا میں ہے۔ ان امسکت نفسی فارحمھا.
ترجمہ:۔ اگر آپ روک لیں میری روح کو اس پر رحم فرمائیں۔ اور بخاری و صحاح کی حدیث میں فجر کی قضا ہونے کی حدیث میں ہے۔ ان اللہ تعالیٰ قبض ارواحکم حین شاء۔ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ تمہاری روحوں کو جب چاہے روک لیتا ہے۔
اس سے معلوم ہوا نفس روح ایک ہی ہے یہی مقبوض ہو کر بھی تعلق رکھتی ہے لہٰذا ضرور ہے کہ موت کے بعد بھی روح کی شعاعیں جسم سے متصل رہ کر ایک طرح کی حیات ہو۔ ہر انسان مسلم و کافر تک کو حاصل ہو۔

گو اعمال صالحہ سے اس کی قوت وضعف کا فرق رہے سب سے اقوی انبیاء علیہم السلام کی، پھر صدیقین، پھر شہداء، پھر صالحین، پھر عامۃ المسلمین، اور پھر کفار کی ہو، جو سبب ہوگا تنعیمات و تکلیفات کا، جن کی تفصیلات احادیث شریفہ میں اور ارشارات آیات میں ہیں۔ اور جیسے نیند نیند میں فرق ہوتا ہے کہ کوئی ہوشیار دل سے بیدار آنکھیں بند، اور کوئی ہوشیار مثل بیدار کے، کوئی کم کوئی غافل مثل مردہ کے۔ اس طرح موت میں روح کے جسم سے تعلق میں درجات ہونگے۔ ایک مثل حیات کاملہ کے۔ گو کھانے، پینے، پیشاب، پاخانہ، سردی، گرمی اور احتیاجات سے پاک ہو۔ یہ تعلق اعلیٰ قسم کا ہے جسکے احکام اعلیٰ ہیں کہ جسم مٹی پر حرام عورت بیوہ نہیں مال ترکہ نہیں یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام میں ہے۔

دوسرا اس سے کم اس کے احکام بھی کم کہ غسل و کفن نہیں باقی سب ہیں یہ شہید ہیں جو حقیقی ہو۔

پھر اس سے کم جو شہید حکمی ہیں پھر صالح مومن کیلئے پھر سب سے کم کافر کیلئے۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ جتنا تعلق روح کا جسم سے قوی ہوگا تکلیف نہ ہوگی یا کمتر ہوگی جتنا ضعیف ہوگا تکلیف زائد ہوگی جیسے کہ قوی کو مرض وضرب سے کم اور ضعیف ومریض، بچے کو زیادہ ہوتی ہے اور سوئے ہوئے عضو کو بہت دوسرے کو کم ہوتی ہے۔ عذاب قبر کافر کو سخت اور عاصی کو کم شہداء اور انبیاء صفر ہوگا۔

حدیث سے حیات النبی کا اثبات اور اسکی نوعیت

(۹) احادیث صحیحہ ومتواترہ سے حیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت ہے عربی میں امام بیہقی اور علامہ سیوطیؒ وغیرہ کے اس پر رسائل ہیں اور اردو میں زمانہ حال کے مولینا صفدر صاحب اور مولانا خالد محمود صاحب کے رسالے موجود ہیں۔ علامہ سیوطیؒ کتاب الحاوی للفتاوی (ج ۲ ص ۱۴۷) پر کہتے ہیں۔

حیاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومة عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلة فی ذالک وتواترت بہ الاخبار ۔ ترجمہ:۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کی حیات ہمارے نزدیک علم قطعی کے طور پر معلوم ہے جبکہ اس پر دلائل قائم ہو چکے ہیں اور احادیث حد تواترہ کو پہنچ چکی ہیں۔

اور اس کے بعد بہت سی احادیث نقل کر کے علامہ قرطبیؒ کا قول لکھا ہے۔

الی غیر ذالک مما یحصل من جملتہ القطع بان موت الانبیاء انما ھو راجع الی ان غیبوا عنا بحیث لاندرکھم وان کانو موجودین احیاء وذالک کالحال فی الملائکة فانھم موجودون احیاء ولا یراھم احد من نوعنا الامن خصہ اللہ بکرامتہ من اولیانہ ۔ ترجمہ:۔ اس قسم کی روایات سے یہ بات قطعی طور پر حاصل ہوگئی ہے کہ موت انبیاء کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ہم سے غائب ہیں کہ ہم ان کو پاتے نہیں اگرچہ وہ موجود ہیں زندہ ہیں ان کا حال فرشتوں کا سا ہے کہ وہ موجود ہیں زندہ ہیں انسانوں میں سے کوئی انکو نہیں دیکھ سکتا سوائے اس کے جس کو اللہ نے اپنے کرم سے خاص کرلیا ہو اولیاء میں سے۔ (شرح مواقف ج ۸ ص ۲۱۸) والاحادیث الصحیحة الدالة علیہ ای عذاب القبر اکثر من ان تحصی بحیث تواتر القدر المشترک وان کان کل

واحد منها من قبیل الآحاد ۔اوراس کے بعد احادیث درج ہیں۔
ترجمہ:۔اوراحادیث صحیحہ اس بات پر کہ عذاب قبر ہوتا ہے اتنی زیادہ ہیں کہ انکا احاطہ نہیں کیا جاسکتا ان میں عذاب قبر کا ہونا مشترک ہے اگرچہ ان میں سے ہر ایک از قبیل خبر واحد ہو۔
اور علامہ سیوطیؒ کی کتاب شرح الصدور فی شرح احوال الموتی والقبور (ص ۶۳ سے ص ۷۲) تک پچاس احادیث درج ہیں اور پھر کچھ لوگوں کے واقعات بھی درج کئے ہیں۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی بلکہ تمام انسانوں کی حیات احادیث متواترہ سے ثابت شدہ نقل کرنے کے بعد ہم جیسوں کو احادیث نقل کرنیکی ضرورت ہی نہیں اور نہ کسی راوی کے ضعف وقوت پر نظر کرنیکی گنجائش رہی کہ تواتر اس سے بلند وبالا حجت ہے اس لئے تواتر احادیث کے حوالے نقل کئے گئے نقل احادیث کی ضرورت نہیں۔

حیات النبی پر اجماع اہل حق ہے

(۱۰) اجماع اہل حق اسی پر ہے (الف) حاوی سیوطی، ج۲، ص۱۴۹ پر شیخ الشافعیۃ الاستاذ ابو المنصور عبد القاہر کا قول لکھا ہے۔

قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی بعد وفاتہٖ وانہٗ یسر بطاعات امتہٖ ویحزن بمعاصی العصاۃ منھم وانہٗ تبلغہ صلاۃ من یصلی علیہ من امتہ.

ترجمہ:۔ہمارے اصحاب میں سے متکلمین محققین نے فرمایا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور وہ اپنی امت کی طاعات سے خوش اور گناہگاروں کے گناہوں سے غمگین ہوتے ہیں اور یہ کہ ان کو درود پہنچایا جاتا ہے جو انکی امت میں سے ان پر درود بھیجتا ہے۔
(ب) فقہ اکبر مصنفہ امام اعظم ابوحنیفہ کے قول واعادۃ الروح الی العبد فی قبرہ حق وضغطۃ القبر حق وعذابہ حق کائن للکفار کلھم اجمعین وبعض المسلمین.
ترجمہ:۔اور روح کا بندے کی طرف اسکی قبر میں لوٹایا جانا حق ہے اور قبر کا دبانا حق ہے اسکا عذاب حق ہے جو سب کافروں کیلئے اور بعض مسلمانوں کیلئے ہے۔
کی شرح میں، ص ۸۰ پر علی قاری کہتے ہیں۔

واعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله تعالى يخلق فى الميت نوع حيوة فى القبر قدر مايتألم ويتلذذ ولكن اختلفوا فى انهٔ هل يعاد الروح. اذ جواب الملكين فعل اختيارى فلا يتصور بدون الروح، وقيل يتصور الاترىٰ ان النائم يخرج روحه ويكون روحه متصلاً بجسده حتىٰ يتالم فى المنام ويتنعم، وقدروى عنه عليه الصلوة والسلام انهٔ سئل كيف يوجع اللحم فى القبر ولم يكن فيه الروح، فقال عليه الصلوة والسلام كما يوجع بسنك وليس فيه الروح.

ترجمہ:۔جان لو یہ بات کہ اصل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں اس قسم کی حیات پیدا کرتا ہے کہ جس سے وہ تکلیف اور راحت محسوس کرتا ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ کیا لوٹائی جاتی ہے روح تا کہ فرشتوں کا جواب فعل اختیاری بن جائے کیونکہ وہ بغیر روح کے متصور نہیں ہوتا اور بعض کا قول ہے کہ بغیر روح کے بھی جواب متصور ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ سوئے ہوئے کی روح نکالی جاتی ہے پھر بھی روح کا اس کے جسم سے تعلق ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ نیند میں راحت و تکلیف محسوس کرتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ قبر میں گوشت میں درد کیسے ہوگا جبکہ اس میں روح نہ ہوگی پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسے تمہارے دانت میں درد ہوتا ہے اور اس میں روح نہیں ہے۔

حدیث سے معلوم ہوا جیسے روح دانت سے باہر رہ کر بھی اتصال رکھتی ہے اور سخت تکلیف کا سبب بنتی ہے ایسے ہی روح علیین و سجین میں رہتے ہوئے جسم سے اتصال رکھتی ہے اور سخت عذابات کا سبب بنتی ہے یہی تو حیات قبری ہے۔

اور اسی صفحہ کے آخر میں فرمایا ہے انعام وایلام قبر کے باب میں ہے۔

واختلف فى انه بالروح او بالبدن اوبهما وهوا لا صح منهما الا انانؤمن بصحته ولا نشتغل بكيفيته .

ترجمہ:۔انعام قبر اور عذاب قبر کے باب میں بیان فرماتے ہیں کہ اختلاف اس میں ہے کہ (عذاب و راحت) روح کو ہوگا یا بدن کو یا دونوں کو اور یہی صحیح ہے (کہ دونوں کو ہوگا) مگر یہ کہ ہم اس کے ہونے کا تو یقین کر سکتے ہیں البتہ کیفیت سے تعرض نہیں کرتے۔

(ج) فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۱۸۰ باب ماجاء فی عذاب قبر، جبکہ عذاب قبر کا ثبوت دلیل ہے روح کے قبر میں ہونیکی کہ جماد عذاب کا اہل نہیں ہے۔

واکتفٰی باثبات وجوده خلا فالمن نفاه مطلقا من الخوارج وبعض المعتزلة کضرار بن عمر و وبشیر المریسی ومن وافقهما وخالفهم فی ذالک اکثر المعتزلة و جمیع اهل السنة وغیر هم اکثرو من الاحتجاج له.

ترجمہ:۔ اور اکتفاء کیا ہے (امام بخاری) نے اس کے (عذاب قبر کے) وجود کو ثابت کرنے پر بخلاف ان لوگوں کے جنہوں نے اسکی مطلق نفی کی ہے خوارج اور بعض معتزلہ میں سے جیسے کہ ضرار بن عمر اور بشیر المریسی اور وہ لوگ جنہوں نے ان دونوں کی موافقیت کی ہے۔ اور تمام اہل سنت اور اکثر معتزلہ نے ان کی مخالفت کی ہے اور اس سلسلے میں بہت سارے دلائل لئے ہیں۔

اہل سنت والجماعت اور اکثر امت کا عذاب قبر پر اتفاق حیات پر اتفاق ہوا جن میں اکثر معتزلہ بھی آ گئے تو وہ بھی حیات قبر کے قائل ہیں۔

ایضا قوله (البخاری) و قوله تعالی "وحاق بال فرعون" الایۃ کے تحت، واستدلال بهما علی ان الارواح باقیة بعد فراق الاجساد وهو قول اهل السنة.

ترجمہ:۔ اور امام بخاری کا قول ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول وحاق بآل فرعون سے دلیل پکڑی ہے اس بات پر کہ ارواح جسموں سے جدا ہونے کے بعد باقی رہتی ہے اور یہی اہل سنت کا قول ہے۔

ایضاً ص ۱۸۲ حدیث عائشہؓ ''انک لا تسمع الموتی '' کے تحت ہے۔

ترجمہ:۔ ایسے ہی ص ۱۸۲ پر حضرت عائشہؓ کی حدیث کہ ''بیشک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے'' سے استدلال کیا ہے۔

وقد اخذ ابن جریر و جماعة من الکرامیة من هذه القصة ان السوال فی القبر یقع علی البدن فقط، ان الله یخلق فیه ادار کا بحیث

يسمع ويعلم ويلذ ويالم. وذهب ابن حزم و ابن هبيرة ان السوال يقع على الروح فقط من غير عود الى الجسد. وخالفهم الجمهور فقالوا: تعاد الروح الى الجسد او بعضه كما ثبت فى الحديث.

آگے ان کے شبہات کے جواب ہیں اور بخاری شریف کی متعدد حدیثوں سے عذاب والوں کا چلانا اور انس وجن کے علاوہ سب کا سننا وارد ہے جس سے عذاب قبر کا جسد وروح کے مجموعہ پر ہونا اور حیات ہونا ثابت ہے۔

ترجمہ:۔ابن جریر اور کرامیہ کی ایک جماعت نے اس قصہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ سوال قبر میں صرف بدن سے ہوگا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اس میں ایسا ادراک پیدا فرمادیں گے کہ جس سے وہ سنے گا جانے گا تکلیف راحت محسوس کرے گا ابن جریر اور ابن ہبیرہ اس طرف گئے ہیں کہ سوال صرف روح سے ہوگا اس کے جسم میں لوٹائے بغیر اور جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ روح جسم میں لوٹائی جائے گی یا اس کا بعض لوٹایا جائیگا جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔

(د)عمدۃ القاری للعینی شرح بخاری ج۸ص۱۴۵اپر جوتوں کی آواز سننے پر چیخوں کی آواز کے بعد ہے۔

فيه اثبات عذاب القبر وهو مذهب اهل السنة والجماعة وانكر ذالك ضرار بن عمرو بشر المريسى واكثر المتأخرين من المعتزلة.

ترجمہ:۔اس میں عذاب قبر کا اثبات ہے اور یہی مذہت ہے اہل السنّت والجماعت کا اورضرار بن عمر اور بشر المریسی اور اکثر متاخرین معتزلہ نے اسکا انکار کیا ہے۔

(ہ)شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور للسیوطیؒ ص۲۷

ومحله الروح البدن جميعا باتفاق اهل السنة و كذ القول فى النعيم.

ترجمہ:۔باتفاق اہل سنت اسکا محل روح اور بدن دونوں اکٹھے ہیں اور ایسا قول ہے، نعیم میں۔

(و)شرح مواقف مصری ج۸ص۳۱۷

المقصد الحادى عشر احيا الموتى فى قبورهم ومسئلة منكر و نكيرلهم و عذاب القبر للكافر و الفاسق كلها حق عندنا واتفق

علیه سلف الامة قبل ظهور الخلاف واتفق علیه الاکثر بعده ای بعد الخلاف و ظهوره وانکره مطلقا ضرار بن عمرو بشر المریسی واکثر المتاخرین من المعتزلة.

ترجمہ:۔ گیارھواں مقصد ہے اس بیان میں کہ مردے اپنے قبروں میں زندہ ہیں منکر نکیر کا سوال اور عذاب قبر کا فرو فاسق کیلئے ہمارے نزدیک سب حق ہے سلف امت اس مسئلہ میں اختلاف کے ظہور سے پہلے متفق تھے اور اکثر ان میں سے اختلاف کے ظہور کے بعد بھی متفق ہیں اور ضرار بن عمر اور بشر المریسی اور اکثر متاخرین معتزلہ نے اسکا انکار کیا ہے۔

(ز) حاشیہ چلپی اس صفحہ پر ہے۔

اتفق اهل الحق علیٰ ان الله تعالیٰ یعید الی المیت فی القبر نوع حیات قدر ما یتالم ویتلذذ.

ترجمہ:۔ اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت کیلئے ایسی حیات لوٹاتے ہیں جس سے وہ تکلیف وراحت محسوس کرے۔

(ح) فقہ اکبر ص ۹۱ **وفی المسئلة خلاف المعتزلة و بعض الرفضة.**

ترجمہ:۔ اور اس مسئلہ میں معتزلہ اور بعض شیعہ کا اختلاف ہے۔

(ط) شامی ج ۱ ص ۷۷۳ قبیل عیدین **قال اهل السنة والجماعة: عذاب القبر حق الی ان قال فیعذب اللحم متصلا بالروح والروح متصلا بالجسم فیتالم الروح والجسد وان کان خارجا عنه.**

ترجمہ:۔ شامی ج ۱ ص ۷۷۳ میں باب عیدین سے قبل ہے اہل سنت والجماعت نے کہا کہ عذاب قبر حق ہے (اس قول تک) پس عذاب دیا جاتا ہے گوشت کو روح کے ساتھ اور روح کو جسم کے ساتھ پس تکلیف محسوس کرتی ہے روح بھی جسم بھی اگرچہ روح جسم سے باہر ہوتی ہے۔

(ی) احسن الفتاوی ص ۳۷۱ حضرت شیخ عبدالحقؒ اشعة اللمعات میں فرماتے ہیں۔

”حیات انبیاء متفق علیه است هیچ کس راوے خلافے نیست حیات انبیاء حقیقی نه حیات معنوی روحانی“۔

ترجمہ:۔ حیات انبیاء متفق علیہ ہے اس مسئلہ میں کسی کا خلاف نہیں ہے انبیاء کی حیات حقیقی ہے نہ کہ معنوی وروحانی۔

اور حیات القلوب میں فرماتے ہیں:

بدانکم در حیات انبیاء علیهم السلام و ثبوت ایں صفت مر ایشاں را و ترتب آثار و احکام آن هیچ کس را از علماء خلاف نیست۔

ترجمہ:۔ جاننا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات اور اس صفت پر اسکے ثبوت اور اس پر آثار واحکام کے مرتب ہونے میں علماء میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح (طحطاوی ص ۴۴۷) میں ہے:

ومما هو مقرر عند المحققين انه صلى الله عليه وسلم حي يرزق فمتع بجميع الملا ذو العبادات غيرانه حجب عن ابصار القاصرين.

ترجمہ:۔ اور جو بات محققین کے نزدیک طے شدہ ہے وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں آپ کو رزق دیا جاتا ہے پس آپ متمتع ہوتے ہیں تمام لذتوں سے اور عبادات سے سوائے اس کے کہ آپ پردہ فرمائے ہیں قاصرین کی نگاہوں سے۔

مرقات شرح مشکوۃ طبع جدید ج ۳ ص ۲۳۸

قال ابن حجر و ما افاده من ثبوت حياة الانبياء حيوة بها يتعبدون ويصلون في قبورهم مع استغنائهم عن الطعام والشراب كالملائكة امر لا مرية فيه.

ترجمہ:۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حیات انبیاء کے بارے میں جو بات سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایسی حیات کے ساتھ زندہ ہیں کہ اپنی قبروں میں عبادت کرتے ہیں نماز پڑھتے ہیں کھانے پینے سے ایسے ہی مستغنی ہیں جیسے فرشتے یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

لہٰذا انکا حیات قبری کسی بھی فرد بشر کیلئے معتزلہ اور روافض وخوارج کا قول ہے اہل حق کا قول نہیں ہے۔ چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام اور سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اس کا انکار کتنا خطرناک ہے غور کیا جائے!!!

قیاس سے حیات النبی کا اثبات

(۱۱) چونکہ حدیث شریف میں ہے **وجعلت قرة عینی فی الصلوٰة** اگر حیات نہ ہوگی صلوٰۃ نہ ہو سکے گی قرۃ العین سے محرومی ہوگی یہ ایک عذاب بن جائیگا کہ عذاب ازالہ عذوبۃ حیات ہی ہوتا ہے العیاذ باللہ اس لئے قیاس بھی حیات قبر کی دلیل ہے۔

رفع تعارض

(۱۲) غلط فہمی یا شبہ اسلئے ہی پیش آ سکتا ہے کہ بعض احادیث وتفاسیر میں بعض سے تعارض معلوم ہوتا ہے اسلئے جمع کی صورتیں بھی پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(الف) مشکوٰۃ کی حدیث **اکتبوا کتابه فی علیین واعیدوه الی الارض** کے تحت علی قاری نے مرقاۃ جدید ج۴ ص۲۵ میں لکھا ہے۔

ترجمہ:۔ ان کی تقدیر علیین میں لکھو پھر ان کو زمین کی طرف پھیر دو۔

قال العسقلانی فی فتاواه : ارواح المومنین فی علیین وارواح الکفار فی سجین ولکل روح بجسدها اتصال معنوی لا یشبه الاتصال فی الحیوة الدنیا بل اشبه شئی به حال النائم وان کان هو اشد من حال النائم اتصالا وبهذا یجمع بینما ورد ان مقرها فی علیین والسجین و بین مانقله ابن عبد البر عن الجمهور انها عند افنیة قبورها قال ومع ذالک فهی ماذون لها فی التصرف وتاوی الی محلها من علیین او سجین، قال واذا نقل المیت من قبر الی قبر فالاتصال المذکور مستمر و کذالو تفرقت الاجزاء.

ترجمہ:۔ عسقلانی نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ مومنین کی ارواح علیین اور کفار کی ارواح سجین میں ہوتی ہے اور ہر روح کا اس کے جسم کے ساتھ معنوی اتصال ہوتا ہے وہ اتصال دنیوی زندگی کے مشابہ نہیں ہوتا بلکہ وہ سونے والے کے تعلق سے بھی شدید ہوتا ہے اس طرح ان دونوں باتوں کو جمع کیا جا سکتا ہے کہ جو روایت میں آیا ہے کہ روح کا مستقر تو علیین اور سجین ہے اور یہ بات کہ جس کو ابن عبدالبر نے جمہور سے نقل کیا ہے کہ وہ جسم اپنی

قبروں میں ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ اس کے باوجود اس روح کو اجازت تصرف ہوتی ہے اور وہ درد محسوس کرتی ہے اپنے محل علیین اور سجین میں رہتے ہوئے، فرماتے ہیں کہ جب کوئی میت ایک قبر سے دوسری قبر میں منتقل کی جائے تو یہ اتصال مذکور وہاں بھی مستمر ہوجاتا ہے اسی طرح اگر اجزاء متفرق بھی ہوجائیں تب بھی اتصال رہتا ہے۔

(ب) امام شعرانی المیز ان ج۱ص۱۷۷پر ایک اختلاف نقل کرکے جواب دے رہے ہیں۔

واجاب الاول بان الروح ماخرجت منه حقيقة ولكن ضعفت تدبيرها لتعلقها بعالمها العلوى فقط بدليل سوال منكر و نكير و عذابها فى القبر ونعيمها و احساس الميت بذالك وهنا اسرار يعرفها اهل الله لا تسطر فى كتاب فان الكتاب يقع فى يد اهله و غير اهله.

ترجمہ:۔ پہلا جواب یہ ہے کہ روح جسم سے حقیقۃً نکلتی نہیں ہے بلکہ اسکی تدبیر کمزور پڑجاتی ہے اسکا تعلق عالم علوی سے قائم ہونیکی وجہ سے اسکی دلیل منکر نکیر کا سوال اور اسکو قبر میں عذاب و انعام کا ہونا اور میت کا اس کو محسوس کرنا ہے اور اس میں بہت سے اسرار ہیں جنکو اہل اللہ پہچانتے ہیں انکو اس کتاب میں بیان نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ کتاب تو ہر اہل و نااہل کے ہاتھ پڑتی ہے۔

یعنی علیین وسجین میں ہونے کے باوجود جسم سے تعلق غیر اختیاری رہتا ہے مگر دنیوی تعلق سے کچھ ضعیف ہے کہ عالم علوی کی مشغول میں ہے اور نوم سے قوی ہے روح حقیقت میں خارج نہیں ہوتی توجہ دوسری طرف ہوجاتی ہے جہاں رد کا لفظ ہے وہاں ردتوجہ ہی ہے۔

(ج) فتح الباری شرح بخاری ج۳ص۱۸۲

والحامل للقائلين بان السوال يقع على الروح فقط ان الميت قد يشاهد فى قبره حال المسئلة لا اثر فيه من اقعاد و غيره ولا ضيق قبره ولا سعة وكذالك غير المقبور كالمصلوب، وجوابهم ان ذالك غير ممتنع فى القدرة بل له نظير فى العادة وهو النائم فانه يجد لذة والما لا يدركه جليسه بل اليقظان قدر يدرك الما ولذة لما يسمعه او يفكر فيه ولا يدرك ذالك جليسه وانما

اتى الغلط من قياس الغائب على الشاهد، واحوال مابعد الموت على ما قبله والظاهر ان الله تعالى صرف ابصار العباد واسماعهم عن مشاهدة ذالك وستره عنهم ابقاء عليهم. لئلا يتدافنوا وليست للجوارح الدنيوية قدرة على ادراك امور الملكوت الامن شاء الله وقد ثبتت الاحاديث بما ذهب اليه الجمهور كقوله "انه يسمع خفق نعالهم" وقوله تختلف اضلاعه لضمة القبر وقوله يسمع صوته اذا ضربه بالمطراق وقوله يضرب بين اذنيه وقوله فيقعد انه وكل ذالك من صفات الاجساد.

ترجمہ:۔ جولوگ اس بات کے قائل ہے کہ سوال صرف روح سے ہوگا کہتے ہیں کہ کبھی ہم قبر میں میت کا مشاہدہ اس حال میں کرتے ہیں کہ اس پر قبر میں بٹھائے جانے اور قبر کے کشادہ وتنگ ہونے کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسی طرح وہ لوگ ہیں جن کو قبر میں دفن نہیں کیا جاتا جیسے پھانسی پر لٹکایا جانے والا شخص۔

انکی اس بات کا جواب یہ ہے کہ غیر ممتنع القدرت نہیں ہے بلکہ اسکی نظیر عادۃً موجود ہے اور وہ سونے والا ہے کہ کبھی کبھی وہ لذت وتکلیف محسوس کرتا ہے اور اسکے پاس بیٹھنے والا شخص محسوس نہیں کرتا بلکہ بیدار آدمی بھی کبھی لذت وراحت محسوس کرتا ہے جب وہ اسکو سنتا ہے یا اسکے بارے میں سوچتا ہے اور اسکے پاس بیٹھنے والا شخص اسکا ادراک بھی نہیں کرتا بلکہ یہ قیاس شاہد پر کرنا ہی غلط ہے اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کا قبل موت کے واقعات پر قیاس غلط ہے۔

اور ظاہر بات یہ ہے کہ اللہ پاک نے اپنے بندوں کی نظروں اور کانوں کو اسکے مشاہدہ سے باز رکھا یہ معاملہ ان سے پوشیدہ رکھا ہے کہ کہیں وہ اپنے مردوں کو دفن ہی نہ کریں۔

اور دنیوی اعضاء جوارح کو عالم ملکوت کے معاملات دیکھنے کی قدرت ہی نہیں ہے سوائے انکے جن کو اللہ چاہے۔ اور احادیث سے وہ بات ثابت ہو چکی ہے جس کو جمہور نے اختیار کیا ہے کہ میت جوتوں کی کھڑکھڑاہٹ سنتا ہے اور ان کا یہ قول کہ قبر کے ملنے سے اسکی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں اور ان کا یہ قول کہ وہ سنتا ہے جب مارا جاتا ہے اس کو کوڑا۔

اور یہ قول کہ دونوں کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے اور اسکا یہ قول کہ وہ بیٹھتا ہے اور یہ

سب کی سب جسم کی صفات ہیں۔

(د) عذاب قبر اور انواع عذابات کے بعد امام غزالیؒ نے جو تلقین فرمائی ہے وہ غور اور دلنشین کرنے کے قابل ہے۔

وارباب القلوب والبصائر يشاهدون بنور البصيرة هذه المهلكات، وانشعاب فروعها، ان مقدار عددها لا يوقف عليه الابنور النبوة فامثال هذه الاخبار لها ظواهر صحيحة واسرار خفية ولكنها عند ارباب البصائر واضحة فمن لم تنكشف له دقائقها فلا ينبغي ان ينكر ظواهر ها بل اقل درجات الايمان التصديق والتسليم.

اسکو غور سے پڑھا جائے اور دیکھا کہ انکار کا کیا درجہ ہے۔

ترجمہ:۔ اہل دل اور اہل بصیرت اپنی نور بصیرت سے اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ مہلکات قبر کی بہت سی اقسام اور شعبے ہیں کہ جن کی تعداد اور مقدار سے انسان واقف نہیں ہو سکتا سوائے نور نبوت کے پس اس قسم کی خبریں کہ انکا ظاہر صحیح ہوتا ہے اور اسرار چھپے ہوتے ہیں لیکن وہ اسرار صاحب بصیرت لوگوں کیلئے واضح ہوتے ہیں پس جس پر وہ دقائق منکشف نہ ہوں تو اس کیلئے یہ مناسب نہیں کہ ان کے ظواہر کا انکار کرے بلکہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ان کی تصدیق کرنا اور تسلیم کرنا ہے۔

حل اشکالات

(۱۳) وجہ شبہ اور اس کا حل امام غزالی نے جو احیاء العلوم میں دیا ہے عبارت مذکورہ کے بعد ہے ترجمہ یہ ہے:

اگر تم یہ کہو کہ ہم تو کافر کو ایک مدت تک قبر میں دیکھتے ہیں اور نگرانی کرتے ہیں مگر ان میں سے کوئی بات بھی دیکھ نہیں پاتے تو مشاہدہ کیخلاف کیسے تصدیق کر لی جائے تو سمجھ لو کہ ایسی باتوں کی تصدیق میں تمہارے لئے تین صورتیں ممکن ہیں۔

(۱) جو بہت ظاہر بہت صحیح ہے اور اسلم طریقہ یہی ہے کہ تم اسی کی تصدیق کرلو کہ یہ (۹۹ سانپ) موجود ہیں اور مردہ کو ڈستے ہیں لیکن تم دیکھتے ہیں ہو تو یہ آنکھ علم ملکوت کے امور کے

دیکھ پانے کی اہل ہی نہیں ہے۔ اور امور آخرت سب امور ملکوت ہی ہیں۔ کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ صحابہؓ جبریل کے نازل ہونے پر کیسے ایمان لے آئے تھے حالانکہ انکو دیکھ نہیں پاتے تھے اور اس پر بھی ایمان رکھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھتے تھے۔ تو اگر تم اس پر بھی ایمان نہیں رکھتے تو فرشتوں اور وحی پر اصل ایمان کو صحیح کر لینا ہی تمہارے لئے بڑا اہم کام ہے (یعنی اپنا ایمان درست کرلو) اور اگر اس پر ایمان رکھتے ہو اور جائز قرار دیتے ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کا مشاہدہ کر لیتے ہیں کہ جنکا امت مشاہدہ نہیں کر سکتی تو یہ میت کے بارے میں کیوں جائز نہیں رکھتے اور جیسے کہ فرشتہ آدمیوں کے اور جانوروں کے مشابہ نہیں ہوتا تو یہ زندگی اور سانپ بچھو بھی جو قبر میں ڈستے ہیں وہ ہمارے عالم کے سانپوں کی جنس سے نہیں ہیں وہ دوسری جنس ہے جسکو ہم دوسری آنکھ ہی سے دیکھ سکتے ہیں۔

(۲) یہ کہ سوتے آدمی کی حالت کو یاد کرو۔ وہ سوتے میں دیکھتا ہے کہ سانپ اسکو ڈس رہا ہے وہ اسکی اذیت پاتا ہے کہ تم بھی دیکھ لیتے ہو کہ وہ نیند میں چلاتا ہے اور اسکی پیشانی پسینہ پسینہ ہو جاتی ہے اور کبھی جگہ سے اٹھ کر بھاگتا ہے تو یہ سب وہ اپنے اندر ہی محسوس کرتا ہے اور اس سے ایسی اذیت پاتا ہے جیسے بیدار آدمی مشاہدہ کر کے پاتا ہے۔ مگر تم اسکو سکون میں دیکھتے ہو اور اس کے آس پاس کوئی سانپ نہیں دیکھ پاتے ہو لیکن اس کے حق میں سانپ بھی موجود ہوتا ہے اور تکلیف بھی حاصل ہوتی ہے تو جبکہ اذیت ڈسنے میں ہوتی تو کوئی فرق نہیں ہوگا کہ اس کا تخیل ہو یا مشاہدہ ہو (یعنی خواب میں ڈسنے سے بھی عذاب ہے مشاہدہ میں ڈسنے سے بھی عذاب ہے)

(۳) تم جانتے ہو کہ سانپ خود اذیت نہیں دے سکتا بلکہ وہ زہر اذیت دیتا ہے جو اس سے تم کو پہنچتا ہے پھر زہر خود بھی اذیت نہیں دیتا بلکہ تمہارے اندر جو زہر سے اثر پیدا ہوتا ہے وہ اذیت ہے۔ تو ایسا ہی اثر اگر زہر کے علاوہ کسی اور شے سے پیدا ہوگا تو اذیت ایسی ہی شدید ترین ہوگی لیکن اس اذیت کی نوعیت کا بیان کرنا ممکن ہی نہیں سوائے اسکے کہ اس کے سبب کی طرف منسوب کر دیا جائے جو عادۃً اس کو پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً یہ کہ سانپ کے کاٹے کی اذیت ہے سبب کا ثمرہ تو حاصل ہوگا گو صورت نہ ہو اور مقصود و مراد ثمرہ ہی ہوتا ہے جسکے سبب کا ذکر ہوتا ہے نہ کہ خود سبب''

فقط

غرض یہ سب چیزیں مشاہدہ میں نہیں ہیں نہ بیان ہی میں آ سکتی ہیں مگر سب اسکے معتقد ہوتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہاں عذاب کا عقیدہ نہ ہو اور جیسے اس سے پناہ مانگی جاتی ہے اور بچنے کی کوشش ہوتی ہے ایسے ہی اس سے ہونی چاہئے۔

منکر حیات النبی کا حکم

(۱۴) ایسے عقیدہ والے کے پیچھے نماز کا درست ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس کا درجہ اسلام میں کیا ہے تو اس کیلئے ہم سب کے دینی جد امجد حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کا فتویٰ پیش ہے گو ذرا سا فرق ہے یہاں سوال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا جسد اطہر سے تعلق نہ ہونا بیان ہے اور وہاں ہر کس و ناکس کے متعلق سوال اور اس پر مدار فتویٰ کا ہے مگر یہاں تو وہ بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کا فتویٰ

عزیز الفتاوی جلد ا صفحہ ۹۳

سوال: انسان را بعد موت ادراک و شعور باقی ماند وزائران خود رامی شناسد و سلام و کلام ایشان رامی شنود یانے ؟

جواب: انسان را بعد موت ادراک باقی میماندبرایں معنی شرع شریف و قواعد فلسفی اجماع دارند. امادر شرع شریف پس عذاب قبر و تنعیم القبر بتواتر ثابت است و تفصیل آن دفتر طویل می خواهد.(در کتاب شرح الصدور فی احوال اموتی والقبور) که تصنیف شیخ جلال الدین سیوطیؒ است و دیگر کتب حدیث باید دید. در کتب کلامیه اثبات عذاب القبر می مابند حتی که بعض اهل کلام منکر آن راکافر میدانند، و عذاب و تنعیم بغیر ادراک و شعور نمی تواند شد. و نیز در احادیث صحیحه مشهوره در باب زیارت قبور و سلام برموتی و همکلامی بآنها که " انتم لنا سلف و نحن بالاثر وانا ان شاء الله بکم لاحقون" ثابت است. و در بخاری و مسلم موجود است که آنحضرت

صلی الله علیه وسلم باشهداء بدر خطاب فرمودند.
" هـل وجد تم ما وعدتم ما وعد ربكم حقا" مردم عرض کردند " یا رسول الله اتتكلم من اجساد ليس فيها روح" فرمودند " ماانتم باسمع منهم ولكنهم لا يجيبون" در قرآن مجید ثابت است " لاتقولوا لمن يقتل في سبيل الله اموات بل احياء عند ربهم يرزقون فرحين بـما آتاهم الله من فضله" بلکه از احوال پس آئیندگان خودهم خـوشـی و بشارت ثابت است "ويستبشرون بالذين لم يلحقوا بهم من خلفهم الاخوف عليهم ولا هم يحزنون"
بـالجمله انكار شعور و ادراک اموات اگر کفر نه باشد دارالحاد بودن او شبه نیست.
واما قـواعـد فلسفیه پس بقائے روحانی بعد از مفارقت و بقاء شـعـور و ادراک و لذت روحانی مجمع علیه فلاسفه است الا جـالینوس، ولهذا اور ادرفلاسفه نشمرده اند. پس ظاهر است کـه بدن دائما در تحلل است و روح در شعور و ادراک دائما در تـرقـی است پس مفارقت بدن در سلبُ ادراک و شعور او چه قسم تاثیر تواند کرد.
سـوال: اگـر ادراک و شعور میماند بقدر حیات میماند یا زیاده وکم میشود؟
جواب: ادراک و شـعـور اهـل قبـور بـعد موت در بعض امور زیـاده مـی شـود و در بـعـضـے کم آنچه تعلق بامور غیب دارد ادراک آنهـا زیـاده اسـت وآنـچ تـعـلـق در امور دنیویـه باشد ادراک آنهـا کـم، سببـش آنست که التفات و توجه ایشان در امـور غیبیــه زیـاده اسـت. و در امـور دیـنـویـه کم. بایں جهت تفاوت واقع می شود والا اصل ادراک و شعور یکسان است بـلکه اگر تامل کرده شود در دنیا نیز توجه والتفات بزیادتی و کمی در شعور و ادراک واقع می شود چنانچه دقائق علمیه را وکـلائـے دربـار کم می فهمند. ولذائذ طعام و محاسن نساء و کیفیات نغمات و اوتار را امیرازاده ها خوب ادراک میکنند.

وعلماء وفضلاء در ادراک آن چیز ها بسیار قاصر اند. این همه سبب قلت توجه والتفات دانند و کثرت آن.

ترجمہ سوال:۔ انسان کا مرنے کے بعد ادراک وشعور باقی رہتا ہے اپنی قبر پر آنے والوں کو پہچانتا ہے ان کا سلام وکلام سنتا ہے یا نہیں؟

ترجمہ جواب: انسان کا ادراک وشعور باقی رہتا ہے اس بات پر شریعت اور قواعد فلسفیہ میں اجماع ہے پس باعتبار شریعت تو عذاب قبر اور قبر کی لذتوں کا پانا اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے جسکی تفصیل کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔ کتاب شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور جو کہ شیخ جلال الدین سیوطی کی تصنیف ہے میں اور دوسری کتب حدیث میں دیکھا جا سکتا ہے علم کلام کی کتابوں میں عذاب قبر کا ثبوت دیکھا جا سکتا ہے حتیٰ کہ بعض اہل کلام نے اس کے منکر کو کافر قرار دیا ہے اور عذاب وراحت بغیر ادراک وشعور کے نہیں ہو سکتے۔

نیز مشہور احادیث میں زیارت قبور کے باب میں مردوں کو سلام کرنا اور ان سے ہمکلام ہونے کا ذکر یوں ثابت ہے " **انتم لنا سلف و نحن بالاثر وانا انشاء الله بکم لاحقون** " آپ ہم سے پہلے چلے گئے ہیں اور ہم آپکے نقش قدم پر آ رہے ہیں اور جلد ہی انشاء اللہ آپ سے مل جائیں گے اور بخاری ومسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء بدر سے یوں خطاب فرمایا:

"کیا تم نے اللہ کے وعدے کو سچ پالیا" لوگوں نے عرض کیا "یارسول اللہ کیا آپ ایسے جسموں سے کلام فرماتے ہیں جن میں روح نہیں" "فرمایا" "تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دیتے"

قرآن پاک میں ثابت ہے "جو اللہ کے راستہ میں مارے گئے انکو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں انکو انکے رب کے پاس سے رزق ملتا ہے خوش ہوتے ہیں اس پر جو ان کو اللہ کے فضل سے ملتا ہے۔"

بلکہ اپنے پسماندگان کے احوال کے علم پر بھی انکی خوشی وبشارت ثابت ہے (قرآن میں ہے) "اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس

حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔ (ان شواہدات کی روشنی میں) بالجملہ اگر اموات کے ادراک وشعور کا انکار کفر نہ بھی ہو تو اس کے الحاد ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں۔

اور قواعد فلسفیہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو جسم سے روح کے جدا ہونے کے بعد اسکا باقی رہنا اور شعور وادراک ولذت روحانی کا باقی رہنا یہ فلاسفہ کا متفق علیہ موقف ہے سوائے جالینوس کے اور اسی وجہ سے اسکو فلاسفہ میں شمار نہیں کیا گیا۔ پس یہ بات ظاہر ہے کہ بدن ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور روح کے شعور ادراک میں ہمیشہ ترقی ہوتی رہتی ہے پس روح کے جسم سے جدا ہونے کی صورت میں اس کے ادراک وشعور کے سلب ہونے کو ہم کس قسم میں شمار کریں گے۔

ترجمہ سوال: اگر ادراک وشعور باقی رہتا ہے تو کیا حیات تک باقی رہتا ہے یا کم وبیش؟

ترجمہ جواب: اہل قبور کا ادراک وشعور مرنے کے بعد بعض امور میں زیادہ ہو جاتا ہے اور بعض میں کم۔ جن امور کا تعلق غیب سے ہوتا ہے ان میں ادراک زیادہ ہوتا ہے اور جن امور کا تعلق دنیا سے ہوتا ہے ان میں ادراک کم ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس کا التفات اور توجہ امور غیبیہ کی طرف زیادہ ہوتی ہے اور امور دینویہ کی طرف کم۔ اس اعتبار سے فرق ہو جاتا ہے۔ مگر اصل کے اعتبار سے ادراک وشعور میں دونوں یکساں ہیں۔ اگر غور کرو تو دنیا میں بھی توجہ کی کمی زیادتی سے ادراک وشعور میں کم زیادتی ہوتی ہے چنانچہ علمی نکات اور درباری موشگافیوں کو کم لوگ سمجھ پاتے ہیں اور کھانوں کے ذائقوں عورتوں کی عشرہ طرازیاں اور گانوں کی کیفیات وغیرہ کو امراء خوب محسوس کرتے ہیں اور علماء وفضلاء عموماً ان چیزوں کے ادراک سے قاصر ہیں یہ سب فرق اصل میں توجہ اور التفات کی کم بیشی سے ہی تو ہوتا ہے۔ فقط: خلیل احمد تھانوی

منکر حیات النبی کی امامت کا حکم

اوپر آیت واحادیث متواتر واجماع اہل حق وقبول عقل سلیم کے دلائل کے بعد شاہ صاحبؒ کا فتویٰ فیصلہ کن ہے۔

آیات کا انکار احادیث متواترہ کا انکار، اجماع کا انکار، یہ سب ایسا تھا کہ اس پر اسلام کا باقی

رہنا مشکل تھا۔ مگر بات یہ ہے قطعی الثبوت کے ساتھ قطعی الدلالت ہونا جب تک نہ ہو سکے انکار کو کفر نہیں کہا جا سکتا چونکہ بعض تاویلات ایسی ممکن ہیں جو قواعد عربیت پر صحیح بن جاتی ہیں گو دوسری آیات احادیث سے ان پر عمل درست نہ ہو۔

والحد و دتندرء بالشبہات۔ (شبہ پیدا ہونے سے حد ساقط ہو جاتی ہے)

اس لئے شاہ صاحبؒ نے فرمادیا ہے۔

"اگر کفر نہ باشد" (اگر کفر نہ ہو)

چونکہ یہ عقیدہ تمام اہل سنت کے خلاف ہے باطل فرقوں معتزلہ خارجیہ اور رافضیہ کا ہے اس لئے اس کو بدعت ضرور قرار دیا جائیگا۔ اور نماز کی امامت کا قاعدہ کے تحت آ جائیگا جو فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز کا ہے ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا۔ اور جس کو اچھے امام کے پیچھے نماز ملتی ہو پھر اقتداء کرنا بھی امام بنانا ہے اسکی اور امام بنائے رکھنے والوں کی نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ اور جس کو ان دونوں سے یعنی امام بنائے رکھنے یا صحیح مل سکنے سے معذوری ہو اس کیلئے مکروہ تنزیہی ہوگی۔ کہ تنہا سے یہ جماعت افضل ہے جیسے کہ شامی میں بہ تفصیل احادیث

"من وقر فاسقا اور من وقر بدعیا" (الحدیث)

"اور صلوا خلف کل بر وفاجر" حدیث سے ماخوذ کر کے بیان ہے (جیسے کہ شامی نے کیا ہے جو توقیر کرے فاسق کی اور توقیر کرے بدعتی کی، اور نماز پڑھو ہر نیک و فاجر کے پیچھے والی احادیث سے استدلال کر کے مسئلہ کی وضاحت کی ہے)۔ واللہ اعلم

(۱۵) چونکہ انبیاء علیہم السلام اور دوسروں کی حیات بعد الموت میں اہل السنت والجماعت کی مخالفت سلف کے باطل فرقوں نے کی تھی۔ کچھ عقلی و نقلی دلائل بھی پیش کئے تھے بزرگان ملت نے ان کو نقل کر کے انکا باطل ہونا ظاہر و ثابت کیا ہے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کیا کیا دلائل تجویز کرتے ہیں تو باطل ہونے کی دلیلیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ اگر چہ اہل السنت و الجماعت سے معتزلہ وغیرہ کی تقلید کی امید نہیں ہے اسلئے سر دست پیش نہیں کی گئیں۔

وما علینا الا البلاغ

وضاحت

برادر محترم جناب مولانا خلیل احمد تھانوی زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

آپ کا گرامی نامہ ملا آپ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی عبارت پر جو سوال تحریر کیا اس کا جواب حضرت والد صاحب مدظلہم نے تحریر فرمادیا ہے وہ اسکی توضیح کے طور پر ضمیمہ میں تحریر فرمادیں احقر نے بھی ایک تحریر لکھی ہے اگر مناسب ہو اسکو بھی شامل کرلیں۔

فقط

احقر سید عبدالقدوس ترمذی

۳ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ

ضمیمہ نمبرا

از حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہم

شرح مواقف ج ۸ ص ۳۱۸ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایک موت قبر میں جان سے پہلے ہوتی ہے پھر قبر میں زندہ کیا جاتا ہے مگر یہ زندگی فی الجملہ بقدر مایتالم و یتلذذ ہوتی ہے حیات مطلقہ اور کامل حیات نہیں ہوتی، مگر سوال نکیرین کے وقت زیادہ قوی ہوتی ہے اس کے بعد کمزور اور ضعیف کر دی جاتی ہے۔ جس سے تعذیب و تنعیم متصور ہو سکے اس تضعیف حیات کو ہی اماتت سے تعبیر کر دیا گیا ہے، مگر یہ اماتت من کل الوجوہ نہیں ہوتی فی الجملہ ہی ہوتی ہے تعذیب و تنعیم کا احساس باقی رہتا ہے اس قدر حیات باقی رہتی ہے۔ جس سے یہ احساس ہو سکے، اس کے بعد حشر میں حیات مطلقہ دی جاتی ہے۔

شرح مواقف کی عبارت میں ثم الاحیاء فی القبر ثم الاماتة فیه ایضا بعد مسئلہ منکر و نکیر حیات و موت فی الجملہ مراد ہے کامل حیات و موت مراد نہیں ہے البتہ سوال نکیرین کے وقت کچھ زیادہ حیات دی جاتی جس کے بعد کم کر دی جاتی ہے۔ اسکو اماتت و احیاء سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ اور بعض احادیث میں اس موت بعد السوال کو نوم سے تعبیر فرمایا گیا یہ جیسا کہ "نم کنومة العروس" وارد ہوا ہے۔

اب امید ہے کہ تنعیم و تعذیب فی القبر پر اشکال وارد نہ ہوگا۔ کہ سوال نکیرین کے بعد جب موت واقع کر دی گئی تو تنعیم و تعذیب کے وارد ہونے کی کیا صورت ہوگی کیونکہ حیات کے بغیر تو تنعیم و تعذیب غیر متصور ہے۔ و اللہ اعلم

حاصل یہ ہے کہ موت و حیات کلی مشکک ہے اسکا حسب موقع اطلاق کہیں ضعیف اور کہیں قوی ہوتا ہے سب جگہ یکساں نہیں ہوتا کلی متواطی نہیں ہے۔

فقط

هذا ما عندی و العلم عند الله العليم الخبير

عبدہ المذنب السید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ ۴ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ

ضمیمہ نمبر۲

ازمولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی

نمبر۳ کی عبارت سے مقصود صرف حیات فی القبر کا اثبات ہے اوران لوگوں کا رد ہے جو اس کے منکر ہیں اور یہ مقصود قرآن کریم کی آیت **قالوا ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین الآیۃ** کی مذکورہ تفسیر اورشرح مواقف کی درج شدہ عبارت سے واضح طور پر ثابت ہے۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے بھی اِس آیت مبارکہ اور شرح مواقف کی عبارۃ مذکورہ سے اسی استدلال فرمایا ہے جیسا کہ حضرتؒ کی عبارت، لہٰذا اس سے حیات قبری ثابت ہے، سے معلوم ہوا ہے۔ اب رہا یہ کہ اس سے حیات فی القبر کا اثبات کیسے ہوا ہے تو اس کی تقدیر خود حضرتؒ کی عبارت میں صراحۃً موجود ہے جو تقریباً شرح مواقف کی عربی عبارت کا حاصل ترجمہ ہی ہے۔

خلاصہ یہ کہ آیت قرآن **قالوا ربنا الآیۃ** کی تفسیر اور جو تقریر شرح مواقف میں کی گئی ہے اس میں جو دو حیات اور دو موت کا ذکر ہے اس سے مراد وہ دو موت اور حیات ہیں جو حقیقی ہوں اور برزخ قبر میں قائم وتلذذ کیلئے میت کو جو حیات حاصل ہوگی وہ من وجہ حیات ہے. جو دوسرے دلائل سے ثابت ہے اس آیت میں اصالۃً اس سے تعرض نہیں کیا گیا لہٰذا اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کا اثبات اس تقریر کے خلاف ہے کیونکہ اس آیت میں اس کی نفی نہیں ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے اس کا ذکر نہیں اور عدم ذکر عدم شیء کو یقیناً مستلزم نہیں پھر جبکہ دلائل سے اس کا ثبوت ہو جائے تو اس کا انکار ہرگز صحیح نہیں۔ بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ بقدر مایتالم و یتلذذ میت کو جو حیات قبر میں دی جاتی ہے وہ اس تقریر کے خلاف نہیں ہے۔

فحینئذ لا تعارض ولا اشکال واللہ اعلم بحقیقۃ المقال

احقر سید عبدالقدوس ترمذی

چہل حدیث
متعلقہ فضائل
درود شریف

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

(۱) جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے اس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں اور جس پر فرشتے درود بھیجیں اس پر خدائے کریم درود بھیجتا ہے اور جس پر خدائے کریم درود بھیجے تو اس پر تو دنیا کی ہر چیز درود بھیجتی ہے۔

(۲) جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نگراں فرشتوں (کراماً کاتبین) کو حکم فرمادیتے ہیں کہ تین دن تک اس شخص کا کوئی گناہ (صغیرہ) نہ لکھو۔

(۳) جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے درود سے ایک فرشتہ پیدا فرمادیتے ہیں جس کا ایک بازو مشرق میں ہوتا ہے اور ایک مغرب میں اور اس کی گردن اور اس کا سر عرش کے نیچے ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اے خدا تو بھی اپنے بندے پر رحمت نازل فرما جب تک وہ تیرے نبی پر درود بھیج رہا ہے۔''

(۴) جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے اور جو دس بار درود بھیجے تو اللہ تعالیٰ اس پر سو بار درود بھیجتا ہے اور جو سو بار درود بھیجے تو اللہ تعالیٰ اس پر ہزار بار درود بھیجتا ہے اور جو ہزار بار درود بھیجے تو اللہ تعالیٰ اسکو دوزخ میں عذاب نہ دے گا۔

(۵) جو شخص مجھ پر ایک بار درود شریف بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے حق میں دس نیکیاں لکھتے ہیں اس کی دس بُرائیاں مٹا دیتے ہیں اوراس کے دس درجے بلند کرتے ہیں۔

(۶) فرمایا کہ:۔ ایک دن (حضرت) جبریل میرے پاس آئے اور بولے کہ اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے پاس ایک ایسا مژدہ لے کر آیا ہوں جو آپ سے پہلے کسی کے پاس بھی نہیں لایا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کی امت میں سے جو شخص آپ پر تین بار درود پڑھے گا تو اگر وہ کھڑا ہوگا تو بیٹھنے سے پہلے اس کی مغفرت ہو جائے گی اس وقت (آپ یہ سن کر) اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر گئے۔"

(۷) فرمایا کہ:۔ "جو شخص صبح کے وقت مجھ پر دس بار درود بھیجے گا تو اس کے چالیس سال کے (صغیرہ) گناہ مٹا دیئے جائیں گے۔"

(۸) فرمایا کہ:۔ "جو شخص جمعہ کی شب میں یا جمعہ کے دن مجھ پر سو بار درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اسی سال کے گناہ (صغیرہ) معاف فرما دیں گے۔"

(۹) فرمایا کہ:۔ "جو شخص جمعہ کی شب میں یا جمعہ کے دن مجھ پر سو بار درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی سو ضرورتیں پوری فرماتا ہے اوراس کے لئے ایک فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے کہ وہ جس وقت قبر میں دفن کیا جائے تو وہ فرشتہ اس شخص کو جنت کی خوشخبری سنا دے۔ جس طرح تم لوگ اپنے کسی (باہر سے آنے والے) بھائی کے لئے تحفہ لے کر جاتے ہو۔"

(۱۰) فرمایا کہ:۔ "جو شخص مجھ پر ایک دن میں سو بار درود بھیجتا ہے تو اس دن اس کی سو ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں۔"

(۱۱) فرمایا کہ:۔ "مجھ سے زیادہ قریب تم میں سے وہ شخص ہے۔ جو مجھ پر زیادہ درود بھیجتا ہے۔"

(۱۲) فرمایا کہ:۔ "جو شخص مجھ پر ہزار مرتبہ درود پڑھ لے اسے مرنے سے پہلے ہی جنت کی خوشخبری دے دی جائے گی۔"

(۱۳) فرمایا کہ:۔ "(حضرت) جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور بولے یارسول اللہ جب بھی کوئی شخص آپ پر درود شریف بھیجتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس پر درود بھیجتے ہیں۔"

(۱۴) فرمایا کہ:۔ "وہ دعا جو میرے درود کے بعد ہو وہ نامقبول نہیں ہوتی ہے۔" (یعنی

ضرور قبول کر لی جاتی ہے)

(۱۵) فرمایا کہ:۔"مجھ پر درود بھیجنا پل صراط کے لئے نور روشنی ہے وہ شخص دوزخ میں نہ داخل ہوگا جو مجھ پر درود بھیجتا ہے۔"

(۱۶) فرمایا کہ:۔"جو شخص مجھ پر درود بھیجنا اپنی عبادت مقرر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیا وآخرت کی ضرورت پوری فرمادے گا۔"

(۱۷) فرمایا کہ:۔"جو شخص مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا تو جنت کا راستہ بھٹک جائے گا۔"

(۱۸) فرمایا کہ:۔"اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہوا میں ہیں جن کے ہاتھوں میں نورانی کاغذ ہیں (وہ فرشتے) مجھ پر اور میرے اہل خانہ پر درود کے سوا اور کچھ نہیں لکھتے۔"

(۱۹) فرمایا کہ:۔"اگر کوئی بندہ قیامت میں ساری دنیا والوں کی برابر نیکیاں لے کر آئے مگر اس میں مجھ پر درود نہ ہو تو وہ ساری نیکیاں مردود ہو جائیں گی مانی نہ جائیں گی۔"

(۲۰) فرمایا کہ:۔"میرا سب سے زیادہ دوست وہ ہے جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجے۔"

(۲۱) فرمایا کہ:۔"جس نے کسی کتاب میں مجھ پر درود استعمال کیا تو فرشتے اس پر برابر درود بھیجتے رہیں گے جب تک میرا نام کتاب میں لکھا رہے گا۔"

(۲۲) فرمایا کہ:۔"اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے (گماشتے) زمین میں گشت لگاتے رہتے ہیں جو مجھ کو میری امت کا درود پہنچاتے ہیں تو میں ان کے لئے مغفرت چاہتا ہوں۔"

(۲۳) فرمایا کہ:۔"جو شخص مجھ پر درود بھیجے گا میں روز قیامت اسکا شفیع اور سفارشی بنوں گا اور جو مجھ پر درود نہ بھیجے گا تو اس سے بے تعلق ہوں۔"

(۲۴) فرمایا کہ:۔"قیامت میں ایک جماعت کے لئے جنت کا حکم ہوگا وہ لوگ راستہ بھٹک جائیں گے (حضرات صحابہ کرامؓ) نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیوں ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے (دنیا میں) میرا نام سنا اور مجھ پر درود نہیں بھیجا۔"

(۲۵) فرمایا کہ:۔"ایک شخص کے حق میں دوزخ کا حکم کیا جائے گا تو میں کہوں گا اسے میزان (ترازوئے حشر) کی طرف لوٹا لاؤ تب میں ایک چیز جو (بہت چھوٹی) چیونٹی جیسی میرے پاس ہوگی اس کے لئے ترازو میں رکھوں گا اور وہ چیز مجھ پر درود ہوگی پھر تو اس کی

ترازو جھک جائے گی اور اعلان کر دیا جائے گا کہ فلاں شخص خوش قسمت ہو گیا۔''

(۲۶) فرمایا کہ:۔''جس محفل میں بھی لوگ جب کبھی اکٹھے ہوئے ہوں اور مجھ پر درود پڑھے بغیر متفرق و منتشر ہو گئے ہوں تو یہ لوگ ان لوگوں کی طرح ہیں جو کسی میت کے پاس سے متفرق ہو گئے ہوں اور اسے غسل نہ دیا گیا ہو (جس طرح میت کے لئے غسل ضروری ہے اسی طرح ہر محفل میں درود پڑھنا بھی ضروری ہے) ورنہ وہ محفل اس میت کی مانند ہو گی جسے غسل نہ دیا گیا ہو۔''

(۲۷) فرمایا کہ:۔''اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے اور اسے تمام مخلوق کے نام دے دیئے ہیں تو اب قیامت تک جب بھی کوئی شخص مجھ پر درود بھیجے گا تو وہ مجھے اس کے نام کے ساتھ پہنچائے گا اور وہ کہے گا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فلانی کے بیٹے فلاں شخص نے آپ پر درود بھیجا ہے۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

(۲۸) فرمایا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجنا گناہ کو اتنا زیادہ مٹاتا ہے کہ تختی کی روشنائی کو پانی بھی اتنا نہیں مٹاتا ہے۔''

فرمایا کہ:۔''اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تم سے اس سے بھی زیادہ قرب ہو جاؤں جتنا کلام زبان سے اور روح بدن سے قریب ہے تو پھر تم نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔''

(۲۹-۳۰) فرمایا کہ:۔''ایک فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے ایک شہر کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے کا حکم دیا جس پر اللہ تعالیٰ کو غضب آ گیا تھا مگر اس فرشتہ کو کچھ رحم آ گیا اور اس نے تعمیل حکم (شہر کو اکھیڑ پھینکنے میں جلدی نہیں کی تو اللہ تعالیٰ کو اس فرشتہ پر بھی غصہ آ گیا اور اس کے بازو توڑ دیئے۔ حضرت جبریلؑ اس کے پاس سے گذرے تو اس نے اپنی تکلیف بیان کی جبریلؑ نے اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق سوال کیا تو...... اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے چنانچہ اس فرشتے نے درود بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا قصور معاف فرما دیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی برکت سے اس کے بازو واپس کر دیئے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:۔

(۳۱) فرمایا''جس شخص نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر دس بار درود پڑھا اور دو رکعت نماز

پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس کی نماز قبول کر لی جائے گی اس کی ضرورت پوری کی جائے گی اور اس کی دعا رد نہ کی جائے گی۔"

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ پر درود بھیجنے کے متعلق سوال کیا تو:

(۳۲) آپ نے فرمایا کہ:۔"مجھ پر درود بھیجو اور دعا میں خوب کوشش کرو اور (یوں) کہو"**اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد**"

(مطلب یہ ہے کہ درود شریف میں آپ کے نام نامی کے ساتھ آل و اصحاب کو بھی شامل کر لیا جائے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

(۳۳) فرمایا کہ:۔"مجھ پر درود بھیجتے رہا کرو کیونکہ تمہارا مجھ پر درود بھیجنا تمہارے حق میں زکوٰۃ ہے (اس سے تمہارے ایمان واسلام کی صفائی ہوتی رہے گی) اور میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرتے رہا کرو۔"جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما رکھا ہے۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے:

(۳۴) فرمایا کہ:۔"اس شخص کی نماز نہیں (مکمل) جس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا ہو۔"

(۳۵) حضرت ابو ہریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔"اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے پھر بھی وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔"

(۳۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔"جس شخص نے درود بھیجنے کی صورت میں یوں کہدیا کہ"**جزی اللہ عنا محمداً خیراً یا جزی اللہ نبینا محمداً بما ھو اھلہ**۔"

(اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری جانب سے جزائے خیر دے یا اللہ تعالیٰ ہمارے

نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ جزا دے جو ان کی شایان شان ہو) تو اس شخص نے اپنے نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو تھکا دیا وہ اس مختصر سی دعا کی تفصیل لکھتے لکھتے تھک جائیں گے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

(۳۷) فرمایا کہ:۔ ''اپنے گھروں کو قبریں نہ بنالو (جس طرح قبر میں رہنے والے عبادت نہیں کرتے اسی طرح تم بھی اپنے گھروں میں بھی) مجھ پر درود پڑھتے رہا کرو کیونکہ تم کو چاہئے جہاں بھی رہو۔ تمہارے درود مجھ تک پہنچتے رہیں۔''

(۳۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ ''جب بھی کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھے لوٹا دیتے ہیں تا کہ اس کے درود کا جواب دوں (روح لوٹانے کا مطلب علماء نے یہ بتایا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم مشاہدہ حق میں مشغول رہتے ہیں اور درود کی خبر پا کر درود بھیجنے والے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔)

(۳۹) فرمایا کہ:۔ ''روز قیامت تم میں سے وہ شخص میرے زیادہ قریب ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود بھیجتا رہا ہوگا۔''

(۴۰) فرمایا کہ:۔ ''جس شخص کو یہ بات خوش کرتی ہو کہ وہ اللہ تعالےٰ سے اس حالت میں سامنا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو تو اس کو چاہئے کہ مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرے کیونکہ وہ شخص روزانہ پانچ سو مرتبہ مجھ پر درود بھیجے گا تو کبھی تنگدست نہ ہوگا اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے اس کی تمام غلطیاں معاف کر دی جائیں گی اور ہمیشہ خوش خرم رہے گا۔ اس کی دعا قبول ہوگی اس کی تمنائیں پوری ہوں گی دشمن کے خلاف اس کی مدد کی جائے گی اور وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جو جنت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ہوں گے۔''

(گوہر مقصود۔ از: حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب رومی مدظلہٗ العالی)
مفتی شہر آگرہ۔ ہند

مسئلہ

تَوَسُّلُ بِاَفْضَلِ الرُّسُلِ

علامہ سمہودی رحمہ اللہ کی کتاب ''وفاء الوفاء'' میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے توسل حاصل کرنے کے متعلق ایک بحث نظر آئی جس میں اصل مسئلہ کے دلائل کے ساتھ ساتھ حکایات واقعات بھی پیش کئے گئے ہیں مناسب معلوم ہوا کہ مختصراً اس کو بھی ہدیہ ناظرین کیا جائے۔

جس طرح یہ حقیقت محتاج بیان نہیں ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں اعلیٰ واکمل اور سب سے بہتر وبرتر ہیں جیسا کہ علامہ جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

لایمکن الثناء کما کان حقہٗ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور جیسا کہ حضرت مولانا قاسمؒ اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں ؎

تو فخر کون ومکاں زبدۂ زمین وزمان امیر لشکرِ پیغمبراں شہِ ابرار

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

اور جس طرح حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ان جملہ کمالات میں کمال کا پہلو بھی اسی بنا پر آیا ہے کہ وہ آپ کی ذات والا صفات سے متعلق ہو گئے کیونکہ ہم جب یہ مانتے ہیں کہ آپ کی ذات بابرکات ہی باعث تخلیق عالم اور آپ کا نور ہی اول موجودات ہے تو ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا

کہ اللہ تعالیٰ نے جن جن صفات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متصف فرمانا چاہا ہو گا انہیں صفات میں کمال وحسن کا پہلو بھی رکھا ہو گا جیسا کہ استاذی حضرت اسعد رام پوری فرماتے ہیں ؎

رسالت کو شرف ہے ذات اقدس کے تعلق سے
نبوت ناز کرتی ہے کہ ختم الانبیاء تم ہو

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات نہ صرف یہ کہ منبع کمالات ومجمع صفات ہے بلکہ آپ کی ذات شریف معیار کمالات بھی ہے جو صفت کمال آپ میں موجود نہ ہو در حقیقت وہ کمال ہی نہیں۔

اس تمہید کے بعد اب مسئلہ توسل میں علامہ سمہودی کی تمام بحث کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل حاصل کرنے کی چار صورتیں ہیں:۔

(۱) آپ کی تخلیق عنصری سے پہلے آپ کا توسل۔

(۲) آپ کی ولادت ظاہری وعنصری کے بعد آپ کا توسل۔

(۳) آپ کی وفات عنصری وظاہری کے بعد آپ کا توسل۔

(۴) عالم محشر اور قیامت میں آپ کی شفاعت وتوسل۔

مختلف احادیث سے ان سب کا ثبوت ملتا ہے پہلی صورت کے لئے وہ مشہور روایت ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام اپنے قصور کی معافی کے لئے آپ کا توسل چاہا ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے اپنی پیدائش کے بعد جب سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر کلمہ لکھا ہوا دیکھا ہے۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔**

پوری روایت طبرانی وحاکم نے نقل کی ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔

دوسری صورت کے لئے بھی طبرانی کی وہ مشہور روایت ہے جس میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا صحابی کو ایک دعا تعلیم فرمائی ہے جس میں آپ کے توسل سے حاجت (یعنی بینائی) طلب کی گئی ہے اور وہ پوری ہوئی ہے۔ (طبرانی عن عثمان بن حنیفؓ)

تیسری صورت کے لئے بھی انہیں عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت ہے جس میں انہوں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک شخص کو وہی دعا تعلیم

فرمائی ہے (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نابینا صحابی کو تعلیم فرمائی تھی) اور اس شخص کی حاجت بھی اس توسل کی برکت سے پوری ہوگئی ہے۔ (طبرانی معجم کبیر) وہ دعا یہ ہے:۔

اللھم انی اسئلک واتوجه الیک نبینا محمد صلے اللہ علیه وسلم نبی الرحمة یا محمد (یا رسول اللہ) انی اتوجه بک الیٰ ربک ان تقضی حاجتی.

چوتھی صورت میں یعنی قیامت میں توسل کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ یہ صورت تو ایسی ہے جس پر اجماع ہو چکا ہے۔ (محتاج اثبات نہیں ہے)

علامہ سمہودیؒ کی بحث توسل کا خلاصہ ختم ہوا،

انہیں دلائل کی روشنی میں ہمارے اکابر توسل کے جواز بلکہ اس کے مفید ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔ تعلیم الدین میں ہے کہ "بزرگوں کے توسل سے دعا جلد قبول ہوتی ہے۔

توسل کے سلسلہ میں چند حکایات

اس بحث کے بعد علامہ سمہودی نے شیخ محمد بن موسیٰ بن نعمان کی کتاب "مصباح الظلام" سے چند حکایات نقل فرمائی ہیں:

حکایت نمبر (۱):۔ حضرت محمد بن المنکدر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے میرے والد صاحب کے پاس اسی دینار (اشرفی) بطور امانت رکھے اور یہ اجازت دے دی کہ اگر تمہیں کسی وقت ضرورت ہو تو خرچ کر سکتے ہو وہ شخص تو اپنی امانت رکھ کر جہاد پر باہر چلا گیا اور یہاں کچھ ہی دنوں بعد ان کے حالات کچھ تنگ ہو گئے مجبوراً انہوں نے وہ روپے (اشرفیاں) خرچ کر دیئے۔ ایک روز وہ شخص میرے والد صاحب کے پاس آ پہنچا اور ان سے اپنی اشرفیاں طلب کیں۔ والد صاحب نے کہا کہ میرے پاس کل آنا، وہ چلا گیا اب جب رات ہوئی تو والد صاحب کبھی مزار مبارک کی پناہ لیتے اور کبھی آپ کے منبر شریف کی پناہ لیتے یہاں تک کہ اسی آہ و فریاد کی حالت میں صبح ہونے کو ہی تھی کہ اندھیرے میں کوئی شخص آیا اور بولا اے محمد یہ لو! یہ سنکر میرے والد صاحب نے جو ہاتھ بڑھایا تو ایک تھیلی ہاتھ میں آئی جس میں اسی اشرفیاں تھیں۔ چنانچہ جب صبح ہوئی اور وہ شخص آیا تو انہوں نے وہ اشرفیاں اس کو دے دیں۔

حکایت نمبر (۲):۔ حضرت ابوالخیر الاقطع فرماتے ہیں کہ میں مدینۃ الرسول علٰی صاحبہا التحیۃ والتسلیم میں داخل ہوا اور اس وقت میں فاقہ سے تھا اسی حالت میں میں پانچ دن تک وہاں مقیم رہا ایک کھیل بھی میرے منہ میں نہیں گئی ایک روز مرقد شریف کے سامنے حاضر ہوا اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سلام پیش کیا اور میں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کا مہمان ہوں۔'' (یہ کہہ کر) میں وہاں سے ہٹ گیا اور مزار شریف کے عقب میں سو گیا، خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کی داہنی جانب، حضرت عمر فاروقؓ بائیں جانب اور حضرت علیؓ آپ کے سامنے تھے۔ حضرت علی نے مجھے جگایا اور کہا اُٹھو رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں، میں اُٹھ کھڑا ہوا اور آپ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا تو آپ نے مجھے ایک روٹی مرحمت فرمائی جس کا آدھا حصہ میں کھا گیا۔ اس کے بعد میں بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے ہاتھ میں آدھی روٹی موجود ہے۔

حکایت نمبر (۳):۔ حضرت ابوعبداللہ محمد بن ابی زرعۃ الصوفی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (ابوزرعہ) اور ابی عبداللہ بن خفیف کے ہمراہ مکہ کا سفر کیا راستہ میں ہمیں سخت قسم کے فاقہ کا سامنا کرنا پڑا اسی حالت میں ہم مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوئے اور وہاں اسی طرح بھوکے لیٹ رہے میں اس وقت سنِ بلوغ کو نہیں پہنچا تھا لہٰذا میں بار بار اپنے والد کے پاس جاتا (بھوک سے پریشان تھا) اور کہتا کہ مجھے بھوک لگی ہے۔ آخر میرے والد صاحب مزار مبارک پر حاضر ہوئے اور بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آج کی رات آپ کا مہمان ہوں اور ذرا دیر وہیں گردن جھکا کر مراقبہ میں بیٹھ گئے، تھوڑی دیر میں اپنا سر اوپر اُٹھا لیا اور کبھی رونا کبھی ہنسنا شروع کر دیا ان سے وجہ پوچھی گئی تو کہنے لگے کہ میں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ نے میرے ہاتھ میں چند درہم رکھ دیئے ہیں یہ بتانے کے بعد جو انہوں نے ہاتھ کھولا تو اس میں چند درہم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت دی کہ ہم شیراز تک واپس لوٹ آئے جب بھی ہم ان ہی میں سے خرچ کرتے رہے۔

حکایت نمبر (۴):۔ شریف ابومحمد عبدالسلام بن عبدالرحمٰن الحسین الفارسی کہتے ہیں کہ

میں مدینۃ النبی صلی اللہ علےٰ صاحبہا میں تین دن مقیم رہا ان دنوں میں نے کسی سے کھانا نہیں مانگا پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف کے قریب آیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور میں نے کہا اے نانا جان میں بھوکا ہوں اور آپ سے ثرید کی آرزو کرتا ہوں پھر مجھ پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور میں سو گیا ابھی میں سو ہی رہا تھا کہ ایک دم سے کوئی شخص مجھے جگانے لگا میں اُٹھ بیٹھا تو میں نے دیکھا کہ اس شخص کے ساتھ کاٹھ کا ایک پیالہ ہے جس میں ثرید ہے اور خوب گھی اور گوشت ہے اس آدمی نے مجھ سے کہا کھاؤ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئی وہ بولا میرے چھوٹے بچے ہیں وہ تین دن سے اس کھانے کی فرمائش اور خواہش کر رہے ہیں۔ آج اللہ تعالیٰ میرے لئے کچھ پیسوں کا بندوبست فرمایا تو میں نے یہ کھانا تیار کیا اور سو گیا تو خواب میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ تمہارا ایک بھائی اس کھانے کی مجھ سے خواہش کر رہا ہے اسے کھلا دو۔

حکایت نمبر (۵):۔ ابن عسا کر نے اپنی تاریخ میں سند کیساتھ مجھ سے نقل کیا ہے کہ ثابت بن احمد بغدادی کہتے ہیں کہ انہوں نے مدینہ شریف میں ایک شخص کو دیکھا کہ فجر کی اذان قبر شریف کے پاس کہی اور اس میں **الصلوۃ خیر من النوم** کہا تو مسجد کے خادموں میں سے ایک خادم اس کے پاس آیا اور ایک تھپڑ رسید کر دیا وہ شخص رونے لگا اور بولا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جناب کے حضور میں میرے ساتھ یہ سلوک کیا گیا تو اس خادم کو فالج پڑ گیا اور لاد کر گھر پہنچایا گیا۔ پھر تین دن بعد انتقال بھی ہو گیا۔ **اللھم نعوذبک من غضبک وغضب رسولک ونساء لک رحمتک وشفاعۃ نبیک نبی الرحمۃ علیہ صلوتک وسلامک۔**

حکایت نمبر (۶):۔ عبدالسلام بن ابی القاسم صقلی روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک ثقہ شخص نے اپنا یہ واقعہ بیان کیا جس کا نام وہ بھول گے وہ شخص کہتے ہیں کہ میں مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا اس وقت میرے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز بھی نہ تھی چنانچہ میں بھوک سے بیحد کمزور ہو گیا تو میں حجرہ شریف کے قریب آیا اور میں نے عرض کیا۔

''یا سید الاولین والآخرین میں مصر کا باشندہ ایک انسان ہوں جناب کے پڑوس میں

مجھے پانچ مہینے ہوئے ہیں اور میں بیحد کمزور ہو گیا ہوں میں نے اپنے دل میں یہی کہا ہے کہ میں سوال تو اللہ اور اس کے رسول ہی سے کروں گا کہ میرے بس میں کسی ایسے شخص کو کر دے جو مجھے شکم سیر کر دے۔ (خوب پیٹ بھر کھلا دے) یا مجھے میرے گھر تک پہنچا دے۔'' یہ کہنے کے بعد حجرہ شریف کے قریب میں نے خوب دعائیں مانگیں اور پھر منبر کے پاس بیٹھ گیا اتنے میں ایک شخص حجرہ شریف میں داخل ہوا اور کھڑے ہو کر کچھ بات کرتا رہا اور کہتا رہا نانا جان، نانا جان پھر وہ میرے پاس آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کھڑے ہو میں کھڑا ہو کر اس کے ساتھ ہو لیا وہ مجھے لے کر باب جبریل سے نکلا اور بقیع سے آگے بڑھ کر ایک خیمہ میں پہنچا جس میں ایک لڑکی تھی اور ایک لڑکا ان دونوں سے کہا اٹھو اپنے مہمان کے لئے کھانا پکاؤ، لڑکے نے لکڑی جمع کر کے آگ جلائی اور لڑکی نے موٹی روٹی پکائی اور مجھے وہ باتوں میں لگائے رہا یہاں تک کہ وہ لڑکی روٹی لے کر آ گئی اور عمدہ کھجور بھی لے آئی۔ اب اس نے مجھ سے کہا کھاؤ میں تھوڑا کھا کر رُک گیا تو اس نے کہا اور کھاؤ میں نے اسے بتایا کہ میں نے کئی مہینوں سے گیہوں نہیں کھایا تھا تو اس نے بقیہ بچا ہوا سب کھانا اور دو صاع کھجور توشہ دان میں رکھ دیا اور مجھ سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے میں نے اپنا نام بتایا تو کہنے لگا تمہیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آئندہ تم میرے نانا سے شکایت نہ کرنا انہیں یہ بات بہت گراں گذرتی ہے اور اس وقت سے جب بھی تمہیں بھوک لگے گی تمہاری خوراک تم کو پہنچ جایا کرے گی تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ تمہارے جانے کی کوئی سبیل نکال دے۔ پھر اس نے اس لڑکے سے کہا انہیں لیجاؤ اور میرے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ شریف تک پہنچا کر آؤ اب میں اس لڑکے کے ساتھ چل کر بقیع تک پہنچا تو میں نے اس سے کہا تم لوٹ جاؤ اب تو میں پہنچ ہی گیا اس نے کہا اے جناب اللہ جانتا ہے میں آپ کو چھوڑ نہیں سکتا جب تک آپ کو حجرہ شریف تک نہ پہنچا دوں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے آقا کو اسکی خبر فرما دیں۔

چنانچہ اس نے مجھے حجرہ تک پہنچا دیا اور الوداع کہہ کر رخصت ہوا۔ اب میں وہاں ٹھہرا رہا اور چار دن تک وہی کھانا کھاتا رہا جو اس نے مجھے دیا تھا۔ پھر جب مجھے بھوک لگی تو وہی

لڑکا میرے لئے کھانا لے آیا اسی طرح برابر جب مجھے بھوک لگتی تو وہ کھانا لاتا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے وہاں سے روانگی کی سبیل پیدا فرمادی۔

حکایت نمبر (۷):۔ ابو العباس بن نفیس المقری الضریر کہتے ہیں کہ میں مدینہ شریف میں تین دن بھوکا رہا پھر مزار شریف پر حاضر ہوا اور میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھوکا ہوں پھر میں سو گیا (کمزوری کی حالت میں) یہاں تک کہ کسی لڑکی نے مجھے پیر سے ہلایا تو میں اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا وہ بولی تیار ہو جاؤ میں اس کے ساتھ اس کے گھر گیا تب اس نے میرے آگے روٹی اور کھجور، گھی لا کر رکھا اور کہا کھاؤ ابو العباس مجھے میرے نانا جان نے اس کا حکم فرمایا ہے اور تمہیں جب بھی بھوک لگے تم میرے پاس آ جانا۔

علامہ سمہودی نے اس حکایت کے بعد ابو سلیمان داؤد سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے مواقع میں جس کو کسی کی میزبانی وغیرہ کا حکم فرماتے ہیں وہ آپ کی ذریات طیبات ہی میں سے ہوتا ہے۔ خاص کر جب کسی کو کوئی کھانا کھلانا منظور ہوتا ہے۔ کیونکہ شریف لوگوں سے جب کوئی کھانا چاہتا ہے تو وہ اس سلسلہ میں اپنے ہی سے پہل کرتے ہیں لہٰذا آپ جو کہ سید الاشراف ہیں آپ کے حسن خلق کا بھی یہی تقاضا ہے کہ آپ کی ذریت ہی میزبانی کے فرائض انجام دے۔

اللہ تعالیٰ ان بزرگان دین کے طفیل میں ہمیں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور آپ کی سنت کا اتباع نصیب فرمائیں۔ آمین بجاہ النبی الامین۔

(گوہر مقصود۔ از: حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب رومی مدظلہ العالی)

مفتی شہر آگرہ۔ ہند

نعتیہ کلام

بحضورِ سیّدالمرسلین

صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

بحضورِ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

مَیں ہر آستاں چھوڑ کر آ گیا ہُوں
مُواجہ پہ باچشمِ تر آ گیا ہُوں

رسالت پناہا! نبُوّت کُلاہا!
اِک اُمّیدوارِ نظر آ گیا ہُوں

زمانے نے روکا، مصائب نے ٹوکا
زیارت کی خاطر مگر آ گیا ہُوں

مَحبّت کی شِدّت مجھے کھینچ لائی
عِقیدت کے پیشِ نظر آ گیا ہُوں

اِلیٰ اَصْلِہٖ یَرْجِعُ کُلُّ شَیٍٔ
مَیں بھُولا ہُوا اپنے گھر آ گیا ہُوں

مری راہ میں گرچہ حائل تھے دریا
خُدا کی قسم بے خطَر آ گیا ہُوں

مَحبّت کے سِکّے، عقیدت کی نقدی
یہی لے کے زادِ سفر آ گیا ہُوں

مرے پاس تک آ سکے گی نہ دُنیا
قریب آپؐ کے اِس قدر آ گیا ہُوں

مری زندگی ہو رہی ہے نچھاور
جو روضے پہ میں لمحہ بھر آ گیا ہُوں

مجھے لوگ کہتے ہیں مقبولِ احمد
اِس ارماں اِس اُمّید پر آ گیا ہُوں

○

۵۲ - ۱۹۵۱ء

---

* سیّد نفیس الحسینی کے خاندان کے بزرگ عارفِ ربّانی صوفی سیّد شاہ مقبول احمد (م ۱۹۷۸ء) نے ۱۹۶۳ء میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ اطہر پر پہلی حاضری کے وقت یہ نعت پیش کی (مرتّب)

مثنوی مولانا جامی علیہ الرحمۃ

ماخوذ فضائل درود شریف از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ

لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا جامی نور اللہ مرقدہٗ یہ "نعت" کہنے کے بعد..... جب ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے..... تو اُن کا ارادہ یہ تھا.... کہ روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر اس نظم کو پڑھیں گے..... جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا.... تو امیر مکہ کو خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم زیارت ہوئی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کہ اس کو (جامی کو) مدینہ نہ آنے دیں..... امیر مکہ نے ممانعت کر دی.... مگر اُن پر جذب و شوق اس قدر غالب تھا کہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیئے..... امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا.... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وہ آ رہا ہے اُس کو یہاں نہ آنے دو۔ امیر نے آدمی دوڑائے اور اُن کو راستے سے پکڑوا کر بلایا .....اُن پر سختی کی اور جیل خانہ میں ڈال دیا.... اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کوئی مجرم نہیں بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آ کر میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے لئے ہاتھ نکلے گا۔

اس پر اُن کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز و اکرام کیا گیا۔ (نعتیہ اشعار یہ ہیں)

زمہجوری برآمد جانِ عالم	ترحم یا نبی اللہ ترحم

آپ کے فراق سے کائنات عالم کا ذرہ ذرہ جاں بلب ہے اور دم توڑ رہا ہے۔

اے رسول خدا! نگاہ کرم فرمایئے اے ختم المرسلین رحم فرمایئے

نہ آخر رحمۃٌ للعالمینی	زمحروماں چرا غافل نشینی

آپ یقیناً رحمۃ للعالمین ہیں ہم حرماں نصیبوں اور ناکامان قسمت سے آپ کیسے تغافل فرما سکتے ہیں۔

زخاک اے لالۂ سیراب برخیز	چو نرگس خواب چند از خواب برخیز

اے لالۂ خوش رنگ اپنی شادابی اور سیرابی سے عالم کو مستفید فرمایئے اور خواب نرگسیں سے بیدار ہو کر ہم محتاجان ہدایت کے قلوب کو منور فرمایئے

اے بسرا پردۂ یثرت بخواب   خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

بروں آور سر از برد یمانی	کہ روئے تست صبح زندگانی

اپنے سر مبارک کو یمینی چادروں کے کفن سے باہر نکالئے کیونکہ آپ کا روئے انور صبح زندگانی ہے۔

شب اندوہ مارا روز گرداں	ز رویت روز ما فیروز گرداں

ہماری غمناک رات کو دن بنا دیجئے اور اپنے جمال جہاں آرا سے ہمارے دن کو فیروز مندی و کامیابی عطا کر دیجئے۔

بہ تن در پوش عنبر بوئے جامہ	بسر بربند کافوری عمامہ

جسم اطہر پر حسب عادت عنبر بیز لباس آراستہ فرمایئے اور سفید کافوری عمامہ زیب سر فرمایئے۔

فرود آویز از سر گیسواں را	فگن سایہ بپا سرو رواں را

اپنی عنبر بار و مشکیں زلفوں کو سر مبارک سے لٹکا دیجئے تاکہ اُن کا سایہ آپ کے بابرکت قدموں پر پڑے (کیونکہ مشہور ہے کہ قامت اطہر و جسم انور کا سایہ نہ تھا لہٰذا گیسوئے شبگوں کا سایہ ڈالئے)

ادیم طائفے نعلین پا کن	شراک از رشتۂ جانہائے ما کن

حسب دستور طائف کے مشہور چمڑے کی مبارک نعلین (پاپوش) پہنئے اور اُن کے تسمے اور پٹیاں ہمارے رشتہ جاں سے بنایئے۔

جہانے دیدہ کردہ فرش راہ اند	چو فرش اقبال پابوس تو خواہند

تمام عالم اپنے دیدہ و دل کو فرش راہ کئے ہوئے اور بچھائے ہوئے ہے اور فرش

زمین کی طرح آپ کی قدم بوسی کا فخر حاصل کرنا چاہتا ہے۔

زحجرہ پائے در صحنِ حرم نہ	بفرقِ خاکِ رہ بوسَاں قدم نہ

حجرۂ شریف یعنی گنبد خضراء سے باہر آ کر صحن حرم میں تشریف رکھئے۔ راہ مبارک کے خاک بوسوں کے سر پر قدم رکھئے۔

بدہ دستی زپا افتادگاں را	بکن دلدارئیے دلدادگاں را

عاجزوں کی دستگیری بے کسوں کی مدد فرمایئے اور مخلص عشاق کی دلجوئی و دلداری کیجئے۔

اگرچہ غرقِ دریائے گناہم	فتادہ خشک لب خاکِ راہم

اگرچہ ہم گناہوں کے دریا میں از سرتا پا غرق ہیں لیکن آپ کی راہ مبارک پر تشنہ وخشک لب پڑے ہیں۔

تو ابرِ رحمتی آں بہ کہ گاہے	کنی بر حالِ لب خشکاں نگاہے

آپ ابر رحمت ہیں شایان شان گرامی ہے کہ پیاسوں اور تشنہ لبوں پر ایک نگاہ کرم بار ڈالی جائے۔

(اب اگلے اشعار کے ترجمہ سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اکثر حضرات کا تو خیال ہے کہ حضرت جامی رحمہ اللہ یہاں سے زمانہ گزشتہ کی زیارت مقدسہ کا حال بیان فرماتے ہیں اور بعض کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ آئندہ کے لئے تمنا فرما رہے ہیں۔ حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کا رجحان اسی طرف ہے اسی لئے اب ترجمہ میں اس کی رعایت کی جائے گی)

خوشا کز گردِ رہ سویت رسیدیم	بدیدہ گرد از کویت کشیدیم

ہمارے لئے کیسا اچھا وقت ہوتا کہ ہم گرد راہ سے آپ کی خدمت گرامی میں پہنچ جاتے اور آنکھوں میں آپ کے کوچۂ مبارک کی خاک کا سرمہ لگاتے۔

وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم　　　خاک در رسول کا سرمہ لگائیں ہم

بمسجد سجدۂ شکرانہ کردیم	چراغت را زجاں پروانہ کردیم

مسجد نبوی میں دوگانۂ شکر ادا کرتے.... سجدۂ شکر بجا لاتے.... روضۂ اقدس کی

شمع روشن کا اپنی جان حزیں کو پروانہ بناتے۔

بگردِ روضہ ات گشتیم گستاخ	دلم چوں پنجرہ سُوراخ سُوراخ

آپ کے روضۂ اطہر اور گنبد خضراء کے اس حال میں مستانہ اور بیتابانہ چکر لگاتے کہ دل صدمہائے عشق اور وجور شوق سے پاش پاش اور چھلنی ہوتا ہے۔

زدیم از اشک ابرِ چشم بے خواب	حریم آستانِ روضہ ات آب

حریم قدس اور روضۂ پرنور کے آستانۂ محترم پر اپنی بے خواب آنکھوں کے بادلوں سے آنسو برساتے اور چھڑکاؤ کرتے۔

گہے رفتیم زاں ساحت غبارے	گہے چیدیم زو خاشاک و خارے

کبھی صحن حرم میں جھاڑو دے کر گرد و غبار کو صاف کرنے کا فخر اور کبھی وہاں کے خس وخاشاک کو دور کرنے کی سعادت حاصل کرتے۔

ازاں نورِ سوادِ دیدہ دادیم	وزیں بر ریش دل مرہم نہادیم

گو گرد و غبار سے آنکھوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ مگر ہم اس سے مردمک چشم کے لئے سامان روشنی مہیا کرتے اور گو خس وخاشاک زخموں کے لئے مضر ہے مگر ہم اس کو جراحت دل کے لئے مرہم بناتے۔

بسوئے منبرت رہ بر گرفتیم	زچہرہ پایہ اش در زر گرفتیم

آپ کے منبر شریف کے پاس جاتے اور اس کے پائے مبارک کو اپنے عاشقانہ زرد چہرے سے مل مل کر زرین وطلائی بناتے۔

زمحرابت بسجدہ کام جستیم	قدم گاہت بخون دیدہ شستیم

آپ کے مصلائے مبارک ومحراب شریف میں نماز پڑھ پڑھ کر تمنائیں پوری کرتے اور حقیقی مقاصد میں کامیاب ہوتے اور مصلے میں جس جائے مقدس پر

آپ کے قدم مبارک ہوتے تھے اُس کو شوق کے اشک خونیں سے دھوتے۔

بپلئے ہر ستوں قد راست کردیم	مقامِ راستاں درخواست کردیم

آپ کی مسجد اطہر کے ہر ستون کے پاس ادب سے سیدھے کھڑے ہوتے اور صدیقین کے مرتبہ کی درخواست و دُعا کرتے۔

زداغِ آرزو یت بادلِ خوش	زدیم از دل بہر قندیل آتش

آپ کی دل آویز تمناؤں کے زخموں اور دل نشین آرزوؤں کے داغوں سے (جو ہمارے دل میں ہیں) انتہائی مسرت کے ساتھ ہر قندیل کو روشن کرتے۔

کنوں گرتن نہ خاکِ آں حریم است	بحمداللہ کہ جاں آں جا مقیم است

اب اگر چہ میرا جسم اس حریم انور و شبستانِ اطہر میں نہیں ہے لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ روح وہیں ہے۔

بخود درماندہ ام از نفس خود رائے	ببیں درماندۂ چندیں بجشائے

میں اپنے خود بین و خود رائے نفس امارہ سے سخت عاجز آ چکا ہوں ایسے عاجز و بیکس کی جانب التفات فرمایئے اور بخشش کی نظر ڈالئے۔

اگر نبود چو لطفت دست یارے	زدستِ ما نیاید ہیچ کارے

اگر آپ کے الطاف کریمانہ کی مدد شامل حال نہ ہو گی تو ہم عضو معطل و مفلوج ہو جائیں گے اور ہم سے کوئی کام انجام نہ پا سکے گا۔

قضا می افگند از راہ مارا	خدا را از خدا درخواہ مارا

ہماری بدبختی ہمیں صراط مستقیم و راہ خدا سے بھٹکا رہی ہے۔ خدا را ہمارے لئے خداوند قدوس سے دُعا فرمایئے۔

کہ بخشد از یقیں اوّل حیاتے	دہد آنگہ بکارِ دیں ثباتے

(یہ دُعا فرمایئے) کہ خداوند قدوس اولاً ہم کو پختہ یقین اور کاملِ اعتقاد کی عظیم الشان

بحضورِ ساقیِ کوثر

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اللہ اللہ ! محمّد ترا نام اے ساقی
اَن گِنت تجھ پہ دُرود اور سلام اے ساقی

بعد اللہ کے ہے تیرا مقام اے ساقی
کِس کی جُرأت ہے کرے اِس میں کلام اے ساقی

از اَزل تا بہ اَبد تیری ہی سرداری ہے
سیّدُ الکُل ہے تُو، ہے سبکا اِمام اے ساقی

تجھ پہ اللہ کی رحمت کا ہے سایہ ہردَم
کُل جہاں پر تری رحمت ہے مُدام اے ساقی

فرشیوں پر تو عنایات کی کچُھ حد ہی نہیں
عرشیوں پر بھی ترا فیض ہے عام اے ساقی

واسطہ تجھ کو براہیم کی فرزندی کا
ایک کوثر کا چھلکتا ہُوا جام اے ساقی

آلِ اَطہار کے صدقے ہو عطا اِک ساغر
اِک پیالہ پئے اصحابِ کرام اے ساقی

خستہ جانوں سے کوئی پُوچھے حلاوت اِس کی
راحتِ جان و جگر ہے ترا نام اے ساقی

کبھی تنہائی میں محسوس کیا کرتا ہُوں
صحنِ دِل میں ترا آہستہ خرام اے ساقی

مہ جبیں لاکھ سہی شہرۂ آفاق مگر
اُن کے حلقے میں ہے تُو ماہِ تمام اے ساقی

نازنیں ایک سے اِک بڑھ کے جہاں میں آئے
ہے تری ذات مگر مِسک خِتام اے ساقی

وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ہے خُدا کا اِرشاد
ہے اُفق تا بہ اُفق تیرا پیام اے ساقی

مِٹنے والے ہیں سبھی نقش جہانداروں کے
نقش ہے تیرا فقط نقشِ دوام اے ساقی

تجھ پہ اللہ کا اور اُس کے فرشتوں کا سلام
ہم غلاموں کی بھی جانب سے سلام اے ساقی

سوچتا ہُوں غمِ دِل عرض کرُوں یا نہ کرُوں
اِن دِنوں فکر سے ہے جِینا حرام اے ساقی

خوار ہے عالَمِ اِسلام نصاریٰ کے تلے
آج اُمّت کا دِگرگوں ہے نِظام اے ساقی

سراپائے اقدس

صلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ وآلہٖ وسلم

اے رسولِ امیں، خاتمُ المرسلیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا بصدق ویقیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

اے براہیمی و ہاشمی خوش لقب، اے تو عالی نسب، اے تو والا حسب
دودمانِ قریشی کے دُرِّ ثمیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

دستِ قدرت نے ایسا بنایا تجھے، جملہ اوصاف سے خود سجایا تجھے
اے ازل کے حسیں، اے ابد کے حسیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

بزمِ کونین پہلے سجائی گئی، پھر تری ذات منظر پہ لائی گئی
سیّدُ الاوّلیں، سیّدُ الآخریں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

تیرا سکّہ رواں کُل جہاں میں ہُوا، اِس زمیں میں ہُوا، آسماں میں ہُوا
کیا عرب، کیا عجم، سب ہیں زیرِ نگیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

تیرے انداز میں وسعتیں فرش کی، تیری پرواز میں رفعتیں عرش کی
تیرے انفاس میں خُلد کی یاسمیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

"سدرۃ المنتہیٰ" رہگزر میں تری، "قابَ قوسین" گردِ سفر میں تری
تو ہے حق کے قریں، حق ہے تیرے قریں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

کہکشاں ضَو ترے سَر مدی تاج کی، زُلفِ تاباں حَسیں رات معراج کی
"لَیلَۃُ القَدر" تیری مُنوّر جبیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

مُصطفےٰ مُجتبیٰ، تیری مدح و ثنا، میرے بس میں نہیں، دَسترس میں نہیں
دِل کو ہمّت نہیں، لَب کو یارا نہیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

کوئی بتلائے کیسے سَراپا لکھوں، کوئی ہے! وہ کہ مَیں جس کو تجھ سا کہوں
توبہ توبہ! نہیں کوئی تجھ سا نہیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

چار یاروں کی شانِ جلی ہے بھلی، ہیں یہ صِدّیقؓ، فاروقؓ، عثمانؓ، علیؓ
شاہدِ عَدل ہیں یہ ترے جانشیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

اے سراپا نفیس اَنفَسِ دو جہاں، سَرورِ دلبَراں دلبرِ عاشقاں
ڈھونڈتی ہے تجھے میری جانِ حزیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

(۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء)

یہی بات کہنے کو جی چاہتا ہے
مدینے میں رہنے کو جی چاہتا ہے

زندگی بخشے اور پھر احکام دین میں مکمل استقلال اور پوری ثابت قدمی عطا فرمائے۔

چو ہولِ روزِ رُستا خیز خیزد	بآتش آبروئے ما نریزد

جب قیامت کی حشر خیزیاں اور اُس کی زبردست ہولناکیاں پیش آئیں تو مالک یوم الدین، رحمٰن ورحیم ہم کو دوزخ سے بچا کر ہماری عزت بچائے۔

کند با ایں ہمہ گمراہیٔ ما	ترا اذنِ شفاعت خواہیٔ ما

اور ہماری غلط روی اور صغیرہ وکبیرہ گناہوں کے باوجود آپ کو ہماری شفاعت کے لئے اجازت مرحمت فرمائے کیونکہ بغیر اس کی اجازت، شفاعت نہیں ہوسکتی ہے۔

چو چوگاں سر فگندہ آوری روئے	بمیدانِ شفاعت امتی گوئے

ہمارے گناہوں کی شرم سے آپ سرخمیدہ چوگاں کی طرح میدان شفاعت میں سر جھکا کر (نفسی نفسی نہیں بلکہ) یَا رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فرماتے ہوئے تشریف لائیں۔

بحسنِ اہتمامت کارِ جامی	طفیلِ دیگراں یابد تمامی

آپ کے حسن اہتمام اور سعی جمیل سے دوسرے مقبول بندگان خدا کے صدقہ میں غریب جامی کا بھی کام بن جائے گا۔

شنیدم کہ در روز امید وبیم   بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

(اُردو ترجمہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ)

یا رسُولَ اللہ صلی اللہ علیک وسلم

یہ درماندہ مواجہ شریف پر حاضرِ خدمت اقدس ہُوا تو فوراً ہی ایک
شعر وارد ہوگیا۔ بعد میں تدریجاً مدینہ منورہ ہی میں اور شعر بھی ہوگئے
آخری شعر رخصت کے وقت ہُوا ——— نفیسؔ

عطا قدموں میں ہو دائِم حضُوری ، یا رسُول اللہؐ
ہے اب ناقابلِ برداشت دُوری ، یا رسُول اللہؐ

عنایت ہو اگر اِک لمحہ ، اپنی خاص خلوَت کا
مجھے اِک عرض کرنی ہے ضروری ، یا رسُول اللہؐ

اجازت ہو تو کچھ حشمانِ تر سے بھی بیاں کر لوں
ابھی ہے داستانِ غم ادُھوری ، یا رسُول اللہؐ

مِری غایت تمنّا ہے ، درِ اَقدس کی دَربانی
زہے عِزّت ، اگر ہو جائے پُوری ، یا رسُول اللہؐ

مدینے ہی میں آکر راحت و تسکین پاتی ہے
دلِ فُرقت زدہ کی ناصبُوری ، یا رسُول اللہؐ

دمِ رُخصت نفیسؔ اشکوں سے تر ہے رحم فرماؤ
خُدارا اِک جھلک ہلکی سی ، نُوری ، یا رسُول اللہؐ

(صلی اللہ علیٰ خیرِ خلقہٖ محمّد وآلہٖ وسلم)

پہلی حاضری : جمعرات یکم ذوالحجہ ۱۴۰۳ھ ۸ ستمبر ۱۹۸۳ء

نگہِ لُطف غریبوں پہ خُدارا ہو جائے
پھر سنْور جائے یہ بگڑا ہُوا کام اے ساقی

دِل مرا ڈُوب رہا ہے کہ تہی دامن ہُوں
ہونے والی ہے اُدھر زیست کی شام اے ساقی

ایک اُمّیدِ شفاعت ہے فقط زادِ سفر
جس سے ہمّت سی ہے کُچھ گام بہ گام اے ساقی

لاج رکھنا، کہ ترے رحم و کرم پر ہے نفیسؔ
ہے ترے در کا غلام ابنِ غلام اے ساقی

○

(مدینۃ المنوّرۃ : ذوالحجہ ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء)

فخرِ بشر فخرِ رُسُل اور حاملِ دینِ ہُدےٰ
ہے مرکزِ مہر و وفا، نُورِ محمد مصطفٰے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم موتی

دُنیا سیپ ، محمد موتی ؛ صلی اللہ علیہ وسلم
اُس بن دُنیا کیسی ہوتی ؟ صلی اللہ علیہ وسلم

مقصودِ کونین محمد ، مطلوبِ دارین محمد
اُس بن دُنیا کیسے ہوتی ؟ صلی اللہ علیہ وسلم

گر نہ ہوتا آمنہ جایا ، خلقت کا غم کھانے والا
خلقت میٹھی نیند نہ سوتی ؛ صلی اللہ علیہ وسلم

زہراؓ کا دِل غم کا مارا ، ہجرِ نبیؐ میں پارہ پارہ
گم سم آنسو ہار پروتی ؛ صلی اللہ علیہ وسلم

ساجن بِن سُکھ چین نہ آوے ، یاد اُس کی دِن رین ستاوے
دِل تڑپے ہے ، آنکھیں روتی ؛ صلی اللہ علیہ وسلم

کاش مرے محبوب کی دھرتی ، مُجھ پہ نفیس یہ شفقت کرتی
اپنے اَندر مجھ کو سموتی ؛ صلی اللہ علیہ وسلم

یکم شعبان ۱۴۱۲ھ (۱۹۹۲ء)

لاکھوں سلام

تاجدارِ نبوّت پہ لاکھوں سلام — شہر یارِ نبوّت پہ لاکھوں سلام
سیّدُ الاوّلیں، سیّدُ الآخریں — نامدارِ نبوّت پہ لاکھوں سلام
فخرِ اولادِ آدمؑ پہ اربوں درود — اِفتخارِ نبوّت پہ لاکھوں سلام
وُہ براہیمی و ہاشمی خُوش نسب — شاہوارِ نبوّت پہ لاکھوں سلام
وُہ جب آئے جہاں میں بہار آگئی — نو بہارِ نبوّت پہ لاکھوں سلام
جلوہ گاہِ محمّد، وُہ غارِ حرا — جلوہ زارِ نبوّت پہ لاکھوں سلام
جبرئیلؑ امیں، مرحبا مرحبا — راز دارِ نبوّت پہ لاکھوں سلام
نُور پاشِ رسالت پہ دائم درود — نُور بارِ نبوّت پہ لاکھوں سلام
کعبۃ اللہ حصنِ حصینِ یتیم — سایہ دارِ نبوّت پہ لاکھوں سلام
وُہ جو فاران کی چوٹیوں سے اُٹھا — شہسوارِ نبوّت پہ لاکھوں سلام
ہر نبیؑ کی رِسالت ہوئی مُعتبر — اعتبارِ نبوّت پہ لاکھوں سلام
جس پہ ختمِ نبوّت کا دار و مدار — اُس مدارِ نبوّت پہ لاکھوں سلام

رُوکشِ حُسنِ یُوسفؑ ہے جس کا جمال | اُس نگارِ نبُوّت پہ لاکھوں سلام
سِدرۃُ المُنتہیٰ جس کی گردِ سفر | راہوارِ نبُوّت پہ لاکھوں سلام
بدر میں تو نزُولِ ملائک ہُوا | کارزارِ نبُوّت پہ لاکھوں سلام
کیا کہوں جو اُحُد سے محبّت رہی | کوہسارِ نبُوّت پہ لاکھوں سلام
وہ جو پائے مُبارک کی زینت رہا | اُس غُبارِ نبُوّت پہ لاکھوں سلام
کوئی دیکھے رفاقت ابُوبکرؓ کی | یارِ غارِ نبُوّت پہ لاکھوں سلام
اللہ اللہ! فارُوقؓ کا دبدبہ | ذی وقارِ نبُوّت پہ لاکھوں سلام
بہرِ عُثمانؓ رِضواں کی بیعت ہُوئی | جاں نثارِ نبُوّت پہ لاکھوں سلام
مُرتضیٰؓ بابِ شہرِ عُلُومِ نبیؐ | شاہکارِ نبُوّت پہ لاکھوں سلام
جس کے دو پھُول پیارے حسنؓ اور حُسینؓ | شاخسارِ نبُوّت پہ لاکھوں سلام
ہر صحابیؓ نبیؐ پر تصدّق رہا | جاں سپارِ نبُوّت پہ لاکھوں سلام
ساری اُمّت پہ ہوں اَن گنت رحمتیں | پاسدارِ نبُوّت پہ لاکھوں سلام

جس کو ترسا کیے چشم و دِل اے نفیسؔ
اُس دیارِ نبُوّت پہ لاکھوں سلام

○

(۲۰ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ / ۲۷ مئی ۱۹۹۷ء)

سَلام بحضورِ خیر الانام صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

اِلٰہی ! محبُوبِ کُل جہاں کو ، دِل و جگر کا سلام پہنچے
نفَس نفَس کا دُرُود پہنچے ، نظَر نظَر کا سلام پہنچے

بِساطِ عالَم کی وُسعتوں سے ، جہانِ بالا کی رِفعتوں سے
مَلک مَلک کا درُود اُترے ، بَشر بَشر کا سلام پہنچے

حُضوؐر کی شام شام مہکے ، حُضوؐر کی رات رات جاگے
مَلائکہ کے حَسِیں جِلَو میں ، سَحر سَحر کا سلام پہنچے

زبانِ فِطرت ہے اِس پہ ناطِق ، ببارگاہِ نبیِّ صادق
شَجر شَجر کا دُرُود جائے ، حَجر حَجر کا سلام پہنچے

رسُولِ رحمت کا بارِ احساں ، تمام خلقت کے دوش پر ہے
تو ایسے محسن کو بستی بستی ، نگر نگر کا سلام پہنچے

مرا قلم بھی ہے اُن کا صدقہ ، مرے ہنر پر ہے اُن کا سایہ
حضورِ خواجہ، مرے قلم کا ، مرے ہنر کا سلام پہنچے

یہ التجا ہے کہ روزِ محشر ، گناہگاروں پہ بھی نظر ہو
شفیعِ اُمت کو ہم غریبوں کی چشمِ تر کا سلام پہنچے

نفیس کی بس دُعا یہی ہے ، فقیر کی اب صدا یہی ہے
سوادِ طیبہ میں رہنے والوں کو عمر بھر کا سلام پہنچے

صلّی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم

○

شبِ عاشورہ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ / ۱۴ جون ۱۹۹۷ء

ببارگاہِ رسالت

گردن جھکی ہوئی عجز سے آنکھیں ہوئی ہیں فرشِ راہ
دل نے کہا بے ساختہ صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

چھا رہی ہے گھٹا مدینے کی

چھا رہی ہے گھٹا مدینے کی
آ گئی رُت پلانے پینے کی

نہیں حسرت زیادہ جینے کی
زندگی چاہیے قرینے کی

زندگی اُس کی، موت اُس کی ہے
خاک ہو جائے جو مدینے کی

رات دن شغلِ بادہ خواری ہے
رمضاں عید ہے مہینے کی

مئے افرنگ میں وہ بات کہاں
لا مرے واسطے مدینے کی

ساقیا چھوڑ ساغر و مینا
اب پلا دل کے آبگینے کی

ختم ہے سلسلہ نبوّت کا
مُہر ہے ہاشمی نگینے کی

ہفت اقلیم سے ہے بیش بہا
خاک چٹکی سی اِک مدینے کی

ہفت قلزم کے موتیوں سے گراں
بُوند اِک اِک ترے پسینے کی

ننگِ اولادِ مصطفٰے ہے نفیس
لاج رکھ لے خدا کمینے کی

○

ربیع الاول ۱۴۱۵ھ (۱۹۹۴ء)

لب پر درود

لب پر درود، دل میں خیالِ رسولؐ ہے
اب میں ہوں اور کیفِ وصالِ رسولؐ ہے

دائم بہارِ گلشنِ آلِ رسولؐ ہے
سینچا گیا لہو سے نہالِ رسولؐ ہے

حُسنِ حسنؓ کو دیکھ، حُسینِ حسینؓ کو دیکھ
دونوں میں جلوہ ریز جمالِ رسولؐ ہے

بُوبکرؓ ہوں، عمرؓ ہوں، وہ عثمانؓ ہوں یا علیؓ
چاروں سے آشکار کمالِ رسولؐ ہے

اسلام نے غلام کو بخشی ہیں عظمتیں
سردارِ مومنین، بلالؓ رسولؐ ہے

ہاں نقشِ پائے ختمِ رُسُل میرا تخت ہے
اور سر کا تاج خاکِ نعالِ رسولؐ ہے

جامِ جم اُس کے سامنے کیا چیز ہے نفیسؔ
جس کو نصیب جامِ سفالِ رسولؐ ہے

(شوال المکرم ۱۴۱۷ھ / ۱۹۹۷ء)

اَرمغانِ مدینہ

مَست بادل سَرِ کہسار نظر آتے ہیں
فضلِ باری سے گرانبار نظر آتے ہیں
یہ جو صحرا ، گُل و گُلزار نظر آتے ہیں
تیری رحمت ہی کے آثار نظر آتے ہیں
رشکِ صد یُوسفِ کنعاں ہے مدینے کا نگار
دو جہاں طالبِ دیدار نظر آتے ہیں
تاج ہے ختمِ نبوُّت کا سرِ اَقدس پر
گِرد انوار ہی انوار نظر آتے ہیں
آج حسرت کی ہے تصویر قبُا کی مسجد
سُونے سُونے دَر و دیوار نظر آتے ہیں
اِن سیہ فام فقیروں کو حقارت سے نہ دیکھ
مجُھ کو یہ صاحبِ اَسرار نظر آتے ہیں

رِند تو رِند ہیں زمزم کی صَبُوحی پی کر
زاہدِ خشک بھی سرشار نظر آتے ہیں

حلقِ ناموسِ محمّد پہ کٹانے والے
کچھ جو ہیں تو یہی احرار[1] نظر آتے ہیں

جذبِ کامِل ہو تو مِلتا ہے حضوری کا شرف
چشمِ ظاہر سے بھی سرکارؐ نظر آتے ہیں

بختِ بیدار مبارک ہو اُنھیں، جن کو نفیسؔ
خواب میں سیّدِ ابرارؐ نظر آتے ہیں

○

یہ اشعار ذوالحجہ ۱۴۰۳ھ (ستمبر ۱۹۸۳ء) میں پہلے سفرِ حج کے دوران میں مدینہ منورہ سے مکّہ معظّمہ جاتے ہوئے کہے گئے۔

[1] احرار : تحفّظِ ختمِ نبوّت کے لیے اپنی زندگیاں لُٹانے والے مجلسِ احرارِ اسلام کے سرفروش جانباز کارکن۔ (مرتّب)

خاص اپنے در کا رکھّا تُو نے اے مَولا مجُھے
یُوں نہیں دَر دَر پھرایا، مَیں تو اِس قابِل نہ تھا

میری کوتاہی کہ تیری یاد سے غافِل رہا
پَر نہیں تُو نے بھُلایا، مَیں تو اِس قابِل نہ تھا

مَیں کہ تھا بے راہ تُو نے دستگیری آپ کی
تُو ہی مجُھ کو رہ پہ لایا، مَیں تو اِس قابِل نہ تھا

عہد جو رُوزِ ازل تجُھ سے کیا تھا یاد ہے
عہد وُہ کِس نے نِبھایا، مَیں تو اِس قابِل نہ تھا

تیری رحمت، تیری شفقت سے ہُوا مجُھ کو نصِیب
گُنبدِ خضرا کا سایا، مَیں تو اِس قابِل نہ تھا

مَیں نے جو دیکھا سو دیکھا جلوہ گاہِ قُدس میں
اَور جو پایا سو پایا، مَیں تو اِس قابِل نہ تھا

بارگاہِ سیّدِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آ کر نفیسؔ
سوچتا ہُوں، کیسے آیا؟، مَیں تو اِس قابِل نہ تھا

(۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلوا علیہ وآلہٖ

اُمیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی اُمید ہے یہ
کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شُمار

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں
مَروں تو کھائیں مدینے کے مجھ کو مور و مار

اُڑا کے بادِ مری مُشتِ خاک کو پسِ مرگ
کرے حُضُور کے روضے کے آس پاس نثار

اقتباس قصیدۂ بہاریہ حُجۃ الاسلام نانوتوی

ماخوذ فضائل درود شریف از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ

مدفون جنت البقیع المتوفی ۲۹ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ ۲۴ مئی ۱۹۸۲ء دوشنبہ بعد عصر

کتبہ الفقیر نفیس الحسینی ۱۴۰۲ھ

انوارِ مدینہ

اللہ رے یہ وُسعتِ آثارِ مدینہ
عالم میں ہیں پھیلے ہُوئے انوارِ مدینہ

روشن رہیں دائم دَر و دیوارِ مدینہ
تا حشر رہے گرمیٔ بازارِ مدینہ

ہے شہرِ نبیؐ آج بھی فردوس بَداماں
جاری ہے وُہی موسمِ گُلبارِ مدینہ

پھرتے ہیں تصوُّر میں وہ پُرکیف مناظر
تا حدِّ نظر ہیں گُل و گُلزارِ مدینہ

جس قلب میں یارانِ نبیؐ کی ہو عقیدت
کُھلتے ہیں اُسی قلب پہ اَسرارِ مدینہ

مَعمُور صحابہؓ کی محبّت سے رہے گا
وہ سینہ کہ ہے مہبطِ انوارِ مدینہ

وہ آلِ محمّد ہوں کہ اصحابِ محمّدؐ
ہیں زینتِ دربارِ دُرربارِ مدینہ

نِسبت نہیں شاہوں سے نفیسؔ اہلِ نظر کو
کافی ہے اُنھیں نسبتِ سرکارِ مدینہ

○

(۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء)

مَیں تو اِس قابِل نہ تھا

۱۴۰۹ھ میں حج بیت اللہ شریف سے فراغت کے بعد کچھ
اشعار حرمِ پاک میں اور کچھ جدہ میں ہُوئے ——— نفیسؔ

شُکر ہے تیرا خُدایا، مَیں تو اِس قابِل نہ تھا
تُو نے اپنے گھر بُلایا، مَیں تو اِس قابِل نہ تھا
اپنا دِیوانہ بنایا، مَیں تو اِس قابِل نہ تھا
گِرد کعبے کے پِھرایا، مَیں تو اِس قابِل نہ تھا
مُدّتوں کی پیاس کو سَیراب تُو نے کر دِیا
جام زَمزم کا پِلایا، مَیں تو اِس قابِل نہ تھا
ڈال دی ٹھنڈک مِرے سینے میں تُو نے ساقیا
اپنے سینے سے لگایا، مَیں تو اِس قابِل نہ تھا
بھا گیا میری زباں کو ذِکر اِلاَّ اللہ کا
یہ سَبق کِس نے پڑھایا، مَیں تو اِس قابِل نہ تھا

صحنِ حرم میں

گورے آتے ہیں، کالے آتے ہیں
سب یہاں بخت والے آتے ہیں
صبحِ صادق کی طرح سے اوڑھے
نوری نوری دوشالے آتے ہیں
یہ کفن پوش، پیکرِ تسلیم
گردنیں اپنی ڈالے آتے ہیں
اپنا سب کچھ نثار کرنے کو
مصطفےٰؐ کے جیالے آتے ہیں
چھاؤنی بن گیا ہے صحنِ حرم
عاشقوں کے رسالے آتے ہیں
اپنے اپنے گھروں سے دیوانے
بے خودی کے نکالے آتے ہیں

درِ جاناں پہ چھوڑنے کے لیے
دِل جلے لے کے چھالے آئے ہیں

اللہ اللہ! جمالِ محملِ دوست
تیرگی میں اُجالے آئے ہیں

مالکِ الملک! اے رحیم و کریم
تیری شفقت کے پالے آئے ہیں

چشمِ نادم برس رہی ہے نفیسؔ
خشک ہونٹوں پہ نالے آئے ہیں

○

صحن حرم النبوی صلی اللہ علیہ وسلم
(ذوالحجہ ۱۴۰۳ھ / ستمبر ۱۹۸۳ء)

بلغ العلیٰ بکمالہ   کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ   صلوا علیہ وآلہ

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اُس کی
کہ جس پہ ایسا تری ذاتِ خاص کا ہو پیار

جو تُو اُسے نہ بناتا تو سارے عالم کو
نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زِنہار

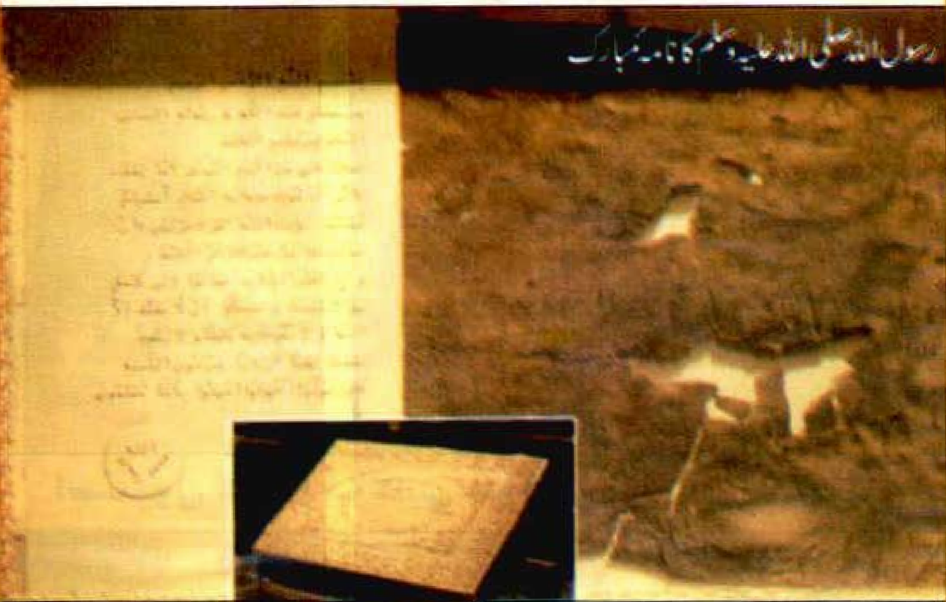
کہاں وہ رُتبہ کہاں عقلِ نارسا اپنی
کہاں وہ نُورِ خُدا اور کہاں یہ دیدۂ زار

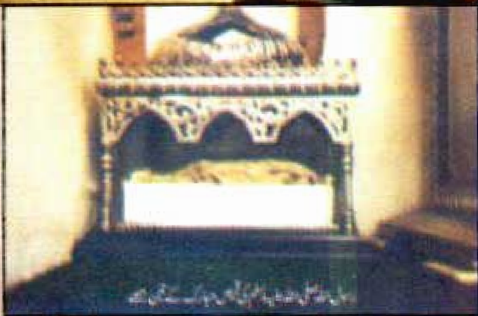
چراغِ عقل ہے گُل اُس کے نُور کے آگے
زباں کا مُنہ نہیں جو مدح میں کرے گُفتار

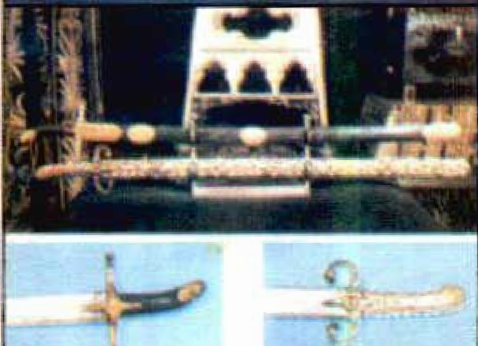
اقتباس قصیدہ قاسمی بعد تلخیص سنہ ۱۴۰۱ھ

تمت بحمد اللہ

تبرکات

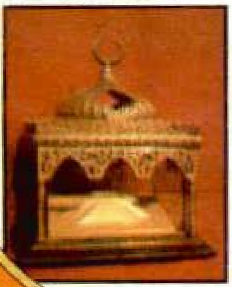
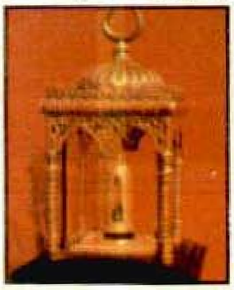
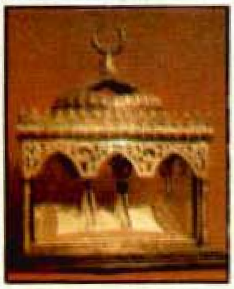
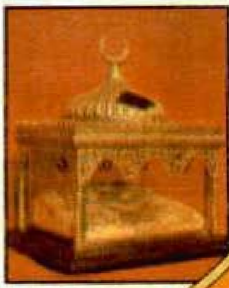








رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ذوالفقار

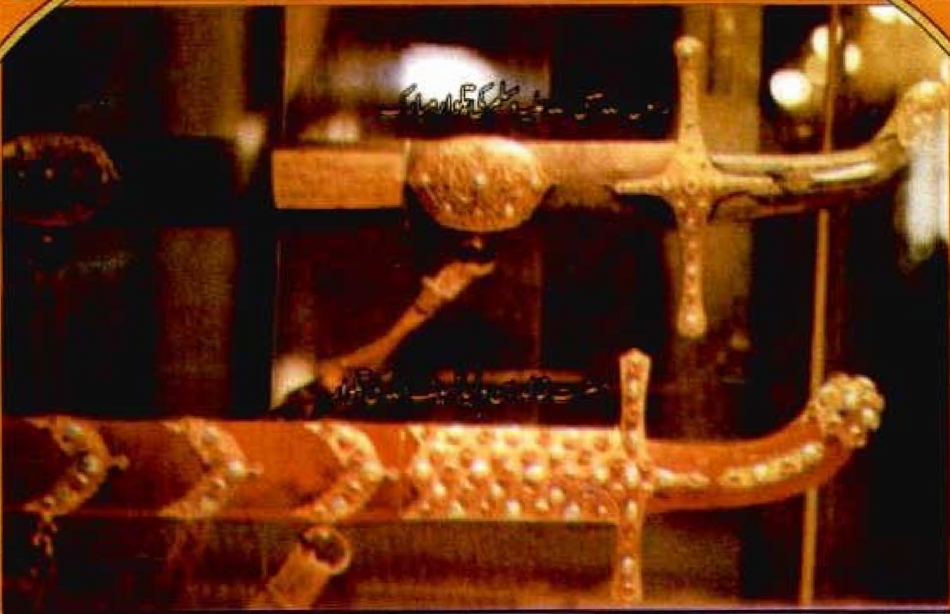







استنبول کے توپ کاپی عجائب گھر میں نوادرات



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمان

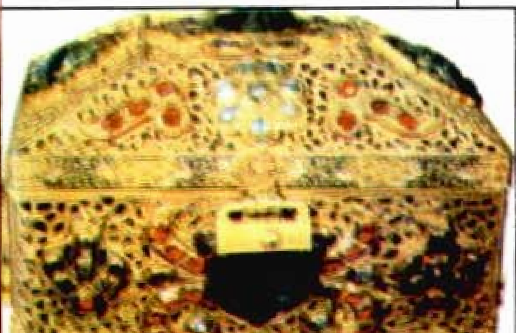


رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی داڑھی مبارک کا بال





رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار موئے مبارک



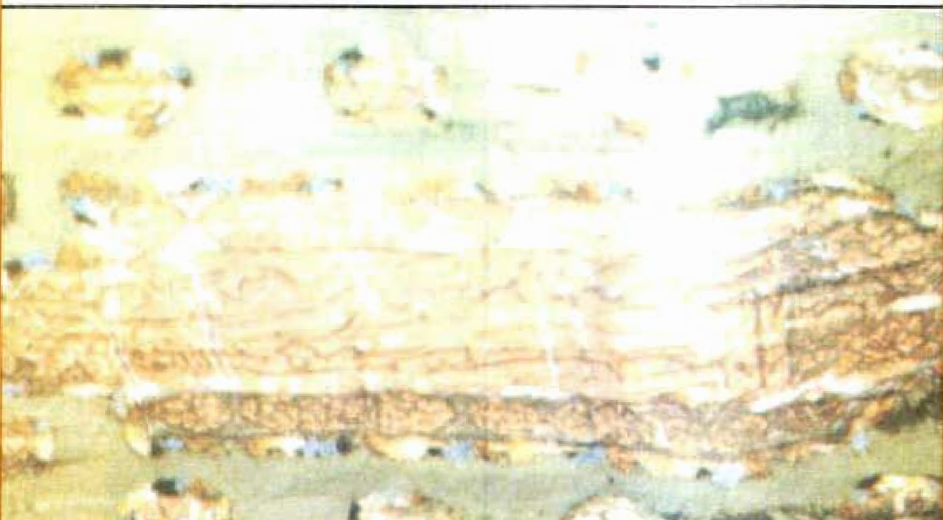
اس صندوق میں رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک ہیں



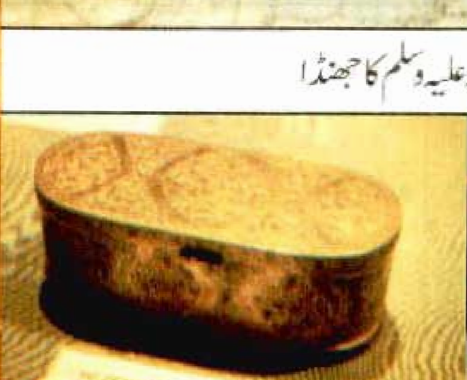
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی مبارک

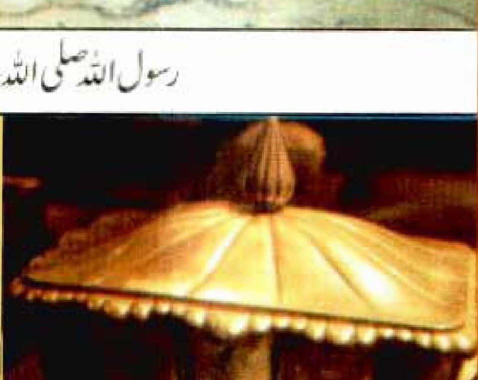


رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی مہر مبارک



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا







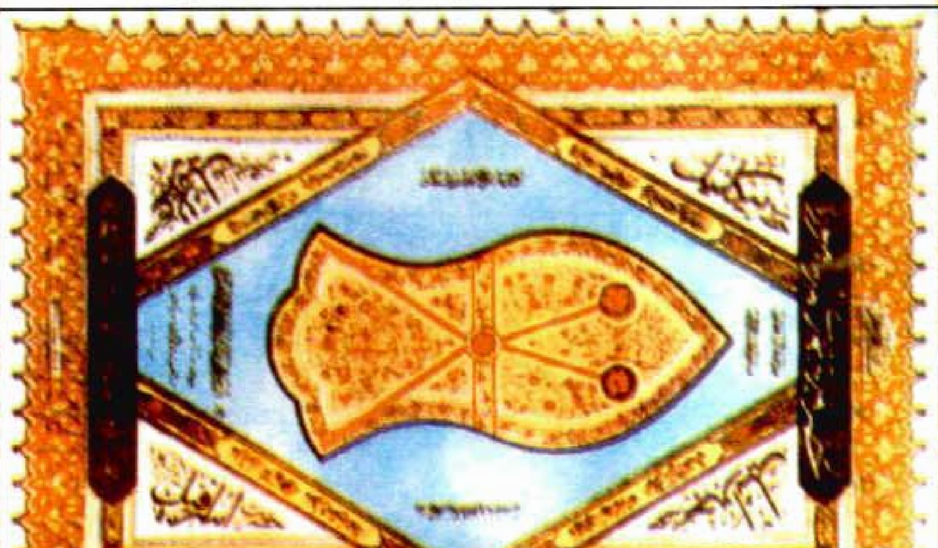
پتھر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے قدم مبارک کا نشان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرمہ دانی





مہر نبوت کی تحریر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو کندھوں کے درمیان تھی



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعل مبارک کا نقشہ



سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا دروازہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ کا مزار





حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم کا مزار



الخلیل میں مسجد ابراہیمی جہاں حضرت ابراہیم حضرت اسحٰق حضرت یعقوب اور ان کی بیویاں دفن ہیں



حکومت اردن نے حضرت شعیب کا شاندار مقبرہ اور متصل مسجد تعمیر کروائی



حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار جو موجودہ اردن میں ہے۔ دیواروں پر آیات قرآنی کی خطاطی کے خوبصورت نمونے ہیں



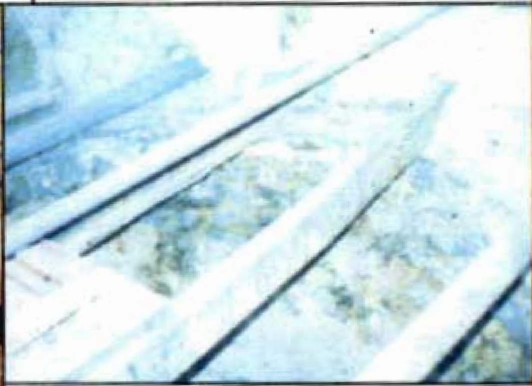
بیت لحم کے غار میں حضرت داؤد علیہ السلام کا مزار
جو بیت المقدس سے دس کیلومیٹر پر فلسطین کا بہت بڑا گاؤں ہے



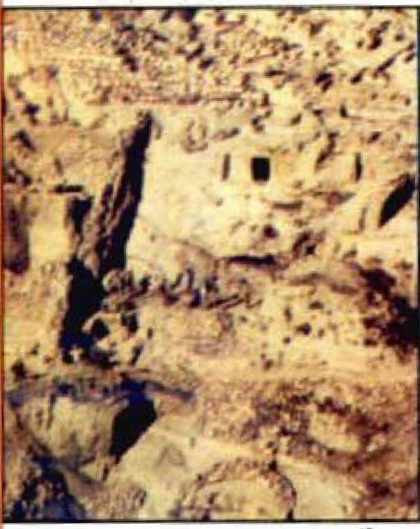
اردن میں حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر پر گنبد جو ایک پہاڑ کی چوٹی پر ہے



دمشق میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا مزار



عثمانؓ کا کنواں - حضرت عثمان غنی نے یہ کنواں یہودی سے خرید کر مسلمانوں کو دے دیا



یروشلم میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں کے ذریعہ جو شہر تعمیر کروایا تھا اسے کھود کر برآمد کیا جا رہا ہے



طویٰ کا کنواں: حضور فتح مکہ کی رات یہاں رہے اور صبح اس کنویں کے پانی سے غسل فرما کر مکہ شہر میں داخل ہوئے



جعرانہ کا کنواں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پانی پسند تھا اس کا پانی پینے سے پتھری اور گردے کی صفائی ہو جاتی ہے



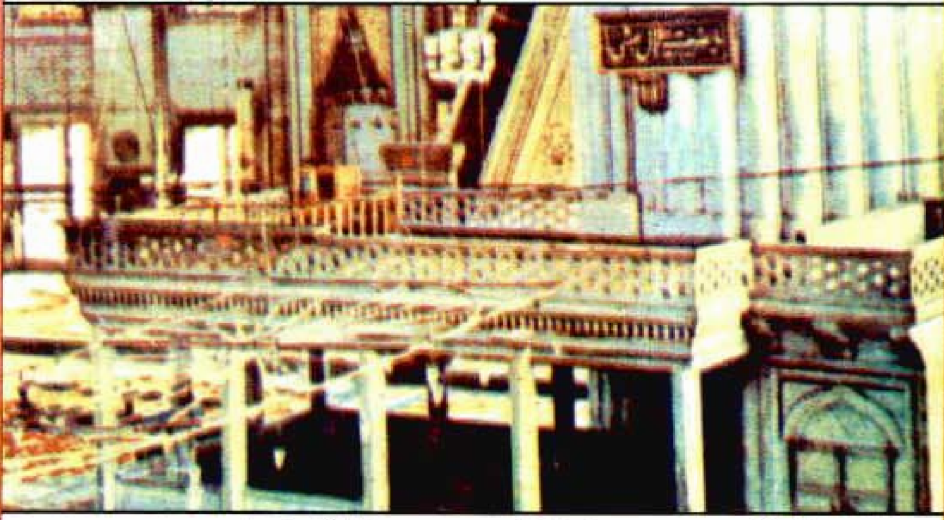
غزوۂ خندق میں نمایاں خدمات انجام دینے والے صحابی حضرت حذیفہ ابن یمان کی مدائن (عراق میں) قبر مبارک



حضرت عبداللہؓ ابن رواحہ صاحب قلم اور صاحب سیف
دونوں حیثیتوں میں ممتاز ہیں۔ یہ ان کا مزار ہے



خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے صحابی
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قادسیہ (عراق) میں مزار



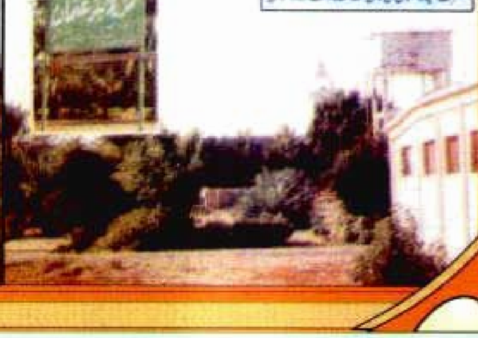
دمشق کی مسجد میں باب صغیر کے قریب حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا مزار



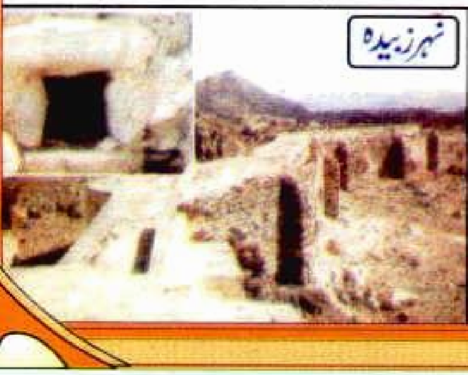


وادیٔ منیٰ میں ''مسجد البیعۃ'' جہاں بیعت اولیٰ وثانیہ ہوئی

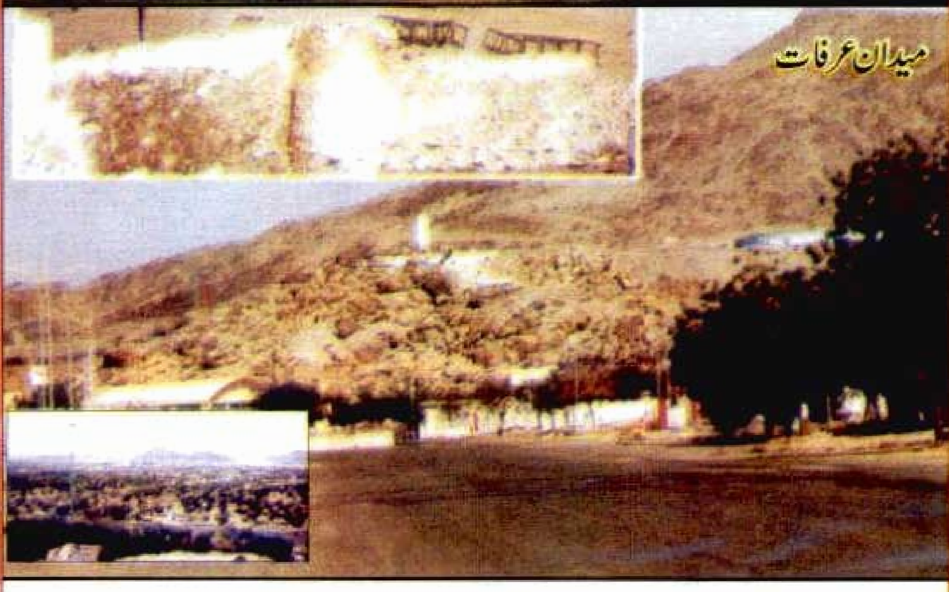
حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا وقف کردہ کنواں



نہر زبیدہ









www.ahlehaq.org



بئر روحا: ایک روایت کے مطابق ستر انبیاء کرام نے اس کنویں کا پانی پیا ہے



مسجد المعرس: وادیٔ عقیق۔ یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر سے واپسی پر رات قیام فرمایا




بئرمشیرب (بئر الیھوب)




وادیٔ بطحان جوجنوب سے شمال کی طرف باغات اور کھیتوں سے گزرتی ہے۔ایک حدیث مبارک میں وادیٔ بطحان کوترعۃ من ترع الجنۃ (جنت کی نہروں میں سے ایک نہر) فرمایا گیا ہے



مسجد التوبہ۔مسجد النور: یہ مسجد ایک واقعے کے بعد مسجد النور بھی کہلاتی تھی۔روایت میں ہے کہ حضرت سعد ابن حضیر اور حضرت عباد ابن بشیر رضی اللہ عنہما ایک سیاہ رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے پھر جب وہ آپ سے رخصت ہوئے تو اُن کا عصا روشن ہوگیا اور تاریکی میں راستہ دکھاتا رہا



حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور کے قرآن پاک کا اصلی نسخہ کا عکس (خط کوفی)



بئر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ



بئر خاتم



سقیفہ بنی ساعدہ

مدینہ منورہ کی تاریخی مساجد



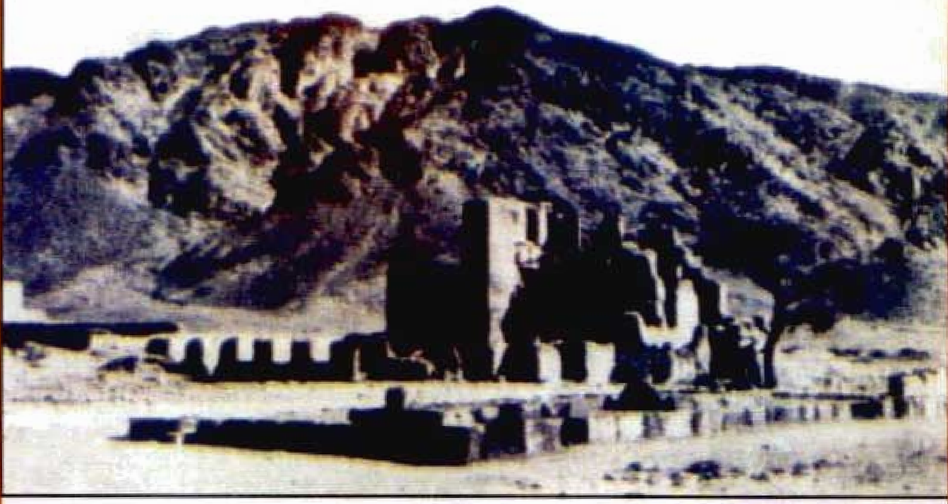


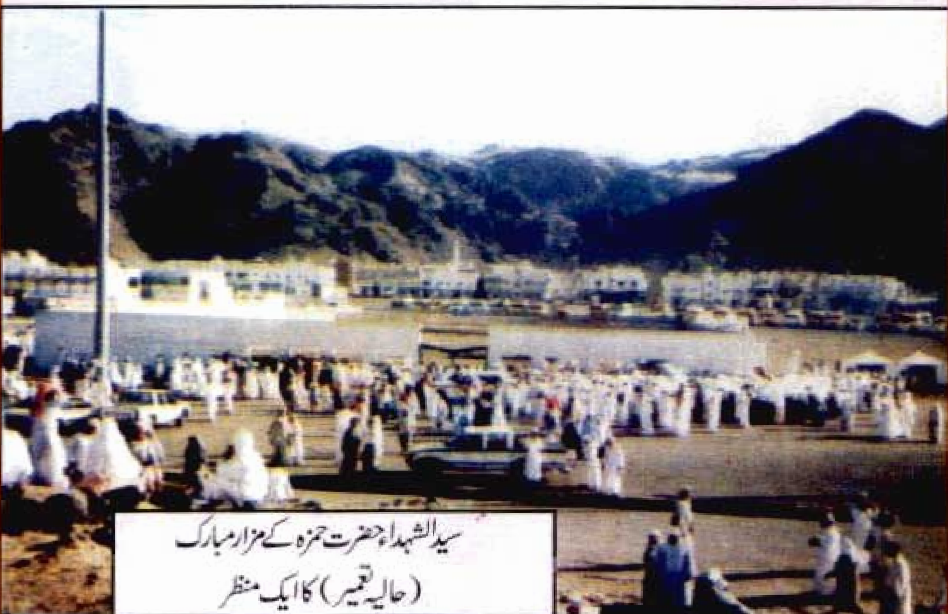


www.ahlehaq.org


www.ahlehaq.org

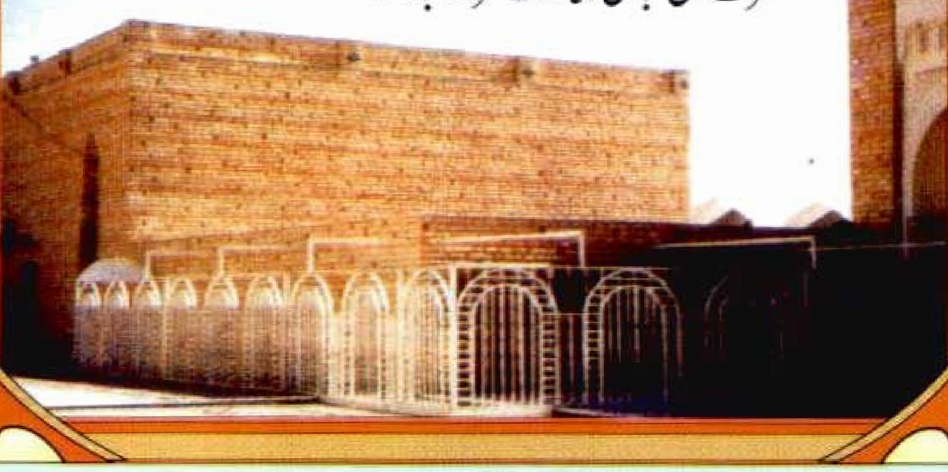

سید الشہداء حضرت حمزہ کے مزار کی قدیم تصویر

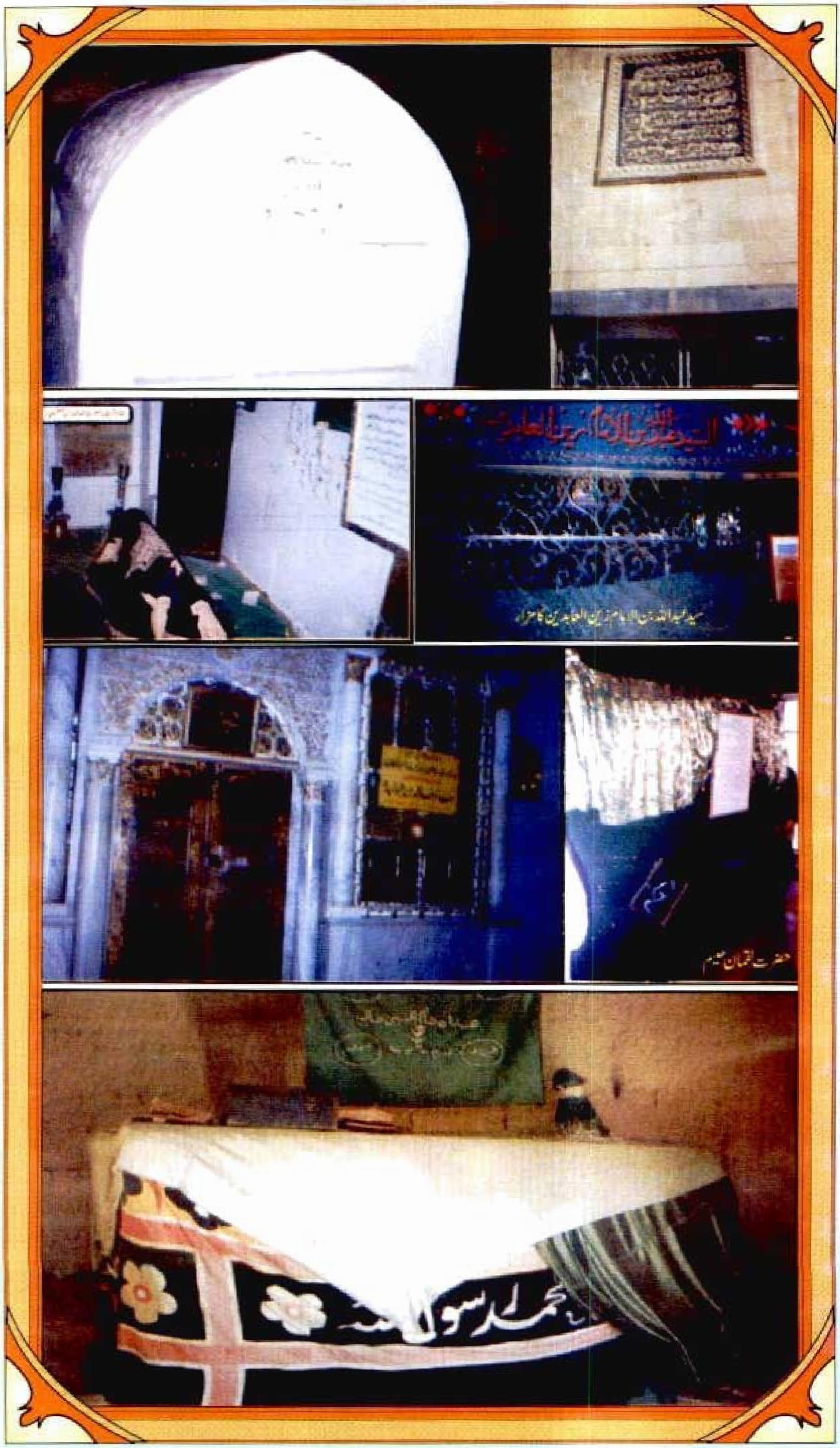




سید الشہداء حضرت حمزہ کے مزار مبارک
(حالیہ تعمیر) کا ایک منظر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مرقد مبارک

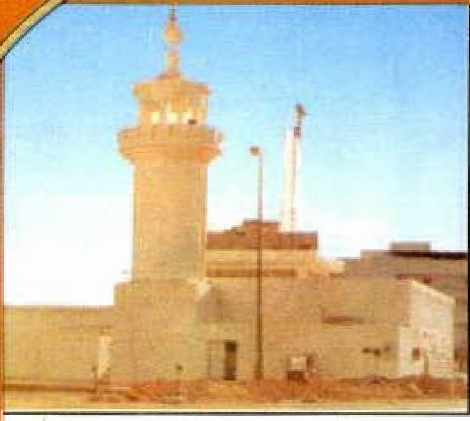




www.ahlehaq.org



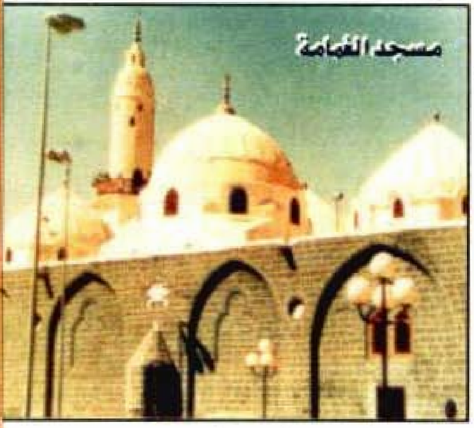
مسجد قبلتین: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ بیت المقدس کی بجائے کعبۃ اللہ کو قبلہ بنانے کا حکم نازل ہوا۔ یہ مسجد شارع خالد بن ولید کے کنارے اور وادی عقیق کے قریب واقع ہے۔



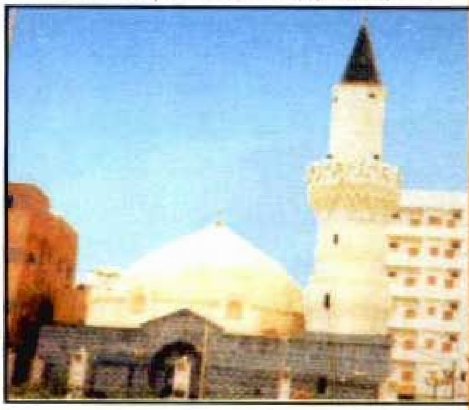
مسجد ابی ذر، تاریخی نام مسجد سجدہ ہے۔ جس کی بنیاد حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس جگہ طویل سجدہ کیا۔ سر اٹھایا تو خوشخبری سنائی کہ جبرئیل اللہ کا پیغام لائے ہیں۔ جو آپ پر درود وسلام بھیجے گا اللہ اس پر رحمت وسلامتی نازل فرمائیگا۔



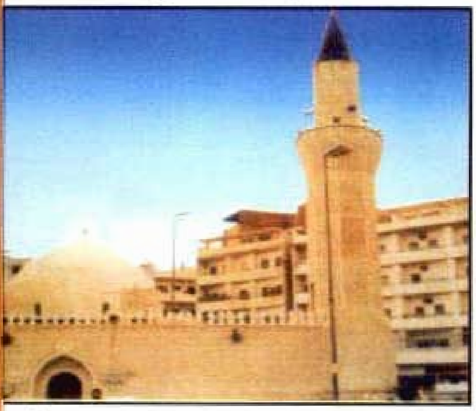
صحیح مسلم میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد میں دعا کی اور فرمایا میں نے اپنے رب سے تین دعائیں مانگیں جن میں سے دو قبول ہوگئیں۔ میں نے دعا کی کہ میری امت قحط سالی کی وجہ سے تباہ نہ ہو۔ نیز میری امت غرق ہو کر تباہ نہ ہو۔ یہ دونوں دعائیں قبول ہو گئیں۔ تیسری دعا یہ تھی کہ میری امت باہمی لڑائی سے محفوظ رہے۔ یہ قبول نہیں ہوئی



نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں عید کی نماز ادا فرماتے تھے۔ اس لئے تاریخی کتب میں اس کا نام عید گاہ والی مسجد ہے۔ موجودہ عمارت سلطان عبدالمجید ترکی کے زمانہ کی ہے۔



مسجد ابی بکر صدیق: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات عید کی نماز یہاں ادا فرمائی۔ پھر آپ ﷺ کے خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر نے عید کی نمازیں یہاں پڑھائیں۔



مسجد عمر بن خطاب: مسجد نبوی شریف سے ۴۵۵ میٹر پر واقع ہے۔ نویں صدی ہجری میں اس کی ابتدائی تعمیر ہوئی۔ ۱۴۱۱ھ میں شاہ فہد نے اسکی مرمت کرائی۔





مسجد علی بن ابی طالب: اس جگہ بھی نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید ادا فرمائی۔ شاہ فہد نے ۱۴۱۱ھ میں اس کی تعمیر نو اور توسیع کرائی۔

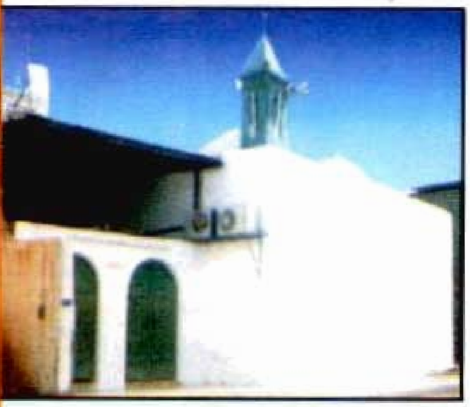
منظر لمساجد المصلی





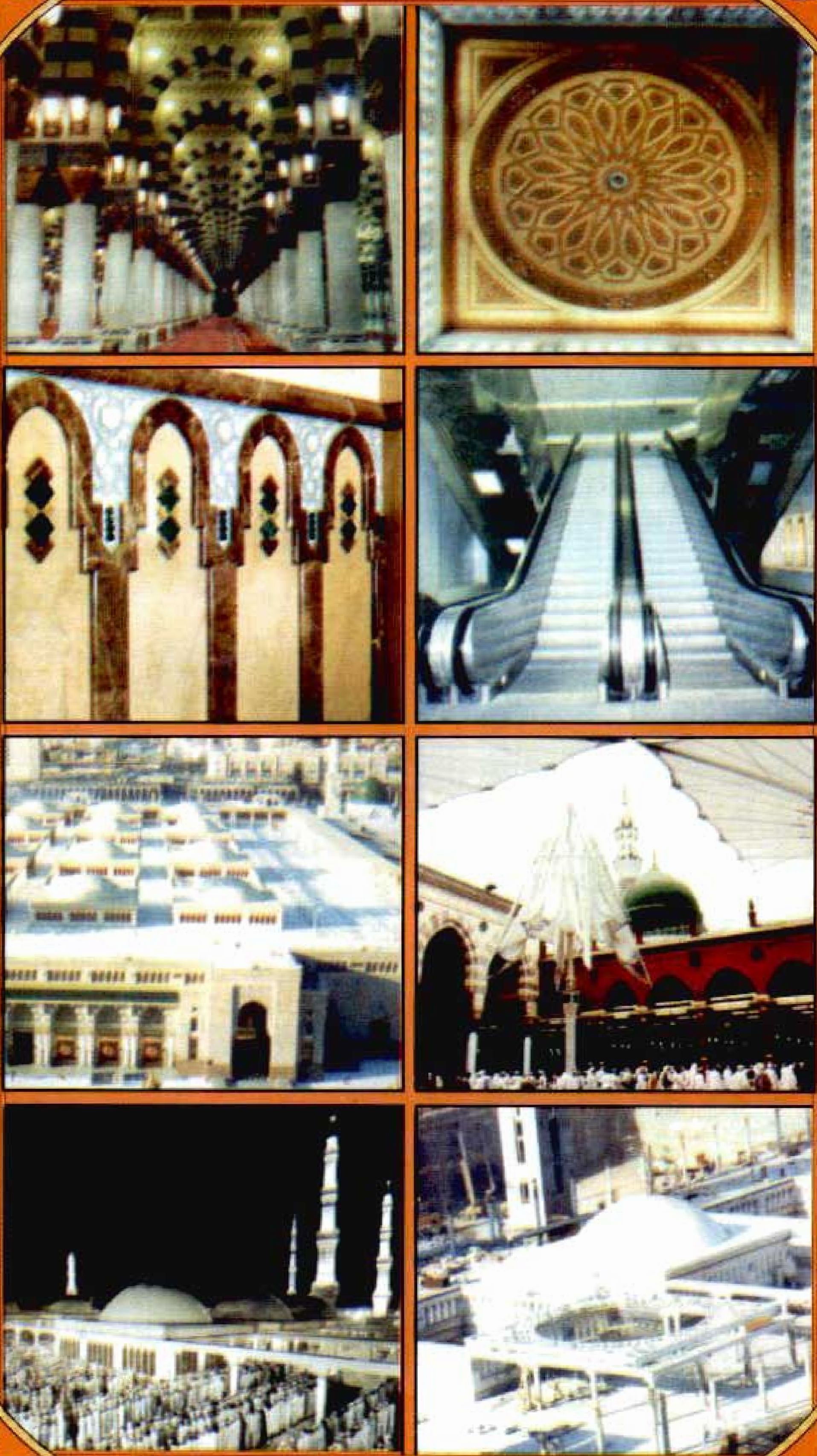
مسجد فضیح (بنی نضیر) بنو نضیر یہودی قبیلہ تھا۔ جو مدینہ منورہ آکر آباد ہو گیا اور مقامی عربوں کی قبائلی جنگوں میں فریق بن گیا۔ جب نبی آخر الزماں ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک وسیع البنیاد معاہدہ کا اہتمام کیا۔ اس میثاق مدینہ نے قیام امن میں مدد دی۔ لیکن بنو نضیر اپنی روایتی سازشوں سے باز نہ آئے۔ حتیٰ کہ انہوں نے سرتاج مدینہ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ آنحضور ﷺ نے انکا محاصرہ کیا جو چھ روز جاری رہا۔ بالآخر انکو مدینہ منورہ سے نکال دیا۔ اس دوران جہاں صحابہ نے آپ ﷺ کی امامت میں نماز ادا فرمائی وہاں مسجد بنا دی گئی جو مسجد بنو نضیر کہلائی۔





مسجد بنی قریظہ: بنو قریظہ یہودیوں نے غزوہ خندق کے دوران غداری کی اور معاہدہ توڑ دیا۔ آنحضور ﷺ نے حکم الٰہی کے مطابق انکا محاصرہ کیا۔ اس دوران آپ ﷺ نے جہاں نمازیں ادا کیں وہاں یہ مسجد بنا دی گئی۔

مسجد شیخین: غزوہ اُحد کے لئے جاتے ہوئے ایک رات یہاں قیام فرمایا، عصر مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی، لشکر کی تنظیم نو کی۔ کم عمر صحابہ کو یہاں سے واپس بھیج دیا۔

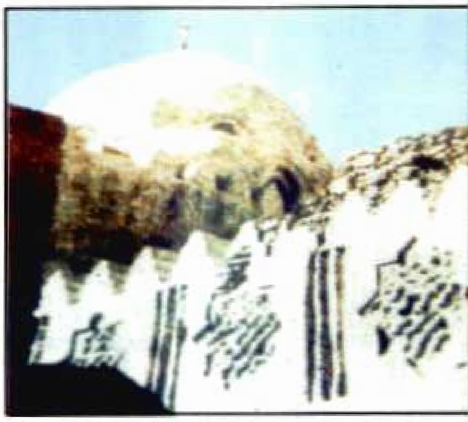




مسجد نبوی شریف: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی تعمیر کی جس میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار سے زیادہ ہے۔



مسجد قباء: مدینہ منورہ کی پہلی مسجد جس کی بنیاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ نے رکھی۔ ارشاد نبوی: جو اپنے گھر سے باوضو ہو کر مسجد قبا میں آ کر نماز پڑھے اُسے عمرہ کا ثواب ملے گا۔

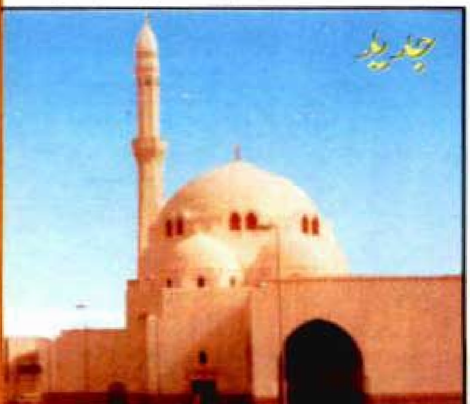


مسجد دار سعد بن خیثمہؓ: حضرت سعد بن خیثمہؓ کا یہ گھر آنحضورؐ کی ہجرت سے قبل ہی اسلام کا مرکز بن گیا۔ حضرات صحابہؓ کبھی کبھی اس میں نماز جمعہ بھی پڑھ لیتے تھے۔ یہ مسجد شاہ فہد کے زمانہ میں مسجد قبا کی توسیع میں شامل ہو گئی۔



مسجد عتبان بن مالکؓ: حضرت عتبان صحابی ہیں اُنکی درخواست پر ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم انکے گھر میں جلوہ افروز ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی ہمراہ تھے۔ نبی کریم کی امامت میں حضرت ابوبکرؓ و عتبانؓ نے نماز ادا کی۔ حضرت عتبانؓ نے اس جگہ کو مسجد بنالیا۔





مسجد جمعہ: جب نبی مصطفیٰ ﷺ ہجرت کر کے آئے تو قبا میں قیام فرمایا۔ جمعہ کے دن وہاں سے مدینہ منورہ کیلئے روانگی ہوئی۔ مسجد قباء سے تقریباً ایک کیلومیٹر کے فاصلہ پر بنو سالم کی بستی میں نماز ادا فرمائی۔ بنو سالم نے اس جگہ مسجد بنائی جو مسجد جمعہ اور مسجد بنی سالم کہلائی۔